بہاروں کے سنگ سنگ .... اقراء صغیر احمد

''پلیز تم لوگوں کے پاس ڈسکس کرنے کے لئے کوئی دوسرا موضوع نہیں ہے۔''

''ہائے یار تم نہیں جانتی ہو۔ وہ ظالم کتنی پُرکشش پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ایک دفعہ دیکھنے والا بار بار تو کیا' ہزار بار دیکھنے کی تمنا کرے۔'' سومیہ دل پر ہاتھ رکھ کر بڑے ہی والہانہ انداز میں بولی اور اس کی اس ادا پر سوائے لائبہ کے وہ سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''کچھ لڑکیاں واقعی پیدائشی ایڈیٹ ہوتی ہیں۔'' لائبہ چڑ کر بولی۔

''لائبہ ڈیئر' تمہیں کیوں اس بے چارے سے' بقول دادی جان کے'' اللہ واسطے'' کا بیر ہو گیا ہے۔ حالانکہ تم اس سے ابھی تک ملی نہیں ہو۔'' حنا نے کہا۔

''مجھے یہاں آئے تین ماہ ہو چکے ہیں' یعنی ایڈمیشن لئے ہوئے مگر ان تین ماہ میں، میں نے تم لوگوں کو کورس بکس کے بجائے اُسامہ کے ہی قصے پڑھتے سنا ہے۔ آخر وہ انسان ہی ہوگا۔ کوئی آسمان سے اتری مخلوق تو نہیں۔''

''تم نے ابھی اسے دیکھا نہیں ہے۔ اس لئے جیلس ہو رہی ہو۔ جب دیکھ لو گی تو......''

''شٹ اپ میں کوئی بے ہودہ بات سننا پسند نہیں کروں گی۔'' لائبہ بڑے غصے سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔ پنک کلر کے کرتا سوٹ میں اس کا گلابی رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

''او کے چھوڑو اس ٹاپک کو، چلو کوک اور برگر منگواتے ہیں۔'' سومیہ نے فضا میں موجود تناؤ کو ختم کرنے کے لئے مصالحت آمیز لہجہ اپنایا۔

⊙⊙⊙

''لائبہ' لائبہ بیٹی' چلیں کھانا کھائیں۔'' ماما اسے پکارتی ہوئی بیڈ روم میں آ گئیں۔

''مجھے بھوک نہیں ہے ماما۔ آپ کھالیں۔ پلیز۔'' وہ بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولی۔

میں آپ کی وجہ سے بھوکی بیٹھی ہوں۔ چلیں تھوڑا سا کھالیں۔'' ماما مسکرا کر بولیں۔

''نو ماما پلیز۔ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔ آپ کھالیں۔'' وہ بیزاری سے کروٹ بدل کر بولی۔ ماما نے اس کی بھیگی ہوئی پلکیں دیکھیں تو فوراً اس کے نزدیک بیٹھ گئیں۔

''کیا بات ہے۔ ماما کی جان!! یونیورسٹی میں کسی سے جھگڑا ہو گیا۔'' وہ اس کے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی پریشانی سے بولیں۔

''نہیں ماما مجھے جھگڑا کرنے کی عادت کہاں ہے۔''

''پھر بھی میری جان، کوئی بات تو ہے۔''

''ماما' نا معلوم کیوں میں سیلفش (خود غرض) ہوتی جا رہی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے' سب لوگ مجھے ہی چاہیں' مجھے ہی پیار کریں' مجھے ہی دیکھیں' مجھے ہی سوچیں۔''

''بیٹا! میں آپ کو پیار نہیں کرتی۔ آپ کو چاہتی نہیں۔ نظروں کے سامنے ہو تو آپ کو ہی دیکھنے کا دل چاہتا ہے' نگاہوں سے اوجھل ہوں تو آپ کے ہی بارے میں سوچتی ہوں۔'' ماما بے تابی سے بولیں۔

''ماما! آپ کی محبت میرے ترسے ہوئے دل کے لئے ایک قطرے کی حیثیت رکھتی ہے' جبکہ مجھے اپنی پیاس بجھانے کے لئے سمندر چاہئے۔''

''کیا سوچنے لگیں؟ میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''ماما آپ کی محبت کی ہی بدولت میں زندہ ہوں۔ ورنہ کب کی خاک ہو چکی ہوتی۔''

''ایسی باتیں نہیں سوچتے بیٹا۔ چلو اب کھانا کھا لو پھر مجھے بتانا کہ کس نے میری بیٹی کو نظر انداز کر کے دوسرے کو سراہا ہے۔''

''ماما اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈائننگ روم میں لے آئیں۔ وہ لائبہ کی کیفیت سمجھ چکی تھیں۔ بچپن سے لائبہ کو انہوں نے پرورش کیا تھا۔ لائبہ غیر معمولی طور پر ذہین اور بے پناہ حساس لڑکی تھی۔

''اب بتائیں۔ کیا بات ہے۔ میں کچھ دنوں سے محسوس کر رہی ہوں کہ آپ جب یونیورسٹی سے آتی ہو تو بہت الجھی الجھی ہوتی ہو۔''

وہ دونوں کھانے سے فارغ ہو گئیں تو لائبہ کے بیڈ روم میں ماما لائبہ کے قریب بیٹھتی ہوئی بولیں۔

''ماما! مجھے الجھن ہوتی ہے' جب میں اتنی ڈھیر ساری لڑکیوں کو صرف ایک شخص کے لئے اس قدر دیوانہ دیکھتی ہوں۔ حالانکہ وہ شخص پچھلے تین ماہ سے یونیورسٹی کے ایک وفد کے ساتھ کسی کمبائن سبجیکٹ کے انٹروڈکشن کے سلسلے میں چین گیا ہوا ہے مگر لڑکیاں اسے اپنے تصورات میں یونیورسٹی میں ہی موجود محسوس کرتی ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر غصہ بھی آتا ہے اور دکھ بھی ہوتا ہے کہ لڑکیاں اپنا وقار و حیا بھلائے اس کی بہت شدت سے منتظر ہیں۔'' لائبہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

''بیٹا! بہت سے لوگ اتنے پُرخلوص و ہمدرد ہوتے ہیں کہ سب کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جو سب کو اپنا خلوص بغیر کسی لالچ و غرض کے بانٹتے ہیں' دور جا کر بھی اپنے قریب محسوس کرتے ہیں۔'' ماما اسے سمجھاتی ہوئی بولیں۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ حنا بتا رہی تھی کہ وہ بہت مغرور و بد دماغ لڑکا ہے اور لڑکیوں سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے' چنانچہ مجھے اسی بات پر غصہ آتا ہے کہ لڑکیوں کو اسے بالکل نظر انداز کر دینا چاہئے۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''سب لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ کچھ لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔'' ماما مسکرا کر بولیں۔

⊙⊙⊙

ایک ہفتے سے پڑھائی زبردست ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے لئے'' پاکستان اسٹڈیز'' کو سلیکٹ کیا تھا۔ اسے پاکستان (جسے اسلام کے قلعے کے نام سے جانا جاتا ہے) سے بے حد لگاؤ تھا۔ وہ اس پاک سرزمین کے گوشے گوشے سے واقف ہو جانا چاہتی تھی۔ آج بھی پروفیسر راحت' لیاقت علی خان شہید کی' پاکستان کے لئے عظیم خدمات پر خصوصی لیکچر دینے والے تھے۔

''وہ آج کار خراب ہو جانے کی وجہ سے لیٹ ہو گئی تھی اور اب وہ تیزی سے سیڑھیاں عبور کر رہی تھی۔ اسے سخت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ پروفیسر راحت وقت کے بہت پابند تھے اور وہ شرمندگی سے بچنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ابھی وہ آخری سیڑھی عبور کرنے والی تھی کہ اپنے سے بھی تیزی سے نیچے آنے والے شخص سے بری طرح ٹکرائی۔ ایک لمحے کو تو اس کا دماغ سن ہو کر رہ گیا۔ ہاتھ میں پکڑی کتابیں اور فائلز سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی زمین پر جا گریں۔ شولڈر بیگ قدموں کے پاس پڑا تھا۔

''آنکھیں اللہ نے استعمال کرنے کے لئے بنائی ہیں' چہرے پر سجانے کے لئے نہیں۔'' کیسا آگ برساتا لہجہ تھا۔ اس کا پور پور سلگ اٹھا۔ اس نے سلگتی نگاہ اپنے مقابل پر ڈالی۔ چھ فٹ سے نکلتے قد کا مالک وہ اپنے وجیہہ چہرے پر غصے کی سرخی لئے اسے بڑی حقارت آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

''میں آنکھیں بند کر کے چل رہی تھی تو آپ کی آنکھیں کیا کرائے پر گئی تھیں۔'' وہ اس کا مطلب سمجھ کر اس سے بھی زیادہ تپے ہوئے لہجے میں بولی۔ ایک لمحے کو وہ اس کے لہجے پر حیران ہوا مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔

''سب سمجھتا ہوں' میں آپ جیسی لڑکیوں کی حرکتوں کو......''

''آپ کا مطلب ہے' میں جان بوجھ کر آپ سے ٹکرائی ہوں۔'' غصے کی شدت سے اس کا نازک بدن کانپ اٹھا۔

نادر جو دور سے سب کچھ دیکھ رہا تھا' تیزی سے ان کے نزدیک آ گیا۔

''کیا ہو گیا یار۔'' وہ اُسامہ سے مخاطب ہوا۔

''مجھے ضروری کال اٹینڈ کرنی تھی۔ خوامخواہ وقت ضائع ہو گیا۔'' وہ جھلایا ہوا دو دو سیڑھیاں پھلانگتا نیچے چلا گیا۔ اس کے لباس سے پھوٹتی خوشبو ہر سو رچی ہوئی تھی۔

''سوری مس! دراصل اسے نو بجے چین سے آنے والی کال سننی تھی۔ وہ اسی لئے تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ اس نے محسوس نہیں کیا کہ آپ بھی تیزی سے اوپر آ رہی ہیں۔ اس نے نادر کو کوئی جواب نہیں دیا۔ نیچے پڑا بیگ اور کتابیں اٹھا کر کامن روم کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا موڈ بری طرح بگڑ چکا تھا۔ ایک غم اسے لیکچر ضائع ہو جانے کا تھا دوسرا غصہ اس جاہل انسان کے رکیک الزام کا تھا۔

کامن روم میں اس وقت لڑکیاں بہت ہی کم تھیں۔ وہ جا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ پرس اور کتابیں میز پر رکھ دیں۔ خون اس کی رگوں میں آگ بن کر دوڑ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا' فوراً گھر چلی جائے۔ غصے اور جھنجلاہٹ سے اس کا برا حال تھا۔ وہ اگر چند منٹ اور رک جاتا تو وہ اس کی طبیعت صاف کر دیتی مگر وہ اپنی بات کہہ کر رکا نہیں تھا ورنہ وہاں زبردست جنگ چھڑ جاتی۔

''پیریڈ اٹینڈ کیوں نہیں کیا تم نے۔'' حنا کی آواز پر اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ حنا' سومیہ اور حمیرا اس کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔

''لیٹ ہو گئی تھی۔ لیٹ ہونے کا منظر اس کی نگاہوں میں گھوما تو خود بخود اس کے لہجے میں کڑواہٹ آ گئی۔

''خیریت تو ہے۔ پریشان لگ رہی ہو۔'' سومیہ اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر بولی۔

''پیریڈ مس ہو جانے کا دکھ ہے مجھے۔'' وہ قدرے سنبھل کر بولی کہ جو کچھ بھی ہوا تھا' اسے دہرانا اپنی توہین سمجھتی تھی۔

''لیکچر میں کوئی بات نہیں یار۔ خاص خاص پوائنٹ میں نے نوٹ کر لئے ہیں۔ وہ تم مجھ سے لے لینا۔'' سومیہ مسکرا کر بولی۔'' ہاں۔ ایک خوشخبری سنو۔ رات کو اُسامہ ملک وفد کے ساتھ واپس آ گیا ہے چین سے۔'' اس نے بہت ہی مسرور لہجے میں انکشاف کیا۔

لفظ خوشخبری پر لائبہ اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکی۔'' تم خوشخبری تو ایسے سنا رہی ہو' جیسے میرا کوئی بچھڑا ہوا رشتے دار آ گیا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''ہو سکتا ہے کیونکہ رشتے داری جوڑنے میں کیا ٹائم لگتا ہے۔'' حمیرا بدتمیزی سے آنکھ دبا کر بولی تو لائبہ کے سوا سب ہنس پڑیں۔

''تم ہو ہی بے ہودہ۔'' لائبہ اس کے بال کھینچتی ہوئی بولی۔

⊙⊙⊙

اماں جان بڑی اضطرابی کیفیت میں ادھر سے ادھر کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ ان کے سرخ و سفید چہرے پر جلال چھایا ہوا تھا۔ سفید سوٹ میں ملبوس چادر نما دوپٹے کو وہ اس طرح اوڑھے ہوئے تھیں کہ چہرے کی بھویں تک چھپ گئی تھیں۔ ہاتھ میں چمکتے ہوئے سچے موتیوں کی تسبیح تھی۔ ان کی تینوں بہوئیں نہایت ادب سے نظریں جھکائے ایک طرف کھڑی تھیں۔ منجھلی بہو آنکھ کے اشارے سے چھوٹی بہو سے پوچھ رہی تھی کہ انہیں یہاں کیوں بلایا گیا ہے اور اماں جان اتنے غصے میں کیوں ہیں۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اماں کی تسبیح ختم ہوئی تو (بقول روحیل کے شاہی تخت) پر بیٹھنے کے بعد ان سے گویا ہوئیں۔ وہ تینوں سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''کوثر! تم نے کس کی اجازت سے ریاض اور اس کی بیوی کو ایبٹ آباد بھیجا ہے۔'' ان کے پرجلال اور سرد لہجے میں بلا کی رعونت و خود پسندی تھی۔ کوثر بیگم جو پہلے ہی زرد ہو رہی تھیں اماں جان کے سوال پر حواس باختہ نظر آنے لگیں۔

''اماں جان! بھائی جان نے تو ریاض کو بہت سمجھایا مگر ماریا کی ضد تھی کہ وہ ایبٹ آباد ضرور جائے گی۔ اسے اس کے ممی پپا بہت یاد آ رہے تھے۔ بھابی کا انکار سن کر اس نے دو دن بھوک ہڑتال کی۔ جس پر بھابی نے مجبوراً اجازت دے دی۔'' عظمت بیگم نے بڑی بھابی کی طرفداری کرتے ہوئے صورتِ حال سمجھائی۔

''اونہہ...... آج کل کی لڑکیاں ساس کو تو اپنا دشمن سمجھتی ہیں۔ شادی ہو کر آئے ابھی ایک سال ہوا ہے۔ میاں کو اُلو بنا لیا ہے۔ فون ملا کر دو مجھے ایبٹ آباد۔ ابھی معلوم کرتی ہوں' اس کے اماں ابا کی خیریت۔ شریف گھرانوں کی لڑکیوں کے یہ طور طریقے نہیں ہوتے۔ اتنے سال ہو گئے میری بہوؤں نے مجھ سے آج تک نگاہ اٹھا کر بات نہیں کی۔ یہ کل کی آئی ہوئی لڑکی اپنی ضدیں منوائے گی یہاں۔ چند دن گھر سے چلی کیا جاؤں کہ گھر کا نظام ہی بگڑ جاتا ہے۔'' وہ عینک لگاتی ہوئی بڑبڑائیں۔

کوثر بیگم نے عظمت کی طرف تشکر بھری نظروں سے دیکھا اگر عظمت بیگم نہ بولتیں تو ان کو اماں کو جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ اماں جان جو ہٹلر کا سا مزاج رکھتی

تھیں۔ پورے خاندان میں کوئی ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے جاہ وجلال دبدبے غصے سے سب ہی بے حد خوفزدہ تھے۔ وہ اپنی ہی منوانے کی عادی تھیں۔

''اماں جان! ایبٹ آباد میں تودے گرنے کی وجہ سے فون کی تاریں ٹوٹ گئی ہیں۔ آپریٹر کہہ رہا ہے کہ کل تک لائن کلیئر ہوگی۔'' چھوٹی بہو نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''تودوں کو بھی فون کی تاروں پر گرنا تھا۔''

''السلام علیکم اماں جان۔ یہ تاروں پر کیوں خفا ہوا جا رہا ہے۔'' اُسامہ جو ابھی غسل سے فارغ ہو کر آیا تھا' ان کے قریب بیٹھ کر بولا۔

''وعلیکم السلام۔ میں گھر سے چلی کیا جاؤں۔ سارا نظام ہی خراب ہو جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے' تمہاری تائی امی نے بال دھوپ میں سفید کیے ہیں۔ بہو کو ایسی حالت میں ایبٹ آباد بھیج دیا۔ وہاں تو ویسے ہی اونچے نیچے پتھریلے راستے ہیں' گر گئی وہ ٹھوکر کھا کر' وہ تو اللہ کا بہت کرم ہوا کہ بہو کو صرف ٹانگ میں معمولی سی چوٹ آئی۔ بچہ محفوظ رہا اگر بچے کو کچھ ہو جاتا تو پوچھ لیتی بہو سے بھی اور اس کے گھر والوں سے بھی۔ جنہوں نے کوئی تمیز طریقہ لڑکی کو نہیں سکھایا۔ بھلا بتاؤ بچے کو کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی۔''

''اماں! صدقہ کر تو دیا ہے۔ وہ دونوں آجائیں تو میلاد قرآن خوانی کروالیں گے۔'' عظمت بیگم نے اُسامہ کو جھینپتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اماں کی باتوں پر ادھر ادھر دیکھ کر ان تینوں یعنی تائی' چچی اور ممی سے نظریں چرا رہا تھا۔ اس لمحے ان کا شدت سے دل چاہا تھا کہ کاش ان کی کوئی لڑکی ہوتی تو وہ اسے اپنا داماد بنا کر یقیناً فخر کرتیں۔ اُسامہ انہیں اپنے تینوں بیٹوں سے زیادہ عزیز تھا۔

''اتنا عرصہ لگا دیا بیٹا تم نے چین میں۔'' اس سے بات کرتے وقت اماں جان کے لہجے میں گویا شہد گھل گیا۔ خاندان میں اُسامہ واحد ایسا شخص تھا جس کی کسی بات سے انہیں اختلاف نہیں ہوتا تھا۔ اس کی جائز و ناجائز بات وہ خاموشی سے مانا کرتی تھیں کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ انہی کا ہم مزاج ہے بلکہ ہٹ دھرمی وضد میں ان سے بھی چار قدم آگے ہے۔ وہ ان کے منجھلے بیٹے اسد کی اکلوتی اولاد تھا جو شادی کے سات سال بعد منتوں مرادوں سے پیدا ہوا تھا۔ اماں جان کی تو اس میں بچپن سے جان تھی۔

❂❂❂

جب سے تُو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
سنگ ہر شخص نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے

وہ حنا کے ساتھ لائبریری کی طرف جا رہی تھی کہ سامنے بینچ پر بیٹھا جمشید خان حسب عادت اسے دیکھ کر اپنی بے سُری آواز میں گنگنایا۔

''ہیلو ایوری باڈی' کدھر کا رخ ہے۔'' وہ بات حنا سے کر رہا تھا مگر اس کی نگاہیں لائبہ پر جمی ہوئی تھیں جو ناگواری سے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔

''لائبریری تک جا رہے ہیں۔'' حنا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

جمشید کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ پوری جامعہ میں وہ بدنام تھا۔ لڑکیوں سے فلرٹ کرنا' امتحانوں میں دھاندلی کروانا' اساتذہ کو تنگ کرنا اور بھی بہت سے برے کام اس کے لئے معمولی بات تھے۔ اسلحہ بھاری تعداد میں اس کے پاس رہتا تھا۔ اکثر اسٹوڈنٹس اس کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ اس کے گرد اسی جیسے بدمعاش اسٹوڈنٹس کا رش رہتا تھا جن کا کام پڑھنا نہیں صرف افواہیں ہنگامے اور بدنظمی پھیلانا تھا۔ جب سے اس نے لائبہ کو جامعہ میں دیکھا تھا' اس کا اکثر پاکستان اسٹڈیز فیکلٹی میں آنا جانا رہتا تھا۔ حالانکہ وہ انگلش ڈپارٹمنٹ کا اسٹوڈنٹ تھا۔ لائبہ کو دیکھ کر گانے گانا اور عشقیہ شعر پڑھنا' اس کی عادت بن چکی تھی۔ لائبہ اسے بری طرح نظر انداز کرتی تھی مگر وہ سب کچھ محسوس کر کے بھی اس کے پیچھے لگا رہتا تھا۔

''گرمی بہت ہو رہی ہے۔ کیفے چلتے ہیں پھر لائبریری......''

''تھینک یو۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی لائبہ نے جھٹکے سے جواب دیا اور حنا کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔

''میں اس کی شکایت اُسامہ سے کروں گی۔ بہت آگے بڑھتا جا رہا ہے۔'' حنا غصے سے بولی۔

''میں پرنسپل صاحب سے شکایت کروں گی۔ وہ سربراہ ہیں۔'' لائبہ بولی۔

''پرنسپل صاحب صرف جھوٹے وعدوں' دلاسوں کے سوا کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ جمشید کے پیچھے کسی بڑی سیاسی پارٹی کا ہاتھ ہے جو پرنسپل صاحب کو سیکنڈ بھر میں چلتا کروا دے گا۔ ارے وہ رہے اُسامہ بھائی۔ میں ابھی ان سے......''

''اسٹوپڈ مت بنو۔ بدنام کراؤ گی تم' مجھے جامعہ میں۔ اس کمینے سے نمٹنا میں اچھی طرح جانتی ہوں اور اس شخص سے تو میں کبھی مدد نہ لوں۔'' اس نے حنا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ حنا نے جس شخص کی طرف اشارہ کیا تھا' وہ وہی (بقول اس کے) پوائزن مین تھا۔ اسے دیکھ کر اس کا منہ کڑوا ہو گیا تھا۔ وہ حنا کو زبردستی لائبریری میں لے گئی۔

''کیا ہو گیا بھئی۔ کیوں مجھے اس طرح لائی ہو؟''

''وہ شخص مجھے زہر لگتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کڑوا۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''ارے! تم نے تو انہیں پہلی مرتبہ دیکھا ہے پھر ایسی بات کیوں کر رہی ہو؟''

''السلام علیکم۔ کیا ہو رہا ہے۔'' ان کے سامنے وہی اس دن معذرت کرنے والا شخص کھڑا تھا۔ اس نے بیزاری سے منہ موڑ لیا۔

''مجھے بیٹھنے کو نہیں کہیں گی۔''

''کیوں نہیں' بیٹھو نا۔'' حنا مسکرا کر بولی۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''نادر! یہ میری نئی دوست ہیں لائبہ......تم لوگ چین گئے ہوئے تھے' تب ان کا ایڈمیشن ہوا تھا۔ حنا نے لائبہ کا تعارف کروایا جو منہ جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

''مل چکا ہوں میں ان سے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''ارے کب بھئی۔'' حنا حیران ہوئی۔

''پانی پت کے میدان میں۔''

''کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔ بتاؤ نا۔''

''اگر مس لائبہ اجازت دیں تو۔ دراصل میں بہت دنوں سے کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کی اس دن کی غلط فہمی دور کر دوں۔'' نادر لائبہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اس دن جو کچھ ہوا۔ میں اسے دہرانا نہیں چاہتی ہوں آپ حنا کو جو کچھ بتانا چاہیں' شوق سے بتا سکتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی۔ حنا نے اسے روکنا چاہا مگر وہ تیزی سے نکل گئی تھی۔

حنا' نادر کی وجہ سے اس کے پیچھے نہ جا سکی۔ نادر نے اس دن کا سارا قصہ اسے سنا دیا۔

''بہت برا ہوا نادر! لائبہ عام لڑکیوں سے بہت مختلف لڑکی ہے۔ اُسامہ نے بہت زیادتی کی ہے۔ وہ خود ایسی لڑکیوں سے الرجک ہے۔'' نادر کی بات سن کر حنا نے بہت افسوس کیا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس کا رویہ ہر لڑکی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ الیکشن کے دن نزدیک آ رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں اُسامہ اپنے رویے میں تبدیلی کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ لڑکیوں کی حمایت کے بغیر کامیابی بہت دشوار ہو جائے گی اور ہمارے مقابلے پر کوئی معمولی آدمی نہیں ہے' جمشید خان ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر ہمیں اس سے مقابلہ کرنا ہے۔'' نادر بہت سنجیدہ تھا۔

''شکر ہے تم لوگوں نے ہماری حیثیت کو تسلیم تو کیا۔'' حنا شوخی سے بولی۔

''تمہاری حیثیت کیا ہے۔ یہ میرے دل سے پوچھو۔'' وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''میں دیکھتی ہوں لائبہ کہاں گئی۔'' اس کی ایسی نظروں سے وہ ہمیشہ پریشان ہو جایا کرتی تھی۔

''اوکے۔'' وہ اس کے سرخ چہرے کو دلچسپی سے دیکھتا ہوا اچلا گیا اور حنا نے ٹیبل سے اپنی کتابیں سمیٹنی شروع کر دیں۔

❂❂❂

''روز روز دال کھا کھا کر پیٹ کا حشر خراب ہو گیا ہے۔ اس گھر میں گوشت کھانا حرام ہے کیا۔'' دال سے بھری پلیٹ سامنے میلی دیوار پر بیل بوٹے بناتی ہوئی زمین بوس ہو گئی۔

''شکر کر نامراد' تجھے یہ دال بھی نصیب ہو رہی ہے تو کام کا نہ کاج کا۔ کھانے کے لئے گوشت اور پراٹھے چاہئیں۔'' خورشید بی بی اسے گھورتی ہوئی بولیں۔

''کہہ دیا' نہیں ملتا کام وام۔ یہاں بڑی بڑی ڈگریوں والے جوتے چٹخاتے پھرتے ہیں تو مجھ جیسے میٹرک فیل کو بھلا کون نوکری دے گا۔'' وہ غصے سے بولا۔

''سامنے کوٹھی والے بڑے صاحب کہہ رہے تھے۔ انہیں ڈرائیور کی ضرورت ہے۔''

''ہاں' میں اب لوگوں کی جی حضوری کروں گا۔ ان کے آگے پیچھے ہاتھ باندھے پھروں گا۔ لعنت ہے' ایسی نوکری پر جس میں انسان کتا بن جائے۔''

''ہڈ حرام۔ بھیک مانگنے سے بہتر ہے' انسان محنت کرے۔'' خورشید بی بی تپ کر بولیں۔

''بس' بس ختم کرو تقریر اپنی۔ لاؤ مجھے پچاس روپے دو۔ میں باہر سے کچھ کھا کر پیٹ کی آگ بجھاؤں۔'' وہ کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

''تیرے باپ نے رکھے ہیں میرے پاس پچاس روپے۔''

''تو تم مجھے نہیں دو گی پچاس روپے۔'' اس نے قریب رکھے پان دان کو زبردست ٹھوکر سے دور چھینکتے ہوئے کہا۔ زوردار چھناکے سے پان دان کی چھوٹی چھوٹی ڈبیاں باہر گر گئی تھیں۔ چھالیہ' سونف' تمباکو' کتھا' چونا دور تک بکھر گیا تھا۔

''ارے کمبخت' کر دیا سارا کتھا چونا ایک۔ ارے تیرے باپ نے کیا کم جلایا ہے مجھے جواب تو جلانے کے لئے تیار ہو گیا ہے انور۔ وہ سینے پر دوہتڑ مارتی ہوئی رو پڑیں۔ وہ چاروں جو انور کو گھر میں گھستے دیکھ کر خوفزدہ ہرنیوں کی طرح کمرے میں چھپ گئی تھیں' ماں کو روتے دیکھ کر باہر نکل آئیں۔

''اسی دن کے لئے تجھے منتوں مرادوں سے مانگا تھا۔'' وہ روتے ہوئے بولیں۔

''مجھے پیسے چاہئیں۔ میں زیادہ بک بک نہیں سننا چاہتا۔'' اس نے جارحانہ انداز میں پانی سے بھرے کنستر پر ایک ٹھوکر رسید کی۔ نتیجے میں پورے آنگن میں پانی پھیل گیا۔

''کچھ تو شرم کر لے بے غیرت' ماں کا بھی ادب احترام نہیں ہے تجھے۔'' سب سے بڑی افشاں بولی۔

''جا کر ایک طرف بیٹھ ماسٹرنی' ہر وقت مجھے ادب کا سبق نہ پڑھایا کر۔'' اس نے بغیر لحاظ کے بڑی بہن افشاں کو ایک زوردار دھکا دیا اگر فوراً تابش گرتی ہوئی افشاں کو سنبھال نہ لیتی تو اس کے سر میں دیوار کی چوٹ زبردست لگتی۔ اس نے جنونی انداز میں ادھر ادھر سے سامان اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیا تھا۔ سامان پھینکنے کے ساتھ ساتھ وہ چیختا جا رہا تھا۔

''یہ لو بھائی۔'' انور سے چھوٹی تابندہ نے بھاگ کر اپنے اسکول بیگ میں سے چالیس روپے لا کر اس کے ہاتھ میں دے دیے۔ انور نے پیسے جیب میں ڈالے' بالٹی میں سے پانی لے کر منہ دھویا اور بال بنا کر دروازہ زور سے بند کر کے باہر نکل گیا۔

''امی خاموش ہو جاؤ۔ وہ انسان نہیں رہا۔ حیوان بن گیا ہے۔''

''کاش میں نے اس کے بجائے کسی لڑکی کی دعا مانگ لی ہوتی تو آج یوں نہ خوار ہوتی۔'' افشاں کے تسلی دینے پر وہ اور زیادہ رونے لگیں۔

''تمہارے پاس چالیس روپے کہاں سے آئے۔'' شمائلہ نے تابندہ سے پوچھا۔

''اسکول میں سائنس کی مس کی بیٹی کی فراک کاڑھ کر دی تھی۔ اس کے انہوں نے چالیس روپے دیے تھے۔ میں نے سوچا تھا' رات کو امی کو کھانا پکانے کے لئے دے

دوں گی۔'' تابندہ نے ہچکیاں لیتے ہوئے وضاحت کی۔

''کبھی نہ کبھی تو ہماری غریبی دور ہوگی۔'' وہ تابندہ کو لپٹائے ہوئے بولی۔

⊙⊙⊙

جامعہ میں الیکشن کی تیاری معمولی طور پر شروع ہو رہی تھی۔ یوں تو الیکشن میں جامعہ کی مختلف پارٹیاں حصہ لے رہی تھیں مگر جن دو بڑی پارٹیوں کو اہمیت و مقبولیت حاصل تھی' وہ جمشید خان کی 'ہمدرد پارٹی' اور اُسامہ ملک کی 'اتحاد پارٹی' تھی اور سب کو دونوں ہی پارٹیوں میں سخت مقابلے کی امید تھی۔

جمشید خان 'لائبہ کے نو لفٹ کے باوجود اس کے اردگرد چکر لگاتا رہتا تھا۔

''ہیلو' کیسی ہیں آپ؟'' وہ بنچ پر بیٹھی اسٹڈی کر رہی تھی کہ قریب سے جمشید خان کی آواز سن کر نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس کے قریب کھڑا بے باکی سے مسکرا رہا تھا۔ اس کی بے ہودہ نظریں حسب معمول اس کے چہرے پر چپکی ہوئی تھیں۔ وہ کچھ نہ بولی۔ دوسری طرف کھسک گئی۔

''آپ کو کوئی پریشانی ہے تو کہیے۔ خادم حاضر ہے۔ چٹکی بجاتے ہی آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔'' جمشید نے اس کی بیگانگی کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''فی الحال تو آپ کی موجودگی ہی میرے لئے پریشانی کا باعث ہے۔'' وہ منہ پھٹ اور صاف گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

''ویری نائس۔ یہ بے باکی ہی تو مجھے بے حد اپیل کرتی ہے۔ ذہانت کے ساتھ ساتھ بے پناہ حسن کا ہونا سونے پر سہاگہ والی بات ہے۔'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''میرے علاوہ جو بھی پریشانی آپ کو ہو تو......''

''مسٹر' میں بیوقوف اور کمزور نہیں ہوں۔ اپنی پریشانیوں سے نمٹنے کی ہمت و حوصلہ رکھتی ہوں۔ کسی ہمدردی' کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔'' وہ بہت سرد لہجے میں بولی۔ جمشید خان کچھ لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر وہ تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ دوسری بنچوں پر بیٹھے اور آتے جاتے اسٹوڈنٹس ان کی طرف عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جمشید خان کی رنگین فطرت سے سب اسٹوڈنٹس واقف تھے۔ وہ لباس کی طرح لڑکیاں بدلنے کا بھی عادی تھا اور اس کا لائبہ کے گرد چکر لگانا کسی کی نظروں سے چھپا نہیں تھا۔

لائبہ سے پھر اسٹڈی نہ ہو سکی۔ اس پر پچھلے ایک ہفتے سے بیزاری کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ جب بھی یہ دورہ پڑتا تو ایسے میں وہ کسی سے فالتو بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کے موڈ سے حنا' سومیہ' سمیرا بھی اچھی طرح واقف ہو چکی تھیں۔ اس کے موڈ کو دیکھ کر وہ اس سے دور ہی رہتی تھیں۔ انہوں نے بہت جاننے کی کوشش کی کہ ایسا وہ کیوں کرتی ہے مگر اس کی خاموشی و بے زاری انہیں پریشان و حیران کر دیتی تھی۔

''مس لائبہ! آپ کو چیئرمین صاحب بلا رہے ہیں۔'' چیئرمین افتخار بٹ کے اسسٹنٹ نے لائبہ سے کہا

''کہاں ہیں وہ۔'' وہ بیگ اور کتابیں اٹھاتی ہوئی بولی۔

''اسٹاف روم میں ہیں۔''

وہ اسٹاف روم کی طرف بڑھ گئی۔

⊙⊙⊙

''ماما پلیز' چار کپ چائے بنا دیں۔ میرے دوست آئے ہیں۔'' نبیل بٹن لگاتی عظمت بیگم سے بولا۔

''کچن میں دو خانساماں کس لئے رکھے گئے ہیں۔''

''ممی! آپ جانتی ہیں' مجھے ان کی ہاتھ کی بنی ہوئی چائے ذرا بھی پسند نہیں ہے۔''

''اچھا جا کر بیٹھو' ابھی میں یہ شمیر کی شرٹ کے بٹن مضبوط کر دوں' ریڈی میڈ شرٹس کے بٹن پہننے سے قبل ہی ہاتھ میں آ جاتے ہیں۔''

''آپ تھوڑی دیر میں بنا دیجئے گا۔ ابھی تو کافی دیر بیٹھنے کا پروگرام ہے۔'' نبیل مسکراتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔

''ممی! میرا آف وائٹ ڈنر سوٹ نکلوا کر پریس کروا دیں۔ مجھے ڈنر میں جانا ہے۔ میں اتنے غسل کر رہا ہوں۔'' ارشد جتنی تیزی سے اندر آیا تھا' اتنی ہی تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

''عظمت! میرا سگار کیس نہیں مل رہا۔ ذرا ڈھونڈ کر تو دو۔'' روحیل صاحب عینک درست کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر بولے۔

''اچھا صرف ایک کف کا بٹن رہ گیا ہے۔ دیکھ کر دیتی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

''ممی! آپ تھکتی نہیں ہیں۔ سارا دن اتنے ڈھیر سارے کام کرتے ہوئے۔'' شمیر جو صوفے پر ان کی گود میں اپنا سر رکھے آنکھیں بند کر کے لیٹا تھا۔ اٹھ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''بچوں کے کام کر کے کبھی ماں نہیں تھکتی۔'' ان کے روشن چہرے پر بڑی شفیق مسکراہٹ تھی۔

''اب آپ کی عمر کام کرنے کی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں' نبیل اور ارشد بھائی شادی نہیں کر رہے تو میں کر لیتا ہوں۔ آپ کو ہر وقت کے کاموں سے فرصت تو مل جائے گی۔'' وہ بڑی مسکین سی صورت بنا کر بولا۔

''شرم نہیں آئے گی تمہیں۔ دونوں بڑے بھائی کنوارے بیٹھے ہیں۔'' انہوں نے اسے چھیڑا۔

''یہاں شوق سے کون کر رہا ہے۔ بھئی مجبوری ہے۔ جب دونوں بھائیوں کی شادی ہو جائے گی۔ میں پھر ایک اور کر لوں گا۔'' وہ اس انداز سے بولا کہ عظمت بیگم بے اختیار ہنس پڑیں۔

''دیکھ رہے ہیں آپ اس شریر کو' دو دو شادیاں کرنے کے ارادے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے روحیل صاحب سے مخاطب ہوئیں۔

''ممی! ہمارے مذہب میں تو چار جائز ہیں۔''

''تمہارے پاپا نے تو دو بھی نہ کیں۔ تم کس پر جا رہے ہو۔''

''کاش پاپا دوسری کر لیتے تو پھر ہم بہن سے محروم نہ رہتے اور آپ کو بھی اتنا تھک نہ کرتے۔'' وہ روحیل صاحب کی طرف دیکھ کر بولا جن کا مسکراتا چہرہ بجھ گیا تھا۔

⊙⊙⊙

''ہیلو' اُسامہ اسپیکنگ۔'' ریسیور میں اس کی بھاری گمبھیر آواز گونجی۔

''اوہ۔ تھینک گاڈ۔ یار تم مل گئے۔ ورنہ خدا جانے مجھے ایئر پورٹ پر اور کتنے گھنٹے رکنا پڑتا۔'' دوسری طرف سے ریاض کی پریشان کن آواز آئی۔

''کب آئے؟''

''دوپہر کی فلائٹ سے کراچی پہنچا ہوں۔ گھر فون کیا تو معلوم ہوا' تم یونیورسٹی سے نہیں لوٹے ہو اور روحیل انکل بھی بزنس میٹنگ کی وجہ سے گھر میں نہیں ہیں۔ ایک دوست کے آفس میں ایک بجے سے میں اور ماریا بیٹھے خوار ہو رہے ہیں۔''

''جو بزرگوں کا کہنا نہیں مانتے' وہ ایسے ہی خوار ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے' تم جیسا 'اسٹون مین' بقول اماں جان کے بھابی کے غلام بنے ہوئے ہو۔''

''مائی ڈیئر۔ جب تم بھی ہماری بھابی لاؤ گے تو پوچھوں گا۔ پتھر کس طرح موم ہوتا ہے۔'' ریاض ہنستا ہوا بولا۔

''میں غلام بنانے والا ہوں' بننے والا نہیں۔'' اس کے لہجے میں فخر تھا۔

''پھر تم آ رہے ہو نا' باقی باتیں راستے میں ہوں گی۔''

⊙⊙⊙

ریاض اور ماریا اسے پارکنگ شیڈ کے قریب ہی کھڑے مل گئے۔

''مجھے معلوم تھا' تم نے اب ہر کام چھوڑ کر دس منٹ میں یہاں موجود ہونا ہے۔'' ریاض اس سے ہاتھ ملا کر بولا۔ بڑی سی چادر میں لپٹی ہوئی ماریا نے اسے سلام کیا۔ ان کا سوٹ کیس اور بیگ ڈگی میں رکھا جا چکا تھا۔ ماریا بیک سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور ریاض کار ڈرائیو کرتے ہوئے اُسامہ سے باتیں کر رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے' اماں کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا پھر تم نے ایسا پلان کیوں بنایا۔ سب حالات جانتے ہوئے بھی۔'' اس کا لہجہ برہم تھا۔

''اماں کبھی بھی ہمیں نہیں جانے دیتیں۔ میرا موڈ بن رہا تھا۔ ماریا کو مری' سوات وغیرہ کی طرف لے جانے کا۔''

''تم ایبٹ آباد نہیں گئے تھے' بھابی کے والدین کے ہاں۔'' وہ حیرانی سے بولا۔

''نہیں یار' میرے کہنے پر ماری نے ڈراما کیا تھا۔ حالانکہ راضی یہ بھی کسی قیمت پر نہیں ہو رہی تھی مگر میرے غصے نے کام دکھایا۔ ممی کو تو ہم نے یہی بتایا مگر تائی اور انکل روحیل اور آنٹی کو سب معلوم ہے بلکہ تمہاری ٹپ مجھے روحیل انکل نے ہی دی تھی۔ میں نے ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو وہ بولے کہ ابھی اماں جان عمرے پر گئی ہوئی ہیں۔ ایسے موقعے سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اماں جان کو ایک مہینے میں آنا تھا اور ہم پندرہ دن میں آ جاتے مگر جس دن ہماری فلائٹ تھی' اس دن ماری باتھ روم میں سلپ ہو گئی اور پھر پندرہ دن ہمیں اسپتال میں لگ گئے۔ یہاں پر میں نے فون کر کے روحیل انکل سے مشورہ مانگا تو انہوں نے کہا کہ اماں جان آ چکی ہیں اور تمہیں فون کر کے میں ساری صورت حال بتا دوں۔ تم مجھے اور ماری کو اماں جان کے عتاب سے بچا سکتے ہو۔ روحیل انکل کو تم ملے ہی نہیں۔''

ریاض کی باتوں میں راستہ آسانی سے کٹ رہا تھا۔ ماریا نے ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔ اُسامہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا کہ وہ اماں جان سے خوفزدہ ہے۔ اماں جان کے غصے کو وہ اچھی طرح سمجھتا تھا اور اس غصے کو ختم کرنے کی مکمل صلاحیت بھی رکھتا تھا۔ خاندان کا کوئی بھی فرد اماں جان کے آگے زبان کھولنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس کے ذریعے ہی مطالبات منظور کروایا کرتے تھے۔ اسے ریاض پر غصہ آ رہا تھا۔ جس نے بے وقوفی سے ماریا کو پھنسوا دیا تھا۔ اس نے مسلسل بولتے ہوئے ریاض پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ بیتے دنوں کی شادابی نے اس کے چہرے کو مزید سرخ کر دیا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ صحت مند اور خوبصورت لگ رہا تھا۔ شادی سے پہلے وہ بہت کم گو اور سنجیدہ ہوا کرتا تھا مگر اب......

⊙⊙⊙

اماں جان اپنے شاہی تخت پر کسی ظالم بادشاہ کی طرح اکڑی ہوئی بیٹھی تھیں۔ سامنے صوفے پر تینوں بہوئیں بیٹھی تھیں۔ ایک کرسی پر مجرم کی طرح گردن جھکائے ماریا بیٹھی ہوئی تھی (اسے کرسی اس کی حالت کی وجہ سے مل گئی تھی) ریاض اماں کے قدموں میں جھکا معافیاں مانگ رہا تھا مگر وہ اس وقت مجسمۂ غضب لگ رہی تھیں۔ پروگرام کے تحت اُسامہ کو اتفاقاً یہاں آنا تھا۔ ورنہ سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔

''اماں جان! معاف کر دیں' یہ ہماری پہلی اور آخری غلطی تھی۔ اب کبھی بھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' ریاض ان کے پاؤں پکڑے کہہ رہا تھا۔

''السلام علیکم۔ اماں جان ارے ریاض نے پاؤں کیوں پکڑ رکھے ہیں آپ کے۔'' اس نے حیرانی کی کامیاب اداکاری کی۔

''اس بدبخت نے ہمارے خون کو مٹی میں ملانے کی کوشش کی تھی۔''

''اماں جان۔ خدا کے لئے ہمیں معاف کر دیں۔'' ماریا روتے ہوئے ان کے قدموں میں جھک گئی مگر اماں جان نے رخ دوسری طرف موڑ لیا۔

''آپ یہاں بیٹھیے بھابی۔'' وہ اماں کے برابر میں اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''اماں اب آپ انہیں معاف کر دیں۔ جب یہ اعتراف کر رہے ہیں' اپنی غلطی کا پھر آپ کیوں اتنی سنگدل بن رہی ہیں۔'' اماں کا رویہ دیکھ کر واقعی اس کا موڈ آف ہو گیا۔

''انہیں بچے کی......''

''پلیز اماں جان' بچے کی فکر ماں باپ سے زیادہ کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتی۔ آپ نے یہی رٹ لگا رکھی ہے۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''جاؤ اپنے کمرے میں جا کر نہاؤ۔ اتنے لمبے سفر سے آئے ہو۔ آج معاف کر رہی ہوں' آئندہ کبھی خواب میں بھی ایسی غلطی مت کرنا۔'' ان کا لہجہ نرم ہو چکا تھا۔ باری

باری انہوں نے ان دونوں کے ماتھے چومے۔ تینوں بہوؤں نے سکھ کا سانس لیا کہ اب اماں کا موڈ درست ہو جائے گا۔ ان کی اس عادت سے وہ اچھی طرح واقف تھیں۔ جب وہ کسی سے ناراضگی ختم کر دیں تو پھر وہ بہت محبت و شفقت کرنے والی بن جاتی تھیں۔

''بہو! بچوں کے کھانے پینے کا انتظام کرو۔'' انہوں نے کوثر بیگم سے کہا۔

اُسامہ اماں جان کی باتوں کے دوران چپکے سے کھسک گیا تھا۔

☯☯☯

اتنی رات ہو گئی۔ ابھی تک نہیں آیا انور۔ خورشید بی بی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''آ جائے گا امی گھوم رہا ہو گا اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ۔'' افشاں جو نیچے بچھی دری پر بیٹھی دوپٹے پر کروشیے سے خوبصورت کنگورے بن رہی تھی، بولی۔

''امی! بھائی آتے ہیں تو لڑنے لگتی ہو اور جب نہیں آتے تو پریشان ہو جاتی ہو۔ مجھے تمہاری سمجھ ہی نہیں آتی۔'' افشاں کے برابر میں بیٹھی شمائلہ بولی جو بڑے سے فریم میں لگی قمیص کے گلے پر سندھی کڑھائی کر رہی تھی۔

''اولاد کیسی بھی ہو۔ ماں کو بری نہیں لگتی۔ میں اس کی بھلائی کے لئے ہی اسے برا بھلا کہتی ہوں۔'' وہ چارپائی پر لیٹتے ہوئے آزردہ لہجے میں بولیں۔

''آپی! اب لیٹ جاؤ نا۔ باقی کام صبح کر لینا۔ بلب کی روشنی میں مجھے نیند نہیں آ رہی۔'' شمائلہ کے برابر میں لیٹی تابندہ بولی۔

گڑیا! تھوڑا باقی رہ گیا ہے۔ کل مجھے یہ قمیص اور آپی کو دوپٹہ دینا ہے۔ ان کے پیسے ملیں گے تو تمہارا اسکول یونیفارم بنائیں گے۔'' شمائلہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پیار سے بولی۔

''آپی! صبح آپ کو بھی تو کالج جانا ہے۔''

''نہیں کل میں چھٹی کروں گی۔ گھر بہت گندہ ہو رہا ہے' صفائی کریں گے پورے گھر کی اور اس گلے کو بھی مکمل کروں گی۔''

''کیا پکایا ہے؟'' دروازہ دھڑ سے کھول کر اندر آتے ہی انور نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

''اطمینان سے بیٹھ تو جا۔ جلدی کس بات کی ہے۔'' خورشید بی بی نے آہستہ سے کہا۔

''ٹائم نہیں ہے اپن کے پاس۔'' وہ ان کے نزدیک چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

تابش اسے دیکھتے ہی باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔ فٹافٹ سالن گرم کر کے دو روٹی پکا کر لے آئی کہ وہ تازی گرم روٹی کھانے کا عادی تھا۔

''آج اس گھر کے نصیب کیسے جاگ گئے جو گوشت کھانے کو مل رہا ہے وہ بھی بھنا ہوا۔'' وہ روٹی توڑتا ہوا طنز سے بولا۔

''کہیں ملی نوکری؟'' خورشید بی بی نے روز کی طرح بڑی آس سے پوچھا۔

''موڈ خراب مت کرو اماں۔ نوکری' نوکری کا ہر وقت وظیفہ پڑھتی رہتی ہو۔''

''امی! جب معلوم ہے۔ سارا دن یہ آوارہ گردی کرتا ہے پھر کیوں روز اس سے پوچھتی ہو۔ جسے آرام سے کھانے کو مل جائے' روپے خرچ کرنے کو مل جائیں' دھاندلی' دھونس اور زبردستی سے' اسے کیا ضرورت ہے' محنت مزدوری کرنے کی۔'' افشاں غصے سے بولی۔

''اس گھر میں کوئی عزت نہیں ہے میری۔ روٹی کیا کھلاتے ہیں' احسان کرتے ہیں۔'' اس نے سامنے رکھی روٹی سالن کی ٹرے اٹھا کر فرش پر دے ماری۔

''ارے کمبخت' روٹی کی قدر کیوں نہیں ہے تیرے دل میں۔'' خورشید بیگم نے بھرائے لہجے میں کہا۔ وہ بڑبڑاتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔

☯☯☯

''ماما! آپ نے افتخار انکل سے میری شکایت کی ہے۔'' لائبہ مسکراتی ہوئی ماما سے مخاطب ہوئی۔

''مجھے آپ کی خاموشی سے ڈر لگتا ہے۔ میں محسوس کر رہی ہوں' جب سے آپ یونیورسٹی جا رہی ہیں۔ بہت اپ سیٹ ہیں۔ مجھے بھی کچھ نہیں بتاتیں' لیکن میں سمجھ رہی ہوں کوئی بات' کوئی گڑبڑ ہے ضرور۔ اس لئے میں نے افتخار صاحب کو فون کیا تھا کہ وہ آپ سے معلوم کریں' کیا بات ہے۔''

''اوہ ماما۔ آپ اتنی گہرائی سے میرا جائزہ لیتی ہیں۔'' لائبہ حیرانی سے بولی۔ وہ سمجھتی تھی' ماما نے اسے پالا ہے' وہ ماں جیسی حساسیت اس کے لئے نہیں رکھتی ہوں گی۔

''یہ بات اٹل ہے کہ میں آپ کی ماں نہیں ہوں۔ میں نے آپ کو جنم نہیں دیا مگر بیٹا' آپ تین ماہ کی تھیں' جب میری گود میں آئی تھیں۔ اس دن سے آج تک میں اپنے دل میں آپ کے لئے وہی محبت اور اپنائیت محسوس کرتی ہوں جو ایک ماں اپنے بچے کے لئے کرتی ہے۔ آپ میرے سینے میں دل بن کر دھڑکتی ہیں۔ میں صرف اپنی 'بے' کا حق ادا نہیں کرتی۔ اپنے اندر چھپی ماں کی ممتا کی بھی تو تسکین کرتی ہوں۔''

''پلیز ماما! اب کبھی بے کا نام زبان پر مت لایئے گا۔ آپ میری ماما ہیں' صرف میری ماما۔ میری فرینڈ میری سب کچھ۔'' وہ ان کے سینے سے لگ کر بولی۔

''پھر بتائیں کیا بات ہے۔ کیوں اپ سیٹ رہتی ہیں۔'' ماما اسے کرسی پر بیٹھا کر بولیں۔

''ماما آپ کو بھی وہم ہو گیا ہے۔ کبھی میں نے آپ سے کوئی بات چھپائی ہے۔ افتخار انکل کو بھی اتنی مشکل سے یقین دلوایا ہے کہ مت پوچھیں۔ اب آپ جلدی سے چائے بنا کر لائیں اسٹرونگ سی۔'' اس نے مسکرا کر انہیں مطمئن کر دیا۔ ورنہ حقیقتاً اسے جمشید کے علاوہ اُسامہ ملک کی بھی فکر رہنے لگی تھی۔ اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ جیسے اُسامہ اس کی نگرانی کرنے لگا ہے۔ جب بھی جمشید اس کے اردگرد چکر لگاتا' وہ بھی کہیں نہ کہیں سے نمودار ہو جاتا تھا۔ وہ منہ سے تو کچھ نہ بولتا مگر اس کی تیکھی نگاہوں میں حقارت و نفرت اس سے چھپی نہیں رہتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا تھا۔

☯☯☯

''السلام علیکم۔'' وہ گھر میں داخل ہوا تو یہاں خاندان کے تمام افراد اماں جان کے پاس بڑے کمرے میں موجود تھے۔ وہ سلام کر کے روحیل چچا کے پاس بیٹھ گیا۔

''آج گھر میں بڑی رونق ہے۔'' وہ سب پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

''آج اماں نے میلاد شریف اور قرآن خوانی کروائی تھی۔'' عظمت چچی مسکرا کر بولیں۔

''ان کا گھر میں دل کہاں لگتا ہے۔ انہیں کیا خبر کہ گھر میں ہو کیا رہا ہے۔'' اماں ناراضگی سے بولیں۔

''اماں جان۔ آپ بھی کبھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ دل بھی بھلا کبھی سیمنٹ بجری سے بنے گھر میں لگتا ہے۔ دل کے لگنے کے لئے تو نرم و نازک دھک دھک کرتا دل ہونا چاہئے۔''

''تمہاری زبان کی بریکیں بالکل فیل ہو گئی ہیں۔'' اُسامہ' شمیر کو گھورتا ہوا بولا۔

''لڑکے' تمہاری عادت ہے یونہی بک بک کرنے کی۔ سیدھی بات کو بھی الٹی بولتے ہو۔ چھوٹی بہو سے کہو جا کر کالے بکرے کو ہاتھ لگا دیں پھر بکرا صدقہ کر دینا۔'' اماں جان نے عینک درست کرتے ہوئے شمیر سے کہا۔

''کالے بکروں کا آج کیوں قتل عام ہو رہا ہے۔ دوپہر سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ کوئی گیارہواں کالا بکرا ہے جو ذبح ہونے جا رہا ہے۔'' وہ حیرانی سے بولا۔

''تمہیں بہت عادت ہو گئی ہے۔ بڑوں کی باتوں میں بچے نہیں بولتے' سمجھے۔''

''اماں جان! غلط بات ہے یہ۔ جب بھی کوئی سیکرٹ بات ہو۔ بڑے یہی کہہ کر خاموش کروا دیتے ہیں کہ...... بڑوں کے معاملے میں بچوں کو نہیں بولنا چاہئے۔ آپ خود بتائیں۔ کل کو ہمارے بچے ہم سے یہی سوال کریں گے تو کیا جواب دیں گے۔ کیا بتائیں گے انہیں۔'' شمیر بات سے بات نکالنے میں ماہر تھا۔

''بہت شریر ہو گئے ہو۔'' سب کے ساتھ اماں جان کو بھی ہنسی آ گئی۔ ''کالا بکرا صدقے کے لئے دیا جاتا ہے۔ صدقہ دینے سے تمام بلائیں اور مصیبتیں دور بھاگ جاتی ہیں۔ اللہ نے ہمارے خون کی حفاظت کی۔ اس رب کے احسان کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ ہمارا خون بہت اعلیٰ و نایاب ہے۔ نسل در نسل ہمارا پاکیزہ خون منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔'' ان کے لہجے میں احساس برتری اور اپنے اعلیٰ نسب ہونے کا گھمنڈ نمایاں تھا۔

''خاندانی خون کی اہمیت و افادیت اماں جان سے بہتر کوئی اور نہیں جان سکتا۔'' روحیل صاحب بظاہر بہت پرسکون لہجے میں بولے تھے مگر اُسامہ جیسے تیز اور حساس ذہن نے یہ بات نوٹ کی تھی۔ ان کی بات پر ایک لمحے کے لئے اماں جان کے پرجلال چہرے پر تاریکی چھاتے دیکھی تھی۔ روحیل صاحب کے لفظوں کی کاٹ اس نے شدت سے محسوس کی تھی۔ حالانکہ سب وہاں شمیر کی باتوں پر کھل کھلا رہے تھے۔

''اماں جان۔ اپنے خون کا ٹیسٹ کروا لیں۔ بھلا اس دور میں اتنا قدیمی اور نایاب خون کہاں رہا ہو گا۔ ملاوٹ ہو چکی ہو گی۔ خون میں بھی آج کل ملاوٹ چل رہی ہے۔ کبھی آپ خون لیں تو معلوم ہو گا۔ لال شربت ملا ہوا ہے۔''

''کیوں' تم نے کیا خون پینا شروع کر دیا ہے۔'' زینی کی بات پر سب ہی ہنس پڑے۔

''جب شروع کروں گا تو پہلی باری تمہاری آئے گی۔'' شمیر کہاں چوکنے والا تھا۔

''کھانا میں نے ٹیبل پر لگا دیا ہے۔ چل کر کھا لو۔'' فوزیہ بیگم اس سے مخاطب ہوئیں۔

''ممی' کھانا میں کھا کر آیا ہوں۔ آپ میرے لئے اور چچا کے لئے باہر لان میں چائے بھجوا دیجئے۔ آیئے چچا' لان میں بیٹھتے ہیں۔'' اُسامہ اٹھتا ہوا بولا۔ ''نبیل بتا رہا تھا۔ آپ کسی کمپلکس کی وجہ سے سوڈان جا رہے تھے۔''

''ارادہ تو تھا مگر اب طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''ڈاکٹر گیلانی مجھے بھی بتا رہے تھے کہ بہت ڈپریشن رہنے لگا ہے آپ کو۔ یہ آپ کے لئے بالکل بھی درست نہیں ہے۔ صحت بھی آپ کی دن بدن گر رہی ہے۔ کیا پریشانی ہے؟ چچا جان' جب سے میں نے شعور اور آگہی کی منزل میں قدم رکھا ہے۔ آپ کو بے پناہ ڈسٹرب و رنجیدہ پایا ہے۔ آپ کے اور اماں جان کے درمیان ایک دیوار اجنبیت کی میں نے محسوس کی ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے چچا جیسے......''

''اوہ نو مائی سن۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ جب بچے جوان ہو جائیں تو باپ اپنے آپ کو بوڑھا محسوس کرنے لگتا ہے۔ اب آپ لوگ ماشاءاللہ جوان ہو گئے ہیں۔ ہمیں تو بوڑھا ہونا ہی ہے۔ مرحوم ابا جان کہا کرتے تھے۔ بڑھاپا سو بیماریوں کی چوٹ ہے۔ اور سناؤ الیکشن کب تک ہو رہے ہیں؟'' وہ خود پر قابو پا چکے تھے' لہجے کو بشاش بنا کر مسکراتے ہوئے بولے۔

''تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اگلے ماہ تک ہو جائیں گے' اگر حالات سازگار رہے تو۔''

''لیجئے حضور' گرما گرم چائے حاضر ہے۔'' زینی چائے' سینڈوچ اور نمکین بسکٹ ٹرالی میں رکھ کر لائی تھی۔ لانگ روم سے شور و ہنگامے کی تیز آوازیں آ رہی تھیں۔

''ریاض آ گیا ہے' چچا اور شمیر نے ان کا ریکارڈ لگایا ہوا ہے۔'' زینی چائے نکالتی ہوئی ہنستی ہوئی بولی۔

☯☯☯

الیکشن کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ مڈٹرم ایگزام سے فارغ ہوئے ایک ہفتہ ہوا تھا۔ اسٹوڈنٹس اس لئے کچھ زیادہ ہی بے فکری سے بڑھ چڑھ کر اپنی تیاریوں میں مگن تھے۔ مختلف پارٹیوں کے چھوٹے بڑے جھنڈوں' جھنڈیوں اور بینرز سے یونیورسٹی سجی ہوئی تھی۔ جلسے ہوتے' جلوس نکالے جاتے۔ ایک دوسرے پر آوازیں کسی جاتیں مگر بات حد سے نہیں بڑھنے پاتی تھی۔ لڑکے' لڑکیاں اپنی اپنی پارٹیوں کے لئے زبردست کام کر رہے تھے۔ سومیہ' حنا' میرا' نادر' حیدر' اکبر' راحت وغیرہ کے ساتھ مل کر اُسامہ ملک کے لئے کام کر رہی تھیں۔ ان کی اکثر میٹنگ ہوتی' تقریریں لکھی جاتیں' نعرے بنائے جاتے' بینرز کے لئے نئے نئے لفظ منتخب کئے جاتے۔ وہ سب بہت مصروف ہو گئے تھے۔

لائبہ کو ان کی ان سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ حنا وغیرہ نے بہت کوشش کی کہ وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائے مگر وہ کسی قیمت پر راضی نہ ہوئی۔ اسے ویسے ہی

ایسے ہنگاموں ہلڑ بازیوں سے چڑ تھی۔ ان تینوں کی ناراض صورتیں دیکھ کر اس نے ان کی بات ماننے کی سوچی بھی تو اُسامہ ملک کی ذات اس کے لئے ناقابلِ قبول تھی۔ اس کی ہی سرپرستی میں پارٹی سرگرمِ عمل تھی۔ اسے لڑکیوں پر حیرت کے ساتھ ساتھ دکھ بھی ہوتا' جب وہ اُسامہ کے گرد جمع لڑکیوں کو پروانوں کی طرح اس پر نثار ہوتے دیکھتی' جبکہ وہ ایک نگاہ ان پر ڈالنا پسند نہیں کرتا تھا۔ چہرے پر ناگواری لئے ان کے قریب سے وہ نظریں جھکا کر اس طرح گزرتا کہ اگر ایک نظر بھی غلطی سے اوپر اٹھ گئی تو پتھر کا ہو جائے گا اور اس کی چاہت میں گرفتار لڑکیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی اور لائبہ کا دل چاہتا' ان بے حیا لڑکیوں کو لائن سے کھڑا کر کے گولی مار دے جو اپنی نسوانیت ووقار کو قدموں تلے کچلتی ہوئی اس مغرور بدتمیز شخص کی طرف کھنچی چلی جا رہی تھیں جس کی نظروں میں ان کی وقعت پاؤں تلے آئی خاک سے بھی بدتر تھی۔

اس کا سامنا اکثر اُسامہ سے ہونے لگا تھا۔ اتفاقیہ نظر کبھی اُسامہ کی اس کی طرف اٹھ جاتی تو وہ ایسے منہ بناتا' جیسے میٹھے بادام کھاتے کھاتے اچانک کڑوا بادام منہ میں آ جائے۔ دونوں کے درمیان خاموش سرد جنگ چل رہی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو اپنا دشمن اول سمجھنے لگے تھے۔

''ہیلو مس لائبہ' کیسی ہیں آپ؟'' وہ سیمینار روم کے باہر لان میں لگے برگد کے درخت کے سہارے کھڑی آئس کریم کھا رہی تھی کہ جمشید خان وہاں آ کر بولا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا مگر ہاتھ میں پکڑی ہوئی آئس کریم غصے سے ایک سائیڈ میں اچھال دی۔

''ارے صاحب آئس کریم پر اتنا غصہ کیوں۔ ہم جو حاضر ہیں خدمت کے لئے۔ ہمارا تو موٹو یہی ہے' خدمتِ خلق کرنا۔'' وہ سامنے سے آتے اُسامہ ملک کو دیکھ کر چہکا۔ ''بائی دا وے آپ کو کسی نے یہ نہیں بتایا کہ آپ غصے میں حد سے زیادہ حسین لگتی ہیں۔'' وہ اسے گھورتا ہوا بے باکی سے بولا۔

لائبہ جو سرخ وسبز شلوار سوٹ میں کانچ کی نازک حسین گڑیا لگ رہی تھی' غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''مسٹر! میں صرف جامعہ کے تقدس کا خیال کر رہی ہوں۔ ورنہ تم جیسے تھرڈ کلاس ہاتھوں میں دل لئے پھرتے عاشقوں سے اچھی طرح نپٹنا جانتی ہوں۔''

''بہت خوب' حسن میں اگر غصے کی آمیزش بھی ہو تو حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔'' وہ ہنستا ہوا بولا۔

جمشید خان کے قریب سے لوگ گزرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ اس وقت بھی اسے وہاں دیکھ کر سب لوگ کھسک گئے تھے۔ اس وقت وہاں ان دونوں کے سوا اگر کوئی تھا تو وہ اُسامہ ملک تھا جو اسی سمت آ رہا تھا۔

''مجھے نفرت ہے سیاست سے۔ سمجھے۔'' وہ غصے سے بولی۔

لیڈر سے تو نہیں ہو گی نا۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنس کر بولا۔

''مجھے دونوں سے نفرت ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔''

''او کے پھر ملیں گے۔'' وہ قریب آتے اُسامہ کو ناراضگی سے گھورتا ہوا چلا گیا۔ اس کے ہاتھ جیکٹ کی اندرونی جیبوں کے ابھار کو تھپتھپا رہے تھے۔

''کیا ہو رہا تھا یہاں۔'' وہ اس کے نزدیک آ کر سرد لہجے میں بولا۔

''آپ کون ہوتے ہیں' پوچھنے والے؟'' لائبہ اس سے زیادہ سرد آواز میں بولی۔

''یہ یونیورسٹی ہے۔ یہاں کی عزت وتوقیر کی حفاظت کرنا ہر اسٹوڈنٹس کا فرض ہے اگر کسی کو اپنے 'پرسنل افیئر' حل کرنے ہیں تو وہ یونیورسٹی سے باہر ہوں گے۔ یہاں کی فضا کو آلودہ کرنے کی اجازت کسی کو نہیں مل سکتی۔'' اس کی زبان کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی زہر اگل رہی تھیں۔ وائٹ شلوار سوٹ پر براؤن واسکٹ پہنے اپنی پُرکشش وجیہہ پرسنالٹی سمیت وہ اسے نہایت برا لگا۔

''مطلب کیا ہے آپ کا؟ میں لوز کریکٹر ہوں۔'' وہ غراتی ہوئی بولی۔

''جمشید خان سے تنہائی میں ملنے والی لڑکی برائٹ کریکٹر کی نہیں ہو سکتی۔

''خود کو برائٹ کریکٹر سمجھنے والے کی بھی خوش فہمی دور کر دوں۔ جمشید خان برا آدمی ہے' یہ سب جانتے ہیں۔ آپ کی طرح اس نے خود پر خول نہیں چڑھایا ہوا شرافت کا' سمجھے۔'' بہت اعتماد سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے کہا اور اپنی کتابیں اور پرس لے کر چلی گئی۔

وہ حیرت زدہ تھا۔ اس نے کالج لائف سے خود پر لڑکیوں کو مرتے دیکھا تھا۔ وہ لڑکیوں کی ہر ادا سے واقف ہو چکا تھا۔ بے باکی سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتی' ہنستی کھلکھلاتی لڑکیاں جو کوئی لمحہ اسے اپنی طرف مائل کرنے کا ضائع نہیں کرتی تھیں۔ اسے بچپن ہی سے اس 'صنف' سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ والدین کا اکلوتا تھا۔ اس کے تایا کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیٹی فریحہ کی شادی بہت عرصہ پہلے ہو چکی تھی۔ چھوٹی بیٹی زینب عرف زینی گھر میں تھی جس کی نظروں میں اس کے لئے بھائی جیسا احترام اور پیار ہوتا تھا۔ دو بڑی پھوپیاں اسلام آباد میں رہتی تھیں۔ ان کی دو بیٹیاں بھی اسے بھائی کی طرح ہی چاہتی تھیں۔ چھوٹے چچا روحیل کی کوئی بیٹی ہی نہیں تھی۔ اس لئے بچپن سے ہی اس کا واسطہ لڑکیوں سے کم ہی رہا تھا۔ کالج اور پھر یونیورسٹی میں آ کر اسے لڑکیوں کے ایسے ایسے بے ہودہ روپ ملے کہ وہ ان کے سائے سے بھی الرجی محسوس کرنے لگا۔ ہر لڑکی آنکھوں میں محبت کی جوت جگائے اسے تکا کرتی۔ اکثر ایک دوسرے سے الجھ پڑتیں اس کے قریب ہونے کی کوشش میں۔

چھ ماہ قبل' اس کی کلاس فیلو نیلو اور فریحہ میں زبردست لڑائی ہوئی اور نوبت ایک دوسرے کے بال اور منہ نوچنے تک آ گئی۔ نیلو نے فریحہ کا ایسا حلیہ خراب کیا کہ اس کی حسین نیلی آنکھوں کا لینس ایسا گرا کہ ڈھونڈنے کے باوجود نہ مل سکا۔ اس کی بلیو اور براؤن آنکھوں نے اس کی صورت کو مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔ وہ اپنی ایک براؤن اور نیلی آنکھ سے نیلو کو بری طرح گھور رہی تھی۔ اس نے شدید غصے میں نیلو کے لمبے حسین بال اس بری طرح نوچے کہ سارے بال ایک جھٹکے میں اس کے قدموں میں آ گرے۔ صورت حال بہت نازک ہو گئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے گھنگریالے بالوں میں نیلو کا چہرہ اجنبی لگ رہا تھا۔ لڑکیوں نے کوشش کی انہیں چھڑانے کی مگر ناکام رہیں۔ اس ہنگامے کی اطلاع پرنسپل صاحب کو پہنچ گئی۔

وہ پریشان سے وہاں پہنچے۔ انہوں نے اسٹوڈنٹس کو وہاں سے ہٹایا۔ ان دونوں کو آفس لے کر آئے۔ انہیں سمجھا بجھا کر ہنگامے کی وجہ معلوم کی تو معلوم ہوا نیلو کہتی ہے۔'' اُسامہ اس سے محبت کرتا ہے۔'' فریحہ کا کہنا تھا کہ'' اُسامہ اس کا محبوب ہے۔'' پرنسپل نے انہیں سمجھا بجھا کر گھر بھیج دیا۔

جب انہوں نے اُسامہ کو آفس میں بلا کر یہ بات پوچھی تو اس کا دماغ گھوم گیا۔

''یہ سب جھوٹ ہے سر۔ ایک دم بکواس۔ کل فریحہ نہ معلوم کس طرح اپنی فائل میری فائل پر رکھ آئی تھی۔ آج یونیورسٹی آنے کے بعد نادر کے ہاتھ میں نے وہ فائل بھجوائی تھی۔ ان دونوں سے کبھی میری بات نہیں ہوئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا سر' یہ کیا بے ہودگی ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ مجھے اعتماد ہے آپ پر۔ لڑکیاں اس عمر میں جذباتی بہت زیادہ ہوتی ہیں اور تھوڑی بے وقوف بھی اگر سمجھدار ہوتیں تو یوں اپنا تماشا نہ بنواتیں۔''

''جی سر۔ میں سمجھتا ہوں۔''

اس دن سے اس نے ضرورتاً بھی یہاں کسی لڑکی سے بات نہیں کی تھی۔ فریحہ اور نیلو کو تو اس نے اس بری طرح نظر انداز کیا تھا کہ وہ فرسٹ سمسٹر سے پہلے ہی یونیورسٹی چھوڑ چکی تھیں۔

ان کے بعد بھی اسے ایسی ہی لڑکیاں ملیں' مگر لائبہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''ہیلو' کہاں گم ہو اتنی دیر سے۔'' نادر اُسامہ کے قریب آ کر بولا۔

''جمشید خان بہت زیادہ اس سائیڈ کے چکر لگانے لگا ہے۔''

''ہاں اس کا علاج کرنا پڑے گا۔ ابھی خاموش رہو۔ الیکشن کے بعد دیکھ لیں گے۔'' اُسامہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

☯☯☯

''بیٹی! کیا ہر وقت سوچتی رہتی ہو۔'' ماما لائبہ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ جو لان میں کھلے خوبصورت پھولوں کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''ماما! سامنے جو پھول ہیں' وہ کتنے خوبصورت کتنے خوش رنگ ہیں۔''

''ہاں بیٹی! پھول تو ہوتے ہی حسین ہیں۔'' وہ چائے بناتی ہوئی بولیں۔

''آپ کو معلوم ہے' یہ پھول اتنے حسین کیوں لگ رہے ہیں۔''

''نہیں آپ بتاؤ۔'' وہ مسکرائیں۔

''اس لئے ماما۔ پھول جب تک شاخ پر رہے حسین نظر آتا ہے اگر یہ شاخ سے جدا ہو جاتا ہے تو مرجاتا ہے۔ اپنا رنگ اور خوشبو کھو دیتا ہے۔ کبھی کوئی بے رحم ہاتھ اسے برباد کر دیتا ہے' تو کبھی ظالم پاؤں اسے روند ڈالتے ہیں۔ کیوں ہوتے ہیں لوگ اتنے ظالم ماما۔ پھولوں کو شاخوں سے کیوں جدا کر دیتے ہیں۔'' اس کے دل کا کرب لہجے میں سمٹ آیا تھا۔

''بیٹی اگر پھول کی قسمت میں شاخ سے جدا ہونا لکھا ہوتا ہے تو یہ پھول جدا ہو کر رہتا ہے۔ چاہے پھول دکھ سے مرجھا جائے یا شاخ درد سے سوکھ جائے۔ یہ سب نصیب کے کھیل ہوتے ہیں۔'' ماما اسے بہلاتے ہوئے بولیں۔ ''ارے میں تو بھول ہی گئی آج میں نے آپ کے لئے شامی کباب بنائے ہیں۔ ابھی لاتی ہوں اور چائے بھی دوسری لاتی ہوں۔ یہ ٹھنڈی ہو گئی۔'' ماما تیزی سے اندر چلی گئیں۔ وہ پھر اپنی سوچوں کے جنگل میں تنہا بھٹکنے لگی۔

''ڈیڈی کے ساتھ جاؤں گی۔ مجھے ڈیڈی کے ساتھ جانا ہے۔'' اس نے بچی کے رونے کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔ سامنے والے بنگلے کے ٹیرس پر کھڑی عورت کی گود میں تین سالہ بچی بری طرح مچل رہی تھی۔ عورت اسے مسلسل بہلانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اس کی نظریں بچی اور عورت پر چپک کر رہ گئیں۔ وہ عورت یقیناً اس بچی کی ماں ہو گی جو بہت پیار سے اسے سمجھا رہی تھی۔ اس کے ذہن میں بہت ساری سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔

''میڈم! مجھے ڈیڈی کے پاس جانا ہے۔ سب بچوں کے ممی ڈیڈی انہیں لے گئے' میرے ڈیڈی مما کیوں نہیں آئے۔ کل کرسمس ڈے ہے۔ میں بھی ڈیڈی کے ساتھ کل 'اوپشن' پر جاؤں گی۔ پلے لینڈ بھی جاؤں گی۔''

''ڈیئر! آپ کے پاپا بہت بزی ہیں۔ وہ ملک سے باہر گئے ہیں۔ جب بھی واپس آئیں گے۔ آپ کو ضرور لے کر جائیں گے۔ جہاں آپ کہیں گی۔'' مس میری نے اس کے سرخ پھولے پھولے گال چومے۔

آپ پرامس کرتی ہیں ڈیڈی آئیں گے۔'' اس کا معصوم چہرہ ایک دم بجھ گیا تھا۔

''مائی سویٹ ہارٹ۔ میں پرامس کرتی ہوں۔ جہاں آپ کہیں گی۔ میں لے چلوں گی۔ آپ کے ڈیڈی نے آپ کے لئے بہت سارے اچھے اچھے کھلونے اور کپڑے بھیجے ہیں اور کرسمس کارڈ بھی دیا ہے۔ میڈم سکینہ آپ کے روم میں لے کر گئی ہیں۔ بہت پسند آئیں گے آپ کو۔'' مس میری کو امید تھی کہ وہ کھلونوں اور کپڑوں کی خبر سن کر بہل جائے گی مگر اس کا معصوم چہرہ سپاٹ تھا۔ بڑی بڑی گرین آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔

''لو بیٹی ٹیبل ذرا اپنی طرف کھسکا لو۔'' ماما کی آواز نے اسے خیالوں سے نکالا۔

✦✦✦

''بہت نام روشن کر رہا ہے تمہارا لاڈلا۔ پورے خاندان میں گردن جھکا دی ہے۔'' اسد صاحب غصے سے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ فوزیہ بیگم بیڈ پر خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی ناک اور آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''میرے بچے کا کیا قصور ہے۔ بدمعاشی تو دوسرے گروپ کے لڑکوں نے کی تھی۔''

''کس نے کہا تھا' اس سے کہ لیڈر بنے۔ خود ابھی تعلیم سے فارغ ہوئے نہیں۔ اپنے مستقبل کی خبر نہیں۔ ملک وقوم کا مستقبل سنوارنے چلے ہیں۔ تعلیمی اداروں کو ان لوگوں نے لڑائی کا میدان بنا رکھا ہے۔ اس کے باپ دادا نے کبھی سیاست میں معمولی سا حصہ بھی نہیں لیا اور بیٹے صاحب لیڈر بنے پھر رہے ہیں۔ ارے' یہ لوگ ملک کو کیسے خوشحال بنائیں گے۔ آپس میں مل کر نہیں بیٹھ سکتے۔'' ان کا غصہ عروج پر تھا۔

’’خدا کے لئے اب تقریر بند بھی کیجئے۔ میرا بچہ کل سے جیل میں بند پڑا ہے۔ اس کی ضمانت کی کوشش کیجئے۔‘‘ فوزیہ بیگم روتے ہوئے بولیں۔

’’تم نے اماں جان اور روحیل نے بہت سر چڑھا رکھا ہے اسے۔ تم لوگوں کی ہی ناجائز محبتوں کی وجہ سے وہ اتنا نڈر اور بے لگام ہو چکا ہے۔‘‘

’’میرا بچہ جیل چلا گیا تو کیا ہوا۔ بڑے بڑے سیاسی لیڈر جنہوں نے اس ملک کو بنایا‘ جیل گئے ہیں۔ میرا بچہ تو نصیبوں والا ہے۔ جو حق کی بات کی خاطر جیل گیا ہے۔‘‘ اماں جان تخت پر بیٹھتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولیں۔

’’اماں جان کو دیکھ کر اسد صاحب خاموش ہو گئے تھے مگر اماں کی منطق پر ان کا دیوار سے سر ٹکرانے کو دل چاہا تھا۔

’’اماں اس دور میں بامقصد سیاست تھی۔ ایک ملک، ایک قوم‘ ایک دستور بنانے کی مگر آج کی سیاست......‘‘

’’ارے چھوڑو میاں۔ اللہ اللہ کر کے سالوں بعد چاند سے بیٹے کی صورت میں ممتا کو ٹھنڈک ملی ہے‘ کیسے باپ ہو۔ بیٹے کی محبت نہیں تڑپا رہی تمہیں۔‘‘

’’نہ معلوم میرے بچے نے وہاں کچھ کھایا بھی ہوگا کہ نہیں۔ کل دوپہر سے آج صبح ہو گئی۔‘‘ فوزیہ بیگم نے دوبارہ رونا شروع کر دیا۔

’’رو ؤ نہیں بہو۔ اسے وہاں سب کچھ ملا ہے۔ وہ کوئی عادی مجرم تھوڑی ہے۔‘‘

’’مبارک ہو اماں۔ اُسامہ کی ضمانت ہو گئی ہے۔‘‘ عظمت بیگم کمرے میں آ کر مسرت سے بولیں۔

’’یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اماں اور فوزیہ بیگم کے منہ سے ایک دم نکلا۔ اسد صاحب کے تنے ہوئے چہرے پر اطمینان کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

’’کہاں ہے میرا بچہ۔‘‘ اماں جان بے تابی سے بولیں۔

’’اس کے ساتھی۔ کافی بڑی تعداد میں وہاں آئے تھے۔ وہ اسے یونیورسٹی لے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔‘‘ عظمت بیگم نے وضاحت کی۔

’’عظمت! کس نے ضمانت کرائی ہے اُسامہ کی۔‘‘ فوزیہ بیگم بولیں۔

’’روحیل رات سے ہی کوشش کر رہے تھے۔ صبح کورٹ کھلنے پر ضمانت ہوئی ہے۔‘‘

’’میں کبھی بھی اس نالائق کی ضمانت نہیں کرواتا۔‘‘ اسد صاحب کہہ کر کمرے سے چلے گئے۔

’’اسد بھائی کا غصہ وقتی ہے‘ ٹھیک ہو جائیں گے آہستہ آہستہ۔‘‘ عظمت بیگم بولیں۔

’’بہت محبت کرتے ہیں اس سے۔ کل سے ابھی تک کچھ نہیں کھایا ہے۔ ساری رات ٹہل کر گزاری ہے۔ بہت منع کیا تھا اُسامہ کو کہ صرف پڑھائی کی طرف توجہ دے مگر نہیں مانا۔ اسد کو اسی بات پر غصہ ہے۔‘‘

’’میں ذرا شکرانے کے نفل پڑھ لوں۔ بہو تم لاکر میں سے روپے نکلوا کر یتیموں اور بیواؤں میں بٹوا دو۔ منشی کو بول دو۔ وہ خود تقسیم کرا آئے گا۔‘‘

⊙⊙⊙

بہت بڑے جلوس کی صورت میں اُسامہ ملک یونیورسٹی میں داخل ہوا تھا۔ اس کے اردگرد لڑکوں اور لڑکیوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ پرجوش نعرے لگاتے‘ بھنگڑا ڈالتے وہ لوگ اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہے تھے اور ان کے ہر قدم پر وہاں موجود طلبا نعرے لگاتے ان کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔

ان لوگوں کا بھی جواب نہیں ہے۔ اس کا استقبال اس طرح والہانہ انداز میں کر رہے ہیں‘ جیسے وہ جیل سے نہیں آیا بلکہ حج کر کے آیا ہے۔‘‘ اوپر ٹیرس پر کھڑی لائبہ نے اُسامہ کو دیکھتے ہوئے حنا سے کہا۔

اُسامہ ڈھیروں گلاب اور موتیے کے ہار گلے میں پہنے مسکرا کر اپنے استقبال کرنے والوں سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ اسٹوڈینٹ زبردستی رش میں گھس کر اس سے اس طرح ہاتھ ملا کر خوش ہو رہے تھے‘ جیسے وہ کوئی بہت باکرامت شخصیت ہے۔ کالی گھنی مونچھوں تلے اس کے گلابی لب مسکرا رہے تھے‘ کشادہ پیشانی پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی‘ بلیک پینٹ اور بادامی شرٹ پہنے پھولوں میں لدا ہوا وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان اس طرح چل رہا تھا‘ جیسے کوئی ولی عہد اپنے خدام کے درمیان چل رہا ہو۔

’’کل ہوا کیا تھا۔ میں نے اخبار میں پڑھا کہ جامعہ میں دو گروپوں کے درمیان زبردست ہنگامہ آرائی ہوئی۔ دونوں پارٹیوں کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مکمل تفصیل شاید چیئرمین صاحب نے پریس والوں کو چھاپنے نہیں دی ہوگی۔‘‘

’’ساری شرارت جمشید خان کے ساتھیوں کی تھی۔ وہ کب سے موقع کی تلاش میں تھے مگر اُسامہ نے اپنے ساتھیوں کو پہلے ہی سمجھا رکھا تھا کہ وہ ان کی کسی بھی بدتمیزی کا جواب نہیں دیں مگر کل منیر اور فرید‘ نادر‘ حیدر‘ راحت کے سامنے آ کر خوامخواہ اُسامہ کو گالیاں دینے لگے۔ وہ ان کی ہر بدتمیزی برداشت کر رہے تھے مگر اُسامہ کو ان کا گالیاں دینا‘ ان کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ تینوں غصے کی وجہ سے ان دونوں سے لپٹ پڑے۔ جمشید خان کی چال کامیاب ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے اور ساتھی بھیج دیے اور یہ خبر اُسامہ تک بھی پہنچ گئی اور اس کے گروپ کے لڑکے بھی پھر تو ایسا زبردست ہنگامہ ہوا ہے کہ پوچھو نہیں۔ اُسامہ اپنے ساتھیوں کو الگ لے جانا چاہ رہا تھا کہ نہ معلوم کس سمت سے گولی آ کر اس کی طرف بڑھی اگر وہ فوراً سر پیچھے نہ کر لیتے تو......‘‘ حنا نے جھرجھری لی۔ ’’گولی ان کے دماغ میں گھس جاتی۔ سر پیچھے کر لینے کی وجہ سے معمولی سی مس ہو گئی تھی۔ جس سے ماتھے پر زخم آ گیا ہے۔ ان کا خون نکلتا دیکھ کر جمشید خان کے ساتھی ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے بھاگ گئے۔ وہ سمجھے‘ ان کے سر پہ گولی لگ گئی ہے اور یہی ان کی اسکیم تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُسامہ الیکشن جیتے...... اسامہ کو خون میں نہائے دیکھ کر ان کے ساتھی مشتعل ہو گئے تھے اگر اُسامہ انہیں قابو نہیں کرتے تو کل یہاں نہ معلوم کیا ہوتا۔ صورت حال قابو سے باہر دیکھ کر شاید پرنسپل صاحب نے پولیس کو فون کر دیا اور تھوڑی دیر بعد پولیس یہاں آ گئی اور اپنی کارروائی مکمل کر کے دونوں لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ جمشید خان کی ابھی ضمانت نہیں ہوئی ہے۔‘‘ حنا نے تفصیل بتائی۔

’’اس کا مطلب ہے‘ اب یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ مجھے لگتا ہے‘ الیکشن تک یہاں ایسے بہت سے ڈول لڑے جائیں گے۔ کیونکہ اُسامہ ٹھنڈی مار مارنے والا انسان ہے۔‘‘

’’وہ ایسے نہیں ہیں۔ تمہارے دل میں ان کے لئے یونہی غلط فہمی ہے۔ وہ بہت تحمل مزاج اور دور اندیش انسان ہیں اور جمشید خان گولی کی زبان میں بات کرنے والا ہے اور کل اُسامہ کے جو گولی لگی ہے‘ وہ بھی سب کا خیال ہے‘ اس نے اوپر سے چھپ کر چلائی تھی کیونکہ اس کے سب ساتھی نیچے لڑنے میں مصروف تھے۔‘‘

’’اُسامہ کو پستول رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو خود بارود کا ڈھیر ہے۔ اس کے منہ میں تو خود قدرتی کلاشنکوف موجود ہے۔‘‘ لائبہ منہ بنا کر بولی۔

’’تم تو یونہی ان سے جیلس رہنا۔ چلو آ ؤ‘ اُسامہ کی تقریر سننے چلتے ہیں۔‘‘

’’مجھے ایسی فضول چیز سننے کا شوق نہیں ہے۔‘‘

’’پھر تم یہاں اکیلی مکھیاں مارو گی۔ چلو تو سہی۔ ایک دفعہ انہیں سنو تو سہی۔ کبھی بھی تمہارا دل نہیں چاہے گا وہاں سے اٹھنے کو۔ زبردست شعلہ بیان مقرر ہیں وہ۔‘‘ حنا اسے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کرتے ہوئی بولی۔

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگی کہ یہاں اکیلے بیٹھنا بے وقوفی تھی کیونکہ ان کا سارا ڈپارٹمنٹ وہاں پہنچ چکا تھا۔ سومیہ‘ سمیرا انہیں دور سے دیکھتے ہی ہاتھ ہلا کر اپنی طرف آنے کا اشارہ کرنے لگیں۔ ہال بھرا ہوا تھا۔ لڑکے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکیاں دیواروں کے سہارے کھڑی تھیں۔ کچھ جگہ ملنے کی وجہ سے بیٹھ گئی تھیں۔

وہ دونوں بھی جگہ بناتی سومیہ‘ سمیرا کی طرف بڑھنے لگیں۔ وہ دونوں کلاس روم کے باہر بنے پکی چبوترے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے لئے انہوں نے آگے کھسک کر جگہ بنائی۔ وہ دونوں بیٹھ گئیں۔

ہال میں بے شمار لوگوں کے ہونے کے باوجود خاموشی طاری تھی۔ صرف ایک آواز گونج رہی تھی۔ اُسامہ ملک کی آواز۔ لائبہ نے دیکھا۔ وہ ان سے بہت دور کھڑا تھا۔ یہاں سے صرف اس کے ماتھے پر بندھی پٹی اور گلے میں پڑے مہکتے گلاب کے ہار نظر آ رہے تھے۔ اس کا لہجہ عام سیاسی لیڈروں کی طرح جذباتی و جوشیلا نہیں تھا بلکہ بہت تحمل و نرمی سے وہ اپنے ساتھیوں کو صبر و برداشت اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

آپ کو وعدہ کرنا ہوگا۔ ہمارا کام یہاں پریشانیاں ختم کرنا ہے۔ نظم و ضبط کو بحال رکھنا ہے۔ جامعہ کی عزت و تقدس کا احترام ہر حال میں برقرار رکھنا ہے۔ دوسرا جو بھی کرے آپ لوگوں کو اس کا نوٹس لینے کی ضرورت نہیں۔ اپنے قول و فعل کے وہ خود ذمے دار ہیں۔‘‘

بغیر مائیک کے اس کی بلند و گمبھیر آواز ہر طرف گونج رہی تھی۔

’’لیڈر بننے کے لئے صرف چرب اور شیریں زبان ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ بلند و گمبھیر آواز بھی دوسروں کو مرعوب کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔‘‘ لائبہ نے سوچا۔

لوگوں کی اس سے محبت و عقیدت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی باتیں اتنی خاموشی و سنجیدگی سے سنی جا رہی تھیں۔ کچھ لوگ اتنے خوش نصیب و بلند بخت ہوتے ہیں کہ انہیں ہر طرف سے محبتیں ہی محبتیں ملتی ہیں جس سے وہ بے حد مغرور اور بد دماغ ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ جو محبت کی ایک ایک بوند کے لئے ترستے رہتے ہیں مگر انہیں پیاسا ہی رہنا پڑتا ہے اور یہ پیاس انہیں احساس کمتری و بے سکونی بخشتی ہے۔ یہ دنیا مجھ جیسے لوگوں سے بھری پڑی ہے جن کی زندگی انتظار ہے‘ سہانی رتوں کا انتظار‘ پیار بھری بہاروں کا انتظار‘ محبتوں کی برستی بارش کا انتظار۔ کب یہ منحوس خزاؤں کا بسیرا میرے آنگن سے جائے گا۔ کب ابر بہاراں میرے تن من کو بھگوئے گا۔ انتظار ہے اور مسلسل انتظار۔

’’اے لائبہ کہاں غائب ہو گئیں۔ ہمیں بھی تو بتاؤ‘ وہ کون شہزادہ ہے۔ جس کے سپنوں میں بیٹھی بیٹھی کھو جاتی ہو۔‘‘ سمیرا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے بولی۔

’’مجھے تمہاری طرح شہزادوں کے سپنے دیکھنے کی عادت نہیں ہے۔‘‘

’’اچھا تم کیا دیوتاؤں کے سپنے دیکھتی ہو۔‘‘ سومیہ کی بات پر وہ ان کے ساتھ بے اختیار ہنس پڑی۔

’’جلدی چلو۔ ورنہ پھر نکلنے کی جگہ بھی نہیں ملے گی۔‘‘

’’اُسامہ تقریر ختم کر چکا تھا۔ لوگوں نے اٹھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ چاروں بھی لوگوں میں گھس کر جگہ بناتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔ ہال چوتھی منزل پر واقع تھا۔ انہیں تیسری منزل پر آنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ لوگ دھکے سے آگے بڑھ رہے تھے اور اس دھکم دھکا میں وہ تینوں اس سے بچھڑ گئی تھیں۔ وہ ایک طرف کھڑی اپنی سانس درست کر رہی تھی۔ اس نے بھیڑ کم ہونے کا انتظار کیا کیونکہ نیچے جانے والی سیڑھیاں بڑی خطرناک تھیں۔ سیڑھیوں کے ایک سائیڈ تو دیوار تھی مگر دوسری طرف ابھی ریلنگ نہیں لگائی تھی کہ وہ ابھی زیر تعمیر تھی۔ وہ تینوں شاید نیچے چلی گئی تھیں۔ اب رش بھی قدرے کم ہو گیا تھا۔

لائبہ نے کتابیں اور بیگ سنبھالتے ہوئے نیچے قدم رکھا‘ دوسرے لمحے اس کا پاؤں کسی چکنی چیز پر پڑا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کتابیں اور پرس اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکے تھے۔ وہ سیڑھیوں کے بغیر ریلنگ کے حصے کی طرف جھکتی چلی گئی۔ قبل اس کے کہ وہ تین منزلہ عمارت سے نیچے گرتی‘ دو مضبوط بازوؤں نے اسے پھرتی سے ایک طرف کھینچ لیا۔ اس نے گھبرائی ہوئی نظر اٹھا کر نئی زندگی دینے والے کو دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑے اُسامہ کھڑا تھا۔

’’ہمارا منشور زندگی بچانا ہے۔‘‘ اس کے کچھ حواس بحال ہونے پر وہ احسان جتانے والے انداز میں گویا ہوا پھر قریب پڑے کیلے کے چھلکے کو ٹھوکر سے ایک طرف اچھال کر وہ دو سیڑھیاں پھلانگتا نیچے کی طرف بڑھ گیا۔

’’چوٹ تو نہیں آئی آپ کے۔‘‘ نادر اور اکبر اس کے نزدیک آ کر پریشانی سے بولے۔

’’نہیں‘ میں ٹھیک ہوں۔‘‘ اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ اکبر نے اس کی کتابیں اور پرس لا کر اسے دے دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی نیچے اترنے لگی۔ خوف سے اس کا دل ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں بری طرح چھل گئی تھیں۔ جن میں اب درد کے ساتھ ساتھ جلن ہو رہی تھی۔ اس نے نیچے اتر کر اوپر تیسری منزل کی طرف نظر ڈالی اور خوف سے کانپ اٹھی۔ اگر اُسامہ اسے پکڑ نہ لیتا تو اس وقت زندہ و سلامت کھڑی ہونے کے بجائے اس کی ہڈیاں یہاں بکھری ہوتیں۔ ابھی اس شخص میں انسانیت باقی ہے۔

ارے لائبہ تم سلپ ہو گئی تھیں۔‘‘ وہ تینوں بدحواس سی اس کے قریب آ کر بولیں۔ وہ جو اب تک ضبط کئے کھڑی تھی‘ حنا کے گلے لگ کر رو پڑی۔

’’تم تینوں مجھے اوپر اکیلا چھوڑ کر آ گئی تھیں۔‘‘ وہ حنا سے بولی۔

''ہم تینوں ہی الگ الگ نیچے آئی ہیں۔'' رش کتنا تھا' چاروں بچھڑ گئے تھے۔
''ہم تمہارا ہی انتظار کررہے تھے کہ نادر نے بتایا کیلے کے چھلکے سے پھسل کر تم نیچے گررہی تھیں' پیچھے سے آتے ہوئے اُسامہ بھائی اگر بھاگ کر تمہیں پکڑ نہ لیتے تو......'' حنا نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے جھرجھری لی۔
''چلو کیفے چلتے ہیں لائبہ کچھ ٹھنڈا پی کر فریش ہوجائے گی۔'' سمیرا اس کا زرد چہرہ دیکھ کر بولی۔
''نہیں' میں اب گھر جاؤں گی۔ میری ٹانگوں میں شدید درد ہورہا ہے۔''
''سمیرا! تم دونوں جاکر کہیں چار کوک لے آؤ۔'' حنا اسے وہاں گھاس پر بٹھاتے ہوئے بولی' تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ' ابھی تک تمہارا جسم کانپ رہا ہے۔''
''اور میں موت کو بہت قریب سے دیکھ کر آئی ہوں حنا۔ مجھے لگ رہا ہے میرا دل بند ہوجائے گا۔'' وہ چہرے سے پسینہ پونچھتی ہوئی بولی۔

* * *

''سوچ لو بی بی۔ لڑکا بہت اچھا ہے۔ کپڑے کی دکان ہے کھارادر میں۔ راج کرے گی بٹیا رانی۔'' حلیمہ بوا بڑا لسی کا گلاس منہ سے ہٹا کر بولیں۔
''کیا سوچوں۔ بچے بھی تو چار ہیں اس کے۔ جان بوجھ کر بچی کو کھائی میں دھکا کیسے دے دوں۔'' خورشید بی بی پریشانی و بے بسی سے آہستہ سے بولیں۔
''دیکھو بی بی! میں تو خدا لگتی کہوں گی۔ افشاں بٹیا کی عمر اب ایسی نہیں رہی ہے جو تم اس کے لئے کسی کنوارے بنے کے سپنے سجائے بیٹھی رہو۔ اس کی وجہ سے تم چھوٹیوں کی عمریں بھی نہیں دیکھ رہی ہو۔'' حلیمہ بوا غصے سے بولیں۔
''میرے نصیب تو خراب ہیں مگر اپنی بچیوں کے لئے میں کوئی جہنم نہیں بناؤں گی۔''
''مرضی ہے تمہاری۔ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اچھا رشتہ ہے افشاں کے لئے۔ لڑکے کی عمر ٹھیک ہے۔ صورت وشکل کا بھی بھلا ہے۔ کاروبار بھی اچھا ہے۔ چار کمروں کا خوبصورت گھر ہے۔ بیوی پانچویں بچے کی پیدائش کے دوران بچے سمیت اللہ کو پیاری ہوگئی۔ اظہر کو ایسی عورت کی ضرورت ہے جو اس کے معصوم بچوں کو پیار دے سکے اور اس کا گھر سنبھال سکے۔ اسے جہیز میں کچھ نہیں چاہئے۔ تن کے تین کپڑوں کے ساتھ رخصت کردینا۔ اللہ کا دیا بہت کچھ ہے اس کے گھر میں۔ مجھے امید تھی' افشاں بچی بہت سلیقے مند اور سمجھدار ہے' وہ اظہر میاں کے گھر کو جنت بنادے گی۔ اور تمہارے سر سے ایک بوجھ کی بھی کمی ہوجائے گی۔'' بوا پان چھالیہ تمبا کو باری باری منہ میں ڈال کر بولیں۔
''میں کیسے اپنی بچی کو ایک دوزخ سے نکال کر دوسرے دوزخ میں بھیج دوں۔''
''میرے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہی ہے۔ اے کیا کہویں انگریجی میں اسے۔ ہاں یاد آیا۔ تمہارا 'لاٹرنگ' کدھر کو ہے۔'' بوا ایک دم ہی پیٹ پکڑے کھڑے ہوکر بولیں۔
''بیدرابوا۔ اسے لاٹرنگ نہیں لیٹرین بولتے ہیں۔'' چھوٹی تابندہ کونے میں بنے لیٹرین کے دروازے پر انہیں چھوڑ کر مسکرا کر بولی۔
''امی! امی آپ بوا کو ہاں کہہ دیں۔'' افشاں اپنے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کانپتے لہجے میں بولی۔ خورشید بی بی نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ اس کے زرد سانولے چہرے پر انہیں اپنے دل کے زخموں کا عکس صاف نظر آرہا تھا۔ اس کی ویران کاجل سے بے نیاز آنکھیں فریاد کناں تھیں۔
''سب سے بڑا بوجھ میں ہوں امی۔ مجھے اس کھائی میں دھکا دے دو۔ مجھے اپنی نہیں اپنی چھوٹی بہنوں کی فکر ہے۔ میری وجہ سے وہ بھی بیٹھی ہوئی ہیں۔''
بچی کی آنکھوں کا نوحہ ان کا دل چیرنے لگا۔ افشاں کمرے میں چلی گئی تھی۔ بوا دوپٹے سے ہاتھ صاف کرکے چارپائی پر بیٹھ گئیں۔
''ایک پان اور لگادے بی بی' میں تو چلوں۔'' ان کا منہ بن گیا تھا۔
''میں ایک دفعہ لڑکے کو دیکھنا چاہتی ہوں۔'' انہیں اپنی آواز گہرے کنوئیں سے آتی سنائی دی۔
''شکر ہے' تمہاری سمجھ میں میری بات آگئی۔ تم کہو تو ابھی لے چلوں۔ لسبیلہ میں گھر ہے۔'' بوا کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ دونوں طرف سے ملنے والی رقم نے انہیں خوش کردیا تھا۔
''اب تو شام بھی ڈھلنے والی ہے۔ کل چلیں گے۔''
''اچھا بھئی کل تم تیار رہنا۔ میں چار بجے تک آؤں گی۔ اظہر میاں کو کہلوادوں گی۔ کل دکان سے جلدی آجائیں۔'' بوا اپنا سفید ٹوپی والا برقع سر پر رکھ کر بولیں۔
''یہ لو بوا۔'' خورشید بی بی نے پرس نکال کر لال لال تین نوٹ ان کی طرف بڑھادیے۔
''تمہارے حالات دیکھتے ہوئے یہ پیسے لینے کو دل تو نہیں کررہا مگر وہی مثال ہے کہ اگر گھوڑا گھاس سے دوستی کرلے تو کھائے کیا۔ بوا نے مسکراتے ہوئے وہ نوٹ بڑی حفاظت سے کرتے کی جیب میں رکھ لئے۔ باقی کے بعد میں لے لوں گی' اچھا خدا حافظ۔'' بوا اور پیسوں کا جتاتی ہوئی دروازے سے نکل گئیں اور وہ اپنے خالی بٹوے کو تکنے لگیں۔

* * *

''اماں جان۔ بتا تو دیا۔ معمولی سا زخم آیا ہے سر میں اور کچھ نہیں ہوا آپ خوامخواہ پریشان ہورہی ہیں۔'' ان کی مسلسل تکرار سے اُسامہ زچ ہوگیا تھا۔
''یہ زخم تمہارے ماتھے پر نہیں ہمارے کلیجے پر آیا ہے۔ کس کم ذات کی یہ مجال ہوئی کہ اس نے ہمارا خون یوں مٹی میں ملادیا۔ میرا بچہ کسی بھیک منگے کی اولاد نہیں ہے۔ یہ بہادر حسن ملک کا پوتا اور اسد ملک کا بیٹا ہے۔ بڑی بہو فون ملا کر دو گورنر کا' معلوم کریں اس سے ہم وہ کرسی پر کس لئے بیٹھا ہے۔'' اماں جان آج اپنے خاندانی جاہ وجلال میں تھیں۔ دوپہر کو اُسامہ ان سے ملنے آیا تو اس کے ماتھے پر بندھی پٹی نے انہیں دہلا دیا تھا۔ ان کی عادت کو جانتے ہوئے اُسامہ نے کوئی کا نہیں بتایا۔ صرف اتنا کہہ دیا کہ پتھر لگ گیا ہے۔ ورنہ ان سے بعید نہ تھا کہ وہ یونیورسٹی پہنچ چکی ہوتیں۔ خان بہادر رحمٰن ملک جدی پشتی رئیس تھے اور اماں بھی ملک کے سب سے بڑے تاجر کی بیٹی تھیں۔ انہوں نے بچپن سے بڑھاپے تک دولت کے انبار دیکھے تھے۔ مشکل سے مشکل کام وہ اپنے کمرے میں صرف ایک فون کال سے کروالیا کرتی تھیں۔ ملک اور بیرون ملک کے اچھے بڑے طبقوں میں ان کا بہت احترام اور اثر ورسوخ تھا۔
''آپ بیٹھ جائیں اماں۔ گورنر صاحب کو بہت سے اہم کام ہوتے ہیں' آپ اپنے لاڈلے کے قدم روکئے' دوسروں پر کیوں زور چلاتی ہیں۔ اسد صاحب گورنر بیگم کو فون کرنے سے روکتے ہوئے بولے۔
''وہ گورنر ہمارے لوگوں کے ووٹوں سے بنا ہے۔ اگر ہم ہاریوں اور مزدوروں کو منع کردیں تو اس ضلع میں کوئی الیکشن نہیں جیت سکتا۔ ہم لاکھوں روپے کا ٹیکس حکومت کو دیتے ہیں' بغیر کسی حجت اور ہیر پھیر کے پھر بدلے میں حکومت پر ہماری جان ومال کی حفاظت کی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ یہ کوئی ہم پر احسان نہیں ہے۔'' اماں کا لہجہ بلند اور سخت تھا۔
''اماں! میں آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ کچھ نہیں ہوا۔ ایسے چھوٹے موٹے جھگڑے تو ہوجاتے ہیں۔'' اُسامہ اماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے بولا۔
''تم چھوڑ کیوں نہیں دیتے سب کچھ۔ دولت' جائیداد' عیش وآرام کس چیز کی کمی ہے تمہیں جو تم سیاست میں نام بدنام کررہے ہو۔'' اسد صاحب اس سے مخاطب ہوئے۔
''ڈیڈی! ہمارا ملک آج تک اسی انفرادی سوچ کی وجہ سے ترقی نہیں کرسکا ہے۔ ہر شخص یہ سوچتا ہے کہ میں اچھا کھاؤں' اچھا پیوں اور بہتر کاروبار کرکے عیش کروں۔ دوسرے بھوکے مرتے ہیں یا ننگے پھرتے ہیں' اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ یہ خودغرضی و مردہ ضمیری ہمارے ملک کی بدقسمتی بنتی جارہی ہے۔ ہمارے مذہب نے بھی ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ جو بہترین کام ہم اپنی ذات کے لئے کرتے ہیں' وہی بہتری ہم اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی کریں یا ان کے لئے راستہ بتائیں مگر ہم صرف اپنے نفس کی تسکین کے لئے سب کچھ بھلائے خودترسی میں مبتلا ہیں۔
''تمہارا مطلب ہے' میں خودغرض اور مردہ ضمیر ہوں۔'' اسد صاحب غصے سے بولے۔
''آپ غلط مطلب لے رہے ہیں ڈیڈی۔ میں گستاخ ہرگز نہیں ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم لوگ اپنی ذات سے نکل کر دوسروں کی پریشانیاں شیئر کریں۔ ہمیں بھلائی اور ترقی کی سوچ انفرادی حیثیت میں نہیں اجتماعی انداز میں تبدیل کرنی پڑے گی۔ ہمیں اپنے لئے نہیں سب کے لئے جینا ہے۔ وہ زندگی' زندگی نہیں ہوتی جو صرف اپنے لئے ہو۔'' اس کا مضبوط ودلکش لہجہ مودب اور دھیما تھا۔
''مجھے تمہاری بے عقلی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر میں آخری بار کہہ رہا ہوں' آئندہ ایسی حرکت ہوئی تو میرے گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کے لئے بند ہوجائیں گے۔'' وہ اپنا فیصلہ سنا کر تیزی سے وہاں سے چلے گئے۔

* * *

''یہ بہت بداخلاقی ہے ڈیئر۔ تمہیں اُسامہ بھائی کا شکریہ ضرور ادا کرنا چاہئے۔''
''انہوں نے کوئی احسان نہیں کیا مجھ پر' ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو مجھے ضرور گرنے سے بچاتا۔ آئی مین' ایسی حرکات انسان سے بے اختیار ہوجایا کرتی ہیں۔ لاشعور کی بے پناہ قوت ایسے موقعوں پر انسان کا بہتر دفاع کرتی ہے۔ اور سچ بات یہ ہے کہ میری قسمت میں موت نہیں لکھی تھی۔''
پہلا پیریڈ ان کا فری تھا۔ لائبہ آج ایک دن کے بعد یونیورسٹی آئی تھی۔ حنا' سومیہ' سمیرا کا شدید اصرار تھا کہ اُسامہ کو تھینکس کہنا اس کا اخلاقی فرض ہے۔ مگر وہ مسلسل انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کررہی تھی کہ اسے گرنے سے بچانے میں اُسامہ کا کوئی کمال نہیں ہے۔
''یہ تو احسان فراموشی ہے سراسر۔ تم جیسی لڑکی کو بچانے کے بجائے زور کا دھکا دینا چاہئے تھا اُسامہ کو۔'' سومیہ جو اُسامہ پر اپنا حق سمجھتی تھی' لائبہ سے بولی۔
''تم جیسی لڑکیوں نے ہی اس جیسے عام انسان کی گردن میں کلف لگایا ہے۔ میں جاکر اس سے تھینکس کہوں اور وہ موصوف سمجھیں کہ ان کے تعاقب میں رہنے والی لڑکیوں میں ایک اور کا اضافہ ہوگیا ہے۔ میں ایسے بددماغ اور خوش فہم لوگوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی ہوں۔''
''لیڈیز' تھوڑی دیر کے لئے آپ اپنے جاری کردہ مذاکرات موقوف کردیں۔ ہمیں بہت ضروری کام ہے۔'' سومیہ' حنا' سمیرا نے نادر کی شوخ آواز سن کر جب مڑ کر دیکھا' ان سے کچھ ہی فاصلے پر نادر اور حیدر کے درمیان اُسامہ بھی شلوار سوٹ پر پہنی سرمئی واسکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ وہ تینوں بوکھلا کر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگیں۔ وہ تینوں یقیناً ساری بات سن چکے تھے۔ وہ چاروں سیمینار روم کے بائیں جانب بنے چبوترے کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ سیمینار روم کے دروازے پیچھے کوریڈور میں بھی کھلتے تھے جہاں سے یہ چاروں یہاں آئے تھے۔ وہ باتیں کرنے میں اتنی محو تھیں کہ ان کی آمد کو محسوس ہی نہ کرسکیں۔ اُسامہ کو دیکھ کر اس کی پیشانی شکن آلودہ ہوچکی تھی۔
''مس حنا خان! کل آپ کو فائل دی تھی جس میں میٹنگز' الیکشن کے اور ریجنل کاغذات ہیں۔'' حیدر اس سے مخاطب ہوا۔
''وہ فائل میں نے حنا سے کل لے لی تھی۔ کل میں نے انہیں بہت تلاش کیا فائل دینے کے لئے مگر یہ مجھے ملے نہیں۔ آج میں فائل گھر بھول آئی۔'' سومیہ نے اُسامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''کس احمق نے آپ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ فائل گھر لے جائیں اور بھول آئیں۔ کتنے اہم کاغذات ہیں اس فائل میں۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں سومیہ سے مخاطب ہوا۔
''میں ابھی گھر فون کرکے ڈرائیور سے فائل منگوالیتی ہوں۔'' سومیہ بوکھلا کر بولی۔
''بہت احسان ہوگا یہ آپ کا۔'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ دونوں بھی اس کے پیچھے تھے۔
''اس کے اسی انداز پر تو میں دل وجان سے فدا ہوں۔'' سومیہ انداز تفاخر سے گویا ہوئی۔
''اونہہ۔ ایڈیٹ۔'' لائبہ گردن جھٹک کر بولی

* * *

''او کالے برقعے والی اپنا نام تو بتا۔'' رشید اور عارف جو چھچھورے اور بدمعاش ٹائپ کے لڑکے تھے' منہ میں پان کا بیڑا دبائے قریب سے گزرتی کالے برقعے میں کالج

سے آتی ہوئی دوشیزہ کو دیکھ کر بے سرے بھونڈے انداز میں گنگنائے مگر وہ لڑکی ان کی بدتمیزی کا کوئی نوٹس لئے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

''ابے یار! ایسے شرافت سے کام نہیں بنے گا۔ کوئی جسارت کرنی ہی پڑے گی۔'' رشید دور ہوتے کالے برقعے کو گھور کر دیکھتا ہوا آنکھ دبا کر بڑے لچر لہجے میں عارف سے مخاطب ہوا۔

''ابے سالو! تمہاری ساری جسارت میں ابھی یہیں نکالتا ہوں۔'' ان دونوں کے قریب پڑی چارپائی پر آنکھیں بند کرکے لیٹا ہوا انوجوان کی ساری باتیں سن رہا تھا غصے سے اٹھتا ہوا دونوں ہاتھوں سے پیچھے سے ان کی گدیاں پکڑ کر بولا۔

''استاد ہم مذاق کررہے تھے۔'' وہ دونوں بوکھلا کر ایک ساتھ بولے۔

''میں برا ہوں' کمینہ ہوں۔ جوا بھی کھیلتا ہوں لیکن برا ہونے کے باوجود بے غیرت نہیں ہوں۔ دوسرے کی بہن' بیٹیاں مجھے اپنی بہنوں جیسی لگتی ہیں۔ سمجھے۔ تم جیسے بے غیرتوں اور خبیثوں کی وجہ سے بہنوں' بیٹیوں کا گھر سے نکل کر باہر آنا جانا دشوار ہوگیا ہے۔'' انور کا چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ اور آواز بادلوں کے گرجنے کی سی تھی۔ دس منٹ میں ہی اس کے تھپڑوں اور گھونسوں نے ان دونوں کی حالت خراب کردی تھی۔

''معاف کردو استاد۔ معاف کردو۔ اب کبھی ہم ایسی غلطی نہیں کریں گے۔'' وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولے۔ آج سے پہلے انہوں نے کبھی انور کو اس قدر وحشیانہ روپ میں نہیں دیکھا تھا۔ ویسے بھی انور سے ان کی دوستی کو ایک سال کا عرصہ گزرا تھا۔ انور جو ماں کی ہر وقت نوکری کی رٹ' باپ کے گھر سے بالکل لاتعلقی اور گھر میں فاقوں اور بدحالی سے تنگ آکر جوئے جیسی بری اور بدحال کردینے والی لائن میں ان دونوں کے اکسانے اور بہکانے پر ہی لگا تھا اس دھندے میں آکر اس نے بہت تیزی سے اس گناہ کی دنیا میں شہرت حاصل کی تھی کہ ماہر کھلاڑیوں کو بھی اپنی بے پناہ شارپنگ سے شکست دے دیا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے ساتھیوں میں بہت عزت سے پکارا جاتا تھا' اس نئی لت کی خبر جب اس کی ماں کو پہنچی تو انہوں نے بہت شور وغل مچایا۔ پیار سے' ڈانٹ سے ہر طریقے سے بیٹے کو باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی کے آگے کسی کی بھی نہیں چلنے دیتا تھا۔ اس کے دل میں عورت کے لئے جو محبت و احترام تھا انہیں اس کی خبر نہیں تھی۔

''ان تینوں کے گرد آدمیوں اور بچوں کی بھیڑ اکٹھی ہوگئی تھی مگر ان میں سے کسی کی بھی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر معاملہ ختم کروائے۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انور اپنے معاملے میں کسی کی بھی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔ جنید اور جلیل نے جو ان کی ہی لائن سے تعلق رکھتے تھے بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر ان دونوں کو انور کی گرفت سے چھڑوایا۔ انور کے للکارنے پر منٹوں میں بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ وہ محلے میں 'دادا' کی حیثیت اختیار کرچکا تھا۔

''آئندہ ایسی کوئی بات سن لی تو تمہاری گردنیں توڑ کر پھینک دوں گا۔ عورتوں پر بری نظر ڈالنے سے پہلے یہ سوچ لیا کرو کہ تمہاری ماں بہنیں بھی گھر سے باہر نکلتی ہیں۔''

''ہمیں معاف کردو استاد۔'' دونوں اس کے پیروں کو چھوتے ہوئے بولے۔ اس سے دوری انہیں بالکل گوارا نہیں تھی کہ وہ زبان اور مزاج کا جتنا کڑوا تھا دل کا اتنا ہی بادشاہ تھا۔ جب بھی لمبی رقم جیتتا تھا' ان سب کے عیش ہوجاتے تھے۔ وہ خود کم ہی کھاتا تھا مگر ان کی کسی پسند کو رد نہیں کیا کرتا تھا۔

''جاؤ' جاکر حلیہ درست کرکے آؤ' الف ب کی پہچان نہیں۔ چلے ہیں مجنوں کے جانشین بنے۔'' اس کا موڈ درست ہوگیا تھا۔

☯☯☯

''ہیلو طوبیٰ کیسی ہو بھئی۔ بہت دنوں بعد رنگ کیا۔ فضل نے بہت ہی حیرت سے فون پر شگفتہ لہجے میں بات کرتے ہوئے اُسامہ کو دیکھا جس کے چہرے پر ہر وقت چھائی سختی و خشونت غائب ہوچکی تھی۔ گھنی مونچھوں تلے سرخی مائل لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ تند و ترش لہجے میں شہد گھل گیا تھا۔ فضل کے لئے اس کا خوشگوار موڈ' اس پر مستزاد دوسری طرف یقیناً کوئی لڑکی تھی جس سے وہ بہت پیار سے باتیں کررہا تھا جو فضل کے لئے انتہائی حیرت انگیز بات تھی کہ وہ اس کے لئے چائے بنانا بھول کر غیر محسوس انداز میں اس کی باتیں سننے لگا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ اُسامہ کسی لڑکی سے بات کررہا تھا' وہ بھی اتنی بے تکلفی اور اپنائیت سے۔ فضل صرف اُسامہ کی ہی برسوں سے خدمت کرتا آرہا تھا۔ اس کے ہر خاص و عام کام کی فوزیہ بیگم کے بعد اس کی ذمے داری تھی اور وہ اپنی ذمے داری احسن طریقے سے نبھاتا آرہا تھا۔ اُسامہ کی سخت مزاجی اور غصیلی طبیعت سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے اس کے موڈ کو مدنظر رکھ کر وہ جھٹ پٹ کام کیا کرتا تھا۔ اُسامہ کو بھی اس کی موجودگی کی عادت پڑ گئی تھی کہ گھر میں آنے کے بعد فوزیہ بیگم سے زیادہ وہ اس کے نزدیک اٹینشن رہتا تھا۔ اپنی تین سالہ سروس میں آج اس نے پہلی مرتبہ اُسامہ کو کسی لڑکی سے بات کرتے دیکھا بلکہ سنا تھا۔ ورنہ وہ شخص گھر میں ماں اور دادی سے بھی کبھی ہی کوئی بات کیا کرتا تھا اور اس کی طبیعت اور موڈ کو جانتے ہوئے کوئی بھی کزن اس سے فالتو بات کرنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔

''ارے نہیں بھئی ناراضی کیسی۔ دراصل سمسٹرز کے بعد الیکشن کی مصروفیات اتنی بڑھ چکی ہیں کہ گھر میں بھی بہت سے لوگوں کو میری عدم موجودگی کی شکایات رہنے لگی ہیں۔'' اُسامہ مسکراتا ہوا ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''اوکے' یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اتنے اہم دن نہ آؤں۔ اونو ڈیئر آئی پرامس یو۔ میں ضرور آؤں گا۔ اوکے اینڈ گڈ بائے۔'' اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر دونوں ہاتھ اوپر کرکے جماہی لی۔ فضل جو اس کے ریسیور رکھتے ہی فافٹ ٹیبل پر رکھے چائے کے سامان کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ کپ میں چائے بھر کر ساسر میں رکھ کر اس کی طرف بڑھ گیا۔

''لیجئے صاحب۔''

''تم چپکے چپکے میری باتیں کیوں سن رہے تھے۔'' اس نے کپ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے بہت نارمل انداز میں بازپرس کی۔ فضل کی تو گویا جان حلق میں اٹک گئی' اس نے اپنی دانست میں بہت احتیاط برتی تھی مگر وہ بھول گیا تھا کہ اس کے مقابل اس سے ہزاروں درجے ذہین و حساس انسان ہے' ایسے لوگ سوتے میں بھی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔ فضل سہا ہوا اس کی شکل دیکھ رہا تھا پھر بہت ہمت کرکے بولا۔

''در...... دراصل صاحب۔ میں نے آج پہلی مرتبہ آپ کو کسی لڑکی سے باتیں کرتے سنا ہے تو بے اختیاری میں یہ غلط حرکت کر بیٹھا مگر آپ یقین کریں صاحب آئندہ خواب میں بھی میں کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ پہلی اور آخری بار معاف کردیں۔''

''پہلی بات تو یہ یاد رکھو کہ کسی کی چھپ کر بات سننے سے ہمارے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ دوسرے یہ کہ اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے اور سنت کے خلاف بھی۔'' آج وہ کچھ اچھے ہی موڈ میں تھا جو اسے رسان سے سمجھا رہا تھا۔

''جی صاحب' اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ میں سمجھ گیا۔'' فضل خوشامدی لہجے میں بولا۔

''سنو۔ اس بات کا ضرور دھیان رکھنا اور دوسروں کو بھی بتانا کہ جب بھی ہمارے مدینے کے تاجدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے' چاہے یہ نام کسی بچے کے منہ سے سنو' درود شریف ضرور پڑھنا چاہئے۔ دوسری بات یہ کہ آئندہ مجھ سے کبھی چاپلوسی اور خوشامدی لہجے میں بات نہیں کرنا۔'' اس کا لہجہ اچانک درشت ہوگیا تھا۔

''بہت بہتر صاحب۔'' وہ حسب معمول اٹینشن ہوکر بولا۔ اسامہ کی مثال گھڑی میں اولیاء گھڑی میں بھوت والی تھی۔ اس نے اپنی عافیت چائے کے برتن سمیٹ کر لے جانے میں سمجھی۔ تیزی سے ٹرے میں شوگر پاٹ' ٹی پاٹ رکھنے لگا۔ اُسامہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

الیکشن کے دن قریب آتے جارہے تھے۔ ضروری کام نمٹانے میں کھانے پینے کا سیٹ اپ ڈسٹرب ہوکر رہ گیا تھا۔ فوزیہ بیگم کے بے حد اصرار پر الٹا سیدھا ناشتا کرکے یونیورسٹی جاتا تھا۔ چائے کے دور تو کینٹین میں چلتے ہی رہتے تھے مگر کھانا کھانے کا وقت کبھی چھ بجے ملتا تو کبھی سات بجے۔ اکثر لنچ ڈنر میں بدل جایا کرتا تھا۔ اس لئے شام کو بھی وہ صرف چائے ہی پی لیتا تھا۔ وہ بھی ہمیشہ سے اپنے بیڈروم میں پینے کا عادی تھا۔ وہ اپنے بنائے گئے اصولوں پر سختی سے چلنے کا عادی تھا اور اس کے مزاج کی وجہ سے کوئی بھی اس کے معمولات میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔

''اوکے فضل۔ میں شاپنگ سینٹر جارہا ہوں' ممی پوچھیں تو بتادینا۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا برش اٹھا کر بال بناتا ہوا بولا۔ بال بنا کر ڈریسنگ ٹیبل پر سے پرفیوم اٹھا کر اسپرے کیا۔ پورے کمرے میں دلفریب مہک چکرانے لگی تھی۔ لائٹ براؤن گلاسز آنکھوں پر لگانے کے بعد اس نے بیڈ سائڈ سے پجارو کی چابی اٹھائی اور کمرے سے نکل آیا۔

اس کی پجارو طارق روڈ کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اس کا ذہن طوبیٰ کے لئے 'گفٹ کیا لے' میں الجھا ہوا تھا۔ پچیس منٹ کی رش ڈرائیونگ سے وہ شاپنگ سینٹر پہنچ چکا تھا۔ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرکے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اپنی مطلوبہ دکان پر موجود سیلز بوائے نے اسے سلام کیا۔ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں یہیں سے لیا کرتا تھا۔ یہاں ریڈی میڈ سوٹس سے لے کر اس کے استعمال کی ہر چیز مل جایا کرتی تھی۔ اس نے سیلز بوائے کو سلام کا جواب دے کر سامان کی لسٹ اسے پکڑائی اور اسے سامان پیک کرنے کا کہہ کر' گفٹ شاپس کی طرف بڑھ گیا۔ شاپنگ کی تو وہ بہت عرصے سے سوچ رہا تھا مگر ٹائم نہ ہونے کی وجہ سے وہ آنہ سکا تھا مگر آج طوبیٰ کے فون نے اسے ٹائم نکالنے پر مجبور کرہی دیا تھا۔

آرائشی و زیبائشی چیزوں سے سجی دکانیں جگمگ کررہی تھیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت سامان سے سجی دکانیں تھیں سات بج چکے تھے۔ شاپنگ کو آنے والے لوگوں کا رش بڑھنے لگا تھا۔ جن میں زیادہ تعداد خواتین اور نوعمر لڑکیوں کی تھی۔ جن کے قیمتی لباسوں اور فل میک اپ سے چمکتے چہروں سے اندازہ ہورہا تھا' جیسے وہ شاپنگ سینٹر کی بجائے میرج گارڈن میں آئی ہوں۔ اس کا موڈ اب آف ہونے لگا تھا کہ وہ جس گفٹ شاپ میں جانے کی سوچتا' وہیں اسے خواتین کے جمگھٹے نظر آتے اور وہ یہ کسی طرح پسند نہیں کرتا تھا کہ ان جیسی' چھچھوری نمائش پسند خواتین یا لڑکیوں کا سایہ بھی اس پر پڑے۔ حالانکہ وہ حسب معمول بے شمار آنکھیں خود پر محسوس کررہا تھا مگر یہ اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ اپنی زبردست پرکشش شخصیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے انداز و رکھ رکھاؤ میں ایک شاہانہ پن نمایاں تھا۔

اس وقت وہ آف وائٹ شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔ سرخ و سفید چہرے پر سنجیدگی و وقار تھا۔ پیروں میں مضبوط پشاوری سینڈل تھے۔ اس کے چلنے کا انداز اتنا پروقار اور بارعب تھا کہ ایسا لگتا تھا' جیسے کوئی اہم سرکاری شخصیت ہو۔ لوگ خود بخود ہی اس کے راستے سے ہٹ رہے تھے۔ کافی دیر بعد اسے ایک گفٹ شاپ نظر آگئی جہاں اسے زچ کرنے والی شے موجود نہیں تھی۔

''جی سر فرمایئے۔'' وہاں موجود سیلز بوائے اس کے نزدیک آکر کاروباری لہجے میں مسکرا کر بولا۔ چند لمحے تک وہ سوچتا رہا کہ کیا لے مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ طوبیٰ کے لئے کیا مناسب رہے گا۔ ''کسی محترمہ کو برتھ ڈے پر کیا گفٹ دینا چاہئے۔'' سیلز بوائے کو مسلسل اپنی طرف دیکھتا پاکر وہ بولا۔

''آپ کسی لڑکی کو گفٹ دینا چاہتے ہیں تو یہ کوئی پرابلم ہی نہیں ہے۔ میں ابھی آپ کو لاجواب قسم کے تحائف دکھاتا ہوں۔'' سیلز بوائے اس کی پرابلم سمجھ کر مسکراتا ہوا بولا۔ اُسامہ وہاں رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس دکان پر تین سیلز بوائے اور تھے جو آنے والے باقی گاہکوں کو مختلف گفٹس دکھا رہے تھے۔ سینٹر میں رکھی لکھنے کی میز کے پیچھے اس دکان کا مالک بیٹھا رقم لے کر رسید دے رہا تھا۔

''دیکھئے سر پسند کیجئے ان میں سے۔'' وہی سیلز بوائے ٹرالی میں بارہ شوپیس رکھ کے لے آیا۔ ''دیکھئے سر یہ کتنا خوبصورت شوپیس ہے۔'' اس نے اُسامہ کی طرف ایک خوبصورت سا شیشے کا شوپیس بڑھایا جس میں بہت خوبصورت باغ میں ایک لڑکی گلاب کے پھولوں کے درمیان میز پر رکھے کیک کو کاٹنے سے پہلے اپنے نزدیک کھڑے لڑکے کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لڑکے کی پرشوق چاہت چھلکاتی نظریں لڑکی کے چہرے پر ہی تھیں۔ شوپیس میں رکھے ان دونوں کے چھوٹے چھوٹے مجسموں پر حقیقت کا گمان ہورہا تھا۔ اس پر بہت خوبصورتی سے سالگرہ مبارک لکھا ہوا تھا۔

''پسند آیا آپ کو؟'' سیلز بوائے بولا۔

''ارے نہیں بھئی۔ اس قسم کی واہیات چیزیں نہیں چاہئیں مجھے۔''

''تو سر آپ کس قسم کی چیزیں لینا چاہ رہے ہیں۔'' سیلز بوائے حیرانی سے بولا۔ اپنی دانست میں تو وہ ایک سے ایک بڑھ کر شوپیس لایا تھا کہ آج کل اس قسم کے گفٹ بہت فروخت ہورہے تھے۔

''میں نے سمجھا تھا' تم دن رات یہاں کام کرتے ہو' تمہیں تجربہ ہوگا کہ کسی لڑکی کو برتھ ڈے پر کیا تحفہ دینا چاہئے مگر تم تو یہ فضول چیزیں لے آئے ہو۔ اتنا میرا ٹائم ضائع کردیا۔ وہ بگڑے تیور لئے اٹھ گیا۔

''ارے سر بیٹھیں آپ۔ مجھے بتایئے کیا چاہئے آپ کو۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا ہوا آدمی تیزی سے اُسامہ کی طرف آکر خوش اخلاق لہجے میں بولا اور اُسامہ نے ناخوشگوار

لہجے میں اپنی پریشانی دہرادی۔

''لڑکیوں کوتو بہت ساری چیزیں پسند ہوتی ہیں۔مثلاً پرفیومز' جیولری' کاسمیٹکس' سوٹس......''

''اوکے اوکے' آپ ایسا کریں یہ سب سامان پیک کردیں۔ برتھ ڈے والے گفٹس میں۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔ کاؤنٹر مین اور سیلز بوائے نے حیرت سے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔ اُسامہ ان کے لئے ایک' معمہ ثابت ہوا تھا۔

''لیکن سر' یہ سامان آپ کو سلیکٹ کرنا پڑے گا کیونکہ ہمارے پاس مختلف ریٹ اور کوالٹی کا سامان ہے۔''

''انتخاب آپ خود ہی کرلیں۔ جو بھی منفرد اور قیمتی گفٹ ہو فوراً پیک کردیں۔'' وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا جھنجلا کر بولا۔

ایک سیلز بوائے نہایت ادب سے اس کے سامنے ٹھنڈی کوک ٹیبل پر رکھ کر چلا گیا تھا جس کی طرف اس نے نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ دس منٹ میں ہی وہاں موجود چار سیلز بوائز نے تین بڑے بڑے ڈبوں کو خوبصورت برتھ ڈے پیپر میں پیک کردیا تھا۔ اتنی دیر میں منیجر بھی پیسوں کی رسید بنا چکا تھا۔ اس نے قیمت کی ادائیگی کی۔ تینوں سیلز بوائے اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ اس نے سیکنڈ فلور کی دکان سے وہ سامان لیا جو وہاں پیک کرنے کا کہہ کر گیا تھا۔ وہاں زبردست رش ہو رہا تھا۔ سیلز مین نے اسے اور اس کے برابر میں کھڑی ایک معمر پروقار عورت کو شاپنگ بیگس پکڑائے۔ وہ عورت تو بیگ لے کر روانہ ہو چکی تھیں۔ شاید اس نے ادائیگی پہلے کردی تھی۔ اُسامہ نے جلدی سے ادائیگی کی اور شاپنگ بیگ اٹھا کر نیچے آ گیا۔ جہاں پارکنگ میں وہ تینوں اس کا سامان لئے کھڑے تھے۔ وہ سامان اس نے ڈکی میں رکھوادیا اور ان تینوں کو بھاری ٹپ دے کر اپنی گاڑی میں روانہ ہو گیا۔ جلدی جلدی کرتے بھی اس کا ایک گھنٹا یہاں ضائع ہو گیا تھا۔ اس کی پجارو تیزی سے روڈ پر دوڑنے لگی۔

☯☯☯

''ایک خوشخبری سنو شائلہ۔ شائلہ ابھی کالج سے آئی تھی اور یونیفارم بدل کر کھانا کھانے بیٹھی تھی۔ تابندہ کے کہنے پر وہ حیرت سے بولی۔

''خوشخبری اور وہ بھی ہمارے گھر میں۔ میں پہلی دفعہ کسی خوش خبری کا نام سن رہی ہوں۔''

اس وقت کمرے میں وہ تینوں ہی تھیں۔ تابندہ اور افشاں اس کے قریب بیٹھی سلائی کی قیصوں میں ترپائی کر رہی تھیں۔ امی گھر میں نہیں تھیں۔ تابش سپارہ پڑھنے کو نے والی خالہ کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ انور حسب معمول گھر سے غائب تھا۔ گھر میں مستقل رہنے والی ویرانی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔

''امی نے اس چار بچوں کے باپ سے آپی کی شادی کرنے کی ہامی بھرلی ہے۔ کل امی انہیں دیکھنے جائیں گی۔'' تابندہ نے ایک سانس میں پوری بات مکمل کرلی۔

''کیا سچ آپی۔'' ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں گر گیا۔ وہ بہن کی شکل سکتے کی سی کیفیت میں دیکھنے لگی۔

''بہت بے صبری ہو تابی۔ وہ بھوکی کالج سے آئی ہے۔ اسے کھانا تو چین سے کھانے دیا ہوتا۔ تم کھانا کھاؤ' کیوں کھانا چھوڑ کر بیٹھ گئیں۔ افشاں تابندہ کو ڈھیر سے ڈانٹنے کے بعد گم صم سی بیٹھی شائلہ سے بولی۔

''میری بات کا جواب دیں آپی۔ کیا تابندہ مذاق کر رہی ہے۔''

''نہیں' تابندہ سچ بول رہی ہے۔'' بہت دھیمی آواز میں گردن جھکا کر اس نے گویا اقبال جرم کیا۔

''کیا میں یہ سمجھوں آپی کہ گھر کی بدحالی و فاقہ کشی نے آپ کو یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا ہے کہ آپ نے اس شخص کی اور اس کے بچوں کی آیا بننا قبول کرلیا ہے۔'' شائلہ کھانے کی ٹرے کونے میں سرکا کر گلوگیر آواز میں بولی۔

''نہیں میری بہن۔ یہ بات نہیں۔ ہمیں جو گھر میں ملتا ہے اور جو نہیں ملتا وہ ہمارا نصیب ہے۔ میں نے کبھی بھی اپنے رب سے اس غربت کا شکوہ نہیں کیا۔ میں نے تو امی کے سینے پر رکھے سب سے بڑے وزنی پہاڑ کے وزن کو ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ میری بڑھتی عمر امی کے لئے سب سے بڑی پریشانی ہے۔ میری وجہ سے امی تمہارے اور تابندہ کے بارے میں سوچتیں بھی نہیں۔ میں نہیں چاہتی میری بہنیں میری طرح چاندی کے تاروں کا اضافہ اپنے بالوں میں کرتی رہیں۔ ارے ہماری اوقات ہی کیا ہے۔ جو ہمیں اپنانے کے لئے شہزادے یا وزیر زادے آئیں گے۔ گھر میں غربت و کسمپرسی' جسموں پر کپڑے پھٹے پرانے' پیٹ میں اگر ایک وقت کچھ رزق چلا بھی جائے تو دو وقت کا فاقہ' باپ ہمارا نشے باز ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر۔ ایک بھائی ہے وہ بھی محلے کا دادا اور جوئے باز۔ جن کے باپ نشے باز ہوں' بھائی جواری ہوں' ان بہنوں بیٹیوں کے اچھے گھرانوں سے رشتے نہیں آتے۔ اگر کبھی آ بھی جائیں تو ایسے ہی لوگوں کے آتے ہیں جو رنڈوے ہوتے ہیں یا ایک سے زائد شادی کرنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ جو کبھی بھی اچھے مستقبل کے ضامن نہیں ہوتے۔ میں نے اس گھر کی بھلائی چاہی ہے۔ تمہاری خیر خواہی چاہی ہے اور سب سے بڑھ کر امی کے سینے پر رکھا اپنا پہاڑ سا وجود ہٹانے کی کوشش کی ہے۔'' بولتے بولتے افشاں دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح رونے لگی۔

''خدا کے لئے مت روئیں آپی۔ یہ درد تو ہم سب کا مشترکہ ہے۔'' تابندہ اور شائلہ اس سے لپٹ کر رونے لگیں۔

☯☯☯

فضل کل جو میں سامان لے کر آیا ہوں۔ اس میں سے میرا سوٹ نکال کر پریس کرو اور باقی سامان واش روم میں رکھ کر آؤ۔'' اُسامہ جو ابھی یونیورسٹی سے لوٹا تھا۔ بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولا۔

''اچھا صاحب۔'' فضل بڑی مستعدی سے سامنے سینٹر ٹیبل پر پڑے بڑے سے شاپر کی طرف بڑھا۔ جیسے جیسے وہ شاپر سے سامان باہر نکالتا اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹتی رہیں۔ کل سے صاحب کی حرکتوں نے اسے حیرت زدہ کردیا تھا۔

''صاحب۔'' اس نے بیڈ پر آنکھیں بند کئے لیٹے اُسامہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم بولنے بہت لگے ہو۔ فوراً کپڑے پریس کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اُسامہ اس کی بات سنے بغیر ڈپٹ کر بولا۔

''لیکن صاحب آپ یہ سوٹ پہنیں گے۔'' اس نے فیروزی کلر کا سوٹ اس کے نزدیک رکھ دیا۔

''تمہیں اتنی حیرت کیوں ہو رہی ہے۔ قبل اس کے میں نے ایسے سوٹ نہیں پہنے۔ وہ آنکھیں کھول کر بولا اور جیسے ہی اپنے نزدیک پڑے سوٹ پر اس کی نظر پڑی' وہ ایسے اچھل کر بیٹھا جیسے اس کے جسم میں اسپرنگ لگ گئے ہوں۔

''یہ...... یہ کس کا سوٹ ہے۔ وہ تعجب سے فیروزی کلر کے تنگ پاجامے کرتے اور دوپٹے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ سوٹ انتہائی قیمتی اور خوبصورت تھا۔ وائٹ کلر کے سلمٰی ستارے اور موتیوں کی دیدہ زیب بھرائی سے سوٹ جھلمل کر رہا تھا۔

''صاحب آپ خود ہی تو کل شاپنگ کر کے لائے ہیں۔'' فضل اس کے تیور دیکھ کر گڑبڑا کر بولا۔

''میں اپنے لئے ایسی شاپنگ کر کے لاؤں گا۔''

''مجھے لگتا ہے صاحب آپ کا سامان بدل گیا ہے۔'' فضل اس کے پاس سے ہینگر اٹھاتا ہوا بولا۔

''ہوں۔ مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔ فوراً ایک کپ چائے لے کر آؤ۔ یہ سیلز مین کی غلطی سے ہوا ہے۔ ٹائم کم ہے۔ ایک مرتبہ پھر وہاں دوڑ لگانی پڑے گی۔'' اس نے کوفت سے سوچا۔

''اسے آتا دیکھتے ہی کاؤنٹر سے اٹھ کر ایک آدمی اس کی طرف بڑھا۔ لباس و انداز سے اس دکان کا مالک لگ رہا تھا۔

''سوری سر۔ دراصل یہ غلطی سیلز مین سے رش کی زیادتی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ مجھے دوپہر کو عاصم نے بتایا کہ جلدی کی وجہ سے آپ کا شاپنگ بیگ اس نے کسی اور محترمہ کو دے دیا ہے اور ان محترمہ کا آپ کو۔ اس غلطی کے لئے ہم بہت شرمندہ ہیں۔'' اُسامہ کو بولنے کا موقع دیے بغیر وہ شخص معذرت پر معذرت کئے جا رہا تھا۔

اُسامہ غیر مہذب اور بداخلاق ہرگز نہیں تھا۔ جو اس شخص کو نادم و شرمندہ دیکھ کر اپنی کوفت و جھنجلاہٹ اتارتا۔ اس نے خاموشی سے سامان اسے واپس کر کے اپنے مطلوبہ سامان کی لسٹ اسے پکڑا دی۔

''آپ بیٹھیے سر ابھی دس منٹ میں آپ کو آپ کا سامان مل جائے گا۔'' اس شخص نے لسٹ ہاتھ میں پکڑ کر اسے کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''یہ آپ نے کل ماما کو کس کا سامان پکڑا دیا۔ دلکش نرم سی آواز پر اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی وہ دکان کے مالک سے مخاطب تھی۔ کاٹن کے بلو اینڈ یلو سوٹ میں ملبوس اس نے بڑی سی بلیک چادر سے خود کو پوری طرح ڈھانپا ہوا تھا۔ چادر کی اوٹ سے اس کا گلابی شفاف چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ یونیورسٹی بھی اسی طرح چادر میں پیک ہو کر جاتی تھی کہ چہرے کے سوا سر کا ایک بال بھی نظر نہیں آتا تھا۔

اس پر نظر پڑتے ہی اُسامہ کا منہ اس طرح بن گیا' جیسے اچانک میٹھے انگور کھاتے کھاتے کھٹا انگور منہ میں آ جائے۔ اس سے نہ معلوم وہ اتنا الرجک کیوں تھا۔

''بھئی کیا خوب حسن اتفاق ہے مس' یہ میرے ملازم کی غلطی سے ہوا ہے جس کے لئے میں بہت بہت معذرت خواہ ہوں۔ آپ کا شاپنگ بیگ مسٹر اسامہ ملک کے پاس چلا گیا اور ان کا آپ کے پاس۔ یہ بھی ابھی دس منٹ پہلے ہی آئے ہیں۔ آپ بھی بروقت آئی ہیں۔ ورنہ میں ابھی سامان پیک کروا رہا ہوتا۔ اُسامہ ملک کا نام سن کر اس کی نگاہیں بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ بھی اسی لمحے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دونوں کی نظریں ملیں مگر فوراً ہی اُسامہ نے چہرہ دوسری طرف کرلیا۔ اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر جو نفرت و حقارت تھی' اس کی شدت نے لائبہ کو تپا کر رکھ دیا۔ اس نے کاؤنٹر پر سے اپنا شاپنگ بیگ اٹھایا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اونہہ۔ ایڈیٹ انسان' میں نے غلط سوچا تھا کہ تم میں انسانیت باقی ہے۔ نہیں شاید اخلاقیات و مروت تو تمہیں چھو کر بھی نہیں گزری ہیں۔ اس کے توہین آمیز رویے پر وہ بری طرح کھول رہی تھی۔ مجھے پتا ہوتا کہ یہ بیگ تم جیسے جاہل آدمی کا ہے تو اسے یہاں ہرگز نہ لاتی بلکہ کسی فقیر کو دے دیتی۔ نہ معلوم وہ کون سی منحوس گھڑی تھی' جب ماما یہ منحوس غلطی کر گئیں۔ کل میں خود ہی آ جاتی تو ٹھیک تھا۔ یا میں کل ہی بیگ میں سے سامان نکال کر دیکھ لیتی۔ ماما نے کتنا اصرار کیا تھا مگر میں نوٹس بنانے میں لگی رہی۔'' کل کی باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں۔

''بیٹا' ایک دفعہ سوٹ نکال کر دیکھ تو لو۔ کل سے لائی ہوں مگر آپ کو فرصت نہیں ہے۔ اب شام ہونے والی ہے پھر جاتے وقت بولو گی کہ لباس ٹھیک نہیں ہے۔'' ماما اس کے لئے چائے بناتی ہوئی بولیں۔

وہ جو بیٹھی ہوئی مزے سے کارٹون میگزین دیکھنے میں مگن تھی۔ ماما کی ناراضی کے خیال سے کارنر پر رکھے بیگ کی طرف بڑھ گئی۔ ماما کل سے اصرار کر رہی تھیں کہ وہ ان کا لایا ہوا سامان دیکھ لے' جو تھا بھی اسی کے لئے مگر وہ نوٹس بنانے میں مصروف رہی اور آج یونیورسٹی سے آنے کے بعد کھانا کھا کر سو گئی اور اٹھ کر بھی اسے سامان دیکھنا یاد نہیں رہا تھا۔

''اس عمر میں تو لڑکیوں کو شاپنگ کا اتنا کریز ہوتا ہے کہ پوچھو مت مگر آپ نے تو خود سے بے پروائی میں مجھ بڑھیا کو بھی مات دے دی ہے۔'' ماما آہستہ سے بولیں۔

''ماما' یہ سوٹ اور یہ سامان آپ میرے لئے لائی ہیں۔ لائبہ کی حیرت زدہ چیخ پر انہوں نے کپ ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف دیکھا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھ گئیں۔ ڈارک براؤن' تھری پیس سوٹ ہینگر میں لٹکا اس کے ہاتھ میں تھا۔ نیچے قالین پر شیونگ سیٹ' کالر کف لنکس' بیلٹ پرفیوم پڑے ہوئے تھے۔

''ارے یہ تو سامان بدل گیا ہے۔''

اور پھر چائے پی کر وہ یہاں سامان دینے آ گئی تھی اور یہ بھی ایک منحوس اتفاق تھا کہ اس کا سامان اس شخص کے سامان سے بدلی ہوا تھا جو اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔

''اوہ۔'' مغرب کی اذان اس کے کانوں میں آئی تو وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔ اس نے ایک گھنٹہ یونہی سوچوں میں گم دکانوں کے پاس سے گزرتے ہوئے لگا دیا۔ لوگ بھی کیا سوچ رہے ہوں گے کہ پاگلوں کی طرح میں یونہی ادھر ادھر کیوں گھوم رہی ہوں۔ اب دیر بھی ہو رہی ہے' جا کر تیار بھی ہونا ہے۔

اس نے باقی خریداری کا فیصلہ بدل کر گھریلو استعمال کی چھوٹی موٹی چیزیں لیں اور تیزی سے شاپنگ سینٹر سے باہر نکل آئی اور پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ گئی۔ اپنی گاڑی سے آگے کھڑی گرین کار سے ٹیک لگائے کھڑے اُسامہ کو دیکھ کر اسے غصہ بھی آیا اور حیرت بھی ہوئی کہ وہ اب تک یہاں کیوں کھڑا ہے۔ شاید کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ اس نے سر جھٹک کر سوچا اور آرام سے سامان نیچے رکھ کر کار کی چابی پرس سے نکالنے لگی۔

''کار پارک کرنے سے پہلے آپ پارکنگ کے اصول سیکھیں۔ اتنی بدتمیزی سے کار پارک کی ہے کہ پیچھے والی کوئی کار اس کار کے ہٹنے سے پہلے نکل ہی نہیں سکتی۔ دو گھنٹے پورے سینٹر کے اندر لگا کر آئیں' جیسے پورا شاپنگ سینٹر خرید لائی ہوں۔ حد ہوتی ہے غیر ذمے داری اور اجڈ پن کی۔'' وہ بہت جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا اور آتشیں لہجے میں لفظوں کی گولیاں اس پر تڑاتڑ برسانے لگا۔ کار کی طرف دیکھ کر لائبہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ جلدی جلدی میں کار روم میں کھڑی کرنے کی بجائے ترچھی کھڑی کر گئی تھی اور واقعی اس کی کار کے ہٹنے سے پہلے دوسری کار نکل نہیں سکتی تھی۔

''کون سی صدی میں آپ کے پرس سے چابی دستیاب ہوگی۔'' لائبہ کو مسلسل پرس میں گردن گھسائے ہوئے دیکھ کر وہ بھنائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''وہ...... وہ چابی کہیں کھو گئی ہے۔'' وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''او مائی گاڈ! آج مجھے کس بد اعمالی کی سزا ملی ہے۔'' اس کا شدت سے دل چاہا کہ اس کالی چادر میں لپٹے گھبرائے ہوئے وجود کو اٹھا کر اتنی اونچائی سے نیچے پھینکے کہ اس کے جسم کی کرچیاں فضا میں بکھر جائیں۔

''کیا آپ یہ کار سر پر اٹھا کر لے جائیں گی؟''

''اب کیا کروں۔'' وہ سخت پریشان ہو گئی تھی اور اس لائن میں کھڑی کاروں کے مالکوں نے بھی آنا شروع کر دیا تھا۔ ''چابی تو دروازے میں لگی ہوئی ہے۔'' اُسامہ کی اچانک نظر ڈرائیونگ ڈور کے کی ہول میں لگی چابی پر پڑی تو وہ بولا۔

''اوہ۔ شکر ہے خدایا۔'' وہ تیزی سے شاپنگ بیگز لے کر کار کی طرف بڑھی۔

''پہلے تو مجھے شک تھا کہ آپ کی آنکھیں کمزور ہیں مگر آج یقین ہو گیا ہے کہ آپ کی یادداشت بھی ضعیف ہو گئی ہے۔'' بڑے ترش لہجے میں کہتا ہوا وہ اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ لائبہ نے بیگز پچھلی سیٹ پر پھینکے اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر کے ہوا کی طرح شاپنگ پلازہ کے گیٹ سے باہر نکل کر روڈ پر دوڑنے لگی۔ اُسامہ کی کار اس سے بھی تیزی سے بیک سائیڈ پر مڑ گئی تھی۔

''کاش کہ اس وقت میرے ہاتھ میں ریوالور ہوتا۔ میں اس کی ساری گولیاں تمہارے سینے میں اتار دیتی۔''

ماما کار سے اتر کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں اور وہ طوبیٰ کی طرف آ گئی جو اس کے انتظار میں گیٹ کے قریب ہی کھڑی تھی۔

''بہت ایڈیٹ اور اسٹوپڈ ہو تم۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر غصے سے بولی۔

''میں اور بھی بہت کچھ ہوں۔ فی الحال تو سالگرہ مبارک ہو میری پیاری بہن۔'' لائبہ مسکراتی ہوئی اس کے گلے لگ گئی۔

''تھینک یو' اتنی دیر سے آئی ہو۔ انتظار کرتے کرتے میرا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا ہے۔ مہمانوں نے الگ میری جان کھا رکھی ہے' کیک کاٹنے کے لئے۔''

''پوچھو نہیں آج کہ کس وبالِ جان سے میرا واسطہ پڑ گیا تھا۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''طوبیٰ! کب تک سزا دیتی رہو گی یہاں آنے کی۔ نو بج چکے ہیں۔'' اُسامہ ہال کے دروازے سے ان کی طرف آتا ہوا بولا اور اس نے لائبہ کا 'وبالِ جان' بھی سن لیا تھا۔ دونوں کو ہی حیرت تھی' یہاں ایک دوسرے کی موجودگی پر۔''

''اب بس سزا ختم ہوا چاہتی ہے۔ تھا جس کا انتظار وہ شاہکار آ گیا۔ یہ لائبہ ہے میری پیاری سہیلی' اور لائبہ یہ اُسامہ بھائی ہیں۔ پپا کے فرینڈ کے بیٹے اور میرے پیارے بھائی۔'' طوبیٰ نے تعارف کروایا۔

''تمہارا گفٹ تو ماما کے پاس ہے۔ جلدی سے آ کر کیک کاٹو میں اتنے میں ماما سے تمہارا گفٹ لاتی ہوں۔'' وہ طوبیٰ کے تعارف کے جواب میں اُسامہ کو بالکل نظر انداز کر کے اندر ہال کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے شاپنگ سینٹر میں کی گئی اپنی بے عزتی کا بدلہ لے لیا تھا۔ بڑی مسروری وہ اندر پہنچ گئی۔

مون لائٹ کا وسیع و عریض لان اس وقت رنگ برنگے آنچلوں اور قیمتی پرفیومز کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ طوبیٰ نے کیک کاٹ لیا تھا۔ سفید اور ریڈ وردی میں ویٹر ہاتھ میں ٹرے لئے مشروبات اور کیک سرو کرتے پھر رہے تھے۔ لائبہ لیمن اسکوائش کا گلاس لئے کرسی پر بیٹھی ہوئی ہلکے ہلکے سپ لے رہی تھی۔ ماما اس سے کچھ دور بیٹھی کسی جاننے والی سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ خاموش بیٹھی سب کا جائزہ لے رہی تھی۔

یہ یونیورسٹی کے چیئر مین افتخار بٹ کی بیٹی طوبیٰ کی سالگرہ تھی۔ افتخار بٹ سے ان کے بہت گہرے مراسم تھے۔ اس نے بچپن سے ہی افتخار بٹ کی فیملی کو اپنے قریب دیکھا تھا۔ افتخار بٹ اور ان کی بیوی نادرہ اسے سگی بیٹی کی طرح پیار کرتی تھیں اور ان کے دونوں بچوں شاہ رخ اور طوبیٰ سے اس کی بہت دوستی تھی۔

پارٹی اپنے عروج پر تھی۔ موسم بہت حسین ہو رہا تھا آسمان ایک دم صاف و شفاف گہرا نیلا ہو رہا تھا اور اس پر جگمگاتے لاتعداد ستاروں کے درمیان روشنی بکھیرتا چاند' بہت حسین لگ رہا تھا۔ دھیرے دھیرے چلتی پرنم مہکتی ہوا نے ماحول کو سحر انگیز سا بنا دیا تھا۔ پورے لان میں بڑے قرینے سے بڑی بڑی گول میزوں کے قریب کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میزوں پر بہت خوبصورت سرخ پرنٹڈ دستر خوان تھے۔ آرکسٹرا پر انگلش دھن بج رہی تھی۔

اس نے گلاس خالی کر کے قریب آتے ویٹر کو دے دیا اور اس کی نظریں پھر ایک بار وہاں موجود لوگوں کے چہروں پر بھٹکنے لگیں۔ مکس پارٹی تھی۔ سب ایک دوسرے کی باتوں میں مگن پارٹی کا لطف اٹھا رہے تھے۔ لڑکیوں اور عورتوں کے بھڑکیلے چمکیلے لباس اور فل میک اپ سے چمکتے چہرے دیکھ کر لگ رہا تھا' جیسے یہاں مقابلہ حسن منعقد ہوا ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر حسین عورتیں' ان سے بڑھ کر طرح دار لڑکیاں تھیں۔ جو اپنے حسن کے جال میں لڑکوں کو پھانسنے کے لئے رنگین تتلیوں کی طرح ہر سمت منڈلاتی نظر آ رہی تھیں۔

وہاں موجود مرد بھی کسی طرح عورتوں سے کم ڈریس اپ ہو کر نہیں آئے تھے۔ انہوں نے بھی قیمتی ترین ڈنر سوٹ اور تھری پیس پہن رکھے تھے۔

''سب کتنے خوش ہیں لیکن میرے اندر اتنا سناٹا کیوں ہے۔ جیسے آسیب زدہ گھر ہوتا ہے۔ بالکل ویران' اجاڑ' دہشت ناک۔ جانے کب اس آسیب سے مجھے نجات ملے گی۔ کب میں بھی ان لوگوں کی طرح ہنسوں گی۔ جن کی یہ مسکراہٹیں چہرے کی ہی نہیں' دل کی مسرت و شادمانی کا عکس بھی ہیں۔ اس کی نظر سامنے شاہ رخ کے ساتھ کھڑے براؤن تھری پیس سوٹ میں اُسامہ پر پڑیں۔ اس وقت وہ عورتوں اور لڑکیوں میں گھرا ہوا تھا اور اس کے سرخ و سپید چہرے پر ناگواری و جھنجلاہٹ کے تاثرات یہاں سے بھی صاف نظر آ رہے تھے۔

آج کی دوشیزہ نے خود کو کتنا ارزاں بنا لیا ہے۔ جہاں کوئی اچھی صورت یا اونچے اسٹیٹس کا بندہ نظر آتا ہے' اپنی شرم و حیا' عزت و وقار کو پیروں تلے روند کر اس شخص پر ایسے بھنبھناتی ہیں جیسے مٹھائی پر مکھی بیٹھی ہو اور لعنت ہے' ایسی ماؤں پر جو بیٹیوں کو گلدستے کی طرح سجا کر پیش کرتی ہیں۔ اس نے اُسامہ کے گرد منڈلاتی ہوئی اپنی اپنی لڑکیوں کا ہاتھ پکڑے عورتوں کی طرف دیکھ کر سوچا۔

''تم یہاں چھپی بیٹھی ہو اور میں تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔'' طوبیٰ اس کی طرف آ کر بولی۔

''مجھے پسند نہیں ہے' مینڈکوں کی طرح ادھر ادھر پھدکنا......''

''واہ' یہ تم نے پھدکنا خوب استعمال کیا۔'' طوبیٰ ہنستی ہوئی اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' لائبہ' طوبیٰ کی طرف دیکھ کر بولی جس نے مقیش اور زری کے کام سے بنا ہوا شرارہ پہنا ہوا تھا۔ براؤن سلکی بال اس کے کھلے ہوئے تھے' چہرے پر لائٹ میک اپ تھا اور اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت نے اسے بہت دلکش بنا دیا تھا۔

''تمہارے سامنے چراغوں میں روشنی کہاں رہتی ہے مائی ڈیئر۔ اس سوٹ میں اس قدر زبردست لگ رہی ہو کہ بس دل چاہ رہا ہے۔ کاش! میں لڑکی نہ ہوتی تو تمہیں اپنی مضبوط بانہوں میں اٹھا کر کسی ایسی جگہ روپوش ہو جاتی کہ لوگ ہمیں ڈھونڈ ہی نہ پاتے۔'' طوبیٰ بڑے عاشقانہ لہجے میں بولی۔ تو وہ بے اختیار مسکرا دی۔

''ایک تو تم مسکرانے پر ہی اکتفا کرتی ہو۔ کبھی منہ پھاڑ کر ہنس بھی لیا کرو کنجوس۔ ہاں یاد آیا۔ تم نے کچھ گھنٹے قبل اتنی بدتمیزی کیوں کی تھی۔ تم اتنی غیر مہذب تو کبھی بھی نہیں تھیں۔ کتنا شرمندہ ہونا پڑا ہے' مجھے تمہاری اس حرکت کی وجہ سے' ایسا کیوں کیا تم نے۔''

''یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے جسے تم اتنا سیریس لے رہی ہو۔''

''وہاٹ۔ مجھے یقین نہیں آ رہا' لائبہ یہ تم بول رہی ہو۔ کوئی بات ضرور ہے ورنہ میرا خیال ہے کہ شاید تم اُسامہ بھائی کو جانتی بھی ہو کیونکہ وہ بھی جامعہ میں پڑھتے ہیں اور کافی پاپولر بھی ہیں وہاں۔'' طوبیٰ اسے گھورتی ہوئی بولی۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں' اتنی رازداری سے۔'' افتخار بٹ صاحب اپنے دوست اور ان کی بیوی کے ہمراہ وہاں آ کر بولے۔ انہیں دیکھ کر وہ دونوں احتراماً کھڑی ہو گئی تھیں۔

''انکل' طوبیٰ مجھے لطیفے سنا رہی تھی۔'' وہ مسکرائی۔ طوبیٰ کی طرف دیکھ کر شرارت سے بولی۔ ان لوگوں کی بروقت آمد پر اس نے شکر ادا کیا۔ ورنہ اسے طوبیٰ کو سمجھانا دشوار ہو جاتا۔ اس کے اور اُسامہ کے درمیان جو غلط فہمی چل رہی تھی' وہ اسے کبھی بھی بتانا پسند نہیں کرتی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ وہ اُسامہ کو شاہ رخ کی طرح ہی سمجھتی ہے۔

''یہ آپ کی رشتے دار ہیں۔'' افتخار صاحب کے دوست کی بیگم جو بہت پسندیدہ' پرشوق نظروں سے لائبہ کو دیکھ رہی تھیں' افتخار صاحب سے مخاطب ہوئیں۔

''جی بھابی' میرے بھائی کی بیٹی ہے۔''

''یہ لباس ان پر کس قدر سوٹ کر رہا ہے۔ ایسے لگ رہا ہے' جیسے ستاروں بھرا آسمان مجسم ہو کر سمٹ گیا ہو اور دمکتے چہرے کے آگے چاند بھی بے نور سا نظر آ رہا ہے۔'' ان کی اس قدر بے باک تعریف پر وہ گھبرا سی گئی۔

''ہماری بیٹی ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہے۔'' مسز افتخار جو ابھی وہاں آ کر بیٹھی تھیں لائبہ کی جانب پیار سے دیکھتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولیں۔

''ممی لاکھوں میں نہیں' کروڑوں میں ایک بولیں۔'' شاہ رخ جو اُسامہ کے ہمراہ اسی طرف آ رہا تھا' ان کا جملہ سن کر ہنستا ہوا بولا۔

''سچ ہے' یہ بھی جھوٹ نہیں۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

اپنی ذات کا موضوع گفتگو بننا اسے بہت ناگوار لگتا تھا اور اس وقت اُسامہ جو شاہ رخ کے ساتھ انکل کے برابر کرسی پر بیٹھ گیا تھا' اسے سخت کوفت میں مبتلا کر گیا۔ دوسرے ان خاتون کی نگاہیں اس پر چپک کر رہ گئی تھیں

''جہاں تک یاد پڑتا ہے' مجھے کہ تم اکلوتے تھے پھر یہ تم کس بھائی کا ذکر کر رہے ہو جن کی یہ بیٹی ہیں۔'' انکل کے دوست جو خاموش بیٹھے ہوئے تھے' سگار منہ سے نکال کر بولے۔ اُسامہ سے بات کرتے افتخار صاحب نے بے اختیار لائبہ کی سمت دیکھا اور اس کا دھواں دھواں چہرہ ان کا دل بری طرح چیر گیا۔ قبل اس کے کہ وہ جواب دیتے' تیز آواز کے ساتھ کھانے کے شروع ہونے کا وقت ہو گیا۔ ویٹرز نے زور و شور سے گرم گرم بھاپیں اڑاتی ڈشوں سے ڈھکنے ہٹانے شروع کر دیے۔ کراکری پہلے ہی تمام میزوں پر موجود تھی۔ لوگ جو اطمینان سے باتوں میں مصروف تھے' ڈشوں کے ڈھکنے ہٹتے ہی ہاتھوں میں پلیٹیں لئے کھانے کی طرف بڑھ گئے۔ ایک افراتفری کا عالم تھا۔ لمحوں میں ڈشیں ہاتھوں میں منتقل ہو گئی تھیں۔

افتخار اور ان کی مسز کے لئے یہ بہت اچھا موقع تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی کو کھانے کی دعوت دے کر فوراً ہی میزبانی کے فرائض انجام دینے چلے گئے تھے۔ وہ دونوں میاں بیوی بھی اپنے سوال کے جواب کو بھول کر کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئے تھے۔ شاہ رخ بھی اُسامہ کے ساتھ غائب ہو چکا تھا۔ طوبیٰ اپنی دوستوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس وقت وہی ایک اپنے سُن ہوتے ذہن کے ساتھ وہاں بیٹھی تھی۔

وہ اس وقت کہاں ہے۔ کتنے بے شمار لوگوں میں بیٹھی ہے۔ سب بھول گئی تھی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ذہن میں صرف ایک ہی فقرہ گونج رہا تھا۔ ''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' تم اکلوتے ہو پھر یہ تم کس بھائی کا ذکر کر رہے ہو جس کی یہ بیٹی ہیں۔'' ایک یہی جملہ خنجر کی مانند اس کی روح میں بار بار پیوست ہوا جا رہا تھا۔

''جس بچے کے والد کا نام نہیں ہوتا' جس کی ولدیت کا خانہ خالی ہوتا ہے' وہ بچہ معاشرے کے لئے ایک گندی اور ننگی گالی بن جاتا ہے۔ مگر نہیں میرا وجود گندی گالی تو ہرگز نہیں ہے۔'' اس نے گھبرا کر سوچا۔ ''مگر میرا باپ......''

''ارے آپ ابھی تک یونہی بیٹھی ہیں۔ لوگوں نے آدھا کھانا کھا بھی لیا ہے۔'' افتخار صاحب جنہیں یقین تھا وہ ابھی تک اسی طرح بیٹھی ہو گی۔ اس کے نزدیک آ کر اپنے

لہجے کو شگفتہ بنا کر بولے۔

''انکل! میں اسی وجہ سے کہیں نہیں آتی جاتی۔'' باوجود شدید کوشش کے دو موتی ٹوٹ کر اس کی پلکوں سے رخساروں پر گر گئے جسے اس نے فوراً ہاتھ میں پکڑے رومال میں جذب کر لیا۔

''آپ تو بہت بہادر ہیں۔ اللہ پر بھروسا رکھیں۔ وہ اپنے بندوں کی ضرور سنتا ہے۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو ضرورت ہی کیا ہے' دوسروں کی باتوں پر دھیان دینے کی۔ شاہ رخ اور طوبیٰ سے زیادہ میں اور آپ کی آنٹی آپ سے محبت کرتے ہیں۔ چلیں شاباش کھانا کھائیں۔ ادھر فوارے کی طرف چلتے ہیں۔ وہاں شاہ رخ اور طوبیٰ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''انکل! میرا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا ہے پلیز۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''اگر آپ نہیں کھائیں گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولے۔

''انکل! آپ یونہی مجھے بلیک میل کرتے ہیں۔''

''جن سے محبت کرتے ہیں' انہیں بلیک میل بھی کرتے ہیں۔'' انکل مسکرا کر بولے۔ اس کے اندر تو ایسی آگ لگی ہوئی تھی کہ وہ انکل کے مذاق پر مسکرا بھی نہ سکی۔ میز پر سے اپنا پرس اٹھا کر خاموشی سے انکل کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ بہت ساری نگاہیں وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی مگر وہ نگاہیں جھکائے انکل کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔

حسن اس نے بھی لاثانی پایا تھا۔ پانچ فٹ سے نکلتا ہوا قد تھا' رنگت بالکل گلابی اور سرخی مائل تھی' لمبی ستواں ناک' بڑی بڑی گہری نیلی آنکھیں۔ جن میں ہر وقت کوئی بے نام دکھ جم سا گیا تھا۔ وہ سراپا قیامت تھی مگر اس نے کبھی اپنے حسن کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اپنے سراپا سے تو وہ ہمیشہ ہی غافل رہی تھی۔ وہ تو ماما کا دم تھا جو اس کی مکمل کیئر کرتی رہتی تھیں۔ بالکل بچوں کی طرح۔ آج کی پارٹی میں پہننے کے لئے سوٹ بھی وہ پسند کر کے لائی تھیں۔ فیروزی کلر کا سلمٰی' موتیوں کی خوبصورت بھرائی کا' تنگ پاجامہ کرتے کا سوٹ اس کی گلابی رنگت پر بہار دے رہا تھا۔ بڑا سا جھلمل کرتا دوپٹہ اس نے اپنے مخصوص انداز میں سر پر اوڑھا ہوا تھا۔ بہت جز بز ہو کر اس نے یہ سوٹ پہنا تھا۔ ماما کی ناراضی کی وجہ سے ورنہ اسے اس قسم کے بھڑکیلے چمکیلے کپڑے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ ماما سوٹ سے میچنگ کرتے بندے بھی لائی تھیں جو بیگ میں مل ہی نہیں سکے تھے۔ شاید کہیں گر گئے تھے۔ اس نے ان کی پروا نہیں کی۔ وہ دوپٹہ اس انداز میں اوڑھتی تھی کہ کان میں پہنے ہوئے بندے نظر آنے کا سوال ہی نہیں تھا۔

''لان کے درمیان لمبی سی رو میں میزوں پر جلتے فائر بکسوں پر ڈشوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ جن میں' فش فرائی' چکن بریانی' چکن قورمہ' روسٹ' روسٹ چکن' رائتہ' سلاد' تکہ کباب' جیلی کسٹرڈ' فرنی اور لوکی کا حلوہ سجا ہوا تھا۔ ہر قسم کا ٹھنڈا بھی موجود تھا۔

انکل کے ساتھ وہ طوبیٰ کی ٹیبل پر آ گئی جہاں ماما بھی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ ٹیبل تمام ڈشوں اور کوک سے بھری ہوئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی سب نے کھانا شروع کر دیا تھا۔ انکل اور ماما کے بے حد اصرار کے باوجود اس نے اپنی پلیٹ میں صرف تھوڑی سی بریانی لے کر رائتہ ڈالا تھا۔ انکل اس سے مطمئن ہو کر اپنے دوستوں کی طرف بڑھ گئے تھے۔

''دوپٹہ اس طرح اوڑھتی ہو جیسے گنجی ہو۔ ایک بال بھی نظر نہیں آتا سر کا۔ دادی اماں لگتی ہو پوری۔'' طوبیٰ اس کے چہرے پر اچھی طرح دوپٹے کو لپٹا دیکھ کر جل کر بولی۔

''دوپٹے کو دوپٹے کی طرح ہی اوڑھنا چاہئے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''تم میں تو نہیں معلوم کون سی ہزاروں سالہ پرانی روح حلول کر گئی ہے۔''

''ہزاروں سالہ نہیں۔ صدیوں پرانی روح کہو۔'' پیچھے ٹیبل پر بیٹھا شاہ رخ پھر عادت کے مطابق شرارت سے جملہ کسنے سے باز نہ آیا۔

''تم تو اپنی بھوں بھوں بند ہی رکھو تو بہتر ہے' بندر۔'' طوبیٰ گردن موڑ کر اس سے مخاطب ہوئی۔

''بندر کب سے بھوں بھوں کرنے لگا ہے۔'' شاہ رخ اسی لہجے میں مخاطب ہوا۔

''جب سے تمہارا دماغ اس کے سر میں فٹ ہوا ہے۔'' اس کے کسی دوست نے برجستہ جملہ کسا تو زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

''اس کو تو ایسا ہی جواب ملنا چاہئے۔'' طوبیٰ بھی ہنستی ہوئی بولی۔ وہاں بیٹھی طوبیٰ کی دوست اور ماما بھی مسکرا رہی تھیں۔

لائبہ سے وہ تھوڑے سے چاول بھی نہیں کھائے جا رہے تھے۔ لیکن وہ آہستہ آہستہ زبردستی کھا رہی تھی۔ جبکہ چاول پلیٹ میں چھوڑ دینا ایٹی کیٹ کے خلاف تھا۔ اس کی نگاہیں پلیٹ پر مرکوز تھیں اور ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھی کہ دو آنکھیں کب سے اس کا جائزہ لے رہی ہیں۔

''ماما کیا ہو گیا ہے اسے۔ دیکھیں' کب سے تھوڑی سی بریانی لے کر بیٹھی ہوئی ہے۔ جیسے یہ بریانی کو نہیں بلکہ بریانی اسے کھائے گی۔'' طوبیٰ جو بہت دیر سے اس کی غائب دماغی محسوس کر رہی تھی' ماما سے مخاطب ہوئی۔

''آپ پریشان مت ہوں۔ لائبہ تو رات کا کھانا بہت کم کھاتی ہیں۔'' ماما جو اس کی مزاج شناس تھیں' اس کے چہرے پر چھائی حد درجہ سنجیدگی اور آنکھوں میں رکے ہوئے پانی کو دیکھ کر سمجھ گئی تھیں کہ ان کی غیر موجودگی میں ایسی کوئی بات ضرور ہوئی ہے جس سے وہ ہمیشہ ہی ڈپریس ہو جاتی ہے۔ اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر وہ پچھتا رہی تھیں کہ اسے انہوں نے اپنے ساتھ کیوں نہیں رکھا مگر قصور ان کا بھی نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں طوبیٰ سے اس کی گہری دوستی ہے' اکثر دونوں ساتھ ہی رہتی تھیں۔

اب نہ معلوم کیا ہوا تھا جو لائبہ کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کے اندر زبردست توڑ پھوڑ ہو رہی ہے۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھیں۔

''ہمارے ملک کی بڑی تعداد غربت و مفلسی کا شکار ہے' بے روزگاری' تعلیم سے محرومی اور مستقل کم زیادہ رہنے والے ہنگاموں نے غریب لوگوں کی زندگی کو دوزخ بنا کر رکھ دیا ہے۔ تن کی پوشیدگی اور پیٹ کی آگ نے اچھائی اور برائی کی تمیز مٹا دی ہے' حرام کو حلال سمجھ کر بہت برے غلط طریقے لوگوں نے اپنا لئے ہیں۔ بھوک اتنی بری چیز ہے کہ لوگوں کو کچرے پر پڑی باسی سڑی چیزیں کھانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ہمارے ملک کے ان بدنصیب لوگوں کا حال ہے' جنہیں کبھی ایک وقت کی روٹی بھی بڑی محنت و مشقت سے کھانے کو ملتی ہے۔ وہ بھی آدھا پیٹ مگر ہمارے ہی ملک میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے لئے اللہ نے انواع اقسام کا رزق اتار دیا ہے جسے وہ مالک و مہربان کی شکر گزاری کے بجائے لوگوں کے بے حد اصرار پر کھاتے بھی ہیں تو اس طرح جیسے کہ وہ کھانے پر احسان کر رہے ہوں۔ بہت اسٹوپڈ لگتے ہیں مجھے ایسے لوگ۔'' اُسامہ کے پاس بیٹھے شاہ رخ اور اس کے دوست اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

لائبہ نے سلگ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ شاہ رخ سے کوئی بات کر رہا تھا مگر اس کے لبوں پر بڑی کاٹ دار مسکراہٹ تھی۔ جو لائبہ کو بری طرح دہکا گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس نے اتنی بڑی تقریر صرف اسے سنانے کے لئے کی ہے کیونکہ وہ خود انکل اور ماما کو اس سے کھانے کے لئے اصرار کرتے اور برائے نام کھاتے دیکھ چکا تھا۔

''اے مسٹر...... تم کیوں ہاتھ دھو کر میری ذلت و تضحیک کرنے پر تل گئے ہو۔ میں جو اپنے ریزہ ریزہ وجود کو مشکلوں سے سمیٹے زندگی کا زہر گھونٹ گھونٹ پی رہی ہوں۔ ایک انجانی خطا پر کیوں نکیلے لفظوں کے پتھراؤ سے میرے نیم مردہ جسم کو لہولہان کر رہے ہو۔ میں خدا کی قسم تم سے خود نہیں ٹکرائی تھی۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے دل سے اٹھتی آواز کو بند کرنا چاہا۔ اسی لمحے اُسامہ کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ ایک لمحے کو اس کی نگاہیں فیروزی جھلملاتے دوپٹے کے ہالے میں چاند کی طرح پرنور چہرے پر ٹھہر سی گئیں۔ اس کا گلابی' مصنوعی آرائش سے پاک' تیکھے نقوش والا چہرہ یہاں کے تمام میک اپ زدہ چہروں سے منفرد اور دلکش تھا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ چند لمحے تک جنس مخالف کے چہرے پر بے اختیار اس کی نظریں جم سی گئی تھیں۔ عجیب ملال' سوز و کرب اس کے خوبصورت چہرے پر پھیلا ہوا تھا'۔ لاحول ولاقوۃ اس نے ایک دم ہی ہوش میں آ کر اپنے دل کو سرزنش کی۔' میں بھی کس لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں جسے دیکھتے ہی میری زبان میں کڑواہٹ آ جاتی ہے۔' اس نے سر جھٹک کر اس کے خیال کو ذہن سے نکال دیا اور جانے کی اجازت لینے کے لئے افتخار صاحب کی تلاش میں اندر کی جانب بڑھ گیا۔

* * *

''ابے' یہ جو نیا ایس پی آیا ہے' پہلے والے سے زیادہ برا ہے۔ وہ تو پچاس ہزار ہفتہ خوشی خوشی لے لیا کرتا تھا مگر یہ تو اس سے بھی ڈبل مانگ رہا ہے۔ چھاپے مار مار کر ہمارے اڈے بھی بند کروا دیے ہیں اور کھیلنے والوں کو پکڑ کر بھی لے گیا' انہیں مارا بھی' حوالات میں بند بھی رکھا اور سب لوگوں سے لمبی رقم لے کر چھوڑا ہے۔'' عارف' رشید سے مخاطب ہوا۔

''پورے ایک ہفتے سے دھندا چوپٹ پڑا ہے۔ اب ہمیں اتنی آمدنی تو نہیں ہوتی کہ اتنی بڑی رقم دیں۔'' ان کے پاس بیٹھا انور بولا۔

''استاد! میں نے نیا کام کرنے کا سوچا ہے۔ اسکوٹریں اور کاریں چوری کرنے کا۔ بہت اچھا دھندا ہے یہ بھی۔ راتوں رات مال دار ہو جائیں گے۔'' ضمیر بولا۔

''ابے گدھے کی اولاد' یہ دھندا بہت سست پڑ گیا ہے' لوگ بہت ہی ہوشیار ہو گئے ہیں۔ اب وہ گاڑی ایسے چھوڑ کر بھی نہیں جاتے۔'' انور چڑ کر بولا۔

''استاد! میں نے پورا بندوبست کر لیا ہے کام کا۔ آگے چوک پر جو سنگ مرمر کا نیا بنگلہ بنا ہے۔ بڑی مالدار پارٹی رہتی ہے اس میں۔ آج کل سارے لوگ لندن گئے ہوئے ہیں سیر سپاٹے کو۔ گھر میں صرف سیٹھ اور اس کے نوکر رہ رہے ہیں۔ میں نوکری کے بہانے سے گیا تھا۔ وہاں کے ملازم نے بتایا کہ بیگم صاحبہ بچوں کو لے کر گرمیاں گزارنے کے لئے لندن گئی ہیں' وہی آ کر جواب دیں گی نوکری کا۔ آج رات کو ہی سیٹھ کا بینڈ بجا دیتے ہیں۔'' جلیل بولا۔

''ابے مجھے چوری سکھا رہا ہے۔ پہلے جوئے میں لگا دیا' اب چور بھی بنائے گا۔''

''استاد خود سوچو' ہم جیسے جاہل لوگ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ آج کل مزدوری بھی بغیر سفارش کے نہیں ملتی تو غریب کیا کرے۔ کیا نہیں چاہئے ہمیں۔ بدن ڈھکنے کے لئے کپڑے' پیٹ بھرنے کے لئے روٹی' سر چھپانے کے لئے چھت مگر سوچو' جب یہ جائز طریقے سے ہمیں نہیں ملیں گے تو غلط راستے تو خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور آج ہمیں چور اور ڈاکو بنانے میں انہی بڑے بڑے سیٹھوں کا ہاتھ ہے۔ جن کی اولادیں تو بڑے بڑے ملکوں کے اچھے اور مہنگے اسکولوں و کالجوں میں پڑھ رہی ہیں اور ہم غریب کی اولاد اپنے ہی شہر کے اسکول میں نہ پڑھ سکے کہ ابا کی لائی ہوئی چھوٹی سی تنخواہ میں ماں روٹی چٹنی کرتی یا ہمارے لئے قاعدہ اور کاپی خریدتی۔ آج ان سیٹھوں کے بیوی بچوں کو اپنے ائرکنڈیشنڈ کمروں میں بھی گرمی لگ رہی ہے جو گرمی گزارنے باہر گئے ہوئے ہیں اور ہمارے گھروں میں ٹھنڈے پانی کے لئے برف کے پیسے نہیں ہیں۔ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے یہ لوگ بے ایمانی ہیرا پھیری کر کے دن بدن مہنگائی کی آگ سے ہم جیسے لوگوں کے پیٹ کی آگ دہکائے جا رہے ہیں۔ اب ہم بھی اپنا حق چھین کر لیں گے۔'' جلیل نے جو انور کی جوشیلی و جذباتی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا' اس کے سامنے کسی ماہر سیاست داں کی طرح نہایت جذباتی تقریر کر ڈالی۔

''جلیل ٹھیک کہہ رہا ہے استاد اگر ہمیں بھی اچھا ماحول اور بہترین تعلیم ملتی تو آج ہم اس گندی سڑک پر بیٹھنے کے بجائے' کسی ائرکنڈیشنڈ دفتر میں افسر بنے بیٹھے ہوتے۔'' ضمیر نے بھی نہایت جذباتی انداز میں کہا۔ جس طرح دیمک لکڑی کو کھا جاتی ہے اس طرح جذبات انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ انور کے ذہن کو بھی جذبات کی دیمک عرصے سے لگی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کی باتوں میں آ کر وہ ان کا ساتھ دینے کی ہامی بھرنے لگا۔

* * *

فضل گھر میں اتنا سناٹا کیوں ہے۔ کہاں گئے سب لوگ۔ اُسامہ بارہ بجے کے قریب گھر آیا تھا۔ فضل کو اپنے نزدیک اٹینشن دیکھ کر اس کے ہاتھ میں کوٹ اتار کر دیتا ہوا بولا۔

''صاحب آج شام کو ماریہ بی بی کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ بیگم صاحب (فوزیہ بیگم) ان کے پاس اسپتال میں رکی ہیں۔ صاحب اپنے کمرے میں سونے کے لئے جا چکے ہیں۔ آپ اب آئے ہیں۔'' فضل نے تفصیل بیان کی۔

ریاض کے ہاں بیٹی کا سن کر اسے مسرت ہوئی تھی۔ بہت عرصے بعد اس گھر میں معصوم ننھا وجود آیا تھا۔ اسے چھوٹے بچے بہت پسند تھے۔

''صاحب' ریاض صاحب کے پورشن میں اب کتنی رونق ہو جائے گی۔ چھوٹے معصوم بچوں کی قلقاریوں سے ہی گھر میں زندگی کا احساس ہوتا ہے۔ صاحب اپنا پورشن بھی سونا پڑا رہتا ہے۔ آپ یونیورسٹی چلے جاتے ہیں اور بڑے صاحب دفتر۔ بے چاری بیگم صاحبہ اکیلی رہ جاتی ہیں۔ آپ بھی شادی کر لیں تو گھر میں......''

''شٹ اپ فضل۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اُسامہ نے اسے زبردست ڈانٹ پلائی۔ فضل سختی سے منہ بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

''نائٹ سوٹ رکھو واش روم میں۔'' وہ جوتے ریک میں رکھتے ہوئے فضل سے مخاطب ہوا۔

''جی صاحب' رکھ دیئے ہیں اور بیگم صاحبہ کہہ رہی تھیں کہ اماں جان کو ہرگز معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ آپ افتخار صاحب کے گھر گئے تھے۔ ورنہ اماں جان قیامت برپا کر دیں گی۔ وہ اس فیملی کو ذرا بھی پسند نہیں کرتیں۔'' فضل نے ڈرتے ڈرتے مکمل بات دہرا دی۔

''اماں جان کو مطمئن کرنا میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اب تم بھی جا کر سو جاؤ' دودھ مت لانا۔'' وہ واش روم کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سفید کرتا شلوار میں واش روم سے برآمد ہوا تھا۔ وضو کر کے آیا تھا۔ دراز میں سے جانماز ٹوپی نکال کر نماز میں مشغول ہو چکا تھا۔ وہ نماز پانچوں وقت کی جماعت کے ساتھ پڑھتا تھا مگر سونے سے پہلے وہ صلواۃ توبہ کی نفلیں ضرور پڑھتا تھا اور ساتھ ہی سورۃ ملک اور دوسری تسبیحات بھی۔ یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ اور وہ ان عملیات کا اس قدر عادی ہو چکا تھا کہ جب تک انہیں ادا نہیں کر لیتا تھا' بستر پر نہیں لیٹتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد دعا مانگ کر جانماز وغیرہ بہت احترام سے دراز میں رکھ کر بیڈ پر آ گیا۔ سارے دن کی تھکن کی وجہ سے اسے سخت نیند آ رہی تھی۔ تکیے پر سر رکھ کر اس نے ٹیبل لیمپ آف کرنے کے بعد دوسرا تکیہ اٹھایا تو اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا۔ اس نے وہ چیز اٹھا کر دیکھی تو مخمل کا چھوٹا سا ڈبا تھا۔ اس نے فوراً ٹیبل لیمپ آن کر کے وہ مخملی کیس کھولا تو بے اختیار چونک پڑا۔ کیس میں فیروزی اور سفید نگینوں کے خوبصورت بندے جگمگا رہے تھے۔

وہ شدید حیرت میں مبتلا تھا۔ بندے ابھی تک اس کی ہتھیلی پر چمک رہے تھے۔ کہاں سے آئے یہ بندے۔ وہ بھی اس کے بستر پر تکیے کے نیچے۔ اس کے کمرے میں فوزیہ بیگم کے بعد صرف فضل ہی بے دھڑک جاتا تھا۔ تیسرا کوئی اس کی موجودگی میں بیڈ روم میں نہیں آتا تھا تو غیر موجودگی میں آنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ ان بندوں کو گھورتے ہوئے وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا۔ ممی اتنی غیر ذمے دار نہیں ہیں۔ وہ اپنی چیزیں بہت حفاظت سے رکھتی ہیں پھر یہ دردِ سر یہاں کیسے آ گئے۔ پھر ایک دم ہی اس کے دماغ میں روشنی کا جھماکا ہوا۔ ذہن میں وائٹ اور فیروزی لباس میں ملبوس سراپا واضح ہوتا گیا۔ اس کی ہتھیلی پر رکھے بندے بالکل اس کے لباس کے ہم رنگ تھے مگر یہ میرے پاس کیسے آ گئے۔ نیند اس کی اڑ چکی تھی۔ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا' ابھی جا کر فضل سے پوچھے کیونکہ کمرے کی ڈسٹنگ فضل خود کرتا تھا اور یہ اسی کا کارنامہ تھا جو بندے اس کے تکیے کے نیچے نظر آ رہے تھے۔ بڑی حد تک وہ بات کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔ فضل کی بے پروا طبیعت سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ وال کلاک میں دو بج رہے تھے۔ اس وقت یعنی آدھی رات کو فضل کو اٹھا کر بندوں کے بارے میں پوچھنا اسے مناسب نہیں لگا۔ اس نے بندے واپس مخملی کیس میں رکھ کر بیڈ کی سائیڈ دراز میں ڈال دیے۔ صبح فضل سے مکمل انکوائری کرنے کا سوچتا ہوا وہ لیٹ گیا۔

☯☯☯

''سرتاج' ساری زندگی تم نے مجھ سے' بچوں سے غافل ہو کر گزار دی۔ نہ خود سکون سے رہے اور نہ ہمیں ہی سکون دیا۔ ہماری زندگی تو گزر رہی گئی' جس طرح بھی گزری۔ اب ان بچیوں کا سوچ لو سرتاج......''

خورشید بی بی چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھی اپنے لیٹے ہوئے شوہر اجمل کو سمجھا رہی تھیں۔ اجمل صاحب جو نشے کے عادی تھے' بہت بے پروا' غیر ذمے دار واقع ہوئے تھے۔ عرصے سے گھر سے غائب تھے۔ شادی سے پہلے بھی ان کا یہی معمول تھا کہ وہ نشے کی طلب میں' نشے باز دوستوں کی سنگت میں ہفتوں گھر سے غائب رہتے تھے پھر شادی کے بعد بیوی اور بیوی کے بعد اوپر تلے بیٹیاں اور اکلوتا بیٹا بھی ان کے پاؤں میں گھر میں رکنے والی بیڑیاں نہیں ڈال سکے تھے۔

ہڈحرام و کاہل آرام پسند تو وہ بچپن سے تھے۔ نشے نے بے غیرت اور کام چور بھی بنا دیا تھا۔ تھوڑا بہت کام کر کے جو پیسہ ملتا' اسے چرس اور افیون خریدنے میں اڑا دیتے۔ گھر میں دودھ سے محروم' بھوک سے بلکتے بدحال بچے' پیسوں کے لئے ان کی راہ تکتی بیوی انہیں زہر لگا کرتی اور اس کے پکانے کے لئے پیسے مانگنے پر وہ اسے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا کرتے تھے۔ ماں کو مار کھاتے دیکھ کر بچے رونا بھول کر کونوں میں یا چارپائی کے نیچے چھپ جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مرد کا ہاتھ عورت پر اٹھ جائے تو پھر اٹھتا ہی رہتا ہے۔ یہی حال ان کا ہو گیا تھا۔ ماں تو ان کی پہلے ہی مر چکی تھیں۔ دونوں بہنوں اور چھوٹے بھائی کی بھی شادی ہو چکی تھی۔ نہ انہیں کسی کا خوف تھا نہ فکر۔ نشے کی طلب دن بدن بڑھنے لگی تھی۔ گھر میں بیوی' بچوں کی بھوک بھی مگر وہ اس قدر بے حس ثابت ہوئے تھے کہ اپنا نشہ پورا کرنے کے لئے بیوی جو گھر میں بیٹھ کر کڑھائی سلائی کر کے پیسے کماتی تھی' وہ بھی بعض اوقات ان سے چھین کر لے جاتے۔ اتنا جبر کرنے کے باوجود ان کی طبیعت کو سکون نہیں ملا تو وہ چھوٹی بیٹیوں اور بیٹے کو چھوڑ کر دوست کے ساتھ اسلام آباد چلے آئے۔ یہاں ایک ہوٹل میں چپراسی کی نوکری کر کے آرام سے رہنے لگے۔

کچھ سالوں بعد ان کی طبیعت یہاں سے بھی گھبرا گئی تو وہ اکیلے لاہور چلے آئے اور داتا دربار میں اپنا مستقل ڈیرہ جما لیا۔ یہاں انہیں کھانے اور رہائش کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ جہاں بھی کہیں چھوٹا موٹا کام یا مزدوری مل جاتی' کر لیتے۔ اپنے نشے کے لئے تو پیسے جمع کر ہی لیا کرتے تھے۔

اس طرح سال پر سال گزرتے چلے گئے۔ نہ انہیں کبھی بیوی یاد آئی اور نہ بچوں کی محبت نے ہی انہیں گھر کا راستہ دکھایا۔ حالانکہ ان بیس سالوں میں ان کی بیوی کے کتنے خطوط آئے کہ وہ گھر آ جائیں۔ ایک دفعہ ان کی بہن بھاوج کو لے کر لاہور انہیں لینے بھی آئیں مگر انہوں نے انہیں ناکام و نامراد ہی لوٹا دیا۔ وہ آزاد زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے تھے۔ بیوی بچوں کی ذمے داری انہوں نے کبھی نہیں اٹھائی تھی اور اب تو بیٹیاں اور بیٹا بھی جوان ہو چکا تھا۔

''اچانک ہی انہیں کراچی کی یاد ستانے لگی تھی۔ وہ لاہور کو خیرباد کہہ کر کراچی پہنچ گئے۔ یہاں بھی وہ گھر جانے کے بجائے سیدھے کلفٹن غازی عبداللہ شاہ کے مزار پر پہنچ گئے اور وہیں رہنے لگے۔ یہاں انہیں پہچان کر کسی نے خبر ان کی بیوی کو کر دی۔ وہ بے چاری ان کی ساری جفائیں بھلا کر انہیں لینے آ گئیں۔

آج وہ اپنے گھر میں لیٹے تھے۔ گھر جس طرح وہ چھوڑ کر گئے تھے' اس سے بھی بدحال اور خستہ ہو گیا تھا۔ بیٹیاں تینوں جوان ہو چکی تھیں' سوائے تابندہ کے جو چھوٹی تھی۔ بیٹیوں نے انہیں دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا تھا مگر انور کو دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اس نے اتنے عرصے بعد باپ کو دیکھ کر کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ وہ بے پروائی اور بدتمیزی سے افشاں سے کچھ مانگ رہا تھا۔ ماں کے گھورنے اور افشاں کے کہنے پر اس نے اس انداز میں سلام کیا' جیسے پتھر مار رہا ہو پھر بغیر رکے گھر سے چلا گیا تھا۔ وہ بیٹے کے انداز سے سمجھ گئے تھے کہ گھر سے دور رہ کر انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ کیونکہ بیٹیاں تو ماں کی طرح بہت سیدھی اور سگھڑ سلیقے مند تھیں۔ ان کے لئے یہی چیز گھر میں نئی تھی کہ ان کی بیٹیاں بھی ماں کی طرح سلائی کڑھائی کر کے گھر کے اخراجات کا بوجھ اٹھاتی تھیں۔ البتہ انور میں انہیں اپنی جوانی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے ساری زندگی بنجارا بن کر گزاری تھی۔ انور کے تیوروں سے ہی وہ اس کے مزاج کو بھانپ گئے تھے۔

''بیٹیاں سِل کی طرح میرے سینے پر دھری ہیں۔ اس بوجھ نے میری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ افشاں تیس سے اوپر کی ہو چکی ہے۔ رشتے کروانے والی خالہ ایک رشتہ لائی ہیں۔ آج شام کو چل کر میرے ساتھ لڑکے کو دیکھ لو' اگر لڑکا اچھا ہوا تو افشاں کے ہاتھ پیلے کر دیں گے۔'' خورشید بی بی امید بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولیں۔

''تم خود چلی جاؤ۔ میں کیا کروں گا جا کر۔'' انہوں نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں منہ سے نکالا۔ خورشید بی بی نے ایک گہرا سانس لے کر چارپائی چھوڑ دی۔

''سرتاج تم تو آج بھی برسوں کی طرح اولاد سے بے پروا ہو۔''

☯☯☯

آج ماریہ چھٹی نہائی تھیں۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ ماریہ کے میکے سے بھی ان کے بھائی' بھابی' اماں بچی کا سامان لائی تھیں۔ ماریہ اور ریاض کے لئے دس دس سوٹ تھے اور سونے کے سیٹ تھے۔ بچی کے لئے بے شمار کھلونے' کپڑے' فیڈرز وغیرہ اور گھر والوں کے لئے بھی مہنگے تحائف تھے۔

گھر میں ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔ جس میں سات رنگ کے کھانے' سات قسم کی مٹھائی' سات قسم کی ہر شے موجود تھی جس میں فروٹ' حلوے اور بھی بہت سی چیزیں نمایاں تھیں۔ خاندان کے لوگ تو اس قسم کی دعوت سے آشنا تھے کہ سات رنگ' کھانے کی ڈشوں میں نمایاں تھے۔ یہ اماں کی خاندانی رسموں میں سے ایک تھی اور خصوصاً بچے ہونے کے بعد جو عورت نہائی تھی' وہ چاہے پندرہ دن میں نہائے یا سات دن میں اسے چھٹی کا نہان کہا جاتا تھا اور اس کی دعوت بڑے پیمانے پر کی جاتی تھی۔

آج بھی اماں جان کے کہنے پر اس خاندانی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا' یہ ان کے ان ملنے جلنے والوں کے لئے بے حد حیرت کا باعث تھا جو ان کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔

دعوت چونکہ دوپہر کی تھی اس لئے مہمان تو جا چکے تھے' رک جانے والوں میں صرف گھر والے شامل تھے یا اماں جان کے سب سے چھوٹے بیٹے اور بہو' پوتے ثمیر کے ہمراہ موجود تھے۔

اس وقت سب ماریہ کو گھیرے بیٹھے تھے۔ جس نے رو رو کر اپنی آنکھیں سجائی تھیں۔ اس کا کہنا تھا وہ بچی کو دودھ نہیں پلائے گی اور اماں جان بضد تھیں کہ بچی ماں کا دودھ پیے گی۔ اس وقت کمرے میں ان کی تینوں بہوئیں موجود تھیں اور ماریہ کی اماں جان بھی۔ ان کے بھائی' بھابی کسی رشتے دار سے ملنے گئے ہوئے تھے۔

''آج کل کون ماں ہے جو اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ سب کے ہی بچے ڈبے کا دودھ پیتے ہیں۔'' ماریہ کے آنسو تو اتر سے بہہ رہے تھے۔

''ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کونسی مائیں ہیں جو اپنے بچوں کو دودھ اس وجہ سے نہیں پلاتیں کہ ان کا فیگر خراب ہو جائے گا۔ ماں کے دودھ کی جو طاقت ہے' وہ مصنوعی دودھ میں نہیں ہے اور قیامت والے دن بچے کو دودھ پلانے کا بے حد ثواب ملے گا۔ بدنصیب ہیں وہ عورتیں۔'' اماں جان عینک درست کرتی ہوئی ماریہ کو سمجھا رہی تھیں۔

''اماں پلیز۔ میری بات مان لیں۔'' ماریہ مسلسل بضد تھی۔

''ہماری بہوؤں کی آج تک جرأت نہیں ہوئی ہے کہ وہ ہم سے تکرار کریں۔ ہمارے منہ سے نکلی ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے' ہمارے بیٹوں اور بیٹیوں کی پرورش ہمارے دودھ پر ہوئی ہے اور ہمارے بچوں کے بچوں کی پرورش بھی ماؤں کے دودھ پر' یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہماری پڑپوتی (بیٹے کی پوتی) کی پرورش ڈبے کے دودھ پر ہو۔ جن بچوں کی مائیں مر جائیں یا جن بچوں کو ماں کا دودھ راس نہیں آتا۔ ان بچوں کو مجبوراً مصنوعی دودھ پلانا پڑتا ہے۔ تمہارے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ اگر اتنا سمجھانے کے باوجود تم اپنی ضد پر قائم ہو تو پھر بچی کو ہم خود سنبھال لیں گے۔ تم نہ بچی کو دیکھ سکو گی اور نہ چھو سکو گی ساری زندگی۔ میں سمجھیں۔'' اماں جان اپنا اٹل فیصلہ سنا کر جا چکی تھیں۔

''ایک سال ہو چکا ہے' تمہیں اس گھر میں شادی ہو کر آئے ہوئے' اماں جان کی طبیعت سے واقف نہیں ہوئیں ابھی تک۔ ان کی نہ کو اور ہاں کو کوئی نہیں بدل سکتا۔'' فوزیہ بیگم نرمی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولیں' ''کیا تم اتنی پیاری گڑیا سی بیٹی سے جدا ہونا پسند کرو گی۔''

''کبھی نہیں۔ اس میں تو میری جان ہے چچی۔'' ماریہ گود میں لیٹی بچی کو بھینچ کر سینے سے لگاتی ہوئی بولی۔ بچی سے ہمیشہ کی دوری کے تصور نے ہی اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ ساری اسمارٹ نس اور فیگر کی کیئر صابن کے جھاگ کی مانند لمحوں میں بیٹھ گئی تھی۔ ''میں اماں جان سے معافی مانگ لوں گی۔''

''یہ تم نے اچھی اور سمجھدار بہو ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ یاد رکھنا جو بہوئیں اپنی غلطی تسلیم کر کے بڑوں کا احترام کرتی ہیں' وہی سسرال میں عزت بھی پاتی ہیں۔'' کوثر بیگم نے بہو کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ماریہ کی اماں بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھیں کہ یہ ان کی بیٹی کی سسرال کا معاملہ تھا۔ جس میں انہوں نے اپنی دخل اندازی گوارا نہ کی تھی۔ بیٹی کی ضد انہیں بھی پسند نہیں آئی تھی مگر اب اسے بچی کو دودھ پلانے کی ہامی بھرتے دیکھ کر انہیں اطمینان ہو گیا تھا۔ اتنے میں اُسامہ سلام کرتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے تمام نوجوان پارٹی بھی داخل ہوئی۔

''وعلیکم السلام۔ گھر میں کوئی بھی پارٹی ہو آپ نظر آتے ہی نہیں۔ کیا آدم بیزار ہو گئے ہو۔'' عظمت بیگم اسے سلام کا جواب دے کر مسکرا کر بولیں۔

''نہیں چچی جان! آدم بیزاری کا مرتکب بھلا کیسے ہو سکتا ہوں۔ جامعہ میں الیکشن کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے' اس وجہ سے مصروفیت بھی بہت بڑھ گئی ہے۔'' اس نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔

''تمہارے مقابل کس کی پارٹی ہے؟'' ریاض نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''پوری جامعہ میں چھوٹی بڑی پارٹیوں کے جال پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں کچھ پارٹیز ایسی ہیں جو آزاد ہیں اور کچھ پارٹیز ایسی ہیں جن کے پیچھے بڑی سیاسی شخصیات ہیں اور ان پارٹیز کی پشت پناہی کر رہی ہیں اور کچھ کے پیچھے ملک دشمن عناصر ہیں۔ میرے مقابل جمشید خان ہے جو ہمدرد پارٹی کا عہدے دار ہے۔''

''اس کا مطلب ہے' مقابلہ زوردار ہوگا اور بھئی جیت تو ہیرو کی ہی ہوگی۔ کیونکہ اُسامہ بھائی نے پوری جامعہ میں شہرت حاصل کر رکھی ہے۔ صورت اور سیرت دونوں میں ہی نمبر ون ہیں۔'' ثمیر جس نے کمرے میں گھستے ہی ماریہ کی گود سے بچی کو لے لیا تھا' مسکراتے ہوئے اُسامہ کی طرف دیکھتا ہوا درمیان میں بولا۔

''ہمارے ملک کو اُسامہ بھائی جیسے ہی مخلص لوگوں کی ضرورت ہے۔ میں نے تو دعا بھی مانگ لی ہے۔ اُسامہ بھائی جیتیں گے تو ڈھیروں مٹھائی بانٹوں گی۔'' زینی کے لہجے میں خلوص و محبت تھی۔ اُسامہ مسکرا کر رہ گیا تھا۔

''غریبوں میں مٹھائی بانٹوں گی۔ سوا روپے کی ریوڑیاں بانٹ دو گی کنجوس۔'' شمیر اس کی آواز میں نقل اتارتا ہوا بولا۔

''شمیر! تم کیوں ہر وقت بہن کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔'' عظمت بیگم جو اُن دونوں کی نوک جھونک سے واقف تھیں۔ شمیر کو فہمائش کرتے ہوئے بولیں۔

''بہن' لاحول ولا قوۃ میں ایسی بہن کا تصور بھی نہیں رکھتا۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔

''میں بھی تمہاری بہن بننا پسند نہیں کرتی۔'' وہ تنک کر بولی۔

''ہاہاہا پھر کیا بننا پسند کرو گی۔'' وہ ایک قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔

''مجھے دو اسے۔'' اُسامہ نے اسے گھورتے ہوئے بچی کی طرف اشارہ کیا۔

''میری کیا ہستی' میری کیا مجال' جو میں آپ کو یہ دے سکوں۔ بھئی یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ آپ اس سے مانگئے۔'' وہ بھی ایک نمبر کا شریر تھا۔ اُسامہ کی بات کو اتنی خوبصورتی سے اس نے گھمایا تھا کہ وہ سب بے اختیار کھلکھلا اٹھے تھے۔

''شٹ اپ۔ تم میرے سامنے فالتو بکواس مت کیا کرو۔'' وہ بہت رکھ رکھاؤ سے رہنے والا بندہ تھا۔ طبیعت بھی کچھ سنجیدہ وضع دار پائی تھی۔ بے تکلف بھی ہر کسی سے نہیں ہوتا تھا۔ روحیل انکل اور ریاض کے علاوہ کسی سے بات بھی برائے نام ہی کیا کرتا تھا۔ اس کے ہم عمر کزن بھی اس سے حد میں رہ کر ہی بات کیا کرتے تھے مگر یہ شمیر جو روحیل انکل کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا' ایک نمبر کا شریر اور شوخ طبیعت کا۔ وہ قطعی اس کی سخت طبیعت کی پروا نہیں کیا کرتا تھا۔ عادت کے مطابق وہ اس سے مذاق کرتا۔

اس وقت کمرے میں سب موجود تھے بڑے بھی اور چھوٹے بھی۔ شمیر کے یہ بے ہودہ جملے اسے تپا گئے تھے۔ وہ بری طرح جھینپ کر رہ گیا تھا۔

''یار میں تو مذاق کر رہا تھا' مجھے پسند نہیں ہے۔ آپ جو یہ دادا ابا کی طرح بارعب اور سنجیدہ رہتے ہیں۔ ہنسا بولا کریں آپ بھی لوگوں کی طرح۔'' شمیر اس کے ہاتھوں میں بچی کو دیتے ہوئے بولا۔ اُسامہ نے اپنی گود میں لیٹی ہوئی بچی کو دیکھا۔ پنک بے بی سوٹ میں کالی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ چھوٹے بچے اس کی کمزوری تھے۔ دنیاوی ریاکاری و فریب سے پاک' معصوم بچے اسے فرشتوں جیسے لگتے تھے اور یہ ریاض کی بیٹی تو تھی ہی بہت پیاری۔ اس نے بے اختیار اس کے پھولے پھولے سرخ گال چوم لئے۔

''کیا نام رکھا ہے اس کا؟'' سب اسے مسکراتے ہوئے بچی کو پیار کرتا دیکھ رہے تھے۔ ان سب کے لئے ہی اس کا یہ روپ بالکل نیا تھا۔ بے حد ریزرو رہنے والے شخص کو وہ یوں معصوم بچی پر نثار ہوتے دیکھ رہے تھے۔

''نام تو اس کا ابھی نہیں رکھا۔'' ماریہ بولی۔

''کیوں۔ پندرہ دن کی تو یہ ہو چکی ہے۔''

''اماں جان رکھیں گی اور انہیں کوئی موزوں نام ملا ہی نہیں ہے ابھی۔''

''اماں جان کیوں رکھیں گی نام۔ اگر انہیں کوئی نام نہیں پسند آ رہا تو تم رکھ دو۔'' اُسامہ حیرت سے ریاض سے مخاطب تھا۔

''ماں باپ بچے کا نام نہیں رکھتے بلکہ گھر کے بڑے رکھتے ہیں۔ ماں باپ رکھیں گے تو یہ بھی بے حیائی سمجھی جاتی ہے۔'' فوزیہ بیگم بیٹے کو سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''ممی! یہ کیسی جاہلانہ رسمیں ہیں خاندان کی۔ ماں باپ کا اپنے ہی بچے کا نام رکھنے میں کس بات کی حیا اور شرم۔ میں نہیں مانتا اس بات کو۔ بچے کا نام تو ماں باپ کو ہی رکھنا چاہئے۔ جب بچے کی ذمے داری ماں باپ پر ہوتی ہے تو نام رکھنے کا اختیار بھی انہیں ہی ملنا چاہئے۔'' اس کا ایک دم ہی دماغ آؤٹ ہو گیا تھا۔

''یہ خاندان میں انقلاب لا کر ہی چھوڑیں گے ویل ڈن۔'' شمیر بڑبڑایا۔

''یہ خاندان کی صدیوں پرانی رسمیں چلی آ رہی ہیں۔'' کوثر بیگم آہستہ سے بولیں۔

''میں توڑتا ہوں آج سے اس بوسیدہ و ضعیف رسم کو' بے بی (بچی) کا نام بھابی رکھیں گی۔'' اس نے اطمینان سے بچی کے ہاتھ میں ہرے ہرے کئی نوٹ دے کر اسے ماریہ کو دیتے ہوئے کہا۔ ماریہ نے مسکراتے ہوئے بچی کو گود میں لے لیا۔ اس کے چہرے پر بڑی آسودہ مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں اُسامہ کے لئے بڑی عقیدت تھی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اُسامہ اماں کی طرح ہی اتھارٹی رکھتا تھا۔ ہر غلط بات پر وہ احتجاج کرتا تھا اور اس کا احتجاج قابل قبول بھی ہوتا تھا کہ وہ حق کہنے والا تھا۔ اماں بھی اس کی حق بات کو جھٹلانے کی ہمت نہیں رکھتی تھیں۔ اس نے سوچ لیا تھا' وہ اپنی بیٹی کا نام ''مشک'' رکھے گی۔

وہ روحیل چچا سے ملنے اماں کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ فضل کے کہنے کے مطابق اس نے روحیل چچا کو اماں جان کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تھا' اسے شدید حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ اس نے بچپن سے آج تک اماں جان کے اور چچا کے درمیان ایک نادیدہ کشیدگی دیکھی تھی حالانکہ وہ ان کے سگے اور سب سے چھوٹے لاڈلے بیٹے تھے اور بے حد چہیتے بھی مگر نہ معلوم ان کے درمیان کیا ہوا تھا کہ چچا جان بہت سال پہلے ''گرین پیلس'' چھوڑ کر چلے گئے تھے اور اپنی پسند سے گلبرگ میں شاندار بنگلہ بنوا کر اس میں شفٹ ہو گئے تھے۔ حالانکہ ان کے بچے اور بیوی اماں جان کا بہت احترام و محبت کرتے تھے۔ چچا جان کا بھی اماں جان کے علاوہ سب لوگوں سے برتاؤ بہت محبت و شفقت آمیز تھا مگر اماں جان کا ان کے ساتھ رویہ بہت خشک و بیگانگی لئے ہوتا تھا۔ سب ہی اس بات کو محسوس کرتے تھے مگر اصل وجہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھی۔

''بہت عرصے بعد ہمارے آنگن میں ایک ننھی سی کلی مہکی ہے اور تم فضول باتیں کر کے ہمارے دل کی خوشیوں میں آگ مت لگاؤ۔'' وہ اماں کے کمرے کے دروازے پر پڑا پردہ ہٹا کر اندر قدم رکھنے ہی والا تھا کہ اندر سے آتی اماں جی کی پرطیش آواز پر پردے کے پیچھے ہی رک گیا۔

''خدا کے لئے اماں' اتنی بے حس نہ بنیں کہ آپ پر پتھر کا گمان ہونے لگے۔''

''تمہاری یہ برسوں پرانی ضد ہم مر کر بھی قبول نہیں کریں گے۔''

''آپ کی اس بے حسی نے اماں' مجھے زندہ درگور کر دیا ہے۔ میں نہ خود کو زندہ سمجھتا ہوں' نہ مردہ۔ میرے جسم میں صرف ان چلتی سانسوں کو آپ زندگی سمجھ سکتی ہیں ورنہ مجھے تو آپ نے کب کا زندہ درگور کر دیا ہے۔'' چچا کے ٹوٹے ہوئے لہجے میں نمی ہی نمی تھی۔

''مت برباد کرو روحیل اپنا اور میرا وقت۔ جسے تم روح کہتے ہو' میرے خاندان میں ایسی بد روحوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''اماں! میں تو سمجھا تھا آپ کا پتھر دل شاید اب موم بن گیا ہو مگر اماں آپ تو چٹانوں سے بھی مضبوط دل کی مالک ہو گئی ہیں مگر میں آپ کو بتا دوں' میرا صبر ختم ہو چکا ہے اور حوصلہ بھی جواب دے گیا ہے۔ میں خاندانی نام و نمود اور ناموس و وقار کو ٹھوکروں میں اڑا دوں گا۔'' ان کا لہجہ ایک دم بپھر گیا تھا۔

''مت بھولو روحیل کہ تم اس وقت کس سے مخاطب ہو۔ اپنی بے لگام جذباتیت میں ماں کے رتبے اور احترام کو مت کچلو۔ زبان کو بے لگام کرنے سے پہلے سوچ لو کہ ہم تمہاری ماں ہیں۔'' اماں بیگم کی آواز غم و غصے سے بلند ہو گئی تھی۔

''ماں...... ماں ہو کر بھی آپ بیٹے کا دکھ نہیں سمجھتیں۔ کیسی ماں ہیں آپ۔'' شدت جذبات سے روحیل صاحب کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ اپنے آنسو چھپانے کے لئے عقبی دروازے سے باہر نکل گئے۔ اُسامہ ان کے باہر نکلنے سے پہلے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

اماں جان غصے سے بڑبڑاتی ہوئی وضو کرنے باتھ روم کی سمت چلی گئیں۔

''اُسامہ کا ذہن چکرا کر رہ گیا تھا۔ ان ماں بیٹے کے درمیان ہونے والی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آنے والا معمہ تھا۔ اس نے ان کی گفتگو بھی ادھوری سنی تھی۔ شروع سے سنتا تو اس کہانی کا سرا کچھ ہاتھ آتا۔ چچا اور اماں کے درمیان جو بھی کچھ ہے' بہت زیادہ پراسرار ہے۔ اس کہانی سے آگاہ ہونے کے لئے اس نے الیکشن کے بعد کا فیصلہ کر لیا کیونکہ ابھی تو وہ بہت مصروف تھا۔

✦ ✦ ✦

''ابے بہت سیانے ہو گئے ہیں یہ امیر لوگ بھی۔ روپیہ' زیور سب بینک میں رکھتے ہیں۔''

''لیکن جو کچھ ہمیں ملا کم تو یہ بھی نہیں ہے۔ ہمارے حساب سے تو بہت ہے۔'' رشید چرس بھری سگریٹ کا کش لگا کر بولا۔

رات کو انہوں نے بہت کامیابی سے واردات کی تھی۔ سوئے ہوئے سیٹھ کو جگا کر چاقو دکھا کر بہت آسانی سے چابی لے کر لاکر کا صفایا کر دیا تھا۔ لاکر میں کچھ سونے کے ہلکے طلائی زیور اور ایک ہیروں کا ہار ملا تھا اور ستر ہزار نقد رقم تھی۔

ان چاروں نے اپنے اڈے پر آ کر پیسے بانٹ لئے تھے۔ اب زیور باقی تھے۔ جنہیں بیچ کر رقم آپس میں بانٹنی تھی۔

''استاد! کیا سوچ رہے ہو۔ بہت اداس ہو۔'' عارف نے ایک کونے میں خاموش سر جھکائے بیٹھے انور کو دیکھ کر پوچھا۔

''مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔ میرے اندر ایسا لگ رہا ہے' جیسے کوئی کوڑے لگا رہا ہو۔''

''فکر مت کرو استاد! جب تم نے شروع شروع جوا کھیلنا شروع کیا تھا' جب بھی تم یونہی پریشان اور اداس تھے۔ جب بھی تمہارے اندر کوئی کوڑے لگا رہا تھا۔ کچھ دنوں بعد تم کھیلنے کے عادی ہو گئے تھے۔ ایسے ہی اب بھی ہو گا۔''

''ابے سالا وہ سیٹھ چاقو دیکھ کر کیسے لرز اکہ مریض کی طرح کانپ رہا تھا۔'' رشید نے ماحول کو بدلنے کے لئے موضوع بدلا تو وہ سین یاد آتے ہی سب ہنسنے لگے۔

''ایسے لوگوں کے دل کتنے چھوٹے ہوتے ہیں۔'' نجیر ہنستا ہوا بولا۔

''پیسہ بڑا ہوتا ہے اور دل چھوٹے چھوٹے۔'' رشید اس کا ساتھ دیتے ہوئے بولا۔

''مجھے ان زیوروں کی فکر ہے اگر انہیں کسی نے نہیں خریدا تو۔''

''ابے یار۔ چوری کا مال خریدنے والے ہزاروں ہیں اگر چوری کا مال کوئی خریدے نہیں تو چوریاں ہونی بند نہ ہو جائیں۔'' نجیر سر سہلاتے ہوئے بولا۔

''ان بے ایمان لوگوں نے ہی چوری کرنے والوں کی ہمتیں بڑھا رکھی ہیں۔ ان سالوں کو پولیس بھی تو نہیں پکڑتی۔'' انور دیوار کو گھورتے ہوئے بولا۔

''بزنس سے بزنس چلتا ہے استاد۔'' نجیر کے لبوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''میں چلوں' ماں انتظار کر رہی ہو گی' رات کو بھی گھر نہیں گیا۔'' انور اٹھتا ہوا بولا۔

''استاد! جاتے وقت تھوڑی سی مٹھائی لے جانا۔ کہنا آج سے نائٹ نوکری ملی ہے' کسی بھی نائٹ کارخانے یا مل کا نام لے دینا۔ انہیں یقین آ جائے گا۔ ورنہ اگر انہیں اصلی بات کی خبر ہو گئی تو ادھم مچا کر پورے محلے والوں کو سنا دیں گی۔'' نجیر جاتے ہوئے انور سے بولا۔

''ابے تو کیا سمجھتا ہے۔ ماں اتنی بے وقوف ہے کہ وہ بہل جائے گی۔''

''استاد! بیٹوں کے معاملے میں ہر ماں بیوقوف ہوتی ہے۔ بیٹے کے منہ سے نکلے ہر لفظ کو سچ سمجھ لیتی ہیں۔ میں نے خود ماں کو یہی گولی دی تھی۔''

انور کی ایک بڑی مشکل آسان ہو گئی تھی۔ وہ کب سے اسی سوچ میں پریشان تھا کہ ماں کو کیا بتائے گا۔ وہ وہاں سے نکل کر مٹھائی کی دکان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

✦ ✦ ✦

جامعہ میں الیکشن کی تیاریاں عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ الیکشن میں تین دن باقی تھے یعنی تین دن بعد ووٹنگ ہونی تھی۔ پوری جامعہ میں بینرز جھنڈے' جلسے جلوس کی رونقیں رہا کرتی تھیں۔

سومیہ' حنا' سمیرا شدت کے ساتھ کنویسنگ میں مصروف تھیں۔ ایسے میں اکیلی لائبہ خوب بور ہوتی۔ کلاسز بھی باقاعدگی سے نہیں لگ رہی تھیں۔ ایک دو پیریڈ لگتے بھی تو برائے نام۔

اس کے اور اُسامہ کے ڈپارٹمنٹ کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ الیکشن کی وجہ سے اُسامہ لٹو کی طرح گھومتا ہر جگہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نظر آتا رہتا تھا اگر اتفاقیہ کبھی

اس کی نظر لائبہ پر پڑ جاتی تو وہ اسے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے نظر انداز کر دیتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اتنی اجنبیت و بیگانگی ہوتی' جیسے وہ لائبہ کی ذات سے قطعی ناواقف ہو۔

لائبہ کو طوبیٰ کی سالگرہ والے دن سے اس کے ہتک آمیز رویے سے اس حد تک چڑ ہو گئی تھی کہ وہ اس راہ سے ہی نہیں گزرتی تھی جس سے اسامہ کے گزرنے کا گمان ہوتا تھا۔ ان دونوں کے شدید رویوں نے اُسامہ کے دوستوں اور لائبہ کی سہیلیوں کو چونکا دیا تھا۔ پہلے ہی وہ ایک دوسرے سے الرجک رہتے تھے مگر پچھلے دنوں سے ان دونوں کا یہی انداز بہت جارحانہ ہو گیا تھا۔ جو ان کی آنکھوں سے چھپا نہیں رہ سکا۔

اس وقت وہ سب مل کر یہی کوشش کر رہے تھے کہ زیادہ سے زیادہ اسٹوڈنٹس کو اُسامہ کو ووٹ دینے پر رضامند کر سکیں اور اپنی اس کوشش میں وہ لوگ بہت حد تک کامیاب بھی رہے تھے مگر جب سے لائبہ نے ووٹ ڈالنے سے انکار کیا تھا۔ حنا کو بہت غصہ آیا تھا۔

''کیوں' تم ووٹ کیوں نہیں ڈالو گی؟'' حنا غصے سے بولی۔

''مرضی میری۔ میں ووٹنگ والے دن یونیورسٹی ہی نہیں آؤں گی۔'' وہ سکون سے بولی۔

''تو نہیں آنا۔ تمہارے ایک ووٹ نہ دینے سے اُسامہ ہار نہیں جائیں گے۔'' سومیہ چڑ کر بولی۔

''یہ بات نہیں ہے سومیہ۔ ایک ووٹ کی زیادتی سے انسان جیت بھی سکتا ہے اور ایک ووٹ کی کمی سے ہار بھی سکتا ہے۔ ووٹنگ میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہوتا ہے۔ لائبہ' ہم سب کی یہی کوشش ہے کہ اتحاد پارٹی ہی الیکشن جیتے اگر جمشید خان جیت گیا تو پوری یونیورسٹی میں بارود پھیلا دے گا اور اپنی مخالف پارٹیز سے لڑ لڑ کر جامعہ کو جنگ کا میدان بنا دے گا۔ ہمیں اپنی ذات کے بارے میں نہیں' جامعہ کے مستقبل کے لئے سوچنا ہے۔'' سمیرا اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''جمشید خان ہو یا اسامہ ملک' یہ لوگ سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مجھے سب سیاستدانوں کے چہرے ایک جیسے ہی لگتے ہیں۔'' وہ کڑوے لہجے میں بولی۔

''اُسامہ نے تمہاری کون سی جائداد دبا لی ہے جو تم اس کے لئے ہر وقت انگارے چباتی رہتی ہو۔'' سومیہ لڑنے کے انداز میں بولی۔

''اس کی اتنی ہمت کہاں کہ وہ میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''پلیز سومیہ' اپنا لہجہ درست کرو۔ لائبہ تم بھی غصہ تھوک دو۔'' حنا گھبرا کر بولی۔

''اُسامہ کو میرے سامنے کوئی برا کہے' مجھے ہرگز پسند نہیں۔''

''جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا اسامہ' مجھ سے بکواس کرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' لائبہ اٹھ کر جانے لگی۔

''اوہ لائبہ! بات تو سنو۔'' سمیرا اور حنا دونوں اس کو منانے کے لئے آگے بڑھیں مگر اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھی' غصے میں تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔

''خوش ہو جاؤ۔ ناراض کر دیا نا تم نے اسے۔ وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔ جو کچھ تمہیں سمجھاتی ہے' تمہاری بہتری کے لئے ہوتا ہے۔'' سمیرا' سومیہ سے مخاطب ہوئی۔

''وہ اُسامہ کی اتنی دشمن کیوں ہے۔'' سومیہ نے ان دونوں کو بھی ناراض دیکھا تو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

لائبہ لائبریری سے بہت غصے میں نکلی تھی۔ سومیہ کا اُسامہ کی خوامخواہ کی حمایت لینا اسے بری طرح مشتعل کر گیا تھا۔ سومیہ جذباتی اور آئیڈیل پرست لڑکی تھی اور بہت حد تک حسن پرست بھی تھی۔ اُسامہ جو زبردست پرکشش و جیہہ پرسنالٹی رکھتا تھا۔ اس کی نشست و برخاست میں بہت شاہانہ پن تھا۔ اس کے بولنے کا انداز اتنا باوقار و بااعتماد تھا کہ ہزاروں میں نمایاں نظر آتا تھا۔ اس کے اندر ہر وہ کشش موجود تھی جو عاشق مزاج لڑکیوں کو دیوانہ بنانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اتنی پاورفل پرسنالٹی میں ایک عیب بھی تھا۔ جیسے چاند پر لگا داغ ہے۔ اس کی بدمزاجی و سرد مہری جو لڑکیوں سے بات کرتے وقت زبان سے ہی نہیں بلکہ آنکھوں اور چہرے سے برستی تھی۔

وہ لڑکیوں میں اپنے بارے میں ریمارکس سے اچھی طرح واقف تھا بلکہ بعض سستی جذباتیت رکھنے والی چیپ لڑکیوں نے اس کے نارواروپے کے باوجود اس سے اظہار محبت کر کے اس کی نظروں میں اس صنف کو بالکل ہی بے وقعت و زمین بوس کر دیا تھا۔ وہ سومیہ کے جذبے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ جبھی اس کا رویہ اس کے ساتھ سرد ہوتا تھا۔ حالانکہ وہ سمیرا اور حنا سے بالکل سرد مہری سے نہیں ملتا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں ہی اسے بھائی بولتی ہی نہیں تھیں بلکہ سمجھتی بھی تھیں۔ اسی وجہ سے اس کی نظروں میں ان کے لئے احترام ہوتا تھا۔

سومیہ کی بے عزتی اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اس نے بہت دفعہ سمجھایا تھا اسے کہ لڑکی کی کل کائنات اس کی حیا اور پاکیزگی ہے اگر ایک مرتبہ یہ آبدار و نایاب موتی اپنی پاکیزہ چمک کھو دیں تو ساری دنیا کے سات پردوں کی تہوں میں بھی نہیں مل سکتے۔ نہ ہی ساری دنیا کی دولت کے عوض خریدے جا سکتے ہیں۔ عورت تو سات پردوں میں چھپا وہ انمول موتی ہے جو پردے میں ہی چمکتا ہوا اچھا لگتا ہے مگر سومیہ کے دل پر ہی نہیں اس کے دماغ پر بھی اُسامہ کا وجیہہ سراپا کسی خوفناک جن کی طرح قابض ہو گیا تھا۔

اور آج تو اس نے حد ہی کر دی تھی۔ لائبہ جو طوبیٰ کی برتھ ڈے والے دن سے اس سے بری طرح ہرٹ ہو گئی تھی۔ آج سومیہ کی زبان سے اُسامہ کی طرف داری برداشت ہی نہ کر سکی اور ان دونوں کے روکنے کے باوجود لائبریری سے چلی آئی تھی۔

اس وقت اس کا دل شدت سے تنہائی چاہ رہا تھا۔ اسے یونیورسٹی آتے ہوئے نو ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس طویل عرصے میں اس کی دوستی ان تینوں سے بہت گہری ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی انیس سالہ زندگی میں کسی سے بھی دوستی نہیں کی تھی۔ ایک انجانا خوف'' کہ وہ کون ہے۔'' اس پر سوار رہتا تھا۔ لوگ پوچھیں گے تو کیا بتائے گی۔ وہ کس کی بیٹی ہے۔ اس کے ماں باپ کون ہیں۔ کس خاندان سے اس کا تعلق ہے۔ اور خاندان کے خیال سے اس کے جسم و جان کی ساری توانائیاں ہوا میں تحلیل ہو جایا کرتی تھیں۔

اسے وہ دن یاد آیا جو اس کا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا۔ پہلا پیریڈ فری ہونے کی وجہ سے وہ کلاس روم میں بیٹھی اپنے نوٹس مکمل کر رہی تھی کیونکہ ٹائیفائڈ ہو جانے کی وجہ سے وہ ڈیڑھ ماہ یونیورسٹی نہیں آ سکی تھی۔

''کیا ہم آپ کی کچھ مدد کر سکتے ہیں۔''

اس نے فائل پر سے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ وہ تینوں بہت پرشوق نظروں سے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ سجائے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''شکریہ! بیٹھیں آپ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کھڑے ہو کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے حنا فرید کہتے ہیں' یہ سمیرا رانا اور یہ سومیہ رشید ہیں۔ ہم آپ کی کلاس فیلوز ہیں۔'' اس درمیانے قد والی خوبصورت سی لڑکی نے اپنی ساتھی لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تعارف کروایا تھا۔ انہوں نے بہت گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا تھا پھر ان کی دوستی گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتی گئی تھی۔ سومیہ کا اور اس کا شروع دن سے ہی اختلاف اُسامہ کی ذات بنا رہا تھا مگر وقتی طور پر ایک دوسرے سے خفا ہو کر یونہی بھول جایا کرتی تھیں۔

مگر آج اس کا دماغ ہی گھوم گیا تھا۔

کہنے کو رہتے ہو دل میں
پھر بھی کتنے دور کھڑے ہو
اتنے اچھے کیوں لگتے ہو
اتنے اچھے کیوں لگتے ہو

وہ سیمینار روم کی سیڑھیوں پر کھڑی نیچے لان میں کھیلتے بچوں کو دیکھتے ہوئے اپنی سوچوں میں مستغرق تھی کہ جمشید خان کی پاٹ دار آواز پر مڑ کر دیکھا۔ سیمینار روم کے دروازے پر کھڑا وہ بے ہودہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے یہ مصرعے دہرا رہا تھا۔ اس کا عاشقانہ انداز اور اس پر مستزاد اس کا دیکھنے کا بے ہودہ طریقہ اسے بری طرح تپا گیا۔ وہ پرس اور کتابیں سنبھالتی ہوئی نیچے اترنے لگی۔ جمشید خان کو اس نے بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔

اس وقت اسٹوڈنٹس ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ سیڑھیوں پر کوئی بھی موجود نہیں تھا ورنہ اس کو شرمندہ ہونا پڑتا۔ جمشید خان کی رنگین طبیعت اور بے شمار لڑکیوں سے دوستی کسی سے بھی مخفی نہیں تھی۔ وہ اس کھیل کا شاطر کھلاڑی تھا۔ تمام خوبصورت اور دلکش تتلیوں کے نقش اس کے کردار پر ثبت ہو چکے تھے۔

لائبہ اس کے لئے حسین ترین پھول بن چکی تھی' اور اس پھول کو وہ جلد از جلد اپنے کالر کی زینت بنانے کے لئے بے چین ہو چکا تھا جس کی خوشبو سے معطر ہونے کے لئے سانسیں بے چین تھیں۔

''مس! آپ کو چیئرمین صاحب بلا رہے ہیں۔'' افتخار صاحب کے اسسٹنٹ نے اسے آ کر لائبریری میں مطلع کیا۔ وہ ٹیبل سے کتابیں سمیٹ کر بائیالوجی ڈپارٹمنٹ کے عقب میں بنے ان کے آفس میں آ گئی۔ وہ اس وقت تنہا بیٹھے تھے۔ وہ ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کر کے سلام کرنے کے بعد صوفے پر بیٹھ گئی۔

''ہمارے بیٹے کا موڈ ٹھیک نہیں ہے' کیا بات ہے؟'' افتخار صاحب جو اس کی رگ رگ سے واقف تھے' اس کی حد درجہ سنجیدہ صورت دیکھ کر بولے۔

''کچھ نہیں انکل۔ بس ایسے ہی۔'' سومیہ سے ہونے والی جھڑپ نہ ان کو بتا سکتی تھی اور نہ ہی جمشید خان کی شکایت کر سکتی تھی۔

''خوش رہا کرو بیٹا آپ۔''

''خوشی بھی نصیب والوں کو ملا کرتی ہے اور میں تو ہوں ہی پیدائشی بدنصیب۔ میرے نصیب پر ہی بدقسمتی کی مہر ہے۔''

''ایسے نہیں کہتے بیٹا۔ زندگی یعنی زندہ ہونا تو خود ہمارے لئے باعث مسرت ہے۔ نصیب تو اللہ تعالیٰ بناتا ہے۔ دکھ اور سکھ ہر انسان کو ملتے ہیں۔ زندگی کہتے ہی اسی کو ہیں کہ کبھی دکھوں کی جھلسا دینے والی دھوپ بھی ملتی ہے تو کبھی ٹھنڈی پھوار برساتا ابر رحمت بھی انسان پر چھا جاتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا۔'' وہ انکل کو قائل کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس طرح بحث طویل ہو جاتی اور بڑوں سے بحث کرنا اسے قطعی پسند نہیں تھا۔ اس لئے اس نے موضوع ہی بدل دیا۔

''الیکشن کی تیاریوں میں آپ کس حد تک حصہ لے رہی ہیں؟''

''کسی حد تک بھی نہیں۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

''کیوں؟''

''انکل! مجھے سیاسی سرگرمیاں سخت ناپسند ہیں۔''

''دیکھیں بیٹا! دوران تعلیم اسٹوڈنٹ کو بہت سے مسائل سے گزرنا پڑتا ہے اور ان مسائل کو حل کرنے کے لئے ہی جامعہ میں یونین کا وجود ہے۔ ہر اسٹوڈنٹ کا فرض ہے کہ وہ اپنی پسند کا امیدوار منتخب کرے تاکہ بہ وقت ضرورت اس کی مدد کر سکے۔ آپ بھی اسٹوڈنٹ ہیں' میرے علاوہ بھی آپ کو کسی دوست کی مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''انکل صاف کہہ دیں کہ میں ووٹ ڈالوں۔ اتنی لمبی چوڑی تمہید کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ ان کا مطلب سمجھ چکی تھی۔

''گڈ' مجھے امید ہے' ووٹ حق دار کو ہی دو گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

انکل اس کرسی پر بیٹھ کر بھی اس شخص کے لئے کنویسنگ کر رہے ہیں جسے اُسامہ کہا جاتا ہے۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔

''ہمیں ایک ذمے دار لڑکی کی ضرورت ہے۔ جو پولنگ والے دن تمام بوتھ کی نگرانی کر سکے' کیونکہ ایسے میں گھپلے بازی شدت سے ہو جایا کرتی ہے۔ بہت سوچنے کے بعد میرے ذہن میں آپ کا نام گونجا اور دماغ نے فیصلہ کر دیا کہ آپ حد درجے ذمے دار بھی ہیں اور سمجھدار بھی' یہ ڈیوٹی آپ انجام دے سکتی ہیں۔''

''انکل! شاید مجھ سے یہ کام نہ ہو سکے۔'' اُسامہ کا نام ہی اس کے انکار کی وجہ تھا۔

''بہت آسان کام ہے' میں اُسامہ سے کہہ دوں گا۔ وہ آپ کو ٹرینڈ کر دیں گے۔''

''مے آئی کم ان سر۔'' دروازے سے اُسامہ کی آواز گونجی۔

''آیئے، آیئے۔ ماشاءاللہ لمبی عمر پائیں گے۔ ابھی آپ کا ہی ذکر ہو رہا تھا۔''

''نام لیتے ہی شیطان حاضر۔'' لائبہ نے جل کر سوچا۔

''بوتھ چیکنگ آفیسر کا تو ہم نے انتخاب کرلیا ہے' یہ لائبہ نور ہیں۔ پاکستان اسٹڈیز ایم اے فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہیں۔ بہت ذہین اور ذمے دار ہیں۔ یہ اس ڈیوٹی کو احسن طریقے سے انجام دیں گی۔'' انکل افتخار نے سائیڈ میں رکھی کرسیوں پر بیٹھے حیدر اور اُسامہ سے تعارف کروایا۔

''لیکن سر' میں......''

''اب تو انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔'' وہ لائبہ کی بات قطع کر کے بولے۔ اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ افتخار انکل کی وہ باپ کی طرح ہی عزت و تکریم کرتی تھی۔ اسی وجہ سے چاہنے کے باوجود تختی سے انکار نہیں کر سکی' جبکہ اُسامہ کے برابر میں بیٹھے ہوئے حیدر کے لبوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''اُسامہ آپ لائبہ کو مکمل تفصیلات سمجھا دیں۔'' وہ اُسامہ سے مخاطب ہوئے۔

''سر ابھی تو میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ حیدر اس وقت فری ہے۔'' بہت آرام سے وہ خود کو بچا گیا تھا۔ لائبہ کی کمرے میں موجودگی کو وہ یکسر نظر انداز کئے ہوئے تھا۔

''سر' میں مس لائبہ کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔'' حیدر اٹھتے ہوئے اُسامہ کو دیکھ کر کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

حیدر نے اسے سارا کام سمجھا دیا تھا۔ کام واقعی مشکل نہ تھا۔ ووٹنگ والے دن اسے تین بوتھوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنی تھی تاکہ کوئی بدنظمی نہ پھیلنے پائے۔ حیدر نے سب کچھ سمجھا کر وہ فائل اسے پکڑا دی جس میں خاص خاص پوائنٹ کی نشاندہی کی گئی تھی۔ وہ فائل لے کر لائبریری میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور اس کا مطالعہ کرنے لگی۔

لائبریری میں کافی اسٹوڈنٹس خاموش مطالعے میں مصروف تھے۔ یہاں ان چند اسٹوڈنٹس کی موجودگی ان کے تعلیم سے لگاؤ کا ثبوت تھی۔ ورنہ آج کل تو الیکشن کی وجہ سے رونق و گہما گہمی اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ اسٹوڈنٹس اپنی پڑھائی کو بھول کر اپنے حامی امیدواروں کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے کیونکہ آج آخری دن تھا۔ کل ووٹنگ ہونی تھی۔

جمشید خان اور اس کے ساتھیوں کے تیور ابھی سے بہت بگڑے ہوئے تھے۔ اُسامہ کے ساتھیوں سے ان کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی مگر اُسامہ نے اپنے ساتھیوں پر مکمل کنٹرول کر رکھا تھا کیونکہ وہ جمشید خان کی ساری مکاری کو جانتا تھا۔

''ہمیں یقین تھا تم یہیں ملو گی۔'' فائل کا مطالعہ کر کے اس نے اسے رکھا ہی تھی کہ حنا کی مسکراتی ہوئی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ تینوں میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ رہی تھیں۔

''بہت خوش نظر آ رہی ہو۔'' وہ سمیرا اور حنا کے چہرے دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔ اس کے شگفتہ چہرے پر کل ہونے والی سومیہ سے تلخ کلامی کا شائبہ تک نہ تھا۔ البتہ سومیہ گردن جھکائے شرمندہ بیٹھی ہوئی تھی۔

''خوشی کی بات ہے ناکہ تم بھی اُسامہ بھائی کے گروپ میں شامل ہو چکی ہو۔''

''ہوں۔ بعض رشتے اتنے عزیز و معتبر ہوتے ہیں کہ ان کی خاطر ناپسندیدہ کام بھی کرنا پڑتا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے وضاحت کی۔

''کسی کی عزت کی خاطر ہی سہی تم ہم میں شامل ہو گئیں۔ ہمارے لئے یہی بہت ہے ورنہ کنویسنگ کے دوران ہمارا دھیان تمہاری تنہائی کی طرف ہی لگا رہتا۔'' سمیرا نے بات بناتے ہوئے کہا۔

''سومیہ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ بہت خاموش بیٹھی ہو۔'' لائبہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''لائبہ! میں بہت بری ہوں' بہت بری۔ کل میں نے تمہارا بہت دل دکھایا تھا۔'' یکدم ہی سومیہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''تم تو بہت اچھی ہو ڈیئر' کل غلطی میری ہی تھی مجھے اس طرح تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پلیز' مجھے معاف کر دو۔'' لائبہ کرسی سے اٹھ کر سومیہ کے آنسو رومال سے صاف کرتے ہوئے بولی۔ وہ گداز دل رکھنے والی بے پناہ حساس لڑکی تھی۔ کسی سے ناراض تو رہ ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کا غصہ بھی بپھری ہوئی لہر کی طرح ہوتا تھا۔ جو تیزی سے ریت کی طرف بڑھ کر لمحوں میں پانی بن کر بہہ جایا کرتی ہے۔ اس طرح اسے کل شدت سے سومیہ پر پہلی مرتبہ غصہ آیا تھا مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اس کا دل سومیہ کی طرف سے ایسے ہی صاف ہو گیا تھا' جیسے لہر کے گزرنے کے بعد ریت۔

''تم کتنی اچھی' کتنی گریٹ ہو لائبہ۔'' سومیہ بے اختیار اس کے گلے لگ گئی۔

''اب جلدی سے اٹھو۔ اتنے مبارک موقع پر کینٹین سے دور رہنا معدے پر سخت ترین ظلم ہے۔'' حنا اور سمیرا خوشی سے چہکیں۔

''اوکے۔ تم تینوں کینٹین میں کھانے پینے کا انتظام کرو۔ میں یہ فائل حیدر کو دے کر آتی ہوں۔ کل سے میرے پاس ہے۔ اس میں ان کے ضروری کاغذات بھی رکھے ہوئے ہیں۔'' لائبہ فائل اور بیگ سنبھالتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ وہ تینوں اسے جلدی آنے کا کہہ کر باہر نکل گئیں۔ وہ بھی باہر نکل آئی۔

اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا' حیدر کو کہاں تلاش کرے۔ کیونکہ آج کل اس کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا کہ انکل کو وہ فائل دے آئے۔ کیونکہ انکل ان سے مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھے۔

''مس نور۔'' وہ تیزی سے افتخار صاحب کے آفس کی طرف جا رہی تھی کہ اُسامہ ملک کی خشک آواز سن کر پلٹ کر دیکھا۔ نہ معلوم کہاں سے الہ دین کے چراغ کی طرح وہ نمودار ہوا تھا۔

''بلو فائل آپ کے پاس ہے۔''

''جی یہ رہی۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ فائل ساتھ لے کر گھومنے کی نہیں ہے' بہت اہم کاغذات ہیں اس میں۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں اس سے مخاطب تھا۔

''اہم کاغذات اس فائل میں رکھنا غیر ذمے داری ہے۔'' وہ بھی اسی انداز میں بولی۔

''کل سے اب تک اس فائل کو لے کر گھومتے ہوئے بہت ذمے داری اور ذہانت کا ثبوت دیا ہے آپ نے۔'' اس کے ہاتھ سے جھٹکے سے فائل لے کر اس نے تفاخر بھرے انداز میں بھرپور طنز کیا کہ لائبہ سلگ کر رہ گئی۔

✦ ✦ ✦

نندیں کتے کی دم کی طرح ہوتی ہیں کہ سو سال بھی نلکی میں رکھ کر نکالو تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی نکلیں گی۔ یہی نندوں کی طبیعت ہوتی ہے۔'' خورشید بی بی پاندان اپنی طرف کھسکا کر پان لگاتے ہوئے غصے سے بڑبڑائیں۔

''کیا ہوا امی۔ پھوپو سے پھر کوئی 'معرکہ' کر کے آئی ہیں۔'' شمائلہ ان کے قریب پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میری ہی عقل خراب ہو گئی تھی جو اسے یہ بتانے پہنچ گئی کہ افشاں کی بات پکی کر دی ہے اور انور کو نوکری مل گئی ہے۔''

''امی! آپ پھوپو کی عادت جانتی ہیں پھر آپ وہاں کیوں گئیں۔''

''ارے کہنا کیا ہے۔ زخم لگا کر نمک پاشی کرنے میں جو اسے مہارت ہے' شاید ہی کسی کو ہو۔ میں نے افشاں کے متعلق بتایا تو کہنے لگیں۔ ایسی بھی کیا جلدی' افشاں کہیں بھاگ رہی ہے جو چار بچوں کے باپ سے اسے باندھ رہی ہو۔ وہاں اس کی شادی کرنے سے بہتر ہے' اسے کسی اندھے کنوئیں میں دھکا دے دو یا گلا گھونٹ کر مار دو۔'' میں تو بہت دل برداشتہ ہو گئی اس کی باتوں سے۔ سب حالات جانتے ہوئے بھی اس نے یہ نہیں سوچا کہ چلو اس عمر میں بھتیجی کا گھر تو بس رہا ہے۔ غیروں کی بیٹیاں لے کر اپنے گھروں میں آباد کر لیں مگر کبھی بھتیجیوں کی طرف دھیان نہیں دیا' اگر افشاں کو اپنی بہو بنا لیتی تو آج میری بیٹی یوں گزرتی عمر کے روگ میں گرفتار نہیں ہوتی۔'' وہ منہ میں پان موڑ کر رکھتے ہوئے آزردہ لہجے میں بولیں۔

''امی! بڑی پھوپو کو لاہور اطلاع کر دیں ورنہ وہ واقعی قیامت برپا کر دیں گی۔ چھوٹی پھوپو سے زیادہ تیز مزاج ہے ان کا۔''

''جانتی ہوں۔ خط لکھ دینا' دو چار دن بعد۔ جب تک افشاں کی رخصتی کی بھی تمہارے ابا تاریخ بتا دیں گے''

''اتنی جلدی آپ آپی کو رخصت کر دیں گی۔'' شمائلہ حیرانی سے بولی۔

''وہ لوگ تو اسی جمعے کو رخصتی مانگ رہے تھے۔ لڑکے کی بہن پنڈی سے آئی ہوئی ہیں۔ وہ تو کہہ رہی تھیں' انہیں لڑکی کے سوا کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔ فقط تین تن کے کپڑوں میں لڑکی کو رخصت کر دیں۔ بہت ہی اخلاق اور مروت والے لوگ ہیں۔ بناوٹ اور تکبر تو نام کو نہیں۔ اللہ میری بچی کو سکھ نصیب کرے۔ میں تو بالکل ہی تیار نہیں تھی' اس گھر میں بچوں کی وجہ سے رشتہ کرنے کو مگر بچے بھی بہت تمیزدار ہیں۔ میں ان سے کچھ دنوں بعد جواب دینے کی ہامی بھر آئی ہوں۔ وہ لاکھ منع کریں مگر بیٹی کو اس طرح تو کوئی فقیر بھی رخصت نہیں کرتا۔ جو ہم سے ہو سکے گا' ہم بھی اپنے بچوں کو دیں گے۔''

✦ ✦ ✦

''اماں! مجھے ایسا لگ رہا ہے' میں یونیورسٹی ووٹنگ میں نہیں کسی محاذ جنگ پر جا رہا ہوں۔'' اُسامہ مسکراتا ہوا بولا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل اماں اس پر مختلف قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ فوزیہ بیگم نے نہ معلوم کون سی دعاؤں کے نقش کپڑے میں لپیٹ کر تعویذ کی صورت میں اس کے بازو پر باندھ دیئے تھے اور وہ نہ چاہنے کے باوجود خاموش رہا تھا کہ ان کی محبتوں کی شدت سے وہ بہت اچھی طرح واقف تھا۔ انکار کر کے ان کے ممتا بھرے دل کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔

''اللہ میرے بچے کی حفاظت کرنا۔'' اس پر پھونکیں مارنے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے بعد اماں منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''اماں! دعائیں ہمیشہ فرد واحد کے لئے نہیں' مخلوق عالم کے لئے مانگنی چاہئیں۔ وہاں میں اکیلا نہیں' بہت سی ماؤں کے بچے ہوں گے۔ خالق کائنات ہماری حفاظت فرمائے۔ اچھا اماں اب اجازت۔ بہت دیر ہو رہی ہے۔''

''ہاں بیٹا! میں نے اپنے سب بچوں کو اور جامعہ میں موجود تمام لوگوں کو اللہ کی امان میں دیا۔'' اماں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت سے بولیں۔

''اپنا خیال رکھنا بیٹا! جب تک گھر واپس نہیں آؤ گے مجھے بالکل سکون نہیں ملے گا۔'' فوزیہ بیگم کے شدتِ ضبط کے باوجود اشک آنکھوں سے بہہ نکلے۔

''مما۔'' اس نے اپنے مضبوط بازوؤں کے گھیرے میں انہیں لے کر نرمی سے کہا۔ ''آپ صرف دعا کریں۔ انشاءاللہ ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا۔ آپ کی پریشانی مجھے وہاں بھی بے سکون رکھے گی۔''

''فوزیہ! اس طرح تمہارا رونا بدشگونی ہے۔ بچے کو خوشی خوشی رخصت کرو۔'' کوثر بیگم زینی اور ماریہ کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

''ہمارے بھائی اتنی دعاؤں کے حصار میں ہیں۔ کوئی ایسی ویسی ہوا تو انہیں چھو بھی نہیں سکتی۔'' زینی مسکراتی ہوئی فوزیہ کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اُسامہ بھائی' میں نے فجر کی نماز میں دعا مانگتے وقت مشک کے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی تھی کہ کامیابی آپ کے قدم چومے۔'' ماریہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''اللہ تمہیں فتح و کامرانی نصیب کرے۔'' کوثر بیگم اُسامہ کی پیشانی چومتی ہوئی بولیں۔ ان سب کی دعاؤں کے جھرمٹ میں وہ یونیورسٹی روانہ ہوا تھا۔

آج جامعہ میں ووٹنگ تھی۔

صبح آٹھ بجے سے ووٹ ڈالنے والے طلباء کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ ڈپارٹمنٹ کے لوگ صبح بہت جلد آ گئے تھے۔ اُسامہ کے ساتھی بہت عمدگی سے ہر کام سنبھالے ہوئے تھے۔ ان سب کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ راتوں کو جاگ جاگ کر انہوں نے اپنا کام مکمل کیا تھا اور اب بھی بہت مستعدی سے مصروف تھے۔

''مجھے تو بہت ترس آ رہا ہے لائبہ پر۔ صبح سے سکھ کا سانس نہیں لیا ہے اس نے۔ ہم تو پھر بھی بات کر لیتے ہیں' ایک دوسرے سے مگر اسے اتنی فرصت کہاں ہے۔ ایک بوتھ سے دوسرے پر' پھر تیسرے پر لٹو کی طرح گھوم رہی ہے۔'' حنا' سومیہ اور سمیرا سے بولی۔ ان کی ڈیوٹی اُسامہ نے کیمپس کے باہر نگرانی پر لگائی تھی۔ حیدر اور نادر وغیرہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

''ترس۔'' حیدر نے زبردست قہقہہ لگایا۔ ''جب ہم بے شمار کام کر رہے تھے' پوسٹر لگانا' بینر بنانا' کنویسنگ کرنا' صبح سے شام تک مارے مارے پھرتے رہنا' جب ان محترمہ کو ہم پر ترس نہیں آیا۔ مزے سے بیٹھ کر تماشا دیکھتی رہیں۔ میں نے بھی اتنے سارے دنوں کی کسر ایک ہی دن میں نکلوانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔''

''کیا مطلب۔ کیا چال چلی ہے تم نے۔'' حنا اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''چیئرمین صاحب کو میں نے ساری بات بتا دی اور ان دونوں کے درمیان جو غلط فہمی چلی آ رہی ہے' سب بتا دیا اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ میر اذکر بالکل نہیں کریں گے اور لائبہ کو راضی کریں گے کیونکہ ان کے چپراسی نے بتایا تھا' لائبہ سے ان کے خاندانی تعلقات ہیں اور وہ ان کی بہت عزت کرتی ہیں پھر کام بن گیا۔ چیئرمین صاحب نے اتنی خوبصورتی سے بات سنبھالی کہ دونوں میں سے ایک کو بھی شک نہیں ہوا کہ یہ سب کچھ ایک اسکیم کے تحت ہوا ہے۔''

''اگر لائبہ کو یہ بات معلوم ہوگئی تو تمہارے سر پر موسلا دھار جوتے برسائے گی۔ تمہاری طبیعت صاف ہو جائے گی۔''

''بشرطیکہ جوتے اسماء کے ہوں۔'' وہ تینوں بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

صبح سات بجے وہ یونیورسٹی آ گئی تھی۔ انکل نے کل بہت تاکید کی تھی۔ پولنگ شروع ہونے کے بعد اسے ایک لمحے کو بھی فرصت نہیں ملی تھی۔ تمام بوتھ پر اسے کئی بار چکر لگانے پڑے تھے۔ پولنگ ابھی تک کافی پرسکون حالات میں ہو رہی تھی۔ اسٹوڈنٹ والہانہ جوش و خروش سے ووٹ ڈالنے میں مصروف تھے۔ وہ اپنا کام مکمل کر چکی تھی۔ پولنگ ختم ہونے میں ایک گھنٹا باقی تھا۔ جب تک پولنگ ختم نہیں ہو جاتی' اسے یہیں آفس میں ہی رہنا تھا۔

سر میں درد شدت سے ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے آہستہ آہستہ اپنا سر دبانے لگی۔ آنکھیں اس نے بند کر لی تھیں۔

''اونہہ...... ہوں۔'' اُسامہ نے اسے دونوں ہاتھوں میں سر تھامے آنکھیں بند کئے بیٹھا دیکھا تو کھنکار کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

آواز سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں' وہ بھی بغور اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اف اُسامہ کی آنکھیں سرخ آگ کے دہکتے ہوئے انگارے۔ وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔ اس کے سرخ و سپید چہرے پر لال انگارہ آنکھیں عجیب سا تاثر دے رہی تھیں۔ شاید وہ کئی راتوں سے سویا ہی نہیں تھا۔

''میں آپ کو یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ آپ یہاں بالکل ہوشیاری سے بیٹھیں گی۔ ووٹنگ ختم ہونے کے فوراً بعد آپ یہاں سے نکل جائیے گا۔'' حسب معمول وہ جیسے اسے نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ گویا اس سے نہیں دیواروں سے مخاطب ہو یا پھر اپنی چوری پکڑی جانے کی وجہ سے۔

''اوکے۔'' اس نے بہت نارمل انداز میں جواب دیا۔

''یہ لیجئے مس۔'' حیدر ٹرے اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

''یہ کیوں لے آئے آپ۔ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے چائے پی ہے۔''

''بندہ حکم کا غلام ہے۔ حکم ملا' چائے سر درد کی گولیاں اور اسنیکس لے جاؤ۔'' حیدر جو شوخ طبیعت کا تھا' مسکراتے ہوئے بولا۔

''سر درد کی ٹیبلیٹ۔ لیکن میں نے تو کسی سے بھی نہیں کہا کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' وہ شدید حیرانی کا شکار تھی۔

''محسوس کرنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو چہرے پڑھنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ ان سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ معاملہ سمجھنے کے لئے ان کی ایک نظر ہی کافی ہوتی ہے۔ آپ اس وقت جو کھانا پسند کریں۔ ابھی حاضر کر دیتا ہوں۔''

''نہیں شکریہ۔ آپ صرف چائے اور ٹیبلیٹس رکھ جائیں۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔'' لائبہ لوازمات سے سجی ٹرے کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ باقی یہ سب لے جائیں۔

''تکلف نہیں چلے گا۔ ویسے آپ آج ہماری مہمان ہیں۔ آپ کی خدمت ہمارا فرض ہے۔'' حیدر پر کچھ زیادہ ہی مہمان نوازی سوار تھی۔

اس نے حیدر کے بے حد اصرار کے باوجود مشکلوں سے ایک چکن برگر لیا تھا۔ گولیاں کھانے کے بعد چکن برگر کھا کر اس نے تھرماس میں سے نکال کر چائے پی' اُسامہ اسے ایک نفسیاتی کیس لگا۔ اسے دیکھتے ہی اس کا چہرہ بگڑ جاتا تھا۔ کوئی ہاتھ آیا لمحہ وہ اس کی ہتک کا نہیں چھوڑتا تھا اور اب جس طرح اس نے حیدر کے ہاتھ ٹیبلیٹس' چائے وغیرہ پہنچائی تھی' اس مہربانی کو وہ کیا نام دے۔ شاید اس نے اس احسان کو اتارا ہے جو میرے یہاں بیٹھنے سے اس پر ہوا ہے۔ اس کے پچھلے رویے کو دیکھ کر اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

''بہرحال وہ جو بھی کچھ تھا۔ یہ احساس اسے اچھی طرح ہو گیا تھا کہ وہ ایک حساس اور ہمدردی بھرا دل رکھتا ہے جو اسے ہاتھوں میں سر پکڑے دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس کے سر میں درد ہے۔

✦ ✦ ✦

اُسامہ ملک بھاری اکثریت سے منتخب ہو گیا تھا۔ اس نے اندازے سے بھی زیادہ ووٹ لئے تھے۔ یہ اعلان سنتے ہی ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے جامعہ گونج اٹھی تھی۔ اس کے ساتھی' اس کے چاہنے والے' خوشی سے پاگل ہو گئے تھے۔ مسکراتے ہوئے اُسامہ کو انہوں نے کاندھے پر اٹھا لیا تھا۔ جوش و جذبات' خوشی و انبساط سے جھومتے نعرے لگاتے اسٹوڈنٹ' جن میں بڑی تعداد لڑکیوں کی بھی تھی' معصوم اور بے فکرے نرسری کے بچے لگ رہے تھے۔

لائبہ ووٹنگ ختم ہوتے ہی وہاں سے نکل آئی تھی۔ حنا' سمیرا اور سومیہ عارضی کیمپ میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ ووٹنگ کی وجہ سے بہت سے ایسے کیمپ بنائے گئے تھے۔ مائک پر جیسے ہی اُسامہ کی جیت کا اعلان ہوا وہ تینوں خوشی سے چیختی ہوئی اچھل پڑیں اور ایک دوسرے کے گلے لگنے لگیں۔

لائبہ کا دل صرف ایک انجانے طریقے سے دھڑک کر معمول پر آ گیا تھا۔ اسے اس وقت کوئی احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ نہ خوشی کا اور نہ دکھ کا۔ شاید لاشعوری طور پر وہ اس کی فتح سے آگاہ تھی۔

''ارے تمہیں کیا سکتہ ہو گیا ہے۔'' حنا اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر بولی۔ ''کتنا مبارک دن ہے آج۔ مبارکباد تو دے دو۔'' وہ اسے گلے لگاتی ہوئی بولی۔

''کل میں نے تہجد پڑھ کر دعا مانگی تھی اُسامہ کے لئے۔'' سومیہ فرط مسرت سے آنسو بہاتے ہوئے بولی۔ چلو باہر کیسی رونق ہو رہی ہے۔'' وہ تینوں تیزی سے باہر نکل گئیں۔ لائبہ کو بھی بے دلی سے ان کے ساتھ باہر آنا ہی پڑا۔

وہ تینوں بھی نعرے لگاتی ہوئی وہاں موجود لوگوں میں شامل ہو گئیں۔ نیچے پھول اور پتیاں بکھری ہوئی تھیں جو اسٹوڈنٹس نے اپنے لیڈر پر نچھاور کی تھیں۔ اُسامہ تو انہیں نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ ان سے بہت دور تھا۔ وہاں سے صرف اس کا سفید ہاتھ لہراتا ہوا نظر آ رہا تھا' جیسے وہ لوگوں کے والہانہ پن کا جواب دے رہا ہو۔ وہ بھی زبردستی ہی ان لوگوں کے ساتھ چل رہی تھی۔

اس وقت اسے اپنا وجود بہت تنہا اور بے وقعت لگ رہا تھا۔ ایک سر پھرے اور بد دماغ شخص کی خاطر ہزاروں طلباء اتنے پرجوش و پرخلوص ہو رہے تھے کہ اسے اس کی قسمت پر رشک آنے لگا۔

اچانک دور سے ہوائی فائرنگ کی آواز آئی اور پتھراؤ بھی شروع ہو گیا۔

''زبردست بھگدڑ اور چیخ و پکار مچ گئی۔ پتھراؤ میں بھی شدت آ گئی تھی اور فائرنگ بھی تیز ہونے لگی۔ حنا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے ایک طرف بڑھنے لگی۔ اسٹوڈنٹ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے اپنے بچاؤ کے لئے بھاگ رہے تھے۔ کتنے ہی لڑکے لڑکیوں کے پتھر لگے تھے اور خون بہہ رہا تھا۔ کوئی گر رہا تھا' کوئی بھاگ رہا تھا۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ سب کو اپنی اپنی جان بچانے کی لگی ہوئی تھی۔ ایک حشر برپا ہو گیا تھا وہاں۔

وہ دونوں بھی گرتی پڑتی فارمیسی ڈپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ سائیڈ سے اچھلتا ہوا نکیلا بڑا سا پتھر لائبہ کے سر میں آ لگا۔ اسے محسوس ہوا جیسے سر ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ہو۔ بے ساختہ ایک چیخ اس کے منہ سے نکلی۔ مارے تکلیف کے اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھتی چلی گئی۔

''ارے تمہارے سر سے تو خون نکل رہا ہے۔'' حنا کے بھی پتھر آ کر لگا تھا۔ کمر پر لگا تھا' لائبہ کے سر پر ڈھکی سفید چادر خون میں رنگین دیکھ کر وہ اپنی تکلیف بھول کر اس کی طرف پریشانی سے بڑھی۔

''ارے کیا پتھر لگ گیا لائبہ کے۔'' سومیہ اور سمیرا بھی وہاں آ گئی تھیں۔ تیزی سے وہ تینوں اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کلاس روم میں لے آئیں کہ یہاں پر وہ پتھروں سے محفوظ تھیں۔ لائبہ کے سر سے خون مسلسل بہہ رہا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سمیرا نے اس کے سر سے چادر اتار کر وہاں دیکھا جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ سر کے پچھلے حصے میں کافی گہرا زخم تھا۔ انہوں نے اپنے رومال جمع کر کے اس کے زخم پر لگا رکھے تھے مگر خون پھر بھی بند نہیں ہو رہا تھا۔ لائبہ پر غنودگی چھانے لگی تھی۔ سومیہ نے اسے اپنے سہارے سے بٹھا رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں مسلسل بند تھیں اور لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ تینوں کا گھبراہٹ اور پریشانی سے برا حال تھا۔

''حنا! کیا کریں' خون بند نہیں ہو رہا ہے۔ اسے کچھ ہو نہ جائے۔'' سومیہ رونے لگی۔

''مجھے خود ڈر لگ رہا ہے' یہ تو کچھ بول بھی نہیں رہی ہے۔ شاید بے ہوش ہو گئی ہے۔''

''باہر سے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ دوڑتے بھاگتے قدموں کی آوازیں' فائرنگ' پتھراؤ سب بند ہو چکا تھا۔ آنسو گیس کی تیز ناگوار بو ان سب نے محسوس کی۔ ان کی آنکھوں اور چہرے پر زبردست مرچیں لگی تھیں۔

''ارے' یہ دوسرا عذاب کیا نازل ہو گیا' ایک دم۔'' سمیرا اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔ ''پولیس نے مجرموں کو منتشر کرنے کے لئے شیلنگ کی ہے۔''

لائبہ اسی طرح بے حس و حرکت سومیہ کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔

''باہر دیکھو نادر کی آواز لگ رہی ہے مجھے۔'' حنا دوپٹے سے چہرہ رگڑتی ہوئی بولی۔

سمیرا تیزی سے باہر نکل گئی۔ دوسرے لمحے نادر' شہریار اور حیدر اس کے ہمراہ اندر تھے۔

''ارے ان کے تو بہت خون بہہ رہا ہے۔'' وہ تینوں بری طرح چونکے تھے۔ حیدر تیزی سے باہر کی طرف بھاگا تھا۔ وہ دونوں پریشان سے وہیں کھڑے تھے۔ دس منٹ بعد حیدر آیا تو اس کے ساتھ ڈاکٹر تھا۔ دونوں کے سانس پھولے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر نے آتے ہی جلد اس کا زخم صاف کرنا شروع کر دیا۔

''زخم کافی گہرا ہے' ٹانکے لگیں گے۔ میرے پاس سامان موجود نہیں ہے' فی الحال میں نے خون روکنے کے لئے دوائی لگا دی ہے۔'' ڈاکٹر ڈریسنگ کرنے کے بعد بولا۔

''اسے ہوش کب آئے گا؟''

''میں انجکشن لگا دیتا ہوں۔ یہ خوف اور تکلیف سے بے ہوش ہو گئی ہیں۔'' ڈاکٹر حنا سے مخاطب ہو کر بولا۔

ڈاکٹر لائبہ کے انجکشن لگانے کے بعد نادر' شہریار کے ساتھ جا چکا تھا۔

دس منٹ بعد لائبہ نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں۔

''ٹھیک ہو نا لائبہ' اب تو درد نہیں ہو رہا۔'' وہ تینوں ہی جھک کر اس سے بے تابی سے پوچھنے لگیں۔

''ہاں ٹھیک ہوں۔'' ان کے پریشان چہرے دیکھ کر وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ سائیڈ میں کھڑے حیدر کو دیکھ کر وہ پھرتی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس دوران اس کے سر میں شدید ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ خون آلود چادر اس نے لپیٹ لی۔

''شکر ہے آپ کی یادداشت محفوظ ہے ورنہ مجھے ڈر تھا کہ......''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔'' حنا اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''ہماری فلموں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ذرا بھی ہیرو یا ہیروئن کے سر سے کسی بھی وجہ سے چوٹ لگ کر خون بہنے لگتا ہے تو ان کی یادداشت گم ہو جاتی ہے۔ یا واپس لوٹ آتی ہے۔ اور وہ گانا گاتے ہوئے......''

''شٹ اپ' یہاں کسی فلم کی شوٹنگ نہیں ہو رہی۔'' حنا مسکراہٹ دبا کر بولی۔

''یہ سب اچانک ہوا کیا ہے۔'' سمیرا حیدر سے مخاطب تھی۔

''یہ اچانک نہیں' پہلے سے ہمیں خدشہ تھا۔ جمشید خان اپنی شکست خاموشی سے برداشت کرنے والا شخص نہیں ہے۔ اسی لئے وائس چانسلر صاحب نے پولیس کو الرٹ رکھا تھا۔ پولیس کی فوری مداخلت سے ہنگامہ زیادہ پھیلا نہیں ہے۔ تین لڑکے زخمی ہوئے ہیں۔'' حیدر نے تفصیل بتائی۔

''ارے کیا ہو گیا۔ لائبہ بیٹا۔'' افتخار انکل گھبرائے ہوئے نادر کے ہمراہ اندر آتے ہوئے بولے۔

''کچھ نہیں انکل۔'' وہ ان کی پریشانی کے خیال سے بولی۔

''چلو میں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں گا۔'' انکل اس کا زرد چہرہ دیکھ کر بے حد گھبرا رہے تھے۔ اسے چلنے کے لئے سہارا دینے کے لئے تیزی سے آگے بڑھے۔

''آپ پریشان مت ہوں۔ معمولی سی چوٹ لگی ہے۔ میں چل سکتی ہوں۔''

''سر! اُسامہ کہاں ہیں' ان کے تو چوٹ نہیں لگی۔'' سومیہ سے آخر برداشت نہ ہو سکا۔

''اسے تو ورکرز فوراً ہی آفس لے گئے تھے' وہ ہر طرح سے خیریت سے ہے۔''

وہ ان تینوں سے اجازت لے کر انکل کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

✦ ✦ ✦

''مبارک ہو مائی سن۔''

اُسامہ یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد رات کو گھر پہنچا تو وہاں سب موجود تھے۔ اس کی کامیابی کی خبر فوراً ہی یہاں پہنچ چکی تھی۔

ریاض' نبیل اور ارشد اسے یونیورسٹی ہی میں مل گئے تھے۔ ان کے ہمراہ وہ گھر واپس آیا تھا۔ اس کے لیونگ روم میں قدم رکھتے ہی بے تابی سے روحیل چچا نے اسے لپٹا کر مبارک باد دی۔ خوشی سے ان کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

وہ ان سے الگ ہوا تو عظمت چچی نے ڈھیروں پھولوں کے ہار اس کے گلے میں ڈال دیے اور پھر کوثر بیگم' اماں جان' ماریہ' زینی نے ہار پہنا کر مبارک باد دی۔

''یہاں بیٹھو' میرے پاس آج میرے بچے کی محنت کا ثمر مل گیا تو آج سکون سے سوئے گا' میرا بچہ۔'' اماں اسے اپنے نزدیک بٹھاتی ہوئی بولیں۔

اس نے ان کے نزدیک بیٹھتے ہوئے گلے میں پڑا پھولوں کا ڈھیر اتار کر اماں کے گلے میں ڈال دیا۔ اس کے چہرے پر بہت آسودہ مسکراہٹ تھی۔

''مخالف پارٹیوں کے ووٹ بھی زیادہ تر تمہیں ہی ملے ہیں۔'' روحیل چچا کا بڑا بیٹا نبیل اس سے بولا۔

''امید تو نہیں تھی پھر بھی تین ہزار ووٹ ان لوگوں کی طرف سے ڈالے گئے ہیں جو دوسری پارٹیوں کے دعوے دار تھے۔''

''یہ تم پر اعتماد کی اعلیٰ مثال ہے۔'' ریاض نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''اب آپ کو یہ ثابت کر دینا ہے کہ لوگوں کا انتخاب درست تھا۔'' روحیل انکل بولے۔

''انشا اللہ انکل' ہر سانس ان کی مقروض ہو چکی ہے۔''

''ہنگامہ زیادہ پھیلنے تو نہیں پایا نا۔'' نبیل سے چھوٹے ارشد بولے۔

''معمولی سا ہوا ہے' پہلے ہی انتظام کر لیا گیا تھا۔''

''بزدلوں کی حرکتیں ہوتی ہیں یہ سب' بہادر انسان اپنی شکست بھی کھلے دل سے قبول کرتا ہے۔'' روحیل چچا مسکرا کر بولے۔

''چلیں بھئی کھانا لگ چکا ہے۔'' کوثر بیگم کی اطلاع پر وہ کھانے کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ اس کی جیت کی خوشی میں اماں نے کچھ زیادہ ہی اہتمام کر لیا تھا۔ بہت خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا جس کے دوران وہ ان سب کی باتوں کا جواب بھی دیتا رہا۔

''شمیر کہاں ہے۔'' اسے بہت دیر سے اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔

''اس کے دوست کی بہن کی مہندی ہے آج وہاں گیا ہے۔'' عظمت آنٹی نے جواب دیا۔

''بارہ بج رہے ہیں۔ آپ آرام کریں۔'' روحیل چچا نے اس کی سرخ سرخ آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ بھی ایک دم تھکن محسوس کر رہا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے اس نے بالکل بھی آرام نہیں کیا تھا اور تین راتوں سے تو مسلسل جاگ رہا تھا۔ وہ معذرت کر کے شب بخیر کہتا ہوا وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ شوز اتار کر بیڈ پر اوندھا لیٹ گیا۔ آج کا دن بہت مختلف تھا' اس کے لئے۔ بہت بڑی بہت نازک ذمے داری اس کے کندھوں پر آ چکی تھی۔ اس کے حوالے سے جو لوگوں نے خواب دیکھے تھے' اس کی سچی تعبیر اس نے لوگوں کو دکھانے کی قسم کھائی تھی۔ اسے معلوم تھا' یہ کام آسان تو نہیں' مگر وہ مشکل پسند انسان تھا۔ اس کا سب سے بڑا بھروسا اللہ کی ذات پر تھا جس سے سب کچھ ہونے اور نہیں ہونے کا یقین اس کے دل میں تھا۔ ارادے مضبوط ہوں' حوصلے بلند ہوں تو منزل آسان ہو جاتی ہے۔

وہ پرعزم جواں ہمت شخص تھا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' شمیر کی آواز پر اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس کے بیڈ کے قریب کھڑا مسکراتی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اچھا طریقہ ہے یہ۔'' وہ مسکراتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''مبارک ہو مبارک ہو۔'' شمیر اس سے لپٹتے ہوئے بولا۔

''مجھے یقین ہے آپ کو جتوانے میں سارا کمال لڑکیوں کا ہو گا۔''

''اچھا تمہیں الہام کب سے ہونے لگے ہیں۔''

''یہ سب اللہ کی مہربانی ہے ورنہ بندہ اس قابل تو کہاں۔'' وہ عاجزی سے گویا ہوا۔

''اتنی دیر سے آئے ہو۔'' وہ شمیر کو برابر میں جگہ دیتے ہوئے بولا۔

''میں تو ڈیڈی کے خوف سے آ گیا ورنہ وہاں ایسی ایسی پریاں آئی ہوئی تھیں کہ کسی ایک پر آنکھ ہی نہیں ٹک رہی تھی۔ ایک سے ایک حسین لڑکی۔ کسی ایک کا انتخاب کرنا مشکل تھا۔ صرف ڈیڈی کی وجہ سے ہی نہیں آپ کی وجہ سے بھی چلا آیا ہوں۔ آپ کو مبارک باد جو دینی تھی۔

''میری خاطر اتنی بڑی قربانی کیوں دی' کل آ جاتے۔'' اُسامہ مسکرایا۔

''آپ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔

''شکریہ اس عنایت کا۔ ایک بج رہا ہے' جا کر سو جاؤ۔''

''آپ کو نیند آتی ہو گی' مجھے تو ساری ساری رات تارے گنتے ہوئے گزارنی پڑتی ہے۔''

''مگر پھر بھی تمہاری گنتی پوری نہیں ہو گی۔ جا کر سوؤ۔''

''جامعہ میں تو ایک سے ایک بڑھ کر حسین لڑکیاں آتی ہیں۔''

''پھر کیا مقصد ہے تمہارا۔'' شمیر کو پٹڑی سے اترتا دیکھ کر اس کا دماغ گھومنے لگا۔

''مقصد کچھ بھی نہیں ہے' کوئی لڑکی ابھی تک آپ کو ایسی نہیں ملی جو پہلی ہی نظر میں سب کچھ فتح کر لے۔'' وہ پکا ڈھیٹ تھا۔

''میں تمہیں پہلے بھی سمجھا چکا ہوں۔ اس قسم کی فضول باتوں سے پرہیز ہی کرو تو بہتر ہے۔ اس لائن میں انسان کو صرف خواری ملتی ہے۔''

''اچھا کتنے سالہ تجربہ ہے آپ کا۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''شمیر! میں صرف اس لئے تمہارا لحاظ کر رہا ہوں کہ تم پہلی مرتبہ میرے بیڈ روم میں آئے ہو ورنہ تمہارا ابھی مزاج درست کر دیتا۔''

''اچھا سوری' کوئی اچھی سی کتاب وغیرہ آپ کے پاس ہو تو دے دیں۔''

''بیڈ کی سائیڈ دراز میں دیکھو۔'' وہ بیڈ سے اترتا ہوا بولا۔

''وہ مارا۔'' شمیر کی چہکتی ہوئی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ بوکھلاہٹ میں باتھ روم ڈور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''کہاں سے آئے ہیں یہ بندے۔ کس کے لئے لائے گئے ہیں یہ بندے۔ آپ کی بیڈ کی دراز میں کیوں رکھے ہیں یہ بندے۔'' مخملی کیس میں سے بندے اس نے ہتھیلی پر رکھ لئے تھے اور کسی پرانی فلم کے مکالمے تبدیل کر کے بول رہا تھا۔ سفید اور فیروزی چمکتے ہوئے نگینوں پر جمی اس کی نگاہوں میں بڑی پراسرار شرارتی چمک تھی۔

اُسامہ الیکشن کی وجہ سے ان بندوں کو بالکل بھول گیا تھا' اب اس کے ہاتھ میں دیکھ کر اسے یاد آیا تھا۔

''ارے بھئی بتائیں نا' کب سے آپ نے ان چیزوں کا استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''رکھ دو یہ میرے دوست کے ہیں' اس نے رکھوائے ہیں۔'' بروقت اسے بہانہ سوجھ گیا۔

''یہ آپ کے دوست کے ہیں نا یا......''

''شٹ اپ' سو جا کر۔'' اس نے بندوں کا ڈبا اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

''بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا بیڈ سے نیچے اتر گیا۔ ''کاش آپ جھوٹ بولنے میں ماہر ہوتے تو میں یقین کر لیتا یہ بندے آپ کے دوست نے رکھوائے ہیں۔ دال میں کالا کالا مجھے صاف نظر آ رہا ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

اُسامہ نے غصے سے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ڈبے کو دیکھا۔ بہت عرصہ گزر چکا تھا۔ اگر وہ یہ بندے لوٹاتا تو اس کی ہتک تھی۔ اس لڑکی کے سامنے شرمندہ ہونے سے بہتر مر جانا سمجھتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ بندوں کا کرے کیا۔ مارے جھنجلاہٹ کے اس نے بندوں کا ڈبا کھڑکی سے باہر اچھال دیا اور خود وضو کرنے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

✦ ✦ ✦

صبح ناشتے کی میز پر وہ دونوں ماں بیٹے تھے۔ اسد صاحب بزنس ٹور پر نیروبی گئے ہوئے تھے۔ یہ یہاں کا اصول تھا' ناشتا اور دوپہر کا کھانا سب اپنے اپنے پورشن میں کھایا کرتے تھے۔ البتہ رات کا کھانا سب ساتھ کھاتے تھے۔ اماں ہمیشہ سے صبح سویرے ناشتا کرنے کی عادی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ فجر کی نماز پڑھ کر ناشتا کر لیا کرتی تھیں۔

''آپ کی پڑھائی کا آخری سال چل رہا ہے' تعلیم مکمل ہونے کے بعد آپ کو جاب کا کوئی مسئلہ نہیں ہو گا کیونکہ آپ کے ڈیڈی کا بزنس آپ ہی کے لئے ہے۔'' فوزیہ بیگم اس کے لئے چائے بناتے ہوئے بولیں۔

آپ کچھ کہنا چاہ رہی ہیں ممی۔'' ممی کی تمہید سے وہ سمجھ چکا تھا۔

''بیٹے کے پیدا ہوتے ہی ماں کے دل میں اس کے سہرے کے پھول دیکھنے کا ارمان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میری بھی یہی شدید خواہش ہے کہ اب آپ کی منگنی کر دی جائے' تعلیم مکمل ہوتے ہی شادی کر دیں گے۔ اس گھر کی ویرانی اور اداسی مجھ سے اب نہیں دیکھی جاتی۔''

''ممی! میرا ابھی ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے۔'' وہ انڈا کھاتے ہوئے بولا۔

''مجھ سے زیادہ اماں کو آپ کے بچے کھلانے کا شوق ہے۔''

''ممی پلیز۔'' ان کی خواہش اسے ذرا نہ بھائی۔

اماں نے رات ایک فیصلہ کر لیا ہے' اماں کا فیصلہ کتنا اٹل ہوتا ہے' تم یہ اچھی طرح جانتے ہو۔''

''کیا فیصلہ کر لیا ہے؟'' اس کی چھٹی حس خطرے کا سگنل دینے لگی تھی۔

''زینی کو آپ کی دلہن بنانے کا......''

''کیا؟'' اس نے کانٹے میں لگا آملیٹ' پلیٹ میں رکھتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

''یہ اماں جان کی خواہش ہے۔ زینی ہماری بہو بنے۔'' فوزیہ بیگم اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔

''ممی! یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں۔'' وہ ایک دم ہی کھڑا ہو کر بولا۔

''زینی بہت اچھی لڑکی ہے۔ کیا کمی ہے اس میں؟''

''ممی کمی یا زیادتی کی بات نہیں ہے۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔

''اماں جان کے فیصلے سے انحراف کی ہمت ہے۔''

''میں خود اماں سے ابھی بات کرتا ہوں۔'' وہ ناشتا ادھورا چھوڑ کر ان کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ تخت پر بیٹھی اخبار کے مطالعے میں گم تھیں۔ دونوں ملازمائیں ان کے کمرے میں صفائی کرنے میں مصروف تھیں۔

''اماں! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' وہ ان کے کمرے میں بلا اجازت ہی آیا کرتا تھا۔

''آؤ' بیٹھو میرے پاس۔'' وہ اخبار تکیے پر رکھتی ہوئی بولیں اور ساتھ ہی انہوں نے دونوں ملازماؤں کو باہر جانے کا اشارہ کر دیا۔

''ہاں بولو۔ ہم سن رہے ہیں۔'' وہ اس کے تیور دیکھ کر پہچان گئیں کہ وہ کیا بات کرے گا۔

''اماں جان! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے' مجھے اس سے اختلاف ہے۔''

''اسامہ! ہم دیکھ رہے ہیں' تمہیں ہمارے فیصلوں سے بہت زیادہ اختلافات رہنے لگے ہیں۔ اسے ہم تمہاری گستاخی سمجھیں یا خود پسندی۔ ہماری محبت اور شفقت کا بہت ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ ہم نے تمہیں سب سے بڑھ کر چاہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے مقابل آ کر ہمارے فیصلوں کو غلط قرار دو۔'' پہلی مرتبہ اماں اس سے اپنے روایتی جاہ و جلال میں بات کر رہی تھیں۔

''اماں جان! میں آپ کے مقابل آنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا اور میں آپ سے جس دن گستاخی یا بدتمیزی کروں' وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

''پھر زینی میں کیا برائی ہے؟'' اس کا سچا کھرا لہجہ ان کا غصہ ہوا کر چکا تھا۔

''اماں! میں نے اس کے متعلق کبھی نہیں سوچا۔'' وہ بے چارگی سے بولا۔

''تو اب سوچ لو۔''

''میں اسے بہن سمجھتا ہوں۔''

''شادی سے پہلے سب بہنیں ہوتی ہیں۔'' اماں جان آج اس کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہو رہی تھیں۔

''فارگاڈ سیک اماں۔ میری پرابلم سمجھیں۔ فی الحال میں شادی کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے ابھی اپنے مستقبل کی پلاننگ کرنی ہے۔'' اس نے اماں کو قائل کرنا چاہا۔

''تم نے کوئی لڑکی تو پسند نہیں کر رکھی۔'' انہیں اچانک ہی نیا خیال آیا۔

''اماں! میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ لڑکیاں پسند کرتا پھروں۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''پھر کیا وجہ ہے جو زینی تمہاری بیوی نہیں بن سکتی۔ ہم منگنی ابھی کر دیتے ہیں۔ شادی جب تم کہو گے' جب ہی کریں گے۔ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ ہمارا خاندان ابھی دنیا کی نفسانفسی سے پاک ہے۔ بڑوں کا ادب و احترام چھوٹوں پر شفقت و محبت کی مثال' ہمارے خاندان پر صادق آتی ہے' بہوئیں بھی ہماری تینوں اعلیٰ اور اونچے خاندان کی ہیں جنہوں نے سسرال کو بھی میکے کی طرح عزیز رکھا ہے۔ ہمیں ماں کا درجہ دیا ہے اور آپس میں بہنوں کی طرح رہی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں اس محبت کو تمہاری اور زینی کی منگنی کر کے اٹوٹ بندھن میں باندھ دیں۔ اس نئے رشتے سے رشتے اور زیادہ پائیدار اور مستحکم ہو جائیں گے۔''

''اماں! میں نے کبھی اپنی لائف پارٹنر کے بارے میں آئیڈیل نہیں بنایا مگر میں آپ کو بتا دوں کہ میں جب بھی شادی کروں گا' اپنی پسند سے کروں گا۔ میرا انتخاب آپ کے اور اس خاندان کے معیار و وقار کے مطابق ہی ہوگا۔ زینی جو بات بے بات ہنستی' بچوں جیسی طبیعت رکھنے والی بیوقوف سی لڑکی' صرف وہ بہن کے روپ میں اچھی لگتی ہے۔ وہ بہت معصوم ہے۔'' اس نے بہت پرسکون انداز میں اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

''بہو اچھا کیا تم نے جو ہمیں کوثر سے بات کرنے سے پہلے روک دیا ورنہ ہماری برسوں کی محنت ضائع ہو جاتی۔ ہمارا خاندان جو لوگوں کے لئے محبت و یگانگت کی مثال ہے' انگشت نمائی کا شکار ہو جاتا۔'' اماں فوزیہ بیگم سے مخاطب ہوئیں جو اُسامہ کے پیچھے کمرے میں آئی تھیں۔

''جی اماں' دلوں میں فرق صرف بچوں کی ناقدری کی وجہ سے ہی آتے ہیں اگر آپ کل بڑی بھابی سے بات کر لیتیں اور پھر انکار کر دیتیں تو اپنی بیٹی کو مسترد کر دینے کا دکھ انہیں ہم سے متنفر کر دیتا اور یہی سب سے بڑی وجہ بن جاتی گھر میں جنگ کے آغاز کی۔''

فوزیہ بیگم بیٹے کی مزاج شناس تھیں۔ کل رات کو جو اماں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے بہت سہولت سے انہیں سمجھایا تھا کہ پہلے وہ اُسامہ سے اس کی مرضی معلوم کر لیں پھر بڑی بھابی سے بات کی جائے۔ اب ان کا خیال درست نکلا تھا۔ اُسامہ سختی سے انکار کر چکا تھا۔

''آپ ناراض ہو گئیں اماں جان؟'' وہ ان کے جھریوں بھرے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگاتا ہوا بولا۔

''تم سے ناراض ہو کر کہاں جاؤں گی۔ اتنی صاف اور کھری بات کرنے کی تربیت تو ہم نے ہی تمہیں دی ہے۔ کچھ دنوں کا ملال ہے' یہ بھی گزرتے وقت کے ساتھ ختم ہو جائے گا مگر ہم تمہیں بتا دیں' آج تم نے اپنی ضد پوری کی ہے۔ کل ہم کریں گے۔ تم لڑکی اس خاندان کی ہی دلہن بنا کر لاؤ گے جس کی رگوں میں ہمارا ہی خون دوڑ رہا ہوگا' سمجھے۔'' ان کا لہجہ مضبوط اور اٹل تھا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں اماں جان۔ آپ کی یہ شرط پوری کروں گا۔'' وہ بھی مضبوط لہجے میں بولا۔

''فوزیہ بیگم نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس خاندان میں لڑکیوں کا فقدان تھا۔ زینی کے علاوہ کوئی دوسری لڑکی انتہائی قریبی رشتے داروں میں نہیں تھی۔ روحیل صاحب چار بیٹوں کے باپ تھے۔ ان کے گھر میں بیٹی کا وجود ہی نہ تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا' یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

◆ ◆ ◆

''لائبہ! زخم کیسا ہے تمہارا۔ یار تم تو کوئی نشان ہی نہیں چھوڑ کر گئی تھیں اپنا' کتنے فکر مند ہو رہے تھے ہم۔ تمہاری کوئی خیریت ہی نہیں مل رہی تھی۔'' پروفیسر خالد کی کلاس آف ہونے کے بعد وہ تینوں اس کی طرف تیزی سے آئی تھیں۔

''اب تو کافی ٹھیک ہو گیا ہے۔ فون نمبر یا ایڈریس افتخار انکل سے لے لیتیں۔'' ان تینوں کی محبتیں دیکھ کر وہ کھل اٹھی۔ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

''واقعی پروفیسر افتخار کا تو ہمیں یاد ہی نہیں رہا۔'' حنا ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔

پورے ایک ہفتے بعد یونیورسٹی آئی ہو۔ یہاں الیکشن جیتنے کی خوشی میں ایسے زبردست جشن منائے گئے ہیں کہ پوچھو نہیں۔ تمہاری کمی شدت سے محسوس ہوئی ہمیں۔'' سمیرا اس کا ہاتھ جوش سے دباتی ہوئی بولی۔

''افتخار انکل سب بتا چکے ہیں۔ دراصل انہوں نے اور ان کی فیملی نے بہت کیئر کی ہے میری ان دنوں' ورنہ ماما تو بے حد پریشان ہو گئی تھیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''حیدر اور نادر بھی پوچھ رہے تھے تمہارا۔'' حنا ان کے ساتھ کلاس روم سے باہر آتی ہوئی بولی۔

''سومیہ بہت خاموش ہے۔ کیا بات ہے سومی؟''

''بس پوچھو نہیں۔ وہ چڑیل ہر وقت اُسامہ کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔''

''بھوت کے ساتھ چڑیل ہی سوٹ کرتی ہے۔ تم تو پری ہو' خیال چھوڑ دو ان کا۔''

''سمیرا پلیز' میرا مذاق کا موڈ بالکل بھی نہیں۔'' سومیہ سمیرا کو ہنستے دیکھ کر بولی۔

''بھوت کو تو میں پہچان گئی ہوں مگر یہ نئی چڑیل کہاں سے دریافت ہوئی۔'' لائبہ مسکراتے ہوئے حنا سے بولی۔ سومیہ کا موڈ بدستور آف تھا۔

''گرلز سیکشن میں جنرل سیکریٹری کی سیٹ کے لئے عائشہ شیخ کا سلیکشن ہو گیا ہے۔ اب ظاہر ہے' وہ اُسامہ بھائی کی تحویل میں کام کرے گی۔ ان کی سیکریٹری جو ہوئی۔''

''وہ بھی تو ووٹوں کے ذریعے ہی منتخب ہوئی ہے۔ اس کی جگہ تم کھڑی ہو جاتیں پھر شاید بات بن جاتی۔'' لائبہ کو اس کی شکل دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔

''میں اتنی ذمے داری کی پوسٹ نہیں سنبھال سکتی اور اس چڑیل کی طرح اترانا بھی نہیں آتا مجھے۔ تیار ہو کر تو ایسے آتی ہے جیسے فنکشن میں آئی ہو۔ بہت بری لگتی ہے مجھے۔''

''کیوں اپنے گناہوں میں اضافہ اور محترمہ کے گناہ کم کر رہی ہو۔'' لائبہ مسکرائی۔

''حیدر تو بتا رہا تھا' وہ لوگ پارٹی دینے والے ہیں یونین کی طرف سے۔'' حنا ان کے نزدیک ہی گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کل فہرست تو بنا رہے تھے' وہ لوگ بیٹھے ہوئے۔'' سمیرا بولی۔

''نئی نئی بات ہے۔ لوگوں کو امپریس کرنے کے لئے کچھ دن تو وعدے نبھائے جائیں گے۔''

''بہت ٹائم پڑا ہے ہمارے لئے ان کے قول و فعل کو پرکھنے کے لئے پھر خواہ مخواہ کیوں ہم ان کی وجہ سے آپس میں رنجشیں پیدا کریں۔'' سمیرا نے سنجیدگی سے بات ختم کی۔

''پروفیسر اعظم کا پیریڈ شروع ہونے میں ابھی آدھا گھنٹا باقی ہے اس لئے چلتے ہیں۔'' لائبہ کے ساتھ ہی وہ تینوں بھی اٹھ گئی تھیں۔

''ہیلو گرلز۔'' کیفے سے آتے ہوئے حیدر نے انہیں دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ ساتھ اس کے اُسامہ بھی تھا۔ بلو جینز' پنک یلو پرنٹڈ شرٹ میں اس کا بلند سراپا اسے پہلے سے کہیں زیادہ بلند و مضبوط نظر آیا۔ اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ دلکش ہو گیا تھا۔

''مبارک ہو اُسامہ بھائی۔'' حنا' سمیرا اس سے مخاطب ہوئیں۔

''تھینک یو سو مچ۔'' وہ اپنے دلنشیں انداز میں ان سے مخاطب تھا۔

''زخم کیسا ہے مس لائبہ آپ کے سر کا؟'' حیدر بہت خلوص سے اس سے مخاطب تھا۔

''ٹھیک ہو گیا ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''کل شام کو یونین کی جانب سے ٹی پارٹی ہے۔ آپ کو ضرور آنا ہے۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا کارڈ ان کی جانب بڑھاتا ہوا بولا۔ لائبہ حسب عادت اس کی آنکھوں سے اوجھل تھی۔

''مس لائبہ آپ کا کارڈ میں نے افتخار صاحب کو دے دیا ہے۔'' حیدر جو اُسامہ کی حرکت نوٹ کر چکا تھا' لائبہ کی پوزیشن کلیئر کرتے ہوئے بولا۔

''انکل کو کیوں دیا ہے۔'' افتخار صاحب کو کارڈ دینے کا سن کر اسے شدید کوفت ہوئی تھی کیونکہ وہ اب اسے زبردستی ٹی پارٹی میں لے کر آتے۔

''کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں' آپ کو اگر میں کارڈ دیتا تو آپ کبھی نہ آتیں۔''

لائبہ کو شدید حیرانی و شرمندگی ہوئی کہ اس شخص سے نادانستہ دشمنی میں وہ ایک کھلی کتاب کی طرح ہو گئی تھی۔ حیدر اس کے کہنے سے پہلے ہی افتخار صاحب کا سہارا لے چکا تھا۔ افتخار صاحب سے اس کے تعلق کو سب ہی محسوس کر چکے تھے۔

وہ دونوں جا چکے تھے۔ حیدر اسے لازمی آنے کی تاکید کرکے گیا تھا۔

✦ ✦ ✦

درمیانی رات کا وقت تھا آسمان پر چھائی کالی گھٹا نے رات کی تاریکی کو بھیانک بنا دیا تھا' تیز چلتی ہوئی ہوا، ہلکی پڑتی ہوئی پھوار سے قطعی بے خبر اس بنگلے کے مکین خوابوں کے سنہرے دیس میں محو استراحت تھے۔ تین سائے جو کالے لباسوں میں ملبوس چہرے پر کپڑا لپیٹے وہاں چھائی تاریکی کا ہی حصہ محسوس ہو رہے تھے انہوں نے بہت تیزی سے باؤنڈری وال پھلانگ کر اندر لان میں چھلانگ لگائی تھی۔ تھوڑی دیر وہ سانس روکے اپنے کودنے سے ہونے والی دھمک کے بارے میں اندر سے کسی ردعمل کا انتظار کرنے لگے مگر اگلے دس منٹ تک کہیں بھی کوئی حرکت محسوس نہیں ہوئی تو وہ تینوں اطمینان سے کھڑے ہو گئے۔ یہ اطلاع تو انہیں پہلے ہی مل گئی تھی کہ اس بنگلے میں نہ کوئی چوکیدار ہے اور نہ ہی خوں خوار کتے۔

عارف نے انہیں صرف اتنی ہی خبر دی تھی کیونکہ اسے اندر آنے کا تو موقع نہیں مل سکا تھا۔ اندر کی صورت حال سے انہیں خود ہی نمٹنا تھا۔ اندر کے کمروں کی تمام بتیاں بند تھیں۔ پورے بنگلے میں صرف اندر لابی میں نائٹ بلب جلتا ہوا نظر آ رہا تھا انہوں نے داخلی دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ اندر سے لاک تھا۔ جمیر نے جیب سے اپنا مخصوص انداز میں مڑا ہوا تار نکالا اور اسے کی ہول میں ڈال کر گھما ڈالا۔ دوسرے لمحے لاک کھل چکا تھا وہ تینوں تیزی سے اندر آ گئے۔ وسیع راہداری تھی' جس کے درمیان پتلی سی گیلری تھی اور گیلری کے دونوں اطراف دو دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ انور نے ان تینوں کو آگے کمروں کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود پہلے کمرے کے باہر لگی کھڑکیاں چیک کرنے لگا۔ دیواروں میں دروازے نما کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں۔ انور کو ایک کھڑکی کھلی ہوئی مل گئی جسے لاک کئے بغیر یونہی بند کر دیا گیا تھا۔ انور نے آہستہ سے کھڑکی کھولی۔ کھڑکی پر میرون کلر کے قیمتی بھاری پردے پڑے ہوئے تھے' انور کوئی آواز نکالے بغیر پھرتی سے کھڑکی کے اندر با آسانی پہنچ چکا تھا۔ اس کے جوتے کسی نرم شے میں دھنس گئے۔ اچانک ہی اس کے ہاتھ سے کھڑکی چھوٹ گئی اور وہ اپنے پورے وزن سمیت اس محو خواب وجود پر گرا۔ دوسرے لمحے ایک نسوانی چیخ کمرے میں گونج اٹھی۔ انور نے پھرتی سے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے منہ پر جما دیا' مبادا اس کے چیخنے کی آواز سن کر کوئی چوکیدار وغیرہ متوجہ ہو جائے۔

''اگر تم نے دوبارہ چیخنے کی کوشش کی تو گولی مار کر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دوں گا۔'' اس کے لہجے میں خونی بھیڑیے جیسی غراہٹ تھی' اس کی خوف سے سہمی آنکھیں اور سہم گئیں تھیں۔ انور تیزی سے اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔ کمرے میں بالکل اندھیرا تھا' اس نے اندھیرے میں ٹٹول کر پردے کے پیچھے وال پر لگے سوئچ بورڈ میں لگے بٹن تیزی سے دبانے شروع کر دیے کیونکہ وہ مطمئن ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے باہر صورت حال سنبھال لی ہو گی۔ بٹن دبتے ہی کمرہ فانوس اور ٹیوب لائٹس کی دودھیا روشنیوں میں گویا نہا گیا۔ اس کی نظریں بے اختیار سامنے اٹھ گئیں۔ سامنے بیڈ پر شباب پر بہار بے حجاب تھا، چہرہ تھا یا مسکراتا کنول، کالی گھٹا جیسی گہری آنکھوں میں اس وقت سکتے کی سی کیفیت تھی۔ اسے لگا چاندنی سمٹ کر اس کا وجود بن گئی ہے۔ پہلی مرتبہ اس کے اندر کہیں دراڑ پڑی تھی۔ اس کو اس طرح مبہوت دیکھ کر اس لڑکی میں حرکت ہوئی تھی پنک نیٹ کی بغیر آستینوں اور کھلے دراز گلے کی نائٹی میں اس کا حسن گلاب بن کر مہک رہا تھا وہ جواب کافی حد تک سنبھل چکی تھی' فوراً حیا سے اس نے اپنے بازو سینے کے گرد لپیٹ لئے تھے۔ انور نے سامنے ٹیبل پر پڑی چادر اس کی طرف اچھالی اور خود دوسری طرف رخ کرکے کھڑا ہو گیا تھا۔

اسی لمحے جنید اور عارف ایک بڑھیا کو لے کر اس کمرے میں آ گئے۔ بڑھیا کا چہرہ خوف سے پیلا ہو رہا تھا اور وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

''استاد یہ بڑھیا بتا رہی ہے' یہاں اس کے اور اس کی بیٹی کے سوا کوئی تیسرا نہیں رہتا۔ لاکر کی چابی بھی اس نے دے دی ہے۔ جلیل معاملہ صاف کر رہا ہے۔'' عارف ہنستا ہوا وہاں آ کر بولا۔ ارے واہ بڑھیا' اتنا نایاب ہیرا تو تو نے یہاں رکھا ہوا ہے' ارے اس قیمتی ہیرے کی تجھے فکر نہیں ہے۔'' عارف اور جلیل اس لڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

''خدا کے لئے میری بچی کو ہاتھ نہ لگانا' تم میری ساری دولت لے جاؤ۔'' بڑھیا ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے بولی۔ لڑکی چادر سے خود کو اچھی طرح ڈھانپ چکی تھی' انہیں اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر وحشت زدہ ہرنی نظر آنے لگی۔

''باہر چلو۔ انور کے لہجے میں نہ معلوم کیا بات تھی کہ وہ دونوں ہی جو لڑکی کے حسن میں انور کی موجودگی کو بھول گئے تھے' اچانک ہوش میں آ گئے اور گھبرائے ہوئے باہر نکل گئے۔

لڑکی بھاگ کر اس بڑھیا سے لپٹ کر رونے لگی چادر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔

انور نے ایک لمحے کو اس کی پشت پر پھیلے سیاہ بالوں کو دیکھا پھر قالین پر گری چادر اٹھا کر اس لڑکی کے سر پر ڈال دی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''استاد بہت مال ہاتھ......''

''نہیں پھینک دو یہ سب' کچھ بھی مت لینا' جس طرح آئے تھے' اسی طرح واپس چلو۔'' انور نے جلیل کی بات پوری ہونے سے پہلے سخت لہجے میں کہا۔ ان تینوں نے زیورات' ملکی و غیر ملکی کرنسی وہیں چھوڑ دی اور حیران پریشان سے اس کے پیچھے باہر آ گئے۔

باہر تیز بارش ہو رہی تھی۔ انور خطرناک موڈ میں تھا۔ اس وقت اس سے کچھ پوچھنا گویا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا وہ بنگلے کی باؤنڈری وال پھلانگ کر اندھیرے میں گم ہوتے چلے گئے۔

✦ ✦ ✦

''انکل پلیز' آپ کو معلوم ہے مجھے ایسی پارٹیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی پھر آپ کیوں چاہتے ہیں' میں زبردستی جاؤں آپ کے ساتھ۔'' لائبہ زچ ہو کر بولی۔

''بیٹا یہی تو عمر ہوتی ہے' ایسی پارٹیز اٹینڈ کرنے کی' لوگوں میں گھلنے ملنے کی' جب آپ سب سے ملیں گی' دوستیاں بڑھیں گی تو آپ کو محسوس ہو گا' زندگی کتنی خوبصورت ہے' زندگی کے معنی کیا ہیں۔ ایک دوسرے سے ملنے سے آپس میں دکھ سکھ شیئر کرنے سے محبتیں بڑھتی ہیں آپ صرف کنوئیں کا مینڈک بن گئی ہیں۔''

''مینڈک نہیں سر مینڈک کی اور میں آپ کو بتا دوں' مجھے اپنا کنواں ہی ساری دنیا سے بڑا لگتا ہے۔''

''او کے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے۔'' جبھی تو میں آپ سے کہہ رہا ہوں آپ کنوئیں سے باہر نکل ہی آئی ہیں تو دیکھیں' دنیا بہت بڑی ہے آپ کو یہاں بہت محبتیں' چاہتیں ملیں گی۔''

''میرا وجود ہی کسی چاہت کا نتیجہ نہیں ہے انکل تو مجھے یہ قیمتی چیزیں مل ہی نہیں سکتیں۔ میں تشنہ تھی' تشنہ ہوں اور تشنہ ہی مروں گی۔ میرے وجود کی کسی کو ضرورت نہیں بعض لوگ دنیا میں بن بلائے آ جاتے ہیں۔ میرا وجود بھی ایسا ہی ہے نا انکل' میں کسی کے دل سے نکلی دعا نہیں ہوں بلکہ کسی کے ہونٹوں سے نکلی وہ بددعا ہوں جس کے لئے سلامتی کے سارے دروازے بند ہیں۔ میں دھتکاری ہوئی ہوں اور اپنے اصل کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''لائبہ......لائبہ......ایسے نہیں سوچتے بیٹا' اللہ سے مایوسی بہت بڑا کفر ہے' اللہ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے' اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے کہ یہ بندے کا امتحان ہوتا ہے۔ آپ بھی ثابت قدم رہیں' انشا اللہ بہت جلد آپ کی آزمائش ختم ہو جائے گی۔''

افتخار صاحب رومال سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولے' تھوڑی دیر بعد وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔ افتخار صاحب نے آفس میں رکھے کولر میں سے اسے گلاس میں پانی دیا اور بہت دیر تک اسے سمجھاتے رہے۔ پیپر ڈے آج صرف دو ہی لگے تھے۔ حنا' سمیرا' سومیہ ہاسٹل میں رہائش پذیر اپنی ایک سہیلی کے پاس پارٹی میں جانے کی وجہ سے تیاری کرنے چلی گئی تھیں۔ ان کے بے حد اصرار کے باوجود وہ ان کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ وہ خاموشی سے گھر چلی جانا چاہتی تھی۔ آج صبح سے ہی اس کی طبیعت گھبرا رہی تھی۔ بات بے بات رونا آ رہا تھا۔ وہ گیٹ تک ہی پہنچی تھی کہ حیدر تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور انکل افتخار کا اسے پیغام پہنچایا کہ وہ اسے بلا رہے ہیں۔ وہ سمجھ گئی۔ یہ سب حیدر کی شرارت ہے۔ وہ اس کی نگرانی کرتا رہا ہے اس نے اسے بہت ٹالنے کی کوشش کی مگر وہ بھی اسے پروفیسر کے آفس کے اندر ہی پہنچا کر گیا اور جب سے انکل اسے مسلسل پارٹی میں جانے کے فوائد گنوا رہے تھے۔

''سوری انکل' میں آپ کو کتنا تنگ کرتی ہوں۔'' وہ رومال سے آنکھیں صاف کرتی ہوئی بولی۔

''معافی تو آپ کو جب ہی مل سکتی ہے' جب آپ پارٹی میں چلنے کی ہامی بھریں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''مشروط معافی۔ چلئے آپ کی خاطر چلنا ہی پڑے گا۔'' لال آنکھوں اور سرخ ناک کے ساتھ ہنستی ہوئی وہ بہت خوبصورت لگی۔

یونین ہال میں رنگوں اور خوشبوؤں کا سیلاب سا آیا ہوا تھا۔ وہ افتخار صاحب کے ساتھ وہاں پہنچی تو ہال طلبا اور اساتذہ سے بھرا ہوا تھا۔ وائٹ کڑھے ہوئے کلف شدہ شلوار سوٹ میں اسامہ' حیدر سے کچھ کہہ رہا تھا۔ افتخار صاحب کو دیکھ کر ان کی طرف بڑھا۔ افتخار صاحب نے آگے بڑھ کر گرم جوشی سے اسے گلے لگاتے ہوئے مبارکباد دی۔

''آپ کیا ان کو یہاں زبردستی لائے ہیں۔'' ان سے ہاتھ ملا کر حیدر نے قریب کھڑی لائبہ کی طرف اشارہ کیا۔ جس کا سرخ چہرہ رونے کی چغلی کھا رہا تھا۔ غیر ارادی نظر اُسامہ کی بھی اس کی طرف اٹھ گئی۔ اورنج جارجٹ کے پلین سوٹ پر وائٹ نیٹ کی کوٹی پہنے' وائٹ اورنج بارڈر کے دوپٹے سے اس کا گلابی چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا۔ گرین آنکھوں میں اداسی کا موسم ٹھہر سا گیا تھا۔ اتنے سارے کیل کانٹوں سے مزین چہروں میں وہ ظاہری لیپا پوتی سے بالکل پاک چہرہ بہت شاداب اور دلکش لگ رہا تھا۔ اس کے انداز میں اتنا وقار اور اعتماد تھا کہ بندہ خود بخود ہی مودب ہو جاتا تھا۔

''یار مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔'' حیدر، اُسامہ سے مخاطب ہوا۔ افتخار صاحب اور لائبہ نادر کی رہنمائی میں اندر ہال کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''کیسی امید۔'' اُسامہ جو کچھ دیر کے لئے اپنی سوچوں میں بھٹک گیا تھا' اس کی آواز سن کر بولا۔

''اتنے انجان نہیں ہو جتنا پوز کر رہے ہو' حد ہوتی ہے کسی شخص کی توہین کرنے کی بھی۔ لائبہ کو مسلسل ہی نظر انداز کرتے آ رہے ہو۔ کل تم نے حنا وغیرہ کو کارڈ دیا' اسے تم نے اخلاقاً بھی دعوت نہیں دی۔ میں خود ہی پروفیسر صاحب کو ان کے نام کا کارڈ دے آیا۔ ابھی وہ آئیں تو بطور میزبان تم نے چند روایتی جملے بھی نہیں بولے۔ حد ہوتی ہے یار' سنگ دلی کی بھی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں' پروفیسر صاحب انہیں زبردستی لائے ہیں۔''

''میں بھول گیا تو تمہیں تو یاد رہا اور تم نے میزبانی کر لی۔ ایک ہی بات ہے۔'' وہ مسکرایا۔

افتخار صاحب پرنسپل کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ حنا وغیرہ کے ساتھ الگ بیٹھ گئی تھی۔ حنا پرپل کڑھائی والے کرتے اور تنگ پاجامے میں ملبوس تھی۔ سمیرا اور سومیہ نے بلو اور ریڈ جدید ڈیزائن کے لیلیپر سوٹ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ سلیقے سے کئے گئے لائٹ میک اپ میں وہ تینوں خوبصورت لگ رہی تھیں۔

''یہ آ گئی چڑیل۔'' سومیہ کی نظروں کے تعاقب میں اس نے نظریں دوڑائیں۔ اُسامہ کے ساتھ گرین غرارہ شرٹ میں فل میک اپ سے دمکتے چہرے کے ساتھ عائشہ شیخ بڑے فخر و غرور سے کھڑی سب کا جائزہ لے رہی تھی۔ چھوٹے رولر کئے بالوں میں اس نے گجرے لگا رکھے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں سوٹ کے ہم رنگ چوڑیاں تھیں۔ گلے میں بڑا سا ہار اور کانوں میں لمبے لمبے آویزے جھول رہے تھے۔

بلاشبہ وہ خوبصورت لڑکی تھی۔

''پلیز' کوئی اسے اُسامہ کے قریب سے ہٹا دے ورنہ میرا سر پھٹ جائے گا۔''

''میری دلی خواہش ہے کہ کسی کا سر تربوز کی طرح پھٹتے دیکھوں۔'' لائبہ شرارت سے بولی۔

''بھئی وہ اس کے قریب کہاں کھڑی ہے۔ دیکھو کتنی دور ہے۔'' حنا بولی۔

''پلیز سومی' اپنا چہرہ درست کرو۔ کیوں تماشا ہونا چاہتی ہو اپنا۔'' لائبہ آہستگی سے بولی۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں بچو۔'' افتخار صاحب' لائبہ کے برابر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''انکل! مجھے لگ رہا ہے آج شہر میں کوئی پھول باقی نہ بچا ہو گا۔ سب کے سب یہیں منگوا لئے گئے ہیں۔'' لائبہ میز کے درمیان گلدستے میں سجے خوبصورت پھولوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

ہال کو بہت خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ حالانکہ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ ہال میں جلتی ہوئی بے شمار مرکری لائٹوں نے گویا نور سا پھیلا دیا تھا۔ بہت قرینے سے گول میزوں کے گرد اسٹیل کی سرخ کور والی کرسیوں پر لوگ براجمان تھے۔ ایک خاص چیز جو وہاں نمایاں تھی۔ وہ میز کے درمیان رکھے سرخ تازہ گلاب کے مہکتے سجے ہوئے گلدستے تھے جو ہر میز پر موجود تھے۔ ان پھولوں کی دلفریب مہک نے ماحول میں لطیف سا احساس بکھیر دیا تھا۔

''مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔'' افتخار صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

''ہمارا انتخابی نشان بھی سرخ پھول تو تھا سر۔'' نادر ان کے قریب آ کر بولا۔

''اور جو ہمیں فالتو ووٹ ملے ہیں ان پھولوں کی وجہ سے۔ سرخ گلاب کی علامت سمجھتے ہوں گے نا سر آپ۔'' نادر کے برابر میں کھڑا شہریار شریر لہجے میں گویا ہوا۔ افتخار صاحب نے قہقہہ لگایا تھا' جبکہ بات کی گہرائی کو سمجھ کر لائبہ مسکرا پڑی تھی۔

سرخ گلاب محبت کی علامت ہوتا ہے اور لڑکیوں نے دھڑا دھڑ سرخ گلاب پر وکٹری کا نشان لگا کر اُسامہ ملک کو ووٹ کے ساتھ اپنے دلوں کی لگام بھی پکڑا دی تھیں۔

''سنا ہے اسامہ، جمشید خان کے پاس گیا تھا۔'' افتخار صاحب شہریار سے مخاطب ہوئے۔

''جی سر ان کا خیال تھا' وہ دوستی میں پہل کر لیں تو جمشید خان اپنی اکڑ بھول کر راہ راست پر آ جائے گا مگر وہ بہت چھوٹی اور غلط ذہنیت کا مالک ہے۔ اس نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا اور دھمکی دی ہے کہ جب تک وہ اُسامہ کو یونین کی سیٹ سے ہٹا نہیں دیں گے' سکون سے نہیں بیٹھیں گے۔''

''وہ اس موقع پر کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔'' حنا اور سمیرا گھبرا کر بولیں۔

''بے فکر رہیں آپ' ہم نے سب انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ ویسے بھی وہ گیدڑ کی فطرت رکھنے والا شخص ہے۔ ہمیشہ چھپ کر وار کرنے والوں میں سے ہے۔'' نادر بولا۔

ویٹرز نے میزوں پر کراکری سیٹ کرنے کے بعد تیزی سے چائے اور ڈھیروں لوازمات سجانے شروع کر دیے تھے۔ نام تو صرف ٹی کا ہی تھا مگر میزیں انواع واقسام کی ڈشوں سے بھر گئی تھیں۔ شامی کباب' چکن سینڈوچ' دہی بڑے چھولے' برگر' بسکٹ' فروٹ چاٹ کے علاوہ اور بھی بہت سی اشیاء تھیں۔

اُسامہ اور اس کے ساتھی ویٹرز سے میزوں پر سامان رکھوا رہے تھے۔ ساتھ ہی مہمانوں سے بے تکلف ہو کر کھانے کا اصرار بھی جاری تھا۔ فضا میں باتوں کی آواز کے ساتھ چمچ اور پلیٹ کی آوازیں بھی شامل ہو چکی تھیں۔

عائشہ شیخ بھی اپنی دوستوں میں بیٹھی کھانے پینے میں مصروف تھی۔ اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر سومیہ کے چہرے پر موجود تناؤ ختم ہو چکا تھا۔ وہ بھی مسکراتی ہوئی ان کی باتوں میں فروٹ چاٹ کھاتی ہوئی مصروف ہو گئی۔ لائبہ کا دل اس کا جنون دیکھ کر دکھ کر رہ گیا۔ وہ اس اونچی اڑان اڑنے والے پنچھی کو کبھی نہیں پا سکتی تھی۔

''جب تمہیں کچھ کھانا نہیں ہے تو پھر آئی کیوں ہو۔'' حنا اسے تھرماس میں سے صرف چائے کپ میں ڈالتے ہوئے دیکھ کر غصے سے بولی۔

''میں آئی نہیں' لائی گئی ہوں۔ رات سے مجھے فلو ہے اس لئے کوئی چیز کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ انکل بھی کبھی کبھی مجھے اپنی شفقت سے بلیک میل کرتے ہیں۔'' وہ افتخار انکل کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ بات تو آداب کے خلاف ہے کہ اتنی ساری نعمتیں ہونے کے باوجود آپ صرف چائے پئیں گی۔''

''انکل' اس وقت مجھے شدید طلب نیند کی ہو رہی ہے۔ دل چاہ رہا ہے' ایسی پکی نیند سوؤں کہ تین چار دن سے پہلے کسی کے بھی اٹھانے سے نہ اٹھوں۔''

''اتنی طویل نیند کا اسٹاک ہے آپ کے پاس؟'' حیدر اور اسامہ ان کے قریب آ رہے تھے۔ حیدر نے مسکراتے ہوئے لائبہ سے سوال کیا۔

''آپ کو ان کے پاس اس سے بھی زیادہ طویل نیند کے اسٹاک مل جائیں گے کیونکہ ان کی فیورٹ فرسٹ اینڈ لاسٹ ہابی لانگ سلیپنگ ہے۔'' افتخار صاحب نے مسکراتے ہوئے ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔ افتخار صاحب طلباء میں اپنی باغ و بہار طبیعت کی وجہ سے پسند کیے جاتے تھے۔ ان کا سب کے ساتھ رویہ نرم ودوستانہ ہوتا تھا۔

''اگر کبھی سلیپنگ کا مقابلہ ہوا تو اس میں لائبہ صاحبہ فرسٹ پرائز لائیں گی۔'' شہریار کی پیشگوئی پر ان سب کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

وہ دونوں افتخار صاحب کے قریب خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ''یہ تکلف نہیں چلے گا۔'' حیدر نے لوازمات سے بھر کر پلیٹ لائبہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ایک گلاس پانی منگوا دیں۔'' اس نے پلیٹ برابر میں بیٹھی کباب کھاتی ہوئی سمیرا کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ اس کی چائے کپ میں ایسے ہی رکھی تھی۔

اسی لمحے ویٹر اُسامہ کے لئے پانی لے کر آیا تھا۔ ''لیجئے سر۔'' ویٹر اس سے مخاطب ہوا۔ اُسامہ نے گلاس افتخار صاحب کی طرف بڑھا دیا تا کہ وہ لائبہ کو دے دیں۔ حیدر اس کی اس حرکت پر گھور کر رہ گیا تھا۔ ویٹر نے گھبرا کر گلاس کی طرف دیکھا' جسے وہ اُسامہ کے لئے لایا تھا مگر پی اسے لائبہ رہی تھی۔ ویٹر تیزی سے باہر کی سمت بڑھ گیا۔

''اُسامہ بات سننا۔'' کچھ فاصلے پر کرسی پر بیٹھے پروفیسر سرمد کے کہنے پر وہ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر ان کی طرف بڑھ گیا۔

لائبہ نے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ پانی کا ذائقہ عجیب بدمزا تھا۔ اس نے تھوڑا پانی پی کر گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔ اچانک ہی اسے شدید گھبراہٹ ہونے لگی۔ گلا جیسے کوئی نادیدہ ہاتھ پوری طاقت سے دبا رہے تھے۔ اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ وہ گھبرا کر گلا ملتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' افتخار صاحب کے ساتھ اس ٹیبل کے گرد بیٹھے افراد لائبہ کی اچانک بگڑتی حالت دیکھ کر گھبرا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ایک دم ہی اس نے شدید طور پر کھانسنا شروع کر دیا پھر اس کے منہ سے خون نکلنے لگا' آنکھوں کے گرد اس کے اندھیرا چھا رہا تھا اور ذہن پر مکمل تاریکی چھانے لگی تھی۔ اس کے منہ سے تیزی سے نکلتے خون نے انہیں بری طرح بدحواس کر دیا تھا۔

اُسامہ جو پروفیسر سرمد کی طرف جھک کر ان کی بات سن رہا تھا۔ حنا اور سومیہ کے چیخنے کی آواز سن کر اس نے پلٹ کر دیکھا اور خون کی الٹیاں کرتی لائبہ پر جو اس کی نظر پڑی تو اس کے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ لائبہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ وہاں افراتفری سی مچ گئی تھی۔

''اُسامہ بیٹے' دیر مت کرو۔ لائبہ کو جلدی سے کسی قریبی اسپتال لے کر چلو۔'' افتخار صاحب جو بے ہوش لائبہ کو سنبھالے ہوئے تھے' گھبرائی ہوئی آواز میں اس سے مخاطب ہوئے۔ حیدر اور نادر تیزی سے کار لانے کے لئے باہر کی سمت دوڑے تھے۔

چند لمحوں میں وہاں کی رونق خوفناک سناٹے میں بدل گئی تھی۔ سب حیرت زدہ تھے۔ افتخار صاحب کے اشارے پر وہ تیزی سے لائبہ کی طرف بڑھا۔ اس وقت اس نے ہر مصلحت نظر انداز کر دی تھی۔ لائبہ کی لحظہ بہ لحظہ مدھم پڑتی سانسیں اس کے ذہن پر اس کی طرف سے چھائی غلط فہمی کو ختم کر چکی تھیں۔ اس نے جھک کر بے ہوش لائبہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور تیزی سے مین گیٹ کی طرف چل پڑا۔ اس کے پیچھے بدحواس پریشان افتخار صاحب بھی آ رہے تھے۔ حیدر اور نادر وہاں کار لئے کھڑے تھے۔ حیدر نے جلدی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اُسامہ نے احتیاط سے اسے سیٹ پر لٹایا پھر دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ افتخار صاحب بھی اس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھ چکے تھے۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ سے دوڑانے لگا۔

❖ ❖ ❖

دس جوڑے' تین چادر کے سیٹ' بیڈ کور' ایک دری' ایک برقعہ' سونے کا ہلکا سا سیٹ اور بندوں کا سیٹ' روزمرہ کے کچھ استعمال کے خاص خاص برتن تھے جن میں سرفہرست پلاسٹک کے برتنوں کا ڈنر سیٹ شامل تھا۔ یہ سب افشاں کے جہیز کا سامان تھا۔ جسے خورشید بی بی نے بچیوں کے ساتھ مل کر رات دن کی محنت سے بنایا تھا۔ اس وقت یہ سب سامان انہوں نے صحن میں چادر بچھا کر اس پر لگا دیا تھا۔ آج افشاں کی رخصتی تھی۔ رات کو اچانک اسد کی بہن آ گئی تھیں۔ ان کے شوہر پر اچانک فالج کا حملہ ہو گیا تھا۔ انہیں فوراً واپس جانا تھا۔ انہوں نے اپنی مجبوری بیان کرتے ہوئے بڑی عاجزی سے فوراً افشاں کی رخصتی مانگی تھی۔ خورشید پریشان ہو گئیں۔ اتنی جلدی کس طرح ممکن تھا مگر بیٹی کی ہونے والی نند کی مجبوری بھی وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں۔

''بہن' تم اپنے دماغ پر اتنا بوجھ مت ڈالو۔ شادی تمہیں اپنی لڑکی کی کل بھی کرنی ہے اور مہینے بعد بھی۔ میری مجبوری کو سمجھو اگر مجھے فوراً جانا نہیں ہوتا تو میں اتنا اصرار ہرگز نہ کرتی۔ اگر چلی جاؤں گی تو میرا جلد آنا ناممکن ہے۔ میرا بھائی اکیلا کس طرح یہ سب کچھ کر سکے گا۔''

''میں بیٹی کی ماں ہوں بہن' مجھے تیاری میں ابھی کچھ عرصہ لگے گا۔ گھر کے جو حالات ہیں' وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں پھر اس طرح شادی کرنے سے خاندان بھر میں باتیں بن جائیں گی۔''

''لوگوں کا تو کام ہی باتیں بنانا ہے۔ آپ کچھ بھی کر لیں لوگ کچھ نہ کچھ خامی نکال ہی لیں گے۔ اگر میری مجبوری نہیں ہوتی تو میں ہرگز اتنا اصرار نہیں کرتی۔ بچے اور بھی ہیں ماشاءاللہ آپ کے' ان کی خوشیاں بھی انشاءاللہ دیکھیں گی۔ کھانے کا تکلف بالکل بھی نہیں کرنا۔ ہم کل دس افراد ہوں گے۔''

خورشید بی بی نے رضائے الٰہی جان کر ہامی بھر لی۔ تیاری وہ افشاں کی بات پکی ہوتے ہی کرنے لگی تھیں۔ رات کو ہی انہوں نے بیٹیوں کے ساتھ مل کر صندوق میں سے سامان نکال کر درست کر دیا تھا۔ دو جوڑے ہلکے کام کے انہوں نے شمائلہ کو تھما دیئے کہ وہ کاٹ کر سی لے۔ باقی جوڑے تابندہ اور تابش تھیلیوں میں پیک کرنے لگی تھیں۔ وہ صبح فجر کی نماز پڑھ کر تابش کو لے کر چھوٹی نند رقیہ کی یہاں چلی گئیں تھیں۔ دعوت دینے ان کا دیور ذیوارانی کو لے کر اس کے میکے انڈیا گیا ہوا تھا' بڑی نند لاہور میں رہائش پذیر تھیں۔ اس وقت صرف ان کی نند رقیہ ہی تھی' جسے وہ دعوت دینے جا رہی تھیں۔ خاندان کے باقی لوگ کب سے ان کی غربت کی وجہ سے ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

شام چار بجے مختصر سی بارات جس میں دلہا سمیت پانچ آدمی اور پانچ عورتیں شامل تھیں' ان کے گھر آ چکی تھی۔ مردوں کو دوسرے کمرے میں بٹھانے کا انتظام کیا گیا تھا اور عورتیں باہر صحن میں بچھی دری پر بیٹھ گئی تھیں۔ خورشید بی بی بیٹی کے سسرالیوں کو بہت عزت وتوقیر سے بٹھا رہی تھیں۔ ان کے گھر میں یہ پہلی خوشی تھی مگر گھر میں کسی کے بھی چہرے پر خوشی کے آثار نہیں تھے۔ شمائلہ نے رات سے ہی رو رو کر آنکھیں سجا لی تھیں۔ وہ پہلے ہی وہاں افشاں کی شادی کے خلاف تھی اور اس طرح اچانک شادی کرنے پر وہ سوائے رونے کے کر ہی کیا سکتی تھی۔ تابش اور تابندہ بھی اس کے ساتھ رونے میں شریک تھیں۔ افشاں کو ایک جامد چپ سی لگ گئی تھی۔ اس کے سپاٹ چہرے سے نہ خوشی کا احساس تھا نہ دکھ کا۔ اس کی حالت گائے جیسی تھی' جسے کسی بھی کھونٹے سے باندھ دیا جائے' وہ کوئی احتجاج نہیں کرتی۔

''نہ ابٹن لگا' نہ مہندی لگی' اس طرح ہوتی ہیں شادیاں' ارے اس سے زیادہ تو بچے گڈے گڑیا کی شادی میں ہنگامہ کر لیتے ہیں۔'' رقیہ بیگم غصے سے بولیں۔ وہ دوپہر سے آئی ہوئی تھیں اور جب سے مسلسل بات بات میں نقص نکال رہی تھیں۔

''سب اتنی جلدی میں ہو رہا ہے۔ ٹائم ہی کہاں تھا' ان چیزوں کے لئے۔ گیارہ بجے شمائلہ نے کون سے آپی کے ہاتھوں پیروں میں مہندی لگا دی تھی۔ آپی وہ بھی نہیں لگوا رہی تھیں۔''

''ارے بچی کے دل میں ارمان ہی کہاں ہیں۔ نصیب پھوٹ گئے۔ چار بچوں اور ان کے باپ کی آیا بن کر جا رہی ہے۔ ماں نہیں دشمن ہے۔'' وہ کونے میں بیٹھی ہوئی افشاں کے جذبات سے بے خبر اپنی ہی کہے جا رہی تھیں۔

''امی تو ہمیں بہت چاہتی ہیں۔ انہوں نے بچپن سے اب تک ہمیں اتنا پیار دیا کہ ہم یہ محسوس ہی نہیں کر سکے کہ ہمیں باپ کے ہوتے ہوئے بھی کبھی باپ کا پیار نہیں ملا۔ امی جیسی صابر وخوددار عورتیں بہت ہی کم ہیں۔ میرے ساتھ جو ہو رہا ہے' وہ میرا نصیب ہے پھوپو۔ امی نصیب سے تو نہیں لڑ سکتیں۔'' افشاں سے ماں کے خلاف بات برداشت نہ ہو سکی۔

''ہاں ہو۔ تم مجھے ہی نیچا دکھاؤ گی۔ دشمن تو میں ہوں تمہاری۔'' وہ منہ بنا کر بولیں۔

''پھوپو آپ غلط مت سمجھیں۔ آپ اکیلی ہی چلی آئی ہیں۔ نہ بھابیوں کو لائیں' پھوپا بھی نہیں آئے حسنہ کو تو لے آتیں۔'' افشاں نے ان کے تیور دیکھ کر جلدی سے کہا۔

''اس گھر میں کون سی ہزاروں آدمیوں کی دعوت ہے۔ تمہاری ماں تو من مانی کر کے بیٹھ گئیں۔ خاندان والوں کی باتیں تو ہمیں سننا پڑیں گی۔ میں اسی لئے کسی کو ساتھ لے کر نہیں آئی۔ ہم نے حسنہ کا بہت امیر گھرانے میں رشتہ طے کیا ہے' وہاں معلوم ہو گیا تو کیسی ہتکی ہو گی۔'' رقیہ بیگم ایک خودپسند عورت تھیں۔ جو صرف اپنی بڑائی ہر جگہ ہر موقع پر دیکھنا پسند کرتی تھیں۔ خورشید بی بی نے ان سے کوئی مشورہ لئے بغیر یہ سب کام کیا تھا۔ اپنے بیٹے بیٹیوں کی منگنی' شادی میں انہوں نے بھاوج سے رائے لینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اب بھاوج نے ایسا کیا تو وہ ننگی تلوار بن گئی تھیں۔

''پھوپو جان! خدا کے لئے خاموش ہو جائیں۔ باہر آواز جا رہی ہے۔ ہماری جو تھوڑی بہت عزت باقی ہے اسے بھی خاک میں ملانا چاہ رہی ہیں۔'' شائلہ اور تابندہ سرخ کلر کا فل سائز سوٹ کیس اندر گھسیٹ کر لائی تھیں۔ جو دلہا والے لے کر آئے تھے۔ شائلہ سوٹ کیس ان کے سامنے رکھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

''لورقیہ جلدی سے اس میں سے کپڑے نکال کر انشاں کو تیار کراؤ۔ نکاح شروع ہونے والا ہے۔ انور پلاؤ اور زردے کی دیگ لے آیا ہے۔ میں وہ باورچی خانے میں رکھوا رہی ہوں۔ اسد کی بہن تو کھانے کا منع کر کے گئی تھیں مگر میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا۔ انور نے بھی شربت کا منع کر دیا تھا۔ وہی کسی دوست سے پیسے ادھار لا کر دیگیں لے آیا ہے۔ اللہ نے عزت رکھ لی۔'' خورشید بی بی نے سوٹ کیس کی چابی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے تفصیل بتائی۔

''آپی کتنا خوبصورت جوڑا ہے۔'' سوٹ کیس کھلتے ہی سلمیٰ ستارے سے جھلملاتے ہوئے پلاسٹک کی تھیلی میں پیک سرخ سوٹ پر نظر پڑتے ہی تابش خوشی سے بولی۔

پندرہ سوٹ تھے' ایک سے بڑھ کر ایک۔ جن میں تین مہنگی ترین بھری ہوئی ساڑھیاں تھیں' شال' پانچ سینڈلوں کی جوڑی' جیولری بکس' سونے کا سیٹ' دو چاندی کے سیٹ' نتھ' بندیا' سامان دیکھ کر پھوپو حیران رہ گئی تھیں۔

تابندہ اور شائلہ نے سب سامان بہت احتیاط سے واپس سوٹ کیس میں رکھ دیا اور سرخ بھرا ہوا موتیوں کے خوبصورت کام کا غرارہ سوٹ دوپٹہ لے کر انشاں کی طرف بڑھ گئیں۔ تابندہ میک اپ بکس' چوڑی دان' غرارہ سوٹ کے ہم رنگ شوز اور پرس پہلے ہی انشاں کے پاس رکھ چکی تھی۔

''آپی' جلدی سے یہ سوٹ پہن لیں۔'' شائلہ بولی۔ انشاں خاموشی سے غرارہ قمیص لے کر اندر کمرے میں بنے اسٹور میں چلی گئی۔

✦ ✦ ✦

اُسامہ پرائیویٹ اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں فوراً ہی لائبہ کو لے لیا گیا تھا۔ ڈاکٹرز آپریشن روم میں اس کا معدہ واش کرنے میں مصروف تھے۔ آپریشن روم کے باہر صوفہ سیٹ پر افتخار صاحب اور اُسامہ بے حد پریشان بیٹھے تھے۔

''کاش' میں لائبہ کو زبردستی ساتھ نہیں لاتا۔ کتنا انکار کیا تھا' اس نے آنے کو پارٹی میں' کاش میں اس کی بات مان لیتا تو وہ یوں موت و زندگی کی کشمکش میں اس وقت مبتلا نہ ہوتی۔'' افتخار صاحب گلوگیر آواز میں جیسے خود سے مخاطب تھے۔ ان کے برابر اُسامہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی پر فکروں کے جال تھے۔

''ایک گھنٹہ ہو گیا ہے ڈاکٹرز کو اندر گئے ہوئے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ اس کی حالت بھی تو کتنی نازک تھی۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے جسم کا سارا خون ہی بہہ گیا ہے۔ اسے زہر دینے والا کون ہو سکتا ہے۔'' ان کی کیفیت اس وقت ہذیانی سی ہو رہی تھی۔

''انکل پلیز' اس وقت صرف آپ دعا کریں۔'' وہ انہیں تسلی بھی ڈھنگ سے نہ دے سکا۔

دو گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد ایک ڈاکٹر باہر آیا۔ افتخار صاحب تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔

''واشنگ تو ہم نے کر دی ہے۔ زہر کی مقدار بہت کم اندر گئی ہے۔ اگر انہیں بروقت یہاں نہ لاتے تو زہر پورے جسم میں پھیل چکا ہوتا۔''

''زہر کی نوعیت کیا تھی؟'' اُسامہ نے پوچھا۔

''انہیں جو زہر دیا گیا ہے' وہ سویٹ پوائزن (میٹھا زہر) کی خاص مقدار ہے۔ یہ زہر سادے پانی میں بھی دیا جا سکتا ہے اور مشروبات میں بھی۔''

سادے پانی کا نام سن کر ان دونوں نے ہی ایک دوسرے کی طرف بے اختیار دیکھا تھا۔ سینیر ڈاکٹر افتخار صاحب کے کلوز فرینڈ تھے۔ یہ اسپتال بھی انہی کا تھا۔ انہوں نے آتے ہی مختصر طور پر صورت حال انہیں بتا دی تھی تاکہ پولیس تک بات نہ پہنچے۔

''سر' تمام بلڈ بینک سے یونیورسل پلازما دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔'' آپریشن تھیٹر سے سینیر ڈاکٹر گھبرائی ہوئی باہر آ کر بولی۔

''اوہ نو' بیڈ نیوز۔ خون ابھی ملنا بہت ضروری ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''سر' میرا بلڈ گروپ یہی ہے۔'' اسامہ' افتخار صاحب کا زرد چہرہ دیکھتا ہوا بولا۔ ''سر جلدی چلیں۔ مریضہ کی سانسیں رک رہی ہیں۔'' اندر سے نرس بھاگی ہوئی آئی تھی۔

دونوں ڈاکٹرز تیزی سے اندر کی طرف بھاگے۔ افتخار صاحب کو اگر اُسامہ پکڑ نہ لیتا تو وہ زمین پر گر چکے ہوتے۔

''یہ کیا ہو گیا بیٹا' میں اسے کیا جواب دوں گا۔ جس کی یہ امانت تھی میرے پاس۔''

اُسامہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے دل میں اس کے لئے کوئی جذبہ نہیں تھا۔ نہ ہی کوئی خوشگوار یاد مگر دل پر ایک نامعلوم سی اداسی اور وحشت سوار ہو چکی تھی۔ ضمیر سے ایک صدا اٹھ رہی تھی۔ وہ مر رہی ہے تو اس کی وجہ سے' اس کی موت۔

''مسٹر آپ خون دیں گے؟'' نرس اندر سے نکل کر تیزی سے اس کی طرف آ کر بولی۔

''جی۔''

''آیئے' میرے ساتھ۔'' وہ اُسامہ کے 'جی' کہتے ہی آپریشن روم کی طرف بڑھ گئی۔ وہ بے چین و پریشان انکل کو ہاتھ کے اشارے سے تسلی دیتا ہوا نرس کے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔ سامنے بیڈ پر بے ہوش لائبہ کو ڈاکٹرز آکسیجن لگانے میں مصروف تھے۔ اس کے بیڈ کے برابر میں ایمرجنسی بیڈ بچھا دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر کے اشارے پر وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ ڈاکٹر نے اس کی آستین فولڈ کر کے سوئی اس کی نس میں لگا دی۔ وہ ہاتھ سیدھا رکھ کر آرام سے لیٹ گیا تھا۔ اس کے جسم سے نکلتا قطرہ قطرہ خون بے حس و حرکت پڑی لائبہ کے جسم میں منتقل ہو رہا تھا۔

اُسامہ پر کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی تھی۔ سوئی کی چبھن کے احساس نے اس کی غنودگی کو توڑا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ ڈاکٹر اس کے بازو سے سوئی نکال رہا تھا۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر بہت شفقت سے مسکرایا تھا۔

''شاید میں سو گیا تھا۔'' وہ اٹھ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ اس کے اس حصے پر ڈاکٹر نے ڈریسنگ کر دی تھی' جہاں سے خون لیا گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہی پہلی نظر اپنے برابر کے بیڈ پر ڈالی' اسے وہاں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ آکسیجن پائپ اس کی ناک میں بدستور فٹ تھے۔ ایک بازو میں ڈرپ لگی تھی اور دوسرے بازو میں خون کی بوتل کی سوئی تھی۔

''اکثر خون دینے کے دوران غنودگی ہو جاتی ہے۔ آپ اٹھیں نہیں ابھی' طاقت کا انجکشن تو میں نے لگا دیا ہے۔ ایک ڈرپ آپ کے لگا رہے ہیں تاکہ کچھ انرجی آپ کو مل سکے۔''

''تھینک یو ڈاکٹر صاحب۔'' میں بالکل بھی کمزوری محسوس نہیں کر رہا۔ مجھے فوراً گھر جانا ہے۔'' اس نے کلائی پر بندھی رسٹ واچ کی سمت دیکھا۔ جہاں ایک اور پچاس کے ہندسے جگمگا رہے تھے۔ ''ان کی طبیعت کیسی ہے اب؟''

''اللہ کے بعد ان کی زندگی بچانے والے آپ ہیں۔ اگر آپ کا خون بروقت انہیں نہ مل پاتا تو ان کا زندہ رہنا ناممکن تھا۔'' ڈاکٹر کی نظروں میں اس کے لئے بہت احترام تھا۔

''ابھی تک انہیں آکسیجن ٹریٹ منٹ کیوں دی جا رہی ہے؟''

''انہیں سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی اس لئے یہ لگایا گیا تھا۔ صبح ہم اسے نکال دیں گے۔ ابھی تو فی الحال انہیں اس کی ضرورت ہے۔''

''ہوش کب تک آ جائے گا انہیں؟'' اُسامہ کی نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔ چند گھنٹے پہلے اس کا چہرہ گلابوں کو شرما رہا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ اس کے چہرے کی گلابوں بھری دلکشی کو محسوس کیا تھا۔ اب وہی زندگی سے چمکتا گلابی چہرہ موت کی زردی لئے مصنوعی تنفس کے سہارے زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔

''کیا میری وہ غیر ارادی نظر اتنی بری تھی۔'' اس نے دانت بھینچ کر سوچا۔

''چوبیس گھنٹوں میں انہیں ہوش آ جانا چاہئے پھر ہم ان کی کنڈیشن کا معائنہ کر سکیں گے۔ اس وقت ان کی زندگی کی کشتی موت کے خوفناک طوفان کی زد میں ہے۔ افتخار صاحب کو تو میں نے تسلی دی ہے مگر ان کے ہوش میں آنے تک اب دعا کی شدید ضرورت ہے۔ اب آپ فوراً ڈریس چینج کریں۔ ورنہ جراثیم آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔'' ڈاکٹر اس کے خون آلود لباس کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ لائبہ کو وہ بازوؤں میں اٹھا کر لایا تھا۔ اس وجہ سے اس کا وائٹ لباس اس کے خون میں سرخ ہو رہا تھا۔

وہ لائبہ پر ایک نگاہ ڈال کر باہر آ گیا۔ لائبہ کے پاس دو نرسیں اور لیڈی ڈاکٹر موجود تھیں۔ باہر بیٹھے افتخار صاحب اور ان کی بیگم اسے آتے دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔

''ٹھیک تو ہو بیٹا؟'' ان سات گھنٹوں میں وہ برسوں کے بیمار لگ رہے تھے۔

''جی انکل۔''

''لائبہ کیسی ہے۔ مجھے اصغر (سینیر ڈاکٹر) نے بتایا ہے۔ وہ اب ٹھیک ہے مگر نہیں معلوم کیوں۔ میرا دل۔''

''آپ پریشان مت ہوں انکل! ان کی ڈوبتی سانسیں اعتدال پر آ رہی ہیں۔ آپ دعا کریں۔'' وہ افتخار صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ کیونکہ شدت جذبات سے ان کی آواز رندھ گئی تھی اور بات ادھوری رہ گئی تھی۔

''اللہ اسے لمبی زندگی دے۔ مسرت بھری زندگی۔ اس نے سوائے محرومیوں کے دیکھا ہی کیا ہے۔'' بیگم افتخار آنکھیں صاف کرتی ہوئیں بولیں۔

''بھابی! آپ افتخار کو لے کر گھر چلی جائیں۔ میں فون پر آپ کو رپورٹ دیتا رہوں گا۔''

''نہیں اصغر بھائی۔ ہم اپنی بچی کو اس حالت میں چھوڑ کر گھر نہیں جا سکتے۔''

''انکل! میں گھر جاؤں۔ ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اُسامہ کی نظریں اپنی رسٹ واچ پر تھیں۔

''میں ابھی آپ سے یہی کہنے والا تھا۔ بہت ٹائم ہو چکا ہے مگر پہلے یہ کھا لیں۔ اتنا خون دینے کے بعد کمزوری ہو جاتی ہے۔ ابھی آپ ڈرائیونگ کر کے گھر بھی جائیں گے۔'' نرس ٹرالی میں دودھ اور فروٹ رکھ کر لے آئی تھی۔ انکل ٹرالی کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

''انکل' اس وقت میرا بالکل بھی موڈ نہیں ہے۔ پلیز آپ اصرار مت کیجئے۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''بیٹا' صرف دودھ ہی پی لیں۔ میں آپ کو اس طرح نہیں جانے دوں گی۔ آپ نے لائبہ کو خون دے کر بہت بڑا احسان کیا ہے ہم پر۔'' آنٹی کے بے حد اصرار پر اس نے صرف آدھا گلاس دودھ لیا۔

''کتنے سخت دل اور ظالم ہوتے ہیں کچھ لوگ ناحق خون بہایا کرتے ہیں۔'' اس کے وائٹ لباس پر لگے خون کو دیکھ کر آنٹی دکھ سے بولیں۔ انکل اور آنٹی سے اجازت لے کر وہ ڈاکٹر اصغر کی طرف بڑھ گیا۔ انہوں نے گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔ اس نے ایک نظر اس دروازے پر ڈالی' جس کے پیچھے وہ تھی پھر تیزی سے پارکنگ لاٹ کی سمت آ گیا۔ ڈرائیونگ ڈور کھولتے ہوئے اس کی نگاہ پچھلی سیٹ پر پڑی۔ اس کی آف وائٹ سیٹ پر سرخ خون جگہ جگہ جم چکا تھا۔

اس نے تیزی سے کار آگے بڑھا دی تھی۔ یہ خون' خون ناحق تھا۔ جو اسے اپنے وجود پر بھی محسوس ہو رہا تھا۔ بے شک وہ اس کے لئے بچھائے گئے موت کے جال میں پھنس گئی تھی۔

رات کا وقت تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک برائے نام تھی۔ وہ فل اسپیڈ میں کار چلا رہا تھا کیونکہ اسے فوزیہ بیگم کا خیال آ رہا تھا۔ وہ اس کے انتظار میں یقیناً جاگ رہی ہوں گی۔ یہ ان کا معمول تھا۔ رات کو وہ جب تک گھر آ کر اپنے بیڈ روم میں نہیں چلا جاتا تھا وہ سوتی نہیں تھیں۔ ابھی بھی وہ اس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ اس کا سب سے بڑا مسئلہ اس وقت اپنے خون آلود کپڑے تھے' جنہیں دور سے دیکھتے ہی نہ معلوم ان پر کیا بیتتی۔ اسے صورت حال بتانے کا تو موقع بعد میں ہی ملتا کیونکہ اس کے اور جمشید خان کے گروپ کے درمیان جو کشیدگی چل رہی تھی' اس سے سب گھر والے اچھی طرح واقف تھے۔ اس کے ذہن میں کوئی ترکیب آ ہی نہیں رہی تھی۔ ذہن پر غنودگی اور جسم میں نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ جوان تھا' طاقت ور تھا' بلند ہمت تھا پھر بھی انسان ہی تھا۔ لائبہ کی حالت نے اس کے دل و دماغ پر اچھا اثر نہیں ڈالا تھا۔ گو کہ لائبہ بچ گئی تھی مگر وہ تو سرنگوں ہو گیا تھا۔ یہ موت کی سازش لائبہ کے لئے نہیں' خود اس کے لئے تھی' جس کی انجانے میں لائبہ شکار ہو گئی تھی۔

اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ بہکنے لگے تھے۔ آخری راستہ بہت مشکل کے ساتھ طے ہوا۔ چوکیدار نے اس کی کار پہچانتے ہی فوراً گیٹ کھول دیا۔ ڈرائیو وے پر کار چلاتے ہوئے اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ سامنے ٹیرس پر ممی کے ساتھ ثمیر بھی کھڑا تھا۔ اس کی کار دیکھتے ہی وہ دونوں ہی تیزی سے اندرونی سیڑھیوں کی طرف بڑھے تھے۔ اُسامہ نے کار پورچ میں لاکھڑی کی۔ شیشے کا دروازہ کھول کر وہ اندر آ گیا۔

''اسامہ۔'' تیزی سے اس کی طرف بڑھتی ہوئی فوزیہ بیگم اس کے لباس پر نظر پڑتے ہی خوف سے چیخیں۔ ان کے دونوں ہاتھ سینے پر تھے۔ ثمیر بھی پریشانی سے اس کی طرف دیکھتا ہوا' چکراتی ہوئی فوزیہ بیگم کو سنبھال رہا تھا۔ وہی ہوا تھا جس کا اندیشہ اسے پہلے ہی تھا۔

''ممی' ممی' مجھے کچھ نہیں ہوا۔ دیکھیں پلیز' مجھے چھو کر دیکھیں۔'' وہ انہیں اپنے بازوؤں میں لے کر پریشانی سے بولا۔

''یہ خون! یہ خون کیسا ہے تمہارے کپڑوں پر۔'' بیٹے کے بازوؤں کی بھرپور طاقت نے انہیں سب کچھ ٹھیک ہونے کی نوید دے دی تھی مگر اس کے خون آلود کرتے نے انہیں بدحواس کر رکھا تھا۔

''ممی۔ یہ خون میرا نہیں ایک لڑکی کا ہے۔'' اس نے ان سے علیحدہ ہوتے ہوئے شکستہ لہجے میں کہا۔

''لڑکی۔'' ثمیر لڑکی کا نام سن کر ایسے اچھلا' جیسے اس نے الیکٹرک کیبل کو چھو لیا ہو۔ حیرت و پریشانی سے اس کا منہ ڈھکن سے محروم مین ہول کی طرح کھل گیا تھا۔ اُسامہ نے اسے ایک لمحے کے لئے غصے سے گھورا تو اس نے جھٹ دانتوں تلے زبان دبالی۔

''مگر یہ آپ کے ڈریسنگ کیسی ہوئی ہے۔ شاید ان کو مکمل تسلی نہیں ہوئی تھی۔ جبھی وہ اسے ہاتھوں سے چھو کر چیک کر رہی تھیں۔ اس کی نبض کے قریب بندھی ڈریسنگ پر ان کی نظر پڑی تو وہ چونک کر بولیں۔ ثمیر خاموش کھڑا تھا۔

''ممی' اس لڑکی کے گروپ کا خون کہیں سے دستیاب نہیں ہو رہا تھا اور اتفاق سے میرا بلڈ گروپ وہی ہے اگر میں خون نہیں دیتا تو شاید ......''

''یہ بہت بڑی عبادت ہے بیٹا' بہت اچھا کیا آپ نے۔ چلیں' آپ کپڑے تبدیل کریں۔ میں آپ کے لئے اتنی دیر میں چکن سوپ تیار کرتی ہوں۔'' ماں دنیا کا خوبصورت ترین وجود ہے' ماں کے قدموں کے نیچے جنت' اللہ نے اس کے ممتا کے لازوال جذبے کو پرکھ کر رکھی ہوگی۔ فوزیہ بیگم کی بے قرار ممتا کو قرار آ گیا تھا۔ وہ بیٹے کو بہت پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ بیٹا ان کو اپنی جان سے بھی پیارا تھا۔

''ممی! اس وقت آپ مجھے صرف ایک کپ اسٹرونگ چائے لادیں۔ میرا سوپ کا بالکل بھی موڈ نہیں ہے۔ چائے کے علاوہ اور کچھ مت لایئے پلیز ......''

فوزیہ بیگم نے اس سے اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا' کیونکہ اس کا قطعی لہجہ وہ سمجھ چکی تھیں۔

''یہ رات کے ڈھائی بجے شریفوں کا شیوہ نہیں ہوتا' گھر میں آنے کا اگر تمہیں کسی کا ڈر نہیں ہے تو کم از کم اپنی ممتا کی ماری ماں کا ہی خیال کرو جو تمہاری محبت میں اندھی' رات تک بے آرام ہو کر تمہارا انتظار کرتی ہے۔'' وہ ابھی وہاں سے بیڈ روم میں جانے ہی والا تھا کہ اسد صاحب سلیپنگ گاؤن میں ملبوس وہاں آ کر غصے سے بولے۔ ان کا رخ دوسری طرف تھا۔ مخاطب وہ اُسامہ سے تھے۔

اُسامہ خاموشی سے وہاں سے ثمیر کے ساتھ چلا گیا۔

''موقع محل دیکھ کر بات کیا کریں آپ۔ یہ وقت ہے اس طرح چیخنے کا۔'' کچن کی طرف جاتی ہوئی فوزیہ بیگم ان سے شکایتی لہجے میں بولیں۔

''اور یہ وقت ہے تمہارے لاڈلے کے گھر آنے کا۔'' وہ بری طرح غصے میں تھے۔

''کوئی مجبوری بھی ہو سکتی ہے اس کی۔''

''کیسی مجبوری۔ آوارہ گردی کرتے پھرتے ہیں نواب صاحب ''بڑے'' جو ہو گئے ہیں۔ نہ باپ کی عزت کا خیال ہے' نہ خاندان کی بدنامی کا ڈر۔ بیچ کھائی ہے شرافت۔''

''جیسا میرا بچہ ہے' ایسے ہیروں سے اللہ بہت کم لوگوں کو نوازتا ہے۔ آپ کیا میرے بچے کو آوارہ گردی کا طعنہ دے رہے ہیں۔ میرے بچے کی معصومیت اور شرافت کا یہ ثبوت ہی بہت بڑا ہے کہ آپ کی بے جا الٹی سیدھی باتوں کا جواب دینا تو کجا وہ آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ خاموشی سے سنتا ہے آپ کی ڈانٹ پھٹکار۔ آج کل کے وقت میں کوئی اولاد ماں باپ کی معمولی سی بات بھی برداشت نہیں کرتی شکر کیجئے کہ آپ کو اتنا فرماں بردار' نیک سیرت بیٹا ملا ہے۔ جایئے آپ جا کر آرام کیجئے۔''

''تین بج رہے ہیں۔ اب کیا خاک آرام ہوگا۔'' وہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے۔

وہ کچن میں چلی گئیں۔ انہوں نے اسد صاحب کو اصل صورت حال اس لئے بھی نہیں بتائی کہ اصل معاملہ جان کر وہ نیا ہنگامہ ابھی اسی وقت شروع کر دیتے۔

اُسامہ نہانے کے بعد کپڑے تبدیل کر کے باہر نکلا تو تین بج چکے تھے۔ سامنے اس کے بیڈ پر ثمیر لیٹا ہوا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''تم سوئے نہیں ابھی تک۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل سے برش اٹھا کر بال بناتا ہوا بولا۔

''نہیں' میں سوچ رہا ہوں۔ جو آپ کا بلڈ گروپ ہے' وہی میرا بھی ہے اور کمال کی بات ہے کہ ڈیڈی کا بھی بلڈ گروپ یہی ہے۔''

''اس میں سوچنے والی بات کیا ہے۔ اکثر لوگوں کے بلڈ گروپس ایک ہوتے ہیں۔''

''آنٹی' آپ نے کیوں زحمت کی۔ مجھے آواز دے لی ہوتی۔ میں لے آتا۔'' ثمیر' فوزیہ بیگم کو ٹرے میں دودھ کا گلاس اور چائے کا کپ لاتے دیکھ کر شرمندگی سے بولا۔

''بیٹا! آپ یہاں چند دنوں کے مہمان ہیں۔ میں کام کرواتی ہوئی اچھی لگوں گی آپ سے۔ چلو شاباش جلدی سے یہ گلاس خالی کرو۔'' وہ دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔ اُسامہ ان کے نزدیک آ کر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''کیا بات ہو گئی تھی بیٹا۔ کیا ہو گیا تھا' اس لڑکی کو۔'' وہ چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

''ممی! رات بہت ہو گئی ہے۔ آپ بہت بے آرام ہو چکی ہیں پہلے ہی' آپ ابھی سو جائیں' صبح آپ کو سب بتا دوں گا۔ میری وجہ سے کتنی پریشان رہتی ہیں آپ۔'' وہ ان کے ہاتھ چومتا ہوا بولا۔ ان کی محبت نے اس کی ساری تکلیف دور کر دی تھی۔

''یہ تو میرا فرض ہے بیٹا۔ آپ مجھے بتاؤ۔ کیسا میرا دل کٹ رہا ہے' اس بچی کے لئے' کیسا گاڑھا گاڑھا خون جما ہوا تھا آپ کے کپڑوں پر۔'' ان کے لہجے میں دکھ تھا۔

''ممی' اس لڑکی کو پارٹی میں کسی نے پانی میں ملا کر زہر دے دیا تھا۔ اس نے پانی صرف دو تین گھونٹ پیا تھا اگر سارا پی لیتی تو اسے وہاں سے اسپتال لانے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ فوراً ہی افتخار انکل اور میں اسے اسپتال لے گئے۔ وہاں اسے ایمرجنسی میں کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر لے لیا گیا۔ ابھی تک وہ انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں ہے۔''

''نہ معلوم کس کے جگر کا ٹکڑا ہے' کس ماں کے کلیجے کی ٹھنڈک ہے اسے اس طرح خون تھوکتے دیکھ کر اس کی ماں کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اللہ زندگی دے اس بچی کو۔'' اس کی اور ثمیر کی پیشانی چوم کر وہ کمرے سے چلی گئی تھیں۔

''تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ سوؤ گے نہیں کیا۔'' وہ ثمیر سے مخاطب ہوا۔

''نہیں' آج میں آپ کے پاس ہی سوؤں گا۔ میرے خیال میں آپ کو اکیلے چھوڑنا مناسب نہیں۔''

ثمیر کی فیملی عمرے کی سعادت حاصل کرنے سعودیہ گئی ہوئی تھی۔ ثمیر میڈیکل کا اسٹوڈنٹ تھا۔ پریکٹیکل کی وجہ سے نہیں جا سکا تھا۔ اسی وجہ سے یہاں رہائش پذیر تھا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے جو زہر اس لڑکی نے پیا ہے' وہ آپ کے حصے کا تھا۔'' ثمیر کی درست قیاس آرائی پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس وقت اس کے چہرے کی مخصوص شوخی اور شرارت غائب تھی۔ بہت سنجیدہ اور بردبار لگا' اسے وہ اس وقت۔

''یہ تم کس وجہ سے کہہ رہے ہو؟''

''میرا ایک دوست آپ کے ہی ڈپارٹمنٹ میں پڑھتا ہے اور آپ کا زبردست فین ہے۔ اس نے بتایا تھا' جمشید خان شکست کھا کر زخمی ناگ بن چکا ہے۔ وہ موقع ملتے ہی ڈسنے کی کوشش کرے گا۔

اس نے ثمیر کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی طبیعت بے چین تھی' دماغ میں آندھی کے جھکڑ سے چل رہے تھے۔ سمجھ تو وہ پہلے ہی گیا تھا کہ اس حرکت کے پیچھے جمشید خان کا ہی ہاتھ ہے لیکن وہ اتنی کمینگی پر اتر آئے گا' اس کا تصور بھی اس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ ویٹر کے لباس میں اس کا آدمی تھا مگر اس کی بازی الٹ گئی تھی۔ اس کی سازش کی زد میں ایک بے قصور لڑکی آ گئی تھی۔ اس کی نگاہوں میں لائبہ کا زرد آکسیجن ماسک میں جکڑا چہرہ گھومنے لگا۔ جس کی طرف دیکھنا بھی وہ گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس میں اتنا وقار' اتنی تمکنت تھی کہ وہ عام لڑکیوں میں نمایاں نظر آتی تھی۔ اسے وہ یونہی پوز کرتی لگتی تھی۔ لڑکیوں کا جو ایک چیپ سا تصور اس کے ذہن میں بن چکا تھا' یہ لڑکی اسے ویسی ہی لگا کرتی۔ لائبہ کے بارے میں اس کا اندازہ تھا کہ اس لڑکی نے خود پر ماسک چڑھایا ہوا ہے۔ بہت جلد وہ اصلیت پر آ جائے گی۔ جمشید خان کو بھی اس کے اردگرد چکر لگاتے ہوئے وہ دیکھ چکا تھا۔ لائبہ کو اس نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ جمشید خان کی فطرت سے آگاہ تھا۔ وہ جس چیز کو پسند کر لے' وہ اگر اسے حاصل نہ ہو تو وہ چھین لیا کرتا تھا۔ اسی لئے اس نے اس کی نگرانی شروع کر دی تھی۔

اس نے ثمیر کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے بیڈ پر بے خبر سو رہا تھا۔ اسامہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ ایک بے نام اضطراب اس کی روح میں گردش کر رہا تھا' اگر اسے کچھ ہو گیا تو شاید میرا ضمیر کبھی مجھے سکون سے نہیں رہنے دے گا۔'' دعا تقدیر کے لکھے کو پلٹ دیتی ہے۔ دل سے نکلی ہوئی دعا۔ بغیر کسی حیل وحجت کے عرش الٰہی کے پاس پہنچتی ہے۔ ایک خیال بجلی کی طرح کوندا تھا۔ وہ وضو کرنے کے لئے واش روم کی طرف بڑھ گیا' تا کہ اس موت سے لڑتے وجود کے لئے اپنے رب سے گڑگڑا کر زندگی کی بھیک مانگے۔

✦ ✦ ✦

''کیا بات ہے استاد! اس رات کو میری سمجھ میں نہیں آیا' تمہیں ہوا کیا تھا۔ ہاتھ آیا سارا مال تم نے پھنکوا دیا تھا۔ عارف اور جلیل کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ جب سے اب تک ہم ایسے ہی بیٹھے ہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا' یہ کیا چکر ہے۔''

''یہ کام مجھے پہلے ہی پسند نہیں تھا مگر اب (دو کالی سہمی ہوئی آنکھیں اسے اپنے اندر جھانکتی ہوئی محسوس ہوئیں) بالکل دل نہیں کرتا۔ میں سوچتا ہوں' کہیں مزدوری وغیرہ کر لوں۔''

''مجھے تو کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے استاد! تم اور مزدوری کرو گے۔''

''کیوں' جو مزدوری کرتے ہیں' وہ میری طرح انسان نہیں ہوتے۔''

''ہوتے ہیں استاد مگر تمہاری طرح نہیں ہوتے۔ تم بہادر ہو' طاقتور ہو' جو انسان چھین لینے کی قوت رکھتا ہے' اسے مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی ہمارے ملک میں محنت بہت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ پیسہ بہت تھوڑا ملتا ہے۔ چاہے ہم فیکٹریوں' کارخانوں میں کام کریں یا ریت' سیمنٹ' اٹھا کر مزدوری کریں۔ صبح سے شام تک گدھوں کی طرح کام کرنے کے بعد جو پیسہ تمہارے ہاتھ پر رکھا جائے گا' وہ تین وقت کے کھانے کے لئے بھی ناکافی ہوگا۔'' جلیل نے اس کی سنجیدہ صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''تیرا کیا مقصد ہے۔ روزانہ جو ہزاروں لوگ مزدوری کر کے پیٹ کا جہنم بھرتے ہیں' وہ کیا سیمنٹ' بجری سے پیٹ بھرتے ہیں۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

''وہ دال روٹی کھا کر' مست ہو جانے والے لوگ ہیں۔ تمہارا اسٹائل ایسا نہیں ہے استاد۔''

''دعوے تو بہت ہوتے ہیں' ہمارے رہنماؤں کے' غریبوں کی غربت دور کرنے کے' اچھے روزگار دینے کے مگر ہر بار غریبوں کی گردنوں میں پھندے تنگ کر دیے جاتے ہیں۔ غربت' مہنگائی' بے روزگاری' فاقے صرف ہم جیسے لوگوں کا نصیب بن جاتے ہیں۔''

''ہاں استاد! ہم جیسے لوگ' جو غربت کی وجہ سے پڑھ لکھ نہیں سکے ہیں تو مزدوری ہی کریں گے مگر جب کام کے بعد مزدوری کا چوتھائی حصہ ہمیں ملے گا تو سوچو کس طرح ہمارے گھروں کے چولہے تین وقت جلیں گے۔ تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا' رہنے کے لئے چھت ہم کس طرح بنا سکتے ہیں۔'' جلیل کافی حساس طبیعت کا نوجوان تھا۔

''پھر کس طرح اپنا مسئلہ حل ہوگا۔ میرے پاس جو کچھ بچا ہوا تھا' وہ میں نے آپا کی شادی میں لگا دیا۔'' اس نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا'۔ یہ حقیقت ہے کہ نیکی اور بدی کے درمیان فاصلہ بہت کم ہوتا ہے اگر کوئی شخص نفس کی سرکشی میں بدی اور گناہ کی دلدل میں ایک بار گر جائے تو وہ اس دلدل میں دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔ اگر وہ اس میں سے نکلنا بھی چاہے تو بدقسمتی سے اسے ایسے ہی آلودہ ہاتھ واپس اسی دلدل میں پھینک دیتے ہیں۔

انور کے اندر موجود نیکی کی طاقت جو کبھی کبھی اس کے ضمیر کو جھنجوڑ دیتی تھی' مگر اس نے جن محرومیوں میں زندگی گزاری تھی۔ وہ باپ کی شفقت سے محروم ہی رہا تھا۔ وہ باپ جس نے کبھی انہیں مضبوط چھت مہیا نہیں کی' بھوک اور بدحالی کی مضبوط چادر میں ان کے وجود کو چھپا کر خود عیش کی زندگی بسر کی' ان حالات نے اسے بہت خودسر' ضدی' منہ پھٹ اور بدتمیز بنا دیا تھا اور وہ باپ کی غفلت کا بدلہ اکثر ماں بہنوں سے لڑ کر لیا کرتا تھا۔ اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ وہ بھی اسی کی طرح ظلم کا شکار رہیں۔ ان کالی متوالی آنکھوں نے اسے پھر سے نیکی کی راہ پر چلنے کی لگن بخشی تھی۔ مگر جلیل نے جو کچھ بھی کہا' وہ اپنی جگہ اٹل تھا۔ کاش' ہمارے معاشرے میں پھیلی غیر منصفانہ تقسیم مٹ جائے۔

وہ ضمیر کی آواز دبا کر جلیل کی نئی اسکیم سننے لگا۔ ان کالی فسوں خیز نگاہوں سے بھی اس نے وقتی طور پر دامن بچا لیا تھا۔

✦ ✦ ✦

''ہیلو سر' میں اُسامہ بول رہا ہوں۔ کیسی ہیں مس نور۔ ہوش آیا انہیں۔ کس وقت' ابھی دس منٹ قبل۔'' اُسامہ ریسیور تھامے ڈاکٹر سے مصروف گفتگو تھا۔

''نہیں نہیں آپ انکل کو مت بلائیں۔ ویسے کیسا فیل کر رہی ہیں وہ۔ اوکے پھر آپ سے اسپتال میں ہی ملاقات ہوگی۔ تھینکس گاڈ۔'' اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر بیڈ پر لیٹتے ہوئے بے اختیار کہا۔ اسے خود پر سے پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی بوجھ سرکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''کیا ہوش آ گیا اس لڑکی کو؟'' ممی کی پرتجسس آواز پر اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ نہ معلوم کب اس کے لئے سوپ لے کر کمرے میں آ گئی تھیں۔

''جی ممی۔ آپ کمرے میں کب آئیں۔'' اپنی کم دماغی پر وہ بے حد نادم ہوا۔

''جب آپ فون کر رہے تھے۔ شکر ہے خدا کا جس نے اس بچی کو نئی زندگی دی۔ آپ اب اطمینان سے یہ چکن سوپ پی لیں۔ رات سے کچھ بھی نہیں لیا۔ اب میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔ ساری رات آپ نے آرام نہیں کیا۔ کچھ دیر آرام کر لیں۔ جب تک میں خالہ کے ساتھ مل کر ناشتہ تیار کرواتی ہوں۔''

''شمیر نماز پڑھ کر جوگنگ پر نکل گیا تھا۔ آیا نہیں اب تک؟'' وہ چمچے سے سوپ پیتا ہوا بولا۔

''لان میں آپ کے ڈیڈی کے ساتھ بیٹھا جوس پی رہا ہے۔ اسے بھی آپ کے ڈیڈی کی طرح ایپل جوس پسند ہے۔ آپ اسپتال کس وقت جائیں گے؟'' اُسامہ نے سوپ کا بھرا چمچہ ان کے منہ کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے سوال کیا۔

''ابھی کچھ دیر بعد یعنی ناشتا کرنے کے بعد کیونکہ ابھی تو چھ بج رہے ہیں۔''

''میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔''

''آپ.....'' اس نے چمچہ پیالے میں رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔'' آپ کیا کریں گی' وہاں جا کر۔'' وہ انہیں وہاں جا کر کوئی کہانی نہیں بنوانا چاہتا تھا۔

''میں اس خوش بخت لڑکی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ جس کی زندگی کی دعائیں مانگتے ہوئے' اللہ کے آگے سجدے میں گڑگڑاتے ہوئے اپنے اس چاند سے بیٹے کو دیکھا ہے۔ وہ لڑکی کوئی عام لڑکی نہیں ہو سکتی' جس کی تکلیف کے احساس نے ساری رات میرے بیٹے کو بیڈ سے دور رکھا ہے۔'' ان کے لبوں پر شفیق سی مسکراہٹ تھی۔ اُسامہ کو جیسے کسی نے ہواؤں میں معلق کر دیا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلے اطمینان کے رنگوں نے انہیں شدید غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ جس سے گریز پا تھا' اس کہانی کا آغاز اس کی رگوں میں دوڑنے والی ہستی نے کر دیا تھا۔ وہ بوکھلا اٹھا تھا۔

''ممی' ممی آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میرے جذبات اس قسم کے نہیں ہیں۔ جو آپ سمجھ رہی ہیں۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' وہ کس طرح انہیں یقین دلائے۔

''تو کیا آپ اس وجہ سے اتنے کانشس ہو رہے تھے کہ اس لڑکی نے آپ کی یعنی یونین کی طرف سے دی جانے والی پارٹی میں زہر پیا۔'' بیٹے کے سچے لہجے کو پہچان کر وہ حیرانی سے بولیں۔

''بات یہ نہیں ممی! دراصل بات یہ ہے کہ میں نے ویٹر سے پانی منگوایا پینے کے لئے۔ ویٹر چلا گیا اور اسی لمحے مجھے افتخار انکل نے بلا لیا۔ ان کے پاس اور بھی بہت سے اسٹوڈنٹس بیٹھے تھے۔ ان کے اشارے پر میں بھی بیٹھ گیا۔ مس نور جو انکل کی رشتے دار ہیں' ان کے برابر میں بیٹھی تھیں۔ اتفاق سمجھیں یا ان کی تقدیر کہ انہیں بھی اسی وقت پیاس لگ گئی۔ ویٹر اسی وقت پانی لے کر آیا تھا۔ یوں پانی میرے پینے کے بجائے ان کے حصے میں آ گیا۔ دراصل وہ زہریلا پانی میرے لئے لایا گیا تھا۔''

''یا اللہ!'' فوزیہ بیگم نے بے اختیار دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے۔

''یہ بات میں آپ کو کبھی نہیں بتاتا کہ آپ پریشان ہوں گی مگر......''

''ٹھیک کہتے ہیں آپ کے ڈیڈی۔ سیاست اب سیاست نہیں رہی ہے۔ چھوڑیں بیٹا آپ یہ سیاست' زندگی آپ کی ہمیں سب سے بڑھ کر عزیز ہے۔''

''نہیں ممی' چند بے ضمیر مفاد پرست لوگوں سے ڈر کر یونہی راہ فرار تلاش کرتے رہے تو اس ملک کو بنانے میں جو بے شمار قربانیاں دی گئی ہیں' سب رائیگاں چلی جائیں گی۔ زندگی اور موت اللہ کے سوا کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہے' اگر ایسا ممکن ہوتا تو میں اس وقت آپ کے پاس نہ بیٹھا ہوتا۔'' وہ رومال سے ہاتھ منہ صاف کرتا ہوا بولا۔

''اللہ بچائے سب کو بری آفتوں سے۔ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اب تو میں ضرور جاؤں گی اس بچی کو دیکھنے۔ جس نے انجانے میں ہی سہی میرے بیٹے کی بلا اپنے سر لے لی۔'' ایک نیا جذبہ' نئی امنگ سے وہ ہمکنار ہو گئیں۔

''ممی' وہ افتخار انکل کی رشتے دار ہے اور ان کی فیملی وہاں موجود ہے۔'' اپنی دانست میں اس نے انہیں روکنے کا نیا جواز نکالا۔ حیدر' نادر وغیرہ ویسے ہی اسے لائبہ سے انچ کرنے کی پلاننگ کرتے رہتے تھے۔ اس کے خشک سرد رویے کی وجہ سے وہ کھلم کھلا ظاہر نہیں کرتے تھے مگر ان کا اکثر گٹھ جوڑ ان دونوں کے ملاپ کے لئے ہی رہتا تھا۔ اور اب ممی کو ساتھ لے جانے کا مقصد انہیں مکمل اظہار آزادی دینے کا تھا۔ لو اسٹوریز بنانے میں ان جیسی مہارت کوئی رکھتا نہ تھا اور وہ ایسی کسی بے ہودہ کہانی کا ہیرو بننے کے لئے ہرگز تیار نہ تھا۔

''افتخار بھائی کی رشتے دار ہے۔'' انہوں نے کچھ حیرانی و پریشانی سے پوچھا۔

''جی اور شاید بہت ہی قریبی۔'' اس کی نظروں میں افتخار صاحب کا آنسو بھرا چہرہ گھوم گیا۔

''پھر تو مجھے اماں جان سے اجازت لینی پڑے گی۔'' وہ اُسامہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔

''نو بجے اسد صاحب ناشتا کر کے دفتر کے لئے روانہ ہو گئے۔ اُسامہ اور شمیر بھی ناشتے سے فارغ ہو گئے تھے۔ فوزیہ بیگم ناشتے کے بعد ملازمہ کو ٹیبل کی صفائی کرنے کا کہہ کر اماں کے کمرے کی طرف آ گئیں تاکہ ان سے اجازت لیں۔ اُسامہ اور شمیر تیار ہونے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ اماں اخبار کا مطالعہ کر رہی تھیں۔

''السلام علیکم اماں۔'' وہ ان کے قریب بیٹھ گئیں۔ اماں سلام کا جواب دے کر اخبار ایک طرف رکھتی ہوئی ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ کیونکہ اتنی جلد ان کی آمد کسی وجہ سے تھی۔ عموماً وہ میاں اور بیٹے کو رخصت کرنے کے بعد ملازماؤں سے صفائی ستھرائی کرانے اور دوپہر کے کھانے کا انتظام کر کے بارہ بجے تک آتی تھیں۔

انہوں نے اماں کو اُسامہ کی بتائی ہوئی ساری باتیں بتا دیں۔

''اب اماں' میں چاہ رہی ہوں اس لڑکی کو ایک نظر دیکھ آؤں۔ اس کی وجہ سے ہمارا بچہ بچ گیا۔''

''کیسی بچوں والی باتیں کر رہی ہو بہو۔ اس لڑکی نے جان بوجھ کر تو زہر نہیں پیا۔ وہ زہر ہمارے بچے کے نصیب کا تھا ہی نہیں تو کیسے اسے مل سکتا تھا۔''

''اماں! آپ کی بات درست ہے مگر پھر بھی ہمارا فرض بنتا ہے' اس لڑکی کی عیادت کرنے کا۔''

''وہ لڑکی افتخار کی کچھ نہیں ہوتی تو ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے مگر ہم اس گھر میں' اس خاندان میں' کسی بچے کے منہ سے بھی یہ نام سننا پسند نہیں کرتے تو اس کی رشتے دار لڑکی کو ایک نظر بھی دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔'' اماں بے حد غصے میں تھیں۔

''اماں! میں یہ دیکھ نہیں رہی کہ اس لڑکی کا تعلق کس سے ہے۔ وہ لڑکی میرے بچے کی وجہ سے موت سے لڑی ہے۔ میں ایک دفعہ اس کی پیشانی ضرور چومنا چاہتی ہوں۔'' زندگی میں پہلی مرتبہ فوزیہ بیگم نے ساس کے سامنے زبان کھولی تھی مگر آواز نیچی اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ان کے احتجاج میں بھی احترام شامل تھا۔

''ہم اپنی بات کو دہرانے کے عادی نہیں ہیں اگر تم اپنی من مانی کرنا چاہتی ہو تو شوق سے کر سکتی ہو مگر اپنا انجام سوچ لینا۔'' کتنا سرد و سفاک لہجہ تھا ان کا۔ فوزیہ بیگم سب کچھ بھول کر ان کے گلے سے لگ گئیں۔

''مجھے معاف کر دیں اماں جان! رات سے میں بڑی الجھن کا شکار ہوں۔ اس وجہ سے آپ سے گستاخی کر گئی۔''

''کوئی بات نہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہمیں بہوئیں بھی بیٹیوں کی طرح محبت کرنے والی ملی ہیں۔'' وہ ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت سے بولیں۔

''اچھا بیٹا' میری طرف سے بھی اس کی طبیعت پوچھیے گا۔'' فوزیہ بیگم اُسامہ کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔ وہ پہلے ہی جان چکا تھا' اماں افتخار صاحب کا نام سن کر کبھی بھی انہیں اجازت نہیں دیں گی' بلکہ بہت جلد اب اس سے بھی سختی سے بازپرس ہوگی۔ نہ معلوم کیا وجہ تھی۔ اماں افتخار صاحب کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتی تھیں۔

اس نے کار زرے کی رنگ اٹھائی' ممی کو خدا حافظ کہتا ہوا باہر آ گیا۔ ممی حسب معمول خدا حافظ کہنے اس کے پیچھے پورچ تک آئیں۔ وہ گاڑی گیٹ سے باہر نکالنا چاہتا ہی تھا کہ شمیر پیچھے سے بھاگتا ہوا آ گیا۔ اسے کار روکنی پڑی۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔''

''کہاں چلو گے؟''

''اسپتال' انہیں دیکھنے۔''

''وہ کوئی عجوبہ نہیں ہے۔ انسان ہے تمہاری طرح۔'' اس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے وہ عاجز رہتا تھا۔

''میری طرح۔ آپ کی طرح کیوں نہیں۔'' بات پکڑنے میں وہ ماہر تھا۔

''شٹ اپ' ہٹو مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ غصے سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''دیر ہو رہی ہے' ان کے پاس جانے کی۔ صرف آخری بات بتا دیں۔''

''بکواس کر کے کیوں ٹائم ضائع کر رہے ہو۔'' وہ ڈرائیونگ ڈور ہینڈ پر دونوں کہنیاں ٹکائے کھڑا تھا۔

''بالکل سچ سچ بتایئے گا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا'۔ یہ مس نور وہی بُندوں والی ہیں نا۔''

''آہ۔'' اگر وہ تیزی سے پرے نہیں ہٹتا تو نہ معلوم کہاں کہاں چوٹیں آتیں کیونکہ اس کے سوال کے جواب میں وہ تیزی سے کار اسٹارٹ کر کے گیٹ سے نکل چکا تھا۔ وہ دونوں کہنیوں کو سہلاتے ہوئے سوچ رہا تھا' کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے پھر ہنستا ہوا اندر کی سمت چل دیا۔

✦ ✦ ✦

اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) اللہ اکبر' قریبی مسجد سے ایمان افروز آواز جیسے ہی بلند ہوئی' لائبہ کے ساکت وجود میں آہستہ آہستہ حرکت پیدا ہونے لگی۔ ڈاکٹرز اور نرسیں وہاں الرٹ کھڑی تھیں۔ ان کی مکمل توجہ اس کی طرف تھی۔

''ماما......آہ۔'' اس کے لبوں سے نوزائیدہ بچے جیسی کمزور آواز نکلی۔ آنکھیں کھولنے کے بعد اس نے سفید کپڑوں میں ملبوس چہروں پر نگاہ ڈالی۔ وہ آنکھیں کھولے

غائب دماغی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''مبارک ہو بیٹا آپ کو ہوش آ گیا ہے۔'' سینیئر ڈاکٹر کی پرجوش مسرت بھری آواز نے اس کے لاشعور کو جھنجوڑ دیا۔

''کیا میں زندہ ہوں؟'' عجیب لہجے میں سوال کیا گیا تھا۔

''جی بالکل' زندہ ہیں۔'' لیڈی ڈاکٹر پہلی مرتبہ اطمینان سے مسکرا کر بولی۔

''میری ماما کہاں ہیں۔ مجھے یہاں کون لایا ہے۔'' اس کی آواز میں نہایت تکلیف پنہاں تھی۔

''پلیز بیٹا آپ بالکل بھی ابھی بات مت کریں۔'' ڈاکٹر نے تنبیہہ کی۔ لیڈی ڈاکٹر باہر آ گئی۔

جہاں ویٹنگ روم میں وہ سب بے چین و پریشان تھے۔ ماما کو رات ہی شاہ رخ لے آیا تھا' لائبہ کو دیکھ کر جو ان کی حالت بگڑی تو انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ کوئی تسلی' کوئی دلاسا انہیں قرار نہیں پہنچا سکا تھا۔

افتخار صاحب انہیں دیکھ کر کافی حد تک سنبھل گئے تھے۔ ان کو اور ان کی مسز کو سمجھانے کے بعد انہوں نے وضو کر کے ان کے ساتھ جاء نماز پر رات گزاری تھی۔ وہ چاروں ان کی محبت وخلوص سے بے انتہا متاثر ہوئے۔ جو تڑپ پریشانی ان میں تھی۔ شاید ہی کسی ایسی عورت میں ہو جو دوسرے کے بچے کو پالتی ہے۔ وہ فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ ڈاکٹر نے انہیں آ کر لائبہ کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی۔

''میری جان۔'' ماما نے بے اختیار اس کی زرد پیشانی چوم لی۔ ساتھ ہی دو گرم موتی اس کی پیشانی پر ثبت ہو گئے۔

ماما کے بعد باری باری وہ سب اس سے ملے۔ افتخار انکل' آنٹی' شاہ رخ' طوبیٰ اور ماما سب کے چہرے کتنے مرجھائے ہوئے پریشان سے تھے۔ اس کو ایک نظر دیکھ کر ان کے چہرے مطمئن و مسرور ہو گئے تھے۔ طوبیٰ اس کے گال چومتی ہوئی فرط جذبات سے رو پڑی تھی۔ شاہ رخ نے اس کے ہاتھ کو چوم کر اپنی نم آنکھوں سے لگا لیا تھا۔ شوخ وشنگ سا لڑکا اس وقت بے حد سنجیدہ و فکرمند تھا۔ آنٹی اور انکل اس کی پیشانی چوم کر شکرانے کی نفلیں پڑھنے چلے گئے تھے۔ البتہ ماما اسے کچھ دیر تک دیکھتی رہی تھیں۔ جیسے اس کی ان سے ایک رات کی دوری صدیوں پر محیط ہو۔ ڈاکٹر نے انہیں بھی کمرے میں زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دیا تھا۔ انہیں صرف ایک نظر لائبہ کو دیکھنے کے بعد کمرے سے باہر بھیج دیا تھا۔ نرس نے ڈاکٹر کے اشارے پر اسے کوئی انجکشن لگایا تھا' جس کے فوری اثر نے اسے کچھ سوچنے کی مہلت نہیں دی۔ وہ چند لمحوں میں دنیا سے غافل ہو چکی تھی۔

اُسامہ اسپتال کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے سخت جھنجلاہٹ کا شکار تھا۔ اس کے ذہن میں ثمیر کے جملے (بالکل سچ سچ بتایئے گا۔ یہ مس نور وہی بندوں والی ہیں نا۔) گونج رہے تھے۔ وہ صرف شوخ وشریر ہی نہیں اعلیٰ درجے کی ذہانت بھی رکھتا تھا۔ جبھی انجانے میں بھی وہ 'بندوں'' کی حقیقت کو پہنچ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا' اسے کچھ سمجھانا گویا ریگستان میں پھول کھلانے کے مترادف ہے اور ممی کی زبانی وہ نام سے واقف ہو گیا ہے اور اب وہ اسے زچ کر کے رکھ دے گا۔

''آؤ آؤ بیٹا۔'' پہلے ہی کوریڈور میں افتخار صاحب اور شاہ رخ اسے کھڑے ہوئے مل گئے۔ انہوں نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ کافی دیر کے بعد اس سے الگ ہوئے۔

''مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے یار۔ تم نے لائبہ کو بروقت خون دے کر اس کی زندگی بچائی ہے۔ تم نے ثابت کر دیا ہے' جتنا حسین وبلند تمہارا سراپا ہے' اتنا ہی ہمدرد پرخلوص اور خوب صورت دل رکھتے ہو۔''

''ویسے دل رکھنے والی کچھ مشکوک سی بات ہے کیا تمہارا دل ابھی تک محفوظ ہے یعنی کسی حسن بے مثال پری چہرہ کے وار سے بچا ہوا ہے۔'' شاہ رخ کو جیسے کچھ یاد آیا تو مسکرا کر بولا۔

''نہیں' میرا دل الحمدللہ اپنی جگہ موجود ہے۔ تمہاری طرح مجھے کرائے پر دینے کی عادت نہیں ہے۔'' اس کے برجستہ جواب پر وہ بے اختیار ہنسنے لگا۔

''لائبہ کو پرائیویٹ روم میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ جب وہ شاہ رخ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو وہ سامنے سفید بیڈ پر سفید تکیوں کے سہارے نیم دراز تھی۔ نادرہ آنٹی اور ایک پروقار عمر رسیدہ عورت ہاتھ میں پیالہ اور چمچ لئے اسے کچھ کھلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل انکار کر رہی تھی آنسو بے تحاشا اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''ماما' میں نہیں کھاؤں گی۔'' بولتے وقت وہ اٹک رہی تھی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی۔ تکلیف کی شدت اس کی آواز میں موجود تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس کی بھاری آواز پر ایک لمحے کے لئے اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے سورج مکھی کی طرح زرد چہرے پر ہیروں جیسی گرین آنسو بہاتی آنکھوں میں درد کی شدت' زندگی سے بے زاری' جھنجلاہٹ' بے بسی' بے کسی' بہت ساری محرومیاں' بولنے لگی تھیں۔ اس نے فوراً نگاہیں چرا لیں اور شاہ رخ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''اگر بیٹا آپ کچھ کھائیں گی نہیں تو اور بھی تکلیف ہو گی۔'' اس کے سلام کا جواب دے کر آنٹی پریشانی سے لائبہ سے مخاطب ہوئیں۔

''پلیز آنٹی' مجھے لگ رہا ہے' جیسے میرے اندر بم بلاسٹ ہو گیا ہے جس سے میرا اندرونی وجود چیتھڑوں میں تبدیل ہو گیا ہے۔'' اُسامہ کے سامنے وہ رو کر اپنی تکلیف یا کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس نے اپنے آنسو رگڑ ڈالے تھے۔ شدید حیرت بھی اسے یہاں دیکھ کر ہوئی تھی کیونکہ پانی پینے کے بعد اسے صرف یہ احساس رہا تھا کہ وہ شدید تکلیف کے عالم میں مر رہی ہے۔ گلا اور پیٹ بری طرح جلتا ہوا محسوس ہونے کے بعد اسے زبردست خونی الٹیاں ہوئی تھیں اور پھر اس کا ذہن تاریکیوں میں گم ہو گیا تھا۔ آج صبح اس کی آنکھ فجر کی اذان کے ساتھ ہی کھلی تھی۔ کیونکہ فجر کی اذان وہ جاء نماز پر ہی سننے کے بعد نماز پڑھتی تھی اور اس کی اس عادت کا لاشعور اس قدر عادی ہو گیا تھا کہ اس عظیم پکار' اس معتبر بلاوے پر لاشعور نے شعور کی بے ہوشی کو جھنجوڑ کر ہوش دلا دیا تھا۔ یہ بالکل خبر نہیں تھی کہ یونیورسٹی سے یہاں تک کا سفر اس نے کس کی رفاقت میں طے کیا تھا۔

ان دونوں کے بے حد اصرار کے باوجود اس نے سوپ پینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ دونوں بھی اس کی تکلیف سے آگاہ تھیں۔ دیکھ رہی تھیں' اسے بولنے میں بھی شدید تکلیف ہے۔ معمولی سے بخار میں بھی اگر کچھ وقفے کے بعد غذا کھائیں تو منہ اور حلق کے سارے اعضا مل کر زبردست احتجاج کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں حلق سے نیچے اترنے والی غذا نہایت تکلیف کا احساس دلاتی نیچے اترتی ہے۔ اس کا تو حلق اور منہ سب چھلنی ہو رہے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہی تھیں۔ افتخار صاحب طوبیٰ کو چھوڑنے گھر چلے گئے تھے۔ اُسامہ شاہ رخ کے ساتھ ڈاکٹر سے ملتا ہوا آیا تھا۔ انہوں نے لائبہ کی طرف سے تسلی دی تھی۔ بظاہر تو کوئی پریشانی والی بات نہیں تھی۔ انہوں نے تاکید کی تھی۔ ''اسے سوپ ضرور پلایا جائے۔ تکلیف تو انہیں شدید ترین ہو گی اگر ہم تکلیف کے خیال سے پیچھے ہٹ گئے' زخم خشک ہو گئے تو پھر بہت پرابلم ہو جائے گی۔ سوپ' دلیہ' جوس' وقفے وقفے سے انہیں دیں۔'' انہوں نے سختی سے تاکید کی تھی۔

شاہ رخ اٹھ کر لائبہ کے پاس چلا گیا۔ ماما کے ہاتھ سے پیالہ لے کر وہ اس کی طرف بڑھ گیا۔

''لائبہ پلیز' تھوڑا سا پی لو۔ معمولی سی تکلیف ہو گی۔ پھر نہیں ہو گی۔''

لائبہ نے انکار میں گردن ہلا دی۔ وہ انتہائی خوف زدہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں بچوں جیسا خوف دیکھ کر شاہ رخ کا بھی دل پسیج گیا۔

اُسامہ صوفے سے اٹھ کر اس کے بیڈ کی طرف بڑھا۔ اس کے انداز میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

''پیالہ مجھے دو۔'' اس کے لہجے میں حد درجہ سنجیدگی اور چہرے پر سنگ دلی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے پیالہ لے کر شاہ رخ کو اشارہ کیا کہ وہ چمچہ بھر کر اس کے منہ میں ڈالے۔ چاہے زبردستی ہی سہی وہ اس کے سرہانے بالکل قریب کھڑا تھا' اتنا قریب کہ اس کے لباس سے نکلتی دلفریب مہک نے اسے اپنے احاطے میں لے لیا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر نرمی کا شائبہ تک نہ تھا۔ چٹان جیسا چہرہ تھا۔ کالی گھنی مونچھوں تلے عنابی لب بھینچے ہوئے تھے۔ پیالہ پکڑنے کا انداز ایسا تھا کہ اسے محسوس ہوا اگر اس نے سوپ نہ پیا تو وہ زبردستی اس کے منہ میں پیالہ بھرا ہوا سوپ انڈیل دے گا۔

وہ یہ سب کچھ کیوں کر رہا تھا۔

کس لئے۔

اس سے اس کا ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا' نہ کوئی جذباتی لگاؤ تھا پھر۔ کیوں آخر کیوں وہ اس پر اتنا استحقاق جتا رہا تھا۔ کیوں اتنا رعب جما رہا تھا۔ جیسے وہی اس کا مختار کل ہو۔

''پلیز' منہ کھولو۔ میں تو بہت کمزور دل بندہ ہوں۔ میں زبردستی نہیں کر سکتا مگر یہ جو میرے ساتھ کھڑا ہے' یہ قوم جنات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے سینے میں دل کی جگہ پتھر فٹ ہے۔ کسی کے رونے کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ پلیز منہ کھولو۔'' شاہ رخ مسلسل ہاتھ میں چمچ لئے فریاد کر رہا تھا۔

اس نے شاہ رخ کی صورت دیکھتے ہوئے آہستہ سے منہ کھولا۔ اس کا منہ اندر سے بے انتہا سرخ ہو رہا تھا۔ اس سرخی کے درمیان اس کے موتی جیسے دانت بہت خوبصورت تھے۔ اُسامہ نے نگاہیں چرا لیں۔

سوپ تھا یا تیزاب۔ اس کے اندر تک گویا نمک' مرچ پھیلتی چلی گئی۔ زخموں کے ٹانکے جیسے بے دردی سے ادھڑ رہے تھے۔ تکلیف کے احساس نے گویا اسے ذبح کر ڈالا تھا۔ اُسامہ کے اشارے پر شاہ رخ نے ہاتھ نہیں روکا تھا۔ ایک' دو' تین' چار اور پانچویں پر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح رو دی۔ تکلیف کی شدت تھی یا بے بسی کا احساس۔ اور بے بسی بھی ایسے شخص کے سامنے جس نے کبھی اسے اس کے وجود کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

شاہ رخ نے پیالہ ٹیبل پر رکھ دیا اور روتی ہوئی لائبہ کو گلے سے لگا لیا۔ وہ دونوں بھی صوفے سے اٹھ کر بے تابی سے لائبہ کی طرف بڑھیں۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا آدھا سوپ اس کے پیٹ میں جا چکا تھا۔ وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کا رخ کار پارکنگ کی جانب تھا۔ اسے جامعہ جا کر معلومات حاصل کرنی تھیں۔ اس لئے اس نے شاہ رخ کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔

✦ ✦ ✦

''آپی۔'' رات کے کھانے کے لئے چاول چنتی ہوئی شمائلہ سیاہ نقاب والے برقعے میں ملبوس افشاں کو اندر آتے دیکھ کر چاول کی تھالی وہیں پلنگ پر چھوڑ کر دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

''وہ بھی آ رہے ہیں پیچھے۔'' افشاں نے اس سے لپٹتے ہوئے سرگوشی کی۔ اس نے اس کا گال چوم کر جلدی سے پلنگ پر پڑا اپنا دوپٹہ اوڑھ لیا۔

''السلام علیکم۔'' وہ تھوڑا کھنکارنے کے بعد اندر آ گئے۔

''وعلیکم السلام۔ آؤ بیٹا۔'' امی کمرے سے نکل کر داماد سے بولیں۔ آج بیٹی اور داماد ایک ساتھ پہلی مرتبہ گھر آئے تھے۔ مارے خوشی کے ان کے پاؤں زمین پر ٹکنا محال تھے۔

تابش اور تابندہ نے سلام کرنے کے بعد بھاگ کر اندر سے پیٹی میں سے اکلوتی چھپی ہوئی چادر نکال کر تیزی سے صحن میں پڑے پلنگ پر بچھا دی۔ انہوں نے یہ کام لمحوں میں نمٹایا تھا۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ ہم گھر کے ہی فرد ہیں۔ کوئی مہمان نہیں ہیں۔'' پلنگ پر بیٹھتے ہوئے وہ گویا ہوئے۔ ان کے لہجے میں اتنی اپنائیت اور خلوص تھا' جیسے وہ یہاں صدیوں سے رہتے چلے آ رہے ہوں۔ شمائلہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا تھا۔

''بچے کہاں ہیں۔'' امی نے ان دونوں کو اکیلا یعنی بچوں کے بغیر دیکھ کر پوچھا۔

''کل رات کو باجی انہیں زبردستی اپنے ساتھ لے گئیں۔''

''چاروں کو کیوں بھیجا۔ ایک کو بھیج دیتے۔ دونوں چھوٹے کتنا تنگ کریں گے انہیں افشاں' تمہیں روکنا چاہئے تھا۔'' انہیں حقیقتاً بچوں کو بھیجنا برا لگا تھا۔

''امی! میں نے بہت کہا باجی سے۔ ان سے بھی مگر وہ نہیں مانیں۔'' افشاں آہستہ سے بولی۔

''آپ فکر مت کریں امی۔ ہم بہت جلد جا کر انہیں لے آئیں گے۔'' انہوں نے بھی افشاں کی طرح انہیں امی کہا تو وہ خوشی سے نہال ہو گئیں۔

''دلہا بھائی' اس تکلف کی ضرورت کیا تھی۔'' تابندہ ان کی لائی ہوئی مٹھائی اور فروٹ کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

''بھئی' ہم اپنی بہنوں سے ملنے آئے ہیں تو خالی ہاتھ آنا تو اچھا نہیں لگا۔ افشاں نے بتایا تھا۔ تابندہ کو کینو اور سیب اچھے لگتے ہیں۔ تابش کو کیلے اور گنڈیریاں اور جناب شمائلہ صاحبہ کو کالی کالی گلاب جامن اور حلوہ سوہن۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

شمائلہ نے حیران سی نظر افشاں پر ڈالی۔ تین دن۔ صرف تین دن ہوئے تھے انہیں پیا کا دیس بسائے۔ اتنے قلیل عرصے میں وہ ان کے اتنے قریب ہو چکی تھیں کہ کوئی بھی پردہ حجاب ان کے درمیان نہ رہا تھا۔ حتیٰ کہ اتنی جلدی وہ بہنوں کی من پسند چیزیں بھی انہیں ازبر کرا چکی تھیں۔ حیرت ہے۔

''ہاں بیٹا' ہمارے ہاں داماد سے لے کر کھانے کا دستور نہیں ہے۔ آئندہ خیال رکھنا۔''

''امی! یہ باتیں' یہ دستور دورِ جہالت کے زمانے کے ہیں۔ جب لوگ اسلام کے نور سے محروم جہالت کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے تھے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ اپنی بیٹی کے ہاں جاتے بھی تھے' پانی بھی پیتے تھے' وقت ہوتا تو کھانا بھی تناول فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ ؐ جیسے بلند اخلاق' جلیل القدر پیغمبر نے بیٹی کے گھر کھانے پینے کو برا نہیں سمجھا تو ہماری کیا حیثیت ہے۔ لازم ہے کہ ہم اس غلط رواج کو توڑ دیں آخر ہم اس رحمت دو عالم کے امتی ہیں۔ ان کی سنتوں کو اپنانا ہمارا اولین فرض ہے۔''

''ہاں بیٹا! اللہ سب کو سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔'' (آمین)

''کیا چائے وائے پلانے کا ارادہ نہیں ہے؟'' وہ ہنستے ہوئے تابندہ سے بولے۔

''کیوں نہیں بیٹا۔ چائے کیا' رات کا کھانا کھا کر جانا اب۔''

''نہیں امی' صرف اس ٹائم چائے چلے گی اور ساتھ میں کچھ نہیں کیونکہ میرے دوست کے یہاں دعوت ہے اور مغرب کے بعد ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔'' وہ ہاتھ میں بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے بولے۔

شمائلہ اندر اسٹور سے چائے کے برتن نکالنے آئی تو بال درست کرنے کے بہانے افشاں بھی اس کے پیچھے کمرے میں آ گئی۔ اسے معلوم تھا' شمائلہ بہت حساس لڑکی ہے۔ وہ سب سے ہی شدید محبت کرتی تھی اور افشاں کے معاملے میں اس کی حساسیت حد درجہ بڑھی ہوئی تھی۔ وہ اسے ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ اس کی بات پکی ہونے پر غم و غصے سے اس نے دو دن کھانا نہیں کھایا تھا۔ جس دن اس کی رخصتی ہوئی تھی' ساری رات اس نے روتے ہوئے ہی کپڑے سیئے تھے اور دن میں وقفے وقفے سے روتی رہی تھی اس کے مقدر پر۔

''شمو!'' اس نے کنستر سے کپ پرچ نکالتی شمائلہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''آپی' آپی' مجھے سچ سچ بتاؤ۔ تم خوش ہو یا تم نے اداکاری سیکھ لی ہے۔'' وہ بے اختیار اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔

''میں بہت خوش ہوں شمو' ان کے بچے بھی زیادہ چھوٹے نہیں ہیں اور بہت تمیزدار بچے ہیں اور اظہر تو بہت ہی اچھے ہیں۔''

شمائلہ نے غور سے اسے دیکھا۔ گلابی ریشمی کڑھے ہوئے سوٹ میں لائٹ میک اپ اور سونے کے سیٹ میں ان کی سانولی رنگت بہت نکھری لگ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں بھری بھری چوڑیاں' دلہناپے کی چھاب ان کے انگ انگ سے عیاں تھی۔ ان کے ہاتھوں میں کھنکتی ہوئی چوڑیاں' ہونٹوں سے نکلتی ہنسی' آنکھوں سے چھلکتی مستی' چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ 'میں خوش ہوں' بہت خوش' بہت خوش۔

✦ ✦ ✦

''ہم سب نے اس ویٹر کو بہت تلاش کیا مگر وہ تو ایسا غائب ہوا' جیسے گدھے کے سر سے سینگ' ہیڈ ویٹر سے بھی ہم نے تمام ویٹرز کے مطابق چھان بین کی تھی مگر کوئی ویٹر اس ویٹر کے بارے میں نہیں جانتا تھا بلکہ دو ویٹرز کا بیان ہے کہ انہوں نے اس نئے والے ویٹر کو ڈی اسنیکس وغیرہ سرو کرتے دیکھا اور جس ٹائم یہ واقعہ ہوا' وہ تیزی سے گیٹ کی طرف جاتا ہوا انہیں نظر آیا۔ انہیں اصل حالات معلوم نہیں تھے اس لئے انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔'' حیدر نے اسے مکمل رپورٹ دی۔

''پرنسپل آفس میں اس کی چھٹیوں کی درخواست منظور ہو چکی تھی۔ یعنی وہ ایک ماہ کی لیو پر اپنے گاؤں گیا ہے۔ پارٹی والے دن صبح روانہ ہو گیا تھا۔ ہمارے پاس ثبوت کوئی نہیں ہے جو ثابت کر سکیں کہ ویٹر کے میک اپ میں اسی کے آدمی نے پانی میں زہر ملا کر دیا ہے اور یہ بھی اسی کی چال ہو۔ وہ گاؤں جانے کے بجائے کہیں روپوش ہو گا۔'' نادر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

اُسامہ آفس ٹیبل کے پیچھے بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ اس کے ہاتھ میں پیپر ویٹ مسلسل گھوم رہا تھا۔

''مجھے اس کے لہجے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا اور میں نے اس کا انتظام بھی بھرپور طریقے سے کر رکھا تھا مگر جو حرکت اس نے کی مجھے اس کی ہرگز توقع نہیں تھی۔''

''کیا تم سمجھ گئے تھے مس لائبہ کو زہر دیا گیا ہے؟'' شہریار نے چونک کر پوچھا۔

''ہوں۔'' اس نے نہایت مختصر انداز میں جواب دیا۔

''گڈ مارننگ۔'' عائشہ شیخ بادِ صبا کی طرح مسکراتی ہوئی اندر آتے ہوئے بولی۔

''کم از کم صبح کا سلام تو عربی میں کر لیں تاکہ آپ کے مسلمان ہونے کا یقین قائم رہے۔''

''اور یہ گیارہ بجے آپ کی صبح ہو رہی ہے۔'' حیدر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''آج کچھ لیٹ ہو گئی ہوں۔'' وہ کھلکھلائی۔ اس نے پیور سلک کا اورنج کلر کے سیاہ بڑے بڑے پھولوں کے پرنٹ کا جدید انداز میں سلا ہوا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ چھوٹے پرم کئے گئے بالوں میں اورنج ہیئر بینڈ لگا ہوا تھا۔ خوبصورت میک اپ میں اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ بھوری بھوری آنکھوں میں دیے جل رہے تھے۔ اس کی بے تاب سی نگاہیں گھوم گھام کے اُسامہ کے چہرے پر ٹھہر جاتی تھیں مگر سوائے اُسامہ کے ان سب نے اس کی کیفیت محسوس کی تھی۔

''کل کی پارٹی میں سارا مزا کرکرا ہو گیا۔'' وہ اطمینان سے بیٹھ کر منہ بنا کر بولی۔

''ارے کسی انسان کی جان خطرے میں پڑ گئی تھی۔ آپ کو مزہ یاد آ رہا ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ڈیئر! اسے زہر کون دے گا۔ وہ ایک عام سی لڑکی ہے۔''

''نہیں وہ عام لڑکی کسی بھی لحاظ سے نہیں ہیں۔ ان کی نیچرل بیوٹی' باوقار سراپا' انہیں لاکھوں لڑکیوں میں منفرد کر دیتا ہے۔'' حیدر کو وہ بے حد عزیز تھی۔

''عائشہ! آپ نے وہ لیوز چیک کیں جن میں بائیولوجیکل والوں کی طرف سے کمپلین ہیں۔'' حیدر کے 'نیچرل بیوٹی' کے الفاظ پر عائشہ کے نتھنے غصے سے پھولنے پچکنے لگے تھے۔ وہ سمجھ گئی تھی حیدر اس کے میک اپ زدہ چہرے پر چوٹ کر رہا ہے۔ اُسامہ نے فوراً ہی اس کا ذہن دوسری طرف موڑ دیا تھا۔

''جی سر۔'' حسبِ توقع وہ مسکرا کر اس سے بولی۔

''میں تمہیں اب بالکل بھی کوئی کام نہیں کرنے دوں گا۔ میں مانتا ہوں' تم جوان اور طاقتور ہو' بہت زیادہ حوصلہ اور ہمت رکھتے ہو لیکن جسم سے اتنا خون نکل جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ تم نے مذاق سمجھ رکھا ہے خود کو۔ بس تم اب جا کر آرام کرو۔ ہم سنبھال لیں گے سب کام یہاں کا۔'' حیدر اس کی طرف دیکھ کر غصے سے بولا۔

''لگ رہا ہے' ساری رات سوئے بھی نہیں ہو آنکھیں دیکھو کتنی سرخ ہو رہی ہیں' چہرے پر تازگی نام کو نہیں ہے۔'' نادر نے بھی بغور اس کا جائزہ لیا تھا۔ عائشہ شیخ فائل لینے چلی گئی تھی۔

''تمہیں کس نے بتایا تھا خون کا؟'' اُسامہ دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔

''یہاں کام نمٹانے کے بعد ہم نے تمہیں سے فون کیا تھا۔ پروفیسر صاحب نے بتایا تھا' تم لائبہ کو خون دے رہے ہو پھر ان کو میں نے گھر سے فون کیا تو معلوم ہوا' تم خون دے کر جا چکے ہو۔ لائبہ کی طبیعت بھی نارمل تھی۔''

''بس تم اب گھر جاؤ اور کھانا کھا کر لمبی تان کر سو جاؤ۔ جسم اور دماغ کو سکون ملے گا۔'' ان تینوں نے اسے وہاں بیٹھنے ہی نہیں دیا۔ ان کی محبت سے ہار کر اسے وہاں سے اٹھنا ہی پڑا۔ سچے دوست' ہمدرد' خیر خواہ' بے غرض و مفاد' ٹوٹ کر چاہنے والے دوست جسے مل جائیں' واقعی وہ دنیا کا امیر ترین انسان ہوتا ہے اور اسے بے حد مسرت تھی کہ وہ بہت سی دولتوں کے علاوہ اس دولت سے بھی مالا مال تھا۔

وہ جس وقت گھر میں داخل ہوا۔ فوزیہ بیگم ملازمہ کے ساتھ مل کر ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھیں۔

''لو بھلا بتاؤ! اتنا خون جسم سے نکل گیا ہے' جب بھی آرام کرنا گھر میں نصیب ہی نہیں ہے۔ تم نے خود کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ لوہے کے بنے ہو۔ چہرہ دیکھو کیسا سرسوں کے پھول کی طرح ہو رہا ہے۔ تمہیں اپنا تو خیال نہیں ہے' دوسروں کے پیچھے زندگی خوار کر رکھی ہے۔ خون کا ایک ایک قطرہ کتنی مشکلوں سے بنتا ہے اور تم اتنی فراخ دلی سے اتنا خون اس لڑکی کو دے آئے۔'' اماں جان جو بھری بیٹھی تھیں اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئیں۔

''اماں! آپ ہی فرماتی ہیں' مصیبت میں اللہ کے بندوں کے کام آنا بہت بڑا ثواب ہے۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''مجھے لگ رہا ہے' اماں جان کو غصہ اس بات پر ہے کہ آپ نے اس لڑکی کو خون دیا ہے جو افتخار انکل کی رشتے دار ہے۔ افتخار انکل سے کوئی رشتہ ہونا اس لڑکی کا جرم ہے۔ ورنہ اماں جان اس قدر تنگ دل اور بے درد ہرگز نہیں ہیں۔'' ان کے برابر میں بیٹھا شمیر کہاں چپ رہنے والا تھا۔

''شمیر' تم بہت گستاخ ہوتے جا رہے ہو۔ ہمارے پیار کا ناجائز فائدہ مت اٹھانا۔ جب ہم نے کہہ دیا ہے کہ افتخار نام کے زہریلے ناگ کا نام ہم سننا نہیں چاہتے پھر کیوں یہ نام ہمارے سامنے لیا جا رہا ہے۔'' شمیر کی سچی کھری بات نے انہیں تلملا کر رکھ دیا تھا۔

''آپ بتاتی بھی نہیں ہیں اماں۔ انکل نے کیا بگاڑا ہے' اس خاندان کا۔ ایسا کیا قصور سرزد ہو گیا ہے ان سے۔ جو ان کا نام لینا بھی ممنوع ہے یہاں۔ اُسامہ زچ ہو کر بولا۔

''کھانا شروع کریں' ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' فوزیہ بیگم نے بحث ختم کرنے کی وجہ سے ان کا دھیان کھانے کی طرف مبذول کیا۔

''اس آدمی نے جو اس خاندان کی عزت مٹی میں ملانے کی کوشش کی تھی' وہ اس کی سزا تو بھگت رہا ہے۔'' اماں کے منہ سے کچھ ماضی کے اوراق پلٹنے ہی والے تھے کہ وہ فوراً بات پلٹ کر بولیں۔

''معلوم نہیں اماں۔ آپ بھی بعض دفعہ پہیلیوں میں بات کرتی ہیں۔ وہ ایک بہت خوشحال زندگی گزار رہے ہیں' ہر لحاظ سے۔ مجھے تو کسی سزا میں گرفتار نظر نہیں آتے۔'' اُسامہ چکن پلاؤ پلیٹ میں نکالتا ہوا بولا۔

''روحیل اور دلہن کب آ رہے ہیں عمرے سے؟'' اماں نے شاید موضوع بدلنے کے لئے پوچھا۔

''تھک آ گئیں اماں جان مجھ سے۔ انتظار کر رہی ہیں' کب ممی' ڈیڈی آئیں اور کب میں جاؤں بلکہ دفع ہو جاؤں۔'' شمیر کباب اور سلاد پلیٹ میں ڈالتا ہوا بولا۔

''میں ایسا کیوں سوچنے لگی۔ تم تو مجھے اتنے ہی عزیز ہو جتنا اُسامہ ہے اگر تمہیں ڈانٹتی ہوں تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ میں تم سے بیزار ہوں۔'' ان میں یہ خوبی بہت اعلیٰ تھی۔ جتنی جلدی غصہ ہوتیں' اتنی ہی جلدی سب کچھ بھول بھال کر نارمل ہو جاتیں۔ اب بھی وہ کچھ دیر قبل ہونے والی بدمزگی بھلائے بڑے پیار سے اُسامہ اور شمیر کو دیکھ رہی تھیں۔

''یہ گھر بھی آپ کا ہے۔ ایسا خیال دل میں نہ لانا آپ کے آنے سے تو اس پورشن میں اتنی رونق ہو گئی ہے۔ ورنہ اُسامہ کو گھر میں رہنے کی فرصت کم ملتی ہے۔ اگر کبھی فرصت مل بھی جائے تو سونے میں ہی سارا وقت کٹ جاتا ہے۔'' فوزیہ بیگم اُسامہ کی طرف دیکھتی ہوئی شمیر سے بولیں۔

''آپ ایک خوبصورت پرنوری بھابی لے آئیں پھر دیکھئے گا' نور کا جادو' یہ آپ کو ہر وقت ہی گھر میں نظر آئیں گے۔'' شمیر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے 'نور' پر زور دیا۔

''سب جتن کر کے دیکھ لئے مگر اس لڑکے کا تو دماغ ہی الٹا ہے۔'' اماں جان بولیں۔

''آپ فکر مت کریں۔ بہت جلد آپ پرنوری خوش خبری سنیں گی۔''وہ شرارت سے مسکرایا۔
اُسامہ پہلے ہی خود کو اس کے ریمارکس کے لئے تیار کرچکا تھا' اس لئے اس کی بکواس پر کوئی توجہ دیے بغیر اطمینان سے کھانا کھارہا تھا۔

✦ ✦ ✦

اسپتال میں ایڈمٹ ہوئے آج اسے تیسرا دن تھا۔ طبیعت اس کی پہلے سے بہتر تھی مگر نقاہت اسے پہلے سے زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔ دل و دماغ پر رکھے بچپن کے بوجھ نے وزنی چٹان کی صورت اختیار کرلی تھی۔ اس چٹان نے اس کی ساری جان نچوڑ کر رکھ دی تھی۔ افتخار انکل کی فیملی اس کا بہت خیال رکھ رہی تھی۔ سمیرا' سومیہ' حنا' حیدر' شہریار' نادر کے علاوہ اس کے ڈپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹ اور اساتذہ سب اس سے ملنے آتے رہتے تھے۔ ان کے لائے ہوئے پھولوں سے اس کا کمرہ چمن کی طرح کھل کر مہک جاتا تھا۔ کتنے خلوص سے وہ اس سے ملنے' اس کی خیریت دریافت کرنے' اس کے دکھ شیئر کرنے آتے تھے۔ ان کی محبتیں' ان کی ہمدردیاں' ان کے خلوص نے اس کے اندر کی محرومی' بے کلی اور تشنگی کو بڑی حد تک کم کردیا تھا۔ وہ موت کی سرحدوں کو چھو کر آئی تھی۔ موت اس کے بہت قریب سے گزری تھی۔ موت کی وادی میں جاتے ہوئے اس کی روح کی پرواز شاید بھٹک کر دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔ ایسے کٹھن وقت سے گزرنے کے بعد اس کو نئی زندگی کی نوید سے سرشار کرنے اور اس کی پیشانی پر اپنی شفقت ثبت کرنے والا کہاں ہے۔ کہاں ہے۔ کہاں ہے وہ جس کی عصمت کا وہ وقار ہے۔ کہاں ہے وہ جس کی زندگی کی وہ بہار ہے۔ کہاں ہے وہ جو اسے دنیا میں لانے کا ذمے دار ہے۔ کیا باپ ایسے ہوتے ہیں۔ اتنے کٹھور۔ اتنے سنگ دل۔ اتنے بے پروا۔ اتنے بے نیاز۔ بیٹی موت کے منہ سے نکل آئی ہے۔ نہیں' وہ نہیں آئیں گے۔ موت سے تو میں اب بچی ہوں مگر ان کے لئے تو میں آج سے سترہ سال پہلے ہی مرگئی تھی۔ تو پھر اب کیوں بچ گئی۔ مجھے مرجانا چاہئے۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔

''ہیلو! آپ کی دوائی کا ٹائم ہوگیا ہے۔''نرس کی باریک آواز پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ نرس بیڈ کے پاس ٹرے میں انجکشن اور مختلف سیرپ اور کیپسول لئے کھڑی تھی۔ لائبہ کی گرین آنکھوں میں بے پناہ سرخی کے ساتھ خوفناک وحشتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ زرد چہرے پر پسینہ پھیلا ہوا تھا۔

''آپ کی دوائی کا ٹائم ہوگیا ہے بے بی۔''نرس پختہ عمر کی تھی۔

''نہیں چاہئے مجھے دوائی' نہیں چاہئے مجھے زندگی' میں زندہ رہنا نہیں چاہتی۔''اس نے بیدردی سے ہاتھ میں لگی ہوئی ڈرپ نوچ کر پھینک دی۔ نرس جو پہلے ہی حیران و پریشان کھڑی تھی' اس کے ہاتھ سے ٹرے چھین کر سامنے دیوار پر دے ماری۔ ''میں زندہ رہنا نہیں چاہتی' نہیں چاہیے مجھے زندگی۔''یہی لفظ وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ اس وقت وہ بالکل ہوش و حواس سے بیگانہ تھی۔ نرس نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ پھری ہوئی شیرنی بنی ہوئی تھی۔ نرس کو اس نے دھکا دیا تھا۔ سائیڈ ریک پر رکھی تمام دوائیوں کی بوتلیں وہ سامنے دیوار پر مار مار کر توڑ رہی تھی۔ اس کے منہ سے وہی لفظ مسلسل نکل رہے تھے۔ لمبی چوٹی میں سے بال نکل کر بکھر رہے تھے۔ پورا سراپا چادر یا دوپٹے نامی چیز سے بے نیاز تھا۔

''سر' آپ کی بے بی کو نہ جانے کیا ہوگیا ہے۔ جلدی سے آپ ان کے روم میں جائیں۔ میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔''افتخار صاحب' اُسامہ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اطمینان سے اس کی طرف آرہے تھے کہ نرس کی بوکھلائی' گھبرائی صورت اور اس کے لفظوں نے گویا ان کے اردگرد خطرے کے سائرن بجادیئے۔ وہ دو دن سے اسے خاموش خاموش دیکھ رہے تھے اور اس کی خاموشی کا مطلب بھی سمجھ رہے تھے اور آج اس کی خاموشی طوفان کا پیش خیمہ بن گئی تھی۔ وہ ہوا کی طرح اس کے کمرے میں پہنچے تھے۔ ان کے ساتھ اُسامہ بھی۔ اندر قدم رکھتے ہی انہیں اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ لائبہ سامنے فروٹ کاٹنے والی چھری اٹھائے۔ شاید کلائی کی نس کاٹنے والی تھی۔ دروازے کی آواز سن کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں وحشتیں تھیں۔ دیوانگی تھی۔ پہچان کا کوئی عکس اس کی آنکھوں میں نہ تھا' بکھرے بال' زرد رخساروں پر بہتے آنسوؤں کی لڑیاں' آف وائٹ شلوار سوٹ میں دوپٹے سے بے نیاز اس کا وجود قیامت کی تباہی لئے ہوئے تھا۔ اُسامہ اس کی یہ حالت دیکھ کر شدید حیرانی میں مبتلا تھا۔

''بیٹا! یہ کیا کررہی ہیں آپ۔ کیا حالت بنا رکھی ہے۔''افتخار صاحب لڑکھڑائی زبان میں بولے۔

''میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ نہیں چاہئے مجھے زندگی' نہیں چاہئے۔ آپ چلے جائیں یہاں سے۔ مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے نہیں چاہئے بھیک محبتوں کی' مستعار سہاروں کی' وقتی بہلاوؤں کی' ترس کی' خیرات لینا چھوڑ دی ہے میں نے۔''وہ جنونی ہورہی تھی۔ انکل کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اس نے تیزی سے کلائی پر چھری چلانی چاہی' ٹھیک اسی لمحے اُسامہ کا ہاتھ پوری طرح گھوما تھا پھر نہ صرف چھری بلکہ لائبہ بھی اچانک وار کی وجہ سے کارپٹ پر گری تھی۔ اس نے اچھل کر گری ہوئی چھری صوفے کے پاس سے اٹھائی اگر اس سے ذرا بھی غفلت ہوجاتی تو...... اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے زار و قطار روتی ہوئی لائبہ کی طرف دیکھا۔ انکل اسے تسلیاں دے رہے تھے۔ شفقت بھرے ہاتھ سے اس کے بال سنوار رہے تھے۔ مگر وہ تو جیسے ہوش و حواس کی دنیا سے ہی قطع تعلق کرچکی تھی۔ اتنے میں دوڑ کر ڈاکٹرز اور نرسیں تیزی سے اندر آئیں۔ وہ کمرے کی ابتر حالت دیکھتے ہوئے لائبہ کی طرف بڑھے۔ جو اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی روئے جارہی تھی۔ سنیئر ڈاکٹر نے جلدی سے نرس سے انجکشن لے کر اس کے بازو میں لگادیا۔ ڈاکٹر نے میکانکی انداز میں یہ کام کیا تھا۔ دونوں نرسوں نے انجکشن لگاتے وقت اسے دبوچ لیا تھا۔

''چھوڑ دو مجھے۔ چھوڑ دو۔ میں زندہ رہنا......''باقی لفظوں کی ادائیگی سے قبل ہی وہ نرس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

✦ ✦ ✦

''بڑی پھوپو کے بیٹے صاحب ہی آرہے ہیں نا' کوئی وزیر اعظم تو نہیں آرہے جو امی آپ اس قدر بدحواس ہیں۔''تابندہ ان سے چڑ کر بولی۔ پرسوں پھوپو کا لاہور سے فون آیا تھا کہ ان کے منجھلے صاحب زادے فاران کسی کاروباری سلسلے میں کراچی آرہے ہیں لہٰذا جب تک ان کا کام مکمل نہیں ہوجاتا' ان کی رہائش یہاں ہوگی اور فون سنتے ہی خورشید بی بی نے بدحواسی کے عالم میں پورے گھر کی مکمل صفائی کروائی۔ بازار سے وہ کچھ چادروں اور تکیوں کے غلافوں کے لئے کپڑا لائی تھیں۔ وہ سی کر غلاف تکیوں پر چڑھائے' باورچی خانے کے لئے کپ' پلیٹیں' چمچے اور جگ گلاس لے کر آئیں۔

آج فاران کے آنے کا دن تھا۔

وہ تابندہ سے کہہ رہی تھیں۔ پلاؤ کے لئے یخنی تیار کرلے' چاول وہ چن کر پہلے ہی بھگو چکی تھیں۔ افشاں کی شادی کے بعد تابندہ پر کام کی ذمے داری خود بخود آگئی تھی۔ شمائلہ کالج جاتی تھی' آنے کے بعد ہی وہ اس کی مدد کرتی تھی۔ پرسوں سے گھر کو سنوارتے وہ بالکل تھک کر چور ہوچکی تھی۔ امی کی بوکھلاہٹیں اور بدحواسی اسے ایک آنکھ نہ بھا رہی تھی۔ اس لئے چڑ کر بولی تھی۔

''بڑی پھوپو کا رتبہ وزیر اعظم کے رتبے سے بھی زیادہ بلند حیثیت و با رعب ہے اور ان کے بیٹے صاحب کی تو بات ہی کیا ہے۔ آخر وہ ہماری امی کی نند صاحبہ کے لاڈلے صاحب زادے ہیں۔''شامی کباب کے لئے قیمہ اور دال پیستی ہوئی شمائلہ ہنس کر بولی۔

''بہت چاہتی ہیں نا امی کو ان کی نندیں۔ تو کیوں ان کے بچوں کے لئے اتنا خوار ہوں گی۔''تابندہ باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے طنز سے بولی۔

''جو انہوں نے میرے ساتھ کیا' ان کا ضمیر تھا۔ ضروری تھوڑی ہے ذلیل کے ساتھ انسان ذلیل بن جائے۔ میری نظروں میں یا دل میں اس کے لئے یا اس کے بچوں کے لئے کوئی عناد نہیں ہے۔ فاران بھی انور جیسا ہی میرے لئے ہے اور بھئی' ماں کی زیادتیوں کا بدلہ اس کی اولاد سے لینا' یہ کوئی انصاف والی بات نہیں ہے۔ ویسے بھی فاران صالحہ کے سب بچوں میں زیادہ اچھے اخلاق کا بچہ ہے۔ صالحہ جیسا غرور و تکبر اس میں نہیں ہے۔

''پھوپو جان کو معلوم ہے' ہم ان کے اسٹینڈرڈ کے نہیں ہیں پھر انہوں نے فاران بھائی کو یہاں رہنے کے لئے کیوں بھیجا۔ چھوٹی پھوپو ان کے اسٹینڈرڈ کی ہیں پھر وہاں انہیں کیوں نہیں بھیجا۔''شمائلہ حیرت سے بولی۔

''اب وہ لاکھ امیر سہی مگر گھر تو بہن کے شوہر کا ہی ہے نا۔ عورت کتنی ہی جان مارے مگر گھر ہمیشہ آدمی کا ہی کہلاتا ہے۔ صالحہ کو بیٹے کو بہنوئی کے گھر بھیجنا اچھا نہیں لگا ہوگا۔ اب یہ گھر جیسا بھی ہے' ان کے بھائی کا ہے۔ یہاں کوئی اجنبیت کی بات نہیں ہے۔''

''یہ بھی خوب ہے۔ بھائی اور بھابی سے زیادہ محبت بہن اور بہنوئی سے کی جاتی ہے۔ بھتیجا' بھتیجیوں سے زیادہ بھانجا' بھانجیوں کو کلیجے سے لگا کر رکھا جاتا ہے اور مشکل میں بہنوئی غیر اور بھائی کا گھر اپنا بن جاتا ہے۔''تابندہ یخنی چڑھاتے ہوئے بولی۔

''رب کا شکر ہے۔ تمہارے ابا کو بھی کچھ کمانے کا تمہارے لئے خیال آیا اور انور بھی کام سے لگا ہوا ہے۔ گھر کے حالات کافی حد تک سدھر گئے ہیں۔ فاران آئے تو اس کے آگے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔ جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ۔ میں پان کھا کر آرہی ہوں۔''امی انہیں ہدایت دیتی ہوئی اندر کمرے میں پاندان کی تلاش میں چلی گئیں۔

''ہمارے افسانوں میں دور دراز شہروں سے آنے والے کزن کی بہت ویلیو ہوتی ہے۔ ان کی آمد سے پہلے ہی خوبصورت تصورات قائم کئے جانے لگتے ہیں مگر تم تو اس سچویشن کے برخلاف پرسوں سے مسلسل غصے میں ہو۔ حالانکہ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ پہلی مرتبہ ہمارے گھر کافی امیر کبیر کزن تشریف لارہے ہیں اور وہ بھی خیر سے کنوارے۔''شمائلہ اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔

''میں کیوں خوش ہوجاؤں۔ افسانوں کی باتیں افسانوں کی حد تک ہی اچھی لگتی ہیں۔ مجھے تو یہ سوچ ہی پاگل کئے دے رہی ہے اگر ہم سے کوئی کوتاہی ہوگئی تو بڑی پھوپو تو ایک طوفان مچادیں گی۔ بیٹے کے آنے سے پہلے ہی وہ چار دفعہ فون پر موصوف کے کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے' سونے جاگنے کا ٹائم ٹیبل بتا چکی ہیں۔ کبھی پڑوس کی ہم نے شکل نہیں دیکھی تھی مگر اب ان کا فون سننے کے لئے روزانہ چکر لگاتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

''سنتے ہیں۔ ماں بیٹی' دو ذات' پھوپو' بھتیجی ایک ذات' یعنی ماں' بیٹی کا خون الگ ہوتا ہے اور پھوپو' بھتیجی کا خون ایک' مگر ہماری دونوں پھوپیوں نے ہمیں جب بھی دیکھا' بڑی حقارت سے دیکھا۔ شاید اس کی وجہ ہماری مفلسی رہی ہو یا ابو کی ہم سے کنارہ کشی۔ بہرحال ان کے خون میں ہماری محبت نے کبھی جوش نہیں مارا۔ اب کس طرح انہیں ہماری یاد آگئی مطلب پر۔''

''اچھا دفع کرو اس ذکر کو تم اب جلدی سے وہ گلابی سوٹ پہن لو سندھی کڑھائی والا۔ وہ تم پر بہت جچتا ہے۔ ذرا ڈھنگ سے تیار ہوجاؤ۔ کزن کے آنے کا ٹائم ہورہا ہے۔''شمائلہ قیمہ پیس چکی تھی' سل دھوتے ہوئے تابندہ کو ہدایات دیں۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے کیا تمہارا۔ میں کیوں تیار ہوں۔ تم خود تیار ہوجاؤ۔''

''صاف بات ہے' مجھے تو سرخ و سپید رنگت والے مرد اچھے لگتے ہیں۔ امی بتا رہی تھیں' فاران بھائی کا رنگ گندمی ہے۔ اس لئے میں تو انہیں بھائی کی نظر کے علاوہ کسی دوسری نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتی البتہ تمہارے لئے مکمل آزادی ہے۔''وہ شرارت سے بولی۔

''بہت بدتمیز ہو۔ میں خواب میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتی۔ میں تمہاری طرح جاگتے میں خواب دیکھنے کی عادی نہیں ہوں۔ اپنی اوقات اور حد اچھی طرح پہچانتی ہوں۔''تابندہ غصے میں اس کے پاس سے اٹھ کر اندر چلی گئی تھی' جبکہ وہ مسکراتی ہوئی گنگنارہی تھی۔

✦ ✦ ✦

''سوری' انکل ویری سوری' نہ معلوم اس دن مجھے کیا ہوگیا تھا۔ محرومیوں کی اتنی شدید آگ لگی تھی' میرے اندر کہ میں پاگل ہوگئی تھی۔ اس پاگل پن میں نہ جانے میں نے آپ کو کیا کیا کہا۔ پلیز' مجھے معاف کردیں۔''ضبط کے باوجود آنسو اس کے رخساروں پر پھیل آئے تھے۔

''کوئی بات نہیں بیٹا۔ آپ نے کچھ بھی نہیں کہا تھا اگر آپ کچھ کہتیں بھی تو ہرگز برا نہیں مانتا کیونکہ آپ مجھے شاہ اور طوبیٰ سے بھی بڑھ کر عزیز ہیں۔''وہ اس کا سر سہلاتے ہوئے شفقت سے بولے۔

لائبہ اسپتال سے گھر آچکی تھی۔ اب اس کی طبیعت بھی بالکل ٹھیک تھی۔ افتخار صاحب اسے دیکھنے آئے ہوئے تھے۔

''میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا بیٹا۔ خودکشی حرام موت ہے اور ایسی موت مرنے والے کے لئے آخرت میں رسوائی اور جہنم کی آگ کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ اگر اس وقت اُسامہ ذہانت سے کام نہ لیتا تو آپ نے تو چھری چلادی تھی کلائی پر......''

''ا......سا......مہ۔'' اس کے ذہن میں اس دن کے واقعے کا ہلکا ہلکا منظر ابھرا تھا مگر اُسامہ کا کوئی عکس اس میں نمایاں نہیں تھا۔ ''کیا انکل! اُسامہ بھی تھے آپ کے ساتھ؟'' ذہن پر بہت بوجھ ڈالنے کے بعد اسے یاد نہ آیا تو وہ بوکھلا کر بولی۔

''ہاں دراصل اس دن اُسامہ کو میں نے ہی وہاں بلایا تھا۔ اسپتال میں میرے علاوہ اسے بھی کچھ ضروری کاغذات پر سائن کرنے تھے۔'' افتخار صاحب اس کے دل کی کیفیت سے بے خبر تھے اور ماما کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ جو ابھی چائے اور دوسرے لوازمات ٹرالی میں رکھے وہاں لائی تھیں۔ ندامت و شرمندگی کی اذیت نے اسے تڑپا کر رکھ دیا تھا' کیا سوچتا ہوگا وہ۔ میرا ماضی' میرے دل کا درد' میری روح کی تڑپ' کیا سب اس شخص پر عیاں ہوگئی۔ جسے خود پر گھمنڈ ہے' بے حساب چاہتوں کی بہتات نے جسے بے حد مغرور و خود پسند بنا دیا ہے۔ نہ جانے کیا کیا میں نے پاگل پن میں بک دیا ہوگا۔ میں جو اپنی محرومیوں کو چھپائے لوگوں کے سامنے ٹھوس اور مضبوط بن جاتی ہوں۔ ریزہ ریزہ ہوئی بھی تو اس کے سامنے جو مجھے بے وقعت سمجھتا ہے۔ آہ کیسا مذاق ہے' تقدیر بھی الجھے ہوئے لوگوں کو مزید الجھنوں میں پھنسا دیتی ہے۔''

''کیا سوچ رہی ہیں بیٹا۔ یہ پلیٹ پکڑیں۔'' ماما اس کی طرف لوازمات کی پلیٹ بڑھاتے ہوئے بولیں۔

❖ ❖ ❖

''ارے بھئی! آپ کیا ہر وقت طلباء کے مسائل نمٹانے میں لگے رہتے ہیں۔ ذرا تھوڑا بہت جسم کو آرام بھی دے لیا کریں۔ اچھا کام کرنے کے لئے فریش ہونا بھی ضروری ہے۔'' اُسامہ یونین آفس میں بیٹھا ہوا فائل میں گم تھا کہ عائشہ شیخ اندر آ کر بے تکلفی سے اُسامہ سے مخاطب ہوئی اور ہنستی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ہمیں سلیکٹ ہی ان پرابلمز کو سولو کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ میری کوشش تو یہی ہوتی ہے' کم وقت میں زیادہ کام کرسکوں۔ رات آرام کرنے کے لئے بہت ہے۔''

''خوش نصیب ہیں آپ جو رات کو سوتے ہیں۔ یہاں تو رات بھی کروٹیں بدلتے ہی گزرتی ہے۔''

''اوہ۔'' اس نے فائل سے نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ سرخ کلر کے جدید انداز میں سلے ہوئے سوٹ میں میک اپ سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا' بھوری آنکھیں بے باکی سے اسے تک رہی تھیں۔

''کیا آپ کے گھر میں کھٹمل مچھر اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں جو آپ کو سونے نہیں دیتے؟'' اس نے بہت ناگوار لہجے میں طنز کیا۔

''ارے نہیں۔ نوکر دن میں کئی مرتبہ اسپرے کرتے ہیں۔ ان چیزوں کا ہمارے ہاں کیا مصرف۔ آپ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہیں۔ اچھا چھوڑیں' اس نا پک کو۔ موسم بہت رومانٹک ہو رہا ہے۔ ایسے دلکش موسم میں لانگ ڈرائیو کا مزا ہی الگ ہے۔ چلیں آئیں۔ اب یہ کام تو ہوتے رہیں گے۔'' وہ کرسی سے اٹھ کر اٹھلاتی ہوئی اُسامہ کے پاس پہنچ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے بہت لگاوٹ سے بولی۔

''شٹ اپ۔'' اُسامہ نے بجلی کی سی تیزی سے اس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑایا تھا کہ ایک دم جھٹکے سے عائشہ سامنے رکھی کرسی پر گری تھی اور اس کے منہ سے معمولی چیخ نکل گئی تھی۔

''میں لڑکیوں سے بے تکلفی قطعی پسند نہیں کرتا۔ آئندہ مجھ سے فالتو بات ہرگز مت کرنا۔ کام کی بات بھی مجھ سے اس ٹیبل کی دوسری سائڈ سے کیا کریں۔'' اس کے لہجے اور آنکھوں میں اتنی حقارت تھی کہ عائشہ شیخ جسے اپنی خوبصورتی و خوش لباسی پر بے حد غرور تھا' پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایک بے حد معمولی بات یعنی بازو پر ہاتھ رکھنے پر اس نے نفرت سے اسے بیٹھے بیٹھے ہی فٹ بال کی طرح اچھال دیا تھا۔ کتنی طاقت تھی اس کے بازوؤں میں جیسے فولاد کے بنے ہوئے ہوں۔

''اب آپ جاسکتی ہیں اور جب تک آپ کا دل و دماغ ٹھکانے پر نہیں آجاتا۔ برائے مہربانی میرے آفس میں تشریف مت لایئے گا۔ صرف اس کے ذریعے کنٹیکٹ کیجئے گا۔'' اس نے ٹیبل پر رکھے فون کی طرف اشارہ کیا۔

''عائشہ شیخ بہت ضدی لڑکی ہے۔ اب جب تک تمہیں اپنی طرف جھکا نہیں لے گی' تب تک تمہیں چھوڑے گی نہیں۔ بے درد ستم گر۔'' کمرے سے نکلتے ہوئے وہ خود سے مخاطب تھی۔

''واہ بھئی' کیسا اطمینان ہے۔ پیار بھرے دل توڑ کر تمہیں کوئی روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ کیسی بیدردی سے تم نے بے چاری عائشہ کی محبت کی توہین کی ہے۔ کیا ملتا ہے تمہیں ایسا کر کے۔'' حیدر ہنستا ہوا کمرے میں آ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''پچھلے دو ماہ سے میں برداشت کر رہا تھا۔ اس امید پر شاید محترمہ کو کچھ عقل آجائے مگر اس مخلوق کی اپر اسٹوری تو مجھے لگتا ہے' بالکل خالی ہوتی ہے۔''

''سب کو تو نہیں کہہ سکتے' ہاں کچھ ہوتی ہیں عائشہ شیخ جیسی لڑکیاں جنہوں نے تمہارا دماغ بالکل ہی آؤٹ کر دیا ہے۔'' حیدر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

تمہارا اس وقت آمد کا مقصد کیا ہے' جبکہ یہ کام کا وقت ہے۔''

وہ جو تمہاری سیکریٹری تھیں' عرفانہ سعید پچھلے ہفتے شوہر کو پیاری ہوگئیں۔ وہ یونیورسٹی چھوڑ چکی ہیں۔ تم پرسوں دفتر میں آئے نہیں تھے' جب وہ اپنے ہزبینڈ کے ساتھ یہاں آئی تھیں' بہت معذرت کے ساتھ۔''

''اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔ جانتے ہو کتنا کام ہے اور عرفانہ سعید کی پوسٹ کتنی ذمے داری کی ہے۔ کم از کم انہیں پہلے ہمیں انفارم کرنا چاہئے تھا۔'' وہ بری طرح جھنجلا گیا تھا۔

''غصہ تو مجھے بھی آیا تھا' ان کی اس غیر ذمے دارانہ حرکت پر۔ اب کسی نئی محترمہ کو رکھا تو مکمل سیٹ اپ ٹرینڈ کرنا پڑے گا۔ دوسرے تمہارے ساتھ کام کرنے کے لئے لڑکی کا انتخاب کرنا بھی ایک مسئلہ ہے۔ عرفانہ سعید تمہارے لئے اس لئے موزوں ثابت ہوئی تھیں کہ وہ منگنی شدہ تھیں۔ ان کے دل میں تمہارے لئے کوئی ایسا ویسا خیال ہرگز نہیں گزرا تھا۔ اب ایسی کسی لڑکی کو ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔'' حیدر کچھ پریشان ہوگیا تھا۔

''فی الحال یہ میرا نہیں تمہارا دردِ سر ہے کیونکہ عرفانہ سعید کو تم نے ہی سلیکٹ کیا تھا اور اب اس سوالیہ نشان کو تمہیں ہی پر کرنا ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

حیدر واقعی پریشان ہوگیا تھا۔ اُسامہ نے پہلے ہی منع کیا تھا کہ عرفانہ سعید محض وقت گزاری کے لئے یہاں آئی ہے۔ اس میں مستقل مزاجی نام کو نہیں ہے مگر عرفانہ جو ان کی کلاس فیلو بھی تھی' اس کی مسلسل سفارش پر اسے اُسامہ کو منانا ہی پڑا تھا' اسے سیکریٹری کی سیٹ دینے کے لئے اور اب اُسامہ کی بات سچ ثابت ہوچکی تھی اور اسے فوراً ہی ایک عدد شریف معصوم سی سیکریٹری کے روپ میں لڑکی دیکھنی تھی۔ ورنہ اُسامہ کے مزاج کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بے شک اپنے دوستوں پر جان لٹا دینے والا شخص تھا مگر اپنے فرائض کی بجا آوری میں وہ دوستی اور تعلق کو پس پشت ڈال دیا کرتا تھا۔ جس قدر جانفشانی و محبت سے وہ اپنا کام کر رہا تھا' ایسی ہی توقع وہ اپنے ورکرز سے کرتا تھا اور اسے شکایت بھی ابھی تک کسی سے نہیں ملی تھی۔ پہلی مرتبہ عرفانہ نے کام خراب کیا تھا۔

''یہ تم آنکھیں کھول کر کب سے سونے لگے۔'' اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر اُسامہ نے چھیڑا۔

''اوہ ونڈرفل آئیڈیا' مل گئی۔'' سوچوں میں گم حیدر ایک دم ہی خوشی سے اچھلا۔

''ارے۔ دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔ کون مل گئی۔''

''میرے دردِ سر کا حل' مس لائبہ نور۔ یہ واحد لڑکی اس وقت پوری جامعہ میں میری نظر میں ایسی ہے جو تم جیسے سر پھرے انسان کے اسکرو بوقت ضرورت بہت سہولت سے ٹائٹ کرسکتی ہے اور تمہارے لئے نہایت موزوں ہے' اس پوسٹ کے فرائض عرفانہ سے کہیں بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہیں۔'' وہ چہک کر بولا۔

وہ ایک ایب نارمل لڑکی ہے' عرفانہ تو شوہر کو پیاری ہوئی ہے۔ وہ کبھی بھی اللہ کو پیاری ہوسکتی ہے۔'' اس دن والی اس کی ایک ایک حرکت اسے یاد تھی۔ اس نے یہ جاننے کی ہرگز کوشش نہیں کی کہ اس کے اس انتہائی اقدام کے پیچھے کیا اسرار ہے' خود ہی اس نے ذہن سے اخذ کرلیا کہ وہ تھوڑی پاگل ہے۔

''تم نے ایسی کیا بات دیکھ لی ان میں......''

اُسامہ نے اس دن والی ساری روداد اسے سنادی۔

''نہیں یار' مجھے لگتا ہے' انہیں کوئی بہت بڑا دکھ ہے۔ کوئی انتہائی صدمہ جو انہیں احساس کمتری میں اس حد تک مبتلا کرچکا ہے کہ انہوں نے اتنا بھیانک قدم اٹھایا۔ ورنہ یار اس عمر میں کوئی لڑکی موت کا ذکر پسند نہیں کرتی اور کہاں جان دینے کی کوشش۔''

''کچھ لوگ بہت ناشکرے ہوتے ہیں۔ سب عیش و آرام ہوتے ہوئے بھی خود پر زبردستی کی مظلومیت طاری کرتے ہیں اور یہی عادت پختہ ہوکر پاگل پن میں تبدیل ہوجاتی ہے۔''

''فی الحال تمہاری رائے ان کے بارے میں کبھی اچھی نہیں ہوسکتی۔ خواہ مخواہ تم جیلس ہوتے ہو لیکن ایک بات بتا دوں پیارے' شدید نفرت' شدید ترین محبت کا دوسرا رخ ہوتی ہے۔ ذرا سنبھل کر ہی رہنا۔'' حیدر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''اسٹوپڈ' مجھے تمہاری طرح یہ عاشقانہ بخار چڑھ ہی نہیں سکتا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

❖ ❖ ❖

''پورے پندرہ دن بعد یونیورسٹی آئی ہو' کیسا لگ رہا ہے۔'' سمیرا' لائبہ سے بولی۔

''ٹھیک لگ رہا ہے۔ پہلے مجھے بتاؤ حیدر کہاں ملے گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''خیریت' کیا کیا ہے حیدر نے؟'' سمیرا حیرانی سے بولی۔

''انکل کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتا رہتا ہے وہ۔ کل اس نے نیا شوشا چھوڑا ہے کہ یونین میں لیڈی سیکریٹری کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے اس نے میرا نام انکل کو دیا ہے اور انکل ان لوگوں کی بات اس طرح مانتے ہیں' جیسے دنیا بھر کے ہوش مند وہی لوگ ہیں۔''

''دراصل عرفانہ کی شادی ہوگئی ہے' اس وجہ سے یونیورسٹی چھوڑ چکی ہے۔ اُسامہ بھائی کو بہت پرابلم ہے۔ ڈھیروں بکھیڑے ہیں' وہ اکیلے تو نہیں سمیٹ سکتے نا۔'' حنا نے گفتگو میں حصہ لیا۔

''نہیں سمیٹ سکتے تو کیوں یونین کا صدر بننے کا شوق سوار تھا۔''

''لائبہ پلیز' اب تو اُسامہ بھائی کو معاف کردو۔ تمہارے کتنے بڑے محسن ہیں' وہ جنہوں نے اپنا خون دے کر تمہاری جان بچائی ہے۔'' سمیرا عاجزی سے بولی۔

''ہاں اگر وہ تمہیں اسپتال لے جانے اور خون دینے میں جلدی نہ کرتے تو تم......''

''کیا انہوں نے خون دیا مجھے۔ کیا وہ اسپتال لے کر گئے تھے۔'' وہ شدید حیرانی سے اچھل گئی تھی۔ ماما نے اسے بتایا تھا کہ اسے خون دیا گیا ہے مگر کس نے دیا ہے' یہ جاننے کی اس نے تمنا ہی نہ کی۔ زندگی سے اسے پیار نہ تھا۔ جینے کی امنگ ہی انسان میں احساس تشکر پیدا کرتی ہے۔ اس نے سوچا تھا اگر خون نہیں ملتا تو وہ اسی بہانے زندگی کی زنجیر سے آزادی پالیتی اور وہ اپنے بازوؤں میں اٹھا کر اسے کار تک لایا تھا۔ یہ احساس مارے حیا و خفت کے بے جان کر رہا تھا۔

''ارے بھئی پھر تم بیٹھے بیٹھے کھوگئیں۔'' حنا اس کے چہرے کے آگے ہاتھ لہرا کر بولی۔

''اگر وہ مجھ پر اس دن احسان نہ کرتے تو یہ بہت بڑا احسان ہوتا مجھ پر......''

''لائبہ پلیز یار اتنی بور باتیں مت کیا کرو۔ دراصل ووٹنگ والے دن تم نے جس خوبصورتی اور اعتماد سے اپنی ذمے داری نبھائی تھی' ان کو وہ بہت پسند آئی۔ نادر بتا رہا تھا' اس وجہ سے انہوں نے تمہارا نام دیا ہے۔ ویسے بھی عرفانہ ان کے معیار پر پوری نہیں اتر رہی تھی۔ نادر اور اکبر کو تم میں بہت صلاحیتیں نظر آتی ہیں حالانکہ اُسامہ بھائی اس انتخاب میں بالکل شریک نہیں ہیں۔'' سمیرا نے بات ہی کلیئر کردی تھی۔

''آج صومیہ نہیں آئی۔'' اس نے موضوع تبدیل کردیا۔

''وہ کل بھی نہیں آئی تھی۔ نہ معلوم کیا بات ہے۔ ورنہ وہ چھٹی تو نہیں کرتی۔''

''مس' آپ کو چیئرمین صاحب بلا رہے ہیں۔'' افتخار صاحب کے پیون نے لائبہ کو آ کر اطلاع دی۔ وہ کتابیں اور پرس سنبھال کر کھڑی ہوگئی اور ان دونوں سے اجازت

لے کر انکل کے آفس کی طرف بڑھنے لگی۔ تمام پیریڈز سے وہ فارغ ہو چکی تھی۔ یہ فری پیریڈ تھا جو وہ تینوں لان میں بیٹھی تھیں۔

''السلام علیکم انکل!'' حسب توقع وہ اس وقت اکیلے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے' اسے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے صوفے کی طرف اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''جی فرمایئے۔'' وہ اپنے بلاوے کا مقصد اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

''آج سے آپ اپنی سیٹ سنبھال لیں۔ پیریڈز تو آپ کے مکمل ہو گئے ہوں گے۔''

''جی انکل' پیریڈز تو مکمل ہو گئے ہیں مگر انکل مجھے پسند نہیں ہے' آئی مین' کسی کی سیکریٹری بننا۔'' وہ دل کی بات زبان پر لے آئی تھی۔

''بیٹا! سیکریٹری تو صرف نام ہے' ورنہ آپ اسسٹنٹ لیول پر ہوں گی۔ دراصل بیٹا' میں خود اس کوشش میں تھا کہ آپ کے لئے کوئی مصروفیت ڈھونڈی جائے کیونکہ فارغ اوقات میں بے مصرف سوچیں' بے وجود الجھنیں انسان کو ڈپریشن کا شکار کر دیتی ہیں۔ آپ کو اب ان سوچوں سے نکلنا ہوگا۔ زندگی بہت خوبصورت ہے۔ ذرا اسے انجوائے کر کے دیکھیں۔ حیدر نے مجھ سے پرسوں ذکر کیا تو مجھے پریشانی کا حل مل گیا تھا اور میں نے اس سے کہہ دیا تھا آپ عرفانہ سعید کی جگہ بخوبی سنبھال لیں گی۔ اب اگر آپ نے انکار کر دیا تو میری کتنی ہتک ہو گی۔'' افتخار انکل سنجیدہ لہجے میں بولے۔

''آپ پھر مجھے بلیک میل کر رہے ہیں' یہ اچھی طرح جانتے ہیں' میں آپ کی توہین کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ حیدر بہت چالاک ہے۔ وہ سمجھ چکا ہے' میں آپ کی کوئی بات رد نہیں کر سکتی اس لئے اس نے مجھ سے بات کرنے کے بجائے آپ کے ذریعے بات کی۔''

''واقعی وہ ذہین ہے۔'' انکل مسکراتے ہوئے بولے۔ چپراسی چائے لے آیا تھا۔ دونوں کے آگے کپ رکھ کر وہ باہر نکل گیا۔

''میں نے چپراسی کو چائے کے لئے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ ابتدا میں آپ کو کام مشکل لگے گا۔'' انکل چائے پیتے ہوئے اسے تفصیلات سمجھاتے رہے۔

''السلام علیکم۔'' انہوں نے چائے پی کر کپ رکھے ہی تھے کہ حیدر سلام کر کے اندر آ گیا۔ ساتھ اس کے نادر بھی تھا۔

''وعلیکم السلام' لائبہ کو میں نے تفصیلات تو سمجھا دی ہیں' ضروری امور آپ سمجھا دیجئے گا۔'' انکل ان دونوں سے مخاطب ہوئے۔

''بہتر سر' آیئے مس۔'' حیدر ان کے بعد لائبہ سے مخاطب ہوا۔

''اس وقت۔ کلاسز تو تمام آف ہو چکی ہیں' چھٹی کا ٹائم ہو رہا ہے۔''

''آپ کو فارغ ٹائم تو اب ہمیں مستقل دینا پڑے گا کیونکہ ہمارا موٹو' خدمت' ہے اور ہم اسٹوڈنٹ بھی ہیں تو ہمیں اسٹڈی ٹائم کے علاوہ ایکسٹرا ٹائم نکالنا پڑے گا۔''

نادر کی بات پر لائبہ نے الجھی ہوئی نظروں سے افتخار صاحب کی طرف دیکھا۔

''نو پرابلم بیٹا۔ سکینہ میڈم کو میں ابھی رنگ کر کے آپ کے لیٹ آنے کی اطلاع دے دیتا ہوں۔''

''آیئے مس۔'' حیدر اور نادر افتخار صاحب سے اجازت لے کر اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

''مجھے آج کچھ پیپرز چیک کرنے ہیں اس لئے دیر ہو جائے گی۔ آپ اتنے اپنا کام سمجھ لیں پھر میں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں گا اوکے۔'' افتخار صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

لائبہ کے چہرے پر ناگواری اور جھنجلاہٹ کے واضح تاثرات تھے۔ وہ خاموشی سے چلتی ہوئی ان کے ساتھ یونین آفس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ دونوں بھی اس کی کیفیت کو سمجھ رہے تھے۔ یونین آفس ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹس سے بائیں طرف بہت فاصلے پر بنا ہوا تھا۔ جس کے سامنے چھوٹا سا حوض تھا۔ ہرا بھرا خوبصورت پھولوں والا لان تینوں اطراف میں پھیلا ہوا تھا۔ درمیان میں آف وائٹ عمارت تھی جسے یونین آفس بنایا گیا تھا۔ ماحول وہاں کا جامعہ کے نسبت بہت پرسکون اور خاموش تھا۔ ان دونوں کی رہنمائی میں وہ عمارت کے اندر داخل ہوئی۔ اندر چار کمرے تھے جن میں ورکرز مختلف سیٹوں پر براجمان تھے۔ وہ دونوں ان سب سے اس کا تعارف کروا کر جنرل سیکریٹری عائشہ شیخ کے روم میں لے آئے۔ جو ٹیبل کے پیچھے بیٹھی کرسی پر ہاتھ میں مرر لئے لپ اسٹک درست کر رہی تھی۔ ان دونوں کے ساتھ لائبہ کو دیکھ کر چونکی تھی پھر دوسرے لمحے اس نے بہت نخوت سے ناک چڑھائی تھی۔

''آپ مس عائشہ سے تو اچھی طرح واقف ہوں گی۔ یہ ہماری جنرل سیکریٹری ہیں۔ عائشہ یہ لائبہ نور عرفانہ سعید کی سیٹ پر کام کریں گی۔'' نادر نے تعارف کروایا۔

''ہوں' اس کے زہر کا یہ اثر ہے۔'' وہ طنز سے مسکرائی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔'' لائبہ کو اس کا لہجہ قطعی پسند نہیں آیا۔

''میرا مطلب ہے' اُسامہ کے ساتھ کام کرنے کے لئے بہت برداشت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے اور تمہیں دیکھ کر لگتا ہے' ایک دن بھی تمہیں وہ ٹکا لے تو معجزے کی بات ہو گی۔'' وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتی ہوئی تمسخر سے بولی۔

''چیلنج کر رہی ہیں آپ! مس لائبہ کو۔'' حیدر عائشہ سے مخاطب ہوا۔

''جو بھی سمجھو۔ مجھ جیسی باصلاحیت لڑکی کو وہ ذرا اہمیت نہیں دیتے تو اب وہ ایسے بھی نہیں ہیں کہ خوبصورت چہروں سے ہی دل بہلا لیں۔''

''شٹ اپ۔'' لائبہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس کی بات ہی اتنی گھٹیا تھی۔

''مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔'' حیدر مسکراتی ہوئی عائشہ سے مخاطب ہوا۔ لائبہ اور نادر پہلے ہی گیٹ کھول کر باہر چلے گئے تھے۔

''سوری مس' آپ کو ناگوار گزرا ہو گا۔ عائشہ شیخ نہایت بے وقوف قسم کی لڑکی ہے۔'' حیدر اس سے شرمندہ لہجے میں معذرت کر رہا تھا۔ نادر بھی شرمندگی سے پہلے ہی معذرت کر چکا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔'' اسے کہنا ہی پڑا۔ اس کی حرکت پر وہ دونوں بہت شرمندہ تھے۔ وہ ایک ہال نما کمرے میں آ گئے۔ یہاں اُسامہ کا کمرہ تھا۔ جو نہایت نفاست سے سنورا ہوا تھا۔ کھڑکی اور دروازے پر ڈارک براؤن پردے سرسرا رہے تھے۔ سامنے پردوں کے ہم رنگ صوفے رکھے تھے۔ سامنے آفس ٹیبل پر فائلیں' پین کور' ٹیبل کلینڈر اور ایش ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ نیچے فرش پر ڈارک براؤن کارپٹ بچھا ہوا تھا۔

''اُسامہ آج جلدی چلا گیا ہے۔'' نادر کے لہجے میں کچھ حیرانی سی بھی تھی۔

''ہاں اسے کسی کام سے جانا تھا۔'' حیدر نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔ ورنہ وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ لائبہ کی وجہ سے گیا ہے کیونکہ وہ اسے بتا کر ہی لائبہ کو لینے گیا تھا۔

''چلیں یہاں سے سگریٹ کی بو سے میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے جلی ہوئی سگریٹوں کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی اور ان سگریٹوں کی بو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ لائبہ کی بھنچی بھنچی آواز پر انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا جو مسلسل دس منٹ سے سانس روکنے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے اسے لے کر نکل آئے۔

''اف۔'' اس نے کمرے سے باہر نکل کر لمبا سانس لیا۔ مجھے سگریٹ کی بو سے الرجی ہے۔ ذرا بھی برداشت نہیں ہوتی۔'' اس نے دو تین لمبے لمبے سانس لئے۔

''یار یہ تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ اُسامہ بے حساب اسموکنگ کرنے والا ہے۔'' نادر نے حیدر سے سرگوشی کی۔ حیدر نے کہنی مار کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور لائبہ کو کام سمجھانے لگا۔ وہ فائلوں کے ڈھیر سے الجھنے لگی لیکن فائلوں کے ڈھیر سے بڑی الجھن اس کے لئے وہ گلاس وال (شیشے کی دیوار) تھی جو اس کے اور اُسامہ کے کمرے کے درمیان تھی۔

✦ ✦ ✦

''ممانی جان' اگر ایک کپ چائے مل جائے اسٹرانگ سی تو۔''

''کیوں نہیں بیٹا' ابھی بنواتی ہوں۔ فاران کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی خورشید بی بی شمائلہ کو آواز لگانے لگیں۔

''جی امی۔'' شمائلہ پہلی آواز پر دوڑی ہوئی آئی۔

''انہیں کیوں زحمت دیتی ہیں ممانی جان' یہ شاید ہوم ورک کر رہی ہیں۔'' فاران اس کے ہاتھ میں پین دیکھ کر بولا۔ جسے بے دھیانی میں وہ ہاتھ میں ہی لے آئی تھی۔

''کوئی بات نہیں فاران بھائی' میں ابھی بنا دیتی ہوں۔''

''نہیں اسٹڈی کرتے وقت مکمل توجہ اسٹڈی کی طرف ہی ہونی چاہئے۔ تم جاؤ شاباش۔''

''تابندہ! بھائی کو چائے بنا کر دو۔'' خورشید بیگم تابندہ کو آواز لگاتے ہوئے بولیں۔ فاران کو آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ اس کے آنے سے گھر میں رونقیں آ گئی تھیں۔ لمبا چوڑا گندمی رنگت کا فاران بہت باغ و بہار طبیعت کا مالک تھا۔ اس کے گفتگو کے انداز میں بہت جاذبیت اور دلکشی تھی۔ گندمی رنگ چہرے پر سیاہ آنکھوں میں ذہانت اور خلوص تھا۔ کالی مونچھوں تلے بھرا ہوا خط تھا جو اس کی مردانگی کا ثبوت تھا۔ بلامبالغہ وہ کسی بھی حسین لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا تھا۔ وہ پہلی دفعہ ان کے یہاں آیا تھا اور اتنی جلدی بہت اپنائیت وخلوص سے ان میں گھل مل گیا تھا۔

تابش اور شمائلہ اس کی آمد پر بہت خوش تھیں کیوں کہ وہ ان کے معیار پر پورا اترا تھا۔ تابندہ کو اس نے آتے ہی نشانے پر رکھ لیا تھا۔ فرمائشیں کر کر کے نت نئی ڈشیں پکواتا پھر خوب سیر ہو کر کھانے کے بعد ہزار نقص نکالتا اور خورشید بی بی پسینے پسینے ہو جاتیں۔ اس خوف سے کہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو ان کی نند انہیں کبھی نہیں چھوڑیں گی۔ شامت ساری تابندہ کی آتی۔ وہ غصے میں اسے اول فول بکنے لگتی۔ اسے خوب ڈانٹ کھلوانے کے بعد اس کی غیر موجودگی میں بہت معصومیت سے ممانی سے فرمایا جاتا کہ کھانا تو بہت بہترین بنا تھا وہ تو میں صرف مذاق میں کہہ رہا تھا۔ اس کا یہ مذاق معمول ہو گیا تھا مگر خورشید بی بی ہر دفعہ تابندہ کو برا کہنے بیٹھ جاتیں اور تابندہ کو وہاں سے آنسو چھپا کر بھاگتے ہی بنتی۔

اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ دوپہر کو کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھی بلوچی کڑھائی کے لئے آنے والی قمیص فریم میں لگانے بیٹھی تھی جو اس نے بہت سہولت سے چائے کی فرمائش کر ڈالی اور چالاکی سے شمائلہ سے چائے بنوانے کو منع کر دیا اور اس کی حسب توقع امی نے تابندہ کو چائے بنانے کا حکم دیا۔ وہ جھٹکے سے فریم' کپڑا اور سوئی دھاگا ایک طرف رکھ کر باورچی خانے کی طرف چل پڑی۔ وہ فاران کے قریب سے گزری تو اس نے شرارت سے اس کی طرف دیکھ کر آہستہ سے سیٹی بجائی تھی مگر اس نے اس کی طرف دیکھا نہیں۔

''شمو کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے۔'' وہ آنگن میں بچھی چارپائی پر دراز تھا۔ سامنے فرش پر بچھی دری پر بیٹھی شمائلہ سے مخاطب ہوا جو نوٹس بنانے میں مصروف تھی۔

''تابی سے پوچھیں' وہ اس وقت چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔'' شمائلہ اس کی بات سمجھے بغیر بولی۔

''کیا جل رہا ہے تابندہ۔'' خورشید بی بی جو اندر پاندان لینے گئی تھیں' فاران کی بات وہ سن چکی تھیں۔ چارپائی پر بیٹھتے ہوئے تابندہ سے بولیں۔

''میرا دل جل رہا ہے اور کیا جل رہا ہے۔'' تابندہ غصے سے جل کر بولی تھی۔

فاران نے جاندار قہقہہ لگایا' جیسے وہ اس سے اسی بات کی توقع رکھتا تھا۔

✦ ✦ ✦

''لائبہ آپ نوٹس بنانے میں ہماری مدد کر سکتی ہیں۔'' وہ تمام پیریڈز اٹینڈ کر کے یونین آفس کی طرف جا رہی تھی کہ اس کی کلاس فیلوز نادیہ' سعیدہ' رفیقہ نے اسے لان میں ہی روک لیا۔

''دراصل آپ کے نوٹس تمام پروفیسرز کو بہت پسند آتے ہیں۔ بہت ذہانت سے نوٹس بناتی ہیں آپ۔'' سعیدہ مسکراتی ہوئی بولی۔ لائبہ پڑھائی کے میدان میں نمبر ون رہی تھی۔ اس نے بے پناہ محنت اور ذہانت سے پروفیسرز کے علاوہ اپنی کلاس فیلوز کے دلوں میں بھی جگہ بنالی تھی۔ اکثر وہ نوٹس وغیرہ کی تیاری میں اس سے مدد لے لیا کرتی تھیں۔

''آیئے میں آپ کو خاص خاص نکات بتا دیتی ہوں تاکہ آپ کو نوٹس مکمل کرنے میں آسانی رہے۔'' لائبہ کو دیر ہو رہی تھی مگر وہ ان کو کوئی جواب انکار میں دے بھی نہیں سکتی

تھی۔ سعیدہ کے ہاتھ سے 'زعمائے پاکستان' لے کر اس پر جھک گئی تھی۔ ایک گھنٹا اسے انہیں سمجھانے میں لگ گیا۔ وہ تینوں اس کا شکریہ ادا کر کے اس سے ہاتھ ملا رہی تھیں کہ اُسامہ تیزی سے ان کے نزدیک آیا۔

''کتنی توپوں کی سلامی دی جائے آپ کو جو آپ آفس میں قدم رنجہ فرمائیں۔'' وہ آتے ہی بہت سرد لہجے میں لائبہ سے مخاطب ہوا۔

''میں ابھی آ ہی رہی تھی۔'' اسے اپنی آواز خود پست محسوس ہوئی تھی۔ اس کی جھکی ہوئی نظریں اس کے لیمن کلر شرٹ میں ملبوس بازوؤں پر جم گئیں اور وہ بے اختیار چادر میں پیک اپنے جسم کو چھپانے لگی تھی۔ یہ خیال بجلی کی طرح چمکتا تھا کہ اس نے اپنے مضبوط بازوؤں میں اسے اٹھایا تھا۔ ندامت وحیا سے وہ سن سی ہو کر رہ گئی تھی۔

''اب کیا پرابلم ہے۔ چلتی کیوں نہیں آپ۔'' وہ اس کے جذبات سے بے خبر تنک کر بولا۔ وہ پرس اور کتابیں سنبھالتی ہوئی آفس کی جانب جانے لگی۔ وہ دانستہ وہیں رک گیا تھا۔ اس کی طبیعت بوجھل سی ہو گئی کچھ اس احساس نے کہ اُسامہ اس کے ماضی سے کسی حد تک واقف ہو چکا ہے' اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ چاہنے کے باوجود وہ اب اُسامہ سے پہلے کی طرح مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ خود کو بہت کھوکھلا محسوس کر رہی تھی۔ انہی سوچوں میں اس کا راستہ آسانی سے طے ہو گیا تھا۔ اسے دیکھ کر پیون نے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ اندر آ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ داہنی طرف کمرے میں کام کرتے ہوئے حیدر اور نادر نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلا کر سلام کیا۔ وہ اشارے سے جواب دیتی ہوئی اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ آج اس کا یہاں پہلا دن تھا۔ کل ان دونوں نے اسے کام سمجھا دیا تھا جو اسے مشکل تو نہیں لگا مگر اسے یہاں ٹائم زیادہ دینے پر اعتراض تھا۔ اگر عائشہ شیخ اسے چیلنج نہیں کرتی تو وہ یہاں ایک دن بھی نہ ٹھہرتی مگر اب بات ضد کی ہو گئی تھی اور وہ اسے بتا دینا چاہتی تھی کہ وہ بے پناہ حسن کے ساتھ ذہانت بھی ایسی ہی رکھتی تھی۔ ٹیبل پر خطوط اور فائل پیون رکھ کر جا چکا تھا۔ وہ خطوط پڑھنے کے بعد فائل میں پن اپ کرنے لگی۔ قریب رکھے انٹر کام کی بیل بجی۔ اس نے ریسیور کان سے لگایا۔ ''فائل میرے پاس لے آئیں۔'' اس کے بولنے سے قبل ہی اُسامہ کی بھاری آواز ریسیور سے گونجی۔ دوسرے لمحے جواب سنے بغیر وہ ریسیور رکھ چکا تھا۔ نہ جانے کب وہ اندر آ چکا تھا' وہ سمجھی ابھی وہ آیا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے آفس کے درمیان پچھلے دروازے سے جو گلاس وال تھی' اس پر پردہ ڈالا ہوا تھا۔ اسے ایک بڑی الجھن سے نجات مل گئی تھی۔ اس نے سامنے بیٹھے ہوئے پیون کے ہاتھ فائل اُسامہ کو پہنچا دی اور خود لیٹرز دیکھنے لگی۔

''میڈم آپ کو سر بلا رہے ہیں! یہ فائل بھی آپ خود ہی لے کر جائیں۔'' پیون الٹے قدموں واپس آیا تھا۔

''اچھا۔'' وہ لیٹرز ایک طرف رکھتی ہوئی کھڑی ہو گئی اور چادر درست کرتی ہوئی فائل اٹھا کر دروازے کی طرف چلی گئی۔

''یس۔'' اس نے دراوزہ نوک کیا تو اندر سے آواز آئی۔ وہ خاموشی سے اندر چلی گئی۔ وہ راکنگ چیئر پر اس کی طرف پشت کئے دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھا تھا۔

''کچھ دفتری آداب بھی سیکھ لیتیں آپ۔ اگر پیون اتنا قابل ہوتا تو آپ کو یہاں رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں اس سے مخاطب تھا۔ لائبہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ دس منٹ تک خاموشی رہی تھی۔ لائبہ فائل ہاتھ میں لئے کھڑی رہی۔ وہ شاید اس کی طرف سے کسی پھڑکتے ہوئے جواب کا منتظر تھا۔ مگر جب وہ مسلسل خاموش رہی تو اس نے رخ ٹیبل کی طرف کر لیا۔

''بیٹھیے۔'' وہ خشک لہجے میں بولا۔ اس نے اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ لائبہ دو کرسی چھوڑ کر بیٹھی تھی۔

''مجھے آپ کو مقابل بٹھانے کا شوق ہرگز نہیں ہے۔ مگر مجبوری ہے آپ کو یہیں بیٹھنا پڑے گا۔'' وہ پیکٹ میں سے سگریٹ نکال کر سلگاتا ہوا بولا۔

لائبہ خاموشی سے اٹھ کر درمیانی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اب دونوں کی کرسیاں آمنے سامنے تھیں۔ ان کے درمیان میز تھی۔ اس نے فائل کھول کر تفصیلات بتانی شروع کیں۔ اُسامہ سگریٹ کا دھواں اڑاتا توجہ سے سن رہا تھا۔ لائبہ کے لئے سانس روک کر اسے تفصیلات سنانا دشوار ہو رہا تھا اور وہ اس کی اندرونی حالت سے بے خبر ایک کے بعد دوسری سگریٹ سلگانے میں مصروف تھا۔ دوسری سگریٹ سلگانے کے بعد اس نے لمبا کش لیا اور دھواں اس طرح منہ سے اڑایا کہ وہ سامنے بیٹھی لائبہ کی طرف آیا اور وہ جو اتنی دیر سے ضبط کئے بیٹھی تھی گھبراہٹ میں کھڑی ہو گئی۔ سگریٹ کی بو اور دھوئیں میں اسے اپنا سانس بند ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اُسامہ بھی اس کی حالت دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ لائبہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر آئی اور پنکھے کے نیچے کھڑی ہو کر اپنی سانسیں بحال کرنے لگی۔ چہرہ اس کا سرخ ہو رہا تھا۔ تیز کھانسی کے ساتھ آنکھوں اور ناک سے پانی بہنے لگا تھا۔ پیون نے جلدی سے اس کے نزدیک کرسی رکھ دی تھی۔ اُسامہ بھی اس کے پیچھے باہر نکل آیا تھا اور حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا جو کرسی پر بیٹھی مسلسل کھانس رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' حیدر اور نادر اسے دیکھ چکے تھے۔ تیزی سے اپنی سیٹیں چھوڑ کر اس طرف آئے تھے۔ پیون گلاس میں پانی لے آیا تھا۔ حیدر نے گلاس لے کر لائبہ کی طرف بڑھایا۔ جس کی حالت کھڑکی سے آنے والی تازہ ہوا سے سنبھل چکی تھی۔ لائبہ اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر پانی پینے لگی۔ اُسامہ واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ نادر بھی اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''یہ کون سی بیماری ہے۔'' وہ نادر سے مخاطب ہوا۔

''جو تمہارے ہونٹوں میں سلگ رہی ہے۔'' نادر نے اس کی سگریٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا مطلب؟''

''انہیں ڈسٹ الرجی ہے۔ خصوصاً سگریٹ کی بو اور دھواں یہ ایک سیکنڈ بھی برداشت نہیں کرتیں۔ کل تمہارے آفس میں جلے ہوئے سگریٹس کے ٹکڑوں کی بو انہیں برداشت نہیں ہوئی تھی' اب تو تم نے حسب معمول کیے بعد دیگرے سگریٹس پیے ہوں گے اور رزلٹ تم نے دیکھ لیا۔ اب تم آفس کی حد تک سگریٹ پینا چھوڑ دو تو بہتر ہی ہے۔'' نادر کے لبوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔

''بکواس مت کرو یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ یہ لڑکی ہے یا پرابلم۔''

''وہ دوسروں کے لئے کچھ بھی ہوں مگر تمہارے لئے تو 'مس نو اسموکنگ' ہیں۔ پورے روم میں سگریٹ کا دھواں چکرا رہا ہے کمرا پیک کر کے کس نے مشورہ دیا ہے تمہیں سگریٹ پینے کا۔ تمہارا یہ فضول شوق مس لائبہ کی سانس بھی روک سکتا ہے۔ ہزار دفعہ منع کیا ہے' مت کیا کرو اتنی اسموکنگ۔ یہ تمہارے لئے بھی خطرناک ہے اور دوسروں کے لئے بھی۔'' حیدر اندر آ کر جھنجلا کر بولا۔

''میری جان' مت بلڈ پریشر اپنا ہائی کرو۔ اللہ نے بندوبست کر دیا ہے۔'' نادر مسکرایا۔

''تم زیادہ ہی اس کی طرف داری کرنے لگے ہو۔'' اس کا موڈ آف ہونے لگا۔

''میں تمہاری طرح بے حس نہیں ہوں۔ صنف نازک کی عزت واحترام کرنا جانتا ہوں۔''

''یہاں کے ماحول میں تمہیں ایسی کوئی ہستی نہیں ملے گی۔'' اس نے اطمینان سے نیا سگریٹ سلگایا۔

''میں تمہاری عینک سے سب کو نہیں دیکھتا ہوں۔'' حیدر ترکی بہ ترکی بولا۔

''یار' اتنی دیر سے چائے کے بغیر ہم بحث کر رہے ہیں' مزا نہیں آ رہا' پہلے چائے اور سموسے منگواؤ پھر تازہ دم ہو کر بحث کریں گے۔'' نادر ہنستا ہوا بولا۔

❖ ❖ ❖

''ارے بھئی' کہاں گئے سب لوگ۔ فاران گھر میں آ کر کمروں میں جھانکتا ہوا بولا۔ تابندہ جو ناشتے کے برتن باورچی خانے میں دھو رہی تھی' اس کی بے وقت آمد پر حیران تھی اور کچھ پریشان بھی' کیونکہ اس وقت گھر میں وہ اکیلی تھی۔

''تم کچھ اونچا سنتی ہو۔'' وہ باورچی خانے کے دروازے پر ایستادہ ہو گیا۔

''تابی' شمائلہ کالج اور اسکول گئی ہیں' امی مارکیٹ اور ابا دکان پر گئے ہیں۔ انور رات کو گھر ہی نہیں آیا تھا۔'' اس نے جلدی جلدی تفصیل بتائی۔

''ارے' اتنی تفصیل کی کیا ضرورت تھی۔ یہ سب تو میں جانتا ہوں۔ صرف ممانی جان کا پوچھ رہا تھا۔'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔ تابندہ سے برتن دھونے دشوار ہو رہے تھے۔ فاران کی گرم نظریں وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ وہ نادان نہیں تھی اور نہ ہی اتنی کمسن تھی جو فاران کی نگاہوں کے پیام کو نہ سمجھ سکے۔ اسے یہاں رہتے ہوئے پندرہ دن ہو چکے تھے۔ اس عرصے میں اچھی طرح اس کی دانستہ اور غیر دانستہ حرکات سے وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ عورت' مرد کی اپنی طرف اٹھنے والی ہر نظر کے مفہوم سے واقف ہوتی ہے۔ تابندہ اس کے کسی ایسے جذبے کی پذیرائی کرنے کو تیار نہیں تھی جو اس کی اور اس گھر کی عزت کو پامال کر دے۔

''چائے پئیں گے آپ؟'' وہ سر سے پھسلتے ہوئے سرمئی آنچل کو درست کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں' اگر آپ چاہ کے ساتھ پلائیں تو۔'' وہ معنی خیز لہجے میں مخاطب ہوا۔

''فاران بھائی! آپ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔'' وہ دبے لہجے میں بولی۔

''میں نے عام سی بات کہی ہے۔ اس میں' ایسی کیا بات ہے۔'' فاران کی نظریں اس کے سفید چہرے پر تھیں۔

''آپ جائیں یہاں سے' میں چائے بنا کر لے آؤں گی۔''

''کیوں ڈر رہی ہو مجھ سے؟''

''کیوں ڈروں گی آپ سے؟''

''ممانی جان کے آ جانے کا خوف ہے۔''

''جی نہیں' امی کو اپنی تربیت پر مکمل بھروسا ہے۔'' وہ اعتماد سے بولی۔

''اچھا مجھ سے تو نہیں ڈر رہیں۔' میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''فاران بھائی خدا کے لئے ......''

''یہ کیا تم نے بھائی بھائی کی رٹ لگا رکھی ہے۔ گھر میں مجھے سب پیار سے فاری کہتے ہیں اور تم بھی مجھے صرف 'فاری' کہا کرو انڈر اسٹینڈ۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بول پڑا تھا۔ تابندہ غصے سے اسے گھورنے لگی۔ بادامی شلوار سوٹ میں اس کا دراز قد نمایاں تھا۔ چہرے پر شوخی وشرارت کے رنگ تھے۔

''ارے ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ نگاہوں میں قید کرنے کا ارادہ ہے۔''

''ارے خیریت ہے بیٹا۔ اتنی جلدی کیسے آ گئے۔'' خورشید بی بی کی گھر میں گھستے ہی نظر سامنے باورچی خانے کے دروازے پر کھڑے فاران پر پڑی تھی۔ وہ سامان سے بھری باسکٹ پلنگ پر رکھ کر برقع اتارتے ہوئے بولیں۔

''سر میں شدید درد ہو رہا ہے ممانی جان اس لئے میں دفتر سے ضروری کام نمٹا کر چلا آیا۔ اب پچھلے ایک گھنٹے سے ان کی منتیں کر رہا ہوں چائے کے لئے مگر یہ غصہ ہو رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں' مہینے بھر کی راشن کی ہوئی چینی، پتی میں پندرہ دن میں ختم کر چکا ہوں۔ اب چائے بالکل نہیں ملے گی ہوٹل سے پیوں جا کر۔ اب ہوٹل جا رہا ہوں۔ آپ کے لئے بھی وہیں سے لے آتا ہوں۔'' وہ بہت معصوم صورت بنا کر ان سے مخاطب ہوا۔ اس سفید جھوٹ پر تابندہ کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ وہ سر پکڑ کر پیڑھی پر بیٹھ گئی۔

❖ ❖ ❖

پولیس کی گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی ان تینوں کی ٹیکسی کے پیچھے دوڑتی ہوئی آ رہی تھیں۔

''استاد جیولر نے ہمارے نکلتے ہی پولیس کو فون کر دیا۔ پولیس کی گاڑیاں بہت تیزی سے اپنے پیچھے آ رہی ہیں۔'' خبیر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''لگتا ہے یہ ہمیں چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' کار چلاتے ہوئے انور نے کچھ فاصلے پر آتی ہوئی گاڑیوں کو ادھر ادھر بکھرتے دیکھ کر کہا۔

''استاد مال کا کیا ہوگا۔ مجھے نہیں لگتا کہ ہم بچ جائیں۔ یہاں کوئی ایسی ڈھلوان بھی نہیں ہے جو ہمیں ان کو دھوکا دینے میں مدد کرے۔'' جلیل باہر دیکھتا ہوا بولا۔ اس وقت وہ نیشنل ہائی وے سے گزر رہے تھے۔ سنسان سڑک کے دونوں اطراف میدان پھیلے ہوئے تھے' دور سے پیچھے آتی ہوئی پولیس گاڑیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ ان کی رفتار

بہت تیز تھی۔ انور سمجھ رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر ان کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ اس لئے وہ ییلو کیپ پوری رفتار سے دوڑا رہا تھا۔ دراصل آج انہوں نے ایک جیولرز شاپ لوٹی تھی اور واپسی میں شاپ کے باہر کھڑی ییلو کیپ لے کر فرار ہو گئے تھے جس میں چابی لگی رہ گئی تھی۔ دکان کے مالک اور ٹیکسی کے مالک دونوں نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی۔ حالانکہ وہ صرف لوگوں کو ڈاج دینے کی وجہ سے اس سمت آئے تھے مگر بروقت پولیس کی آمد ان کے لئے بڑا مسئلہ بن گئی تھی۔

''لگتا ہے' استاد اس لائن میں بھی ایماندار لوگ آ چکے ہیں۔

''اچھے برے لوگ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ اگر اچھے لوگوں کا وجود دنیا میں نہیں ہوتا تو آج دنیا بھی یوں قائم و دائم نہ ہوتی۔ دیکھو وہ سامنے ٹیلا ہے' ہم اس طرف جا رہے ہیں۔ میں بیگ لے کر وہاں اتر جاؤں گا۔ تم لوگ گاڑی آگے بھگا لے جانا آگے بہت سے ایسے راستے آئیں گے جہاں تم یہ گاڑی چھوڑ کر آرام سے فرار ہو سکتے ہو۔''

انور نے اس بڑے ٹیلے کے قریب گاڑی روک دی اور تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس کے اشارے پر خبیر کار آگے بھگا لے گیا۔ وہ ابھی تیزی سے اس سنگلاخ پتھر کے ٹیلے پر چڑھ ہی رہا تھا کہ تینوں طرف سے آنے والی پولیس گاڑیاں اس کے نزدیک پہنچ گئیں۔

''رک جاؤ آگے مت بڑھو۔ رک جاؤ! اس ٹیلے کے نزدیک آتی جیپ میں سے سپاہی نے کھڑے ہو کر میگا فون سے اعلان کیا مگر انور رکا نہیں' پہلے سے بھی پھرتی سے ٹیلے پر بھاگنے لگا۔ ٹیلے کے پیچھے گہری کھائی تھی اور کھائی سے ملحق قد آور جھاڑیاں تھیں جن کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا جو اس کے روپوش ہونے میں معاون ثابت ہو سکتا تھا۔

''ہم لاسٹ وارننگ دے رہے ہیں اگر تم اب بھی نہیں رکے تو ہم فائر کھول دیں گے۔'' خاموش اور ویران ماحول میں پولیس انسپکٹر کی آواز دور دور تک گونجی۔ ''ون'' انسپکٹر نے گنتی شروع کی۔ ''ٹو'' مگر انور کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ وہ بیگ ہاتھ میں لئے فل اسپیڈ سے دوڑ رہا تھا۔ ''تھری'' کچھ توقف کے بعد انسپکٹر نے ہاتھ لہرا کر اشارہ کیا۔ ''فائر'' دونوں گاڑیوں سے گولیاں چلی تھیں۔ انور جو ہدف پر پہنچ کر چھلانگ لگانے والا تھا' دو سرخ انگارے اس کی پشت میں گھس گئے۔ بے اختیار جھٹکا اس کے مضبوط جسم کو لگا' وہ لڑکھڑایا۔ ہاتھ میں پکڑے بیگ پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ پھر ڈھیلی پڑنے لگی۔ اس کے اردگرد گرتے سرخ انگاروں میں سے ایک انگارہ اور اس کی ٹانگ میں پیوست ہو گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی بڑی دل گیر سی' ٹانگ میں گولی لگنے کے بعد وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا۔ بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اس طرف گرا تھا جہاں پولیس کی گاڑیاں تھیں اور سپاہی نکل کر ٹیلے پر چڑھنے لگے تھے۔ انور کو محسوس ہوا' اس کے جسم سے روح نکلنے ہی والی ہے۔ خون اس کی کمر اور ٹانگ سے تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر اس کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے اور وہ بے جان انداز میں ٹیلے کے پیچھے گہری کھائی میں گرتا چلا گیا۔

✦ ✦ ✦

''میڈم آج آپ اتنی صبح آ گئیں۔ آفس کی صفائی کرتے ہوئے چپراسی نے اسے حیرت سے دیکھ کر کہا۔

''اور کوئی نہیں آیا ابھی تک۔'' اس نے کلائی میں بندھی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں میڈم آفس تو دس گیارہ بجے کھلتا ہے۔''

''مگر آج تو میٹنگ ہے۔''

''جی میٹنگ تو ہے مگر وہ تو گیارہ بجے ہو گی۔'' وہ ابھی تک ڈسٹر ہاتھ میں لئے پریشان تھا۔ اور لائبہ دانتوں سے ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ کل شام کو اُسامہ نے اس سے آج کی میٹنگ اٹینڈ کرنے کی تاکید کی تھی۔ میٹنگ اسٹوڈنٹس کو درپیش کنوینس پرابلمز کو کس طرح حل کیا جائے کے سلسلے میں تھی۔ اس نے چھ بجے یونیورسٹی پہنچ جانے کی تاکید کی تھی کیونکہ اس کے کہنے کے مطابق سات بجے میٹنگ شروع ہونی تھی۔ لائبہ فجر کی نماز پڑھ کر ناشتا کر کے پانچ بجے ڈرائیور کے ہمراہ گھر سے نکل چکی تھی۔ اس کے گھر کا راستہ یونیورسٹی تک پہنچنے کا کار کے ذریعے بھی ڈیڑھ گھنٹے کا تھا۔ چپون کی زبانی میٹنگ کا ٹائم سن کر غم و غصے سے اس کا دل دیوار سے سر ٹکرانے کو چاہا تھا۔ اُسامہ نے جان بوجھ کر اسے خوار کیا تھا۔ اسے یہاں کام کرتے تین ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اس عرصے میں اس نے اتنی محنت و دل جمعی سے کام کیا تھا کہ ورکرز کے علاوہ اُسامہ بھی اس کی ذہانت و قابلیت کا دل میں قائل ہو گیا تھا۔ مگر بظاہر وہ اس کے آئیڈیاز اور آرٹیکلز میں نقص نکالا کرتا تھا۔ وہ اس کے معاملے میں تنقید برائے تنقید کے فلسفے کو اپنائے ہوئے تھا۔ مگر لائبہ نے کبھی بھی اس کے کسی اعتراض کو قابل اعتنا نہیں جانا تھا۔ اپنی جگہ ٹھوس چٹان کی طرح جمی رہی تھی۔ اور اس کی اسی مضبوطی پُر وقار سراپا پر جھنجلا کر اُسامہ اس کے خلاف ہو گیا تھا۔ وہ جو لڑکیوں کے خود پر مرمٹنے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کا لاشعور لائبہ سے بھی اسی خواہش کا آرزومند تھا مگر لائبہ ایک بہت نیک باحیا' باکردار' اپنے کام سے کام رکھنے والی ٹھوس لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں بنے لڑکیوں کے غلط امیج کو اس کی معصومیت' شرافت اور پروقار نسوانیت نے توڑ پھوڑ دیا تھا۔ اس نے ثابت کر دیا تھا کہ یہاں ہر لڑکی صرف لیلیٰ اور شیریں بننے نہیں آتی بلکہ عورت کا ایک اصل روپ' اصل مقام اور اصل پہچان لائبہ کا وجود ہے۔ اُسامہ کے ذہن کو' اس کی سوچ کو اس کے خیالات کو اس نے بری طرح شکست دی تھی اور وہ شکست کھا کر بھی فاتح ہی رہنا چاہتا تھا وہ برتری کے ٹاور پر کھڑا خود کو بلند و برتر سمجھنے والا' ایک لڑکی سے قطعی شکست تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا اور شاید یہی وجہ تھی' وہ لائبہ کو زچ کرنے' اسے ستانے' نیچا دکھانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔ مگر لائبہ اس کی ہر زیادتی کا جواب خاموشی سے دیتی تھی۔ خاموشی بھرپور نفرت کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے اور اس کی خاموشی اس جیسے متحمل مزاج اور سرد طبیعت رکھنے والے اُسامہ کو تپا کر رکھ دیتی تھی۔ اس کو جلانے کے لئے ہی اس نے عائشہ شیخ کو بہت زیادہ اہمیت دینی شروع کر دی تھی۔ اکثر بیرونی میٹنگ میں عائشہ شیخ ہی اس کے ساتھ جاتی تھی۔ عائشہ شیخ آج کل بہت مسرور رہنے لگی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اُسامہ کو اپنی طرف جھکانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ آج کل یونیورسٹی میں بھی بہت اہتمام سے آ رہی تھی۔

''میڈم کیا سوچ رہی ہیں آپ۔ ابھی تو بہت ٹائم ہے گیارہ بجنے میں۔'' چپراسی اسے سوچوں میں گم دیکھ کر بولا۔

''ساڑھے چھ بجے ہیں' اب میں واپس گھر بھی نہیں جا سکتی کہ جانے اور واپس آنے میں مجھے بہت وقت لگے گا۔ کلاس بھی آج نہیں لگے گی۔ اب مجھے یہیں بیٹھ کر گیارہ بجنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔'' اس نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

''ابھی کینٹین میں صفائی ہو رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں چائے تیار ہو گی پھر میں آپ کو چائے لا دوں گا۔'' چپراسی میز صاف کرتا ہوا بولا۔

''میں ناشتا کر کے آئی ہوں۔ چائے نہیں پیوں گی۔''

''اچھا' میں باہر بیٹھا ہوں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو گھنٹی بجا دیجئے گا۔''

''اچھا۔'' چپراسی اس کا جواب سن کر دروازہ بند کر کے باہر چلا گیا تھا۔

وہ صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔ کرنے کے لئے اس وقت کوئی کام نہیں تھا۔ اسے شدید بوریت ہو رہی تھی۔ ابھی گیارہ بجنے میں بھی پورے ساڑھے چار گھنٹے باقی تھے اور کرنے کے لئے کوئی کام بھی نہیں۔

''تم جو لوگوں کے لئے بے حد مہذب' پُرخلوص' بے لوث' جان نثار کر دینے والی متاثر کن شخصیت رکھتے ہو' ایک عالم کو تم نے اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے پھر مجھ سے کس بات کا انتقام لیتے ہو۔ کیا ملتا ہے تمہیں مجھے اس طرح خوار کر کے۔ میری تضحیک کر کے۔ کاش مجھے بددعا دینی آتی۔'' وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کئے سوچ رہی تھی۔

دسمبر کے اوائل کے دن تھے۔ سخت سردی میں سورج بھی اتنا ٹھٹھرتا ہوا نکلتا ہے کہ اس کی تپش زمین والوں کو کم لگتی ہے۔ آج بھی سردی شدید تھی اوپر سے سیاہ منہ زور گھٹا نے سورج کو مکمل طور پر اپنے دامن میں چھپا لیا تھا۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے مگر موسم ابر آلود ہونے کی وجہ سے صبح کا وقت ہی لگ رہا تھا۔ تیز چلتی ہوائیں بہت ٹھنڈی تھیں۔ اس وقت سوا گیارہ بج چکے تھے۔ جب اُسامہ عقبی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ (لائبہ کی وجہ سے مسلسل اب وہ عقبی دروازہ استعمال کرتا تھا) وائٹ سوٹ پر چاکلیٹی جیکٹ پہنے وہ گریس فل لگ رہا تھا۔ سردی سے سرخ ہوتا چہرہ بھی بہت جاذب نظر ہو گیا تھا۔ حسب معمول اس کے ہونٹوں میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا۔ وہ اپنی دھن میں دھواں اڑاتا میز کی طرف بڑھا تو بے اختیار اس کی نظر گلاس ڈور کی دوسری سمت صوفے پر پڑ گئی۔ صوفے پر وہ بے خبر سو رہی تھی۔ کشمیری سیاہ شال اس کے سر سے ڈھلک گئی تھی۔ اس کے چہرے پر بہت معصومیت طاری تھی۔ چہرے کی زردی دور ہو چکی تھی۔ گلابی رنگت نے اس کے چہرے کو پرنور جلا بخشی تھی۔ اسے یوں بے خبر سوتے دیکھ کر اس کے ضمیر نے سرزنش کی تھی۔ قبل اس کے کہ وہ اس حرکت پر شرمندہ ہوتا اس کا تفاخر' اس کے ضمیر پر غالب آ چکا تھا۔

اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں رگڑ کر بجھا دی تھی اور سامنے کھڑکی کھول کر پردہ ہٹا دیا تا کہ سگریٹ کی بو چلی جائے۔ وہ تازہ ہوا کی بہترین نکاس تھی۔ لائبہ اس کے لئے واقعی 'نو اسموکنگ' ثابت ہوئی تھی۔ زیادہ تر کام اسے لائبہ سے ہی رہتا تھا۔ اس کی موجودگی میں سگریٹ کے لئے خود پر ضبط کرنا شروع شروع میں تو وہ سخت جھنجلا جاتا تھا مگر پھر اسے بھی برداشت کی عادت پڑ گئی اور اسموکنگ میں بھی بہت کمی آ گئی تھی۔ آفس میں تو اب وہ بہت کم سگریٹ پیتا تھا۔ نادر حیدر راحت نے اس کا زبردست ریکارڈ لگایا تھا۔

کھڑکی کھول کر وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک نظر اس بے خبر وجود پر ڈالی۔ پھر انفارمیشن بیل کا بٹن انگلی سے دبایا۔ بٹن دباتے وقت اس کی نگاہیں لائبہ کے چہرے پر تھیں۔ دوسرے لمحے اس نے لائبہ کو ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ شاید ڈر گئی تھی۔ اس طرح بوکھلا کر اٹھی تھی کہ شانوں پر پڑی چادر قدموں میں گر گئی تھی۔

''صبح بخیر سر۔'' چپراسی اندر آ کر بولا۔ (گیارہ بجے اس کی صبح بخیر ہوتی تھی)

''اور کون کون آیا ہے ابھی۔'' درحقیقت وہ لائبہ کے بارے میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ کب آئی ہے۔ مگر دانستہ وہ اس کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا' چپون خود اس کی مشکل حل کر دے گا۔

''ابھی تو جی حیدر صاحب اور نادر صاحب آئیں گے مگر سر میڈم آج صبح چھ بجے کی آئی ہوئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں' سات بجے میٹنگ ہے۔ میں نے کہا میٹنگ تو گیارہ بجے ہے۔ وہ کہنے لگیں' میرا گھر بہت دور ہے آنے جانے میں بہت ٹائم لگ جائے گا اور......''

''اچھا...... بات مختصر کیا کرو۔ انہیں یہاں بھیجو اور دو کپ چائے لے کر آؤ۔ پہلے یہ پردہ درست کرتے جاؤ۔'' اس نے گلاس ڈور کی طرف اشارہ کیا۔ صوفے پر لائبہ نہیں تھی' وہ شاید منہ دھونے گئی ہوئی تھی۔ سوچتے سوچتے وہ بے خبر سو گئی تھی۔ بہت گہری نیند میں تھی۔ گھنٹی کی آواز اسے جیسے صور اسرافیل کی طرح لگی تھی۔ گھنٹی کی اتنی زوردار آواز تھی کہ لائبہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ چادر بھی اس کے جسم سے پھسل کر پیروں میں گر گئی تھی' اس کا دل بری طرح دھڑک کے جا رہا تھا۔ اس کے حواس ٹھکانے پر آئے تو اس کی نظر گلاس وال کی سمت اٹھ گئی۔ دوسری طرف رخ کئے اُسامہ کرسی پر بیٹھا تھا۔

''اسٹوپڈ' ایڈیٹ' جاہل انسان۔'' غصے سے اس کے منہ سے نکلا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس نے اسے سوتے ہوئے دیکھ لیا ہے اور اسے جگانے کے لئے ہی یہ زوردار آواز والی گھنٹی بجائی ہے۔ وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

''سر آپ کو بلا رہے ہیں میڈم!'' وہ ٹاول سے منہ صاف کرتی ہوئی باہر نکلی تو چپراسی بولا۔

''وہ سر نہیں الو کی دم ہے۔'' وہ ناگواری سے بڑبڑائی۔

''کچھ بولا ہے آپ نے۔'' چپراسی نے پوچھا۔

''نہیں جاؤ۔ وہ ٹاول اسٹینڈ پر رکھتے ہوئے بولی اور چادر درست کر کے فائل میز سے اٹھا کر دروازے پر دستک دینے کے بعد اندر آ گئی۔

''آیئے...... مجھے افسوس ہے آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ میں آپ کو اطلاع نہ کر اسکا کہ میٹنگ آج نہیں ہو گی' کل ہو گی۔'' بہت اطمینان سے اس نے معذرت کر لی۔

''ہونہہ' انتظار سے زحمت' بچپن سے اب تک یہ انتظار ہی تو میری رگوں میں خون کے ساتھ دوڑ رہا ہے۔ میرے سینے میں دل بن کر دھڑک رہا ہے۔ میرے نزدیک زندگی کا مفہوم ہی انتظار ہے۔'' اس نے سوچا۔

''کوئی بات نہیں مجھے عادت ہے انتظار کی۔'' آخری جملہ بے ارادہ ہی اس کے منہ سے نکلا۔

اُسامہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی تھی۔ اس کا گلابی چہرہ بہت پرسکون تھا۔ کچی نیند سے جاگی ہوئی آنکھوں کے گرد سرخی چھائی ہوئی تھی نہ معلوم کیسا درد و کرب تھا' اس کی آنکھوں میں۔

چپڑاسی ٹرے میں چائے اور کپ رکھ کر لے آیا تھا اور میز پر رکھ کر چلا گیا تھا۔

''چائے تو آپ کو بنانی آتی ہوگی۔'' اسے یوں لاتعلق بیٹھا دیکھ کر بولا۔

''جی نہیں۔'' غصے سے اس نے جھنجلا کر جواب دیا۔ اسے چائے بنا کر دینے کے بجائے زہر دینے کو دل چاہ رہا تھا۔

''افتخار انکل بہت تعریف کرتے ہیں آپ کی بنائی ہوئی چائے کی۔ ان کے لئے تو چائے بنا سکتی ہیں آپ۔'' اُسامہ کو اسے چڑانے میں لطف آ رہا تھا۔

''جی ہاں۔ ان کے لئے بنا سکتی ہوں' ہزار بار۔'' پتھر پر اگر مسلسل پانی کی بوند گرتی رہے تو اس میں سوراخ کر دیتی ہے پر لائبہ تو ایک انسان تھی۔ ایک نرم و نازک احساسات رکھنے والی لڑکی۔ اُسامہ کے مسلسل تضحیک و ذلت آمیز رویے نے اس پر چھائی گزشتہ دنوں کی شرمندگی اور احساس کمتری کی چادر تار تار کر دی تھی۔ اس کے لہجے میں پہلے جیسی تلخی اور مضبوطی آ گئی تھی۔

اسی لمحے 'ہیلو' کہتی عائشہ شیخ مسکراتی اٹھلاتی اندر داخل ہوئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس کے پیچھے ہی حیدر اور نادر اندر آئے۔

''ہیلو۔'' اُسامہ نے خوشگوار لہجے میں جواب دیا۔

''اگر میٹنگ ایسے ہی کینسل ہوتی رہی تو ہم کام کر چکے۔'' حیدر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ہو جاتا ہے یار' کبھی کبھی ایسا بھی۔'' اُسامہ اسے تسلی دیتا ہوا بولا۔

''ہم کوئی کام وقت پر نہیں کر پاتے جبھی تو اتنے پیچھے ہیں۔'' نادر بولا۔

''اب اُسامہ کو تو یہ معلوم نہ تھا کہ عین وقت پر کورز صاحب ڈیٹ چینج کر دیں گے۔'' عائشہ اُسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ جواب میں اُسامہ بھی مسکرایا تھا۔

''آپ بتائیں لائبہ! یہ بے حسی اور غیر ذمے داری نہیں ہے۔'' حیدر اس سے بولا۔

''کرسیاں ہمیشہ ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہیں جو بلند بانگ دعوے اور جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔'' لائبہ نے بہت خوبصورتی سے اُسامہ کے طرز عمل پر چوٹ کی تھی۔ ان دونوں نے اسے بہت سراہا تھا۔ لائبہ فائل میز پر رکھ کر باہر نکل آئی۔ عائشہ شیخ کی تیز نگاہوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ وہ لائبہ سے مستقل جیلس رہتی تھی اور جب سے اُسامہ نے اسے لفٹ دینی شروع کی تھی' لائبہ کا وجود اسے بری طرح کھٹکنے لگا تھا۔

✦ ✦ ✦

''میرے خوابوں میں جو آئے۔ آ کر مجھے تڑپائے۔ اس سے کہو ذرا سامنے تو آئے''

''کون ہے وہ ایڈیٹ۔ ذرا نام تو بتاؤ۔ ابھی کان سے پکڑ کر تمہارے سامنے لا کر کھڑا کر دیتی ہوں۔ اوہ اب میں یہ ہرگز نہیں کہوں گی کہ جب وہ بات کرتا ہے تو پھول جھڑنے لگتے ہیں۔ کیوں کہ مرد اور پھول بہت غیر رومانٹک سا تصور ہے۔''

طوبیٰ اندر آنے والی لائبہ کو لپٹاتے ہوئے ہنس کر بولی۔ ''آج فرصت مل گئی ادھر آنے کی۔''

''میں تمہیں ابھی لینے ہی جانے والا تھا۔'' اس کی آواز سن کر شاہ رخ کمرے سے نکل کر بولا۔

''ایک گڈ نیوز ہے تمہارے لئے۔''

''گڈ نیوز اور وہ بھی میرے لئے۔'' لائبہ نے استفہامیہ نگاہوں سے شاہ رخ کی جانب دیکھا۔

''اب بتا بھی دو فضول میں سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔'' طوبیٰ اس کی جانب دیکھ کر چڑ کر بولی جو اپنی بات کہہ کر ایسے بن گیا تھا جیسے ابھی کچھ کہا ہی نہ ہو۔

''پہلے گرما گرم کافی پلواؤ۔ ساتھ میں نمکین پستے اور کرارے کرارے پاپڑ بھی ہونے چاہئیں۔''

''بتاتے ہو یا ابھی۔'' لائبہ نے ریک سے موزائک ڈول اٹھا کر اس کے سر سے کچھ اوپر فاصلے پر روک کر دھمکی دی۔

''ثابت کر دیا۔ آج پکا پکا ثابت کر دیا تم نے کہ......'' شاہ رخ ہنستا ہوا بولا۔

''کیا ثابت کر دیا۔'' اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

''یہی کہ تمہاری رگوں میں خالص اُسامہ کا خون دوڑ رہا ہے۔ وہ بھی یونہی غصے میں مرنے مارنے کو تیار ہو جاتا ہے۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''بکواس مت کرو۔'' لائبہ کا لہجہ اچانک ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اس نے گڑیا واپس ریک میں رکھ دی۔

''میں تمہاری فرمائش خانساماں کو نوٹ کروا کر آ گئی ہوں۔ وہ تیار کر کے لاتا ہے۔ اب بھونکو کیا خبر ہے۔'' طوبیٰ جو اس کی عادت جانتے ہوئے خانساماں کو کافی کا کہنے چلی گئی تھی۔ واپس کمرے میں آ کر اس سے مخاطب ہوئی۔ ان دونوں میں اکثر بات بے بات جھگڑا رہتا تھا۔

''اچھا' بھونکوں' یعنی میں کتا ہوں اگر میں کتا ہوں تو لائبہ ڈیئر کتے کی ہمشیرہ کو کیا کہتے ہیں۔''

''شٹ اپ۔'' لائبہ اس کی بکواس سے تنگ آ کر چیخی۔

''اچھا انگلش میں کتے کی بہن کو شٹ اپ کہتے ہیں۔ اچھا میری دو شٹ اپ ہیں۔ ارے رے' یہ تو غضب ہو گیا۔ یہ شٹ اپ تو اکثر ڈیڈی' ممی کو کہتے ہیں۔''

طوبیٰ نے غصے سے اسٹینڈ پر رکھا گلدان شاہ رخ کے سر پر کھینچ مارا مگر عین اسی لمحے اس نے نیچے قالین پر چھلانگ لگا دی گلدان دیوار سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔

''اسی لئے تو کہتے ہیں' غصہ حرام ہے۔ یہ سوچنے سمجھنے کی صلاحتیں سلب کر لیتا ہے۔ اب تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنا پسندیدہ گلدان توڑ دیا۔ جسے تم پرسوں ہی لائی تھیں۔'' وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''شاہ! تم بتا رہے ہو یا میں جاؤں۔'' لائبہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔

''پہلے ایک بات بتاؤ سچ سچ۔ کیا تمہارا دل چاہتا ہے' تم تقریریں کرو' جلوس نکالو' احتجاج کرو اور لوگوں کے سوئے ہوئے ذہنوں کو بیدار کرو۔'' اس کے لبوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔

''بالکل نہیں' سمجھے۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''چاہنے لگے گا۔ بہت جلد چاہنے لگے گا۔ کیونکہ ایک انقلابی محب وطن سیاست داں کا خون تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اور اس خون کا اثر میں تمہارے غصے میں دیکھ رہا ہوں۔ آگے آگے بہت کچھ دیکھنے کی امید ہے۔''

''دیکھو شاہ' اگر اب تم نے اس شخص کا نام میرے ساتھ لیا تو میں یہاں کبھی نہیں آؤں گی۔''

''ارے' اس میں اتنا غصہ ہونے کی کیا ضرورت ہے لائبہ۔ ویسے اس کی عادت ہے' بک بک کرنے کی۔ دفع کرو اسے۔ یونہی بکواس کر رہا ہے۔ چلو لان میں چل کر کافی پیتے ہیں۔ خانساماں کو میں وہیں چائے لانے کا بول کر آئی تھی۔'' طوبیٰ اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتی ہوئی بولی۔

''انکل اور آنٹی کہاں گئی ہیں۔'' لائبہ لان میں رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تائی عمرے پر جانے والی ہیں۔ ممی ڈیڈی ان سے ملنے گئے ہیں۔'' طوبیٰ پلیٹ میں لوازمات رکھ کر اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ شاہ اپنی پلیٹ پہلے ہی لے کر بیٹھ چکا تھا۔

''لائبہ کے لئے خوشخبری یہ ہے کہ ڈیڈی انہیں سیر کروانے شکار پور لے کر جائیں گے۔'' شاہ رخ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''کیا سچ' انکل شکار پور جا رہے ہیں؟'' لائبہ اس کے قہقہے کو نظر انداز کر کے خوشی سے بولی۔

''ارے تم تو ایسے خوش ہو رہی ہو جیسے شکار پور کے بجائے سنگاپور جا رہی ہو۔'' طوبیٰ اور شاہ دونوں اسے دیکھتے ہوئے حیرانی سے بولے۔

''میں نے ہی انکل سے کہا تھا' جب وہ گاؤں جائیں تو مجھے ساتھ لے کر ضرور جائیں۔ میں وہاں کی آب و ہوا' سر سبز کھیت اور باغات دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ ٹکنگر چپس کھاتی ہوئی بولی۔

''آب و ہوا۔ کھیت اور باغات' ہاں ہاں جانا شوق سے۔ واپسی میں پوچھیں گے ہم تمہارے شوق کے شق کا کیا بنا۔'' شاہ رخ مسلسل قہقہے لگاتا ہوا بولا۔

''کیا رکھا ہے گاؤں میں۔ دھول مٹی گندگی' غربت اور پسماندگی کے علاوہ وہاں تمہیں کوئی دوسری چیز نہیں ملنے کی۔ کچے کٹے پھٹے راستوں سے گزرتے ہوئے تمہاری ہڈیوں کا ایک ایک جوڑ ہل جائے گا۔ کچھ سال پہلے ممی' میں اور شاہ بڑے ہی اشتیاق سے ڈیڈی کے ساتھ گئے تھے مگر وہاں پہنچ کر ایک دن بھی نہ ٹھہرے اور شام کو ہی واپس آ گئے تھے اور توبہ کر لی پھر کبھی نہ گئے۔ ڈیڈی ہی چھ ماہ بعد جا کر زمین دیکھ آتے ہیں اور حساب کتاب کر آتے ہیں۔ تم بھی یہ خیال چھوڑ ہی دو اگر وزٹ پر ہی جانا ہے تو مری' کالام' سوات' وغیرہ چلتے ہیں۔'' طوبیٰ اسے سمجھاتے ہوئے بولی

''گاؤں میں کیا انسان نہیں رہتے۔ میں ضرور جاؤں گی۔ چاہے تم دونوں نہ جاؤ۔''

''اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔ تم جاؤ۔ اب تمہیں اپنی ضد تو پوری کرنی ہے' حالانکہ اس میں قصور' تمہارا بھی نہیں ہے۔ یہ سب تو کسی کے خون کا اثر ......'' قبل اس کے وہ جملہ مکمل کرتا۔ لائبہ نے غصے سے ہاتھ میں پکڑا گلاس اس کے سر کی طرف اچھال دیا۔ وہ حسب معمول ہنستا ہوا گھاس پر پہلے ہی چھلانگ لگا چکا تھا۔

✦ ✦ ✦

انور نے کراہ کر آنکھیں کھولیں۔ کچھ دیر تو وہ چھت پر لٹکے روشن فانوس کو بے خیالی میں دیکھتا رہا پھر اس کا شعور بیدار ہوا تو جیولرز شاپ لوٹنے' پولیس کے تعاقب کرنے اور اپنے جسم میں گولیاں لگنے کے بعد' کھائی میں گرنے کا منظر اس کی آنکھوں میں فلم کی طرح چلنے لگا تو وہ گھبرا کے اٹھ کر بیٹھنے لگا مگر دوسرے لمحے وہ بے دم انداز میں گر گیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے پورا بدن زخم بن گیا ہو۔ وہ دانت بھینچ کر تکلیف پر قابو پانے لگا مگر اس کی حیران و پریشان نگاہیں پورے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کمرہ بہت کشادہ اور قیمتی سامان سے مزین تھا۔ فانوس سے نکلتی ہوئی روشنی نے کمرے کی بیش بہا ڈیکوریشن کو منور کر رکھا تھا۔

''تھینکس گاڈ' آپ کو ہوش آ گیا۔'' سامنے دروازہ کھلا اور براؤن پردہ ہٹا کر آف وائٹ سوٹ میں ملبوس ایک خوبصورت لڑکی اندر آ کر بولی۔ اس کے حسین چہرے پر بے پناہ مسرت تھی۔ وہ آ کر اس کے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''مجھے یہاں کون لایا ہے؟'' انور کوشش کے باوجود اس کے چہرے سے نگاہیں نہ ہٹا سکا۔ یہ چہرہ' یہ آنکھیں جن کے ہوشربا سحر سے وہ خود کو بہت عرصے بعد نکال سکا تھا۔ آج پھر وہی ساحرہ اس کے سامنے تھی۔ اپنے حسن کی تمام تر حشر سامانیوں سمیت۔ اس کا دل بہت خوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا تھا مگر بہت جلد اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔

''ہم لائے ہیں آپ کو یہاں۔'' وہ بہت دلنشین انداز میں بولی اور انور کو ایسا لگا' گویا نقرئی گھنٹیاں کانوں میں گنگنا اٹھی ہوں۔ ''میں اور میری دوست حیدر آباد گئی تھیں۔ وہاں فری میڈیکل کیمپس لگائے گئے ہیں۔ ایک ہفتے کی ہماری ڈیوٹی لگائی گئی تھی وہاں۔ ایک ہفتہ ہمارا کل مکمل ہو گیا تھا۔ اس لئے آج ہماری وہاں سے روانگی تھی۔ ڈرائیور کے ہمراہ ہم تینوں اسپتال وین میں واپس آ رہے تھے' جب آپ ہمیں ایک کھائی نما گڑھے میں گرتے ہوئے نظر آئے۔ اس گڑھے میں بارشوں کا پانی جمع ہو گیا تھا۔ وہی پانی آپ کے لئے آب حیات ثابت ہوا۔ ورنہ آپ کے جو اتنے گہرے زخم آئے ہیں تو پانی میں گرنے کی وجہ سے آپ کے زخموں سے خون زیادہ نہ بہہ سکا۔ ڈرائیور کی مدد سے ہم آپ کو اٹھا کر وین میں لے آئے اور وہیں میں نے آپ کی پشت سے گولی نکال دی۔ اس کا زہر دھونے کے لئے ہم کو اس کا چھوٹا سا آپریشن

کرنا پڑا۔ اسا تنگ میں آپ کے کولی رگڑ کھاتے ہوئے گزری ہے۔ اس لئے صرف زخم ہے ہڈی بالکل درست ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے تفصیل بتائی۔

''آپ ڈاکٹر ہیں۔'' انور حیرانی سے بولا۔

''جی آپ اتنا حیران کیوں ہو رہے ہیں۔''

''ڈاکٹرز تو بہت بڑی عمر کے ہوتے ہیں۔ آپ تو بہت چھوٹی لگ رہی ہیں۔''

''اچھا۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''آپ کے لئے میں سوپ لے کر آتی ہوں۔'' بٹلر کو میں آرڈر دے چکی تھی۔

''نہیں' شکریہ' میں اب جاؤں گا۔ مجھے حیرت ہے' آپ نے ابھی تک مجھ سے یہ نہیں پوچھا۔ میرے یہ زخم کیسے آئے اور میں کون ہوں۔'' وہ دیر سے ذہن میں گونجنے والے سوالوں کو زبان پر لے آیا۔

''میں نے اپنی فرینڈز اور ڈرائیور کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ آپ میرے کزن ہیں اور اکثر بزنس کی وجہ سے آپ کی کچھ لوگوں سے دشمنی رہتی ہے۔ اس لئے شاید آپ کسی دشمن کی گولیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔''

''لیکن آپ نے جھوٹ کیوں بولا۔'' انور شدید حیران تھا۔

''آپ کا ایک احسان تھا مجھ پر۔ اس قرض کے اتارنے کے لئے میں نے جھوٹ بولا۔'' اس کے مسکراتے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

''احسان! کیسا قرض؟'' انور بڑبڑایا۔

''ایک رات آپ نے میری آبرو بچا کر مجھے ایک نئی زندگی دی تھی۔ آج میں نے اس عظیم احسان کو اتارنے کی ادنیٰ سی کوشش کی ہے مگر آپ کا وہ احسان میں زندگی بھر نہیں اتار سکتی۔

''انور کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ لڑکی اسے پہچان نہیں سکی ہے مگر وہ بڑی عقیدت مند نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ انور کی نظریں خود بخود جھک گئیں۔

''آپ نے مجھے پہچانا کیسے حالانکہ اس رات میرے چہرے پر نقاب تھا۔'' اس کی آواز بہت پست تھی۔

''جس وقت آپ گرے تھے' نقاب آپ کے چہرے سے ہٹ گیا تھا اور یہ میری عادت ہے جس چہرے کو میں ایک دفع دیکھ لوں' اسے کبھی نہیں بھولتی چاہے وہ چہرہ اندھیرے میں ہی کیوں نہ دیکھا ہو۔'' اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ انور آنکھیں بند کر کے ایسے لیٹ گیا' جیسے اب کبھی نہیں کھولے گا۔

''میرا نام کنول ہے۔ کنول درانی' پچھلے سال میں نے ہاؤس جاب کمپلیٹ کیا ہے۔ اب برنس روڈ پر اپنا ذاتی کلینک چلا رہی ہوں۔ آپ کو اپنے ذہن پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ یہاں بالکل محفوظ ہیں کیونکہ آپ پولیس کمشنر کے گھر میں ہیں۔''

''پولیس کمشنر۔'' انور نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔

''گھبرایئے نہیں۔ پپا ان دنوں کسی سیکرٹ مشن پر شہر سے باہر ہیں' بھابی اور بھیا لندن گئے ہوئے ہیں' میں اور مما ہیں۔ مما کو اپنی سوشل ایکٹیویٹیز سے لمحے بھر کی فرصت نہیں ملتی جو وہ کسی دوسرے کی طرف دھیان دیں۔ اس لئے آپ بے فکر ہو کر ریسٹ کریں۔ آپ جو بھی کوئی ہیں' فی الحال بھول جائیں۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

✦ ✦ ✦

''ہیلو۔ مس لائبہ شکارپوری یہاں تشریف رکھتی ہیں۔'' انداز تخاطب اتنا پر مزاح و بیساختہ تھا کہ اُسامہ جیسا ریزرو رہنے والا بندہ بھی بے اختیار قہقہہ لگا بیٹھا تھا۔

''نہیں' وہ ابھی یہاں نہیں آئی ہیں۔'' اُسامہ نے شاہ رخ کی آواز پہچان کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے' وہ پوری کا شکار کرنے شکارپور روانہ ہو چکی ہیں۔'' ریسیور سے اس کی آواز ابھری۔

''میں اس بارے میں تمہیں کوئی اطلاع نہیں دے سکتا۔''

''اپنا خون دے سکتے ہو مگر انفارمیشن نہیں دے سکتے۔'' دوسری طرف سے شاہ رخ کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''فضول باتوں سے پرہیز کیا کرو۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''یہ پرہیز ورہیز اپنے بس کا روگ نہیں ہے پیارے۔ یہ چیز تمہی پر سوٹ کرتی ہے۔ فی الحال یہ عرض کرنا ہے کہ سیاست کے افق پر بہت اونچی پرواز جاری ہے تمہاری۔ روزانہ اخبارات میں تمہارے زبردست بیانات آ رہے ہیں۔ لوگ تمہیں بہت زیادہ سراہ رہے ہیں۔ لگ رہا ہے' آئندہ ہونے والے الیکشن میں کوئی بڑی سیٹ حاصل کر لو گے۔''

''مجھے کسی بھی کرسی اور تاج کی ہوس ہے اور نہ ضرورت۔ میں صرف مظلوم و بے سہارا لوگوں کو ان کا جائز مقام اور حقوق دلوانا چاہتا ہوں۔ لوگ خوشحال ہوں' معیشت مضبوط ہو' ملک ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں شمار ہونے لگے۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں چاہتا۔'' اس کا لہجہ ٹھوس اور سنجیدہ تھا۔

''بہت سی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اُسامہ مگر ذرا سنبھل کر' تمہارے گرد ایسے چہرے بہت ہوں گے جو ماسک چڑھائے ہوئے ہوں۔ اوکے میں لائبہ کو گھر فون کرتا ہوں۔''

''اُسامہ نے بھی اللہ حافظ کہہ کر فون رکھ دیا اور بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے گلاس وال کی جانب دیکھا۔ لائبہ کی سیٹ ابھی خالی تھی۔

جب سے لائبہ نے اسسٹنٹ کی سیٹ سنبھالی تھی' وہ عائشہ شیخ کو بہت زیادہ اہمیت دینے لگا تھا۔ نہ معلوم کس جذبے کے تحت وہ لائبہ کو نظر انداز کر رہا تھا مگر مسلسل اس کی تضحیک و تذلیل کر کے ایک اطمینان سا خود میں محسوس کرتا تھا۔ ٹی پارٹی والے دن اس کے زہر پینے سے جو اس کے خیالات لائبہ کے لئے لچک دار ہو گئے تھے' وہ ہمدردی وقتی ثابت ہوئی تھی۔ اب تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اس کا مخالف ہو گیا تھا۔ لائبہ بھی اس کے کسی رویے کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھی۔ اس کا انداز بھی اس کے لئے سرد و بیگانہ ہوتا تھا۔ ان کے درمیان چھڑی خاموش بے معنی جنگ نے عائشہ شیخ کو کھلی آزادی دے دی تھی۔ وہ اکثر اُسامہ کے ساتھ نظر آتی تھی اور آفس میں بھی وہ اس کے کمرے کے چکر لگاتی رہتی تھی مگر وہ اب اس کی برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔ اس نے جبراً اسے معمولی لفٹ دی تھی مگر وہ دن بدن مصیبت بنتی جا رہی تھی۔

''ہیلو۔'' وہ سوچوں میں گم سوچنے میں مصروف تھا۔ عائشہ شیخ مسکراتی اٹھلاتی اندر آ کر ایک ادا سے اس سے مخاطب ہوئی اور اُسامہ کو لگا' جیسے اس کے منہ میں زہر گھل گیا ہو۔ اس کے چہرے پر ناگواری و بیزاری چھا گئی تھی۔

عائشہ شیخ نے یلو کلر کے ٹیلیپر پر بغیر آستینوں کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ چہرہ حسب معمول تیز میک اپ سے چمک رہا تھا۔ اس کے اس حلیے نے اسے اچھا خاصا تپا دیا تھا۔

''آج میری برتھ ڈے ہے۔ آپ کو ضرور آنا ہو گا اگر آپ نہیں آئے تو میں کیک نہیں کاٹوں گی۔'' وہ بہت زیادہ ترنگ میں تھی یا اُسامہ کی کچھ دنوں کی لفٹ نے اسے اتنا بے باک و حوصلہ مند بنا دیا تھا کہ وہ اپنے عریاں بازو بے تکلفی سے اس کی کمر کے گرد ڈالتے ہوئے بولی۔ اُسامہ کے لمبے قد کی وجہ سے اس کے بازو گردن تک نہ پہنچ سکے تھے۔ اُسامہ بری طرح بوکھلا گیا۔ اس کے تصور میں بھی عائشہ کی یہ بے باکی نہیں تھی۔ عین اسی لمحے دروازہ کھول کر لائبہ اندر آئی اور اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بے اختیار اس کی نظریں گلاس وال کی طرف اٹھیں تو مارے گھبراہٹ کے پرس اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اس نے فوراً رخ دوسری طرف موڑ لیا۔ اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر اُسامہ کو اپنے اندر انگارے سے دہکتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس نے جھٹکے سے عائشہ شیخ کو خود سے دور کیا۔ دوسرے لمحے اس کا ہاتھ پوری طاقت سے عائشہ شیخ کے بائیں رخسار پر اپنی انگلیوں کے نشان چھوڑ چکا تھا۔ عائشہ شیخ چیختی ہوئی آفس ٹیبل پر گری تھی۔

''عورت اگر اپنے منصب سے گر جائے تو جوتے کے نیچے آنے والی خاک سے بھی زیادہ حقیر بن جاتی ہے۔ مجھے امید ہے' میرا تھپڑ تمہارے اور میرے درمیان فاصلہ رکھنے میں مددگار ثابت ہو گا اور تمہیں محرم اور نامحرم کی تمیز بھی آ جائے گی۔ گیٹ لاسٹ۔'' اس کے لہجے میں آتش فشاں دہک رہا تھا۔

عائشہ شیخ رخسار پر ہاتھ رکھے تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

لائبہ کو اپنا جسم سن ہوتا ہوا محسوس ہوا اور دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ آج اس کی جنس مخالف سے گریز کا پردہ اٹھ گیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا' چیخ چیخ کر وہ ان بیوقوف لڑکیوں کو اس بہروپئے کا اصل کردار بتائے۔ بظاہر ٹھوس' شریف نیک نظر آنے والا کتنے گھناؤنے کردار کا مالک تھا۔ اس کی نظروں میں وہ منظر جیسے جم گیا تھا۔ وہ ابھی رومال سے اپنے چہرے پر آیا پسینہ پونچھ رہی تھی کہ دروازہ کھول کر اندر سے عائشہ شیخ نکلی اور تیزی سے مین گیٹ کھول کر باہر چلی گئی۔ لائبہ نے مارے نفرت کے اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ عائشہ شیخ کی اُسامہ کے ساتھ بے تکلفی اس کی نظروں سے چھپی نہیں تھی۔ کچھ دنوں سے وہ بہت زیادہ اُسامہ کے گرد چکر لگانے لگی تھی۔ اُسامہ بھی اس سے اکثر کچھ نہ کچھ ڈسکس کرتا نظر آتا تھا مگر اس کا انداز بہت مہذب اور ایک حد میں رہنے والا ہوتا تھا اور ان کے درمیان آفس ٹیبل رہتی تھی مگر آج! آج سارے ہی فاصلے سمٹ گئے تھے۔ کاش' میں کچھ دیر بعد آ جاتی تو یہ حیا سوز سین تو مجھے نہ دیکھنے کو ملتا۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ اس کی پشت ابھی تک گلاس وال کی طرف تھی۔

''السلام علیکم۔'' حیدر اور نادر نے دروازہ کھول کر اندر آ کر اسے سلام کیا۔ وہ دونوں حیران و پریشان لگ رہے تھے۔ ''عائشہ شیخ کو کیا ہوا۔ وہ بہت جارحانہ موڈ میں کار لے کر گئی ہے۔''

لائبہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف کندھے اچکا کر ناواقف ہونے کا اظہار کیا۔ وہ دونوں درمیانی دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔ لائبہ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ وال پر پردہ ڈال چکا تھا۔

''عائشہ شیخ کیوں روتی ہوئی گئی ہے اور اس کے گال پر انگلیوں کے نشان بھی ہیں۔'' حیدر بیٹھتے ہی اُسامہ سے بولا۔ اُسامہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ موڈ بھی اس کا حد درجہ بگڑا ہوا تھا۔ وہ اضطراری کیفیت میں مسلسل ٹیبل پر موجود پیپر ویٹ کو گھما رہا تھا۔ جس سے اس کی ذہنی الجھن واضح تھی۔

''فی الحال اس وقت میں تنہائی چاہتا ہوں۔ کوئی بات کرنے کا موڈ نہیں ہے۔''

''حیدر اور نادر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اُسامہ کا سرد لہجہ معاملے کی سنگینی کا پتا دے رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھے رہے۔ اُسامہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بائیں ہاتھ سے پیشانی رگڑ رہا تھا۔

''اوکے ہم پھر آئیں گے۔ اس وقت تم زیادہ ڈسٹرب لگ رہے ہو۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

''بیٹھو بیٹھو یار۔ میں ٹینشن میں بد اخلاق بن گیا ہوں۔ سوری یار پلیز۔'' ان دونوں کو اٹھتے دیکھ کر اسے خود اپنی حرکت بری لگی۔ وہ ان سے خفت آمیز لہجے میں بولا۔

پھر ان دونوں کے بھرپور تجسس پر اسے وہ روداد سنانی پڑی۔ عائشہ کی بے باکی اور عین اسی لمحے لائبہ کی آمد اسے بری طرح ڈسٹرب کر چکی تھی۔ لائبہ کی نگاہوں میں نہ معلوم کیسے تاثرات تھے کہ وہ بہت گرا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔

''تم اتنے کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ عائشہ شیخ جس قسم کی لڑکی ہے' وہ سب جانتے ہیں۔ اگر مس لائبہ نے دیکھ لیا ہے تو انہوں نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ عائشہ کے بازو تمہارے گرد تھے' عائشہ کے گرد تمہارے بازو نہیں تھے اور یہی تمہاری بے گناہی کا ثبوت ہے۔'' حیدر بولا۔

''یہ قوم بہت پست ذہن ہوتی ہے۔ صرف اپنی رائے کو' اپنے مشاہدے کو درست سمجھتی ہے۔ اور یہ لڑکی تو نہ معلوم خود کو کیا سمجھتی ہے۔ زہر سے بھی زیادہ خطرناک لگتی ہیں ایسی لڑکیاں جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو بہت کچھ سمجھتی ہیں۔'' اس کی مسلسل جھنجلاہٹ کا سبب لائبہ تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا تم مس لائبہ سے خوفزدہ کیوں ہو گئے ہو۔'' نادر حیرانی سے بولا۔

''خوفزدہ اس سے۔ وہ بھی میں۔'' اُسامہ بری طرح تلملا کر رہ گیا تھا۔

''تم شاید اس لئے ڈسٹرب ہو رہے ہو کہ تمہارا بے داغ کردار ان کی نظروں میں داغ دار ہو گیا ہے تو جب تم نے عائشہ کو تھپڑ مارا ہو گا تو آواز یقیناً ان تک گئی ہو گی۔''

''نہیں' گلاس وال کی وجہ سے نہ آواز باہر جا سکتی ہے اور نہ یہاں باہر کی آواز آ سکتی ہے' چلو دفع کرو۔ اس ناپک کو اگر اس احمق لڑکی نے کبھی مجھے اس حوالے سے بلیک

میل کرنے کی کوشش کی تو دماغ درست کردوں گا اور اس عائشہ شیخ کو سمجھا دینا کبھی میرے سامنے نہ آئے۔" وہ خود کو سنبھال چکا تھا۔ اس لئے اب اس کا لہجہ کچھ نارمل ہو گیا تھا۔

وہ دونوں چلے گئے تھے۔ دو گھنٹے گزرنے کے باوجود لائبہ فائل وغیرہ لے کر اندر نہیں آئی تھی۔ ورنہ روزانہ وہ دفتر آتے ہی فائل لے کر اس کے پاس آ جایا کرتی تھی۔

اُسامہ نے مزید تھوڑی دیر انتظار کیا مگر وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اس نے انٹرکام کا بٹن پریس کر دیا۔

"مس نور اگر آپ کی نیند پوری ہو گئی ہو تو براہ مہربانی فائلز لے کر آئیں۔" اس کا لہجہ خود بخود ہی سرد ہو گیا تھا۔ دوسری طرف لائبہ کا جواب سنے بغیر وہ انٹرکام آف کر چکا تھا پھر کرسی سے اٹھ کر وہ کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔

"مجھے ایک ہفتے کی چھٹی چاہئے۔" لائبہ اندر آ کر فائلیں ٹیبل پر رکھ کر بلا تمہید کے بولی۔

"کیوں؟"

"میں وجہ بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"پھر چھٹی آپ کو نہیں ملے گی۔" اُسامہ اس سے بھی زیادہ ضدی لہجے میں بولا۔ لائبہ کا مضبوط لہجہ اسے دہکا رہا تھا۔

"مسٹر اُسامہ ملک! میں لڑکی ہوں ذرا دوسرے مزاج کی۔ میں اپنی مرضی چلانے والوں میں سے ہوں۔ میں کبھی بھی آپ کے لئے عائشہ شیخ جیسا سستا جذباتی کھلونا ثابت نہیں ہوں گی جسے آپ جب چاہیں اپنی......"

"اوہ شٹ اپ! مائنڈ یور لینگویج۔" اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی اُسامہ بری طرح دہاڑا تھا۔ اس کی توقع سے بھی جلد لائبہ اسے طعنہ دے چکی تھی اور جس انداز میں جس لہجے میں وہ اس سے مخاطب ہوئی تھی اس نے اسے کسی دہکتے ہوئے نادیدہ الاؤ میں ڈال دیا تھا۔ ایک دم ہی اس پر وحشت سوار ہو گئی۔ اس نے غصے میں آگے بڑھ کر لائبہ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ لائبہ کے تصور میں بھی اس کی ایسی کوئی حرکت نہ تھی۔ اچانک اس کے بازو کھینچنے سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور کسی بے جان گڑیا کی طرح اس کی طرف کھنچ گئی مگر فوراً ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ اُسامہ کے سینے پر رکھ کر خود کو سنبھالا تھا ورنہ سیدھی اس کے سینے سے ٹکراتی۔

"مجھے معلوم ہے تم لڑکیوں کی ذہنیت تھرڈ کلاس ہوتی ہے اندر سے غلیظ باہر سے پولشڈ۔"

لائبہ دیوار سے لگ گئی تھی اور اس نے دونوں بازو لائبہ کے اردگرد دیوار پر مضبوطی سے جما دیے تھے۔ اس کے منہ سے نکلنے والی سانسیں لائبہ کے چہرے پر گرم بھاپ کی طرح لگ رہی تھیں۔ خون کی شدید روانی سے اُسامہ کا چہرہ قندھاری انار کی طرح ہو رہا تھا۔ وحشت وجنون سے اس کی براؤن شفاف آنکھوں میں خون سا اتر آیا تھا۔ اس کی حالت زخمی شیر جیسی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔ راستہ چھوڑیں میرا۔" لائبہ کا رویہ برقرار تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی اُسامہ اپنی بیہودہ حرکت پر پردہ ڈالنے کے لئے اسے خوفزدہ کرنا چاہ رہا ہے۔

"تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔ کس بات پر اتنا اکڑتی ہو۔ ہاں بولو۔" اُسامہ غرا کر بولا۔

لائبہ کو اپنے گرد خطرے کی گھنٹیاں بجتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اُسامہ اسے دیوانگی کی حدوں سے باہر نظر آنے لگا تھا۔

"میرا راستہ چھوڑیں جانے دیں مجھے۔ ورنہ میں شور مچا کر آپ کی شرافت اور نام نہاد گریس کا بھانڈا پھوڑ دوں گی۔" وہ خوفزدہ ہونے کے باوجود خود کو کنٹرول کر کے مضبوط لہجے میں بولی۔

"کاش اماں جان مجھے حرام وحلال جائز وناجائز کی تربیت نہ دیتیں تو میں تمہیں ابھی تمہاری اس بے ہودہ بکواس کا مقصد سمجھا دیتا۔"

"کیا کر لیتے آپ میرا۔ کیا کر سکتے ہیں؟"

"تمہیں اپنی اس گلابی چمڑی پر حد سے زیادہ ناز ہے۔" اس کے ہاتھ دہکتی ہوئی سلاخوں کی طرح اس کے کندھوں پر جم گئے تھے۔ "آئندہ..... آئندہ مجھ سے اس رکیک انداز میں بات مت کرنا۔ ورنہ اگر میرے اندر کا وحشی انا پرست مرد جاگ گیا تو..... تو تم یہ اپنا گلابی چہرہ کسی کو دکھانے کے قابل نہیں رہو گی سمجھیں۔ اسٹوپڈ گرل مرد اگر عیاشی کرتا ہے تو کسی پردے کسی دیوار کی پروا نہیں کرتا۔ یہ دنیا یہ معاشرہ مرد کا ہے۔" وہ اس وقت جس وحشی انداز میں تھا اس کا یہ روپ دیکھ کر لائبہ کی تمام تر قوت مدافعت دم توڑ چکی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے آخری جملے نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ اتنی نادان نہیں تھی کہ ان جملوں میں چھپی دھمکی کے مفہوم کو نہیں سمجھتی۔ وہ کسی طور پر بھی خود کو اس کے سامنے زیر کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"آپ جیسے مرد سے اس کے علاوہ توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے۔"

باوجود ضبط کے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ انا پر لگنے والے زخموں سے نمکین پانی نکل کر اس کی ہری آنکھوں کے گھر سے تا لب پر جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔

"اوہ کاش میں......" اس کی آنکھوں سے آنسو رخساروں پر بہتے دیکھ کر وہ ہونٹ بھینچتا رہا کچھ دیر اس کے چہرے کو قہر آلود نظروں سے دیکھ کر اپنے ہاتھ اس کے بازوؤں پر سے ہٹا لئے۔ اس کا انداز مضطربانہ تھا۔ وہ تیزی سے ہاتھوں کو رگڑ رہا تھا۔ اس کے چٹانی چہرے پر زلزلے کے سے آثار تھے۔ "مجھے صرف افتخار انکل کی عزت کا خیال ہے ورنہ......" اس نے بڑبڑاتے ہوئے آفس ٹیبل پر رکھے پھولوں سے مہکتے گلدان کو ایک دھماکے سے دیوار پر مارا تھا پھر اسے جیسے کوئی جنونی دورہ پڑ گیا تھا آفس ٹیبل پر رکھی ساری چیزیں لمحوں میں کارپٹ پر کرچیوں کی صورت میں بکھری پڑی تھیں۔ فائلوں کے کاغذ پورے کمرے میں پھیل گئے تھے۔ لائبہ سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جو طوفان بنا ہر چیز کو تہس نہس کر دینے کے درپے تھا۔ اس کا یہ جنونی روپ دیکھ کر وہ واقعی اپنی اکڑ بھول گئی تھی۔ اس کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا کہ اگر اس کا رخ اس کی طرف ہو گیا تو۔ وہ معمولی سی بھی مزاحمت اپنے بچاؤ کے لئے نہیں کر سکے گی۔ اس کی فولادی طاقت کا اندازہ اسے بخوبی ہو گیا تھا۔ اپنے کاندھوں پر اس کی انگلیاں ابھی تک گڑی ہوئی محسوس کر رہی تھی۔ آفس کی تمام چیزیں توڑنے کے بعد اس نے کچھ دیر لمبے لمبے سانس لئے۔ اس کے اندر ہونے والی کشمکش اس کی ایک ایک حرکت سے ظاہر تھی۔ کچھ دیر وہ اسی انداز میں سانس لیتا رہا جیسے وہ اپنے اندر کسی سے جنگ کر رہا ہو۔ لائبہ کی طرف اس نے ایک نظر بھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا جو سہمی ہوئی خاموش دیوار سے چپکی کھڑی تھی۔ وہ سانس درست کرنے کے بعد سامنے پڑی کرسی کو ٹھوکر مار کر اسے راستے سے ہٹاتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

لائبہ کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی کمرہ لمحوں میں کباڑ خانہ بن چکا تھا۔ لائبہ نے گلاس وال کی طرف تشکر بھری نظروں سے دیکھا جس کی وجہ سے یہاں ہونے والی توڑ پھوڑ کی آوازیں باہر نہیں نکلی تھیں۔ وہ گہرا سانس لیتی ہوئی بکھری ہوئی فائلوں کی طرف بڑھ گئی۔ اُسامہ کا رویہ اس کا جنونی انداز بتا رہا تھا وہ واقعی بے قصور ہے۔ وہ اندر سے بھی اتنا ہی شفاف ہے جتنا باہر سے نظر آتا ہے اب اس کے پاس سوائے شرمندگی کے تھا ہی کیا۔ وہ نادم سی کاغذات سمیٹنے میں لگ گئی۔

"یار یہ ہیڈ آفس میں آج کیا بلا چھا گئی ہے۔ کچھ دیر پہلے عائشہ شیخ روتی ہوئی وہاں سے نکل کر کار میں بیٹھ کر چلی گئی تھی۔ اب اُسامہ شدید غصے میں وہاں سے نکل کر کار لے کر گیا ہے۔ کیا چکر ہے آج کسی پر رونے والے اور کسی پر جلال والے بابا سوار ہیں۔" حیدر حیرانی سے بولا۔

"اندر چلتے ہیں مجھے معاملہ کچھ گڑبڑ لگ رہا ہے۔"

✦ ✦ ✦

"صاحب! آپ کھانا کھائیں گے لگاؤں؟" عبدل آہستہ سے بیڈ پر لیٹے ہوئے اُسامہ سے مخاطب ہوا۔

"نہیں بھوک نہیں ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"صاحب چائے لاؤں۔"

"تمہیں کتنی مرتبہ کہا ہے صاحب کی دم میرے ساتھ مت لگایا کرو۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئی بات۔" ایک دم ہی وہ غصے سے بولا۔

"اچھا صاحب..... مما..... صا....." عبدل بری طرح گڑبڑا گیا تھا۔

"کیا بات ہو گئی آج۔ ہمارا بیٹا خلاف معمول یونیورسٹی سے جلدی آ گیا ہے اور آتے ہی اپنے کمرے میں بند ہو گیا ہے۔" اماں جان اس کے کمرے میں آ کر پریشانی سے بولیں۔ ان کے ساتھ فوزیہ بیگم بھی تھیں۔ شاید وہی اماں جان کو ساتھ لے کر آئی تھیں۔

"اوہ..... اماں جان آپ نے زحمت کیوں کی۔ میں حاضر ہو جاتا۔" انہیں اپنے بیڈ روم میں پریشان آتے دیکھ کر وہ کھڑے ہو کر شرمندگی سے بولا۔

"کسی سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ کیا وجہ ہے جب سے آپ یونیورسٹی سے آئے ہیں کمرے میں بند ہو گئے ہیں۔" فوزیہ بیگم فکرمندی سے بولیں۔

"مما! آپ کی عادت ہو گئی ہے جلد پریشان ہو جانے کی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سر میں معمولی سا درد تھا۔ کام بھی کوئی اتنا ضروری نہیں تھا میں اس لئے آ گیا۔" وہ بہانہ بنا کر بولا۔ ورنہ حقیقت میں پہلے عائشہ پھر لائبہ کے انداز گفتگو نے اس کے اندر وحشت بھر دی تھی۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا مگر اپنے بے داغ کردار پر کسی بھی بے ہودگی وغلاظت کا معمولی سا چھینٹا برداشت نہیں کر سکتا تھا اور لائبہ نور کی آنکھیں اس کا چہرہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ وہ عیاش ہے بدکردار ہے۔ اس کی زبان سے نکلنے والے لفظوں نے اسے واقعی وحشی بنا دیا تھا۔ اس نے کبھی خیال وخواب میں اس صنف کی قربت کا نہیں سوچا تھا مگر آج اگر اماں جان کی بچپن سے دی گئی دینی تعلیم اور پھر قرآن پاک بامعنی حفظ اس نے نہ کیا ہوتا تو آج غصے اور احساس ذلت سے مغلوب ہو کر دنیا کا وہ بھیانک ترین جرم کر بیٹھتا جس کی وجہ سے ساری زندگی ضمیر کی عدالت میں کوڑے کھاتے گزار دیتا۔ عین وقت پر اماں جان کا پرنور سراپا کسی نیکی کے فرشتے کی طرح اس کے حواسوں پر سوار ہو گیا تھا اور شیطان اس پر قابض نہ ہو سکا تھا۔

"تم نے اپنی جان پر بکھیڑے بھی تو بہت پھیلا لئے ہیں بس ختم کرو اب پڑھائی تمہاری مکمل ہونے والی ہے باپ کا ہاتھ بٹاؤ بزنس میں۔" وہ بیڈ پر بیٹھ کر بولیں۔ اُسامہ نے ان کی آغوش میں کسی معصوم بچے کی طرح منہ چھپا لیا تھا۔ ان کے لباس سے پھوٹتی مقدس ممتا بھری مہک نے اس کے دہکتے ہوئے اعصاب پر ٹھنڈی سکون بھری پھوار برسا دی تھی۔ اس مقدس وجود کی وجہ سے وہ آج انسانیت کے اونچے مقام سے ذلت کی پستیوں میں گرنے سے بچا تھا۔ اس نے طمانیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

"بہو! میرے کمرے سے بادام کا تیل لے کر آؤ۔ پڑھ پڑھ کر دماغ پر خشکی بیٹھ گئی ہے۔ ابھی مالش کرتی ہوں۔ درد ہوا ہو جائے گا۔" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی بولیں۔

"اماں جان! آپ مجھ سے اچھی اچھی باتیں کریں۔ میرا درد خود ہی بھاگ جائے گا۔ مالش سے میرے سر میں مزید درد بڑھ جائے گا۔ مما رہنے دیں۔" وہ تیزی سے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی تک تیل سے بھاگتے ہو جب ہی تو سر میں درد رہنے لگا ہے۔ خشکی کی وجہ سے۔" اماں لاڈ سے بولیں۔ فوزیہ بیگم بے اختیار مسکرا دی تھیں۔ عام ماؤں کی طرح وہ اس بات سے جیلسی محسوس نہیں کرتی تھیں کہ ان کا اکلوتا بیٹا ان کے مقابلے میں دادی کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے اور بے حد چاہتا ہے۔ اماں اسے چاہتی بھی زیادہ تھیں۔

"تم کمرے میں اندھیرا کر کے رکھتے ہو میرا دل گھبراتا ہے چلو بڑے کمرے میں چلو وہاں بیٹھیں گے۔" وہ اس کے کمرے میں پڑے چاروں طرف بھاری پردوں کو دیکھ کر بولیں۔

"آئیے۔" وہ ان دونوں کے ساتھ لونگ روم میں آ گیا جہاں پہلے سے ہی قالین پر شمیر اور زینی بیٹھے کسی موضوع پر تیز لہجے میں بحث کر رہے تھے۔ صوفے پر بیٹھی ہوئی ماریہ ہاتھوں میں سلائیاں لئے سوئٹر بننے میں مصروف تھی اور ان کی بحث پر مسکرا بھی رہی تھی۔

اماں کو دیکھ کر وہ تینوں ہی خاموش کھڑے ہو گئے تھے۔ اماں کے تخت پر بیٹھنے کے بعد وہ سب بھی بیٹھ گئے۔ ریاض کی بیٹی جواب ایک سال کی ہونے والی تھی اُسامہ کو دیکھ کر اپنے کھلونے قالین پر پھینک کر تیزی سے بھاگ کے آ کر اس کے پیروں سے لپٹ گئی تھی۔ اس نے ہنستے ہوئے اسے گود میں اٹھا کر اس کے سرخ پھولے ہوئے گال چوم ڈالے۔

"آج کل کے بچے بھی بہت ہوشیار ہیں۔ اونچی شخصیت کی طرف بڑھتے ہیں ہم جیسوں کو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔" شمیر ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔

"بے فکر رہیں آپ بھی کوئی چھوٹی شخصیت نہیں ہیں۔ مستقبل کے ڈاکٹر ہیں آخر۔ مشک تو اپنے پاپا سے زیادہ اُسامہ بھائی سے مانوس ہے۔" ماریہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''ظاہری بات ہے آج کل جس کی جیب گرم ہوتی ہے' اس سے سب مانوس ہو جاتے ہیں۔ اب میں اُسامہ بھائی کی طرح آپ کی اس موٹو کے لئے بے حساب کھلونے' سوئٹس' بسکٹ تو نہیں لا سکتا۔ میں خود غریب آدمی ہوں۔'' اس نے مسکین سی صورت بنائی۔

''یہ کیوں نہیں کہتے کہ کنجوس ہو ورنہ روحیل انکل تو تمہیں بے حساب پیسے دیتے ہیں اور تم آنٹی' نبیل بھائی وغیرہ سے الگ بٹورتے رہتے ہو۔'' زینی اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔

''زینی' یہ تم زیادتی کر رہی ہو' شمیر بھی کچھ نہ کچھ لاتے ہی رہتے ہیں۔'' ماریہ ہنستے ہوئے بولی۔

زینت بیگم ملازمہ کے ساتھ چائے اور دیگر لوازمات ٹرالی میں رکھ کر لے آئی تھیں۔ ریاض بھی لباس تبدیل کر کے آئے تھے۔ وہ اُسامہ کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ماریہ اور زینی ٹرالی میں سے لوازمات نکال کر پلیٹوں میں رکھ کر سب کو سرو کر رہی تھیں۔ وہ کھانے میں مگن تھے۔ ساتھ ہی باتوں کا سلسلہ بھی چل رہا تھا کہ کارنر پر رکھے اسٹینڈ فون کی بیل بجنے لگی۔ قریب ہی شمیر بیٹھا کریم رول کھا رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو کس کی ہستی مخل ہوئی ہے اس وقت۔'' وہ بہت پرسکون لہجے میں بولا۔

''آپ کون ہیں۔ پہلے اپنا نام بتایئے۔'' دوسری طرف سے کیے گئے سوال پر وہ بے اختیار چونکا تھا۔ اس نے باتوں میں مگن شامی کباب کھاتے ہوئے اُسامہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔

''آپ جب تک اپنا نام نہیں بتائیں گی میں آپ کو نہیں بتاؤں گا کہ وہ گھر میں ہیں یا نہیں۔'' اس کے لبوں پر بڑی پراسرار مسکراہٹ تھی۔ سنئے نام ہی انسان کی پہچان ہوتا ہے اور آپ کا نام اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ آواز آپ کی بہت خوبصورت ہے۔ جب آواز آپ کی خوبصورت ہے تو نام بھی آپ کا خوبصورت ہوگا اور جب نام خوبصورت ہوگا تو آپ بھی یقیناً بہت خوبصورت ہوں گی۔''

''شٹ اپ۔''

''بہت خوبصورت نام ہے۔'' وہ مسلسل ریسیور کان سے لگائے بکواس کر رہا تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے سب اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ ''جی نہیں' میں پاگل ہرگز نہیں ہوں' لیکن آپ کی آواز سن کر دیوانہ ضرور ہو گیا ہوں۔ آپ پہلی فرصت میں اپنی آواز کا کیسٹ نکالیں۔ پھر دیکھئے گا کیسی فروخت ہوتی ہے۔ بے سروں کے ٹولے میں کوئی تو سر والا ہوگا۔ ارے رے فون بند مت کیجئے' وہ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ابھی بلاتا ہوں۔ اُسامہ بھائی آپ کا فون ہے۔ کوئی مس شٹ اپ ہیں۔'' اس نے ریسیور ہاتھ میں لے کر وہیں سے ہانک لگائی۔ اُسامہ حیران تھا اور سب کی نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا جو اس کے پاس کسی محترمہ کا فون آیا تھا۔ وہ مشکل کو کود میں لے کر اسٹینڈ تک آیا۔

''اُسامہ اسپیکنگ۔'' اس نے ریسیور اٹھا کر کہا اور خلاف توقع دوسری طرف سے جو آواز اسے سنائی دی' اس آواز نے اس کے پرسکون اعصاب کو دوبارہ جھنجوڑ دیا تھا۔ اس نے فوراً غیر محسوس طریقے سے ریسیور کریڈل پر رکھ کر لائن کاٹ دی تھی۔ لائن آؤٹ ہو گئی۔ وہ شمیر کی شوخ نظروں سے بچتا ہوا بڑبڑایا۔

✦ ✦ ✦

''کیا ہوا بیٹا۔'' افتخار انکل اسے ریسیور ہاتھ میں لئے ہونٹ کاٹتے دیکھ کر بولے۔

''لائن کٹ گئی ہے انکل۔'' اس نے دانستہ جھوٹ بولا۔ ورنہ دوسری طرف سے اس نے ریسیور زور سے پٹخنے کی آواز واضح سنی تھی۔ اس نے لائبہ کی آواز سنتے ہی لائن کاٹ دی تھی۔

''ایک دفعہ اور ٹرائی کریں۔'' انکل رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولے۔ ''انکل' کیا ضروری ہے' ان سے پرمیشن لینا۔'' وہ افتخار صاحب کی وجہ سے اپنی جھلاہٹ پر قابو پا چکی تھی۔

''ہر کام کا اصول ہوتا ہے بیٹا۔ آپ یونین میں ایک ذمے دار پوسٹ پر ہیں اور آپ کو چھٹیوں کے لئے اجازت تو لینی پڑے گی بلکہ میں نے آپ سے کہا تھا' آج آپ اجازت لے لیں کیونکہ ہمیں صبح روانہ ہونا ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔ لائبہ نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔

اب وہ انہیں کیا بتاتی' اس پر آج کیا بیتی تھی۔ وہ تو کمرے سے چلا گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی نادر اور حیدر آفس میں آ گئے تھے اور اس نے انہیں پریشان دیکھ کر مختصر گول مول کر کے وہ بتا دیا جو اُسامہ نے ان سے کہا تھا۔ ان دونوں نے بھی اس بات کی وضاحت کی تھی کہ سارا قصور عائشہ شیخ کا تھا۔ اُسامہ نے غصے میں اسے تھپڑ بھی مارا تھا۔ وہ ان دونوں کو کمرے میں ہی چھوڑ کر چلی آئی تھی۔ گھر میں وہ آ کر کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ ماما' شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھیں۔ صرف دونوں ملازمائیں گھر میں تھیں۔ آج کے واقعات فلم کی طرح اس کی نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔ بہت اکھڑ اور مہذب نظر آنے والا اُسامہ' اس کا نیا روپ بھی آج اس نے دیکھا تھا۔ وحشی پن کا' ٹھیک تھا مجھے غلط فہمی ہوئی تھی اور اس کے ٹھوس اور بے لچک رویے سے میں یہ بھی سمجھی تھی کہ اپنی حرکتوں کو چھپانے کے لئے ڈھٹائی کا مظاہرہ کر کے مجھے مرعوب کرنا چاہ رہا ہے۔ مجھے غصہ آ گیا اور جو سلوک اس نے میرے ساتھ کیا' ایسا سلوک کسی طور بھی ایک لڑکی کے ساتھ کسی مرد کو زیب نہیں دیتا۔ آخر یہ مرد اپنی مردانگی کے زعم میں عورت کو اتنا حقیر کیوں سمجھتے ہیں۔ وہ بیڈ پر لیٹے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی اور اُسامہ کے لئے اس کے اندر جو شرمندگی و ندامت کے جذبات ابھرے تھے' وہ پانی کے بلبلے کی طرح غائب ہو چکے تھے۔

شام کو انکل اور ماما تقریباً آگے پیچھے گھر میں داخل ہوئے تھے اور اسے مجبوراً کمرے سے باہر آنا پڑا تھا۔ ورنہ وہ دونوں ہی اس کے معاملے میں حساس تھے۔ اس کی طرف سے خواہ مخواہ پریشان ہو جاتے تھے۔ انکل نے اس سے شکارپور جانے کے لئے چھٹیاں لینے کا پوچھا۔ اس نے کہہ دیا اُسامہ اسے آفس میں ملا ہی نہیں جواب میں انکل نے اسے فون نمبر دیا کہ یہاں رنگ کر کے اُسامہ کو بلائے۔ اس نے بہت انکار کیا۔ مگر انکل بھی وہاں خود فون کرنے سے گریزاں تھے اور کیوں تھے' اس بات کو وہ مسکرا کر ٹال گئے تھے۔ ان کے بصد اصرار پر اسے رنگ کرنا پڑا تھا۔ پہلی بیل پر ریسیور اٹھا لیا گیا تھا۔

''ہیلو کس کی ہستی مخل ہوئی ہے اس وقت۔'' دوسری طرف سے معصومیت سے پوچھا گیا۔

''اُسامہ ملک سے بات کرنی ہے۔'' وہ لب بھینچ کر بولی۔

''آپ کون ہیں۔ پہلے اپنا نام بتایئے۔'' دوسری طرف سے بہت پرشوق لہجے میں پوچھا گیا تھا۔

''آپ یہ بتائیں وہ گھر پر ہیں یا نہیں؟''

''آپ جب تک نام نہیں بتائیں گی میں آپ کو یہ نہیں بتاؤں گا وہ گھر پر ہیں یا نہیں۔''

''میں انسان ہوں' نام ہی انسان کی پہچان ہوتا ہے۔''

''اور میں آپ کا نام اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کی آواز بہت خوبصورت ہے۔'' اور پھر وہ بغیر اسٹاپ کے بولتا چلا گیا۔

''شٹ اپ۔'' وہ غصے سے بولی تھی۔ شٹ اپ' بہت خوبصورت نام ہے۔ دوسری طرف سے مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ پھر اسے گلوکاری کے مفید مشورے سے نوازنے لگا۔

''کون ہے بیٹا؟'' انکل اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر بولے۔

''پتا نہیں کون پاگل ہے انکل۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''دیکھئے مسٹر مینٹل میں فون بند کر رہی ہوں۔'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''ارے رے فون بند مت کیجئے۔ وہ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ابھی بلاتا ہوں۔ اُسامہ بھائی آپ کا فون ہے کوئی مس شٹ اپ ہیں' دوسری طرف سے چہکتی ہوئی آواز آ رہی تھی۔ شاید ریسیور اس شریر انسان کے ہاتھ میں ہی تھا۔ یا دانستہ وہ کچھ تیز بولا تھا۔ چند ہی سیکنڈ بعد اُسامہ کی بھاری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ''اُسامہ اسپیکنگ۔''

اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔ شدت سے اس کا دل چاہا کہ لائن کاٹ دے مگر سامنے بیٹھے انکل کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''میں لائبہ بول رہی ہوں۔'' اسے خود اس وقت اپنی آواز اجنبی لگی تھی۔ مگر دوسری طرف سے جواب میں زور سے ریسیور پٹخنے کی آواز سنائی دی تھی۔ انکل کی اصول پسندی اسے اس وقت اپنے لئے سوہان روح محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے دانت بھینچ کر دوبارہ نمبر ڈائل کیا کچھ دیر کے بعد ریسیور اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو۔'' ریسیور سے اُسامہ کی آواز ابھری۔

''انکل بات کریں۔'' اس نے کچھ کہے بغیر ریسیور صوفے پر بیٹھے انکل کی طرف بڑھا دیا اور خود کمرے سے نکل گئی۔ اس سے چھٹیاں لینا اب انکل کا کام تھا۔

✦ ✦ ✦

''طبیعت پریشان ہے میری' خواب بھی عجیب نظر آ رہے ہیں۔ انور کو گھر سے گئے ہوئے دو دن ہو گئے ہیں' نہ معلوم اس لڑکے نے کس جگہ نوکری کی ہے جواب ہفتوں گھر سے غائب رہنے لگا ہے۔ مجھے تو ہول اٹھتا ہے' یہ سوچ کر کہیں کسی غلط کام میں نہ پڑ گیا ہو۔'' خورشید بی بی خاصی پریشان بیٹھی ہوئی ہول رہی تھیں۔

''امی! پہلے بھائی کام نہیں کرتے تھے' جب بھی تم پریشان رہتی تھیں۔ اب بھائی کام کر رہے ہیں تو بھی پریشان ہو۔ بھائی غلط کام کیسے کر سکتے ہیں' بلکہ جب سے بھائی کو کام ملا ہے' وہ بہت اچھے ہو گئے ہیں۔ پہلے جیسی بدتمیزی اور توڑ پھوڑ کرنی بھی چھوڑ دی ہے۔'' ہوم ورک کرتی ہوئی تابش بولی۔

''بھائی کہہ کر گئے تھے' وہ کچھ دن بعد آئیں گے۔ فیکٹری میں کام زیادہ ہے۔ دن رات کی ڈیوٹی لگائیں گے۔'' تابندہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اللہ اسے اپنی امان میں رکھے' نہ معلوم کیوں میرا دل اکثر گھبرانے لگتا ہے۔''

''نہ معلوم ابو اپنے کمرے میں کیا کر رہے ہیں۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے ان کا۔''

''کیا مشورے ہو رہے ہیں؟'' فاران کمرے سے مسکراتا ہوا نکلا۔

''ابو کیا کر رہے ہیں؟'' تابندہ فاران سے مخاطب ہوئی جو سامنے چارپائی پر بیٹھ چکا تھا۔

''اپنی سگریٹ کو ہونٹوں میں دبائے پڑے ہیں۔'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''کیا...... کیا...... مطلب۔'' تابندہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''مطلب یہ کہ لگے دم مٹے غم کی مصداق وہ سگریٹ ہونٹوں میں سلگائے کش پہ کش لگا رہے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''توبہ ہے آپ سے بھی۔ فضول باتیں کرنے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہوگا۔''

✦ ✦ ✦

سینٹر ٹیبل پر انگلش اردو دونوں اخبارات پڑے تھے۔ سب میں اُسامہ کی تصویریں تھیں۔ وہ انقلابی مخلص لیڈر کی صورت میں تیزی سے ملکی سیاست کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اپنی مدبرانہ سوچ اور اعلیٰ خیالات و اخلاق کی وجہ سے درمیانی طبقے کے لوگوں کا تو ہیرو بن چکا تھا اور اس کی حمایت میں بہت سے بڑے سیاستدانوں کے بیانات آج کے اخبار میں تھے۔

اسد ملک کی فراخ پیشانی پر سوچوں کے جال بکھیرے ہوئے تھے۔ وہ دوپہر کو لندن سے بزنس ٹرپ سے آئے تھے۔ اُسامہ کے یونین الیکشن جیتنے کی خبر انہیں مل گئی تھی۔ تین ماہ قبل' مگر پچھلے ماہ سے اُسامہ کی سیاسی سرگرمیاں بہت وسیع ہو گئی تھیں' اس کے تیزی سے بڑھتے ہوئے قدموں نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ انہیں اس سے محبت بھی شدید تھی۔ مگر اس کا اظہار کرنا وہ نہیں جانتے تھے۔ ایک تو وہ تھے ہی سنجیدہ و خشک طبیعت کے مالک' فالتو بات کرنا تو جانتے ہی نہ تھے۔ یہی وجہ تھی بیٹے کو جان سے زیادہ چاہنے کے باوجود وہ کبھی بھی بھرپور انداز میں ظاہری اظہار نہیں کر سکے تھے۔ وہ بھی باپ کے مزاج کو سمجھتا تھا بلکہ مزاج اس نے انہی کا پایا تھا۔ ان

کی محبت وشفقت کومحسوس کرنے کے باوجود وہ ان سے بے تکلف نہ ہوسکا تھا مگر جب بھی ان سے اس کا سامنا ہوتا تھا' وہ ایک فرمانبردار' سعادت مند بیٹے کے روپ میں ہی ان سے ملتا تھا لیکن جب سے اس نے یونیورسٹی میں سیاسی روش اختیار کی تھی اور ان کے منع کرنے کے باوجود وہ آگے بڑھتا گیا تھا جب سے ان کا رویہ بھی اس کے ساتھ سخت ہوگیا تھا۔ اس دور کی جو سیاست تھی وہ انہیں کسی بھی نظریے سے پسند نہیں تھی۔ جلاؤ گھیراؤ اور لوٹ مار کی سیاست۔

وہ مسلسل ٹہل رہے تھے۔

''جی ڈیڈی! آپ نے مجھے بلایا ہے۔'' وہ دروازہ نوک کرکے اندر آکر آہستہ سے بولا۔

''ہوں...... بیٹھو۔'' وہ صوفے کی طرف اشارہ کرکے بولے۔ مگر وہ گردن جھکائے کھڑا ہی رہا تھا کیونکہ وہ بھی کھڑے ہوئے تھے۔

''یہ کیا ہے اُسامہ۔'' انہوں نے ٹیبل پر پڑے اخبارات کی طرف اشارہ کیا۔

''کل رات میں نے مقامی جلسے میں شرکت کی تھی۔'' وہ نظریں جھکا کر بولا۔

''کس چیز کی ناآسودگی' کس شے کی تشنگی آپ کو اس دلدل کی طرف کھینچ کر لے جارہی ہے۔''

''ڈیڈی بات کسی فرسٹریشن کی نہیں ہے۔ بات معاشرے میں پھیلی ناہمواری اور غیر مساوی خود پسندانہ حقوق کی تقسیم کی ہے۔ جس کا رزلٹ آج ڈپریشمنٹ اور ہنگامے ہیں۔''

''لمبی لمبی تقریریں کرکے' جلوس نکال کر آپ کیا سمجھتے ہیں' معاشرے کو بدل ڈالیں گے۔ نظام میں تبدیلی لے آئیں گے۔ یا ہاتھی کے دانت جیسے لیڈروں کی سوچیں تبدیل کردیں گے۔''

''میرا ایمان ہے ڈیڈی اگر جذبے سچے ہوں' مقاصد نیک ہوں تو پتھروں کے سینے سے بھی دودھ کی نہریں جاری ہوجایا کرتی ہیں۔'' اس کی آواز کو دھیمی ہی تھی مگر لہجہ مضبوط تھا۔

''اس کا مقصد ہے آپ نے فیصلہ کرلیا ہے سیاسی لیڈر بننے کا۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولے۔

''مجبوری ہے ڈیڈی اگر ہم یونہی کچھ ضمیر فروش لوگوں کے خوف سے خود کو بچاتے رہے تو اس ملک کو کون بچائے گا جسے تیزی سے پستی کی جانب دھکیلا جارہا ہے۔''

''کیا ضروری ہے آپ اپنے جذبات کا' اپنی خدمات کا ملک کے لئے صرف سیاسی سطح پر ہی اظہار کریں۔''

''آپ نے میرے بیٹے کو ایسے کھڑا کر رکھا ہے' جیسے کوئی مجرم کٹہرے میں کھڑا ہوتا ہے۔'' اورنج بارڈر کی ساڑی میں نکھری نکھری شگفتہ سی فوزیہ بیگم اندر آکر بولیں۔

''فوزیہ بیگم! اب بھی وقت ہے' اس نالائق کے بڑھتے ہوئے قدم روک لو تم لوگوں نے نواب صاحب کو بہت خودسر' من مانی کرنے والا بنادیا ہے۔ ان کے سمسٹر سے فارغ ہوتے ہی کوئی لڑکی دیکھ کر شادی کردو۔ جب بیوی اور پھر بچوں کی نازبرداریاں اٹھانی پڑیں گی تو یہ ساری سیاست ہوا ہوجائے گی۔'' وہ شدید غصے میں بولے تھے۔

''آپ نے کون سی بیوی اور بیٹے کی نازبرداریاں اٹھائی ہیں جو آپ کے بیٹے صاحب یہ ذمے داری اٹھالیں گے۔'' فوزیہ بیگم ماحول کے ٹینشن کو ختم کرنے کے لئے ہنستی ہوئی بولیں۔

''آپ کل جاکر میرپور خاص میں اشنگ پونڈز کا جائزہ لے کر آئیں۔ میں یہاں لیدر کے نیو پلانٹ کی مشینری کو ایڈجسٹ کرنے میں بزی ہوں۔'' وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''اوکے ڈیڈی' میں کل چلا جاؤں گا۔'' وہ اجازت لے کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

''جوان بیٹے سے آپ کو اس قدر درشت لہجے میں بات نہیں کرنی چاہئے۔'' فوزیہ بیگم بولیں۔

''بچے کتنے ہی بڑے ہوجائیں' باپ کے لئے چھوٹے ہی رہتے ہیں۔ تمہارے لاڈ نے میرا سکون برباد کردیا ہے۔ جلد از جلد اس کی شادی کرنے کی سوچو۔'' وہ ابھی تک گہری تشویش میں مبتلا تھے۔

❖ ❖ ❖

''اسے انکل کے ساتھ گاؤں آئے ہوئے آج دوسرا دن تھا۔ اسے یہاں کا سادہ ماحول بہت پسند آیا تھا۔ طوبیٰ نے جو یہاں کا نقشہ کھینچا تھا تقریباً ماحول ایسا ہی تھا مگر لوگوں کی پرخلوص محبتیں' بھرپور مہمان نوازی نے شہر کی نفسانفسی اور خودغرضی کے نقوش مٹادیے تھے۔ یہاں پسماندگی' غربت و جہالت تھی مگر لوگ محبت کرنا' احساس کرنا' جانتے تھے۔ انکل اپنے آبائی گھر میں اس کے ساتھ رکے تھے مگر وہاں کی چوہدری فیملی کے علاوہ وہاں رہنے والے عام مزدوروں' کسانوں کی عورتوں نے لائبہ کی اس طرح عزت کی تھی' اس طرح خلوص سے ملی تھیں' جیسے وہ اسے صدیوں سے جانتی ہوں۔ حالانکہ لائبہ ان کی زبان سے ناواقف تھی۔ کیونکہ وہ سندھ کا علاقہ تھا اور وہاں سندھی بولی جاتی تھی اور اس کی زندگی کا ابتدائی زمانہ ملک سے باہر گزرا تھا۔ اس وجہ سے وہ اس زبان سے قطعی نابلد تھی۔ انکل ساتھ ہوتے تو وہ بہت حد تک اسے سمجھا دیتے تھے یا پردے دار عورتوں کی موجودگی میں چوہدری کی دونوں بیٹیاں جو بی اے پاس تھیں' اس کی بہترین ساتھی ثابت ہوئی تھیں۔ لہلہاتے کھیتوں میں وہ خوب گھومیں' گنے توڑ کر کھائے' کینو' امرود' آلوچے' خوبانیاں' جو باغ میں بکثرت لگی ہوئی تھیں۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ کھائیں۔ افتخار انکل چوہدری کی بیٹیوں کے ساتھ اسے خوش اور مگن دیکھ کر مطمئن ہوگئے تھے۔ دو دن اس نے اپنی زندگی کے یادگار دن گزارے تھے اور آج صبح فجر پڑھ کر انکل نے واپسی کی تیاری کرلی تھی۔

لائبہ بھی سب سے مل کر انکل کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی تھی۔ چوہدری کی بیوی اور بیٹیوں نے تحفوں کے ساتھ اسے دوبارہ گاؤں آنے کی دعوت بھی دی تھی۔ اس وقت سب ہی عورتیں اسے کار تک چھوڑنے آئی تھیں۔ لائبہ ان کی محبت سے حد درجہ متاثر ہوئی تھی۔

افتخار انکل' چوہدری سے گلے مل کر کار میں بیٹھ گئے تھے۔ انکل کے کار اسٹارٹ کرتے ہی وہ الوداعی ہاتھ ہلانے لگی۔ ادھر بھی کچھ ہاتھ ہلائے گئے تھے جس کا مفہوم خدا حافظ ہوگا۔

''انکل میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اب بھی اتنے اچھے لوگ دنیا میں موجود ہیں۔'' انہیں الوداع کہنے والے سب لوگ نگاہوں سے اوجھل ہوچکے تھے۔ لائبہ جواب بھی شاید ان لوگوں کے تصور میں ڈوبی ہوئی تھی' افتخار صاحب سے حیرانی سے مخاطب ہوئی تھی۔

''ایسے ہی لوگوں نے اخلاق ومروت کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ مجھے خوشی ہے اس بات کی کہ آپ کو یہاں بوریت نہیں ہوئی ورنہ آپ کی آنٹی' شاہ اور طوبیٰ تو یہاں ایک دن بھی نہیں رکے تھے۔''

کار پتلی سی سڑک پر چل رہی تھی۔ گاؤں کی صبح بہت فریش اور حیات بخش تھی۔ چھ بج رہے تھے۔ رات موسلا دھار بارش ہونے کی وجہ سے سردی بھی بڑھ گئی تھی۔ بلیک اور ریڈ پھولوں کا دوپٹہ اس نے اوڑھ رکھا تھا۔ وہ دلچسپی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھی۔ سامنے بارش سے نکھرے سرسبز کھیتوں میں کھلے ہوئے پیلے پیلے چھوٹے چھوٹے پھول آنکھوں کو خیرہ کررہے تھے۔ کچے پکے گھروں کے آنگنوں میں سے نکلتا دھواں زندگی کا پتا دے رہا تھا۔ آسمان پر اب بھی بہت گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ پھوار کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری تھا۔ نم مٹی کی تازہ سوندھی مہک نے روح کی ساری تھکن اتار دی تھی۔ مٹی کی مہک' روح کی مہک۔ یہ مہک انسان کو اتنا بے خود اس لئے کردیتی ہے کہ انسان کا وجود اسی مٹی سے بنا ہے۔ ہر شناخت اپنی اصل کو خوب بہتر پہچانتی ہے۔

''انکل اب آپ تھک گئے ہوں گے۔ تین گھنٹے ہوگئے ہیں' آپ کو ڈرائیو کرتے ہوئے۔ آپ بیک سیٹ پر آرام کرلیں' میں ڈرائیو کرلوں گی۔'' لائبہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ہاں وہ کچھ آگے چائے کا ہوٹل آئے گا' وہاں چائے پی کر پھر آگے بڑھیں گے۔''

''آجاؤ بیٹا' منہ ہاتھ دھولو۔'' انکل ہوٹل کے باہر لگے ہوئے نل کی طرف اشارہ کرکے بولے۔

''نہیں انکل' میں فریش ہوں۔ آپ بھی باہر مت نکلیں کار سے۔'' ہوٹل کے احاطے میں چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تیز رنگوں کے کپڑوں میں کچھ اجڈ آدمیوں اور لڑکوں کی نگاہیں اس کی طرف تھیں۔ ان کی بڑی بڑی مونچھوں اور اونچی سروں پر باندھی گئی پگڑیوں سے اسے خوف محسوس ہورہا تھا۔ براؤن اونچی قمیص اور زرد بڑے پائنچوں کی شلوار میں ملبوس کندھے پر پھٹا ہوا بدرنگ رومال ڈالے بچہ اپنے پیلے گندے دانتوں کی نمائش کرتا ہوا' انکل کے اشارے پر چائے کے دو کپ اور کیتلی ٹرے میں رکھ کر وہاں لے آیا۔ انکل نے ٹرے لے کر لائبہ کے قریب سیٹ پر رکھ دی۔ لائبہ نے دونوں کپوں میں چائے نکال کر ایک انکل کو دیا اور ایک خود لے کر پینے لگی۔

''ہوٹل کے مقابلے میں چائے بڑی شاندار ہے۔'' وہ پہلا گھونٹ لے کر توصیفی لہجے میں بولی۔

''مجھے بھی یہاں کی چائے پسند ہے' جب بھی آتا ہوں ضرور پیتا ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولے۔

چائے پینے کے بعد ان کا سفر پھر شروع ہوگیا تھا۔ اب لائبہ کار ڈرائیو کررہی تھی۔ افتخار صاحب اس کے اصرار کے باوجود پیچھے سیٹ پر لیٹے نہیں تھے۔ اس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اپنے بچپن کے قصے سنا رہے تھے۔ بوندیں گرنا شروع ہوگئی تھیں۔ سڑک کے دونوں جانب گنے اور کپاس کے کھیتوں کا وسیع سلسلہ تھا جو تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا۔ لائبہ سنبھل کر ڈرائیونگ کررہی تھی۔ سڑک چکنی مٹی کی وجہ سے پھسلواں ہورہی تھی۔

''انکل' ہم شام تک کراچی پہنچ جائیں گے۔''

''انشاء اللہ اگر موسم سازگار رہا تو۔'' انکل گہرے ابر کو دیکھتے ہوئے بولے۔ لائبہ ان سے باتیں کرنے میں مصروف تھی کہ اچانک ان کے پیچھے آتی ہوئی گاڑی نے تیزی سے آگے بڑھ کر ترچھا ہونے کی صورت میں ان کا راستہ روک لیا۔ لائبہ نے گھبرا کر بریک لگائے تھے۔ انکل نے بھی بوکھلا کر اپنی عینک درست کی تھی۔ دروازہ کھول کر بندوقیں لئے ہوئے تین پگڑی والے ان کی کار کے آگے آکر کھڑے ہوگئے۔ اتنی دیر میں فرنٹ سیٹ سے ایک تندرست آدمی قیمتی شلوار قمیص سوٹ میں ملبوس سندھی ٹوپی اوڑھے مسکراتا ہوا انکل کی طرف بڑھا۔

''اوہ! مراد نواز۔'' انکل حیرت ومسرت سے بڑبڑائے۔ دوسرے لمحے وہ باہر کھڑے ایک دوسرے کے گلے مل رہے تھے۔

لائبہ کی جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ انہیں ڈاکو سمجھ بیٹھی تھی۔

''ڈرائیور تو تم نے بہت خوبصورت رکھ رکھا ہے۔'' انکل کے اشارے پر وہ باہر نکل آئی تھی۔ مراد نواز کے بے دھڑک جملے پر اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور دوسرے لمحے اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں ابھر آئی تھیں۔ ان کی نگاہوں میں چمکتی ہوئی ہوس اور خباثت اسے جھنجلا گئی تھی۔

''میری بیٹی ہے یہ' اچھا مراد اب اجازت دو' پھر ملیں گے۔ موسم خراب ہورہا ہے۔ شام تک کراچی پہنچنا ہے ہمیں۔''

''ارے سائیں' کیسی بات کرتے ہو۔ اتنا عرصے بعد ہاتھ لگے ہو۔ اب تم راستے ہی سے واپس نہیں جاؤ گے۔ زیادہ نہیں تو ایک رات رک کر کل چلے جانا۔'' انکل کے بے حد انکار کے باوجود مراد نواز نے انہیں زبردستی روک لیا تھا۔ ان کی بے ہودہ نگاہیں وہ اپنے سراپا پر مسلسل محسوس کررہی تھی اور کوفت میں مبتلا ہورہی تھی۔

''کیا بات ہے' انکل آپ کچھ پریشان اور الجھے الجھے سے ہیں۔'' مراد نواز کی گاڑی آگے جارہی تھی۔ لائبہ اس کے پیچھے کار ڈرائیو کررہی تھی۔ مراد صاحب نے آفر کی تھی' وہ دونوں ان کی گاڑی میں جائیں گے۔ مگر انکل نے کہا' وہ اپنی کار میں چلیں گے اور اب وہ پریشان سے بیٹھے تھے۔ لائبہ نے محسوس کیا تھا' وہ رکنے کے حق میں نہ تھے مگر مراد نے ان کی سنی ہی نہ تھی۔

''نہیں پریشان تو نہیں ہوں۔'' انکل اپنی سوچوں سے چونک کر مسکرا کر بولے۔

''انکل! آپ برا محسوس نہ کیجئے گا' مجھے آپ کے یہ دوست بالکل بھی پسند نہیں آئے۔ بہت چیپ لگے ہیں مجھے۔'' اس کی صاف گوئی پر افتخار صاحب اور زیادہ فکرمند ہوگئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جیپ ایک سرخ اینٹوں سے بنے پختہ خوبصورت بنگلے کے وسیع گیٹ میں داخل ہورہی تھی۔ لائبہ نے بھی کار اس گاڑی کے پیچھے گیراج میں کھڑی کردی اور انکل کے ساتھ باہر نکل آئی۔

''او سائیں بچل' اوکھوکھر' ذرا بڑھیا کھانے کا انتظام کروبابا۔ آج بڑے لوگ آئے ہیں ہمارے غریب خانے پر۔'' وہ گاڑی سے باہر نکل کر اپنے اسلحہ بردار ساتھیوں سے مخاطب ہوئے۔ وہ تینوں حکم سن کر فوراً آگے بڑھ گئے تھے۔

''آؤ سائیں' آرام سے بیٹھو' کوئی شرم نہیں' کوئی تکلف نہیں' آپ کا اپنا گھر ہے۔'' وہ ایک نہایت قیمتی امپورٹڈ سامان سے سجے کمرے میں لاکر ان سے مخاطب ہوا۔

''شکریہ مراد' گھر والے کہاں ہیں تمہارے۔ ہر طرف سناٹا پھیلا ہوا ہے۔'' انکل بولے۔

''گھر والے آج شادی میں گئے ہیں' دوسرے کوٹھ' ویسے بھی ہاؤس فیملی تو میری قصبے کی حویلی میں رہتی ہے۔ یہ تو گیسٹ ہاؤس بنوایا ہے میں نے' خاص مہمانوں کے لیے۔ آپ آرام سے بیٹھیں نا۔'' وہ لائبہ سے مخاطب ہوئے جو صوفے پر ایسے بیٹھی تھی' جیسے ابھی بھاگ جائے گی۔

''جی شکریہ' میں ٹھیک ہوں' اگر آپ ایک گلاس پانی......''

''ارے کیوں نہیں سائیں' آپ کی خدمت کر کے تو غلام کو خوشی ملے گی۔'' وہ لائبہ کی بات قطع کر کے ایسے لہجے میں بولے' جیسے برسوں سے اس کی غلامی کرتے آ رہے ہوں اور فوراً کمرے سے باہر نکل گئے۔

''انکل مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں تو سمجھی تھی یہاں ان کے گھر کے افراد ہوں گے۔''

''ہاں' میں بھی یہی سمجھ رہا تھا۔ آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ ایسی کیا بات ہے۔'' انکل اسے سمجھاتے ہوئے بولے مگر صاف ظاہر ہو رہا تھا مطمئن وہ بھی نہیں ہیں۔

ملازم ٹرے میں کولڈ ڈرنکس لے آیا تھا اور ان دونوں کو ادب سے دینے کے بعد واپس چلا گیا تھا۔

ڈائننگ ہال میں ڈائننگ ٹیبل انواع واقسام کے کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔ مراد نواز بہت اصرار سے انہیں ہر چیز پیش کر رہے تھے۔ ان کی خصوصی توجہ لائبہ کی طرف تھی۔ ریڈ اور بلیک لیٹسٹ شلوار سوٹ پر میرون واسکٹ اس کے اسمارٹ سراپا پر بہت جچ رہی تھی۔ سردی کی شدت سے سرخ ہوتا اس کا گلابی چہرہ اتنا فریش اور دلکش تھا کہ مراد نواز کی بے باک نگاہیں بے ساختہ اس کے چہرے کا طواف کرنے لگتی تھیں۔ وہ ان کی نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کا خون بری طرح کھول رہا تھا۔ وہ افتخار انکل کے ہم عمر تھے مگر انہوں نے خود کو بہت جوان بنا کر رکھا ہوا تھا۔ گلے میں سونے کی کئی چین اور لاکٹ تھے۔ دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیوں میں سونے اور ڈائمنڈ کی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔ دائیں ہاتھ میں گولڈن بریسلیٹ میں ملٹی کلر نگینوں میں I Love You چمک رہا تھا۔ مونچھوں اور سر کے بالوں کو اتنی نفاست سے رنگا گیا تھا کہ ایک بال بھی سفید نظر نہیں آ رہا تھا۔ صحت بھی انکل کے مقابلے میں ان کی قابل رشک تھی۔ مستزاد ان کی چھچھوری حرکتیں اور گھورنے کا انداز بہت ہی لوفرانہ تھا۔ لائبہ کو غصہ اس بات کا تھا۔ انکل نے اس کا تعارف اپنی بیٹی بتا کر کروایا تھا مگر انہیں پھر بھی حیا و مروت نہ تھی کہ وہ ان کے دوست کی بیٹی ہے۔ عمر کے لحاظ سے ان کی بھی بیٹی کی طرح ہے وہ۔ اس نے کھانا بھی برائے نام کھایا اور اٹھ کر ان کے عنایت کردہ کمرے میں آ گئی۔ انہوں نے اس سے بہت کم بات کی تھی۔ شاید انکل کی وجہ سے' ویسے ان کی آنکھیں زبان کا کام مسلسل کر رہی تھیں۔ لائبہ بیڈ پر آ کر دھم سے بیٹھی تھی۔ یا اللہ میں کل تک کیسے رہوں گی یہاں۔ مراد نواز خونی بھیڑیے جیسا لگ رہا ہے۔ انکل بھی یقیناً اس کی فطرت کو جانتے ہیں جب ہی بہت پریشان اور فکر مند ہیں۔ انکل کتنے سوبر' کتنے گریٹ ہیں۔ ان کے آگے۔ انکل کتنے اچھے ہیں' کبھی بھی انہوں نے میری کوئی فرمائش نہیں ٹالی۔ میری ہر بات' ہر خواہش پوری کرنا وہ اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔ اس دن بھی میں نے صرف اتنا کہا تھا' میں گاؤں دیکھنا چاہتی ہوں اور انہوں نے ایک ہفتہ بعد اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال ہی لیا تھا۔ اسے گاؤں کی سیر کو لے آنے کے لئے اور اس اکھڑ' بدمزاج' غیر مہذب شخص سے چھٹیاں بھی لے لی تھیں جو اس کی آواز سننے کا روادار نہ تھا۔ اس کا خیال آتے ہی اس کی سوچوں کا رخ اس کی طرف مڑ گیا۔ اب معلوم ہو رہا ہوگا' جب میری غیر موجودگی میں فائلوں میں سر کھپا رہا ہوگا۔ اونہہ ایڈیٹ' وہ منہ بنا کر بڑبڑائی۔

''لائبہ بیٹی' میں ذرا قریبی پیٹرول پمپ پر آپ کی آنٹی کو فون کرنے جا رہا ہوں' یہاں ابھی فون کی سہولت موجود نہیں ہے۔ آپ اندر سے دروازہ لاک کر لیں' جب تک میں نہ کہوں آ کر! آپ دروازہ کھولئے گا نہیں' میں ملازم کے ساتھ جا رہا ہوں۔'' انکل دروازہ نوک کر کے اندر آ کر اس سے بولے۔

''انکل آپ جلدی آ جایئے گا۔'' تنہائی کے ڈر سے وہ گھبرا گئی تھی۔

''میں ابھی دس منٹ میں آ رہا ہوں۔'' انکل اسے دروازہ لاک کرنے کی تاکید کر کے چلے گئے۔

ابھی انکل کو گئے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ باہر سے دروازے پر دستک ہوئی۔ بیڈ پر بیٹھی لائبہ بری طرح اچھل گئی۔ دستک دوبارہ ہوئی۔

''دروازہ کھولئے مس' میں آپ کو اپنی لائبریری دکھاتا ہوں۔'' باہر سے مراد نواز کی آواز سنائی دی اور لائبہ کا جسم خوف سے ایسے کانپنے لگا' جیسے اسے سخت سردی چڑھی ہو۔ اس نے تکیے کو دونوں ہاتھوں سے سینے سے لگا لیا اور اس میں منہ چھپا لیا۔ وہ دروازے کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ دروازہ تھوڑی دیر تک اور پیٹا جاتا رہا۔ ''شاید سو گئی ہیں۔'' باہر سے ان کے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی پھر بھاری قدموں کی واپسی کی صدائیں دور ہوتی چلی گئیں اور اس کی بھنچی بھنچی سانسیں بحال ہونے لگیں۔ حسن کیسا عذاب ہوتا ہے' حسین صورت کیسے زندگی بعض اوقات اجیرن کر دیتی ہے۔ یہ کوئی مجھ سے پوچھے' مراد نواز ہو یا جمشید خان ان جیسے مکروہ صورت بھیڑیے پورے معاشرے میں بکھرے ہوئے ہیں جن کی ہوس کا شکار کتنی عصمتیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں اب یہاں نہیں رکوں گی۔ انکل کو کچھ بھی کرنا پڑے۔ چاہے اس موسم میں کار کسی حادثے کا شکار ہو جائے۔ اگر موت آ گئی تو کم از کم باعزت تو ہو گی۔ وہ آنکھوں میں آئے آنسو خشک کرتے ہوئے بڑبڑائی۔

''لائبہ دروازہ کھولو بیٹا۔'' انکل کی زندگی سے بھرپور چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ لائبہ نے بھاگ کر دروازہ کھول دیا اور وہاں کھڑے انکل سے لپٹ گئی۔

''انکل' میں یہاں بالکل بھی نہیں رکوں گی۔''

''ہاں ہاں' اللہ نے اس کا انتظام کر دیا ہے۔'' انکل اتنے خوش تھے کہ انہوں نے اس کے بھیگے ہوئے لہجے پر غور ہی نہیں کیا۔ ''مجھے امید نہیں تھی۔ مراد یوں راستے میں مل جائے گا' دراصل بیٹا مراد کالج کے زمانے سے ہی غلط حرکتوں میں ملوث رہنے لگا تھا۔ پیسہ اس کے پاس بے تحاشا ہے۔ جدی پشتی یہ لوگ وڈیرے ہیں' اس کے بزرگ بہت نیک اور اچھے تھے مگر یہ غلط صحبتوں میں اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے غلط حرکتوں میں ابھی تک ملوث ہے۔ حال ہی میں اس نے ساتھ کے گاؤں سے کچھ لڑکیاں اٹھوائی تھیں اور ان لڑکیوں کا پتا نہ چل سکا کہ وہ گئیں کہاں۔ مگر مجھے معلوم ہے' اس نے کچھ خفیہ ٹھکانے ایسے بنا رکھے ہیں جہاں یہ ایسی عورتوں اور لڑکیوں کو رکھتا ہے اور اپنے مخالفین کو وہیں تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ دو سال قبل میری اس سے ملاقات ہوئی تھی' جب میں اس تفصیل سے آگاہ ہوا تھا۔ جب سے اس نے یہاں رکنے کی پرزور فرمائش کی ہے' میں آپ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں' میں آپ کو لے کر یہاں رکنے پر اسی لئے راضی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کی نیچر میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

وہ ان سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ وہ اب کیوں اتنے مطمئن و مسرور نظر آ رہے ہیں کہ سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر دھوکے کا گمان ہوا۔ وہ سکتے کی سی کیفیت میں دروازے پر ہی کھڑی رہ گئی تھی۔ جینز پر بلو جیکٹ پہنے وہ بلاشبہ اُسامہ ہی تھا۔ کھلی ہوئی جیکٹ سے اندر پہنی ہوئی وائٹ بلو لائننگ شرٹ نظر آ رہی تھی۔ پیروں میں اس کے جوگرز تھے۔ وہ گردن جھکائے کھڑا ہوا تھا۔

''بعض دفعہ اتفاق ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی دعا فوری قبول ہو جائے۔'' انکل لائبہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر آ کر بولے اور اُسامہ کو اندر لے کر آ بیٹھے۔ لائبہ دوسرے صوفے کی طرف بڑھ گئی۔

''میں یہاں سے پیٹرول پمپ گیا تھا' فون کرنے' وہاں اُسامہ بھی کار میں پیٹرول ڈلوا رہے تھے' میں انہیں اپنے ساتھ لے آیا۔'' انکل مسکراتے ہوئے بول رہے تھے۔ اُسامہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ لائبہ نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

''آج نہ معلوم کس کا چہرہ صبح صبح دیکھا تھا جو اتنے اچھے اچھے چہرے دیکھنے کو مل رہے ہیں۔'' اندر سے مراد نواز مسکراتا ہوا نمودار ہوا تھا اور اس کے احترام میں کھڑے ہونے والے اُسامہ سے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

''یہ اُسامہ ملک ہیں میرے......''

''ارے یار اُسامہ ملک صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آج کل اخبارات ان کی وجہ سے زیادہ بک رہے ہیں۔ ان جیسے بھرپور نوجوان تو ملک کا فخر ہیں۔'' وہ انکل کی بات قطع کر کے مسکراتے ہوئے بولے۔ ایک ملازم ٹرالی میں کافی لے آیا تھا اور ان چاروں کو سرو کرنے کے بعد چلا گیا تھا۔

مراد نواز لائبہ کے صوفے کے مقابل میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کافی پیتے ہوئے سیاسی بحث میں الجھ گئے تھے۔

''میں تقدیر برائے تنقید پر یقین نہیں رکھتا۔'' وہ ان کے خیالات سے متفق نہیں تھا پھر جو اس نے سیاست پر ان کے تمام اعتراضات کے جواز پیش کئے ہیں تو لائبہ کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ قیام پاکستان کے قبل سے آج تک کے تمام پوائنٹس اس نے گنوا دیے تھے۔ انکل تو تھے ہی اس سے واقف مگر مراد نواز صاحب اتنی معلومات از بر نہ ہونے کی وجہ سے الجھ گئے تھے۔ لائبہ کو وہ شخص پولکس انسائیکلو پیڈیا محسوس ہوا تھا۔

''مراد صاحب! اب اجازت دیں۔ موسم بہت ابر آلود ہو رہا ہے' کراچی پہنچتے پہنچتے چار گھنٹے لگ جائیں گے۔'' اُسامہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا بولا۔

''ارے سائیں' اس طرح جا کر ہمیں آپ اپنا میزبان بننے کی سعادت سے تو محروم نہ کریں۔ کل چلے جایئے گا۔''

''بہت مہربانی مراد صاحب' مجھے فوراً روانہ ہونا ہے۔ ڈیڈی کے نشنگ پوائنٹ نے میرا بہت ٹائم برباد کر دیا۔ اس وقت تو آپ اجازت دیں۔'' اس کا لہجہ کچھ سرد تھا۔ وہ انہیں مسلسل لائبہ کو گھورتے ہوئے نوٹ کر چکا تھا۔ ان کی شیطانی فطرت سمجھ چکا تھا۔ نواز صاحب کی بے ہودہ حرکتیں اسے بری طرح مشتعل کر چکی تھیں۔ وہ گھبرا کر جانے کے لئے تیار ہو چکا تھا ورنہ اسے ڈر تھا' زیادہ دیر وہ انہیں برداشت نہیں کر سکے گا اور اس کے ہاتھ ان کا حلیہ نہ بگاڑ کر رکھ دیں۔

''لائبہ بیٹا! آپ تیار ہو جائیں۔''

''لائبہ! یعنی جنت کی حور' بہت خوب نام ہے اور یہ ہیں بھی اسم بامسمیٰ۔'' نواز صاحب اسے دیکھتے ہوئے ستائشی لہجے میں انکل سے مخاطب ہوئے۔ اُسامہ نے مضبوطی سے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔ اس نے پہلی بار ایک نظر لائبہ کے چہرے پر ڈالی تھی جو تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''اُسامہ صاحب کی تو مجبوری ہے' میں اس لئے زیادہ اصرار نہیں کر رہا مگر یہ بات طے ہے کہ تم یہاں سے ایک دن رکے بغیر نہیں جا سکتے۔''

''میں نہیں جا رہا' بے فکر رہو لائبہ جائیں گی اُسامہ کے ساتھ۔'' انکل اطمینان سے بولے۔

''یہ بات درست نہیں ہے' ایک جوان لڑکے کے ساتھ تم اپنی جوان لڑکی کو بھیج رہے ہو' دیکھو نا موسم بھی خراب ہے' کیا معلوم راستے میں کیا حالات پیش آ جائیں۔ دونوں جوان لڑکا اور لڑکی اکیلے سفر کریں۔ وہ بھی ایک اجنبی رشتے سے' برا مت ماننا' میں ذرا صاف گو انسان ہوں۔'' لائبہ کے جانے کا سن کر گویا ان پر بجلی گری تھی اور وہ جھنجلاہٹ میں فضول اندیشے بیان کر رہے تھے۔

''ارے نہیں نواز' ایسی کوئی بات نہیں۔ پھر یہ دونوں کوئی اجنبی نہیں ہیں۔ اُسامہ' لائبہ کے فرسٹ کزن ہیں۔'' اُسامہ پر انکل کے مصلحت آمیز جھوٹ نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ نواز صاحب کے لہجے نے اس میں گرم لاوے بھر دیے تھے۔

''نواز صاحب! اگر انسان کا ایمان مضبوط ہو' اگر وہ نفس کو قدموں تلے رکھتا ہو تو پھر ایک لڑکی تو کیا دنیا کی ساری حسینائیں مل کر بھی اسے گمراہ نہیں کر سکتیں۔ اگر انسان حیوانی جبلتوں پر قابو نہیں رکھ سکتا تو میری نظر میں وہ جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہے کیونکہ جانور حرام و حلال کی تمیز نہیں رکھتے۔'' وہ اپنے غصے پر قابو پا کر بہت پرسکون لہجے میں بولا۔ نواز صاحب اس کے کھرے جواب پر بغلیں جھانکنے لگے۔

''واقعی اُسامہ صاحب آپ بولنا جانتے ہیں' موضوع کوئی بھی ہو آپ مقابل کو زیر کر ڈالتے ہیں۔'' وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولے۔ ''دراصل آپ دونوں اس طرح اجنبی والا تعلق سے بیٹھے ہوئے تھے' ایک دوسرے سے' میں اس وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔ آپ مائنڈ مت کیجئے گا۔''

''کوئی بات نہیں' نواز صاحب۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''آپ نے ان سے پوچھ لیا' یہ میرے ''جیسے'' شخص کے ساتھ جانا پسند کریں گی۔'' انکل کے ساتھ آئی ہوئی لائبہ کو دیکھ کر وہ انکل سے مخاطب ہوا تھا۔

''کیوں' آپ میں کیا برائی ہے۔'' انکل اس کے خفگی آمیز اور طنزیہ لہجے کو محسوس کر کے بولے۔ لائبہ بری طرح ٹپٹا گئی۔ اسے امید نہیں تھی' وہ یوں براہ راست انکل کے

سامنے چوٹ کرے گا۔

''کیا انکل آپ نہیں چل رہے؟'' وہ حیرانی سے اس کا سوال نظر انداز کر کے بولی۔

''نہیں بیٹا' میں کل آجاؤں گا' اگر میں بھی چلا گیا تو وہ ناراض ہو جائے گا اور اس جیسے لوگوں کی دشمنی دوستی سے زیادہ مہنگی پڑتی ہے۔

''انکل آپ اس شخص سے ڈر رہے ہیں۔'' اُسامہ بگڑے لہجے میں بولا۔

''ڈرنے کی بات نہیں ہے بیٹا۔ معاشرے میں رہنے کے لئے تعلقات سب سے اچھے رکھنے چاہئیں۔ آپ لوگ اب روانہ ہو جائیں تو بہتر ہے کیونکہ بارش شروع ہو چکی ہے۔ بیٹا' میں نے اُسامہ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ پریشان ہونے کی بات نہیں۔ اُسامہ پر مجھے اتنا ہی اعتماد ہے جتنا شاہ رخ پر یا اپنے آپ پر ہے۔'' انکل اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔ قریب کھڑا اُسامہ کمرے سے باہر آتے نواز صاحب کی طرف ہاتھ ملانے بڑھ گیا۔

''انکل! میں اکثر آپ کے لئے پرابلم بنی رہتی ہوں۔'' پر شفقت و پر وقار افتخار صاحب کے سینے سے لگ کر وہ بے اختیار رو پڑی۔

''ایسے نہیں سوچتے بیٹا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اُسامہ کو غیبی امداد کی طرح بھیج دیا ہے۔'' انکل نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''کل میں سامان آپ کا خود لے آؤں گا۔'' وہ چاروں باہر نکل آئے تھے۔ باہر آتے ہی سرد ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا۔ اندر ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے باہر کی سردی محسوس ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ موٹی موٹی بوندیں گر رہی تھیں۔ انکل نے اس کے لئے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔ وہ دوپٹہ درست کرتی اور اپنا پرس سنبھالتی ہوئی بیٹھ گئی تھی۔ اُسامہ بھی ان دونوں سے مل کر دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ انکل کو کہیں چھوڑ کر جانے کے خیال سے اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ وہ آنسوؤں کی وجہ سے دوبارہ ان کی طرف دیکھ ہی نہ سکی۔

کار تیزی سے گیٹ پار کر کے سڑک پر دوڑنے لگی تھی۔ لائبہ نے ہاتھ سے آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔ کالے بادلوں نے آسمان کو ڈھکا ہوا تھا۔ موٹی بوندوں نے بارش کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ہوا بند تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف گنے اور کپاس کے کھیت برستی بارش میں خوبصورت لگ رہے تھے۔ اگر وہ انکل کے ساتھ ہوتی تو اس خوشگوار موسم سے لطف اندوز ہوتی۔ مگر اُسامہ کی موجودگی نے موسم کا حسن غارت کر دیا تھا۔ وہ اس قدر سکون و اطمینان سے کار ڈرائیو کر رہا تھا' جیسے وہ کار میں تنہا ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی' کبھی اس شخص کے ہمراہ اتنا لمبا سفر طے کروں گی' انکل کے ساتھ کتنا بہترین راستہ باتیں کرتے ہوئے گزر رہا تھا۔ اگر یہ نواز صاحب درمیان میں نہ آتے تو اب تک ہم کراچی پہنچنے والے ہوتے۔ اب بھی نہ معلوم کتنے گھنٹوں کا راستہ باقی ہے۔ ابھی شام ہونے والی ہے مگر گھرے ابر کی وجہ سے تاریکی کتنی ہے۔ وہ کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے کھیتوں کو دیکھتے ہوئے اپنی سوچوں میں گم تھی۔ اچانک کار ایک جھٹکے سے رکی۔ اس نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ڈیش بورڈ سے سگریٹ اور لائٹر نکال رہا تھا۔

''کار کیوں روکی ہے؟''

''پچھلے دو گھنٹے سے میں برداشت کر رہا ہوں مگر اس سے زیادہ میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔'' وہ سگریٹ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''مجبوری ہے آپ کو بھی اسے برداشت کرنا پڑے گا۔ آخر میں بھی آپ کی یہاں موجودگی کو برداشت کر رہا ہوں۔'' اس نے تیکھے لہجے میں کہتے ہوئے سگریٹ سلگایا۔

لائبہ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا مگر پھر اپنی مجبوری سمجھ کر خاموش ہو گئی اور اپنے دوپٹے کا ایک پلو ہاتھوں میں سمیٹ کر اپنی ناک پر رکھ لیا تھا۔ سگریٹ کی بو سے وہ سخت الرجک تھی اور مس نو اسموکنگ کا خطاب اسے اُسامہ کے ہی دوستوں نے دیا تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔

''کچھ لوگوں کو اپنے حسن پر بہت ناز ہوتا ہے مگر یہی حسن ان لوگوں کے لئے عذاب بن جاتا ہے۔'' وہ سگریٹ پیتا ہوا طنز کر رہا تھا۔ کچھ لوگوں سے مراد اس کی غالباً انکل کی اس کے لئے پریشانی اور نواز صاحب کی ہوس زدہ نظریں تھیں۔ وہ اس دن کے سارے بدلے آج چکانے کے موڈ میں تھا۔

''میں آپ کے ساتھ خوشی سے نہیں آئی ہوں۔ آپ مجھ پر طنز کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔'' وہ بولی تو بڑی غصے میں تھی مگر سگریٹ کا دھواں' دوپٹے کا پلو چہرے سے ہٹنے کی وجہ سے اس کی ناک میں گھسنے لگا تھا اور کھانسی کی وجہ سے اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی اور پھر مسلسل کھانسی اٹھنے لگی۔

اُسامہ نے گلاس ڈور کھول کر آدھی سے زیادہ سگریٹ باہر پھینک دی اور تیز نظروں سے اسے دیکھ کر کار اسٹارٹ کر دی۔ کافی دیر بعد لائبہ کی کھانسی رکی تھی مگر اس کی آنکھوں سے آنسو ابھی تک نکل رہے تھے۔ نہ معلوم وہ رو رہی تھی یا کھانسی کی وجہ سے آنسو نکل آئے تھے۔ اُسامہ نے کوئی توجہ نہ دی تھی۔ وہ رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ وہ رات سے پہلے کراچی پہنچ جانا چاہتا تھا کیونکہ بارش شدت پکڑتی جا رہی تھی۔ لمبا سفر ابھی باقی تھا۔

وہ گھارو میں داخل ہو گئے تھے۔ ایک طرف کھیت تھے' دوسری طرف سرخ اینٹوں اور مٹی گارے سے بنی جھونپڑیاں اور گھر نظر آ رہے تھے۔ گھروں کے باہر بندھے ہوئے مویشی بارش کے پانی میں کچی زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بارش گرج چمک کے ساتھ موسلا دھار برسنے لگی تھی۔ بارش اور سردی کی شدت کی وجہ سے کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچی پکی سڑک پر تیزی سے پانی پھیلتا جا رہا تھا۔ لائبہ کا چہرہ فق پڑ گیا تھا۔ خطرناک موسم دیکھ کر اس نے گھبرائی ہوئی نظریں اس پر ڈالیں۔ وہ اسی طرح سکون سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ لائبہ اس سے کچھ بولتی مگر پھر اس کی لاتعلقی و بیگانگی دیکھ کر ہونٹ کاٹ کر رہ جاتی۔ شدید پانی ' بارش کا تیزی سے جمع ہو رہا تھا۔ آگے بڑھتی ہوئی کار ایک شدید جھٹکے سے رک گئی تھی۔ شدید جھٹکا لگنے کی وجہ سے لائبہ کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا۔

''گڑھے میں پھنس گئی ہے' گاڑی۔'' اُسامہ بڑبڑایا۔ بہت کوشش کے باوجود کار اسٹارٹ نہیں ہوئی تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ لائبہ بے چینی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ بارش میں بھیگتا ہوا ٹائر چیک کر رہا تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ بالوں سے پانی جھاڑتا ہوا دوبارہ اندر آ کر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا۔ کار اسٹارٹ کیوں نہیں ہو رہی؟'' اسے معلوم تھا' وہ خود سے ہرگز نہیں بتائے گا۔

''دونوں ٹائر گڑھے میں پھنس کر پنکچر ہو گئے ہیں۔''

''اب کیا کریں گے؟'' وہ بوکھلا کر بولی۔

''وہ سامنے کھیتوں میں جو پانی نظر آ رہا ہے' اس میں سوئمنگ کریں گے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''پلیز' یہ فضول باتوں کا وقت نہیں ہے' یہاں تو کار گیراج کا ہونا مشکل لگ رہا ہے مجھے۔''

''آپ ویلج وزٹ پہ آئی ہیں انجوائے کیجئے'' ۔وہ اسے زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''آپ مجھ سے اس دن کا بدلہ لے رہے ہیں' حالانکہ اس دن میرا قصور......''

''بدلہ بزدل لیا کرتے ہیں اور اس دن کے حوالے سے میں کوئی وضاحت سننا پسند نہیں کروں گا۔ میں شریف ہوں یا بدمعاش' یہ میرا ذاتی معاملہ ہے' اس میں کسی کو بھی مداخلت کرنے کی میں اجازت نہیں دے سکتا۔'' وہ ایک دم سخت لہجے میں بولا تھا۔

لائبہ اس کے لہجے کی سختی محسوس کر کے خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ورکشاپ یہاں موجود نہیں تھی اور اس کی سب سے بڑی پریشانی لائبہ تھی۔ وہ تو یہاں کسی سے بھی مجبوری بیان کر کے رات گزارنے کا بندوبست کر سکتا تھا مگر لائبہ کو پھر کس خانے میں فٹ کرتا۔ یہ بہت چھوٹا اور پسماندہ قصبہ تھا۔ یہاں کسی ہوٹل کا وجود ہی نہ تھا۔

''ہم کب تک یونہی بیٹھے رہیں گے۔ کچھ کیجئے نا۔'' لائبہ اسے کھڑکی سے باہر دیکھتے دیکھ کر بولی۔

''پہلے آپ اس ''کچھ'' کی وضاحت کیجئے پھر میں کچھ کر سکتا ہوں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''شٹ اپ۔'' وہ غصے سے بولی۔

''لاسٹ وارننگ دے رہا ہوں آپ کو' مجھ سے آئندہ اس لہجے میں بات مت کیجئے گا' اس انداز میں بات کرنے والوں کا میں منہ توڑ دیا کرتا ہوں۔'' وہ غرا کر بولا۔

''اونہہ۔'' لائبہ نے جھنجلا کر منہ کھڑکی کی طرف کر لیا۔ اسے دور سے ایک آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس ہاتھ میں چھتری لئے کار کی طرف آتا دکھائی دیا۔ کچھ دیر بعد وہ کار تک پہنچ گیا۔ اُسامہ جو کار سے نکل چکا تھا وہ آدمی آ کر اس سے سندھی میں بات کرنے لگا۔ اُسامہ بھی سندھی میں اسے کچھ بتا رہا تھا۔

''آیئے۔'' وہ جھک کر لائبہ سے بولا۔ لائبہ باہر نکل آئی۔ زمین پر بارش کے پانی کے ساتھ گندا پانی بھی شامل ہو چکا تھا۔ جس سے نکلنے والے بدبو کے بھبکے اسے اپنی ناک میں گھستے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس نے فوراً ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ اُسامہ اس دیہاتی کے قریب کھڑا جینز کے پائنچے فولڈ کر رہا تھا۔ جوگرز اور جرابیں وہ پہلے ہی اتار چکا تھا۔ وہ دیہاتی لڑکا جس نے سفید دھوتی کرتے پر موٹا سوئٹر پہن رکھا تھا' لائبہ کو دیکھ کر کچھ جھجک گیا تھا۔

''یہ کون ہے؟ ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' لائبہ سوالات کرتی ہوئی بولی۔

''یہ انسان ہے اور اس کی ملکانی کو ہم پر ترس آ گیا ہے۔ انہوں نے ہمیں بلایا ہے۔''

''اتنے گندے پانی میں ہم ننگے پاؤں جائیں گے۔'' اس نے لائبہ کو بھی کھسے اتارنے کا اشارہ کیا تو وہ بولی۔

''جی ہاں۔''

''لیکن میں نہیں جاؤں گی۔''

''اوکے۔'' اُسامہ اپنے کندھے اچکا کر بے پروا انداز میں بولا اور اس دیہاتی کے ساتھ چلنے لگا۔ دونوں جوگرز اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔ وہ دیہاتی تو پہلے ہی ننگے پیر آیا تھا۔ وہ پانی میں پیر مارتا ہوا مزے سے اس دیہاتی سے باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا' جیسے وہ یہیں کا باشندہ ہو اور اس کی عمر اسی گندے پانی میں کھیلتے گزری ہو۔ لائبہ سے اس پانی اور کیچڑ میں چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ شلوار اس کے ٹخنوں سے اوپر تک خراب ہو گئی تھی۔ کھسے کیچڑ سے سیاہ ہو گئے تھے اور بطور احتجاج کیچڑ میں دھنس کر آگے چلنے سے انکار کر رہے تھے۔ وہ بڑی مشکل میں تھی۔ ہر قدم کو وہ بڑی مضبوطی سے رکھتی تھی اور بڑی مشکل سے خود کو گرنے سے بچاتی اور ایک ایسے ہی سنبھل سنبھل کر قدم رکھنے کے چکر میں اس کا پیر پھسل گیا۔ بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اُسامہ نے مڑ کر دیکھا اور تیزی سے اس کا بازو پکڑ کر اوندھے منہ گرنے سے بچا لیا۔

''سنبھل کر چلیں' اس ویلج وزٹ کی یادگار اپنے چہرے پر سجا کر لے جانا چاہتی ہیں کیا؟'' وہ اس کا بازو چھوڑ کر مخصوص لہجے میں بولا۔

''مجھ سے اب اور نہیں چلا جاتا اتنی گندی جگہ پر۔'' وہ روتے لہجے میں بولی۔

''یہاں رہنے والے بھی انسان ہی ہیں۔ ان کی آمد و رفت بھی یہیں پر ہوتی ہے۔ اگر آپ تھوڑی دیر چل لیں گی تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔'' وہ اس کے اکتائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر بولا۔

سرخ اینٹوں سے بنے اس وسیع و کشادہ گھر میں وہ اس دیہاتی کے ہمراہ داخل ہوئے تھے۔

''آؤ جی بسم اللہ۔'' ایک سانولی سی عورت اندر کمرے سے نکل کر ان کی طرف بڑھی۔ اُسامہ کو سلام کرنے کے بعد اس نے لائبہ کے ہاتھ چومے۔ لائبہ حیران تھی جبکہ اُسامہ مسکرا رہا تھا۔

یہ یہاں مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کا طریقہ تھا۔

''سائیں! یہ تیری بیوی ہے۔'' وہ لائبہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اشتیاق سے بولی۔

''ارے بے وقوف! ایسے خراب موسم میں یہ کسی پرائی عورت کو لے کر آئے گا۔'' سائیڈ کے برآمدے سے ایک مضبوط جسم کی بزرگ خاتون سفید دوپٹہ نماز کے انداز میں لپیٹے تسبیح ہاتھ میں پکڑے ہوئے نمودار ہو کر اس عورت سے مخاطب ہوئیں۔ ''چل جا کر مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کر۔'' وہ ان کی طرف آتی ہوئی ملازمہ سے مخاطب ہوئیں۔

''السلام علیکم۔'' اُسامہ نے انہیں آگے بڑھ کر سلام کیا۔

''وعلیکم اسلام ، جیتے رہو۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے لائبہ کی پیشانی چومتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

''چل بیٹی' وہاں سامنے لگے نلکے سے پاؤں دھولے۔ اعظم! سائیں کوحمام میں لے جا اور گرم پانی دے' یہ بھی منہ ہاتھ دھولے گا۔'' وہ دروازے کے قریب کھڑے اس لڑکے سے مخاطب ہوئیں اور لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر غسل خانے کی طرف لے جانے لگیں۔ لائبہ نے گھبرا کر اعظم کے ساتھ صحن کے دوسرے حصے کی طرف جاتے اُسامہ کی طرف دیکھا۔

''ارے ڈرتی کیوں ہے۔ تو بیوی ہے اس کی' وہ تجھے چھوڑ کر تھوڑی جائے گا۔'' وہ بہت جہاندیدہ خاتون تھیں۔ اس کی پریشانی فوراً سمجھ گئیں۔ وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی ان کے ساتھ اندر چلی گئی۔

''بہت مہربانی ہے اماں' آپ کی جو آپ نے ایسے موسم میں ہماری مدد کی ورنہ ہمارے لئے بہت مسئلہ ہوجاتا۔'' اُسامہ پلنگ پر بیٹھی ان خاتون سے مخاطب ہوا جو بستر میں گرم کمبل لپیٹے بیٹھی ہوئی تھیں۔ لائبہ بھی ان کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر تردد کے آثار تھے۔

''ارے بیٹا' میں بندی ناچیز کس قابل ہوں۔ وہ مہربان ذات تو اوپر ہے۔ وہ غفور الرحیم اپنے بندوں کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے بندے کو ہی وسیلہ بنا دیتا ہے۔ ورنہ مجھ کو کیا معلوم تھا۔''

''آپ نے ہم سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود ہم کو یہاں پناہ دی' جبکہ آج کل لوگ کسی مرتے ہوئے شخص کے حلق میں پانی کے چند قطرے بھی نہیں ڈالتے۔'' اُسامہ مسکرا کر بولا۔

''تم دونوں میرے ہم مذہب ہو' میرے ہم وطن ہو اور سب سے بڑا رشتہ ہمارے درمیان انسانیت کا رشتہ ہے۔ ایک اللہ کو ماننے والا رشتہ ہے۔ پھر ہم اجنبی کس طرح ہوئے۔ تمہارے شہر میں یہ رواج ہو نہ ہو مگر میرے اس چھوٹے سے گاؤں میں آنے والا ہر مہمان ہمیں اپنے سگوں سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔'' وہ مسکراتی ہوئی بولیں۔

''آپ یہاں اکیلی رہتی ہیں۔''

''ہاں ابھی تو اکیلی ہی ہوں کیونکہ میرے شوہر تو شہر میں کام کرتے ہیں' ایک ہی بیٹا ہے میرا۔ وہ ساتھ کے کوٹھ میں اپنی بیوی کو لینے گیا ہوا ہے۔ شاید کل پرسوں تک آئے۔ ساون اور اعظم میرے پاس ہوتے ہیں۔ یہ تمہاری بیوی کیا گونگی ہے۔ جب سے آئی ہے' مجھے کچھ ناراض اور فکرمندی لگتی ہے۔'' وہ جو بہت دیر سے لائبہ کے خاموش چہرے کو دیکھ رہی تھیں' تعجب خیز لہجے میں بولیں۔

''یہ میری بیوی......''

''اچھا تم بیٹھو' میں ساون کو دیکھ کر آتی ہوں۔ وہ کوئی بھی کام جلدی اس وقت تک نہیں کرتی' جب تک اس کے سر پر نہیں کھڑا ہوا جائے۔'' اُسامہ کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی وہ اپنے گرد کمبل لپیٹتی ہوئی جلدی میں باہر نکل گئیں۔

''تم نے ان کی غلط فہمی دور کیوں نہیں کی؟'' اماں کے جانے کے بعد لائبہ جھلا کر بولی۔

''میں ابھی انہیں اصل صورت حال سے واقف کرنا چاہتا تھا مگر مجھے اندیشہ ہو رہا ہے' یہ لوگ شاید اس بات پر یقین نہ کریں اور آپ نے اپنے رویے سے یہ ثابت کیا ہے جیسے میں آپ کو زبردستی لے کر آیا ہوں۔ فی الحال ان کی غلط فہمی نے جو رشتہ محسوس کیا ہے' وہی برقرار رہنا چاہئے ورنہ ہم ان کی نگاہوں میں مشکوک ہو جائیں گے۔''

''اللہ' یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو پہلے ہی ان کی غلط فہمی دور کر دینی چاہئے تھی۔''

''مجھے وضاحت کرنے کی عادت نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ ابھی آپ کو بتایا ہے' اس لئے بتایا ہے کہ آپ اس فرضی رشتے کو نبھائیں تاکہ یہ مشکوک نہ ہوں۔ یہ مجبوری ہے صرف مجبوری۔ سمجھیں' حقیقت میں انہیں بتانا بھی نہیں چاہتا۔'' اس کا لہجہ سرد اور تحکمانہ تھا۔

''چلو' میں نے تمہارے لئے اپنے بیٹے' بہو کا کمرہ صاف کروا دیا ہے۔ اس وقت وہی کمرہ خالی ہے۔ باقی کمرے تو کباڑ اور دھول مٹی سے اٹے پڑے ہیں' انہیں صاف کرنے کے لئے بھی گھنٹوں چاہئیں۔ تم لوگ کمرے میں جاؤ۔ ساون کھانا وہیں لے کر آ رہی ہے۔ یہاں بہت سردی ہو رہی ہے۔ کیا بات ہے بیٹی' جب سے آئی ہو خاموش اور پریشان ہو۔'' اماں کمرے میں آ کر پہلے اُسامہ سے پھر لائبہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''کچھ نہیں' بس تھکن محسوس ہو رہی ہے۔'' اُسامہ کی کڑی خبردار کرتی نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔

''اے بیٹا' مجھے تو یہ تمہاری بیوی لگتی ہی نہیں۔ کیسی چھوئی موئی سی ہے۔'' بڑھیا اماں کے لہجے میں شک نمایاں تھا۔ اتنے میں ملازمہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ وہ دونوں جو بری طرح بوکھلا سے گئے تھے' اس کی آمد پر شکر کا کلمہ پڑھنے لگے۔

''چلو بچو کھانا کھاؤ جا کر' اچھی طرح کھانا۔'' وہ سب کچھ بھول بھال کر دوبارہ ان سے شفقت سے بولیں۔

''آپ بھی ہمارے ساتھ کھائیں نا۔'' اُسامہ سے پہلے وہ بولی۔ اس کا دل انجانے اندیشوں سے دھڑک رہا تھا۔

''تم دونوں کھاؤ' میں تو مغرب کی نماز پڑھ کر کھا لیتی ہوں' اب عشاء کی نماز پڑھ کر دوائی کھا کر سوؤں گی۔ میرے گھٹنوں میں درد رہتا ہے اور سردی کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اب اگر نہ لیٹی تو اکڑ کر رہ جاؤں گی۔ تم بھی کھانا کھا کر دبک جاؤ لحاف میں' دیکھو تو کیسی ٹھنڈک ہو رہی ہے۔ اچھا میں اب اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ کھڑا نہیں ہوا جا رہا مجھ سے۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ دونوں ساون کی رہنمائی میں چھوٹا سا برآمدہ عبور کر کے' دالان سے گزر کر ایک کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔

''آئیں جی' بسم اللہ۔'' اس نے دروازہ کھولتے ہوئے ایک طرف کھڑے ہو کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی لائبہ کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ سامنے مصنوعی سرخ اور پیلے پھولوں کی لڑیوں سے سیج سجی ہوئی تھی۔ لڑیوں کے درمیان دو رنگین پایوں والے پلنگوں پر سرخ شنیل کے بیڈ کور پر سرخ شنیل کے ہی لحاف رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کی چھت بھی سجی ہوئی تھی۔ کمرہ درمیانہ تھا۔ سامنے نقشین رنگین کرسیاں اور میز موجود تھی۔ دوسری سائیڈ پر ڈریسنگ ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے دروازے پر کریم اور سرخ کلر کے پردے لہرا رہے تھے۔ تیز روشنی سے کمرہ منور ہو رہا تھا۔ اُسامہ نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے پریشان انداز میں سیٹی بجائی۔ لائبہ کو سمجھاتے وقت یہ بات ذہن میں نہیں تھی کہ انہیں ایک مشترکہ کمرا ملے گا۔

''یہ......یہ ......کمرا۔'' لائبہ کی زبان بری طرح لڑکھڑا رہی تھی۔

''مالکانی جی کے بیٹے کی شادی ہوئی تھی پچھلے ہفتے۔ چھوٹے سرکار اپنی دلہن کو لینے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ یہ کمرا انہی کا ہے' آپ اتنے کھانا کھاؤ' میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ اردو سندھی کو ملا کر بات کر رہی تھی۔

اُسامہ سامنے میز کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک ڈش نما کٹورے میں بھنی ہوئی مرغی اور موٹی موٹی گرم تنوری روٹیاں لپٹی رکھی تھیں اور ایک بڑی پلیٹ میں گاجر کا حلوہ تھا جس پر ابلے ہوئے انڈوں' پستے بادام اور اخروٹ سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ دو پلیٹیں' چمچے' گلاس اور پانی سے بھرا جگ رکھا ہوا تھا۔ کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ اُسامہ بے تکلفی سے پلیٹ میں سالن نکال کر کھانے بیٹھ چکا تھا۔

کھانا اس نے بھی دوپہر کو کھایا تھا مگر برائے نام۔ نواز مراد کی گھورتی ہوئی نگاہوں نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔ اس لئے وہ جلد ہی اٹھ گئی تھی اور اس وقت جو اسے صورت حال درپیش تھی' اس نے اس کی بھوک پیاس بالکل ختم کر دی تھی۔ بلب کی زرد روشنی میں اسے کمرے کا ماحول وحشت ناک لگ رہا تھا۔ اس کے اندر گھٹن اور گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی اور وہ اس سے قطعی بے نیاز بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

''آپ کو یقیناً بھوک نہیں لگ رہی ہوگی مگر پھر بھی تھوڑا بہت کھا لیں۔ رات بہت لمبی ہے پھر آپ کو کھانا دستیاب نہیں ہو سکتا۔'' وہ اس کی حالت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اس لئے زیادہ دیر کٹھور نہ بن سکا۔ کافی نرمی سے بولا۔

''مجھے بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''اچھا آپ یہاں آ کر بیٹھ تو جائیں۔ وہ ملازمہ چائے لے کر آئے گی تو کیا سوچے گی۔'' وہ شائستہ لہجے میں بولا۔ لائبہ جو ابھی تک دروازے میں ہی کھڑی تھی' اس سے کافی فاصلے پر کرسی پر بیٹھ گئی۔

گزرتے وقت کے ساتھ بارش بھی بھرپور زور پکڑ چکی تھی۔ بجلی کی چمک' بادلوں کی گرج اتنی شدید تھی کہ لائبہ کا دل خوف کے مارے تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

اُسامہ نے کھانا کھانے کے بعد رومال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ایک چور نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی جو مجسمے کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ سرخ دوپٹے کے ہالے میں چمکتے ہوئے اس کے چہرے پر اتنی شدید سردی میں بھی پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس کا گلابی چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ وہ حد درجہ خوفزدہ اور سہمی ہوئی تھی۔ ایک باکردار شریف و باحیا عصمت مآب لڑکی کے لئے غیر مرد کے ساتھ ایک کمرے میں رات گزارنا موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور بھیانک تھا۔ اس وقت اس کی ساری قوت ارادی' خود اعتمادی اور بہادری غائب ہو گئی تھی۔

ساون چائے لانے کے بعد کھانے کے برتن لے کر چلی گئی تھی۔ لائبہ نے کھانا بالکل بھی نہیں کھایا تھا۔ چائے کا کپ بھی اس نے مشکل سے ختم کیا۔ تیز سرد ہوا کے جھکڑوں سے دروازہ بری طرح کھل رہا تھا اور دھماکے سے بند ہو رہا تھا۔ ہوا اور بارش کی وجہ سے کمرہ برف لگ رہا تھا۔ کونے میں رکھے ہوئے تسلے میں دہکتے ہوئے کوئلے جو گرمائی کے لئے جلائے گئے تھے' وہ کب کے بجھ گئے تھے اور کمرے میں شدید سردی ہو گئی تھی۔ اُسامہ کپ میز پر رکھ کر اٹھا اور رسٹ واچ دیکھتا ہوا شور مچاتے دروازے کو بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا کر اپنی جیکٹ اتارنے لگا اور لائبہ کو لگا جیسے دروازے کے ساتھ ہی اس کا دل بھی بند ہو گیا ہو۔

''دروازہ کیوں بند کیا ہے؟'' وہ وحشت زدہ سی کھڑی ہو کر لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

''تیز ہوا سے کمرہ بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے اور دروازہ بھی شور کر رہا ہے۔'' اُسامہ جیکٹ اتار کر کرسی پر پھینکتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''نہیں دروازہ کھول لیں آپ' دروازہ کھول لیں۔'' اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

''او کے' ایزی پلیز۔ پریشان مت ہوں۔ میں دروازہ کھول دیتا ہوں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا اور تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھولتے ہی تیز ہوا اندر آنے لگی اور دروازہ اسی طرح دھڑ دھڑ کھلنے اور بند ہونے لگا۔ اس کی فراخ پیشانی پر پریشانی کی شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ وہ بری طرح الجھن محسوس کر رہا تھا۔ اتنے شدید سرد موسم میں اس کے اندر حبس اور اضطراب تھا' کپڑوں پر گندے پانی کی چھینٹوں کی وجہ سے نمازیں بھی اس کی قضا ہوئی تھیں اور رات کو سونے سے قبل کے معمولات بھی متاثر ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ زیادہ بے چینی محسوس کر رہا تھا اور سب سے بڑی الجھن اس کی' لائبہ کی یہاں موجودگی' مستزاد اس پر خوف اور بے اعتباری کی ہسٹریائی کیفیت تھی۔

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے دروازے کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ اُسامہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اسے کیسے سمجھائے' کیسے یقین دلائے کہ وہ ایک شریف و باکردار نوجوان ہے۔ اس کی موجودگی سے وہ اتنا ہی ڈسٹرب ہے جتنی وہ خود ہو رہی ہے۔ دونوں کی ڈسٹربنس میں نمایاں فرق یہ تھا۔ وہ پہلی مرتبہ شب تنہائی میں ایک صنف مخالف کو انجانے میں شریک بنا بیٹھا تھا ورنہ وہ سونے کے وقت کسی کو بھی اپنے بیڈروم میں برداشت نہیں کرتا تھا۔ یہاں تو صورت حال ہی دوسری تھی۔ لائبہ کو ان اندیشوں نے بدحواس کر رکھا تھا جو شریف باعصمت لڑکی کو ایسی صورت حال میں ہوتے ہیں۔

کافی دیر تک اُسامہ سوچتا ہوا ٹہلتا رہا۔ لائبہ بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسامہ کو بھی سردی کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس نے ایک نظر لائبہ پر ڈالی۔ اس کا سر گھٹنوں میں چھپا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں کو اس نے سر اور گھٹنوں کے گرد ہی لپیٹ رکھا تھا۔ دوپٹہ اس کے سر پر جما ہوا تھا۔ اُسامہ کو محسوس ہوا وہ بے آواز رو رہی ہے۔ دروازے کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے ہوا براہ راست اس سے ٹکرا رہی تھی مگر وہ اس وقت جیسے سردی کے احساس سے عاری ہو چکی تھی مگر یہ سردی اسے نقصان پہنچا سکتی تھی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے بڑھتے ہوئے پہلے قدم پر ہی لائبہ چونک کر سیدھی بیٹھ گئی تھی۔ یا تو وہ غیر محسوس طریقے سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی تھی یا اس صورت حال میں اس کے احساسات اتنے تیز ہو گئے تھے کہ اس کے پہلے قدم پر ہی وہ چونک گئی تھی۔

''میں نہیں جانتا میرے کس برے رویے نے آپ کو میری جانب سے اتنا خوفزدہ کر دیا ہے یا یہ آپ کے ذہن کی پراگندگی کا نتیجہ ہے جہاں سے مجھے لوز کریکٹر نوبل ملا ہے۔ آفٹر آل میں آپ کو سمجھا دوں کہ میں ہوں تو انسان ہی مگر میری فرشتہ صفت دادی نے میری تربیت میں مذہب کے کچھ ٹھوس اصول ایسے اتارے ہیں جو میرے اندر سنگلاخ چٹان کی سی شکل اختیار کر گئے ہیں اور آپ کی تسلی کے لئے اتنا بتا دوں' آپ افتخار انکل کی امانت ہیں اور مسلمان کبھی بھی امانت میں خیانت نہیں کیا کرتے۔'' وہ اس کے نزدیک رک کر سمجھاتے ہوئے بولا۔

''میں..... میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں ایسے حالات سے گزروں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''جی آپ نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور میں نے تو مکمل پلاننگ کی تھی' ایسے حالات کے لئے۔'' اس کے بہتے آنسو اور مشکوک لہجہ اس کا تمام مہذب پن غائب کر چکا تھا۔'' آپ کی وجہ سے مجھے یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے اگر انکل کا پریشان چہرہ اور بے پناہ فکر مندی مجھ سے چھپی رہتی تو میں پٹرول پمپ سے ٹینک فل کروا کر جا چکا ہوتا اور اپنے بیڈروم میں پرسکون نیند سو رہا ہوتا۔ اس طرح یہاں آپ سے اپنے کردار کے بارے میں وضاحتیں نہ کر رہا ہوتا۔ حد ہوتی ہے' احمقانہ پن اور بے اعتمادی کی بھی۔ صرف آپ کی وجہ سے مجھے اس قدر خوار ہونا پڑا ہے۔'' اس کا موڈ بری طرح آف ہو چکا تھا۔'' کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب میں نے انکل کی وجہ سے کیا ہے ورنہ میں آپ کی آواز تک سننے کا روادار نہیں ہوں۔'' وہ جو بہت دیر سے شائستہ اور مہذب رویہ اپنائے ہوئے تھا' اب لائبہ کی بے اعتباری نے اس کا دماغ گرم کر دیا تھا۔ وہ شدید غصے میں اپنی کیفیت اسے بتا رہا تھا۔

لائبہ دانتوں سے ہونٹ کاٹتے ہوئے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کمرے میں آ کر خود کو بہت کمزور اور غیر محفوظ تصور کرنے لگی تھی۔ حالانکہ اسے اُسامہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے بہت عرصہ گزر چکا تھا اور اس نے اس میں کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ساتھ تو اس کا رویہ ہوتا بھی بہت خشک اور تضحیک آمیز تھا' عائشہ شیخ کے ساتھ جو پچھلے ہفتے اس نے دیکھا تھا' وہ بعد میں اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ عائشہ شیخ کی ہی حرکت تھی۔ اسے خود پر افسوس بھی ہوا تھا کہ بغیر تصدیق کے کسی پر شک نہیں کرنا چاہئے۔ اب راستے میں جو وہ اسے زچ کرتا آیا تھا' اسے اس وجہ سے ڈر لگنے لگا تھا کہ کہیں وہ اسے بے بس و تنہا پا کر اس سے انتقام نہ لے مگر اس وقت اس کی جھنجلاہٹ اور مضبوط لہجہ کچھ کچھ اسے ڈھارس دے رہا تھا۔ وہ خود کو محفوظ تصور کرنے لگی تھی' اُسامہ نے شدید جھنجلاہٹ میں پلنگ سے تکیہ اور لحاف کھینچا اور کونے میں فرش پر بچھی دری پر تکیہ رکھ کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے ہلکے ہلکے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔ وہ واقعی سو گیا تھا۔

لائبہ نے کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھا' کہیں وہ بن تو نہیں رہا مگر اسے تسلی ہو گئی کہ وہ واقعی سو گیا تھا۔ لحاف اس نے چہرے تک اوڑھا ہوا تھا۔ سارے دن کی تھکن اور بقول اس کے خواری سے اسے گہری نیند آ ئی تھی۔ لائبہ کا خوف ختم ہوا تو اسے سردی اور بھوک کا احساس ہونے لگا۔ بارش بھی باہر شدت پکڑ چکی تھی۔ بادلوں کی گرج سے ماحول گونجنے لگا تھا اور بجلی کی چمک سے لمحے بھر کو دروازے سے باہر برتی بارش میں آنگن منور ہو جاتا۔ لائبہ کانپتی ہوئی اٹھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے بھاری بھاری گلدان اور پاؤڈر کے ڈبے اٹھا کر شور مچاتے دروازے کے دونوں پٹ کھول کر دونوں طرف انہیں رکھ کر پورا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ اس طرح ٹیک لگنے کی وجہ سے شور نہیں کر رہا تھا۔ وہ کسی طرح بھی دروازہ بند نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کھانے کے لئے اس وقت کچھ نہیں تھا۔ اس نے پلنگ پر پڑے دوسرے لحاف کو کھینچا اور دیوار کے سہارے بیٹھ کر اچھی طرح خود کو ڈھانپ لیا۔ وہ اس کی موجودگی میں لیٹنے پر خود کو آمادہ نہ کر سکی حالانکہ وہ کمرے کے آخری کونے میں پڑا بے خبر سو رہا تھا۔

ابھی وہ بیٹھی ہی تھی کہ بتی بند ہو گئی۔ شاید شدید ہواؤں کی وجہ سے تار ٹوٹ گئے تھے۔ کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا تھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا' آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود کوئی چیز اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ بادلوں کے گرجنے کی آواز کچھ کم ہو گئی تھی۔ اُسامہ کے خراٹے اسی طرح کمرے میں گونج رہے تھے۔ اس نے گھٹنوں میں منہ چھپا لیا اور جتنی بھی سورتیں اسے یاد تھیں' ان کا ورد دل میں کرتے ہوئے کسی پہر اسے بھی نیند آ ہی گئی۔

اسے نیند میں محسوس ہوا' جیسے کوئی وزنی چیز اس کے لحاف کے اس حصے سے گزر رہی ہے جہاں اس کے پاؤں تھے۔ وہ ابھی پوری جاگی بھی نہیں تھی کہ پھوں پھوں کی غیر مانوس آواز نے اسے نیند کی کیفیت سے مکمل بیدار کر دیا۔ اس کے ذہن میں آنے والا وہم' مجسم اس کے سامنے موجود تھا۔ وہ دہشت سے چیخ بھی نہ سکی تھی۔ وہ زرد رنگ کا سانپ تھا جو اس سے کچھ فاصلے پر پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ اندھیرے میں بھی اس کی سرخ آنکھیں انگاروں کی مانند چمک رہی تھیں۔ لائبہ نے لحاف پوری طرح لپیٹا ہوا تھا اس لئے وہ ابھی اسے ڈس نہ سکا تھا مگر لائبہ کے چہرہ اوپر کرنے کے بعد وہ اپنے شکار کو پہچان گیا تھا کیوں کہ سانپ انسان کا ازل سے جانی دشمن ہے۔ وہ انسان کو ڈسنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا۔ لائبہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی دوشاخہ زبان نکال کر پھوں پھوں کیا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ لائبہ جو سکتے کی کیفیت میں اسے گھور رہی تھی۔ اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ شاک سے نکل آئی تھی۔ اسے اپنا بچاؤ مشکل نظر آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے رینگتا ہوا اس کے لحاف پر چڑھ رہا تھا' اور یہی وہ لمحہ تھا' جب اچانک ہی اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی اور اس نے لاشعوری طور پر دونوں ہاتھوں سے اسے دور جھٹکنے کی کوشش کی تھی اور دونوں ہاتھ لحاف کے اندر تھے اس لئے وہ لحاف اس سانپ کے اوپر گیا اور لائبہ بدحواسی کے عالم میں غیر ارادی طور پر اس طرف بھاگی تھی جس طرف اُسامہ سو رہا تھا۔ یہ سب کچھ لمحوں میں ہو گیا تھا۔

''کیا..... ہوا؟'' اُسامہ اس کی چیخ سن کر اٹھ گیا تھا۔ حیرانی سے بولا۔

''سا..... سا..... سانپ'' لائبہ اس کی آواز سن کر بری طرح گھبرائے' بوکھلائے لہجے میں بولی۔

''سانپ۔ کدھر ہے۔ اور لائٹ کیوں آف ہے۔'' وہ مزید حیرانی سے بولا۔

''ادھر..... لحاف..... میں.....'' خوف سے اس کا برا حال تھا۔ کافی دیر سے اندھیرے میں رہنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو گئی تھیں۔ قریب کھڑا اُسامہ اس کو سائے کی مانند لگ رہا تھا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔ وہ آپ کو ڈس لے گا۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''میرا بازو چھوڑیں۔ کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے دیکھنے دیں۔''

''نہیں' میں آپ کو اس کے پاس نہیں جانے دوں گی۔'' اس کے کانپتے سرد ہاتھوں کی گرفت اس کے بازو پر اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔ جیسے وہ اسے آگے بڑھنے سے روک رہی ہو۔

''پلیز۔'' اُسامہ نے اپنے ہاتھ سے' اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا' شدید بارش کی وجہ سے لائٹ آف ہوئی ہے اور سانپ بھی دروازہ کھلا ہونے کی وجہ سے اندر آیا ہے۔ ایسے موسم میں یہ موذی اکثر ایسے علاقوں میں نکل آتے ہیں اور بہت سے بے خبر لوگ ان کا شکار ہو کر موت کی نیند سو جاتے ہیں۔ اس وقت بھی ایسی ہی خطرناک صورت حال تھی۔ کمرے میں اندھیرا تھا اور اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ سانپ ان دونوں میں سے کسی کو نقصان نہ پہنچا دے۔ اسی لمحے اسے اپنے نزدیک سے پھوں پھوں کی تیز آواز سنائی دی اور لائبہ کی چیخ بھی اسی لمحے نکلی۔ اس نے لائبہ کا بازو پکڑا اور تیزی سے پیچھے کی سمت چھلانگ لگائی۔ وہ پیچھے گرا تھا' لائبہ کا بازو اس کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے وہ اس کے اوپر گری تھی پھر دونوں ہی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ اُسامہ نے قریب رکھی کرسی پر پڑی ہوئی جیکٹ اٹھائی اور جیب میں سے لائٹر نکال کر کھڑا ہو گیا۔ سانپ کی پھنکاریں اب بھی آ رہی تھیں مگر آواز سے لگ رہا تھا' وہ ایک جگہ نہیں ہے بلکہ مسلسل رینگ رہا ہے۔ اس کے ساتھ لائبہ بھی کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے دوبارہ مضبوطی سے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ خوف اور سردی کی وجہ سے اس کے ہاتھ برف ہو رہے تھے اور وہ مسلسل کانپ رہی تھی۔ اس وقت وہ بالکل حواس باختہ ہو رہی تھی اور خوف کی وجہ سے یہ بھی بھول چکی تھی کہ وہ کس شخص کے کندھے سے تقریباً چپکی ہوئی کھڑی ہے۔ اُسامہ اندھیرے کے باعث اس کا چہرہ بغور دیکھ نہیں پا رہا تھا مگر اس کے ہاتھوں کی لرزش اس کے چہرے کا پتا دے رہی تھی۔ اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''اب..... کیا..... ہوگا۔''

''اب جو سانپ چاہے گا' وہی ہوگا' سنا ہے' سانپوں کو بھی گلابی چہرے اور گرین آنکھوں والی لڑکیاں بہت پسند ہوتی ہیں اس لئے وہ.....''

''خدا کے لئے' میرا خوف سے دم نکل رہا ہے۔'' وہ بے اختیار اس کے کندھے سے سر ٹکا کر رونے لگی۔ آنسو تیزی سے اس کی شرٹ میں جذب ہونے لگے۔ اُسامہ تو گویا چند منٹ کے لئے پتھر کا بن گیا۔ اس کے اندر بجلیاں سی دوڑنے لگی تھیں۔ اسے احساس نہیں تھا۔ بظاہر بہت بولڈ نظر آنے والی لائبہ اس قدر بزدلانہ احساس سے دوچار تھی۔

''سوری' میں ایسے ہی کہہ رہا تھا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ لائبہ دوپٹے سے آنسو صاف کر رہی تھی۔ اس نے لائٹر جلا کر سب طرف دیکھ ڈالا مگر وہ کہیں ملا ہی نہیں اور اب اس کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کسی اور طرف چلا گیا۔'' وہ لائٹر بجھاتا ہوا بولا۔ اسی لمحے بلب جل اٹھا تھا۔ کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ ہر چیز واضح نظر آنے لگی تھی۔ اُسامہ کے ساتھ اس نے بھی روشنی ہوتے ہی سانپ کو ڈھونڈا مگر وہ غائب ہو گیا تھا۔

''وہ..... وہ جا رہا ہے۔'' بجلی کی چمک میں آنگن میں جاتے ہوئے سانپ پر اس کی نظر پڑ گئی تھی۔ وہ چیخ کر بولی۔

''آپ کی تسلی کے لئے اسے واپس جاتے ہوئے دیکھنا کافی ہوگا اگر اب آپ میرے دروازہ بند کرنے کا مقصد سمجھ گئی ہوں تو دروازہ بند کر لیجئے گا کیونکہ ہو سکتا ہے' وہ اپنی ناکامی کا انتقام لینے کے لئے اس بار اپنے پورے قبیلے کے ہمراہ حملہ کر دے۔'' وہ کہتا ہوا دوبارہ اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

لائبہ کو اب اپنی بیوقوفی پر غصہ آ رہا تھا۔ خوف کی وجہ سے وہ کس طرح اس کے بازو سے چپکی رہی تھی۔ یہاں اسے اُسامہ کی اخلاقی بلندی کا دل سے اعتراف کرنا پڑا تھا کہ اس نے اس کی ہر زیادتی اور بہتان بھلا کر اسے بالکل بچوں کی طرح تسلی دی تھی اور اس کے اس بلند کردار و اخلاق نے اسے حد درجہ نادم کر دیا تھا۔ اس نے تشکر بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا جو دوبارہ سر سے پاؤں تک لحاف اوڑھ کر لیٹ چکا تھا۔ لائبہ نے آہستہ سے دروازہ بند کیا اور اپنے لحاف کی طرف بڑھ گئی۔

✦ ✦ ✦

''ہیلو..... آج لوگوں کے تیور بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ خیریت تو ہے نا؟'' فاران ابھی دفتر سے آیا تھا۔ کمرے میں شائلہ اور تابندہ کو دیکھ کر بولا کیونکہ تابندہ کی غصے سے بھری آواز وہ دروازے سے اندر آتے سن چکا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''فاران بھائی! آپ پھوپو سے ایک ہفتے یہاں رہنے کا کہہ کر آئے تھے۔'' شائلہ سنجیدگی سے بولی۔

''ایک ہفتہ۔ ارے بھئی ایک ہفتے کا نہیں ایک عرصے کا۔'' وہ فرش پر بچھی دری پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''کیوں۔ ایک عرصے میں آپ یہاں کیا سونے کی کان دریافت کریں گے۔'' تابندہ کے لہجے میں غصے اور طنز کی آمیزش تھی۔

''سونے کی نہیں' ہیرے کی کان تو ماہ دولت نے بہت عرصہ پہلے دریافت کر لی ہے۔ اب تو یہاں یہ چیک کرنے آئے ہیں کہ تصویر میں جگمگانے والی ہیرے کی کان' میک اپ کی مرہونِ منت تو نہیں ہے۔'' وہ تابندہ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''آپ کی ذو معنی باتیں ہمارے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔'' شائلہ منہ بنا کر بولی۔

''مسئلہ کیا ہے۔ اب مجھے بتاؤ کیونکہ تمہارا سنجیدہ ہونا واقعی پریشانی والی بات ہے۔''

''صبح پھوپو کا فون آیا تھا۔ انہوں نے ایسی ایسی باتیں ہمیں کہی ہیں کہ یہ تابندہ ہی کی ہمت تھی جو چپ چاپ ساری بکواس سن کر آ گئیں اگر میں ہوتی تو ان کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی۔''

''شائلہ! بڑی ہیں وہ ہماری' اور سگی پھوپو بھی۔'' تابندہ شائلہ کو غصے میں آتے اور حد ادب سے گزرتے دیکھ کر فہمائشی لہجے میں بولی۔

''عزت کروانے کے لئے صرف عمر کے لحاظ سے بڑا ہونا لازمی نہیں ہوتا۔ بڑوں کو اپنی عمر کی طرح ہی بڑے دل' بڑے ذہن' بڑے اچھے اخلاق و عادات کا مالک بھی ہونا چاہئے۔ آج کل عمر کی نہیں اچھے اخلاق اور شفقت و محبت کی عزت و قدر کی جاتی ہے۔ کون سے ان کے بیٹے میں ہیرے موتی لگے ہوئے ہیں جو ہم ان پر ڈورے ڈالیں

گے۔'' شائلہ شدید غصے میں آؤٹ ہو چکی تھی۔

''پلیز' پلیز کم ازکم میرے سامنے تو میری برائی نہ کرو۔'' فاران' شائلہ کا رخ اپنی طرف ہوتے دیکھ کر ہاتھ جوڑتا ہوا بولا۔

''آپ کی ممی حضور کا ارشاد ہے کہ ان کا بیٹا یہاں ایک ہفتے کے لئے آیا تھا اور دو مہینے گزرنے کے باوجود گھر نہیں لوٹا ہے۔ یقیناً ہم بہنوں نے آپ پر ڈورے ڈالے ہوئے ہیں۔''

''لاحول ولاقوۃ! یعنی میں بندہ نہ ہوا لحاف ہو گیا۔ اب دونوں غصہ تھوک دو۔ میں کل دفتر ہی سے فون کر کے ممی سے گزارش کروں گا کہ وہ اس ماڈرن دور میں لحاف اور ڈورے بھول جائیں۔ آج کل تو کمبلوں کا زمانہ ہے اور کمبل بھی ایسے جو کہ بس......''

''آپ کو تو عادت ہے ہر بات مذاق میں اڑانے کی۔'' تابندہ تنک کر بولی۔

''اور آپ کو عادت ہے ہر مذاق کو سیریس لینے کی۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

''کھانا لگاؤں آپ کے لئے؟''

''نہیں کھانا' میں کھا کر آیا ہوں۔ چائے پلا دو تو مہربانی ہو گی۔''

''آپ واپس جانے کی تیاری کرلیں تو زیادہ بہتر ہو گا آپ کے لئے بھی اور ہمارے حق میں بھی۔'' شائلہ کے کچن میں جانے کے بعد تابندہ اس سے سنجیدگی سے بولی۔

''کیا کہا ہے ممی نے۔ مجھے تفصیل سے بتائیں۔'' وہ پہلی مرتبہ سنجیدگی سے بولا۔

''میں وہ بے ہودہ الفاظ نہیں دہرا سکتی۔ وہ ہمیں اتنا گرا ہوا' اتنا نیچ سمجھتی ہیں' میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ خدا گواہ ہے' میں نے یا شائلہ نے کبھی بھی آپ کے متعلق گھٹیا انداز میں نہیں سوچا۔ تابش تو بہت معصوم ہے اور امی نے آپ کو اتنی اہمیت' اتنی محبت اس لئے دی کہ آپ ان کی نند کے بیٹے ہیں۔ ان کی یہی کوشش ہوتی ہے آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو ورنہ کبھی ان کو علم ہو گیا تو کیا سوچیں گی۔ یہ تو اچھا ہوا' امی صبح سے چچا جان کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔ پہلے ہی وہ بھائی کی طرف سے پریشان ہیں۔ پھوپو کی باتیں سن کر ان کا نہ معلوم کیا حال ہوتا۔'' تابندہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

''فی الحال آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا کام آج مکمل ہو گیا ہے۔ کل کی فلائٹ سے میں واپس جا رہا ہوں۔'' وہ جیب سے ٹکٹ نکال کر اسے دکھاتے ہوئے بولا۔

✦ ✦ ✦

''مالی بابا! ایک مریض تھا اندر' کہاں گیا وہ۔'' کنول ایمرجنسی میں ڈے نائٹ ڈیوٹی دے کر آئی تھی۔ شدید تھکن کے باوجود وہ پہلے اس کمرے میں گئی تھی۔ جہاں انور رہ رہا تھا مگر اندر داخل ہوتے ہی کمرے کا سارا سامان ایسے ہی موجود تھا اور انور بیڈ سے غائب تھا۔ اس نے سوچا' شاید باتھ روم میں ہو مگر پندرہ منٹ گزرنے کے باوجود جب باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز نہ آئی تو اس نے باتھ روم ڈور کھول کر دیکھا تو وہ خالی تھا۔ اس نے پریشانی سے لان میں آ کر مالی سے پوچھا۔ جو بیک وقت مالی اور چوکیدار دونوں کے فرائض انجام دیتا تھا

''بی بی صاحب! مریض تو صبح چلا گیا۔ وہ بولتا تھا' اپنی بی بی کو سلام بولنا' اور کہنا وہ ٹھیک ہو گیا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔'' مالی بابا نے حرف بہ حرف بات دہرا دی۔

کنول ڈھیلے قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ انور کے جانے کا سن کر اسے اپنے وجود میں عجیب سی بے قراری اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ انور جس رات اپنے ساتھیوں سمیت ان کے بنگلے میں کودا تھا' اس کے پیشے سے وہ اسی رات واقف ہو گئی تھی مگر جس انداز میں اس نے اپنے ان دونوں ساتھیوں کو ڈانٹا تھا' اس کے لہجے کی غیرت مند للکار نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ظاہری طور پر برے کاموں میں پھنس گیا ہے مگر اندر سے وہ ایک نیک شریف اور غیرت مند انسان ہے۔ اسی رات سے اس کے دل میں اس کی تصویر چپک گئی تھی۔

ان دنوں بھائی بھابی کے ساتھ ہنی مون منانے سوئٹزر لینڈ گئی ہوئی تھیں۔ ممی اور ڈیڈی بھی ملک سے باہر تھے۔ ان کی پرانی آیا ساتھ رہ رہی تھی مگر اس رات کے بعد وہ وہاں رہنے پر آمادہ نہ ہوئیں اور ڈیڈی ممی کے آنے کے بعد وہ سب اس ڈیفنس والی کوٹھی میں شفٹ ہو گئے تھے۔ اب وہ پھر قسمت سے اس سے ملا تھا اور اس نے دو دن خوب اس کی تیمارداری کی تھی۔ اس کے زخم کافی بھر گئے تھے۔ وہ جب بھی سوپ وغیرہ اس کے پاس لے کر جاتی یا دوائی وغیرہ دیتی تو اس کی موجودگی میں وہ اکثر نگاہیں جھکا کر ہی رکھتا تھا۔ غیر ضروری بات اس نے بالکل بھی نہیں کی۔ اس نے دل میں سوچ لیا تھا۔ وہ انور کو اس گندے راستے سے ہٹا لے گی۔ اس کے اندر بلاشبہ اچھائی موجود تھی' اسے شاید گائیڈ لائن غلط ملی تھی مگر اب وہ اپنا نام اور پتا بتائے بغیر غائب ہو چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کہاں ڈھونڈے۔

✦ ✦ ✦

سورج کی تیز شعاعیں اس کے چہرے پر پڑیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی پہلی نظر سامنے پڑی' اُسامہ وہاں سے غائب تھا۔ لحاف اور تکیہ وہیں پڑا تھا۔ وہ نہ معلوم کس وقت وہاں سے چلا گیا تھا۔ دروازہ بھی چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ دروازے سے آتی تیز دھوپ ہی نے اسے بیدار کر دیا تھا۔ وہ لحاف ایک طرف کر کے اٹھی۔ ساری رات بیٹھے بیٹھے سونے کی وجہ سے کمر اس کی تختہ بنی ہوئی تھی۔ وہ دوپٹہ درست کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل ہی رہی تھی کہ ساون وہاں آ گئی۔ اس کے ہمراہ جا کر اس نے منہ ہاتھ دھویا اور بڑھیا اماں کے ساتھ ناشتا کیا' خالص دیسی قسم کا۔ انہی کی زبانی اسے معلوم ہوا اُسامہ اعلیٰ صبح فجر کے وقت اٹھ کر آ گیا تھا اور ناشتا کرنے کے بعد اعظم کے ساتھ ورکشاپ گیا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا اس کی زندگی کا کہ وہ فجر کی اذان سے غافل بے خبر سوئی تھی۔ ورنہ وہ رات کو جلدی سونے اور فجر سے پہلے اٹھنے کی عادی تھی۔ ناشتا کرنے کے بعد وہ بال بنا کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ اُسامہ' اعظم کے ہمراہ اندر آ گیا۔ اس نے ایک غیر اہم اچٹتی ہوئی نظر اس پر ڈالی تھی۔

''اب ہمیں اجازت دیجئے اماں۔ آپ کی مہربانی اور میزبانی عمر بھر یاد رہے گی۔''

''یہ تو اس وحدہٗ لاشریک کی مہربانی ہے بیٹا۔ اس کا شکر ادا کرو۔'' وہ بہت شفقت سے عاجزانہ لہجے میں بولیں۔

''آپ جب بھی شہر آئیں' مجھے ضرور اطلاع دیجئے گا۔ یہ میرا کارڈ رکھ لیں آپ۔'' اُسامہ وزیٹنگ کارڈ ان کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''جلدی آئیے آپ۔'' انہیں خدا حافظ کہنے کے بعد وہ لائبہ سے کہتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

''ایسے آدمی کی قدر کرنا سیکھو۔ تمہارا آدمی بہت نیک و شریف ہے۔ ایسے اچھے اوصاف والے آدمی خوش نصیبوں کو ملا کرتے ہیں۔ صبح اٹھنے کے بعد اس نے پورے گوٹھ کے غریب لوگوں کے گھروں میں راشن ڈلوایا ہے اور روپے پیسے کی امداد الگ دی ہے اور اس کی اعلیٰ ظرفی دیکھو یہاں آ کر ابھی ذکر تک نہیں کیا ہے۔ یہ تو صبح ساون نے خود جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور مجھے بتایا ہے۔ ایسے لوگ کہاں ہیں اب جو غریبوں سے ہمدردی کریں۔ یہ بچہ کسی اونچے خاندان کا ہے۔ بالکل فرشتے جیسا۔'' نہ معلوم انہوں نے لائبہ کے رویے میں ایسی کیا بات دیکھی تھی جو وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔

لائبہ خاموشی سے سنتی رہی' وہ انہیں سچ کیسے بتاتی۔ البتہ اُسامہ کی امدادی کارروائیوں کا سن کر اسے کچھ حیرت بھی ہوئی تھی اور کچھ شرمندگی بھی کہ وہ ہمیشہ سومیہ وغیرہ سے اس کی سیاسی مخالفت کرتی رہی تھی کہ وہ صرف شہرت اور کرسی حاصل کرنے کے لئے سیاست میں آیا ہے مگر...... اماں سے اجازت لے کر وہ ساون کے ہمراہ کار تک آئی تھی۔ ساون اسے صاف ستھرے راستے سے لے کر آئی تھی۔

صبح کے نو بج رہے تھے۔ رات کی بارش سے ہرا بھرا سبزہ دھل کر اور زیادہ نکھر گیا تھا آسمان بھی صاف تھا۔ سردی میں پھیلی ہوئی دھوپ اچھی لگ رہی تھی۔ گاؤں کی زندگی رواں دواں ہو چکی تھی۔ موسم خوبصورت تھا۔ اسے کار کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر اُسامہ نے جلی ہوئی سگریٹ قریب ہی گڑھے میں جمع پانی میں اچھال دی اور اندر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر فرنٹ ڈور ہاتھ بڑھا کر کھول دیا۔ لائبہ ساون سے ہاتھ ملا کر کھلے دروازے سے اندر سیٹ پر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ اُسامہ نے کار اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ سے دوڑانے لگا

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ لائبہ کی نظروں میں رات کے واقعات گھوم رہے تھے جب وہ سانپ کے خوف سے اُسامہ کے بازو سے خوفزدہ بچے کی طرح چپکی ہوئی تھی۔ وہ منظر یاد کر کے وہ بری طرح خجل اور کھسیاہٹ کا شکار تھی۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ ایک سانپ کے خوف سے اس شخص کے قریب رہی ہے جس کے بارے میں اس کی ذاتی رائے بہت بے ہودہ رہی تھی مگر اس شخص کے مضبوط کردار اور حد درجہ شرافت نے اسے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔

کار نہ معلوم کن راستوں سے گزر رہی تھی۔ چاروں طرف سڑک کے ویران میدانی علاقے تھے جن میں کہیں کہیں ٹیلے تھے اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ سڑک پر کبھی کبھی کوئی ٹرک یا پرائیویٹ گاڑیاں گزر جاتی تھیں۔ ورنہ طویل سڑک پر ان کی کار کے سوا اور کوئی کار نہیں تھی۔

''ہم کتنی دیر میں کراچی پہنچیں گے؟'' اس کی خاموشی و بیگانگی سے گھبرا کر وہ بولی۔

''دو گھنٹے بعد۔'' اس نے لائبہ کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ اس کا لہجہ پہلے دن کی طرح لاتعلق و سرد تھا۔ اس کے رویے سے رات کے واقعات کی معمولی سی بھی جھلک محسوس نہ ہو رہی تھی۔ لائبہ سمجھ گئی تھی کہ عائشہ کی وجہ سے جو اس دن بدمزگی پیدا ہوئی تھی' اس کی وجہ سے وہ ابھی تک اس سے بدگمان تھا' مگر وہ بھی کیا کر سکتی تھی۔

''ویری سوری' میں نے آپ کو رات میں ڈسٹرب کیا۔'' لائبہ نے خود کو مطمئن کرنے کے لئے اس سے معذرت کرنا بہتر سمجھا اور جواب میں اس نے ایک گہری نظر اس کے گلابی چہرے پر ڈالی۔ لائبہ جو اس کی طرف دیکھ رہی تھی نہ معلوم اس کی ذہین چمکتی ہوئی ڈارک براؤن سرخ آنکھوں میں کیا تاثر تھا کہ لائبہ نے بے ساختہ نگاہیں جھکا لیں اور دوبارہ پھر اٹھا نہ سکی۔

''آپ نے مجھے سانپ کے قریب جانے سے کیوں روکا تھا اگر اسی وقت میں اسے مار دیتا تو دو تین گھنٹے نیند ضائع نہیں ہوتی۔'' پہلی مرتبہ اس نے سنجیدگی سے لب کشائی کی۔

''وہ...... وہ اگر آپ کو ڈس لیتا تو میں گھر کس کے ساتھ جاتی۔'' لائبہ نے سادگی سے سچائی بیان کر دی اور اُسامہ نے اپنے قہقہے کو مشکل سے ضبط کیا۔ اسے اب محسوس ہوا تھا' لائبہ اور عائشہ میں بہت فرق تھا۔ لائبہ واقعی جنت کی حور کی طرح پاکیزہ اور معصوم تھی۔ طویل عرصے سے اس نے خواہ مخواہ ہی اس کے خلاف محاذ قائم کر لیا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کی طرف سے بدگمانیوں کا شکار ہوتا چلا گیا تھا۔ ورنہ وہ واقعی بقول حیدر کے عام لڑکیوں سے بہت مختلف تھی اور متاثر کن شخصیت کی مالک تھی۔ اس نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوچا۔

''آپ تھک گئے ہوں گے' میں ڈرائیو کر لیتی ہوں اب۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''شکریہ' میں تھکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ غالباً آپ کی ڈرائیونگ نے ہی مرادنواز کو آپ کی طرف متوجہ کیا تھا۔'' نہ چاہنے کے باوجود اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

''میں ان کا نام سننا بھی پسند نہیں کروں گی۔'' وہ بگڑے لہجے میں بولی۔ اسے امید نہیں تھی انکل اسے اتنی تفصیل سے ہر بات بتائیں گے اور وہ اسے یوں زچ کرے گا۔

چار گھنٹے کی رش ڈرائیونگ کے بعد کار کراچی کی حدود میں داخل ہو گئی تھی۔ اس کے پوچھنے پر لائبہ نے اسے گھر کا ایڈریس سمجھا دیا''۔ کراچی کے آخری کونے میں جانا پڑے گا۔'' اس سے ایڈریس پوچھنے کے بعد وہ آہستہ سے بڑبڑایا تھا۔

''کار کیوں روکی ہے آپ نے؟'' لائبہ اسے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے کار روکتے دیکھ کر بولی۔

''آپ کو گھر پہنچانے کے لئے دو گھنٹے کا سفر مزید کرنا پڑے گا۔ پہلے چائے پی لیتے ہیں۔'' وہ کار سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔ درحقیقت اسے سگریٹ کی شدید طلب ہو رہی تھی۔

''آپ پی کر آ جائیں۔ میں یہیں بیٹھی ہوں۔'' لائبہ کو اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں جانا قطعی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ کار میں بیٹھے بیٹھے بولی۔

''میرا خیال ہے' اب تک آپ کو میری شرافت کا یقین آ جانا چاہئے۔'' وہ اس کی طرف آ کر کھڑکی سے قدرے جھک کر بولا۔

''یہ بات نہیں۔ دراصل میں ماما کے علاوہ ریسٹورنٹس اور ہوٹلز میں کسی کے ساتھ گئی نہیں ہوں اس لئے مجھے......''

''آیئے' میرے پاس وقت کم ہے۔'' وہ اس کی بات قطع کر کے تحکمانہ لہجے میں بولا اور ساتھ ہی فرنٹ ڈور کھول دیا۔ لائبہ پرس سنبھالتی ہونٹ بھینچتی ہوئی باہر نکل آئی۔

''اس کو یہیں رہنے دیں' اس کی ضرورت نہیں ہے فی الحال۔'' قبل اس کے کہ لائبہ جھجکتی' اس نے اس کے ہاتھ میں پکڑا شولڈر بیگ اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر فرنٹ سیٹ پر ڈالا اور ساتھ ہی شیشہ چڑھا کر کار لاک کر دی اور ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گیا۔

کیفے کا ہال بھرا ہوا تھا۔ اندر آتے اُسامہ اور لائبہ پر وہاں موجود عورتوں اور مردوں کی ستائشی نگاہیں اٹھی تھیں۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لگ بھی بہت خوبصورت رہے تھے۔ لائبہ سے تو مارے گھبراہٹ اور جھجک کے نگاہیں ہی نہیں اٹھ رہی تھیں۔ مگر اُسامہ اپنے مخصوص پر رعب و پروقار انداز میں چل رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بھی اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہاں موجود بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں اپنے لئے شناسائی کی چمک دیکھ کر اسے اپنی غلطی کا احساس اچانک ہوا کہ وہ کچھ عرصے سے پولیٹکس ورلڈ میں بہت زور شور سے داخل ہو چکا ہے۔ اس کی تصاویر و تقاریر اور تجزیے اخبارات و رسائل میں بہت پاپولر تھے۔ اس لئے عام جگہوں پر لائبہ کے ساتھ اس کی موجودگی' کسی بڑے اسکینڈل کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس کی بے چین نگاہوں نے پورے ہال کا جائزہ لے ڈالا مگر اسے وہاں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس کا تعلق پریس سے ہو۔ وہاں زیادہ تر بزنس طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔

وسیع ہال سے گزر کر وہ پرائیویٹ کیبن پر آ کر رک گیا تھا۔ قریب کھڑے ویٹر نے ادب سے کیبن کا دروازہ کھول دیا۔ لائبہ کے ساتھ وہ اندر داخل ہو گیا۔ کیبن بہت نفاست و خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔ ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے گرم بھی ہو رہا تھا۔ لائبہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ سردی کے باوجود اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے موجود تھے۔ کل سے اب تک وہ اس شخص کے ساتھ ایسے حالات سے نبرد آزما رہی تھی جس کا تصور وہ کبھی مر کر بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اُسامہ نے ویٹر کو مینو پکڑا دیا تھا اور جیکٹ سے پیکٹ اور لائٹر نکال کر کیبن سے ملحق گیلری میں جا کر سگریٹ سلگانے لگا تھا۔ کیبن اور گیلری کے درمیان شیشے کی دیوار میں ہی دروازہ نصب تھا۔ اسے اپنے سامنے اُسامہ سگریٹ پیتے ہوئے صاف نظر آ رہا تھا۔ دھواں اڑاتے ہوئے اس کی نظریں نیچے سڑک پر رواں دواں ٹریفک پر تھیں۔ پانچ منٹ میں ایک کے بعد دوسری سگریٹ اس نے سلگائی تو لائبہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ سی گئی تھیں۔ اتنے میں دو ویٹرز ٹرالی میں چائے اور دوسرے لوازمات لے کر آ گئے اور ٹیبل پر سجانا شروع کر دیا۔ اُسامہ دوسری سگریٹ ختم کر کے اندر آ گیا تھا اور وہیں کونے میں لگے بیسن سے ہاتھ منہ دھونے کے بعد ٹاول سے صاف کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ ویٹرز سامان لگا کر جا چکے تھے۔

''آپ اتنی اسموکنگ کرتے ہیں۔ آپ کے پیرنٹس آپ کو منع نہیں کرتے۔'' اس کے لئے پلیٹ میں لوازمات نکالتی لائبہ جو اپنی حیرت پر قابو ابھی تک نہیں پا سکی تھی' حیرانی سے بولی۔

''میں اتنا بے ادب نہیں ہوں جو ایسی گستاخی ان کی موجودگی میں کروں۔'' وہ چکن برگر کھاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ لائبہ اس کی ہوشیاری پر خفیف ہو کر رہ گئی۔

چائے پینے کے بعد اُسامہ نے بڑا نوٹ ایش ٹرے کے نیچے دبایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ لائبہ بھی ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کر کے اس کے پیچھے چلتی ہوئی کیفے سے باہر آ گئی۔ اُسامہ فرنٹ ڈور کا لاک کھول رہا تھا۔ لائبہ اس کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ ایک نیو ماڈل گاڑی ان کے قریب آ کر رکی اور اس میں سے ایک نوجوان نکلا۔ جس نے سلیٹی کلر کا قیمتی تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ تیزی سے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے اُسامہ کی طرف بڑھا۔

''شکیل۔'' اُسامہ کی حیرت و مسرت بھری آواز نکلی' دوسرے لمحے وہ ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔

''یار بڑا دھوکے باز اور بے مروت نکلا تو' شادی بھی کر لی اور مجھے بلایا تک نہیں' آداب بھابی' کیسی ہیں آپ؟''

اُسامہ سے گلے ملتے ہی بھرپور شکوہ اس سے کرنے کے بعد قدرے جھک کر وہ لائبہ کی طرف زودار انداز میں 'آداب'' کرتا ہوا بولا۔ لائبہ تو جیسے سن ہو کر رہ گئی تھی۔

''یہ بلا سوچے سمجھے بولنے والی تیری پیدائشی عادت اس عمر میں بھی نہیں گئی۔ یہ مس نور ہیں۔'' اُسامہ قدرے جھنجلا کر بولا۔

''کیوں مذاق کر رہے ہو۔ میں مان ہی نہیں سکتا' تم کسی لڑکی کے ساتھ یوں کیفے میں گھومتے پھرو' کالج کے زمانے میں تمہاری خشک مزاجی اور لاتعلقی دیکھتے ہوئے لڑکیوں نے تمہیں کیسے کیسے خطابات سے نوازا تھا۔ تم نے پھر بھی کسی لڑکی کو گھاس نہیں ڈالی تھی پھر اب میں کیسے......''

''پلیز شکیل' یہ تیز رفتار انجن سے زیادہ اسپیڈ میں چلتی زبان کو بریک لگاؤ۔ یہ میری وائف نہیں ہیں۔ پروفیسر افتخار انکل کی عزیزہ ہیں۔ میرا فی الحال تمہاری طرح الو بننے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' اس نے جھنجلاہٹ میں تقریباً شکیل کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

''سوری مس' مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔'' وہ لائبہ سے بولا جو دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ مارے غصے کے اس نے شکیل کو کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''تم امریکا سے نازل کب ہوئے ہو۔ اور شہلا بھابی کہاں ہیں۔'' وہ خود پر قابو پا کر بولا۔

''امریکا سے آئے ہوئے مجھے دو ہفتے ہو گئے ہیں اور تمہاری بھابی نے دو جڑواں کالے کلوٹے بچوں کو پرسوں جنم دیا ہے' وہ اسپتال میں ہیں۔''

''مبارک ہو' اللہ رحم کرے۔ ویسے بچے تم پر گئے ہوں گے ورنہ بھابی تو......'' اُسامہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

شکیل اس کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ شروع سے ہی اسے سرخ و سپید چہرے پسند تھے حالانکہ وہ گندمی رنگت کے باوجود کافی وجیہہ تھا مگر اسے اپنے رنگ کے معاملے میں بہت کمپلیکس تھا۔ بہت کوشش کے باوجود اس کمپلیکس سے باہر نہیں نکل سکا تھا۔ پچھلے سال اس کی شادی ہوئی تھی اور وہ بزنس کی وجہ سے امریکا جا بسا تھا۔

''بس...... بس...... رنگت کے بارے میں خاموش...... ویسے ایک بات بتاؤں۔ یہ لڑکی تمہارے ساتھ کھڑی ہوئی بہت جچ رہی تھی۔ شادی اسی سے کرنا کیونکہ اگر بیوی حسین ہو گی تو بچے بڑے خوبصورت ہوں گے۔'' وہ ایک آنکھ دباتا ہوا شرارت سے بولا۔

''شٹ اپ یار' اپنی بے ہودہ بکواس کرنے کے لئے موقع تو دیکھا کرو۔'' اُسامہ بھنا کر بولا' ۔شام کو گھر پر آ جانا میں تمہارا انتظار کروں گا۔'' وہ اس سے ہاتھ ملا کر کار میں آ کر بیٹھ گیا' جبکہ شکیل کیفے کی طرف بڑھ گیا۔

لائبہ کا موڈ بری طرح آف تھا۔ اُسامہ نے دو تین بار ترچھی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا بھی مگر وہ اس کی طرف تقریباً پشت کئے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اُسامہ کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ تھی۔ دو گھنٹے کا سفر بڑی خاموشی سے تمام ہوا تھا۔ لائبہ اسے ایڈریس پہلے ہی سمجھا چکی تھی۔ اس نے سینڈز پٹ پر واقع لائبہ مینشن کے گیٹ کے قریب کار روک دی۔ ماربل کے بلیو ستون میں لائبہ مینشن کی گولڈن تختی چمک رہی تھی۔ لائبہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ وہ اسے اخلاقاً اندر آنے کی دعوت دینا چاہتی تھی کہ وہ اس کے باہر نکلتے ہی کار ایسی تیزی سے ٹرن کر کے فل اسپیڈ میں لے گیا' جیسے اسے اپنے پیچھے بلائیں لگ جانے کا اندیشہ ہو۔

''اونہہ ایڈیٹ' میں کون سا تمہیں اندر بلانے کے لئے مری جا رہی ہوں۔'' لائبہ اس کی دور ہوتی کار کو دیکھتے ہوئے بولی اور گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

❖ ❖ ❖

''میری بات سنو تابی'!'' فاران قریب سے گزرتی ہوئی تابندہ کا دوپٹہ ہاتھ سے پکڑتا ہوا بولا۔ اس کے لہجے کی سنجیدگی اور بے باکی سے پکارنا تابندہ کو حیران کر گیا تھا۔

''کیا بات ہے فاران بھائی۔ طبیعت تو درست ہے آپ کی۔'' اس کے لہجے میں ناگواری و پریشانی تھی۔

''میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے' میں صرف تمہارے علاوہ سب کا بھائی ہوں۔ مت بولا کرو یہ بے ہودہ لفظ اپنے منہ سے۔ یہاں بیٹھ کر میری بات سنو غور سے۔'' فاران نے غصے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے نزدیک ہی چارپائی پر بٹھا لیا' ۔اب تم خاموشی سے سنو گی جو بھی میں کہوں گا کیونکہ صبح کی فلائٹ سے مجھے لاہور جانا ہے۔'' اس کی حیرانی و پریشانی کی پروا کئے بغیر وہ اٹل لہجے میں بولا۔

''وہ...... وہ شمائلہ کیا سوچے گی۔ امی اور تابش بھی کسی وقت بازار سے آ سکتی ہیں۔'' تابندہ بری طرح گھبراہٹ کا شکار تھی۔

''شمائلہ کے ہی مشورے سے یہ پروگرام بنا ہے۔ اب تم اطمینان سے یہاں بیٹھ جاؤ۔ شمائلہ ایک گھنٹے سے پہلے چائے بنا کر نہیں لائے گی۔ سنو تابندہ' پچھلے سال چھوٹی خالہ اور حسنہ ہمارے ہاں آئی تھیں۔ حسنہ اپنے ساتھ البم بھی لے کر گئی تھی جس میں بے شمار تصویریں تھیں جو خالہ کے بچوں کی شادیوں' سالگرہ' عقیقے وغیرہ کی تقریبات کی تھیں۔ اس میں اس کی کالج کی فرینڈز کی بھی تصویریں تھیں ان تصویروں میں موجود وہ اپنی فرینڈز کے بارے میں تفصیلات بھی بتاتی جا رہی تھی۔ ممی بہت خوش ہو کر شاید حسنہ کے خیال سے دیکھ رہی تھیں۔ میں بھی اپنی ممی کے قریب بیٹھا چائے پی رہا تھا اور فوٹوز کے ذریعے اپنے خاندان والوں سے متعارف بھی ہو رہا تھا کیونکہ بزنس کی وجہ سے مجھے بہت کم تقریبات میں جانے کا موقع ملتا ہے اور ممی اپنے میکے میں صرف اپنے معیار کے لوگوں سے ہی ملتی ہیں۔ جو جتنا دولت مند ہوتا ہے' ممی اسے اتنا ہی عزیز رکھتی ہیں اور ان کی اسی کم نظری کا نتیجہ ہے کہ میں اور بھائی عرفان دونوں ہی اپنے سگے ماموں اور ان کی فیملی سے ناواقف رہے اور ممی نے ماموؤں کے نام جاننے سے زیادہ کسی کو اہمیت دینے سے گریز ہی کیا تھا۔''

''میرا ان باتوں سے کیا تعلق ہے۔ پھوپو جان جو ہمارے بارے میں رائے رکھتی ہیں' ان سے ہم خوب واقف ہیں۔'' تابندہ جو اس سے قدرے دور ہو کر بیٹھ گئی تھی' چڑ کر بولی۔

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا' خاموشی سے سننا' میں اصل بات کی طرف آ رہا ہوں۔'' وہ ڈپٹ کر بولا۔ ''ان تصویروں میں ایک تصویر میں حسنہ کے ساتھ وائٹ یونیفارم میں ملبوس ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ نہ معلوم اس لڑکی کے سادہ و شفاف چہرے میں ایسی کون سی مقناطیسی چمک تھی کہ میں نظریں اس تصویر سے نہیں ہٹا سکا اور میں حسنہ سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھ بیٹھا۔

''یہ تابندہ ہے' اجمل ماموں کی بیٹی' ابھی دو سال قبل ہم دونوں نے ساتھ بی اے کیا ہے۔'' حسنہ نے حسب معمول ہنستے ہوئے بتایا' ۔آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' اس کے لہجے میں کچھ حیرانی بھی تھی۔

''ممی نے کبھی ہمیں اس قابل نہیں سمجھا کہ ہمیں اپنے ماموں اور ان کی فیملی کو دیکھنے اور ملنے کا موقع ملے۔''

''وہ اس قابل کہاں ہیں۔ جو انہیں دیکھنے اور ملنے کا موقع تمہیں دیا جائے۔'' ممی کے لہجے میں بڑی بیزاری و حقارت تھی۔

''فاران بھائی! آپ کب آ رہے ہیں کراچی؟'' حسنہ شاید خالہ کے خراب موڈ کو محسوس کر کے بات بدلنے کو بولی تھی۔

''ہاں بھئی اب تو آنا ہی پڑے گا۔ دراصل میں یہ چیک کرنے جاؤں گا کہ تمہاری دوست کی خوب صورت شکل کسی بیوٹی پارلر کی تو مرہون منت نہیں۔ تمہاری تصویر دیکھتے ہی میں پہلی نظر کی محبت کا قائل ہو گیا تھا اور تصویر کی حقیقت جاننے کے لئے میں نے ممی کی پرزور مخالفت اور ناراضی کے باوجود کراچی آنے اور ماموں کے ہاں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ اسی ہفتے پپا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ان کے شدید چوٹیں آئیں۔ اس وجہ سے مجھے گھر کی ذمے داری کے علاوہ پورا بزنس سیٹ اپ بھی کنٹرول کرنا پڑا۔ عرفان تو امریکا پڑھنے گئے تھے' وہیں انہوں نے اپنی ساتھی اسٹوڈنٹ لڑکی جوزیفائین سے شادی کر لی۔ اب وہ وہیں رہائش پذیر ہیں۔ پپا کے تندرست ہونے میں لمبا عرصہ لگا اور ان کے بزنس سنبھالتے ہی مجھے پھر کراچی کا دھیان آ گیا اور اتفاق سے یہاں ہمارا فلور مل لگانے کا بھی پروگرام بن گیا۔ ممی کو پھر اعتراض ہوا کہ میں خالہ کے ہاں رہائش رکھوں مگر میں نے منع کر دیا۔ میں چاہتا تو یہ عرصہ آرام سے کسی بھی اچھے ہوٹل میں گزار سکتا تھا مگر مجھے یہاں صرف تمہاری کشش کھینچ کر لائی ہے میں چاہتا ہوں کہ......''

''خدا کے لئے فاران بھائی' خاموش ہو جائیں۔'' تابندہ نہ چاہنے کے باوجود بہت ضبط سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ فاران جذبات سے بوجھل اس کا ہاتھ پکڑ کر کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ تابندہ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''محبت اور عشق پر میں یقین ہی نہیں رکھتی اور ہمیں گھر میں ماحول بھی کچھ ایسا ملا ہے کہ ہم بہنیں کسی افسانوی سوچ کو اپنے ذہنوں تک پھٹکنے بھی نہیں دے سکتیں۔ ہم نے بچپن سے اپنے گرد محرومی و غربت کی چار دیواری دیکھی ہے۔ باپ کے ہوتے ہوئے یتیموں کی طرح رہ رہے ہیں۔ بھائی کے ہوتے ہوئے خود کو غیر محفوظ و تنہا محسوس کیا ہے۔ میرے دل میں بچپن سے آج تک اپنی ماں اور افشاں جیسی بہن کی محبت پل کر جوان ہوئی ہے۔ ماں اور بہن نے ہمیں رات دن محنت کر کے' فاقے کر کے اچھی تعلیم دلوائی ہے۔ ماں نے ہم لوگوں کی خاطر اپنی جوانی خاک کر لی۔ رات دن خود کو مشین بنا لیا۔ اب ایک زمانہ گزار کر اگر ابا آئے بھی ہیں تو کیا ہے۔ اب بھی ان کا ہم سے تعلق صرف خدمت کروانے کا ہے۔ انہوں نے آج تک باپ بن کر شفقت سے ہمارے سر پر ہاتھ تک نہیں رکھا۔ اپنی کوٹھری تک ہی محدود رہتے ہیں۔ رعب و غصہ

ابھی تک ان کا اتنا ہی ہے کہ ان کی اولاد تو درکنار بیوی تک بغیر ان کی اجازت کے اندر نہیں جاسکتیں اور بھائی کو جب سے نوکری ملی ہے وہ کسی حد تک سدھر گئے ہیں مگر مجھے ان رشتوں پر اعتبار ہی نہیں رہا ہے۔ مجھے کسی مرد پر اعتبار نہیں ہے۔ مرد ازل سے خود کو حاکم اور عورت کو محکوم سمجھتا آیا ہے۔''تابندہ کے بھیگے ہوئے لہجے میں اس کے ماضی وحال کی تلخیاں پنہاں تھیں۔

''مجھ پر اعتبار کرکے تو دیکھو تابی! میں تمہاری ساری بے اعتباریاں' غلط فہمیاں دور کردوں گا۔ تمہارے اندر محبتوں کے مہکتے گلزار کھلا دوں گا۔ صرف ایک بار اقرار کرلو جو آگ میرے اندر لگی ہوئی ہے' اس کی تپش میں تم بھی سلگ رہی ہو نا۔''فاران کے وجیہہ چہرے پر امیدوں کے خوبصورت رنگ تھے۔ اس کی جذبوں سے سلگتی آنکھیں تابندہ کے سپاٹ خوبصورت چہرے پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ کچھ دیر کے لئے تو ٹھوس اور غیر جذباتی طبیعت رکھنے والی تابندہ بھی اس کے سچے جذبوں کے گھیراؤ میں آ گئی تھی مگر اس نے فوراً ہی اپنی اس خواہش کو کچل ڈالا تھا۔

''جو آپ چاہ رہے ہیں وہ کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے۔ میں نے کبھی بھی آپ کے متعلق اس طرح نہیں سوچا۔''وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''تو اب سوچ لو۔ سوچنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔''وہ بھی شاید ڈھیٹ مٹی کا بنا ہوا تھا۔ تابندہ کے کھرے رویے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''آپ چاہتے ہیں آپ کی ممی نے جو الزامات لگائے ہیں' وہ سچ ثابت ہوں۔۔''

''بالکل' دیکھونا' جب بات الزامات تک پہنچ جاتی ہے تو آگے کا راستہ خود بخود صاف ہو جاتا ہے اور راستہ صاف ہو جائے تو منزل تک انسان جلد ہی بغیر بھٹکے پہنچ جاتا ہے۔''وہ شوخی سے بولا۔

''پھوپو سے آپ ذرا میرے متعلق بات تو کرکے دیکھیں' آپ کا سارا عشق وہ بھوت کی طرح اتار کر رکھ دیں گی۔ مجھ سے آپ کسی بات کی توقع مت کیجئے گا۔''تابندہ جھٹکے سے کمرے سے نکل گئی۔

''ارے صاحب' ہماری ساری توقعات آپ ہی سے وابستہ ہیں۔''وہ زور سے بڑبڑایا۔

❖ ❖ ❖

''عمرہ مبارک ہو چچا جان۔''اُسامہ روحیل صاحب سے گلے ملتے ہوئے پرسرت لہجے میں بولا۔

''اللہ تعالیٰ سب کو یہ سعادت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے بیٹے (آمین)۔ بھائی بتا رہے تھے' آپ میرپور خاص گئے ہوئے ہیں۔''روحیل صاحب اسے بیڈ پر اپنے نزدیک جگہ دیتے ہوئے بولے۔

''جی آج دوپہر ہی کو واپسی ہوئی ہے۔ گھر میں ممی نے بتایا کہ چچا جان اسی دن آگئے تھے جس دن میں میرپور خاص کے لئے روانہ ہوا تھا۔ میں آپ سے ملنے فوراً ہی آنا چاہتا تھا مگر میں نے اپنے دوست کو ملنے کا وقت دے رکھا تھا چنانچہ اسے راستے میں ڈراپ کرکے آپ سے ملنے آرہا ہوں۔''اس کی تیز نگاہیں ان کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ غالباً ایک درمیانہ عرصہ وہاں گزار کر آئے تھے اور وہ یہ محسوس کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ اس عرصے میں ان میں کتنا چینج آیا ہے مگر پھر وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا کیونکہ وہ ویسے ہی اُداس و مضمحل تھے حالانکہ وہ اُسامہ کو دیکھ کر واقعی خوش ہوئے تھے۔ وہ اسے پسند بھی بہت زیادہ کرتے تھے۔ بالکل دوستوں جیسا رویہ ان کا اس کے ساتھ ہوتا تھا اور وہ بھی ان سے بالکل کلوز تھا۔ حد درجہ بے تکلف' بے تحاشا انہیں چاہنے والا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا پہلے سے زیادہ کمزور سراپا اسے پریشان کر گیا تھا۔

''کیا بات ہے بڑی طویل سانس لی ہے۔''روحیل صاحب اس سے مسکرا کر بولے۔

''آپ کی دن بدن گرتی ہوئی صحت' پریشانی کا باعث ہے چچا جان! کیا بات ہے آپ پر کیا پریشر ہے۔ کیا فکر ہے آپ کو' جو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔''اس کے سنجیدہ گمبھیر لہجے میں ان کے لئے ازحد پریشانی و تجسس تھا۔

''کچھ نہیں مائی سن یہ سب بڑھاپے کی کرامات ہیں۔''وہ حسب عادت اسے مطمئن کرنے کے لئے لہجے میں بشاشت و بےفکری پیدا کرکے مسکرا کر بولے۔ مگر اُسامہ سے ان کا اضطراب پوشیدہ نہیں رہ سکا۔ وہ سختی سے ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ روحیل چچا اس کے لئے ایک پیچیدہ ترین معما بن گئے تھے جسے وہ باوجود شدید خواہش کے حل کرنے سے قاصر رہا تھا۔

''السلام علیکم۔''ثمیر کی چہکتی ہوئی آواز پر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کے پیچھے نبیل اور ارشد کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ سلام کا جواب دے کر وہ بھی ان کے ساتھ وہاں رکھے صوفے پر بیٹھ گئے۔

''یار بڑے ناپ پر جا رہے ہو۔''نبیل مسکرا کر بولا۔

''میرے خیال میں تم نے سیاست جوائن کرکے غلطی کی ہے کیونکہ سیاست اب خباثت بن گئی ہے۔ تم واپس لوٹ آؤ اس پرخار راستے سے تو زیادہ بہتر ہے۔''ارشد سنجیدگی سے بولا۔

''اچھائی' برائی' نیکی و بدی' دن و رات کی طرح ازل سے موجود ہے۔ رات کتنی ہی طویل و تاریک کیوں نہ ہو' روشن صبح اسے شکست دے دیتی ہے۔ بدی کتنی ہی بھیانک کیوں نہ ہو' نیکی کی ایک کرن ہی اس کے وجود کو خاکستر کردیتی ہے پھر اچھے برے لوگ تو ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ بات صرف سچے اور مضبوط جذبوں کی ہوتی ہے۔ اگر جذبے سچے ہوں تو منزل خود بخود قریب آجایا کرتی ہے ارشد۔''وہ اسے سمجھاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ اتنے میں عظمت بیگم ٹرالی میں چائے کا سامان اور کیک رکھ کر لے آئیں۔

''آپ کھانا تو کھا ہی نہیں رہے' میں نے سوچا آپ کو کیک ہی کھلا دوں۔ آپ کی پسند کا کیک ہے۔''وہ مسکراتی ہوئی پلیٹ میں کیک پیس اور کانٹا رکھتی ہوئی اس کی طرف بڑھا کر مخاطب ہوئیں۔

''شکریہ چچی' دراصل آج میں نے ڈنر جلدی کرلیا تھا۔''اس نے پلیٹ پکڑتے ہوئے وضاحت کی۔

''بھائی جی بہت پریشان ہیں آپ کی طرف سے۔''روحیل صاحب کیک پیس منہ میں رکھتے ہوئے بولے۔

''میں نے بھی اسد بھائی کو پہلی مرتبہ اتنا پریشان و فکرمند دیکھا ہے۔ وہ صرف بھابی اور اماں جان کی وجہ سے ضبط کررہے ہیں ورنہ وہ آپ کو ملک سے باہر بھیجنے پر سنجیدہ ہیں۔ اُسامہ بیٹا' بھائی کی پریشانی درست ہے۔ آپ سیاست چھوڑ ہی دیں۔''عظمت بیگم کپوں میں چائے نکالتی ہوئی اسے سمجھا رہی تھیں اور ان کی باتوں پر اُسامہ کے لبوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے کوئی بزرگ معصوم بچوں کی باتوں پر مسکراتا ہے۔ اس نے اثبات یا انکار کسی میں جواب نہیں دیا تھا۔

❖ ❖ ❖

''بات سنو' کیا پاگل ہو تم لوگ۔ بولتے کیوں نہیں۔''انور شدید غصے میں اپنے قریب کھڑے ہوئے ان گینڈے نما آدمیوں سے چیخ کر بولا مگر ان دونوں پر کوئی اثر اس کے اس طرح حلق پھاڑ کر چیخنے کا نہیں ہوا۔ وہ ایسے ہی نگاہیں جھکا کر اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے جیسے' گونگے بہرے کھڑے ہوں۔

''کیوں پتھروں سے سر پھوڑ رہے ہو۔ یہ تمہیں کیا بتائیں گے۔ یہ تو پیدائشی گونگے بہرے ہیں۔''اچانک ہی کمرے میں ایک بھاری بے ہنگم مردانہ آواز ایسے گونجی جیسے کوئی دور سے مائک میں بول رہا ہو۔ جس کا لنک کمرے میں موجود کسی خفیہ اسپیکر سے تھا۔''ہم سے پوچھو' کیا پوچھنا ہے۔''پھر وہی پراسرار آواز گونجی۔

''کون ہو تم۔ مجھے یہاں قید کرنے کا مقصد کیا ہے۔''انور کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے غصے سے بولا۔

''ہمارا ذاتی کوئی نام نہیں ہے۔ ہم تو پیدائشی بے نام ہیں۔ ہمیں چاہنے والے' سراہنے والے' خود جو پیار سے نام دے دیتے ہیں' وہی ہم رکھ لیتے ہیں۔ اب تم جو ہمارا نام رکھو گے ہمیں قبول ہوگا۔''بڑی بے ہنگم آواز میں قہقہہ لگایا گیا۔

''ابے سالے' پردہ نشین کی اولاد اگر مرد ہے تو سامنے آ کر بات کر۔''انور غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا' یہ ہو کیا رہا ہے' وہ کنول کی کوٹھی سے نکل کر خاموشی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ کنول کی تیمارداری اور خلوص سے بے حد شرمندگی محسوس کررہا تھا کہ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس کی اتنی عزت کرتی تھی اور اس کا اپنائیت بھرا رویہ اسے بے سکون کرکے رکھ دیتا تھا۔ اس سے شرمندہ ہونے کے علاوہ وہ اسے ہر وقت اس کے کمشنر باپ کے آنے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ایک کمشنر' چور کو کبھی بھی معاف نہیں کرسکتا اور وہ بھی اس حالت میں جب وہ ڈکیتی کے تازہ ترین کیس میں ملوث تھا اور پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن کر زخمی ہوا تھا۔ اسی خدشے کے پیش نظر وہ کنول سے ملے بغیر چوکیدار سے اس کا شکریہ ادا کرنے کا کہہ کر آ گیا تھا۔ اس کے زخم معمولی سے رہ گئے تھے۔ وہ جلد از جلد کوئی ٹیکسی' رکشا پکڑ کر گھر جانا چاہ رہا تھا۔ وہ اسٹاپ پر کھڑا ٹیکسی کا انتظار کررہا تھا کہ ایک نیو ٹویوٹا کار اس کے آگے آ کر رکی اور اس میں موجود ایک آدمی نے اسے لفٹ دینے کی کوشش کی۔ وہ بھی جلدی کی وجہ سے اندر بیٹھ گیا۔ کار تقریباً غیر آباد علاقے سے گزر رہی تھی کہ اس آدمی سے باتیں کرتے کرتے اسے شدت سے نیند آنے لگی اور وہ بے اختیار اس آدمی کے کاندھے پر بے ہوش ہو کر گر گیا۔ وہ ٹشو پیپر بھی اس کے ہاتھ سے گر گیا جو اس آدمی نے اسے پسینہ صاف کرنے کے لئے دیا تھا پھر اسے اب ہوش آیا تو وہ دونوں گینڈے نما آدمی اس کی نگرانی کررہے تھے۔ انور نے ان سے بہت پوچھنے کی کوشش کی کہ وہ کہاں ہے۔ اور یہاں اسے کون لایا ہے۔ مگر وہ پتھر بنے ہوئے تھے۔ لکڑی کا بھاری دروازہ بھی لاک تھا جو اس سے کھلا ہی نہیں۔

''برخوردار! تم چاہے کتنا چیخو' کتنا چلاؤ' مگر تمہاری آواز اس کمرے سے باہر نہیں جاسکتی۔ کیونکہ یہ ساؤنڈ پروف کمرا ہے اور مجھ سے اب تمیز سے مخاطب ہونا۔''اسپیکر سے وہی آواز پھر ابھری۔

''دیکھو تم جو کوئی بھی ہو۔ مجھے گھر جانے دو' مجھے گھر سے غائب ہوئے چار دن ہو چکے ہیں۔ میری ماں بہت پریشان ہو رہی ہوگی۔''انور باہر نکلنے کی ہر ممکن کوشش کرکے ہار گیا تو بولا۔ لہجے میں اب بھی اس کے جھلاہٹ تھی۔

''اپنی ماں کی فکر مت کرو' میرا آدمی انہیں تمہاری طرف سے یہ اطلاع دے آیا ہے کہ تم جس فیکٹری میں کام کررہے ہو' اس کا آرڈر سپلائی کرنے دوسرے شہر گئے ہو۔ تمہاری واپسی کچھ عرصے بعد ہوگی' ساتھ ہی میں نے پانچ ہزار روپے بھی بھیج دیئے ہیں۔

''یہ...... یہ کیا چکر ہے۔ کون ہو تم۔ کس طرح جانتے ہو کہ میں نے ماں سے فیکٹری کے بارے میں جھوٹ بولا ہوا ہے اور پانچ ہزار......''انور اب حیرانی سے بوکھلا اٹھا تھا۔

''سنو انور' تم نے آج تک جتنی وارداتیں کی ہیں' ان سب کی تفصیلی رپورٹس بمع ثبوت میرے پاس موجود ہیں۔ مجھے تم جیسے بہادر اور شیر جیسا دل رکھنے والے نوجوان کی تلاش تھی۔ میری نظریں تم جیسے ہیرے کو دیکھ کر پہچان گئی تھیں کہ تم کتنے قیمتی اور نایاب ہو مگر حالات کی ناقدری کے باعث مٹی میں رل رہے ہو۔''

''تم ہو کون۔ کہاں تم نے مجھے دیکھا تھا؟''انور اس کی بات قطع کرکے بولا۔

''بس اب بہت سوال تم نے کرلئے اب اجازت۔ تم یہاں رہو سکون و آرام سے' جس چیز کی بھی تمہیں خواہش ہو' بیل بجا دینا۔ ملازم حاضر ہو جائے گا۔ یہ ہم تمہیں بعد میں بتائیں گے کہ تم سے ہمیں کام کیا لینا ہے۔ اوکے بائے بائے۔''

❖ ❖ ❖

''ہیلو مس لائبہ کیسی ہیں آپ۔''کلاس روم سے باہر نکلتی ہوئی لائبہ بہت عرصے بعد اپنے سامنے جمشید خان کو دیکھ کر چونکی تھی کیونکہ جب سے اُسامہ الیکشن جیتا تھا اور اس نے اسٹوڈنٹس کے ووٹوں کا بہترین اعتماد دیا تھا' ان کی بہت سی پریشانیاں اس نے ختم کروائی تھیں اور ہر اسٹوڈنٹ کو ہر تعصب سے مبرا ہو کر ان کے حقوق بحال کروائے تھے اور اب بھی وہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں مستغرق تھا اور جمشید خان جامعہ کو مکمل طور پر اس کا حامی دیکھ کر ظاہری طور پر خود کو پڑھائی کی طرف راغب کرچکا تھا۔ ویسے بھی اس نے پارٹی والے دن جو اپنے خاص آدمی کے ہاتھ اُسامہ کو زہر دیا تھا اور اتفاقاً اسے لائبہ پی گئی تھی۔ اس کی اس حرکت کو تقریباً سب ہی پہچان گئے تھے۔ ایک ماہ کے بعد اس کی واپسی پر جامعہ میں یہ بات کافی حد تک دب گئی تھی اور اس نے ساتھیوں کے مشورے سے پروگرام بھی بنایا کہ کچھ عرصہ خاموشی سے گزر جائے

تا کہ اس پر کیا جانے والا شک ختم ہو جائے۔

''میں ٹھیک ہوں آپ سنایئے' بہت عرصے بعد نظر آئے ہیں۔'' پہلی مرتبہ لائبہ اس سے نارمل انداز میں بولی۔

''ہم کہاں جائیں گے۔ یہیں ہوتے ہیں' البتہ آپ کی مصروفیات بہت زیادہ بڑھ چکی ہیں۔'' وہ کلاس روم سے اس کے ساتھ چلتا ہوا باہر لان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس وقت کلاسز کے فری پیریڈز تھے' جس کی وجہ سے ہر طرف اسٹوڈنٹس بکھرے ہوئے تھے۔

''آپ کا دعویٰ تھا' نہ آپ کو سیاست سے دلچسپی ہے اور نہ لیڈرز سے تو کیا اب ایک سیاسی لیڈر سے منسلک ہو کر آپ کی دلچسپی بڑھ گئی ہے' سیاست سے بھی اور لیڈر سے بھی۔''

لائبہ کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''جمشید صاحب' پلیز آپ اپنا لہجہ اور انداز درست کریں میں یونین ورکر کے طور پر کام کر رہی ہوں اور یونین طلبہ کی ہے' کسی سیاسی پارٹی سے اس کا تعلق ہرگز نہیں ہے اور میں یونین سے منسلک ہوں اس کے سربراہ سے نہیں۔'' وہ اپنے لہجے کو دبا کر وضاحت کر رہی تھی تا کہ وہاں موجود طلبہ تک اس کی آواز نہ پہنچے۔

''بہت خوب' کیا آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ اُسامہ سیاسی لیڈر نہیں ہے۔'' اس کی مسکراہٹ میں زہریلا پن تھا۔

''وہ کیا ہے اور کیا نہیں۔ مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اب آپ مجھے اجازت دیں۔'' وہ غصے سے بولی۔

''او کے پھر ملیں گے اب تو ملاقات جاری رکھنی ہی پڑے گی۔'' جمشید خان دور جاتی ہوئی لائبہ کو دیکھ کر بڑبڑایا' اس کے لبوں پر پراسرار مسکراہٹ تھی۔

''ہیلو سومیہ' کہاں غائب رہنے لگی ہو۔'' لائبہ ان چاروں کے قریب بیٹھی سومیہ سے بولی۔

''تم کہاں غائب تھیں' اپنا بتاؤ۔ جب سے یونین میں گئی ہو ہمیں لفٹ ہی دینا چھوڑ دی ہے۔'' سومیہ کے جواب دینے سے پہلے میرا چہک کر بولی۔

''میں انکل کے ساتھ گاؤں گئی ہوئی تھی۔ کل ہی واپس آئی ہوں۔'' اس نے دانستہ اُسامہ کے ساتھ اتفاقاً واپسی کا تذکرہ نہیں کیا ورنہ وہ ادھم مچا کر رکھ دیتیں۔

''ایک امیزنگ نیوز سنو' سومیہ کی چٹ منگنی ہو گئی ہے اور پٹ بیاہ اگلے ہفتے ہو جائے گا اور اس سے اگلے ہفتے یہ محترمہ مسز ظفر بن کر امریکا فلائی کر جائیں گی۔'' حنا نے مزے سے خبر سنائی اور لائبہ کے حلق میں بر گر اٹک گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کوک کا تیزی سے گھونٹ لیا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا۔ اتنی جلدی' کیا یہ اب اپنا ایم اے بھی مکمل نہیں کرے گی؟'' لائبہ حیرانی سے سومیہ کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ سب مذاق کر رہی ہوں۔

''ظفر مان ہی نہیں رہے۔ دراصل انہیں بہت جلد واپس جانا ہے۔ امریکا میں ان کا اسپیئر پارٹس کا بہت بڑا بزنس ہے اور وہ زیادہ دیر منیجر کے بھروسے پر اسے چھوڑ نہیں سکتے۔'' سومیہ نے مسکراتے ہوئے جواز بتایا۔

''اور اُسامہ کو بھول گئیں تم۔'' لائبہ کے لہجے میں ابھی تک بے چینی و حیرانی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا اُسامہ پر دل و جان لٹانے والی سومیہ جس کے لئے اُسامہ کے قدموں کی خاک بھی مشک تھی جس کے خشک تیور اور بگڑے رویے اس کے دل کی تسکین کا باعث تھے۔ اُسامہ کے لئے اس کی دیوانگی کی وجہ سے اس سے اس کی کئی دفعہ جھڑپیں بھی ہو چکی تھیں۔ آج وہی سومیہ بہت محبت بھرے لہجے میں ظفر کا نام لے رہی تھی۔

''اُسامہ بھائی' وہ تو ایک حسین سپنے کی طرح تھے میرے لئے میری جذباتی یا بے وقوفی کی علامات' ظفر سے مل کر مجھے محسوس ہوا کہ میں آج تک ایک سائے کے پیچھے بھاگ رہی تھی جو کبھی ہاتھ نہیں آتا۔ ویسے اُسامہ بھائی والی ساری خوبیاں ہیں اس میں۔ صرف ایک مونچھوں کا فرق ہے۔ اُسامہ بھائی کی مونچھیں بہت گھنی سیاہ ہیں جو ان کے چہرے کو دلکش بناتی ہیں۔'' سومیہ مسکرا کر بولی۔

''ارے تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ابھی کہیں اُسامہ بھائی نظر آ جائیں تو پوچھ لیتے ہیں' ان کی سیاہ گھنی چمکدار مونچھوں کا راز کیا ہے۔ وہ اپنی مونچھوں کی حفاظت کے لئے کون سا شیمپو استعمال کرتے ہیں۔'' حنا کے انداز پر وہ سب کھل کھلا پڑی تھیں۔

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی' میری شادی کا سن کر۔'' سومیہ خاموش بیٹھی لائبہ کو دیکھ کر چونک کر بولی۔

''میں خوش کیوں نہیں ہوں' مجھے خوشی ہے کہ تم نے ٹھیک وقت پر درست فیصلہ کیا ہے۔'' وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ذہن میں اس کے الجھن سی تھی۔ کیا آج کل کے دور میں محبت کا معیار ہی نہیں اور یہی بن گیا ہے۔ کیا اس کی وقعت پانی کے بلبلے جیسی ہو گئی ہے یا یہ وقت گزاری کا دلچسپ مشغلہ بن گیا ہے۔ یا پھر ہو سکتا ہے' یک طرفہ جذبے کی عمر اتنی ہی ہوتی ہو۔

''کہاں گم ہو گئی ہو' کوک گرم ہو رہی ہے' جلدی پیو پھر ہم بھی یونین آفس چلیں گے تمہارے ساتھ اُسامہ بھائی کو خوش خبری سنانے کہ ان کی ایک بہن کا اور اضافہ ہو گیا ہے۔ سومیہ کے منہ سے کتنا اچھا لگتا ہے' اُسامہ بھائی کہنا۔'' حنا آنکھ دبا کر شرارت سے بولی تو وہ بھی سومیہ کی شرمندہ شکل دیکھ کر ان کے ساتھ ہنس پڑی۔

✦ ✦ ✦

''کیا بات ہے آپ کچھ کہنا چاہ رہی ہیں۔'' روحیل صاحب نے عظمت بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بیڈ کی چادر کو خواہ مخواہ درست کئے جا رہی تھیں۔ روحیل صاحب ان کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ ان کی کیفیت اضطراری تھی' جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہوں اور کہہ نہ پا رہی ہوں۔

''نہیں...... ہاں وہ...... میں......'' ان کے منہ سے گھبراہٹ میں بے ترتیب الفاظ نکلے۔

''ادھر آئیں۔'' روحیل صاحب بیڈ پر انہیں اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کر کے بولے۔ ''اب بتائیں عظمیٰ' کیا بات ہے۔ آپ اتنی کن فیوز کیوں ہیں۔'' ان کے بیٹھنے کے بعد وہ مخاطب ہوئے۔ ان کے لہجے میں ان کے لئے بہت محبت و اپنائیت ایک زمانے بعد آئی تھی۔ انہیں لگا' صدیوں بعد انہوں نے انہیں پیار سے عظمیٰ کہہ کر پکارا ہو۔ ان کے چاہت چھلکاتے پرخلوص لہجے کا ہی تاثر تھا کہ عظمت بیگم جو بہت مضبوط اور ٹھوس طبیعت کی مالک تھیں' بچوں کی طرح ان کے شانے سے سر ٹکا کر بے اختیار رونے لگیں۔

''خدا کے لئے کچھ بتائیں تو سہی۔''

''کتنے عرصے بعد آج آپ نے مجھے عظمیٰ کہہ کر پکارا ہے۔ کتنی مدت بعد آپ مجھ سے پیار سے مخاطب ہوئے ہیں۔ مجھے تو وہ کالج اور یونیورسٹی کا زمانہ ایک خواب کی مانند لگتا ہے۔ کتنے دیوانے تھے آپ میرے' آپ کی محبتوں کی مشعلوں کی روشنی نے میرے وجود کو جگمگا کر رکھ دیا تھا۔ سوہنی مہینوال کے نام سے فرینڈز ہمیں چھیڑا کرتے تھے۔'' عظمت بیگم کے جھکے خوبصورت چہرے پر ماضی کی حسین یادوں کی دھنک بکھری ہوئی تھی۔ روحیل صاحب کے افسردہ چہرے پر بھی ماضی کا عکس نمایاں تھا۔

''نہ معلوم پھر کیا ہوا۔ کس حاسد کی بدنگاہی کی نے آپ کی شگفتہ مزاجی کو نگل لیا۔ بہاروں کے سنگ ہی خزاں بھی میرے آنگن میں اتر آئی اور آپ کے وجود سے ایسی چمٹی کہ آج تک نہ گئی۔'' ان کے بھیگے لہجے میں ملال ہی ملال پنہاں تھا۔

''ارے بھئی' اس عمر میں' میں ان نوجوانوں کی طرح اچھل کود اور شرارتیں کرتا اچھا لگوں گا۔'' روحیل صاحب خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''کتنے عرصے بعد آج آپ کو مسکراتے ہوئے مطمئن انداز میں دیکھ رہی ہوں' بہت اچھا دن ہے آج۔'' عظمت بیگم مسکراتی ہوئی آنکھیں صاف کر کے بولیں۔

''میں نے پوچھا ہے آپ پریشان ہیں' کافی دیر سے آپ بیڈ کی چادر کی خیالی شکنیں نکال رہی ہیں۔ یہ بات حقیقت ہے۔ عظمیٰ' ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں مگر آپ کی پریشانی و ناراضی ہمیں ایک لمحے کی بھی گوارا نہیں۔ آپ کبھی دکھی ہوں' یہ خیال ہی ہمیں اذیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کیا بات ہے۔'' ان کے متفکر لہجے میں وہی محبت اور جاں نثار کر دینے والی لگاوٹ تھی جسے سننے' محسوس کرنے کے لئے عظمت بیگم ترس گئی تھیں۔ عرصے بعد آج روحیل کو وہ اس روپ میں دیکھ رہی تھیں۔ ان کا دل چاہ رہا تھا' وقت کی سرپٹ دوڑتی ہوئی لگامیں مضبوطی سے تھام لیں اور ان خوبصورت، حیات بخش لمحوں کو آگے بڑھنے سے روک دیں مگر پھر فوراً ہی انہیں ماضی سے حال میں آنا پڑا۔ روحیل صاحب ابھی تک ان کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور انہیں خاموش دیکھ کر ان کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات ابھر رہے تھے۔

''وہ دراصل نبیل نے لاہور سے فون کیا ہے۔'' وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بمشکل بولیں۔

''فون کیا ہے۔ فون تو وہ کرتا ہی رہتا ہے' جب بھی بزنس ٹور پر کہیں جاتا ہے' اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔''

''اس نے وہاں نکاح کر لیا ہے۔'' آخری جملے انہوں نے دقت سے ادا کئے۔

''نبیل نے نکاح کر لیا ہے مگر کس سے اور اس طرح کیوں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے قدرے حیرانی سے بولے۔

''دراصل کرن اس کے دوست کی بہن ہے۔ ماں باپ مر چکے ہیں' ان کی چچی نے انہیں پرورش کیا ہے۔ نبیل' عاقب سے ملنے گھر گیا تو وہاں اسے معلوم ہوا' عاقب دہشت گردوں کی فائرنگ سے دو سال قبل ہلاک ہو چکا ہے۔ ان کے چچا کا بھی انتقال ہو چکا ہے اور چچی کرن کو کسی بدمعاش آدمی کے ہاتھ بیچنا چاہتی تھیں تا کہ ان پیسوں سے اپنی مٹھی گرم کر سکیں۔ نبیل کو کرن جانتی تھی' اس نے نبیل کو سب باتیں بتا دیں اور گزارش کی کہ وہ اسے یہاں سے لے جائے اور کسی دارالامان میں چھوڑ آئے۔''

''اور آپ کے بیٹے صاحب نے انہیں خود اپنی امان دینے کی سوچ لی۔'' وہ ان کی بات قطع کر کے مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ...... آپ کو غصہ نہیں آیا۔ سچ بتائیں۔'' وہ مسرت و حیرانی سے ان کی پرسکون شکل دیکھ رہی تھیں۔

''غصہ کس بات کا' ہمارے بیٹے نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا ہے' اس نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کی رگوں میں ہمارا خون ہے۔'' وہ بشاش لہجے میں بولے۔

''اوہ' شکر ہے تیرا خدایا' صبح سے میرا دماغ سوچ سوچ کر درد کرنے لگا تھا کہ آپ نہ معلوم کیسا رسپونس دیں' نبیل بھی فون کرتے وقت بے حد پریشان تھے آپ کی وجہ سے۔''

''نبیل نے نیکی کا کام کیا ہے' اس نے ایک لڑکی کو نیلام ہونے سے نہیں بچایا بلکہ ایک خاندان' ایک نسل' ایک معاشرے' ایک تہذیب کو آلودہ ہونے سے بچایا ہے۔ پھر مجھ سے وہ اتنا خوفزدہ کیوں ہے بلکہ آپ بھی۔ میں نے ہٹلر ٹائپ شوہر یا باپ کا انداز کبھی نہیں اپنایا' ہمیشہ میری کوشش آپ لوگوں کے لئے خوشیاں فراہم کرنے کی رہی ہے۔''

''دراصل آپ اتنے تنہائی پسند اور الگ تھلگ رہنے کے عادی ہو چکے ہیں کہ بچے اور میں آپ کی سنجیدگی اور کم گوئی سے مرعوب اور ذہنی طور پر سہمے ہوئے رہتے ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے مگر میرا یہ رویہ بھی خود ساختہ تو نہیں ہے۔ اچھا چھوڑیں' اس ٹاپک کو۔ نبیل کی لاہور میں رہائش کا نمبر ملا کر دیں' میں خود اسے مبارک باد دوں گا۔ نکاح تو خاموشی سے ہو گیا مگر اب ولیمہ نہایت شاندار طریقے سے ہوگا۔''

✦ ✦ ✦

''آ...... آ...... آ جا...... آ جانا......'' ''او بھائی' یہ کبوتروں کو بلا رہا ہے یا اپنی کسی نئی ہیروئن کو۔'' قاسم کبوتروں کو دانہ ڈالتا ہوا شاہ رخ کی طرف دیکھتا ہوا شوخی سے بولا۔

''ڈیئر! آج کل چڑیوں کو نہیں کڑیوں کو دانہ ڈالنے کا وقت ہے اور تیرے کمرے کی کونے والی کھڑکی میں چاند کا آخری ٹکڑا رہتا ہے' اسے سیٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' شاہ رخ نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ اس کی نظریں مسلسل سامنے بنگلے کی کھڑکی میں کھڑی لڑکی کا جائزہ لے رہی تھیں جو بہت نازو انداز سے وہاں کھڑی کسی رسالے کو بغور پڑھ رہی تھی اور اس کی نگاہیں بھی شاہ رخ کی طرف وقفے وقفے سے اٹھ رہی تھیں مگر انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کا کوئی نوٹس ہی نہ لے رہی ہو۔

''ارے بند کر اپنی یہ آ...... آ...... یہاں آ کر کبوتر بند کروا۔'' قاسم آسمان پر اڑتے کبوتروں کی طرف دیکھتا ہوا اس سے مخاطب ہوا۔

''اے میاں' یہ شریفوں کا گھر ہے' کسی اٹھائی گیرے کا نہیں۔'' چند منٹ کے لئے شاہ رخ نے پلٹ کر قاسم کی طرف دیکھا۔ دوبارہ جو اس نے کھڑکی کی طرف نظر ڈالی تو وہ حسینہ غائب ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ اب کرتے پاجامے میں بانس کی طرح لمبا دبلا ایک شخص کھڑا بہت غصے سے شاہ رخ سے مخاطب تھا۔

''قبلہ محترم، میں نے کب کہا' یہ امرودوں کا گھر ہے۔''

''اتنی دیر سے کیا...... آ...... آ...... کی رٹ لگا رکھی ہے' کیا اپنی اماں کو بلا رہا ہے یہاں سے۔''

''مجھے اپنی اماں کی نہیں بلکہ اپنے ہونے والے معصوم سے بچوں کی مسکین سی اماں کی تلاش ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ادب سے کہا۔

''یعنی لاحول ولاقوۃ! آج کل کے لونڈوں کو شرم وحیا چھو کر بھی نہیں گزری۔'' وہ بہت غصے سے چیخے۔

''قبلہ! اتنا غصہ آپ کی صحت کے لئے مضر ہے۔ میں نے کوئی بے ہودگی نہیں کی' ایک کبوتری آپ کی کھڑکی میں بیٹھی ہوئی تھی' اسے بلا رہا تھا۔''

''برخوردار مجھے بھی کبوتر بازی کرنے کا تیس سالہ تجربہ ہے' سب سمجھتا ہوں یہ حرکتیں' کبوتروں کے بہانے چھت پر چڑھ کر دوسروں کی بہن بیٹیوں کو تاکتے ہو۔''

''معاف کردیں بڑے صاحب' آئندہ کوشش کروں گا' آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔'' قاسم نے بات بڑھتی دیکھ کر فوراً شاہ رخ کو پکڑ کر دوسری طرف کیا اور خود سامنے کھڑے ہو کر ان سے معذرت کرتا ہوا بولا۔ بڑے صاحب غصے سے بڑبڑاتے ہوئے اندر چلے گئے۔

''شاہ یار باز آجا اپنی حرکتوں سے۔ تم تو چلے جاؤ گے' مجھ پر الٹا ہو جائیں گی۔ یہ بڑے صاحب بہت فسادی آدمی ہیں۔ چلو جلدی سے کبوتر بند کراؤ۔ ممی نیچے لان میں چائے پر انتظار کررہی ہیں۔'' قاسم نے مسکراتے ہوئے شاہ رخ سے کہا۔

✦ ✦ ✦

''بہت عیش ہو رہے ہیں آج کل۔ تمہاری وہ گرفرالرجی کہاں غائب ہوگئی۔ کرسی ملتے ہی اصلیت پہ آگئے۔''

اُسامہ اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سائیڈ سے نکل کر جمشید خان بھی اپنی کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ سرخ آنکھوں سے نفرت کے شعلے سے نکل رہے تھے۔

''صورت اچھی نہ ہو تو انسان کو بات تو اچھی کرنی چاہئے۔'' اُسامہ مسکراتا ہوا بہت پرسکون لہجے میں بولا۔

''مجھ سے زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرنا۔ شرافت سے لائبہ نور کے راستے سے ہٹ جاؤ' ورنہ یاد رکھو قسمت بار بار ساتھ نہیں دیتی۔''

''بہت خوب آپ درپردہ اس بات کا اعتراف کررہے ہیں کہ پارٹی والے دن زہریلے پانی کی شرارت آپ ہی کی تھی۔''

''ہاں میری تھی' میں نہیں ڈرتا تم سے سمجھے' جو میں نے تمہیں وارننگ دی ہے' اسے آخری سمجھنا۔ تم ہیرو ہو گے لوگوں کے لئے مگر میں تمہیں لمحے بھر میں زیرو بنا کر رکھ دوں گا' لائبہ میری ہے' صرف میری۔'' جمشید بھڑ کیلے لہجے میں بولا۔

''شیم آن یو مسٹر جمشید خان۔ ایک شریف لڑکی کو تم بدنام کرنے کی کوشش کررہے ہو۔''

''تمہاری اور اس کی شرافت میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ جتنے تم نیک چلن ہو اور جتنی وہ نیک بی بی ہے' میرے آدمیوں نے سب اطلاع دے دی ہے مجھے۔ تم دونوں نے سندھ میں ایک رات ساتھ گزاری تھی۔''

''جمشید خان......!'' قبل اس کے کہ اس کا جملہ مکمل ہوتا' اُسامہ بپھرا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ اس کا وجیہہ چہرہ غم وغصے سے آگ کی مانند دہک اٹھا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر زبردست تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔

''کس نے دی ہے تمہیں یہ غلیظ اطلاع بتاؤ۔ فوراً بتاؤ۔ ورنہ میں تمہاری ایک ایک ہڈی توڑ دوں گا۔'' اس نے چوتھا تھپڑ زور سے اس کے چہرے پر لگاتے ہوئے کہا۔ اس کے تیور اتنے خطرناک تھے کہ جمشید خان جو صحت میں اُسامہ سے ڈبل تھا' لڑنے کے فن میں بھی ماہر تھا مگر اس وقت اُسامہ سے وہ اس طرح سہا ہوا تھپڑ کھا رہا تھا' جیسے وہ کند ذہن اسٹوڈنٹ ہو اور اُسامہ ماسٹر۔''

''اعظم نے' وہ میرے خاص ملازم کا چھوٹا بھائی ہے۔'' وہ اپنے منہ سے نکلنے والے خون کو رومال سے صاف کرتا ہوا بولا۔ اب وہ قدرے سنبھل چکا تھا اُسامہ سے مار بھی وہ اس خوش فہمی میں کھا گیا تھا کہ وہ اس طرح کا انکشاف سن کر بوکھلا جائے گا مگر اُسامہ کا ردعمل بالکل مختلف ہوا تھا۔

''سنو جمشید' تم نے جو کچھ بھی سنا بالکل غلط سنا ہے اور میں تمہیں بتا رہا ہوں' آئندہ تم نے اس طرح کی گھٹیا بات منہ سے نکالی تو میں تمہیں شوٹ کردوں گا پھر بھلے میں پھانسی کے تختے پر ہی کیوں نہ لٹک جاؤں' سمجھے۔'' وہ غرا کر بولا۔

''تمہارے یہ تھپڑ ادھار ہیں مجھ پر اور یاد رکھنا' جمشید خان ادھار فوری لوٹانے کا عادی ہے۔ تم راستے سے ہٹو نہ ہٹو مگر میں لائبہ کا راستہ خود بدل دوں گا۔'' وہ زہرخند لہجے میں بولا اور کار میں بیٹھ کر تیزی سے کار نکال کر لے گیا۔

''تم سے اب کھل کر مقابلہ کرنا ہی پڑے گا' جمشید خان۔'' وہ کار کا دروازہ کھولتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس کے چہرے پر غصے کی سرخی اب بھی موجود تھی۔

✦ ✦ ✦

فاران بھائی کے جانے سے گھر کی ساری رونق ہی چلی گئی ہے۔ ان کی موجودگی زندگی کا پتا دیتی تھی۔'' شمائلہ پاس بیٹھی کروشیے سے دوپٹے پر پنکو موڑ یزائن بناتی ہوئی تابندہ سے بولی۔''

''کیوں۔ تمہیں گھر میں کیا اب مردنی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔'' تابندہ ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھ کر سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''اور کیا دیکھو نا گھر میں کیسا قبرستان جیسا سناٹا اور ویرانی چھائی ہوئی ہے۔''

''مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے گھر میں ہر جگہ سکون ہی سکون ہے۔'' تابندہ کے لہجے میں اطمینان تھا۔

''سچ تابی! کیا تم فاری بھائی کو ذرا بھی مس نہیں کررہی ہو۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''میرا ان سے کوئی جذباتی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی میں ان سطحی ذہنیت رکھنے والی عام لڑکیوں میں سے ہوں جو ہر وقت خوابوں کی دنیا سجائے آئیڈیل تراشا کرتی ہیں' ان کی اور ہماری حیثیت میں جو فرق ہے' وہ میں کبھی نہیں بھولتی۔ اپنے والدین کی حرمت اور اپنی عزت نفس مجھے ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہے۔ ہر چند کہ تم نے فاران بھائی کے ساتھ مل کر مجھے بہکانے کی مکمل کوشش کی تھی مگر......''

''بہکانے کی نہیں سمجھانے کی۔ کیا ضروری ہے' آپی کی طرح عمر گزر جانے کے بعد چار چار بچوں کے باپ سے شادی کی جائے۔ آپی کے لئے تو بدقسمتی سے کوئی رشتہ پہلے آیا ہی نہیں تھا مگر تم اب فضول میں عزت نفس اور انا کے چکر میں وقت ضائع کررہی ہو۔ فاران بھائی ہر لحاظ سے بہترین ہیں۔''

''پھوپو نے جس لہجے میں گھٹیا گفتگو کی تھی' وہ میں ابھی تک نہیں بھول سکی ہوں۔ کم از کم میرے لئے تو وہ شجر ممنوعہ کی ہی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اس باب کو یہیں بند کرو۔''

''شمائلہ' ذرا اپنے ابو کے لئے چائے بنا دو پھر وہ جا کر اسٹور کھولیں گے۔'' قبل اس کے کہ شمائلہ جواب دیتی' خورشید بی بی اندر کمرے میں آکر تابندہ سے بولیں۔

''اچھا امی۔'' شمائلہ چارپائی سے اترتے ہوئے بولی۔

''کیا بات ہے امی' آج آپ بہت خاموش ہیں۔'' تابندہ انگلی پر ریشم لپیٹتے ہوئے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''انور کی طرف سے دل پریشان ہے' پہلے تو کبھی وہ اتنے دنوں گھر سے باہر نہیں رہا۔ میرا دل کہہ رہا ہے' کوئی بات ضرور ہے۔ آج ایک ہفتہ ہو گیا اسے گھر سے گئے ہوئے۔'' وہ اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے پریشان لہجے میں بولیں۔

''امی بھائی کی فیکٹری کے مالک کا بھائی پانچ ہزار روپے دے کر بتا تو گیا ہے کہ بھائی فیکٹری کی طرف سے دوسرے شہروں میں سامان سپلائی کرنے گئے ہوئے ہیں۔''

''لیکن میری ممتا کو قرار نہیں ہے' نہ جانے کیوں۔ وہ پانچ ہزار بھی مجھے سانپ بچھو کی طرح لگ رہے ہیں۔ انور نے کبھی ایک ڈیڑھ ہزار سے زیادہ پیسے نہیں دیے اور یہ یکمشت پانچ ہزار میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ایک مزدور کو اتنی بڑی رقم کیسے مل سکتی ہے۔''

''امی! وہ آدمی آپ کو بتا تو گیا ہے' بھائی کی ایمانداری اور محنت سے خوش ہو کر مالک نے بھائی کو بڑا عہدہ دے دیا ہے اور ان کی تنخواہ بھی بڑھا دی ہے۔'' تابندہ سمجھاتے ہوئے بولی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو' یہ تو خوابوں جیسی بات لگتی ہے۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑائیں۔

''ایسا ہی ہے امی' دراصل وہ کمپنی غیرملکی ہے اپنے ہی لوگوں کو اپنوں کی قدر نہیں ہوتی ورنہ غیرملکی ہمیشہ قدر کرتے ہیں محنتی اور باحوصلہ لوگوں کی اور دل کھول کر معاوضہ دیتے ہیں۔ انہوں نے بھائی میں کوئی خوبی تو ایسی دیکھی ہی ہوگی جو اپنا سامان دے کر انہیں بھیج دیا ہے۔'' تابندہ انہیں سمجھاتے ہوئے بولی۔

✦ ✦ ✦

''مجھے بے حد مسرت ہے اُسامہ بیٹا! آپ جیسا مخلص' باکردار' حوصلہ مند نوجوان سیاست میں آیا ہے۔ ہمارے ملک کو ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اپنا تن من دھن سب ملک پر نچھاور کرنے کو تیار رہتے ہیں۔'' رستم زمان مسکراتے ہوئے شفقت بھرے لہجے میں بولے۔

''میری خوش قسمتی ہے جو مجھے اتنے بہترین ساتھی ملے ہیں۔'' اُسامہ سامنے سے کپ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''یہ سب اس ذات پاک کی کرم نوازی ہے ورنہ بندہ تو بہت گناہ گار اور حقیر ہے۔'' رستم زمان بہت عاجزی وانکساری سے بولے۔ ان کے سرخ وسپید چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''میرا سیاست میں آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر معاشرتی افکار نے میری سوچیں بدل دیں۔ شعور میں قدم رکھنے کے بعد جو معاشرتی حالات میں نے دیکھے ہیں' انہوں نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ کوٹھیوں اور بنگلوں کے باہر کی دنیا میں بسنے والے لوگوں کو میں نے جب روٹی کے لئے بے پناہ جدوجہد کرتے دیکھا پھر اتنی کڑی محنت ومشقت کے باوجود غریب کو صرف ایک وقت کی روٹی بھی بمشکل پوری ملتی ہو' کہیں یہ حال کہ سات ڈشیں ٹیبل پر سجی ہوں اور کھانے والا کوئی نہ ہو' غریب کا ایک کنبہ ایک وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ دودھ کے لئے بھوک سے بلبلاتے بچے' پھٹے پرانے چیتھڑوں میں ملبوس باکبا زباحیا عورتیں' بڑھاپے و بیماری سے نبرد آزما ضعیفوں اور نوکری سے محروم مردوں کو جب میں نے دیکھا تو شرمندگی اور اپنی بے خبری پر خود کو آج تک معاف نہ کرسکا۔ کیسا المیہ ہے' آج انسان انسان کو حقیر بنانے پر تلا ہوا ہے۔ ہمارے ہاں روز بروز بڑھتی ہوئی بے روزگاری ومہنگائی نے جہاں بے شمار غریبوں سے روٹی تو چھین لی ہے مگر مسائل اس حد تک بڑھا دیئے ہیں۔ اخبارات چوری' ڈکیتی اور راہزنی کے واقعات سے پر نظر آتے ہیں۔ ان شرمناک اور فکر انگیز وارداتوں کا تدارک ہونے کے بجائے روز بہ روز ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ ملک' یہ معاشرہ جو کبھی امن' اخوت' محبت کا آئینہ تھا' اب یہاں جنگل کا قانون نافذ ہے۔ یہاں پرندے تو اپنے گھونسلوں میں محفوظ ہوں گے مگر انسان اپنے گھر میں ہرگز محفوظ نہیں ہے۔'' اُسامہ حسب عادت جوشیلے انداز میں بولتا چلا گیا۔ اس کا چہرہ اور لہجہ آگ کی طرح دہک رہا تھا۔

''قیام پاکستان کے وقت سیاست تھی اصل' جو سب سیاستداں ایک پلیٹ فارم پر جمع تھے۔ سب کا مقصد ایک تھا' سب کی آواز ایک تھی' سب کا جذبہ ایک تھا جس کی وجہ سے ہمیں پاکستان جیسا پیارا وطن نصیب ہوا مگر آج ہم نصف صدی بعد پھر بھٹکنے لگے ہیں۔ پاکستان کے دشمنوں کو اپنا دوست سمجھ کر انہیں آستینوں میں پال رہے ہیں۔ طاغوتی طاقتیں اسلام کے نام پر قائم اس مملکت کو پھولتا پھلتا نہیں دیکھ سکتیں۔ اگر حریف ممالک ایٹمی دھماکے کرتے ہیں تو انہیں مبارکباد دی جاتی ہے' جبکہ ہمارے ملک کی امداد اس لئے روک دی جاتی ہے کہ ہم پرامن مقاصد کے لئے ایٹمی طاقت استعمال کرنے کے خواہش مند ہیں۔ مستزاد یہ کہ ہم کو دہشت گرد ہونے کی دھمکی بھی دی جاتی ہے۔ یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ سیکولرازم کبھی نہیں چاہتا کہ پاکستان ترقی پذیر' ملکوں کی صف سے نکل کر ترقی یافتہ ملکوں میں سربلند ہو سکے۔ پاکستان کی سربلندی درحقیقت اسلام کی' مسلمانوں کی سربلندی ہے اور تاریخ شاہد ہے' اسلام کے دشمن ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ بھولے بھالے معصوم لوگوں کو انہوں نے چہرے پر لسانیت' فرقہ بندی' نسل وذات کے ماسک چڑھا کر آپس میں باہم دست وگریباں کردیا ہے۔ آج مسلمان ہی مسلمان کی نسل مٹا دینے کے درپے ہیں۔ اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس قول کو بھلائے ہوئے ہیں کہ مسلمان کی مثال عمارت جیسی ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے جڑ کر مضبوط ہوتی ہے۔ آج پاکستان دشمن عناصر' اپنے شیطانی منصوبوں پر مسرور ہیں اور مسلمان تعصب کی لگائی گئی آگ میں اپنا سب کچھ اپنے ہاتھوں جلا رہے ہیں۔ اب ہم اٹھ چکے ہیں' ہمیں لوگوں کا شعور بیدار کرنا ہوگا۔ انشا اللہ ہم اپنے ملک کے دشمنوں پر عذاب بن کر نازل ہوں گے۔ ہم ان چہروں کو بدل دیں گے جو آمرانہ ذہنیت

اور انداز اپنانے کے باجود جمہوریت کا بے بنیاد اور کھوکھلا نعرہ لگائے ہوئے ہیں۔'' وہ پرجوش لہجے میں بولے۔

''چہرے بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا' ہمیں اس نظام کو لانا ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سنہرے دور میں تھا جس وقت انسان تو انسان جانوروں کے حقوق کی پاسداری بھی بلا کسی کوتاہی کے کی جاتی تھی وہ نظام آج بھی مسلمانوں کے لئے باعث فخر ہے۔''

''آئے گا' انشا اللہ ایسا وقت بھی دوبارہ آئے گا۔ بشرطیکہ ہم قرآن و سنت کو مکمل اپنا لیں۔''

''انشا اللہ' اب مجھے اجازت دیجئے سہ پہر کو پھر ملاقات ہوگی۔'' اُسامہ کھڑے ہو کر ان سے مخاطب ہوا۔

''دل تو نہیں چاہ رہا' آپ کو اجازت دینے کو مگر مجبور ہوں۔ آپ کو جب بھی فراغت ہو تو اس حقیر بندے کو کچھ وقت ضرور دے دیا کریں۔ یقین جانئے آپ کی حب الوطنی میرے جوانی کے دور کو تازہ کر دیتی ہے۔ میں آپ میں خود کو بولتا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ جوانی کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں آہ..... کیا شے ہے' یہ ظالم جوانی جو بہت ہی کم عرصے کے لئے پاس آتی ہے۔'' وہ اپنی بلیک اینڈ وائٹ داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے

''آپ بھول رہے ہیں' رات آپ نے جلسے میں کیا کہا تھا۔ آدمی اور گھوڑا کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔'' اُسامہ مسکراتا ہوا بولا اور اجازت لے کر ان کے دفتر سے باہر آ گیا۔

❖ ❖ ❖

تیسرا پیریڈ فری تھا۔ لائبہ ناریل کے درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھی بور ہو رہی تھی۔ حنا اور سمیرا دونوں آج نہیں آئی تھیں۔ سومیہ تو کافی عرصے سے نہیں آ رہی تھی۔ وہ زور و شور سے اپنی شادی کی تیاری میں مصروف تھی۔ ان چاروں کا گروپ تھا۔ وہ چاروں ایک دوسرے میں مگن رہتی تھیں اس لئے کسی اور ساتھی کی انہوں نے ضرورت محسوس ہی نہیں کی تھی۔

لائبہ نے بوریت دور کرنے کے لئے نوٹ بک کھول لی۔ آس پاس بیٹھے اسٹوڈنٹس کم تعداد میں لان میں بکھرے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اس نے عادت کے مطابق خاموش گوشہ اپنے لئے منتخب کیا تھا اور ارد گرد سے بے نیاز اپنے نوٹس چیک کرنے میں مگن ہو گئی تھی۔ اکثر اسٹوڈنٹس کی نظریں اس کے سراپا پر وقفے وقفے سے ٹھہر رہی تھیں مگر کسی میں جرات نہیں تھی جو اس سے فری ہوتا۔ اس نے اول دن سے ہی اپنے گرد لاتعلقی اور سرد مہری کی نادیدہ دیوار اٹھالی تھی۔ شروع میں بہت سے منچلوں نے وقت گزاری کے لئے اور بعض نے سنجیدگی سے بھی اس سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کا رویہ دیکھ کر اس سے مایوس ہونے کے بعد پیچھے ہٹ گئے تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ذہانت اور قابلیت کی دھوم مچ گئی تھی۔ ویسے بھی وہ بہت کم گو' سنجیدہ رکھ رکھاؤ سے رہنے والی ہمدرد لڑکی تھی۔ قابلیت و ذہانت کی وجہ سے اسٹوڈنٹس اس کی بہت عزت کرتے تھے۔

اونہہ ہوں' کی آواز پر لائبہ نے نوٹس بک سے نگاہیں اٹھائیں تو اپنے سامنے بنے سنورے جمشید خان کو دیکھ کر اس کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔

''آداب عرض' کیسی ہیں آپ؟'' اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر وہ خاصے رومانٹک موڈ سے بولا۔ براؤن پینٹ کوٹ میں وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔

''نوٹس یاد کر رہی ہوں۔'' وہ بگڑے موڈ میں بولی۔ اس کی نگاہیں اور لہجہ لائبہ کا دماغ گھمانے کے لئے کافی تھا۔

''آہ' کاش ہم بھی کوئی بک ہوتے تو......'' جمشید خان کی نگاہیں اس کتاب پر تھیں جسے لائبہ نے سینے سے لگا رکھا تھا۔

''پلیز جمشید خان' آپ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور تعلیم انسان کو شعور دیتی ہے' مہذب بناتی ہے' آپ اس قدر گھٹیا انداز تکلم اپنا کر اس مقدس درس گاہ کی توہین نہ کریں۔ تعلیم یافتہ ہو کر اس طرح جاہلانہ انداز تو نہ اختیار کریں کہ تعلیم کو شرمندگی سے اپنا وجود جہالت کی تاریکی میں چھپانا پڑے۔'' جمشید خان کی ذو معنی بات نے غصے سے اسے سرخ کر دیا تھا۔

''ارے بھئی' ابھی میں تعلیم یافتہ نہیں تعلیم پذیر ہوں۔'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''آپ جیسے لوگ ہمیشہ پذیر ہی رہیں گے' کبھی یافتہ کی صف میں شامل نہیں ہو سکتے۔''

''ارے چھوڑیں' ان بے رنگ باتوں کو' میری ممی آپ کے گھر آنا چاہتی ہیں' کب لاؤں۔'' وہ اس کے بگڑے تیور دیکھتے ہوئے بات بدل کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

''کیوں آپ کی ممی میرے گھر کیوں آنا چاہتی ہیں۔'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

''سمجھ تو آپ گئی ہوں گی' اگر میرے منہ سے سننا چاہتی ہیں تو سنیں' ممی میرا پرپوزل لے کر آپ کے لئے آ رہی ہیں۔'' وہ اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتا ہوا میٹھے لہجے میں بولا۔

''دماغ درست ہے آپ کا۔ آپ نے یہ بات سوچی بھی کیسے۔ میں یہاں تعلیم حاصل کرنے آتی ہوں' اپنے لئے سسرال تلاش کرنے نہیں۔'' غصے کی شدت سے وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''اتنا ناراض ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں جو میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ کو اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہوں ورنہ جمشید خان کے لئے لڑکیوں کا حصول کوئی معنی نہیں رکھتا۔'' اس نے آخری جملے بڑے دھمکی آمیز لہجے میں کہے تھے۔

''کیا جانتے ہو۔ میں انسان ہوں' جیتی جاگتی باشعور' فہم و ادراک رکھنے والی' اپنی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہارے لئے کبھی بھی خوش نما پھول ثابت نہیں ہوں گی جسے تم تو ڑ کر پتی پتی کر کے بکھیر دو' سمجھے۔'' وہ غصے سے بولی۔

جس نے تمہیں بکھیرنا تھا' وہ بکھیر چکا۔ اب میرا نمبر ہے۔'' وہ زہر خند سے بولا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ کس کی بات کر رہے ہو۔'' اس کے ذو معنی لہجے سے جھانکتی شیطنت نے لائبہ کے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں سی بجادی تھیں۔

''یہ اپنے دل سے پوچھو' مگر میری بات یاد رکھنا' میں جس شے کو پسند کر لوں' وہ میری ہو جاتی ہے اور حاصل کرنے کے طریقے بہت جانتا ہوں۔'' وہ جتا کر آگے چلا گیا۔

لائبہ ہونٹ کاٹتی اس کے پراسرار جملوں پر غور کر رہی تھی۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی' وہ اسے پسند کرتا ہے۔ وہ اس کے کردار اور بھونڈا صفت طبیعت سے بھی آگاہ تھی۔ یہاں بے شمار لڑکیوں سے اس کی دوستی تھی اور ہر حسین لڑکی کے حسن سے خراج وصول کرنا اس کی عادت بن چکی تھی۔

''السلام علیکم' کس پریشانی میں مبتلا ہیں۔'' حیدر کی گونج دار آواز سے چونک گئی۔

''پریشانی...... کچھ بھی تو نہیں ہے۔'' وہ فوراً سنبھل گئی اور بینچ سے کتابیں سمیٹتی ہوئی سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''جمشید خان کیا مکالمے بول کر گیا ہے؟'' حیدر بھی سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''آپ تو یہاں نہیں تھے پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا' جمشید خان یہاں آیا تھا۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''آپ کو نہیں معلوم' ہمارے جاسوس نہ معلوم کس کس بھیس میں کہاں کہاں موجود ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''میں اطلاع ملتے ہی فوراً یہاں آ گیا تھا مگر شاید مجھے اطلاع دیر سے ملی ورنہ جمشید خان اس طرح نہیں جا سکتا تھا۔ اس کا اٹھتا ہوا ہر قدم ہمارے لئے مشکوک ہے۔ اس نے حرکت ہی اتنی گھٹیا اور خطرناک کی تھی۔ آیئے کلاسز تو آف ہو چکی ہیں آفس چلتے ہیں۔''

وہ خاموشی سے بیگ اور کتابیں سمیٹ کر چادر درست کرتی حیدر کے ساتھ یونین آفس کی طرف بڑھنے لگی۔

''اُسامہ سیاست میں بہت آگے بڑھ چکا ہے' مجھے ڈر ہے وہ اتنا آگے نہ بڑھ جائے کہ واپسی کے سارے راستے مسدود ہو جائیں۔ اس کے ڈیڈی بھی اس کے بے حد خلاف ہیں۔'' حیدر اس کے ساتھ چلتا ہوا تشویش بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ لائبہ خاموشی سے چلتی ہوئی سن رہی تھی۔ وہ کیا تبصرہ کر سکتی تھی۔ اس دن گھر ڈراپ کرنے کے بعد ان دونوں کے درمیان کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی۔ آفس میں بھی وہ جلدی جلدی اپنا کام مکمل کر کے چلا جاتا تھا۔ اس سے سامنا برائے نام ہی ہوتا تھا۔ نہ معلوم اس کے پاس ٹائم نہیں ہوتا تھا یا وہ دانستہ لائبہ کو نظر انداز کر رہا تھا۔ تاہم لائبہ کے لئے یہ تسلی بخش بات تھی۔ ورنہ پچھلے ایک ہفتے سے وہ یہی سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح اس کے ساتھ کام کرے گی۔

''آپ کچھ مشورہ دیں نا کیا کرنا چاہئے۔ جو وہ اس دنیا سے نکل آئے۔''

''میں...... میں کیا مشورہ دے سکتی ہوں۔ وہ اتنے باشعور اور سمجھدار ہیں کہ اپنے لئے گائیڈ لائن خود سلیکٹ کر سکتے ہیں یا شاید کر چکے ہیں۔'' لائبہ پرسکون لہجے میں بولی۔

''دعا کریں' وہ اس لائن سے ہٹ جائے۔'' حیدر اس کے لئے دروازہ کھولتا ہوا بولا۔ اندر بیٹھے ہوئے چوکیدار کو سلام کا جواب دیتی ہوئی اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی' جبکہ حیدر اُسامہ کے روم کی طرف بڑھ گیا۔

''میں دعا کروں..... میری دعاؤں میں اثر کہاں۔ اگر میری دعائیں اثر رکھتیں تو میں یوں شاخ سے ٹوٹے خزاں زدہ پتے کی طرح ہواؤں کے سپرد نہ ہوتی'' حیدر کے جواب میں وہ خود سے مخاطب تھی۔ ویسے بھی وہ ایک ہٹ دھرم اور ضدی شخص ہے' اپنے آگے کسی کو بھی فوقیت دینے والا نہیں۔ اونہہ میں بھی کن فضول سوچوں میں الجھ گئی۔ اس نے خود کو جھاڑا اور ٹیبل پر رکھی فائلوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ فائل میں کاغذات پن اپ کر رہی تھی کہ دروازہ کھول کر اُسامہ اندر آیا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔

''جمشید خان کیا کہہ رہا تھا۔'' بہت سرد لہجے میں وہ اس سے مخاطب تھا۔ لائبہ نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھے قدرے جھک کر وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں لائبہ کے گلابی چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے دہکتے چہرے پر نہ معلوم کیسا الاؤ دہک رہا تھا کہ مارے خوف کے اس کے ہاتھوں سے فائل گر گئی۔

''میں نے پوچھا ہے' جمشید خان نے کیا کہا ہے آپ سے۔'' اس نے جھک کر اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا۔

''وہ...... وہ کچھ ذو معنی لہجے میں بات کر رہا تھا' جیسے بلیک میلنگ کر رہا ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کس انداز میں پراسرار گفتگو کر رہا تھا۔'' اس کا لہجہ ہی اتنا جارحانہ اور سخت تھا کہ لائبہ معمول کی طرح فر فر بولنے لگی مگر اس کے پرپوزل کی بات وہ دانستہ چھپا گئی تھی۔ اسے اچھا نہیں لگا تھا کہ وہ ایسی بات خود بتائے۔

اُسامہ کی نگاہیں ابھی تک اس کے چہرے پر تھیں۔ وہ بری طرح نروس ہو رہی تھی۔ لائبہ کو لگ رہا تھا' وہ مطمئن نہیں ہے' اس کی کھوجتی نگاہوں میں بے چینی اور اضطراب تھا۔

''آپ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔'' لائبہ مسلسل اس کی نگاہیں اپنے چہرے پر جمی دیکھ کر جھلاہٹ اور غصے سے بولی۔

''مجھے سچ سچ بتائیں۔ اس نے کیا کہا ہے؟''

وہ سرد لہجے میں بولا۔ ''کس لحاظ سے اس نے بلیک میل کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''اس نے کہا' تمہیں بکھیرنا تھا' بکھیر چکا اب میرا نمبر ہے۔'' میں نے پوچھا'' اس کا کیا مقصد ہے۔'' مگر اس نے جواب دیا۔'' یہ مجھ سے نہیں اپنے دل سے پوچھو۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ وہ کس طرح بات کر رہا تھا۔'' لائبہ ہونٹ کاٹتی ہوئی نگاہیں جھکا کر بولی۔

اس کی بات سن کر اُسامہ کچھ دیر مٹھی بند کئے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''آج سے آپ اکیلی یہاں سے نہیں آئیں جائیں گی۔ حیدر یا نادر آپ کے ساتھ ہوگا ورنہ جامعہ سے باہر اپنی حفاظت کی آپ خود ذمے دار ہوں گی۔''

''کیا کیا...... کیا مطلب۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ پریشانی سے بولی۔

''آپ اچھی طرح جانتی ہیں' جمشید خان کو' اس نے جو کچھ کہا' کسی وجہ سے ہی کہا ہوگا۔ میں نے آپ سے جو کہا ہے' آپ اس پر عمل کریں۔'' اُسامہ نے تیز لہجے میں کہا اور اپنے روم میں چلا گیا۔

جمشید خان کی ذو معنی باتیں' اُسامہ ملک کا پریشان و متفکر انداز' جیسے وہ جمشید خان کے پراسرار رویے کے بارے میں پہلے سے جانتا ہو پھر اصرار سے پوچھنا یہ سب کیا ہو رہا ہے' میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا۔ کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔'' اُسامہ اندر آ کر بیٹھا تو حیدر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''کچھ نہیں یار' جمشید خان خوامخواہ الجھنے کی کوشش کر رہا ہے اور میں نہیں چاہتا' اس سے الجھ کر جامعہ کے پرسکون ماحول کو ڈسٹرب کیا جائے۔'' اُسامہ سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

''کھوئے کھوئے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں' کچھ کھو جانے کے آثار نظر آتے ہیں۔'' حیدر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا ٹیبل بجا کر گنگنانے لگا۔

''شٹ اپ یار' میں سیریس ہوں۔'' اُسامہ اس کے انداز پر بھنا کر بولا۔

''آخر ایک دن تو تمہیں سیریس ہونا ہی تھا۔ مابدولت نے پہلے ہی پیش گوئی کر دی تھی۔''

''بات سمجھا کرو' ہر وقت اپنی ہی راگنی مت الاپا کرو۔'' وہ شدید جھنجلا کر بولا کیونکہ اس نے نادر اور حیدر کو بہترین جاں نثار دوست ہونے کے باوجود وہ سب نہیں بتایا تھا جو جمشید خان جان گیا تھا اور اپنی گھٹیا سوچ کے مطابق فوراً ہی اس نے اپنا واہیات ارادہ اُسامہ پر ظاہر کر دیا تھا۔ اُسامہ ہوشیار ہو گیا تھا اور اسے یقین تھا' وہ لائبہ کو بھی ڈسٹرب کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے اس نے اپنے ورکرز کو خصوصی تاکید کر دی تھی۔

اور آج حیدر نے جیسے ہی بتایا' جمشید خان نے لائبہ سے ملاقات کی ہے اور لائبہ کا چہرہ پریشان دکھائی دیتا ہے مگر وہ بات کو ٹال رہی ہے اور کچھ بتانے سے گریزاں ہے۔ یہ سب سن کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ وہ تیزی سے روم سے نکل کر لائبہ کے پاس پہنچا تھا اور اس نے زبردستی اس سے معلوم کر لیا تھا کہ جمشید خان کیا کہہ رہا تھا اور اس کی باتوں کا مفہوم لائبہ سمجھ نہیں سکی تھی کیونکہ وہ اس بات سے لاعلم تھی کہ جمشید خان ان کے بارے میں معلومات حاصل کر چکا ہے۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ حیدر اور نادر کی ڈیوٹی لگا دے تاکہ وہ جمشید خان کے ناپاک عزائم سے محفوظ رہ سکے۔

''یار! واپس آ جاؤ۔ مراقبہ بہت طویل ہو گیا ہے۔'' حیدر اس کے آگے ہاتھ لہراتا ہوا بولا۔

''یار' یہ لڑکی میرے لئے مسلسل پرابلم ثابت ہو رہی ہے۔'' وہ غصے سے بڑبڑایا۔

''کوئی بات نہیں یار' پریشانی کے بعد جو راحت ملتی ہے' وہ بہت سرور والی ہوتی ہے۔''

''قبل اس کے کہ میں تمہارے منجمد خیالات میں ایش ٹرے کے ذریعے روانی دوڑاؤں' پلیز گیٹ آؤٹ۔'' اُسامہ ایش ٹرے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

❖ ❖ ❖

''جو تم کہہ رہے ہو وہ میں کبھی نہیں مانوں گا۔ میری غربت اور مفلسی نے مجھے بھٹکا کر برائی کی طرف ڈال ضرور دیا تھا مگر میں نے کبھی یہ کام شوق سے نہیں کئے۔ میرے اندر کی آواز نے ہمیشہ مجھے بے سکون اور پریشان رکھا ہے لیکن میں نے تم سے کہہ دیا ہے تم جو کہہ رہے ہو' وہ میں کبھی نہیں مان سکتا۔ کسی حال میں بھی نہیں' سمجھے۔'' انور مضبوط لہجے میں بولا۔

''تمہیں ایک ہفتے کی ٹریننگ میں تمیز سکھائی گئی ہے۔ نشست و برخاست' گفتگو کے انداز بتائے گئے ہیں مگر پھر بھی تم' میرے لئے تم کا لفظ استعمال کر رہے ہو۔'' لاؤڈ اسپیکر سے وہی بھاری مخصوص آواز ابھری۔ ''میں بڑا اور عزت دار آدمی ہوں' اس لئے آئندہ میرے لئے ''آپ'' کا لفظ استعمال کرنا۔''

''عزت دار' بڑا آدمی ہو۔ اونہہ' بہت دیکھے ہیں تم جیسے عزت دار آدمی۔ تم جیسے لوگ خون آشام بلائیں ہوتی ہیں۔'' وہ نفرت سے بولا۔

''کیا کریں' یہ کمبخت دل بھی تو تم پر آ گیا ہے۔ ورنہ اس لہجے میں بات کرنے والا زندہ رہنے کا حق دار تو نہیں ہے مگر مجبوری دل کی ہے۔'' اسپیکر سے مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''مجھے یہاں سے جانے دو ورنہ میں یہاں دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جاؤں گا' تنگ آ گیا ہوں میں یہاں سے۔'' انور جھنجلا کر بولا۔

''ارے تم تو شیر ہو اور شیر بزدل تو نہیں ہوا کرتے۔''

''میں شیر تھا' مگر تم نے مجھے گیدڑ بنا دیا ہے۔ اپنے اس ڈربے میں بند کر کے۔''

''میں تمہیں آخری بار بتا رہا ہوں۔ تمہیں میری بات ہر صورت میں ماننی ہو گی۔ ورنہ یاد رکھو' میں نے تمہاری بہنوں کے متعلق ساری معلومات حاصل کر لی ہیں۔''

''خاموش ہو جا کمینے آدمی' اپنی ناپاک زبان پر میری بہنوں کا نام کبھی مت لانا۔'' انور بری طرح چیخ اٹھا تھا۔ اسے اپنے جسم میں چنگاریاں سی سلگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''تم ہماری بات مان جاؤ' پھر تمہاری بہنیں ہماری بھی بہنیں ہیں ورنہ......''

❖ ❖ ❖

''روحیل' مکافات عمل اسی کو کہتے ہیں نا۔ اماں جان نے سامنے بیٹھے ہوئے روحیل صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بھرپور طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں اماں جان' میں اسے اپنے لئے خوش بختی اور آخرت کے لئے زادِ راہ سمجھتا ہوں۔ نبیل نے نکاح کر کے ایک پوری نسل کو گمراہی و بے حیائی سے بچایا ہے اور میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے چنانچہ میں اس کے اس اقدام سے مطمئن ہوں۔'' روحیل صاحب سکون سے بولے۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی مگر میں نے تم سے کہہ دیا ہے' میرے خاندان میں باہر کی گندگیاں شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم شجرۂ نسب پر چلنے والے عالی نسب لوگ ہیں۔ ہمارے اعلیٰ خاندان کا اتنا جاہ و جلال ہے کہ کسی دور میں انگریز بھی اپنی مکار حکومت میں ہمارے خاندانی وقار' رعب و دبدبے کے آگے نگاہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔'' اماں فخریہ لہجے میں بولیں۔

''اماں! وقت بہت آگے بڑھ چکا ہے بلکہ اب تو دوڑ رہا ہے۔ یہ خود پسندانہ جاہلانہ سوچیں وقت کے ساتھ ہوا ہو گئی ہیں۔ آپ کی سوچیں ابھی تک وہی چودہ سو سال پرانی ہیں' جب کفر کا اندھیرا ذہنوں اور دلوں پر چھایا ہوا تھا۔ مگر اب اسلام کا پُرنور اجالا پورے جہان کو منور کئے ہوئے ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ رنگ و نسل' ذات و برادری کی کوئی پہچان سوائے ہمارے مسلمان ہونے کے کوئی اور نہیں ہے۔ کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ ہمارے درمیان سب سے بڑا رشتہ مذہب کو مانا جاتا ہے۔''

''تم اپنی ان باتوں سے ہمارے خاندان کو دھبہ نہیں لگا سکتے۔ نبیل کو کہہ دو فوراً وہ اس لڑکی کو چھوڑ دے ورنہ اسے یہ خاندان چھوڑنا پڑے گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولیں۔

''اماں جان کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ آپ نے ہم سب کو بچپن سے مذہب سے محبت کرنے کی تربیت دی ہے۔ اللہ کے احکامات کی پیروی کرنے کی نصیحت کی ہے۔ آپ خود بھی عبادت گزار رہیں۔ میرے لئے ایک آئیڈیل ہیں آپ' بالکل فرشتوں کی طرح مگر اس وقت آپ کا رویہ میرے لئے شدید حیرانی و تکلیف کا باعث ہے۔'' اُسامہ جو روحیل صاحب کے برابر خاموش بیٹھا ہوا تھا' سنجیدگی سے ان سے گویا ہوا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ نبیل نے جو کیا ہے' وہ درست ہے۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''میرے خیال میں اس نے کسی بے سہارا کو سہارا دے کر اپنے بہترین انسان ہونے کا ثبوت دیا ہے۔''

''شاباش' کل کو تم بھی کسی سے نکاح کر کے اسے لے آنا' گھر میں سہارا دینے کے لئے۔ نہ معلوم اتنے سارے نافرمان کیوں ہمارے خاندان میں جمع ہو گئے۔ ذرا بھی انہیں اپنے خاندان کی آن بان کی پروا نہیں ہے۔ حد ہو گئی بے پروائی و بے قدری کی۔ تم دونوں چچا بھتیجے مل کر جتنی اس خاندان کی دھجیاں بکھیر سکتے ہو بکھیرو' مگر میں کسی طرح بھی تمہارے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے بس۔'' وہ شدید ترین غصے میں تخت سے اٹھ گئیں۔

''اماں جان! چھوڑیں اب یہ کٹھور پن اتنی سنگدلی ٹھیک نہیں ہوتی۔'' روحیل اٹھ کر اماں جان کے ہاتھ پکڑ کر عاجزانہ لہجے میں بولے۔

''جانتے ہو تم اچھی طرح میں فیصلے بدلا نہیں کرتی۔ اس لئے بحث مت کرو مجھ سے۔''

وہ دونوں ہاتھ چھڑاتے ہوئے سختی سے بولیں۔

''کیا غلطی ہو گئی ہے' چچا جان سے اماں جو آپ ہمیشہ انہیں نظر انداز کرتی آئی ہیں۔ نبیل نے نکاح ہی کیا ہے' کوئی ناجائز حرکت نہیں کی۔'' اماں کی بے رحمی اور چچا کا ٹوٹا ہوا رو دینے والا انداز اُسامہ سے برداشت نہیں ہوا۔ وہ ترش لہجے میں بولا۔

''کرو حمایت خوب کرو' نبیل شرمندگی و خوف کی وجہ سے میرے پاس نہیں آیا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ کل کو تم اس سے بھی بڑی جرات کر کے شرمندہ نہیں ہو گے۔ زینی کو ٹھکرا کر تم نے میرے سب اندیشے سچ کر دیئے ہیں۔'' وہ بہت سہولت سے اب توپوں کا رخ اُسامہ کی طرف کر چکی تھیں۔ ان کے دل سے زینی کو ٹھکرانے کا ملال آج تک نہ جا سکا تھا۔

''اگر آپ کو یہی دکھ اب بھی ہے تو میں کبھی بھی شادی......''

''بس بس بیٹھو جا کر ایک طرف...... اگر تم کسی لڑکی کو پسند نہیں کرتے تو زینی کو ٹھکرا ہی نہیں سکتے تھے۔'' وہ غصے میں بڑبڑاتی ہوئی باتھ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ یہ ان کی عادت تھی' غصے میں فوراً وضو کا سہارا لیا کرتی تھیں کیونکہ وضو غصے کو زائل کر دیتا ہے۔

''مائی سن' یہ کس لڑکی کا ذکر خیر ہے۔ اور یہ زینی کا نام کیوں آ رہا ہے۔'' روحیل صاحب اپنی پریشانی بھول کر بہت اشتیاق سے پوچھنے لگے۔ اُسامہ کے ساتھ کسی لڑکی کا خیال ہی ان کے لئے حیران کن تھا کیونکہ وہ اُسامہ کے کردار اور مزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔

''کچھ نہیں چچا جان' ایسی کوئی بات ابھی تک تو نہیں ہے۔ اماں یونہی ناراض ہیں۔''

''آئندہ جلد ہو جانے کی توقع ہے۔'' وہ مسکرا کر بولے۔

''شاید' مجھے کچھ خطرہ محسوس ہونے لگا ہے۔'' وہ سینے کے بائیں جانب ہاتھ پھیرتے ہوئے خلافِ مزاج ہنستے ہوئے شرارتی لہجے میں بولا۔

❖ ❖ ❖

''کیا بات ہے انور! جب سے آیا ہے بہت خاموش ہے۔'' خورشید بی بی پاندان کھولے اپنے لئے پان بناتی ہوئی چارپائی پر لیٹے انور سے بولیں۔ وہ کل شام کو آیا تھا اور ساتھ میں ان سب کے لئے تحفے لے کر آیا تھا اور انہیں مختصر طور پر ان شہروں کے بارے میں بتایا تھا جہاں وہ کمپنی کا مال سپلائی کرنے گیا تھا۔ وہ پہلے والے اجڈ وحشی بدتمیز انور سے بالکل الگ لگ رہا تھا۔ پہلے اس کے قدم گھر میں کسی طوفان کی طرح آتے تھے' اب وہی انور کل سے گھر میں تھا مگر گھر کا ماحول بہت پرسکون تھا۔ وہ ماں' بہنوں سے ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہا تھا۔ ان کا خیال بھی رکھ رہا تھا۔ مگر خورشید بی بی نے محسوس کیا تھا' وہ بے سکون ہے۔ بیٹھے بیٹھے اچانک چونک پڑتا' کہیں کھو جاتا' مگر ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ مگر وہ اس کی ماں تھیں۔ ان کی نگاہوں سے اس کی کیفیت کیسے چھپ سکتی تھی۔

''کچھ نہیں اماں' میں سوچ رہا ہوں' تابندہ اور شمائلہ کی شادی کر دی جائے۔''

''شادی۔'' پان منہ میں رکھ کر پاندان بند کرتی ہوئی خورشید بی بی تعجب سے بولیں۔

''کیوں اماں' میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے۔'' انور حیرانی سے بولا۔

''نہیں' بات تو تمہاری درست ہے' مگر بیٹا شمائلہ کا یہ پڑھائی کا آخری سال ہے اور پھر کہیں سے رشتے آئیں جو ہی تو شادیاں ہوں گی ناں۔'' وہ دھیمی آواز میں بولیں۔

''تو اماں ڈھونڈو نا رشتے ان کے لئے۔'' انور بیٹھتے ہوئے بولا۔

''بیٹا' رشتے کوئی لڑکی والے تھوڑی ڈھونڈتے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے رشتے تو آتے ہیں۔

''لو بھائی۔'' شمائلہ چائے کا کپ امی کو دینے کے بعد اس کو دیتے ہوئے بولی اور اس کے آ جانے کی وجہ سے ماں بیٹے کو اپنا موضوع بدلنا پڑا تھا۔

❖ ❖ ❖

''کیا بات ہے ماما۔ آج آپ غصے میں ہیں۔'' لائبہ جو ابھی باتھ لے کر آئی تھی' ناول سے بال خشک کرتی ہوئی ماما سے بولی' جو اس کی بیڈ شیٹ تبدیل کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی مالی سر جھکائے کھڑا تھا۔

''روز روز کی چھٹیوں نے دماغ خراب کر دیا ہے اس کا۔ پچھلے ہفتے چھٹی لے کر گھر گیا تھا کہ بیوی بیمار ہے اب آئے ہوئے دو دن ہوئے ہیں پھر فرمائش ہے چھٹی کی۔ اس طرح کوئی کام ہوتا ہے۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''کیا ہوا ہے جمن کا کا' چھٹی کیوں لے رہے ہو؟'' لائبہ برش بالوں میں پھیرتی ہوئی بولی۔

''بی بی! میری چھوٹی بیٹی بیمار ہے' بس مجھے اس کی فکر لگ رہی ہے۔ میرا بس چلے تو ہوا بن کر وہاں پہنچ جاؤں۔ بہت پیار ہے جی' مجھے اس سے۔'' وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اچھا تمہیں اپنی بیٹی سے بہت پیار ہے' کتنا پیار کرتے ہو اس سے۔''

''بی بی جی' ماں باپ کے پیار کا کوئی پیمانہ تھوڑی ہوتا ہے۔ میرے خیال میں ابھی ایسا کوئی ترازو بنا ہی نہیں۔ بس آپ یوں سمجھ لے اسے دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں۔ دور ہو کر بھی میری نگاہوں کے سامنے رہتی ہے۔'' وہ سر جھکا کر شفقت بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

''اچھا جائیں' اور جب تک آپ کی بیٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہو جاتی آنا مت! اور ٹھہرو۔'' وہ تیزی سے وارڈ روب کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ''یہ لو اس سے اپنی بیٹی کے لئے بہت سارے کپڑے اور کھلونے خرید لینا۔'' وہ پرس میں سے لال لال کئی نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے بولی۔

''بی بی جی رب آپ کو لمبی حیاتی دے جی۔ آپ نے جانے کی اجازت دے دی۔ مہربانی ہے جی۔ کل مجھے بیگم صاحب نے تنخواہ دے دی تھی۔''

''ارے رکھ لیں' آپ کو تھوڑی دے رہی ہوں۔'' وہ زبردستی اس کے ہاتھ میں روپے پکڑاتی ہوئی بولی۔ وہ دعائیں دیتا ہوا میلا بیڈ شیٹ قالین سے اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''لائبہ...... بیٹا' اب آپ ماضی سے نکل آئیں' ملازمین کو مالکوں کی کمزوریوں کا علم ہو جائے تو وہ یوں ہی معمولی معمولی باتوں کا بہانہ بنا کر بلیک میل کرتے ہیں۔ جمن کی بیٹی کو صرف نزلہ کھانسی ہو رہا ہے مگر انہیں معلوم ہے آپ کی حساسیت بچوں کے بارے میں' اس لئے چالاکی سے اس نے آپ کے کمرے میں آ کر چھٹی مانگی ہے۔'' وہ بیڈ پر تکیے رکھتے ہوئے بولیں۔

''آپ کا خیال ہے ماما۔ سارے باپ اپنے بچوں کے معاملے میں بے پروا وغیرہ ذمے دار ہوتے ہیں۔ اس کے لہجے میں تڑپ اور چہرے پر شفقت کا نور آپ نے نہیں دیکھا آپ نے محسوس ہی نہیں کیا ہوگا۔'' اس کے گلابی چہرے پر حزن کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ سبز بڑی بڑی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

''لائبہ میری جان' بھول جائیں اپنا بچپن' اس دنیا میں ضروری نہیں جانو' سب کو سب کچھ ملے اب تک آپ نے اتنی حوصلہ مندی کا ثبوت دیا ہے کہ میں فخر کر سکتی ہوں۔'' وہ اسے سینے سے لگاتی ہوئی بولیں۔

''ماما' میں اندر سے ٹوٹ گئی ہوں۔ ریزہ ریزہ ہو گئی ہوں۔ میری بچپن کی تشنگی' میرا انتظار میرے ساتھ ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔ مجھے دنیا کی سب آسائشیں حاصل ہیں مگر میری روح کی سرخوشی کا قحط ہے میرے اندر۔'' وہ ان کے سینے سے لگی سوچ رہی تھی۔

''سومیہ کی شادی کے لئے گفٹ لانا ہے۔ کل وہ مایوں بیٹھے گی۔ آپ ایک ہفتے کے لئے یونیورسٹی سے چھٹی لے لیں۔ سومیہ کی ممی بھی کتنا اصرار کر کے گئی ہیں' شادی میں شرکت کے لئے اور سومیہ کا کل بھی فون آیا تھا کہ میں آپ کو فوراً لے کر آ جاؤں مگر میں نے تو معذرت کر لی کہ گھر نوکروں پر تو نہیں چھوڑ سکتی۔ لائبہ کو بھیج دوں گی اور میں شادی والے دن آ ؤں گی۔'' ماما اس کا دھیان بٹانے کے لئے سومیہ کا ذکر چھیڑ بیٹھی تھیں۔

''میں بھی شادی والے دن ہی جاؤں گی۔ مجھے وحشت ہوتی ہے شور اور ہنگاموں سے۔'' وہ آنکھیں رگڑتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ارے سومیہ ناراض ہوگی اور حنا وغیرہ کتنا مائنڈ کریں گی پھر آپ کا دل بھی بہل جائے گا۔'' وہ اسے سمجھاتی ہوئی بولیں۔

''آپ اور انکل میرے بہلنے کی فکر مت کیا کریں۔ میں عادی ہو چکی ہوں' اپنے ماحول کی' تنہائی کی اس قدر عادت پختہ ہو چکی ہے کہ پارٹیز کا تصور بھی پریشان کر دیتا ہے۔''

''آپ کی فرینڈز اور آپ خود فیصلہ کر لیجئے گا۔ میں کافی لے کر آتی ہوں پھر شاپنگ کرنے چلیں گے۔'' ماما مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ وہ بیڈ پر اوندھی لیٹ گئی۔ اس کا ذہن مختلف سوچوں کی زد میں تھا۔ پچھلے ہفتے سے نادر اور حیدر مسلسل اس کے ساتھ باڈی گارڈز کی طرح رہتے تھے۔ گو وہ اس کے نزدیک تو نہیں ہوتے تھے مگر رہتے اردگرد ہی تھے۔ وہ کلاسز اٹینڈ کرنے تک تو وہ حنا' سمیرا کے ساتھ رہتی تھی مگر پریڈ آف ہونے کے بعد یونین آفس میں ٹائم دینے سے اسے بری طرح الجھن ہونے لگی تھی۔ جمشید خان نے کئی مرتبہ اس سے ملنے کی کوشش کی مگر اس نے موقع ہی نہیں دیا اور دوسرے ان دونوں کی نگرانی کی وجہ سے اس نے خود کو لان' کینٹین وغیرہ جانے سے روک رکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے ان میں آپس میں ہنگامہ ہو۔ جمشید خان اپنے اوباش دوستوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ کر رہا تھا۔ اس کی پراسرار سرگرمیاں پھر شروع ہو گئی تھیں۔ اُسامہ ملک اپنی سیاسی دنیا میں مگن تھا۔ اس کے وہی معمولات تھے۔ وہ ٹائم پورا کر کے فوراً ہی چلا جاتا تھا۔ لائبہ سے اس کا رویہ سمجھ میں نہ آ سکا تھا۔ کبھی وہ اتنی نرمی سے بات کرتا اور کبھی زمانے بھر کی کڑواہٹ اس کے لہجے میں گھلی ہوئی ہوتی۔

سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کی بیل نے اسے سوچوں سے چونکا دیا۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی' ایک ہاتھ سے اپنے گھنے لمبے بلیک بال سمیٹتی ہوئی دوسرے ہاتھ سے ماؤتھ پیس اٹھا لیا۔

''ہیلو۔'' اس کی مترنم آواز ریسیور میں گونجی۔

''آنکھوں نے تیری ایسا گھائل کیا' تیرے بنا جینا مشکل ہوا' دیوانہ ہوں میں دیوانہ تیرا۔ تیرے بنا جینا مشکل ہوا۔ دیوانہ ہوں میں دیوانہ تیرا' پاگل میں پاگل تیرا۔'' دوسری طرف سے بہت ترنگ کے ساتھ آواز سنائی دی۔

''مینٹل اسپتال سے ابھی نکلے ہیں۔'' لائبہ ہونٹ بھینچتی ہوئی بولی۔

''جان من' جس دن سے دیکھا ہے آپ کو' دل یہی چاہتا ہے آنکھیں کھولیں تو صرف دیکھا کریں آپ کو میں شاعر تو نہیں مگر اے حسین جب سے دیکھا میں نے تجھ کو' مجھے شاعری آ گئی۔'' دوسری طرف سے کچھ بہکی بہکی مجھونا آواز لائبہ کو بدحواس سا کر گئی۔ اس نے فوراً ریسیور رکھ دیا۔ بیل دوبارہ بجی اور مسلسل بجتی چلی گئی۔ لائبہ نے ریسیور اٹھا لیا مگر بولی کچھ نہیں۔

''ہیلو' ہیلو لائبہ' مجھے معلوم ہے آپ میری آواز سن رہی ہیں۔'' دوسری طرف سے جمشید خان کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''مت لو اپنی ناپاک زبان سے میرا نام۔''

''اب تو صرف زبان پر یہی ایک نام ہے اور اسی نام کی دل پر حکمرانی ہے۔ باقی بس بکواس ہو گئے ہیں۔''

''مجھ سے بے ہودہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فون نمبر کہاں سے لیا ہے۔''

''فون نمبر۔'' دوسری طرف سے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ ''اگر آپ کہیں تو میں آپ کے گھر کا ایڈریس مع ڈیزائن اور کلر کے بتا دوں۔ میں کوئی تھرڈ کلاس آدمی نہیں ہوں۔ ایک بڑی ریاست کا ہونے والا خان ہوں۔ اُسامہ کے چمچے کب تک آپ پر پہرہ لگا سکتے ہیں۔ میں آپ سے کہہ رہا ہوں اگر آپ خون خرابہ نہیں کروانا چاہ رہی ہیں تو میری بات مان لیں ورنہ یاد رکھیں اُسامہ اور اس کے چمچے تو میرے ہاتھوں غرق ہوں گے ہی مگر آپ کو ہر حال میں حاصل کروں گا۔'' اس کی لڑکھڑاتی آواز میں دھمکی تھی۔

''مجھے دھمکی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسامہ اور تمہارا کوئی بھی جھگڑا ہے تو پلیز تم شوق سے ریسلنگ لڑو مگر مجھے درمیان میں گھسیٹنے کی ضرورت نہیں۔ میرا تم سے یا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔'' لائبہ نے غصے سے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ خون کی حدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا' یہ کیوں میرے پیچھے لگ گیا ہے۔ اس نے دونوں ہاتھوں کو سر پر رکھ کر سوچا۔ کیا کروں' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ جمشید خان سے اُسامہ ملک کسی طرح بھی کم نہیں ہے اگر ان میں مقابلہ ہو بھی گیا تو نہ معلوم کیا ہو مگر میرا دل کہہ رہا ہے' ان دونوں کے درمیان جو خاموش سرد جنگ چل رہی ہے' کسی خطرناک طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ یا اللہ تو ہی مدد کر' وہ دونوں ہاتھوں سے دعا گو تھی۔

✦ ✦ ✦

اُسامہ نے بوٹ اتارے اور ڈریس چینج کئے بغیر بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ آج رستم زمان کے ساتھ بہت بڑے جلسے میں گیا تھا اور اس کے بعد سب بڑے سیاستدانوں نے باہمی مشورے کے لئے نجی میٹنگ کی تھی کیونکہ سیاسی سطح پر ملک میں بڑی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ طویل عرصے تک ہونے والی کشمکش کے نتیجے میں سابقہ حکومت اچانک تبدیل کر دی گئی تھی اور ماحول میں پھر نیا انتشار پھیل گیا تھا اور نئے الیکشن جیتنے کے لئے سیاسی پارٹیاں سرگرم عمل ہو چکی تھیں تا کہ وقت آنے تک اپنی راہیں ہموار کر سکیں۔ اسے بھی بڑی پارٹیز کی طرف سے آفر ہوئی تھیں' خاص طور پر رستم زمان کی شروع سے ہی اسے اپنی پارٹی میں شامل کرنے کی خواہش رہی تھی مگر وہ خود ان سے انکار کر چکا تھا۔ وہ وہاں سے نمٹ کر آیا تو گھر سے مما ڈیڈی دونوں غائب تھے۔ عبدل نے بتایا کہ وہ کسی پارٹی میں گئے ہوئے ہیں۔ اب آتے ہی ہوں گے۔ وہ اسے چائے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے سیدھا لیٹ کر دوسرا تکیہ اٹھایا تو اس کا ہاتھ کاغذ سے ٹکرایا۔ اس نے چونک کر دیکھا اور وہاں رکھا وائٹ پلین لفافہ اٹھا لیا۔ لفافہ تحریر سے محروم تھا مگر اس کے تکیے کے نیچے رکھے ہونے کی وجہ سے اسے یقین تھا' وہ اسی کے لئے ہے اور یہ عبدل کی پختہ عادت بن چکی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں وہ اس کا سامان تکیے کے نیچے رکھ دیا کرتا تھا۔ اُسامہ نے لیٹتے ہوئے لفافہ چاک کیا اور تصویریں لفافے سے نکل کر اس کے چہرے اور سینے پر بکھر گئیں۔ اُسامہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور تصویروں پر جو اس کی نظر پڑی تو اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔ وہ ایک درجن سے زائد تصویریں تھیں۔ خوبصورت ماڈرن حسین ترین لڑکیوں کی تصاویر' اسی لمحے عبدل چائے کا سامان لئے کمرا ناک کر کے اندر داخل ہوا۔

''عبدل! یہ تصویریں کس کی ہیں؟''

''صاحب لڑکیوں کی۔'' اپنی دانست میں اس نے بہت عقل مندی سے جواب دیا۔

''لیکن یہ میرے تکیے کے نیچے کیوں رکھی تھیں۔'' وہ سخت لہجے میں بولا۔

''وہ...... وہ بیگم صاحبہ نے کہا تھا' یہ تصویریں آپ دیکھ لیں اور جتنی چاہیں پسند کر لیں' نہیں' نہیں' میرا مطلب ہے جسے چاہیں پسند کر لیں۔'' اُسامہ کی تیز آواز سن کر وہ حسب عادت بری طرح گڑبڑا گیا۔

''اوہو! تو ممی ان چکروں میں ہیں آج کل۔'' اس نے ساری تصویریں دیکھے بغیر ہی لفافہ سامنے ٹیبل کی طرف اچھال دیا اور خود آرام سے لیٹ گیا۔

''صاحب آپ تصویریں دیکھ تو لیں۔ ایمان سے بڑی حسین و جمیل لڑکیاں ہیں۔'' وہ چائے بنا کر کپ اس کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔

''اچھا تم نے دیکھی ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''جی...... صاحب' دراصل میں چاہتا تھا آپ کے لئے ایسی لڑکی تلاش کروں جو آپ کے ساتھ اچھی لگے اور میں نے چار لڑکیاں پسند کی ہیں ان میں سے جو آپ کے ساتھ بہت اچھی لگیں گی۔''

''ایک نہ دو' پوری چار۔'' اُسامہ بے ساختہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''میرا مطلب یہ تو نہیں تھا مگر یہ کوئی غلط بات تھوڑی ہے' اسلام میں چار جائز ہیں۔''

''میرا ڈریس رکھا واش روم میں۔'' وہ بات بدل کر چائے پیتے ہوئے بولا۔

''جی صاحب' رکھ دیا۔ اوہ' صاحب اور بیگم صاحب آ گئے۔'' چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے عبدل نیچے لان میں سے آتی کار کے ہارن کی آواز سن کر بولا اور برتن سمیٹ کر لے گیا۔

فوزیہ بیگم خوشبو بکھیرتی مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

''السلام علیکم ممی۔'' وہ کھڑے ہو کر بولا۔

''وعلیکم السلام خوش رہو۔'' وہ اس کی پیشانی چومتی ہوئی بولیں۔

''یہ راز کیا ہے مما۔ ڈیڈی کی موجودگی میں آپ بہت اسمارٹ نظر آتی ہیں۔'' یلین سلک کی بلو ساڑی میں ملبوس ڈائمنڈ کا جگمگاتا ہوا سیٹ پہنے' لائٹ میک اپ میں حسین دلکش فوزیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے اُسامہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''آپ کو بھی باتیں کرنی آگئی ہیں۔'' وہ جھینپی ہوئی مسکرا کر بولیں۔

''آپ بیٹھیں' میں ڈریس چینج کر کے آتا ہوں۔'' وہ رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولا۔

''پہلے یہ بتائیں' میں نے عبدل کے ہاتھ آپ کو فوٹوز بھیجے تھے' دیکھے آپ نے۔ ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی کی تصویر ہے۔'' وہ تجسس و اشتیاق سے بولیں۔

''آپ کیا مقابلہ حسن منعقد کروانے کا پلان بنا رہی ہیں۔'' وہ اپنے گھنیرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

''اُسامہ! میں نے تو اپنی خواہش دبالی تھی مگر آپ کے ڈیڈی بضد ہیں کہ آپ کے ایم اے مکمل کرنے کے بعد فوراً شادی کر دی جائے اور آپ کسی بیرون ملک شفٹ ہو جائیں۔'' وہ ویلویٹ کے براؤن صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''فی الحال تو یہ دونوں باتیں ہی ناممکن ہیں ممی۔ میرا ملک مجھ سے مر کر بھی نہیں چھوٹ سکتا کیونکہ مجھے اس کی پاک مٹی میں دفن ہونا ہے۔''

''اُسامہ' خدا کے لئے ایسی باتیں نہیں کریں۔ اللہ آپ کو میری عمر بھی لگا دے۔'' وہ گھبرا کر بولیں۔

''ممی! میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اس مٹی سے دوری میرے لئے ایسی ہے' جیسے آپ سے دوری۔'' ڈیڈی کو سمجھا دیں۔ وہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور ممی حسین صورت صرف متاثر کرتی ہے مگر خوب سیرتی گرویدہ بنا کر جیت لیا کرتی ہے۔''

+ + +

''سات گھر تو سنا ہے' ڈائن بھی چھوڑ دیتی ہے مگر تم نے تو کوئی مروت اور لحاظ نہ رکھا۔'' چھوٹی پھوپو گھر میں گھستے ہی بغیر سلام دعا کے' بہت جارحانہ انداز میں خورشید بی بی سے مخاطب ہوئیں۔ وہ چاروں اس وقت دوپہر کا کھانا کھا کر اٹھ رہی تھیں۔

''کیا ہو گیا ہے رقیہ۔ آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔'' وہ حیرانی سے بولیں۔

''آرام و آرام تو ہمارے نصیب سے اسی دن اٹھ گیا تھا جس دن تم کو اس گھر میں لے کر آئے تھے۔'' وہ کمرے میں بچھی چارپائی پر دھم سے بیٹھتی ہوئی بولیں۔

''بات کیا ہوئی ہے' پھوپو وہ بتائیں نا۔'' دری پر سے دستر خوان اٹھاتی شمائلہ بولی۔

''اے لڑکی خبردار جو میرے منہ لگی' دو تھپڑ لگاؤں گی کھینچ کر......''

''کیا ہو گیا رقیہ' کیوں تمہیں اتنا غصہ آ رہا ہے۔'' شمائلہ کو باہر جانے کا اشارہ کر کے وہ ان سے بولیں۔

''ارے مجھ سے کیا پوچھتی ہو' اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو کرتوت اپنے' اتنے عرصے اس بچے کو خوب الو بنا کر لوٹ کر کھایا پھر اپنی بیٹی کی محبت کی پٹی اس کی آنکھوں سے ایسی باندھ دی کہ وہ بچہ جس نے کبھی ماں سے نظر ملا کر بات بھی نہیں کی تھی' آج گھر چھوڑ رہا ہے۔'' وہ قہر برساتی نگاہیں سامنے بیٹھی تابندہ پر ڈال کر بولیں جس کا سفید چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

''تم فاران کی بات کر رہی ہو۔ بخدا اسے تو میں نے اپنے بیٹے کی طرح رکھا تھا۔ اتنی گھٹیا بات تم کس وجہ سے کہہ رہی ہو' ہم غریب ضرور ہیں مگر بے غیرت نہیں۔''

''ارے' بہت دیکھ لی تمہاری غیرت' نہ معلوم کیسا جادو کیا ہے بچے پر۔ وہ کہتا ہے شادی کرے گا تو صرف تابندہ سے' ورنہ کسی سے بھی نہیں کرے گا۔ باجی نے اس کے لئے ایک اتنے اعلیٰ خاندان کی لڑکی دیکھ رکھی تھی مگر وہ نہیں مان رہا۔ اس کی ایک ہی ضد ہے تابندہ' باجی کے نہیں ماننے پر وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا اور اپنے دوست کے ہاں رہ رہا ہے۔ اس کی یہی شرط ہے کہ اگر تابندہ اس گھر میں دلہن بن کر آئے گی تو وہ گھر واپس آئے گا' ورنہ پھر ہمیشہ کے لئے یہ ملک چھوڑ دے گا۔''

''قسم لے لیں پھوپو جانی' میرا یا امی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے...... میں نے کبھی بھی ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔'' تابندہ بری طرح روتے ہوئے بولی۔

''اپنی اس معصومیت سے فاران کو ہی الو بنانا' میں خوب جانتی ہوں۔ صبح باجی کا فون آیا تھا' کتنا رو رہی تھیں' کس قدر پریشان تھیں۔ ابھی تک کلیجہ کٹ رہا ہے میرا' فاران تو بہت نیک اور سعادت مند بچہ تھا۔ یہ تم لوگوں نے ہی کوئی چکر چلایا ہے اگر وہ ایسا ویسا ہوتا تو میری حسنہ کو پسند کرتا۔'' وہ تلملا کر بولیں۔

''کیوں آپ کی حسن آرا میں کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔'' شمائلہ اندر آ کر بولی۔

''دیکھ لڑکی' مجھ سے زبان چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ غصے سے چیخیں۔

''شمائلہ شرم کرو' بڑی ہیں تم سے۔'' خورشید جو حواس باختہ ان کے طعنے سن رہی تھیں' شمائلہ کو ڈانٹتے ہوئے بولیں۔

''یہ شرم کر رہی ہیں' آپ بھی تو بڑی ہیں ان سے۔''

''خوب تربیت کر رہی ہو بیٹیوں کی' شاباش ہے۔'' وہ چادر لپیٹے ہوئے کھڑی ہو کر طنزیہ لہجے میں بھڑک کر بولیں۔

''رقیہ' بیٹھو' کہاں جا رہی ہو' کھانا کھا لو۔'' خورشید ان کی چادر پکڑ کر اپنائیت سے بولیں۔

''اس گھر کا پانی بھی مجھ پر حرام ہے۔ یاد رکھنا ہم بہنیں کبھی بھی تمہاری خواہش پوری نہیں ہونے دیں گے۔ فاران بچہ ہے ابھی' اور ضدی بچے بہلانا ہم خوب جانتے ہیں۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔

+ + +

''ممی' ممی پلیز' آپ اس طرح مت روئیں' ارشد روتی ہوئی عظمت بیگم سے بولا۔

''میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ میرا بچہ میری آنکھوں سے اتنی دور چلا جائے گا۔'' وہ بری طرح بہتے آنسوؤں کے درمیان سسکتی ہوئی بولیں۔

''ممی! آپ پریشان مت ہوں' اماں جان کا غصہ بہت جلد اتر جائے گا پھر نبیل بھائی بھابی کو لے کر آ جائیں گے دوبارہ پاکستان۔'' ثمیر ان کے آنسو صاف کرتا ہوا بولا۔

''میرے بیٹے نے کوئی جرم نہیں کیا پھر کیوں وہ مجرموں کی طرح دیار غیر میں اپنوں سے دوری کی سزا کاٹے' میں نہیں جانے دوں گی ان دونوں کو جرمنی' وہ یہیں رہیں گے ہمارے پاس' اماں کا فیصلہ مجھے کسی صورت منظور نہیں۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''عظمت بیگم! زبان کو لگام دو۔ یہ مت بھولو' اماں سنگدل ضرور ہیں مگر ہماری ماں ہیں اور ہم بیٹے کی خاطر اپنی ماں کے خلاف ایک حرف غلط نہیں سنیں گے۔ اماں کی عزت ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔'' قریب صوفے پر بیٹھے روحیل صاحب غصے سے بولے۔

ان کے بیڈ روم میں اس وقت وہ چاروں جمع تھے۔ اماں نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں نبیل کی بیوی کو قبول نہیں کریں گی۔ اگر نبیل خاندان میں واپس آنا چاہتا ہے تو اس لڑکی کو طلاق دے ورنہ وہ خاندان کے کسی فرد سے نہیں مل سکتا۔ اگر کسی نے نبیل سے ملنے کی کوشش کی تو وہ بھی ہمیشہ کے لئے خاندان سے باہر ہو جائے گا۔

اور یہ فیصلہ روحیل اور مسز روحیل پر بھی لاگو تھا۔ ان سب نے اماں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی۔ عارف صاحب' اسد صاحب نے بھی اماں کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ بہوئیں بھی سمجھا بجھا کر تھک گئیں۔ مگر اماں ان سب کے لئے مضبوط چٹان ثابت ہوئیں۔ ان کی ناں' ہاں میں نہ بدل سکی اور آخر کار ان سب نے مل کر یہی فیصلہ کیا کہ جب تک اماں کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو جاتا نبیل اپنی بیوی کو لے کر جرمنی شفٹ ہو جائے کیونکہ اس کے بزنس کا تعلق وہیں سے تھا پھر کچھ عرصے بعد اماں کا غصہ ختم ہو جائے گا۔ اتنے عرصے میں وہ لوگ اماں کو موم کرنے کی کوشش کریں گے اور اماں کے سنبھلتے ہی انہیں جرمنی سے بلوا لیں گے۔ یہ پلان دونوں بڑے بھائیوں اور بھابیوں نے بنایا تھا۔ اس دوران روحیل صاحب خاموش رہے تھے۔ ان سب کی متفقہ رائے سے یہ فیصلہ منظور ہو گیا تھا۔ یہ فیصلہ خفیہ طریقے سے کیا گیا تھا۔ عارف بھائی کے بیڈ روم میں بیٹھ کر کیونکہ اماں جان تو حسب معمول اپنا فیصلہ سنا کر عشاء کی نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئی تھیں۔ روحیل صاحب نے آ کر عظمت بیگم کو سب کچھ بتا دیا تھا اور انہوں نے سنتے ہی رو رو کر اپنا حشر خراب کر لیا تھا اور ان کی آواز سن کر ثمیر اور ارشد بھی اپنے بیڈ رومز سے یہاں آ گئے تھے۔

''آپ ایسا کہہ سکتے ہیں کیونکہ اولاد کی جدائی کے دکھ سے ماں کا ہی دل چھلنی ہوتا ہے' آپ کیا اس درد کو سمجھیں گے۔'' ان کا لہجہ کٹیلا تھا۔ روحیل صاحب کے چہرے پر درد پھیلتا چلا گیا۔

''ممی آپ کو ڈیڈی سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ بھائی کے لئے جتنی تڑپ آپ محسوس کر رہی ہیں' اس سے زیادہ دکھ ڈیڈی بھی محسوس کر رہے ہیں۔ آپ عورت ہیں رو کر' چیخ کر اپنا درد ہلکا کر سکتی ہیں مگر ڈیڈی اور ہم سوائے برداشت کے کیا کر سکتے ہیں۔ آپ سمجھتی ہیں' ہمیں بھائی سے اور ڈیڈی کو بیٹے سے بچھڑنے کا کوئی دکھ نہیں ہے۔ انگلی سے زبردستی ناخن جدا کئے جانے کی تکلیف پورے جسم کو شدت سے محسوس ہوتی ہے مگر آپ کو اس پر تو یقین ہو گا نا کہ انگلی سے ناخن زیادہ دیر تک جدا نہیں ہو سکتا۔'' ارشد جو بہت سنجیدہ و بردبار لڑکا تھا' روحیل صاحب کے چہرے پر کرب کا دھواں دیکھ کر فوراً بات کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ''بھائی کو ابھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود انہیں بہتر انداز میں سمجھا دوں گا۔ وہ کچھ عرصہ لاہور میں ہی گزاریں گے پھر اُسامہ کے ساتھ مل کر کوئی پلان بنائیں گے' کچھ بھی سہی وہ اماں جان کی کمزوری ہیں۔''

+ + +

''اللہ کے واسطے بھائی مجھ غریب پر رحم کر۔ اتنی ٹھنڈی آہیں بھر رہا ہے۔ مجھے خدشہ ہے تمہاری آہوں کی زد میں آ کر میں ڈبل نمونیے کا شکار نہ ہو جاؤں۔'' ارمان اس سے دور بیٹھا ہوا مصنوعی خوفزدگی سے بولا۔

''مت چھیڑ یار' جب میں عشق کے کینسر کے باوجود زندہ ہوں تو تو ٹھنڈی آہوں سے نہیں مرے گا۔'' فاران بیڈ پر لیٹتا ہوا آنکھیں بند کر کے بولا۔

''دنیا لڑکیوں سے بھری پڑی ہے' بھول جا یار اسے بہت......''

''پلیز ارمان اگر تم مجھے یہاں برداشت نہیں کر رہے ہو تو ہوٹل میں رہ سکتا ہوں مگر......''

''ارے تم برا مان گئے یار' میں تو تمہیں مشورہ دے رہا تھا' بیٹھو تو سہی۔'' ارمان بوکھلا کر اس کے قریب چلا آیا اور ہاتھ پکڑ کر غصے میں کھڑے فاران سے بولا۔

''آئندہ کبھی مجھے ایسا مشورہ پھر مت دینا۔'' وہ بیٹھتے ہوئے سخت لہجے میں بولا۔

''میری توبہ میری آنے والی نسلوں کی توبہ' جو کبھی خواب میں بھی تجھے ایسا مشورہ دوں۔'' ارمان دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ کر بولا۔ اس کی شکل دیکھ کر فاران بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

''وہ کیسی ہے۔ جس نے تجھ جیسے پریکٹیکل بندے کو مجنوں بنا دیا ہے۔''

''اس کا حسن۔'' فاران کھوئے کھوئے انداز میں گویا ہوا۔

''اب یہ مت کہہ دینا جیسے آسمان پر چاند' ایسے دھرتی پر میری محبوبہ اکلوتی ہے۔'' ارمان تیزی سے بولا۔

''نہیں چاند میں بھی داغ ہے مگر اصل حسن سادگی و حیا ہے جو ہر داغ سے بے داغ ہے۔''

''پھر تمہاری محبوبہ بتاشے کی طرح ہوئی بے داغ۔'' ارمان ہنستا ہوا بولا۔

''تمہاری منگیتر جیسی نہیں ہے جسے دیکھ کر لگتا ہے' اپلے میں غلطی سے دو چیونٹیاں گر گئی ہوں۔'' فاران موڈ میں آ چکا تھا' مسکرا کر بولا۔

''اے دیکھو' دیکھو یار منگیتر تک پہنچنے کی نہیں ہو رہی ہے ہاں۔ اپنی اپنی بات کر ہاں۔'' ارمان کھڑے ہو کر بولا۔

''سچ تو ہمیشہ ہی کڑوا ہوتا ہے۔'' فاران ہنس کر بولا۔

+ + +

''سومیہ نہیں ہے تو کتنا ویران ویران سا لگ رہا ہے ہمارا گروپ۔'' لائبہ ان دونوں کے نزدیک بنچ پر بیٹھتے ہوئے رنجیدہ لہجے میں بولی۔

''ابھی کچھ دن تو یاد آئے گی۔'' حنا بولی۔

''وہ واشنگٹن میں عیش کر رہی ہو گی اور ہم یہاں رنجیدہ ہو رہے ہیں۔ ارے چھوڑو یار۔'' سمیرا مسکرا کر ماحول کے بوجھل پن کو دور کرنے کی خاطر بولی۔

''ایسے تو مت بولو۔ کل ہی تو وہ پہنچی ہے وہاں' ابھی کچھ دن تو ریسٹ کرنے میں گزریں گے۔'' لائبہ بولی۔ ''اس کی شادی میں ہم نے انجوائے بہت کیا' مدتوں یاد رہے گی۔''

''اگر لائبہ کو ہم مایوں والے دن زبردستی نہ روک لیتے تو یہ پھر پلٹ کر نہیں آنے والی تھی۔'' سمیرا کی بات پر حنا نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھے بچپن سے تنہائی پسند ہے' اپنی اس عادت کی وجہ سے میں نے کبھی پڑھائی کے علاوہ کسی غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ نہیں لیا حالانکہ سومیہ کی مایوں میں بھی ماما مجھے زبردستی لے کر آئی تھیں ورنہ میرا ارادہ صرف شادی والے دن آنے کا تھا۔'' لائبہ بولی۔

''تم میں تو کوئی آدم بیزار روح حلول کر چکی ہے ورنہ اس عمر میں کوئی تمہاری طرح نہیں ہوتا۔ خود کو بدلو ورنہ بڑی پرابلمز ہو سکتی ہیں کسی کے لئے۔'' حنا معنی خیزی سے مسکرائی۔

''کیا مطلب تمہارا انداز اتنا پراسرار کیوں ہے۔ اور یہ ''کسی'' کیا بلا ہے۔'' لائبہ اس کے انداز پر حیرانی سے چونک کر بولی۔

''مت پریشان ہو' یہ تمہیں یونہی تنگ کر رہی ہے۔ نادرنہ معلوم کون کون سی بکواس اس سے کرتا رہتا ہے۔ جانتی ہو نا' دونوں کی عادت ہے فضول گوئی کی۔'' سمیرا' حنا کو گھورتے ہوئے بولی۔

''چلو پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔'' لائبہ کتابیں سنبھالتی ہوئی اٹھی تو وہ دونوں بھی اٹھ گئیں۔ وہ آخری پیریڈ تھا۔ اسے اٹینڈ کرنے کے بعد وہ حسب معمول یونین آفس چلی آئی۔ وہ معمول کے کام نمٹا کر اطمینان سے بیٹھی تھی کہ چپراسی چائے لے کر آ گیا۔ گلاس وال پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جس کا مطلب تھا اُسامہ اندر ہے۔ اس نے چائے پی کر کپ ٹیبل پر رکھا۔ فائلز وغیرہ ریک میں رکھ کر وہ چادر اوڑھنے لگی۔ آج اس نے فیصلہ کر لیا تھا' حیدر اور نادر کی خواہ مخواہ کی چوکیداری میں نہیں جائے گی۔ وہ چادر اوڑھ کر پرس اور اپنی کتابیں اٹھا کر کمرے سے باہر آ گئی۔ کمرے سے باہر بیٹھے چوکیدار کو بتا کر وہ مین گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''ہیلو۔'' اُسامہ نے سامنے کھلی فائل پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے بجتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر کہا۔

''تم نے الیکشن تو جیت لیا مگر اس لڑکی کو نہیں جیت سکتے۔'' دوسری طرف سے جمشید خان کی طنزیہ آواز سنائی دی۔

''تمہیں کیا ہر وقت لڑکیوں کا ہی بخار چڑھا رہتا ہے۔''

''یہ لڑکی تو کینسر کی طرح میرے وجود پر چھا گئی ہے۔ آج فائنل ڈے ہے۔ میں تمہیں بتا دوں گا' جمشید خان مرد ہے مرد۔ تمہارے پیچھے آج میرے ہاتھوں ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ میرے انتظار کی حد ختم ہو چکی ہے۔''

''اسلحہ کے زور پر خود کو مرد سمجھتے ہو اگر واقعی مرد ہو تو میرے ساتھ بازوؤں کی طاقت استعمال کر کے دیکھو۔ ایک بے گناہ لڑکی کو کیوں ذلت میں گھسیٹنے کی کوشش کر رہے ہو۔'' اُسامہ ملک بھڑکتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میری طاقت بھی تم آج دیکھ لو گے۔'' جمشید کی مکروہ آواز سنائی دی اور ساتھ ہی ریسیور پٹخنے کی آواز بھی۔ اُسامہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کی فراخ پیشانی شکن آلود تھی۔ چھٹی حس اس کو کسی خطرے کا الارم دے رہی تھی۔ اس نے بیل بجا کر چپراسی کو بلایا۔ وہ فوراً ہی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''مس نور آئی ہیں۔''

''جی صاحب' وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی نکلی ہیں۔ وہ کہہ گئی ہیں' انہیں باڈی گارڈز سے الجھن ہوتی ہے اس لئے وہ اکیلی جا رہی ہیں۔'' چپراسی کی اطلاع سن کر وہ حواس باختہ ہو گیا۔

''دماغ درست نہیں ہے ان کا۔'' وہ جھنجلا کر کھڑا ہو گیا۔ ''اسٹوپڈ' مجھے اطلاع کئے بغیر چلی گئی۔'' وہ غصے سے سرخ ہوتا' تیزی سے باہر نکل گیا۔ چپراسی حیران پریشان کھڑا رہ گیا۔

لائبہ تیزی سے پارکنگ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جامعہ اسٹوڈنٹ سے خالی ہو چکی تھی۔ اب صرف دور دور کلاس رومز بند کرتے ہوئے چوکیدار نظر آ رہے تھے۔ کینٹین کا سامان سمیٹتے ہوئے ملازمین دور سے نظر آ رہے تھے۔ لائبہ چادر کو اچھی طرح لپیٹتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ پارکنگ میں جا کر وہ چکرا کر رہ گئی۔ وہاں کار تھی اور نہ ہی ڈرائیور اپنی بے وقوفی پر اسے خود ہی غصہ آیا۔ ڈرائیور اپنے مخصوص ٹائم پر آیا کرتا تھا۔ وہ آج بہت جلدی فارغ ہو گئی تھی تو اسے دھیان ہی نہ رہا تھا۔ وہ واپس اسی راستے پر مڑ گئی جس پر چل کر آئی تھی۔ اب اس کے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ پوائنٹ بھی تمام جا چکے تھے اور جامعہ کے علاقے میں رکشا ٹیکسی کا اس وقت مل جانا ناممکن تھا۔ وہ سوچتی ہوئی چلی جا رہی تھی کہ سائیڈ سے تیزی سے شیورلٹ اس کی طرف آئی اور اس کے آگے ترچھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔ لائبہ نے گھبرا کر دیکھا۔ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے جمشید کو دیکھ کر اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''آیئے ڈراپ کر دوں آپ کو۔'' وہ اس کے نزدیک آ کر شوخی سے بولا۔

''شکریہ' مجھے لفٹ کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ سخت لہجے میں بولی۔

''آپ کو نہیں ہو گی مگر مجھے تو ہے۔'' وہ اس کے چہرے کی طرف جھک کر بولا۔

''جمشید خان' راستے سے ہٹ جاؤ میرے' یہ مت سمجھنا' میں سنسان جگہ دیکھ کر تم سے ڈر جاؤں گی۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ شرافت سے میرا راستہ چھوڑ دو۔'' لائبہ کا لہجہ مضبوط تھا۔ وہ ذرا بھی خوفزدہ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ حالانکہ جہاں وہ اس وقت موجود تھی' وہ یونین آفس کا بیرونی حصہ تھا۔ یہاں زیادہ تر درختوں اور گھاس کی بہتات تھی اور اس راستے کو یونین ورکرز شارٹ کٹ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

''جمشید خان' یہ ڈائیلاگ سننے کا وقت نہیں ہے۔ جلدی کرو۔ کوئی بھی اس وقت یہاں آ سکتا ہے اور ہم پھنس جائیں گے۔'' اس کے چار ساتھیوں میں سے ایک بولا۔

''ایک کے علاوہ یہاں کوئی نہیں آئے گا اور مجھے اسی کا انتظار ہے۔'' جمشید خان ہنس کر بولا۔

''ہٹو میرے راستے سے۔'' لائبہ غصے سے آگے بڑھ کر بولی۔

''میں نے پہلے بھی آپ کو بتایا تھا' غصے میں آپ بہت حسین لگتی ہیں۔ اتنی حسین کہ دل چاہتا ہے......''

''چٹاخ...... چٹاخ کی زوردار آوازوں سے ماحول گونج اٹھا۔ لائبہ نے غصے سے بے قابو ہو کر اس کے چہرے پر پوری قوت سے دو تھپڑ مارے تھے۔

''یہ تھپڑ تمہیں لڑکیوں سے بات کرنے کا ڈھنگ سکھا دیں گے۔''

''جمشید خان پر ہاتھ اٹھا کر تم نے خود اپنی بدبختی کو دعوت دی ہے لڑکی۔'' وہ کسی وحشی درندے کی طرح دہاڑتا ہوا بولا۔ اس کے چاروں ساتھیوں نے بھی خوفناک تیوروں کے ساتھ اس کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

''میں تمہیں بتاؤں گا کہ مرد پر ہاتھ اٹھانے کی کتنی بھیانک سزا ملتی ہے۔'' وہ لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر دہاڑا۔

''جمشید! سامنے سے ریڈ کلر کی کار آ رہی ہے۔'' اس کا ایک ساتھی گھبرا کر بولا۔

''آنے دو۔ اب اگر یہاں ہزاروں لاشیں بھی گر جائیں تو جمشید خان پروا کرنے والا نہیں ہے۔ اب میری غیرت کا مسئلہ ہے۔'' وہ خوفناک لہجے میں بولا۔ اتنے میں وہ سرخ کار ان کے پاس آ کر رک گئی اور ڈرائیونگ ڈور کھول کر آف وائٹ شلوار سوٹ میں اُسامہ باہر نکلا۔

''آؤ مجھے یقین تھا۔ کچے دھاگے سے بندھے چلے آئیں گے سرکار مرے۔'' جمشید خان اسے دیکھ کر چہکا۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑانے کی جدوجہد کرتی لائبہ کا چہرہ اُسامہ کا چہرہ دیکھ کر خوف سے سفید پڑ گیا۔ اسے زبردست گڑبڑ کا احساس اُسامہ کے چہرے کو دیکھ کر ہونے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی' آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا' تمہاری دشمنی صرف مجھ سے ہے پھر تم اتنی گھٹیا حرکت پر کیوں اتر آئے۔ اُسامہ ملک اس کے دو ساتھیوں کو دھکیلتا ہوا اس تک پہنچا اور جھٹکے سے لائبہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑوا لیا۔ جمشید خان کے چاروں آدمی تیزی سے اپنے ہتھیار سنبھال کر اس کی طرف بڑھے مگر جمشید خان نے انہیں ہاتھ سے روک دیا۔

''رک جاؤ۔ اس کو اپنی طاقت پر بڑا ناز ہے۔ بڑا زعم ہے' اسے اپنی مردانگی پر۔ ذرا اس سے دو دو ہاتھ کرنے دو تا کہ مرنے کے بعد اس کے دل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے۔''

''میں تیار ہوں' تم سے مقابلے کے لئے مگر پہلے انہیں یہاں سے جانے دو۔'' اُسامہ اپنے پیچھے کھڑی خوفزدہ لائبہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''ارے مجھے اتنا بدھو سمجھا ہوا ہے۔ انہیں جانے دوں۔ ہا...... ہا اچھا لطیفہ ہے' یہ بھی۔''

''جمشید خان! مجھے لگتا ہے' تم اپنے ہوش و حواس کھو چکے ہو مقابلے سے پہلے ہی۔''

''درست کہا تم نے جس پر یہ حسن کا جادو چل جائے' وہ کیسے ہوش میں رہ سکتا ہے۔'' جمشید خان، لائبہ کی طرف اشارہ کر کے بے ہودہ انداز میں بولا۔

''جم...... شید...... اُسامہ نے رائٹ ہک اس کے چہرے پر دیا تھا۔ جمشید خان لڑکھڑا کر نیچے گرا تھا۔ اس کے چاروں ساتھی چیختے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ جمشید خان کے منع کرنے کی وجہ سے انہوں نے گولیاں نہیں چلائی تھیں۔ دوسرے لمحے وہاں خوفناک جنگ چھڑ گئی تھی۔ لائبہ کی مارے دہشت اور خوف کے حلق سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ جمشید خان کے ساتھیوں پر اکیلا اُسامہ بھاری تھا۔ جمشید خان ناک سے خون صاف کرتا ہوا قہر برساتی نگاہوں سے اُسامہ کو دیکھ رہا تھا۔ جو اس کے ساتھیوں کی مرمت بہت سہولت سے کر رہا تھا۔

لائبہ کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ وہ دعا مانگ رہی تھی۔ حیدر یا نادر وغیرہ کوئی یہاں آ جائے۔ اسے ڈر تھا' اکیلا اُسامہ ان سے کب تک لڑ سکے گا۔ وہ پانچوں صحت میں اور اس سے ڈبل تھے۔ ابھی وہ دعا مانگنے میں مشغول تھی کہ اس نے جمشید خان کے ایک ساتھی کو جیب سے چاقو نکالتے دیکھا۔ دور کھڑے جمشید خان نے اچانک فلائنگ کک اُسامہ کی پشت پر ماری۔ اُسامہ کے ہاتھ سے اس کے ساتھی کا گریبان چھوٹ گیا۔ اس کے دوسرے ساتھی نے تیزی سے اس کے بازو میں چاقو مار دیا۔ لائبہ کے منہ سے چیخ بھی نہ نکل سکی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی خون میں سرخ آستین دیکھ رہی تھی۔ اُسامہ کے چہرے پر تکلیف کے آثار تو نہیں تھے مگر اس نے ہونٹ اپنے سختی سے بند کر رکھے تھے۔

''ارے میرے شیرو بس' ابھی اسے جان سے نہیں مارنا۔ ابھی میں اسے بتاؤں گا' مردانگی کیا ہوتی ہے۔ کہتا ہے' میں ہتھیاروں کی وجہ سے مرد بنا ہوا ہوں۔'' جمشید خان اپنے ساتھیوں کو روکتے ہوئے بولا۔ جو چاقو کھولے اس کی طرف دوبارہ بڑھ رہے تھے۔

''آؤ سویٹ ہارٹ' اب تم سے بھی ملاقات ہو جائے۔'' وہ لائبہ کے قریب جا کر بولا۔

''جمشید خان' میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔ اپنے بڑھتے ہوئے قدم یہیں روک لو ورنہ۔'' اُسامہ اپنے بازو کو جھٹکا دے کر غرایا۔

''تم تو کہتے ہو۔ تمہارا اس لڑکی سے کوئی تعلق نہیں ہے پھر کیوں پھڑپھڑا رہے ہو۔ میں ابھی اسی وقت اس لڑکی کو تمہارے سامنے ہی......''

''آگے ایک لفظ نہیں نکالنا منہ سے۔'' اُسامہ نے زخم کی پروا نہ کرتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ دوسرے لمحے خوفناک داؤ میں جمشید خان کی گردن پھنس چکی تھی۔ اس نے جمشید خان کی گردن کے گرد اپنا دایاں بازو کس دیا تھا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ جمشید خان جیسے توانا آدمی کو اپنا سانس بند ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''جمشید خان' اپنے ساتھیوں سے کہو مس نور کو جانے دیں ورنہ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔'' اس نے اس کی گردن پر زیادہ دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ جمشید خان کا منہ کھل گیا تھا' آنکھیں باہر کو نکل آئی تھیں۔ وہ تکلیف سے مچلتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو راستے سے ہٹ جانے کے اشارے کرنے لگا۔

''آپ جائیں۔'' وہ بت بنی لائبہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا کیونکہ جمشید خان کے ساتھی ایک طرف ہو گئے تھے۔

''م...... مگر......'' لائبہ گھبرا کر بولی۔

''یہ اگر مگر کا ٹائم نہیں ہے۔ جب میں کہہ رہا ہوں' آپ سے آپ جائیں۔'' اُسامہ اس کو ڈانٹتے ہوئے غصے سے بولا۔ لائبہ کار کی طرف بڑھ گئی' چابی موجود تھی۔ لائبہ نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ جمشید خان اسی انداز میں اُسامہ کے سینے سے لگا کھڑا تھا۔ اس کے چاروں ساتھی خونخوار نظروں سے اُسامہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے فل اسپیڈ سے کار دوڑاتے ہوئے بیک ویو مرر میں دیکھا۔ جمشید خان اُسامہ کی گرفت سے کسی ترکیب سے نکل آیا تھا۔ اس کے ہاتھ بری طرح اسٹیئرنگ پر کانپنے لگے۔ مشکل سے وہ پارکنگ شیڈ تک پہنچی' نادر' حیدر' راحت وغیرہ اپنی کاروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس کا ڈرائیور بھی کار لئے موجود تھا۔ وہ تیزی سے کار سے نکل آئی۔

''حیدر' یہ مس نواسموکنگ اُسامہ کی کار سے نکلی ہیں اور پریشان بھی لگ رہی ہیں۔'' نادر سامنے کار سے نکلتی لائبہ کو دیکھ کر تشویش سے بولا۔ وہ دونوں بھی متوجہ ہو گئے تھے۔

''حیدر...... حیدر۔ وہاں لڑائی...... جمشید خان......'' لائبہ بدحواس ان کی طرف بڑھی۔ لفظ بھی اس کے منہ سے صحیح طریقے سے نہیں نکل رہے تھے۔

''آپ اتنا گھبرائی ہوئی کیوں ہیں۔''

''جمشید خان لڑائی......''

''کیا مطلب' کہیں اُسامہ سے تو نہیں ہو رہی۔'' حیدر کار کی طرف دیکھتا ہوا پریشانی سے بولا اور لائبہ کے جواب دیئے پر اسے وہ گھر جانے کی تلقین کرتے ہوئے تیزی سے کار میں بیٹھ کر تینوں اسی راستے پر چلے گئے' جہاں سے انہوں نے لائبہ کو کار لاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لائبہ لرزتے قدموں سے کار کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ڈرائیور زور و شور سے خراٹے نشر کر رہا تھا۔ اسے امید نہیں تھی' ان پانچوں نے اسے زندہ چھوڑ دیا ہو۔ جمشید خان کو اس کی گرفت سے آزاد ہوتے وہ خود دیکھ چکی تھی۔

❖ ❖ ❖

''کب تک کھانا نہیں کھاؤ گی۔ تمہارے بھوکے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔'' شائلہ' تابندہ سے بولی جو پھوپو کے طعنوں کے بعد سے ہی ایک طرف بیٹھ گئی تھی۔ رو رو کر اس نے اپنا برا حشر کر لیا تھا' امی کو الگ چپ لگ گئی تھی' انور اپنے کام کے سلسلے میں گھر سے گیا ہوا تھا' ابو حسب معمول اپنی کوٹھری میں دنیا بھلائے افیون اور چرس کے دھوئیں میں گم تھے' تابش کھانا کھا کر سو چکی تھی۔ اب وہ کب سے تابندہ سے کھانا کھانے کو کہہ رہی تھی۔ امی سر درد کی گولی کھا کر صحن میں بچھی چارپائی پر سو گئی تھیں۔ گھر میں ویرانی' سناٹا چھایا ہوا تھا۔

''کھانا زندہ رہنے کے لئے کھایا جاتا ہے' اب میرے اندر زندہ رہنے کی کوئی امنگ باقی نہیں ہے۔'' تابندہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''وہ جو تمہاری خاطر ایک دنیا چھوڑے بیٹھے ہیں پھر ان کا کیا ہوگا۔'' شائلہ سنجیدگی سے بولی۔

''ان کو جو اتنا حوصلہ ملا ہے اس میں اہم حصہ تمہارا بھی ہے اگر تم ان کا ساتھ نہیں دیتیں تو کبھی وہ مجھ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرتے۔'' تابندہ غصے سے بولی۔

''تو کیا ہوا۔ سب بہنوں کی طرح میری بھی یہی خواہش ہے کہ میری بہن بھی اچھے گھرانے میں شادی ہو کر جائے۔ ہمارے نصیبوں میں کیا صرف سیکنڈ ہینڈ شوہر رہ گئے ہیں اور فاران نے مجھے شروع سے ہی بتا دیا تھا' وہ حسنہ کے البم میں تمہاری تصویر دیکھ کر تم پر فریفتہ ہو گئے تھے اور تمہیں موم کرنے کے لئے میں ان کی بہن کی طرح مدد کروں۔''

''ان امیر زادوں کی تو عادت ہوتی ہے۔ یونہی ایک نظر میں فریفتہ ہو جانے کی۔ نہ معلوم اب تک وہ کتنی بار فریفتہ ہوئے ہوں گے' دوسری لڑکیوں پر۔'' تابندہ کڑے لہجے میں بولی۔

''تمہیں خوامخواہ کا وہم ہے۔ فاران بھائی ہرگز فلرٹ نہیں ہیں۔ بہت پرخلوص ہیں تمہارے معاملے میں۔'' شائلہ اطمینان سے فاران کا سائیڈ لیتی ہوئی بولی۔

''شرم کرو کچھ۔ ان کی بیہودگی کی وجہ سے آج میں اور امی گھر بیٹھے ہی بدنام ہو گئے' پھوپو کیسا لہجہ استعمال کر رہی تھیں۔ اف ان کے الفاظ انگارے بن کر میرے اندر ابھی تک دہک رہے ہیں' ان کے جانے کے بعد ایک مشکوک نظر امی نے جو مجھ پر ڈالی تھی۔ وہ نظر...... وہ مشکوک نظر مجھے میری نظروں سے گرا گئی ہے۔'' تابندہ گلوگیر آواز میں بولی۔

ایسی بات نہیں ہے تابی' امی کو ہم پر مکمل اعتماد ہے اور پھوپو کی باتوں پر مت جاؤ۔ وہ ہیں ہی اس دور کی بی جمالو۔ وہ حسنہ کے لئے فاران بھائی کی امید لئے بیٹھی تھیں۔ اب فاران بھائی کی خواہش سن کر جو حال ان کا ہوا تم نے دیکھ لیا۔ انہوں نے ایک کی چار یہاں آ کر لگائیں۔''

''شائلہ تم اس سکون سے بات کر رہی ہو' جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ تم کس مٹی کی بنی ہو۔'' تابندہ حیرانی سے اس کا پرسکون چہرہ دیکھ کر بولی۔

''یہ وقت چھین کر حاصل کرنے والوں کا ہے اور میں اب اس گھر میں کسی کا بھی افشاں آپی جیسا حشر نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ پرعزم لہجے میں بولی اور تابندہ اس کی شکل اس طرح دیکھ رہی تھی' جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

❖ ❖ ❖

لائبہ گھبرا کر اٹھ کر بیٹھی تھی۔ تیز بخار کی حدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے اس طرح اٹھ بیٹھنے کی وجہ سے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھی تسبیح پڑھتی ہوئی ماما اس کے نزدیک آ گئیں۔

''کیا ہوا جان!'' وہ تسبیح چوم کر بیڈ سائیڈ دراز میں رکھ کر اس سے مخاطب ہوئیں۔

''ماما! قتل ہو گیا' میری وجہ سے خون ہو گیا۔'' وہ وحشت زدہ لہجے میں بولی۔ ماما پریشانی سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' وہ کیسی باتیں کر رہی ہے۔ یونیورسٹی سے وہ پرسوں آئی تو بہت پریشان اور وحشت زدہ تھی۔ ماما اسے دیکھ کر فوراً کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ اس پر زیادہ غور نہ کر سکی تھیں۔ جب وہ چائے بنا کر اس کے کمرے میں گئیں تو وہ بیڈ پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے چائے کا سامان میز پر رکھا اور اس کی طرف بڑھتے ہوئے آوازیں دینے لگیں۔ جب انہوں نے اسے اٹھانا چاہا تو وہ بے ہوش تھی۔ ڈاکٹر کو انہوں نے فون کر کے بلوایا اور اس نے چیک اپ کر کے بتایا کہ وہ کسی خوف کی وجہ سے بے ہوش ہے۔ شدید ترین خوف نے اس کے اعصابی نظام پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ جو اس کی دماغی قوت کے لئے بہت خطرناک تھا۔ اسے پرسکون رکھنے کے لئے ڈاکٹر اسے انجکشن لگا گیا تھا۔

آج تیسرا دن تھا۔ ڈاکٹر اسے صبح چیک کر کے چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق اب وہ اتنا ٹائم گزر جانے کے بعد اعصابی کیفیت پر قابو پا چکی تھی' اس لئے اس نے آج انجکشن نہیں لگایا تھا اور اس کے دیئے گئے وقت کے مطابق لائبہ ہوش میں آ گئی تھی۔ گو کہ بخار اسے اب بھی بہت تیز تھا مگر طبیعت کچھ بہتر تھی۔

''ماما کی جان۔ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔'' ماما اسے سینے سے لگاتی ہوئی شفقت سے بولیں۔

''ماما...... ماما میرا دل گھبرا رہا ہے۔''

''مجھے بتائیں بیٹا' کیا ہوا ہے۔ میں پرسوں سے پریشان ہوں۔ افتخار صاحب بھی اپنی فیملی کے ساتھ اسلام آباد گئے ہوئے ہیں' کسی عزیز کی شادی میں۔ میں تنہا کتنی خوف زدہ رہی ہوں۔ اس کا اندازہ آپ کو نہیں ہے۔ آپ بتائیں بیٹا کیا ہوا ہے۔'' ان کے چہرے پر پریشانی تھی۔ جب تک لائبہ بے ہوش تھی ان کی ہمت بندھی ہوئی تھی۔ اسے ہوش میں دیکھ کر اور اس کی 'میری وجہ سے قتل ہو گیا' کی رٹ نے انہیں بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

''کیا ماما' مجھے تین دن ہو گئے' یہاں لیٹے ہوئے۔'' وہ کیلنڈر پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

''جی۔'' انہوں نے مختصر سا جواب دیا۔

''آہ۔ کیا سب ختم نہ ہو گیا ہوگا' تین دن میں۔'' اس کی آنکھوں میں سرخ سرخ لہو پھیلتا چلا گیا۔ ''آہ میری وجہ سے وہ منوں مٹی تلے جا سویا۔'' یہ احساس کسی خنجر کی طرح اس کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ احساس ندامت سے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ ''کاش میں آفس سے اکیلی نہیں نکلتی' حیدر' نادر ساتھ ہوتے تو ایسا کبھی نہیں ہوتا۔'' وہ سوچ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ ماما نے اسے کھل کر رونے دیا تاکہ اس کے اندر کا غبار نکل جائے۔ کافی دیر تک رونے کے بعد وہ چہرہ دونوں ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے انہیں بتانے لگی یونیورسٹی میں جو کچھ ہوا تھا۔

''اُسامہ ملک یہ وہی ہیں جنہوں نے آپ کو خون دیا تھا اور شکار پور سے واپسی پر یہاں آپ کو ڈراپ کر کے گئے تھے۔'' اس نے سسکیوں کے دوران اثبات میں سر ہلا دیا۔

''انشاء اللہ خیریت سے ہوگا وہ' جو عصمت کے محافظ ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے بیٹا۔ نیکی ہمیشہ برائی کو شکست دے دیتی ہے۔ یہ غلطی آپ کی ہے۔ وہ اتنے عرصے سے آپ کو تنگ کر رہا تھا' آپ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا اگر آپ مجھے شروع سے ہی بتا دیتیں تو یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔''

''آپ کیا کر لیتیں ماما۔ ہم دو عورتیں جو تنہا ہیں۔ اس شیطان صفت انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں اور مجھے اس سے اس قدر گھٹیا حرکت کی توقع بھی نہیں تھی۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''ہم بظاہر تنہا ہیں مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے دیکھ لینا اب جمشید خان یونیورسٹی میں نہیں پڑھ سکتا۔'' ماما کا لہجہ اٹل تھا۔

''ماما' ایسے سہاروں کی بیک مضبوط مت سمجھا کریں جو خود کو سہارا نہ دے سکیں۔'' وہ ناگوار لہجے میں بولی۔

''آپ جامعہ فون کر کے معلوم تو کریں اُسامہ ملک کے بارے میں۔ اللہ اسے صحت و زندگی دے۔'' ماما موضوع بدلتے ہوئے بولیں۔ لائبہ نے کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کئے۔ یونین آفس کے نمبر وہاں بیل مسلسل بج رہی تھی۔ فون کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اس نے فون اسی لئے آفس کیا تھا کہ یہ کلاسز آف ہونے کا ٹائم تھا اور اس وقت آفس میں سب کو ہونا چاہئے تھا۔ وہ ریسیور رکھنا ہی چاہ رہی تھی کہ دوسری طرف سے چپڑاسی کی آواز سنائی دی۔

''بابا' میں لائبہ نور بول رہی ہوں۔ حیدر' نادر کہاں ہیں۔ ذرا انہیں بلا دیں۔'' اس کے منہ سے دانستہ اُسامہ کا نام نکل ہی نہ سکا۔

''مس صاحب! آفس تو تین دن سے بند پڑا ہے۔ کوئی بھی نہیں آ رہا۔ وجہ معلوم نہیں ہو سکی' چھٹیوں کی۔ میں روزانہ ٹائم پر آفس کی صفائی وغیرہ کروا کر بند کر دیتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں بھی تجسس تھا۔ لائبہ نے مزید کوئی اور بات کئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ لائبہ کا چہرہ زرد ہونے لگا تھا اور دل پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

''ماما۔ مجھے لگ رہا ہے۔ کچھ ہو گیا ہے' کچھ ہو گیا ہے' میری وجہ سے۔'' وہ دوبارہ رونے لگی تھی۔ ماما کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کیا کریں۔ انہیں شدت سے اس وقت اپنی اور لائبہ کی تنہائی اور بے بسی بری لگی تھی۔ انہیں خطرہ تھا۔ لائبہ حد درجہ حساس ہے۔ وہ اتنی حساس تھی کہ معمولی سی چیونٹی تک کو نہیں مار سکتی تھی۔ یہاں تو بات بھی ایک انسان کی تھی جسے اپنے سامنے اس نے زخم کھاتے دیکھا' جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اس کی آبرو بچانے کی خاطر اپنی جان پر کھیل گیا تھا۔ اس احساس سے کہ وہ اپنا ذہنی توازن نہ کھو دے' انہوں نے بیڈ سائیڈ سے جگ اٹھا کر گلاس میں پانی بھرا اور جگ رکھ کر انہوں نے لائبہ کے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹائے اور گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔ لائبہ نے پانی پی کر ان کی آغوش میں منہ چھپا لیا۔ اس کے دہکتے ہوئے جسم کو سکون سا مل گیا تھا۔ ذہن میں ابھی تک دھماکے سے ہو رہے تھے۔ ماما اس کے بکھرے بالوں میں آہستہ آہستہ انگلیاں پھیرنے لگیں۔

''بیگم صاحبہ! مہمان آئے ہیں۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔'' ملازمہ اندر آ کر بولی۔

''مہمان۔'' ماما حیرانی سے بولی تھیں۔ افتخار صاحب کی فیملی کے علاوہ ان کی کسی اور سے دوستی ہی نہ تھی اور محلے میں رہنے والے ایک دوسرے سے قطعی اجنبی تھے۔ اپنی دنیا میں مگن رہنے والے اردگرد سے بے نیاز اور لاتعلق۔

''آپ آرام کرو۔ میں دیکھتی ہوں۔'' ماما بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولیں۔ وہ اپنی جلتی ہوئی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ مسلسل رونے کی وجہ سے آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ ابھی اسے لیٹے پانچ منٹ ہی ہوئے تھے کہ دروازہ کھلا' لائبہ نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور حیرانی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''ارے تمہاری یہ کیا حالت ہو رہی ہے۔'' اندر آتی سمیرا اور حنا اس کی سوجی ہوئی آنکھیں اور مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کے قریب بیٹھ کر بولیں۔ وہ اچانک انہیں اپنے بیڈروم میں دیکھ کر حیرت زدہ تھی۔ بھری تو پہلے ہی بیٹھی تھی۔ ان کے پریشان و ہمدرد چہرے دیکھ کر قابو خود پر نہ پا سکی۔ حنا کے گلے لگ کر پھر رو دی۔ ان دونوں نے مشکل سے اسے چپ کروایا۔ لائبہ نے سسکیوں کے دوران پوری کہانی سناڈالی۔

''یار! اتنا اثر مت لو ورنہ پاگل ہو جاؤ گی۔ اُسامہ بھائی ٹھیک ہیں۔ ان کے کچھ گہرے زخم آئے ہیں' اس لئے اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔'' حنا اس کے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے بولی۔

''واقعی تم سچ کہہ رہی ہو نا۔'' لائبہ کے لہجے میں ابھی تک بے چینی تھی۔

''ہاں ہاں تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا۔'' سمیرا مسکرا کر بولی۔

''اگر انہیں کچھ ہو جاتا تو میں کبھی بھی خود کو معاف نہیں کرتی۔''

''ہائے حنا! بات یہاں تک پہنچ گئی اور ہمیں خبر ہی نہ ہوئی۔'' سمیرا اس کی بات پکڑتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی۔

''ہم سے بھی چھپایا تم نے۔'' حنا بھی مسکرا کر بولی۔

''کیا مطلب۔ بات کو کہاں گھما کر لے جا رہی ہو تم لوگ۔'' لائبہ دونوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''اُسامہ بھائی تمہارے لئے ''انہیں'' کب سے ہو گئے۔'' حنا شرارت سے بولی۔

''اوہ' فار گاڈ سیک' میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ میں تو کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ انہوں نے میری عزت بچا کر جو احسان مجھ پر کیا ہے' میں اس کی بات کر رہی ہوں۔'' لائبہ بوکھلا کر بولی۔

قبل اس کے کہ وہ دونوں کوئی رائے زنی کرتیں ماما اندر داخل ہوئیں' پیچھے ان کے ملازمہ تھی جو کھانے پینے کی چیزوں سے بھری ٹرے لائی تھی۔ ان کے چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ ان دونوں سے پہلے ہی ان سے اُسامہ کے متعلق پوچھ چکی تھیں۔

''آنٹی اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔'' حنا پلیٹ تھامتے ہوئے بولی۔

''آپ پہلی بار یہاں آئی ہیں پھر یہ تکلف تھوڑی ہے۔'' ماما بولیں۔

''تھوڑا سا کھا لیں۔ میں نے آپ کی پسند کی چیزیں بنائی ہیں۔'' وہ لائبہ کو انکار کرتے دیکھ کر بولیں۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں۔ آپ بھی لیں نا۔'' لائبہ انہیں جاتا ہوا دیکھ کر جلدی سے بولی۔

''آپ سو رہی تھیں۔ میں نے آج کھانا دیر سے کھایا ہے۔ میں اب آپ کے ساتھ چائے پیوں گی۔ آپ بالکل بے تکلف ہو کر کھائیں' میں اتنی دیر میں چائے دم کر کے لاتی ہوں۔'' وہ لائبہ کے بعد ان دونوں سے مخاطب ہوئیں۔

''تمہاری ماما بہت سوئٹ ہیں۔'' حنا چھولے اور دہی بڑے کھاتے ہوئے بولی۔

''کیا تم دونوں یہاں اکیلی رہتی ہو۔ آئی مین تمہارے پیرنٹس کہاں ہیں۔ یہ بھی کتنی عجیب بات ہے نا' ہم اتنے عرصے سے ایک دوسرے سے دوستی کے دعوے دار ہیں مگر گھریلو حالات سے بالکل ہی بے خبر ہیں۔'' سمیرا برگر کھاتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

''پہلے یہ بتاؤ' حیدر نے تمہیں مکمل تفصیل بتا دی ہو گی۔ جب میں نے انہیں اطلاع دی کہ وہاں فائٹ ہو رہی ہے' جب وہ وہاں پہنچے تو کیا حالات تھے۔'' لائبہ جن سوالات سے خود کو بچاتی آئی تھی' وہ آخر آج ان کے درمیان آ ہی گئے تھے اور لائبہ کبھی یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ وہ اس کے متعلق سن کر اس سے دوستانہ محبت کے بجائے ہمدردی کرنے لگیں۔ اس لئے اس نے بات خوبصورتی سے پلٹ دی تھی۔

''حیدر نے بتایا تھا کہ جب وہ تینوں وہاں پہنچے تو جمشید خان اور اس کا ایک ساتھی بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اس کے تین ساتھی زخمی حالت میں وہاں بے ہوش پڑے تھے۔ اُسامہ بھائی بہت زخمی تھے۔ انہیں لے کر وہ اسپتال آ گئے اور ان تینوں کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ اُسامہ بھائی کہہ رہے تھے' انہوں نے جمشید خان کی زبردست پٹائی کی ہے اگر غیرت مند ہو گا تو اب آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔'' سمیرا شامی کباب کھاتے ہوئے بولی۔

میں بھی کتنی بے وقوف ہوں۔ میں ان پر فاتحہ بھی پڑھ چکی تھی۔'' لائبہ مسکرا کر بولی۔

''تم تو کبھی ان کے لئے مخلص نہیں رہنا۔ وہ تمہاری وجہ سے شدید ترین زخمی ہو کر اسپتال میں پڑے ہیں اور تم انہیں اس بھری جوانی میں ملک عدم روانہ کر چکی ہو۔'' سمیرا ناراض سی بولی۔

''میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ دراصل ایک چاقو تو ان کو میرے سامنے ہی لگا تھا۔ جمشید خان اور اس کے ساتھی سب ہی ہتھیاروں سے لیس تھے۔ ظاہر ہے' ایک نہتا آدمی کب تک مقابلہ کر سکتا ہے۔''

''وہ بغیر ہتھیاروں کے ہی ان پر بھاری پڑے۔ انہوں نے مارشل' کنگ فو' جوڈو کراٹے میں بے شمار بیلٹ حاصل کی ہوئی ہیں۔ اچھا اب ہم ان سے ملنے جا رہے ہیں۔ چل رہی ہو نا تم؟''

''میں..... میں کیا کروں گی جا کر۔'' لائبہ کنفیوز لہجے میں بولی۔ ''ان کے گھر والے بھی ہوں گے وہاں' وہ مجھ سے نفرت کریں گے کہ ان کا بیٹا میری وجہ سے زخمی ہوا ہے۔''

''نہیں یار! اُسامہ بھائی بہت گریٹ ہیں۔ تمہارا تو انہوں نے نام ہی نہیں لیا۔ انہوں نے سب کو یہی بتایا ہے کہ ایک دوست کے ساتھ وہ اسکوٹر پر جا رہے تھے۔ راستے میں ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اصل بات تو ہم چھ افراد کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ بس اب تم فٹافٹ حلیہ درست کرو پھر چلتے ہیں۔'' حنا اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھیں دیکھ کر بولی۔

❖ ❖ ❖

''کنول ڈارلنگ' یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے جان۔'' مسز توفیق صدیقی لیلن کے پرپل سوٹ میں ملبوس اس طرح خاموش بیٹھی کھانا کھاتی کنول سے بولیں۔

''آپ کو اپنی سوشل لائف کی ایکٹی وٹیز سے فرصت ملے تو بیٹی کا خیال آئے۔'' مسٹر توفیق صدیقی طنزیہ لہجے میں چکن کھاتے ہوئے بولے۔

''آپ تو جیسے ہر وقت فارغ گھر سنبھالنے میں لگے رہتے ہیں۔'' وہ پانی کا گلاس رکھتے ہوئے انہی کے لہجے میں بولیں۔

''اس گھر کی یہ خوش بختی کہاں جو اپنے مالکوں کی نظر کرم سے منور ہو سکے۔ اس گھر پر تو صرف نوکروں کی حکمرانی چلتی ہے۔'' وہ ڈش میں سے پلاؤ نکالتے ہوئے کڑوے لہجے میں بولے۔

''دیکھئے توفیق صدیقی صاحب' میں نے آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے آپ میری لائف میں بالکل بھی انٹرفیئر نہیں کر سکتے۔ میں تعلیم یافتہ ہوں' اعلیٰ فیملی کی ممبر ہوں۔ جب مجھے اتنی استطاعت حاصل ہے تو کیوں نہ حاجت مندوں کی مدد کروں' اگر آپ کو بیوی کی نہیں ملازمہ کی ضرورت تھی تو کسی ان پڑھ جاہل عورت سے شادی کر لی ہوتی۔ وہ رات دن آپ کی جی جان سے غلامی کرتی اور آپ کی ساری زیادتیاں برداشت کر کے بھی خوش رہتی۔''

''حاجت مندوں کی مدد نہیں بلکہ عزت نفس کچل کر اپنی انا کی تسکین کرتی ہیں آپ۔ اگر آپ خلوص سے غریبوں کی مدد کریں تو پھر انہیں ضروریات زندگی تقسیم کرتے وقت اخبارات میں ان کی غریبی کے اشتہارات تو نہ چھپیں۔''

''آپ..... آپ کیا سمجھتے ہیں۔ یہ سب میں دکھاوے کے لئے کرتی ہوں۔'' غصے سے وہ پلیٹ میں چمچ پھینکتے ہوئے بولیں۔

''ڈیڈی پلیز۔'' کنول جو کھانا بھول کر ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ بات بہت بڑھتے ہوئے دیکھ کر توفیق صدیقی سے التجائیہ لہجے میں بولی۔

''ڈیڈی تو بیٹا' پلیز ہی ہیں۔ یہ اپنی مما کو سمجھاؤ۔ کچھ دیر گھر میں بھی ٹک جایا کریں۔ عورت گھر میں اجالا کرتی ہوئی اچھی لگتی ہے۔ شمع محفل بن کر نہیں۔''

''مرد کتنا بھی لکھ پڑھ جائے' کتنے بھی اعلیٰ عہدے پر فائز ہو جائے مگر اندر سے اس کی ذہنیت وہی صدیوں پرانی تھرڈ کلاس رہتی ہے۔ عورت کو محکوم سمجھنے والی۔ یہ گھر ہے آپ کا آفس نہیں ہے جہاں آپ اپنے ماتحتوں پر رعب جھاڑیں۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''ماتحت میری بیوی سے اچھے ہیں جو عزت تو کرتے ہیں میری۔''

''کنول ہمیشہ کی طرح انہیں لڑتا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کتنی آسائشیں اس گھر میں ہیں' نوکروں کی پوری فوج موجود ہے' دولت کی فراوانی ہے مگر حقیقی مسرتوں سے یہ گھر محروم ہے' ممی ڈیڈی بہت کم گھر میں ہوتے ہیں اور جب اتفاق سے ہوتے ہیں تو یونہی ایک دوسرے سے شکوے گلے اور الزام تراشیوں میں ٹائم گزرتا ہے اور اینڈ ہمیشہ ان دونوں کی زبردست جنگ پر ہوتا ہے۔ دونوں نے کبھی بھی میری پروا نہیں کی۔'' کنول نے آزردگی سے سوچا اور کلینک جانے کے لئے تیار ہونے لگی۔

❖ ❖ ❖

''اُسامہ بھائی! مجھے تو یہ کسی اور ہی ایکسیڈنٹ کے زخم لگ رہے ہیں۔ روڈ ایکسیڈنٹ میرے حلق سے نہیں اتر رہا۔'' شمیر' اُسامہ کی پٹیوں کا جائزہ لیتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''زیادہ تجسس انسان کو وہمی بنا دیتا ہے اور زیادہ وہم پاگل اور پاگل انسان کا ٹھکانا پاگل خانہ ہوتا ہے۔ سمجھے' تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ زخم میں نے خود لگائے ہیں۔'' اُسامہ مسکرا کر بولا۔

''ہو سکتا ہے' کوئی اور ہی چکر ہو۔ کیونکہ ابھی جو سرجن صاحب آپ کو چیک کر کے گئے ہیں' ان کا یہ جملہ میرے کانوں میں پڑ چکا ہے۔ جو آپ کو یہ مشورہ دے کر گئے ہیں کہ آپ زیادہ بے چین مت ہوں' کیونکہ آپ کے پیٹ میں چاقو کا زخم بہت گہرا ہے۔ حالانکہ بے چارے نے شاید آپ کی ہدایت کی وجہ سے بہت آہستگی سے کہا تھا مگر میرے کان اتنے حساس ہیں کہ دور صوفے پر بیٹھے ہوئے بھی مدھم آواز مجھ تک پہنچ گئی تھی۔''

''شکر ہے تم مرد ہو اگر ہوتے جنس مخالف تو نہ معلوم کیا قیامت برپا کرتے۔''

''شاید ایسی قیامتیں ہی ہوتیں جو آپ پر گزری ہوئی مجھے لگ رہی ہیں۔'' وہ شرارت سے مسکرا کر بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا' تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو۔'' اُسامہ بولا۔

''اسپیشل مٹی تھی میری۔ آپ مجھے لاجواب کر دینے پر بضد نظر آتے ہیں۔ ویسے حیرت ہے آج آپ بہت خوشگوار موڈ میں ہیں حالانکہ اس قدر تکلیف میں انسان حد درجہ چڑچڑا اور بد دماغ ہو جاتا ہے۔''

''معمولی چوٹیں ہیں۔'' اُسامہ تکیوں کے سہارے نیم دراز ہوتا ہوا بولا۔

''اس اسپتال میں سسٹرز بہت خوبصورت ہیں۔ آپ کو کیسی لگتی ہیں؟''

''بہنوں کا رشتہ ہی اتنا خوبصورت ہوتا ہے۔''

''مجھے معاف کر دیں۔ میں کبھی بھی آپ سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔'' شمیر اپنے کان پکڑتے ہوئے بولا۔

''آپ نے کان کیوں پکڑ رکھے ہیں بیٹا۔'' اسی لمحے دروازہ کھول کر فوزیہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے ہاتھ میں فلاسک پکڑا ہوا تھا۔ وہ کچن سے چائے بنا کر لائی تھیں۔

''تائی جان! اسپتال میں تو آپ یہ تکلف رہنے دیں۔ اُسامہ بھائی کے تو ملنے والے اس قدر ہیں' لگتا ہے پورا ملک ان کی عیادت کو بے چین ہے۔ روزانہ ڈھیروں کے حساب سے لوگ آتے ہیں۔ آپ تھک جاتی ہوں گی۔ تین دن سے میں یہی دیکھ رہا ہوں۔''

''ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔ دونوں بھابیاں وقفے وقفے سے میرے پاس رہتی ہیں۔ زینی اور ماریہ ابھی کچھ دیر پہلے گئی ہیں۔ آپ کے آنے سے مجھے فخر ہے کہ مجھے اتنی پرخلوص محبت کرنے والی سسرال ملی ہے۔ لگتا ہی نہیں کہ ہم بہوئیں مختلف گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور اُسامہ کے گیسٹ میرے لئے تو کوئی مسئلہ نہیں ہیں۔ بلکہ مجھے مسرت ہوتی ہے کہ اتنے بزی ٹائم میں لوگ اُسامہ کی عیادت کو آ رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے' لوگ انہیں کتنا عزیز رکھتے ہیں۔'' وہ ٹرالی میں سے بسکٹ اور فروٹ نکالتی ہوئی بولیں۔

''السلام علیکم! حنا اور ہمیرا کی آواز پر تینوں نے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے تقریباً چھپی ہوئی' گھبرائی ہوئی نروس سی لائبہ بھی تھی۔

''وعلیکم السلام آ ئیں۔ فوزیہ سامان ٹیبل پر چھوڑ کر ان کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔ ان تینوں سے ہاتھ ملانے کے بعد انہوں نے انہیں صوفوں پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ حنا اور ہمیرا پہلے بھی اُسامہ کو دیکھنے آئی تھیں' اس لئے ان سے وہ متعارف ہو چکی تھیں مگر لائبہ کے چہرے پر ان کی پرشوق نگاہیں ٹھہر ٹھہر جاتی تھیں۔ زرد شلوار دوپٹے پر سرخ پلین کرتے میں ملبوس کن فیوزسی لائبہ' مستزاد اس پر اس کے چہرے کا اڑا اڑا سا رنگ جبکہ گرین آنکھیں سوچ کر کرتے کے ہم رنگ ہوگئی تھیں۔ اس کی حالت ایسی تھی' جیسے اسے ڈکیتی ڈالتے وقت پکڑ لیا گیا ہو۔ وہ شرمندہ شرمندہ سی ان دونوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا' ہاتھ پاؤں ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔ اُسامہ کی ممی اور اُسامہ کے نزدیک کرسی پر بیٹھے نوجوان کی نگاہیں وہ اپنے جسم پر محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس بات سے ڈر رہی تھی اگر اس کی ممی کو معلوم ہو جائے کہ ان کا بیٹا اس کی وجہ سے زخمی ہوا ہے تو وہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کریں گی۔ اُسامہ پر اندر داخل ہوتے وقت اس کی نظر پڑی تھی۔ اس کے دونوں بازو ماتھا اور ایک ٹانگ پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے سے سرخی غائب تھی۔ اس کی نظریں احساس جرم کے باعث دوبارہ اس کی طرف نہ اٹھ سکیں۔

''کیسی طبیعت ہے اُسامہ بھائی آپ کی۔'' حنا کی آواز نے ماحول کے سکوت کو توڑا۔

''فرسٹ کلاس۔'' اس کی اطمینان بھری آواز پر لائبہ نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اس کے چہرے کی طرف ہی دیکھ رہا تھا' بہت گہری نظروں سے۔ لائبہ نے سٹپٹا کر نگاہیں جھکا لیں۔ وہ دونوں اُسامہ سے باتیں کرنے میں مصروف ہوگئی تھیں۔

''یہ بوکے کیا تم ہاتھ میں پکڑنے کے لئے لائی ہو۔'' حنا نے اسے بوکے ہاتھ میں پکڑے خاموش بیٹھے دیکھ کر کہنی مارتے ہوئے کہا۔

''تم..... تم دے دو نا۔'' اس پر آج بوکھلاہٹیں سوار تھیں۔

''میں کیوں دے دوں۔ تم کیوں لائی تھیں جب تمہیں دینا نہیں تھا۔'' ہمیرا اس کی اندرونی حالت سے بے خبر اسے ڈانٹتے ہوئے بولی۔ حنا نے بھی ہمیرا کی حمایت کی تو اسے اٹھنا ہی پڑا۔ اُسامہ کی ممی ان سے معذرت کر کے کمرے سے چلی گئی تھیں۔

''کیسے ہیں آپ؟'' وائٹ روز کا گلدستہ وہ اس کے بیڈ پر رکھتے ہوئے بولی۔ اُسامہ کی گرم نگاہیں وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کی جھکی ہوئی نگاہیں اٹھ ہی نہ سکیں۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ بولا۔

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

قریب کرسی پر بیٹھا شمیر شرارت سے باز نہ آیا تھا۔ بہت آہستگی سے وہ گنگنایا تھا مگر لائبہ تک آواز پہنچ چکی تھی۔ لائبہ نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے مسٹر مینٹل کہتے ہیں اور آپ یقیناً مس شٹ اپ ہیں۔'' وہ دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتا ہوا اپنا تعارف کروا رہا تھا۔ لائبہ کے ذہن میں جیسے جھماکا سا ہوا تھا۔ اس کی آواز وہ پہچان چکی تھی۔ یہ وہی شرارتی نوجوان ہے جس نے اس دن فون پر اُسامہ کو بلانے کے بجائے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس طرح وہ بھی یقیناً اس کی آواز سے اسے پہچان گیا تھا اور اس کا دیا ہوا خطاب بھی دہرا دیا تھا۔ اس نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے آ کر حنا اور ہمیرا کے پاس بیٹھ گئی۔

''اُسامہ بھائی! لوگ تو آپ پر فاتحہ بھی پڑھ چکے تھے۔'' ہمیرا لائبہ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''ہاں اندازہ ہو رہا ہے مجھے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ غالباً اس کا اشارہ اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں کی طرف تھا۔

''آپ کو شاید معلوم نہیں اُسامہ بھائی بھی فیس ریڈنگ میں ایکسپرٹ ہیں۔'' شمیر پہلے لائبہ پھر اُسامہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا ''آپ کس میں ایکسپرٹ ہیں۔'' ہمیرا مسکرا کر بولی۔

''ہارٹ ریڈنگ میں۔'' شمیر چہک کر بولا۔ وہ دونوں بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔ لائبہ کے لبوں پر بھی مدھم سی مسکراہٹ تھی۔

''شمیر بہت شوخ طبیعت کے مالک ہیں۔'' فوزیہ بیگم اندر آ کر بولیں۔

''ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔'' ہمیرا بولی۔

''اچھا' مسرت کی بات ہے۔ میں کمیاب لوگوں میں شمار ہوتا ہوں۔'' وہ شان تفاخر سے بولا۔

''آنٹی پلیز' تکلف کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ لائبہ کے ہاں سے سیدھے ہم یہاں آ رہے ہیں' وہاں اتنا کچھ کھا لیا ہے کہ اب رات کا کھانا بھی کول کرنا پڑے گا۔'' حنا' فوزیہ بیگم کو ٹرالی میں سے مختلف لوازمات نکالتے دیکھ کر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''یہ لائبہ ہیں۔ اُسامہ بھائی کی یونین سیکریٹری' لائبہ نور۔'' حنا کو خیال آیا تو وہ اس کا تعارف کرواتے ہوئے بولی۔ نام سن کر شمیر نے معنی خیز لہجے میں اُسامہ کی طرف دیکھا تھا' جو دانستہ آنکھیں بند کر کے لیٹا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا' ممی کے ذہن میں اتنی جلدی لائبہ کی شناخت نہیں ہو سکتی مگر شمیر جو اچھی طرح 'نور' نام کو ذہن نشین کر چکا ہے وہ فوراً سمجھ جائے گا اور پھر اس کی بکواس شروع ہو جائے گی۔ اس کی بکواس سے بچنے کے لئے وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تھا۔

ان کے بے حد انکار کے باوجود فوزیہ بیگم نے بسکٹ اور فروٹ ان کے آگے رکھے۔ انہوں نے صرف چائے ہی لی۔

''مجھے معلوم ہے' آپ سو نہیں رہے' اٹھ جائیں چائے پی لیں۔'' شمیر بسکٹ کھاتا ہوا اُسامہ سے بولا۔

''میں نے کب کہا میں سو رہا ہوں۔'' وہ آنکھیں کھولتے ہوئے بولا۔

''میں سمجھا' کسی کا فیس نگاہوں میں بسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

اُسامہ نے اسے گھورتے ہوئے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔ چائے پینے کے تھوڑی دیر بعد وہ ان دونوں کے ساتھ اٹھ گئی تھی۔

''بیٹھیں نا۔'' فوزیہ بیگم انہیں کھڑے ہوتے دیکھ کر اصرار سے بولیں۔

''پھر آئیں گے آنٹی۔'' حنا ٹیبل سے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بولی۔

''آپ نے تو کوئی بات ہی نہیں کی۔'' فوزیہ بیگم لائبہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' لائبہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ارے آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔'' فوزیہ بیگم سے اس نے ہاتھ ملایا تو وہ تشویش سے بولیں۔

''ہم زبردستی لے کر آئے ہیں لائبہ کو۔ اب اجازت دیں۔'' ہمیرا' فوزیہ بیگم سے مخاطب ہوئی وہ دونوں پھر اُسامہ اور ہمیر کو خدا حافظ کہتی ہوئی کمرے سے نکل آئیں۔ لائبہ ان کے ساتھ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ فوزیہ بیگم حسب عادت انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی تھیں۔

''لائبہ نور وہی بُندوں والی ہیں نا۔'' شمیر سے زیادہ صبر نہ ہو سکا تو وہ بول اٹھا۔

''شمیر بڑے ہو چکے ہو۔ تم اب بچوں جیسی باتیں کرتے اچھے نہیں لگتے۔'' اُسامہ سنجیدگی سے بولا۔

''اُسامہ بیٹا! آپ ڈنر میں چکن سوپ اور دلیہ لیں گے نا۔'' فوزیہ بیگم اندر آتے ہوئے بولیں۔

''مما' میرا کسی چیز کا قطعی موڈ نہیں ہے۔ اب آپ گھر جا کر ریسٹ کریں۔ شمیر ہے میرے پاس اور میری طبیعت بھی بہت بہتر ہے۔'' اُسامہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بیٹا مجھے بھی یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میرا بیٹا میرے سامنے ہوتا ہے۔ میں ہر تکلیف اور دکھ سے دور رہتی ہوں۔ میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ اس کے بکھرے ہوئے بال درست کرتے ہوئے بولیں۔

''اتنی محبت مت کیا کریں۔ مر جاؤں گا تو کیا کریں گی۔''

''اُسامہ! خدا کے لئے۔ ایسی باتیں منہ سے مت نکالیں۔ اللہ کرے ہماری عمریں بھی آپ کو لگ جائیں۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولیں۔

''مما' موت تو آنی ہے۔ آج نہیں تو کل۔ جسے ہر حال میں آنا ہے' اس سے اتنا خوفزدہ کیوں رہیں۔ مسلمان کے لئے زندگی مصیبت اور موت راحت ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اُسامہ بھائی! جو آپ کہہ رہے ہیں' وہ سچ ہے اور مسلمان کا ایمان بھی یہی ہے مگر اس وقت ایسی باتیں کر کے تائی جان اور مجھے تو مت ڈرائیں۔'' شمیر سنجیدگی سے بولا اور روتی ہوئی فوزیہ بیگم کو چپ کرانے لگا۔

''ممی آپ سیریس ہو گئیں۔''

''اگر آئندہ آپ نے ایسی باتیں کیں تو ہم صدمے سے ہی مر جائیں گے۔ وعدہ کریں پھر ایسی باتیں نہیں کریں گے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بھیگے لہجے میں بولیں۔ اُسامہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ان کا ہاتھ آنکھوں سے لگا لیا۔

''تائی جان! آپ کو معلوم ہے' لائبہ نور کون ہیں۔'' شمیر نے کہا۔

''نام کچھ مانوس سا لگ رہا ہے مگر میں انہیں جانتی تو نہیں' سوائے اس کے وہ یونین آفس میں سیکریٹری ہیں مگر ہے بہت کم گو اور اچھی لڑکی' مجھے بہت پسند آئی۔''

''مبارک ہو۔'' وہ سرگوشی میں اُسامہ سے مخاطب ہوا پھر ان سے بولا۔ ''یہ لائبہ نور وہی لڑکی ہے جس نے ٹی پارٹی والے دن غلط فہمی میں زہر پی لیا تھا۔''

''آپ مجھے اب بتا رہے ہیں۔ کم از کم میں اس کا شکریہ تو ادا کر دیتی۔''

''شکریے کے عوض وہ اُسامہ بھائی کے خون کی دو بوتلیں ہضم کئے بیٹھی ہیں۔'' وہ چہک کر بولا۔ قبل اس کے اس کی زبان اور چلتی' ڈاکٹرز اندر آ گئے تھے' اُسامہ کی پٹیاں بدلنے۔ شمیر اور فوزیہ بیگم دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔

◆ ◆ ◆

ماحول میں پھیلے ہوئے سکوت کو سمندر کی پرجوش لہریں پل بھر کو پرشور کر دیا کرتی تھیں۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ اوپر آسمان پر چاند ستارے اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔ موسم حالانکہ بدلنا شروع ہو چکا تھا مگر ہواؤں میں ٹھنڈک ابھی موجود تھی۔ ملازمین اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے۔ ماما عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئی تھیں مگر اس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ براؤن ملگجے کپڑے کمر سے نیچے جاتے لمبے بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ گلابی چہرہ پھول کی طرح مرجھا گیا تھا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں کسی بھٹکی ہوئی روح کی طرح چکراتی پھر رہی تھی۔ انسان بعض دفعہ ایک بات اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے کر لیتا ہے مگر وہ بے ضرر نظر آنے والی بات بعض دفعہ اتنی خطرناک ثابت ہوتی ہے کہ انسان سوائے پچھتانے کے کچھ نہیں کر سکتا۔ لائبہ کو بھی اس پچھتاوے نے مار رکھا تھا کہ وہ اس دن ضد میں آ کر تنہا آفس سے نہ نکلتی تو وہ سب کچھ نہ ہوتا جس نے اس کے ضمیر میں شگاف ڈال دیے تھے۔ اُسامہ کے دوسرے زخم تو ٹھیک ہو گئے تھے مگر اس کے پیٹ کا زخم ٹھیک نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کے دو آپریشن بھی ہو گئے تھے۔

اسے اسپتال میں ایڈمٹ ہوئے پندرہ دن ہو چکے تھے۔ سمیرا بتا رہی تھی وہ بہت مشکل سے وہاں ایڈمٹ ہے۔ وہ ہنگاموں میں رہنے والا شخص جس کی لائف بہت سوشل اور مصروف تھی۔ اس طرح اسپتال میں بیڈ پر پڑے رہنا اسے قطعی نہیں بھا رہا تھا۔ اس نے اسپتال سے ڈسچارج ہونے کی رٹ لگا رکھی تھی مگر ڈاکٹرز اس کے زخم کے باعث اسے چھٹی دینے سے گریزاں تھے۔ بقول حنا کے ان کی جھلاہٹیں اور چڑچڑا پن اپنے عروج پر تھا۔ وہ دوبارہ اسپتال جانے کی ہمت نہ کر سکی۔ حنا وغیرہ کے اصرار کے باوجود۔ اس دن وہ اس نوجوان کی ذومعنی باتیں اور اُسامہ کی عجیب سی نگاہوں کے حصار میں رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' وہ کس طرح دوبارہ اس کی خیریت دریافت کرے۔ سمیرا' حنا بھی اسے برا بھلا کہہ چکی تھیں۔ یونین کی زیادہ ذمے داری اب حیدر اور اس پر آ چکی تھی اور آفس ٹائم کے دوران وہ دونوں کسی نہ کسی بہانے اُسامہ کا ذکر چھیڑ بیٹھتے اور غیر محسوس طریقے سے اسے جتانا نہیں بھولتے کہ وہ اس کی خاطر زخمی ہوا ہے۔ اسے اس کی مکمل خبر گیری کرنا چاہئے۔ وہ خود کو پہلے ہی مجرم سمجھتی تھی۔ اُسامہ کے آپریشن کے بارے میں سن کر تو وہ جیسے دہکتے کوئلوں پر دراز ہو گئی تھی۔

حنا نے بتایا تھا' وہ آج اسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر چلا گیا تھا۔ زخم اس کا کافی حد تک مندمل ہو گیا تھا مگر ابھی اسے مکمل ریسٹ کی ہدایت تھی۔ آہ' حد درجہ حساسیت انسان کو صلیب پر لٹکائے رکھتی ہے۔ اس نے ٹیرس سے بیڈ کی طرف بڑھتے ہوئے سوچا۔ لوگ نہ معلوم کس طرح دانستہ قتل پر قتل کئے جاتے ہیں اور ملال بھی نہیں کرتے۔ یہاں ایک غیر دانستہ غلطی' زندگی کا عذاب بن گئی ہے۔ میں اسے فون کر کے طبیعت پوچھ لیتی ہوں۔ شاید اس طرح میرے ضمیر کی وحشتوں کو سکون مل جائے۔ اس نے ڈائری سے فون نمبر نکالا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون پر نمبر ڈائل کر دیے۔ بیل بجنے کے بعد ریسیور اٹھا لیا گیا۔

''اُسامہ اسپیکنگ۔'' اس کی آواز سنتے ہی اس کے ہاتھ پیر کانپنے لگے۔

''طبیعت کیسی ہے اب آپ کی؟''

''آج آپ کو فرصت مل گئی۔'' وہ اس کی آواز پہچان گیا تھا۔

''میں شرمندگی کی وجہ سے دوبارہ آ نہیں سکی۔'' لائبہ آہستہ سے بولی۔

''شرمندگی کیسی۔ سب کو معلوم ہے' میرا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں۔''

''پلیز' مجھے معاف کر دیں۔ اس دن میں وہ بیوقوفی نہیں کرتی تو آپ اتنے زخمی تو نہ ہوتے۔ پلیز' مجھے معاف کر دیں۔ میری وجہ سے آپ کا اتنا خون ضائع ہوا۔ اتنی تکلیف آپ اٹھا رہے ہیں۔ آپ مجھے معاف کر دیں گے تو میرا ضمیر مطمئن ہو جائے گا۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے' آواز بھاری ہو گئی تھی۔

''آپ نے تو کوئی غلطی نہیں کی جو میں آپ کو معاف کروں۔ رہا سوال خون کا۔ تو کبھی آپ بھی میری وجہ سے پوائزن کا شکار ہو گئی تھیں۔ اب حساب برابر ہو گیا۔'' ارپیس میں سے اُسامہ کی مسکراتی آواز سنائی دی۔ اس کا لہجہ عام دنوں سے مختلف تھا۔ کہاں اس سے بات کرتے وقت اس کے منہ میں کونین گھل جاتی تھی۔ اب اسے محسوس ہو رہا تھا' جیسے اس کے منہ سے شہد ٹپک رہا ہو۔

''آپ کو میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟''

''ہاں۔ بہت زیادہ۔'' اس کا مسکراتا لہجہ کافی ذومعنی تھا۔ لائبہ کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

''آپ شاید ناراض ہو گئیں حالانکہ میں نے تو سچی بات کہی ہے۔'' وہ اس کی خاموشی محسوس کر کے بولا۔

''اچھا...... میں معافی چاہتی ہوں۔'' لائبہ نے فوراً ہی ریسیور رکھ دیا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔

دل اس کا ابھی تک دھڑکے جا رہا تھا۔ 'اُسامہ ملک صاحب! میں کوئی ناسمجھ اور بے عقل لڑکی نہیں ہوں۔ ہر نظر اور لہجے کو شناخت کرنے کی اعلیٰ ترین صلاحیت ہے میرے اندر۔ اسپتال میں تمہاری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر میں تمہاری بدلتی ہوئی چڑی دیکھ چکی تھی اور آج تمہارے شیریں اور ذومعنی لہجے نے میرے وہم کی تصدیق کر دی ہے۔ مگر میں اس معاملے میں چٹان کی طرح ہوں۔ مردوں پر سے میرا اعتبار اٹھ چکا ہے' محبت و عشق جیسے فرسودہ جذبے مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے لہٰذا تمہیں اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو واپس لوٹانا ہوگا' سوری۔ وہ سوچوں میں اس سے مخاطب تھی۔

* * *

''حد ہو گئی ہے' بیوقوفی اور ہٹ دھرمی کی۔ جوان بچہ دوست کے ہاں جا کر رہ رہا ہے اور آپ اطمینان سے یہاں بیٹھی ہیں۔ مجھے مطلع بھی نہیں کیا۔'' اصغر صاحب جو کچھ گھنٹے قبل جاپان سے لوٹے تھے' فاران کے متعلق سن کر صالحہ بیگم سے غصے میں بولے۔

''آپ مجھے ہی ہٹ دھرم اور بیوقوف کہہ رہے ہیں۔'' وہ بھی غصے سے بولیں۔

''وہ بچہ ہے۔ اس عمر میں جذبات کی حکمرانی ہوتی ہے نوجوانوں پر' انہیں اپنے خوابوں سے زیادہ کوئی اور رشتہ معتبر اور عزیز نہیں ہوتا۔ آپ کو سمجھداری سے کام لینا چاہئے۔''

''پہلے بیٹا کون سا کم تھا جو اب آپ بھی سبق پڑھانے آ گئے ہیں۔ بچپن سے لے کر اب تک اس کی ساری ضدیں اور خواہشیں پوری کی ہیں مگر اب جو اس نے ضد کر رکھی ہے' اسے میں کبھی نہیں مانوں گی۔ شادی اسے میری پسند سے کرنی ہوگی۔'' صالحہ بیگم اٹل لہجے میں بولیں۔

''میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہم بچپن سے بچوں کی ضدیں اور خواہشات پوری کرتے ہیں تو پھر یہ فیصلہ انہیں خود کرنے کا اختیار کیوں نہیں دیتے۔'' اصغر صاحب زچ ہو کر بولے۔

''بچپن کی ضدیں قابل قبول بھی ہوتی ہیں اور خواہشات بے ضرر بھی...... مگر اب جو اس نے نابندہ سے شادی کرنے کی ضد کر رکھی ہے وہ میں کبھی نہیں مانوں گی۔''

''یہ آپ کی فضول ضد ہے۔ میرے خیال میں بچوں کو اپنا لائف پارٹنر خود سلیکٹ کرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے کیونکہ زندگی انہیں گزارنی ہوتی ہے۔ ویسے بھی آج کل تو یہ بات عام ہو چکی ہے۔'' اصغر صاحب بزنس مین تھے مگر صالحہ بیگم کے مزاج کی ضد تھے۔ صالحہ بیگم ضدی' زبان دراز اور مغرور عورت تھیں لیکن وہ نرم مزاج' حساس اور پرخلوص شخصیت کے مالک تھے اور یہ ان کی مہذب شخصیت کی کمزوری تھی کہ صالحہ بیگم جیسی عورت ان پر حاوی ہو چکی تھیں۔ انہوں نے کبھی بھی ان کی نہیں چلنے دی تھی' ہمیشہ ہر بات میں اپنی من مانی کی تھی۔

''مائیں بیوقوف ہوتی ہیں؟ جو انہیں جنم دے کر تکلیفوں سے پرورش کرتی ہیں' پال پوس کر جوان کرتی ہیں اور جب ماں کا ارمان نکالنے کا وقت آتا ہے تو بیٹے اپنی پسند کی رٹ لگا دیتے ہیں۔ یہ بھی بھلا کوئی انصاف ہے۔'' وہ بری طرح چراغ پا تھیں۔

''آپ ضد چھوڑیں۔ آپ کی اسی ضد نے عرفان کو باغی کیا۔ وہ ماں باپ' بھائی' ملک سب چھوڑ کر عیسائی لڑکی کو بیوی بنائے ہوئے ہے اور آج فاران کے ساتھ بھی کچھ حالات ایسے ہی ہیں کہ آپ کو سمجھداری سے کام لینا چاہئے۔'' وہ نرمی سے بولے۔

* * *

''اُسامہ بھائی اسپتال سے گھر کیا آئے' گویا اماں جان نے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔'' شمیر مسکراتا ہوا بولا۔

آج بائیس دن بعد اُسامہ تندرست ہو کر اسپتال سے گھر آ گیا تھا۔ اماں جان اور فوزیہ بیگم ہزاروں روپے صدقہ کر چکی تھیں۔ ضرورت مندوں اور یتیموں میں ضروری اشیاء کے علاوہ کھانے کی دیگیں بھیجی جا چکی تھیں۔ ابھی ابھی منشی پیسے لے کر باہر کی طرف روانہ ہوا تھا۔ صبح سے ہی عزیز و اقارب اور اُسامہ کے دوستوں کی آمد و رفت جاری تھی جو اُسامہ کو صحت کی مبارکباد دینے آ رہے تھے۔ رات گئے تک مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ روحیل صاحب بھی مع فیملی کے کچھ دیر قبل روانہ ہوئے تھے' شمیر رک گیا تھا۔

''اللہ نے میرے بچے کی جان بچائی ہے۔ اس کے لئے میں جتنا شکر کروں کم ہے۔ کمبخت پیٹ کے زخم نے میرے بچے کو کتنی تکلیف دی ہے۔'' وہ محبت پاش نگاہوں سے بیڈ پر لیٹے اُسامہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''جب پیٹ کا زخم اتنی تکلیف دیتا ہے تو دل کا زخم کیا حال کرتا ہوگا۔'' شمیر' اُسامہ کی طرف دیکھ کر شرارتی لہجے میں بولا۔ اُسامہ بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور وہ اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔

''اللہ نہ کرے جو کسی کے دل میں زخم ہو۔ ایسا انسان زندہ ہی کب رہ سکتا ہے۔'' اماں بولیں۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں اماں آپ! ہمارے ہاں بننے والی تمام فلموں کی کہانیاں اسی 'دل' کے گرد گھومتی ہیں۔ ہمارے ہیرو ہیروئن یہ شکایتیں اکثر کرتے نظر آتے ہیں۔ ''کیا ملا ظالم تجھے کیوں دل کے ٹکڑے کر دیے۔'' یا ''دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسکرا کر چل دیے۔'' اسی طرح کی بے شمار شکایتیں ہیں جو دل سے شروع ہو کر دل پر ہی ختم ہو جاتی ہیں مگر لوگوں کی موت تو ایک طرف۔ ان کی آنکھیں دکھتے بھی نہیں آتی ہیں۔'' شمیر ہنستے ہوئے بولا۔

''تم سے باتوں میں' میں نہیں جیت سکتی۔ اب تم سو جاؤ بیٹا۔ سارے دن مہمانوں نے بے چین رکھا ہے۔'' اماں جان اسے ہدایت دیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کچھ کھانا پینا ہو تو بیٹا بتا دو۔'' فوزیہ بیگم اس سے مخاطب ہوئیں۔

''تھینکس مما۔ پلیز' اب آپ بھی آرام کریں۔'' وہ آہستہ سے مسکرا کر بولا۔

''اٹر کام میں اپنے کمرے میں رکھ رہا ہوں۔ بلاتکلف جس چیز کی ضرورت ہو' کہہ دیجئے گا۔'' شمیر نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا پھر وہ تینوں کمرے سے نکل کر چلے گئے۔ وہ آہستہ سے بستر سے اٹھا اور دروازہ لاک کر کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وائٹ شلوار سوٹ میں اس کا سرخ و سپید چہرہ بیماری کے باعث کچھ زرد سا ہو رہا تھا' شیو پچھلے ہفتے سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ بائیس دن بعد آج گھر آیا تھا۔ دوسرے معمولی سے زخم تو اس کے جلد بھر گئے تھے' صرف ایک پیٹ کا زخم اس کا بہت زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گیا تھا جس کو مندمل ہونے میں اتنا عرصہ لگا تھا۔ اتنا عرصہ وہ اپنی بزی لائف سے جدا ہو گیا تھا۔ اس کے دوستوں' عزیزوں' چاہنے والوں نے مسلسل اس کی دلجوئی کی تھی۔ ایک دن بھی اس کے ذہن پر یہ اثر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ کلاسز چھوڑے بیٹھا ہے اور اس کی ذمے داریوں جنہوں نے بہت جانتوڑ محنت کے بعد اسٹوڈنٹس کے اعتماد کو برقرار رکھا تھا۔ اس کی اس طویل حاضری میں حیدر' نادر' راحت وغیرہ نے بہت احسن طریقے سے کام سنبھالا تھا اور اس کی ساکھ کو کمزور نہیں ہونے دیا تھا اور بقول حیدر لائبہ نے بہت ہمت سے ان کا ساتھ دیا تھا۔ بلکہ دے رہی تھی۔ وہ جو ایک دفعہ کے بعد دوبارہ نہیں آئی تھی نہ ہی دوبارہ اس نے فون کیا تھا۔ اس کی بے چین نگاہیں اس کی آمد کی منتظر رہتیں۔ وہ فون کی ہر بیل پر چونک اٹھتا مگر اسے نہ آنا تھا نہ وہ آئی مگر اس سنگدل کو موم بنا گئی۔ وہ جو خود کو بہت کٹھور اور جذبات سے مبرا سمجھتا تھا۔ وہ جو ایک عرصے سے صنف نازک کی پرچھائیوں سے بھی بچتا آیا تھا' اچانک اسے اپنے ادھورے ہونے کا احساس ہونے لگا تھا۔ زندگی بے کیف و بے رنگ لگنے لگی تھی۔ اسے احساس ہوا' وہ بھی انسان ہے' احساسات کا گداز' جذبات کی گرمی اس کے اندر بھی موجود ہے۔

وہ ایک عرصے تک اپنی ذات میں گم رہا تھا مگر اسے اب اپنی زندگی خزاں کی مانند ویران اور اجاڑ لگی۔ وہ اپنی زندگی کو بہاروں کے چمکیلے رنگوں سے چمکانا چاہتا تھا۔

میرپور خاص سے واپسی کے بعد سے وہ خود میں بہت تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ وہاں سے واپسی پر اس کی دھڑکنوں کے انداز بدل چکے تھے۔ اس کی نگاہوں میں چاہتوں کی سرخیاں جھلکنے لگی تھیں مگر وہ ان نئے جذبوں سے فرار حاصل کرتا رہا تھا۔ ان سے بھاگتا رہا تھا مگر کب تک۔ سچائی آخرکار ایک دن خود کو منوا لیتی ہے۔ محبت بہت طاقتور وجود رکھتی ہے۔

وہ جو لائبہ کے وجود سے چڑتا آیا تھا' اسے کوئی معمولی سی بھی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا۔ بہت خاموشی سے وہ اس کا سب کچھ لے گئی تھی اور وہ نہ نہ کرتے ہوئے بھی ہاں ہاں کا اقرار کر چکا تھا۔ خود سے' اپنی بے کلی' بے تابی' بے چینی اور بے خواب راتوں سے' ایک دن حیدر نے کہا تھا۔ شدید نفرت' شدید محبت کا دوسرا رخ ہے۔ اس نے اس دن یہ بات مذاق میں اڑا دی تھی مگر اب وہ اس کی رائے سے متفق تھا۔

''ہوں تو ایک دن ایسا بھی ہونا تھا لا...... ئبہ۔'' وہ تصور میں اس سے مخاطب تھا' اس نے پہلی بار اس کا نام پکارا تھا۔ اسے اپنی سانسیں گلابوں کی طرح مہکتی ہوئی لگیں۔ اس نے بیڈ پاکٹ سے لائٹر اور سگریٹ نکالی اور سلگی ہوئی سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ سامنے کھڑکی کھلی ہوئی تھی' پردہ ہٹا ہوا تھا' نیلے آسمان پر بے شمار چمکتے

ستاروں کے جھرمٹ میں پوری تابنگیوں کا چاند اپنی آب وتاب سے نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ کھڑکی کے ٹیرس پر رکھے رات کی رانی کے پودوں سے آتی مہک نے اس کے اندر عجیب سرشاری سی بھر دی تھی۔ اس نے منہ اور ناک سے دھواں نکالتے ہوئے چاند کو بغور دیکھا اور دھیرے دھیرے چاند میں اس کا عکس ابھرنے لگا۔ جھکی جھکی نگاہوں والا گلابی چہرہ' اس کا صبر وقرار لوٹ کر دیوانہ بنا دینے والا چہرہ۔ اس نے تین چار کش میں ہی سگریٹ ختم کیا اور اٹھ کر مضطرب انداز میں ٹہلنے لگا۔

رات کا ایک بج چکا تھا مگر نیند اس کی آنکھوں سے غائب تھی۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' وہ پریشانی سے بڑبڑایا۔ میں بندہ ہوں دوسرا ٹائپ کا' یہ عشق ومحبت' پیار' سب بےکار ہے۔ فضول لوگوں کا کام ہے' سارے دن آہیں بھرنا' راتوں کو الووں کی طرح جاگ کر عشقیہ اشعار کہنا۔ یہ میرا کام نہیں ہے۔ میں ایک عملی بندہ ہوں۔ رات کو لمبی تان کر سوتا ہوں تو صبح فجر کی اذان پر ہی جاگتا ہوں۔ کوئی مخلوق ایسی پیدا ہوئی نہیں سکتی جو مجھے فراق میں راتوں کو جگائے۔ حیدر سے کہے ہوئے اس کے فخریہ جملے اس کے ذہن میں گونجے تو اس کے وجیہہ چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں انہیں ابھی بالکل بے خبر رکھوں گا ورنہ...... اس نے مسکراتے ہوئے دوسرا سگریٹ سلگایا اور آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

''اب کیا ہوگا......؟'' اس کی سماعت سے سہمی ہوئی لرزتی آواز گونجی۔

''اب جو سانپ چاہے گا' وہی ہوگا۔ سنا ہے' سانپوں کو گلابی چہرے اور گرین آنکھوں والی لڑکیاں بہت پسند ہیں۔ اس لئے وہ......''

''خدا کے لئے میرا خوف سے دم نکل رہا ہے۔''

اسے محسوس ہوا' اس کے گرم آنسو ابھی بھی اس کے شانے پر بہہ رہے ہیں' اس کی سانسوں سے نکلتی عجیب مہکاریں اس کی سانسوں میں ابھی تک بسی ہوئی ہیں۔ اس کے اندر کچھ نا آشنا بجلیاں ابھی تک دوڑ رہی ہیں۔ اس نے لمبا سانس لے کر منہ سے دھواں نکالا۔ ''وہ رات میرا سب کچھ لے گئی۔'' وہ بڑبڑایا اور سگریٹ ختم کر کے بیڈ پر لیٹ کر اس کے تصور سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ ''آنکھیں اللہ نے استعمال کرنے کے لئے بنائی ہیں' چہرے پر سجانے کے لئے نہیں۔'' اس کے ذہن میں ایک اور سرگوشی ابھری۔

''میں آنکھیں بند کر کے چل رہی تھی تو آپ کی آنکھیں کیا کرائے پر گئی تھیں۔'' بہت تپا ہوا لہجہ تھا۔

''خوب سمجھتا ہوں' آپ جیسی لڑکیوں کی حرکتوں کو......''

''آپ کا مطلب ہے' میں جان بوجھ کر آپ سے ٹکرائی ہوں۔'' لائبہ کا سلگتا لہجہ اسے یاد آ گیا۔

''نہیں شاید میرا نصیب تم سے ٹکرایا تھا۔'' اس اتفاقیہ ٹکراؤ نے اسی وقت جذبوں کی کہانی بنا ڈالی تھی جس کا انکشاف اب ہو رہا ہے۔ اس نے کروٹ بدلی۔ وال کلاک پر سوئیاں جیسے رینگ رہی تھیں۔ رات طویل ترین لگ رہی تھی' نیند جیسے اس سے بچھڑ گئی تھی۔ آج کی رات سونے کی نہیں اعترافات کی رات ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں حشر برپا ہے' وہ بے خبر وجود نیند میں گم ہوگا اور میں یہاں اس کی دید کا' آنکھوں میں درد لئے جاگ رہا ہوں۔''

درد بن کر سمو گیا کوئی
دل میں کانٹے چبھو گیا کوئی
میری آنکھوں کو رت جگے دے کر
خود سر شام سو گیا کوئی
میری تنہائی پر ترس کھا گیا کوئی
چاند آنگن میں بو گیا کوئی

✦ ✦ ✦

''آپی! آپ سو رہی تھیں۔ اظہر بھائی کتنی دیر تک آپ کا انتظار کر کے چلے گئے۔'' تابش جو نیچے فرش پر بیٹھی اپنی گڑیا سے کھیل رہی تھی' چارپائی پر لیٹی افشاں کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر بولی۔

''اچھا۔'' افشاں کی آنسوؤں میں بھیگی مدھم آواز ابھری۔

''تابش جاؤ' امی کو دودھ لا کر دو۔ آپی کو چائے بنا کر دیں گی۔ صبح کا دودھ بچا ہوا تھا' اس کی اظہر بھائی کو چائے بنا کر دے دی تھی۔'' تابندہ آ کر تابش سے بولی۔ تابش اپنی گڑیا اٹھائے باہر نکل گئی۔

''آپی امی کہہ رہی ہیں۔ ڈبل روٹی سالن سے کھا لیں۔ تمہارے لئے پرہیزی سالن پکایا ہے۔'' شائلہ کمرے میں آ کر بولی۔ ہاتھوں میں اس نے کھانے کی ٹرے پکڑی ہوئی تھی۔

''مجھے نہیں کھانا کچھ بھی' بھوک نہیں لگ رہی۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''آپی! آج تو کچھ کھا لیں۔ تیسرا دن ہے' آج آپ کو اسپتال سے آئے ہوئے اور آپ نے چائے کے علاوہ کچھ نہیں کھایا پیا ہے۔'' شائلہ اس کے نزدیک بیٹھتی ہوئی محبت سے بولی۔

''شمو تو نہیں سمجھے گی میرے درد کو۔ میں اپنی شناخت' اپنی ممتا کو ہمیشہ کے لئے ذبح کروا کر آئی ہوں' میری کوکھ میں آگ لگی ہوئی ہے' میری ممتا دم توڑ رہی ہے' اب میں ادھوری ہو گئی ہوں۔ ان مصنوعی پھولوں کی طرح جن میں خوشبو نہیں ہوتی' اس بنجر زمین کی طرح جس میں کبھی فصل نہیں اگتی' کبھی پھول نہیں کھلتے۔'' وہ تکیے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

''آپی روؤ تو نہیں۔'' شائلہ سے وہ چپ نہیں ہوئی تو اس نے بھی اس سے لپٹ کر رونا شروع کر دیا۔ تابندہ بھاگ کر صحن سے خورشید بی بی کو بلا لائی۔

''شائلہ چلو منہ ہاتھ دھوؤ جا کر۔ بہن کو خاموش کرانے کے بجائے خود بھی رونے لگیں۔'' انہوں نے اندر آ کر شائلہ کو باہر بھیجا اور خود افشاں کے آنسو اپنے دوپٹے سے صاف کرنے لگیں۔

''افشاں! تو تو میری سب سے زیادہ سمجھدار اور صابر بیٹی ہے۔ مجھے فخر ہے' اپنی بیٹی پر اگر تو ہمت ہار دے گی تو سوچ میرا کیا ہوگا۔'' وہ اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''امی! مجھے اپنے بچے کے کھو جانے سے زیادہ دکھ اظہر کے بدلتے رویے کا ہے اگر وہ مجھے سہولت سے سمجھا دیتے کہ وہ اب مزید بچے نہیں چاہتے تو میں اتنی بے حیثیت تو خود کو نہیں سمجھتی مگر انہوں نے مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کی اور کہنے لگے۔ میں نہیں چاہتا اس گھر میں کسی اور بچے کا اضافہ ہو اور میرے بچوں کا حق چھن جائے۔ تم اپنے بچے میں لگ جاؤ اور میرے بچے لاوارثوں کی طرح در در کی خاک چھانیں۔ اس سے پہلے کہ بات حد سے بڑھ جائے جا کر اپنی ماں کے ہاں اس قصے کو ہمیشہ کے لئے دفن کرا آؤ۔ ان کا لہجہ' کتنا سنگین' کتنا بے رحم تھا۔ جیسے کہ وہ بچہ میرا اور صرف میرا تھا۔ اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔'' اس کا دل جیسے کٹ کٹ کر آنسوؤں میں بہہ رہا تھا۔ اس کی زرد صورت پر حزن وملال جیسے ثبت ہو گئے تھے۔

''بیٹا! اظہر کا کہنا بھی درست ہے۔ عورت اپنے بچے کے سامنے دوسرے بچے کو اہمیت نہیں دے سکتی۔ اب جو کچھ ہوا' اسے رضائے الٰہی سمجھ کر صبر کرو۔ اچھی بیوی' شوہر کی خوشی کے لئے اپنی سب خوشیوں' ساری خواہشات قربان کر کے اس کی نگاہوں میں اونچا مقام حاصل کرتی ہے۔ اب تم دیکھنا' وہ پہلے سے بھی زیادہ تمہارا خیال رکھے گا' تمہیں چاہے گا۔'' بیٹی کی بے بسی پر ان کا دل ٹکڑے ہو رہا تھا مگر وہ اسے سمجھانے میں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے اظہر کے کہنے پر ابارشن تو کروا لیا تھا اور ہمیشہ کے لئے اپنی کوکھ ویران کر دی تھی مگر اپنے اندر پیدا ہونے والے اس آفاقی لازوال اور قدرتی جذبے کو نہ کچل سکی تھی جو ماں کے اندر خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کی کوشش تھی افشاں' اظہر سے بددل نہ ہو جائے۔ انہوں نے ان تین دنوں میں اظہر کو بھی بہت اداس وغمگین دیکھا تھا۔ وہ صبح شام افشاں کی خاطر یہاں چکر لگاتا' اس کی پسند کی ڈھیروں چیزیں لے کر آتا مگر افشاں اسے دیکھ کر ایسے بن جاتی' جیسے سو رہی ہو۔ اظہر دو مرتبہ بچوں کو لے کر بھی آیا' وہ بچوں سے خوشدلی سے ملی تھی۔ اظہر کی طرف اس نے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ خورشید بی بی اس کا دل اظہر کی طرف سے صاف رکھنا چاہتی تھیں۔

✦ ✦ ✦

''اماں جان! اگر آپ کو جشن غسل صحت منانا ہی ہے تو پہلے آپ کو نبیل اور ان کی بیوی کو قبول کرنا ہوگا۔ انہیں خاندان میں باعزت مقام دینا ہوگا ورنہ میں کوئی خوشی نہیں مناؤں گا۔'' اُسامہ سنجیدگی سے اماں جان سے مخاطب ہوا جو فوزیہ بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی اس کی تندرستی کی خوشی میں خاندان میں ایک شاندار جشن منانے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔

''تم نے فیصلہ کر لیا ہے' میرے فیصلوں سے بغاوت کرنے کا۔'' وہ ناگوار لہجے میں بولیں۔

''بغاوت نہیں ہے اماں جان' سوچیں آپ خود غور کریں' نبیل نے اچھا کام کیا ہے۔ روحیل انکل پہلے ہی اتنے اپ سیٹ رہتے ہیں۔ اب آپ کے فیصلے کی وجہ سے زیادہ ٹینشن کا شکار ہو گئے ہیں اور چچی جان بیمار رہنے لگی ہیں۔ ان کی پوری فیملی اپ سیٹ ہو کر رہ گئی ہے۔''

''اماں۔ آپ اپنے فیصلے پر ایک مرتبہ نظر ثانی کر لیں۔ نبیل کے اس طرح خاندان سے باہر نکال دینے سے ماحول کشیدہ سا ہو گیا ہے' فوزیہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے پہلی دفعہ زبان کھولی۔

''میں ہی غلط ہوں۔ میں ہی باپ اور اولاد میں جدائی ڈلوانے والی ہوں۔ نمازیں پڑھ پڑھ کر میرے مرجانے کی دعائیں مانگو۔''

''اماں جان!'' اُسامہ نے بے ساختہ ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا جسے انہوں نے جھٹکے سے ہٹا دیا۔

''میری زندگی میں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ گھوڑا اور گدھا کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ آج تمہاری یہ ضد پوری کروں' کل تم کوئی اور سفارش لئے چلے آنا اور اس طرح میں مخمل میں ٹاٹ کے پیوند لگاتی چلی جاؤں۔'' وہ اس وقت بہت خود غرض اور اپنے اعلیٰ حسب نسب پر حد درجہ مان وغرور کرنے والی ہستی لگ رہی تھیں۔ اُسامہ کو ان کا یہ روپ ایک نظر نہ بھاتا تھا۔ بظاہر بہت متقی' پرہیزگار' عبادت گزار اور ضرورت مندوں کا خیال رکھنے والی' بے تحاشا زکوٰۃ وخیرات کرنے والی خدا ترس اور نیک دل خاتون تھیں مگر جہاں بات ان کی خاندانی آن بان کی آتی وہ بڑی کٹھور' سنگدل' بے حس اور پتھر بن جایا کرتی تھیں جس سے ٹکرانے والا خود تو لہولہان ہو جاتا مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

✦ ✦ ✦

''جب پروفیسر ارشد کلاس میں آنے کے بعد آئیں' بائیں شائیں کرنے لگیں تو سمجھ لو وہ مضمون کی تیاری کر کے نہیں آئے ہیں۔'' کلاس روم سے نکلتے ہوئے نادر نے حیدر کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔ خاص طور پر اُسامہ کی موجودگی میں تو تمام پروفیسرز ہی بہت سنبھل کر بولتے ہیں۔'' حیدر ساتھ چلتے ہوئے اُسامہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''یہ بڑے بھائی ان کی معمولی سی غلطی پکڑ کر جو بحث شروع کر دیتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے' پروفیسرز ان سے لیکچرز سننے آئے ہیں۔'' راحت ہنستا ہوا بولا تو وہ دونوں بھی ہنس پڑے۔

''ظاہری بات ہے۔ اب ہم باشعور ہیں' کوئی نرسری میں پڑھنے والے معصوم بیوقوف بچے تھوڑی ہیں جو ٹیچر آ کر اسے الٹا سیدھا پڑھا دے تو ہم پڑھ لیں گے کیا؟''

''پروفیسرز کو کلاس اٹینڈ کرنے سے پہلے مکمل تیاری کرنی چاہئے۔ ایسی بھی کیا بے پروائی کہ پیریڈ تو پولیٹکس ہسٹری کا ہے اور وہ یہاں قصہ گل بکاؤلی چھیڑے ہوئے ہیں۔ یہ سب سسٹم کی خرابی ہے۔ لوگوں کے دلوں سے انصاف وایمان کا خوف ہی غائب ہو چکا ہے۔ نہ کوئی اپنے مذہب سے مخلص ہے' نہ وطن سے اور نہ ہی اپنے پیشوں سے۔'' اُسامہ کڑوے لہجے میں بولا۔

''تم سے تو بات کرنا ہی غضب ہے۔ سیاست پر کیا چھائے ہو کہ اب ہر وقت تقریر کے موڈ میں رہتے ہو۔'' حیدر اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

''یہی تو ہماری بدقسمتی ہے۔ درست راہ دکھانے والی بات کو ہم سیاست کا رنگ دے دیتے ہیں۔''

''ہم تو تمہاری طرف سے کوئی زبردست پارٹی کا انتظار کر رہے تھے۔'' حیدر لان میں ان کے ساتھ گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''تم ہر وقت ایسے ہی خواب دیکھتے رہنا۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''یار بتاؤ تو سہی۔ اس دن جمشید خان سے کیا معاملہ ہوا تھا؟'' حیدر تجسس سے بولا۔

''تمہیں کس طرح معلوم ہوا اس واقعہ کا۔'' اُسامہ سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

''وہ مس نوا سموکنگ بہت گھبراہٹ اور پریشانی میں تمہاری کار سے برآمد ہوئیں اور انہوں نے ایک معمہ پیش کر دیا۔ اُسامہ لڑائی' جمشید خان۔'' اور اس وقت ان کی جو حالت تھی' اس نے فوراً ہی صورت حال کو واضح کر دیا اور جب ہم وہاں پہنچے تو تم بہت زخمی تھے۔ جمشید خان غائب تھا اور اس کے زخمی ساتھی بے ہوش پڑے تھے۔'' حیدر گھاس پر لیٹتے ہوئے بولا۔

''اب بتاؤ' اس دن لڑائی کس وجہ سے ہوئی تھی؟'' نادر اُسامہ کا سوال گول کرتے دیکھ کر بولا۔

''تم جمشید خان کی طبیعت اور حرکتوں سے واقف نہیں ہو کیا۔ اور اس بات سے بھی واقف ہو کہ وہ بہت عرصے سے لائبہ کو تنگ کر رہا تھا اور اس نے اس دن بھی یہی حرکت کی تھی اور مجھے فون پر انفارم بھی کر دیا تھا۔ اس طرح میں وہاں پہنچ گیا اور اس کا بیہودہ انداز گفتگو مجھے ہاتھ اٹھانے پر مجبور کر گیا۔'' اس نے گول مول کر کے انہیں بتایا۔ ''کیا ہوا۔ تم لوگ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔'' اُسامہ نے ہونٹوں سے سگریٹ نکال کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا جو معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''حیدر تم نے بھی وہی سنا جو میں نے سنا ہے۔'' نادر مسکرا کر بولا۔

''نہیں' نہیں ہم تینوں نے ہی درست سنا ہے۔ ایک دن ایسا آنا ہی تھا۔'' راحت شوخی سے بولا۔

''یہ تم لوگوں نے کیا پہیلیاں شروع کر دی ہیں۔'' اُسامہ ان تینوں کو گھورتے ہوئے بولا۔

''مس نور کو لائبہ نور بننے میں عرصہ تو بہت لگا مگر بزرگ کہتے ہیں۔ در آید درست آید۔ یعنی جلدی کا کام ناپائیدار ہوتا ہے۔ سوچ سمجھ کر کیا جانے والا کام مضبوط اور پائیدار ہوتا ہے۔ لائبہ نور تمہارے ہونٹوں سے نکل کر اس نام میں بڑی کشش پیدا ہو گئی ہے۔''

''مس نور کیسا غیر رومانٹک اور سادہ سا نام لگتا ہے۔'' حیدر کو چہکنے کا پورا موقع مل گیا تھا۔

''تم لوگوں سے بعض دفعہ بات کرنا عذاب بن جاتا ہے۔ فضول باتیں کرتے ہو۔'' وہ سگریٹ سائیڈ میں اچھال کر غصے سے بولا۔ جھنجلاہٹ اسے خود پر تھی جو بے دھیانی میں لائبہ کا نام ان کے سامنے لے لیا تھا۔ گزشتہ دنوں وہ اس کے حواسوں پر چھائی ہی اس طرح تھی کہ وہ جو تنہائی میں اس سے اسی نام سے مخاطب ہوتا تھا وزبان پر رواں ہونے کی وجہ سے اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا اور انہیں تو ایسے ہی موقع کی تلاش رہتی تھی۔

''ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں ڈیئر' ہم سے تمہارے یہ بدلے بدلے انداز بھلا کہاں چھپ سکتے ہیں۔ ہم اس فیلڈ میں چیمپئن ہیں۔ چہرہ دیکھ کر ہی اندر کا حال جان لیتے ہیں۔ ویسے بھی دوستوں سے ایسی باتیں چھپایا نہیں کرتے۔'' نادر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''فائنل سمسٹر ز ہو رہے ہیں۔ اگلے مہینے سے فضول گپ بند کرو اور ایگزامز کی تیاری شروع کر دو۔'' وہ بھی اُسامہ ملک تھا۔ مضبوط قوت ارادی اور قول کا پکا۔ اتنی جلدی وہ یہ راز ان پر کیسے عیاں کر سکتا تھا جس حقیقت کو اس نے بہت جدوجہد کے بعد قبول کیا تھا۔

''ہاں یار معلوم ہے۔ بہت ڈھیٹ انسان ہو تم۔ اتنی جلدی کھل ہی نہیں سکتے۔ خیر ہماری نیک دعائیں تمہارے ساتھ ہیں مگر تمہیں ٹریٹ تو دینی پڑے گی' اس سے تم جان نہیں چھڑا سکتے۔'' حیدر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''اچھا بابا پرل میں ڈنر منظور ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جان چھڑائی۔ وہ تینوں ہرا کا نعرہ لگاتے ہوئے اس سے لپٹ گئے۔

✦ ✦ ✦

''ماما! کیا بات ہے' آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں۔'' لائبہ یونیورسٹی سے آئی تو سکینہ بیگم کو حسب معمول اپنے آنے کے وقت گیٹ پر موجود نہ پا کر وہ بہت حیران ہوئی۔ ملازمہ سے استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ اس کے جانے کے بعد سے اپنے کمرے سے باہر نکلی ہی نہیں۔ وہ پریشانی سے ہاتھ میں پکڑی فائلیں اور بیگ ملازمہ کو دے کر سیدھی ان کے کمرے میں آ گئی۔ انہیں بیڈ پر لیٹے دیکھ کر وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی جو اسے دیکھ کر مسکرانے لگی تھیں۔

''سر میں درد ہو رہا تھا اس لئے لیٹ گئی تھی۔'' وہ اٹھتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔

''نہیں آپ لیٹی رہیں۔'' وہ آگے بڑھ کر انہیں بیڈ پر دوبارہ لٹاتے ہوئے بولی۔ ''آپ سر میں درد کی وجہ سے تو نہیں لیٹ سکتی البتہ کوئی اور تکلیف ہے جسے آپ مجھ سے چھپا رہی ہیں۔'' اس کی پریشان نگاہیں ان کے چہرے پر چپکی ہوئی تھیں جو مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔

''آپ سے چھپا کر کیا کروں گی۔ پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں ہے جان۔''

''یہ آپ کے ماتھے پر پسینہ کیوں آ رہا ہے۔ دیکھیں آپ کے ہاتھ بھی کانپ رہے ہیں۔ ماما میرا دل کہہ رہا ہے' کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے۔ کوئی بات ضرور ہے' میں ابھی شوفر سے ڈاکٹر رضا کو بلواتی ہوں۔'' لائبہ کے لہجے میں وحشت در آئی تھی۔ وہ بدحواس سی انٹرکام کی طرف لپکی تھی۔

''لائبہ میری جان! مت پریشان ہو۔ میں ٹھیک ہوں۔ بڑھیا ہو گئی ہوں کمزوری محسوس تو ہو گی۔ کتنی خوش نصیب تھی آپ کی ماں جس نے ایک انمول ہیرے کو جنم دے کر میری جھولی میں ڈال دیا۔ اتنا ہمدرد اور محبت کرنے والا دل اب تو آپ جیسے خوش نصیبوں کے پاس ہوتا ہے۔ بہت خوش نصیب ہوں' میں بھی جو آپا ہو کر بھی سگی ماں جیسا پیار حاصل ہے۔''

''آپا کہہ کر آپ میرے احساسات کو لہولہان نہ کیا کریں۔ آپ نے مجھے اتنا پیار دیا اتنی زیادہ کیئر تو میری ماں بھی شاید نہ کرتیں۔ ماں' باپ' بہن بھائی' دوست یہ سب رشتے' سب کی محبت مجھے صرف آپ کی تنہا ہستی سے ملی ہے۔ میں جسم ہوں تو آپ میری روح ہیں ماما آپ کے بغیر تو میں کبھی خود کو مکمل نہیں سمجھتی۔ آپ کے دم سے ہی میں ہوں ماما۔'' وہ ان کا کمزور ہاتھ اپنی گیلی آنکھوں سے لگاتی ہوئی عقیدت بھرے لہجے میں بولی۔

''ایسا نہیں سوچتے جان۔ ابھی تو آپ کو زندگی کی مہکتی بہاریں دیکھنی ہیں۔ نشاط کی کلیاں چننا ہیں۔ میرا وجود تو آندھی میں جلتے چراغ کی مانند ہے جو کسی بھی لمحے بجھ جائے گا۔'' وہ اسے بہت ہمت سے سمجھا رہی تھیں مگر لائبہ کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ ضبط ہار گئی تھیں۔ آنسو تیزی سے نکل کر تکیے میں جذب ہونے لگے تھے۔

✦ ✦ ✦

''اے باد صبا جب ادھر سے گزرنا۔ کرتا ہے تجھے یاد کوئی اتنا اسے کہنا۔'' فاران دیوار کو گھورتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔ وہ اصغر صاحب کی عزت بھی بہت زیادہ کرتا تھا۔ کیونکہ وہ بہت بہترین باپ تھے۔ ہمیشہ اولاد کی فلاح کے لئے سوچنے والے۔ وہ صالحہ بیگم کی طرح دہری طبیعت رکھنے والے نہیں تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اولاد کی خواہش کو اولیت دی تھی اور یہی وجہ تھی' ماں سے پیار کرنے کے باوجود وہ کبھی ان سے قریب نہ ہو سکے تھے۔

''او مجنوں کے گدی نشین! کیا دیوار میں سے تا بندہ نکل کر آ جائے گی۔ جو تو مستقل دیوار کو پلک جھپکائے بغیر دیکھ رہا ہے۔'' صالحہ بیگم جو بہت دیر سے کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اچانک بولیں۔ وہ اس کے تصور میں اتنا گم تھا کہ ان کی آہٹ محسوس نہ کر سکا۔ اب اچانک ان کی طنزیہ گرج دار آواز سن کر چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''ممی! جب فرہاد پہاڑ سے دودھ کی نہر لا سکتا ہے تو میری محبت کی طاقت تا بندہ کو دیوار سے برآمد کر سکتی ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔ حسب توقع وہ آتش فشاں کی طرح پھٹی تھیں۔

''ارے ایسا کیا گھول کر میرے بچے کو ان جادوگرنیوں نے پلا دیا جو اس کی آنکھوں سے ماں باپ کی حیا اڑ گئی۔ بے غیرت' ماں کو محبت کی طاقت دکھا رہا ہے۔''

''ممی! ممانی جان تو بہت اچھی ہیں۔ ماموں جان کے غیر ذمے دارانہ رویے کے باوجود انہوں نے اپنے بچوں کی اعلیٰ تربیت کر رکھی ہے۔ گھر کا نظام بھی بہت سلیقے سے سنبھال رکھا ہے۔''

''بس' بس میرے سامنے ان کی بڑائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل رقیہ کا فون آیا تھا۔ حسنہ کی منگنی انہوں نے وہاں سے توڑ دی ہے۔ بہت لالچی لوگ تھے وہ اور میں نے تمہاری وہاں بات پکی کر دی ہے۔ اگلے مہینے بارات لے کر وہاں جانا ہے اگر تم نے کوئی من مانی کرنے کی کوشش کی تو دیکھ لینا' تم میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے۔'' وہ اپنی بات ختم کر کے اطمینان سے چلی گئیں۔ فاران شدید صدمے سے پتھر کا بن گیا تھا۔ اس کے گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی اور اپنی ماں کی انتہا پسند طبیعت کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

✦ ✦ ✦

''ہیلو۔ کیسی ہیں آپ؟'' لائبریری میں بیٹھی مطالعہ کرتی لائبہ نے دلکش بھاری آواز سن کر بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا۔ گرے پینٹ اور براؤن یلو شرٹ میں وہ عام دنوں سے زیادہ وجیہہ لگا۔ لائٹ براؤن ریڈ گلاسز میں پوشیدہ اس کی آنکھیں اسے اپنے چہرے پر چپکی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''آ...... آ...... آپ۔'' وہ شدید بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی تھی۔

''جی میں۔ انسان ہوں کوئی بھوت نہیں جو آپ اس قدر خوفزدہ ہو گئی ہیں۔'' وہ دلچسپی سے اس کی گلابی رنگت کے بدلتے ہوئے دلکش رنگ دیکھ رہا تھا اور اس کی کیفیت بھی سمجھ رہا تھا۔

''نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔

''آپ اس قدر مجھ سے چھپ کیوں رہی ہیں۔ آپ نے یونین سے ریزائن ایگزامینیشن کی وجہ سے دیا ہے' کوئی چوری تو نہیں کی۔'' اس کا لہجہ بدستور دھیما اور خوبصورت تھا۔

''نہیں' میں آپ سے کیوں چھپوں گی۔ یہ بات تو پہلے سے طے تھی کہ میں وہاں عارضی طور پر کام کروں گی۔ اب مجھے ضرورت تھی تو میں نے ریزائن کر دیا۔''

وہ اس سے فاصلے پر کرسی کے پاس کھڑا تھا۔ لائبریری طلبہ سے امتحانات کی وجہ سے بھری ہوئی تھی۔ اکثر طلبہ کی نگاہیں ان دونوں کی طرف تھیں۔ لائبہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا اس بے مصرف گفتگو کرنے سے کیا مطلب تھا۔ مستزاد اس کی نگاہوں کی تپش اسے نروس کر رہی تھی۔ شاید اسی کمزوری کو چھپانے کے لئے ڈارک گلاسز استعمال کئے گئے تھے مگر اس کی نسوانی حس اس تپش سے کیسے ناآشنا رہ سکتی تھی۔ یہ بھی عجیب صورت حال تھی۔ جب وہ بدمزاجی کا مظاہرہ کرتا تھا تو اس کی زبان زہر اگلنے لگتی تھی۔ اب وہ شگفتہ مزاجی سے بات کر رہا تھا تو اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اس کی جھکی نگاہیں ایک لمحے کو بھی اوپر نہیں اٹھ سکی تھیں۔

''اوکے آپ اسٹڈی کریں۔'' وہ آہستہ سے کہہ کر اگلی میزوں کی طرف بڑھ گیا۔

✦ ✦ ✦

''افتخار بھائی! آپ میری پریشانی کو سمجھیں۔ میں ٹھیک نہیں ہوں۔ نہ جانے کب زندگی روٹھ جائے۔ لائبہ کی تنہائی اور اس کے مستقبل کی بے یقینی مجھے مرنے کے بعد بھی سکون نہیں لینے دے گی۔ خدا کے لئے لائبہ کے مستقبل کے لئے کچھ کریں۔ اس نے آدھی زندگی محرومیوں اور خوابوں کے سہارے گزاری ہے۔ اب بھی اگر اسے......''

''کیا ہو گیا ہے میڈم سکینہ۔ ماشاءاللہ آپ تندرست ہیں۔ انشاءاللہ کچھ نہیں ہو گا آپ کو۔'' افتخار صاحب کپ ٹرالی میں رکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھی سکینہ بیگم سے بولے۔

''کچھ عرصے سے میرے سینے میں دائیں طرف درد اٹھنے لگا ہے۔ میں لائبہ سے یہ بات چھپاتی آئی ہوں۔ وہ مجھ سے جتنی محبت کرتی ہیں اور جتنا مجھے چاہتی ہے۔ اس کا اندازہ مجھے ہے اور میں نہیں چاہتی میری ذات بھی اس کے لئے دکھوں کی چادر بن جائے لیکن' لیکن میں' مجھے لگ رہا ہے۔ میں اب زیادہ دنوں تک زندہ......'' ان کی

آواز پر آنسو غالب ہوگئے تھے اور وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

''میڈم! میڈم پلیز! آپ تو بہت بہادر خاتون ہیں۔ آپ نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔ فوراً آپ کا چیک اَپ ہو جاتا اور دوبارہ یہ شکایت نہیں ہوتی۔ چلئے اب بھی زیادہ ٹائم نہیں گزرا ہے' ہم ابھی چیک اپ کروا کر آجاتے ہیں۔ ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہوگی۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولے۔

''نہیں' میں موت سے نہیں ڈرتی جسے اپنے وقت پر بہر حال آنا ہے' اس سے ڈرنا کیسا۔ میں لائبہ کی طرف سے پریشان ہوں۔ میرے بعد کون انہیں سنبھالے گا۔ وہ موتیوں کی مالا کی طرح بکھر کر رہ جائیں گی۔ آپ سر کو انفارم کر دیجئے۔ زندگی ریت کی طرح میرے ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی ہے۔'' وہ ساڑی کے پلو سے اپنا گیلا چہرہ صاف کرتی ہوئی بولیں۔

✦ ✦ ✦

''یہ تم کمپنی کے کام سے بہت زیادہ باہر رہنے لگے ہو انور۔ ایسا کیا کام ہے' میں سوچ سوچ کر تھک گئی ہوں مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا۔'' خورشید بی بی کھانا کھاتے ہوئے انور سے تشویش سے بولیں۔ جو ایک ہفتے بعد صبح گھر آیا تھا۔

''کیوں پریشان ہوتی ہو۔ بتا کر تو جاتا ہوں۔ آج کل میں خوب محنت سے پیسہ جمع کرنے میں لگا ہوا ہوں تاکہ کسی اچھے علاقے میں بڑا گھر لے سکوں اور بہنوں کی شادیاں اچھے لوگوں میں کر سکوں۔'' وہ کھانے کی ٹرے اپنے آگے سے سرکاتا ہوا بولا۔

''بیٹا! اچھے رشتے بڑے گھر دیکھ کر تھوڑی آتے ہیں۔ یہ سب قسمت کے کھیل ہوتے ہیں۔''

''وقت بدل چکا ہے۔ لوگ اب خاندانی شرافت نہیں ظاہری ٹپ ٹاپ دیکھتے ہیں۔''

''وقت کیا بدلا کہ شرافت و نجابت ہی ختم ہوگئی ہے۔ ہیروں کی مانند لڑکیاں ماں باپ کی غربت کی وجہ سے بوڑھی ہو جاتی ہیں یا ایسے شوہر ان کے نصیب میں ہوتے ہیں جنہیں بیوی کی شکل میں گھر سنبھالنے اور بچے پالنے والی آیا کی صورت میں بیوی چاہئے ہوتی ہے۔''

''بے فکر رہو ماں۔ اب میری کسی بہن کا حال افشاں آپا جیسا نہیں ہوگا۔ یہ سب اس آدمی کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ اگر ہمیں یوں یتیموں کی طرح چھوڑ کر نہیں جاتا تو آج ہم بھی اس معاشرے کے باعزت لوگ ہوتے۔'' اس نے سامنے چھوٹے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' جہاں اجمل صاحب اپنا نشہ پورا کرنے میں مصروف تھے۔ اس کے لہجے میں' آنکھوں میں شدید ترین نفرت تھی۔

''ایسا نہ بولا کرو بیٹا' وہ تیرا باپ ہے۔'' وہ آہستہ سے بولیں اور شائلہ کو آوازیں دینے لگیں تاکہ وہ کھانے کے برتن اٹھا کر لے جائے۔

✦ ✦ ✦

''آیئے سر۔'' اُسامہ نے ہاتھ میں پکڑا بوکے اس ملازم کے ہاتھ میں دے دیا اور اس کی رہنمائی میں چلتا ہوا رستم زمان کے روم میں داخل ہوگیا جہاں بیڈ پر نیم دراز وہ اسے اندر آتے دیکھ کر مسرت سے کھل اٹھے تھے۔

''وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے۔'' وہ بہت خوشی اور محبت سے اس سے گلے مل رہے تھے۔ اُسامہ ان کی اس پذیرائی سے شرمندہ سا ہوگیا تھا۔

''زمان ڈیئر۔ یہ شعر بہت ضعیف ہوگیا ہے' آپ کی طرح۔ اسے ہم یوں پڑھیں گے۔ وہ آئے دل میں ہمارے یہ ان کی قسمت ہے۔'' سامنے ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھ کر ایک شعلہ اُسامہ کی طرف بڑی پھرتی سے بڑھا تھا۔ اُسامہ کی حیرانی سے اٹھی ہوئی نگاہیں فوراً ہی جھک گئی تھیں۔ اورنج ستاروں سے چمکتی ساڑی میں ملبوس مختصر ترین بلاؤز پہنے حسین چہرے پر تازے میک اپ کی چمک لئے وہ بے باکی سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''گڈ جوک' آپ کی یہی زندہ دلی ہمیں کبھی بوڑھا محسوس ہونے نہیں دیتی۔'' رستم ہنستے ہوئے خوشدلی سے بولے۔ ''یہ ہماری وائف ہیں۔ ساحرہ رستم زمان۔'' وہ اُسامہ سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے بولے۔'' ساحرہ' اُسامہ ملک کا تعارف کروانا تو گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے اور معذرت کر کے باتھ روم کی طرف بڑھ گئے۔

''نائیس ٹو میٹ یو ریئلی۔ اُسامہ ملک۔'' وہ اپنا نازک مرمریں سفید ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شیریں لہجے میں بولی۔

''السلام علیکم۔'' وہ اپنے مخصوص خشک سرد لہجے میں اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر کے اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''اوہ! آپ بھی مردوں کی اس صف میں شمار ہوتے ہیں جو عورت سے ہاتھ ملانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔'' وہ بڑی کاٹ دار مسکراہٹ سے مخاطب تھی۔

''ہمارا معاشرہ اسلامی تہذیب کا علم بردار ہے۔ میں بھی مذہب کے معاملے میں بہت حقیقت پسند ہوں یا آج کل کے ماڈرن کلچرڈ کے سامنے بیک ورڈ ہوں۔'' وہ مطمئن انداز میں بولا۔

''حقیقت پسند انسان وہی ہوتا ہے جو وقت اور ماحول کے مطابق خود کو تبدیل کر لے۔'' اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ کھنک دار لہجے میں بولی۔

''یہ حقیقت پسندی نہیں۔ میرے افکار کے مطابق منافقت ہے۔''

''اب تو آپ کا یہاں آنا رہے گا ہی پھر ہم ایک دوسرے کے خیالات سے روشناس ہو جائیں گے۔ وہ ہنستی ہوئی ایک ادا سے ساڑی کا پلو سنبھالتی ہوئی بولی جو اس کے سفید مومی جسم سے پھسلے جا رہا تھا اور مرکری لائٹوں کی روشنیوں میں اس کا جسم اپنی پُر فریب رعنائیوں کے ساتھ اورنج مختصر بلاؤز میں مقابل کے لئے مکمل دعوت نظارہ دے رہا تھا۔ ساڑی کا پلو اس کے ہاتھ سے پھسل رہا تھا جسے وہ ایک ادا سے سنبھالتی مگر دوسرے لمحے پلو قالین پر لٹک رہا ہوتا۔ اُسامہ شدید کوفت میں مبتلا تھا' نگاہیں جھکائے بیٹھا اس کے سوالوں کا جواب بھی دے رہا تھا مگر وہ اس کی ان حرکتوں کو کوئی نام نہ دے سکا تھا۔

''معاف کرنا بھئی۔ کچھ زیادہ وقت لگ گیا' مجھے باتھ روم میں۔'' رستم زمان کمرے میں آتے ہوئے بولے۔ اُسامہ احتراماً کھڑا ہوگیا تھا۔ انہیں دیکھ کر ساحرہ نے جلدی سے ساڑی کے پلو کو اس طرح اپنے گرد لپیٹا کہ پورا جسم چھپ گیا تھا۔ اُسامہ اس کی مکاری پر ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

''زمان ڈیئر! آپ تو کہتے تھے' اُسامہ ملک کے آگے سب کی بولتی بند ہو جاتی ہے مگر ہمارے سامنے تو ان کا الٹا حساب ہوا ہے۔'' وہ بہت لگاوٹ بھرے لہجے میں ان سے مخاطب ہوئی۔

''آپ کے سامنے تو ہماری بھی بولتی بند ہو جاتی ہے۔ یہ تو ابھی نیو انٹری ہیں۔'' زمان صاحب ہنستے ہوئے بولے۔

''ہوں۔ یہ تو ہے۔'' وہ دلنشیں انداز میں مسکرائی۔

''کیا ہوا تھا سر آپ کو؟'' میں یونیورسٹی سے آیا تو ممی نے آپ کا پیغام دیا کہ آپ نے رنگ کر کے بتایا ہے آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ آپ سے فوراً ملوں۔'' اُسامہ موضوع بدلتا ہوا بولا۔

''یہ آپ کو غریب خانے پر بلوانے کے بہانے تھے۔ آپ اتنے عرصے سے محفل سے جو غائب تھے۔ ایکسیڈنٹ کی وجہ سے پھر ماشاءاللہ صحت کے باوجود آپ آئے نہیں تو ہم پریشان ہوگئے اور ذہن میں یہی خیال آیا کہ یہی طریقہ ہو سکتا ہے' آپ سے شرف ملاقات کا۔'' وہ تفصیل بتاتے ہوئے بولے۔

''آپ سے ملاقات کا تو میں بھی سوچ رہا تھا مگر اسپتال میں اتنا ٹائم ویسٹ ہوگیا تھا پھر اگلے ماہ سے ایگزام بھی شروع ہونے والے ہیں' اس وجہ سے یونین کا بھی کام بہت بڑھ گیا ہے۔ انہی مصروفیات میں آپ کے لئے ٹائم نہ نکل سکا تھا۔''

''ایگزام تو آپ جیسے ذہین انسان کے آگے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ آپ کو رٹے لگانے کی ضرورت تو نہیں ہوتی ہوگی بلکہ ایک نظر کی اسٹڈی ہی آپ کے ذہن کے لئے کافی ہوتی ہوگی۔''

''یہ آپ کی محبت ہے سر۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''ساحرہ! کافی وغیرہ کچھ نہیں پلاؤ گی اُسامہ کو۔'' زمان خاموشی سے ناخنوں کا جائزہ لیتی ہوئی ساحرہ سے بولے۔

''سر! اس وقت کوئی تکلف نہیں چلے گا۔ میں کھانا کھا کر کافی پی کر آیا ہوں۔'' ساحرہ کے بولنے سے قبل ہی اُسامہ بول اٹھے۔

''کافی پی کر آئے ہیں تو ڈرنک لے لیں' امپورٹڈ بھی ہے۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''ساحرہ! اُسامہ بہت ریزرو انسان ہیں چنانچہ ان سے مذاق نہیں چلے گا۔'' وہ اُسامہ کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں دیکھ کر بولے۔ وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

''مائنڈ نہیں کرنا' دراصل ساحرہ بہت لاڈلی بیوی ہیں میری اور عمر کے حساب سے ان میں ابھی شوخ و چنچل پن بھی بہت ہے اور یقین کرو ان کی شوخ و شنگ طبیعت مجھ پر کبھی بڑھاپا طاری نہیں ہونے دیتی ورنہ میں کبھی اس عمر میں اتنا تازہ دم نہ ہوتا۔'' ساحرہ کے جانے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوئے۔ ان کا لہجہ ساحرہ کی محبت سے چور تھا۔

''گستاخی معاف سر' آپ کی اور آپ کی وائف کی عمر میں بہت فرق ہے۔ کیا آپ کو اپنی ہم عمر خاتون نہیں مل سکیں جو آپ کو ضعیف ہونے کا طعنہ نہ دیتیں اور آپ کی لائف بھی اچھی گزرتی۔'' اُسامہ جو بہت دیر سے محسوس کر رہا تھا وہ کہتا ہوا بولا۔

''آپ کی اسی صاف گوئی اور جرأت مندی نے ہمیں آپ کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ بے شک ساحرہ کی اور ہماری عمروں میں بہت زیادہ فرق ہے لیکن مجبوری یہ تھی ساحرہ میرے بزنس سیکریٹری کی بیٹی ہیں اور نہ معلوم انہیں مجھ بڈھے میں ایسی کیا خوبیاں نظر آئیں جو یہ مجھ پر عاشق ہوگئیں' شروع میں' میں انہیں سمجھاتا رہا' عمروں کا فرق بھی بتایا' معاشرہ کیا کہے گا' یہ بھی سمجھایا مگر ساحرہ کی ایک ہی ضد تھی' ان کے والد بھی اس کے حامی تھے' یوں یہ شادی ہوگئی۔ ہماری شادی کو سات سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر وہ مجھے گزرتے دنوں کے ساتھ بہت جوان اور حسین نظر آرہی ہیں۔ یوں لگتا ہے' گزرتے سال ان کی عمر گھٹاتے جا رہے ہیں۔''

''آج کل کی عورتوں کی عمریں میک اپ کی تہوں میں چھپ جاتی ہیں۔ آپ اب بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑے تھے۔

✦ ✦ ✦

پردیسی کب آؤ گے
سورج ڈوبا شام ہوگئی
تن میں چنبیلی پھوٹی
من میں آگ لگانے والے
میں کب تجھ کو بھولی
کب تک آنکھ چراؤ گے
پردیسی کب آؤ گے
سانجھ کی چھاؤں میں تیری چھایا
ڈھونڈتی جائے داسی
بھرے ما کو میں کھوجے تجھ کو
تن درشن کی پیاسی
جیون بھر ترساؤ گے
پردیسی کب آؤ گے

''یہ شاعری سے تم کو کب سے عشق ہو گیا ہے۔'' ڈاکٹر صاعقہ ڈاکٹرز روم میں بیٹھی کنول سے بولی۔

''مسز سمیہ کی بک رکھی تھی' میں نے ریڈنگ کے لئے اٹھالی۔'' کنول کتاب بند کرتے ہوئے بولی۔

''ہم میں بھی کچھ لوگ باذوق نکل آتے ہیں ورنہ ہمارا پروفیشن فکشن سے بالکل ڈفرنٹ ہے۔''

''بعض شاعر اتنی گہرائی وخوبصورتی سے جذبوں کی ترجمانی کرتے ہیں کہ انہیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے' یہ ہمارے ہی احساسات کا عکس ہے۔'' کنول ابھی تک پردیسی کب آؤگے میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہوں میں انور کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ دل کی ہر دھڑکن اس کا نام پکار رہی تھی۔ وہ پردیسی جو اچانک غائب ہوا تھا اور اب تک لوٹ کر نہیں آیا تھا۔

❖ ❖ ❖

''شاہ! بہت ٹائم ہو گیا ہے۔ اب گھر چلو' ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ہے آج کل۔'' لائبہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے شاہ رخ سے بولی۔

''تمہیں اپنی ماما کی طرف سے وہم ہو گیا ہے' وہ بالکل تندرست ہیں۔ چھوٹی موٹی بیماریاں تو بڑھاپے میں آتی جاتی رہتی ہیں۔''

''تم بھی مجھے ماما کی طرح بہلانے کی کوشش مت کرو۔ میں اچھی طرح محسوس کرتی ہوں' وہ دن بہ دن کمزوری سے زرد پڑتی جارہی ہیں۔ کبھی میرے ساتھ چیک اپ کے لئے نہیں جاتیں۔ ان کی یہ بیماری اور مجھ سے پوشیدگی میرے لئے سوہان روح بنی رہتی ہے۔'' لائبہ کے فکرمند لہجے میں اضطرار اور بے چینی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا تھا۔

''اتنی محبت کرتی ہو اپنی ماما سے۔ اتنی شدید محبت تو ہیر نے رانجھا سے بھی نہیں کی ہوگی۔''

''ضروری نہیں ہر محبت کی بنیاد عشقیہ داستان سے شروع ہو' محبت تو وہ پاک جذبہ ہے جو اللہ سے ہو تو عبادت بن جاتی ہے' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو نور ہدایت بن جاتی ہے' ماں سے ہو تو خدمت بن جاتی ہے اور انسانوں سے ہو تو انسانیت بن جاتی ہے۔ محبت کے بے پناہ روپ ہیں اور اس کا ہر رنگ پاکیزہ اور مقدس ہوتا ہے اور ماما سے میرا رشتہ ایسا ہے جیسے زندگی اور سانس کا۔ ان کے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

لائبہ' ماما کی طرف سے خاصی فکرمند رہنے لگی تھی' ہر چیز سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ ایگزامز تین دن بعد شروع ہونے والے تھے مگر اس نے بہت کم اسٹڈی کی تھی گھر میں دانستہ وہ ماما کی پرچھائیں بنی رہتی۔ ان کے ہر اٹھتے قدم پر اس کی نگاہ رہتی تھی۔ ان کے سونے کے بعد بھی وہ خاموشی سے ان کے چہرے کا جائزہ لیتی اور ان کے زرد چہرے کو اکثر نگاہیں جمائے دیکھتی رہتی۔ اسے ایک وہم ہو گیا تھا جیسے ماما اس سے بچھڑنے والی ہیں۔ اپنے اندر کی اس منحوس آواز کو وہ سختی سے دبا دیا کرتی تھی مگر دل کو عجیب بے قراریوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ اندیشوں اور واہموں میں گھری ان کو یونیورسٹی سے آنے کے بعد اکیلا نہیں چھوڑتی تھی۔ ان سے بھی اس کی یہ حالت چھپی ہوئی نہیں تھی۔ وہ شاید خود بھی اسے خود سے زیادہ قریب رکھنا چاہتی تھیں۔

آج شاہ رخ گھر پر آیا تو اس نے لائبہ سے آؤٹنگ پر چلنے کو کہا۔ اس نے منع کر دیا تھا مگر ماما نے زبردستی اسے ساتھ بھیجا اور ان کے بے حد اصرار پر اسے مجبوراً شاہ رخ کے ساتھ آنا پڑا۔ شاہ رخ اسے کلفٹن لے آیا تھا۔ وہاں وہ اس کے ساتھ مختلف جھولوں میں بیٹھی۔ کچھ دیر وہاں کی سیر کی اور ریستوران میں چاٹ وغیرہ کھانے کے بعد وہ یونہی کار لمبی لمبی سڑکوں پر دوڑاتا رہا تھا اور اپنی پرمزاح باتوں سے اسے ہنسانے کی بھی کوشش کرتا رہا تھا مگر وہ بے دلی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی تھی۔

''مجھے لگ رہا ہے' تم میرے ساتھ آنا نہیں چاہ رہی تھیں مگر مجبوری سے آئی ہو۔''

''مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔ تمہارا خیال درست ہے مگر ماما نے اصرار کیا تو مجھے آنا پڑا' بلکہ مجھے محسوس ہو رہا ہے' ماما نے تمہیں فون کرکے پہلے ہی یہ پلاننگ کر لی تھی۔''

''تم مسلسل واہموں کا شکار ہو رہی ہو مسز' اور سیانے کہتے ہیں' وہم کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔'' شاہ رخ مسکراتا ہوا بولا۔

''اچھا اب گھر چلو۔ تم اپنے ساتھ طوبیٰ کو لے آتے تو میں بور تو نہیں ہوتی۔'' وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے بولی۔

''میری موجودگی میں بوریت۔ یہ ناممکن ہے۔ تم بدذوق ہو' شاہ رخ کی ایک نظر عنایت کے لئے تو لڑکیاں خوار رہتی ہیں اور ایک تم ہو۔''

''وہ لڑکیاں بالکل عقل سے پیدل ہوتی ہوں گی۔'' لائبہ اسے چڑاتے ہوئے بولی۔

''وہ سے کیا مراد ہے! لڑکیاں تو ساری ہی......''

''میرے سامنے ہرگز بکواس مت کیا کرو۔'' لائبہ اس کا جملہ مکمل ہونے سے قبل ہی اس کی پشت پر مکا مارتے ہوئے بولی۔

''ارے' یہ کار تم نے کہاں روک دی ہے۔'' لائبہ اسے کار ایک سرسبز وشاداب وسیع لان کے درمیان کھڑی اس وائٹ ماربل کی محل نما عمارت کے گیٹ کے سامنے روکتے ہوئے حیرانی سے بولی۔ گیٹ شاید ریموٹ کنٹرول کے ذریعے خود بخود کھل گیا تھا اور سرخ روش پر لان کی خوبصورتیاں عیاں ہو گئی تھیں۔

''اُسامہ سے ایک ضروری کام ہے' ذرا وہ معلوم کرلوں۔ پھر دس منٹ بعد واپس چلیں گے۔''

''کیا......!'' یہ شاہ کہاں لے آیا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' اسے شدید غصہ اس کی اس حرکت پر آیا تھا۔

''تم سے میرا پہلے کوئی پروگرام نہیں تھا۔ مجھے اچانک ابھی یاد آیا ہے اور کام ضروری ہے اگر دیر ہوئی تو پھر نہ ہو سکے گا۔'' شاہ اس کے تیور دیکھ کر سچ مچ بوکھلا گیا تھا۔

''اچھا' اتنا ضروری کام ہے تو تم کار اندر نہیں لے جاؤ گے۔ میں یہاں بیٹھی ہوئی ہوں' تم جلدی سے آؤ۔'' وہ اس کے ہاتھ سے چابی لیتی ہوئی ناگوار لہجے میں بولی۔

''کیسی باتیں کرتی ہو' اندر جانے میں کیا حرج ہے۔ یہاں بیٹھی ہوئی اچھی لگو گی۔''

''تم جاؤ' یہ میرا مسئلہ ہے۔ میں یہاں بیٹھی کیسی لگوں گی۔ تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''کبھی تو مجھے لگتا ہے' تم انسان نہیں جن ہو۔'' وہ کار سے نکلتے ہوئے بولا۔

''جلدی آنا۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ ''یار پلیز چلی چلو' آنٹی کی عادت تم نہیں جانتیں' انہیں معلوم ہو گیا کہ میں اکیلا کسی دوشیزہ کو چھوڑ کر آیا ہوں تو وہ پوری کلاس لے لیں گی میری۔'' وہ کھڑکی سے چہرہ اندر کرکے بولا۔ چہرے پر اس کی بے چارگی تھی۔

''میں نے کہہ دیا' میں اندر نہیں جاؤں گی' نہیں جاؤں گی۔'' اُسامہ کے نام پر اس کے اندر کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا ورنہ وہ شاہ کو یہیں چھوڑ کر کار لے کر چلی جاتی۔

''اُسامہ کو جانتی ہو' پھر بھی اعتراض ہے' اندر جانے میں۔ حد ہو گئی' ریئلی احمق لگو گی یہاں بیٹھی ہوئی۔'' شاہ رخ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا' اس ضدی لڑکی کو کس طرح لے کر اندر جائے۔ یہاں چھوڑنا بھی اسے ٹھیک نہیں لگ رہا تھا مگر اس نے اس کی طرف سے رخ موڑ کر ڈیش بورڈ پر رکھا میگزین اٹھا لیا۔ یہ سب اسی ضدی وخودسر آدمی کے خون کا اثر ہے ورنہ تم ایسی تو نہ تھیں۔'' اس کی بے اعتنائی دیکھ کر اسے چھیڑتا ہوا وہ کھلے ہوئے گیٹ سے اندر چلا گیا اور گیٹ اس کے اندر جاتے ہی آٹومیٹک انداز میں بند ہو گیا۔

لائبہ نے رسالے سے نگاہ اٹھا کر اردگرد کا جائزہ لیا' یہ کراچی کا مہنگا ترین علاقہ تھا۔ یہاں کوٹھیاں اور بنگلے ایک دوسرے سے فاصلے پر بنے ہوئے تھے۔ بہت جدید وخوبصورت انداز میں۔ گارڈنز اور سوئمنگ پولز بھی بنے ہوئے تھے۔ بے شک بہت پرسکون ماحول تھا۔ اسے حیرت تھی' کراچی میں بھی اتنے جدید علاقے ہیں۔

شام کے چھ بج گئے تھے۔ اس نے کوفت بھرے انداز میں اس جہازی سائز وائٹ گیٹ کو دیکھا اور دوبارہ میگزین پر نگاہ جمادی۔ شاہ رخ کو اندر گئے ہوئے پانچ منٹ ہوئے ہوں گے کہ گیٹ دوبارہ کھلا اندر سے پرپل کلر کی جارجٹ کی ساڑی میں ملبوس فوزیہ بیگم آتی نظر آئیں اور ان کے پیچھے شاہ رخ اور اُسامہ تھے۔

''بیٹا! ہم کیا اتنے برے ہیں جو آپ یہاں بیٹھی ہوئی ہیں۔'' کار کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ بہت محبت سے بولی تھیں۔ لائبہ انہیں سامنے دیکھ کر قدرے بوکھلا گئی تھی۔ اس سے فوری کوئی جواب ہی نہ بن پڑا تھا۔ انہوں نے بہت اپنائیت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔

''وہ......وہ میری ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دیر ہو رہی ہے۔'' وہ ڈھلک جانے والے آنچل کو درست کرتے ہوئے بولی۔

''میں آپ کو اس طرح نہیں جانے دوں گی' چائے پینے میں بالکل دیر نہیں لگے گی۔''

''میں نے آنٹی کو نہیں بتایا تھا مگر نہ معلوم کس طرح آنٹی کو خبر ہو گئی تمہاری موجودگی کی۔'' شاہ رخ نے خود کو بچاتے ہوئے کہا۔

''میں بے وقوف تھوڑی ہوں جو آپ کی جلدی سمجھوں گی نہیں۔ آپ جو بیٹھنے کو ہی تیار نہیں تھے' میں سمجھ گئی تھی' آپ کسی کو باہر چھوڑ کر آئے ہیں۔ آؤ بیٹا۔'' وہ شاہ رخ سے مخاطب ہونے کے بعد لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئیں۔ اُسامہ اس دوران خاموش رہا تھا' صرف اس نے دو مرتبہ لائبہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی تھی۔ فوزیہ بیگم کی پرخلوص محبت کے آگے وہ شرمندہ سی مزید انکار نہ کرسکی۔ وہ کسی معصوم بچے کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جارہی تھیں۔ وہ عجیب سی کیفیت میں گرفتار ان کے ساتھ قدم بڑھاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ طبیعت پر ایک بوجھ سا آگرا تھا۔ اس بوجھل پن کو وہ کوئی نام نہ دے سکی تھی۔ نگاہیں جھکائے مختلف کمروں اور کوریڈورز سے گزرنے کے بعد وہ عالی شان ڈرائنگ روم میں پہنچی تھیں۔ وہاں بھی پینٹنگ نایاب تھیں۔ گرین کلر پردوں اور قالین کے علاوہ وہاں رکھے شیشم کے صوفہ سیٹ اور چیئرز سب میں موجود تھا۔ لائبہ نے اندر آتے ہوئے ایک طائرانہ نظر پورے کمرے پر ڈالی تھی۔ وہاں رکھے ایک ایک ڈیکوریشن پیس میں دولت وحشمت کی چمک تھی۔

''یہاں آرام سے بیٹھو۔'' وہ صوفے پر اسے بٹھاتے ہوئے بولیں۔

''پلیز' آپ چائے نہیں منگوایئے گا' ہمیں بہت دیر ہو رہی ہے۔'' لائبہ ان سے بہت منت بھرے لہجے میں بولی۔

''اچھا چائے نہیں منگواتے۔'' وہ مسکراتی ہوئی بولیں اور قریب رکھی سائیڈ ٹیبل سے انٹرکام پر ملازمہ کو کولڈ ڈرنکس لانے کا کہہ دیا۔ لائبہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

''اس دن آپ اسپتال آئی تھیں' جب بھی جلدی میں تھیں اور دوبارہ آپ آئیں بھی نہیں۔ کیا بہت بزی رہتی ہیں آپ؟'' فوزیہ بیگم اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''نہیں' مصروفیات تو میری اتنی زیادہ نہیں ہیں۔'' فوزیہ بیگم کی پرشوق نگاہوں سے وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔ حالانکہ ان سے ایک ملاقات اسپتال میں ہی ہوئی تھی' وہ بھی مختصر مگر وہ اس وقت اس سے اس قدر اپنائیت ومحبت سے ملی تھیں جیسے اسے برسوں سے جانتی ہوں۔

''کتنے بہن بھائی ہیں آپ۔ آپ کی ماما پاپا۔ ان کی کیا مصروفیات ہیں۔'' وہ آہستہ آہستہ عورتوں کے پسندیدہ موضوع پر آرہی تھیں۔ لائبہ کا حلق خشک ہونے لگا تھا۔ اسے بچپن سے اس موضوع سے چڑ تھی مگر اکثر وہ انہی سوالوں کا شکار رہتی تھی۔

ملازمہ درمیان میں پڑی لڑیاں ہٹا کر اندر آئی تو لڑیوں میں پڑی گھنٹیاں بج اٹھی تھیں۔ اس نے ٹرے میں رکھی ملٹی کلر ٹشو پیپرز میں لپٹی کوک اسے تھمانے کے بعد فوزیہ بیگم کو دی اور واپس چلی گئی۔

''بیٹا' آپ نے بتایا نہیں۔''

''وہ......میری مما فوت ہو چکی ہیں' پاپا بزنس کی وجہ سے زیادہ فارن کنٹریز کے ٹورز پر رہتے ہیں۔ بہن بھائی کوئی نہیں ہے میرا۔ میں ماما کے پاس رہتی ہوں۔'' اس نے برسوں کے رٹے رٹائے جملے دہرادیئے اور ہاتھ میں پکڑی کوک کے سپ لینے لگی۔

''اوہ......آپ کی مما کب فوت ہوئیں؟'' فوزیہ بیگم کے لہجے میں افسوس وہمدردی تھی۔

''شاید میں ایک ماہ کی تھی۔ میری پرورش ماما نے کی ہے' بالکل مما کی طرح......''

''دنیا ابھی اچھے لوگوں سے خالی تھوڑی ہوئی ہے۔ ابھی بھی یہاں انسانوں کے روپ میں فرشتے بستے ہیں۔'' وہ بوتل ٹیبل پر رکھتے ہوئے متاثر لہجے میں بولیں۔

''آپ شاہ رخ کو بلادیں۔'' وہ رسٹ واچ دیکھتی ہوئی بولی۔

''وہ اُسامہ کے بیڈروم میں ہیں' ابھی آرہے ہیں۔'' وہ انٹرکام کا ریسیور رکھتے ہوئے بولیں۔ ''افتخار بھائی سے آپ کے کیا فیملی ٹرمز ہیں؟'' وہ اس کا مکمل انٹرویو لے رہی

تھیں۔

''جی وہ میرے انکل ہیں۔'' اس نے پھر اپنا پرانا تعارف دہرایا۔

''ممی اگر آپ کا انٹرویو مکمل ہو گیا ہو تو پلیز انہیں اجازت دیں۔'' شاہ رخ کے ساتھ اندر آتا ہوا اُسامہ خوشگوار موڈ میں ان سے مخاطب ہوا۔

''آپ نے میری باتوں کو انٹرویو بنا ڈالا۔'' وہ مسکراتی ہوئی اُسامہ سے بولیں۔

''ابھی تو آنٹی کے وہ مخصوص قسم کے سوال باقی ہیں جیسے مثلاً رنگ کون سا پسند ہے۔ خوشبو کون سی استعمال کرتی ہیں۔ پسندیدہ ڈش کون سی ہے وغیرہ وغیرہ۔'' شاہ رخ ہنستا ہوا بولا۔

''آپ کی اور شمیر کی ایک جیسی عادت ہے پھلجھڑیاں چھوڑنے کی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''اب اطمینان سے آنا بیٹا۔'' وہ لائبہ کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔ ان سے اجازت لے کر وہ کار تک آ گئے تھے۔ فوزیہ بیگم نے ایک خوبصورت سوٹ پیس اسے زبردستی پکڑا دیا تھا۔ لائبہ نے بہت انکار کیا مگر فوزیہ بیگم نے وہ پیکٹ اسے تھما کر ہی چھوڑا۔

''مما! آپ کو اماں جان بلا رہی ہیں۔'' اُسامہ نے ملازمہ کا پیغام انہیں سنایا اور وہ کچھ بوکھلائی ہوئی سی لائبہ اور شاہ رخ کو خدا حافظ کہہ کر دوسرے پورشن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

''خلوص سے دیئے گئے تحفے اتنی بے دردی سے تو نہیں قبول کیے جاتے۔'' ان کے جانے کے بعد وہ پہلی دفعہ اس سے مخاطب ہوا تھا جس کے چہرے سے عیاں تھا کہ اس نے بہت مجبوراً وہ پیکٹ پکڑا ہوا ہے۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے کار میں بیٹھ گئی۔

شاہ رخ نے اس سے ہاتھ ملانے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی تھی۔ لائبہ کی بے اختیار نگاہ سامنے مہکتے گلابوں کے قریب کھڑے اُسامہ کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ نہ معلوم کن جذبے لٹاتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے فوراً نگاہیں جھکا لیں۔ شاہ رخ کار گیٹ سے نکال چکا تھا۔

◆ ◆ ◆

''السلام علیکم پھوپو جان۔'' تابندہ جو عصر کی نماز پڑھنے کے لئے وضو کر کے غسل خانے سے نکلی تھی' دروازے پر پڑا پردہ اٹھا کر اندر آتی ہوئی صالحہ اور رقیہ کو دیکھ کر حیرانی سے بولی۔

''ماں کہاں ہے تمہاری؟'' صالحہ اس کے سلام کو نظر انداز کر کے کافی نخوت بھرے لہجے میں بولیں۔ ان کی نفرت اگلتی نگاہیں اس کے سراپے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''وہ کمرے میں نماز پڑھ رہی ہیں۔ آپ اندر آ جائیں۔'' ان کے لہجے کی حقارت اور آنکھوں سے جھلکتے غرور نے تابندہ کو اپنی نگاہوں میں ہی گرا دیا تھا۔

''نماز۔ جن کے دل سیاہ ہوں' ان کے چہرے تو نماز روزے سے بھی پرنور نہیں ہوتے۔'' رقیہ بیگم صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے طنزاً بولیں۔

''ارے صالحہ' تم کب آئیں بھئی۔'' اندر سے دوپٹہ درست کرتی ہوئی خورشید باہر آئیں تو انہیں دیکھ کر خوشی سے بولیں۔ ان کے پیچھے شائلہ بھی تھی۔ تابندہ اندر نماز پڑھنے چلی گئی تھی۔

''آج صبح کی فلائٹ سے آئی ہوں۔'' انہوں نے ترخ کر جواب دیا۔

''شائلہ جا چائے وغیرہ بناؤ اور تم لوگ آرام سے بیٹھو کیسے غیروں کی طرح بیٹھی ہوئی ہو۔'' وہ شائلہ کے بعد ان دونوں سے مخاطب ہوئیں۔

''ہم یہاں اطمینان سے بیٹھنے نہیں آئے بلکہ یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ میری تم سے کیا ایسی دشمنی تھی۔ کیا بگاڑا تھا' میں نے تمہارا جو تم نے میرے معصوم بیٹے کو ایسا بہکا کر بھیجا ہے کہ اسے تابندہ کے علاوہ کوئی یاد ہی نہیں ہے۔ ایسا جادو کیا ہے میرے بچے پر جو کبھی ماں کی طرف نگاہیں اٹھا کر بات نہیں کیا کرتا تھا' ایسا بدظن اور بدلحاظ ہو کر رہ گیا ہے کہ اس نے اپنی بات منوانے کے لئے مجھ سے تلخ کلامی کی اور پھر گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔'' صالحہ بیگم بھرے بادلوں کی طرح برسنے گرجنے لگیں۔ رقیہ بیگم کے چہرے پر بھی شدید تناؤ تھا۔

''ایک لمبی مدت کے بعد تم یہاں آئی ہو اور کیسی باتیں شروع کر دی ہیں۔'' خورشید بی بی ہکا بکا سی ان کی شکل دیکھ کر تعجب سے بولیں۔

''تمہاری ان باتوں سے میں بے وقوف بننے والی نہیں ہوں۔ اگر اللہ نے بیٹیاں حسین صورت دے دی ہیں تو سنبھال کر رکھو انہیں۔ کیوں اچھے نیک لڑکوں کو بگاڑ رہی ہو۔''

''کچھ تو شرم کرو صالحہ تم کس انداز میں میری بھولی بھالی بچیوں پر تہمت لگا رہی ہو۔ تمہاری سگی بھتیجیاں ہیں یہ۔ کیوں تمہارا خون اتنا سفید ہو گیا ہے۔'' انہیں بھی غصہ آ گیا تھا۔

''ارے آپا' کیوں ان کے منہ لگ کر بے عزتی کروا رہی ہو۔ ان کی چالاکیاں ہم نے کامیاب نہیں ہونے دیں' دیکھ لو فاران کا سارا محبت کا نشہ ہرن کر دیا ہے آپا جان نے۔ وہ گھر بھی واپس آ گیا ہے اور حسنہ سے شادی کرنے پر بھی رضامند ہو گیا ہے' یہی خوشخبری ہم تمہیں سنانے آئے تھے۔ آپا جان کی تو بچپن سے یہی خواہش تھی کہ حسنہ فاران کی دلہن بنے مگر حسنہ کے پپا نے جلد بازی میں اپنے دوست کے بیٹے سے منگنی کر دی تھی مگر شادی کی بات پر ان لوگوں کی اصلیت کھلی کہ وہ بہت لالچی اور کم ظرف لوگ ہیں۔ میں نے تو فوراً بات ختم کر دی اور آپا جان کی خواہش پوری کر دی۔'' رقیہ اتنے خوشگوار موڈ میں بتا رہی تھیں۔ کمرے میں نماز پڑھ کر اٹھتی ہوئی تابندہ کے چہرے پر اطمینان ابھر آیا تھا' جبکہ کچن میں چائے بناتی شائلہ کا چہرہ غم و غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اسے فاران سے اتنی جلدی ہتھیار ڈال دینے کی ہرگز امید نہیں تھی۔

◆ ◆ ◆

''ایگزامز سے تو آج جان چھوٹی۔ یونین کی بہترین کارکردگی کی وجہ سے تمام پیپرز ٹائم پر اور بغیر کسی بدمزگی کے ہوئے ہیں۔'' وہ تینوں آخری پیپر دے کر کینٹین میں آ گئی تھیں۔ حنا چائے اور سموسوں کا آرڈر دینے کاؤنٹر پر گئی تھی۔ لائبہ اور سمیرا وہاں کارنر کی ٹیبل منتخب کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ سمیرا بیگ ٹیبل پر رکھ کر اطمینان سے بولی۔

''اب طویل چھٹیوں کی بوریت بھگتنی پڑے گی۔'' لائبہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بولی۔

''یہ لو کھاؤ گرما گرم سموسے اور میری جان کو دعا دو۔ جو اس چڑچڑے کاؤنٹر مین سے بحث کر کے لائی ہوں۔ ورنہ وہ وہی باسی ٹھنڈے سموسے دے رہا تھا۔'' حنا ٹرے میں سموسے اور رائتہ میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

''شکریہ' یہ کام تم پر ہی سوٹ کرتا ہے' تم ہو ہی مردمار قسم کی۔'' سمیرا سموسہ اٹھاتے شرارت سے ہنستے ہوئے بولی۔

''ایسے تو نہ بولو۔ حنا ہمت والی ہے جو کاؤنٹر مین سے گرم سموسے لے آئی ہے ورنہ میں تو اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ بہت کرخت شکل ہے اس کی۔'' لائبہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اُسامہ بھائی وغیرہ کے پیپرز بھی اگلے ہفتے سے شروع ہو جائیں گے اور بہترین یونین ٹیم سے جامعہ محروم ہو جائے گی۔ کیا پتا آئندہ آنے والی نئی یونین ان کی طرح کام بھی کر سکے گی کہ نہیں۔ اس ٹیم نے تو اسٹوڈنٹس کو بہت سپورٹ دی ہے۔ بہت عرصے تک انہیں یاد رکھا جائے گا۔'' حنا سموسے کھاتے ہوئے یونین کی تعریف میں محو تھی۔

''اُسامہ بھائی کا تو بہانہ ہے' اصل بات بولو' آئندہ کا ایک سال نادر کی غیر موجودگی میں کیسے گزرے گا۔ یہی سوچ تمہیں رنجور کئے ہوئے ہے۔'' سمیرا چائے کپوں میں نکالتے ہوئے بولی جو ابھی ویٹر رکھ کر گیا تھا۔

''پلیز آہستہ بولو۔ سب لوگ ہماری طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔'' لائبہ سمیرا کو گھور کر بولی۔ اردگرد بیٹھے اسٹوڈنٹس کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ سمیرا کی تیز چلتی ہوئی زبان کسی کی بھی پروا نہیں کرتی تھی۔

◆ ◆ ◆

''ممی! شاہ رخ اور اس کی کزن آئی تھیں' اس وقت آپ کو اماں جان نے بلوایا تھا' کیا کہہ رہی تھیں۔'' اُسامہ جو ابھی جامعہ سے آ کر ہاتھ لینے کے بعد آرام کرنے کے ارادے سے بیڈ پر لیٹا تھا' فوزیہ بیگم کو اندر آتے دیکھ کر احتراماً اٹھ گیا تھا۔ ان سے مخاطب ہوا۔

''ایک ماہ کے بعد آپ کو یہ بات یاد آئی ہے۔'' وہ اس کے لئے پلیٹ میں ٹرالی سے شامی کباب اور فنگر چپس نکالتے ہوئے بولیں۔

''امتحانات کی مصروفیات کی وجہ سے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ آج یاد آیا ہے۔''

''اماں جان پوچھ رہی تھیں' اُسامہ کا ایسا کون سا دوست اور کزن ہے جس کو وہ نہیں جانتیں۔ وہ آپ کے تمام دوستوں سے اور ان کی فیملیز سے واقف ہیں اور یہ پہلا ہی اتفاق ہوا ہے جو آپ کا دوست اماں سے ملے بغیر گیا ہے اس لئے وہ بہت حیران تھیں۔''

''آپ نے کیا بتایا ممی؟'' وہ ان کے ہاتھ سے پلیٹ لیتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''میں نے کہہ دیا' شاہ رخ سے آپ کی دوستی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اس وقت وہ کسی ضروری کام کی وجہ سے آئے تھے اور ساتھ ان کی بہن تھی اس لئے جلدی چلے گئے۔ دوبارہ آئیں گے تو ضرور ملواؤں گی' اگر انہیں معلوم ہو جائے' شاہ رخ افتخار بھائی کا بیٹا ہے تو ایک طوفان کی لپیٹ میں آ جائیں گے ہم۔'' وہ اس کے لئے چائے بناتے ہوئے بولیں۔

''سمجھ میں نہیں آتا ممی' نہ ہی اماں بتاتی ہیں کہ ان کی افتخار انکل سے کیا دشمنی ہے۔''

''یہ بات تو سب کے لئے حیرانی کی ہے۔ افتخار بھائی کی فیملی سے جتنے بہترین تعلقات کسی وقت میں ہم سب کے تھے ایسے کسی سگے عزیز سے بھی نہیں تھے پھر اچانک نہ معلوم کیا ہوا' افتخار بھائی کا نام بھی اماں اب کسی کے منہ سے سننا پسند نہیں کرتیں۔ وجہ معلوم کرنے کی کوشش سب نے ہی کی مگر اماں تو چٹان ثابت ہوئی ہیں۔''

◆ ◆ ◆

''ہیلو۔'' لائبہ نے بیڈ ٹیبل پر رکھا فون پیس اٹھا کر کہا جس کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

''گدھے' گھوڑے' ہاتھی سب بیچ کر سو رہی ہو کیا۔'' دوسری طرف سے سمیرا کی چہکتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تو لیٹی تھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہمارے اپنے اور اردو فیکلٹی کے ایگزامز ختم ہو گئے ہیں' ہمارے اور ان کے درمیان کافی بہتر لنکس ہیں اس لئے ان کو شاندار طریقے سے الوداع کہنے کا پروگرام بنا ہے۔ محفل موسیقی کا بھی پروگرام ہے۔ ملک کے بہترین سنگرز اور گروپس کو انوائٹ کیا گیا ہے اور ڈنر کا بھی اہتمام ہے۔ تم تیار رہنا' کل چار بجے میں اور حنا تمہیں پک کر لیں گے۔''

''سوری ڈیئر' میں تو نہیں آ سکتی ......''

''بکواس مت کرو' جب سے ایگزامز ختم ہوئے ہیں ایک دفعہ بھی جامعہ نہیں آئی ہو اور نہ ہی ہم سے رابطہ کیا ہے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''دراصل رات سے ماما کو بخار ہو گیا ہے۔ ساری رات وہ بخار میں جلتی رہی ہیں اور میں نے ڈاکٹر کو بھی دکھایا ہے۔ تمام دوائیں بھی ٹائم پر دیں مگر بخار میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اب صبح جا کر بخار کم ہوا تو وہ ہوش میں آئی ہیں اور اب ان کے اصرار پر ہی میں کمرے میں آ کر لیٹی تھی اور ساری رات جاگنے کی وجہ سے مجھے اتنی گہری نیند آئی جو فون میں نے دیر سے ریسیو کیا ہے۔''

''اوہ ...... سوری' میں یونہی اتنی بکواس کرتی رہی۔ کیا تم روتی رہی ہو۔ تمہاری آواز بھاری لگ رہی ہے۔'' اس کی آواز میں ہمدردی و فکر تھی۔

''نہیں تو شاید نزلے کی وجہ سے تمہیں آواز بدلی لگ رہی ہو گی۔''

''او کے تم پریشان مت ہونا' میں اور حنا آئیں گے' اچھا خدا حافظ۔'' دوسری طرف سے رابطہ ٹوٹتے ہی اس نے بھی فون پیس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ واقعی وہ ساری رات روتی

رہی تھی۔ ماما کو اتنا شدید بخار چڑھا تھا کہ وہ غنودگی میں آنکھیں بند کئے ہوئے نہ معلوم کس سے مخاطب تھیں اور مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ آنکھیں کھولیں مگر وہ جیسے اس دنیا میں ہی نہ تھیں۔ اس نے ڈاکٹر کو فون کر کے شام کو ہی بلا لیا تھا۔ وہ چیک اپ کر کے اور دوائیں دے کر چلے گئے تھے۔ دواؤں سے بھی ان کا بخار کم نہیں ہوا تو اس نے گھبرا کر دوبارہ فون کیا۔ انہوں نے دوبارہ آنے سے معذرت کے ساتھ اسے ان کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے کی ہدایت کی۔ وہ تندہی سے پٹیاں رکھنے میں مصروف تھی۔ ماما کی حالت اور اپنی تنہائی پر اسے شدت سے رونا آیا تھا اور وقفے وقفے سے وہ رات بھر روتی رہی تھی۔ صبح سات بجے ان کا بخار اترا تھا تو اس کی جان میں جان آئی تھی اور ان کے بے حد اصرار پر وہ تھوڑی دیر اپنے کمرے میں لیٹنے کے لئے آ گئی تھی' انہیں بستر سے نہ اٹھنے کی ہدایات دے کر۔ اس نے ریسٹ واچ میں ٹائم دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے وارڈروب سے سوٹ نکالا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے پہلی مرتبہ آج اپنا سوٹ نکالا تھا ورنہ یہ سب کام ماما ہی کیا کرتی تھیں۔ اس کا کھانے پینے کا دھیان' کپڑوں کی چوائس وہ خود کیا کرتی تھیں۔ صبح وہ اس کے اٹھنے سے قبل ہی اس کے کپڑے وغیرہ باتھ روم میں رکھ دیا کرتی تھیں اور جامعہ جانے کی تیاری میں اس کی مدد کرتی تھیں۔ بال اس کے بہت لمبے اور گھنے تھے جنہیں وہ خود ہی سلجھا کر بینڈ وغیرہ لگایا کرتیں اور آج اپنا سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہوئے ماما کے ہاتھوں کا لمس اسے ہر شے میں محسوس ہو رہا تھا اور آنکھوں سے نمکین پانی جھر جھر بہنے لگا تھا۔ وہ تیزی سے باتھ روم میں گھس گئی۔ شاور سے گرتے پانی کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی بہتی رہی تھیں۔ وہ دس منٹ میں باتھ روم سے باہر آئی تو سامنے بیڈ کے پاس اوندھے منہ گری ہوئی ماما کو دیکھ کر اس کی چیخ کمرے میں گونج گئی۔

''ماما! وہ ہاتھ میں پکڑا تاول نیچے پھینک کر تیزی سے ان کی طرف بڑھی اور آہستہ سے انہیں سیدھا کیا۔ ان کا سفید چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا' چہرے پر ایسے تکلیف کے آثار تھے جیسے انہیں سانس لینے میں شدید تکلیف ہو رہی ہو۔'' ماما...... ماما...... اس نے جھک کر وحشت بھرے لہجے میں انہیں پکارا مگر وہ بے ہوش تھیں۔ لائبہ نے قریب رکھے صوفے سے کشن کھینچ کر ان کے سر کے نیچے رکھا اور تیزی سے کمرے سے نکل کر بڑے کمرے میں آ گئی۔ رشیدہ' رشیدہ'' وہ پورے گھر میں ملازمہ کو آوازیں دیتی پھر رہی تھی۔ رشیدہ وہاں کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ عقب میں بنے سرونٹ کوارٹرز کی طرف سرپٹ بھاگتی ہوئی اسے آوازیں لگاتی وہاں پہنچ گئی۔

''خیریت بی بی کیا ہوا؟'' اس کی خوفزدہ آواز سن کر وہ دونوں میاں بیوی باہر نکل آئے تھے۔ اس کا بدحواس حلیہ دیکھ کر دونوں نے ایک ساتھ پوچھا تھا۔ وہ اس وقت دوپٹے سے بے نیاز اور چپلوں سے بے پروا وہاں بھاگتی چلی آئی تھی۔ ملازمین نے ہمیشہ اسے چادر یا بڑے دوپٹے میں پیک دیکھا تھا۔ ابھی اسے ننگے سر' ننگے پاؤں دیکھ کر وہ دونوں بھی بدحواس ہو گئے تھے مگر اسے اس وقت ماما کے سوا کسی کی بھی پروا نہیں تھی۔

''کار نکالو جلدی' ماما کو شاید ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ انہیں فوری اسپتال لے کر پہنچنا ہے۔ رشیدہ میرے ساتھ آؤ۔'' وہ جس طوفانی رفتار سے آئی تھی' اسی رفتار سے اندر بڑھ گئی۔ ڈرائیور نے بہت جلدی میں کار نکال لی تھی۔ لائبہ نے رشیدہ کے ساتھ مل کر ماما کو بہت احتیاط سے اٹھایا اور کار کی پچھلی نشست پر لٹا دیا اور خود وہاں بیٹھ کر ماما کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ رشیدہ دوڑ کر اندر سے اس کے شوز لے آئی تھی۔ دوپٹا وہ ماما کو اٹھاتے وقت اوڑھ چکی تھی۔ شوز اسے بالکل یاد نہیں رہے تھے۔ رشیدہ اس کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس نے رشیدہ سے شوز لے کر اندر رکھ لئے۔ ڈرائیور کار اسٹارٹ کر چکا تھا۔

''فل اسپیڈ چلائیے گا۔'' وہ مخاطب ڈرائیور سے تھی جبکہ اس کی آنسو بھری نگاہیں ماما کے زرد پڑتے چہرے پر تھیں۔ اس کے اندر باہر زبردست زلزلے جیسی توڑ پھوڑ ہو رہی تھی۔ بھیانک وسوسوں سے اس کا دل بے قابو ہو رہا تھا۔ وہ کانپتے ہاتھ ان کے چہرے پر پھیرتے ہوئے قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر ان پر پھونک رہی تھی۔ آنسو بے قابو ہو کر اس کے گلابی چہرے پر بہہ رہے تھے۔ بے ہوش ماما کی سانسیں ڈوبتی جا رہی تھیں۔

✦ ✦ ✦

''فیئر ویل پارٹی بہت دلچسپ اور خوبصورت رہی تھی۔ اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے بعد بچھڑنے کے خیال سے ہی اکثر ساتھیوں کی آنکھیں نم تھیں' لبوں پر مسکراہٹ سجائے وہ ایک دوسرے سے باتوں میں مگن تھے۔ ڈنر کے بعد میوزک کا پروگرام تھا۔ ملک کے مشہور سنگرز وہاں اپنی آوازوں کے جادو جگا رہے تھے۔ جامعہ کے بڑے لان میں بہت خوبصورت اسٹیج بنایا گیا تھا اور اس کے تینوں اطراف ٹینٹ لگا کر کرسیاں بچھائی گئی تھیں جہاں اُساتذہ اور اسٹوڈنٹ کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔

''فرسٹ رو میں حیدر کے برابر آف وہائٹ کلف شدہ قمیص شلوار میں ملبوس اُسامہ کے وجیہہ چہرے پر ملال کے رنگ تھے۔ اس کی ذہین روشن براؤن آنکھوں میں درد سا پھیلا ہوا تھا۔ مخلص اُساتذہ' انچارج بے حد محبت کرنے والے دوستوں' ساتھیوں سے ایک عرصے کا ساتھ آج چھوٹ رہا تھا۔ اسے یہاں بے پناہ محبتیں ملی تھیں۔ بہت عزت و وقار اسے ملا تھا۔ جامعہ کے ہر اسٹوڈنٹ کا وہ آئیڈیل تھا اور یونین سنبھالنے کے بعد جو اس نے اسٹوڈینٹس کو سہولتیں مہیا کی تھیں جو پریشانیاں ختم کر کے راحتیں انہیں فراہم کی تھیں' اس کی اس بے لوث خدمت نے اس کی شہرت کا گراف بہت بلند کر دیا تھا۔ اسٹوڈنٹ اس کے زبردست گرویدہ ہو گئے تھے۔ اُساتذہ بھی اس کی ذہانت و لیاقت کی وجہ سے اسے پسند کرتے تھے۔ ان سب سے بچھڑنے کے دکھ کے علاوہ بھی ایک نیا' بے اختیار' بے قرار دکھ اسے لگا تھا۔ وہ تھی ستارہ آنکھوں اور گلاب چہرے والی وہ لڑکی جو اس پتھر کو موم بنا گئی تھی۔ اسے محبت کے الاؤ میں تنہا چھوڑ کر انجان و نادان تھی یا بن رہی تھی مگر اس میں زبردست انقلاب برپا ہو گیا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی' اس کے تصور سے پیچھا چھڑانے کی مگر اس کا ہر فیصلہ' ہر امید' بھاپ کی طرح تحلیل ہو گئی تھی۔ خود سے جنگ کی مگر جنگ کر کے وہ شکست کھا چکا تھا۔ اب اس پر بے قراریوں کا موسم پوری طرح مسلط تھا۔ دیدارِ محبوب کی ایک جھلک کے لئے وہ صحرا کے مسافر کی طرح بھٹک رہا تھا مگر وہ سرسبز شاداب نخلستان کی طرح اس کی نگاہوں سے اوجھل تھی اور اس کے دیدار کی پیاس بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

آج بھی وہ یہ سوچ کر آیا تھا کہ لائبہ ضرور آئے گی۔ یہاں آ کر اس کی بے تاب نگاہیں اسے ڈھونڈتی رہی تھیں۔ سمیرا' حنا کے آنے تک اسے تسلی رہی تھی کہ وہ ان کے ساتھ آئے گی مگر انہیں لائبہ کے بغیر آتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جلتے شوق و انتظار کے چراغ بجھ گئے تھے۔

''لائبہ کہاں ہیں؟'' اس کے دل کا سوال ساتھ کھڑے حیدر کی زبان پر آ گیا تھا۔

''اس کی ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس نے معذرت کر لی ہے۔'' حنا بولی۔

''آپا سے اتنی محبت پہلی بار دیکھ رہا ہوں ورنہ آج کل کی اولاد بھی ماں کے لئے' اتنی بہترین پارٹی مس نہیں کیا کرتی۔'' نادر متاثر لہجے میں بولا۔

''لائبہ کبھی یہ سننا پسند ہی نہیں کرتی کہ وہ اس کی آپا ہیں۔ بہت چاہتی ہے انہیں اور وہ بھی بہت جان چھڑکتی ہیں ان پر۔'' سمیرا ان کے ساتھ ہال کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''دشت تنہائی میں اے جانِ جہاں لرزاں ہیں' تیری آواز کے سائے' تیرے ہونٹوں کے سراب۔ دشت تنہائی میں۔'' سامنے اسٹیج پر گلوکارہ بڑی پرسوز آواز میں غزل سرا تھی۔ لفظوں کے درد اور اس کی پرسوز آواز کے سحر میں وہاں پوری محفل خاموشی سے مجسموں کی مانند بیٹھی تھی۔

اُسامہ تو پچھلے آدھے گھنٹے سے ذہنی طور پر محفل سے غائب تھا۔ اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے حیدر اور نادر بہت گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے مگر وہ ان سے بے نیاز سامنے مہکتی رات کی رانی کے پھولوں سے لدی شاخوں کو گھورے جا رہا تھا۔

اے دل کسی کی یاد میں ہوتا ہے بے قرار کیوں
جس نے بھُلا دیا تجھے اس کا ہے انتظار کیوں

حیدر اس کی طرف جھک کر شرارت سے گنگنایا

جب پیار کسی سے ہوتا ہے تو ہوتا ہے یہ انجام
دن کٹتا ہے آہیں بھر کر بے چینی میں شام

''شٹ اپ! یار گانے کا اتنا ہی شوق ہے تو سامنے اسٹیج پر پہنچ جاؤ۔ کان کیوں کھا رہے ہو۔'' حیدر کے بعد جب نادر بھی اس کے کان میں گنگنایا تو وہ قدرے جھلا کر بولا۔ ان کی معنی خیز مسکراہٹیں اور آنکھوں میں شرارت' اسے بری طرح سلگا گئی تھی۔

''مجھے لگتا ہے' لائبہ نور خود ہی نہیں آئی ہیں اگر یہ درست ہے تو یہ بہت غلط بات ہے ان کی۔'' حیدر آہستہ سے بڑبڑایا۔

''ہاں' واقعی مجھے تمہاری بات سے اتفاق ہے۔ زیادہ نہیں تھوڑی دیر کے لئے آ جاتیں۔ یہ محفل اتنی اداس و بے رنگ تو نہ لگتی۔ بقول شاعر

تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
یہ مانا کہ محفل جواں ہے حسیں ہے
تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی ......

نادر کا بقیہ مصرع منہ میں ہی رہ گیا تھا۔ اُسامہ نے غصے سے پیر میں پہنی ہوئی بھاری چپل کی نوک پوری قوت سے اس کی ٹانگ پر ماری تھی۔ وہ حقیقتاً درد سے تڑپ گیا تھا۔

''اے میاں' گانے کے لئے اتنا ہی من مچل رہا ہے تو سامنے گاتے گویئے کو دھکا دو اور خود شروع ہو جاؤ۔ ہمارا مزہ کیوں خراب کیے دے رہے ہو۔'' نادر اپنی ٹانگ سہلانے میں مصروف تھا کہ پیچھے سے ایک بڑے میاں اس کی کرسی کی طرف جھک کر خاصے غصے سے بولے۔

''معافی چاہتا ہوں بزرگوار۔ بڑھاپے میں یہ عالم ہے شوق کا تو جوانی میں کیا ہو گا۔'' نادر ان کی سفید داڑھی پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ بڑے میاں اپنی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔ اس وجہ سے نادر کے لفظ ان کے پلے نہ پڑے ورنہ شاید ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔

''کافی پینے چلتے ہیں۔ کسلمندی سی محسوس ہو رہی ہے۔'' اُسامہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا بولا۔

''میری ٹانگ تو تم نے توڑ دی ہے۔ اب میں کیسے چلوں گا۔'' نادر بدستور ٹانگ سہلاتا ہوا بولا۔

''فکر مت کرو۔ ابھی تمہیں اٹھانے کے لئے چار کندھوں کا بندوبست کرتا ہوں۔'' اُسامہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''تم سے مجھے یہی توقع ہے۔ حنا کو گھر بیٹھے ہی بیوہ کر دینا۔''

''اچھا کھڑے ہو جاؤ' ڈائیلاگ کم بولا کرو۔'' وہ اپنے مخصوص اکھڑ لہجے میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''پہلے پرنسپل صاحب سے اجازت لینی چاہئے کیونکہ انہوں نے تاکید کی تھی' بغیر ملے نہ جانے کی۔ شاید ٹائٹلز وغیرہ دینے کی تقریب ابھی باقی ہے۔'' حیدر اس کے ساتھ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

''چھوڑو یار۔ یہ سب محض فارملیٹیز ہیں۔ ہم ان سے پھر مل لیں گے۔ ابھی یونیورسٹی میں آنا جانا رہے گا۔'' اُسامہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

''ہوں۔ واقعی ابھی تو یہاں آنا جانا رہے گا ہی۔'' نادر حیدر کی طرف دیکھ کر معنی خیزی سے مسکرا کر بولا۔ وہ دونوں جب مل جاتے تھے' اسے یونہی زچ کیا کرتے تھے۔

''تم دونوں باتیں کرتے کرتے پٹڑی سے کیوں اتر جاتے ہو۔'' وہ تینوں پارکنگ شیڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اُسامہ ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''آج کل تم پٹڑی پر بڑی تیزی سے دوڑ رہے ہو اس لئے۔'' حیدر بولا۔

''تعلیم سے تو ہم فارغ ہو گئے ہیں۔ اب فیوچر کے بارے میں کیا پلان ہے۔'' نادر اس کا موڈ بدلتے دیکھ کر سنجیدگی سے ٹاپک چینج کر کے بولا۔

''میں تو بھائی جان کے ساتھ ان کے بزنس میں ہاتھ بٹاؤں گا تاکہ بھابی بیگم کی نظرِ غضب' نظرِ کرم میں بدلے۔ ورنہ وہ کوئی اپنی جیسی لڑاکا' بدمزاج لڑکی میرے لئے دیکھ لیں گی اور میری زندگی بھی بھائی جان کی طرح بچوں کی خاطر خاموشی سے صبر کرتے گزرے گی۔'' نادر فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''بھابی اتنی خطرناک لگتی تو نہیں ہیں۔'' پیچھے بیٹھا ہوا حیدر بولا۔

''جو لوگ جیسے دکھتے ہیں' ویسے ہوتے نہیں ہیں۔'' نادر بدستور سنجیدہ تھا۔

''عورتیں تو پیاز کی طرح ہوتی ہیں۔ بہت سارے غلافوں میں چھپی ہوئی۔ میرا تو ارادہ ابھی ورلڈ ٹور کا ہے۔ دنیا کی وسعتوں میں پنچھی کی طرح آزادانہ گھومنے کا۔ شادی

کا ابھی کوئی چانس ملنے والا بھی نہیں۔ ایک بڑا بھائی اور بہنیں بیٹھی ہیں۔ ان کے بعد ہی نمبر آئے گا۔'' حیدر مسکرا کر بولا۔

''تمہاری کیا پلاننگ ہے فیوچر کے لئے۔ انکل تمہیں اب سیاست کے لئے بالکل ٹائم نہیں دیں گے۔'' نادر کار ڈرائیو کرتے اسامہ سے بولا۔

''میں وقت کے ساتھ ساتھ پلاننگ کرتا ہوں' ابھی میں نے کچھ سوچا نہیں ہے۔''

✦ ✦ ✦

''آپ خاموش احتجاج کریں یا پرشور دھرنا دیں یا بھوک ہڑتال کریں۔ آپ کی ممی ظالم وسنگدل حکمراں ہیں گھر کی' ان پر آپ کی کسی بھی تکلیف یا احتجاج کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔'' اصغر صاحب کمرے میں آ کر فاران سے بولے جو پچھلے دو دن سے بھوک ہڑتال کئے اپنے کمرے میں بند تھا۔ اس نے صالحہ بیگم کو بہت سمجھانے کی کوشش کی' بہت مان سے انہیں منانا چاہا تھا مگر وہ انا کے خول میں بند خود پسند دولت پرست عورت تھیں۔ انہیں معلوم تھا' ان کی بھتیجی اس گھر میں خالی ہاتھ ہی آئے گی۔ پہلے تو ان کا ارادہ اصغر کے دوست کی بیٹی رشنا سے اس کی شادی کرنے کا تھا کیونکہ وہ بہت دولت مند لوگ تھے مگر پھر اچانک ہی رقیہ نے فون کر کے حسنہ کی منگنی توڑنے کا بتایا اور ساتھ ہی فاران کے ساتھ اس کی فوری شادی کا مشورہ بھی دے دیا۔ رشنا کا خیال فوراً ہی ان کے ذہن سے نکل کر حسنہ کا تصور ان کے ذہن میں بیٹھ گیا۔ رقیہ بیگم بھی دولت مند تھیں اور حسنہ ان کی آخری اولاد تھیں۔ انہوں نے باتوں میں سنا بھی دیا تھا کہ وہ حسنہ کی ہونے والی ساس کو سونے کا سیٹ جہیز کے ساتھ دیں گی اور اب تو منگنی ٹوٹنے کے بعد ڈائمنڈ کی انگوٹھی کا بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ دل وجان سے اس رشتے پر راضی ہوگئی تھیں۔ فاران کی مرضی وپسند ان کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اسے راضی کرنے کی بھی بہت سی عیارانہ سازشیں انہیں کرنی آتی تھیں۔ فاران نے بہت شدت سے حسنہ سے شادی کرنے کی مخالفت کی تھی اور اپنا سامان تیار کر کے ملک چھوڑنے کو بھی تیار ہوگیا تھا۔ صالحہ بیگم اسے بے قابو دیکھ کر فوراً ہی اپنی دھمکی پر عمل پیرا ہوگئیں اور اپنے کپڑوں میں آگ لگالی۔ اب چویشن بہت خراب ہوگئی تھی۔ فاران حیرت سے گنگ تھا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں تھا' اس کی ماں انتہائی شدت پسند ہیں بہت مشکل سے اس نے اور اصغر صاحب نے مل کر ان کی آگ بجھائی جو صرف ساڑی کے تھوڑے سے پلو تک پہنچی تھی۔ ماں کی محبت اس کے راستے کی دیوار بن گئی تھی۔ صالحہ بیگم خوش تھیں کہ وہ جیت گئی تھیں۔ اب کبھی بھی فاران ان کے سامنے اپنے حق کے لئے ڈٹنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس احساس کے ساتھ وہ دوسرے دن ہی خوشی سے سرشار حسنہ کے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی پہنانے کراچی روانہ ہوچکی تھیں۔ فاران کی بھوک پیاس سکون واطمینان سب غائب ہوگیا تھا۔ وہ دفتر بھی گزشتہ دو دنوں سے نہیں جارہا تھا۔ اپنے کمرے میں بند سوچوں میں الجھا رہتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں تابندہ کا معصوم چہرہ تھا گو کہ اس نے کبھی اس کے جذبوں کی معمولی سی بھی پذیرائی نہیں کی تھی مگر اس کی حیا سے جھکی ہوئی نگاہیں اس بات کی گواہ تھیں کہ اس کے دل میں نرم گوشہ بیدار ہوچکا ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ سمجھدار تھی جو حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے بھی اس کا حوصلہ نہیں بڑھایا تھا اور اس سے زیادہ فکر اسے شمائلہ کی تھی۔ وہ اس کی رازدار تھی اور صدق دل سے چاہتی تھی کہ فاران اور تابندہ ایک ہوجائیں اور اب وہ کیا سوچے گی' اس کے بارے میں یقیناً شدید ترین نفرت کرے گی۔ وہ حد درجہ جذباتی وحساس لڑکی ہے۔ انہی اذیت ناک سوچوں میں وہ بری طرح گرفتار تھا۔ اصغر صاحب جو اس کی کیفیت سے اچھی طرح واقف تھے۔ کمرے میں آ کر رنجیدگی سے بولے۔

''بابا' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ممی اتنی اذیت پسند بھی ہوں گی۔'' انہیں دیکھ کر وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''تمہاری اندرونی حالت سے میں بے خبر نہیں ہوں مائی سن مگر میں صرف تمہارے حق میں دعا کرنے کے علاوہ اور کیا کرسکتا ہوں۔ کچھ بھی نہیں۔ صالحہ بیگم کے آگے میری نہیں چل سکتی۔'' اصغر صاحب اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولے۔

''بابا! گستاخی معاف۔ آپ بااختیار ہوتے ہوئے بھی بے بس ومجبور ہیں' ممی کا رویہ ہم تینوں کے ساتھ حاکمانہ رہا ہے۔ کبھی انہوں نے ہمیں ممتا کی سپورٹ نہیں دی۔ عرفان کو بھی ان کے سرد رویے نے واپس آنے کی لگن نہیں دی اور اب بھی وہ اپنی من مانی کررہی ہیں اور میں آپ کو بتارہا ہوں کہ حسنہ کبھی بھی میرے گلشن حیات میں پر بہار نہیں رہ سکتی اگر آنٹی اس کے بدلے کے ہیرے بھی دیں گی' تو مجھے تب بھی وہ قابل قبول نہیں ہوگی۔''

''میں اس بات کو محسوس کررہا ہوں۔ چلو پہلے کھانا کھالو پھر کچھ حل نکالتے ہیں۔''

''نہیں بابا مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ کھالیں۔'' وہ ہونٹ بھینچتا ہوا بولا۔

''رزق سے ناراضگی کفران نعمت ہے۔ اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ یوں بھوکے پیاسے رہ کر اس دنیا کی تکلیفوں سے چھٹکارا پالو گے تو یہ بچکانہ سوچ ہے۔ جب تک رب کا حکم نہیں ہوتا۔ انسان زندہ رہتا ہے۔ ہزاروں تکلیفوں' پریشانیوں کے باوجود۔ موت خود زندگی کی حفاظت کرتی ہے۔ چلو شاباش ایک بیٹے کی جدائی کے بعد دوسرے کی جدائی تو مجھے جیتے جی ماردے گی۔''

''بابا! آپ کو دیکھ کر ہی تو اس گھر میں رہنے کو دل کرتا ہے۔'' فاران ان سے لپٹ کر بولا۔

✦ ✦ ✦

''میرا تو جذبہ یہی ہے۔ تمام صاحب حیثیت لوگ مل کر اگر غریبوں کی مدد کریں تو ہمارے ملک سے غربت بھی کم ہو اور جہالت بھی۔ میری تو زندگی ہی سوشل ویلفیئر کے لئے وقف ہے۔'' مسز توفیق فون پر ایک معروف اخبار کے ایڈیٹر سے بات کررہی تھیں۔ جو ان کا انٹرویو اخبار کے لئے مانگ رہے تھے۔ ''آپ میرا انٹرویو کیوں کرنا چاہ رہے ہیں۔ میں اتنی معروف تو نہیں ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے ریسیور میں بولیں۔ ''اگر آپ اتنا اصرار کررہے ہیں تو میں انکار کیسے کرسکتی ہوں۔ آپ شام کو تشریف لے آیئے گا۔ میں انتظار کروں گی۔ اوکے اللہ حافظ۔''

ملازم جو بہت دیر سے کھڑا ان کے ریسیور رکھنے کا انتظار کررہا تھا۔ ان کے ریسیور رکھتے ہی بولا۔

''بیگم صاحبہ......''

''ہوں۔ کیا بات ہے۔ کیوں اتنی دیر سے میرے سر پر سوار ہو۔'' ان کی تمام شگفتہ مزاجی وشیریں بیانی ریسیور رکھتے ہی غائب ہوگئی تھی۔ اپنے سامنے سہمے کھڑے ملازم سے وہ کاٹ کھانے والے لہجے میں غرا کر بولیں

''وہ......وہ......بیگم صاحبہ صبح سے ایک عورت آپ سے ملنے کے لئے بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے بہت منع کیا ہے اسے مگر۔''

''تم نے بتایا نہیں اسے۔ میں گھر میں کسی سے بھی نہیں ملتی۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''میں نے بہت کہا اس سے مگر وہ بہت مجبور ہے' بری طرح رو رہی تھی۔''

''لاؤ۔ ابھی دماغ درست کرتی ہوں اس کا۔'' ملازم اشارہ پاتے ہی کمرے سے نکل گیا اور پانچ منٹ بعد ایک پرانے سفید ٹوپی والے برقعے میں ملبوس عورت کو لے کر اندر آیا۔

''السلام علیکم بیگم صاحبہ!'' وہ عورت جس کے بے رونق چہرے اور پیوند لگے کپڑوں اور برقعے سے اس کی بدحالی ومفلسی ظاہر ہورہی تھی۔ بہت عقیدت بھرے لہجے میں اس نے سلام کیا۔

''ہوں۔ کون ہو تم۔ کیوں آئی ہو۔'' وہ نخوت بھرے لہجے میں بولیں۔

''بیگم صاحبہ! اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔'' میں بہت دکھوں کی ماری ہوں۔ میرا گھر والا اللہ کو پیارا ہوگیا' ہم بہت غریب لوگ ہیں' میرے جوان بیٹے نے چودہ کلاسیں پڑھی ہیں' دو برس سے نوکری کی تلاش کررہا ہے' کہیں نوکری نہیں مل رہی۔ ہمارے پاس کھانے کو روٹی نہیں ہے' ہزاروں روپے رشوت کیسے دیں نوکری کے لئے۔''

''ارے مائی! مطلب کی بات کرو۔ میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا' فضول کہانیاں سننے کے لئے۔'' وہ جھلاہٹ بھرے لہجے میں بولیں۔

''بیگم صاحبہ! اللہ آپ کو خوش رکھے۔ میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے' بہت شہرت ہے جی آپ کی سخاوت کی۔ میرے بیٹے کو کہیں نوکری دلوادیں۔ بڑی مہربانی ہوگی آپ کی جی' ساری زندگی آپ کو دعائیں دوں گی۔'' وہ ان کے پاؤں کے پاس بیٹھتے ہوئے عاجزانہ لہجے میں بولی۔

''مائی! دور ہٹاؤ اپنے ہاتھ۔ تمہیں ضرورت کیا تھی' اپنے بیٹے کو اتنی تعلیم دلوانے کی۔ کہیں مزدوری پر لگادو اسے یا کہیں نان چھولے کا ٹھیلہ لگوادو۔ نوکریاں صرف ڈگریوں سے نہیں ملا کرتیں۔'' وہ اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے بولیں۔

''آپ بڑے لوگ ہیں جی۔ آپ کے اپنے تعلقات تو اونچے اونچے لوگوں سے ہوں گے۔ میرے بچے کو کوئی چھوٹی موٹی نوکری دلوادیں۔ وہ جی نوکری سے مایوس ہوکر گلی میں آلو چھولے ہی بیچتا ہے مگر اس سے گزارہ نہیں ہوتا جی۔'' وہ عورت بھیگے لہجے میں منتیں کررہی تھی۔

''میں نے کیا معاشرے کو سنوارنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ جسے دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ کسی کو بیٹے کے لئے نوکری چاہئے' کسی کو بیٹی کے جہیز کے لئے پیسہ چاہئے' تو کسی کو روٹی چاہئے' میرے پاس کوئی قارون کا خزانہ تو ہے نہیں جو بے فکری سے پیسہ لٹاؤں اور نہ ہی میرا باپ حاتم طائی تھا۔ جو میں ساری زندگی سخاوت کے مظاہروں میں ہی گزاردوں۔ جسے دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا ہے فریاد لے کر۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی باتھ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ عورت شکستہ قدموں سے نوکر کے ہمراہ باہر نکل آئی۔

✦ ✦ ✦

''مس! اب آپ آرام کریں۔ آپ کے مریض کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔'' نرس لائبہ سے بولی جو ویٹنگ روم میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ماما کو فرسٹ ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور بڑا زبردست تھا۔ اڑتالیس گھنٹے بعد وہ خطرے سے باہر نکلی تھیں۔ ڈاکٹرز نے ابھی بھی انہیں I.C.U میں رکھا ہوا تھا۔ ان سے بات کرنے کی اجازت بالکل بھی نہیں تھی۔ لائبہ گلاس وال سے انہیں دیکھتی رہتی تھی۔ پچھلے دو دن سے اس نے گھر کی خبر نہیں لی تھی جو مکمل نوکروں کے رحم وکرم پر تھا۔ گزرے دو دن دو صدیاں بن کر اس پر گزرے تھے۔ جس کا ایک ایک لمحہ ماما کی ڈوبتی سانسوں نے اس کے لئے کرب ناک بنادیا تھا۔ وہ بھوک پیاس سے لاتعلق سجدے میں اپنے رب کے آگے ان کی زندگی کی دعائیں مانگتی یا گلاس وال سے چہرہ ٹکائے ماما کے زرد چہرے پر آنکھیں ٹکائے انہیں آکسیجن کے ذریعے سانس لیتا دیکھتی رہتی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ کون تھا جو اسے تسلی دیتا۔ اس آزمائشی وقت میں اسے تنہا نہ ہونے کا احساس دلاتا۔ ہاں' کوئی نہیں تھا جو اس کے آنسو پونچھتا اور اس کا دکھ شیئر کرتا۔ افتخار صاحب اپنی فیملی سمیت اسلام آباد میں تھے۔ یونیورسٹی سے انہوں نے ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ ان کی والدہ کی علالت کی وجہ سے ان کا زیادہ وقت وہیں گزر رہا تھا۔ ورنہ ایسے وقت میں وہ اسے تنہا نہ چھوڑتے۔

''اے رب! میرے جیسے لوگ اس دنیا میں کیوں بھیجتا ہے۔'' لائبہ بہتے آنسو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے بڑبڑائی۔

''پلیز۔'' لائبہ نے اپنے کندھے پر نرم ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے پلٹ کر دیکھا۔ خوبصورت چہرے والی نوجوان ڈاکٹر اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''میں کنول توفیق ہوں۔ میں پچھلے دو دن سے آپ کی کیفیت دیکھ رہی ہوں جو پانی سے ریت پر گری مچھلی کی طرح ہے۔ اب آپ کو ریلیکس ہوجانا چاہئے۔ مریضہ کی حالت بہت بہتر ہے۔'' وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''میں ماما سے ملنا چاہتی ہوں' انہیں قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں مگر ڈاکٹرز مجھے اجازت نہیں دے رہے ہیں۔''

''آیئے' روم میں چلتے ہیں' وہاں باتیں ہوں گی۔'' وہ لائبہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔

''نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' وہ اپنی آنکھیں دوپٹے سے رگڑتے ہوئے بولی۔

''اگر آپ اتنی ویک نیس فیل کریں گی بیٹا ہو کر تو آپ کی مما تو آپ کی حالت دیکھ کر اور بیمار ہوجائیں گی پھر کیا کریں گی آپ۔ خود کو سنبھالیں گی یا اپنی مما کو۔'' وہ سہولت سے اسے سمجھاتی ہوئی گلاس وال کے پاس سے ہٹا کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ڈاکٹرز روم کی طرف بڑھ گئی۔

''چلو تم سامنے باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھولو۔ میں اتنے ناشتا منگواتی ہوں۔'' کنول اس سے ایسے اپنائیت سے مخاطب تھی' جیسے اسے برسوں سے جانتی ہو۔

''میرا دل نہیں کررہا۔''

''تم منہ ہاتھ دھو کر تو آؤ پھر دونوں مل کر ناشتہ کریں گے۔ کیسے دل نہیں چاہے گا۔''

✦ ✦ ✦

گرین شیراڈ تیزی سے گیٹ کراس کر کے چوکیدار کے بجتے بجتے ہوئے کیبن کے پاس رک گئی۔ ڈرائیون ڈور کھول کر اُسامہ باہر نکلا اور کی چین جیب میں ڈالتا ہوا لان عبور کر کے اندر کوریڈور کی طرف بڑھ گیا۔ اندر کام کرتے ملازمین نے اسے سلام کیا اور وہ رستم زمان کے روم کی طرف بڑھ گیا۔ جامعہ سے فراغت کے بعد اس کا وقت زیادہ تر ان کے ساتھ ہی گزرنے لگا تھا۔ رستم صاحب اسے دوست کی طرح سمجھتے اور چاہتے تھے اور حد سے زیادہ اس پر اعتماد کرتے تھے اور سیاست میں اسے آگے بڑھانے میں ان کا ہاتھ زیادہ تھا۔ اُسامہ، اسد صاحب کی ناراضگی اور گھر والوں کی حد درجہ مخالفت کی وجہ سے سیاست سے کافی دور ہو گیا تھا مگر رستم زمان کسی بھی طرح اس در نایاب کو کھونے کا دکھ برداشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اس کے گرد گھیرا تنگ ہی رکھا تھا اور وہ ان کی جستجو کے نتیجے میں پہلے سے بھی زیادہ ان کے ساتھ سرگرم عمل ہو چکا تھا۔ اس کی اکثر شامیں ان کے ہمراہ گزرتی تھیں۔ وہ دفتر سے زیادہ اسے گھر پر ہی بلاتے تھے' گو کہ اُسامہ کو ان کے گھر جانے پر اعتراض ہوتا تھا اور وہ اس کا اظہار رستم زمان سے بھی کر چکا تھا مگر وہ ہر بار ہنس کر یہی کہتے' وہ اسے گھر کا ہی فرد سمجھتے ہیں اور دفتر میں ورکرز کی موجودگی میں وہ اس سے نہ مشورے لے سکتے ہیں' نہ کھل کر بات چیت کر سکتے ہیں۔

رستم زمان کے روم کا دروزہ کھلا ہوا ہی تھا مگر پھر بھی اس نے دروازہ نوک کیا۔

''مسٹر' دستک بند دروازے پر دی جاتی ہے۔ یہاں تو آپ کے لئے' سب دروازے کھلے ہوئے ہیں۔'' اندر سے اٹھلاتی کھلکھلاتی بلیک پینٹ اور بغیر آستین کی بلاؤز نما شرٹ میں ملبوس پرفیوم کی ہوشربا خوشبو میں بسی ساحرہ اپنے دلربا انداز میں اس سے مخاطب تھی۔ اُسامہ نے جواب دینے کے لئے لب کھولے مگر اس کی طرف نگاہیں اٹھتے ہی سختی سے بھینچ لئے۔ امپورٹڈ میک اپ سے اس کا حسین چہرہ زیادہ جاذب نظر لگ رہا تھا۔ سرخ چمکیلے بلاؤز کے نیچے عریاں حصہ مرکری لائٹس کی روشنیوں میں زیادہ سفید نظر آ رہا تھا۔ بلاؤز کا گلا کافی کھلا ہوا تھا۔ مستزاد اس پر اس کی گھٹیا ادائیں' اُسامہ کا خون کھولا رہی تھیں۔ اس کی جھکی نگاہیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''آئیں نا اندر۔ آپ تو کہیں پتھر کے بن گئے۔'' وہ کھنک دار لہجے میں بولی۔

''سر کہاں ہیں۔'' وہ اندر صوفے پر بیٹھتے ہوئے اکھڑ لہجے میں بولا۔ یہ رستم زمان کا اسٹڈی روم تھا اور وہ اپنے خاص لوگوں سے یہیں ملاقات کرتے تھے۔

''ارے صاحب! کبھی ہم سے بھی باتیں کر لیا کریں۔ ہم اتنے برے تو نہیں۔'' وہ اسی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بڑے لاڈ بھرے انداز میں بولیں۔

''سر کہاں ہیں۔ انہوں نے ابھی کچھ دیر پہلے فون کیا تھا کہ انہیں کچھ ضروری ڈسکس کرنی ہے مجھ سے۔'' وہ اس کا شکوہ اگنور کر کے بولا۔

''آپ نے کیا سر...... سر کی رٹ لگا رکھی ہے۔ آپ کے نزدیک مجسم حسن بکھرا ہوا ہے۔ ایک نظر دیکھئے تو سہی۔'' وہ جذباتی لہجے میں کہتی ہوئی ایک ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر بولی مگر دوسرا لمحہ اس کے لئے بھاری تھا۔ اُسامہ نے غصے سے اس کا عریاں بازو شانے سے ہٹایا تھا اور اسے محسوس ہوا' بازو جیسے ٹوٹ گیا ہو۔ درد کی شدت سے وہ سسکاری۔ اس کی نیلی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

''مسز رستم زمان! اگر عورت اپنے مکروہ جذبات کی خواہشات کے گھوڑے کو بے لگام سرپٹ دوڑانے لگے تو اس کی عزت و وقار کرچی کرچی ہو کر بکھر جاتا ہے اور پھر وہ عورت پاکیزگی اور احترام کے منصب سے گر کر صرف ایک گالی بن جاتی ہے۔ گندی گالی۔'' وہ صوفے سے اٹھ گیا تھا اور اس کی طرف سے رخ موڑ کر سخت لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔ بلو جینز' لائٹ پنک شرٹ میں ملبوس اس کے وجیہہ چہرے پر سرخی تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ ساحرہ ہونٹ کاٹتی ہوئی اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔ اُسامہ جو شاید اپنے غصے پر قابو پا رہا تھا' دوبارہ گویا ہوا۔

''رستم صاحب بہت عظیم اور قابل قدر انسان ہیں۔ ان کی میں بہت عزت کرتا ہوں اور محبت بھی اور ان کی وائف ہونے کے ناتے آپ کی عزت بھی میری نگاہوں میں ہے اور آپ بھی اس عزت کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں۔'' وہ اپنی بات کہہ کر تیزی سے کمرے سے نکل آیا۔

''ارے...... ارے پلیز' آپ ناراض ہو کر تو نہ جائیں۔'' ساحرہ بدحواس سی بھاگتی ہوئی آ کر دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے اس کا راستہ روکتے ہوئے ملتجی لہجے میں بولی۔'' میں تو مذاق کر رہی تھی۔ رستم اوپر بیڈ روم میں ہیں۔ کسی کی فارن سے کال آنے والی تھی۔ اس کا ویٹ کر رہے تھے' ابھی آ رہے ہوں گے اور ملازم بھی چائے لے آیا ہے۔''

''نو تھینکس' بہت ٹائم ہو گیا ہے۔ میں اب رک نہیں سکتا۔'' وہ بگڑے موڈ سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ساحرہ الجھی ہوئی نظروں سے اوپر زینے کی طرف دیکھنے لگی جہاں ایک کمرے سے رستم زمان نکل کر نیچے آ رہے تھے۔

✦ ✦ ✦

''مما! میں اس دن سے بہت ہرٹ ہوئی ہوں۔ جب آپ نے اس عورت کو دھتکار کر یہاں سے نکال دیا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا' میری اتنی سویٹ مما' اتنی ہمدرد مما' ماسک زدہ پرسنالٹی کی مالک ہیں۔'' کنول جو دو دن سے ان سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی اور آج ڈنر پر اتفاق سے مما' پپا دونوں ہی اسے مل گئے تھے۔ وہ مسز توفیق سے سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''کیا مقصد ہے تمہارا۔ کون سا ماسک چہرے پر لگا ہوا ہے۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا ایک پیس پلیٹ میں رکھ کر اس سے سخت لہجے میں بولیں۔

''وہ عورت آپ سے اپنے بیمار شوہر کے علاج کے لئے کچھ رقم لینے آئی تھی اور آپ نے ذلیل کر کے اسے یہاں سے نکال دیا' اگر کسی مجبور کے آنسو پونچھ نہیں سکتیں تو انہیں آنسو بہانے پر مجبور بھی نہ کیا کریں۔'' وہ ان کی طرف دیکھ کر نرمی سے بولی۔

''بیٹا! غلطی آپ کی ممی کی نہیں بلکہ اس عورت کی ہے جو اپنی مجبوری بیان کرنے یہاں چلی آئی' اگر کسی پریس فوٹو گرافر کو ساتھ لے آتی تو آپ کی ممی سو پچاس روپے تو ضرور دے دیتیں۔'' ان کے بولنے سے قبل ہی کسٹرڈ کھاتے ہوئے توفیق صاحب بول اٹھے۔

''آپ تو جب کبھی بھی بولیں گے۔ جیلس ہو کر ہی بولیں گے۔'' وہ ترخ کر ان سے مخاطب ہوئیں پھر شعلہ بار نظروں سے کنول کو گھورتے ہوئے بولیں۔ ''آپ کی عادت کب سے اپنے باپ کی طرح کلیجا چبانے کی پڑ گئی۔ میرے پاس ہزاروں عورتیں آتی ہیں' میں کس کس کی حاجت روائی کروں۔''

''ممی پھر آپ چھوڑ دیں' ویلفیئر ہاؤس کو۔ جب یہ سب کچھ آپ سے نہیں ہوتا۔''

''خدمتِ خلق تو ایک بہانہ ہوتا ہے بیٹا۔ یہ بھی ہائی سوسائٹی کی بیگمات کا کریز ہے۔ یہاں بھی غریبوں کے نام پر امدادی کام کے بہانے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کے ڈھونگ ہوتے ہیں سارے۔'' توفیق گویا انگارے چبا کر بولے۔

''میں تو آپ سے کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ میرے معاملات میں دخل مت دیا کریں آپ اور کنول آپ نے اگر آئندہ اس انداز میں بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔'' وہ توفیق صاحب کے بعد کنول سے مخاطب ہوئیں اور کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

''آپ سے برا کوئی ہو بھی کیسے سکتا ہے۔'' وہ انہیں چڑاتے ہوئے بولے مگر وہ تیزی سے ڈائننگ روم سے نکل گئیں۔ کنول نے افسوس سے ان کی پلیٹ کی طرف دیکھا جس میں کھانا جوں کا توں پڑا تھا۔ توفیق صاحب نے پیار سے اسے کھانے کی طرف راغب کیا۔

✦ ✦ ✦

''لائبہ' لائبہ۔'' ماما نے اپنے پیروں پر نمی محسوس کر کے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ لائبہ نیچے کارپٹ پر دراز بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ ان کے قدموں پر جھکا ہوا تھا۔

''جی...... جی...... ماما! آپ اٹھ گئیں۔'' وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ ماما آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ لائبہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرنے لگی۔

''ماما! میں نے سنا تھا کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے چنانچہ میں اپنی جنت کو چھو کر دیکھ رہی تھی۔'' وہ کہنا کچھ اور چاہ رہی تھی مگر ان کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ آخری لفظ بدل گئی۔ ماما غور سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں جو ان کی بیماری کے دوران مرجھا گئی تھی۔ گلابی چہرہ سفید ہو رہا تھا' لباس میلا اور شکن آلود تھا' بال الجھے ہوئے' لمبی چٹیا سے نکل رہے تھے' چہرے پر اتنی مسکینی اور بے بسی پھیلی ہوئی تھی کہ انہیں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

''لائبہ۔'' انہوں نے اپنے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا۔ لائبہ ان کے سینے سے لگ گئی اور پچھلے دنوں کا جمع غبار اس کے آنسوؤں کے ذریعے بہہ نکلا۔

''میں...... آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ماما۔'' وہ ان کے سینے سے لگی بری طرح روتی ہوئی بولی۔

''ہاں مجھے اندازہ ہے' مگر بیٹا ایک دن سب کو جانا ہوتا ہے۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی بولیں۔

''ماما' پلیز ایسے نہیں بولیں اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو زندہ میں بھی نہیں رہ پاؤں گی۔'' وہ ان کے سینے سے لگی ہوئی بولی۔

''ایسے نہیں کہتے بیٹا......''

''پھر ماما آپ بھی ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔''

''آپ نہا کر ڈریس چینج کریں۔'' وہ ہاتھوں سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''آپ بیڈ سے نہیں اتریے گا۔ ڈاکٹرز نے صبح آپ کو ڈسچارج کرتے وقت مکمل ریسٹ کی ہدایت کی تھی۔ اب آپ بالکل بھی بے پروائی نہیں کریں گی بلکہ میں آج سے آپ کے بیڈ روم میں سوؤں گی۔'' وہ ان کے بیڈ سے اترتی ہوئی بولی۔

✦ ✦ ✦

رات کا پچھلا پہر تھا۔ ماحول پر ہر سو اندھیرے کا راج تھا۔ اوپر آسمان پر چاند کسی ضعیف اور کمزور مسافر طرح اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔ کھلی کھڑکی کے آگے ایزی چیئر پر نیم دراز ہونٹوں میں سگار دبائے ہوئے روحیل صاحب کی کشادہ پیشانی پر فکر و تردد کی شکنیں تھیں۔ ان کی براؤن آنکھیں وقفے وقفے سے سامنے بیڈ پر نیند اور سکون کی ٹیبلٹس کے زیر اثر سوئی ہوئی رفیقہ حیات پر ٹک جاتی تھیں' ان کی ویران اور اداس شکل انہیں دہرے کرب میں مبتلا کر دیتی تھی' عورت۔ عورت۔ کیا ہے۔ کتنے اداس روپ ہیں اس کے کتنے رنگ ہیں۔ کتنے رشتوں کے غلافوں میں تہہ در تہہ لپٹی ہوئی ہے۔ بہن ہوتی ہے تو چاہتوں سے بنی ہوتی ہے' بیٹی ہوتی ہے تو خدمت و فرماں برداری کی مثال بن جاتی ہے' ماں ہو تو وقت کے سرد و گرم سے بچانے والی ممتا کی چھاؤں بن جاتی ہے اور جب بیوی بنتی ہے تو اپنا تن من دھن سب اپنے مجازی خدا پر لٹا کر اس کے قدموں کی خاک بن جاتی ہے۔ عورت کا ہر روپ ہی عظیم ہے۔'' روحیل صاحب سگار ایش ٹرے میں رگڑتے ہوئے بڑبڑائے۔ آگے بڑھ کر انہوں نے عظمت بیگم کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جو بخار کی حدت سے دہک رہی تھی۔ انہوں نے وال کلاک کی طرف دیکھا جو ساڑھے تین بجا رہا تھا۔ وہ ان کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے کے ارادے سے سائیڈ میں رکھے فریج کی طرف بڑھے۔ اسی لمحے دروازہ ناک ہوا۔ ''یس'' وہ بولے۔

''ڈیڈی' ممی کی طبیعت اب کیسی ہے۔'' شمیر اندر آ کر سنجیدہ لہجے میں بولا۔ شوخ و شریر شمیر کے چہرے پر اس وقت فکر انگیز سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ وہ روحیل صاحب سے مخاطب ہونے کے بعد عظمت بیگم کی طرف بڑھا اور ان کا بخار چیک کرنے لگا۔

''ڈیڈی ممی کا بخار تو اب قدرے کم ہو گیا ہے۔'' شمیر ان کی طرف دیکھتا ہوا مطمئن لہجے میں بولا۔

''مجھے تو ابھی بھی تیز محسوس ہو رہا ہے۔ میں ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے کی سوچ رہا تھا۔''

''نہیں ڈیڈی اب نقصان دیں گی۔ کیونکہ فیور اب کم ہے۔ انشا اللہ صبح تک اتر جائے گا۔ اب آپ بھی آرام کریں۔'' وہ ان کے نزدیک آ کر بولا۔

''آپ ابھی تک اپنی ممی کی وجہ سے جاگ رہے ہیں۔'' وہ شفقت سے بولے۔

''جی جب سے ممی بیمار ہوئی ہیں۔ گھر کا تمام سیٹ اپ بگڑ کر رہ گیا ہے۔ گھر کی رونق ویرانی میں تبدیل ہو گئی ہے۔ ممی نے بہت گہرا اثر لیا ہے' نبیل بھائی کی جدائی کا اور دادی جان کسی طرح بھی اپنی بات سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔

''ہوں' عورت کا ایک روپ یہ بھی ہے' سنگدل' بے رحم' بے حس و کٹھور' اپنی ظاہری شان و شوکت' غرور و دبدبے کے آگے کسی کو بھی خاطر میں نہ لانے والی۔

''ڈیڈی کیا سوچ رہے ہیں۔'' شمیر آ گے آ کر ان کے متفکر انداز میں ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''کچھ بھی نہیں بیٹا۔ آپ بھی آرام کریں۔'' وہ اس کی آواز پر سوچوں سے باہر نکلے۔ ان کی نظریں اس کے سراپے پر تھیں جو سب سے چھوٹا اور لاڈلا تھا۔ جس کی شرارتوں سے گھر میں قہقہے بکھرے رہتے تھے۔ اس وقت کس قدر ملول اور رنجیدہ تھا آج ایک عرصے بعد انہوں نے اسے نگاہ بھر کے دیکھا تھا۔ گزشتہ دو سالوں میں اس نے ناریل کے درخت کی طرح لمبا قد نکال لیا تھا اور بہت اسمارٹ اور وجیہہ ہو گیا تھا۔ انہیں اپنی جوانی کی جھلک اس کے سراپے میں نظر آ رہی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد وہ مکمل ڈاکٹر بننے والا تھا۔

شمیر ان کی نگاہوں سے بے خبر عظمت بیگم کا کمبل درست کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

❖ ❖ ❖

''میں اب کوئی بہانہ نہیں سنوں گی اُسامہ حد ہوتی ہے کوئی ہٹ دھرمی وضد کی بھی۔ اب تم پڑھائی سے فارغ ہو چکے ہو اور تم پر اب کوئی ذمے داری بھی نہیں ہے پھر شادی سے کیوں دامن بچا رہے ہو۔'' اماں جان نے اسے آج پکڑ ہی لیا تھا۔

''اماں جان! اتنی جلدی کیوں ہے آپ کو۔ ابھی میرا آئندہ دس سال تک شادی کا ارادہ نہیں ہے مہربانی کر کے اس خیال کو دل سے نکال دیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''اچھا' جب بوڑھے ہو جاؤ گے' کمر جھک جائے گی تو لاٹھی کے سہارے جھک کر چلتے ہوئے دلہن لے کر آؤ گے۔'' اماں جان بولیں تو غصے سے تھیں مگر ان کے شاندار نقشہ کھینچنے پر اُسامہ بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

''اماں! جب تک میں اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوں گا۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ صرف چھبیس سال۔''

''یہی مناسب عمر ہوتی ہے شادی کی تم اسلام آباد چلے جاؤ۔ نگہت کی نند کی بیٹیاں بہت سلیقہ شعار اور تعلیم یافتہ ہیں۔ ان میں سے کوئی پسند کر لینا اگر چاہو تو نزہت کی دیورانی کی بیٹی بھی بہت حسین اور لائق ہے۔''

''اماں جان! ابھی اسلام آباد جانے کا ٹائم نہیں ہے مگر آپ سے وعدہ رہا۔ دونوں پھپھیوں سے ملنے اسلام آباد ضرور جاؤں گا۔'' اس نے بہت سہولت سے انہیں سمجھایا۔ اسے خدشہ تھا اگر اماں اپنی ضد پر اڑ گئیں تو وہ اب کچھ بھی نہ کر سکے گا کیونکہ بہت عرصے وہ انہیں ٹالتا آ رہا تھا جب کہ شادی کے لئے تو وہ ابھی بالکل تیار نہ تھا۔ نگہت نزہت' پھوپو کے سسرال میں تو وہ ہرگز شادی نہیں کرتا۔ اس کے ایوان دل میں جو تصور آباد تھا' اس حسین صورت کا تو دنیا کی حسین ترین لڑکی بھی مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ ابھی اماں اسے کوئی سخت جواب دینا ہی چاہتی تھیں کہ شمیر سلام کرتا ہوا اندر آیا اور اس کا بدحواس چہرہ دیکھ کر اُسامہ اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ بھی عینک درست کرتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔

''کیا بات ہے شمیر؟'' اُسامہ اس کے چہرے کو دیکھتا ہوا بولا۔

''بھائی! امی کی طبیعت بہت سیریس ہو گئی ہے۔ وہ رات سے مسلسل بے ہوش ہیں۔ ابھی انہیں اسپتال ایڈمٹ کر کے آ رہا ہوں۔'' وہ اس کے سینے سے لگا بچوں کی مانند پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

''کیا ہوا ہے عظمی کو۔'' وہ بھی اس کے رونے سے بدحواس ہو گئی تھیں۔

''ان کی ایک ہی آواز ہے۔ نبیل اور وہ ان کے سوا کوئی فرمائش نہیں کر رہیں۔ رات کو ڈیڈی نے بہت سمجھایا' ارشد اور میں بھی انہیں بہلاتے رہے تھے مگر رات میں ان کو بخار چڑھ گیا تھا۔ صبح انہیں نماز کے لئے اٹھایا تو وہ بے ہوش تھیں اور بہت کوشش کے باوجود انہیں ہوش نہیں آیا تو ہم انہیں اسپتال لے گئے۔'' اس نے ان کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے تفصیل بتائی۔ اُسامہ تیزی سے کار کی چابی لینے کے لئے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ شمیر اطلاع دینے کے لئے کوثر بیگم کے پورشن کی طرف بڑھ گیا۔ اماں جان کے چہرے پر دھند چھانے لگی تھی۔ حالات کی سنگینی کا احساس انہیں اب ہوا تھا۔ عظمت بیگم کی ناساز طبیعت کا علم تو انہیں پہلے تھا مگر بیٹے کی جدائی کا وہ اتنا شدید اثر لیں گی اس کا تصور بھی نہیں تھا۔

❖ ❖ ❖

ڈھلتی دوپہر کی دھوپ آنگن میں پھیلی ہوئی تھی جس کی تپش سے کمرہ گرم ہو رہا تھا۔ خورشید بی بیٹھی ہوئی رات کے لئے گوشت میں ڈالنے کے لئے پالک اور شلجم کاٹ رہی تھیں۔ تابندہ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی تابش کی فراک کے گھیر کی ترپائی کر رہی تھی۔ دیوار سے لگی چارپائی پر شمائلہ کالج سے آنے کے بعد سے بے خبر سو رہی تھی۔

''شمائلہ! لے ذرا یہ ٹماٹر ہری مرچ گوشت میں ڈال کر آ جا۔ اتنے میں سبزی کاٹوں گی۔'' وہ اپنی دھن میں کٹے ہوئے ٹماٹر ہری مرچوں کی پلیٹ چارپائی کی طرف کھسکا کر بولیں۔

''لاؤ امی میں گوشت میں ڈال آتی ہوں۔'' تابندہ مسکراتی ہوئی پلیٹ لے کر کھڑی ہو گئی۔

''گرمی کے مارے برا حال ہو رہا ہے اور اس لڑکی کو کیسی گہری نیند آ رہی ہے۔''

''صبح کی اٹھی ہوئی ہوتی ہے شمو پھر کالج تک جانا اور آنا بھی اس قدر رش اور گرمی میں آسان تو نہیں ہوتا۔ تھک جاتی ہے۔'' تابندہ اس کی حمایت کرتی ہوئی بولی۔

''اس کی پڑھائی کا بھی آخری سال چل رہا ہے۔'' وہ شلجم چھیلتی ہوئی بولیں۔

تابندہ نے چولہے پر چڑھے گوشت کے پتیلے کا ڈھکن ہٹا کر ٹماٹر ہری مرچیں اس میں ڈالنے کے بعد چمچے سے چلا کر ڈھکنا بند کر دیا۔ چولہے کی آنچ درمیانی کر کے کونے میں رکھے آٹے کے ڈبے سے آٹا گوندھنے کے لئے نکالنے لگی۔ پانچ بج چکے تھے۔ دھوپ آنگن کے فرش سے دیواروں پر چڑھ گئی تھی۔ گرمیوں میں ہمیشہ ہی دھوپ بن بلائے مہمان کی طرح پورے آنگن اور باورچی خانے' غسل خانے وغیرہ پر مسلط رہتی تھی جس سے گھر تنور بن جاتا تھا اور سردی میں یہ کسی شرمیلی پردے دار دوشیزہ کی طرح معمولی سی جھلک دکھا کر ایسی غائب ہوتی کہ مارے سردی کے سب کانپ کے رہ جاتے۔

تابندہ نے جلدی سے آٹا گوندھ کر ڑے سے ڈھک کر نعمت خانے پر رکھا۔ کیتلی میں پانی بھر کر چینی پتی ڈال کر دوسرے خالی چولہے پر رکھی اور باہر نکل آئی۔

''تابندہ! لے یہ سبزی! گوشت بھون کر ڈال دینا۔ میں ذرا شیخ صاحب کے ہاں جا رہی ہوں۔ کل سے کئی چکر ان کے بچوں نے کر ڈالے۔ شاید وہ کوئی کپڑے وغیرہ سینے کے لئے دیں۔'' وہ کمرے سے باہر نکل کر سبزی کی تھالی اسے پکڑاتے ہوئے بولیں۔

''امی! میں نے چائے کا پانی رکھ دیا ہے۔ چائے پی کر چلی جانا۔'' تابندہ سبزی باورچی خانے کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔

''چائے میں آ کر پی لوں گی۔ اب ذرا دھوپ ڈھلی ہے تو باہر قدم نکالنے کو بھی دل کر رہا ہے اور تمہارے ابو بھی آتے ہوں گے ان کے آنے کے بعد تو کہیں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ برقع اوڑھ کر دروازے سے باہر نکل گئیں۔ تابندہ نے دیگچی سے چمچے میں بوٹی نکال کر دیکھی جو ابھی گلی نہیں تھی۔ اس نے بھوننے کا ارادہ ترک کر کے ایک گلاس پانی اس میں ڈال کر ڈھکنا بند کر دیا۔ برابر کے چولہے پر رکھا چائے کا پانی خوب پک گیا تھا۔ اس نے صافی سے پکڑ کر کیتلی کو نیچے اسٹینڈ پر رکھا اور نعمت خانے میں سے دودھ نکال کر چولہے پر ہلکی آنچ پر رکھ دیا اور وہاں سے نکل کر کونے میں لگے نل سے بالٹی بھرنے لگی تاکہ فرش دھو سکے۔ شلوار اس نے ٹخنوں سے اونچی کر لی تھی۔ آستین موڑنے کے بعد دوپٹہ اس نے سر پر لپیٹ لیا اور جھاڑو اٹھا کر فرش دھونے لگی۔

''مجھے لگتا ہے' تم ساری زندگی یونہی صفائی کرتے ہوئے گزار دو گی۔ اس کے علاوہ تم کچھ کر بھی نہیں سکتیں۔'' اندر سے شمائلہ دونوں ہاتھوں سے بکھرے بال درست کرتی ہوئی وہاں آ کر بولی۔

''اور تم ساری زندگی سونے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتیں۔'' تابندہ جو فرش دھو چکی تھی' وائپر سے صاف کرتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

''آپی! آپ کا فون آیا ہے۔ جلدی سے آ جائیں۔'' قبل اس کے کہ شمائلہ کوئی جواب دیتی' پردہ ہٹا کر پڑوس سے لڑکی نے فون کی اطلاع دی اور تیزی سے واپس چلی گئی۔

''کس کا فون ہے۔ کہاں سے آیا ہے؟''

''جاؤ شمائلہ تم سن کر آؤ' میں اتنے چائے نکالتی ہوں۔''

''نہیں تم جاؤ' مجھے منہ وغیرہ دھونے میں دیر لگے گی۔'' تابندہ نے جلدی سے اندر سے لا کر چادر اوڑھی اور شلوار ٹھیک کرتی ہوئی دروازے سے باہر نکل آئی۔ پڑوس کا گھر بالکل سامنے تھا۔ گلی میں دو چار بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ تابندہ تیزی سے ان کے گھر میں داخل ہو گئی۔

''گڑیا! امی اور باجی کہاں ہیں آپ کی۔'' وہ گڑیا کو محلے کی بچیوں کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر بولی۔

''امی باجی کو دوائی دلانے گئی ہوئی ہیں' نکڑ والے کلینک سے' ابھی آتی ہوں گی۔ آپ فون سن لیں نا'' گڑیا سامنے کمرے میں رکھے اسٹینڈ پر فون کی طرف اشارہ کر کے بولی تو وہ الجھتی ہوئی فون تک پہنچی۔

''تابی.....'' دوسری طرف سے بے قرار آواز سن کر ایک لمحے کو وہ حیران ہوئی مگر دوسرے لمحے اس کے چہرے پر ناگواری چھا گئی تھی۔

''تابندہ.....م' میں بول رہا ہوں فاران' کیا تم پہچان نہیں رہی ہو' کیا بھول گئیں مجھے؟''

''آپ کو میں کیسے بھول سکتی ہوں فاران صاحب۔'' وہ کڑوے لہجے میں بولی۔

''مجھے یقین تھا' تم مجھے نہیں بھول سکتیں۔ میں بھی تمہیں ایک لمحے کو نہیں بھول پایا ہوں۔ دیکھو میرا جذبہ صادق ہے جو تم فون سننے خود آ گئیں۔ فون کرنے سے قبل میں نے یہی دعا مانگی تھی۔'' دوسری طرف سے اس کی پرجوش آواز آئی۔

''کیوں فون کیا ہے آپ نے؟'' گڑیا اپنے کھلونے لینے آ گئی تھی۔ تابندہ آہستہ سے غرائی۔

''تمہیں یہ خوشخبری سنانے کے لئے کہ بابا ہماری شادی کے لئے مان گئے ہیں۔ پرسوں میں بابا کو لے کر آ رہا ہوں۔ وہ ممانی کو اس رشتے کے لئے راضی کر لیں گے' ممی کی غیر موجودگی میں ہی ہم شادی کر لیں گے اور شادی کے بعد ہم جب تک حالات سازگار نہیں ہو جائیں گے سوات میں رہیں گے۔ مجھے امید ہے کہ ممی زیادہ عرصہ ہم سے خفا نہیں رہیں گی۔ بابا بھی انہیں سمجھاتے رہیں گے اور ایک دن انہیں اپنی ضد توڑنی پڑے گی۔'' فاران کی آواز مسرت سے لبریز تھی۔ تابندہ کی شکل غصے سے سرخ ہو رہی تھی۔ وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی گڑیا کے وہاں سے جانے کے انتظار میں اس کی بکواس سن رہی تھی۔ گڑیا کے کمرے سے نکلتے ہی وہ آتش فشاں کی طرح پھٹی۔

''شرم نہیں آتی آپ کو ایسی بے ہودہ بکواس کرتے ہوئے۔ کیا خطا ہو گئی مجھ سے ایسی فاران صاحب جو آپ مجھے بالکل بدنام کر دینے پر تیار ہو گئے ہیں۔ پھوپو نے کیا کم الزامات دیے ہیں۔ ذلیل کر کے رکھ دیا ہم ماں بیٹیوں کو ایک دوسرے کی نظروں میں۔ اور میں.... میں تو بالکل ہی اپنی نگاہوں میں گر گئی ہوں۔ کچھ نہ کر کے بھی بہت بڑی گناہ گار ٹھہری ہوں۔'' اس کی غصیلی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔

''تابی' تابی تم روؤ نہیں فار گاڈ سیک۔ فون نہیں بند کر دینا۔'' دوسری طرف سے فاران بہت پریشان الجھے ہوئے لہجے میں بولا' ممی آئی تھیں کیا یہاں؟'' اس کی آواز بہت شکستہ تھی۔

''ہاں اور جیسے الزامات وہ لگا کر گئی ہیں جو طعنے انہوں نے دیے ہیں اگر مجھے ماں باپ کی بدنامی کا ڈر نہیں ہوتا تو میں کب کی خودکشی کر چکی ہوتی آپ براہ مہربانی حسنہ کو دل سے قبول کر لیجیے میں اسے جانتی ہوں۔ وہ آپ کے لئے مجھ سے زیادہ اچھی اور بہترین ثابت ہو گی۔''

''میں نے تم کو یہاں مشورہ لینے کے لئے فون نہیں کیا۔ اگر تم نہیں تو کوئی بھی لڑکی میری زندگی میں نہیں آئے گی۔ میں یہ ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' وہ مضبوط اور اٹل لہجے میں بولا۔

''کیا آپ مجھ سے واقعی محبت کرتے ہیں' سچی محبت۔'' وہ قدرے جھجکتی ہوئی بولی۔

''نہیں' ڈراما کر رہا ہوں۔'' اس کی جھلاہٹ بھری آواز ابھری۔

''اگر آپ مجھ سے واقعی سچی محبت کرتے ہیں تو آپ کو اس کا ثبوت دینا ہوگا۔ آپ حسنہ سے شادی کرلیں۔ مجھے آپ کی محبت کا یقین ہو جائے گا اور خدا کی قسم' میں بہت مسرت کے ساتھ آپ کی شادی میں شریک ہوں گی اور آپ کی عظمت میرے دل میں ہمیشہ رہے گی اور اگر ایسا نہ ہوا آپ یہ ملک چھوڑ کر چلے گئے تو میں خودکشی کرلوں گی اور یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں' میں جھوٹ کبھی نہیں بولتی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

''میری محبت' ارمان' جذبوں کی بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہو تابی' تم یہ سب کروا کر ممی کی نگاہوں میں سرخرو ہونا چاہتی ہو۔ مگر میں حسنہ سے شادی کبھی......''

''اگر آپ کو اپنی بے لوث محبت کی صداقت دکھانی ہے تو آپ کو حسنہ سے شادی کرنی ہی ہوگی ورنہ......'' تابندہ نے آگے اس کی بات سنے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ اپنے فیصلے سے پرسکون ہوگئی تھی۔ ''گڑیا دروازہ اندر سے بند کرلو میں جا رہی ہوں۔'' وہ گڑیا سے کہہ کر باہر نکل آئی۔ دروازے کا پردہ ہٹا کر وہ اندر داخل ہوئی تو شائلہ اسے دروازے کے پاس ہی کھڑی مل گئی۔ ''کس کا فون تھا۔'' وہ تجسس سے بولی

''امی آ گئیں۔'' وہ چادر اتارتی ہوئی سرگوشی میں بولی۔

''نہیں۔''

''فاران کا فون تھا۔'' وہ دھیرے سے بولی تھی مگر شائلہ بہت زور سے چونکی تھی۔

✦ ✦ ✦

''چچی، چچی جان' ذرا دیکھئے تو سہی کون آیا ہے۔'' اُسامہ نے بیڈ پر لیٹی ہوئی عظمت بیگم کی طرف جھک کر کہا۔ عظمت بیگم نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ ''میری طرف نہیں' سامنے دروازے میں دیکھیں۔'' وہ انہیں سہارا دے کر بٹھاتے ہوئے بشاش لہجے میں بولا۔ انہوں نے دروازے کی سمت دیکھا اور خوشی سے چیخ اٹھیں۔

'' نبیل میرا بچہ۔'' دروازے میں ارشد اور روحیل صاحب کے درمیان کھڑا نبیل بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ان سے لپٹ گیا تھا۔

''کیوں ماں سے دور ہوگئے تھے میری جان' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جیتے جی اپنی اولاد کو دیکھنے کے لئے ترس جاؤں گی۔'' وہ اس کے بالوں کو چومتے ہوئے اشکوں کے درمیان بولیں۔

''مما آپ لوگوں کے بغیر یہ چار ماہ بہت طویل لگے ہیں۔'' نبیل ان کے آنسو رومال سے صاف کرتا ہوا بولا۔ ماں بیٹے کے جذباتی ملاپ سے وہاں بیٹھی گھر کی تمام خواتین کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ کوثر بیگم اپنی آنکھیں صاف کرتی ہوئی اٹھیں۔ انہوں نے عظمت بیگم اور نبیل کو سمجھایا اور زینی کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔ کیونکہ وہ گھر کی بڑی بہو تھیں اور اماں جان کے بعد وہی خاندان کی سربراہ بھی تھیں۔ ان کی سادہ طبیعت اور حسن اخلاق کی وجہ سے سب چھوٹے بڑے ان کی عزت بھی کیا کرتے تھے۔

''نبیل! بہو کہاں ہے۔'' عظمت بیگم کی متلاشی نگاہیں پورے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''بہو آپ بغیر منہ دکھائی کے دیکھنا چاہتی ہیں۔ پہلے منہ دکھائی کا انتظام کریں پھر بہو دیکھنے کی بات کیجئے گا۔'' شمیر خوشگوار موڈ میں اندر آ کر بولا۔

''میرا سب کچھ اس کے لئے ہے۔'' وہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے نبیل کو دیکھتی ہوئی مسکرا کر بولیں۔

''میرے اور ارشد بھائی کے ساتھ تو یہ نا انصافی ہے۔'' شمیر ارشد کی طرف دیکھ کر بولا۔

''ابھی آپ کی نا انصافیوں کا وجود نہیں ہے۔ اس لئے وقت آنے تک اطمینان سے رہو۔'' فوزیہ بیگم جو اس کی شرارت سمجھ گئی تھیں' مسکرا کر بولیں تو سب ہنسنے لگے۔

''عظمیٰ' اب اجازت دو' بہت ٹائم ہوگیا ہے۔ اماں کے بھی کل سے سر میں درد ہے' انہیں بھی جا کر ٹیبلیٹس وغیرہ دینی ہیں۔ تمہیں تو معلوم ہے' وہ اس معاملے میں بالکل بچوں کی طرح بی ہیو کرتی ہیں۔'' کوثر ان سے مخاطب تھیں۔

''میں بھی اب بالکل ٹھیک ہوگئی ہوں' آج چھٹی لے کر گھر جاؤں گی۔'' وہ بولیں۔

''میرا خیال ہے آپ ابھی ایک دو دن اور ریسٹ کرلیں تو زیادہ بہتر ہے۔'' فوزیہ ان سے مخاطب ہوئیں۔

''تائی جان' میرے خیال میں اب ممی کو گھر چل دینا ہی چاہئے کیونکہ نبیل بھائی کے آنے کے بعد ممی کے چہرے پر خاصی تازگی و رونق آ گئی ہے۔'' شمیر بولا۔

''میں ڈاکٹر سے بات کر کے آتا ہوں۔ آؤ اُسامہ۔'' نبیل کھڑے ہوتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی اس نے روحیل صاحب اور ارشد سے گفتگو کرتے اُسامہ کو آواز دی۔

✦ ✦ ✦

لان خوش رنگ پھولوں سے مہک رہا تھا۔ گلابی شام کے اجالے میں لان چیئرز پر بیٹھی وہ تینوں باتوں میں مصروف تھیں۔

''اب ماما ٹھیک ہو چکی ہیں۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ کل تمہیں ہر صورت میں آنا ہوگا۔'' سمیرا چائے کا کپ ٹرالی سے اٹھاتی ہوئی بولی۔

''میرا دل نہیں چاہتا' ماما کو تنہا چھوڑنے کو۔ اگر میں نہیں آؤں گی تو تمہاری پارٹی بے مزہ نہیں ہوگی۔'' لائبہ چائے پیتے ہوئے بولی۔

''تمہاری بکواس بالکل بھی نہیں چلے گی' ہر صورت میں تمہیں آنا ہوگا۔'' سمیرا اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''یار ہامی بھر لو نا! تمہارے بغیر واقعی پارٹی بے رنگ و نور رہے گی۔'' حنا مسکرا کر بولی۔

''میں بھیج دوں گی لائبہ کو۔ آپ فکر مت کریں۔'' ماما جو صحت یاب ہو چکی تھیں ان کے درمیان کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''آپ آرام بالکل نہیں کرتیں۔ ابھی آپ کے لئے زیادہ چلنا پھرنا مناسب نہیں ہے۔''

''کتنا آرام کروں بیٹا۔ دو ہفتے تو ہوگئے ہیں مجھے آرام کرتے ہوئے۔'' مسکرا کر بولیں۔

''آنٹی! اب یہ آپ کی ذمے داری ہوگئی ہے کل پارٹی میں اسے بھیجنے کی۔'' حنا ان سے مخاطب ہوئی اور انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

✦ ✦ ✦

سمیرا کے والد کا کاروبار اسپیئر پارٹس بنا کر فروخت کرنے کا تھا اور وہ بڑے بزنس مین تھے۔ ان کی فیملی بہت ماڈرن سی تھی۔ اکثر ان کے ہاں پارٹیاں ہوتی رہتی تھیں چنانچہ اب بھی سمیرا کے والد کو فرانس سے آئے ہوئے کچھ دوستوں کو پارٹی دینی تھی جس میں حسب معمول خاندان اور گھر کے افراد کو اپنے دوستوں وغیرہ کو انوائٹ کرنے کی مکمل آزادی ہوتی راحت ان تھی۔ سمیرا نے بھی لائبہ' حنا کے علاوہ اُسامہ' حیدر' نادر اور راحت ان سب کو بلایا تھا۔ وسیع و عریض لان روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ مہمان تقریباً تمام ہی آ چکے تھے۔ دلفریب پرفیومز اور خواتین کے زرق برق لباسوں سے محفل میں بہار آئی ہوئی تھی۔ مردوں کے قہقہے بھی وہاں تھے۔ عورتوں کی مسکراہٹیں بھی' آرکسٹرا کی بجتی مدھم میوزک میں ماحول بہت دلکش تھا' آپ لوگوں نے ڈرنکس وغیرہ لیں۔ فیروزی دبکے ورک سے جھلملاتی ساڑی باندھے ہوئے لائٹ میک اپ میں نکھری نکھری سی سمیرا وہاں آ کر ان چاروں سے بولی۔

''جی ہاں آپ تنہا نظر آ رہی ہیں دونوں ہم جولیاں کہاں ہیں آپ کی۔'' حیدر' ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے بولا ہاں کوک کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔

''ان دونوں کا ہی انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''مس لائبہ آج بھی آئیں گی یا کوئی بہانہ کر دیا ہے انہوں نے۔'' حیدر کو ہمیشہ ہی اس کی زیادہ فکر رہتی تھی' جبکہ راحت اور نادر کی شرارت بھری نگاہیں اُسامہ کی طرف تھیں جو سگریٹ پیتے ہوئے ان کی گفتگو سے لاتعلق بنا بیٹھا تھا۔

''اس دن اس نے کوئی بہانہ نہیں بنایا تھا۔ ان کی ماما کی واقعی طبیعت خراب تھی۔ اب تو ماما نے خود ہی اسے بھیجنے کا وعدہ کیا ہے تو وہ اسے ضرور بھیجیں گی۔ ورنہ حقیقتاً لائبہ آدم بیزار ہے۔ خصوصاً پارٹیز وغیرہ اٹینڈ کرنے کی تو بالکل عادی نہیں۔''

''ہو جائے گی وہ بھی کچھ عرصے بعد۔ وقت انسان کو اپنے ساتھ ہی بدل دیتا ہے۔'' حیدر بولا۔

''میں فون کر کے معلوم کرتی ہوں۔ انہیں اتنی دیر کیوں ہوئی ہے۔'' سمیرا معذرت کر کے اٹھتی ہوئی بولی۔ اور لان سے گزر کر رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

''جمشید خان تو ایسا منہ چھپا کر بھاگا ہے کہ ایگزامز بھی اس نے مس کر دیے۔'' راحت بولا۔

''میرے سامنے نام مت لیا کرو اس کا۔'' اُسامہ ایش ٹرے میں سگریٹ رگڑتا ہوا بولا۔

''اس دن غلطی سے میرے منہ سے نام کیا نکل گیا' تم لوگوں نے زچ کر کے رکھ دیا ہے مجھے۔'' اُسامہ جو بہت دیر سے خاموش بیٹھا ہوا تھا' تینوں کو گھور کر بولا۔

یوں تری یاد نے دیوانہ بنا رکھا ہے
سارے عالم سے بیگانہ بنا رکھا ہے
بے خودی میں جو کبھی میں نے ترا نام لیا
اس کو دنیا نے اِک فسانہ بنا رکھا ہے

حیدر نے بہت ترنگ میں آ کر اس کے حسب حال اشعار پڑھے۔

''دنیا..... تم تینوں کی ''دنیا'' میں ابھی یہیں بدل سکتا ہوں۔''

''تم جب چڑتے ہو تو تمہارے سارے راز کھل جاتے ہیں۔ اب تم کچھ بھی کہو مگر تمہارے سیکریٹس ہمارے لئے سیکرٹ نہیں رہے ہیں۔'' حیدر کندھے اچکاتا ہوا بولا۔

''ویسے یار' ایسی باتیں دوستوں کو بتائی جاتی ہیں اور تم ہم سے چھپا رہے ہو یعنی تم ہمیں اپنا دوست نہیں سمجھتے۔'' نادر قدرے سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''ہیلو ینگ مینز' کیسے ہیں آپ لوگ۔'' گرے تھری پیس سوٹ میں ملبوس منہ میں سگار دبائے سمیرا کے والد وہاں آ کر ان چاروں سے مخاطب ہوئے جو انہیں دیکھ کر احتراماً کھڑے ہوگئے تھے۔

''فائن سر۔'' حیدر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''بیٹھیں آپ لوگ۔'' وہ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''سمیرا بہت تعریف کرتی ہے' آپ لوگوں کی اور اس کی تعریفیں سن سن کر مجھے بھی اشتیاق ہو گیا تھا' آپ لوگوں سے ملنے کا۔ کئی مرتبہ کوشش کی مگر بزنس نے آکٹوپس کی طرح جکڑ رکھا ہے۔ فرصت ہی نہیں ملتی۔'' وہ سگار کو ٹیبل پر موجود ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے بولے۔ اور کچھ دیر ان سے باتیں کرنے کے بعد وہ مہمانوں کی طرف بڑھ گئے۔

''تم نے جواب نہیں دیا۔'' نادر اس کی طرف دیکھتا ہوا خفگی سے بولا۔

''بے سروپا سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا اگر میں تمہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا یا تم سے دوستی میں پرخلوص نہیں ہوتا تو آج رستم زمان کی اہم میٹنگ چھوڑ کر تم لوگوں کے اصرار پر یہاں نہ آتا۔'' اُسامہ ملک کے وجیہہ چہرے پر سنجیدگی کی ایک دبیز تہہ تھی۔ نادر اطمینان سے مسکرا کر رہ گیا۔ اس کی دوستی کے صادق جذبوں پر انہیں پختہ یقین تھا۔

''رستم زمان کے ساتھ تم دن بدن زیادہ منسلک ہوتے جا رہے ہو' کیا ان کی پارٹی جوائن کرنے کا ارادہ ہے۔'' حیدر اسکوائش کا گلاس منہ سے لگاتا ہوا بولا۔

''رستم صاحب' سچے کھرے نیک اور دیانت دار آدمی ہیں۔ ان کا پیکر اتنا شفاف ہے کہ انسان ان کے سامنے خود کو بہت طاقت ور اور برائٹ محسوس کرتا ہے۔ ان کی سیاسی بصیرت بہت لاجواب ہے۔ ان کے طرز عمل میں کوئی کھوٹ یا دکھاوا نہیں ہے۔ وہ واقعی ملک پر جان نثار کرنے والے اور قوم کا درد رکھنے والے مخلص انسان ہیں۔'' اُسامہ کے لہجے میں ان کے لئے بہت محبت و عقیدت تھی جس سے اس کے ساتھی بھی متاثر ہوئے تھے۔

ڈنر کے بعد آئس کریم کا دور چلا تھا جس کے بعد مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہونا شروع ہوگئے تھے۔ اُسامہ حد درجہ بوریت محسوس کر رہا تھا۔ وہ ڈنر سے پہلے ہی جانا چاہتا تھا مگر سمیرا کے والد اور والدہ نے زبردستی اسے روک لیا تھا اور وہ مجبوراً ان کی دل شکنی کے خیال سے رک بھی گیا تھا۔ سمیرا اور حنا کے ساتھ موجود لائبہ کو اس نے دیکھ لیا تھا۔ حنا تو ان سے مل کر گئی تھی مگر لائبہ نے انہیں دیکھ کر نظر انداز کر دیا تھا اور سمیرا کی مما اور کزنز کے ساتھ باتوں میں مصروف رہی تھی۔ اس کی اس حرکت پر اسے بہت غصے

بعد شدید طیش آیا تھا۔ اپنے اس بے اختیار ابھرنے والے جذبے پر اس نے شدت سے جھلا کر لعنت بھیجی تھی جس نے اس جیسے اسٹون مین کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ کپ میں آئس کریم اس کی یونہی گھل رہی تھی اور اس کی تپتی ہوئی نگاہیں سامنے مہمانوں کے ہجوم کے درمیان کھڑی سمیرا سے باتیں کرتی ہوئی لائبہ پر تھیں۔ گرین ٹشو کے زری اور موتیوں کے کولڈن کام کے سوٹ میں اس کی گلابی رنگت مرکری لائٹس میں دور سے دمک رہی تھی۔ چہرہ حسب معمول میک اپ سے پاک ہونے کے باوجود سب سے نمایاں تھا۔ پہلے اس نے اسے اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ گو اس کے حسن سے بے نیاز تھا اور بے پروا تھا مگر اب جب کہ وہ بن بلائے مہمان کی طرح اس کے دل میں اس کی سوچوں میں' اس کے خوابوں پر بہت ہٹ دھرمی و دلیری سے قابض ہو گئی تھی تو اس کی ہر ادا میں اسے ایک بے قرار کر دینے والی' بے خود و بیگانہ کر دینے والی کشش محسوس ہوتی تھی۔

''پلیز واپس آ جاؤ' کیا آنکھوں ہی آنکھوں میں ہضم کر لینے کا ارادہ ہے انہیں۔'' برابر میں بیٹھا ہوا نادر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے بولا' جبکہ حیدر اور راحت ہنس پڑے تھے۔ حقیقتاً اس وقت اس کا دماغ گھوما ہوا تھا اور اسے اپنی غلطی کا بھی احساس تھا۔ اس لئے انہیں گھورنے کے سوا وہ کچھ بولا نہیں۔

حیدر نے بہت شاعرانہ انداز میں شعر پڑھا تھا جس کی راحت اور نادر نے خوب داد دی' جبکہ اُسامہ اب سنبھل گیا تھا اور اس نے ان تینوں کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ انہیں کوئی رسپونس دیئے بغیر وہ ہونٹوں میں دبے سگریٹ کے کش لینے میں مصروف تھا۔

''لائبہ' تم اتنی بے حس اور بے مروت ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' سمیرا حیرانی سے بولی۔

''سمیرا ٹھیک کہہ رہی ہے لائبہ' تمہیں اُسامہ بھائی وغیرہ کو اگنور تو نہیں کرنا چاہئے' جبکہ تم نے ایک عرصہ ان لوگوں کے درمیان کام کرتے ہوئے گزارا ہے۔ اب تو تمہیں ان سے ملنا چاہئے جبکہ وہ تعلیم مکمل کر کے جامعہ چھوڑ چکے ہیں۔'' حنا بھی اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''میں ضروری نہیں سمجھتی۔'' لائبہ آہستہ سے بولی۔ حنا اسے زبردستی لے آئی تھی پارٹی میں' ماما نے بھی اسے بہت اصرار سے بھیجا تھا۔ کیونکہ وہ اب مکمل طور پر صحت یاب ہو گئی تھیں۔ وہ حنا کے ساتھ آ گئی تھی۔ یہاں سمیرا اور اس کے پیرنٹس بہت محبت سے اس سے ملے۔ سمیرا نے اپنی کزنز سے اس کا تعارف کرایا۔ وہ سب اس سے بہت بے تکلف ہو کر ملی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئی تھی کہ برابر میں کھڑی کچھ لڑکیوں کی گفتگو پر وہ چونکی تھی' ایک لڑکی بہت لگاوٹ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''بہت زبردست ڈشنگ پرسنالٹی ہے' وری چارمنگ' نہ معلوم کتنی لڑکیاں تو اس کی تصویر دیکھ کر ہی اسے خوابوں میں بسا بیٹھی ہیں۔ مگر سنا ہے' یہ بہت مغرور ہے' لڑکیوں سے سخت الرجک ہے۔''

''اسے تو فلم لائن میں جانا چاہئے تھا۔ سیاست میں کیوں آ گیا۔'' دوسری لڑکی کی آواز آئی۔

ماڈرن' شوخ و شنگ لڑکیوں کا گروپ اردگرد سے بے نیاز اپنے تبصروں میں مصروف تھا۔ لائبہ نے ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تو لب بھینچ کر رہ گئی۔ اس کی پیشانی پر نہ معلوم کس جذبے کے تحت ناگوار شکنیں پڑ گئی تھیں۔ سامنے فوارے کے نزدیک ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں پر وہ چاروں بیٹھے تھے۔ حیدر کے برابر میں بیٹھے لائٹ گرے کوٹ سوٹ میں اس کی وجیہہ پرسنالٹی' آنکھوں میں کھب رہی تھی۔ اس کے بالوں کا اسٹائل اس کی وجاہت کو دلکش بنا رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ مسکراتا ہوا حیدر سے بات کرتا ہوا سگریٹ سلگا رہا تھا اور اس کا یہ اسٹائل ان عاشق مزاج حسن پرست لڑکیوں کو دیوانہ سا بنا گیا تھا۔ وہ بے باک انداز میں پھر شروع ہو گئی تھیں۔ لائبہ نے فوراً ہی نگاہیں اُسامہ کے چہرے سے ہٹائی تھیں۔ اسے شدت سے غصہ ان لڑکیوں پر آ رہا تھا جو اپنی نسوانیت کا وقار اور بلند مرتبہ بھلائے اُسامہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی تھیں جبکہ وہ ان سے بے خبر تھا۔

''میرے خیال میں تم اُسامہ بھائی کی موجودگی کی وجہ سے نہیں جانا چاہ رہی ہو۔'' سمیرا بولی۔

''کیوں؟''

''بھئی اب اس کیوں میں بہت سارے کیوں پوشیدہ ہیں۔ اس لئے اس کیوں کو یہیں ڈراپ کرو' آؤ چلو۔'' حنا ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔

''السلام علیکم۔'' حیدر نے لائبہ کو دیکھ کر سلام کیا۔ وہ چاروں انہیں وہیں مل گئے تھے۔

''وعلیکم السلام' کیسے ہیں آپ۔'' لائبہ ہلکے سے تبسم سے بولی۔

''الحمدللہ میں بالکل خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں۔'' حیدر بہت شوخی سے بولا تھا۔ اس کے انداز پر سوائے اُسامہ کے وہ سب مسکرا اٹھے تھے۔

''اوکے سمیرا' اب اجازت دو' بہت ٹائم ہو گیا ہے۔'' اُسامہ سمیرا سے مخاطب ہوا۔ اس نے خوبصورتی سے لائبہ کو نظر انداز کر کے بدلہ لے لیا تھا۔

''ابھی اتنا ٹائم کہاں ہوا ہے' صرف گیارہ تو بجے ہیں۔ مہمانوں کی وجہ سے ہم نے باتیں بھی نہیں کیں۔ مہمان تو اب سب ہی جا چکے ہیں۔ آؤ گپ شپ کریں گے۔'' سمیرا کا قطعی موڈ نہیں تھا' انہیں ابھی رخصت کرنے کا۔

''ہم ملتے رہیں گے۔ ہم نے جامعہ ہی تو چھوڑی ہے کوئی دنیا تھوڑی۔ گپ شپ پھر ہو گی' انشاءاللہ اب گھر جانے ہی دو ورنہ بھابی جان نے گیٹ بند کروا دیئے تو میری ساری رات فٹ پاتھ پر کتوں کے ساتھ گزرے گی۔'' نادر بھی رسٹ واچ دیکھتا ہوا بولا۔

''نادر پلیز' مجھے اور لائبہ کو بھی ڈراپ کر دینا۔ میری کار آتے ہوئے راستے میں خراب ہو گئی تھی پھر ہمیں ٹیکسی میں یہاں تک آنا پڑا تھا۔'' حنا نادر سے بولی۔

''لائبہ! تم تو رک جاؤ' شوفر ڈیڈی کے مہمانوں کو چھوڑ کر آئے گا تو تمہیں ڈراپ کر آئے گا۔''

''نہیں سمیرا' تمہارے گھر سے میرے گھر کا راستہ بھی مکمل ایک گھنٹے کا ہے اور ہاکس بے سائیڈ کے راستے تو آٹھ بجے سے ہی تاریک ہو جاتے ہیں اور ان راستوں پر سفر کرتے ہوئے مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے۔'' لائبہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بولی۔

''آپ ہاکس بے سائیڈ پر رہتی ہیں۔ یہ تو واقعی نادر کے لئے مسئلہ ہو جائے گا۔ آپ کو اُسامہ ڈراپ کر دے گا۔ میں راحت کے ساتھ چلا جاؤں گا۔'' حیدر نے اُسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن مجھے......''

''ڈراپ کر دینا یار' تم تو ویسے بھی رش ڈرائیونگ کرتے ہو' جلد پہنچا دو گے۔'' حیدر اس کے انکار کرنے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''نہیں میں فون کر کے گھر سے ڈرائیور کو بلوا لیتی ہوں۔'' لائبہ کے لہجے میں گھبراہٹ کا عنصر تھا۔

''آپ کیسی غیروں جیسی باتیں کر رہی ہیں۔ ہم نے اتنا عرصہ ساتھ کام کیا ہے۔ میرے خیال میں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد ہونا چاہئے۔'' نادر اس سے بولا۔

''نہیں بات بے اعتمادی کی قطعی بھی نہیں ہے۔ دراصل میں نہیں چاہتی' انہیں میری وجہ سے اتنی پریشانی ہو۔''

''انہیں پریشانی کیسی۔ ان کا تو کام ہی عوام کی خدمت کرنا ہے۔ یہ آپ کو گھر ڈراپ کر کے آپ پر کوئی احسان نہیں کریں گے بلکہ بحیثیت سچے محب وطن' عوامی لیڈر ہونے کی وجہ سے آپ جیسی معزز شہری کی خدمت کرنا ان کا فرض ہے بلکہ عین سعادت ہے۔''

''اُسامہ کے گھورنے اور لائبہ کے نروس ہونے کے باوجود راحت کی زبان فل اسپیڈ سے چل رہی تھی۔ اُسامہ ہونٹ بھینچے ان کی شرارت اچھی طرح سمجھ رہا تھا آخر کار وہ اسے گھیرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

''سمیرا کے ڈیڈی ممی کے بے حد اصرار پر انہیں چائے کے لئے رکنا پڑا تھا' جبکہ نادر اپنی مجبوری بتا کر اور حنا کو ساتھ لے کر چلا گیا تھا۔ چائے پینے کے بعد جب وہ اجازت لے کر اٹھے تو بارہ بج چکے تھے۔ اتنا ٹائم ہو جانے' دوسرے اُسامہ کے ساتھ سفر کرنے کے خیال سے وہ بہت ہراساں ہو رہی تھی۔ گو کہ ایک سفر وہ (طویل سفر) اس کے ساتھ کر چکی تھی اور اسے بہت باکردار و حساس پایا تھا مگر اس وقت وہ ایک اکھڑ مغرور اور خود پسند کسی کو اپنے سامنے خاطر میں نہ لانے والا شخص تھا مگر اب۔

اب اس اُسامہ اور آج کے اُسامہ میں اتنا ہی فرق تھا جتنا زمین و آسمان میں۔ پہلے وہ اس کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا' اب اس کی نگاہوں کے پیغام کھلی کتاب کی طرح عیاں تھے۔ اس نے عام عاشقوں کی طرح اس کی راہیں نہیں روکی تھیں نہ ہی کوئی جذباتی جملے اس کی طرف اچھالے تھے۔ اس نے خود پر مکمل قابو رکھا تھا۔ جذبوں کو بہت پوشیدہ رکھا تھا مگر خوشبو کبھی چھپ نہیں سکتی۔ چاہتوں کی چاندنی جب پھیلتی ہے تو انسان سراپا منور ہو جاتا ہے۔ پھولوں کی طرح کھل اٹھتا ہے۔ اس کے جذبوں کی مہک لائبہ جیسی حساس و ذہین لڑکی نے محسوس کر لی تھی۔ پہلے تو یقین ہی نہ کر سکی کہ یہ سچ ہے۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے مگر جب اسے یقین ہوا کہ ہاں یہ سب سچ ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے تو وہ پھر دور ہٹتی چلی گئی۔ پہلے ان کے درمیان جو غلط فہمیاں چلی تھیں' وہ اسب اس نے بھلا دی تھیں۔ اُسامہ کا احترام اس کے دل میں تھا کہ وہ ایک مضبوط کردار کا غیرت مند انسان تھا۔ ایک دفعہ اس نے وڈیرے نواز سے اسے بچایا تھا تو دوسری مرتبہ جمشید خان جیسے درندے سے اس کی عصمت بچائی تھی۔ ان ساری باتوں نے اس کا دل صاف کر دیا تھا مگر اب جو وہ چاہ رہا تھا' وہ اس کے لئے قطعی ممکن نہیں تھا۔ کار تیزی سے منزل کی طرف گامزن تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔

''آپ میرے ساتھ آنے سے خوفزدہ ہیں۔'' اُسامہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں' میں سوچ رہی ہوں ماما پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' لائبہ سنسان روڈ پر پھیلے ہوئے اندھیروں کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' اُسامہ اس سوٹ کی ہم رنگ مخمور آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''مم...... مگر آپ نے کار کیوں روک دی ہے۔'' لائبہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

اُسامہ نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کافی ہراساں و پریشان تھی۔ اس کا خوفزدہ ہونا بجا تھا۔ بارہ بجے کے بعد تو وہ سمیرا کے ہاں سے نکلے تھے۔ سفر کرتے ہوئے انہیں ایک گھنٹہ ہو گیا تھا۔ یہ ہاکس بے کا سینٹرل علاقہ تھا' جہاں آبادی نہیں تھی۔ رائٹ سائیڈ پر میدانی علاقہ تھا۔ لیفٹ پر سمندر پر سے آتی پانی کی پرشور آواز تھی۔ ہر طرف اندھیرے کا راج تھا۔ مئی کی آخری راتوں کا چاند تھا جو ستاروں کے جھرمٹ میں روشنی پھیلا رہا تھا۔ اس کی روشنی دبیز اندھیرے کو ختم کرنے کے لئے ناکافی تھی۔ سارے دن کی شدید گرمی کے بعد رات کے اس پہر کی چلتی فرحت بخش ہوا اچھی لگ رہی تھی۔ اُسامہ بالوں میں انگلیاں پھنسائے بہت کچھ کہنے کے لئے سوچ رہا تھا۔ اپنی بات کہنے کے لیے اسامہ کے پاس یہ سب سے بہتر موقع تھا' پتہ نہیں پھر موقع ملے نہ ملے' اس لیے وہ ابھی معاملہ کلیئر کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ ابتدا کیسے کرے۔ کیا کہے؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اول دن سے ہی اس کے لئے چٹان بنا ہوا تھا۔ ہمیشہ اس نے اس کی تذلیل کی تھی۔ معمولی سی بھی اہمیت اسے دینے کو تیار نہیں تھا پھر یکایک اس میں شدید تبدیلی آئی۔ لائبہ کے سائے سے بھی گریز کرنے والا۔ خود اس کی پرچھائیں بننے کی سعی میں مگن ہو گیا تھا۔ بے اختیار' بے ارادہ بے خبر وہ اس کی چاہ میں گرفتار ہو گیا اور پھر ہوتا چلا گیا۔ شاید اسی لئے کہتے ہیں' محبت کا بیج نہ معلوم کس لمحے آپ کی دل کی زمین میں نمو پا کر بہت آہستہ آہستہ خاموشی سے بڑھتا چلا جاتا ہے اور آپ کو خبر ہونے تک وہ مضبوط تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا ہوتا ہے جو کاٹے نہیں کٹتا کہ اس کی جڑیں بہت زیادہ مضبوط ہو چکی ہوتی ہیں۔ ساتھی کی طلب' ہم سفر کا خیال' رفیق حیات کی جستجو تو ابن آدم کے لہو کی گردش میں رہی ہے۔ اس خواہش نے بہت سارے قصوں کو جنم دیا۔ لاکھوں کہانیوں کا عنوان بنی' صدیاں بیتیں' زمانے گزرے' کئی دور آئے اور چلے گئے' حکومتیں بدل گئیں' لوگوں کے طور و اطوار بدل گئے مگر نہ بدلا تو ایک یہ لافانی جذبہ نہ بدلا۔ آج بھی جس کسی میں یہ جذبہ موجود ہے جس میں بیدار ہوتا ہے اسے بدل ڈالتا ہے۔ اس جذبے میں محبت ہوتی ہے مگر بہت احترام و پاکیزگی و تقدس کے ساتھ' سچی محبت میں ہوس پرستی و بے حیائی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ محبوب کی طرف اٹھنے والی نگاہ میں ہوس نہیں احترام ہوتا ہے۔

اُسامہ کی نگاہیں بھی اس کی طرف تھیں مگر ایک لمحے کو اس کے چہرے پر ٹھہر کر اس کے سر پر اوڑھے گرین آنچل پر ٹک جاتی تھیں۔ اس کے لب ابھی تک سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔

''کار میں کوئی خرابی ہو گئی ہے کیا؟'' لائبہ نے پانچ منٹ اس کی خاموشی کو نوٹ کر کے کہا۔

''شاید میرے دماغ میں خرابی ہوگئی ہے۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھادی تھی۔ لائبہ کی سمجھ میں اس کی بڑبڑاہٹ ہرگز نہیں آئی تھی مگر اس کے کار چلانے سے مطمئن ہوگئی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ تجسس بالکل بھی نہ تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ اسے جلد از جلد گھر پہنچنے کی لگ رہی تھی۔ اس نے جب سے اس کے بدلے ہوئے انداز دیکھے تھے' اسے اس کے وجود سے وحشت ہونے لگی تھی۔ وہ محبت پر بالکل اعتبار نہیں رکھتی تھی۔ ماضی کا ایک حصہ وہ مغربی معاشرے میں گزار آئی تھی۔ وہ معاشرہ وہ تہذیب جس نے نہ مرد کے وقار کو برقرار رکھا تھا' نہ عورت کے احترام کو قائم رہنے دیا تھا۔ مذہب و ایمان کی قیود سے آزاد اس نے لوگوں کو جانوروں کی طرح ملتے دیکھا تھا۔ ناجائز و حیا سوز مناظر سے اسے شدید نفرت تھی۔ مردوں کی طرف سے تو اس کے دل میں بچپن کی محرومیوں نے ہی نفرت ڈال دی تھی جو وقت کے ساتھ اور بڑھ گئی تھی۔ اسامہ کی کیفیت سے وہ مکمل نہیں تو اس قدر تو آگاہ ہو ہی گئی تھی کہ اس کے جذبات و احساسات کو سمجھ سکے۔ نسوانی حس کی وجہ سے وہ اس کے احساسات کو سمجھنے لگی تھی اور پھر بہت محتاط بھی ہوگئی تھی۔ وہ اس کے سابقہ خراب رویوں کا انتقام نہیں لے رہی تھی اور نہ ہی وہ اسے تڑپا کر یا نظر انداز کر کے وقتی تسکین حاصل کرنا چاہتی تھی مگر اس کی ذات سے کسی کو دکھ پہنچے' اسے یہ ہرگز گوارا نہ تھا۔ اُسامہ کو وہ کسی دھوکے یا خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی اور یہی اس کے گریز کی اصل وجہ بھی تھی۔ کار مین گیٹ کے آگے رکی تو وہ اپنی سوچوں سے بیدار ہوئی تھی۔

''آ...... آپ اندر آیئے نا......'' خواہ مخواہ ہی اس کی زبان لڑکھڑاہٹ کا شکار ہوگئی۔

''تھینکس' واپسی کا راستہ مجھے ابھی طے کرنا ہے۔ شاید انجانے میں' میں نے بہت کٹھن و دشوار راستے کا انتخاب کرلیا ہے۔''

لائبہ نے اس کی ذومعنی بات پر بے ساختہ اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی نگاہیں ابھی اسٹیئرنگ پر جھکی ہوئی تھیں۔ کشادہ پیشانی پر شکنیں تھیں۔ لائبہ دوپٹہ اور ہینڈ بیگ سنبھالتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ ''اللہ حافظ!'' اُسامہ نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ لائبہ سے جھکی ہوئی پلکیں اٹھائی ہی نہ گئیں کہ اس کی گرم نگاہوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر محسوس کررہی تھی۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار کو دیکھ کر اُسامہ نے مطمئن انداز میں کار اسٹارٹ کرلی تھی۔ دوسرے لمحے اس کی کار ہوا کی طرح فراٹے بھرتی نگاہوں سے بہت دور ہو چکی تھی۔

❖ ❖ ❖

''میری سمجھ میں اماں جان کے فیصلے نہیں آتے۔ نبیل کو انہوں نے ہم سے ملنے کی اجازت دے دی ہے تو اس کی بیوی ہم سے کیوں نہیں مل سکتی۔'' عظمت بیگم بیڈ پر لیٹے روحیل صاحب کی طرف کروٹ بدل کر بولیں۔

''کیا ان کی یہ مہربانی بہت زیادہ نہیں ہے۔ انہوں نے نبیل سے ملنے کی اجازت دے دی۔'' انہوں نے ان کے سوال کے جواب میں سوال ہی کیا۔

''روحیل! کبھی آپ کا دل نہیں کرتا' اپنی بہو سے ملنے کو۔ انہیں دیکھنے کو۔ کیا یہ محسوس نہیں کرتے کہ اس گھر میں رنگین رنگین آنچل لہرائیں' خوشیوں کے رنگے ہوں' محبتوں کے پھولوں کی مہکار سے درودیوار جھوم اٹھیں' معصوم او رننھے قہقہوں سے سونے آنگن میں بہار آجائے۔'' وہ جذباتی لہجے میں بولیں۔

''خواہشات...... انسانی خواہشات کا سلسلہ اتنا طویل ہوتا ہے عظمیٰ کہ زندگی ان کے لئے مختصر لگنے لگتی ہے۔ آخری دم تک انسان خواہشات کے جال سے نہیں نکل پاتا۔''

''ہماری خواہشات ناجائز و فضول تو نہیں ہیں روحیل۔ بیٹے جوان ہو جائیں تو ہر ماں کے دل میں بیٹے کا سہرا سجانے اور گھر میں بہو لانے کا ارمان مچلنے ہی لگتا ہے۔ میں بھی ایک ماں ہوں' میرے دل میں بھی عام ماؤں کی طرح یہی ارمان ہیں۔ مانا کہ بیٹے نے ہمارے بغیر ہی سہرا سجالیا مگر اس نے جس مجبوری سے ایسا کیا' اس سے ہم واقف ہیں۔ ماں باپ خود غرض نہیں ہوتے جو ارمانوں کے آگے ان کی نیکی کی سزا دے ڈالیں۔ اماں کیوں اس کی نیکی کو نہیں دیکھتیں۔''

''میں نبیل کے اس اقدام سے بہت خوش ہوں' فخر ہے مجھے اپنے بیٹے کی اعلیٰ ظرفی پر۔ کبھی نہ کبھی اماں جان کا دل بھی موم ہو ہی جائے گا۔ اس وقت کا مجھے بھی انتظار ہے اور آپ بھی کیجئے۔'' وہ ان کی طرف سے کروٹ بدلتے ہوئے بولے۔

❖ ❖ ❖

صبح کے نو بجے تھے۔ انور بہت عجلت میں دیوار گیر آئینے کے آگے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ ''بھائی آج میں نے تمہاری پسند کے انڈے تلے ہیں اور پراٹھے بھی پکائے ہیں۔'' تابندہ ٹرے فرش پر بچھی دری پر رکھتے ہوئے بولی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے میرے بدلے کا ناشتہ تم کرلو۔'' وہ تابندہ سے بولا۔

''کیا بات ہے بھائی۔ ایک تو گھر میں مہمانوں کی طرح آتے ہو' اس پر ہر وقت جلدی سوار رہتی ہے۔'' وہ بہت دنوں سے اس سے یہ بات کہنا چاہ رہی تھی اور آج ہمت کرکے کہہ دی۔

''آج کل میں خوب محنت کرنے میں لگا ہوا ہوں تاکہ بہت سارا پیسہ جمع کرکے کسی اچھی جگہ پر شاندار گھر بنا سکوں' تاکہ میری بہنوں کی شادیاں اچھی جگہ پر ہوں۔'' وہ بولا۔

''تابی ٹھیک کہہ رہی ہے انور' حالات دیکھ رہے ہو' چوریاں' ڈاکے' قتل' فائرنگ اور بم دھماکوں کی خبریں روز اخباروں میں آتی ہیں۔ تو گھر میں نہیں ہوتا تو دل ہولنے لگتا ہے میرا۔ نہ جانے کب امن ہوگا۔'' خورشید بی بی اس کے لئے پیالے میں چائے لاتی ہوئی بولیں جو تابندہ کے اصرار پر ناشتا کرنے بیٹھ گیا تھا۔

''اخبار کیوں دیکھتی ہو امی۔ اخباروں میں اب سچ آٹے میں نمک کے برابر ہوتا ہے۔ یہ لوگ اخبار زیادہ بکنے کی وجہ سے دیکھتے چیونٹی ہیں اور لکھتے ہاتھی ہیں۔''

❖ ❖ ❖

''صاحب! آپ کو بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔'' عبدل' اُسامہ سے بولا جو ابھی ایک جلسے سے فارغ ہو کر آیا تھا۔

''کہاں ہیں؟'' اُسامہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''بڑے کمرے میں ہیں۔ اماں جان بھی ہیں وہاں اور بیگم صاحبہ بھی۔''

''شلوار سوٹ باتھ روم میں رکھو' میں ڈیڈی کی بات سن کر آرہا ہوں۔'' وہ عبدل سے کہہ کر باہر نکل آیا اور لونگ روم کی طرف چل دیا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ یہاں بیٹھو میرے قریب۔'' اماں اپنے برابر میں صوفے پر اسے جگہ دیتے ہوئے بولیں۔

''جی ڈیڈی! آپ نے مجھے بلایا تھا۔'' وہ سامنے صوفے پر بیٹھے چائے پیتے ہوئے اسد صاحب سے بولا۔

''اسٹڈی سے آپ فارغ ہوگئے' آگے کیا ارادے ہیں آپ کے۔'' وہ پرسکون لہجے میں بولے۔

''میں نے ابھی سوچا نہیں ہے ڈیڈی۔'' وہ فوزیہ بیگم سے چائے کا کپ لیتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔ یہ اس کی عادت تھی۔ باپ کے سامنے کبھی نگاہیں اٹھا کر بات نہیں کی تھی۔ لہجہ اس کا ہمیشہ مودب اور دھیما ہوتا تھا۔

''جب بڑے موجود ہوں تو بچوں کو سوچنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ بس ہم نے سوچ لیا ہے۔ تم آج ہی اسلام آباد کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ نگہت کی نند کی بیٹیوں میں سے یا نزہت کی دیورانی کی بیٹی کو پسند کرلینا۔ وہ بہت اعلیٰ لوگ ہیں اور ہمارے ہی خاندان و شجرے سے تعلق بھی رکھتے ہیں۔'' اماں جان اپنا فیصلہ سناتی ہوئی بولیں۔

''اماں جان ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں نے شام کی فلائٹ سے آپ کی سیٹ ریزرو کروادی ہے۔ آپ کی روانگی کے بعد نگہت کو فون کردیں گے۔ وہ آپ کو ائرپورٹ پر ریسیو کرلیں گے۔'' اسد صاحب سنجیدہ لہجے میں بولے' جبکہ فوزیہ بیگم درمیانی صوفے پر بیٹھی خاموشی سے چائے پی رہی تھیں۔ شوہر اور ساس کے معاملے میں بولنے کا انہیں اختیار نہیں تھا۔

''ڈیڈی! میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' اُسامہ احتجاجاً بولا۔

''کیوں۔ کیا وجہ ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر سخت لہجے میں بولے۔

''ڈیڈی! میرے خیال میں شادی ایک ذمے داری کا نام ہے اور میں ابھی خود کو ذمے دار نہیں سمجھتا۔''

''ذمے داری نہیں۔ آپ کے لئے تو وہ ایک قید ہوگی' پابندی ہوگی' ابھی جو آپ بے لگام گھر سے باہر رہتے ہیں' راتیں اور شامیں آپ کی سیاسی میٹنگ اور جلسے' جلوسوں میں گزرتی ہیں' وہ سب ختم ہو جائیں گی جو آپ کو کسی طرح بھی قبول نہیں ہے۔ میرے خیال میں اگر مرد حد سے زیادہ بے لگام ہو جائے تو اس کے گلے میں عورت نام کی لگام ڈال ہی دینی چاہئے۔'' اسد صاحب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ اُسامہ سر جھکائے ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا۔

عبدل کے ساتھ مل کر فوزیہ بیگم اس کے کپڑے وغیرہ سوٹ کیس میں رکھ رہی تھیں۔ وہ جو ابھی باتھ لے کر نکلا تھا' خاموشی سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ موڈ اس کا بری طرح آف تھا۔

''نگہت کی نند کی چھوٹی بیٹی فریال بہت پیاری ہے۔ اسے دیکھ لینا۔'' فوزیہ بیگم اُسامہ سے مخاطب ہوئیں۔

''ممی پلیز' آپ تو ایسی باتیں نہ کریں۔ یہ خیال ہی کتنا بے ہودہ اور فضول ہے کہ میں وہاں لڑکیاں پسند کرنے جا رہا ہوں۔'' اُسامہ منہ بنا کر بولا۔

''صاحب' ایک عدد میرے لئے بھی لے آنا۔'' عبدل سوٹ کیس بند کرتا ہوا بولا۔

''لڑکی!'' اُسامہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''نہیں صاحب' گرم شال۔ وہاں اچھی ملتی ہیں۔'' عبدل گڑبڑا کر بولا۔ فوزیہ بیگم مسکرانے لگیں۔

''ایڈیٹ' ہمیشہ ادھوری بات بولتا ہے۔ ممی پلیز پھوپو کو فون پر یہ مت بتایئے گا کہ میں وہاں اس فضول کام کے لئے آرہا ہوں۔'' عبدل کے جانے کے بعد وہ فوزیہ بیگم سے مخاطب ہوا۔

❖ ❖ ❖

''تم سمجھتی ہو۔ فاران بھائی کو تم نے منع کرکے اور انہیں حسنہ سے شادی کرنے پر مجبور کرکے بہت بہترین کام کیا ہے۔'' شمائلہ دری پر لیٹی تابندہ سے بولی۔ وہ بہت دنوں سے اس سے بات کرنے کے چکر میں تھی مگر گھر میں امی کی موجودگی کی وجہ سے وہ اسے کچھ کہہ نہ سکی تھی۔ آج خورشید بی بی اور تابش بازار گئی ہوئی تھیں تو اسے موقع مل گیا تھا بات کرنے کا۔

''بالکل۔ وہ جس طریقے سے شادی کرنا چاہ رہے تھے' وہ میں کبھی گوارا نہیں کرسکتی۔''

''احمق تمہارے جیسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ درست کہہ رہے تھے۔ پھوپو زیادہ عرصے ناراض نہیں رہ سکتی تھیں۔ سوچو تو سوات کتنا حسین سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ ایسی جگہ پر جانے کے لڑکیاں خواب دیکھتی ہیں' بہت تعریف سنی ہے' وہاں کی سچ تمہارے تو عیش ہو جاتے۔''

''شمو' میرے سامنے خود غرضی کی باتیں نہ کیا کرو۔ ایسے گھر پائیدار نہیں ہوتے بہت' جلد گر جاتے ہیں جن کی بنیاد نہیں ہوتی۔ ایسے عیش پر میں لعنت بھیجتی ہوں جو بزرگوں کی دل آزاری کرکے حاصل ہو۔'' تابندہ آہستہ سے بولی۔

''تم پاگل ہو' ایک نمبر کی۔ اب وہ حسنہ سے شادی کرکے کچھ عرصے بعد یہ بھول جائیں گے کہ انہوں نے کسی کو اپنی سچی محبت کا یقین دلانے کے لئے شادی کی ہے۔ وہ بیوی اور اپنے بچوں میں مگن ہو کر تمہیں بھول جائیں گے اور تم اس احساس سے کہ وہ تم سے سچی محبت کرتے ہیں' اندر ہی اندر انہیں چاہ چاہ کر ٹی بی کی مریضہ ہو کر مر جانا۔'' شمائلہ غصے سے بولی۔

''سچی کہانی کا اینڈ یہی ہوتا ہے۔'' تابندہ مسکرا کر بولی۔

''تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔ اب تیاری کرو اپنے فاران بھیا کی شادی میں جانے کی۔ رقیہ پھوپو کیسے پیار سے دعوت دے کر گئی ہیں۔ خاص طور پر تمہیں تو شادی سے ایک ہفتے پہلے ہی بلا کر گئی ہیں' تم حسنہ کی دوست بھی ہو اور کلاس فیلو بھی۔ ان کی خوش مزاجی میں کتنا زہر گھلا ہوا تھا۔ وہ سب میں محسوس کررہی تھی۔ وہ سب کچھ جانتے

کے باوجود فاران بھائی سے حسنہ کی شادی کرنے کو تیار ہیں۔'' شمائلہ بال باندھتی ہوئی بولی۔

''تمہیں کسی طرح بھی سکون نہیں۔ اب پھوپو محبت سے دعوت دے کر گئی ہیں تو تمہیں برداشت نہیں ہو رہا۔ میں جا رہی ہوں۔ امی سے کہنا دیر ہو جائے تو فکر نہ کریں۔ میں آ جاؤں گی۔'' وہ چادر اوڑھتی ہوئی بولی۔ آج اس کے کالج میں مینا بازار لگا تھا جہاں اسے بھی جیولری کا اسٹال لگانا تھا۔ اس نے تیاری تو رات کو ہی کر لی تھی۔ صبح رقیہ بیگم فاران اور حسنہ کی شادی کا دعوت نامہ لے کر آئیں تو خورشید بی بی اور تابندہ نے ان کی ساری زیادتیاں بھلا کر شادی میں آنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ اس کے برعکس شمائلہ غصے سے پاگل ہو گئی تھی۔ اسے فاران کے فون آ جانے کے بعد سے امید ہو چلی تھی کہ فاران کسی نہ کسی طرح تابندہ سے ہی شادی کرے گا۔ وہ اس کی اچانک آمد کی منتظر رہی تھی مگر آج یہ منحوس خبر سن کر صدمے و غصے سے اس کا برا حال تھا۔ اور وہ صبح سے کئی مرتبہ تابی سے خواہ مخواہ ہی الجھ پڑی تھی۔ تابندہ کا پرسکون چہرہ اس کے غصے کا سبب تھا۔ وہ خراب موڈ کے ساتھ ہی گھر سے نکل آئی تھی۔ کالج جانے کے لئے اسے بس جلدی مل گئی تھی مگر رش کی وجہ سے اسے گیٹ کے قریب کھڑے ہونے کی جگہ ملی تھی۔ برابر میں کھڑی بھاری بھرکم عورت نے اسے بھینچ کر رکھ دیا تھا۔ گرمی کے مارے اس کا برا حال تھا۔ مستزاد اس پر اس عورت کے لباس سے نکلتی پسینے کی ناگوار بو سے اسے اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا جس کی وجہ سے وہ کالج سے ایک اسٹاپ پہلے ہی اترنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ مئی کا سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آگ برسا رہا تھا۔ شمائلہ رومال سے پسینہ صاف کرتی ہوئی تیزی سے آگے قدم بڑھا رہی تھی۔ سورج سے زیادہ تپش اسے اپنے اندر محسوس ہو رہی تھی۔ اپنے گھریلو حالات و کم مائیگی کا احساس تو بچپن سے ہی اس کے ساتھ جوان ہوا تھا مگر آج فاران اور حسنہ کی شادی کا سن کر اس کا دل بری طرح ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ افشاں آپی کو دیکھ کر اسے شدت سے اپنی غربت سے چڑ ہو گئی تھی۔ اب اس کی خواہش یہی تھی کہ تابندہ کا نصیب ان جیسا نہ ہو۔ اسے بہنوں سے حد درجہ محبت تھیں۔ تابندہ اور فاران کی شادی کے لئے اس نے ہر نماز کے بعد دعائیں مانگی تھی' پنج سورہ شریف میں لکھا ہوا چھوٹا سا وظیفہ بھی وہ بغیر کسی کو بتائے خاموشی سے کرتی رہی تھی' مگر سب بے اثر ثابت ہوا دعائیں بھی قبولیت حاصل نہ کر سکیں۔

''اے میڈم' آپ کو خودکشی کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو کسی اور کار کا انتخاب کیجئے۔ راستہ چھوڑیں آپ میرا۔ اتنی دیر سے ہارن بجا رہا ہوں۔ آپ سن ہی نہیں رہی ہیں۔'' شمائلہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وائٹ کرتے شلوار میں ملبوس وہ اسمارٹ وجیہہ نوجوان تھا جو کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تھا۔ شمائلہ کو اپنی بے خبری کا احساس ہوا۔ وہ غصے و صدمے میں گم بالکل سڑک کے درمیان میں چل رہی تھی۔ دوپہر کا وقت اور شدید گرمی ہونے کی وجہ سے ٹریفک زیادہ نہیں تھی۔ ورنہ اب تک وہ کسی بے احتیاط ڈرائیور کی غفلت کا شکار ہو چکی ہوتی۔ وہ اس وقت جارحانہ موڈ میں تھی۔ اس لئے شرمندہ ہونے کے بجائے اس کے ذہن میں اس نوجوان کے خودکشی کے لفظ چپک کر رہ گئے تھے۔ نیا خیال اس کے ذہن میں آیا تھا۔

''تم امیر لوگ کیا سمجھتے ہو۔ دنیا کی ہر آسائش و راحت پر صرف تمہارا ہی حق ہے۔ میں اس کار میں بیٹھ نہیں سکتی تو اس سے ٹکرا کر مرنے کا حق تو ہے مجھے۔'' وہ لیٹیسٹ ماڈل کی بلیو کار کو گھورتے ہوئے بولی۔

''ایں.....'' وہ نوجوان اس کے جارحانہ انداز سے ایک دم کنفیوز ہو گیا تھا۔

''ہاں' میں نے فیصلہ کر لیا ہے اب میں اس کار کے نیچے آ کر مروں گی۔ زندگی یونہی محرومیوں میں گزاری اب موت تو شاندار ہونی چاہئے۔'' وہ جیسے حواس کھو بیٹھی تھی۔ وہ نوجوان حواس باختہ انداز میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ جیسے اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

''میں پاگل نہیں ہوں' سمجھے۔ کار چلاؤ' میں اس سے ٹکرا کر مرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی نگاہوں کے مفہوم کو بھانپ کر تیزی سے بولی۔

''مگر میں پاگل ہو جاؤں گا۔ اے بندی خدا آپ کیوں میرے کیریئر کے پیچھے لگ گئی ہیں۔ ابھی میرے ڈاکٹر بننے میں بھی ڈیڑھ سال کا عرصہ باقی ہے اور ابھی میں نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ آپ میری کار کے نیچے آ کر مر جائیں اور میں پھانسی کے تختے پر لٹک کر مر جاؤں۔ یہی چاہتی ہیں آپ۔'' وہ نوجوان قدرے جھلائے لہجے میں بولا۔

''میں کچھ نہیں جانتی' میں مر جانا چاہتی ہوں۔'' وہ اس وقت بالکل آؤٹ ہو چکی تھی۔

''لگتا ہے آپ کے دماغ پر گرمی کا اثر ہو گیا ہے۔ آیئے کار میں بیٹھتے ہیں آگے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کولڈ ڈرنکس پی کر فیصلہ کیجئے گا کہ واقعی آپ خودکشی کرنا چاہتی ہیں یا نہیں۔'' اس نے مفید مشورہ دیا۔

''مجھے کسی کولڈ ڈرنکس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنی کار لے جا سکتے ہیں۔''

''آپ نے خودکشی کا ارادہ بدل لیا ہے کیا؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''مرضی میری آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔'' شمائلہ جو غصے پر قابو پا چکی تھی آہستہ سے بولی۔ اس وقت اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ وہ ایک اجنبی سے خواہ مخواہ ہی الجھ رہی تھی۔

''مجھے خودکشی کرنے کے بہت آسان طریقے معلوم ہیں۔ آپ کہیں تو بتائے دیتا ہوں''

''شکریہ۔'' شمائلہ کہتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

''آپ کو میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔ یقین کیجئے' بہت شریف بندہ ہوں میں۔ میرا نام شمیر روحیل ہے' میڈیکل کا اسٹوڈنٹ ہوں۔'' وہ اس کو آگے جاتے دیکھ کر اپنا تعارف کرواتا ہوا بولا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کی کار میں بیٹھنے کا۔ جائیں آپ یہاں سے۔'' شمائلہ تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ شمیر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

❖ ❖ ❖

''اسلام آباد ایئرپورٹ پر نگہت پھوپو اور ان کی فیملی نے بہت گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔ پھوپو کتنی دیر محبت سے اسے لپٹائے رہی تھیں۔ وہاں سے گھر تک کا راستہ اسے سب لوگوں کی خیریت بتاتے ہوئے گزرا تھا۔ ان کے پہنچنے سے قبل ملازمین ڈائننگ ٹیبل پر کھانا سجا چکے تھے۔ کھانے کے دوران بھی باتوں کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پھوپا معذرت کر کے اپنے بیڈروم میں چلے گئے تھے۔ کیونکہ وہ جلد سونے کے عادی تھے۔ نگہت پھوپو کا چھوٹا بیٹا شہزاد اپنے دوست کی عیادت کے لئے اسپتال چلا گیا تھا۔ شہزاد سے بڑا ولید' اسامہ کو لے کر بیڈروم میں آ گیا جو پھوپو نے اس کے لئے سیٹ کیا تھا۔ وہ دونوں باتوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

''بھابی گھر میں نہیں ہیں؟'' اُسامہ نے ولید سے پوچھا۔

''نہیں یار۔ آج ہی تو آزاد ہوا ہوں۔'' ولید بے ساختہ بولا۔ اُسامہ اس کے انداز پر مسکرا اٹھا۔

''انہوں نے کیا تمہیں قید کر رکھا تھا؟'' وہ سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

''قید نہیں عذاب مسلسل کہو۔ ایک ایک لمحے کا اسے حساب چاہئے۔ دفتر سے دس منٹ لیٹ ہو جاؤ تو سیکریٹری پر شک کیا جاتا ہے' اگر ڈریس اپ ہو کر بزنس کی وجہ سے کہیں جانا پڑ جائے تو ہفتوں اسے یہ یقین دلاتے گزرتے ہیں کہ میں واقعی کسی لڑکی سے ملنے نہیں گیا تھا' شادی کے بعد میری جان عذاب میں آ گئی ہے۔'' ولید لڑاکا عورتوں کی طرح اسے بتا رہا تھا۔

''اچھا میں عذاب ہوں۔'' اُسامہ نے حیرانی سے دروازے کی طرف دیکھا تھا' جبکہ ولید خلاف توقع اپنی بیوی کی آواز سن کر اتنی زور سے اچھلا جیسے اس میں اچانک اسپرنگ نکل آئے ہوں۔

''ڈا...... ڈارلنگ' تم تو ایک ہفتے کا کہہ کر گئی تھیں۔'' ولید کی شکل دیکھنے والی تھی۔

''تاکہ تم ایک ہفتے تک اُسامہ بھائی کو میرے خلاف خوب بھڑکا دو۔'' وہ غصے سے بولی۔

''بھابی آپ بیٹھیں نا۔ اس کی عادت آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔'' اُسامہ اسے دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو گیا تھا۔ صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے بولا۔

''سب عادتوں کو ان کی جانتی ہوں۔'' وہ صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

''آپ آج گئی تھیں' اپنی امی کے ہاں۔'' اُسامہ اس کے چہرے کے تناؤ کو ختم کرنے کی غرض سے بولا۔

''جی' میں صبح ہی گئی تھی۔ شام کو آنٹی نے فون کر دیا کہ اُسامہ بھائی کراچی سے آ رہے ہیں' میں واپس آ جاؤں۔ امی نے کھانے کے لئے روک لیا تھا۔ اس لئے میں آپ کو ایئرپورٹ ریسیو کرنے نہ آ سکی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' اُسامہ سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتا ہوا بولا۔

''مجھے اب محسوس ہوا۔ بیوی اور محبوبہ میں کتنا فرق ہوتا ہے۔'' ولید بولا۔

''محبوبہ جو شادی سے پہلے چاندنی رات ہوتی ہے۔ شادی کے بعد وہ چار دن کی چاندنی ثابت ہوتی ہے اور پھر اندھیری رات کی طرح مرد پر ایسی چھاتی ہے کہ شاید مرنے کے بعد ہی مرد سکھ کا سویرا دیکھتا ہو گا۔''

''یوں کیوں نہیں کہتے محبوبہ شادی کے بعد جوتے کی دھول اور سیکریٹریاں کالر کا پھول بن جاتی ہیں۔ یہ جو تم ہر مہینے کیلنڈر کی طرح لڑکیاں بدلتے ہو۔ کیا مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ تمہاری سب حرکتوں سے واقف ہوں میں۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''گھر میں آئے بچے کا تو خیال کرو تم لوگ۔ ہر کسی کے سامنے اپنی کہانی سنانے بیٹھ جاتے ہو۔'' نگہت پھوپو ٹرے میں کافی کے مگ رکھ کر لاتی ہوئی اچانک آ کر بولیں۔

''آنٹی میں لے آتی' آپ نے کیوں تکلیف کی۔'' رخسانہ کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

''تم بھی تھک کر آئی ہو۔ اتنا طویل راستہ طے کر کے۔ صبح سے کچن تمہیں ہی سنبھالنا ہے۔ اُسامہ کو خانساماں کے ہاتھ کے کھانے کبھی پسند نہیں آئیں گے۔ اب تم دونوں بھی جا کر آرام کرو۔ تمہاری کافی ملازمہ کمرے میں لے گئی ہے۔ اُسامہ بیٹا بھی تھکا ہوا ہے۔''

''اب صبح ملاقات ہو گی۔ شب بخیر۔'' ولید اس سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ پیچھے اس کے رخسانہ بھی نکل گئی۔

''دیکھا تم نے' کس طرح بچوں کی طرح لڑتے ہیں۔ دراصل دونوں ہی کا مزاج گرم ہے۔ غصے میں جلدی آ جاتے ہیں اور کمال کی بات ہے۔ صلح بھی فوراً ہی کر لیتے ہیں۔ اب صبح دیکھنا انہیں' تمہیں حیرانی ہو گی کہ یہ کبھی لڑ بھی سکتے ہیں۔'' پھوپو اسے مگ پکڑاتے ہوئے بولیں۔ جانتا ہوں پھوپو جان' پچھلے سال بھی جب میں آیا تھا' ان کا یہی حال تھا۔'' اُسامہ مسکرا کے مگ پکڑتے ہوئے بولا۔

''تمہاری تعلیم تو ختم ہو گئی۔ اب میرے خیال میں شادی کر ہی ڈالو۔'' وہ کافی کا مگ لئے بیڈ پر اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''پھوپو جان' مجھے لگ رہا ہے' آپ اماں کی زبان بول رہی ہیں۔ اماں جان کی عادت سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ انہوں نے میرے یہاں آنے سے پہلے آپ کو سب انفارم کر دیا ہو گا۔''

''رائٹ' بھابی جان نے تو مجھے یہی بتایا تھا کہ اُسامہ شام کی فلائٹ سے یہاں پہنچ رہا ہے مگر اماں جان نے مکمل تفصیل نہیں بتائی تھی کہ وہ تمہیں کس ارادے سے یہاں بھیج رہی ہیں۔'' وہ کافی پیتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔ ''میرے خیال میں ان کی خواہش بے جا نہیں ہے۔''

''ریئلی پھوپو جان' میں شادی کی رٹ سے بہت بور ہو چکا ہوں۔'' وہ مگ بیڈ سائیڈ پر رکھتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔

''دیکھو بیٹا شاید ایک اہم مذہبی فریضہ ہے۔ اسے کبھی نہ کبھی اپنانا لازمی ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں شادی کے لئے اتنا پریشرائز نہیں کیا جاتا اگر آپ کی بیرونی سرگرمیاں بھائی جان کے لئے فکرمند نہیں ہوتیں۔ اب ان کا یہی فیصلہ ہے' تمہاری شادی کر کے فوراً تمہیں ملک سے باہر بھیج دیں۔''

''فی الحال دونوں باتیں ہی میرے لئے ناممکن ہیں پھوپو جان۔''

''نزہت سے ملنے کل چلیں گے۔ میں نے اسے فون ہی نہیں کیا ورنہ وہ فوراً تمہیں لے کر چلی جاتی اور میں تم سے باتیں بھی نہیں کر سکتی تھی۔'' وہ موضوع بدلتے ہوئے بولیں۔

''پھوپو! آپ آرام کریں دس بج رہے ہیں۔'' وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا بولا۔

''میں تمہارے پھوپا کی طرح جلد سونے کی عادی نہیں ہوں۔ بارہ بجے کے بعد ہی سوتی ہوں۔ تم پہلے سے بہت کمزور ہو گئے ہو اور سنجیدہ بھی۔ کیا بات ہے؟'' وہ اس کے چہرے کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

''اماں جان اور ممی کے بعد آپ کو بھی یہ وہم ہو رہا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''کوئی بات ضرور ہے اُسامہ۔ کم گو تو تم بچپن سے ہی ہو مگر تمہارے چہرے پر تازگی رہتی تھی۔ اب تمہارا چہرہ تمہاری مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہا۔ شادی سے انکار کا سبب کوئی لڑکی تو نہیں ہے۔ ورنہ میری نند کی بیٹی فریال اور نزہت کی دیورانی کی بیٹی رباب کو تم نے دیکھ رکھا ہے۔ دونوں کا حسن نظر انداز کر دینے والا تو نہیں ہے۔ پھوپو نے اس کی چوری پکڑ ہی لی تھی۔ وہ بھی تنہا کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ پھوپو سے اس کی بچپن سے انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ وہ ہر بات انہیں بلا جھجک بتا دیا کرتا تھا۔ وہ بھی اس کی ہر بات خود تک ہی محدود رکھتی تھیں اور اسے مشورہ بھی دیا کرتی تھیں۔ اسلام آباد آنے سے قبل وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ پھوپو کو اپنا ہمراز ضرور بنائے گا۔ اب وہ خود ہی اندازہ لگا چکی تھیں مگر اس کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا' انہیں کچھ بتانے کا۔ حیرت کی بات تھی۔ وہ ایک زبردست شعلہ بیاں مقرر تھا۔ گھنٹوں اسٹیج پر بولنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ لفظوں کے تسلسل اور جملوں کی ادائیگی میں اسے کبھی دشواری نہیں ہوئی تھی مگر اس موضوع پر آ کر اس کی زبان گنگ ہو جاتی تھی' تمام لفظ گونگے ہو جاتے تھے۔

''اُسامہ' ہم دوست بھی تو ہیں نا۔ بتاؤ مجھے۔ تمہاری خاموشی بتا رہی ہے کہ میرا شک درست ہے۔''

''معلوم نہیں پھوپو جان' یہ ہو کیسے گیا۔ مجھے کالج لائف سے ہی لڑکیوں کے وجود سے چڑ تھی۔ یونیورسٹی میں آ کر میرا سابقہ ہی بدتہذیب و آزاد خیال لڑکیوں سے پڑا۔ ان کی حرکتیں اتنی عامیانہ اور گھٹیا ہوتی تھیں کہ میرا اعتبار اس صنف سے بالکل ہی اٹھ گیا اور حقیقتاً میں ان کے وجود سے الرجک ہو گیا تھا۔ میری نگاہوں میں ہر لڑکی کا معیار گھٹیا ہو گیا تھا۔ میری اور اس کی ملاقات اتفاقیہ ہوئی تھی۔ میں آنے والی کال سننے کے لئے پرنسپل آفس کی طرف جا رہا تھا۔ میں تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ میرا پاؤں سلپ ہو گیا۔ اسی وقت وہ بھی اتر رہی تھی۔ میں اس سے ٹکرا گیا تھا۔ ان دنوں میں اپنی ذات میں اتنا مگن تھا یا لڑکیوں کی بھرپور ستائش نے مجھے اس حد تک مغرور و بددماغ کر دیا تھا کہ میں نے اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے اسے ہی موردالزام ٹھہرایا کہ وہ مجھ سے جان بوجھ کر ٹکرائی ہے۔ بس جب سے ہمارے درمیان سرد جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس بات کا احساس مجھے کچھ عرصے بعد ہوا کہ وہ عام لڑکیوں سے بالکل مختلف ہے۔ نسوانیت کے وقار کے ساتھ بہت ٹھوس کردار کی مالک ہے مجھے محسوس بھی نہیں ہوا کب اس کا پاکیزہ سراپا میرے اندر براجمان ہو گیا۔'' اس نے کچھ جھجک کر' کچھ اٹک کر حال دل سنا دیا۔ اس کے چہرے پر سچے جذبوں کی سرخی تھی۔

''وہ لڑکی تمہارے جذبوں سے بے خبر ہے۔''

''شاید نہیں۔ اس کا گریز اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بالکل بے خبر تو نہیں مگر مجھے لگتا ہے' وہ میری حوصلہ افزائی بھی نہیں کرے گی۔''

''یہ تم نے اپنے لئے کن راستوں کا انتخاب کر لیا ہے بیٹا۔ اس راہ میں تمہیں صرف دشواریوں کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا' نبیل کو تم دیکھ رہے ہو۔ اماں جان نے اسے ابھی تک غیر خاندان میں شادی کرنے پر معاف نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی افیئر نہیں تھا۔ اس نے مجبوری میں ایسا کیا مگر اماں جان جتنی نرم دل اور خدا ترس ہیں مگر اتنی سخت بھی وہ اپنے خاندانی شجرے میں کسی قسم کی ملاوٹ پسند نہیں کرتیں۔ یہی ان میں خراب عادت ہے اور تم نے جب سے زینی کو ری جیکٹ کیا ہے۔ انہیں یہ یقین ہو چلا ہے' تم نے کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے۔ انہیں اس لئے اور زیادہ تمہاری شادی کی فکر ہے۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''خدا گواہ ہے پھوپو جان' جب اماں نے زینی کو پرپوز کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اس وقت ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ زینی کو میں نے ہمیشہ بہنوں کی طرح چاہا ہے۔''

''مجھے تمہاری بات پر یقین ہے مگر بیٹا' تم نے خود کو بہت مشکل میں ڈال لیا ہے۔ تم تنہا کس طرح یہ بازی جیتو گے۔ جبکہ وہ لڑکی بھی ابھی تمہارے جذبوں سے ناآشنا ہے یا پوز کر رہی ہے۔ لڑکی تو اپنی طرف اٹھنے والی ہر نگاہ کی پہچان کا ادراک رکھتی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کیسی ہے وہ جس نے میرے اتنے لاڈلے' ہینڈسم پتھر دل بھتیجے کو موم کر دیا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئی بولیں۔

''جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں ویسی ہے وہ بھی۔ آپ کو معلوم ہے میں صورت سے زیادہ سیرت پسند کرتا ہوں۔'' اُسامہ مسکراتا ہوا بولا۔ اس کی نگاہوں میں لائبہ کا بلیک چادر میں لپٹا باحیا چہرہ تھا۔ یہ حقیقت بھی تھی اسے لائبہ کی سادگی و پاکیزگی ہی دیوانہ کر گئی تھی۔

''یقیناً وہ کوئی عام لڑکی نہ ہو گی۔ مجھے تمہاری اعلیٰ چوائس پر فخر ہے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں مگر تم نے مجھے فکرمند کر دیا ہے۔'' وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

✦ ✦ ✦

''شاہ!''

''فرماؤ کنیز' ہم تمہاری فریاد سننے کے لئے بے قرار ہیں۔'' شاہ رخ شاہانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ اس کے اس شاہی انداز پر طوبیٰ کھول کر رہ گئی تھی مگر مصلحتاً وہ مسکرا کر خوشامدی لہجے میں بولی۔ ''میرے اچھے بھائی ہو نا۔ چھتر پارک لے چلو۔ دیکھو نا' لائبہ بھی دو دن سے آئی گھر میں بور ہو رہی ہے' کیا ہم اسے بور کرنے کے لئے لائے ہیں''

''نہیں تم میری فکر مت کرو۔ میں کوئی بور نہیں ہو رہی۔'' کوچ پر بیٹھی نیوز پیپر دیکھتی لائبہ اطمینان سے بولی۔

''تمہارا کیا ہے۔ تم تو ہو ہی آدم بیزار مگر میں تمہیں اس طرح نہیں رہنے دوں گی۔'' طوبیٰ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''تمہیں اپنا یہ منحوس سایہ لائبہ پر ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ یہ بھی تمہاری طرح ہر وقت گھومنے پھرنے کے چکر میں رہے گی۔'' شاہ رخ' لائبہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''تم سیدھے طریقے سے چلتے ہو یا ابھی ڈیڈی کو بتاؤں۔''

''تم ہر وقت دھمکیاں کیوں دیتی رہتی ہو۔ شوفر کو لے کر چلی جاؤ۔ مجھ سے اگر لائبہ کہے گی تو میں چلوں گا ورنہ......''

''چلو لائبہ' تیار ہو جاؤ۔ اب نہ نہ نہیں چلے گی تمہاری۔'' طوبیٰ اس کے ہاتھ سے اخبار چھین کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔ چھتر پارک' شکر پڑیاں اور فیصل مسجد کی زیارت کر کے وہ تینوں رات تک لوٹے تھے۔ انکل اسٹڈی روم میں تھے۔ آنٹی اور ماما ان کا کھانے پر انتظار کر رہی تھیں مگر انہوں نے وہاں چاٹ' آئس کریم اور برگرز اتنے کھا لئے تھے کہ اب کھانے کی گنجائش بالکل نہیں تھی۔ وہ دونوں معذرت کر کے اپنے مشترکہ بیڈروم میں آ گئی تھیں' جبکہ شاہ رخ اپنے کسی دوست سے ملنے چلا گیا تھا۔ جس کی کالز اس کی غیر موجودگی میں کئی بار آ چکی تھیں۔ طوبیٰ نے ڈریس تبدیل کیا اور اسے بھی سونے کا مشورہ دے کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ لائبہ نے نہا کر کپڑے بدلے اور نم بال بمشکل باندھ کر وضو کیا۔ وہ باتھ روم سے کمرے میں آئی تو طوبیٰ بے خبر سو رہی تھی۔ لائبہ نے نماز کی چادر اوڑھتے ہوئے اس کی چادر درست کی۔ نیند اسے بھی سخت آ رہی تھی۔ سارے دن گھومنے پھرنے کی وجہ سے تھکن اور نیند سے برا حال تھا مگر اسے نیند سے زیادہ نماز پیاری تھی۔ نیند کے لئے نماز چھوڑ دینے کا تصور وہ کبھی کر ہی نہیں سکتی تھی۔ جانماز بچھائے وہ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی۔

نماز پڑھنے کے بعد اس نے سورہ یٰسین' سورہ ملک اور دعائے عکاشیہ پڑھی اور اطمینان سے چادر اوڑھ کر طوبیٰ کے برابر ہی لیٹ گئی۔ کچھ لمحوں بعد وہ بھی گہری نیند میں ڈوب گئی تھی۔ سونا تو ویسے بھی اس کی واحد دلچسپی تھی۔

جامعہ کی چھٹیوں میں کوکنگ اور مطالعے کے بعد لمبی تان کر سونا اس کی پسندیدہ ہابی تھی۔ ابھی اسے سوئے چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ اسے محسوس ہوا' جیسے کوئی اسے سرگوشی میں پکار رہا ہے۔ ''لائبہ سسٹر' اے سسٹر اٹھو۔'' اس نے نیند بھری آنکھوں سے سامنے دیکھا۔

''بات سنو یار' ایک ایمرجنسی آن پڑی ہے۔ پلیز اب آنکھیں نہیں بند کرنا۔'' اس نے غنودگی میں سرہانے کھڑے شاہ رخ کو دیکھا جو کچھ کہتا ہوا ہاتھ جوڑ رہا تھا۔ وہ چند لمحے سوئے ہوئے احساس کے ساتھ لاشعوری انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی' دوسرے لمحے شعور کے بیدار ہوتے ہی وہ جھٹکے سے بوکھلا کر اٹھ کر بیٹھی تھی۔

''ک...... ک...... کیا ہوا شاہ۔ اس نے رات کے ڈیڑھ بجاتے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کچھ نہیں ہوا۔ تم پریشان مت ہو۔'' شاہ رخ اس کی شکل دیکھ کر اپنائیت بھرے انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا ''دراصل مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ فریزر میں سالن تو ہے مگر روٹی نہیں ہے۔ تم ذرا روٹی پکا دو۔ بھوک برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ یہ طوبیٰ تو نہ معلوم کس سے شرط لگا کر سوئی ہے۔ اتنی آوازیں دینے کے باوجود ایسے ہی بے خبر سو رہی ہے۔ تمہیں تکلیف تو ہو گی مگر مجھے بھی بھوک......''

''کوئی بات نہیں۔ میں روٹی پکا دیتی ہوں۔ آٹا فریزر میں گندھا ہوا رکھا ہے۔'' وہ شاہ رخ کو شرمندہ دیکھ کر مسکراتی ہوئی خلوص سے بولی اور دوپٹہ درست کرتی بیڈ سے اتر آئی۔

''سدا جیو' ختم نہ ہونے والی مسرتوں کے ساتھ۔'' وہ اسے بزرگوں کی طرح دعائیں دیتا ہوا اس کے ساتھ کمرے سے نکل آیا تھا۔ لابی' کوریڈورز وغیرہ میں نائٹ بلب روشن تھے۔ ہر سو سناٹے اور سکون کا راج تھا۔ لائبہ نے کوریڈور میں لگے بیسن میں ہاتھ دھو کر کلی کی اور دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی ہوئی اس کے ساتھ دبے قدموں سے چلتی ہوئی کچن تک آ گئی۔ کچن میں مرکری لائٹ جلنے کی وجہ سے روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے کچن میں قدم رکھا اور فریزر سے پانی نکالتے شخص کو دیکھ کر شدید حیرانی سے گنگ ہو گئی۔

''السلام علیکم! وہ پانی کا بھرا گلاس لے کر اس کے نزدیک آ کر بہت دل نشین لہجے میں بولا۔ تو لائبہ ہوش کی دنیا میں آئی۔ اس کی براؤن چمکتی ہوئی آنکھیں بہت وارفتگی سے اس کے سراپے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ انتہا کی اپنائیت اور والہانہ پن تھا' ان آنکھوں میں کہ لائبہ کی نگاہیں جھک گئیں اور دل پہلے سے تیز دھڑکنے لگا۔ اس نے بے اختیار شاہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''ڈرتے نہیں سسٹر' یہ انسان ہے' کوئی بھوت تھوڑی ہے جو تم یوں خوفزدہ ہو گئی ہو۔ چہرہ دور کرو یار' میری بہن ڈر رہی ہے۔'' شاہ جو اُسامہ کی آنکھوں سے چھلکتے جذبوں کو کچھ پہچان گیا تھا۔ اسے مسلسل لائبہ کو دیکھتے ہوئے پا کر خوبصورت طنز کے ساتھ بولا۔

''دیکھ کر تو یہ شاید تمہیں ڈر گئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر یہ یقین کر رہی ہیں کہ واقعی یہ انسانوں کی دنیا میں ہیں۔'' اُسامہ مسکراتا ہوا بولا تو شاہ رخ بے اختیار ہنس پڑا۔

''میں اب اتنا بھی بدصورت نہیں ہوں۔ لاکھوں لڑکیوں کا آئیڈیل ہوں۔''

''ان لاکھوں لڑکیوں نے تمہیں بغیر میک اپ کے نہیں دیکھا ہو گا۔'' اُسامہ برجستہ بولا۔

''یہ آپ کا موڈ ایک دم خوشگوار کیسے ہو گیا حالانکہ کچھ دیر پہلے کافی برہم تھے مجھ پر......''

''تمہاری حرکتیں ہی ایسی ہوتی ہیں۔ فضول گپ شپ میں اتنا ٹائم برباد کیا۔ دوسرے ہوٹل سے کھانا نہ کھانے پر اعتراض کر رہے تھے۔ ان فضول حرکتوں پر میں قہقہے تو لگانے سے رہا۔''

''تم قہقہے لگا بھی تو نہیں سکتے کیونکہ تم اس معاملے میں بہت کنجوس واقع ہوئے ہو۔ دوستوں کے ساتھ اتنے عرصے بعد ملتے ہیں تو باتوں میں ٹائم کہاں یاد رہتا ہے اور رہا ہوٹل کے کھانے پر اعتراض تو مجھ سے وہ پھیکے سالن قطعی نہیں کھائے جاتے۔ چٹ پٹے کھانے' کھانے کا عادی ہوں۔'' شاہ رخ نے طویل وضاحت کی۔ لائبہ ان دونوں کی گفتگو سنتے ہوئے آٹے کے پیڑے بنا رہی تھی۔ توا اس نے چولہے پر رکھ دیا تھا۔ فریزر میں رکھے ہونے کی وجہ سے آٹا یخ ہونے کے علاوہ سخت بھی ہو رہا تھا۔ وہ پوری طاقت سے پیڑے کو بیلن سے بیل رہی تھی اور بھرپور کوشش کے باوجود روٹی گول نہیں پک رہی تھی۔ عجیب ٹیڑھے میڑھے سے نقشے بن رہے تھے۔ روٹی پکانے کا اسے کوئی مکمل تجربہ بھی نہیں تھا۔ کبھی بہت موڈ میں ماما ہوتیں تو اسے ایک دو روٹی پکانے دیتی تھیں ورنہ کچن کا مکمل کام انہوں نے ہی سنبھال رکھا تھا۔ انہوں نے اسے چینی' پاکستانی اور امریکن ڈشیں مکمل بنانی سکھائی تھیں مگر روٹی وہ اس سے نہیں پکواتی تھیں۔ اب شاہ رخ کی وجہ سے اس نے ہامی بھر لی تھی مگر آٹا ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے اس

سے پکانا دشوار ہو رہا تھا اور نیند بھی سخت آرہی تھی۔ سالن تو وہ پہلے ہی گرم کرکے ٹیبل پر رکھ چکے تھے۔ لائبہ نے ہچکچاتے ہوئے روٹی ٹیبل پر موجود ڑے میں رکھی۔ اسے یقین تھا' شاہ رخ ضرور کوئی ریمارکس پاس کرے گا مگر خلاف معمول وہ دونوں اسے بھی کھانے کی آفر کرکے پوری تندہی سے کھانے میں مصروف تھے۔ لائبہ نے دو روٹیاں انہیں پکا کر اور دیں پھر بچا ہوا آٹا باریک پلاسٹک کور سے ڈھک کر واپس فریزر میں رکھ دیا۔ کوکنگ ریک پر سے توا بیلن وغیرہ اٹھا کر نیچے کیبنٹ میں رکھ دیا اور ڈسٹ بن سے وہاں کی صفائی کرنے لگی۔ یہ اتفاقات ہیں یا وہ پیچھا کرکے ہر جگہ موجود ہوتا ہے مگر پیچھا کیوں کرنے لگا' جبکہ میں یہاں بالکل اچانک ہی آئی ہوں۔ دو دن قبل شاہ رخ کراچی آ گیا تھا۔ انہیں لینے کے لئے' اس نے آتے ہی زبردستی پیکنگ کروائی اور شام کی فلائٹ سے وہ اسلام آباد آ چکے تھے یہاں انکل اور آنٹی نے جتایا کہ ماما کی بیماری سے ہونے والی کمزوری یہاں کی صحت افزا آب و ہوا سے دور ہو جائے گی۔ ماما بھی یہاں آ کر بہت خوش تھیں۔

''مان گئے بھئی۔ کیا نقشے بناتی ہو۔ واہ جواب نہیں' تمہارے نقشوں کا۔'' وہ سنک میں کھڑی ہاتھ دھو رہی تھی۔ شاہ بھی ہاتھ دھوتا ہوا اس کے برابر میں کھڑا ہو کر مسکراتا ہوا بولا۔

''کھا کر بکواس کر رہے ہو۔'' وہ تولیے سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی بولی۔

''اُسامہ' میں غلط کہہ رہا ہوں۔'' وہ برابر میں کھڑا اُسامہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''ہوں۔ میرے خیال میں یہ نقشے کولمبس کو بروقت مل جاتے تو وہ دو چار شہر اور دریافت کر سکتا تھا۔'' اُسامہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ جس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

''واقعی بہت زیادتی ہوئی ہے' بے چارے کے ساتھ۔'' شاہ رخ ہنستا ہوا بولا۔

لائبہ خاموشی سے ٹیبل سے برتن اٹھا رہی تھی۔ شاہ رخ نے چائے کی فرمائش کر دی۔

''رات کے دو بجے کون چائے پیتا ہے۔'' وہ سالن کی ڈشیں فریزر میں رکھتے ہوئے بولی۔

''ہم پیتے ہیں بلکہ تم بھی ہمارے ساتھ پیو گی۔'' شاہ رخ بولا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں اس وقت کچھ کھانے پینے کی عادی نہیں ہوں۔'' وہ صاف گوئی سے کہتی ہوئی چائے تیار کرنے لگی۔ اُسامہ' شاہ رخ کے ساتھ کسی سیاسی بحث میں الجھ رہا تھا۔ پہلی بے ساختہ نگاہ کے بعد اس نے لائبہ کو دیکھنے سے احتیاط کی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا' شاہ رخ اس کے جذبوں سے آشنائی حاصل کر لے اور اس سے بعید نہ تھا کہ وہ ان کے ملاپ کے لئے بڑے سے بڑا اقدام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ایسا ہی تھا۔ بظاہر لاپروا' کھلنڈرا مگر حقیقت میں وہ بہت ہمدرد' پرخلوص دوستوں پر جان دینے والا شخص تھا۔ اسے معلوم تھا' پہلے اسے لائبہ کی سچی محبت حاصل کرنی ہے جو ایک مشکل ترین مشن تھا۔ دوسرے اسے اپنانے کے لئے اماں جان جیسی نسب پرست چٹان سے ٹکرانا ہو گا۔ اور وہ بھی اس طریقے سے کہ ان کی انا اور وقار مجروح نہ ہو جو ایک ناممکن بات تھی۔ انہی سوچوں نے اسے کمزور کر دیا تھا۔

''یار چائے لو نا۔ کیا سوچ رہے ہو۔'' شاہ رخ اس کی طرف دیکھتا ہوا چائے کا کپ اس کے آگے رکھتا ہوا بولا۔

''شکریہ۔'' اس نے چونک کر کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''میں جا رہی ہوں۔ کچن کی لائٹ آف کر کے اور دروازہ بولٹ کر کے آنا۔'' لائبہ' شاہ رخ سے مخاطب تھی۔ اس نے کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وائٹ سوٹ میں اس کے پرکشش چہرے پر بلا کی معصومیت و سادگی تھی۔ اس میں شوخی' ناز و ادا بالکل بھی نہیں تھی جو عموماً اس عمر کی لڑکیوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی یہی سادگی' معصومیت اور سنجیدگی اس کٹھور کو اس کا اسیر بنا گئی تھی۔

''بہت بہت شکریہ سسٹر' سچ تمہارے ہاتھ کے نقشوں نے کھانے کا مزہ دوبالا کر دیا تھا۔'' شاہ رخ اسے ابھی بھی چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔ وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔

✦ ✦ ✦

دھوپ ڈھل گئی تھی' گرمی کی تمازت بھی ختم ہو گئی تھی۔ تابندہ اپنے کام سے فارغ ہو کر چارپائی پر رکھے کپڑے چھوٹے بیگ میں رکھوا رہی تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ خلاف عادت کچھ گنگنا بھی رہی تھی مگر اس کی بجھی بجھی آنکھیں اس کے مسکراتے لبوں کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ اس کے اندر بے نام ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وہ بہت حقیقت پسند لڑکی تھی۔ خوابوں و خیالوں سے دور رہنے والی۔ اس نے کبھی خوبصورت شہزادے کے سنہرے سپنے نہیں دیکھے تھے' باپ اور بھائی کے علاوہ کسی تیسرے مرد کی پرچھائیں ان کے آنگن میں نہیں آئی تھی۔ باپ' بھائی اور پھر بہنوئی کے رشتے سے وہ آشنا ہوئی تھی۔ افشاں کے شوہر انہیں بالکل بہنوں کی طرح سمجھتے تھے۔ بہت عزت و تقدس کے ساتھ پیش آئے تھے۔ کبھی اس نے محسوس ہی نہیں کیا کہ مرد کے اور بھی روپ ہوتے ہیں۔ اس جذبے سے روشناس اسے فاران نے کروایا۔ وہ جو ایک پرسکون بہتی ندیا کی طرح زندگی گزار رہی تھی۔ اس کی پرسکون سطح پر تلاطم و انتشار فاران نے پیدا کیا تھا۔ محبت کے مہکتے رنگوں سے اس نے متعارف کروایا تھا۔ گو کہ وہ بہت بولڈ اور سمجھدار تھی اور اپنے گھریلو مخدوش حالات کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی اپنی عمر سے بڑی اور پختہ سوچ رکھتی تھی۔ اس نے اپنے اور فاران کے درمیان موجود معاشی فرق کو محسوس کیا تھا۔ اپنے گھر اور پھوپو کے درمیان جو نا خوشگوار تعلقات تھے' ان کو مدنظر رکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی فاران کے جذبوں کی معمولی سی پذیرائی بھی کی جائے۔ وہ بہت سمجھدار و ثابت قدم ہونے کے باوجود ایک لڑکی ہی تھی۔ بہت نازک و خوبصورت احساسات رکھنے والی۔ وہ عمر کے اس دور میں تھی جہاں طلسمی خواب خود بخود نیند بن کر آنکھوں میں اتر آتے ہیں۔ اگر ان رنگین سپنوں میں کوئی منچلا اپنی سچی محبت کی تعبیر دینے آ جائے تو پھر دل پر کہاں اختیار رہتا ہے۔ وہ بھی بہت حوصلے سے فاران کے تمام جذبوں کی حوصلہ شکنی کرتی آئی تھی مگر اپنے اندر ہونے والے تلاطم سے بھی وہ بے خبر نہیں تھی لیکن وہ کسی لمحے اس کے سامنے کمزور نہیں پڑی تھی اور آج اسے اپنی اس ثابت قدمی پر فخر تھا اگر کسی لمحے وہ جذبات کے دباؤ میں آ کر فاران سے اظہار کر دیتی تو وہ یقیناً آج ہر دیوار توڑ کر اسے اپنانا چاہے اسے اس کے لئے کتنی ہی دشواریوں اور تکلیفوں سے گزرنا پڑتا

''خدا کے لئے تابندہ میرے سامنے یوں حد سے زیادہ خوش نظر آنے کی کوشش مت کرو۔ یہ تمہاری مسکراہٹ' یہ تمہاری گنگناہٹ تمہارے اندر جلتے ارمانوں کا دھواں ہے۔'' شمائلہ جو باورچی خانے سے چائے کے دو کپ لے کر برآمد ہوئی تھی۔ ایک کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے غصے سے بولی۔

''تمہیں یوں ہی وہم رہتا ہے۔ نہ میرے اندر کوئی ارمان ہیں اور نہ ہی کوئی الاؤ دہک رہا ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

''تم سمجھتی ہو تم نے یہ قربانی دے کر بہت اچھا کام کیا ہے۔''

''یہ بات تم مجھے پچھلے ایک ماہ سے سنا رہی ہو۔'' تابندہ چائے پیتے ہوئے بولی۔

''سخت احمقانہ حرکت کی ہے یہ تم نے۔ ایسی باتیں فلموں اور کہانیوں میں ہی ملتی ہیں۔ حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ایسا ایثار و وفا' فراخ دلی دوسروں کی راہ کے کانٹے چن کر اپنے حصے کے پھول بچھانے کا وقت نہیں رہا ہے۔ اب جو جتنا زیادہ مکار' خود غرض و خود پسند ہو وہ اتنا ہی کامیاب رہتا ہے اس دور میں۔'' شمائلہ کا غصہ کسی طور ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔

''کچھ لوگ ہیں ایسے مگر سارے نہیں اگر دنیا میں تمام لوگ ایسے ہی ہوتے تو یہ دنیا کب کی فنا ہو چکی ہوتی۔ میرے نزدیک زندگی کا مفہوم ہی قربانی ہے اگر ہماری ذات کسی کے لئے مسرت کا باعث نہیں ہے تو کیوں ہم کسی کے لئے رنج کا سبب بن جائیں۔'' تابندہ سنجیدگی سے بیگ میں کپڑے وغیرہ رکھ کر بند کرتے ہوئے بولی۔

''میں ایک بار پھر کہہ رہی ہوں تابی' مت جاؤ پلیز۔ ہم اتنے معتبر لوگ نہیں ہیں جو ہمارے نہ جانے سے حسنہ کی شادی رک جائے گی یا ہماری کمی محسوس کی جائے گی بلکہ وہاں جا کر تم اور بکھر کر رہ جاؤ گی۔ ابھی صرف تم سن رہی ہو کہ فاران بھائی کی حسنہ سے شادی ہو رہی ہے مگر وہاں جا کر دیکھو گی تو برداشت نہیں کر پاؤ گی اور چھوٹی پھوپو کی نمائشی عادت سے واقف تو ہو تم۔ وہ بات بات پر تمہیں احساس دلائیں گی' تمہارے اور فاران کے تعلقات کا۔ ویسے بھی اپنے فتح یاب قلعے پر کسی دوسرے کی فتح کا پرچم لہراتے دیکھنا بہت زیادہ برداشت اور حوصلے کی بات ہے اور میں تمہیں ......''

''خاموش ہو جاؤ شمو' مت مجھے ورغلا کر میرے نیک فیصلے کو گمراہ کرنے کی کوشش کرو۔ میں نے کبھی ان کے جذبوں کی پذیرائی نہیں کی' نہ کبھی انہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا کیا ہے۔ جب میرا کوئی قصور ہی نہیں ہے تو میں مجرم کیوں بن گئی ہوں' کیوں میں قصوروار گردانی جا رہی ہوں۔ کچھ نہ کرنے پر بھی سب کچھ کرنے کا الزام مجھ پر ہی کیوں ہے۔'' تابندہ گویا برداشت کی حد عبور کر چکی تھی۔ نمکین پانی جو عرصے سے اس کے من میں جمع ہو رہا تھا۔ شمائلہ کی مسلسل بحث و تکرار سے بے تابو ہو کر چھلک پڑا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تھی۔ شمائلہ چاہتی بھی یہی تھی کہ اس کے دل کا سارا غبار آنسوؤں کی صورت میں نکل جائے۔ اس نے فاران کے ساتھ مل کر اسے ہر انداز میں چھیڑا تھا اور فاران کے ساتھ اسے سبز باغ دکھائے تھے۔ اس لئے وہ خود بھی اپنی نگاہوں میں اس کی مجرم تھی۔ میرے ارادوں میں کوئی کھوٹ اور لالچ نہیں تھا۔ میں اپنی بہن کا مستقبل سنوارنا چاہتی تھی۔ اے رب تو گواہ رہنا' میں بے قصور ہوں۔ شمائلہ بہتی آنکھوں سے اوپر آسمان کی طرف دیکھتی ہوئی اللہ سے مخاطب تھی۔

✦ ✦ ✦

مری کی فلک بوس پہاڑیاں سنہری دھوپ سے چمک رہی تھیں۔ ان کی چوٹیوں پر جمی برف سورج کی شعاعوں سے ہیروں کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ پہاڑوں کے سینوں سے بہتے جھرنوں اور گرتے آبشاروں نے وہاں کی شادابی و خوبصورتی کو اجاگر کر دیا تھا۔ ہر سو پھیلے سبزے اور خوش نما شوخ رنگ پھولوں نے نگاہوں کو ٹھنڈک بخشی تھی۔ چاروں طرف قدرت کا حسن بہت فراخدلی سے بکھرا ہوا تھا۔ موسم بھی بہت دلکش ہو رہا تھا۔ لوگوں کی بڑی تعداد وہاں پکنک کے لئے آئی ہوئی تھی۔

افتخار صاحب نے رات کو مری آنے کا پروگرام بنایا تھا۔ آنٹی اور ماما نے رات ہی ڈشیں بنالی تھیں۔ لائبہ اور طوبیٰ نے سامان سیٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ صبح ناشتے کے بعد وہ دو کاروں میں مری کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ لائبہ' طوبیٰ' دادی (افتخار کی والدہ) شاہ رخ کی کار میں بیٹھی تھیں' جبکہ افتخار صاحب' بیگم افتخار' ماما اور ملازم اُسامہ کی کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صبح شاہ رخ اُسامہ کو لے آیا تھا۔ افتخار صاحب بھی اسے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ اونچے نیچے دلفریب راستوں سے وہ دوپہر تک مری پہنچے تھے اور ایک سرسبز پھولوں سے مہکتے گوشے کا انتخاب کر کے وہاں قالین بچھا کر سب لوگ دائرے کی صورت میں بیٹھ گئے تھے۔ بیٹھتے ہی شاہ رخ نے بھوک کا شور مچا دیا تھا۔ کھانے کا ٹائم بھی ہو گیا تھا۔ لائبہ اور طوبیٰ نے ملازمہ کے ساتھ مل کر دسترخوان لگانے کے بعد برتن رکھنے شروع کر دیئے تھے۔ آنٹی اور ماما ڈشوں میں سالن وغیرہ نکال رہی تھیں۔ ملازم سامنے بہتے جھرنے سے کولر بھرنے چلا گیا تھا۔ بہت خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ جس کے بعد شاہ رخ کے اشارے پر وہ اٹھ گئی تھیں۔

''ماما آپ تو چلیں نا۔'' انکل اور آنٹی کے بعد لائبہ ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

''آپ جاؤ۔ میرے لئے اونچے نیچے راستوں پر چلنا خطرناک ہو گا۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''ہم یہیں سیر کر لیں گے۔ آپ بے فکر ہو کر انجوائے کریں۔'' آنٹی مسکرا کر بولیں۔

''آپ چلیں نا' دادی جان۔'' وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تسبیح پڑھتی دادی سے بولی۔

''بیٹی' میں تو کار میں بیٹھے بیٹھے ہی تھک گئی ہوں۔ ٹانگوں میں اتنی طاقت چلنے پھرنے کی کہاں ہے اور تم لوگ جاؤ اور دیکھو زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں کے موسم کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ ابھی دھوپ نکل رہی ہے' چند منٹوں میں بارش بھی ہو سکتی ہے۔ آندھی بھی چل سکتی ہے۔ کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔'' انہوں نے لمبا لیکچر دیا تھا۔

وہ دوپٹہ درست کرتی ان کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ وہ بہت مسرور تھی۔ قدرتی حسن کی وہ دیوانی تھی۔ سبزہ' پھول' جھرنے' آبشار' بارش اسے بے انتہا پسند تھے۔ یہاں پھیلی بے انتہا خوبصورتی نے اس کے وجود پر چھائی رہنے والی اداسی اور سنجیدگی وقتی طور پر غائب کر دی تھی۔ اس کے چہرے پر مسرت کا اجالا تھا۔ سیمیں کلر کے جارجٹ کی کڑھائی والے سوٹ میں وہ بہت فریش اور حسین لگ رہی تھی۔ طوبیٰ کی حالت بھی اس سے کم نہ تھی۔ وہ بھی بہت خوش تھی۔ اس کی فل اسپیڈ سے چلتی زبان نان اسٹاپ چل رہی تھی۔

''تم نے کیا آج خاموشی کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ یا زبان کہیں کرائے پر دے آئے ہو۔'' شاہ رخ ساتھ چلتے ہوئے اُسامہ سے مخاطب ہوا تھا۔

''تمہارے آگے کسی دوسرے کو موقع کہاں ملتا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اچھا چلو کوئی غزل' لطیفہ یا شعر سناؤ۔'' شاہ رخ نے فرمائش کی۔

''یہ کام تمہارے ہیں۔ مجھ پر سوٹ نہیں کرتے۔'' اُسامہ ہنستے ہوئے بولا۔

''بور انسان جو ٹھہرے۔ اچھا چلو کوئی تقریر ہی سنا دو۔ یہ تو تم پر سوٹ کرتی ہے۔''

''یہ موقع نہیں ہے تقریر کرنے کا۔ میں ہر کام اس کے وقت پر ہی کرنے کا عادی ہوں۔''

''کیوں اُسامہ بھائی کا دماغ کھا رہے ہو۔ خود ہی کچھ سنا دو نا۔'' طوبیٰ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''اگر ان میں دماغ ہوتا تو بات ہی کیا تھی۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔ جبکہ اُسامہ ہنس پڑا تھا۔

راستے میں سیب کے درختوں کی بہتات تھی۔ جہاں سے اُسامہ اور شاہ رخ نے سرخ سرخ سیب توڑے' ان کا ذائقہ بہت لذیذ تھا۔ وہاں گھومتے ہوئے انہیں تین گھنٹوں سے زیادہ وقت ہو چکا تھا۔ شام کا سرمئی دھندلکا ہر سو پھیلنا شروع ہو گیا۔ ڈوبتے سورج کی آخری شعاعیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اُسامہ انہیں لے کر ریسٹورنٹ میں آ گیا۔ ویٹر کو اسنیکس اور چائے کا آرڈر دے کر ان کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اب ہمیں آنٹی انکل کے پاس چلنا چاہئے۔ بہت ٹائم ہو گیا ہے۔'' لائبہ رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں اب تو چل چل کر ٹانگوں میں درد بھی ہونے لگا ہے۔'' طوبیٰ بولی۔

''ٹانگوں میں یا زبان میں۔ جب سے آئی ہو دوستوں کی برائیوں میں مگن ہو۔''

''شاہ رخ جو اُسامہ کے برابر میں آنکھیں بند کر کے بیٹھا تھا آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

''تم سے بات نہیں کی ہے میں نے' خاموش رہو تم۔'' طوبیٰ چڑ کر بولی۔

''سچ کہنے والا ہمیشہ ہی برا لگتا ہے۔'' شاہ رخ اس سے لڑنے کے موڈ میں تھا۔

''شاہ پلیز۔ ہر جگہ لڑنے کے لئے تیار مت رہا کرو۔'' لائبہ طوبیٰ کے تیور بدلتے دیکھ کر بولی۔

''تم بھی اس کی حمایت لے رہی ہو۔ ظاہری بات ہے' اس کی دوست جو ہوئیں مگر کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ میرا دوست بھی ہے ساتھ۔ مقابلہ زوردار ہوگا۔'' وہ اُسامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''پہلے ان سے مقابلہ کر لو پھر کچھ سوچنا۔'' اُسامہ پلیٹ اس کی طرف کھسکاتا ہوا بولا جو ابھی ویٹر سرو کر کے گیا تھا۔

لائبہ محسوس کر رہی تھی۔ اُسامہ کی محتاط نگاہوں کی تپش جو لمحے بھر کو اس کی طرف اٹھتی تھیں اور فوراً جھک بھی جاتی تھیں۔ شاید طوبیٰ اور شاہ رخ کی وجہ سے وہ بہت زیادہ محتاط تھا۔ یہاں اس نے ایک بار بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ اس نے آج یہ محسوس کیا تھا' وہ بہت زیادہ سنجیدہ' گم صم و پریشان تھا جو اس کے بظاہر پرسکون نظر آنے پر بھی مطمئن نہیں تھا۔ چکن برگر کھاتی لائبہ کی سوچیں اس کے اطراف ہی گھوم رہی تھیں۔

''سر۔'' ویٹر کانچ کی ڈیکوریشن پلیٹ میں ایک وزیٹنگ کارڈ لایا تھا جو اس نے مودب انداز میں اُسامہ کی طرف بڑھا دیا۔

''شاہ رخ تم انکل کے کاٹیج میں سب کو لے کر چلے جانا۔ میں نے صبح فون کر کے ملازمین کو صفائی وغیرہ کا کہہ دیا تھا۔ میرے آنے میں کچھ دیر ہو جائے گی۔'' اُسامہ کارڈ پڑھنے کے بعد کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

''چائے تو پی لو کچھ کھایا بھی نہیں ہے تم نے۔''

''دیر ہو رہی ہے مجھے۔'' وہ تیزی سے ویٹر کے ساتھ چل دیا۔

''کس کے پاس جا رہے ہیں اُسامہ بھائی۔ کارڈ کس کا تھا۔'' طوبیٰ کے لہجے میں کافی حیرانی تھی۔

''اس کے دوستوں کی تعداد بے شمار ہے۔ ہوگا کوئی دوست ہی۔ جس نے اسے یہاں دیکھ کر پہچان لیا ہوگا۔'' شاہ رخ چائے پیتے ہوئے بولا۔

''کیا ہمیں یہاں رکنا پڑے گا؟'' طوبیٰ کپ ٹیبل پر رکھ کر بولی۔

''ہوں۔ کل چلیں گے۔ واپسی میں رات ہو جائے گی اور راستہ دیکھا ہے تم نے' کتنا خطرناک ہے۔ ابھی دن کی روشنی میں یہ مناظر حسین لگ رہے ہیں مگر اندھیرا پھیلتے ہی ان کی دلکشی ہیبت ناک ہو جائے گی۔'' شاہ رخ ویٹر کو اشارے سے بلاتا ہوا بولا۔

''بل تو جی وہ صاحب پے منٹ کر گئے ہیں۔'' ویٹر شاہ رخ کے بل منگوانے پر اُسامہ کا حوالہ دیتا ہوا بولا۔ ''واقعی ابھی دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی ہے۔'' شاہ رخ ہنستا ہوا ان کے ساتھ اٹھ گیا تھا۔

''کل شاپنگ کے بعد گھر چلیں گے آج کا دن تو گھومنے پھرنے میں ہی پورا ہو گیا ہے۔'' طوبیٰ لائبہ سے مخاطب ہوئی۔

''تم لڑکیوں کو شاپنگ کا اتنا کریز کیوں ہوتا ہے۔ کہیں بھی جاؤ' شاپنگ سینٹر پر سب سے پہلے نگاہ رکھتی ہو۔'' شاہ رخ بولا۔

''ظاہری بات ہے اگر ہم شاپنگ نہیں کریں گے تو شاپنگ سینٹر چلیں گے کیسے۔''

''ہائے رے خوش فہمی۔ واقعی تمہاری قوم اس خوش فہمی میں شدت سے مبتلا رہتی ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم دونوں ہر بات میں لڑنے کا پہلو کیوں نکال لیتے ہو۔'' لائبہ جو دیر سے دونوں کی نوک جھوک سن رہی تھی درمیان میں بولی۔

''تم تو اکلوتی ہو۔ اس لئے محسوس نہیں کر سکتیں۔ یہ بھائی نامی شے کیسے زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ ہر وقت رعب' ہر وقت غصہ خوامخواہ کا۔ زچ کر کے رکھ دیتے ہیں۔'' طوبیٰ بولی۔

''تم جیسی مطلبی بہنیں کسی چڑیل سے کم تھوڑی ہوتی ہیں۔ ہر وقت فرمائشیں' ہر وقت نخرے خوامخواہ کے تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔'' شاہ رخ بالکل اسی کے انداز میں بولا۔

''لائبہ اس کے اسٹائل پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اسے ہنستے دیکھ کر طوبیٰ مجبوراً مسکرانے لگی۔ سورج ڈوب چکا تھا۔ سرمئی اندھیرا دھیرے دھیرے پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ درختوں پر پرندوں کی واپسی شروع ہو چکی تھی۔ ان کی مخصوص چہچہاہٹ سے فضا گونج اٹھی تھی۔ ہوا میں بھی ٹھنڈک بڑھ چکی تھی جس سے خنکی کا احساس ہو رہا تھا۔

وہ تینوں باتیں کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ طوبیٰ کیمرہ اسلام آباد میں ہی بھول آئی تھی۔ اس وجہ سے شاہ رخ دوبارہ اس سے بحث کرنے لگا تھا۔ طوبیٰ اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھی۔ غلطی حالانکہ اسی کی تھی۔ کیمرہ وہ وارڈ روب سے نکالنا بھول گئی تھی۔

''طوبیٰ یہ تمہاری غلط بات ہے۔ انسان وہی بہتر ہوتا ہے جو اپنی غلطی پر شرمندہ ہو جائے۔ سوری کر لو شاہ سے بات ختم ہو جائے گی۔'' لائبہ طوبیٰ کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

''سچا دوست وہی ہوتا ہے طوبیٰ جو جھوٹی تعریف کے بجائے صحیح و غلط میں فرق بتائے۔''

''ایک مہینے تم اس کو ٹیوشن پڑھا دو۔ کچھ تمیز آ ہی جائے گی۔'' لڑتے اور بحث کرتے وہ انکل وغیرہ کے پاس پہنچ گئے۔ جہاں دادی نے اتنی دیر سے آنے پر خاصا لیکچر دیا تھا۔

''کاٹیج میں نے کل تک کے لئے ریزرو کروا لیا ہے آپ لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔ اُسامہ کہاں ہے؟'' افتخار صاحب شاہ رخ سے بولے۔

''وہ اپنے دوست کے ساتھ گیا ہوا ہے اور اس نے روحیل انکل کا کاٹیج ملازمین سے کھلوا دیا ہے۔ وہاں ملازمین ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے اور اُسامہ بھی وہیں آئے گا۔''

''لیکن میں نے بھی کاٹیج ریزرو کروا لیا ہے۔'' وہ کچھ الجھے ہوئے لہجے میں بولے۔

''چھوڑیں ڈیڈی۔ اُسامہ نے یہاں آنے سے قبل ہی کاٹیج کھلوا لیا تھا۔ اگر اب ہم وہاں کی بجائے دوسرے کاٹیج میں گئے تو وہ اپنی توہین سمجھے گا۔ اس کی نیچر آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔'' شاہ رخ کے سمجھانے پر وہ وہاں جانے پر راضی ہو گئے تھے۔ ایک گھنٹے بعد وہ سرخ ماربل سے بنے آسٹریلین طرز کے نہایت خوبصورت کاٹیج میں داخل ہو رہے تھے۔ پورے کاٹیج کی اندر باہر سے بڑی مہارت سے پھولوں اور پودوں سے آرائش کی گئی تھی۔ ہر رنگ کے پھول تھے۔ دور سے کاٹیج گلدستے ہی کی طرح لگ رہا تھا۔ سب کی نگاہوں میں ستائش تھی۔ ان کا استقبال تین ملازمین نے کیا تھا۔ سب کو کمرے بتائے۔ طوبیٰ نے لائبہ کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کمرے بھی بہت ذوق سے ڈیکوریٹ کئے گئے تھے۔ ماما ان کے قریب بیٹھی سارے دن کی تفریح کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ وہ سب مزے سے انہیں بتا رہی تھیں۔ لائبہ کو خوش دیکھ کر وہ بہت مطمئن تھیں۔

''ملازمین نے چائے لگا دی ہے۔ چلیں چائے پی لیں۔'' آنٹی کمرے میں آ کر بولیں۔

''ملازم بہت سگھڑ رکھتے ہیں۔ پورے کاٹیج کو انہوں نے آئینے کی طرح چمکا رکھا ہے۔ دراصل روحیل بھائی شاہ مزاج انسان ہیں۔ ملازمین کو زیادہ تنخواہیں دینے کے علاوہ ہر قسم کی سہولتیں بھی دے رکھی ہیں۔ جب مالک ملازمین کا اس قدر خیال رکھتے ہیں تو ملازمین بھی خلوص سے خدمت کرتے ہیں اور یہ تو ہیں پہاڑی لوگ۔''

''آنٹی روحیل صاحب نواب ہیں۔'' لائبہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی گم صم لہجے میں بولی۔

''یونہی سمجھ لو۔ انکل کا شمار ملک کے بڑے آرکیٹیکچرز میں ہوتا ہے۔ ویسے بھی وہ جاگیردار ہیں۔ پیسہ بہت ہے مگر عادت ان کی بہت اچھی ہے۔ بہت مہربان' بہت شفیق انسان ہیں' کبھی ملاؤں گی۔ دیکھنا بہت خوش ہو گی ان سے مل کر۔'' بالوں میں بینڈ ڈالتے ہوئے ان سے بولیں۔

''چلیں پہلے چائے پی لیں پھر باتیں کریں گے۔ سب ٹیبل پر انتظار کر رہے ہیں۔'' آنٹی کچھ بوکھلا سی گئی تھیں۔

''آنٹی' میں تو اب سوؤں گی۔ چائے کی بالکل بھی خواہش نہیں ہے۔'' لائبہ ڈریس چینج کرنے کی غرض سے باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

صبح بہت نکھری و بڑی خوبصورت تھی۔ سورج ابھی نکلا نہیں تھا۔ ٹھنڈی فضا پر خواب ناک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سیب' آلوچے' خوبانی' درختوں سے ٹوٹ کر ان کی گھاس پر بکھرے ہوئے تھے۔ پنچھی قطار در قطار آسمان پر عازم سفر تھے۔ سامنے اونچی اونچی پہاڑیوں کی چوٹی پر بادل دھوئیں کی صورت بکھرے ہوئے تھے۔ لائبہ ٹیرس کی ریلنگ سے جھکی باہر نظاروں کو دیکھ رہی تھی۔ بظاہر اس کی نگاہیں سامنے بہتے آبشار پر تھیں مگر اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ کل جو جوش و خروش مسرت و شادابی اس کے چہرے پر تھی' وہ اس وقت بالکل غائب تھی۔ رات کو وہ عشا کی نماز پڑھتے ہی سو گئی تھی۔ ماما نے زبردستی اسے چائے کے ساتھ پونسٹان ٹیبلیٹ دے دی تھی۔ آنٹی اور انکل کے اصرار کے باوجود اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اور سب سے پہلے سو گئی تھی۔

صبح فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے نماز پڑھنے کے بعد بہت مشکلوں سے طوبیٰ کو اٹھایا اور اس سے زبردستی نماز پڑھوائی تھی۔ نماز پڑھنے کے معاملے میں وہ بہت لاپروا تھی۔ نماز پڑھتے ہی وہ دوبارہ سو گئی تھی۔ لائبہ نے ایک سپارہ پڑھا اور سورہ یٰسین اور عہدنامہ پڑھنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ سب کے کمرے بند تھے۔ دائیں جانب بنے کچن سے ملازموں کے بولنے اور برتنوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے سیڑھیاں عبور کر کے اوپر آ گئی اور پھر ریلنگ پر جھک کر اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔ اس کے ذہن میں بچپن کے بے شمار واقعات فلم کی مانند گھوم رہے تھے۔ واشنگٹن کے مہنگے ترین ہوسٹل کے یخ بستہ گلاس وال سے چہرہ ٹکائے ایک معصوم چہرہ اس کے ذہن میں ابھی تک محفوظ تھا۔ جس کی معصوم گرین منتظر نگاہیں سامنے صاف و شفاف سڑک پر جمی رہتی تھیں۔ پڑھائی سے فراغت کے بعد جب سب بچے کھیل کود میں مشغول ہو جاتے تھے۔ وہ گلاس وال سے چہرہ ٹکائے سامنے نظر آنے والی سڑک کو گھورتی رہتی۔ وہاں آنے والی ہر کار کو وہ بے تابی سے دیکھتی اور ان سے برآمد ہونے والے افراد کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جلتی مسرت کی کرنیں بجھ جاتیں۔ وہ دوبارہ سے پھر دوسری آنے والی کاروں کو پر امید نگاہوں سے دیکھنے لگتی اور یہ مایوسی اور امید کا سلسلہ میڈم سکینہ کی آمد پر ہی ختم ہوتا جو بہت محبت سے سمجھا کر بہلا کر اسے اس کے روم میں لے جاتیں۔ ان کی دلچسپ کہانیوں میں بھی اس کا قطعی دل نہیں لگتا۔ وہ اپنی سوچوں میں اس قدر مستغرق تھی کہ اُسامہ کی آمد کو محسوس ہی نہ کر سکی جو اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھ کر اوپر چلا آیا تھا۔ اُسامہ کچھ دیر اسے بغور دیکھتا رہا۔ وہ مجسمے

کی طرح وہاں کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب کیفیت تھی۔ کل وہ بہت ایکسائیڈ تھی۔ ابھی اس کا چہرہ مرجھائے ہوئے پھول کی مانند لگ رہا تھا۔ اُسامہ جا کر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور اسے متوجہ کرنے کے لئے زور سے ذرا سا جھک کر اس کے چہرے پر پھونک ماری تھی۔ اس کا ردعمل توقع کے مطابق ہوا۔ لائبہ نے چونک کر اس کو دیکھا تھا۔ نزدیک کھڑے اُسامہ کو دیکھ کر اسے یقین نہ آیا۔ وہ اتنا فرینک بھی ہو سکتا ہے مگر اس کے خوبصورت لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شرارت دیکھ کر اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں نمودار ہو گئیں۔

''روحیل صاحب آپ کے رئیل انکل ہیں۔'' اس کی آنکھوں سے چھلکتے جذبے کسی دوشیزہ کے سر سے ڈھلکے آنچل کی طرح بے قابو دکھائی دے رہے تھے۔ وہ جو گزشتہ عرصے سے اپنا راستہ بھٹک کر اس کی راہ پر چل پڑا تھا۔ گو کہ لب اس کے خاموش ہی رہے تھے، چہرہ بھی بے تاثر رہتا تھا مگر اس کی خوابیدہ آنکھوں کی آفاقی زبان جو ہر ایک با آسانی اور بغیر ترجمان کے سمجھ سکتا تھا۔ وہ بھی کوئی ناسمجھ اور نادان نہیں تھی بلکہ بے پناہ حساس و نرم طبیعت کے باعث کچھ باتیں بن کہے ہی سمجھ جایا کرتی تھی اور اس کی آئی لینگویج وہ اسی وقت پہچان گئی تھی' جب اس نے مشتعل انداز میں جمشید خان سے اس کا بازو چھڑوایا تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں غیظ و غضب کے ساتھ جو اس کے لئے اپنائیت کے جذبے تھے' وہ بارش کے پانی کی طرح اس پر برس پڑے تھے۔ اسی وقت سے وہ اس سے نگاہیں چرانے لگی تھی۔ اس کی ہر ممکن کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ اس سے جتنا دور رہ سکتی ہے رہے اور اپنی اس احتیاط میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی رہی تھی مگر ہر بار ایسا تو نہیں ہوتا نا کہ جو ہم سوچیں' جو ہم چاہیں' جو تمنا کریں' وہ ساری کی ساری ہی پوری ہوں۔ اس مقام پر آ کر ہی انسان اپنے رب کو پہچانتا ہے کہ ہمیں پیدا کرنے والا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے والا وہ رحمان و رحیم ہی ہے جس کی مرضی سے سب کچھ ہوتا ہے۔ وہی دعاؤں کو قبول کرنے والا بھی ہے' وہی تمناؤں' امیدوں اور خواہشوں کو پورا کرنے والا بھی ہے۔ ہمارا کام صرف دعا مانگنے اور امیدیں باندھنے کا ہے۔ اس سے زیادہ ہمارا اختیار نہیں ہے اور اُسامہ کا اس سے ٹکراؤ بھی کچھ نہ قبول ہونے والی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا مگر اس وقت جو اس نے بے اختیار و بے باک حرکت کی تھی اس نے لائبہ جیسی باکردار اور سنجیدہ لڑکی کو پل بھر میں سخت مشتعل کر دیا تھا۔ وہ اسے سخت جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کے تیزی سے کھلتے لب سختی سے بند ہو گئے۔ اسے محسوس ہوا' جیسے کہ ابھی اس کے گونگے جذبوں کو زبان مل گئی ہو۔ اس کی نڈھال و اَن کہی تمنائیں آج پوری طرح تندرست و توانا ہو کر مکمل طور پر جاگ گئی ہوں۔ آج اس کے خاموشی سے بہتے محبت کے سمندر میں شدید طغیانی آ گئی ہو۔ جو ابھی سب حفاظتی بند توڑ کر تمام مضبوط پشتوں کو توڑ کر بہہ نکلے گا اور اس کی محتاط و مضبوط روش کو بھی تنکا تنکا بکھیر دے گا اور وہ بکھرنا نہیں چاہتی تھی' ٹوٹنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس کے گونگے جذبوں کو زبان دینا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے فوراً ہی سنبھل گئی اور ساری رات ذہن میں گونجنے والے سوال کو پوچھ بیٹھی۔

''جی' وہ میرے سگے چچا ہیں۔'' کچھ لمحے وہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھتا رہا۔ ''آپ کو یہ سن کر خوشی نہیں ہوئی۔'' لائبہ کے تاثرات کو وہ کوئی نام نہ دے سکا تو بولا۔

''نن نہیں۔ میری خوشی اور دکھ کا یہاں کیا تعلق۔ میں سوچ رہی تھی۔ یہ کاٹیج بہت خوبصورتی سے بنا ہوا ہے۔ سبزے اور خوبصورت پھولوں سے ڈھکا ہوا گھر بالکل گلدستے کی مانند لگتا ہے۔''

''یہ چچا جان کی ہی کاوش ہے۔ دراصل چچا جان بہت بڑے اور نامور آرکیٹیکٹ ہیں۔ یہ مکمل کاٹیج بھی انہوں نے اپنے آئیڈیے اور پسند کے مطابق بنوایا ہے۔ شمیر سے تو آپ کی ملاقات ہو ہی چکی ہے اسپتال میں۔ اس کے ہی ڈیڈی ہیں وہ۔'' وہ تفصیل سے اسے بتا رہا تھا اور لائبہ جیسے مجسمے کی طرح ساکت کھڑی سن رہی تھی۔ اُسامہ بھی شاید اس کی قربت کی چاہ میں اس سے طویل گفتگو کر رہا تھا۔ یہ اس حسین ترین وادی کی سحر خیزی تھی' حسن کا سحر تھا یا لائٹ پنک سادے شلوار سوٹ میں گلابی رنگ کے دوپٹے میں ملبوس اس کے حسن ہوشربا کا اثر تھا کہ وہ جو اپنے جذبوں کی حد بندی کر چکا تھا۔ اسے اپنی مردانگی کی توہین اس کے آگے کرنا پسند نہیں تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا اگر وہ خلوص دل سے' سچے جذبوں کے ساتھ اس کی پذیرائی کرے گی تو وہ راستے کی رکاوٹوں کو سہل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسے باعزت اور باوقار طریقے سے وہ اپنانا چاہتا تھا۔ گو کہ اسے پانا کوئی اتنا آسان بھی نہ تھا مگر وہ مشکل پسند انسان تھا۔ تقدیر سے زیادہ تدبیر پر یقین رکھنے والا۔ اس مقصد میں وہ اب تک کامیاب بھی رہا تھا۔ مری میں اس نے تمام دن اسے نظر انداز کیا تھا اور اپنے اس یک طرفہ عمل پر اس نے لائبہ کو بھی بہت مطمئن و پرسکون پایا تھا پھر یہ بات تو واضح ہو گئی تھی کہ وہ اس کے جذبوں سے آشنا ہے۔ اس کی چاہت کے رنگوں کو وہ دیکھ چکی ہے۔ مگر اس کی محبت کی حوصلہ افزائی وہ کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ کیوں نہیں چاہ رہی تھی۔ یہی سوال اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ شاید وہ اس طرح بدل کر کے اس کے کسی گزشتہ رویے کا انتقام لے رہی ہے یا اس کی دلچسپی کسی اور طرف ہے اور یہی سوچ کر اسے محسوس ہوتا تھا' جیسے خون کی جگہ اس کی رگوں میں لاوا دوڑنے لگا ہو جس کی جلن و تپش سے وہ خود کو الاؤ کی طرح جلتا ہوا محسوس کرتا۔

آج کل وہ جن حالات سے گزر رہا تھا' اس نے اسے معمہ بنا دیا تھا۔ وہ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول جوگنگ پر نکل گیا تھا۔ واپسی میں اس کی نظر ٹیرس پر کھڑی لائبہ پر پڑی پھر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اوپر کی طرف بڑھتے اپنے قدم روک نہیں سکا تھا۔ اوپر ریلنگ پر جھکی لائبہ اپنی سوچوں میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ وہ اس کی آمد کو محسوس ہی نہ کر سکی اور اسے وہ اس وقت یہاں پھیلے ہوئے خوبصورت نظاروں سے زیادہ دلکش و حسین لگی تھی اور اس نے بے اختیار ہی اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ذرا سا جھک کر اس کے چہرے پر پھونک ماری تھی۔ وہ میکانکی انداز میں چونک کر مڑی تھی۔ اس کے چہرے پر بہت ناگواری کے تاثرات تھے۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنا ہی چاہا تھا مگر اس کی نگاہوں میں اپنی شبیہ دیکھ کر اس نے فوراً ہی بڑبڑا کر نگاہیں جھکا لی تھیں اور اس کی حرکت نظر انداز کرتے ہوئے پوچھ بیٹھی تھی۔ اتنی دیر میں وہ بھی قدرے سنبھل گیا تھا۔

ملازم چائے لے کر اوپر آ گیا تھا اور اس کے اشارے پر ٹی میز پر رکھ کر چلا گیا۔

سورج دور سرمئی پہاڑوں کے پیچھے سے اپنا اجالا بکھیرتا نکل رہا تھا' پھولوں اور سبزے پر گرے شبنم کے قطرے ہیروں کی مانند چمک رہے تھے۔ آسمان پر پنچھی بھی اپنے دانہ پانی کی تلاش میں محو پرواز تھے۔ وہ دونوں خاموشی سے چائے پی رہے تھے۔ اُسامہ نے دو تین بار چور نگاہوں سے لائبہ کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا وہ اس وقت شاید مہمان ہونے کے خیال سے زبردستی اس کے سامنے ٹھہری ہوئی ہے پھر چائے پیتے ہی وہ کپ میز پر رکھ کر بغیر کچھ کہے تیزی سے نیچے چلی گئی۔ اُسامہ خاموشی سے اس کی پشت دیکھتا رہ گیا۔ اسے وہ ایک نفسیاتی کیس لگی تھی۔

✦ ✦ ✦

آج حسنہ کی مایوں کی رسم تھی۔ قریبی رشتے داروں کی آمد دوپہر سے شروع ہو گئی تھی۔ حسنہ کی دوستوں اور کزنز نے ایک دن پہلے ہی سے ڈیرا ڈالا ہوا تھا اور ذرا سا موقع ملتے ہی سب ڈھول لے کر گانے بجانے بیٹھ جاتیں۔ ڈھول کی پرزور آواز کے ساتھ ان کی زوردار تالیوں اور گانوں کی آواز سے کوٹھی کے در و دیوار گونجنے لگتے۔ اس وقت بھی وہ بڑے سارے دالان میں بچھے کارپٹ پر زور شور سے گانے میں مصروف تھیں۔

ذرا ڈھولکی بجاؤ گوریو

میرے سنگ سنگ گاؤ گوریو

لڑکیوں کی دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ ایک پارٹی ہیرو کے ساتھ تھی۔ دوسری پارٹی ہیروئن کی سائیڈ لے رہی تھی۔ بہت دلچسپی سے وہ گانے کی نقل کر رہی تھیں۔

تابندہ کل امی کے ساتھ یہاں آ گئی تھی۔ اس نے شمائلہ کو بھی بہت ساتھ آنے کے لئے سمجھایا مگر شمائلہ کسی طور بھی اس کے ساتھ آنے پر رضامند نہیں ہوئی تھی۔ تابش کے سالانہ امتحان ہو رہے تھے' وہ اس وجہ سے نہیں آ سکی تھی۔ خورشید بی بی بھی اسے چھوڑ کر کچھ دیر بعد چلی گئی تھیں۔ پھوپو نے خلاف مزاج اس کی آمد کی بہت پذیرائی کی تھی۔ بقول شمائلہ یہ بھی ان کی مکار فطرت کی چالاکی تھی۔

''تابندہ! شام کی چائے کا وقت ہو گیا ہے' ذرا کچن میں جا کر چائے تو بنا دو سب کے لئے۔'' رقیہ پھوپو کی بڑی بہو اس سے مخاطب ہوئیں جو ابھی حسنہ کے جہیز کے کپڑوں کی پلاسٹک کی تھیلیوں میں ڈریزائمنگ سے سیٹنگ کر کے فارغ ہوئی تھی۔

''جی اچھا۔'' تابعداری و خدمت گزاری تو اس کی سرشت میں شامل تھی۔ صبح سے جوڑے لگاتے لگاتے کمر اکڑ کر رہ گئی تھی۔ ابھی اسے ان گانے گاتی لڑکیوں کے پاس بیٹھے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ بڑی بھابی آ کر فرمائش کر گئی تھیں۔ وہ کمروں اور دالان کے درمیان جدید امریکن طرز کے کچن میں آ گئی۔ وائٹ چمکتے چمکدار ٹائلز سے بنا خوبصورت کچن گھر کی خواتین کی کاہلی، بے ڈھنگے پن اور بے پروائی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ براؤن اینڈ ہنی شیڈ کے کیبنٹ کھلے ہوئے تھے۔ جن میں سے کچھ کے ہینڈل ٹوٹ چکے تھے' کچھ کے ٹوٹے ہوئے وہیں لٹک رہے تھے۔ کھلے ہوئے کیبنٹ میں بے ترتیبی سے رکھے برتن اور ڈبے وغیرہ رکھے ہوئے برے لگ رہے تھے' اوون کا گلاس ڈور ٹوٹ چکا تھا' چولہے بھی دودھ ابل کر گرنے اور مسلسل ابل ابل کر گرنے کی وجہ سے جل جل کر اپنا رنگ کھو چکے تھے' سنک گندے برتنوں سے بھرا پڑا تھا' جس پر مکھیاں اور لال بیگ رینگ رہے تھے۔ تابندہ کی نفاست پسند طبیعت متلا کر رہ گئی۔ اس کی نگاہوں میں اپنا چھوٹا سا باورچی خانہ گھوم گیا جس کے ایک کونے میں نعمت خانہ تھا۔ سامنے چھوٹے سلیپ پر دو چولہے رکھے ہوئے تھے' وہیں کونے میں آٹے کا کنستر بھی رکھا ہوا تھا۔ وہاں بمشکل ایک فرد بیٹھ کر کام کر سکتا تھا۔ جس کی دیواروں پر لگے بریکٹوں پر امی کے جہیز کے قدیمی تام چینی اور تانبے کے برتن سجے ہوئے تھے۔ اس امریکن کچن کے مقابلے میں اسے وہ اپنا دیمک زدہ کچن بہت بہتر محسوس ہوا جو ان کی سلیقہ مندی اور صفائی پسند طبیعت کے باعث ہمیشہ صاف ستھرا رہتا تھا۔

تابندہ نے برتنوں میں دبی ہوئی کیتلی نکال کر دھوئی اور اس میں پانی بھر کر چولہا جلا کر رکھ دی۔ چینی اور پتی کے لئے اس نے تقریباً سارے کیبنٹ دیکھ ڈالے مگر وہ انہیں دستیاب کرنے میں ناکام رہی۔ چولہا بند کر کے وہ بڑی بھابی سے پوچھنے ان کے کمرے میں گئی۔ انہوں نے سہولت سے کہہ دیا۔ ''منجھلی بھابی سے معلوم کرو۔'' وہ اوپر ان سے معلوم کرنے گئی تو وہ میک اپ کرنے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے آئی شیڈ درست کرتے ہوئے چھوٹی بھابی کا پتا بتا دیا۔ وہ ہانپتی ہوئی دوسری منزل پر ان کے کمرے میں پہنچی تو وہ ادا سے بولیں۔ ''میں تو آج تک کچن کی طرف گئی ہی نہیں ہوں۔ دراصل یہاں کسی کو بھی عادت نہیں ہے' ایسے کام کرنے کی۔ چینی اور پتی کے بارے میں تمہیں باورچی ہی بتا سکے گا۔ اسی سے معلوم کرو۔'' تابندہ خاموشی سے وہاں سے آ گئی۔

بڑے گھر میں رہنے والے بڑے لوگ' جن کے دلوں کے درمیان بھی بڑے فاصلے تھے۔ جو ایک دوسرے سے محبت کا نہیں حسد کا رشتہ رکھتے تھے۔ ہر وقت ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی جستجو میں مگن۔ یہ بڑے لوگ تھے۔ دولت مند اور کوٹھی بنگلے والے لوگ ان سے تو ہم غریب لوگ بہت بہتر ہیں۔ ہمارا گھر چھوٹا ہے مگر دل بہت بڑے ہیں ایک دوسرے کی سچی محبت سے لبریز' جہاں سب لوگ اپنے بدن کا حصہ محسوس ہوتے ہیں۔ تابندہ جو کل سے یہاں ایک دوسرے کے رویے محسوس کر رہی تھی۔ بہت سکون سے اس نے سوچا۔

''ارے بھئی تم کہاں ہو۔ کب سے تمہیں تلاش کر رہی ہوں۔'' وہ زینے اتر رہی تھی کہ اندر سے حسنہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''میں پچھلے ایک گھنٹے سے چینی' پتی تلاش کرتی پھر رہی ہوں مگر کسی کو بھی معلوم نہیں ہے' تم ہی بتا دو۔'' وہ نیچے آتے ہوئے اس سے بولی۔

''تم سے کس نے کہا ہے' چائے بنانے کو۔ گھر کے سارے کاموں کی ذمے داری نوکروں پر ہے۔ تم کیوں چائے بناؤ گی۔ چلو میرے کمرے میں خانساماں خود بنا لے گا۔'' وہ تابندہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

✦ ✦ ✦

کنول مارکیٹ کے سائیڈ میں بنے رہائشی فلیٹس میں رہائش پذیر ہیڈ نرس سے ملنے آئی تھی جو پچھلے ایک ہفتے سے ایکسیڈنٹ ہو جانے کے باعث اسپتال سے چھٹیاں لے کر گھر پر آرام کر رہی تھیں۔ ان سے ملاقات کے بعد وہ جب ان کے فلیٹ سے نکلی تو شام کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ بیگ کاندھے پر ڈالتی ہوئی سڑک پر آ گئی۔ اسٹاپ پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ رکشا' ٹیکسی کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اسٹاپ پر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ بسوں میں بیٹھنے کا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ ویسے بھی بسیں اور ویگنیں اس قدر بھری ہوئی آ رہی تھیں۔ اس کے باوجود وہاں کھڑے مرد و عورتیں' بچے بری طرح ان میں چڑھ رہے تھے۔ کنول کا دل انہیں دیکھ کر گھبرا رہا تھا۔ ملک میں تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کا اندازہ ایسی جگہوں پر ہوتا ہے۔ وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ کنول اکتاہٹ کے ساتھ ساتھ کچھ خوفزدہ بھی ہو رہی تھی۔ کچھ گندی ذہنیت کے لوگ اسے مسلسل گھورتے ہوئے اوباش انداز میں فقرے کس رہے تھے اور کچھ اپنی غلیظ آنکھوں کے ذریعے اس کے جسم کا پوسٹ مارٹم کرنے میں مصروف تھے۔ اسے وہاں

کھڑے رہنا دشوار لگ رہا تھا۔ اسپتال سے ڈیوٹی آف ہونے کے بعد وہ اکیلی سسٹر سے ملنے چلی آئی تھی۔ اسے معلوم نہ تھا' واپسی میں سواری کے لئے اتنی پریشانی اٹھانی پڑے گی۔ ورنہ وہ گھر سے ڈرائیور کو فون کر کے بلوا لیتی۔ چار دیواری سے باہر نکلنے والی عورت آج بھی اتنی غیر محفوظ اور کمزور ہے' جتنی وہ کچھ صدیوں پہلے تھی۔ گھر سے مجبوراً باہر قدم نکالنے والی عورت باہر کی دنیا پر چھائے ہوئے بھیڑیوں کی مانند مردوں کے لئے بغیر ٹکٹ کا دلچسپ تماشا ہوتی ہے جو ماں' بہن' بیٹی کے مقدس و پاک رشتے سے نکل کر صرف اور صرف دلکش' مہکتا پھول بن جاتی ہے۔ جسے توڑنے اور مسلنے کے لئے لوگ موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ایسے بے غیرت و گھٹیا ذہنیت مرد نہ تو مسلمان ہی کہلانے کے حق دار ہوتے ہیں اور نہ ہی انسان۔

''آیئے مس' ہم آپ کو ڈراپ کر دیں گے۔ جہاں آپ کہیں گی۔''

کنول نے ناگواری سے دیکھا۔ دو لڑکے جو قریب ہی پیپل کے درخت کے نیچے کھڑے بہت دیر سے اس پر گھٹیا فقرے اچھال رہے تھے' نہ معلوم کہاں سے یلو کیب لے آئے تھے اور اب ان میں سے ایک اس کے قریب آ کر کار میں بیٹھنے کی فرمائش کر رہا تھا۔ کنول نے گھبرا کر دیکھا۔ اسٹاپ پر ہجوم کم ہو چکا تھا۔ کچھ مرد کھڑے شاید بس کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ تو آپس میں باتوں میں مگن تھے اور کچھ اس کی طرف اس طرح شوق سے دیکھ رہے تھے' جیسے وہاں شوٹنگ ہو رہی ہو۔ سب صورت حال سمجھ رہے تھے مگر بے حسی و لاتعلقی جیسے ان پر ختم ہو گئی تھی۔ کوئی بھی اس کی مدد کو تیار نہ تھا۔

''جائیں آپ' مجھے ٹیکسی مل جائے گی' میں چلی جاؤں گی۔'' وہ باوجود کوشش کے اپنی کپکپاتی آواز پر قابو نہ پا سکی۔ اس وقت اس کی شکل دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک کامیاب ڈاکٹر تھی۔ جس کی مسکراہٹ و خوش مزاجی سے مریض اپنا آدھا دکھ بھول جایا کرتے تھے۔

''جہاں ہم جیسے خادم موجود ہوں' وہاں آپ پریشان کیوں ہوں' آئیں ضد نہ کریں۔ ہم بہت اچھے ہم سفر ثابت ہوں گے۔'' دوسرا لڑکا بھی ٹیکسی سے نکل آیا تھا۔ کنول نے گھبرا کر ٹیکسی میں بیٹھے ڈرائیور پر نظر ڈالی' اس کے ہونٹوں پر بھی خبیث مسکراہٹ تھی' آنکھوں سے ان دونوں سے زیادہ کمینگی جھلک رہی تھی۔

''کیوں تنگ کرتے ہو' بے چاری کو' کیا تمہارے گھر میں بہن بیٹیاں نہیں ہیں۔'' ایک بڑے میاں جو ایک آدمی کے ساتھ وہاں آ کر ابھی کھڑے ہوئے تھے۔ فوراً معاملہ بھانپ کر ان لڑکوں سے مخاطب ہوئے۔

''بڑے میاں اپنی راہ لو' ہماری بہنیں اس وقت گھر سے باہر نہیں نکلتی ہیں اگر کبھی نکلتی بھی ہیں تو پردے میں بزرگوں کے ساتھ نکلتی ہیں۔'' ان میں سے ایک بہت تند لہجے میں ان سے بولا۔

''چھوڑیں ابا! آپ کیوں پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ وقت اور حالات دیکھنے کے باوجود جب یہ لڑکیاں منہ اٹھائے تنہا گھروں سے نکل پڑتی ہیں تو انجام بھی ان کا یہی ہوتا ہے۔ آج کل بھلائی کا وقت نہیں ہے۔ الٹی نیکی گلے پڑ جاتی ہے۔'' ان بڑے میاں کے ساتھ کھڑا شخص بہت غصے سے کنول کو گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا پھر وہ ان کو زبردستی بازو پکڑ کر وہاں سے آگے لے گیا۔ کنول ندامت و خوف سے زرد ہو گئی تھی۔ کیسی نفسانفسی و خود غرضی کی فضا میرے اس معصوم شہر پر طاری ہو گئی ہے۔ ایک ہر دلعزیز سوشل ورکر کی بیٹی' شہر کے ایس پی کی لخت جگر غنڈوں میں گھری کھڑی تھی۔ مذہب کے بندھن سے' انسانیت کے رشتے سے سب اپنے تھے مگر غیر تیں کہاں جا سوئی تھیں' ہمتیں دم توڑ چکی تھیں۔ محافظ ہی لٹیرے اور تماش بین بن جائیں تو عصمتیں پھر یونہی سر راہ نیلام ہوتی ہیں۔ وہ دونوں اب باقاعدہ دھمکیوں پر اتر آئے تھے مگر کنول کے جیسے سارے احساسات منجمد ہو گئے تھے۔ اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ سامنے بھاری ٹریفک کا شور و غل' فٹ پاتھ پر کھڑے ٹھیلوں پر برگر' فروٹ چاٹ اور پان بیچتے لوگ' سب کچھ نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا بڑھ رہا تھا۔

''یار لگتا ہے' یہ بے ہوش ہو رہی ہے۔'' ایک آواز آئی۔

''اچھا ہے پھر مسئلہ نہیں ہوگا۔'' دوسری ہنستی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اس نے بہت سنبھلنے اور آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اس نے ڈوبتے ذہن کے ساتھ محسوس کیا۔ شاید ان دونوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے تھے۔ اسی لمحے اسے قریب سے بائیک کی تیز آواز سنائی دی اور دو مردانہ لخراش چیخیں بھی' اسی لمحے اس کا ذہن ساتھ چھوڑ گیا اور وہ بے ہوش ہو کر فٹ پاتھ پر گر گئی۔

❖ ❖ ❖

ٹرالی میں رکھائی وی فل آواز سے اسٹارٹ تھا۔ اس وقت بچوں کا کوئی پروگرام آ رہا تھا۔ نبیل سامنے کاؤچ پر لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ٹی وی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں مگر ذہن اس کا غیر حاضر تھا۔ وہ کمرے میں ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں تھا۔ عائشہ جو کچن میں چائے بنا رہی تھی' کافی دیر سے کچن کی ٹی وی لاؤنج میں کھلنے والی کھڑکی کے شیشے سے نبیل کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ اس کی نگاہوں سے بے خبر ٹی وی پر نگاہیں جمائے اپنی سوچوں میں بھٹک رہا تھا۔ ابھی وہ نہ معلوم کتنی دیر اور گم رہتا اگر اسے اپنے پاؤں پر نمی کا احساس نہ ہوتا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ عائشہ اس کے نزدیک بیٹھی بے آواز رو رہی تھی اور اس کے آنسو پیروں پر گر رہے تھے۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''عاشی! کیا ہوا۔ وہ اس کی طرف جھک کر پریشان لہجے میں بولا۔ وہ اور بھی تیزی سے رونے لگی۔

''تم اگر اس طرح بغیر وجہ بتائے روتی رہو گی تو میں مزید پریشان ہونے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔ پلیز مجھے بتاؤ۔ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولا۔

''جس دن سے میں آپ کی زندگی میں داخل ہوئی ہوں' آپ کو علاوہ پریشانیوں کے دیا ہی کیا ہے۔ میرا وجود ہی نحوست کی علامت ہے۔ میری پیدائش سے پہلے ہی میرے باپ کا انتقال ہو گیا۔ جب پیدا ہوئی تو ماں مر گئی' دادی نے بہت پیار و محبت سے پالا مگر بہت جلد وہ بھی دنیا چھوڑ گئیں۔ بچپن نہ معلوم کس طرح اور کن کودوں میں گزرا مگر ہوش سنبھالتے ہی بھائی کو اپنے گرد حصار کی طرح پایا۔ بھائی مجھے بہت چاہتے تھے۔ میری ہر ضرورت' وہ بغیر کہے ہی پوری کر دیا کرتے تھے۔ چچی کے گھر میں ہم رہتے تھے۔ چچی مجھے کچھ اچھی نہیں لگتی تھیں۔ پکی عمر میں اور بیوہ ہونے کے باوجود وہ لڑکیوں کی طرح بنی سنوری رہتی تھیں۔ رات گئے تک لوگ ان سے ملنے آتے رہتے تھے۔ بھائی نے کبھی مجھے ان کی طرف جانے ہی نہیں دیا تھا۔ وہ بھی صرف کرایہ دینے پہلی تاریخ کو ان کے پاس جایا کرتے تھے۔ میں بی اے کر چکی تھی اور بھائی یونیورسٹی میں میرا ایڈمیشن دلانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ وہ دن بہت خوش گوار تھے۔ گھر کے کام سے فارغ ہونے کے بعد میں سارا دن رسالے پڑھنے میں گزار دیا کرتی تھی۔ اس دن بھائی وقت سے پہلے ہی آفس چلے گئے تھے اور مجھے کہہ گئے تھے کہ میں ایک بجے تیار رہوں۔ یونیورسٹی جائیں گے' ایڈمیشن کے لئے۔'' عائشہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر دکھ اور کرب کے گہرے رنگ چھائے ہوئے تھے' آنسو بھری آنکھوں میں شاید اس دن کے مناظر گھوم رہے تھے۔ نبیل نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی آف کر دیا تھا۔ وہ توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ درمیان میں وہ کچھ بھی نہیں بولا تھا۔ وہ عائشہ کے دل کا غبار نکال دینا چاہتا تھا۔ جن حالات میں ان کی شادی ہوئی تھی اور اس کے بعد جو سرد اور ظالم رویہ اماں جان نے اختیار کیا ہوا تھا۔ اس نے نہ صرف اس کو پریشان و فکر مند کر دیا تھا بلکہ عائشہ بھی ہر دم خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔ ان کی شادی کو تین ماہ ہو چکے تھے مگر اتنے عرصے میں دونوں کسی لمحے بھی خوشی سے مسکرائے نہیں تھے۔ آج پہلی مرتبہ اس کی زبان کے قفل ٹوٹے تھے۔ اس کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''میں تیار ہو کر بھائی کا انتظار کرتی رہی۔ ایک بجنے کے بعد وقت گزرتا گیا اور شام کے سات بج گئے۔ ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ ورنہ بھائی پانچ بجے تک آ جاتے تھے اور اس دن تو وہ جلدی آنے کا کہہ گئے تھے۔ مجھے ڈر لگنے لگا اور گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ میں آٹھ بجے تک خود کو تسلی دیتی رہی' بہلاتی رہی مگر اس دن زمین پر جیسے میرے لئے انگارے بچھ گئے تھے اور بیڈ اور صوفوں پر جیسے کانٹے اگ آئے تھے۔ نہ مجھے بیٹھ کر قرار مل رہا تھا اور نہ کھڑے ہو کر سکون۔ گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ جب رات کے دس بج گئے تو میرے حواس ساتھ چھوڑ گئے۔ میں نے آنگن کی دیوار میں نصب اس دروازے کو کھول لیا جو چچی کے پورشن میں کھلتا تھا اور بھائی کی غیر موجودگی میں' میں نے پہلی مرتبہ ہی کھولا تھا۔ میں چچی کو آوازیں دیتی ہوئی ان کے صحن میں آ گئی۔ وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ میں کمروں میں انہیں دیکھتی اور پکارتی پھر رہی تھی پھر وہ ایک کمرے سے برآمد ہوئیں۔ فل میک اپ اور میرون چپی کوٹ بلاؤز میں وہ جتنی نفرت انگیز مجھے لگی تھیں اگر مجھ پر وہ مصیبت اس وقت نہ پڑی ہوتی تو میں کبھی دوبارہ ان کی شکل نہ دیکھتی مگر اس وقت جیسی بھی تھیں وہ میرے قریب تھیں۔ میں بھاگ کر ان کے پاس چلی گئی۔

''ارے تم اور اس وقت۔ تمہارا محافظ کہاں ہے۔'' نہ معلوم انہوں نے طنز کیا تھا یا سوال۔ میں کچھ بھی نہیں۔

''چچی بھائی صبح سے گئے ہوئے ہیں۔ ابھی تک نہیں آئے۔ بھائی نے اتنی دیر کبھی نہیں کی۔'' میں بے اختیار ہی زور زور سے رونے لگی۔

''کیا ہوا ڈیئر۔'' اندر کمرے میں سے آف وائٹ کوٹ پینٹ میں ملبوس شخص ان کے پاس آ کر بولا۔ اس کی بھاری آواز پر میں نے پلٹ کر دیکھا۔ درمیانی عمر کا صحت مند آدمی تھا۔ اس اجنبی کا اتنی رات گئے چچی کے کمرے سے نکلنا مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

''کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ آ جائے گا ابھی۔ آؤ تم اندر چل کر بیٹھو۔'' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جانے لگیں۔''

''چچی! یہ کون ہیں۔'' میرے منہ سے بلا ارادہ نکلا۔

''یہ! یہ تمہارے چچا کے دوست ہیں۔ بہت یاد کرتے ہیں انہیں اور جب زیادہ یاد آتی ہے تو یہاں چلے آتے ہیں پھر ہم دونوں مل کر مرحوم کی باتیں تازہ کرتے ہیں۔'' انہوں نے غمگین نظر آنے کی کوشش کی۔

''میں وضو کر کے آ رہی ہوں۔'' میں وضو کے بعد نماز پڑھنے لگی اور نہ معلوم کتنی ہی نفلیں میں نے بھائی کی جلد خیریت سے آنے کے لئے پڑھیں اور دعائیں مانگتی ہوئی پڑھتی گئی لیکن بعض دفعہ وہ کچھ ہو جاتا ہے جس کا کبھی ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بھائی جو ایک بجے کا کہہ کر گئے تھے' وہ رات کو ایک بجے ایمبولینس کے ذریعے اسٹریچر پر بے روح وجود کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ میں تو اسی وقت بے ہوش ہو گئی تھی۔ جب ہوش میں آئی تو میرا محافظ' میرا سہارا' میرا بھائی' ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکا تھا۔ چچی نے ان دنوں میری بہت دیکھ بھال کی۔ وہ ہر دم میری دلجوئی میں لگی رہتیں۔ ان دنوں ان کے مہمان بھی بالکل نہیں آ رہے تھے۔ پڑوسیوں سے چچی کے تعلقات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس لئے سارا دن ہم دونوں کے سوا کوئی گھر میں نہ ہوتا۔ صفائی کرنے والی ماسی دونوں ٹائم صفائی کر کے چلی جاتی۔ کھانا چچی بہت کم گھر میں پکاتی تھیں۔ زیادہ تر بازار سے آتا تھا۔ بھائی کو مجھ سے بچھڑے دو ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا۔ میرے لئے تو دنیا ویران ہو گئی تھی۔ نہ مجھے اپنے حال پر اختیار رہا تھا اور نہ ہی مستقبل کی مجھے فکر رہی تھی۔ زمین پر پڑے پتھر جیسی بے مصرف سی زندگی ہو گئی تھی۔ میں ہر وقت قرآن پاک کی تلاوت کے ذریعے بھائی کی روح کو ایصال ثواب کیا کرتی تھی۔

ایک شام چچی پھر اپنے اصل روپ میں واپس آ گئیں۔ آتشی چمکتا ہوا سوٹ' بالوں میں گجرے' چہرے پر میک اپ' وہ ایسا ہی بھڑکتا ہوا سوٹ لے کر میرے کمرے میں آ گئیں۔

''عاشی دیکھو' میں نے تمہارے لئے کتنا خوبصورت سوٹ بنوایا ہے۔ چلو فٹافٹ پہن کر تیار ہو جاؤ۔'' وہ میرے قریب آ کر بہت پیار سے بولیں۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ۔ میں یہ کپڑے نہیں پہنوں گی۔''

''دیکھو عاشی گھر میں مہمان آنے والے ہیں۔ جب سے شہباز اس دنیا سے گیا ہے تم تو بالکل ہی پتھر بن گئی ہو اگر میں تمہاری دیکھ بھال نہیں کرتی ہوتی تو تم بھی کب کی مر چکی ہوتیں۔ چلو اٹھو شاباش' نہا کر یہ کپڑے پہن لو پھر میں تمہارا میک اپ کر دوں گی۔ یہ دنیا ہے' یہاں لوگ روز مرتے ہیں اور روز پیدا ہوتے ہیں۔ مرنے والا چلا جاتا ہے مگر یہ دنیا' یہاں کا وقت' یہاں کے کام یونہی رواں دواں رہتے ہیں۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا تھوڑی جاتا ہے۔ چلو اٹھو شاباش۔'' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولیں۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا۔ میں یہ کپڑے نہیں پہنوں گی۔''

''ضد نہیں کرو۔ میں نے تمہاری وجہ سے دو مہینے خاموشی اختیار کی۔ تمہارے دکھ درد میں کام آئی۔ تمہارا ہر طرح سے خیال رکھا۔ اب تمہارا بھی فرض بنتا ہے' تم میری بات مانو اور جو میں کہوں' وہ خاموشی سے کرتی جاؤ اس لئے کہ تمہارا اب اس دنیا میں میرے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔''

آخر میں ان کا لہجہ بہت سخت اور حکمیہ ہو گیا تھا۔ ان کا ہر لفظ سچا تھا اور اس بات سے میں بھی اچھی طرح واقف تھی کہ میرا اب ان کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے زبردستی باتھ روم میں دھکیلا۔ میں کپڑے بدل کر باہر آئی تو وہ نثار ہو جانے والی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے بے حد اصرار کے باوجود میں نے نہ میک اپ کیا اور نہ ہی بالوں میں گجرے لگائے۔ سادہ سی چوٹی باندھ کر میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ مجھے شدت سے اس وقت بھائی یاد آ رہے تھے اور آنسو ضبط کے باوجود آنکھوں سے بہے جا رہے تھے۔ چچی کمرے سے چلی گئی تھیں۔ باہر سے معمولی سے شور کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید مہمان آ گئے تھے۔ اسی لمحے مسکراتی ہوئی چچی اندر آ گئیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولیں۔

''چلو بھئی عاشی' مہمان تم سے ملنے کے لئے بہت بے قرار ہیں۔

''لیکن میں تو کسی کو نہیں جانتی۔''

''ارے بھئی ملو گی تو جان جاؤ گی' چلو آؤ۔'' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم میں لے آئیں اور اندر پہلا قدم رکھتے ہی میرا دماغ چکرا گیا تھا۔ میں سمجھ رہی تھی۔ ان کے مہمانوں میں عورتیں اور لڑکیاں شامل ہوں گی مگر وہ تو سب کے سب مرد تھے۔ سگریٹ اور سگار کے ساتھ پرفیومز کی خوشبوئیں وہاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے کہ میرا دل چاہ رہا تھا' زمین شق ہو جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔

''گھبراؤ نہیں۔ یہ سب اپنے ہی ہیں۔'' چچی مجھے دھیرے دھیرے کانپتے ہوئے دیکھ کر بولیں۔

''چچی! میں اپنے کمرے میں جاؤں گی۔''

''آئے ہو ابھی بیٹھو تو سہی۔ جانے کی باتیں جانے دو۔'' براؤن کوٹ سوٹ میں ملبوس آدمی صوفے سے اٹھ کر میرے نزدیک آ کر گنگناتے ہوئے بولا۔ وہاں بیٹھے سب مرد قہقہے لگانے لگے تھے۔ اس آدمی کے اٹھتے ہی سب مرد میرے گرد جمع ہونے لگے تھے' اپنی ڈراؤنی آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے۔

''پہلے معاملات طے ہوں گے۔ اس سے پہلے آپ میری بیٹی کو چھو نہیں سکتے۔'' چچی خود سے چپکی کھڑی عاشی کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر اپنے قریب کھڑے اس ہجوم سے بولیں۔

''کیوں وقت خراب کرتی ہو۔'' ان میں سے وہی براؤن سوٹ والا جو مسلسل مجھے گھور رہا تھا' جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں اتنی ناسمجھ بھی نہیں تھی جو ان کی گندی نگاہوں کو نہ پڑھ سکتی۔ مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے چچی سے ہاتھ چھڑوایا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔ اس وقت جو میری حالت تھی' وہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ چچی کچھ دیر بعد آئیں اور دروازہ بجاتی رہیں مگر میں نے دروازہ نہیں کھولا۔ پھر وہ دوسری مرتبہ مجھے کھانا کھانے کے لئے بلانے آئیں۔ میں نے پھر بھی دروازہ نہیں کھولا۔ بھوک' پیاس' میری سب ختم ہو گئی تھی۔ بھائی کی جوان موت پر میں نے اتنے آنسو بہائے تھے کہ اب آنکھیں خشک بھی ہو گئی تھیں۔ میں ساری رات دروازہ بند کر کے جاگتی رہی اور نماز پر اپنے اللہ سے ذلت کی زندگی سے عزت کی موت کی دعائیں مانگتی۔ رات بہت خوفناک اور طویل تھی۔ اذان فجر کی پر ایمان اور پر جلال صدا کے ساتھ ہی صبح کی سپیدی نے رات کی تاریکی کو نگل لیا تھا مگر مجھے رات دن ایک طرح کے ہی لگ رہے تھے۔ باہر سے کام کرنے والی ماسی کے کام کرنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ میں نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ اس میں گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے جائے نماز تہ کر کے رکھی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں کروں تو کیا کروں۔ اتنی بڑی دنیا میں میرا کوئی نہ تھا جو اس وقت مجھے اس دوزخ سے نکالنے کی سعی کرتا۔ میں نے دل میں پختہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر چچی میرے ٹکڑے بھی کر دیں گی' تب بھی میں ان کی بات نہیں مانوں گی۔ میں اپنی سوچوں میں گم تھی کہ دروازے میں باہر سے چابی گھومنے کی آواز آئی اور اسی لمحے فریش سی شوخ کلر کے سوٹ میں ملبوس چچی مسکراتے ہوئے اندر آ گئیں۔

''تم کیا سمجھ رہی تھیں۔ اس طرح کمرے میں بند ہو کر اپنی بات منوا لو گی۔ اس گھر میں جتنے بھی تالے لگے ہوئے ہیں' سب کی ڈبل چابیاں میرے پاس ہیں اگر میں تمہاری طرح ضدی اور ہٹ دھرم ہوتی تو رات کو ہی تم کو یہاں سے نکال لے جاتی مگر میں زبردستی کی قائل نہیں ہوں۔ نہ تمہارا برا چاہتی ہوں اور نہ ہی تمہاری دشمن ہوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم عزت سے زندگی گزار دو۔'' ان کے لہجے میں مٹھاس بھری تھی مگر میں ان کا اصل چہرہ دیکھ چکی تھی۔ مجھ پر ان کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں کسی صورت ان کی بات نہیں مانوں گی۔

''کر لو ضد مگر یاد رکھو صرف شام تک۔ سات بجے تمہیں یہ مکان ہر حال میں چھوڑنا ہے۔ جہانگیر خان سے میں نے ایڈوانس لے لیا ہے۔ ایک ہفتے بعد وہ تمہیں یہاں واپس چھوڑ جائیں گے اور سنو اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو ......'' ان کا چہرہ اس وقت اتنا سفاک ہو گیا تھا کہ میں جو انہیں نفرت سے دیکھ رہی تھی' گھبرا کر نگاہیں جھکانے پر مجبور ہو گئی۔ وہ پرس سنبھالتی ہوئی شاپنگ سینٹر روانہ ہو گئیں۔

''شام سات بجے تمہیں یہ مکان ہر حال میں چھوڑنا ہے۔'' ان کے الفاظ میرے دماغ میں مسلسل گونج رہے تھے۔ میں بدحواسی سے کمرے سے نکل آئی۔ دونوں گیٹ باہر سے مضبوط تالے لگا کر بند کر دیئے گئے تھے۔ باہر گلی میں کھلنے والی کھڑکی پر مضبوط لوہے کی جالی لگی ہوئی تھی۔ دیواریں بہت زیادہ بلند تھیں۔ فرار کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں بدحواس سی پورے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی۔ میں ابھی کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اچانک گیٹ کھول کر چچی اندر چلی آئیں۔ مجھے کھڑکی کے پاس کھڑا دیکھ کر وہ ایک لمحے کو رکیں پھر فوراً بولیں۔

''میں ابھی اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ جہانگیر کے دوست گھر کا ایڈریس معلوم کرتے پھر رہے تھے۔ میری اتفاق سے ان پر نگاہ پڑ گئی اور میں شاپنگ کا ارادہ ترک کر کے انہیں یہاں لے آئی۔ آؤ اندر آ جاؤ۔'' وہ مجھ سے مخاطب ہونے کے بعد اپنے پیچھے کھڑے شخص سے بولیں۔

اس لمحے نبیل کی آنکھوں میں بھی گزرے دن فلم کی مانند گھومنے لگے تھے۔ ''شکریہ میں اب اجازت چاہوں گا۔ جہانگیر یوں بغیر بتائے ساتھ چھوڑ جائے گا' مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' اس کے چہرے پر گہرے دکھ کی پرچھائیاں تھیں۔

''ڈرائنگ روم میں بیٹھ جاؤ۔ جہانگیر کا تو ہمیں ابھی تک یقین نہیں آ رہا پھر تم نے تو ابھی سنا ہے۔''

''جہانگیر کے سامنے اس طرح باہر کے باہر ہی چلے جاتے کیا۔ چلو اندر چائے پی کر جانا۔ ورنہ جہانگیر کی روح کو تکلیف ہو گی۔'' وہ اتنے خلوص و اپنائیت سے بے تکلف انداز میں اس سے مخاطب تھیں کہ وہ جو ابھی اس گھر کا ایڈریس پوچھنے کے لئے جتنے بھی لوگوں سے ملا تھا' ان کی نگاہوں میں اس گھر کے بارے میں جو نفرت اور بیگانگی دیکھی تھی۔ اس سے وہ کچھ غلط اندازہ لگا بیٹھا تھا مگر ان کے خلوص و اپنائیت نے اسے اپنی سوچ پر شرمندہ کر دیا تھا۔ وہ صوفے پر اس کے مقابل بیٹھی اس کے بزنس کے بارے میں معلوم کر رہی تھیں۔ وہ جو جہانگیر سے ملنے آیا تھا۔ اس کی موت کی خبر اس کے حواسوں پر بجلی بن کر گری تھی۔ وہ دونوں بہترین دوست تھے اور بہت عرصے تک ساتھ ساتھ بھی رہے تھے۔ وہ اس کے بارے میں سب جانتا تھا۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔ تم ذرا عائشہ کو سمجھاؤ۔ جہانگیر کی جدائی کا اثر اس لڑکی نے حد سے زیادہ لیا ہے۔ نہ کھاتی ہے ڈھنگ سے نہ پہننے اوڑھنے کا شوق اسے رہا ہے۔ میں سمجھا سمجھا کر تھک گئی اس لڑکی کو مگر میری سنتی ہی نہیں۔ اس کی گرتی ہوئی صحت دیکھ کر میں نے آزاد کشمیر جانے کا پروگرام بنایا ہے۔ اپنے بھائی کے ساتھ آج سات بجے فلائٹ ہے مگر لڑکی نے کل سے کھانا پینا بند کر رکھا ہے۔ ضد کر رہی ہے نہیں جاؤں گی۔ میں اس کی زندگی کے لئے' اس کی صحت کے لئے سب جتن کر رہی ہوں مگر وہ مانتی ہی نہیں۔ تم ہی سمجھاؤ اسے۔'' وہ نبیل سے بہت غمزدہ لہجے میں بولیں پھر عائشہ کو آوازیں لگانے لگیں۔

''السلام علیکم۔'' نبیل لان کے پھیکے رنگوں والے شلوار سوٹ اور دوپٹے میں لپٹی عاشی کو اندر آتے دیکھ کر احتراماً کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ وہ خاموشی سے ایک طرف آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''یہ نبیل ملک ہیں۔ جہانگیر کے بہت اچھے دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔ میرا نہیں تو ان کا کہنا مان لو۔ یہ سمجھ کر کہ یہ جہانگیر کے دوست ہیں۔'' چچی اس کی طرف دیکھ کر نرمی سے بولیں۔

''میرے خیال میں آپ کو ان کی بات مان لینی چاہئے۔ یہ آپ کی صحت کی وجہ سے کہہ رہی ہیں۔''

''آپ کی کوئی بہن ہے؟'' اس کے تیکھے لہجے پر وہ بوکھلا گیا تھا۔ سوال بھی بے موقع تھا۔

''جی میری تو کوئی بہن نہیں ہے۔'' نبیل حیرانی سے بولا۔

''پھر آپ کسی کی بہن کے دکھ کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔ آپ اپنے سوال کی وضاحت کر سکتی ہیں۔'' نبیل کے لہجے میں الجھن تھی۔

''ارے چھوڑو اسے' میرا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں کیا قصہ لے بیٹھی۔ چلو تم نہا کر کپڑے بدلو' میں اتنے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ صوفے سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

''نہیں میں تمہاری مکاری اور چالاکی کا پردہ ضرور چاک کروں گی۔ نبیل صاحب' یہ جو عورت ہے۔ یہ عورت کے نام پر گالی ہے۔ یہ جو باہر سے اتنی چمکتی دمکتی نظر آ رہی ہیں۔ اس کے اندر روح اس قدر غلیظ و بھیانک ہے کہ آپ اسے دیکھ لیں تو ان سے نفرت ہو جائے گی آپ کو......''

''ارے پھر تجھے دورہ پڑ گیا' اول فول بکنے کا' بس خاموش ہو جا۔'' وہ اس کی کمر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔ ''بیٹا تم اس کی باتوں کا برا نہیں ماننا۔ جہانگیر کی اچانک موت نے اسے پاگل کر دیا ہے۔''

''کاش میں مر جاتی۔ پاگل ہو جاتی تو آج میں یوں بکاؤ مال تو نہیں بنتی۔ نبیل صاحب' یہ عورت مجھے کشمیر میری صحت کی وجہ سے نہیں بلکہ مجھے کچھ عرصے کے لئے کسی کمینے آدمی کے ساتھ بھیج رہی ہیں۔ جس سے انہوں نے ایڈوانس بھی لے لیا ہے۔'' عاشی نبیل سے روتے ہوئے بولی۔

''ارے جھوٹ ......'' چچی بہت غضب ناک انداز میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں مگر نبیل اٹھ کر ان کے درمیان میں حائل ہو گیا تھا۔ عائشہ کے بہتے آنسو اور اس کے سفید چہرے پر خوف کچھ اس قسم کا تھا کہ نبیل نے فوراً اٹھ کر عائشہ کی طرف بڑھتے ان کے دونوں ہاتھ روک دیئے تھے۔

''خاموش رہیں آپ۔'' وہ غصے سے بولا تھا۔ ''آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں' مجھے معلوم نہیں وہ درست ہے یا غلط مگر باہر میں نے کچھ لوگوں سے جب اس گھر کا ایڈریس معلوم کیا تو جو ریمارکس مجھے سننے کے لئے ملے وہ کوئی بھی شریف آدمی برداشت نہیں کر سکتا اگر مجھے جہانگیر کے اعلیٰ کریکٹر کے بارے میں معلوم نہ ہوتا تو میں ایک لمحے بھی یہاں نہیں ٹھہرتا۔ آپ مجھے سچ سچ بتائیں' اصل بات کیا ہے۔''

''اصل نقل بات کچھ نہیں ہے۔ اس لڑکی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' وہ تیز لہجے میں بولیں۔

''اچھا مجھے اجازت دیں۔'' نبیل کچھ فیصلہ نہ کر پایا تو اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

''خدا کے لئے مجھے اس دوزخ میں چھوڑ کر نہ جائیں' میں آپ کی ہمیشہ شکر گزار رہوں گی۔ آپ مجھے یہاں سے نکال کر کسی یتیم خانے میں چھوڑ دیں یا کہیں لے جا کر مجھے قتل کر دیں' مگر مجھے یہاں نہ چھوڑ کر جائیں۔'' عائشہ روتی ہوئی اس کے قدموں سے لپٹ گئی۔

''بہت کر چکی ڈراما کھڑی ہو۔'' وہ جھٹکے سے آگے بڑھ کر اس کی موٹی سی چٹیا ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولیں۔

''ارے...... رے یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔'' نبیل بے اختیار اس کی چٹیا ان سے چھڑواتے ہوئے بولا۔ ''آپ کا اس قدر اشتعال انگیز تشدد' باہر کے لوگوں سے سنے گئے ریمارکس اور ان کی کہی گئی باتیں سچ محسوس ہونے لگی ہیں۔''

''ہاں جو کچھ تم نے سنا سچ ہے اگر تم کو اس سے اس قدر ہمدردی ہو رہی ہے تو تم اس کی قیمت چکا کر لے جاؤ مگر یاد رکھنا' میں بہت بری عورت ہوں اور میرے وسائل بھی بہت ہیں۔ اگر تم نے لڑکی سے ذرا بھی ہمدردی جتائی تو ......''

''شرم نہیں آتی تمہیں۔ عورت ہو کر عورت کا سودا کرتی ہو۔'' نبیل غصے سے بولا۔

''شرم۔'' وہ مسکرائیں۔ ''بزنس میں شرم کیسی بھئی۔'' وہ مکمل طور پر جامے سے باہر آ چکی تھیں۔ نبیل نے ایک نظر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتی ہوئی عائشہ پر

ڈالی۔ وہ اسے یوں چھوڑ کر جانا بھی نہیں چاہتا تھا اور ساتھ لے جانے میں بھی دشواری تھی۔ وہ کیا کرے۔ اس سوال نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔

''ارے جلدی جواب دو۔ اتنا سوچنے والے کبھی اچھے خریدار نہیں بن سکتے۔'' وہ جو غور سے نبیل کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں' تیز لہجے میں بولیں۔ اسی لمحے نبیل کے دل نے ایک مضبوط فیصلہ کرلیا۔ گو کہ یہ فیصلہ بہت مشکل اور کٹھن تھا مگر ایک عصمت کو نیلام ہونے سے بچانے کے لئے' ایک نسل' ایک معاشرہ' ایک انسانیت کو بچانے کے لئے اس کے دماغ نے بروقت فیصلہ کیا تھا۔ وہ مطمئن انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے۔ مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے مگر انہیں بکاؤ مال کی طرح نہیں لے کر جاؤں گا۔ بلکہ نکاح کر کے اپنی عزت بنا کر لے جاؤں گا پھر تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔''

''میں صرف اور صرف پیسے سے تعلق رکھنے والی عورت ہوں' اس کے علاوہ ہر تعلق سے میں لاتعلق رہتی ہوں۔'' ان کی بھوری آنکھوں میں حریصانہ چمک ابھر آئی تھی۔ انہوں نے اپنی مطلوبہ رقم نبیل کو بتادی تھی اور نبیل نے فون کے ذریعے اپنے بزنس سیکریٹری اور تین دوستوں کو نکاح خواں کو ساتھ لے کر آنے کا کہہ دیا تھا اور سیکریٹری کو کیش رقم کا بھی۔

''چلو ذرا نہا کر کپڑے بدل لو۔ آخر کو تمہارا نکاح ہو رہا ہے۔ میں بھی اتنے مہمانوں کے لئے چائے پانی کا انتظام کرلوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے عائشہ کی طرف بڑھیں۔ جو نبیل کے فیصلے سے سکتے کی سی کیفیت میں سسکیاں لے رہی تھی۔

''رہنے دو یہ اسی سوٹ میں میرے ساتھ جائیں گی۔ اس گھر کی کسی چیز کو انہیں ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں کا چائے پانی سب حرام ہے۔ اس لئے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' نبیل یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

پندرہ منٹ کے بعد اس کی واپسی ہوئی تو اس کے دو دوست' سیکریٹری' منیجر اور ایک مولوی اس کے ساتھ تھے۔ اسی کمرے میں اس کا نکاح عائشہ سے ہو گیا تھا اور وہ اس کی چچی کو منہ مانگی رقم دے کر گم صم عائشہ کو ساتھ لے کر ہوٹل آ گیا تھا۔ ہوٹل آ کر اس نے سب سے پہلے گھر فون کر کے روحیل صاحب سے بات کرنا چاہی تھی مگر وہ گھر پر نہیں تھے۔ عظمت بیگم کو اس نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ دوسرے دن روحیل صاحب کا فون اسے مل گیا تھا جنہوں نے اس کے جرأت مند فیصلے پر خوب تعریف کی تھی۔ اس کے لئے سب سے بڑا مسئلہ اماں جان ثابت ہوئی تھیں۔ جن کی صرف ایک ہی رٹ تھی کہ وہ عائشہ کو طلاق دے کر خاندان میں شامل ہو سکتا ہے ورنہ وہ ہمیشہ کے لئے اسے خاندان سے دور رکھیں گی۔ ابھی تو شاید عظمت کی بگڑتی ہوئی حالت کے پیش نظر انہوں نے مصلحتاً اسے کراچی آ کر رہنے اور ان سے ملنے کی اجازت دے دی تھی مگر وہ جانتا تھا' یہ رعایت زیادہ دن چل نہ سکے گی پھر...... اماں کا فیصلہ بھی وہ نہیں مان سکتا تھا اور نہ ماں باپ' بھائیوں وغیرہ کو چھوڑ سکتا تھا اور عائشہ کا ساتھ تو زندگی میں چھوڑنے کا تصور بھی اس نے نہیں کیا تھا۔ ہر وقت ڈری سہمی' خاموش' خدمت کرنے والی عائشہ اسے بے انتہا عزیز ہو گئی تھی۔

✦ ✦ ✦

''بہت ضدی ہو لائبہ۔ آخر تم نے یہاں آ کر ہی سکون کا سانس لیا ہے۔'' طوبیٰ اس کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''نہ معلوم ایسا کیوں ہوتا ہے۔ جو بات دل میں ایک دفعہ سما جائے یا کوئی بات دل کو نہ بھائے تو پھر میں اسے برداشت کر ہی نہیں سکتی۔ مری میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال تھی۔ اس لئے میں نے انکل سے واپس چلنے کو کہا تھا۔'' ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش کرتی لائبہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔ مری میں طوبیٰ کی ضد تھی۔ وہ دو دن اور رکے گی۔ کیونکہ وہاں کا موسم بہت دلکش تھا مگر لائبہ نے ناشتا کرنے کے بعد ہی واپسی کی رٹ لگا دی تھی۔ حالانکہ ان سب نے ہی اسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بالکل نہیں مانی تھی۔ اس کے سنجیدہ چہرے اور معمولی سی نم آنکھوں کا تاثر دیکھ کر افتخار صاحب نے فوراً ہی روانگی کا اعلان کر دیا تھا مگر طوبیٰ کی شاپنگ کی وجہ سے وہ لوگ لنچ کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ آج وہ اسلام آباد میں تھی اور کل کراچی جانے کا ارادہ تھا۔

''تم وہاں بہت اپ سیٹ رہی ہو' اس کی وجہ کیا تھی۔ میں نے ممی اور ڈیڈی سے بھی ذکر کیا تھا مگر انہوں بھی نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔''

''وہم ہے تمہارا۔ میں تو وہاں جا کر بہت خوش تھی۔'' لائبہ بالوں میں بینڈ ڈالتے ہوئے بولی۔

''لائبہ! کبھی کبھی تم اتنی الجھی ہوئی کیوں محسوس ہوتی ہو۔ جیسے کوئی بے حد پیچیدہ نہ حل ہونے والا معمہ' یا کسی مصور کی ادھوری تصویر کی طرح......''

''اوہ...... خیریت تو ہے۔ آج بڑے مشکل لفظ بول رہی ہو۔'' لائبہ حیرانی سے مسکراتی ہوئی اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میں مذاق نہیں کر رہی ہوں لائبہ۔ اکثر میں نے تمہیں خود سے بیزار اور الجھتے ہوئے پایا ہے۔ سوچوں میں گم اداس و تنہا تم ہمیشہ ایسے ہی رہتی ہو اور مجھے یہ سوچ کر خود پر کتنا غصہ آ رہا ہے کہ میں نے بہترین دوست ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود کبھی تمہاری ذہنی حالت محسوس کرنے کی کوشش نہیں کی۔ آج ایک دوست اور بہن سمجھ کر مجھے بتاؤ۔ تمہیں کیا دکھ ہے۔ کیا پریشانی ہے۔ کیوں تمہاری آنکھوں میں ہر وقت دکھ اور اداسیاں ڈیرے ڈالے رہتی ہیں۔'' طوبیٰ اس کے چہرے کو بغور دیکھتی ہوئی آہستہ سے کہہ رہی تھی

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ریئلی اگر مجھے معلوم ہوتا تم مری سے واپس آنے پر اس قدر ہرٹ ہو گی تو سچ میں کبھی واپس نہ آتی۔ حالانکہ میں نے انکل سے کہا تھا۔ میں اور ماما چلے جائیں گے مگر انکل نہیں مانے۔'' لائبہ کے حسین چہرے پر شدید حیرانی کے تاثرات تھے۔ طوبیٰ ایک لاابالی اور بے پروا لڑکی تھی' ہر وقت ہلا گلا' سیر سپاٹے کرنا اس کی ہابی تھی۔ اس وقت جس سنجیدگی و رنجیدگی سے اس سے مخاطب تھی' اس انداز تخاطب پر لائبہ کی حیرانی بجا تھی۔

''میں کوئی ہرٹ نہیں ہوئی۔ واپس تو بہر حال ہمیں آنا ہی تھا۔ دو دن پہلے آ گئے۔ کوئی بات نہیں۔ تم بتاؤ کیا بات ہے۔'' طوبیٰ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنائیت سے بولی۔

''میں کہہ تو رہی ہوں۔ تمہیں وہم ہو گیا ہے۔ مجھے بھلا کوئی دکھ اور پریشانی کیوں ہونے لگی۔''

پہلے مجھے احساس نہیں تھا مگر جب سے اُسامہ بھائی نے بتایا ہے' مجھے خود محسوس ہونے لگا ہے۔''

''کیا۔ اُسامہ نے!'' لائبہ چونک کر بولی۔ اس کے چہرے پر ناگواری چھا گئی تھی۔

''ہاں۔ انہوں نے ہی مجھے بتایا ہے۔ تمہیں کچھ نفسیاتی پرابلمز ہیں اور جس کی وجہ......''

''پلیز طوبیٰ اپنے سے غیر متعلق شخص کے ریمارکس میں قطعی برداشت نہیں کرسکوں گی۔'' لائبہ اس کی بات قطع کر کے قدرے غصے سے بولی۔

''لائبہ! انہوں نے تو بہت خلوص سے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں تمہارے اندر بھرے درد کو شیئر کروں ورنہ تم اس طرح تنہا برداشت کرتے کرتے ایب نارمل ہو جاؤ گی اور......''

''وہ کون ہوتے ہیں' میرے متعلق تمہیں مشورہ دینے والے۔ میں پاگل ہو جاؤں یا مر جاؤں کوئی ضرورت نہیں ہے میرے لئے فکر مند ہونے کی۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''اتنا غصے کیوں ہو رہی ہو۔ اُسامہ بھائی تو بے قصور ہیں۔ پرسوں تم نے اچانک ہی ناشتے کے بعد اسلام آباد جانے کی رٹ لگا دی تھی اور اس کے بعد کمرا اندر سے لاک کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ میں نے شاپنگ کے لئے تمہیں کتنا بلانا چاہا مگر تم نہیں آئیں تو میں بہت پریشان ہوئی اور اُسامہ بھائی کے ساتھ شاپنگ کے لئے چلی گئی۔ مجھے تمہارا ہی خیال رہا اور راستے بھر میں تمہاری ہی باتیں کرتی گئی کہ نہ معلوم تمہیں کبھی کبھی کیا ہو جاتا ہے جو تم اتنی نرم و حساس طبیعت رکھتے ہوئے بھی بہت ضدی اور اکھڑ بن جاتی ہو تو اُسامہ بھائی بولے کہ تمہارے اندر کوئی زبردست کمپلیکس ہے جو بعض دفعہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم جب پوائزن والے کیس میں اسپتال میں داخل ہوئی تھیں تو ایک مرتبہ خود کو ہلاک کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس لئے انہوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں تمہارے اندر کی کشمکش کو شاید ختم کرسکوں۔ لائبہ اُسامہ بھائی بہت اچھے انسان ہیں۔ بہت ہمدرد و مخلص۔ تم انہیں غلط مت سمجھو۔'' طوبیٰ اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے بولی۔

''اوہ۔'' لائبہ کو لگا' اس کی روح میں لگے زخموں کے ٹانکے جیسے ایک دم ہی کھل گئے ہوں۔ اسپتال میں اپنے اوپر پڑنے والے جنونی دورے کو وہ بہت عرصے تک نہ بھول پائی تھی کہ اس وقت شدت جذبات میں نہ معلوم اپنے ماضی کے تشنہ و ترسیدہ اوراق اس شخص کے سامنے بے خیالی میں پڑھ بیٹھی تھی۔ وہ اس کے ماضی سے بہت حد تک آشنا ہو چکا ہے' اس احساس نے اسے ایک عرصے تک بے کل و مجرم بنائے رکھا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ بات بھول تھی مگر ابھی طوبیٰ کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ وہ کچھ بھی نہیں بھولا تھا اور اس لئے اس پر طوبیٰ کے ذریعے ہمدردی جتا کر اپنی بڑائی جتا رہا تھا۔

''طوبیٰ پلیز۔ آئندہ اس شخص کا نام مت لینا۔ نفرت ہے مجھے اس شخص سے شدید نفرت۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

✦ ✦ ✦

کنول نے آنکھیں کھولیں تو کچھ دیر وہ غائب دماغی سے چھت پر لگے پنکھے کو گھورتی رہی۔ شاید وہ اس وقت کسی انجکشن کے زیر اثر تھی۔ جو خاموشی سے چلتے ہوئے پنکھے کو گھورے جا رہی تھی۔ چند سیکنڈ بعد اس کمرے میں موجود کرسی پر بیٹھی اخبار کا مطالعہ کرتی نرس کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ کھڑی ہو گئی۔

''شکر ہے خدا کا۔ ڈاکٹر آپ کو ہوش آ گیا۔'' وہ مسرت سے کہتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

''میں یہاں کیسے آئی سسٹر۔ کون لایا ہے مجھے یہاں۔ کنول جواب مکمل ہوش میں آ چکی تھی۔ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ڈاکٹر! وہی آپ کا کزن جو آپ کو حیدرآباد سے آتے ہوئے راستے میں زخمی ملا تھا۔ وہی آپ کو یہاں لے کر آئے تھے۔'' نرس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''کیا...... کیا...... وہ کہاں ہیں۔'' کنول قریب کھڑی نرس کا ہاتھ پکڑ کر بے تابی سے بولی۔

''وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گئے ہیں۔ بہت پریشان تھے وہ آپ کی طرف سے مگر بڑی ڈاکٹر نے انہیں سمجھایا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ صرف کسی خوف کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہیں اور جلد ہی ہوش میں آ جائیں گی۔ آپ ابھی آرام کریں۔ میں ڈاکٹر کو اطلاع دے کر آتی ہوں۔'' نرس کمرے سے چلی گئی۔

''اے اجنبی انسان' میرے سینے میں دل بن کر دھڑکنے والے' میرے خوابوں کو رنگینیاں اور دلکشی بخشنے والے۔ تم ہر خطرناک موڑ پر میری عزت کے محافظ بن کر آ جاتے ہو' کسی خدائی فوجدار کی طرح مگر مجھے میری ان ویران اور دید کی ترسی ہوئی آنکھوں کو کیوں پیاسا ہی چھوڑ جاتے ہو۔ میں جو ہر لمحہ' ہر آن' تمہاری آمد کی منتظر رہتی ہوں۔ تم آئے بھی اور یوں مجھے چھوڑ کر چلے بھی گئے۔ اب نہ جانے تم سے کب ملاقات ہوگی۔ کنول بہت آزردگی سے سوچ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں انور کا چہرہ گھوم رہا تھا۔

چند کلیاں نشاط کی چن کر
مدتوں محو یاس رہتا ہوں
تیرا ملنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں

✦ ✦ ✦

''کیا بات ہے عظمت' بہت خاموش و ملول ہو۔'' اماں جان وائٹ چمکتے دانوں کی تسبیح ختم کرنے کے بعد چوم کر اپنے گلے میں ڈالتے ہوئے عظمت بیگم سے مخاطب ہوئیں جو ان کے نزدیک بیڈ پر سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ ان کے خوبصورت چہرے پر دکھ تھا۔

''پھوپو جان' آج میں نہ بھتیجی بن کر آپ کے پاس آئی ہوں اور نہ بہو بن کر آپ سے سوال و جواب کرنے کی ہمت و گستاخی ہے مجھ میں۔ بلکہ میں آج ایک ماں' ایک بھکارن بن کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ پھوپو جان' خدا کے لئے نبیل کو معاف کر دیں۔ اس نے اپنی خطا کی بہت سزا پالی ہے۔ وہ بہت کمزور ہو گیا ہے۔ مجھے خدشہ ہے اسے کچھ ہو نہ جائے اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہ رہ پاؤں گی۔ پھوپو جان' نبیل کو معاف کر دیں۔'' وہ ان کا سفید جھریوں بھرا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر رو دیں۔

''عظمت! اللہ گواہ ہے' ہم نے کبھی اپنی بہوؤں اور بیٹیوں میں فرق نہیں سمجھا۔ جس طرح بیٹیوں سے محبت کی ہے' اسی طرح بہوؤں کو بھی چاہا ہے اور تم ہمیں زیادہ عزیز یوں ہو کہ ہمارے پیارے بھائی کی بیٹی ہو۔ ہماری بھتیجی ہو۔ تمہارا دکھ' پریشانی ہم پر ایسے ہی گزرتی ہے' جیسے تم محسوس کرتی ہو۔''

''پھر...... پھر پھوپو جان! نبیل کو آپ معاف کیوں نہیں کر دیتیں۔''

''عظمت! اولاد کی اولاد بہت عزیز ہوتی ہے۔ نبیل کی فکر تو مجھے بھی ہے۔ اس کا خیال مجھے بھی رہتا ہے مگر اس نے خاندان کے ناموس پر گندا داغ لگا دیا ہے۔ خاندان سے باہر شادی کی ہے دوسرے اس لڑکی سے جس کی پرورش اس عورت کے ہاں ہوئی جو شرافت و پاکیزگی' اطوار و اخلاق سے دور نجاست و غلاظت کا ڈھیر ہے۔ ایسی عورتوں کے نام ہمارے خاندان کے مردوں کی زبان پر آ ہی نہیں سکتے پھر ایک ایسے وجود کو ہم اپنے خاندان میں کیسے شامل کر کے اپنی آنے والی نسل کو داغ دار کر سکتے ہیں۔ نبیل کے لئے اس گھر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ دادی کی شفقت اور محبت بھی اس کی راہ تک رہی ہے مگر شرط وہی ہو گی کہ پہلے اسے اس لڑکی کو طلاق دینی ہو گی۔ خاندان میں شریف و باحیا لڑکیاں بہت ہیں۔ وہ جس کسی کی بھی آرزو کرے گا۔ ہم پوری کریں گے مگر جو وہ چاہ رہا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔'' نرم لہجے میں بات کرتی ہوئی اماں جان کا لہجہ کرخت ہو گیا تھا۔ ان کا سرخ و سپید چہرہ آگ کی طرح دہکنے لگا تھا۔ عظمت بیگم جو کچھ دلائل دے کر انہیں قائل کرنے کا سوچ رہی تھیں۔ ان کا موڈ بگڑتے دیکھ کر خاموش ہو گئیں پھر اپنی ساڑی کے پلو سے آنکھیں صاف کرنے لگیں۔

''پھوپھو جان' اس لڑکی کی پرورش اس عورت نے نہیں کی۔ وہ تو بہت شریف ماں باپ کی بیٹی ہے۔ مجبوری میں اس کا بھائی اس مکان میں اسے لے کر کرائے پر رہنے لگا تھا' جبکہ اسے بھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عورت جو رشتے میں ان کی دور کی چچی لگتی تھی۔ خراب چال چلن کی ہے۔ اس نے عائشہ کو اس عورت سے ملنے کو منع کر دیا تھا اور خود بھی کوئی تعلق اس سے نہیں رکھا تھا۔ یہ تو اچانک ہی اس کی موت نے عائشہ کو اس کے چنگل میں پھنسا دیا تھا۔'' عظمت بیگم نے نبیل کی زبانی سنی ہوئی باتیں جو اماں جان پہلے سن چکی تھیں' انہیں سنا دیں کہ شاید ان کا پتھر دل کچھ پگھل جائے مگر اماں جان خاموش ہی بیٹھی رہیں۔ جیسے چٹان ہوں۔

''السلام علیکم! اماں جان۔ چچی جان بھی موجود ہیں۔ السلام علیکم چچی جان۔'' اُسامہ مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ لائٹ اسکائی کلر شلوار سوٹ میں اس کی وجیہہ پرسنالٹی فریش لگ رہی تھی۔

''وعلیکم السلام! کب آئے اسلام آباد سے۔'' اماں جان کے بعد وہ سلام کا جواب دیتے ہوئے بولیں۔ اُسامہ ان کے نزدیک ہی بیٹھ گیا تھا۔

''پرسوں آیا تھا' سنڈے کو۔''

''گھر پر نہیں آئے۔ آپ کے چچا بہت یاد کر رہے ہیں۔''

''ان کو اپنی سرگرمیوں سے فرصت ملے تو کسی کی یاد نہیں آئے۔ اسلام آباد بھیجا تھا کہ نزہت' نگہت کے سسرال میں لڑکیاں بہت اچھی ہیں۔ کسی کو پسند کرآئیں تو شادی کر کے سکون کا سانس لیں مگر ان کی قسمت دیکھو یہ وہاں گئے تو لڑکیاں کراچی آئی ہوئی تھیں۔ انہیں ملی ہی نہیں۔ ان کے لئے اس سے بڑی مسرت کی کیا بات ہوتی۔ خوشی خوشی خبر سنا دی آ کر کہ لڑکیاں وہاں نہیں ہیں۔ کہتے ہیں نا کہ جیسی روح ویسے فرشتے۔ دل کے اندر کھوٹ تو ان کے کہیں سے تھا۔ باپ کی وجہ سے زبردستی گئے تھے۔'' اُسامہ کے بولنے سے پہلے ہی اماں جان ناراض لہجے میں بولیں۔

''اگر لڑکیاں نہیں ملیں تو اماں اس میں میرا کیا قصور ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''نہیں سارا قصور تو ہماری محبت کا ہے۔ نہ تمہارا سہرا دیکھنے کی خواہش دل میں ہوتی نہ تم یوں بہانے بنا کر ہماری محبت کا مذاق بناتے۔'' اماں تیز لہجے میں بولیں۔

''اماں پلیز۔ آپ ایسی باتیں نہ کیا کیجئے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں کتنا چاہتا ہوں آپ کو۔'' اُسامہ ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے بولا۔ اس کی اس ادا پر وہ ہمیشہ ہی اپنا غصہ بھول جایا کرتی تھیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکراتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔ فوزیہ بیگم ملازمہ کے ہمراہ چائے اور دیگر لوازمات لے کر آئی تھیں اور پلیٹ میں رکھ کر سرو کر رہی تھیں۔ درحقیقت اماں جان کو اپنے پوتیوں اور پوتوں میں بہت زیادہ محبت اور دلی انسیت اُسامہ سے ہی تھی کیونکہ وہ اسد صاحب کی شادی کے بہت عرصے بعد بڑی منتوں' مرادوں سے پیدا ہوا تھا اور پھر وہ ایک ماہ کا ہوا تھا تو فوزیہ بیگم گردوں کی شدید تکلیف کے باعث دو ماہ اسپتال میں رہ کر آئی تھیں۔ اس عرصے میں اماں جان نے ہی اسے سنبھالا تھا۔ چچیوں اور پھوپیوں کی خواہش کے باوجود اس کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ اتنے عرصے میں وہ بھی ان سے پوری طرح مانوس ہو گیا تھا۔ فوزیہ بیگم کے تندرست ہونے کے بعد بھی وہ زیادہ تر انہی کے پاس رہتا تھا۔ سب کی محبتیں بھی اسے بلا کسی امتیاز کے ملی تھیں۔ اس لئے بچپن سے ہی وہ بہت ضدی و خودسر اپنی منوانے والا ہو گیا تھا اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے آگے اماں جان نے ہمیشہ ہی ہتھیار ڈالے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ اب وہ جوان اور سمجھدار ہو گیا تھا تو کچھ اماں کی بھی ماننے لگا تھا۔

''صاحب! رستم صاحب کا فون آیا ہے۔'' افضل موبائل فون لئے اس کے نزدیک چلا آیا۔

''یہ آدمی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ گھر میں بیٹھنا اسے تمہارا گوارا نہیں ہے۔'' اماں بڑبڑائیں۔ وہ مسکراتا ہوا افضل سے موبائل لے کر باہر ٹیرس کی طرف بڑھ گیا۔

◆ ◆ ◆

کہیں سورج کی ذرے سے ٹھنی ہے
کہیں تتلی سے بھنورا لڑ گیا ہے
پڑی ہے اوس رشتوں پر کچھ ایسی
لہو کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے

''بی بی جی' آپ کو ماما بیگم بلا رہی ہیں۔ کھانا کھا لیں۔'' لائبہ ٹیرس پر کھڑی سامنے جھاگ اڑاتے سمندر کے پانی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پانی کو دیکھ رہی تھیں مگر ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں اتنی مستغرق تھی کہ رشیدہ کی اپنے کمرے میں آمد کو محسوس نہ کر سکی۔

''بی بی جی' آپ کو ماما بیگم بلا رہی ہیں۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پر انتظار کر رہی ہیں آپ کا۔'' رشیدہ اس کے نزدیک آ کر بولی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔ ماما سے کہہ دو کھانا کھا لیں۔'' لائبہ نے اس کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا اور کمرے میں آ کر بیڈ پر اوندھی لیٹ گئی۔ رشیدہ چلی گئی تھی۔

''آخر آپ مجھ سے اتنا بھاگ کیوں رہی ہیں۔ اس گریز کی کوئی تو وجہ ہو گی۔'' اس کے کانوں میں اُسامہ کی شوخ آواز گونجی اور مری کے لان کا منظر واضح ہوتا چلا گیا۔

''میں ایسا کیوں کرنے لگی۔ غلط فہمی ہے آپ کو۔'' وہ کچھ فاصلے پر کھڑے بلو جینز اور پرپل کلر کی ٹی شرٹ میں ملبوس اُسامہ کی طرف دیکھ کر بولی مگر اسے اپنی نگاہیں فوراً ہی جھکانی پڑی تھیں۔ اس کی شوخ آنکھیں بھرپور انداز میں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

''اگر یہ حقیقت ہے تو آپ میری طرف دیکھ کر کہیں' مجھے یقین آ جائے گا کہ میں غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔'' وہ اپنی عادت کے برعکس قدرے شوخ اور رومانٹک موڈ میں تھا۔ مری کا گلابی موسم بھی بہت دلکش تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ جس سے ماحول میں ہلکا اندھیرا سا پھیل گیا تھا۔ مست چلتی ہوئی ہوا سے وہاں لگے پھول' پودے جھوم رہے تھے۔ خوبانی' سیب اور آلوچوں کی خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ طوبیٰ' شاہ رخ' ماما وغیرہ انکل کے دوست کے یہاں گئے تھے۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ اس بنگلے میں آ کر اس پر عجیب سی وحشت طاری ہو گئی تھی۔ وہ بے مقصد ہی پورے بنگلے کو دیکھ چکی تھی۔ وہاں کے در و دیوار کو چھو کر نہ معلوم کس لمس کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک گھنٹا وہ یونہی ضائع کرنے کے بعد تھک ہار کر لان میں بنی جنگلی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ابھی اسے بیٹھے پانچ منٹ ہوئے تھے کہ سامنے کا مین گیٹ کھلا اور بلیو کار میں اُسامہ اندر آ گیا۔ اسے دیکھ کر وہ اٹھ کر کمرے کی طرف جانے لگی تھی کہ وہ اس کا راستہ روک کر سوال کر بیٹھا۔

''پلیز۔ میں ایسی ہرگز نہیں ہوں' جیسا آپ میرے ساتھ سلوک کر رہے ہیں۔ مجھے ایسی بے ہودہ باتیں بالکل پسند نہیں۔'' اس کے بے تکلف انداز نے اسے غصے سے سرخ کر دیا تھا۔

''میں بھی ویسا نہیں ہوں۔ جیسا آپ میرے ساتھ سلوک کر رہی ہیں۔ میں کسی بدتمیزی کی جسارت کر بھی نہیں سکتا۔'' اس نے خوبصورتی سے اس کے لفظ اسی کو لوٹا دیئے۔

''راستہ چھوڑیں میرا۔'' وہ سرمئی دوپٹہ سر پر اوڑھتے ہوئے بولی۔ جو ہوا سے اڑ رہا تھا۔

''پہلے آپ مجھے اس گریز کی وجہ بتائیں پھر آپ جا سکتی ہیں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''آپ کے اس فضول سوال کا کوئی جواب نہیں ہے میرے پاس۔'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''لیکن مجھے تمہارے اس گریز نے بہت ساری خوش فہمیوں کے سمندر میں پھینک دیا ہے۔ اُسامہ ملک کی شخصیت کے گرد کھنچے جنگلی حصار کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ میں' اُسامہ ملک جو خود کو مضبوط اور چٹانی دل رکھنے والا سمجھتا تھا۔ تم نے مجھے ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ آج ایک عام آدمی اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ میں تیشۂ فرہاد اٹھائے تمہاری جستجو میں خوار ہو رہا ہوں اور تم ...... تم کہہ رہی ہو۔ فضول سوال ہے۔ مجھے وحشتوں کے سمندر میں پھینک کر تماشا دیکھ رہی ہو' میرا سکون برباد کر دیا ہے تم نے۔'' اس پر ایک دم ہی جنونی دورہ پڑ گیا تھا۔ لائبہ فق چہرہ لئے اس کی شکل دیکھ رہی تھی جو آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔ اس کے جذبوں سے تو وہ آگاہ ہو چکی تھی اور وہ خود اسے موقع نہیں دینا چاہتی تھی اظہار کا مگر اب اس نے موقع دیکھ لیا تھا مگر جس جنونی انداز میں اس نے اظہار کیا تھا۔ اس نے لائبہ کو شل کر کے رکھ دیا تھا۔

''میرا کوئی قصور نہیں ہے' اس میں اور نہ ہی میں نے آپ کو گائیڈ کیا ہے۔ آپ مجھ پر الزام نہیں لگا سکتے۔'' باوجود کوشش کے لائبہ اپنی آواز کی لرزش پر قابو نہ پا سکی۔

''میں الزام نہیں لگا رہا۔ بلکہ تمہیں اب اس راہ پر میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہو گا۔ میرے لئے یہ راہ بہت پرخطر اور مشکل ثابت ہو گی مگر ہمسفر من پسند ہو تو مشکلات کچھ سہل ہو جاتی ہیں۔'' وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔ ''جواب دو میری بات کا مگر یاد رکھنا' میں ہاں سننے کا عادی ہوں۔''

''نہیں' میں آپ کے خود ساختہ جذبوں کی پذیرائی نہ آج کروں گی اور نہ کل اور آپ مجھ سے زبردستی ہاں نہیں کروا سکتے' سمجھے آپ۔'' وہ اپنی بات کہہ کر رکی نہیں تھی۔ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

''لائبہ۔'' ماما کی پریشان کن آواز سن کر چونک کر اٹھ بیٹھی تھی۔ ''کیا بات ہے بیٹا آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہیں۔''

''بھوک نہیں لگ رہی ہے ماما۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے بولی۔

''صبح ناشتے میں بھی صرف ایک سلائس اور چائے لی تھی۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟......''

''اتنی فکر مت کیا کیجئے آپ میری۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔''

''کل سے یونیورسٹی جانا شروع کر دیں۔'' وہ اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''ماما آپ نہیں ہوتیں تو میرا کیا ہوتا۔ کہاں جاتی میں۔ وہ ان کے شانے سے سر لگا کر گلوگیر آواز میں بولی۔

''لائبہ میری جان۔ کتنی دفعہ سمجھایا ہے تمہیں مت الٹے سیدھے سوالوں کو ذہن میں جگہ دیا کرو۔ جب اللہ میاں اپنے بندے کو پیدا کرتا ہے تو اس کی ذمے داری بھی لیتا ہے۔ ہم نافرمان و خودغرض بندے تو اس کی طرف سے بے پروا و غافل ہو جاتے ہیں مگر وہ غفور الرحیم ہمیں نہیں بھولتا! چلو کھانا کھا لو پھر افتخار صاحب کی طرف چلتے ہیں۔ آپ کا دل بھی بہل جائے گا اور ان کی شکایت بھی دور ہو جائے گی کہ اسلام آباد سے آنے کے بعد ہم ان سے ملنے نہیں گئے۔ صبح آپ سو رہی تھیں۔'' تو طوبیٰ کا فون بھی آیا تھا۔

◆ ◆ ◆

''سیاست میں اتار چڑھاؤ تو آتے ہی رہتے ہیں برخوردار۔ ہمارے ملک کی پچاس سالہ تاریخ میں سیاست کا رنگ ایک ہی رہا ہے۔ صرف چہرے بدل جاتے ہیں۔'' رستم زمان ٹرالی سے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولے۔

''لیکن سر یہ کیسی سیاست ہے۔ جس میں ملک کو سنوارنے کے بجائے بکھرنے کے اصول اپنائے گئے ہیں۔ بدامنی' افراتفری ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ مہنگائی' بے روزگاری' ڈاکے' چوریاں روز کا معمول بن گئی ہیں۔ اخبارات سیاسی منڈیاں بن چکے ہیں۔ جس میں سیاسی لیڈروں کی ایک دوسرے کے خلاف تعصبانہ باتیں' اشتعال انگیز بیانات واضح طور پر چھاپے جاتے ہیں۔'' اُسامہ سنجیدگی سے بولا۔

''چلتا ہے یہ سب' سیاست میں چلتا ہے۔ آپ ابھی سیاست میں نئے آئے ہیں اس لئے اس کے اسرار و رموز سے واقف نہیں ہیں۔ یہاں ایک چہرہ رکھنے والوں کے

ہزاروں روپ ہوتے ہیں۔ واقف ہو جائیں گے آپ بھی اس دنیا کے اسرار سے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''پھر آپ کھڑے ہو رہے ہیں نا' اگلے ماہ ہونے والے الیکشن میں۔'' ساحرہ بہت دیر سے خاموش بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اُسامہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

''نہیں' میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔''

''یہ فیصلہ تو آپ کو کرنا ہی ہوگا۔ آپ تو ہماری پارٹی کے ہردلعزیز لیڈر ہیں۔'' رستم زمان بے چینی سے بولے۔

''باضابطہ تو میں نے ابھی آپ کی پارٹی جوائن کی نہیں ہے۔ ویسے بھی سر' میں ایک آزاد طبیعت رکھنے والا بندہ ہوں۔ کسی کے انڈر تو میں کام کر ہی نہیں سکتا۔ جلاؤ' گھیراؤ اور لوٹو مارو کی سیاست پر میں یقین نہیں رکھتا۔ میں ہر کام فیئر کرنے کا عادی ہوں۔ میرا منشور بھی صرف اور صرف ملک کی خوشحالی اور عوام کی خدمت ہے۔ میں صرف ایک چہرہ اور ایک روپ رکھنے والا شخص ہوں۔ مجھ سے یہ ہزاروں روپ نہیں بدلے جائیں گے۔'' وہ ٹی کپ ٹرالی پر رکھتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔

''ہمارے ملک کو ایسے ہی سیاستدانوں کی ضرورت ہے ینگ مین۔ آپ ہماری پارٹی جوائن کریں۔ بالکل اپنی خواہشات کے مطابق پائیں گے' ہمارے منشور اور اصولوں کو۔''

''سوچوں گا سر ابھی۔ فی الحال تو میرے فادر یہ کبھی پسند نہیں کریں گے کہ میں الیکشن لڑوں۔ وہ پہلے ہی بہت خلاف ہیں اور جلد از جلد میری شادی کر کے بیرون ملک بھیجنے کا پروگرام بنائے بیٹھے ہیں۔ پہلے مجھے اس پروگرام سے چھٹکارا پانے کے لئے کچھ کرنا پڑے گا۔''

''شادی تو ایک خوشگوار بات ہے مگر الیکشن سے پہلے مت کر لینا۔ ہماری نیک دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور ہم تمہاری آمد کے منتظر رہیں گے شدت سے۔''

''او کے سر۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔'' وہ کھڑا ہو کر بولا اور پھر ان سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔ اس کی کار تیزی سے ہوٹل مون لائٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہونٹوں پر اس کے دلکش مسکراہٹ تھی۔

''طوبیٰ کہاں ہیں تمہاری دوست۔ تم کہہ رہی تھیں' تم نے پارٹی دی ہے ان کو۔''

آتی ہوں گی ابھی۔ تم بیٹھو۔'' طوبیٰ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''پارٹی کے لئے تو لان وغیرہ اچھے لگتے ہیں تم نے یہ کیبن کیوں بک کروایا ہے۔

پارٹی میں نے نہیں بلکہ میری دوست راحیلہ نے ارینج کی ہے۔ اپنی انگیج منٹ کی خوشی میں۔ یہ کیبن بہت خوبصورت ہے بالکل پرسکون۔'' طوبیٰ سامنے گلاس وال (شیشے کی دیوار) سے نظر آتے سمندر کے لہریں بکھیرتے پانی پر نظر ڈالتی ہوئی بولی۔

''سمندر اتنا ہی پسند ہے تو ہمارے گھر پر آجاؤ رہنے کے لئے۔ صبح وشام تمہاری نگاہوں کے سامنے رہے گا۔'' لائبہ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی نکالتے ہوئے بولی۔

''السلام علیکم۔'' طوبیٰ کے جواب دینے سے قبل ہی دروازہ کھول کر اس نے سلام کیا تھا۔ لائبہ نے حیرانی سے پلٹ کر دیکھا۔ بنی کلر کے پینٹ کوٹ میں مسکراتا ہوا اُسامہ سامنے کھڑا تھا۔ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹیبل پر لڑھک گیا تھا۔ اس نے مشکوک نگاہوں سے طوبیٰ کی طرف دیکھا۔ اس نے فوراً ہی نگاہیں جھکا لی تھیں۔

''تھینک یو سسٹر۔ تمہاری دوست لان میں آگئی ہیں۔'' وہ طوبیٰ سے مخاطب ہوا۔

''اُسامہ بھائی۔ زیادہ دیر نہ لگے۔ ٹائم کم ہے ہمارے پاس۔'' طوبیٰ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''او کے۔'' طوبیٰ کو کھڑے ہوتے دیکھ کر لائبہ بھی کھڑی ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی چلتے ہوئے دروازے سے باہر نکل جانا چاہا مگر آگے بڑھ کر اُسامہ نے اس کا بازو پکڑ کر روک لیا۔

''آپ وہاں نہیں یہاں مہمان ہیں۔''

''بازو چھوڑیں میرا!'' لائبہ جو اس صورت حال سے حواس باختہ ہوگئی تھی' حیرت اور دکھ کے شدید جھٹکے سے گزر کر تیز آواز میں بولی۔

''یہ میں نے چھوڑنے کے لئے نہیں پکڑا۔'' وہ اس کی شعلے برساتی سبز آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

''اُسامہ ملک صاحب! میں کوئی کمزور لڑکی نہیں ہوں جو......''

''نہیں۔ مجھے معلوم ہے آپ کمزور لڑکی نہیں ہیں۔ مجھ جیسے اسٹون مین کو دیوانہ بنا دینے والی لڑکی بھلا کمزور کیسے ہو سکتی ہے۔'' وہ اس کی بات قطع کر کے سنجیدگی سے بولا۔ گویا وہ اس کے سامنے اعتراف کر رہا تھا۔

''مجھے ابھی بھی یقین نہیں آرہا۔ طوبیٰ مجھے دھوکا دے سکتی ہے۔'' وہ اس سے بازو چھڑا چکی تھی۔ گلوگیر آواز میں بولی۔

''طوبیٰ کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ آپ کو یہاں لانے میں وہ بہت مشکل سے راضی ہوئی ہے۔ دراصل میں اس کہانی کا اختتام چاہتا ہوں اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ سے براہ راست بات کی جائے چنانچہ آپ سے بات کرنے کے لئے مجھے یہ چکر چلانا پڑا ہے۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ آپ صرف تھوڑی دیر یہاں بیٹھ کر میری بات سن لیں۔'' وہ بہت نرم لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔

''آپ اس قدر خودغرض ہوں گے' مجھے معلوم نہ تھا۔ آپ نے صرف اپنی خواہشات کے حصول کی خاطر ایک دوست کا اعتماد توڑ دیا اور میری نگاہوں میں بھی آپ کے لیے عزت واحترام ختم ہو چکا ہے۔ میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہاں رکنا اپنی توہین سمجھتی ہوں' میں جا رہی ہوں۔'' لائبہ غصے میں بپھری ہوئی کسی سرکش لہر کی طرح دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''لائبہ پلیز! مجھے غلط مت سمجھو۔'' وہ آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے بولا۔

''آپ بار بار مجھے چھو کر کیا احساس دلانا چاہتے ہیں کہ آپ مجھے زبردستی حاصل کر لیں گے۔''

شٹ اپ۔'' اُسامہ غصے سے چیخا تھا اور اتنی ہی تیزی سے اس کا ہاتھ اٹھا تھا مگر لائبہ کے چہرے تک پہنچنے سے قبل ہی وہ مشکل سے خود پر قابو پا چکا تھا۔

''ہاں ماریں مجھے۔ ہاتھ کیوں روک لیا۔ مرد کے پاس ہوتا ہی کیا ہے' اپنی طاقت کے زعم میں دوسرے کو حقیر سمجھنے کے علاوہ......''

''پلیز...... پلیز مجھے غلط مت سمجھو۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہاری عزت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اگر میری نیت خراب ہوتی تو میں طوبیٰ کو درمیان میں ڈالنے کی ہرگز بیوقوفی نہیں کرتا۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' وہ بری طرح زچ ہو چکا تھا۔

''نہ مجھے آپ کی بات سمجھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی مجھے اس سے دلچسپی ہے۔''

ویٹر دروازہ ناک کر کے چائے اور لوازمات سے بھری ٹرالی لے کر اندر آ گیا تھا جس کی وجہ سے لائبہ کو خاموش ہو جانا پڑا۔

''آیئے پہلے چائے پی لیں۔'' ویٹر کے جانے کے بعد اُسامہ مسکراتے ہوئے اس سے بولا۔

''نہیں' میں گھر جانا چاہتی ہوں۔'' لائبہ بدستور گیٹ کے پاس ہی کھڑی ہوئی تھی۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ گھر چلی آئیں۔'' وہ کرسی پر بیٹھتا ہوا شوخی سے بولا۔

''کیا مطلب۔'' لائبہ اس کے ذومعنی انداز پر چونک کر بولی۔

''مطلب یہ کہ ہمارے معاشرے میں لڑکی کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے اور میں آپ کو یہ گھر فراہم کرنا چاہتا ہوں یعنی میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے مشکل بات بہت آرام سے کہہ دی تھی۔ لائبہ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اپنا مدعا اتنی آسانی سے بیان کر دے گا۔ اتنی آسانی واطمینان سے اتنی مشکل بات کہہ دے گا۔ وہ سن سی کھڑی رہ گئی تھی۔

''میں بہت ریز روپریکٹیکل بندہ ہوں' آج سے کچھ عرصہ پہلے میں محبت پر بلیو نہیں کرتا تھا مگر آج مجھے اعتراف ہے کہ یہ ایک بے ساختہ جذبہ ہے۔ ہر غرض اور مفاد سے بالاتر۔ میں جوان جذبوں سے بھاگنے والا شخص تھا۔ نہ معلوم کس طرح تمہاری کوئی سادگی مجھے گھائل کر گئی اور میں بہت خاموشی سے لٹ گیا۔ عام عاشقوں کی طرح مجھے لمبی لمبی ڈینگیں مارنی نہیں آتیں اور نہ ہی میں اشعار کے ذریعے حال دل بیان کر سکتا ہوں' سو میں نے بات واضح کر دی ہے۔'' اس نے ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کر دی تھی۔ جس بات کو کہنے کے لئے وہ پچھلے دو ماہ سے پلان بنا رہا تھا مگر کوئی لفظ وہ انتخاب نہیں کر پا رہا تھا۔ اس وقت وہ خود حیران تھا کہ کس آسانی سے وہ اپنا مدعا بیان کر بیٹھا تھا۔ بغیر کسی جھجک اور گھبراہٹ کے۔ وہ اندرونی طور پر بھی اتنا ہی خوداعتماد تھا' جتنا ظاہر طور سے تھا۔

''یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ میں آپ سے شادی کرنے پر رضامند ہو جاؤں گی۔''

کیوں۔ کیا خرابی یا کمی ہے مجھ میں۔ وہ ایک لمحے کو بلو کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس سفید گلابی چہرے کو دیکھ کر اطمینان سے بولا۔ حالانکہ اندر اس کے زبردست توڑ پھوڑ مچ گئی تھی۔ اسے امید نہیں تھی' کوئی لڑکی اسے مسترد بھی کر سکتی ہے۔ یہ کام تو وہ آج تک بہت شوق سے کرتا آیا تھا مگر ابھی......

''آپ نے ابھی تو کہا ہے۔ یہ جذبہ بے ساختہ ہوتا ہے۔ ہر مفاد وغرض سے پاک۔ اب یہ ضروری تو نہیں جس جذبے نے آپ کے اندر جنم لیا ہے' وہی جذبہ میرے اندر بھی پرورش پائے۔ میں آپ کے لئے ایسا کوئی جذبہ محسوس نہیں کرتی اور نہ ہی میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت سفاکی سے کہہ رہی تھی۔ اس وقت لگ رہا تھا۔ وہ معصوم سی گم صم رہنے والی لائبہ نہیں بلکہ کوئی ظالم دوسروں کو دکھ اور تکلیف پہنچا کر خوش ہونے والی کوئی شیطانی روح ہو۔ لمبا خوبرو طاقتور وجود رکھنے والا اُسامہ بری طرح چکرا کر رہ گیا تھا۔

''تم مذاق کر رہی ہو۔ پلیز کہہ دو یہ مذاق ہے۔'' وہ بے چینی واضطراب میں کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''آپ تو بہت پریکٹیکل بندے ہیں اُسامہ ملک! پھر آپ نے خیالوں اور خوابوں میں رہنے والے رومان پسند خبطی لوگوں کی طرح خود بخود یہ اخذ کیوں کر لیا کہ میں آپ کی ہاں میں ہاں ملاؤں گی۔ میں آپ سے شادی ہرگز نہیں کر سکتی۔'' اس کے لبوں پر بڑی قاتل مسکراہٹ تھی۔

اُسامہ کے اردگرد آتش فشاں پھوٹ رہے تھے۔ اس کی نگاہوں میں آج وہ سارے چہرے بہت بڑی فتح کا جشن مناتے اور اس کا مضحکہ اڑاتے نظر آ رہے تھے۔ اس نے کالج اور یونیورسٹی میں بے شمار لاتعداد لڑکیوں کی بے عزتی کی تھی۔ کسی کو بھی ذرا خاطر میں لانا' یا نگاہ ڈالنا وہ اپنی انا کے خلاف سمجھتا تھا۔ کتنی ہی لڑکیوں نے اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑ دی تھی' صرف اس کی تندمزاجی کی وجہ سے مگر اسے کبھی کوئی ملال یا پچھتاوا نہیں ہوا تھا۔ وہ یوسف ثانی بنا' معصوم دلوں کو روندتا ہوا کسی فاتح کی طرح آگے اوپر اور اوپر کی جانب بڑھتا رہا تھا مگر آج وہ بہت بلندی سے گرا تھا۔ اتنی بلندی سے کہ اسے اپنے وجود کی کرچیاں بھی یکجا نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اسے آج محسوس ہوا تھا کہ چاہے جانے اور ٹھکرائے جانے میں کتنا فرق ہے۔ اس کے سامنے کھڑی وہ حسین ترین گلابی چہرے اور گرین آنکھوں والی معصوم لڑکی ان تمام ٹوٹے ہوئے دلوں کی بددعاؤں کا نتیجہ تھی جنہیں اس نے ٹھکرایا تھا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ وہ ہمیشہ بغیر مقابلے کے جیتتا آیا تھا مگر آج اس لڑکی سے اس نے شکست کا مزہ چکھا تھا جو اس کی زندگی ہوتے ہوئے بھی اس کی نہیں تھی۔

''آہ یہ کیسا انتقام تھا تقدیر کا اس سے۔''

''میں جا رہی ہوں' امید ہے آپ مجھ سے آئندہ کوئی رابطہ رکھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔'' لائبہ کے لبوں پر بڑی پرسکون مسکراہٹ تھی۔ گرین آنکھوں میں نفرت کی بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔

''اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے۔'' اُسامہ کے لبوں پر ٹوٹے ہوئے آئینے جیسی مسکراہٹ تھی۔ اس کی براؤن آنکھیں انگاروں ہی کی طرح دہک اٹھی تھیں۔

''اتنی نفرت کرتی ہوں میں آپ سے کہ اس کا تصور بھی اگر آپ کو ہو جائے تو آپ زندگی سے بیزار ہو جائیں گے۔'' لائبہ کے سارے روپ آج قاتل تھے۔

''محبت تو کسی جواز کے بغیر بھی ہو سکتی ہے مگر نفرت کرنے کے لئے کسی وجہ کا ہونا لازمی ہے۔ کیا وجہ ہے اتنی شدید نفرت کی؟''

ضروری نہیں' ہر سوال کا جواب فوری مل جائے۔ آپ کے سوال کا جواب بھی آپ کو وقت کبھی نہ کبھی دے دے گا۔ او کے۔'' وہ گیٹ کھول کر باہر نکل گئی اور اُسامہ اس کی

آنکھوں میں اتنی شدید نفرت دیکھنے کے بعد اسے روکنے کی جرأت ہی نہ کرسکا اور اپنے چکراتے سر کو پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ اسے اپنے چاروں طرف ویرانیاں رقص کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

✦ ✦ ✦

’’تابندہ تم کسی کے باپ کی نوکر نہیں ہو جو یوں سب کے کاموں میں لگی ہوئی ہو۔ تم میری شادی میں آئی ہو میری فرینڈ کی حیثیت سے۔ ماموں کے رشتے سے میں نے تمہیں نہیں بلوایا۔ یہاں بیٹھو میرے پاس۔‘‘ حسنہ تابندہ کا ہاتھ پکڑ کر کچن سے اپنے کمرے میں لا کر غصے سے بولی۔

’’نوکری کی بات نہیں ہے حسنہ۔ چھوٹی بھابی کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ خانساماں بازار گیا ہوا ہے سودا لینے‘ وہ کہنے لگیں ایک کپ چائے بنا دوں۔ تم اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو۔‘‘ تابندہ مسکراتی ہوئی بولی۔

’’تھوڑی دیر خانساماں کا انتظار نہیں ہو سکتا تھا ان سے۔ ایک تو ہمارے بھائیوں نے اپنی بیویوں کو بے لگام چھوڑ رکھا ہے۔ سارے کام نوکر کرتے ہیں۔‘‘

’’کیا باتیں ہو رہی ہیں۔‘‘ انہیں ابھی کمرے میں آئے پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ رقیہ پھوپو کمرے میں آ کر بولیں۔ ان کی مشکوک نگاہیں ان دونوں کے چہروں پر تھیں۔

’’آ گئیں آپ۔ میں بھی کہوں‘ ہم دونوں کو اکیلے بیٹھے اتنی دیر ہو گئی ابھی تک چوکیدار نے ہوشیار کیوں نہیں کیا۔‘‘ حسنہ طنز سے بولی۔

’’حسنہ‘ ماں ہوں تمہاری میں۔ کس انداز میں بات کر رہی ہو مجھ سے۔‘‘

’’رہنے دیں۔ ممی‘ مت میرا منہ کھلوائیں۔ کیوں آپ ہم دونوں کو بات نہیں کرنے دیتیں تنہائی میں۔ کمرے میں میرے پاس کوئی بھی بیٹھا رہے آپ گھنٹوں مڑ کر نہیں دیکھتیں مگر جہاں تابندہ آتی ہے آپ کسی نہ کسی بہانے آ جاتی ہیں اور اسے بھی یہاں سے لے جاتی ہیں۔ کیا چور ہے آپ کے دل میں۔ مجھے بھی بتائیں۔ کیوں ہماری نگرانی ہو رہی ہے؟‘‘

’’حسنہ! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ پھوپو ایسا کیوں کریں گی۔ اور تم یہ کس لہجے میں پھوپو سے بات کر رہی ہو۔‘‘ تابندہ جس نے پھوپو کی اس حرکت کو شدت سے محسوس کیا تھا۔ ماں بیٹی کے درمیان فساد دیکھ کر پھوپو کی سائیڈ لیتے ہوئے بولی۔

’’میں سمجھتی ہوں‘ تمہارے دل کی حالت میری بچی۔ پہلی مرتبہ ماں باپ بھائیوں سے دور جا رہی ہو‘ اس لئے تمہاری حالت ایسی ہو رہی ہے مگر میری بچی‘ یہ وقت تو سب لڑکیوں پر آتا ہے مگر اچھا جیون ساتھی قسمت سے اچھے نصیبوں والی کو ملتا ہے۔ تمہارا تو نصیب لاکھوں میں ایک ہے۔ فاران جیسا شوہر ہر کسی کو تھوڑی ملتا ہے۔ ارے اس جیسی دولت وجاہت اور حسن اخلاق تو بہت کم کو اللہ دیتا ہے۔ تم اپنی قسمت پر جتنا ناز کرو کم ہے۔‘‘ پھوپو بیٹی کی بدتمیزی پر سرخ تو ہوئیں مگر سامنے تابندہ بیٹھی تھی۔ جو ان کی سگی بھتیجی تھی۔ ان کا اپنا خون‘ خونی رشتوں میں جو چاشنی اور درد ہوتا ہے‘ وہ انہوں نے کبھی محسوس ہی نہ کیا تھا۔ کبھی بھائی کی محبت دل میں نہ جاگی تھی تو ان کے بچے کیسے ان کی محبت پا سکتے تھے اور جب سے تابندہ کو فاران نے پسند کیا تھا‘ تب سے تابندہ انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ عجیب حسد کا رشتہ پیدا ہو گیا تھا۔ اب اس کے سامنے حسنہ کی بدزبانی پر انہیں غصہ آیا تھا مگر مصلحتاً وہ حسنہ کو لپٹا کر دلاسے دینے لگی تھیں۔

’’چھوڑیں ممی منہ نہ کھلوائیں میرا۔‘‘ حسنہ ان سے علیحدہ ہوتے ہوئے بولی۔

’’تابندہ تم میرے ساتھ آؤ‘ آپا جان کی فیملی آج رات لاہور سے آ رہی ہے۔ ان کی کوٹھی کل تک سیٹ ہو گی۔ میں نے ایک دن کے لئے انہیں یہاں گیسٹ روم میں ٹھہرانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ذرا ملازماؤں کے ساتھ مل کر ترتیب بدل ڈالو۔ میں ذرا جا کر کچن میں دیکھتی ہوں۔ آج ان کی پسندیدہ ڈشیں بنوائی ہیں‘ میں نے۔‘‘ وہ حسنہ کی بات کو نظر انداز کر کے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئیں۔

✦ ✦ ✦

وال کلاک نے رات کے دو بجائے۔ فوزیہ بیگم بلو ساڑی میں ملبوس کمرے سے نکل کر اوپر ٹیرس پر پہنچ گئیں۔ ان کی بیتاب و پریشان نگاہیں سامنے سنسان مین روڈ پر بھٹکنے لگی تھیں جہاں کھمبوں سے لگی مرکری لائٹوں کی روشنی میں سڑک دور تک ویران تھی۔

’’اُسامہ! میری جان۔ یہ تم کن راستوں پر چل نکلے ہو۔ یہ کون لوگ ہیں جو تمہیں ماں باپ سے زیادہ عزیز ہو گئے ہیں۔ یہ کیسی محفلیں ہیں جو تمہیں گھر کے سکون و آرام سے دور رکھتی ہیں۔ لوٹ آؤ‘ مت جاؤ ان راہوں۔ پر میری ممتا نے بہت صبر اور دعاؤں کے بعد تمہیں پایا ہے۔‘‘ فوزیہ بیگم نڈھال سی وہاں رکھی ایزی چیئر پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئیں۔

وہ تصور میں اس سے مخاطب تھیں جو ان کی ممتا سے بے فکر رستم زمان کے ساتھ سیاسی جلسے میں گیا ہوا تھا۔ وہ ایک ایک لمحہ اس کی آمد کے انتظار میں کاٹ رہی تھیں۔ اسد صاحب بزنس کی وجہ سے کینسا گئے تھے اور انہیں ان کی طرف سے بھی فکر لگی ہوئی تھی کہ وہ جو کل پرسوں میں آنے والے تھے‘ ان کا ردعمل کیا ہو گا۔

اُسامہ پچھلے ماہ سے دوبارہ سیاست میں گم ہو چکا تھا اور اب کے تو وہ اس حد تک اس دنیا میں ضم ہو گیا تھا کہ اپنی ہستی ہی اس نے فراموش کر دی تھی۔ اپنے وجود سے بالکل غافل ہو گیا تھا۔ گھر میں بیٹھنے کا بھی اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ دادی‘ ممی‘ ڈیڈی اور گھر کے دوسرے افراد جیسے اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

سب سے رشتہ توڑ کر اس نے صرف سیاست سے رشتہ قائم کر لیا تھا۔ جلسے‘ جلوس‘ میٹنگ‘ اسے ہر وقت گھیرے رہتی تھیں۔ دادی کا غصہ‘ ماں کی پریشان صورت اسے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ فوزیہ بیگم کی سمجھ میں نہیں آتا تھا‘ وہ ایک دم اتنا سنگ دل اور کٹھور کیوں ہو گیا تھا۔

’’بیگم صاحبہ! آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ میں صاحب کے انتظار میں جاگ رہا ہوں۔‘‘ فضل کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

’’تم سوئے نہیں ابھی تک۔‘‘ وہ اپنی گیلی آنکھیں ساڑی کے پلو سے صاف کرتے ہوئے بولیں۔

’’آپ روئیں نہیں بیگم صاحبہ صرف صاحب کے لئے دعا کریں کہ وہ پہلے جیسے بن جائیں۔ نہ معلوم صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔ ہر وقت جلسے جلوس میں مصروف رہنے لگے ہیں۔ راتوں کو دیر سے گھر آنے لگے ہیں۔ نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پہننے کا۔ ایسا لگتا ہے‘ جیسے ہر چیز سے بیزار ہو گئے ہیں۔ ان کے آنے کے بعد دودھ بھی میں انہیں زبردستی دے کر آتا ہوں۔‘‘ فضل کے لہجے میں دکھ اور پریشانی تھی۔

’’فضل! تم بھی وہی محسوس کر رہے ہو جو میں کر رہی ہوں۔ میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ اُسامہ جیسے سعادت مند اور حساس بیٹے کو کیا ہو گیا ہے۔ میں نے ہر ممکن کوشش کر لی۔ اس سے وجہ پوچھنے کی کہ انہیں کیا پریشانی ہے مگر ہر بار وہ یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب میرا وہم ہے۔‘‘ وہ آزردگی سے بولیں۔

’’میں ہر نماز کے بعد دعا مانگتا ہوں‘ صاحب کے لئے کہ وہ پہلے جیسے ہو جائیں۔ پہلے وہ بات بات پر ڈانٹتے تھے‘ غصہ ہوتے تھے۔ سچ بیگم صاحب! ان کے غصے اور ڈانٹ میں بھی بہت محبت ہوتی تھی۔ اب تو صاحب کچھ کہتے ہی نہیں۔‘‘

’’اب تم جا کر سو جاؤ۔ ڈھائی بج رہے ہیں۔ جب تک اُسامہ آ کر کمرے میں نہیں چلے جاتے‘ مجھے نیند نہیں آئے گی۔‘‘ فوزیہ بیگم گھڑی دیکھتے ہوئے بولیں۔

’’بیگم صاحبہ! صاحب کو جب تک دودھ ہم نہ دے دیں تب تک نیند ہمیں بھی نہیں آئے گی۔ ہمیں پکی عادت ہو گئی ہے۔ صاحب کے بعد سونے کی۔ میں بھی آپ کے پاس بیٹھ کر یہیں انتظار کر لیتا ہوں۔‘‘ فضل کونے میں رکھی بینچ کی طرف بڑھ گیا۔

✦ ✦ ✦

’’شمو! آج تو چلی چلو۔ کل حسنہ کی شادی ہے۔ صالحہ بھی شام کی فلائٹ سے آ گئی ہے۔ کیا سوچیں گی وہ لوگ کہ ہمیں ان کی خوشی سے خوشی نہیں ہے۔ چلو تم کو آج چھوڑ کر آ جاؤں گی پھر میں اور تابش کل شادی میں آ جائیں گے۔ تمہارے ابو تو اس قابل ہیں نہیں۔ ان کی ساری رشتے داری صرف اور صرف اپنے نشے سے ہے۔ کل میں نے پوچھا تھا مگر انہوں نے منع کر دیا جانے سے۔ انور کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ اب ہمیں تو کم از کم جانا چاہئے۔‘‘ خورشید بی بی نے یونیفارم پریس کرتی شمائلہ سے کہا۔

’’مجھے تو معاف ہی رکھیں امی‘ تابندہ کے ساتھ مل کر یہ رشتے داریاں نبھاتی رہیں۔ مجھے نہیں جانا کسی شادی وادی میں۔‘‘ وہ خاصے بگڑے تیور سے بولی۔

’’یہ بھی خوب کہی تم نے۔‘‘ کیوں نہیں جاؤ گی تم شادی میں۔ تمہاری دونوں سگی پھپھیوں کے بچوں کی شادی ہے۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ۔ سادہ طبیعت رکھنے والی خورشید بی بی جو دنیا کے مکر و فریب سے بالکل ناآشنا تھیں‘ شمائلہ کو قائل کرتے ہوئے بولیں۔

’’امی خدارا! اس دنیا کے ڈھنگ سیکھئے ورنہ لوگ آپ کی سادہ مزاجی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔‘‘ شمائلہ یونیفارم ہینگر میں لگا کر اسٹور میں لگی کھونٹی پر لٹکاتے ہوئے بولی۔

’’تم تو نہ معلوم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ہمارے پاس سوائے عزت کے بچا ہی کیا ہے جو لوگ ہم سے فائدہ اٹھائیں گے۔‘‘ وہ پاندان اپنی طرف کھسکاتے ہوئے بولیں۔

’’آپ کل تابش کو لے کر چلی جایئے گا۔ میں گھر میں رک جاؤں گی۔‘‘

’’تم گھر میں اکیلی رک کر کیا کرو گی۔ وہ سروتے سے چھالیا کاٹتے ہوئے بولیں۔

’’ابو تو ہوتے ہیں گھر میں۔ میں اکیلی کب ہوں گی۔‘‘

’’تمہارے باپ کا تو گھر میں ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ وہ اپنی کوٹھری میں سے نکل کر باہر دیکھتے ہی کب ہیں۔‘‘

’’برابر سے گڑیا کو بلوا لوں گی۔ جب تک تم لوگ نہیں آؤ گی۔ وہ میرے پاس ہی رہے گی مگر میں شادی میں نہیں جاؤں گی اور تابندہ کو بھی کل ساتھ ضرور لے آیئے گا۔ بہت کر لی اس نے خدمت گزاری ان لوگوں کی۔‘‘

’’شمو! تمہارا تو نا معلوم مزاج ہی کس پر گیا ہے۔ بعض اوقات تو بالکل ہی منہ پھٹ بن جاتی ہو۔ ایسی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔‘‘ وہ پان منہ میں رکھ کر بولیں۔

✦ ✦ ✦

’’شمیر! ذرا میری بات سنو۔‘‘ عظمت بیگم صوفے پر نیم دراز واک مین سنتے ہوئے شمیر کے کانوں سے ہیڈ فون نکالتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں بولیں۔

’’خیریت ہے نا ممی۔ آج آپ کا اسٹائل بہت جاسوسی قسم کا ہو رہا ہے۔‘‘ شمیر بیٹھتے ہوئے حیرانی سے بولا۔

’’آپ کے ڈیڈی گھر دیر سے آئیں گے۔ کیوں نہ آج نبیل کی بیوی سے مل کر آ جائیں۔ سچ مجھے لگ رہا ہے اگر میں اب زیادہ دن ان دونوں سے دور رہی تو جی نہ پاؤں گی۔‘‘ پل بھر میں ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئی تھیں۔

’’ممی پلیز! اب رونے مت بیٹھ جایئے گا۔‘‘ شمیر ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنائیت سے بولا۔

’’اماں جان کی فضول سی ضد نے سب کو ڈسٹرب کر رکھا ہے۔ چلیں آپ مگر ممی یہ سوچ لیجئے گا‘ جھوٹ کبھی چھپتا نہیں ہے۔ ہم خفیہ طور پر بھائی اور بھابی سے ملنے جا رہے ہیں۔ یہ راز کبھی چھپ نہیں سکتا پھر جو اماں جان کا رویہ ہو گا‘ اسے آپ ہینڈل کر لیں گی پھر شاید ڈیڈی بھی اماں جان کی حکم عدولی نہ کر سکیں گے۔ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے نا آپ نے۔‘‘

’’ہاں‘ یہ وقت بھی کبھی تقدیر میں آنا تھا کہ اپنے بچے سے ملنے کے لئے مجھے ایسی سوچ بچار کرنی پڑے گی۔ میں نے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ اگر انہیں معلوم ہو بھی گیا تو یہ وقت فیصلہ کرے گا کہ کیا ہو گا۔ آپ کار نکالیں‘ میں پورچ میں آ رہی ہوں۔‘‘

شمیر غور سے ان کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو اس کے ساتھ جانے کی ہامی بھرنے سے پھول کی مانند کھل گیا تھا۔ وہ تیزی سے مسرور سی اندر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ وہ بھی کار کی چابی لینے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی کار تیزی سے کلفٹن کی جانب بڑھ رہی تھی۔

کلفٹن کے ساحل پر واقع لگژری فلیٹس میں سیکنڈ فلور پر واقع فلیٹ کے براؤن ڈور پر نبیل روحیل ملک کی گولڈن تختی چمک رہی تھی۔ نیچے بیٹھے ہوئے چوکیدار نے انٹرکام کے ذریعے پہلے ہی شاید نبیل کو اطلاع دے دی تھی۔ ان کے بیل پش کرنے سے قبل ہی دروازہ کھل گیا تھا۔ دروازے سے جامنی سوٹ میں ملبوس کانچ سی لڑکی اپنی کالی

کالی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرانی اور خوف لئے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے معصوم و سفید چہرے پر بہت پاکیزگی و معصومیت تھی۔ عظمت بیگم کچھ لمحے اس کے ہراساں چہرے کا جائزہ لیتی رہیں۔ وہ لڑکی انہیں کہیں سے بھی بازاری خاندان کی نہ لگی۔ اس کے معصوم چہرے پر شرافت کی چھاپ تھی۔ انداز میں شائستگی و سادگی تھی۔

''السلام علیکم! آپ اندر آئیں نا۔'' اس نے جھجکتے ہوئے زبان کھولی۔

''وعلیکم السلام! نبیل نہیں ہے کیا گھر پر۔'' عظمت بیگم کا دل چاہ رہا تھا آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیں۔ وہ بیٹی کے وجود کو ترسی ہوئی عورت تھیں۔ اب ان کے سامنے بہو کے روپ میں بیٹی کھڑی تھی مگر اسے سینے سے لگانے میں ایک جھجک مانع تھی۔ شمیر خاموش کھڑا اس سچویشن سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''آپ اندر تو آئیں نا۔ وہ ابھی آتے ہی ہوں گے۔ سامنے مارکیٹ سے سامان لینے گئے ہوئے ہیں۔''

''ارے ممی' کیوں تکلف کر رہی ہیں آگے بڑھیے اور اپنی بہو کو گلے لگائیے۔'' شمیر جوان کی کیفیت سمجھ رہا تھا مسکراتے ہوئے ماں کی جھجک دور کرتے ہوئے بولا۔

''تکلف کی کیا بات ہے۔ یہ میری بہو ہی نہیں بیٹی ہے۔ وہ آگے بڑھ کر عائشہ کو سینے سے لگاتے ہوئے بولیں۔ عائشہ کو یہ امید نہیں تھی۔ وہ انٹر کام پر چوکیدار کا یہ پیغام سن کر کہ نبیل کے بھائی اور ممی آئی ہیں۔ اندیشوں سے لرز کر رہ گئی تھی۔ اس وقت نبیل بھی کچن کا سامان لینے مارکیٹ گیا ہوا تھا۔ اس نے دھڑکتے دل سے دروازہ کھولا تھا۔ سامنے بہت گریس فل' خوبصورت خاتون کھڑی تھیں۔ ساتھ ہی ان کے ایک اسمارٹ اور خوبرو نوجوان بھی کھڑا تھا جس کے نقوش نبیل سے بہت مل رہے تھے۔ وہ سمجھ گئی' یہی نبیل کی ممی اور بھائی ہیں۔ چہرے سے نظر آنے والی خوش اخلاق و نرم مزاج حقیقتاً وہ ایسی ہی تھیں۔ ان کے سینے کی گرمائی میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ عائشہ بے اختیار رونے لگی تھی۔

''ممی اندر تو چلیں اگر کوئی پڑوسی آگئے تو وہ سوچیں گے یہاں کون سی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔'' شمیر اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔ عظمت بیگم اسے لے کر اندر آ گئیں۔ عائشہ کے بڑی محبت سے انہوں نے آنسو صاف کئے تھے۔ بہت تسلی دلاسے دیے تھے۔ ابھی تک وہ اسے لپٹائے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں۔

''معلوم نہیں اللہ میاں نے عورتوں کو آنسو بہانے میں کتنی مہارت دی ہے۔ بہت ہی فیاضی سے یہ چیز عطا کی ہے جو ذرا ذرا سی بات پر بن بادل برسات شروع ہو جاتی ہے۔ ممی نے ان چھ ماہ کے عرصے میں اتنے آنسو بہائے ہیں کہ اگر انہیں اسٹاک کیا جاتا تو تقریباً کراچی میں آئندہ کئی صدیوں تک پانی کی قلت نہیں ہو سکتی تھی اور بھابی جان' ابھی دس منٹ میں جس تیزی سے آپ نے موسلا دھار برسات کی ہے' اس سے آئندہ دس سال تک بارش نہ ہونے کی فکر ہمیں نہیں ہو گی۔'' شمیر جو بہت دیر سے اپنی زبان پر کنٹرول کئے ہوئے تھا' اب خاموش نہ رہ سکا۔

''پہلے منہ دکھائی تو دو پھر بھابی سے مخاطب ہونا۔'' عظمت بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔ عائشہ بھی دوپٹے سے آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرا اٹھی تھی۔

''منہ تو میں نے بھابی کا دیکھ لیا ہے۔ اب منہ دکھائی کا فائدہ۔'' شمیر شرارت سے عائشہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''یاد رکھنا تمہاری بیوی کو بھی ایک ٹکا نہیں ملے گا۔'' وہ اپنے ہاتھ سے سونے کے کنگن اتار کر عائشہ کے ہاتھوں میں ڈالتے ہوئے بولیں۔

''یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟'' عائشہ نے کمزور احتجاج کرنا چاہا۔

''یہ تمہارا حق ہے بہو۔ ابھی تو یہ معمولی سا تحفہ ہے۔ اللہ راہ ہموار کر دے گا جلد ہی تو پورے گھر کی مختار ہو گی تم۔''

''مجھے صرف آپ کی محبت چاہئے اور کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔'' عائشہ آہستہ سے بولی۔

''ہماری محبتیں اور شفقتیں سب تمہارے لئے ہیں بہو۔ اللہ تمہیں ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔'' عظمت کنگن پہنانے کے بعد اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔

''میری ہونے والی بے چاری بیوی کے مستقبل کی بات ہے جسے میں خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ اس لئے آپ اپنی منہ دکھائی لیجئے۔'' شمیر نے مسکین سی صورت بنا کر شرٹ کی جیب سے براؤن کیس نکال کر اس میں سے سونے کا خوبصورت لاکٹ نکالا جس میں فیروزے چمک رہے تھے' عائشہ کے گلے میں ڈال دیا۔ اس کے اس انداز پر عظمت بیگم کے ساتھ عائشہ بھی ہنس پڑی تھی۔

''چہرہ دیکھو ذرا! کیسا مسکین بنا رکھا ہے' جیسے کوئی زبردستی مجبور کر رہا ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے بہو جس دن نبیل نے فون کیا تھا' اس کے دوسرے دن ہی یہ لاکٹ لے آئے تھے۔

دونوں باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔ شمیر گھر کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ نبیل جب سامان لے کر اندر آیا تو سامنے عاشی کے ساتھ عظمت بیگم کو بیٹھا دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

''ممی! میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ وہ مسرت و حیرانی سے بولا۔ عظمت بیگم نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ عاشی سامان لے کر کچن میں چلی گئی تھی۔

''ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔'' شمیر اندر آتا ہوا بولا اور نبیل کے گلے لگ گیا۔ نبیل کے چہرے پر مسرت کے دیے جل اٹھے تھے مگر اس کی آنکھوں میں بہت سے الجھے ہوئے سوال بھی تھے۔ جنہیں وہ جلد زبان پر لے آیا۔

''ممی آپ شاید اماں جان اور ڈیڈی سے پوچھے بغیر آئی ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''مجھ سے اب اپنے بچوں کی دوری برداشت نہیں ہوتی۔''

''لیکن ممی! ڈیڈی تو شاید برداشت کر جائیں مگر اماں جان کو معلوم ہو گیا تو وہ ایک طوفان کھڑا کر دیں گی۔'' نبیل فکر مند لہجے میں بولا۔

''بے جا پابندیاں اور بے مصرف بندشیں انسان میں بغاوت پیدا کر دیتی ہیں۔ اب کچھ بھی ہو جائے' میں اپنے دل پر اور جبر نہیں کر سکتی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولیں۔

''ممی گھر پسند آیا آپ کو۔'' نبیل نے موضوع بدلنے کے لئے بات بدلی۔

''ہاں۔ ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے اور بہت سلیقہ مندی سے سنوارا گیا ہے۔''

''عاشی! چائے کے ساتھ چکن کٹلس ضرور بنانا۔ ممی کو بہت پسند ہیں۔'' نبیل نے سامنے کچن کی کھڑکی سے نظر آتی عاشی کو مخاطب کیا جہاں اس کے ساتھ شمیر بھی نظر آ رہا تھا۔

''آپ بے فکر رہیں بھائی۔ میں اسی لئے یہاں موجود ہوں' تاکہ بھابی کو پسندیدہ ڈشیں بتا سکوں۔'' عاشی کے بجائے شمیر کی شوخ آواز آئی۔

''صرف چائے پیوں گی بیٹا میں۔ ہمیں جلدی جانا ہے' گھر پر صرف چوکیدار ہے۔ سارے ملازمین کو آج میں نے صبح ہی چھٹی دے دی تھی۔

''سب تیار ہے ممی۔ صرف فرائی کرنا ہے اور عاشی فٹافٹ کر لے گی۔''

❖ ❖ ❖

''اب مجھے اجازت دیجئے سر۔ ایک بج رہا ہے۔ ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اُسامہ رستم زمان کے مرکزی دفتر سے ابھی میٹنگ سے فارغ ہو کر ان کے ساتھ پارکنگ شیڈ میں آیا تھا۔

''چلے جانا۔ ابھی وقت ہی کیا ہوا ہے۔ میں نے ساحرہ بیگم کو فون کر دیا ہے کہ وہ چائے تیار رکھیں۔ ہم پہنچ رہے ہیں۔ ایک کپ چائے ہمارے ساتھ پی لیں پھر چلے جایئے گا۔'' وہ اپنے مخصوص شفیق لہجے میں بولے اور اُسامہ جوان کی صحبت میں بہت سکون محسوس کرتا تھا' دوبارہ انکار نہ کر سکا۔ تیس منٹ بعد اس کی کار ان کے پورچ میں رک رہی تھی۔ وہ رستم زمان کے ساتھ ان کے اسٹائلش لونگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ رستم صاحب اسے آرام سے بیٹھنے کا کہہ کر ڈریس چینج کرنے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے اور وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

صبح نو بجے وہ گھر سے نکلا تھا۔ الیکشن کے ہنگاموں اور گہما گہمیوں نے زور پکڑ لیا تھا۔ ملک بھر میں جلسے' جلوسوں سے رونق لگی ہوئی تھی۔ سیاست داں دوبارہ چہروں پر عوام کی خدمت کا پرانا ماسک لگا کر نئے لفظوں سے عوام کو پھر اپنی اپنی پارٹیوں کو ووٹ دینے پر آمادہ کرتے نظر آ رہے تھے۔ اس نے بھی دل کی وحشتوں سے گھبرا کر رستم زمان کی پارٹی جوائن کر لی تھی۔ غریب و حالات کے ہاتھوں ستائے ہوئے لوگوں سے ہمدردی اسے تھی۔ ملک سے محبت وہ کرتا تھا اور شدت سے خواہش مند تھا کہ ملک ترقی یافتہ و خوشحال ہو جائے۔ ملک کا ہر فرد بغیر کسی محرومی کے اپنے حقوق حاصل کر لے۔ وہ یہی عزم لے کر اس میدان پر خار میں اتر گیا تھا۔ اس کی صبح شام سب رستم زمان کی پارٹی کے ساتھ وابستہ ہو گئی تھیں اور اس دشمن جاں کو بھلانے میں اتنے عرصے میں کامیاب ہو ہی جاتا۔ جو اپنی تمام تر نفرت کے ساتھ اس کے دل میں بہت وقار سے براجمان تھی اور وہ اسے بھلانے کی ممکنہ کوشش میں خود سے غافل ہو گیا تھا۔ اپنی ہستی ہی اس نے فراموش کر ڈالی تھی مگر اس سے اس کی یادوں سے اسے ابھی تک رہائی نہیں ملی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں کا اسیر ہو چکا تھا۔

''ہیلو! ارے یہ آپ ہیں۔ یقین نہیں آ رہا مجھے۔'' ساحرہ جو ٹرالی میں چائے کا سامان رکھ کر لائی تھی۔ اُسامہ کی طرف دیکھ کر قدرے حیرانی سے بولی۔

''السلام علیکم۔'' اس کی آواز پر اُسامہ چونک کر آنکھیں کھول کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''بیٹھیں۔ کیا کسی کی نظر لگ گئی آپ کو۔ یہ کیا حال بنا لیا ہے آپ نے۔ نہ آنکھوں میں چمک ہے' نہ چہرے پر تازگی اور شادابی۔ نہ ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ۔'' ساحرہ کی روشن خوبصورت کالی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

''جس طرح وقت ایک سا نہیں رہتا' اس طرح انسان میں بھی تغیرات آتے رہتے ہیں۔'' اُسامہ اس کی شدید حیرانی پر مبہم مسکراہٹ سے بولا۔

''لیں۔ میں مانتی ہوں' اس بات کو مگر عالم بہار میں آپ جیسے پرشباب انسان پر ایسی ستم رسیدہ خزاں آ جانا بہت معنی رکھتی ہے۔ اُسامہ صاحب۔ بزرگ کہتے ہیں مرد کی کامیابی اور بربادی دونوں کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ کہیں آپ کی تبدیلی کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ تو نہیں ہے۔'' وہ اُسامہ کو خاموش بیٹھا دیکھ کر دوبارہ بہت معنی خیز لہجے میں بولی۔ اُسامہ کے گویا دل کے رستے زخموں سے نمکین ٹیسیں اٹھنے لگیں مگر وہ اب بھی لب خاموشی سے بھینچے بیٹھا رہا۔

''آپ کی خاموشی اور آنکھوں کی سرخی بتا رہی ہے کہ میری بات درست ہے۔ کون بدنصیب لڑکی ہے وہ جس نے آپ جیسے انسان کی یہ حالت بنا دی ہے۔''

''پلیز میڈم! دس از مائی پرسنل افیئر۔'' وہ کافی سخت لہجے میں بولا۔

''اگر اپنے دل کا بوجھ کسی ہمدرد کے آگے ہلکا کر لیا جائے تو دل و دماغ دونوں پرسکون رہتے ہیں۔ میں ایک بہترین ہمدرد ثابت ہوں گی۔'' وہ ٹرالی اپنی طرف کھسکاتے ہوئے بہت اپنائیت بھرے لہجے میں بولی۔

''بھئی' ہم بھی ان سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے ساحرہ بیگم' مگر ہم کامیاب نہ ہو سکے' کچھ معلوم کرنے میں۔ شاید اس کی وجہ ہمارے درمیان عمروں کا فرق ہو مگر آپ تو ان کی ہم عمر ہو آپ کو بتا دیں کہ اس چھوٹی سی عمر میں کیا روگ لگا بیٹھے ہیں۔'' رستم زماں نے اندر آتے ہی ساحرہ کی بات سن لی تھی۔ صوفے پر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرا کر بولے۔

''لگتا ہے' چوٹ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ زخم تازہ ہو تو اسے کھرچنے میں تکلیف تو ہوتی ہے۔ اب آپ بے فکر ہو جائیں۔ کچھ عرصے بعد یہ خود ہی آپ کو سب کچھ بتا دیں گے۔'' ساحرہ چائے بناتے ہوئے بولی۔ جبکہ اُسامہ کا چہرہ اس طرح سپاٹ تھا جیسے بات اس کے متعلق نہیں ہو رہی ہو۔

❖ ❖ ❖

صالحہ بیگم' ان کے شوہر اور فاران شام کی فلائٹ سے آ چکے تھے۔ باقی باراتیوں کی آمد کل دوپہر تک ہونی تھی۔ کچھ رشتے داروں کو یہاں سے بھی شرکت کرنی تھی۔ رقیہ بیگم ان کی خاطر مدارات میں لگی ہوئی تھیں۔ تابندہ کو دوپہر سے رات ہو چکی تھی' کچن میں خانساماں کے ساتھ کام کرتے ہوئے۔ اس کی کمر اور ٹانگیں کھڑے کھڑے کام کرتے ہوئے بری طرح درد کرنے لگی تھیں۔ ایک تو اسے کھڑے ہو کر پکانے کی عادت نہیں تھی۔ دوسرے خانساماں بہت کام چور تھا۔ ایک چھوٹا سا کام کرتا پھر کسی بہانے لمبے وقفے کے لیے باہر جا کر بیٹھ جاتا۔ اسے کھانے کی تین ڈشوں کی تیاری بھی خود ہی کرنی پڑی تھی' جبکہ دو سویٹ ڈشیں تو وہ پہلے ہی تیار کر کے فریزر میں رکھ چکی تھی۔ وہ جب بھی کام مکمل کر کے باہر نکلنے کا سوچتی' اندر سے کبھی چائے یا کافی کی فرمائش آ جاتی اور یہ فرمائشوں کا سلسلہ ختم ہونے کے بجائے طویل ہوتا جا رہا تھا۔ تابندہ کی طبیعت اب بوجھل ہونے لگی تھی۔ اسے شائلہ کی کہی باتیں سچ لگ رہی تھیں کہ پھوپھو کو اس کی صورت میں مفت کی نوکرانی مل رہی تھی۔ اگر وہ اسے اس طرح یہاں کام

کرتے دیکھ لیتی تو۔ اسے ہنسی آ گئی تو وہ اپنی اور اس کی جان ایک کر کے رکھ دیتی اور رقیہ بیگم کے ساتھ حسنہ کو بھی نہیں بخشتی ہرگز۔

''بی بی صاحبہ! اب آپ اندر چلی جائیں' اب سارا کام میں سنبھال لوں گا۔''

''تابندہ کھانے پکانے سے فارغ ہونے کے بعد کچن کی صفائی کر کے سلاد بنانے کا سامان سنک میں دھو رہی تھی کہ خانساماں اندر آ کر بولا۔

''میں سلاد بنا لوں پھر چلی جاؤں گی۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''میں سلاد بہت اچھی بنا لیتا ہوں جی بلکہ سجاتا بھی بہت خوبصورتی کے ساتھ ہوں۔ اب آپ آرام کرلیں۔ صرف ڈائننگ ہال میں کھانا لگانا ہوگا' وہ دوسرے ملازمین کے ساتھ مل کر لگا دوں گا میں۔'' اس کے بے حد اصرار پر وہ کچن سے باہر نکل آئی۔ لونگ روم میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ ڈیک کی فل آواز پر حسنہ کی چھوٹی بھابی کی بہن ڈانس کرنے میں مگن تھی۔ وہاں بیٹھے سب کزنز لڑکے اور لڑکیاں اسے تالیاں بجا بجا کر داد دینے میں مصروف تھے۔ تابندہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر آگے بڑھ گئی۔ اس کی وہاں موجودگی کا کسی نے بھی نوٹس نہیں لیا تھا۔ اسے یہاں آئے ہوئے چار دن ہو چکے تھے۔ مگر ابھی تک اس کی کسی سے دوستی نہ ہو سکی تھی۔ ایک وجہ اس کی یہ تھی کہ اس کی مالی حالت سے سب واقف تھے۔ دوسرے رقیہ بیگم اور ان کی بہوئیں فارغ بیٹھنے ہی نہیں دیتی تھیں۔ فقط حسنہ تھی جس سے وہ کچھ بات کرلیا کرتی تھی' وہ بھی رقیہ بیگم کے کڑے پہرے میں۔ جب بھی وہ دونوں ساتھ بیٹھتیں۔ وہ کسی نہ کسی بہانے آکر ان کے درمیان حائل ہو جایا کرتی تھیں۔ اس بات کو اس نے محسوس کیا تھا مگر خاموش رہی تھی۔ جبکہ حسنہ برداشت نہیں کر پائی تھی۔ حسنہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی مگر عادات ومزاج میں ان سے بالکل الٹ تھی اور تابندہ سے تو اس کی کالج میں ساتھ پڑھنے کی وجہ سے دوستی بھی تھی اور وہ اس سے محبت بھی بہت زیادہ کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی' وہ رقیہ بیگم کے رویے اور مزاج کو سمجھنے کے باوجود حسنہ کے بلاوے پر چلی آئی تھی اور دوسرے اسے فاران سے کیے گئے وعدے کو بھی نبھانا تھا کہ وہ اس کی شادی میں ضرور شریک ہوگی۔

کمرے میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ رقیہ بیگم کچھ کاغذات ہاتھ میں پکڑے غصے سے سرخ چہرہ لئے کھڑی تھیں' جبکہ حسنہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔ اسے اندر آتے دیکھ کر انہوں نے تیزی سے کاغذات ساڑی کے پلو میں چھپا لئے۔

''کیا ہوا پھوپو جان۔ حسنہ کیوں رو رہی ہے۔ وہ حسنہ کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔ سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں۔ ایک دن سب لڑکیوں کو ماں باپ کا گھر چھوڑنا پڑتا ہے مگر اس نے رو رو کر اپنا حشر خراب کر لیا ہے اور تم کیوں کچن سے چلی آئیں۔'' وہ ناگوار لہجے میں بولیں۔

''پھوپو جان کھانا وغیرہ سب تیار ہو گیا ہے' صرف سلاد بنانا رہ گیا ہے۔ وہ خانساماں کہہ رہا ہے خود بنا لوں گا۔'' ان کے درشت لہجے پر وہ سہم کر بولی۔

''ارے بے عقل لڑکی۔ اب وہ ساری اچھی اچھی بوٹیاں نکال کر کھا لے گا۔''

''اچھا میں چلی جاتی ہوں۔'' تابندہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''نہیں' تم اب کہیں نہیں جاؤ گی یہاں سے۔'' حسنہ ایک دم چہرہ اٹھا کر اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے بولی۔

''تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو' اب تم سے کیا بحث کرنی۔'' وہ غصے میں کمرے سے نکل گئیں۔

✦ ✦ ✦

''ہمارے دھندے میں ضمیر اور دل کی نہیں چلتی یار۔ یہاں صرف ایک چیز کی حکمرانی ہے' پیسہ اور صرف پیسہ۔ کام مالک کی پسند کا پیسہ ہماری مرضی کا۔'' بیدار خان سگریٹ کا کش لیتا ہوا بڑے مطمئن انداز میں بولا۔

''مگر یار' نہ معلوم کبھی کبھی میرے اندر کیوں عجیب وغریب آوازیں گونجنے لگتی ہیں۔ ان آوازوں میں اتنا درد' اتنی تڑپ ہوتی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے' یہ سب چھوڑ چھاڑ کر ایک پرسکون زندگی گزاروں۔ جس میں نہ کوڑے ہوں نہ ڈر نہ خوف' بس بے فکر زندگی ہو اپنی مرضی کی۔'' انور کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

''آہستہ بول یار۔ کہیں سرکار کو معلوم ہو گیا نا تو ڈائریکٹ اوپر کا ٹکٹ پکڑا دے گا۔ وہ سب کچھ برداشت کرسکتا ہے مگر غداری ہرگز نہیں اور تو اکثر کام کرتے کرتے یہ فضول باتیں شروع کر دیتا ہے۔ ذرا سوچ سرکار نے ہمیں کیا نہیں دیا۔ اس کے ملنے سے پہلے کیا تھے ہم لوگ۔ تو ایک چور' جواری اور محلے کا دادا تھا اس کے باوجود کیا تھا تیرے پاس۔ نہ اچھا لباس' نہ اچھی خوراک اور نہ ہی پیسہ۔ سرکار سے ملنے کے بعد کیا سے کیا ہو گیا ہے تو۔ سرکار نے پتھر کو ہیرا بنا دیا ہے۔ شہر کے بڑے ہوٹلوں میں تو کھانا کھاتا ہے۔ کاروں میں گھومتا ہے۔ بینکوں میں بھی بڑا پیسہ ہے تیرا۔ ایک کوٹھی اور فلیٹ تو ہو چکا ہے اور آگے ترقی کے مزید چانس ہیں پیارے۔ کیوں ایسی باتیں کر کے اپنی بدبختی کو آواز دینا چاہتا ہے۔'' بیدار خان سگریٹ کا بچا ہوا ٹکڑا ایک طرف اچھالتے ہوئے بولا۔

''کیا فائدہ یار' ایسی دولت کا جو گناہ کی طرح چھپا کر رکھی جائے۔ گھر میں ماں کو میں صرف پہلی تاریخ کو ایک مخصوص رقم دیتا ہوں جو فیکٹری میں کام کرنے والے مزدور کی ہوتی ہے اگر کبھی دو تین سو فالتو دے بھی دوں تو وہ مجھے اتنی مشکوک نگاہوں سے دیکھتی ہے کہ مجھے ہزاروں بہانے کر کے اسے مطمئن کرنا پڑتا ہے۔ میری ماں بہت نیک اور سادہ سی عورت ہے۔ اسے اگر معلوم ہو جائے کہ میں کیا کر رہا ہوں تو وہ صدمے سے ہی مر جائے گی۔'' انور اس وقت حد سے زیادہ سنجیدہ تھا۔

''تیرا باپ کیسا ہے۔ ماں کی تو بہت تعریفیں کرتا ہے تو۔ کبھی باپ کے بارے میں بات نہیں کی تو نے۔'' بیدار خان دوسرا سگریٹ جلاتے ہوئے بولا۔

''نفرت ہے' مجھے اپنے باپ سے۔ اس کی وجہ سے ہی آج میں ان راہوں پر چل رہا ہوں۔ کاش' وہ ہمیں پیٹ بھر کر روٹی دیتا۔ اپنی چاہت اور توجہ دیتا تو آج انور کچھ اور ہوتا۔ مگر وہ اب بھی بے پرواہ ہے' گھر میں ہو کر بھی اپنی کوٹھری میں بند چرس پیتا رہتا ہے۔ لگتا ہے گھر میں اس کا وجود ہے ہی نہیں۔''

''میرا باپ تو میری پیدائش سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ میں دو سال کا تھا تو ماں نے نانی کے دباؤ میں آ کر دوسری شادی کر لی اور مجھے نانی کے پاس چھوڑ دیا۔ نانی نے ہی مجھے پالا پوسا وہ بہت غریب عورت تھی۔ محلے والے ترس کھا کر جو کچھ اللہ نام کا ہوتا وہ نانی کو پہنچا دیا کرتے تھے۔ اسی سے ہم دونوں کا پیٹ بھر جاتا تھا۔ نانا کا بھی انتقال ہو گیا تھا اور میری ماں جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا' نانی کے مرنے پر آئی تھی اس وقت میں بیس سال کا تھا۔ نانی کے مرنے کے بعد میں بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ میری ماں مجھے اپنے ساتھ پشاور لے گئی۔ وہاں میرے سوتیلے باپ نے مجھے دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا اور میری ماں جو بہت ڈر ڈر کر مجھے وہاں لے آئی تھی۔ اسے اتنا خوش دیکھ کر بہت بے فکر ہو گئی۔ میری ماں کے پھر کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ ان دونوں نے بہت محبت دی پھر ایک دن میرا باپ مجھے شکار پر لے گیا اور وہاں جا کر اس کی مہربانی کا سب راز کھلا۔ بظاہر تو وہ ایک ہوٹل چلا رہا تھا مگر سائیڈ دھندہ اس کا اسلحہ فروخت کرنے کا تھا اور اس کام میں بڑے بڑے لوگوں سے اس کی دوستی تھی۔ اس نے جدید اسلحہ مجھے دکھا کر کہا کہ اسے اس کاروبار کو بڑھانے کے لئے ایک بیٹے کی ضرورت ہے جو اس کا بازو بھی بنے اور اس کی تمام جائیداد کا مالک بھی مگر اس کام کی کسی غیر آدمی کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہئے۔ یہ کہہ کر اس نے سات نوٹ لال اور کرارے میرے ہاتھ میں پکڑا دیے اور کہا کہ عیش کر دو دن خوب۔ پھر سوچ سمجھ کر مجھے جواب دینا کہ کیا مرضی ہے۔ میں نے ہی بچپن سے فقیروں جیسی زندگی گزاری تھی۔ نہ کبھی اچھا کھایا تھا اور نہ کبھی اچھا پہنا تھا۔ سوتیلے باپ کے پاس جب سے آیا تھا' روز بھنی مرغی' بکرے کا گوشت کھانے کو مل رہا تھا۔ انڈے' مکھن' دودھ دہی ہر چیز میں خوب کھا رہا تھا بلکہ اکثر بھوک سے زیادہ کھا جایا کرتا تھا پھر وہ مجھے جیب خرچ بھی خوب دل کھول کر دیا کرتا تھا۔ ان چیزوں کے چھوٹ جانے کا مجھے اتنا خوف تھا کہ میں نے فوراً ہی اس سے اس کے کاروبار میں رازدار بننے اور اسے پھیلانے کی ہامی بھر لی۔ پھر کیا تھا' میرے دن ہی بدل گئے۔ میں شہزادوں جیسی زندگی بسر کرنے لگا۔ سالوں ہو چکے ہیں' اس دھندے میں پڑے ہوئے مجھے۔ میرا باپ مجھے سگوں سے زیادہ چاہتا ہے۔ ماں اصل بات سے بے خبر بہت خوش رہتی ہے بلکہ آج کل تو میرے لئے لڑکیاں دیکھتی پھرتی ہے۔''

''تو تم شادی کر لو گے۔'' انور پہلی مرتبہ مسکرا کر بولا۔

''کیا حرج ہے۔'' وہ سگریٹ کا لمبا کش لگا کر بولا۔

''ہم جیسے لوگ زندگی ہتھیلیوں پر لئے گھومتے ہیں نہ معلوم کس طرف سے گولی آ کر ہمیں ہمیشہ کی نیند سلا دے۔ ایسے میں شادی کر کے کسی لڑکی کی زندگی کیوں خراب کرتے ہو۔ ویسے بھی ہم جن راستوں پر چل رہے ہیں' وہاں روشنی بالکل نہیں صرف اور صرف اندھیرے ہیں' وہ بھی اتنے گہرے کہ ہم اپنے آگے آنے والی کھائی میں بھی خود کو گرنے سے نہیں بچا سکتے۔ پھر ہم دوسروں کا مستقبل کیوں تاریک کریں۔''

''تو نے دس کلاسیں جو پڑھی ہیں نا' یہ اسی کے جراثیم بول رہے ہیں یہ۔ مت بولا کر یہ خشک دماغ والوں جیسی باتیں۔ اگر کسی لڑکی کے نصیب میں بیوہ ہونا لکھا ہے تو میں یا تو اسے کیسے بچا سکتے ہیں۔ میرا تو خیال ہے تو کچھ دنوں کی چھٹی لے کر اپنے گھر چلا جا۔ ویسے بھی ابھی الیکشن کا زمانہ ہے۔ ہماری بعد میں ضرورت پڑے گی۔ میں بھی اب گھر روانہ ہو جاؤں گا۔ سرکار سے میں بات کر لوں گا' تیری چھٹی کی۔'' بیدار خان اٹھتے ہوئے بولا۔ تو انور بھی اس کے ساتھ اٹھ گیا۔

✦ ✦ ✦

''روٹھی ہو تم' تم کو کیسے مناؤں پیا' بولو نا' بولو نا۔ اب بول بھی دو نا بھئی۔'' طوبیٰ لائبہ کے آگے ہاتھ جوڑے پچھلے پندرہ منٹ سے اسے منانے کی کوشش کر رہی تھی اور لائبہ نگاہیں جھکائے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی' مکمل سنجیدگی سے۔

''طوبیٰ! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی' تم جسے میں بچپن سے جانتی ہوں۔ میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کرو گی۔ میں آج تک اس سچ کو اپنا وہم سمجھ کر دل کو سمجھاتی ہوں مگر جب وہ مناظر میری نگاہوں کے سامنے آتے ہیں تو سچ میرا دل خود کو شوٹ کرنے کو چاہتا ہے کہ میں کتنی آسانی سے تم دونوں کے درمیان بیوقوف بنی ہوں۔ تم نے میری محبت و اعتماد سے فائدہ اٹھایا اور اس نے تمہاری دوستی سے۔'' لائبہ اس وقت شعلے کی طرح دہک رہی تھی۔ یہ حقیقت تھی' طوبیٰ کے اس غیر ذمے دارانہ فعل نے اسے بری طرح پریشان کر دیا تھا۔ اسی غم وغصے کی وجہ سے وہ نہ طوبیٰ سے بات کر رہی تھی اور نہ ہی مل رہی تھی۔ آج ماما طوبیٰ کی طرف گئیں تو وہ یہاں چلی آئی تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں لائبہ اپنا غصہ دل کھول کر نکال لے گی۔ اپنے اس اقدام کی وجہ سے وہ گھر والوں کے علم میں لائے بغیر خاموشی سے لائبہ کو منانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لائبہ بھی ماما کی وجہ سے غیر محسوس طریقے سے اس سے ملنے سے گریز کر رہی تھی۔

''لائبہ! میں شرمندہ بالکل نہیں ہوں۔ کیونکہ میں اُسامہ کے کریکٹر سے واقف ہوں۔ وہ اچھے اور بہترین انسان ہیں۔ ان سے کسی قسم کی بدتمیزی کی توقع کی ہی نہیں جا سکتی۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتے تھے اور یہ کوئی ایسی معیوب بات نہیں ہے جسے تم نے اتنا طول دے دیا ہے۔'' طوبیٰ زچ لہجے میں بولی۔

''تم کچھ بھی کہہ سکتی ہو مگر میں نے بھی اس کا دماغ ٹھکانے لگا دیا ہے۔ آئندہ ایسی حرکت کرنے کا خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔'' لائبہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''مجھے بتاؤ نا لائبہ کیا کہا ہے تم نے ان سے جو ان کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔ میری تو ان سے ملاقات اس دن کے بعد سے ہوئی نہیں مگر مجھے لگتا ہے' تم نے ضرور کوئی گڑبڑ کی ہے۔ اخباروں میں تصویریں دیکھ رہی ہو ان کی' انہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ شخص جو کبھی روشنی کی طرح جگمگایا کرتا تھا۔ اب انہیں دیکھ کر لگتا ہے' زندگی سے دور بھاگ رہے ہوں وہ۔ خود کو انہوں نے بیرونی سرگرمیوں میں گم کر لیا ہے کہ نہ انہیں گھر یاد رہا ہے اور نہ ہی گھر سے وابستہ لوگ۔ شاہ بتا رہا تھا' ان کی ممی اور دادی کی پریشانی سے بری حالت ہے اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔''

''میں نے تو اپنے دل کی بات انہیں بتا دی تھی کہ میں انہیں پسند نہیں کرتی اور اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کہا میں نے۔ اب اگر کوئی اس وجہ سے پریشان ہے تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔'' وہ کاندھے اچکا کر بہت آسودہ مسکراہٹ سے بولی۔

✦ ✦ ✦

''رستم زمان صاحب! ہم مجبور ہیں۔ ہمیں آپ کو اریسٹ کرنے کے آرڈر ملے ہیں۔'' پولیس وردی میں انسپکٹر بہت مہذب انداز میں رستم صاحب سے آ کر مخاطب ہوا۔

''یہ سراسر زیادتی ہے انسپکٹر۔ مخالف پارٹی نے ہمارے جلسے میں فائرنگ کی۔ ہمارے آدمی زخمی ہوئے۔ جن میں سے دو کی حالت بہت سیریس ہے۔ ہمارے جلسے کو ناکام کرنے کی ہر طرح سے کوشش بھی کی گئی اور آپ گرفتار کرنے بھی ہمارے لیڈر کو آئے ہیں۔ سراسر زیادتی ہے یہ۔'' وہاں موجود ایک کارکن بہت غصے سے بولا۔

''وہاں سے بھی ہم نے گرفتاریاں کی ہیں۔ چلئے رستم صاحب!'' انسپکٹر سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔

''میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں مگر سر آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے۔'' اُسامہ جو خاموشی سے بیٹھا سب سن رہا تھا' اچانک کھڑا ہو کر بولا۔

''نہیں، ہم جائیں گے۔ آپ کو کبھی نہیں جانے دیں گے۔'' کارکنوں کی پرجوش آواز سے کمرا گونج اٹھا۔

''نہیں، ہم باشعور اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ قانون کی بھی ہم اتنی ہی قدر کرتے ہیں' جتنی اپنی اور اصولوں کی۔ چلئے انسپکٹر صاحب۔'' اُسامہ کا بھاری اور سنجیدہ لہجہ گونجا۔

''سیاست میں جیل جانا بہت بڑی سعادت ہے مائی سن۔ یہ لیڈر کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ دیکھنا آج بھی تمہارا ہے اور کل بھی تمہارا ہوگا۔'' رستم زمان اُسامہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر شاباش دیتے ہوئے بولے۔ وہ مسکرا کر دفتر سے باہر آ گیا تھا۔ اس کے لئے لگائے گئے نعروں سے فضا گونج اٹھی تھی۔ بہت سے اسے چاہنے والے پرجوش ساتھیوں نے اس کے ساتھ رضا کارانہ گرفتاریاں دی تھیں۔

''اماں' اماں جان' اُسامہ..... گرفتار ہو گئے ہیں۔'' فوزیہ بیگم اخبار لئے صبح ہی حواس باختہ ان کے کمرے میں تقریباً بھاگتی ہوئی آئیں۔

''آپ کے لئے اور اماں جان کے لئے تو یہ بہت فخر کا مقام ہے۔ صاحب زادے کس طرح خاندان کی عزت و توقیر بڑھا رہے ہیں۔'' اماں جان کے قریب خلاف توقع اسد صاحب کو بیٹھا دیکھ کر ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ اگر وہ دروازے کا سہارا نہ لے لیتیں تو بری طرح چکرا کر گر تیں۔ غم و غصے سے اسد صاحب کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اماں جان کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں پھیلی ہوئی تھیں۔

''کان کھول کر سن لو۔ اس نافرمان کے لئے اب اس گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔''

❖ ❖ ❖

''آ..... آپ کب آئے۔'' ان کی بغیر اطلاع کی موجودگی غصے بھرا انداز اور لہجہ فوزیہ بیگم کے باقی ماندہ ہوش و حواس اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔

''آپ کو میری آمد اور روانگی سے کیا غرض۔ آپ اپنے ہونہار قابل فخر بیٹے کے کارناموں پر مسرت سے چراغاں کیجئے اور خوشیاں منایئے۔ مٹھائی تقسیم کیجئے۔ آپ کے فرزند کس طرح باپ' دادا کا نام روشن کر رہے ہیں۔''

''اس ممتا کی ماری کے کیوں زخموں پر نمک چھڑک رہے ہو۔ اس کے تو رات دن بیٹے کی بھلائی و سلامتی کے لئے دعائیں مانگتے ہوئے رو رو کر کٹ رہے ہیں۔'' اماں جان اپنی بھیگی آواز پر قابو پا کر فوزیہ بیگم کی حمایت لیتے ہوئے بولیں۔

''ان جیسی عاقبت نااندیش مائیں جب جوان بیٹوں کے بدلتے چال چلن کو شوہروں سے چھپاتی ہیں تو پھر ساری زندگی روتی ہیں۔ سب کچھ گنوا کر عقل آتی ہے تو بے مصرف۔ کتنا سمجھا کر گیا تھا کہ جلد لڑکی دیکھ کر منگنی کر دینا۔ شادی واپس آنے کے بعد کر دیں گے مگر صاحب زادے کے لئے کوئی لڑکی روئے زمین پر اترتی ہی نہیں ہے۔ لگتا ہے اس کی تعلیم سے فراغت کے بعد میں مطمئن ہو گیا تھا کہ اب مجھے پریشانی کی ضرورت نہیں۔ میرا بیٹا میرا سہارا بن جائے گا۔ میں بزنس اس کے حوالے کر کے گھر میں سکون سے بیٹھوں گا تو بنجاروں جیسی زندگی سے نجات مل جائے گی مگر۔'' اسد صاحب کے چہرے پر افسوس و ملال گہرا تھا۔ دو مہینے کے بزنس ٹور کے بعد وہ آج کراچی پہنچے تھے۔ ان کا ارادہ گھر والوں کو سرپرائز دینے کا تھا اس لئے وہ بغیر بتائے وطن آ گئے تھے وہ بہت مسرور سے ائرپورٹ سے باہر آئے تھے۔ باہر لگے اسٹالوں پر رکھے اخباروں پر ان کی نگاہیں جم گئیں اور وہ بدحواس و ششدر اخبارات کی سرخیاں پڑھ رہے تھے جن کی مین ہیڈنگ میں کل شام ہونے والے جلسے کے دوران ہنگامہ آرائی اور زبردست فائرنگ کے نتیجے میں جو کشیدگی پھیلی تھی' حالات خراب ہونے کی وجہ سے دونوں پارٹیوں کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ جس میں اُسامہ ملک کا نام بہت واضح طور پر لکھا تھا اور اس کی تصویریں ہر اخبار میں موجود تھیں۔ پہلی نظر میں تو وہ اسے پہچان ہی نہیں پائے تھے۔ بڑھی ہوئی شیو' بے ترتیب بال' سرخ انگارہ آنکھیں یہ اُسامہ ان کا اُسامہ تو نہیں تھا۔ جس کی وجاہت اور اسمارٹنس کا ایک عالم دیوانہ تھا۔ دوم ان کی غیر موجودگی میں اس پر ایسی کیا مصیبت ٹوٹی تھی جس نے اسے بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ بے چین و پریشان سے گھر پہنچے تھے اور سامان ملازمین کے ہاتھوں اندر پہنچا کر سیدھے اماں جان کے کمرے میں گئے تھے۔ جہاں بہت پوچھنے کے بعد انہوں نے اُسامہ کے متعلق انہیں بتا دیا کہ وہ ان راستوں پر چل کر سب کو فراموش کر چکا ہے۔ صبح گھر سے نکلنا اور رات گئے گھر آنا اس کا معمول بن چکا ہے بلکہ اکثر تو اب وہ راتوں کو بھی گھر سے غائب رہنے لگا ہے۔ یہ سب سن کر ان کا غصے سے برا حال ہو گیا تھا اور انہیں شدت سے فوزیہ بیگم پر غصہ آیا تھا جنہوں نے ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی ہر حرکت چھپائی تھی۔

''تم کچھ بھی کہو اسد مگر مجھے یقین ہے' میرا بچہ بہت نیک اور معصوم ہے۔ وہ سیاست میں کرسی کے لالچ میں نہیں گیا ہے۔ وہ تو بچپن سے ہی لوگوں کے دکھ درد میں کام آنے والا ہے۔ یہاں بھی اس کا مقصد لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔'' اماں جان سے زیادہ دیر اس کے خلاف باتیں برداشت نہ ہو سکیں تو وہ بول اٹھیں۔

''کچھ بھی سہی اماں' یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اس کے لئے اس گھر کے دروازے بند ہو چکے ہیں اگر مجھ سے چھپ چھپا کر کسی نے بھی اس سے ملنے کی کوشش کی تو میں اس سے بھی رشتہ توڑ لوں گا۔ مجھے ہرگز نہیں چاہئے ایسی نافرمان اولاد۔'' اسد صاحب اتنا کہہ کر کمرے سے نکل گئے۔

❖ ❖ ❖

صالحہ پھوپو کے جو باقی مہمان لاہور میں رہ گئے تھے' وہ بھی شام کی فلائٹ سے آ گئے تھے۔ گھر میں قریبی مہمان پہلے سے ہی موجود تھے۔ جن کی رونق میں اب اور اضافہ ہو گیا تھا کل بارات تھی۔ اب صالحہ پھوپو نے بری وہاں لانگ روم میں سجائی ہوئی تھی۔ حسنہ کے بیش قیمت خوبصورت سوٹوں پر نگاہ نہیں ٹھہر رہی تھی۔ چار سیٹ سونے کے اور دو ڈائمنڈ کے تھے۔ سینڈل اور کھسوں کی کئی جوڑیوں کے علاوہ دوسرے سامان سے کمرا ابھرا ہوا تھا۔ خواتین اور لڑکیاں بہت اشتیاق و رشک بھری نگاہوں سے سامان کو دیکھ کر تعریفیں کر رہی تھیں اور رقیہ بیگم کی گردن مسرت اور غرور سے اکڑی سی گئی تھی۔ وہ بہت مسرور و فاخرانہ انداز میں مہمانوں کی خاطر مدارات کرتی پھر رہی تھیں۔

صالحہ بیگم نے تابندہ کو دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا۔ تابندہ جو انہیں سلام کرنے کے ارادے سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی' ان کا شدید ردعمل دیکھ کر واپس رقیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا چہرہ شرمندگی و خفت سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ تو سب کچھ نہ بھولنے کے باوجود بھلا دینے کی جستجو میں مگن تھی مگر ان کا نفرت انگیز رویہ اس کے زخموں کو جا کر کر گیا تھا۔ اس وقت وہاں کوئی مہمان نہیں تھا۔ سب رات کی مہندی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

''آپا یہاں کیوں کھڑی ہو۔ اچھا حسنہ کو دیکھنے آئی ہوں گی۔ کل تو آپ کے ساتھ چلی ہی جائے گی۔ خوب دل بھر کر دیکھئے گا گھر جا کر۔'' رقیہ بیگم وہاں آ کر ہنستی ہوئی بولیں۔

''مجھے تم سے ایسی بے وقوفی کی توقع نہیں تھی روقی۔'' وہ جھنجلا کر بولیں۔

''کیا ہو گیا آپا۔'' رقیہ بیگم بہت حیرانی سے ان کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر بولیں۔

''تمہیں معلوم ہے کتنی مشکلوں سے فاران یہاں شادی پر تیار ہوا ہے۔ وہاں بڑے پیر سے تعویذ لے کر آئی تھی جب جا کر بات بنی ہے مگر اب بھی وہ اتنی مردہ دلی سے یہاں آیا ہے جیسے شادی کرنے نہیں جنازے میں شرکت کرنے آیا ہے۔ اگر بڑے پیر کا تعویذ کام نہیں دکھاتا تو وہ کسی طرح بھی یہاں شادی کرنے آنے والا نہیں تھا۔''

''مجھے سب معلوم ہے آپا مگر مجھ سے کیا بیوقوفی ہو گئی۔'' صالحہ بیگم غصے میں اس بات کو فراموش کر چکی تھیں کہ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے اگر کوئی اس وقت ادھر آ کر ان کی گفتگو سن لے تو کتنی جگ ہنسائی ہوگی ان کی۔ اس بات کا مکمل احساس رقیہ کو تھا۔ اسی خوف سے وہ ان کی لمبی چوڑی تمہید کے دوران قطع کلامی کر کے عاجزی سے بولیں۔

''تابندہ کو ایسے موقع پر بلانے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ دانت پیس کر بولیں۔

''میں کب بلا رہی تھی' حسنہ ہی اس کی محبت میں دیوانی ہے۔ اس کی ضد کی وجہ سے بلانا پڑا ہے مگر اب کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔''

''فاران میرا بیٹا ہے اور اس کی دیوانگی میں جانتی ہوں۔ اگر اس کی ایک نظر بھی اس پر پڑ گئی تو سمجھ لو سارا جادو غارت ہو جائے گا۔ اگر اسے واپس نہیں بھیج سکتیں تو ایک طرف بٹھا دو۔ نوکر بہت ہیں تمہارے گھر میں کام کرنے کے لئے' اب بری کا سامان بھی رکھوا دو۔ پھر مہندی کی اودھم بازیاں شروع ہو جائیں گی۔'' وہ انہیں ہدایات دیتی ہوئی گیسٹ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ رقیہ بیگم حسنہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کی باتوں نے انہیں کافی ہوشیار کر دیا تھا اور اپنی بے پروائی پر خود کو سرزنش کرتی ہوئی وہ حسنہ کے کمرے کے سامنے ستون کے پاس کھڑی تابندہ کو دیکھ کر ان کے چہرے کے تاثرات سرد ہو گئے تھے۔ اس کی آنسو بھری آنکھیں سرخ دیکھ کر انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ سب سن چکی تھی کیونکہ ستون درمیان میں ہونے کی وجہ سے وہ انہیں نظر نہیں آ سکی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ سن سی ہو گئیں کہ وہ فاران کے متعلق سب سن چکی تھی اور یہ ان دونوں بہنوں کی کھلی شکست تھی' اس کے سامنے مگر وہ اس وقتی اثر کو زائل کرنے کے لئے فوراً ہی اس سے تیز لہجے میں بولیں۔

''شرم نہیں آتی تم کو ہماری باتیں چھپ کر سنتے ہوئے۔ بھابی کو بہت مان ہے' اپنی بیٹیوں کی پرورش پر یہ تربیت ہوئی ہے کہ دوسروں کی باتیں چوروں کی طرح سنیں۔''

''پھوپو جان۔ خدا کی قسم میں آپ کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔'' حسنہ کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ میں نے دستک بھی دی ہے مگر وہ شاید باتھ روم میں ہے۔ اس لئے مجھے یہاں کھڑا ہونا پڑا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔'' تابندہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

''دروازہ اندر سے لاک ہے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' وہ حواس باختہ سی تیزی سے آگے بڑھیں اور پوری طاقت سے حسنہ کے کمرے کا دروازہ دونوں ہاتھوں سے پیٹ ڈالا۔ ان کے اس انداز پر تابندہ بھی گھبرا کر ان کے قریب آ گئی تھی۔

''کیا بات ہے مما۔ کیا دروازہ توڑنے کا ارادہ ہے۔'' دس منٹ کے بعد حسنہ نے دروازہ کھولا۔

''دروازہ کیوں لاک کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ جانتی ہو مہمانوں سے گھر بھرا ہوا ہے۔'' وہ اندر داخل ہو کر حسنہ سے سخت لہجے میں بولیں۔ ان کی نگاہیں تیزی سے پورے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ تابندہ کی سمجھ میں ان کا مشکوک انداز بالکل بھی نہیں آ رہا تھا۔

''یہ میرا کمرا ہے اور میری مرضی ہے میں جس طرح بھی چاہوں اپنے کمرے میں رہوں۔'' حسنہ کا رویہ مسلسل گستاخانہ تھا۔ وہ تابندہ کی موجودگی کی بالکل بھی پروا نہیں کرتی تھی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ موڈ درست کروا اپنا۔ آپا دس بجے تک مہندی لے کر آئیں گی' تیار رہنا اور تم اب کمرے میں ہی رہو۔ ضرورت نہیں ہے تمہیں باہر نکلنے کی۔'' حسنہ کے بعد وہ تابندہ سے مخاطب ہوئیں۔

''اس پر یہ پابندی کیوں لگ گئی'' حسنہ حیرانی سے بولی۔

''ہمارے ہاں تمام لوگ اعلیٰ اسٹیٹس سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ وہاں یہ ان معمولی کپڑوں میں ہماری فیملی کا امیج خراب کرے گی۔'' رقیہ بیگم لفظوں کے تیروں سے اسے گھائل کر کے چلی گئیں۔ حسنہ نے تابندہ کو خود سے لپٹا لیا۔

''تابی۔ پلیز مما کی باتوں کا برا نہیں ماننا۔ ان کے پاس پیسہ بہت زیادہ ہے لیکن سوچ بہت چھوٹی اور گھٹیا ہے' مجھے ان کی اس گھٹیا سوچ سے بہت زیادہ چڑ ہے اور اسی تضاد نے ان کے اور میرے درمیان ہمیشہ سے دیوار کھڑی کر رکھی ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے حسنہ' میں اسکول لائف سے ہی حقیقت پسند رہی ہوں۔ پھوپو جان کی کوئی بات مجھے بری نہیں لگتی کیونکہ وہ جو بھی کہہ رہی ہیں سچ ہے۔''

''مجھے خوب معلوم ہے تم یہی کہو گی۔ اچھا یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔ مجھے تم سے ایک خاص بات کرنی ہے۔ مما موقع ہی نہیں دے رہی تھیں' تمہیں میرے پاس بیٹھنے کا۔'' حسنہ اسے لے کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''آنٹی کہہ رہی ہیں' ہم آپ کو تیار کر دیں کیونکہ مہندی آنے والی ہے۔'' دروازہ کھول کر تین لڑکیاں مسکراتی ہوئی اندر آ گئیں۔

''میں ابھی تیار نہیں ہو رہی' ایک گھنٹہ باقی ہے ابھی دس بجنے میں۔'' حسنہ غصے سے بولی۔

''آنٹی کہہ رہی ہیں' ہم آپ کے پاس ہی رہیں۔ آپ چاہے تیار ہوں یا نہ ہوں کیونکہ آپ اگر سو گئیں تو رسم کے وقت فریش نہ ہوں گی۔'' ان میں سے ایک لڑکی مسکراتے ہوئے بولی۔

حسنہ کا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا۔ تابندہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ کل اس کی شادی ہونے والی تھی۔ ایسے موقعے پر تو اس کے چہرے پر دھنک رنگ بکھرے ہونے چاہئے تھے مگر وہاں ان کی جگہ اضطراب کی کیفیت تھی۔ بے چینی تھی' ایک عجیب غیر محسوس انداز تھا' اس کا جسے تابندہ نے اب محسوس کیا۔ کچھ گڑبڑ ہے مگر کیا ہے' یہ اس کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ وہ لڑکیاں وی سی آر اور ٹی وی اسٹارٹ کر کے بیٹھ گئی تھیں۔

❖ ❖ ❖

''اُسامہ کو رستم زمان نے اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے دوسرے دن دوپہر تک رہا کروالیا تھا۔ ویسے بھی الیکشن ہونے والے تھے اور اُسامہ ملک نے کم عرصے میں بے شمار لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالی تھی۔ اس کی گرفتاری کا سن کر عوام سڑکوں پر نکل آئے تھے اس کی بے جا گرفتاری کے خلاف لوگوں میں بہت اشتعال پھیلا ہوا تھا۔ اس کی گرفتاری بھی محض دوسری پارٹی کے لیڈران کی گرفتاری اور شبہے کے تحت ہوئی تھی۔ ڈسٹرکٹ تھانے کے باہر پولیس کے خلاف نعرے لگاتے لوگوں کا مشتعل ہجوم اور رستم زمان کی سیاسی اپروچ نے اُسامہ ملک کو زیادہ دیر لاک اپ میں ٹھہرنے نہیں دیا۔ وہ صبح لاک اپ سے باہر آچکا تھا جہاں رستم زمان اور ان کی پارٹی کے دوسرے لیڈر پھولوں کے ہار لئے مٹھائی کے ٹوکروں کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ اس کے باہر آتے ہی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔

''مبارک ہو نمائی سن۔ یہ دن تمہاری زندگی کا سنہرا دن ہے اور تمہاری سعادت مندی اور جذبہ احترام و محبت نے یہ ثابت کردیا ہے کہ تم آگے چل کر عظیم سیاست دان ہو گے ہمارے بڑے بڑے عظیم سیاست دان جیل گئے ہیں' یہ تمہارے لئے فخر کا مقام ہے۔'' وہ اس کے گلے میں ہار ڈالنے کے بعد اسے سینے سے لگاتے ہوئے پرجوش لہجے میں بولے۔ ان کے بعد تمام لوگ اس سے پرجوش انداز میں ملے۔ بے شمار ہار اس کے گلے میں ڈالے گئے۔ پارٹی ورکرز اور اس کے چاہنے والے اس کے حق میں نعرے لگارہے تھے۔ کوئی اس سے ہاتھ ملانے کو بے چین تھا تو کوئی گلے لگانے کو۔ بے شمار لوگوں کے درمیان سے نکل کر وہ بڑی مشکل سے رستم زمان کی کار تک پہنچا تھا۔ لوگوں کی والہانہ پرجوش پذیرائی' ساتھیوں کے بے پناہ خلوص اور رستم زمان کی بھرپور محبت و بھرپور حوصلہ افزائی کے جواب میں اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوکر غائب ہوگئی تھی۔ اس کے مزاج میں خود سے اتنی لاتعلقی و بے پروائی تھی کہ جیسے وہ انسان نہیں کوئی روبوٹ ہو جو انسانی احساسات سے مبرا معمول کی طرح کام کرے۔

''سر میں گھر جانا چاہتا ہوں۔ اماں جان اور ممی پریشان ہورہی ہوں گی۔'' ڈرائیور کو کار رستم زمان کے بنگلے کی طرف دوڑاتے دیکھ کر اس نے پہلی مرتبہ لب کشائی کی۔

''آپ کی رہائی کی خوشی میں ہم نے ایک شاندار جلسے کا اہتمام کیا ہے' وہاں سے فارغ ہوجائیں پھر چلے جایئے گا۔ وہ حسب عادت شفقت بھرے لہجے میں بولے۔

''سوری سر۔ میں اب گھر جانا چاہتا ہوں۔'' اسے احساس تھا کہ انہیں معلوم ہوگیا ہوگا اور اماں جان کے علاوہ گھر کے دوسرے لوگ بھی پریشان ہوں گے۔ رستم زمان اس کے مزاج کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ وہ ایک دفعہ ناں کہہ دے تو پھر ناں ہی رہتی ہے۔ وہ اسے گیٹ کے پاس اتار کر چلے گئے تھے۔

چوکیدار نے اسے سلام کرکے گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ بالوں میں انگلیاں پھیرتا ہوا سرخ روش پر چلتا ہوا اندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ سرسبز لان خوبصورت پھولوں سے سجا مہک رہا تھا۔ مالی وسیع و عریض لان میں لگے پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھا۔ وہ اطمینان سے قدم اٹھاتا ہوا اندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ گھر اپنا گھر جس میں بسنے والے اگر ایک دوسرے کا احترام کریں جہاں پیار و محبت کی پرخلوص خوشبوئیں اور رنگ بکھرے ہوئے ہوں' وہ گھر زمین پر جنت کا حصہ ہوتا ہے۔ اسے جتنی چاہت' جتنی اہمیت دینے اور پیار کرنے والے ماں باپ' دادی' چچا' چچی اور کزنز ملے تھے' ایسی قسمت اتنا گڈ لک بہت کم لوگوں کا ہوتا ہے۔ اس کی تھکن اور پژمردگی غائب ہوگئی تھی۔ وہ بہت طمانیت و آسودگی محسوس کررہا تھا۔ آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگی تھیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ کچن سے آتی ہوئی فوزیہ بیگم کی نگاہ اس پر پڑی' وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں' وہ بھی بیتابی سے ان کی طرف بڑھا تھا۔ وہ ان سے اتنا مانوس اور فرینک نہیں تھا۔ ان کے مقابل اسے ہمیشہ اماں جان کی محبت بھری گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند کر سکون ملا کرتا تھا۔ تمام جائز و ناجائز خواہشات و ضدیں بھی ان ہی سے پوری کروانے کا عادی تھا۔ فوزیہ بیگم کے بہت چاہنے کے باوجود وہ ان سے مکمل فری نہ ہوسکا تھا مگر اس وقت ان پر نگاہ پڑتے ہی اس کے اندر کا ننھا اُسامہ جاگ اٹھا تھا جو ہمک کر ماں کی آغوش میں پناہ لینے کے بعد دنیا کے تمام سرد و گرم آلام و مصائب سے بے خبر ہوتا ہے اس کے اندر موجود گزشتہ کئی ماہ سے ڈپریشن شاید اب اپنی حدود سے باہر ہوچکا تھا جسے دور کرنے' خود کو سنبھالنے کے لئے اسے ایسے ہی ممتا بھرے مہربان شفیق وجود کی ضرورت تھی جس کی گود میں سر رکھ کر وہ پرسکون نیند سونا چاہتا تھا۔

''خبردار جو ایک قدم اور آگے بڑھایا تو۔'' وقت کی رفتار جیسے ایک دم تھم گئی تھی۔ فضا بھی جیسے ساکن ہوگئی تھی۔ فوزیہ بیگم کو اپنے دل کی دھڑکنیں بند ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ سامنے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اسد صاحب قہر کی تصویر بنے نیچے اتر رہے تھے۔ ان کی گرجتی ہوئی آواز پر اُسامہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ فوزیہ بیگم کی طرف بڑھتے اس کے قدم ان کے نزدیک پہنچ کر رک گئے تھے۔

''السلام علیکم ڈیڈی۔ آپ کب آئے؟''

''مجھے اپنی ناپاک زبان سے مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ختم ہوگیا آج سے تمہارا اس گھر اور اس گھر کے مکینوں سے رشتہ۔ کاش میں بے اولاد ہی رہتا یا تم جیسی ناہنجار اور بے لگام اولاد پیدا ہوتے ہی مرگئی ہوتی تو آج یوں ہماری ذلت و رسوائی تو نہ ہوتی۔'' اسد صاحب بھرے بادلوں کی طرح پورے زور و شور سے گرج رہے تھے۔ ان کی اونچی آواز سن کر اماں جان کے علاوہ سب اپنے کمروں سے نکل آئے تھے۔ اسد صاحب کو غصے میں دیکھ کر کسی میں آگے بڑھنے کی جرات نہیں تھی۔ اماں جان کے بعد ان کے غصے سے سب ہی ڈرتے تھے۔

''ڈیڈی......''

''میں تمہاری زبان سے کوئی لفظ سننا پسند نہیں کروں گا۔ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو چلے جاؤ یہاں سے۔ خون میں معمولی سی بھی غیرت باقی ہے تو کبھی زندگی میں اس گھر کا رخ نہیں کرنا۔ بہت باپ کے مال پر اور نام پر عیش کرلیا۔ اب محنت مزدوری کرکے کھاؤ گے تو سب لیڈری نکل جائے گی۔'' اسد صاحب گویا آج سارے ہی حساب بے باق کردینا چاہتے تھے۔

''اسد! بہت ہوگیا' بس اب خاموش ہوجاؤ۔ جوان بیٹے سے اس طرح بات کی جاتی ہے۔'' اماں جان جو خاموشی سے اسد صاحب کے خاموش ہونے کا انتظار کررہی تھیں' انہیں حد سے گزرتے دیکھ کر ان سے زیادہ برداشت نہ ہوا تو بول اٹھیں اور اُسامہ کے قریب جاکر کھڑی ہوگئیں۔ ناراض وہ بھی اس سے تھیں۔ ان کے بار بار سمجھانے اور مخالفت کرنے کے باوجود وہ سیاست میں مکمل طور پر انوالو ہوگیا تھا اسے اب ان کی بھی پروا نہیں رہی تھی۔

''جوان بیٹا باپ کا سہارا بنتا ہے۔ بازو ہوتا ہے اس کا مگر اس نے میرے بازو ہی کاٹ دیے ہیں۔ گردن جھکادی ہے میری۔ نہ معلوم کس گناہ کی پاداش میں اس جیسی نافرمان اولاد اللہ نے بطور عذاب مجھ پر نازل کی ہے۔'' ان کا غصہ بتدریج بڑھ رہا تھا۔

''اسد! آپ کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔ اُسامہ نے چوری نہیں کی' ڈاکے نہیں ڈالے۔ کسی فراڈ میں ملوث نہیں ہے۔ سیاست اسے شروع ہی سے پسند ہے اور یہ کوئی بری بات بھی نہیں ہے۔'' کوثر بیگم نے آخرکار ہمت کرکے زبان کھولی۔

''بھابی بیگم آج کل کے دور میں سیاست ان برائیوں سے زیادہ بری ہوگئی ہے۔ آپ اپنے اردگرد دیکھ رہی ہیں۔ کس طرح خاندان تباہ ہورہے ہیں ان جیسے سرپھرے اپنی من مانی کرنے والے جوانوں کی وجہ سے گھر کے گھر تباہ ہورہے ہیں لیکن میں اپنے خاندان کے کسی بھی فرد کو اس کی وجہ سے کسی بھی مشکل میں نہیں دیکھ سکتا اگر اسے اس گھر میں رہنا ہے تو سیاست کو چھوڑنا پڑے گا۔ اب جو اسے زیادہ عزیز ہے' دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرلے۔'' انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ڈیڈی! اگر ہم یونہی اپنی ظاہری شان اور شوکت و خاندان کی ناموس کی خاطر جھوٹ کو سچ' جائز کو ناجائز کہہ کر حقائق سے نگاہیں چرائیں گے تو ملک کو کون بچائے گا۔ جو کچھ مردہ ضمیروں اور ایمان فروشوں کی بددیانتی سے دن بدن کھوکھلا ہوتا جارہا ہے۔ ڈیڈی اگر ملک ہی نہ رہا تو گھر کیسے......''

''مجھے تقریر سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صاف کہو تم سیاست چھوڑو گے یا گھر؟......''

''سوری ڈیڈی۔ یہ ملک میرا گھر ہے اور اس کی کمزور پڑتی دیواروں کو مجھ جیسے بیٹوں کی ضرورت ہے' میں آپ کے حکم پر اس گھر کو تو چھوڑ سکتا ہوں مگر......''

''اُسامہ! میری جان یہ کیا کہہ رہے ہو۔'' فوزیہ بیگم بے تابی سے اس کی طرف بڑھیں۔

''فوزیہ بیگم' اس کی طرف بڑھنے والا دوسرا قدم تمہیں بھی میرے رشتے سے آزاد کردے گا۔'' ان کے یہ الفاظ دھماکے کی طرح سب کے دلوں میں گونج اٹھے تھے۔ فوزیہ بیگم جو اُسامہ کو سینے سے لگانا چاہ رہی تھیں' وہ پتھر کی طرح ساکت ہوگئی تھیں۔ اُسامہ کی طرف ان کے بڑھتے قدم وہیں رہ گئے تھے۔ کسی کو یہ امید نہیں تھی کہ وہ غصے میں اس انتہا کو پہنچ جائیں گے۔ اُسامہ کا چہرہ ضبط سے سرخ ہوگیا تھا اور وہ فوراً ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''اُسامہ بیٹے' بات تو سنو۔'' اماں جان ناراضگی بھول کر اس کی طرف بڑھیں۔

''اماں جان اگر اس نافرمان کو آپ نے روکنے کی کوشش کی تو میں گھر چھوڑ جاؤں گا اور کبھی آپ میری شکل نہ دیکھ سکیں گی۔'' اسد صاحب کا لہجہ بہت مضبوط و صادق تھا۔

''اماں جان! عظیم مقصد حاصل کرنے کے لئے عظیم قربانیاں بھی دینی پڑتی ہیں۔ دعا کیجئے گا میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ بھی ہوسکوں تو اس کی جدوجہد اور تکمیل میں میری جان جائے اللہ حافظ۔'' کہنے کے بعد وہ بہت تیزی سے وہاں سے نکلا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے فوزیہ بیگم کے رونے کی آواز سنی تھی۔ وہ اس لیے بھی تیزی سے وہاں سے نکلا کہ ماں اور اماں جان کے آنسو اس کے فیصلے میں دراڑیں نہ ڈال دیں۔ اس کے اندر طوفان برپا تھا۔ وہ گھر جہاں پہلا قدم رکھتے ہی اس کی ساری تھکن اور افسردگی ہوا بن کر اڑ گئی تھی' اپنا گھر اس نام کی طمانیت و آسودگی نشہ بن کر اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی' اب ان آنکھوں میں شدید جلن ہورہی تھی۔ اسد صاحب کے الفاظ نکیلے پتھروں کی طرح اسے ابھی بھی اپنے جسم میں گھستے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔ اماں' دادی اور تائی کے دکھی حسرت زدہ چہرے اس کے شعور کی نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔ وہ ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح سڑک پر چل رہا تھا۔ ''مجھے آپ کے فیصلے سے اختلاف نہیں ہے ڈیڈی۔ یہ اپنی اپنی سوچ اور احساسات کی بات ہوتی ہے آپ نے بچپن سے ہر آسائش اور بے حساب پیسہ دیکھا اور وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی سوچ اور محنت اس پیسے کو بڑھانے میں لگی رہی آپ نے کبھی اپنے سے نیچے ان طبقوں کو نہیں دیکھا جو سارا دن محنت کرکے صرف ایک وقت کی روٹی اپنے اہل خانہ کو کھلاتے ہیں اور کتنے بے شمار گھر ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں لوگوں کو ایک وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ہر ماہ منشی کے ہاتھ مستحق لوگوں میں راشن اور رقم تقسیم کروانے سے آپ کی ذمے داری ختم نہیں ہوجاتی آپ کو ان بستیوں میں جانا چاہئے جہاں بے روزگاری و افلاس کے باعث جرم پرورش پاتے ہیں جو بڑھ کر ہمارے ملک ہمارے معاشرے کے لئے ناسور بن جاتے ہیں اگر ہمارے مردوں اور نوجوانوں کو باسانی بروقت نوکریاں مل جائیں تو معاشرے سے چوریوں' ڈکیتیوں جیسی لعنت بھی ختم ہو اور ملک بھی ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو مگر آپ اور آپ جیسے لوگوں کی سوچ کبھی اپنی فیملی سے آگے نہیں بڑھتی۔ آپ کے اور میرے خیالات میں بہت تضاد ہے۔''

''صاحب...... چھوٹے صاحب۔''

وہ اپنی سوچوں میں مگن چل رہا تھا کہ ایک جانی پہچانی آواز سن کر اس نے مڑ کر دیکھا' عبدل دوڑتا ہوا اس کے قریب آرہا تھا۔ وہ وہیں رک گیا۔

''صاحب...... جہاں آپ جائیں گے' میں بھی ساتھ چلوں گا۔'' عبدل اس کے قریب آکر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میرے ساتھ۔'' اس کے لب دھیرے سے مسکرائے۔ ''گھر سے نکل جانے کا حکم تو مجھے ملا ہے' تم کیوں چلے آئے؟''

''گھر میں بڑی بیگم صاحبہ نے آپ کی خدمت کے لئے مجھے رکھا تھا۔ جب آپ ہی اس گھر میں نہیں ہوں گے تو میں کیا کروں گا۔ آپ جہاں جائیں' مجھے بھی ساتھ لے چلیں صاحب۔ آپ کے بغیر میں کہیں رہ نہیں پاؤں گا۔'' عبدل روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''یار مرد روتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔ دیکھو میں ابھی تمہیں کہاں لے کر جاؤں۔ میرا مطلب ہے' مجھے خود نہیں معلوم' میں کہاں جاؤں گا۔ تم واپس کوٹھی لوٹ جاؤ۔ میں تو جس کٹھن راستے کا انتخاب کرچکا ہوں اس پر مجھے ابھی تنہا ہی چلنا ہے۔'' اُسامہ عبدل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنائیت سے بولا۔

''نہیں صاحب آپ کے بغیر میں وہاں نہیں رہ پاؤں گا' زندگی میں اپنی ماں کے بعد میں نے صرف آپ سے محبت کی ہے اور زندگی میں آپ سے دور رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ موت ہی آپ سے جدا کرسکتی ہے مجھے۔'' عبدل کے لہجے میں سچائی تھی۔ اس کی آنسو بھری کالی آنکھیں پرامید انداز میں اس کے چہرے پر تھیں۔

''عبدل! مجھے بھی تم سے اتنی ہی محبت ہے۔ تمہارے وجود کا میں بھی عادی ہوچکا ہوں مگر دوست' کچھ مجبوریاں' کچھ فیصلے انسان کو مجبور کردیتے ہیں۔ تم واپس لوٹ جاؤ' مت میری خاطر خود کو مشکل میں ڈالو۔ اچھا اللہ حافظ۔'' وہ اس کا شانہ تھپک کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ عبدل چاہنے کے باوجود اسے پکار نہ سکا۔ وہ خود سے دور ہوتے اُسامہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جو خاندان بھر کا لاڈلا اور چہیتا تھا جس کی خدمت کے لئے ملازمین کی فوج تھی جس کے منہ سے نکلنے والی ہر بات ہر فرمائش فوراً پوری کردی جاتی

تھی۔ اب وہ کسی خزاں زدہ پتے کی طرح ہو گیا تھا۔ کتنی بے اعتماد شکستہ اور تھکن سے چور اس کی چال تھی۔ ’’ہائے میرے صاحب‘ کس کی نظر لگ گئی آپ کو۔‘‘ عبدل بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

✦ ✦ ✦

حسنہ رسم کے لئے بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ نہ معلوم پھوپو نے سچ بولا تھا یا واقعی اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ صالحہ نے اس کے سر کے درد کا سن کر رسم ترک کر دی تھی۔

رات ڈھائی بجے تک وہ مہندی سے فارغ ہوئے تھے۔ میوزک گانے اور ڈانس دونوں طرف سے ہی زبردست کئے گئے تھے۔ گو کہ دلہا والے مختصر تھے مگر جیت انہی کی ہوئی تھی۔ تابندہ کو کچن میں بھیج کر باہر نہ نکلنے کی تاکید رقیہ بیگم کر چکی تھیں۔ وہ ملازمین کے ساتھ وہاں کام میں مصروف رہی۔ مہندی کا پروگرام ختم ہونے کے بعد سب کام سے فارغ ہو کر اسے کچن سے نکلتے ہوئے تین بج گئے تھے۔ وہ باہر آئی تو مہمان قالین پر بے ہوش سو رہے تھے۔ حسنہ کے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک تھا۔ تابندہ کھڑی سوچنے لگی‘ کہاں سوئے۔ سارے مہمانوں کا کمروں پر قبضہ تھا اور جو باقی تھے‘ وہ قالین اور صوفوں پر پڑے سو رہے تھے۔

’’حسنہ کے سر میں درد ہے۔ اسے میں نے نیند کی گولی کھلا دی ہے۔ تم اس کا دروازہ نہ بجانا ڈسٹرب ہو جائے گی۔ ماسی کو میں نے تمہارا بستر لگانے کو کہہ دیا ہے‘ اس کے ساتھ گیلری میں سو جاؤ۔ صبح جلدی اٹھنا۔ بارات کی تیاری بھی کرنی ہے۔‘‘ رقیہ بیگم گیلری کی طرف سے آتے ہوئے بولیں۔ تابندہ خاموشی سے گیلری کی طرف آ گئی جہاں ماسی نے اس کے لئے بستر لگا رکھا تھا اور خود بھی وہیں کونے میں لگے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ تابندہ بستر پر لیٹ گئی۔ اگر شائلہ اسے اس طرح ایک ملازمہ کے ساتھ سوتے ہوئے دیکھ لیتی تو ایک ہنگامہ برپا کر دیتی۔ وہ بہت بولڈ اور حق بات کہنے سے نہ چوکنے والی صاف گو لڑکی تھی۔ وہ شکر کر رہی تھی کہ اچھا ہی ہوا جو وہ اس کے اتنے اصرار کے باوجود یہاں نہیں آئی تھی ورنہ وہ ایک دن بھی نہ تو خود رکتی اور نہ اسے رہنے دیتی۔ رقیہ بیگم کی نفرت کی شدتوں سے وہ یہاں آ کر واقف ہوئی تھی کاش میں آئی نہ ہوتی تو تھوڑی بہت تو ان کی عزت دل میں رہتی مگر مجھے اپنا وعدہ نبھانا تھا۔ اگر میں یہاں نہ آتی تو وہ یہی سمجھتے کہ میں گھر میں بیٹھ کر اپنی ناکام محبت کا سوگ منا رہی ہوں پھر شاید وہ اپنے وعدے کے بھی پابند نہ رہتے لیکن انہیں کیا معلوم میری قربانی‘ انا اور وقار کی برتری کے احساس نے مجھے کن نکیلے کانٹوں پر گھسیٹا ہے۔ اتنی شدت و بیدردی بھرا پھوپو جان کا رویہ اور بڑی پھوپو کی آنکھوں سے نکلتے نفرت کے شراروں نے میرے جسم کو ہی نہیں روح کو بھی گھائل کر دیا ہے۔ میں سرخرو اور بے قصور منوائے جانے کے جنون میں اپنے لئے عذاب مسلسل مانگ چکی ہوں۔

وہ تصور میں فاران سے مخاطب تھی۔ آنسو چپکے چپکے اس کا تکیہ بھگو رہے تھے۔ ماسی لیٹتے ہی سو گئی تھی۔ وہ بھی نہ معلوم کس وقت اپنی سسکیاں دباتے سو گئی۔

صبح سات بجے ماسی کے جگانے پر اس کی آنکھ کھلی۔ وہ اس کے ساتھ ناشتا بنانے میں مصروف ہو گئی۔ ’’ماسی‘ حسنہ کو بیڈ ٹی دے آؤ۔‘‘ تابندہ کپ میں چائے ڈال کر کپ اور ساسر اسے پکڑاتے ہوئے بولی۔ اس کے جانے کے بعد وہ تیزی سے ناشتہ بنانے کا سامان تیار کرنے لگی۔ آٹھ بج رہے تھے‘ سب مہمانوں کے لئے دس بجے تک ناشتہ تیار کرنا ہوتا تھا۔

’’حسنہ بی بی بہت گہری نیند سو رہی ہیں۔ دروازہ نہیں کھولتیں۔ میں نے بہت بجایا ہے۔‘‘ ماسی چائے واپس لاتے ہوئے بولی۔

’’اچھا رہنے دو۔ کچھ دیر بعد دے آنا۔‘‘ تابندہ فریج سے انڈے نکالتے ہوئے بولی۔

’’بیگم صاحبہ! حسنہ بی بی سے بہت محبت کرتی ہیں‘ ان کے کھانے پینے کے معاملے میں معمولی سی کوتاہی برداشت نہیں کرتیں اگر چائے انہیں نہ ملی تو وہ مجھ پر غصہ ہوں گی حالانکہ قصور میرا نہیں ہے جی۔‘‘ ماسی رقیہ بیگم کے غصے سے بہت خوفزدہ تھی۔

’’اچھا میں لے جاتی ہوں‘ تم پریشان نہ ہو۔‘‘ تابندہ دوسرے کپ میں گرم چائے نکالتے ہوئے بولی۔

’’چائے پہنچائی حسنہ کو۔‘‘ رقیہ بیگم نام لیتے ہی حاضر ہوئی تھیں۔

’’ماسی گئی تھی‘ حسنہ سو رہی ہے اب میں چائے لے کر جا رہی ہوں۔‘‘ تابندہ بولی۔

’’ماسی! اس کے لئے بہترین ناشتا تیار کرنا۔ رات سے کچھ نہیں کھایا ہے اس نے سر درد کی وجہ سے۔‘‘ وہ اسے ہدایت دیتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ تابندہ بھی ان کے پیچھے چائے لے کر آ گئی تھی۔ انہوں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ جب تین چار بار مسلسل دستک دینے کے باوجود بھی دروازہ نہیں کھلا تو ان کے چہرے پر تشویشناک سائے لہرانے لگے۔ مہمانوں کے خیال سے دروازہ زور سے بجا بھی نہیں سکتی تھیں۔ انہوں نے چھوٹا سا پرس نکالا اور اس میں سے چابی نکال کر لاک میں گھمائی دروازہ فوراً کھل گیا۔ وہ ہوا کی سی تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ تابندہ بھی ان کے پیچھے اندر آ گئی کمرا خالی تھا رقیہ بیگم باتھ روم کی طرف بڑھیں‘ وہ بھی خالی تھا۔ بیڈ کی چادر بے شکن پڑی ہوئی تھی۔ پورا کمرا جوں کا توں تھا مگر حسنہ غائب تھی۔

’’پھوپو جان! یہ کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔‘‘ تابندہ کی نگاہ دروازے سائز کی دیوار گیر کھڑکی پر پڑی تو وہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔

’’ہائے یہ کیا کیا تو نے حسنہ۔ جیتے جی مار گئی تو ہمیں۔ ارے اب کیا منہ دکھاؤں گی میں آپا کو۔ کیسی رسوائی و ذلت کے سمندر میں ہمیں ڈبو کر چلی گئی۔‘‘ رقیہ بیگم سینہ پکڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ تابندہ کو اپنے پیروں تلے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ حسنہ ایسی تو نہ تھی۔ وہ بہت سلجھی ہوئی‘ سمجھدار با حیا و با کردار لڑکی تھی پھر وہ اس طرح کیوں چلی گئی اور کس کے ساتھ؟ اتنے اہم دن ماں باپ کی عزت کو پامال کر کے۔ ان کی پرورش‘ پیار اور دیکھ بھال کا کیا صلہ دیا تھا اس نے۔ بدنامی کی سیاہی ان کے چہرے پر مل گئی تھی۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا‘ شام کو بارات آنی تھی پھر...... پھر کیا ہوگا۔ تابندہ کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔

✦ ✦ ✦

’’شاہ! اب گھر چلو۔ بہت رات ہو گئی ہے۔‘‘ لائبہ ریسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولی۔

’’بہت رات سے تمہاری کیا مراد ہے‘ آئی مین ’بہت‘‘‘ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

’’گیارہ بج رہے ہیں‘ زیادہ بننے کی کوشش مت کیا کرو۔ چیٹر۔‘‘

’’یہ کراچی ہے‘ کوئی شکارپور تھوڑی ہے جو زیادہ رات ہونے کے خوف سے جلد گھر بھاگا جائے۔ یہ کراچی ہے مائی ڈیئر‘ یہاں رات بھی دن کا سماں لئے ہوتی ہے۔‘‘

’’میں بھی کہیں رہتی ہوں مائی ڈیئر برادر۔ وہ دن گئے‘ جب کراچی روشنیوں کا شہر ہوتا تھا۔ اب تو یہاں ہنگاموں‘ نفرتوں‘ فرقہ پرستی اور تعصب کا اندھیرا پھیلا ہوا ہے سیاستدانوں کے ذاتی مفاد زر پرست رویوں نے انسان کو انسان کا دشمن بنا دیا ہے۔ نفرت ہے‘ مجھے سیاستدانوں سے جنہوں نے ملک کو بربادی کی راہ پر لا کھڑا کیا ہے۔‘‘ لائبہ بیزار لہجے میں بولی۔

’’ہاں۔ تم نے آج کل نفرت کرنے کا ٹھیکہ جو لے رکھا ہے۔‘‘ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی طوبیٰ چہک کر بولی۔ لائبہ اس کے طنز میں چھپے اشارے کو سمجھ گئی تھی مگر شاہ رخ کی وجہ سے خاموش رہی۔

’’کچھ عرصے بعد دیکھنا‘ تمہارا یہ گلہ ختم ہو جائے گا۔ ملک میں ابھی بہت مخلص وطن پرست سیاستداں موجود ہیں اور ابھرتی ہوئی نوجوان قیادت میں اُسامہ کا نام سرفہرست ہے۔ وہ ہے بھی انقلابی سوچ کا بندہ۔‘‘ کار ڈرائیو کرتے ہوئے شاہ بولا۔

’’کرسی حاصل کرنے سے پہلے سب کی سوچ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے ہوتی ہے‘ ملک سے غربت و پسماندگی ختم کرنے کی۔ مہنگائی و بے روزگاری دور کرنے کی۔ غریب عوام کی خدمت کرنے اور غربت دور کرنے کی مگر جب عوام ان وعدوں پر یقین کر کے ان لیڈروں کو ووٹ دے دیتے ہیں تو برسراقتدار آ کر یہی لیڈر سارے وعدے بھلا کر صرف اپنی من مانیاں کرتے ہیں۔ ایک چہرہ اور ہزار روپ رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں یہ۔‘‘

’’شاہ رخ اب کار گھر کی طرف جانے والے راستے کی طرف موڑ ہی لو۔ بارش کسی لمحے بھی تیز ہو سکتی ہے۔‘‘ طوبیٰ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔ آس پاس گرتی ہوئی بوندیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ آسمان پر بادل بہت گہرے تھے۔

’’بارش میں ہی تو لانگ ڈرائیونگ کا مزہ ہے۔ اب تو آرام سے چلیں گے۔‘‘

’’جب عقل بٹ رہی تھی نہ معلوم تم کہاں تھے۔‘‘ طوبیٰ غصے سے بولی۔

’’ارے تمہیں یاد نہیں میں تم کو ڈھونڈنے چلا گیا تھا کہ عقل ختم ہونے سے پہلے تمہیں بلا کر لے آؤں مگر تم لائبہ کو بلانے گئی ہوئی تھیں اور......‘‘

’’مجھے درمیان میں گھسیٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ طوبیٰ ٹھیک کہہ رہی ہے‘ رات کے وقت لانگ ڈرائیونگ اچھی نہیں ہوتی۔‘‘ لائبہ اسے گھور کر بولی۔

’’ہاں...... ہاں دو مرغیوں میں ایک ملا حرام تو ہو ہی جاتا ہے۔ اس کے انداز پر وہ دونوں ہنس پڑیں۔

بارش میں تیزی آ گئی تھی کالی گھٹاؤں کی وجہ سے رات کے اندھیرے میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ سڑک کے کناروں پر لگی اسٹریٹ لائٹس کی روشنیاں مدھم تھیں۔ ٹریفک بھی سڑک پر برائے نام تھی۔ ان دونوں کے احتجاج کے باوجود شاہ رخ کار بہت سلو ڈرائیو کر رہا تھا۔ کار اس نے گلشن کی طرف موڑ دی تھی کہ اچانک روک دی۔

’’کیا ہوا۔‘‘ دونوں ایک ساتھ گھبرا کر بولیں۔

’’وہ سامنے دیکھو کیفے ڈیلکس کے باہر بنچ پر اُسامہ بیٹھا ہوا ہے۔‘‘ شاہ رخ سامنے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ طوبیٰ کے ساتھ اس نے بھی چونک کر دیکھا تھا۔ تیز بارش کا پردہ ان کے آگے حائل تھا یا وہی اسے پہچان نہ پا رہی تھی۔ بڑھی ہوئی شیو بلو جینز اور لائٹ یلو بلیک لائننگ شرٹ میں ملبوس وہ اسے افریقی ہوش لگ رہا تھا۔

’’یہ تو اُسامہ بھائی ہی ہیں مگر یہ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں۔ طوبیٰ حیرانی سے کہہ رہی تھی۔ شاہ تو فوراً ہی دروازہ کھول کر اس کے پاس جا چکا تھا اور اس کے سامنے کھڑا اس سے نہ معلوم کس بات پر بحث کرتا نظر آ رہا تھا۔

’’تمہاری فضول ضد اور انا نے ان کو اس حال پر پہنچا دیا ہے لائبہ۔ تم اب بھی اپنی ضد چھوڑ دو تو۔‘‘

’’پلیز طوبیٰ‘ موڈ خراب مت کرو میرا۔ ہر شخص اپنی تباہی اور سلامتی کا خود ذمے دار ہوتا ہے۔ میں نے کسی کو دھوکا نہیں دیا ہے۔‘‘ لائبہ سنجیدگی سے بولی۔

پندرہ منٹ کے بعد شاہ رخ آیا تو اُسامہ اس کے ساتھ تھا۔

’’السلام علیکم اُسامہ بھائی۔‘‘ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا سیٹ پر بیٹھتے ہی طوبیٰ نے سلام کیا۔

’’وعلیکم السلام ارے تم بھی ہو۔‘‘ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ طوبیٰ کے برابر میں بیٹھی لائبہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی سرخی مزید بڑھ گئی تھی۔ اس کی نگاہیں لمحے بھر کو اس کے گلابی چہرے پر بھٹک گئی تھیں۔

’’کیسی ہیں آپ؟‘‘ وہ خواہش کے باوجود اسے اگنور نہ کر سکا۔

’’فائن۔‘‘ وہ جھکی نگاہوں کے ساتھ آہستہ سے بولی۔

’’اور آپ نے گھر آنا ہی چھوڑ دیا ہے اُسامہ بھائی کتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کو گھر آئے ہوئے۔‘‘ طوبیٰ شکایتی انداز میں بولی۔

’’یہ بڑے آدمی بن گئے ہیں‘ روزانہ اخباروں میں تصویریں نہیں دیکھتی ہو۔ اب ہم جیسے لوگوں کو دینے کے لئے ان کے پاس وقت کہاں ہوگا۔‘‘ کار ڈرائیو کرتے ہوئے شاہ رخ خاصے بگڑے ہوئے موڈ سے بولا۔

’’دوستی ہر مفاد سے بالاتر ہوتی ہے یار۔ وہ بہت کم ظرف اور گھٹیا انسان ہوتا ہے جو ان وقتی سہاروں پر گھمنڈ کر کے انسانیت سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک ان چہروں کا کوئی معیار نہیں ہے‘ اب تم غصہ تھوک دو تو بہتر ہے‘ میں تمہارے ساتھ آ گیا ہوں۔‘‘ وہ مسکرا کر بولا۔

’’آج تم نے میرے اعتماد کو توڑ دیا ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے تم مجھے اتنا عزیز نہیں رکھتے جتنا میں تمہیں اپنے قریب سمجھتا ہوں۔ اگر میری نگاہ تم پر اتفاقاً نہیں پڑ جاتی تو تم یونہی ساری رات یہاں سردی اور بارش میں اسی طرح بیٹھ کر گزار دیتے۔ ٹمپریچر دیکھ رہے ہو اپنا۔‘‘

''خاموش بیٹھو' میں اب کچھ نہیں سنوں گا۔'' وہ اپنی صفائی میں کچھ بولنا چاہتا تھا۔ شاہ رخ نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا پر سارے راستے شاہ رخ اسے باتیں سناتا رہا تھا' وہ شدید غصے میں تھا۔ طوبیٰ درمیان میں اُسامہ کی سائیڈ لیتی رہی تھی۔ شاہ رخ اس سے کتنی شدید محبت کرتا تھا' اس بات کا اندازہ لائبہ کو اب ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' اس کا اپنا گھر ہے پھر وہ رات کیوں باہر لاوارثوں کی طرح گزارتا۔ شاہ رخ انہیں گیٹ کے پاس اتار کر اُسامہ کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ وہ دونوں تقریباً بھاگتی ہوئی برآمدے تک پہنچی تھیں۔ کپڑے پھر بھی ان کے خاصے گیلے ہو گئے تھے۔

طوبیٰ کپڑے بدل کر سو گئی تھی' لائبہ کپڑے بدل کر عشاء کی نماز پڑھنے لگی تھی' نماز کے بعد اس نے اپنے روز کے وظائف پڑھے اور پھر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ پچھلے دو دن سے یہاں آئی ہوئی تھی۔ ماما ڈاکٹر کی ہدایت پر کچھ عرصے کے لئے اسلام آباد گئی ہوئی تھیں۔ افتخار صاحب اور ان کی بیوی ان کے ساتھ تھے۔ لائبہ یونیورسٹی کھلنے کی وجہ سے نہیں جا سکی تھی اس لئے انکل کے کہنے پر یہاں آ گئی تھی۔

دفتر سے آنے کے بعد شاہ رخ روز آنہ تفریح کا پروگرام بنالیتا تھا آج بھی وہ دونوں کو لے کر لانگ ڈرائیونگ پر نکل گیا تھا۔ ڈنر بھی انہوں نے ہوٹل میں کیا تھا۔ لائبہ نے آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ دروازے کو ناک کر کے شاہ رخ اندر آ گیا۔

''مجھے یقین تھا' تم جاگ رہی ہو گی۔ یہ طوبیٰ تو نیند کی دیوانی ہے۔ پلیز' ذرا چائے بنا دو۔ اُسامہ کو بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔ سلائس بھی لے آنا۔'' شاہ رخ اس سے کہہ کر چلا گیا۔ وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے کچن میں آ کر چائے بنانے لگی۔ اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔ فطرتاً وہ بہت حساس مخلص دوسرے کے دکھ درد کو اپنا محسوس کرنے والی لڑکی تھی۔ اُسامہ کے پیام محبت کو اس نے جس بیدردی اور نفرت سے ٹھکرایا تھا بعد میں تنہائی میں اس کے ضمیر نے اسے سخت سرزنش کی تھی مگر وہ اپنی سرکش اور باغی حسرتوں سے ہار گئی تھی۔ بچپن سے اب تک کی اپنی آرزوؤں' تمناؤں' خواہشوں کی ناآسودہ و ترستی ہوئی آہوں کے شور میں اس نے پہلی بار ضمیر کی پکار پر نفس کے تسکین بھرے قہقہوں کو سراہا تھا مگر اس شخص کو دیکھ کر اسے اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اندر ہی اندر ضمیر کی اذیت آمیز سرگوشیاں گونجنے لگی تھیں۔ طوبیٰ کی باتوں سے اسے خوب اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ گھر بھر کا لاڈلا اور بے حد چہیتا ہے۔ چچا' چچیوں اور کزنز کی آنکھوں کا تارا' ماں باپ کا اکلوتا جان سے پیارا بیٹا اور دادی تو گویا اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ خاندان بھر میں وہ ان کے بہت قریب تھا ان کو بہت چاہنے والا اور ان سے اپنی ہر ضد اور جائز و ناجائز بات کو منوانے والا شخص ہے۔ پھر...... پھر کیوں وہ اتنی سردی اور برستی بارش میں لاوارثوں کی طرح بیمار ہو کر باہر بینچ پر بیٹھا تھا پھر شاہ رخ کا اسے اس طرح گھر لانا یہ سب باتیں اسے متجسس کر رہی تھیں۔ اس کے بارے میں سوچیں اس منہ زوری سے اس کے اندر آ رہی تھیں' جس طرح بند دروازے کو دھکیل کر طوفانی ہوائیں داخل ہوتی ہیں۔ وہ اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے چائے فلاسک میں بھری' ہک میں لٹکے ہوئے دو کپ نکال کر ٹرے میں رکھے' سلائس کے ساتھ ساتھ بسکٹ بھی اس نے پلیٹ میں نکال کر رکھ دیے۔ ٹرے میں سب سامان رکھنے کے بعد کچن لاک کرتی ہوئی وہ شاہ رخ کے کمرے میں آ ئی۔ پہلا قدم اندر رکھتے ہوئے وہ نروس ہو رہی تھی۔ سامنے شاہ رخ کے بیڈ پر وہ بے سدھ سا لیٹا ہوا تھا۔ لائبہ نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں' شاہ رخ کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے اُسامہ کی طرف دیکھا' وائٹ کاٹن کے شلوار سوٹ میں اس کا چہرہ بخار کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے بال جس کے اسٹائل پر جامعہ کے اندر اور باہر لڑکیاں سو جان سے فدا تھیں' بے ترتیب پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ صومی اس کی گھنی سیاہ مونچھوں کی دیوانی تھی جو اب مزید گھنی ہو رہی تھیں۔ شیو سے نہ معلوم کتنے عرصے سے بے رخی برتی جا رہی تھی۔ جس نے بڑھتے بڑھتے بے ترتیب داڑھی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ تمہاری فضول ضد اور انا نے ان کو اس حال پر پہنچا دیا ہے لائبہ' نہیں نہیں میری ذات کسی کے لئے تکلیف کا باعث نہیں بن سکتی میں ظالم اور خود غرض نہیں ہوں۔ کچھ گھنٹے قبل کہے گئے طوبیٰ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے تو وہ ہراساں ہو کر خود سے مخاطب ہوئی۔ ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے گھبراہٹ میں کپ اور ساسر آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ اس نے گھبرا کر اُسامہ کی طرف مڑ کر دیکھا' وہ بھی اس معمولی سے شور سے اٹھ گیا تھا اور اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں۔ نہ معلوم کیا تھا ان آنکھوں میں۔ خونِ دل کی سرخی یا جلی ہوئی آرزوؤں کا دھواں' چاہتوں کی تذلیل کا دکھ یا اس کے نفرت انگیز لفظوں کا زہر۔ اف لائبہ نے فوراً چہرہ موڑ لیا' وحشتیں اسے خود پر حملہ آور ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں جن سے بچنے کے لئے اس نے فوراً ہی کمرے سے نکلنے کے لئے قدم بڑھا دیے۔

''کسی سے نفرت اتنی شدید نہیں کرتے کہ کوئی مرنے کی چاہ میں جیئے چلا جائے۔'' اس کی گمبھیر سنجیدہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ اس وقت وہ خود میں حوصلہ نہیں پا رہی تھی اس کا سامنا کرنے کا اس لئے وہ بغیر رکے کمرے سے نکل گئی۔ سخت سردی میں بھی اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک اٹھے تھے۔ پاؤں ایسے خوف سے کانپ رہے تھے' جیسے کسی کا قتل کر کے بھاگ آئی ہو۔

''ارے کیا ہو گیا' خیریت تو ہے۔'' شاہ رخ سامنے انکل کے کمرے کی طرف سے آتے ہوئے بولا۔

''میں چائے رکھ آئی ہوں کمرے میں' اب تم نکال لینا۔'' وہ اس کی حیران نگاہوں سے بچنے کے لئے تیزی سے اپنے اور طوبیٰ کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''رات کو دیر سے نیند آئی تھی۔ صبح فجر کی نماز کے بعد قرآن شریف کی تلاوت اور اشراق کی نماز پڑھ کر جو وہ سوئی تو دس بجے طوبیٰ کے اٹھانے سے اٹھی تھی۔ ناشتہ ان دونوں نے ساتھ کیا تھا۔ ناشتے کے بعد طوبیٰ خانساماں کو دوپہر کے کھانے کا آرڈر دینے لگی پھر شاہ رخ کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ لائبہ کمرے میں آ گئی۔ طوبیٰ کا رویہ عجیب لگ رہا تھا اسے۔ وہ بہت خاموش اور سنجیدہ تھی۔ اس کی آنکھیں بھی روئی روئی لگ رہی تھیں۔ وجہ وہ سمجھ رہی تھی اس لئے خاموش تھی۔

یونیورسٹی بھی ایک ہفتے سے بند تھی۔ ماما پچھلے ہفتے آ گئی تھیں اگر اسے معلوم ہوتا چھٹیاں پڑ جائیں گی تو ساتھ چلی جاتی پھر اس نے جانے کا کہا بھی تو ان دونوں بہن بھائیوں نے جانے نہیں دیا اور اس نے زیادہ اصرار اس لئے بھی نہیں کیا کہ ان دونوں کی سنگت میں ٹائم بہت خوشگوار گزر رہا تھا۔ کیونکہ دونوں چٹکلے باز بے انتہا تھے۔ ہنسی مذاق' نوک جھونک میں اچھا ٹائم گزر رہا تھا مگر اچانک کل رات اس کے آنے کے بعد سے ہی فضا میں بوجھل خاموشی اور ویرانی چھا گئی تھی۔ اس پر اسرار سناٹے سے اس کا دل گھبرا اٹھا تھا۔ بے مقصد اس نے دو تین چکر کمرے میں لگائے مگر کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا کرے پھر وہ گلاس ڈور کھول کر کھڑی ہو گئی۔ باہر لان میں بارش سے پھول اور پتے دھل کر نکھر گئے تھے۔ ہرے ہرے پتوں کے درمیان کھلے ہوئے نیلے پیلے جامنی سفید و سرخ پھول دلکش لگ رہے تھے۔ آسمان پر ابھی بھی گہرا ابر موجود تھا۔ ہوا کے سرد جھونکے اس کے چہرے سے ٹکرا رہے تھے اور اس کا گلابی چہرہ سردی سے سرخ ہو رہا تھا مگر وہ بے نیازی سے سامنے دیوار سے لپٹی بوگن ویلیا میں کھلے اور نخ پھولوں پر نگاہیں جمائے مجسمے کی طرح کھڑی تھی۔ احساسات پر انجانا بوجھ پڑا تھا۔ کسی سے نفرت اتنی شدید نہیں کرتے کہ کوئی مرنے کی چاہ میں جیئے چلا جائے' پُرسوز سرگوشی اس کے اندر گونجی تھی اور اس کے ضمیر کو اندر تک گھائل کر گئی تھی۔ میں منافقت پسند نہیں ہوں اور نہ ہی عشق محبت جیسی فرسودہ کہانی پر یقین ہے مجھے۔ مجھے مرد ذات پر بالکل یقین نہیں ہے' مجھے اس سے متعلق' اس سے وابستہ ہر رشتے سے نفرت ہے۔ اپنی ذات کے گھمنڈ میں مست' احساس برتری کے نشے میں چور مردوں سے نفرت ہے مجھے۔ تمہیں جو کچھ ہوا ہے یا جو کچھ تم کر رہے ہو اس سب کے ذمے دار تم ہو تم' خود تنہا! میں نے تمہیں اپنے حسن و ادا کے جال میں نہیں پھنسایا نہ تمہاری رہنمائی یا حوصلہ افزائی کی پھر طوبیٰ کیوں مجھے الزام دیتی ہے اور رات سے میرا ضمیر کیوں مجھے کچوکے لگا رہا ہے۔ میں جو محبت کی بارش کے لئے صدیوں سے ترستی دھرتی کی طرح ہوں' میرا پیاس کی شدت سے مرجھایا ہوا وجود بھلا کس طرح تم کو سیراب کر سکتا ہے اور تم سے نفرت شدید نفرت کی وجہ یہ ہے کہ تم......

''کیا سوچ رہی ہو۔ سردی نہیں لگ رہی ہے تمہیں۔'' طوبیٰ اس کے شانوں پر گرم شال ڈالتے ہوئے بولی۔ وہ اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی کہ طوبیٰ کی کمرے میں آمد کو محسوس ہی نہ کر سکی تھی۔ وہ شال لپیٹتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئی۔ طوبیٰ خاموشی سے شیلف میں رکھی کتابوں کی ترتیب درست کرنے لگی۔

''طوبیٰ تم اتنی خاموش کیوں ہو۔ کیا بات ہے۔'' وہ زیادہ دیر اس کی خاموشی برداشت نہیں کر سکی۔

''تم کیا کرو گی جان کر۔ میری پریشانی ان کے لئے ہے جن سے تم شدید نفرت کرتی ہو۔''

''ہماری دوستی کے درمیان کسی تیسرے فرد کی گنجائش نہیں ہے طوبیٰ۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''وہ تیسرا فرد کوئی غیر نہیں' میرا بھائی ہے۔ مجھے خود سے زیادہ عزیز ہیں وہ۔ شاہ رخ سے زیادہ چاہتے ہیں وہ مجھے۔ نہ معلوم کون سی نحوست ان سے چمٹ گئی جس نے پہلے ان کو خود سے بیگانہ کیا اور اب ان کا گھر' ان کی مما ڈیڈی' دادی سب ان سے دور ہو گئے اگر کل شاہ رخ کی نگاہ ان پر نہ پڑ جاتی تو ساری رات بارش اور سردی میں وہ اسی طرح بیٹھے رہتے اور......'' طوبیٰ بے اختیار دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''تم یہ سمجھتی ہو۔ انہیں اس مقام پر لانے میں میرا ہاتھ ہے تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ بار بار لفظوں کو دہرانا مجھے پسند نہیں ہے۔ میں سمجھتی ہوں' ہماری دوستی کی پائیداری میں شگاف پڑ چکے ہیں' اس کے گرنے سے قبل ہمیں ایک دوسرے کو چھوڑ دینا چاہئے۔'' لائبہ نے مشکل سے اپنے آنسو ضبط کئے تھے۔ آواز اس کی بھیگی ہوئی تھی۔

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ تم مجھ سے دوستی ختم کر رہی ہو۔'' طوبیٰ بھیگا چہرہ اٹھا کر اس سے پریشان لہجے میں بولی۔

''ہاں' مجھے یہ احساس اذیت دیتا رہے گا کہ تم مجھے اور میرے منحوس وجود کو نہ چاہنے کے باوجود برداشت کر رہی ہو اور میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ میں کسی پر زبردستی مسلط رہوں۔'' لائبہ اپنے کپڑے بیگ میں رکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

''لائبہ' لائبہ۔ پلیز' میرا یہ مقصد نہیں تھا' میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔''

''میں فیصلے بہت کم کرتی ہوں مگر جب کرتی ہوں تو اٹل فیصلہ ہوتا ہے میرا۔''

''تم وہاں تنہا کیسے رہو گی۔ ماما بھی اسلام آباد گئی ہوئی ہیں۔'' طوبیٰ اس کی ضدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔ اپنی جذباتیت پر اسے شدید غصہ آ رہا تھا۔

''تمہیں میری تنہائی کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تنہائی میرا نصیب ہے اور گھر میں نوکر موجود ہیں۔ ویسے بھی ماما آج کل میں آنے والی ہیں' او کے۔'' وہ شال درست کرتے ہوئے بیگ اٹھا کر بولی۔

''نہیں میں تمہیں نہیں جانے دوں گی' میں ابھی شاہ کو بلاتی ہوں۔''

''نام لیا اور شاہ حاضر ہے۔'' اسی دم شاہ رخ مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور لائبہ کو بیگ لئے تیار دیکھ کر حیرانی سے اس کے قریب آ کر بولا۔

''یہ تم کہاں جا رہی ہو بھئی؟''

''گھر جا رہی ہوں' ماما کے آنے سے پہلے ان کے روم کی سٹنگ بدلنا چاہتی ہوں۔''

''شاہ اسے روک لو' میری بات نہیں مان رہی یہ۔'' طوبیٰ جلدی سے بولی۔

''تم آنٹی کے ساتھ ہی جانا' میں یہی بتانے آیا تھا۔ شام کو تینوں آ رہے ہیں۔ ابھی کچھ دیر قبل ڈیڈی کا فون آیا تھا۔ طوبیٰ ذرا کافی تو بناؤ۔ بہترین سی۔'' وہ لائبہ کے بعد طوبیٰ سے مخاطب ہوا اور طوبیٰ مطمئن انداز میں وہاں سے نکل گئی۔ اسے معلوم تھا شاہ رخ اسے ہرگز جانے نہیں دے گا۔

''تم نے یہ کیسے سوچ لیا' میں تمہیں تنہا وہاں رہنے کی اجازت دے دوں گا۔'' وہ لائبہ سے مخاطب ہوا۔

''میں وہاں تنہا نہیں ہوں گی۔ وہاں ملازم بھی تو ہیں۔'' لائبہ اسے قائل کرنا چاہتی تھی۔

''اسٹوپڈ سسٹر آج کل کسی پر بھروسا کرنے کا وقت نہیں ہے اور خاص طور پر ملازمین پر......''

''ہاں آج کل کوئی لائق اعتبار نہیں ہے' وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

''چلو آؤ میرے روم میں' طوبیٰ وہیں کافی لے آئے گی۔'' اس کے انکار کے باوجود اسے زبردستی اپنے کمرے میں لے آیا' وہاں ہیٹر آن تھا جس کے باعث کمرا گرم ہو رہا تھا۔ کھلے دروازے سے باہر ریلنگ پر جھکا اُسامہ سگریٹ پینے میں مشغول تھا۔

''یار کیوں اپنی زندگی کو اس دھوئیں میں اڑا رہے ہو۔''

''اگر تم اتنی اسپیڈ سے سگریٹ پیتے رہے تو مجھے افسوس ہے' جس عزم و جذبے کی خاطر تم نے گھر سے ناتا توڑنا پسند کر لیا ہے تو سب تمہارے ساتھ مٹی میں دفن ہو جائیں گے۔ کیوں اپنی جان کے دشمن بنے ہوئے ہو تم۔'' شاہ رخ اس سے فہمائشی لہجے میں بولا۔

''موت کا ایک دن متعین ہوتا ہے یار۔ جب اسے آنا ہوتا ہے تو اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں آ سکتی اور مجھ جیسے ڈھیٹ انسان کے پاس تو اتنی آسانی سے نہیں

آسکتی۔''وہ سگریٹ نیچے پھینک کر مسکراتا ہوا اس سے بولا۔

''ہاں تم نے تو آبِ حیات پی رکھا ہے' قیامت کے بوریئے سمیٹنے کے لئے جو زندہ رہو گے۔''

اس کی مسکراہٹ اسے جلا گئی تھی' وہ جھلا کر بولا۔

''اب مجھے اجازت دو۔ میں جاؤں گا۔'' وہ اندر آ کر بولا پھر شاہ کے ساتھ بیٹھی لائبہ پر اس کی نگاہ پڑی تو وہ ایک لمحے کو وہیں رک گیا تھا۔

''بخار اترتے ہی تمہیں جانے کی لگ گئی۔ ساری رات تمہارے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ کر میری کمر اکڑ گئی' اس کا احساس نہیں ہے تمہیں۔'' شاہ رخ لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر بولا۔

''احساسات محسوس کئے جاتے ہیں' جتائے نہیں جاتے۔ اپنی نیکی کو اس طرح ضائع مت کرو۔'' وہ اطمینان سے چیئر پر بیٹھ کر بولا۔

''سیاست دانوں کو آتا ہی کیا ہے یہ میٹھے جملے بولنے کے علاوہ۔ شاہ رخ نے اسے چھیڑا۔

''اماں جان فرماتی ہیں اگر کسی کو گڑ نہ دو تو گڑ جیسی میٹھی بات ہی کہہ دو۔'' وہ بھی موڈ میں تھا' اسے دوبدو جواب دیتا ہوا بولا۔

''اور یہ مثال ہمارے سیاستدانوں پر بالکل فٹ بیٹھتی ہے' وہ عوام کو سہانے مستقبل کے خواب دکھاتے ہیں جن کی بھیانک تعبیریں ہوتی ہیں اور جو بیٹھے بیٹھے عہد وہ لوگوں سے کرتے ہیں' وہ ان سے تو کیا ان کی آئندہ نسلوں سے بھی پورے نہیں کئے جاتے۔ تم چھوڑ دو اس لائن کو انکل کا موقف بالکل درست ہے نقار خانے میں طوطی کی آواز کوئی نہیں سنتا۔ ہماری ملکی سیاست پر ہمیشہ سے ان مخصوص لوگوں کا قبضہ رہا ہے جو پاکستان بننے کے خلاف تھے اور جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو انہی لوگوں نے مختلف ماسک چہروں پر چڑھا کر اس کے اقتدار کی رسیاں انہوں نے تھام لیں اور اپنے سازشی ذہنوں کے ذریعے اس زمین کی تقسیم غیر منصفانہ کی پھر ان حصوں کو لسانی نام دے کر ہمیشہ کے لئے لسانی فسادات کی بنیادیں رکھ دی گئیں اور جب سے اب تک جب بھی انہیں اپنی بقا کی جنگ لڑنی ہوتی ہے تو اپنے مفاد کے لئے یہ لوگ بہت خوبی اور سہولت سے لسانی فسادات کروا دیتے ہیں۔ معصوم اور ناسمجھ' جذبات میں ڈوبے ہوئے لوگ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہا دیتے ہیں۔ انسانیت خور مگرمچھوں کے اس سمندر میں تم تنہا خود کو کھو بیٹھو گے۔'' شاہ رخ نے اسے سمجھانے کی بھرپور سعی کی تھی۔

''باطل کتنا ہی شر انگیز و غاصب کیوں نہ ہو' حق کے سامنے اس کی ساری شیطنت و خباثت دم توڑ دیتی ہے۔ بہادری و جرات' پرعزم حوصلوں اور خلوص نیت کے آگے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں' شاہ رخ! اور میں تو اپنی ساری کشتیاں جلا کر آیا ہوں۔''

''تمہیں سمجھانے سے بہتر ہے انسان بھینس کے آگے بین بجائے۔ لائبہ' تمہارا کیا خیال ہے۔ تم بھی کچھ مشورہ دو' آج کل کے حالات کے بارے میں۔'' شاہ رخ خاموش بیٹھی لائبہ سے مخاطب ہوا۔

''میرا دل کرتا ہے' سب کو شوٹ کر دوں۔ جن کی وجہ سے ملک تباہ ہو رہا ہے۔'' لائبہ تڑخ کر بولی۔ اُسامہ نے اس کی طرف دیکھا۔

پرپل جارجٹ کے پرنٹڈ شلوار سوٹ پر آف وائٹ کشمیری شال اوڑھے وہ کچھ مضطرب سی تھی۔ دلکش چہرے پر سرخی سی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اسے اپنے اندر دراڑیں پڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اپنے سرکش جذبوں کی سرکشی سے وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں جا رہا ہوں شاہ رخ' دیر ہو رہی ہے۔''

''ڈر گئے' لائبہ کے ارادوں سے۔ بیٹھو یار! تم ان لوگوں میں شامل نہیں ہو۔''

''یہ جمہوری ملک کی آزاد شہری ہیں۔ انہیں آزادی اظہار و رائے کا مکمل اختیار حاصل ہے اور اس اختیار کو کوئی بھی مسترد نہیں کر سکتا۔'' وہ تحمل سے بولا۔

''میں کافی بھجواتی ہوں۔ طوبیٰ نے بہت دیر کر دی۔'' لائبہ بہانے سے اٹھ گئی۔ ان دونوں کے درمیان ہوتی بحث میں وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

''اب تم نے جانے کی ٹھان ہی لی ہے تو میں چاہنے کے باوجود تمہیں روک نہیں سکوں گا۔''

''اگر ان حالات میں میں یہاں رک گیا تو بات چھپ نہیں سکتی اور پھر الزام انکل پر آئے گا کہ ان کی بیک پر میں نے یہ سب کیا ہے۔ انکل بے قصور ہوتے ہوئے بھی اور زیادہ نفرتوں میں گھر جائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتا۔''

''بہانہ تو تمہارا درست ہے مگر مضبوط نہیں۔ جانتا ہوں تمہاری خوددار طبیعت کو مگر پھر کہاں رہو گے۔'' شاہ رخ اس کے لئے پریشان و فکرمند تھا۔

''تم فکر مت کرو۔ میں جہاں رہوں گا بالکل ٹھیک رہوں گا۔''

✦✦✦

کیسے کٹیں وہ ہجر کی راتیں
گزری ساعتوں کی بات نہ کر
گر ملنا ہے تو بڑھ آؤ
اب روٹھنے کی بات نہ کر

کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے جیسے ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ حسنہ کا یوں رات کی تاریکی میں خاموشی سے گھر سے چلے جانا جہاں پھوپو جان اور ان کی فیملی کے لئے نہایت رسوائی و ذلت کا سبب تھا' وہیں صالحہ پھوپو کے لئے بھی بدنامی کا باعث تھا۔ وہ اپنے ساتھ لائے ہوئے معزز مہمانوں کے آگے کس منہ سے جائیں گی۔ کیا بتائیں گی انہیں کہ ان کی ہونے والی بہو رات کو اس نائم بھاگ گئی' جب سب مہندی کے ہنگامے میں مست تھے اور وہ سر درد کے بہانے سے اندر سے کمرا لاک کر کے کھڑکی کے ذریعے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔

''پھوپو جان نے تمہارا حق مارنا چاہا تھا نا۔ دیکھو اللہ میاں نے کیسی انہیں رسوائی دی ہے۔ تم مان جاؤ تابندہ' فاران بھائی کی محبت سچی تھی۔ جب ہی تو انہوں نے تم کو کھوتے کھوتے بھی پا لیا ہے۔ اب تم اپنی ضد چھوڑ دو۔'' شمائلہ تابندہ سے التجائیہ لہجے میں بولی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔ وہ کمرے میں پلنگ پر بیٹھی مسلسل روئے جا رہی تھی۔ حسنہ کے فرار کی خبر مہمانوں سے چھپائی گئی تھی اور دونوں گھروں کے بزرگ بند کمرے میں خفیہ میٹنگ میں مصروف ہو گئے تھے۔ رقیہ بیگم نے اسے حسنہ کے کمرے میں بیٹھا رہنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ لاک لگا کر اندر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا دل و دماغ بے قابو تھا۔ حسنہ سے اتنے گرے ہوئے رویے کی توقع تو اسے ہرگز بھی نہ تھی۔ وہ کیوں گئی۔ کس کے ساتھ اور کہاں گئی۔ یہی سوال اسے الجھا رہے تھے۔

دو گھنٹے بعد خورشید بی بی اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ ساتھ ان کے صالحہ بیگم' رقیہ بیگم بھی تھیں۔ وہ اپنی امی کو اچانک دیکھ کر پریشان ہوئی تھی کہ صالحہ پھوپو نے اسے بدحواس کر ڈالا تھا۔

''تابندہ! ہمیں افسوس ہے کہ ہم دونوں بہنوں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے' بہت دل دکھایا ہے تمہارا۔ جس کی سزا ہمیں مل گئی ہے۔ بیٹی اب ہماری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ شام کو نکاح اور رخصتی ہے۔ حسنہ ہمارا منہ کالا کر کے چلی گئی ہے۔ گھر مہمانوں اور رشتے داروں سے بھرا ہوا ہے۔ بارات میں تمہارے خالو کے رشتے دار بھی ہیں۔ جو بہت اعلیٰ اسٹیٹس سے تعلق رکھتے ہیں۔ بارات اگر ایسے ہی واپس جائے گی تو سوچو ہماری کتنی بدنامی ہو گی کہ میرے میکے والے ایسے گھٹیا لوگ ہیں۔''

''مجھے معاف کر دو تابندہ' آپا جان کو بھی میں نے ہی بہکایا تھا۔ مجھے معلوم تھا' تم بہت معصوم اور باحیا و باکردار لڑکی ہو مگر اس وقت میں خود غرض بن گئی تھی۔ حسنہ کی محبت میں' میں اپنے رب کو بھول گئی تھی۔ وہ جلیل و قدیر رب مکر و فریب کو پسند نہیں کرتا۔ وہ نہ خود ناانصافی کرتا ہے اور نہ ہونے دیتا ہے۔ ظالموں اور جھوٹے لوگوں کے لئے سخت عذاب ہیں اور دیکھو ایک عذاب تو مجھ پر دنیا میں ہی مسلط ہو گیا ہے۔ تم پر لگائے گئے تمام الزام اور ساری تہمتیں میری بیٹی کے گناہ بن کر مجھ سے لپٹ گئے ہیں۔ میں نے تمہارے سہرے کے لئے کھلنے والے پھول نوچ کر اپنی بیٹی کی سیج سجانی چاہی تھی۔ اب وہی پھول رسوائی کے کانٹے اور ذلت کے انگارے بن کر میرے جسم میں پھیل گئے ہیں۔ مجھے معاف کر دو تابندہ' مجھے معاف کر دو۔'' وہ روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر تابندہ سے بولیں۔

''خدا کے لئے پھوپو جان' آپ اس طرح مجھے گناہ گار نہ کریں۔ آپ نے جو کچھ کیا' مجھے اس پر اب کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ آج جو کچھ ہوا' خدا گواہ ہے۔ اس میں میری کسی بددعا کا اثر نہیں ہے۔ کیونکہ امی نے بچپن سے ہمیں ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالی ہے۔ جو میرے ساتھ ہوا' اس میں میرے نصیب کا دخل تھا' کسی کا کوئی قصور نہیں تھا۔'' تابندہ ان کے جڑے ہوئے ہاتھ تھام کر بولی۔ وہ ایک دم ہی برسوں کی بیمار لگنے لگی تھیں۔

''تم نے مجھے معاف کر دیا ہے نا تو میری بیٹی بن کر فاران سے شادی کر لو۔'' انہوں نے گویا دھماکا کیا تھا۔ تابندہ کو اپنا وجود تنکوں کی مانند بکھرتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے چکراتے ہوئے سر کو پکڑ لیا۔

''نہیں' میں شادی نہیں کروں گی۔'' وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

''بھابی! آپ ہی اسے سمجھایئے۔ فاران تو فوراً ہی واپس جا رہا تھا۔ بہت مشکلوں سے اسے روکا ہے۔ اب اس کی یہی خواہش ہے کہ تابندہ ہی اس کی بیوی بنے گی ورنہ وہ ہمیشہ کے لئے یہ ملک چھوڑ دے گا اور میں جانتی ہوں' وہ زبان کا کتنا پکا ہے۔'' صالحہ بیگم خورشید بی بی سے منت بھرے لہجے میں بولیں۔

''میں اسے کیا سمجھاؤں۔ میری خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ شام ہونے میں کچھ ہی دیر باقی ہے۔ یہ سب کس طرح ہو گا۔'' خورشید بی بی اس نئی افتاد پر پریشان اور بوکھلائی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے سمجھانے کے باوجود تابندہ راضی نہیں ہوئی تھی۔ رقیہ بیگم نے ان دونوں کو ڈرائیور کے ساتھ گھر پہنچا دیا تھا۔ ان کے کمرے میں بند موجودگی کے باعث مہمان چونکنا شروع ہو گئے تھے اور وہ کسی طرح بھی بات کو باہر پھیلانا نہیں چاہ رہی تھیں۔

صالحہ بیگم کو ان کے شوہر کے ہمراہ خورشید بی بی کے گھر روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ کسی بھی طریقے سے تابندہ کو راضی کر سکیں۔ تابندہ جب سے آئی تھی کمرے میں آ کر روئے جا رہی تھی۔ شمائلہ اسے سمجھا رہی تھی۔ حسنہ کی خود غرضی کے باعث سب کی طرح اس کا دل بھی دکھ سے بھر گیا تھا۔ اب تابندہ اور فاران کا ملن ہو رہا تھا تو اسے بھی وہ مسرت نہیں ہو رہی تھی جس ملن کے لئے اس نے وظیفے کئے تھے' دعائیں مانگی تھیں۔ تابندہ الگ پریشان تھی۔ اسے سب ہی سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے۔ میں نے یہ نہیں چاہا تھا۔ پھوپو کے لئے میں نے کوئی بددعا نہیں کی تھی۔ صدق دل کے ساتھ میں نے ان کا ملن چاہا تھا۔'' اس کی ایک ہی رٹ تھی۔

''تمہاری پھوپو کی حالت دیکھ کر میرے دل میں موجود ان کے لئے نفرت ختم ہو گئی ہے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ دوسرے کے آنچل کو آگ لگانے والے لوگ اپنا دامن نہیں بچا سکتے'' تابندہ!'' اس آواز پر دونوں بہنوں نے سر اٹھا کر دیکھا اور فوراً کھڑی ہو گئیں۔

''ابو آپ!'' تابندہ حیرانی سے سامنے کھڑے اجمل صاحب کو دیکھا۔ جو بہت خاموشی سے کمرے میں آ گئے تھے۔

''ہاں بیٹا' میں بہت گناہ گار انسان ہوں اور شاید بہت برا باپ بھی وقت تھوڑا ہے اور میرے پچھتاوے بہت زیادہ۔ ساری عمر میں نے تم لوگوں کو دکھ دیئے۔ محرومیاں دیں اور پریشانیاں اپنی کوتاہیوں کا احساس مجھے اب ہوا ہے اور میں شرم کے مارے تم لوگوں سے چھپ کر اپنی کوٹھری میں بند رہتا ہوں اور رات دن اپنے مرنے کی دعائیں مانگتا ہوں۔''

''ابو! خدا کے لئے ایسے مت بولیں۔ خدا آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔'' تابندہ تڑپ کر بے اختیار ان کے سینے سے لگ گئی۔ زندگی میں پہلی بار باپ کا شفقت بھرا سینہ اسے نصیب ہوا تھا۔ جس سے سر ٹکا کر وہ شدت سے رو دی تھی۔ شمائلہ بھی ان سے لپٹ گئی تھی۔ اجمل صاحب کی آنکھوں سے بھی خاموش آنسو بہہ رہے تھے' کتنے بدنصیب باپ تھے وہ جو بیٹیوں جیسی ٹھنڈی چھاؤں سے دور تپتے صحراؤں میں زندگی گزارتے آئے تھے۔ اور پچھتاوؤں کے ناگ انہیں ڈستے رہتے تھے۔

''میں بدنصیب باپ تمہیں ساری زندگی سوائے دکھوں کے اور کچھ نہ دے سکا مگر بیٹا' آج مجھ فقیر سے بھی کچھ مانگا گیا ہے۔ میں اپنی پشیمانیوں کے باعث یہ اختیار تو نہیں رکھتا کہ تمہیں حکم دوں مگر بیٹی' میں تم سے التجا کرتا ہوں' میری بات مان کر میرا سر فخر سے بلند کر دو کہ میں ایک سعادت مند اور فرمانبردار بیٹی کا باپ ہوں۔ صالحہ کے بیٹے سے شادی کر لو۔ بیٹا' یہ اس کا ہی نہیں اپنے بھی خاندان کی عزت اور وقار کا سوال ہے۔ تمہارا باپ تم سے بھیک مانگ رہا ہے بیٹا۔ اپنے باپ کی اپنے خاندان میں لاج

رکھ لو۔‘‘

’’ابو! بیٹیاں تو ہمیشہ سے ہی باپ کی آن پر قربان ہوتی آئی ہیں۔ میں کبھی آپ کا سر جھکنے نہیں دوں گی۔ مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔‘‘ تابندہ نے روتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔ دروازے کے باہر کھڑے صالحہ بیگم‘ ان کے شوہر اور خورشید بی بی کے بھیگے چہروں پر اطمینان کی سرخی دوڑ گئی۔

✦ ✦ ✦

براؤن پینٹ‘ براؤن بلو شرٹ پر کاٹن جیکٹ پہنے اُسامہ کھڑکی میں کھڑا چاند کو تک رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر یادوں کی پرچھائیاں بکھری ہوئی تھیں۔ رستم زمان اسے ساتھ لے آئے تھے اور زبردستی انہوں نے اس کی شیو ہوائی‘ بال درست کروائے‘ وہ ڈریس چینج کر کے ان کے سامنے آیا تو پہلے سے زیادہ وجیہہ لگا تھا انہیں۔ جس کا اظہار برملا کیا انہوں نے۔ سارا دن مختلف جلسوں میں ان کے ساتھ گزرا پھر فارغ ہونے کے بعد وہ اسے گھر لے آئے تھے۔ اس کے انکار کے باوجود انہوں نے اسے رات کھانے کے بعد جانے ہی نہ دیا۔ ان کے خلوص و محبت کے آگے وہ ہمیشہ ہی مجبور ہو جاتا تھا سو آج بھی وہ یہ سوچ کر رک گیا کہ صبح ہی چلا جائے گا اور آئندہ وہ ایسا موقع ہی نہ دے گا۔

رستم زمان ارجنٹ کال پر کہیں گئے تھے اور وہ ملازم کے ساتھ اس کمرے میں آ گیا تھا جو اس کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ شوز اتار کر اس نے سائیڈ پر رکھے اور قالین پر چلتا ہوا بیڈ پر جانے کے بجائے کھڑکی کھول کر کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں کے آگے بہت سارے چہرے گھوم رہے تھے۔ وہ پیارے اور شفیق چہرے ممتا و پیار کے نور سے چمکتے ہوئے بے مثال چہرے۔ اس کی نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔ اس کے اندر بے چینی و اضطراب بڑھ رہا تھا۔ پھر ان چہروں میں ایک چہرہ بہت واضح ہوتا گیا۔ اس کے اندر آگ بھڑکنے لگی اور اس کے شعلے بلند ہوتے گئے۔ اس نے وحشت زدہ ہو کر جیکٹ سے لائٹر اور سگریٹ نکالی اور اس کے ذریعے اپنے اندر لگی آگ کا دھواں باہر نکالنے لگا۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں‘ شدید ترین نفرت۔ اسے لگا‘ سامنے چمکتے چاند میں اس کا عکس ابھر آیا ہو‘ اگر آپ کو میری نفرت کا اندازہ ہو جائے تو آپ زندہ رہنا چھوڑ دیں گے۔‘‘ چاند کے عکس میں سے جیسے گلابی ہونٹوں نے زہر اگلا اور اس کا رواں رواں دھڑ دھڑ جلنے لگا۔ کاش‘ کاش مجھے تم سے محبت نہ ہوتی تو میں تمہیں بتا سکتا۔

’’کیا چاند میں اس کا چہرہ نظر آ رہا ہے۔‘‘ وہ وحشتوں کے صحراؤں میں بھٹکنے ہی والا تھا کہ اپنے شانے پر رکھے ہاتھ اور لہجے کی مٹھاس پر مڑ کر دیکھا۔ وائٹ کھلے گلے کی نائٹی میں فل میک اپ اور خوشبوؤں میں بسی وہ ایمان متزلزل کر دینے والی ساحرہ واقعی ساحرہ لگ رہی تھی۔ اس کا ہوشربا حسن مخاطب کے ہوش خطا کر دینے والا تھا۔ اُسامہ نے اس کا گرم ہاتھ اپنے شانے سے ہٹایا اور خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

’’کیا وہ بہت زیادہ حسین ہے۔ مجھ سے بھی زیادہ۔‘‘ وہ اٹھلاتی ہوئی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

’’میڈم! میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں اپنی ذاتیات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ آپ یہاں کیوں آئی ہیں‘ اپنے روم میں جایئے۔‘‘ وہ کھڑے ہوتے ہوئے اکھڑ لہجے میں بولا۔

’’ریئلی! بڑی بدنصیب ہے وہ لڑکی جس نے تم جیسے ہیرے کی قدر نہیں کی۔ دفع کرو اسے تم سے عشق کرنے کے لئے میں بہت زیادہ بے قرار ہوں۔ جس دن سے تمہیں دیکھا ہے‘ پاگل ہو گئی ہوں میں۔‘‘

’’اگر مجھے رستم صاحب کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کو شوٹ کر دیتا۔ شرم نہیں آتی آپ کو۔ شوہر کی عزت کا بالکل خیال نہیں ہے آپ کو۔ اتنے باوفا‘ جاں نثار شوہر کو دھوکا دے کر مجھے بہکانے کی کوشش کر رہی ہیں آپ۔‘‘ اُسامہ کا غصے سے برا حال تھا۔

’’یہ عمر ہی بہکنے کی ہوتی ہے ڈیئر۔ یقین کرو ایک عورت کے دکھ کو ایک عورت ہی بھلا سکتی ہے۔ تم میرے نزدیک آ جاؤ تمہاری ساری افسردگی دور کر دوں گی۔ نہ معلوم کیسی لڑکی تھی وہ۔‘‘ ساحرہ بہت دل آویز لہجے میں کہتی ہوئی اس کے نزدیک آ گئی۔

’’وہ جیسی بھی ہے کم از کم تمہاری طرح گھٹیا‘ بے غیرت اور بے حیا نہیں ہے۔ بند کرو اپنی بے حیائی کا تماشا۔‘‘

’’ہا...... ہا...... تم نے قبول تو کیا تمہیں توڑنے والی کوئی لڑکی ہی ہے۔ قسم سے حسد ہونے لگا ہے مجھے اس سے۔ وہ تمہارے پاس نہ ہوتے ہوئے بھی تمہارے دل میں موجود ہے اور میں قریب ہونے کے باوجود تمہیں چھو نہیں سکتی۔ آہ کتنی بدنصیب ہوں میں مگر......‘‘

’’آپ جاتی ہیں یہاں سے یا میں رستم صاحب کو بلا کر آپ کی وفاداری کا ثبوت دکھاؤں۔‘‘

’’ہا...... ہا...... جاناں‘ وہ بڈھا آج گھر نہیں آئے گا۔ اس کا فون آ چکا ہے۔ اب یہ رات ہماری ہے۔ میری اور تمہاری۔ آؤ سب بھول جاؤ۔ میری طرف دیکھو‘ مجھ میں کیا کمی ہے۔ خوبصورت ہوں‘ جوان ہوں ایک دفعہ صرف ایک دفعہ میرے نزدیک آ جاؤ۔ سارے غم بھلا دوں گی۔ پلیز اُسامہ کم آن۔‘‘ وہ جذباتی انداز میں اس سے لپٹتے ہوئے بولی۔ اُسامہ نے اس کے بال پکڑ کر اسے خود سے دور پھینکا۔ دوسرے لمحے وہ زخمی ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی اٹھ گئی تھی۔

’’قبل اس کے کہ میں تمہارا خون کر دوں‘ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔‘‘ وہ اپنے شعلے اگلتی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہوا دھاڑا۔

’’میرا نام بھی ساحرہ ہے۔ میرے آگے پتھر بھی موم ہو جاتے ہیں۔ تم میری بات مانو گے۔ تمہیں میری خواہش پوری کرنی ہو گی۔ ورنہ دیکھو‘ ایسے حالات پیدا کر دوں گی ’میں یہ لباس پھاڑ ڈالوں گی اور صبح اپنا یہ پھٹا ہوا لباس اس بڈھے کے علاوہ سب پریس والوں کو دکھاؤں گی کہ تم نے رستم زمان کی گھر میں غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر مجھے بے آبرو کیا پھر تمہارا سارا کیریئر مٹی میں مل جائے گا۔ لوگ دشمن ہو جائیں گے تمہارے‘ عوام تھوکیں گے تم پر اور اسامہ ڈیئر تم ساری زندگی ذلت کی گزارو گے۔ کبھی اپنی بے گناہی ثابت نہیں کر سکو گے۔ بولو اب کیا بولتے ہو۔‘‘ اس کی نگاہوں میں شیطانی چمک تھی۔

’’میں بہت بکھرا ہوا ہوں ساحرہ پلیز مجھے مزید مت بکھیرو۔‘‘ وہ بیڈ پر شکست خوردہ سا لیٹتے ہوئے بولا۔

’’ساحرہ کا سحر تمہیں سمیٹ لے گا جان!‘‘ ساحرہ مسرور سی اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولی۔

’’کاش‘ تم مجھے پہلے مل گئے ہوتے۔‘‘ وہ مدہوش سی اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

’’خیر اب بھی کوئی بات نہیں‘ جب بھی میں تنہا ہوں گی۔ تمہیں رنگ کر لیا کروں گی‘ تم آ جایا کرو گے نا آہ ...... یہ...... یہ کیا کر رہے ہو۔‘‘

اُسامہ نے ایک دم ہی اسے بیڈ سے دھکا دے کر نیچے گرا دیا تھا اور خود بھی بیڈ سے نیچے آ گیا تھا۔

’’تم جیسی عورتیں ان باوفا اور باحیا بیویوں کے کردار پر لگنے والا بے حیائی کا داغ ہو جو اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے مرد کا تصور بھی حرام سمجھتی ہیں۔ تم جیسی بدکردار عورتیں نوجوانوں کو گناہ کے اندھیروں میں بھٹکا کر گمراہی کے رستے پر ڈال دیتی ہیں۔ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میرا نام بھی اُسامہ ملک ہے۔ بچپن سے مجھے مذہب کے اصولوں پر چلنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ تم کیا‘ تم جیسی لاکھوں فاحشائیں بھی مجھے گناہ کی دلدل میں نہیں گھسیٹ سکتیں۔‘‘ وہ دونوں ہاتھ اس کی گردن پر رکھے دبائے جا رہا تھا۔ اس وقت وہ جنونی ہو رہا تھا۔ ساحرہ کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ وہ خود کو بچانے کے لئے بری طرح مچل رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اُسامہ کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور اسی لمحے وہ تڑپ کر اُسامہ کی گرفت سے نکل گئی۔

’’تت...... تم پاگل ہو گئے ہو‘ مجھے مار کر نہیں بچ سکو گے۔‘‘ وہ کھانستے ہوئے بولی۔

’’میں اس معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ چاہتا ہوں اور تم جیسی برائیوں کا سب سے پہلے خاتمہ ہونا چاہئے۔‘‘ وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا سخت لہجے میں بولا۔

’’اُسامہ...... اُسامہ پلیز‘ مجھے معاف کر دو۔ فار گاڈ سیک‘ میں اب کبھی ایسا نہیں کروں گی۔‘‘ اُسامہ کی آنکھوں میں اترے ہوئے خون کو دیکھ کر وہ اپنے جذبات و خواہشات کو بھول گئی تھی۔ دروازہ کھول کر وہ باہر بھاگ نہیں سکتی تھی کیونکہ دروازہ دور تھا۔ اس کے اور اُسامہ کے درمیان فاصلہ چند قدموں کا تھا اور اُسامہ کی آنکھوں میں اسے اپنی موت نظر آ رہی تھی۔

’’میں تمہیں کچھ کرنے کے لئے زندہ کب چھوڑوں گا۔‘‘ وہ سفاک لہجے میں بولا۔

’’مجھے رستم کی قسم اب میں ایسا کبھی نہیں کروں گی۔ وہ گھگھیاتے ہوئے بولی۔

’’رستم! وہ بڈھا ان کی قسم تم کھا سکتی ہو کیونکہ وہ تمہیں عزیز ہی کب ہیں۔ نہ معلوم کب سے تم اس شریف انسان کی عزت اپنی ہوس پرست طبیعت اور ناپاک جذبوں سے روندتی آ رہی ہو اور وہ تمہارے اس گھناؤنے روپ سے بے خبر تمہاری محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔‘‘

’’میں توبہ کر چکی ہوں۔ میری بات کا یقین کرو۔ دیکھو مجھے مار کر تمہارا کیریئر خراب ہو جائے گا۔ جیل ہو جائے گی تمہیں۔ دیکھو...... دیکھو۔‘‘ وہ خوفزدہ ہو کر دیوار سے لگ گئی۔ اُسامہ نے اس کے نزدیک پہنچ کر دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جما دیئے۔

’’تمہیں اس لڑکی کی قسم‘ اس لڑکی کے صدقے میں میری جان بخش دو۔‘‘ وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔ اُسامہ کے اس کی گردن پر جمے ہوئے ہاتھ اس کی گردن پر یکلخت ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

’’جاؤ۔ تمہیں اس کی پاک دامنی اور معصومیت کے صدقے میں معاف کیا مگر یاد رکھنا‘ پہلی اور آخری بار مگر آئندہ......‘‘ ساحرہ کو حقارت سے ایک طرف دھکیل کر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

✦ ✦ ✦

’’کیا سوچ رہے ہو انور۔ بہت زیادہ سوچنا بھی بعض وقت نقصان دہ ہوتا ہے۔‘‘ اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے خاور نے اس کا شانہ ہلاتے ہوئے مخاطب کیا۔

’’خاور! میں نے آج تک جو برا کام کیا ہے‘ اپنے بھٹکے ہوئے خیالات اور ناآسودہ خواہشات کے بے لگام گھوڑے پر بیٹھ کر کیا ہے‘ مجھے بچپن سے فوج میں بھرتی ہونے کا بہت شوق تھا۔ فوجی مجھے بہت اچھے لگتے تھے۔ اماں بتاتی تھی۔ فوجی بہت بہادر ہوتے ہیں‘ اپنی جان کی پروا کئے بغیر اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ ملک کی آزادی و سلامتی قائم رکھنے کی خاطر اپنی جان ہتھیلی پر رکھے رہتے ہیں۔‘‘

’’آج پھر تجھے بخار چڑھ گیا‘ وطن کی محبت کا۔ انور یار تجھے کتنی بار سمجھایا ہے‘ اب یہ تیری لائن نہیں رہی ہے۔ اب تو صرف اور صرف ’سرکار‘‘ کا سرگرم عمل و قابل اعتماد کارکن ہے جسے عرف عام میں لوگ دہشت گرد کے نام سے پکارتے ہیں۔‘‘ خاور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا کیونکہ وہ انور کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

’’خاور! خاموش رہو۔‘‘ وہ جھٹکے سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

’’عقل مند لوگ حقیقت سے آنکھیں نہیں چرایا کرتے دوست۔ ہم دہشت گرد ہیں۔‘‘

’’چلے جاؤ خاور۔ میں اس وقت تنہائی چاہتا ہوں۔‘‘ وہ ہونٹ بھینچتے ہوئے کرب سے بولا۔

’’میں چلا جاتا ہوں مگر پہلے تم مجھے جواب دو۔ سرکار کی ہدایات پر کب تک عمل کرو گے۔‘‘

’’میں اب تھک چکا ہوں۔ اس سے کہنا‘ اب انور لوٹ کر آنے والا نہیں ہے۔ میں اب مزید اس کے اشاروں پر نہیں ناچ سکتا۔ اسے جو کرنا ہے کرے۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر اپنے نام کے ساتھ دہشت گرد کا اضافہ برداشت نہیں کر سکتا۔ جاؤ کہہ دو جا کر اس سے۔‘‘ انور جنونی انداز میں چیخا تھا۔

✦ ✦ ✦

’’ارے‘ کچھ معلوم ہوا میرے بچے کا۔ کہیں سے کچھ پتا چلا۔‘‘ اماں جان روحیل صاحب کی شکل دیکھ کر ہذیانی انداز میں بولیں۔ اس وقت ان کے کمرے میں سب جمع تھے۔ اُسامہ کو گھر سے نکلے ہوئے آج ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ بہت کوشش کے باوجود وہ لوگ یہ معلوم کرنے میں ناکام رہے تھے کہ اُسامہ ملک کہاں ہے۔ اماں جان کی رو رو کر بری حالت تھی اور گھر کے دوسرے لوگ الگ پریشان اور فکرمند تھے۔

’’کسی کی نظر لگ گئی ہے اماں جان‘ ہمارے گھرانے کو۔ نہ معلوم کس کی بددعاؤں کا اثر ہے یہ۔ جو ہمارے بیٹے گھر کا سکون و چین اور آرام کھو کر دربدر ہو رہے ہیں۔ ہم نے تو کسی کی حق تلفی نہیں کی۔ کبھی کسی کا برا نہیں چاہا پھر کیوں خوشیاں ہم سے روٹھ گئی ہیں‘ کیوں قہقہوں سے گونجتے در و دیوار سے ویرانیاں و اداسیاں جھانکنے لگی ہیں۔ کسی

کی آہیں کیوں ہمارے آنگن میں گونجنے لگی ہیں۔'' عظمت بیگم جو پہلے ہی نبیل کی جدائی کا دکھ برداشت کر رہی تھیں' اُسامہ کے متعلق اماں جان اور کوثر بھابی سے سن کر بہت رنجیدہ ہوگئی تھیں۔ اُسامہ کے جانے کا دکھ انہیں اسی طرح محسوس ہو رہا تھا' جیسے نبیل کا ہوتا تھا۔ ان تینوں بہوؤں میں مثالی محبت تھی۔

''فوزیہ کا نہ معلوم کیا حال ہو رہا ہوگا۔ اسد اسے زبردستی ساتھ لے گیا ہے۔ شاید فوزیہ کو اُسامہ کے کسی ایسے دوست کا ایڈریس معلوم ہو جسے ہم نہ جانتے ہوں۔ اُسامہ اس کے پاس رک گیا ہو۔'' اماں کے دائیں جانب بیٹھی ہوئی کوثر بیگم بولیں۔

''میں اُسامہ بھائی کے سب دوستوں کو جانتا ہوں اور ان سب سے بھی معلوم کر لیا ہے میں نے مگر وہ بس یہی کہہ رہے ہیں کہ ان سے ملاقات کئے تو بہت عرصہ ہو چکا ہے۔''

ریاض سے چھوٹا فیاض صوفے پر اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے روحیل صاحب سے مخاطب ہوا۔

''میں رستم زمان صاحب کے گھر تک بھی گیا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ اُسامہ سے ان کی ملاقات ایک ہفتہ قبل ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ ان سے نہیں ملا۔ وہ بھی بہت پریشان ہیں۔

روحیل صاحب کی کشادہ پیشانی پر فکر و پریشانی کے جال تھے۔

''اسد بھائی بعض دفعہ بہت جذباتی فیصلے کر دیتے ہیں۔ اکلوتی اولاد کو بھی اپنے سخت مزاج اور ٹھوس فیصلوں کے بھنور میں ڈال دیا ہے۔ بچوں کو اس طرح ڈیل کیا جاتا ہے۔''

''بہت سمجھایا تھا اُسامہ کو' میں نے بھی اور فوزیہ نے بھی۔ خود اسد نے بھی اسے باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ تو جیسے باغی ہو گیا تھا۔'' اماں جان بھرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''اماں اگر بچے ضد کریں تو کیا باپ بھی ان سے ضد کرنے لگتے ہیں۔ کرنے دیتے اسے من مانیاں' کب تک کرتا وہ۔ بہت جلد تھک کر بیٹھ جاتا۔ صحراؤں میں ننگے پیر تنہا زیادہ دیر نہیں چلا جا تا۔ آدمی تھک ہار کر تھوڑی دیر بعد ہی واپسی کے لئے قدم بڑھا دیتا ہے۔ اسد بھائی کی جذباتیت نے کتنے مسئلے پیدا کر دیے ہیں۔ خود بھی بھابی کو لے کر اسلام آباد چلے گئے ہیں۔ یہاں ہوتیں تو سب کے ساتھ مل کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتیں مگر ان کے سامنے تو وہ ایک آنسو نہیں بہا سکتیں۔

''اماں جان! تھوڑا سا سوپ پی لیں۔'' زینی سوپ کا پیالہ لے کر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔'' وہ ہاتھ سے منع کرتے ہوئے بولیں۔

''ایک ہفتے سے آپ برائے نام کھانا کھا رہی ہیں۔ کتنی کمزور ہو گئی ہیں آپ۔ اُسامہ بھائی آپ کی حالت دیکھیں گے تو کتنا غصے ہوں گے۔'' ماریہ ان کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولی۔

''وہ آئے تو سہی' دیکھے تو میں کیسے جی رہی ہوں اس کے انتظار میں۔ اس کی جدائی کے دکھ میں نہ جی رہی ہوں اور نہ مر رہی ہوں۔ آ کر ایک دفعہ دیکھ تو لے کیسے اس کی جدائی نے میری ممتا کو بے سکون کر دیا ہے' کیسے اس کی یاد میرے دل کا زخم بن گئی ہے' اس کے چاند سے چہرے کو دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس گئی ہیں۔ اس کی لاڈ بھری باتیں سننے کے لئے میرے کان ترس گئے ہیں۔ کہاں جاؤں میں' کہاں سے لاؤں' اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کو۔ اُسامہ' میرا اُسامہ۔'' اماں جان ایک دم ہی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ ان کی حالت دیکھ کر وہ چاروں بھی بے آواز رونے لگی تھیں۔ فیاض اور روحیل صاحب ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ فیاض کی آنکھیں بھی چھلکنے کو تیار تھیں وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

''اماں' اماں جان' بدشگونی مت کریں۔ ہمت سے کام لیں' آپ تو ہمت و حوصلے کا پہاڑ ہیں اگر آپ بھی ہمت ہار گئیں تو ہماری ہمت کیسے بندھے گی۔ آپ بے فکر رہیں اُسامہ زیادہ دن آپ سے دور نہیں رہ سکتا۔ وہ بہت جلد آ جائے گا آپ کے پاس۔'' روحیل صاحب اماں جان کے نزدیک بیٹھتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھوں میں لے کر بولے۔ نہ جانے اُسامہ کی جدائی کا درد تھا یا اب ان کا حوصلہ جواب دے گیا تھا کہ ماں بیٹے کے درمیان گزشتہ بیس سال سے سرد مہری و بے حسی کی جمی ہوئی برف ایک دم ہی بھاپ بن کر اڑ گئی تھی۔ وہ ان کے سینے سے لگی بری طرح رو رہی تھیں۔

''جدائی کی آگ بہت بری ہوتی ہے روحیل۔''

''اماں! اس آگ میں مجھ سے زیادہ کوئی بدنصیب باپ نہیں جلا ہوگا۔ اس آگ نے میری روح تک کو جھلسا دیا ہے۔'' وہ گویا خود سے مخاطب تھے۔

✦ ✦ ✦

''اگلے ماہ سے فائنل سمسٹر شروع ہو رہے ہیں اور تم دونوں کو فکر ہی نہیں ہے۔ سارا دن خوش گپیوں میں گزار دیتی ہو۔'' تیزی سے نوٹس بناتی لائبہ' حنا اور سمیرا سے تنبیہی لہجے میں بولی جو بہت دیر سے باتوں میں مگن تھیں۔

''ہمیں تمہاری طرح اے گریڈ لینے کا خبط نہیں ہے۔ ہماری تیاری صرف امتحان شروع ہونے سے ایک ہفتہ قبل ہوتی ہے۔'' سمیرا چیونگم چباتی اطمینان سے بولی۔

''میں اتنی پریشان ہوں اور تم لوگوں کو میرا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔'' حنا ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولی۔

''ارے تم تو سنجیدہ ہو' کیا ہوا۔'' لائبہ پین نوٹ بک میں رکھتی ہوئی حیرانی سے اس کی طرف جھک گئی۔

''ممی کا بھانجا ہے۔ بمبئی سے آئی ہیں نسیم آنٹی۔ ممی کی دور کی عزیز ہیں اور اپنے بیٹے کا رشتہ لائی ہیں میرے لئے۔ ممی پپا راضی ہیں۔'' حنا نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔

''اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔'' لائبہ اطمینان سے بولی' جبکہ اس کے انداز پر سمیرا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ہاں۔ میرا مذاق تم نہیں اڑاؤ گی تو کون اڑائے گا۔'' حنا سنجیدگی سے اس سے خفا ہو گئی۔

''بائی گاڈ' حنا میں تمہارا مذاق نہیں اڑا رہی۔'' سمیرا اسے ناراض دیکھ کر خوشامدی لہجے میں بولی۔

''تم وہاں شادی کرنا نہیں چاہتیں۔'' لائبہ پین دانتوں میں دباتے ہوئے بولی۔

''تم جانتی ہو' میں نادر کے علاوہ کسی دوسرے کا نام سننا پسند نہیں کرتی۔''

''اوہ سوری' میں بھول گئی تھی۔ کیا یہ سلسلہ ابھی بھی برقرار ہے۔'' لائبہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تمہارا کیا مطلب ہے' وہ مجھ سے فلرٹ کر رہا تھا۔'' حنا اس کی گرین روشن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''میرے خیال میں تعلیم کے دوران ایسی لو اسٹوریز جسٹ فار انجوائے منٹ ہی ہوتی ہیں۔'' اس کا شوخی بھرا انداز' ہونٹوں پر کھیلتی مسکراہٹ' وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ ان دنوں تو اس کا موڈ بھی بہت فریش رہتا تھا۔

''تم نے یہی سوچ کر اُسامہ بھائی کے جذبوں کی پذیرائی نہیں کی۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

''اوہ۔ یہاں بھی اس کا ذکر' میرے پاس فالتو ٹائم نہیں تھا جو میں کسی کے جذبوں کی جانچ پڑتال کرتی۔'' اُسامہ کے نام پر اس کا چہرہ جھک گیا تھا۔

''جذبوں کو جاننے کے لئے ٹائم کی نہیں' حساس و گداز دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہر صنف نازک کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ اُسامہ بھائی کے بدلتے رنگ جب ہم لوگ محسوس کر چکے تھے تو تم تو ہم سے زیادہ حساس طبیعت کی مالک ہو اور لڑکی اپنی طرف اٹھنے والی ہر نگاہ کی شناخت رکھتی ہے پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ تم ان کے جذبوں سے بے خبر ہو۔'' حنا اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے مسلسل بول رہی تھی۔

''میرے خیال میں رشتے کے تصور نے تمہارے حواس منتشر کر دیے ہیں جس کے لئے میں تمہیں گرم گرم کافی پلواتی ہوں' چلو آؤ۔'' لائبہ اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے ٹیبل پر سے کتابیں سمیٹتے ہوئے بولی۔

''یہ فرار ہے حقیقت سے' انسان نگاہیں جب ہی چراتا ہے' جب اس کے دل میں چور ہوتا ہے۔ اس چوری کی تصدیق تمہاری گھبراہٹ سے ہو رہی ہے۔'' سمیرا معنی خیز لہجے میں بولی۔

''یہ کہانی بہت فرسودہ ہو چکی ہے کہ لڑکا لڑکی ملتے ہیں' کچھ عرصے ان میں اختلاف رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ اختلاف شدید محبت میں بدل جاتے ہیں پھر کچھ وعدوں اور قسموں کے سین آتے ہیں۔ کچھ وقت دونوں کے والدین ظالم سماج بن کر راہ میں مشکلات پیدا کرتے ہیں اور پھر آخر کار وہی انجام یعنی شادی۔ معاشرے میں اس کے علاوہ بھی تو بہت سارے دکھ ہیں۔'' لائبہ جھنجلاہٹ میں بولتی چلی گئی۔

''فی الحال تو یہی دکھ ہے۔ یعنی محبت یہ ایک قدیمی اور لاعلاج مرض ہے۔ یہ صدیوں سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جب تک مرد اور عورت کا وجود ہے۔ محبت کا وجود بھی رہے گا۔''

''میں یقین نہیں رکھتی ان فضولیات پر۔'' لائبہ بیگ اور کتابیں سنبھالتی ہوئی بولی۔

''او کے۔ میرا مسئلہ تو حل کرو۔ میں جمی سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔'' حنا انہیں اپنا مسئلہ یاد دلاتے ہوئے بولی۔

''کوئی ڈراما کرنا پڑے گا' کسی دن اپنے کزن کو تنہا گھر پر روک لو پھر ہمیں رنگ کر دینا۔ میں اور لائبہ آ جائیں گے پھر سمجھو تمہارا کام ہو جائے گا۔'' سمیرا کی آنکھیں کوئی دلچسپ ڈراما تحریر کر رہی تھیں۔

✦ ✦ ✦

تم کیا ملے' زندگی ملی' چاند رات کو چاندنی ملی
مجھ کو ساری زندگی کا پیار مل گیا تم کیا ملے

''فاران پلیز' مجھے شرم آ رہی ہے۔'' تابندہ اس کے سامنے سے اٹھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

''میرے سامنے سے مت اٹھو' مجھے یقین کر لینے دو کہ یہ سب خواب نہیں حقیقت ہے۔'' فاران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

''ایک ہفتہ ہو چکا ہے شادی کو' آپ کو ابھی تک یقین کیوں نہیں آ رہا۔''

''تابی' میری محبتوں کی جنوں خیزی کو تم سمجھ ہی نہیں سکیں مگر دیکھو میری محبت سچی تھی' میرے سجدے رائگاں نہیں گئے۔ میں نے تمہیں یقین کی شدتوں سے چاہا تھا اگر چاہت سچی ہو اور جذبے غرض سے پاک ہوں تو اللہ ضرور منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ جو بندہ اپنے رب سے امید باندھتا ہے' جو صرف اسی وحدہٗ لاشریک سے مانگتا ہے تو وہ رب بھی اپنے بندے کو مایوس نہیں کرتا۔ اپنے بندے کی تڑپ سے' طلب سے وہ خوب واقف ہوتا ہے اور جو صرف اس پر بھروسا کرتے ہیں' اسی سے طلب کرتے ہیں تو وہ غفور الرحیم خود اپنے بندے کے لئے راہیں نکال دیتا ہے۔ اس کی رحمت کی بارش' اس کی کرم کی بارشیں جب انسان پر ہوتی ہیں تو ساری مصیبتیں' ساری گردشیں' خوش بختی میں بدل جاتی ہیں۔ تمہارا میرا ملن بھی تو اس کی رحمت کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔'' فاران شوخی سے اس کے بال کھینچ کر بولا۔

''یہ مت بھولیے کہ اس حقیقت کے پیچھے ایک بدصورت نمونہ بھی ہے۔''

''خالہ جان نے اپنے گناہوں کا کفارا ادا کیا ہے۔'' فاران سنجیدگی سے بولا

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔ حسنہ نے ایسا کیوں کیا' وہ ایسی لڑکی نہیں تھی۔''

''یہ کیا تم نے بورنگ ٹاپک شروع کر دیا ہے یار۔ اچھا بتاؤ' رات کو چائنیز چلیں۔''

''چائنیز۔ کیسی ڈشیں ہوتی ہیں یہ۔''

گرین ریشم جارجٹ کی منقش کام والی ساڑی میں گولڈن جیولری اور میک اپ میں تابندہ کرنوں کی طرح جگمگا رہی تھی۔ ایک ہفتے میں فاران کی بے انتہا محبتوں نے اسے بہت پر اعتماد بنا دیا تھا۔''

''چائینز ڈشوں میں مشہور ڈشیں ہیں۔ مینڈک کا اچار' کچھوے کے سری پائے' مگرمچھ کا روسٹ......''

''توبہ فاران۔'' تابندہ منہ بناتے ہوئے اٹھ گئی تو فاران کا جاندار قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔

❖ ❖ ❖

''فرحین اب مجھ سے نہیں چلا جاتا اگر ایک قدم اور آگے بڑھی تو میں گر جاؤں گی۔'' شمائلہ قریبی بنگلے کے باہر بنے پکی چبوترے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''بہت ٹائم ہو چکا ہے۔ اب تو فریحہ نے اپنا کیک بھی کاٹ لیا ہوگا۔'' فرحین بھی تھکی ہوئی نظر آرہی تھی۔ ''تمہاری غلطی ہے' کیوں کہا تھا تم نے فریحہ کا گھر جانتی ہو۔''

''ہاں' یہ تو میں اب بھی کہہ رہی ہوں۔ گھر دیکھا ہوا ہے میرا مگر میں نے اس کی اسٹریٹ کی پہچان نیون سائن بورڈ سے لگائی تھی۔ وہ مجھے یہاں کہیں نظر نہیں آرہا۔ یہاں گلیاں بھی سب ایک جیسی ہیں۔ کچھ معلوم نہیں ہو رہا۔''

''کچھ معلوم نہیں ہو رہا ہے' دل تو کر رہا ہے' پتھر اٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں۔ عقل سے پیدل لڑکی۔ سائن بورڈ تو بدلتے ہی رہتے ہیں۔ کچھ اور نہیں ملا تھا تمہیں۔'' شمائلہ غصے سے چیخ کر بولی۔

''پلیز آہستہ بولو نا۔'' فرحین ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ امیروں کا علاقہ ہے' یہاں کسی کو اتنی فرصت نہیں ہوگی جو ہماری باتیں سنے۔'' شمائلہ بے پروائی سے بولی۔

''چلو اب اٹھو نا' دیکھو شاید اگلی اسٹریٹ میں فرحین کا گھر ہو۔''

''درست کہا ہے کسی سیانے نے کہ بیوقوف دوست کی دوستی سے عقلمند دشمن کی دشمنی بہتر ہوتی ہے۔''

''اور تمہاری جیسی صاف گو اور منہ پھٹ دوست کے بارے میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔'' فرحین جل کر بولی۔

''مجھ جیسی دوست تم جیسی بے عقل لڑکی کو عقل کے استعمال کا طریقہ بتانے اور سکھانے کے لئے قیمتی سرمائے کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔'' شمائلہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

''دنیا میں زیادہ لوگ اپنی خوش فہمی کی بدولت ہی زندہ ہیں۔'' فرحین چڑانے کے انداز میں بولی۔

''فرحین! وہ سامنے دیکھو کتا۔ مجھے لگ رہا ہے' وہ پاگل ہے۔'' شمائلہ سامنے بلیک گیٹ سے باہر نکلتے خونخوار کتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولی۔ فرحین کی جیسے ہی نگاہ کتے پر پڑی۔ وہ چیخ مار کر بھاگنے لگی اور اس کی اس حرکت پر کتا بھی زور و شور سے ان کے پیچھے لپکا۔ شمائلہ بھی بدحواس سی فرحین کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ خاموش علاقے میں ان دونوں کی چیخوں کے ساتھ کتے کے بھونکنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ان دونوں کو اس طرح بھاگتے دیکھ کر اوپر نیچے کھڑکیوں اور ٹیرس پر کھڑے لوگ کچھ مسکرا رہے تھے اور کچھ قہقہے لگا رہے تھے۔

''فرحین اس گیٹ میں گھس جاؤ۔'' شمائلہ نے بھاگتے ہوئے اسے ایک گیٹ کی طرف اشارہ کیا جو کھلا ہوا تھا پھر وہ دونوں ہی تیزی سے اندر گھس گئی تھیں۔ کتا آگے نکل گیا تھا۔ ان دونوں نے کچھ دیر وہیں رک کر اپنا بری طرح پھولا ہوا سانس درست کیا۔ ساتھ ساتھ وہ لان کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ سرسبز و شاداب لان بہت خوبصورت طریقے پر پھولوں اور پودوں سے سجایا گیا تھا اور لان کے درمیان کھڑی وہ پرشکوہ عمارت تاج محل دکھائی دے رہی تھی۔

''آج پھر خودکشی کرنے کا ارادہ ہے کیا؟'' مردانہ شوخ آواز پر دونوں نے ہی مڑ کر دیکھا تھا۔ سوئمنگ پول کے پاس کھڑا تولئے سے بال رگڑتا ہوا وہ نوجوان شمائلہ سے مخاطب تھا

''کیوں' یہاں کیا خودکشی کرنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔'' شمائلہ اس اجنبی کے بے تکلف لہجے پر ناگواری سے بولی۔

''شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''مسٹر! فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتا ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس لئے گیٹ کھلا دیکھ کر ہم یہاں گھس گئے۔ تم نہ معلوم کیا سمجھ رہے ہو۔ چلو فرحین۔'' وہ غصے سے کہتی ہوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''ارے رکیے تو۔'' وہ بھاگ کر ان کے نزدیک آ گیا۔ کتا آپ کے پیچھے کیوں لگا تھا؟''

''یہ سوال آپ جا کر کتے سے پوچھیے۔''

''آپ کتے کو دیکھ کر کیوں بھاگی تھیں۔''

''ظاہری بات ہے اگر وہ کاٹ لیتا پھر۔'' شمائلہ اسے گھور کر بولی۔

''پھر اس بے چارے کو چودہ انجکشن لگوانے پڑتے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''آپ کو کاٹنے کے بعد اس کا دماغ درست رہ سکتا تھا بھلا۔'' بڑی معصومیت سے وضاحت آئی۔

''وہ پہلے ہی پاگل تھا آپ کی طرح سمجھے۔'' شمائلہ چیخی۔

''یعنی پہلی ہی نظر میں وہ......''

''چلو فرحین نہ معلوم گفٹ بھی کہاں گر گئے ہیں۔''

وہ ہکا بکا کھڑی فرحین کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔

''ارے بیٹھئے نا چائے پی کر جائیے گا۔ یہ ہماری خاندانی روایات کے خلاف بات ہے۔'' شمیر ان کے آگے آ کر بولا۔

''ہم یہاں مہمان نہیں ہیں اور نہ ہی ہمیں آپ کی خاندانی روایات نبھانے کی ضرورت ہے۔''

''آپ بھی تو کچھ بولیے۔ کیا زبان چلانے کا سارا ٹھیکہ انہوں نے لے رکھا ہے۔'' شمیر فرحین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''میری سمجھ میں یہ معاملہ نہیں آرہا۔ آپ کے انداز سے لگ رہا ہے کہ آپ شمائلہ کو جانتے ہیں' جبکہ شمائلہ کے انداز سے لگ رہا ہے' آپ اس کے لئے اجنبی ہیں۔'' فرحین سادہ طبیعت کی وجہ سے شمائلہ کا نام لیتے ہوئے بولی۔

''ایک دفعہ یہ بضد تھیں' میری کار سے ٹکرا کر خودکشی کرنے کے لئے۔ بہت سمجھانے کے بعد انہیں مجھ پر ترس آیا تھا' ورنہ میں آج جیل کی ہوا کھا رہا ہوتا۔'' وہ شمائلہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

شمائلہ کے ذہن میں بجلی سی کوندی تھی اور اسے کچھ عرصے پہلے ہونے والی اپنی بیوقوفی یاد آ گئی تھی۔ اس دن وہ شدید غصے میں تھی۔ گھر کے حالات ہی اتنے منتشر اور کشیدہ ہو گئے تھے کہ اس نے خودکشی جیسا ناقابل معافی گناہ اور ذلت و رسوائی والا جرم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

''تھینکس گاڈ۔ آپ کی یادداشت تو بحال ہوئی۔ چلیے اسی خوشی میں چائے پی لیں۔''

''شکریہ۔ چلو فرحین۔'' کمبخت کو ابھی تک میری شکل بھی یاد ہے۔'' اس نے سوچا اور فرحین سے کہتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

''اس معاملے میں میری یادداشت بہت تیز ہے اور خاکسار کا نام شمیر ہے۔ آپ کا کیا نام ہے' مس شمائلہ۔'' وہ تولیہ شانے پر ڈالتے ہوئے مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''شٹ اپ۔'' شمائلہ' فرحین کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''لڑکیوں کو یہ نام بہت زیادہ پسند ہے' دیکھیے سنبھل کر جائیے گا۔ ہو سکتا ہے' باہر کتا آپ کا انتظار کر رہا ہو۔'' شمیر پیچھے سے ہنستے ہوئے بولا۔ وہ فرحین کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے باہر نکل آئی تھی۔

''تم انتہائی بے وقوف لڑکی ہو۔ کیا ضرورت تھی' اس اجنبی کے آگے میرا نام لینے کی۔'' باہر نکلتے ہی شمائلہ جھلا کر بولی۔

''وہ......وہ عادت ہے نا' بے اختیار ہی نکل گیا تھا۔'' فرحین بوکھلا کر بولی تھی۔

''اونہہ۔ اسٹوپڈ' بے عقلوں کی سردار۔ کتے کو دیکھ کر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ تماشہ بنا کر رکھ دیا۔'' شمائلہ حسب عادت تیز لہجے میں اسے ڈانٹ رہی تھی۔ اسے وہاں سے گزرنے والے لوگوں کی قطعی پروا نہیں تھی۔

''مجھے کتوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ بچپن میں کتے نے کاٹ لیا تھا۔ پورے چودہ انجکشن لگوانے پڑے تھے' وہ بھی پیٹ میں۔ جب سے آج تک کتے کی تصویر دیکھ کر بھی مجھے ڈر لگتا ہے۔ ویسے ایک بات ہے' کتے کو ہم نے ہرا دیا ہے۔'' فرحین ہنستے ہوئے بولی تو شمائلہ بھی وہ منظر یاد کر کے ہنس پڑی۔

''اب دفع کرو' فریحہ کو مغرب کا وقت ہونے والا ہے' گھر چلو۔''

❖ ❖ ❖

سردیوں کی خشک شامیں کسی قریب المرگ ضعیف کی ویران اور اداس آنکھوں کی طرح ہوتی ہیں۔ کبھی اس اداسی میں سکون و اطمینان ہوتا ہے تو کبھی ویرانی۔ بوجھل خاموشی اس حد تک مضطرب و بے قرار کر دیتی ہے کہ دل کرتا ہے سب چھوڑ چھاڑ کر کسی ایسی سنہری' سندر خوابوں والی دنیا میں پہنچ جائیں جہاں ہر طرف پیار سے گنگناتے جھرنے ہوں' خوشی سے سرشار لہلہاتے سبزے ہوں' پر شوخیاں کرتے کھلکھلاتے رنگ برنگے پھولوں کی مہکار ہو عطر بیز ہوائیں چلتی ہوں' جہاں صاف و شفاف بہتی ندیوں میں چاندی کا عکس نظر آتا ہو۔ سورج کی شعاعوں نے جہاں فضا کے نوخیز حسن کو جوان اور رنگین بنا رکھا ہو' مگر خواہشات' حسرتیں' آرزوئیں' تمنائیں' کسی روپ میں دل میں ہلچل مچائیں' ورغلائیں' بہکائیں۔ خود جنم لینے کا اختیار ان کے پاس ہے مگر اپنی پرورش پر ان کا اختیار نہیں ہوتا پھر یہ اپنی بقا کے لئے دل کو اپنا تابع بنانا شروع کر دیتی ہیں جو دل مضبوط اور قوت ایمانی سے لبریز ہوتا ہے۔ وہاں یہ سر پٹخ پٹخ کر خود ہی مر جاتی ہیں۔ جہاں دلوں میں حرص' حسد' کینہ' لالچ بھرا ہوگا' وہاں ان کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں اور جلد ہی تناور درختوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں پھر یہ خواہشات انسان کو اس طرح جکڑ لیتی ہیں کہ انسان ان کی تکمیل میں حرام و حلال کی تمیز بھلائے' دنیا کی جستجو میں دین و آخرت کو بھلائے گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ آخر کار زیست ساتھ چھوڑنے لگتی ہے اور خواہشات کی منہ زور موجیں اسے بے موت مارتی ہیں۔ زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ خواہشات کے ڈھیر' آرزوؤں کے الاؤ یونہی جلتے رہتے ہیں' تمنائیں بھاگ کر کسی اور دل پر قبضہ کر لیتی ہیں' زندگی ختم ہو جاتی ہے' خواہش زندہ رہتی ہے' آرزوئیں کبھی نہیں مرتیں' جو انہیں چاہتا ہے جسے ان سے پیار ہوتا ہے' اسے دنیا میں ذلیل کرتی ہیں اور آخرت میں خوار۔

''ہیلو! کیا سوچ رہی ہیں ماما۔'' لائبہ جو ابھی اپنے کمرے سے آئی تھی' سامنے بیڈ پر لیٹی ماما کو سوچوں میں گم دیکھ کر ان کے قریب آ کے بولی۔

''سو کر اٹھ گئیں آپ؟'' ان کے بیمار چہرے پر نرم مسکراہٹ بکھر گئی۔

''امتحان کا بھوت سر پر سوار تھا۔ آج جان چھوٹی۔ اس لئے نیند بھی بھرپور آئی ہے۔''

''محسوس ہو رہا ہے مجھے۔'' اس کا فریش' گلابی چہرہ پھول کی طرح دلکش لگ رہا تھا۔ گرین روشن آنکھوں میں نیند کا خمار بڑا فسوں خیز تھا۔ اس کے کولڈن سلکی لمبے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ حسین نہیں بلکہ حسین ترین تھی مگر اپنے حسن سے بہت بے نیاز و بے پروا۔ ماما کچھ دیر بلا ارادہ ہی اس کے چہرے کو دیکھتی رہی تھیں۔

''ہیلو' ہیلو ماما' کہاں پہنچ گئی ہیں آپ۔'' لائبہ مسکراتے ہوئے ان کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرا کر بولی۔

''میری دعا ہے' اللہ تعالیٰ آپ کو تا حیات یونہی خوش و خرم رکھے۔ کتنی پیاری لگتی ہیں آپ ہنستی مسکراتی ہوئی۔ خوشی ہے مجھے آپ نے اپنے ڈیڈی کی مجبوریوں سے سمجھوتا کر لیا ہے۔'' وہ اسے پچھلے چھ سات ماہ سے بہت خوش دیکھ رہی تھیں۔ اس میں اچانک زبردست تبدیلی آئی تھی۔ وہ زندگی کو انجوائے کرنے لگی تھی۔ جس کی مسکراہٹ کے لئے وہ ہزار جتن کرتی تھیں۔ اب گھر میں اس کے قہقہے گونجنے لگے تھے۔

''ماما پلیز' میں ان کا نام سننا پسند نہیں کروں گی۔'' وہ ایک دم ہی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''بری بات لائبہ! وہ تمہارے ڈیڈی ہیں۔ آپ ہمیشہ ان کی منتظر رہی ہو۔''

''وہ میرا بچپن تھا ماما۔ ناسمجھی و بے عقلی کی عمر تھی وہ عمر جب بچے کی واحد و مضبوط پناہ گاہ اس کے ماں باپ ہوتے ہیں جن کی گود میں جا کر بچہ اپنے سارے خوف بھول جاتا ہے' جس کو ماں باپ کی بے غرض و بے ساختہ محبتیں بہت خود اعتماد اور بہادر بنا دیتی ہیں اور جن بچوں کو بچپن سے بہلاووں کے گفٹ' انتظار کے ریپر میں پیک ملتے ہیں پھر ایسے بچوں کی آنکھوں میں ایک ہی موسم ٹھہر جاتا ہے۔ انتظار کا موسم۔ ہمت سے زیادہ انتظار پہلے کوفت پھر جھنجلاہٹ اور پھر بے حسی اور نفرت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ میرے اندر بھی اب ایسا ہی زرد موسم رہنے لگا ہے۔ میں ان کی منتظر نہیں ہوں اب۔'' اس کے فریش چہرے پر دھواں سا بکھر گیا۔'' اور شاید کبھی بھی نہیں ہوں گی۔''

''ایسے نہیں سوچتے بیٹا۔ بچوں سے باپ کو شدید پیار ہوتا ہے' آپ کے ڈیڈی' آپ کو بے حد چاہتے ہیں۔ بچپن سے آج تک آپ شہزادیوں جیسی لائف انجوائے کرتی آئی ہیں۔ بہت پرتعیش و آرام دہ زندگی ہے آپ کی۔ اعلیٰ رہائش' بہترین ملبوسات' نیو ماڈل کاریں، ملازمین کی فوج ظفر فوج۔ بے حساب پیسہ آپ کے لاکرز میں ہے جسے اپنی مرضی سے استعمال کرنے کا آپ کو مکمل اختیار ہے۔ آپ ایک خوش قسمت لڑکی ہیں۔ آپ کے ڈیڈی نے آپ کو کسی قسم کی محرومی نہیں ہونے دی۔ ورنہ جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں' وہ معاشرہ تو مردوں کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کرنے والا ہے۔ یہاں ان عورتوں کو قابل فخر سمجھا جاتا ہے جنہوں نے بیٹوں کو جنم دیا ہو۔ یہاں لڑکوں کی پیدائش پر چراغاں کیا جاتا ہے' مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں' لنگر کئے جاتے ہیں اور جس گھر میں بدقسمتی سے بیٹی پیدا ہو جائے' وہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ ماں اسے پیدا کرنے کے جرم کی مجرم ٹھہرائی جاتی ہے اور باپ جہالت کے مارے مردوں کی طرح شرم اور ندامت سے گردنیں جھکا لیتے ہیں۔ ابھی بیٹیوں کو زندہ دفنانے کی روایت دہرائی تو نہیں گئی ہے مگر......''

''عالی شان گھر' بے حساب عیش و آرام اور بے شمار دولت وقتی ضرورت تو پوری کر سکتے ہیں ماما مگر دل کی خوشی کا سہارا نہیں بن سکتے۔ زندہ تو انسان جھونپڑی میں بھی رہتا ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے جسم کی پردہ پوشی کر دیتے ہیں' پیٹ کو تو انسان پتے چبا کر بھی بھر لیتا ہے۔ بات تو ساری ہمارے اندر کے راحت و اطمینان کی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں' پرتعیش زندگی دے کر وہ میرے تمام حقوق و فرائض سے فارغ ہو گئے ہیں' نہیں یہ بھول ہے ان کی' خوش فہمی ہے۔''

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ماما نادم سی اسے سینے سے لگا کر خود بھی آب دیدہ ہو گئیں۔ انہیں دو ہارٹ اٹیک ہو چکے تھے اور مسلسل دوائیاں استعمال کرنے کے باوجود ان کی صحت تیزی سے گر رہی تھی۔ انہیں اپنی موت کا نہیں لائبہ کی تنہائی کا خوف تھا۔ وہ چاہتی تھیں' لائبہ وقت سے سمجھوتا کر لے۔

''وہ آج یہاں آئے اور آپ نے مجھے سونے دیا۔ ہمیشہ کی طرح وہ چوروں کے ہی انداز میں آتے ہیں یا تو میں یونیورسٹی میں ہوتی ہوں اور اگر گھر میں ہوں بھی تو وہ میرے سونے کا ٹائم ہوتا ہے اور میرے اٹھنے سے پہلے ہی چلے جاتے ہیں تاکہ میرا ان کا سامنا نہ ہو جائے اور برسوں کا قائم کردہ ان کا پردہ ٹوٹ نہ جائے۔ کیسا سنگین مذاق ہے یہ۔ ایک باپ کا بیٹی سے پردہ کرنا۔ دنیا میں ہوتا ہے' ایسا بھی کہیں۔ گھر کے مالک کے آنے سے پہلے تمام ملازمین کی اس لئے چھٹی کر دی جاتی ہے کہ کہیں ملازمین ان کو پہچان نہ لیں۔ ایک باپ بیٹی سے اس لئے نہیں ملتا کہ وہ مجبور ہے۔'' عرصے بعد پھر اس پر ہسٹریائی دورہ پڑا تھا۔'' مرد اور مجبوری۔ کتنا دلچسپ فقرہ ہے۔'' وہ جنونی انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

''لائبہ! چلو وضو کرتے ہیں۔ مغرب کی اذان ہونے والی ہے چلو آؤ۔'' ماما تدبیر سے اسے وحشتوں کے سمندر سے کھینچ لائیں مگر انہیں معلوم تھا' اب وہ ساری رات روئے گی اور اس کے آئندہ تین چار دن خاموشی اور اداسی میں گزریں گے۔ ایک ہفتہ تو لگے گا ہی اسے نارمل ہونے میں۔

✦ ✦ ✦

گولڈن اور پنک چمکدار لیمپ کے شیڈ سے نکلتی مدھم روشنی رائٹنگ ٹیبل پر رکھی فائلوں، چین کور اور موبائل ٹیلی فون کے سرخ کلر کو منور کر رہی تھی۔ اسد صاحب سلیپنگ سوٹ میں ملبوس کرسی پر بیٹھے انہماک سے فائلوں پر جھکے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پکڑا قیمتی و نایاب قلم بہت تیزی سے چل رہا تھا۔ ان کے وجیہہ چہرے پر ہمیشہ رہنے والی سنجیدگی تھی۔ خوبصورت فریم کا نازک سا چشمہ ان کے چہرے کو بہت پروقار بنا رہا تھا۔ وہ چند لمحے کے لئے ہاتھ روک کر سامنے مجسمے کی طرح بیٹھی فوزیہ بیگم کو دیکھتے پھر ہونٹ بھینچ کر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو جاتے۔ فوزیہ بیگم دکھ اور درد کی زندہ تصویر نظر آ رہی تھیں' پپوٹے ان کے رونے کی وجہ سے بھاری اور سرخ ہو رہے تھے' چہرہ تباہ شدہ بستی کا سماں پیش کر رہا تھا۔ وہ ہر دو منٹ بعد ٹھنڈا سانس لیتیں جس میں ایک آہ چھپی ہوتی تھی۔

''اس سخت سردی میں آپ ہمیں ٹھنڈی آہیں بھر کر مارنا چاہتی ہیں۔'' اسد صاحب لمحے بھر کو ان کی طرف دیکھتے ہوئے مبہم سا مسکرا کر بولے۔

''میرا لختِ جگر ایک ہفتہ ہو گیا مجھ سے دور ہے۔ میری راتوں کی پرسکون نیند' دن کا چین و آرام سب رخصت ہو گیا ہے۔ اس کے بغیر میری زندگی سمندر سے جدا ریت پر تڑپتی مچھلی کی طرح ہے۔ اس کے بنا میں نامعلوم کیسے زندہ ہوں۔'' اسد صاحب کی بات نے گویا تصویر کو بھی قوتِ گویائی دے دی تھی۔

''سنا تھا' بیٹے جوان ہو جائیں تو بیویاں شوہروں کی پروا کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں' بیٹا بڑھاپے کا سہارا' اس عمر کے سرد و گرم سے بچانے والا مضبوط سائبان ہو گا مگر وہ خوش قسمت مائیں ہوتی ہیں جن کے بیٹے جوان ہو کر ان کے خوابوں کی حسین تعبیریں بن جاتے ہیں' جن کی سعادت مندی و خدمت گزاری بڑھاپے کے بوجھ سے چٹختی ہڈیوں کو دوبارہ جوان اور توانا کر دیتی ہے۔ آپ خوش قسمت ماں نہیں ہیں۔ آپ کے بیٹے کے جوان خون میں، سرکشی و بغاوت دوڑ رہی ہے ہٹ دھرمی اور ضد' گستاخی و نافرمانی وجود میں سانس کی طرح رواں دواں ہو چکی ہے۔ کاش اس بیٹے کی جگہ کوئی بیٹی ہو جاتی' اس کی سعادت مندی، خدمت گزاری' فرماں برداری اور محبت کبھی ہمیں شرمندگی و ندامت سے سر نہیں جھکانے دیتی۔ بہت احمق ہوتے ہیں' وہ لوگ جو بیٹی کی نہیں بیٹے کے پیدا ہونے کی دعائیں مانگتے ہیں۔ کوئی بتائے' کوئی سمجھائے ان ناسمجھ لوگوں کو کہ بے وقوفو' بیٹیاں اللہ کی رحمت اور بیٹے زحمت بلکہ لعنت ہوتے ہیں اگر میرے جیسا بیٹا ہو تو۔'' اسد صاحب کے سرخ و سپید چہرے پر دکھ اور ملامت سرخی بن کر چھا گئی تھی۔ وہ مضطرابی کیفیت میں کرسی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

''آپ بیٹے سے بہت بدگمان ہو گئے ہیں۔ میرا اُسامہ ایسا نہیں ہے۔ وہ برا نہیں ہے۔ میں نے کسی باپ کو بیٹے کے اتنے خلاف نہیں دیکھا۔ اس کی سیاست کو آپ نے ناقابلِ معافی جرم قرار دے دیا ہے۔ ارے جن کے بیٹے عیاش و بدمعاش ہوتے ہیں ان بیٹوں کے باپ بھی تو ان کے تمام گناہوں کو چھپا کر نیک اور شریف ظاہر کرتے ہیں پھر میرا بیٹا تو بہت معصوم اور ایسی تمام گندگیوں سے پاک ہے۔ زمانہ گواہی دے گا میرے بیٹے کے مضبوط کردار کی۔ کالج سے یونیورسٹی تک اس کا کوئی اسکینڈل نہیں بنا۔ حالانکہ میرے بیٹے کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ وجاہت بھی اس کے پاس لاثانی ہے اور پیسے کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ لڑکیوں کے آگے بڑھنے کے باوجود وہ دور رہا ہے پھر بھی آپ کہتے ہیں' وہ آپ کے لئے لعنت ہے۔ کیسے ظالم باپ ہیں آپ۔ میرے جیسا بیٹا تو صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ سچا' مخلص' ہمدرد' لوگوں کے دکھ سکھ سمجھنے والا۔ نہ معلوم اس وقت کہاں دردر کی ٹھوکریں کھا رہا ہوگا۔'' ان کا سفید چہرہ آنسوؤں سے تیزی سے بھیگنے لگا۔

''سارے زمانے کا درد اپنے جگر میں لئے پھرتا ہے' کسی نہ کسی ہمدرد نے پناہ دے دی ہو گی۔''

''نہیں ہے میرا بیٹا ایسا۔ عزتِ نفس اور خودداری اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔''

''السلام علیکم۔'' دروازہ ناک کر کے روحیل صاحب اندر آ گئے۔

''وعلیکم السلام! آؤ روحیل بیٹھو۔'' صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسد صاحب ان سے مخاطب ہوئے۔

''بھابی جان پلیز۔ خاموش ہو جائیں۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے آپ نے۔ چلیں فریش ہو کر آئیں۔ اس طرح تو آپ بیمار پڑ جائیں گی۔'' وہ محبت سے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولے۔ ان کے اور اُسامہ کے درمیان بے تکلفی سے فوزیہ بیگم واقف تھیں۔ ان کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی انہیں محسوس ہوا' جیسے سگا ہمدرد مل گیا ہو اور ان کی حالت ہو بھی ایسی ہی رہی تھی۔ تھکن اور فکر سے چہرہ اداس تھا' چال شکستہ اور نڈھال تھی۔ ان کے آنسو اور زیادہ تیزی سے بہنے لگے۔

''روحیل! کچھ معلوم ہوا' میرے اُسامہ کا؟''

''آپ پہلے فریش ہوں۔ اس طرح رو کر بدشگونی مت کریں۔ وہ غصے میں چلا گیا ہے' جب غصہ اترے گا تو خود ہی آ جائے گا۔ جسے آپ جیسی ماں اور پیار کرنے والی دادی ملے' وہ بہت عرصہ گھر سے باہر نہیں رہ سکتا۔ آج نہیں تو کل وہ ضرور آ جائے گا۔''

''وہ نہیں آئے گا۔ اس طرح نہیں آئے گا روحیل۔ وہ بہت حساس اور غیرت مند ہے۔ وہ نہ ماں پر کوئی غلط لیبل لگوائے گا اور نہ باپ کو ملک بدر ہوتے دیکھ سکے گا۔ تم کہیں سے بھی ڈھونڈ کر اسے لے آؤ خدا کے لئے۔'' وہ روحیل صاحب کے شانے سے سر ٹکا کر رونے لگیں۔

''احمق عورت! تمہاری اسی جذباتیت نے بیٹے کا مستقبل تاریک کر دیا ہے' ایک دن نہیں تم ساری زندگی اسی طرح روتی رہنا۔ یہی مقدر ہے تمہارا۔'' اسد صاحب غصے سے بولے۔

''بھیا' بہت سنگدل ہو گئے ہیں آپ' اکلوتے بیٹے کے لئے اتنی سنگدلی اور بے حسی نہیں ہونی چاہئے۔ آپ جو بھی اس کے متعلق سوچتے ہیں' وہ سب غلط ہے۔'' فوزیہ بیگم کو باتھ روم ڈور تک چھوڑ آنے کے بعد وہ اسد صاحب کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے۔

''روحیل' تم بھی اماں اور فوزیہ کی طرح یہی سمجھتے ہو کہ مجھے اس نالائق سے پیار نہیں ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے بھیا کہ آپ کو اُسامہ سے محبت نہ ہو۔'' روحیل سنجیدگی سے بولے۔

''میں بزنس مین ضرور ہوں مگر عام بزنس مین کی طرح مجھے نہ پیسے سے والہانہ محبت ہے اور نہ میں ہر وقت دو اور دو بائیس کے چکر میں رہنے والا شخص ہوں۔ میری انتھک محنت صرف اس لئے ہے کہ مجھ سے کوئی غیر قانونی کام یا ایسا گناہ نہ ہو جائے جس کی وجہ سے مجھے اس دنیا میں بھی ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاؤں۔ ہمیشہ میں نے ایمانداری سے وطن کی عزت کا خیال رکھا ہے۔ میں ہر وہ کام کرتا ہوں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ میں نے ایک حد مقرر کر رکھی ہے۔ میانہ روی میرا شعار ہے اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو تو اللہ بھی پسند نہیں کرتا' چاہے وہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا۔ اعتدال اللہ کو پسند ہے مگر اس نالائق کی طبیعت اس سمندر جیسی ہے جس میں ہمہ وقت طوفانی لہریں ہلچل مچاتی رہتی ہیں۔ وہ خود بھی منہ زور طوفان بن گیا ہے۔ ٹھہراؤ اور سست روی اسے چھو کر بھی نہیں گزری۔ انتہا پسند ہے وہ اور مجھ سے بھی ایسی ہی حرکتوں کی توقع کرتا ہے۔''

''لیکن گستاخی معاف بھیا۔ اسے بے قصور گھر سے نکال کر آپ نے انتہا پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ آپ نرمی سے اس پر اپنے خیالات واضح کر سکتے تھے۔ پیار محبت سے اسے اپنے راستے پر چلا سکتے تھے۔'' روحیل صاحب بھی بدستور سنجیدہ تھے۔

''میں نے سب کچھ کر کے دیکھا ہے۔ نرمی' غصہ سب کر کے دیکھا ہے مگر اس پر بھوت سوار ہو گیا ہے' ملک کو سنوارنے کا' سیاست کے علاوہ بھی اور بہت سے ذریعے ہیں۔ ملک سے اظہار محبت کے لئے' اس کی سلامتی اور ترقی کے لئے مگر سیاسی میدان میں اس کی چھلانگیں مجھے منظور نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں سیاست کے معنی بدل چکے ہیں۔ معیار گھٹیا ترین ہو گیا ہے۔ جب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں' آپ کا بیٹا سیاست دان بن گیا ہے۔ تو یقین کرو روحیل میں شرم کے مارے نگاہ نہیں اٹھا پاتا ہوں۔ ہتک محسوس ہوتی ہے مجھے اپنی! گالی کی طرح لگتا ہے یہ لفظ مجھے۔ اسے میں نے ہر طرح کی سہولت دی' دنیا کی تمام آسائشیں اس کے آگے ڈھیر کر دیں' لاکھوں روپیہ وہ بینک سے ہر ماہ نکلواتا ہے۔ میں نے آج تک اس سے حساب نہیں مانگا کہ وہ ہر آسائش و سہولت ملنے کے باوجود اتنا ڈھیر پیسہ کہاں اڑاتا ہے۔ تینوں ٹیکسٹائل ملز میں اس نے اپنی مرضی سے مزدور بھرتی کئے ہیں' چاول' شوگر ملز میں بھی اور لیدر کے کارخانوں میں بھی اسی نے مزدور بھرتی کئے ہیں' سب کی تنخواہیں ڈبل رکھوائیں ہیں پھر ہر ماہ کا راشن' تعلیم اور میڈیکل کی سہولت اور کنوینس بھی کمپنی کی طرف سے دی ہے اور پھر سالانہ بونس الگ ہر جگہ اپنی مرضی سے اس نے کام کیا ہے۔ میں نے کچھ نہیں کہا اور اس کی حوصلہ افزائی کی۔ شکارپور اور سکھر کے جتنے بھی فش پونڈز تھے وہ وہاں کام کرنے والوں میں تقسیم کر کے آ گئے' نواب صاحب۔ میں پھر بھی خاموش رہا مگر اب بات میری برداشت سے باہر ہو چکی ہے۔ اپنی اور اپنے خاندان کی عزت کو میں داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ پولیس اور جیل کی ہوا ہمارے کسی بزرگ نے نہیں کھائی مگر اس نے خاندان کا نام بدنام کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

''آپ کی بات ٹھیک ہے بھیا۔ اس کے جذبات اور ارادوں سے میں باخبر ہوں۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں' وہ اس راہ سے ہٹ جائے مگر اسے سنبھلنے کے لئے کچھ ٹائم تو لگے گا ہی ناں۔ آپ نے اسے غصے میں گھر سے باہر نکال دیا' گھر بدر کر دیا اسے مگر سوچیں' جوان اور جذباتی خون ہے اگر غصے اور جذبات میں کوئی انتہائی اقدام کر لے یا

کسی ایسی بری صحبت میں پڑ جائے تو پھر خاندان کا نام کتنا روشن ہوگا۔ یہ سوچا ہے آپ نے۔ اور آپ جو کہہ رہے ہیں۔ وہ لاکھوں روپے بینک سے نکلواتا ہے تو بھیا کسی بری جگہ وہ پیسہ صرف نہیں کرتا بلکہ اس نے یتیم خانوں' رفاحی وسماجی اداروں' بے سہارا اور بیواؤں کے سینٹرز کی مخصوص ماہانہ رقمیں باندھ رکھی ہیں جو وہ ہر ماہ پابندی سے اور ضرورت پڑنے پر وقتاً فوقتاً دیتا رہتا ہے اور وہ اپنے ان کاموں کا شہرہ نہیں چاہتا۔ اس لئے وہ خاموشی سے یہ سب کرتا ہے۔ یہ سب بھی اس نے صرف مجھے اس لیے بتا رکھا ہے کہ وہ مجھ سے ہر بات کرنے کا عادی ہے اور کوئی بھی اس کے اس راز سے واقف نہیں ہے۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے فخر ہونا چاہئے کہ کتنے عظیم بیٹے کے باپ ہیں آپ۔ وہ اتنی چھوٹی عمر میں کتنے بڑے اور نیکی کے کام کر رہا ہے۔ وہ بھی بنا کسی طمع اور لالچ کے۔ میرا آپ کے پاس آنے کا مقصد بھی آپ کی غلط فہمیاں دور کرنا تھا۔ بھیا پلیز اسے معاف کر دیجئے۔ میں اس کی طرف سے آپ سے معافی مانگ رہا ہوں۔ اسے ڈھونڈ کر گھر لے آیئے۔ وہ خود نہیں آئے گا۔ اپنی ضد کی وجہ سے نہیں صرف آپ کی دل آزاری کے خوف کی وجہ سے۔'' روحیل صاحب ہاتھ جوڑ کر اسد صاحب سے بولے۔

''مجھے شرمندہ مت کرو روحیل۔ معلوم نہیں میں اچھا باپ نہیں بن سکا یا وہ اچھا بیٹا ثابت نہ ہو سکا مگر اسے گھر لانے کی میری وہی شرط ہوگی کہ اسے سیاست چھوڑنی ہوگی۔''

''میں سمجھاؤں گا بھیا اسے مگر آپ کو بھی وعدہ کرنا پڑے گا۔ کچھ عرصے آپ بالکل اس ذکر سے لاتعلق ہو جائیں گے' اس کے بعد میں خود سنبھال لوں گا۔'' روحیل صاحب پرجوش لہجے میں بولے۔

''او کے آئی پرامس یو۔ چلو اب اماں جان کو بھی مناتے ہیں۔ صبح میں اسلام آباد سے آیا ہوں۔ اماں جان سخت خفا ہیں۔ میری طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کر رہی ہیں۔''

''آپ بھابی جان کو یہاں چھوڑ جاتے آپ انہیں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔''

''مجھے معلوم تھا۔ ان سب کو مل کر زور و رو کر خوب اودھم مچانا ہے' میں اس لئے فوزیہ کو ساتھ لے آیا تھا کہ میری موجودگی میں ان کی ہمت نہیں پڑے گی رونے کی۔'' اسد صاحب مسکرا کر بولے۔

''آپ کی سخت مزاجی سے سب ہی ڈرتے ہیں اور بھابی تو زیادہ ہی خوفزدہ رہتی ہیں۔''

''ہیں نہیں تھیں۔ بیٹے کے بڑے ہونے کے احساس نے انہیں بہت بہادر بنا دیا ہے۔ اماں جان کے رویے پر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ انہیں پوتا اتنا عزیز ہے کہ بیٹے کی پروا نہیں۔''

''وہ جو کہا ہے نا کہ اصل سے زیادہ سود پیارا ہوتا ہے۔ یہی مثال یہاں بھی ہے۔ اس بات کا عملی تجزیہ تو آپ کو جبھی ہوگا جب خود دادا بنیں گے۔'' روحیل مسکرائے۔

''بشرطیکہ موصوف کے لئے کوئی لڑکی عرش سے زمین پر اتری ہو۔''

✦ ✦ ✦

''بان کی چارپائی پر دھلا ہوا سفید بستر بہت صفائی سے بچھا تھا۔ چھوٹے سے کمرے میں بہت مختصر سا سامان تھا۔ چارپائی کے دائیں طرف دو پیٹیاں اوپر تلے رکھی ہوئی تھیں' جن پر کڑھے ہوئے کپڑے نفاست سے ڈھکے ہوئے تھے۔ سائیڈ میں پیڈسٹل فین تھا' سامنے سلیب پر کانچ اور اسٹیل کے برتن سجے ہوئے تھے۔ سلیب پر بھی کڑھے ہوئے پھولوں والے کپڑے کی جھالر لٹک رہی تھی' چھت کے درمیان پنکھا لگا ہوا تھا' ٹیوب لائٹ سے کمرا روشن ہو رہا تھا۔ نیچے فرش پر دری بچھی تھی جس پر سرخ دبیز کلر کی پرنٹڈ چادر بچھی تھی۔ اسی رنگ کے گاؤ تکیے دیوار سے لگے ہوئے تھے۔ دروازے اور کھڑکی پر بھی اسی پرنٹ کے پردے لہرا رہے تھے کمرے میں کوئی بھی ڈیکوریشن پیس ڈیکوریٹ نہیں تھا۔ اس کے باوجود کمرا بہت اچھا اور دلکش تھا۔

''چاچو! بوا بول رہی ہیں' کھانا لے آؤں۔'' دس گیارہ سالہ بچی پردے کے پیچھے سے گردن نکال کر اس سے مخاطب ہوئی تو لیے سے منہ صاف کرتا ہوا اُسامہ رک گیا جو ابھی منہ دھو کر کمرے میں آیا تھا۔

''ادھر آؤ۔'' وہ تولیہ شانے پر ڈال کر اس کی طرف دلچسپی سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''نہیں جی' چاچو نے آپ کے پاس آنے کو منع کیا ہے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

''کیوں منع کیا ہے۔'' وہ حیرانی سے بولا۔

''چاچو کہتے ہیں' آپ بہت بڑے آدمی ہیں' بہت پیسے والے، بہت بڑا گھر ہے آپ کا شہزادوں جیسا۔ ہم تو بہت ہی غریب لوگ ہیں۔'' اس کی معصوم سی دلیل بہت مضبوط تھی۔

''کہاں ہیں آپ کے چاچو۔ میں ابھی اس کے کان کھینچتا ہوں۔ بچوں سے اتنی گندی باتیں کرتا ہے۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس بچی کو گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

''ارے صاحب، یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ چلو مریم' اترو نیچے کپڑے خراب ہو جائیں گے صاحب کے۔'' سانولی سی درمیانی صحت کی مالک بوا گھبرا کر باورچی خانے سے نکل کر بولیں۔

''مریم نے دھلے ہوئے کپڑے پہن رکھے ہیں پھر میرے کپڑے کس طرح خراب ہو سکتے ہیں۔ آپ سے میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے بوا' مجھے صاحب مت بولا کریں پلیز۔'' وہ صحن میں بچھے تخت پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ مریم ابھی تک اس کی گود میں تھی۔

''یہ آپ کا حسن اخلاق ہے صاحب جو آپ ایسا سمجھتے ہیں ورنہ حقیقت میں ہم غریب لوگ آپ کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں۔ میں تو کہتی ہوں' اللہ کو ہماری نہ جانے کون سی نیکی پسند آ گئی جو آپ جیسا انسان ہم جیسوں کا مہمان بنا ہے۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے صاحب' ورنہ کہاں آپ' کہاں یہ کٹیا۔''

''آپ مجھے گناہ گار نہ کریں بوا۔ میں اللہ کا بہت عاجز بندہ ہوں' بہت حقیر اور پرتقصیر بندہ۔ جس نے آپ کو دنیا میں بھیجا ہے' اسی نے مجھے بھی۔ اس کی نگاہوں میں جو آپ کی حیثیت ہے وہی میری بھی ہے۔ اس کی نگاہوں میں صرف وہی معتبر اور عزیز ہے جس کے اعمال افضل اور نیک ہوں۔ تخت و تاج محل وخزانے اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے بوا۔ یہ بھی آپ بھول جایئے کہ میں کون ہوں اور کس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ آپ کی نگاہوں میں میرے لئے ماں والی ممتا ہونی چاہئے۔ صاحب والا احترام نہیں۔ آپ کا بزرگ ہو کر مجھے صاحب بولنا بہت گراں گزرتا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

ستر سالہ بوا حیرانی سے اس ساڑھے چھ فٹ کے لمبے چوڑے نوجوان کو دیکھ رہی تھیں جس کے لبوں پر ہمیشہ نرم دوستانہ مسکراہٹ رہتی تھی۔ اس کا سرخ و سپید چہرہ بہت وجیہہ اور خوبصورت تھا' آنکھوں میں اس کی ذہانت وصداقت کے چراغ جھلملاتے تھے' پیشانی تھی' یہ اس کی بہت روشن بے داغ سراپا رکھنے والا شخص انہیں انسان کے روپ میں فرشتہ لگا۔

''دیکھو مریم' میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں۔'' اُسامہ تخت پر رکھا شاپر اٹھاتے ہوئے بولا۔

''آہا۔ یہ اتنی پیاری گڑیا میری ہے۔ اور یہ اتنے اچھے اچھے کپڑے سب میرے ہیں۔ مریم سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والی گڑیا اور فراکیں لے کر تعجب سے بولی۔

''ہاں۔ یہ ٹافیاں اور بسکٹ بھی آپ کے ہیں۔'' جیکٹ کی جیب سے پیکٹس نکالتے ہوئے بولا۔

''آپ اتنا کچھ کیوں لے آئے۔ یہ اتنے مہنگے کھلونے' کپڑے اس طرح تو اس کی عادت بگڑ جائے گی۔ آپ کا یہی احسان بہت ہے کہ آپ نے منع کرنے کے باوجود اتنا راشن گھر میں بھروا دیا ہے کہ وہ مہینوں چلے گا۔'' بوا' مریم کے کھلونے اور رنگ برنگی خوبصورت فراکیں دیکھتے ہوئے شرمندہ سی بولیں۔

''چھوڑیں بوا' مریم کو آپ شہزادی بنا کر رکھا کریں۔'' وہ بے پروا انداز میں بولا۔

''آپ کھانا کھالیں۔ عبدل تو نہ جانے کب آئے گا۔''

''مجھے ابھی بھوک نہیں لگ رہی ہے۔ میں عبدل کا انتظار کروں گا۔'' وہ مریم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ جس کا معصوم چہرہ مسرتوں سے چمک اٹھا تھا۔

''آپ بہت اچھے ہو چاچو' بہت پیارے۔'' مریم اس کے قریب آ کر اس کا گال چوم کر بولی۔

''اب تو آپ کو مجھ سے ڈر نہیں لگتا نا۔'' اس کے انداز پر وہ ہنس کر بولا۔ مریم نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اپنی فراکیں اور کھلونے سمیٹ کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

نومبر کی سرد رات تھی' آسمان پر دھندسی چھائی ہوئی تھی۔ خنک اور ٹھنڈی ہوا جسموں میں کپکپی پیدا کر رہی تھی۔ لوگ سرشام ہی کمبلوں اور لحافوں میں دبک گئے تھے۔ اُسامہ سلیپر اتار کر تخت پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ دو چھوٹے کمروں اور مختصر سے صحن والا یہ گھر عبدل کا تھا۔ جسے اس کی ماں کی نفاست پسندی اور سلیقہ مندی نے نکھار دیا تھا۔ گو کہ گھر میں سامان ضروریات زندگی کے لئے ناکافی تھا لیکن اس سادہ اور چھوٹے سے گھر میں اسے حقیقتاً دلی سکون ملا تھا ورنہ ساحرہ کے ہاں سے نکل کر وہ جنونی کیفیت میں وحشت زدہ ساری رات مختلف پارکوں اور سڑکوں پر چکراتا رہا تھا۔ اس کے اندر کی وحشت اور جنون کو سکون نہیں ملا تھا۔ ساحرہ اسے پہلی ہی ملاقات میں نہیں بھائی تھی۔ اس کے بے باک اور نمائشی انداز اسے سمجھا گئے تھے کہ وہ کس قسم کی عورت تھی۔ یہ احساس تو ہر مرد میں ہی ہوتا ہے کہ وہ پہلی ہی نگاہ میں سمجھ جاتا ہے کہ عورت کس نیچر کی ہے۔ وہ ان راہوں سے ناواقف سہی مگر شعور آنے کے بعد وہ اسرار جن سے انسان ناواقف رہتا ہے' وہ ازدواجی رشتے جو نا سمجھی کی عمر میں مخفی رہتے ہیں' سن بلوغت کے بعد وہ اسرار وہ رشتے خود بخود قدرتی طور پر ذہن میں ودیعت ہو جاتے ہیں پھر سمجھ میں آتا ہے آدم کی خواہش جنت میں بھی کسی ساتھی' کسی جان جاناں کی طلب کے لئے کیوں ابھری تھی۔ جس کی تکمیل کے لئے اللہ نے بی بی حوا کو پیدا کیا۔

اور وہ انسان تھا۔ قدرت کی طرف سے اسے حسن و وجاہت بہت فیاضی سے عطا کیا گیا تھا اگر وہ بہکنے والا ہوتا اور ان سستے جذبات کے آگے وہ شکست کھا چکا ہوتا تو اس کے لئے ایسی لڑکیوں کی ہرگز کمی نہیں تھی۔ لڑکیاں اس کی آنکھ کے اشارے پر اپنا سب کچھ لٹا دینے پر تیار رہتی تھیں۔

وہ حسین سے حسین ترین لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے چوٹ کھائی بھی تو صرف اس لڑکی سے جس سے اسے پہلے دن ہی سے چڑ ہو گئی تھی۔ اس گلابی چہرے اور گرین آنکھوں والی کے حسن سے وہ متاثر نہیں ہوا تھا' بس اس کی گرین آنکھوں کی گہرائیوں میں اتنی اداسی اور انتظار کی سی کیفیت ہوتی تھی کہ اس کا دل خود بخود ہی ان میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس کی نفرت' اس کے گریز واجتناب نے اسے زبردستی اس کی طرف کسی مقناطیس کی طرح کھینچنا شروع کر دیا تھا پھر ایسا بھی ہوتا ہے جو کہ ہم سے بھاگتا ہے' ہم سے ملنا پسند نہیں کرتا' ہمیں دیکھنا نہیں چاہتا' دل اس کی پرچھائیں بننے کے لئے تڑپنے لگتا ہے' آنکھوں میں اس کی تصویر فٹ ہو جاتی ہے۔ دھڑکنیں اس کا نام گنگنانے لگتی ہیں۔

''لائبہ' میں اتنا کمزور مرد نہیں ہوں جو تمہاری نفرت سے ٹوٹ پھوٹ جاؤں گا۔ تم نے میرا بہت نقصان کیا ہے۔ تمہارا دکھ بھلانے کے لئے میں نے خود کو پتھر بنا لیا اور اپنے چاہنے والوں' سگے رشتوں سے غافل ہو گیا' تمہاری وجہ سے میں گھر بدر ہوا' تمہاری وجہ سے ساحرہ جیسی بدروح سے اپنے ایمان کی قوت سے خود کو بچا پایا ہوں۔ آج سب سے محروم اپنے ملازم کے گھر میں بیٹھا ہوں۔ اوہ یہ محبت بھی کیسا لغو جذبہ ہے جس میں مجھ جیسا سخت انسان بھی موم بن کر پگھلتا چلا گیا۔ شیم آن یو اُسامہ اسد ملک' ایک لڑکی تمہیں کیا سے کیا بنا گئی اور تم سر جھکائے' جھکتے ہی چلے گئے۔ مرد ہو اُسامہ' اپنا وقار' اپنی انا' اپنے مضبوط وجود کی اہمیت سمجھو تم جیسا بلند حوصلہ' مضبوط قوت ارادی کا مرد ایک نازک سی بے ضرر لڑکی سے شکست کھا جائے۔ نان سنس' اِڈیٹ بھول جاؤ اسے۔'' وہ تخت پر لیٹا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ تکیے کے اوپر سر کے نیچے تھے اور وہ خود کو سرزنش کرنے میں مصروف تھا۔

''دروازہ کھول کر عبدل اندر داخل ہوا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ باورچی خانے میں رکھ کر اُسامہ کے قریب سلام کرتا ہوا آ گیا۔

''بہت دیر لگا دی آج تم نے۔'' اُسامہ جو اٹھ کر بیٹھ گیا تھا' سلام کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

''ہاں صاحب' آج پسنجر دور کے مل گئے تھے۔ انہیں چھوڑنے میں دیر ہو گئی۔'' عبدل مسکراتے ہوئے بولا۔

''آ گیا پتر' چل فٹافٹ منہ ہاتھ دھولے پھر میں کھانا لگاتی ہوں۔'' بوا باورچی خانے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

''کیا پکایا ہے بوا۔ عبدل نے آہستہ سے پوچھا۔

''قیمہ میتھی' مٹر تجھے پسند ہیں نا۔ یہی پکایا ہے اور ساتھ پراٹھے بھی پکائے ہیں اصلی گھی کے۔'' وہ چولہا جلاتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

''بوا مجھے پسند ہیں مگر صاحب کو کہاں پسند آئے گا۔ وہ کوئی ایسی چیزیں کھاتے ہیں۔'' عبدل آہستہ سے شکایتی لہجے میں مخاطب ہوا۔

''مجھے ہر وہ غذا مرغوب ہے عبدل جو خلوص دل سے پکائی جائے۔ بوا کے ہاتھوں کی چٹنی بھی فرائی چکن سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔'' اُسامہ نے کہا جو صحن کے کونے میں لگے نل سے ہاتھ دھو رہا تھا۔ عبدل کی دھیمی آواز بھی اس کی تیز سماعت سے بچ نہ سکی۔

''مجھے بہت افسوس ہوتا ہے صاحب۔ میں آپ کی شایان شان کوئی خدمت نہ کر سکا۔ دراصل بڑے صاحب جو مجھے تنخواہ دیتے تھے' وہ میں ساری کی ساری گاؤں بوا کے پاس بھیج دیا کرتا تھا تاکہ بوا گھر سنبھالنے کے بعد گھر خرید لیں اور بوا نے کیا بھی ایسا ہی گھر کا خرچہ بھی چلایا گھر بھی خرید کر پکا بنوالیا اور بڑے بھائی کی شادی بھی کردی۔ بہو سے بوا نے بہت ساری امیدیں باندھ لی تھیں مگر وہ کچا گھڑا ثابت ہوئیں۔ بھائی شادی کے بعد اس حد تک بدل گئے کہ اماں کی تو کیا پروا کرتے' انہیں مریم کی بھی فکر نہیں رہی تھی۔ بھابی کی بدمزاجی اور جھگڑالو طبیعت کے باعث گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑے ہونے لگے۔ بوا خود پر تو ہر ظلم برداشت کر سکتی ہیں مگر مریم کی طرف اٹھنے والی تیز نگاہ بھی ان کی برداشت سے باہر ہے۔ سوتیلی ماں پھر سوتیلی ہی ہوتی ہے صاحب۔ انہوں نے مریم کو بات بے بات مارنا پیٹنا شروع کر دیا پھر بوا کی بھی برداشت ختم ہوگئی۔ گھر کو تو پھر میدان جنگ بننا تھا ہی اور ایک روز زبردست لڑائی کے بعد بوا وہ گھر چھوڑ کر یہاں میرے پاس آگئیں۔ میں نے بیگم صاحبہ سے بات کی تو بیگم صاحبہ نے یہ گھر لے کر دے دیا ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے' بوا اور مریم کو یہاں آئے ہوئے مگر بھائی جان نے پلٹ کر خبر نہیں لی۔'' عبدل آزردہ لہجے میں بولا' ۔ مکان میری محنت سے بنا اور ان دونوں نے بوا کو گھر سے نکال دیا۔ انہیں اپنی بیٹی کا بھی خیال نہیں آیا۔

مجھے افسوس ہے عبدل بلکہ ندامت محسوس ہو رہی ہے کہ میں تمہارے حالات سے اتنا بے خبر رہا۔ ورنہ نہ تمہیں تنخواہ کی ضرورت ہوتی اور نہ بوا کو مکان بنوانے کے لئے پیسے جوڑنے کی ضرورت پڑتی اگر تم پہلے ہی مجھ سے ذکر کر دیتے تو بوا کو مکان کے لئے پیسے بھی مل جاتے اور تمہاری تنخواہ کے پیسے بھی تمہارے پاس رہتے۔'' اُسامہ جو بہت توجہ سے سب کچھ سن رہا تھا' عبدل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''نادم تو میں ہوں صاحب' ورنہ آپ نے بیگم صاحبہ' بڑے صاحب اور اماں جان نے ہر طریقے سے میری مدد کی ہے۔ اس گھر میں نوکر ہوتے ہوئے بھی نوکر ہونے کا احساس نہیں ہوا۔ سب کا رویہ اور محبت گھر کے لوگوں کی طرح ہی ملتی رہی' ورنہ ایسے لوگ کہاں ہوتے ہیں۔''

''میں ابھی بھی کہہ رہا ہوں عبدل' تم واپس کوٹھی چلے جاؤ۔ کرائے کی ٹیکسی سے سارے دن خوار ہونے کے باوجود تم خود کفیل نہیں ہو سکتے۔'' اُسامہ اس کے ساتھ کمرے میں بچھے ہوئے دسترخوان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا جہاں بوا نے کھانا لگا دیا تھا۔

''نہیں صاحب! آپ کے بغیر تو وہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔'' وہ اپنے لئے پلیٹ میں سالن نکالتا ہوا بولا۔ اُسامہ کے لئے اس نے پہلے ہی نکال دیا تھا۔

''عبدل! یہ خود ساختہ محبت بہت خوار کرتی ہے انسان کو۔ اتنا ٹوٹ کر مت چاہو مجھے کہ میں مغرور ہو جاؤں۔'' وہ نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''محبت سچی ہوتی ہے نا صاحب تو وہ انسان کو پر اعتماد' معتبر بنا دیتی ہے' مغرور نہیں۔ اسی جذبے نے مجھے کوٹھی جانے سے روک کر کرائے کی ٹیکسی چلانے پر مجبور کیا ہے۔ جس دن آپ مجھے چھوڑ کر گئے تھے' اسی دن سے میں نے آپ کی تلاش شروع کر دی تھی اور سچ پوچھیے تو میں نے ٹیکسی چلانے کا اسی خیال سے سوچا تھا کہ پسنجر کی وجہ سے مجھے جگہ جگہ جانا ہو گا اور کہیں نہ کہیں تو آپ مل ہی جائیں گے اور دیکھیے میرا جذبہ سچا تھا جو اس دن میں اس غیر ملکی جوڑے کو ائرپورٹ سے ہوٹل چھوڑنے گیا تو وہیں آپ پر میری نگاہ پڑ گئی اور زبردستی میں آپ کو یہاں لے آیا۔ صاحب ہوٹل کتنا ہی مہنگا اور کتنا ہی سہولت دینے والا کیوں نہ ہو مگر گھر جیسا سکون نہیں ملتا اور آپ کو تو ویسے بھی ہوٹل وغیرہ پسند نہیں ہے۔

✦ ✦ ✦

''اوڈارلنگ کیا بات ہے۔ بہت فکرمند اور پریشان لگ رہے ہو۔'' نئی سنوری ساحرہ اندر آتے ہوئے رستم زمان کے قریب آکر مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہنی! الیکشن نزدیک آ گئے ہیں۔ کئی حلقوں سے ہم نے امیدوار کھڑے کئے ہیں۔ امید بھی ہے کہ جیت جائیں گے۔

''اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ یہ تو خوشی کی خبر ہے۔'' ساحرہ ان کا کوٹ اتارتے ہوئے کھلکھلا کر بولی۔

''اُسامہ ملک ایک ہفتے سے غائب ہے۔ ایک حلقے میں مخالف پارٹی نے ایک سیٹ چھوڑ دی ہے۔ میں چاہتا ہوں' اُسامہ ملک اس سیٹ سے کھڑا ہو کیونکہ وہ عوام میں بہت مقبول ہے اور مجھے امید ہے' وہ اس حلقے سے بہت کامیابی کے ساتھ ووٹ لے گا۔ اس طرح ہمارا ووٹ بینک بھی بڑھے گا اور پارٹی کی شہرت اور مضبوطی بام عروج پر پہنچ جائے گی مگر اُسامہ کا کہیں سراغ نہیں مل رہا۔ اس کے گھر سے بھی رابطہ کیا ہے مگر وہ لوگ بھی لاعلم و پریشان ہیں۔

''کہیں اس نے خودکشی تو نہیں کر لی؟''

''ہوں...... کیوں بھئی؟''

''وہ...... وہ میرا مطلب ہے ٹوٹا ہوا شخص تھا وہ۔ گھر سے بھی انہی سرگرمیوں کی وجہ سے نکالا گیا تھا۔'' ساحرہ جلدی سے بات بدلتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

''اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ڈارلنگ۔ سیاسی سرگرمیاں کوئی قابل اعتراض نہیں ہوتیں۔ دراصل اُسامہ اس فیملی سے تعلق رکھتا ہے' دولت و ثروت جس خاندان کی ہمیشہ سے لونڈی چلی آ رہی ہے اور ایسے لوگوں کو غریبوں پر گزرنے والے فاقوں اور غربت کا احساس کم ہی ہوتا ہے۔''

''ایسے شہنشاہوں میں ہمدرد گداز دل رکھنے والے انسان قسمت سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔'' رستم زمان تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے۔ اس قدر پریشان مت ہوں۔ اخبارات میں اشتہار دیں کہ۔ پیارے اُسامہ ملک' تم جہاں کہیں بھی ہو۔ فوراً گھر چلے آؤ' تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ تمہاری فکر میں تمہارے ''سسر'' کی حالت حواس باختہ ہے اگر کسی صاحب کو اُسامہ کے بارے میں کوئی خبر ہو تو برائے مہربانی اطلاع دیں۔ اطلاع دینے والے کو معقول انعام سے نوازا جائے گا۔ دیکھیے گا' کس طرح لوگ اسے دریافت کریں گے۔'' رستم زمان اس کی شوخ مزاجی پر بے ساختہ ہنسے تھے۔

''اگر وہ اس ایج کے ہوتے تو تلاش گمشدہ کا اشتہار چھپوانے میں' میں ذرا بھی تامل نہیں کرتا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ کے حواسوں پر زیادہ وہ سوار رہتے ہیں اور بھی تو ورکر ہیں پارٹی میں۔''

''قیمتی و نایاب موتی ہر سیپ میں نہیں ہوتے ساحرہ ڈیئر۔ میں بہت خوش نصیب ہوں جو اتنا نایاب ہیرا مجھے ملا ہے۔ ورکرز تو لاتعداد ہیں اگر ترازو کے ایک پلڑے میں ان سب کو اور دوسرے میں اُسامہ کی قابلیت و ذہانت کو رکھ دیا جائے تو اس کی تنہا شخصیت کا پلڑا ان سب سے پھر بھی بھاری رہے گا۔ بہت دلیر' نڈر' پر اخلاق و بے ریا انسان ہے وہ اور باکردار بھی۔''

''اوہ اتنی مبالغہ آرائی۔ چہ...... چہ آپ نے تو اسے انسان نہیں کوئی مافوق الفطرت شے بنا دیا ہے۔'' ساحرہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

''وہ آپ سے نہیں ہم سے قریب ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں اسے آپ فٹافٹ تیار ہو جایئے شام کو پارٹی میں جانا ہے اور مجھے یقین ہے۔ اُسامہ وہاں ضرور آئے گا۔'' وہ گولڈن انویٹیشن کارڈ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

✦ ✦ ✦

''اماں! اتنی حیرانی کی کیا بات ہے۔ لوگ اکثر گھر بدلتے رہتے ہیں۔ تم خوش ہونے کے بجائے پریشان ہو پھر یہ گھر اب رہنے کے قابل رہا بھی نہیں ہے۔ کھنڈر ہو چلا ہے۔'' انور انہیں مسلسل سوچ بچار میں غلطاں دیکھ کر جذباتی لہجے میں بولا۔

''بیٹا! یہ گھر تمہارے دادا' دادی نے بنایا تھا۔ ان کی جوانی اور بڑھاپا اسی گھر میں گزرے' میں دلہن بن کر اسی گھر میں آئی' تم سب بھی اسی گھر میں پیدا ہوئے' یہیں کھیل کود کر جوان ہوئے' ہمارے بہت سارے اچھے برے دنوں کا ساتھی ہے یہ گھر' اس کی بنیادوں میں ہماری خوشیاں' سسکیاں' پریشانیاں اور راحتیں سب دفن ہیں۔ اس گھر کے' اس کی دیواروں سے' اس کی بنیادوں سے ایسی ہی مہک آتی ہے جو اپنے سگے خون سے آتی ہے۔ یہ اتنا ہی عزیز ہے جیسے تم مجھے عزیز ہو۔ اتنی جلدی' کیسے میں اس گھر کو چھوڑ جانے کا فیصلہ کروں۔'' خورشید گلوگیر لہجے میں بولیں۔ آج انور نے خوشخبری سنائی تھی کہ اس نے چار کمروں والا لگژری فلیٹ خریدا ہے اور یہ گھر فروخت کر کے وہاں سیٹل ہونا ہے۔ شمائلہ اور تابش تو بہت خوش ہوئی تھیں مگر خورشید کے چہرے پر دکھ یا سیت دیکھ کر وہ بھی منہ بسور کر بیٹھ گئیں۔

''ہمیں ملا کیا ہے اس گھر میں۔ دکھ' فاقے' مسائل کے انبار' بھوک و افلاس' معمولی سی معمولی چیز کے لئے بھی اس گھر میں ہمیں ترسنا پڑا ہے' کوئی خوشی وشی نہیں ملی اس گھر میں۔ یہاں کی بنیادوں میں ہماری محرومیاں اور صرف محرومیاں دفن ہیں۔ افشاں آپی کی چار بچوں کے باپ سے شادی' نابندہ کی بغیر جہیز کے رخصتی' یہ راحتیں نہیں ہیں اماں۔ یہ ذلتیں ہیں' رسوائیاں ہیں' میں جب بھی اس گھر میں قدم رکھتا ہوں' ایک ایک لمحہ میرے بچپن کی محرومیوں کا' تمہارے صبر و برداشت کا' بہنوں کی مشقتوں اور مصائب کا میری نگاہوں میں اس طرح گھومنے لگتا ہے' جیسے کسی نے ٹی وی اسکرین اسٹارٹ کر دی ہو۔ میرا باپ اور میں اپنی دو بہنوں کو وہ آسائشیں' وہ آرام نہ دے سکا جوان کا حق تھا مگر ان دونوں بہنوں کو میں دنیا کی ہر نعمت دوں گا۔ ان کے نصیب انشاء اللہ ان دونوں جیسے نہیں ہوں گے۔'' وہ شمائلہ اور تابش کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

✦ ✦ ✦

رنگ و رعنائیوں کا بیکراں سمندر ہر سمت رواں دواں تھا۔ رنگین آنچل' کھلکتے قہقہے' مہ جبینوں کی شوخ ادائیں' داد حسن دیتی مردوں کی بے باک نگاہیں۔ دیسی بدیسی پرفیومز کی ہوشربا خوشبوئیں فضا میں چکرا رہی تھیں۔ فائیو اسٹار کا وسیع و عریض مرکری لائٹس سے جگمگاتا ہال شہر کی بڑی بڑی مشہور ہستیوں سے رونق افروز تھا۔ سیاستدان' بیوروکریٹس' بیرسٹرز' پروفیسرز کے علاوہ اور بھی معزز ہستیوں کا ہجوم بیکراں تھا۔ آرکسٹرا کی مدھم دھنیں ماحول کو خوابناک بنا رہی تھیں۔ افتخار صاحب کی شادی کی سالگرہ تھی۔ جس کی وجہ سے فنکشن ارینج کیا گیا تھا۔ افتخار صاحب نے شوقیہ لیکچرر شپ جوائن کی تھی ورنہ ان کے فیملی ممبرز کا شمار اعلیٰ ترین روسائے شہر میں ہوتا تھا۔ سب بزنس سے منسلک تھے۔ افتخار صاحب بھی ریٹائرمنٹ لینے کے بعد بزنس سنبھال چکے تھے۔

شاہ رخ ان کے ساتھ ہی تھا۔ کیک کٹ چکا تھا۔ مہمان لوازمات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ مسز اور مسٹر افتخار میزبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ افتخار صاحب کے روبرو چلتی آف وائٹ سلور ورک کی ساڑی میں ان کی مسز لائٹ میک اپ میں خوب جچ رہی تھیں۔ براؤن تھری پیس سوٹ میں مسٹر افتخار بھی عام دنوں کی نسبت خاصے ہینڈسم لگ رہے تھے۔ حنا' سمیرا' نادر' حیدر' راحت' لائبہ' سب ٹیبل پر جمع تھے۔ بہت عرصے بعد سب ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ باتوں کا لامتناہی سلسلہ ختم ہونے میں ہی نہ آ رہا تھا۔ سومیہ بھی پاکستان آئی ہوئی تھی اور افتخار صاحب کے انوائیٹ کرنے پر یہاں موجود تھی۔ اساتذہ اور پرانے ملنے والوں سے ہیلو ہائے کرتی پھر رہی تھی۔ اس کا ایک سال کا بیٹا لائبہ کی گود میں سو رہا تھا۔

''بیوٹی فل لیڈی' کیا قیامت ہے یار۔'' راحت نے برابر کی کرسی پر بیٹھے نادر کو کاندھا مار کر سامنے کی طرف اشارہ کیا۔ سامنے رستم زمان کے ساتھ کھڑی ساحرہ' بلیک سلک کی ستاروں بھری ساڑی میں قیامت ہی لگ رہی تھی۔ دودھیا کلائیوں میں سونے اور ڈائمنڈ کی چوڑیاں' گلے میں بلیک ڈائمنڈ کا جگمگاتا نیکلس' کانوں میں ڈائمنڈ کے بلب نما کرلی بالوں کا خوبصورت جوڑا۔ پارٹی میک اپ سے چمکتا اس کا چہرہ وہاں سب میں نمایاں تھا۔ اس کی نشست و برخاست میں زبردست کشش تھی۔ وہ دل لوٹ کر دیوانہ بنانا جانتی تھی۔ ابھی بھی کتنی ہی بے تاب و بے قرار نگاہیں اس کے چہرے اور سراپا میں الجھی ہوئی تھیں۔ وہ ان نگاہوں سے بخوبی واقف تھی۔ جبھی اس کا انداز بہت بے نیازانہ اور پر اعتماد تھا۔

''یہ بڈھا تو اس کے ساتھ ایسا لگ رہا ہے' جیسے پہلوئے حور میں لنگور۔'' نادر اس کی تائید کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں' جیسے تم اس وقت میرے برابر میں بیٹھے ہوئے لگ رہے ہو۔'' اس کے برابر میں بیٹھی حنا اسے گھورتے ہوئے بولی۔ اس کے بے ساختہ جملے پر باجماعت قہقہہ پڑا۔

''ابھی اس کا میک اپ صاف کیا جائے تو تمہاری نانی کی عمر کی نکلے گی یہ۔'' حنا کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

''سوری یار! مجھے یاد نہیں رہا تم میرے برابر میں بیٹھی ہو۔'' سب پھر ہنس دیے۔

''بے مزے کی بات۔ عورت اپنی ہم جنس سے ہی اتنا حسد کیوں رکھتی ہے۔'' راحت بولا۔

''ہر عورت نہیں۔ حنا کا معاملہ دوسرا ہے۔'' نادر اگر اس کے سامنے آسمان پر پھیلے چاند تاروں کی بھی تعریف کردے گا تو یہ ان سے جیلسی فیل کرے گی۔'' سمیرا کے جواب پر سب مسکرا دیے۔

''تو ثابت ہو گیا عورت پوزیسو ہے۔ ساری چاہتیں' تعریفیں اور محبتیں وہ صرف اپنے لئے وقف دیکھنا چاہتی ہے۔'' حیدر نے نیا پوائنٹ نکالا۔

''پوزیسو تو نہیں کہہ سکتے آپ۔ عورت کی یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ اسے چاہا جائے' سراہا جائے۔ یہ خواہش اس کی مرد واحد کے لئے ہوتی ہے جس کی مثال ہم حنا اور نادر کی لے لیتے ہیں۔ محبت انسان کو جہاں بہت بولڈ اور بریو کردیتی ہے۔ وہاں بہت سارے خود ساختہ واہموں اور وسوسوں میں گرفتار بھی کردیتی ہے۔ عورت اپنے محبوب کے علاوہ کسی دوسرے فرد پر نگاہ ڈالنا گناہ عظیم سمجھتی ہے تو اپنے محبوب پر بھی کوئی دوسری پرچھائیں وہ برداشت نہیں کرتی۔'' سمیرا نے اپنی صنف پر خود پسندی کا الزام لگانا ذرا پسند نہیں کیا۔

''مس لائبہ! ہم تو سمجھے تھے کہ اب آپ کو بولنا آ گیا ہوگا مگر آپ تو لگتا ہے جو آتا تھا' پہلے وہ بھی بھول گئیں۔'' نادر خاموش و سنجیدہ بیٹھی کافی پیتی لائبہ سے مخاطب ہوا۔

''ایسی بات نہیں ہے میں بے موقع بولنا پسند نہیں کرتی۔'' وہ نرمی سے مسکراتے ہوئے بولی۔ کافی کا مگ اس کے ہاتھ میں تھا۔ سومیہ کا بیٹا اس کی گود میں بے خبر سو رہا تھا۔ سامنے مشہور کرکٹرز سے محو گفتگو اُسامہ کا رخ اسی سائیڈ تھا اور اس کا انداز بتا رہا تھا' وہ ان کرکٹرز سے چھٹکارا پاتے ہی اس ٹیبل کا رخ کرے گا اور اس کی یہاں آمد سے قبل وہ اٹھ جانا چاہتی تھی۔ بلیک پینٹ کوٹ پر ریڈ ڈاٹس والی ٹائی لگائے اپنے دلکش ہیئر اسٹائل میں اس وقت ہنستا مسکراتا اُسامہ بہت بدلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ محفل پر چھا جانے والی پرسنالٹی تو اس کی سدا سے تھی مگر اس کے قہقہے بکھیرتے وجیہہ چہرے پر چارمنگ کا اور اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے دو دفعہ نگاہیں اس کے چہرے پر ڈالی تھیں۔ اتفاق سے دونوں کی نگاہیں ٹکرا گئی تھیں۔ اس کی نگاہوں کی خودسری' ہٹ دھری نے لائبہ کی چھٹی حس کو بیدار کردیا تھا اور کسی نامعلوم خطرے کی گھنٹیاں اسے اپنے اردگرد بجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''تمہارا وہ انڈین ہیرو گیا یا نہیں؟'' نادر کافی پیتے ہوئے حنا سے مخاطب ہوا۔

''میرا...... میرا ہیرو۔ دیکھو میں کچھ کہوں گی تو بولو گے عورت خود پسند ہوتی ہے۔ وہ میرا ہیرو کیوں ہونے لگا۔'' حنا کے جلے بھنے انداز پر سب مسکرا دیے۔

''وہ تو پاکستانی ہیروئن کی تلاش میں آیا ہے۔'' نادر موڈ میں تھا آج۔

''تم دونوں میں ڈوئل کروا دیں گے جو جیتا' ہیروئن اسی کی۔'' راحت حسب عادت مسکراتا ہوا بولا تو حنا کو ہیروئن کا خطاب دیے پر وہ بے ساختہ کھلکھلا اٹھے۔

''اُسامہ کو دیکھ رہے ہو۔ ادھر آنے کی فرصت نہیں ملی ہے ابھی تک۔'' حیدر دور کھڑے اُسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اب اُسامہ محض جامعہ اسٹوڈنٹ نہیں سوشل بھی ہے۔ اسٹیٹس میں ہائی لیول پر پہنچ چکا ہے وہ۔ جب سے یہاں آیا ہے کوئی نہ کوئی گھیر لیتا ہے اسے۔'' نادر کے لہجے میں اس کے لئے محبت و فخر تھا۔

''فکر مت کرو یار۔ ابھی کچے دھاگے سے کھنچا چلا آئے گا۔ اتنی مصروفیت کے باوجود اس کی نگاہیں اپنی ہی ٹیبل پر بھٹک رہی ہیں۔'' راحت نے کھنکارتے ہوئے لائبہ کی طرف کن انکھیوں سے دیکھ کر شرارتی لہجے میں کہا تو اس کے قہقہے کے ساتھ نادر اور حیدر کے جاندار قہقہے بھی شامل ہو گئے لائبہ سرخ چہرہ لئے سومیہ کے بیٹے کے گال پر جھک گئی۔ اسے خود کو سنبھالنے میں چند منٹ لگے۔ راحت کی ذومعنی بات سے اچھی طرح واقف تھی وہ۔

''مردوں نے قہقہے لگانے میں عورتوں کو بھی مات دے دی ہے۔'' سومیہ' حنا کے برابر میں کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی خوشگوار لہجے میں بولی۔

''قہقہوں پر صرف عورتوں کی اجارہ داری قائم رہنے دیں۔'' راحت خاموش رہنے والا بندہ نہ تھا۔

''جب آپ لوگ' میک اپ کرنے' کانوں میں بالیاں' ناپس پہننے' ہاتھوں میں کڑے اور گلے میں لاکٹ پہننا عورتوں کے ساتھ شیئر کرسکتے ہیں تو قہقہوں پر بھی آپ کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ مجھے لگتا ہے وہ وقت دور نہیں جب سڑک پر لڑکا اور لڑکی کی پہچان کرنی مشکل ہو جائے گی۔'' سومیہ خاصی بولڈ اور بنس مکھ ہو گئی تھی۔

''نہیں' ایسا وقت نہیں آئے گا۔ لمبے بال' متوالی چال' ریشمی بھڑکتے کپڑے' میک اپ سے چمکتا چہرہ۔ وہ بلاشبہ ان کی ماڈرن ذات ہو گی۔'' سمیرا ہنستے ہوئے بولی۔

''ارے بھئی اپنے ایک من کے بیٹے کو ان کی گود سے لے لو۔ اتنی لوڈنگ کی وجہ سے ان سے بات بھی نہیں کی جا رہی۔'' حیدر لائبہ کی گود میں موجود اس کے بیٹے کی طرف اشارہ کر کے بولا جو جاگ چکا تھا۔

''ہیلو ایوری باڈی۔'' اُسامہ مسکراتا ہوا وہاں آ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''کیسے ہیں آپ اُسامہ بھائی۔ سومیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''فرسٹ کلاس' یہ تمہارا بیٹا ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا اس کے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں' جاؤ بیٹا ماموں جان ہیں یہ آپ کے۔'' سومی کے انداز پر سوائے لائبہ اور اُسامہ کے ان سب نے اتنا زبردست قہقہہ لگایا کہ اکثر لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا ہے۔'' سومی خفیف سی ہو گئی تھی۔ اُسامہ نے نظر انداز کردیا تھا۔

''ہمارے معاشرے کی عورت کی لو اسٹوری کا یہی انجام ہوتا ہے۔'' راحت نے مصنوعی آہ بھری۔

''راحت' عقل مند انسان بولنے سے پہلے کچھ سوچتا ضرور ہے۔'' اُسامہ فہمائشی لہجے میں بولا۔

''ان کے پاس عقل ہو تب نا' مجھے اُسامہ بھائی پہلے بھی پسند تھے اور اب بھی ہیں۔ اُسامہ جیسا مخلص اور پرخلوص دنیاوی غرض و لالچ سے مبرا شخص تو سب کا آئیڈیل ہوتا ہے' اسی لئے میں نے اپنے بیٹے کا نام اُسامہ رکھا ہے تاکہ میرا بیٹا بھی بڑا ہو کر قابل فخر و رشک پرسنالٹی کا مالک بنے۔ ایسے بھائی کی بہن' ایسے بیٹے کی ماں تو دنیا کی خوش نصیب ترین عورت ہی ہو سکتی ہے' اور میرے لئے اس سے بڑا اعزاز کیا ہوگا۔'' اس کے عقیدت مندانہ لہجے پر سب ہی ششدر رہ گئے تھے۔ لائبہ طمانیت سے مسکرا دی کہ وہ قدرے جذباتی اور بے وقوف سی لڑکی تصورات کی دنیا سے نکل کر عملی دنیا میں قدم رکھ چکی تھی۔

''ارے تم نے تو مجھے بہت خوش فہمی میں مبتلا کردیا ہے' درحقیقت میں بہت عام سا بندہ ہوں۔ مجھ میں اگر اتنے گن پائے جاتے تو میں کسی حجرے میں بیٹھا ہوتا۔ میں تو نفرت کے قابل ہو سکتا ہوں۔'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے ترچھی نگاہ سمیرا' حنا کے درمیان بیٹھی لائبہ پر ڈالی۔ اس کا چہرہ ایک لمحے کے لئے متغیر ہوا مگر اس نے فوراً گردن قدرے جھکالی۔

''بائی داوے کس خوش نصیب نے آپ سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔'' حیدر شوخی سے بولا۔

''فکر کرنے کی بات نہیں ہے۔ جس طرح جنت کا راستہ دوزخ کے راستے سے گزرتا ہے اسی طرح محبت کی ابتدا نفرت سے شروع ہوتی ہے۔'' راحت ہنستے ہوئے بولا۔

''ایکسکیوزمی۔ میں انکل کے پاس جا رہی ہوں۔'' لائبہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''آپ میدان چھوڑ کر بھاگ رہی ہیں۔ میرا مطلب ہے بیٹھیں آپ۔ ابھی تو محفل جمی ہے۔'' راحت کی شرارتی نگاہیں اس کے چہرے پر پڑیں تو وہ بات بدلتے ہوئے بولی۔

''شکریہ۔'' وہ راحت کو کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی مگر خاموشی سے برداشت کر کے اٹھ گئی۔

اپنے پیچھے اس نے ان تینوں کے ساتھ اُسامہ کا قہقہہ بھی سنا تھا اور غصے کے مارے تلملا گئی تھی۔

''مل گئی فرصت تمہیں اپنی دوستوں سے۔'' شاہ رخ اور طوبیٰ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

''ہاں' انکل کہاں ہیں۔'' وہ تپے ہوئے لہجے میں بولی۔ ان کے قہقہے نے موڈ بگاڑ دیا تھا اس کا۔

''خیریت تو ہے نا' کسی سے لڑائی ہو گئی کیا۔'' شاہ رخ حیران ہو رہا تھا۔ اس انداز میں پہلے اس نے کبھی بات نہیں کی تھی۔

''کیا بات ہے لائبہ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ گرین ٹشو کا دوپٹہ سنبھالتی طوبیٰ فکرمندی سے اس کی طرف بڑھی۔

''بہت دیر ہو رہی ہے' گھر جاؤں گی۔ ماما اکیلی ہیں۔ معلوم نہیں انہوں نے دوائی بھی ٹائم پر لی کہ نہیں۔'' وہ لہجے کو قدرے نارمل کر کے بولی۔ اپنا تماشا بنوانا اسے پسند نہیں تھا۔

''ابھی کوئی گھر نہیں جا رہا۔ ماما کے پاس ملازم ہیں۔ تمہیں ان کا بہانہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' شاہ رخ قطعی لہجے میں کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گیا جہاں اس کے دوستوں کا گروپ اسے بلا رہا تھا۔

''آؤ نا میری فرینڈز کے پاس۔ یہاں اکیلی بیٹھ کر کیا کرو گی۔'' طوبیٰ اسے خالی ٹیبل کی طرف بڑھتے دیکھ کر بولی۔

''نہیں' تم جاؤ۔ میں کچھ دیر تنہائی چاہتی ہوں۔'' وہ قدرے رکھائی سے بولی۔

طوبیٰ سے اس دن والی جھڑپ کے بعد سے وہ بہت تجاہل سے ملتی تھی۔ طوبیٰ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی مگر وہ اس طرح بیٹھ گئی تھی' جیسے نہ طوبیٰ اس کے سامنے کھڑی ہو اور نہ ہی اتنے لوگ اطراف میں بکھرے ہوں۔

''اچھا لو کافی پی لو۔ شاید تم ٹینشن میں ہو۔'' طوبیٰ قریب سے گزرتے ویٹر سے کافی کا مگ لے کر پیار سے بولی اور زبردستی اس کے ہاتھوں میں تھما کر چلی گئی۔

ان چاروں کا تضحیک آمیز قہقہہ ابھی بھی اس کے کانوں میں گونج رہا تھا اور بہت عرصے بعد اس کی حالت جنونی سی ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا' وہاں رکھا ہوا سامان توڑ پھوڑ دے' خوب چیخے چلائے' دیوار سے سر ٹکرا کر خود کو ختم کرلے۔ اس کے ہاتھ پیروں میں ہلکی ہلکی کپکپاہٹ شروع ہو گئی تھی۔ اس نے جلدی سے کافی پی' کپ ٹیبل پر رکھ کر' خوب مضبوطی سے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر' دانتوں پر دانت جما کر بیٹھ گئی۔ اپنے ڈسٹرب اعصاب کو قابو میں لانے کا یہ ایک آسان طریقہ تھا' اس کے پاس۔ اکثر اس کی شدید غصے یا شدید رنج میں اس قسم کی کیفیت ہو جاتی تھی۔ بہت دیر بعد اس کی دھڑکنیں اعتدال پر آئی تھیں۔ اعصاب پرسکون ہوئے تو ہاتھ پیروں میں بھی جان آ گئی تھی۔ اس نے ٹشو پیپر سے پیشانی کا پسینہ صاف کیا جو سرد موسم میں بھی بہہ نکلا تھا۔

''ہیلو کیسی ہیں آپ۔'' اس کی جھکی نگاہیں اس کے بلیک چم چم کرتے شوز اور بلیک پینٹ کے پائنچوں پر تھیں۔ اسے پہچاننے میں دیر نہ لگی کہ اس سے کون مخاطب ہے مگر اس نے نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا۔

کچھ ڈھونڈ رہی ہیں آپ؟'' اس کی جھکی نگاہوں پر اس نے خوبصورت سی چوٹ کی۔ ہونہہ...... اس نے غصے سے رخ دوسری طرف کرلیا تھا۔

''جو لوگ خود اعتمادی کی کمی کا شکار ہوں یا جن کو افشائے راز کا خطرہ ہو تا وہ مقابل سے نگاہیں جھکا کر بات کرتے ہیں۔ ویسے جھکی نگاہوں کا یہ مشرقی انداز اظہار پسندیدگی کا بھی ہوتا ہے۔'' اس کا بھاری لہجہ شوخ اور مسکراتا ہوا تھا۔ اس کا انداز سوفی صد اسے چڑانے کا تھا۔

''خوش فہمی ہے آپ کو۔ نہ میں چور ہوں اور نہ مجھ میں اعتماد کی کمی ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ جھکی نگاہوں کا ایک مطلب اظہار ناپسندیدگی بھی ہوتا ہے۔'' وہ اسے بھڑکانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لائبہ ہونٹ کاٹتی ہوئی خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی طبیعت پھر اشتعال انگیز ہو رہی تھی۔

''شکر ہے' کفر تو ٹوٹا۔'' وہ مسرور سا مسکرایا۔ ''ناپسندیدگی۔ نفرت۔ شدید ترین نفرت۔ تمہارے ان زہریلے لفظوں نے ایک عرصے تک میرا خون پیا ہے' میری رگوں میں اتنا زہر بھر گیا ہے لائبہ نور کہ اب کوئی معجزہ ہی تمہیں مجھ سے بچائے گا۔'' اس کی آنکھوں میں' چہرے پر' لفظوں میں ایسے شعلے دہک رہے تھے کہ وہ غصہ' اشتعال سب بھول کر حیرانی سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''ہوش میں تو ہیں آپ۔'' وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''ہوش میں اب تمہارے آنے کی باری ہے۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کو واپس کرسی پر دھکیل دیا۔

''آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' وہ اس کی اس حرکت پر سراسیمہ سی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ سب لوگ اپنی باتوں میں مگن تھے۔

''میں نے تم سے ایک دفعہ کہا تھا نا دوبارہ کبھی غلطی سے بھی میرے اندر کے مرد کو مت للکارنا۔ وہ بہت وحشی اور بدلحاظ ہے۔'' اس کا لہجہ' اس کا انداز وہ اندر ہی اندر لرز گئی۔ وہ اس وقت خون آشام آنکھوں اور خوفناک چہرے والا کوئی آدم خور بھیڑیا لگ رہا تھا۔

''مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں آپ۔ کیا کرلیں گے آپ میرا۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''تمہاری جھوٹی' بھونڈی' فضول ضد نے مجھے اور میرے بہت سے اپنوں کو تڑپایا' رلایا اور خوار کیا ہے۔ میں اب تم سے ایک ایک زیادتی کا بدلہ لوں گا۔ تمہاری ایک ایک رگ' تمہاری بے حسی و خود پسندی کا تاوان دے گی۔ یہ بات تو اب طے ہے لائبہ نور۔'' وہ اکھڑ سرد مہر' اسے گھورتے ہوئے لفظ چبا چبا کر بول رہا تھا اور لائبہ کو لگ رہا تھا' وہ زہریلے سانپوں کے غار میں تنہا پھنس گئی ہے۔ اس کے گلابی چہرے پر پسینہ چمک اٹھا تھا۔

''اگر آپ نے مجھے تنگ کرنے کی کوشش کی نا اُسامہ ملک تو میں انکل کو سب کچھ بتا دوں گی۔''

''ہا...... ہا...... میں خود چاہتا ہوں۔ کوئی تو تمہیں بھی عقل سکھائے۔'' وہ اُسامہ نہیں کوئی ڈپلی کیٹ لگ رہا تھا' بے باک' نڈر' دھمکیاں دیتا۔ ہٹ دھرم و بے حس' بے رحم و سنگدل' اُسامہ تو بہت سنجیدہ' نرم مزاج' عزت کرنے اور کروانے والا پرخلوص سا بندہ تھا۔ یہ کون سا نیا روپ ہے اس کا۔ لائبہ بری طرح چونک گئی تھی مگر اس نے خود پر بہت کنٹرول کر رکھا تھا۔

''تم نے ایک بار نہیں' دوبار نہیں' ہزاروں بار میری چاہت کے جذبوں کی توہین کی ہے۔ بار بار میری عزتِ نفس' میری انا' میری غیرت و مردانگی کو اپنے غرور و ضد کے پیروں تلے کچلا ہے۔ میں اپنا وقار' مرتبہ' اپنی انا بھول کر تمہارے پیچھے دیوانہ وار بھاگتا رہا اور تم میرے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نفرت سے زخم لگاتی رہیں اور میں انہیں پھول سمجھ کر سنبھالتا رہا۔

''یہ آپ کی اپنی سوچیں تھیں۔'' وہ اس کی بات قطع کر کے ناگواری سے بولی۔

''اب میں تمہاری سوچیں دیکھوں گا۔'' اس کا لہجہ' اس کی آنکھیں مسلسل شعلے برسا رہی تھیں۔

''مجھے لگتا ہے آپ سچ مچ پاگل ہو چکے ہیں۔'' اس کا بے تکلفی سے پکارنا اسے سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

''شدید ترین عشق کی آخری اسٹیج دیوانگی ہی ہے مگر میں مجنوں کی طرح نہ تو صحراؤں میں لیلیٰ لیلیٰ پکارتا پھروں گا اور نہ فرہاد کی طرح تیشہ اٹھائے پہاڑ کھودنے نکلوں گا میں......''

''جانے دیں مجھے' نہیں سننا مجھے کچھ۔'' وہ کھڑے ہو کر متوحش لہجے میں بولی۔

''کہیں بھی جاؤ۔ کسی بھی قصبے' شہر' ملک ملک' نگر نگر' اُسامہ کا خوفناک آسیب ہر جگہ تمہارے ساتھ چمٹا رہے گا۔'' وہ بھی کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز دھیمی تھی مگر لہجے میں اژدہوں کی پھنکاریں تھیں۔

''ہم نے سوچا جن سے اُسامہ جیسے متقی' محتاط اور ایک حد تک مغرور و بے نیاز شخص' بہت بے فکری اور اردگرد سے بے پروا ہو کر بات کر رہے ہیں۔ ایسے خوش نصیب خاص لوگ ہی ہو سکتے ہیں اور خاص لوگوں سے ملنے کا ہمیں حد درجہ کریز ہے۔'' لائبہ ابھی ایک قدم بھی نہ بڑھا سکی تھی کہ بلیک ساڑی میں وہ بھڑکتا شعلہ ان کے نزدیک آ گیا۔ لائبہ اسے سیاست داں رستم زمان کے ساتھ مہمانوں میں قہقہے لگاتی دیکھ چکی تھی۔ بہت معنی خیز طنزیہ اور عجیب جلا بھنا سا انداز تھا اس کا اس وقت لائبہ کی سمجھ نہیں آیا کہ وہ رکے یا جائے۔ اُسامہ کے حوالے سے وہ اپنی شناخت نہیں چاہتی تھی۔

''تعارف نہیں کروائیں گے اُسامہ صاحب۔'' وہ اُسامہ کے چہرے پر بدلتے رنگ اچھی طرح پہچان رہی تھی مگر شاید بہت ہی اعلیٰ درجے کی ڈھیٹ مٹی سے بنی تھی جو مسکراتی ہوئی اس کے روبرو بغیر کسی شرمندگی و ندامت کے کھڑی تھی۔

''یہ افتخار انکل کی نیس ڈاٹر ہیں۔'' وہ خود پر قابو پا چکا تھا مگر چہرہ اس کا ابھی بھی سرخ ہو رہا تھا۔

''پلیز ٹو سی یو۔'' اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اسے بھی اخلاقاً بڑھانا پڑا۔ ہیجان انگیز پرفیوم کی مہک لائبہ کو چکرا گئی تھی۔ مصافحہ انسان کا تعارف ہوتا ہے۔ لائبہ کو اس سے ہاتھ ملانے کے بعد یہ محسوس کرنے میں دیر نہ لگی کہ وہ نمائش پسند دہری طبیعت کی مالک ہے۔ مستزاد اس کے لباس سے اٹھتی رومانس پرور مہک مردوں کو لمحوں میں دیوانہ بنا دینے والی تھی۔ لائبہ کو اس عورت سے وحشت ہونے لگی تھی مگر اُسامہ بہت اسٹائل سے اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ وہ اس سے مخاطب ہونے کو تیار نہ تھی۔

''آپ کی کیا ریلیشن ہے۔'' وہ مخاطب اُسامہ سے ہوئی تھی مگر اس کی نگاہیں بڑی حاسدانہ اور رقیبانہ انداز میں اس کے چہرے اور سراپا کا تفصیل سے جائزہ لے رہی تھیں۔

''رشتے تو میرے ان سے بہت ہیں مگر فی الحال دشمنی کا چل رہا ہے۔'' وہ دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ لائبہ ان دونوں کی نگاہوں کے حصار میں کنفیوز ہو رہی تھی۔

''دشمن اگر حسین ہو اور قریب بھی ہو تو بندے کو بہت محتاط و ہوشیار رہنا پڑتا ہے اُسامہ صاحب۔'' وہ کھلکھلاتی ہوئی بولی۔ ''میرا تعارف نہیں کروائیں گے مس لائبہ نور سے۔''

''تعارف گمنام لوگوں کے کروائے جاتے ہیں جب کہ آپ کا تعارف رستم زمان صاحب خود ہیں۔''

''کاش' یہاں کوئی فوٹو گرافر ہوتا تو لائبہ نور کو بھی آئندہ کسی تعارف کی ضرورت نہ پڑتی۔'' اس نے بہت خوبصورتی سے دونوں پر زبردست ہٹ کسی تھی۔ اُسامہ واقعی لاجواب ہو گیا تھا۔ لائبہ نور کی سمجھ سے بالاتر تھی دونوں کی گفتگو۔

''آپ بھی تو کچھ بولیں نا۔ کیا بولنے کا لائسنس نہیں ہے آپ کے پاس۔'' وہ لائبہ کی طرف دیکھتے ہوئے چہکی۔

''میں ممبر شپ کی لمٹ میں ہی بولتی ہوں۔ اس لئے لائسنس بنوانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔ آپ کو خاص لوگوں سے ملنے کا اشتیاق ہے تو مجھ سے مل کر بہت مایوسی ہو گی کہ میں بہت عام سی انسان ہوں۔'' لائبہ خشک لہجے میں بولی۔

''آپ شاید غلط فہمی کا شکار رہیں۔ جس سے اُسامہ صاحب کی دشمنی ہو جس سے باتیں کرتے وقت یہ اپنی طرف سے بے حساب اٹھنے والی نگاہوں کو محسوس نہ کر سکیں تو......''

''میں اپنے متعلق کسی دوسرے کے ریمارکس قطعی پسند نہیں کرتی۔'' اس کی فضول بکواس پر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ وہ ساری اخلاقیات و مروت بالائے طاق رکھ کر وہاں سے چلی گئی۔

''بہت ان کلچرڈ لڑکی ہے۔'' وہ اپنی اس ہتک پر سرخ ہو کر بولی۔

اُسامہ مسکراتا رہا۔ ساحرہ کے ساتھ اس کا روکھا رویہ اسے سرشار کر گیا تھا۔ اسے فخر تھا کہ ساحرہ جیسی بولڈ' چرب زبان' خوش گمان خود کو حسینۂ عالم سمجھنے والی عورت کو اس نے درست جواب دیا تھا۔ ساحرہ کا شرمندگی' ہتک اور توہین سے سرخ چہرہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔

''ینگ مین' کہاں روپوش ہو گئے تھے۔'' اسی لمحے رستم زمان اس کے نزدیک آ کر پرجوش انداز میں بغلگیر ہوتے ہوئے بولے۔ وہ اتنی محبت اور اپنائیت سے اس سے لپٹے تھے کہ اپنے گھر سے دوری' اپنوں کو دیکھنے کے لئے ترستی ہوئی بے تاب نگاہوں میں نمی سی تیر گئی تھی۔ اپنے ڈیڈی' تایا' چچا' جیسی پرشفقت مہک نے جیسے اس کا احاطہ کر لیا تھا۔ اس کے سفید ہاتھوں کی گرفت ان کے گرد لاشعوری طور پر مضبوط ہو گئی تھی۔

''کچھ خیال کیجئے۔ میرے شوہر اس عمر میں بہت نرم و نازک ہو گئے ہیں۔'' ساحرہ ہنستے ہوئے بولی۔ رستم زمان بھی ہنستے ہوئے اس سے علیحدہ ہو گئے تھے مگر وہ حد درجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ رستم زمان پر نگاہ پڑتے ہی اسے وہ تلخ رات یاد آ گئی تھی۔ اتنے' نیک' شریف' مخلص' مہربان اور شفیق انسان کی بیوی۔ کیسے بلاخوف ان کی عزت لٹا رہی تھی۔ میری قوت ایمانی نے مجھے اس گناہ سے بچایا مگر نہ معلوم یہ بدفطرت عورت کتنوں سے اپنے حسن کا خراج وصول کر چکی ہو گی۔ گھٹیا' غلیظ' بدروح' شیطان صفت عورت' اس نے نفرت کا ایک لاوا ساحرہ کے لئے اپنے اندر محسوس کیا تھا۔

''کچھ کہے بغیر ہی اس رات آپ گھر سے چلے گئے۔ ہم نہیں تھے تو ساحرہ تو تھیں گھر میں۔''

''جی ہاں' بہت زیادتی کی تھی آپ نے۔ صبح نوکر نے بتایا آپ کمرے میں نہیں ہیں۔ جب وہ بیڈ ٹی لے کر گیا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔'' اس کی عیار نگاہیں اُسامہ کے چہرے پر جم سی گئی تھیں۔ اس نے سوچا' ایک لمحے میں اس بدچلن و بدکردار عورت کے چہرے سے باحیا اور وفا پرست بیوی کا نقاب نوچ کر اس کی اصلی گھناؤنی صورت دکھا دے مگر ان کے شفیق مسکراتے چہرے پر نظر ڈال کر اس نے ارادہ بدل دیا۔ وہ اس سے جتنی شدید محبت کرتے تھے' وہ اس سے واقف تھا اور شاید اتنا شدید صدمہ وہ برداشت بھی نہ کر پائیں گے اور اتنے بااخلاق و بامروت انسان کی جدائی وہ برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ سو درگزر کر گیا۔

''آپ بیٹھیں نا سر۔ اس رات کو مجھے ضروری کام یاد آ گیا تھا اس لئے میں چوکیدار کو بتا کر آیا۔ شاید اس نے آپ کو بتایا نہیں۔'' اس کے بہانے پر ساحرہ کے تپتے ہوئے چہرے پر پرسکون مسکراہٹ آ گئی تھی۔ وہ اٹھلاتی ہوئی ان کے درمیان کرسی پر بیٹھ گئی۔ موسم سرد تھا۔ الیکٹرک ہیٹرز کی وجہ سے ماحول گرم ہو رہا تھا۔ باوردی ویٹرز گرین ٹی' کافی' ٹی سب کو حسب خواہش سرو کرتے پھر رہے تھے۔ ویٹر ان تینوں کو کافی کے مگ پکڑا کر گیا تھا۔

رستم زمان اس سے سیاسی گفتگو میں مصروف ہو چکے تھے۔ جس کا سلسلہ وقفے وقفے سے ٹوٹ جاتا۔ جب کوئی ملنے والا ان کے پاس ہیلو ہائے کرنے چلا آتا۔ رستم زمان سیاست میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کی پارٹی ایک عرصے سے اس میدان میں سرگرم عمل تھی۔ عوام میں ان کی بہت شہرت و عزت تھی۔ اُسامہ بھی تیزی سے اس افق پر ابھر رہا تھا اور دونوں ہر دلعزیز لیڈر اس وقت لوگوں کے درمیان ایک میز پر موجود تھے اور لوگ ان سے ہاتھ ملانا' بات کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھ رہے تھے۔ سائیڈ کی ٹیبل پر لائبہ' طوبیٰ' شاہ رخ اور سمیرا اشنا وغیرہ کے ساتھ بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ وہ سب باتوں میں مصروف تھیں مگر اس کے چہرے سے محسوس ہو رہا تھا' وہ ڈسٹرب ہے۔ کچھ سوچتی ہوئی خاموش' ان کے درمیان بیٹھی تھی۔ سردی کی وجہ سے اس کے گلابی عارض سرخ ہو رہے تھے۔ سرخ عارضوں پر جھکی کالی لمبی لمبی خمدار پلکیں بڑی دلکش لگ رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی اور وہ کیا سوچ رہی تھی' یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کی اضطرابی و اضطراری حالت اس کے جذبۂ انتقام سے بھڑکتے دل و دماغ پر ٹھنڈک سی پیدا کر رہی تھی۔ اس کی بے اختیار نگاہ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ہر نظر اس کے اندر کے اذیت پسند مرد کو سرور کر رہی تھی۔

''کوئی چہرہ اتنا' گڈ لک' ہوتا ہے کہ اچھے بھلے شریف النفس' شقی القلب بندے کو' نظر باز' بنا دیتا ہے۔ اردگرد سے بے خبر و بے پروا ہو جاتا ہے وہ۔'' ساحرہ جو اس کی ایک ایک حرکت بغور نوٹ کر رہی تھی' کافی کا مگ منہ سے لگاتے ہوئے آہستہ سے بڑبڑائی۔

''مسز رستم زمان! میرا خیال ہے' آپ میرے بارے میں سوچنے سے پہلے ہزار بار اپنی' گردن' کے بارے میں ضرور سوچیں گی۔'' اس نے بھی اسی کے انداز میں اسے سمجھایا تھا۔ رستم زمان زور شور سے اپنے دوست سے باتوں میں مصروف تھے۔ ساحرہ واقعی خاموش ہو گئی تھی۔ اُسامہ' رستم زمان کے ساتھ باتوں میں شریک ہو گیا تھا۔ آرگنزا کے شوخ ملٹی کلر ٹیسٹ سوٹ میں ملبوس سامنے بیٹھی لائبہ کا ریڈ دوپٹے میں لپٹا چہرہ ماورائی حسن لئے ہوئے تھا۔ ہیرے کی کنیوں کی طرح جگمگاتی اس کی گرین آنکھیں' لمبی کالی پلکیں' خوبصورت سی ستواں ناک' ڈارک پنک ہونٹوں کا کلر نیچرل تھا۔ خشک موسم سے اس کے رخسار سرخ ہو کر اسے اتنا حسین بنا گئے تھے کہ بے اختیار اس پر نگاہ اٹھ جاتی تھی۔ ٹیبل پر رکھے اس کے دلکش ہاتھ ایک دم سفید اور گلابی سے تھے۔

ساحرہ جتنی باریک بینی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی' اس کے اندر انگارے بھی اتنے ہی دہک رہے تھے۔ حسین تو وہ بہت تھی مگر سامنے بیٹھی لائبہ کے چہرے پر پھیلی غیر معمولی معصومیت اور سادگی نے اس کے حسن کو پُروقار سی جلا بخشی تھی۔ اس کے سنجیدہ و بے نیاز انداز نے اس کے گرد ایسی حفاظتی دیوار کھڑی کر دی تھی کہ اکثر اس سے دوستی کرنے کے خواہش مند صرف دور دور سے ہی نگاہوں کو سیراب کر سکتے تھے۔

''اوہ۔ اُسامہ ملک' تم واقعی مرد ہو۔ مردانگی کی شجاعت و وقار کو تم نے ہی زندہ رکھا ہے۔ یہ چٹان کی طرح مضبوط اور سنجیدہ کلیوں کی طرح باعزت و پاکیزہ لڑکی واقعی تم جیسے بلند کردار و باایمان مرد مومن کی چوائس ہو سکتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تم نے کہا تمہارا اس سے دشمنی کا رشتہ ہے۔ شاید تم نے مجھے وہاں سے ٹالنے کے لئے ایسا کہا ہو گا۔ میں

تم دونوں کے درمیان دیوار بن گئی تھی اور محبت میں دیوار کسی کو بھی پسند نہیں ہوتی مگر مجھے تمہارا اس سے سرگوشیوں میں بات کرنا پسند نہیں آ رہا تھا۔ میں حسد میں جل رہی تھی۔ تمہاری نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔ تم نے میری طرف کبھی غلطی سے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔ تمہیں جو ہر وقت اپنی عزت' وقار اور کیریئر کی فکر رہتی ہے۔ اس وقت مدہوش ہو کر ہزاروں لوگوں کی نگاہوں سے بے پروا باتوں میں مگن تھے۔ تمہیں نہ عزت کی فکر تھی نہ وقار و کیریئر کی پروا نہ اسکینڈل کی پریشانی کی۔ تم پوری طرح اس کی ذات میں گم ہو گئے تھے۔ وہ تمہارے روبرو بیٹھی اتنی مکمل لگ رہی تھی۔ اتنا بھرپور کپل' ایسا لاجواب پیئر میں نے کبھی نہیں دیکھا' اس لمحے مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میرا دل کہہ رہا تھا۔ ساحرہ میں نہیں' وہ ہے۔ وہی وہ بجلی ہے جو تمہیں خاکستر کر گئی ہے۔ وہی لڑکی ہے جو تمہیں عرش سے فرش پر پھینک چکی ہے۔ جس کا چہرہ' جس کے نقوش تم چاند میں تلاش کرتے ہو۔ کتنی لکی ہے وہ۔

''کہاں غائب ہیں ڈیئر۔ کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' رستم زمان دوست سے فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے تو وہ چونک کر مسکرا دی۔ آنکھوں میں پانی چمک رہا تھا۔

''اسٹیج پر ملک کا مشہور سنگرز گروپ گانے میں مصروف تھا۔ نو بج رہے تھے۔ لائبہ کو ماما کی فکر تھی۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ افتخار صاحب کے اصرار کی وجہ سے آ گئی تھی۔ اب ان سے جانے کی اجازت لینا چاہتی تھی مگر شاہ رخ اور طوبیٰ اسے انکل آنٹی تک پہنچنے ہی نہیں دے رہے تھے۔ اب بھی وہ ان سے بہانہ بنا کر انکل کے پاس جا رہی تھی کہ اُسامہ ایک پروقار معمر سے شخص کو لے کر اس کے نزدیک چلا آیا۔

''دیکھیے سر۔ یہ ہیں آپ کی مریضہ۔'' وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہوا اپنے ساتھ موجود شخص سے بہت احترام سے بولا۔

''ہیلو بے بی۔ کیسی ہیں آپ۔'' ان کا انداز ایسا تھا' جیسے وہ بہت چھوٹی بچی ہو۔

''جی! میں نے پہچانا نہیں آپ کو۔''

''دیکھا سر۔ یہ حالت ہے ان کی۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے آپ کے بارے میں' میں ان کو بتا چکا ہوں۔'' اُسامہ کا لہجہ سنجیدہ و تشویش زدہ سا تھا۔ وہ اس کے جھوٹ پر ششدر رہ گئی۔

''آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ میں ڈاکٹر اصغر ہوں۔'' وہ اسی انداز میں گویا ہوا۔

''ڈاکٹر اصغر۔ نہیں مجھے یاد نہیں آ رہا۔'' ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود اسے ان کی شناخت نہ ہو سکی۔

''یونین کی طرف سے دی جانے والی پارٹی میں آپ نے زہریلا پانی پی لیا تھا۔ اس کے بعد آپ کا علاج میرے اسپتال میں ہی ہوا تھا۔ میں نے ہی آپ کا علاج کیا تھا۔ یاد آیا کچھ۔'' ڈاکٹر اصغر بولے۔

''جہاں فرسٹ ٹائم آپ پر نفسیاتی اٹیک ہوا تھا۔'' اُسامہ کا بظاہر عام اور فکرمند سا انداز اسے اندر تک دہلا گیا تھا۔ اسے پہلی مرتبہ اس سے خوف محسوس ہوا۔ اس کے پاس ڈاکٹر اصغر کو لانا۔ اسے نفسیاتی دورے کا یاد کروانا۔ اس کی چھٹی حس مستقل خطرے کا الارم دینے لگی۔ اسے لگ رہا تھا' یہ شخص کوئی انتہائی خطرناک جال اس کے اردگرد بن رہا ہے۔

''اتنا زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اس بات کو۔ میری یادداشت میں آپ سے شناسائی محفوظ نہ رہ سکی۔''

''او کے۔ ہم پھر ملیں گے مگر آپ میرے کلینک اپنے کزن کے ساتھ ضرور آیئے گا۔'' ڈاکٹر اصغر جو بغور اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہے تھے' اُسامہ کی سمت اشارہ کر کے بولے۔

''یہ۔ یہ میرے کزن نہیں ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں یہ۔'' وہ دہشت زدہ سی بولی۔

''او کے۔'' ڈاکٹر اصغر اسے تسلی دینے والے انداز میں بولے اور اسے خدا حافظ کہتے ہوئے اُسامہ کے ساتھ آگے بڑھ گئے مگر ان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اسے نارمل محسوس نہیں کر رہے۔ مستزاد اُسامہ کا انداز جیسے کوئی اس سے بڑا ہمدرد و درمند کوئی نہ ہو اس کا۔ اس کا دماغ کول کول پھیلتے سکڑتے دائروں کی زد میں آ چکا تھا۔ وہ اب ایک سیکنڈ بھی یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ مسٹر اور مسز افتخار کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اسے اطمینان سا ہوا۔

✦ ✦ ✦

''کنول میری بیٹی ہے اس لئے اس پر میرا حق زیادہ ہے۔ آپ اپنی مرضی نہیں چلا سکتے توفیق صاحب۔ اس کی شادی میرے بھائی کے بیٹے زبیر سے ہی ہو گی۔'' مسز توفیق ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی نیل پالش لگاتے ہوئے بولیں۔ ان کا مزاج خوب گرم تھا۔

''اس ڈفر سے شادی کرنے سے بہتر ہے' میں اپنی بیٹی کو اندھے کنوئیں میں دھکا دے دوں۔ کنول کی شادی آپا کے بیٹے وسیم سے ہو گی۔ میری ہی لائن میں ہے وہ اور زیادہ ترقی کرنے کے چانس ہیں اس کے۔ خوش رہے گی کنول اس کے ساتھ۔'' بیڈ پر نیم دراز نیوز پیپر دیکھتے ہوئے توفیق صاحب کا لہجہ پرسکون تھا۔ ان کا مطمئن انداز انہیں ہمیشہ سلگا دیا کرتا تھا۔

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ایک انسپکٹر سے شادی کر کے قیدیوں جیسی زندگی گزار رہی ہوں۔ اپنی بیٹی کو میں اس جہنم میں نہیں گرنے دوں گی اور آپ کا خاندان تو مجھے ویسے ہی ایک آنکھ نہیں بھاتا۔'' وہ چہرے پر فاؤنڈیشن لگاتے ہوئے چیخ کر بولیں۔

''آہستہ بیگم' نازک حلق میں چیخنے سے خراشیں پڑ جاتی ہیں۔'' ان کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

''اوہ توفیق صاحب' میں پاگل ہو جاؤں گی۔'' وہ زچ ہو کر بولیں

''کب تک۔ میری سمجھ نہیں آتا آپ کو پیشگی اطلاع کہاں سے مل جاتی ہے۔'' وہ ان کی طرف دیکھ کر بولے۔

''جی پاپا آپ نے مجھے بلوایا ہے۔'' مسز توفیق کے بولنے سے قبل کنول اندر آ کر ان سے مخاطب ہوئی۔

''لیس سٹ ڈاؤن۔'' ان کے لہجے میں شفقت پنہاں تھی۔ وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

''میں تمہاری شادی زبیر سے کر رہی ہوں۔ مجھے امید ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

''لیکن ممی اتنی جلدی۔ ابھی تو میرا ہاؤس جاب کمپلیٹ ہوا ہے۔ اب میں اپنا ذاتی کلینک کھولنا چاہتی ہوں۔ اتنی جلدی نہیں۔'' کنول سخت ٹینس ہو گئی تھی۔

''لڑکیوں کی شادی مناسب عمر میں ہو جائے یہی بہتر ہے۔ تمہیں تو پھر بھی اتنا ٹائم مل گیا۔ میری شادی بہت کم عمری میں ہی ہو گئی تھی۔'' وہ ہاتھوں پر ہینڈ لوشن کا مساج کرتے ہوئے سخت لہجے میں بولیں۔

''پاپا آپ۔''

''مجھے تو لگتا ہے' میں پیدا ہی شادی شدہ ہوا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے ان کے انداز پر وہ پریشانی میں ہنس دی تھی۔

''پاپا! آپ ممی کو سمجھایئے نا۔ میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔''

''سمجھایا بھی ان کو جاتا ہے جن کے پاس مائینڈ ہو۔ آپ کی ممی تو نیور مائنڈ ہیں۔''

''میں تم باپ بیٹی کی سازش کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ زبیر اگلے فرائی ڈے کو پاکستان آ رہا ہے۔ اس کے آتے ہی میں کوئی بات نہیں سنوں گی۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے ڈریس تبدیل کرنے واش روم کی طرف بڑھ گئیں۔

''آپ کی کسی سے کمٹ منٹ ہے۔'' وہ کنول کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر بولے۔

''وہ...... پاپا......''

''بولیں بیٹا! میں ایسے کیس میں لڑکیوں کی رائے کو بہت اہمیت دیتا ہوں اگر آپ کو کوئی پسند ہے تو بلا جھجک بولیے۔ میں آپ کو اجازت دے رہا ہوں۔''

''پاپا' میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

''او کے سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لینا۔ اپنے داماد کے لئے ہماری صرف یہی شرط ہے۔ شریف اور معقول ہو' عزت کی روٹی کھاتا ہو' مجرم نہ ہو۔'' ان کی سوچ ان کے پیشے کے ہی گرد گھومتی تھی۔

✦ ✦ ✦

''بوا! آپ نے خود کو امی' اماں کہلوانے کے بجائے بوا کیوں کہلوانا پسند کیا۔'' اُسامہ چائے پیتے ہوئے بوا سے مخاطب ہوا۔

''ہمارے وقت میں شرم و حیا بہت تھی۔ بزرگوں کی موجودگی میں تو بچوں سے کبھی پیار بھی نہیں کیا ہم نے۔ وہ اچھا وقت تھا۔ یہ بجلی' پانی' گیس کے آرام نہ تھے مگر ان وقتوں میں دنگے فساد اور لڑائی جھگڑے بھی نہ ہوتے تھے۔ لکڑیوں سے کھانا' روٹی چائے سب پکاتے تھے۔ وہ کھانا بھی بہت لذیذ پکتا تھا اور اتنی بیماریاں بھی عام نہیں تھیں۔ سر شام ہی اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے ہم اپنے کام کاج سے فارغ ہو جاتے تھے۔ جب بجلی بھی نہیں تھی۔ کوئی اتنا بگڑا ہوا بھی نہیں تھا۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر عشاء کی نماز پڑھی اور آرام سے سو گئے۔ صبح فجر سے پہلے آنکھ کھل جاتی۔ بہت اچھا نظامِ زندگی تھا۔ رات کو جلدی سونا' صبح سویرے اٹھنا' صحت بھی سب کی اچھی تھی۔ آج کل کی طرح نہیں تھا۔ آدھی آدھی راتوں کو سو دن چڑھے نحستیوں کی طرح اٹھو۔ صبح خیزی اور نماز سے محروم۔ بلکہ اکثر تو فجر کی اذان تک نہیں سنتے۔ بند کمروں میں کہاں اذان کی آواز جائے گی۔ اس وقت میں گھروں میں نل نہیں لگے تھے۔ کنوئیں سے ہم پانی بھر کر لاتے اور بہت احتیاط سے پانی خرچ کرتے تھے۔ ہماری دادی کہتی تھیں' پانی فالتو نہیں بہایا کرو' مرنے کے بعد اس کا بھی حساب دینا ہو گا مگر اب تو یہ تصور ہی ختم ہو گیا حساب کتاب کا۔ جہاں ایک کنستر پانی استعمال ہو سکتا ہو وہاں لوگ چار بہا دیتے ہیں۔ عجیب بے خبری و آرام پسندی میں لوگ پڑے ہیں۔'' وہ گود میں لیٹی سوئی ہوئی مریم کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنے حال اور مستقبل کا موازنہ کر رہی تھیں۔

''میں آپ کی سچی باتوں سے دل سے متفق ہوں۔ سائنس نے جہاں ہم لوگوں کو بہت سہولتیں دی ہیں' وہاں ہم سے بہت سی قدرتی سہولتیں بھی چھین لی ہیں مگر میں نے آپ سے پوچھا تھا آپ عبدل سے خود کو بوا کیوں کہلواتی ہیں۔'' وہ کپ سائیڈ میں رکھتے ہوئے بولا۔ اس کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔ عبدل باہر بچھے تخت پر پہلے ہی لیٹ چکا تھا۔ بوا اور مریم دوسرے کمرے میں سوتی تھیں۔ اُسامہ اس کمرے میں پلنگ پر سوتا تھا۔

''شرم آتی تھی اماں کہلواتے ہوئے۔ اس وقت میں امی یا ممی کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جو بڑی ہوتی تھیں' گھر کی انہیں' اماں' کہا جاتا تھا' ورنہ ہم تو اپنی سگی ماں کو بھی 'آپا' کہا کرتے تھے۔ یہ تو آج کل کی بے حیائی ہے کہ لڑکیاں خود کو امی' ڈمی' ممی کہلواتی ہیں۔'' وہ کچھ اس انداز میں بولیں کہ اُسامہ اور باہر لیٹا عبدل بے اختیار قہقہہ لگا بیٹھے تھے۔

✦ ✦ ✦

''ہیلو تابی' میں شمائلہ بول رہی ہوں' گھر سے۔'' شمائلہ ریسیور پکڑے ایکسائیٹڈ سی اسے بتا رہی تھی۔ حقیقی مسرت و شادمانی سے اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ ''تمہیں حیرت نہیں ہوئی میں نے 'گھر سے' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تمہیں معلوم ہے' ہم نئے گھر میں شفٹ ہو گئے ہیں۔''

''کس طرح۔ کس نے بتایا۔'' وہ حیران تھی۔ ''اور بھائی تمہیں پہلے ہی بتا چکے ہیں۔''

''انہوں نے اس کو بتایا ہو گا۔'' ریسیور سے نکلتی تابندہ کی آواز پر وہ بولی۔ ''امی' تابش کا یہاں قریبی اسکول میں ایڈمیشن کروانے گئی ہیں۔ ابو سو رہے ہیں۔ آج کل ان کا موڈ بہت اچھا ہے۔ انور بھائی کہیں باہر گئے ہیں۔'' ''گھر کیسا ہے۔''

''یہ تم یہاں آ کر خود دیکھنا۔ فاران بھائی کو سلام کہنا۔ پھوپو اور پھوپا کو بھی۔ گھر سیٹ کر رہی تھی۔ اس لئے ایک ہفتے کی چھٹی لی ہے کالج سے۔ اچھا خدا حافظ۔'' اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

یہ چار بڑے کمروں کا خوبصورت فلیٹ تھا۔ جس کے تینوں اطراف بالکونیاں تھیں۔ چاروں کمرے پنک پیس ماربل سے بنے ہوئے تھے۔ کچن باتھ رومز وغیرہ میں خوبصورت ٹائلز لگے ہوئے تھا۔ یہاں سارا سامان نیا لیا گیا تھا۔ فرنیچر' کراکری' فریج' واشنگ مشین اور کچن میں ضروریات کی ہر جدید مشین اور سامان موجود تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ کالج میں دوستوں کی زبانی ایسے سہولت دینے والے سامان کے بارے میں وہ بہت کچھ سن چکی تھی مگر اب استعمال کرکے' اپنے گھر میں موجود دیکھ کر خوشیوں سے سرشار تھی۔ اس کے بھائی نے یہ سب ان کی خاطر کیا تھا۔ وہ انہیں خوش وخرم دیکھنا چاہتا تھا۔ کتنا پیارا تھا' وہ جو اس قدر محنت ان کے بہتر حال اور بہترین مستقبل کے لئے کررہا تھا۔ انور کی محبت اس کے دل میں اور دوچند ہوگئی تھی۔ تابش ابھی چھوٹی تھی اس لئے وہ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھی۔ اس کا ہر کام اس کے کہنے سے پیشتر تیار ملتا تھا اسے۔

''آپی! امی تو سیڑھیوں کے پاس بیٹھ رہی تھیں۔ باہر گیٹ پر تالا لگا دیکھ کر وہ تو میں نے بتایا کہ یہ تو ایسے ہی شوپیس ہے۔'' اندر داخل ہوتے ہوئے تابش ہنستی ہوئی پیچھے آتی خورشید بیگم کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

''یہ تالے کی کیا شو ہوئی بھلا۔ کوئی مہمان وغیرہ آئے تو واپس ہی لوٹ جائے کہ دروازے پر تالا لگا ہوا ہے گھر میں کوئی نہیں ہوگا۔'' خورشید برقع اتارتے ہوئے بولیں۔

''آہستہ آہستہ سمجھ میں آئیں گی امی یہ باتیں بھی۔'' شائلہ مسکراتی ہوئی برقع ان کے ہاتھ سے لے کر بولی۔

''ایڈمیشن ہوگیا تابش کا؟''

''ہاں آپی۔ سچ اتنا خوبصورت اسکول ہے۔ گارڈن کی طرح جھولے بھی ہیں اس میں۔'' ان کے بجائے تابش خوشی سے جھومتی اس کے ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''امی! اب تم یہ برقع پہننا چھوڑ دو۔ شال اوڑھا کرو۔ یہاں کوئی برقع نہیں پہنتا۔''

''شاباش۔ اچھا مشورہ دے رہی ہو ماں کو آج تمہیں میرا برقع برا لگنے لگا۔ کل کو لباس بھی۔''

''امی ایسا تو نہیں کہا میں نے۔'' شائلہ جلدی سے ان کی بات کاٹ کر بولی۔

''خاندانی لوگ جو ہوتے ہیں نا' وقت بدلنے پر اپنے چلن نہیں بدلتے جس کے دن اللہ پھیر دے۔ ہمیں اپنا پہلا وقت کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔ اب ضروری تھوڑی ہے۔ بے پردگی و بے حیائی سے لوگوں کو جتانا کہ ہم پیسے والے ہوگئے ہیں۔'' خورشید بی بی نے ناصحانہ لہجے میں شائلہ کی گوشمالی کرڈالی تھی۔ وہ شرمندہ شرمندہ سی کچن کی طرف چل دی تاکہ دوپہر کے کھانے کا انتظام کرسکے۔

✦ ✦ ✦

''بھائی!'' اُسامہ ڈاکٹر اصغر کے اسپتال سے نکل رہا تھا کہ جانی پہچانی آواز سن کر رک گیا۔ پارکنگ لاٹ سے ثمیر اس کی طرف دوڑتا ہوا آرہا تھا۔ اُسامہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا وائٹ لفافہ جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر زپ بند کردی۔ ثمیر اس کے قریب آکے بڑے پرجوش انداز میں لپٹ گیا۔ اُسامہ کا انداز اس سے کم پرجوش نہ تھا۔

''کہاں چلے گئے تھے بھائی آپ۔ سب کتنے پریشان ہیں۔ سب سے زیادہ حالت اماں جان کی خراب ہے۔'' ثمیر اس سے لپٹے ہوئے بولا۔

''کیا ہوا اماں جان کو؟'' وہ پریشانی سے بولا۔

''وہ آپ سے کتنی محبت کرتی ہیں۔ اس کا اندازہ شاید نہیں ہے آپ کو۔ ورنہ یہ سوال نہیں کرتے۔''

''اپنے اندازوں پر اب اعتبار نہیں رہا ہے مجھے۔'' وہ اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''کس کی محبت کی کھوٹ نے آپ کا اعتبار توڑ دیا ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں دباتے ہوئے بولا۔

''اماں کو ڈاکٹر وغیرہ کو دکھایا؟'' اس کی بات اس نے نظر انداز کردی تھی۔

''ان کے ڈاکٹر اور دوا آپ ہی ہیں۔ ان کی یہی ضد ہے کہ کہیں سے بھی ان کے اُسامہ کو لایا جائے۔ انکل اسد کو پہلی بار میں اتنا پریشان دیکھ رہا ہوں۔ اماں ان سے بات نہیں کررہیں۔ فوزیہ آنٹی الگ انہیں نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کرچکے ہیں۔ پلیز بھائی' اب تو آپ غصہ تھوک دیں۔ ریئلی سب پریشان ہیں۔ ڈیڈی بھی بہت فکرمند ہیں آپ کی طرف سے۔ ریاض بھائی' فیاض' ارشد ہم سب بہت خوار ہوئے ہیں۔ اب آپ گھر چلیں انکل پشیمان ہیں اپنے غصے پر۔ میں انہیں پشیمان نہیں دیکھنا چاہتا۔ یہاں لوگ بڑی حیرانی سے ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ آیئے کہیں نزدیکی کافی ہاؤس میں چلتے ہیں۔ انکار کی معمولی سی بھی گنجائش نہیں ہے۔ آپ میری کار میں بیٹھیے۔ میں اندر سے بیگ لے آؤں۔'' وہ ایک سانس میں کہتا ہوا اندر کی جانب بھاگ گیا۔ اسے مجبوراً کار کی طرف بڑھنا پڑا۔

اسے سگریٹ کی شدید خواہش ہورہی تھی مگر اسے امید تھی ثمیر زیادہ دیر نہیں لگائے گا اور اس کے سامنے سگریٹ پینا اسے گوارا نہ تھا کہ وہ کل کو اس کی تقلید کرسکتا تھا پھر وہ دس منٹ سے کم عرصے میں ہی اسپتال سے برآمد ہوچکا تھا۔

''آپ بور تو نہیں ہوئے۔'' وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''نہیں۔ کسی کو فون کرکے آئے ہو۔'' اس نے بہت نارمل انداز میں پوچھا تھا مگر ثمیر کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر لمحے بھر کو لڑکھڑا سے گئے تھے۔

''وہ...... آپ کو کیسے معلوم ہوا؟'' وہ مدھم آواز میں بولا۔

''تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں میں۔'' وہ مطمئن انداز میں بات کررہا تھا۔

''یہ سرپرائز ہے آپ کے لئے۔'' اس کی مسکراہٹ اسے حوصلہ دے گئی تھی۔ وہ ریسٹورانٹ کے گرم و پرسکون ماحول میں کافی پی رہے تھے۔

''آپ یہاں کیوں آئے تھے۔ میرا مطلب ہے اسپتال۔''

''اسپتال۔'' اس کی آنکھوں میں پراسرار سی چمک ابھر آئی تھی۔ وہاں اسپیشلسٹ ڈاکٹر اصغر خان سے اپائنٹ منٹ تھی۔ ایک مریض کے متعلق ڈسکس کرنا تھا ان سے۔ وہ ہاٹ کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے بولا۔

''ڈاکٹر اصغر خان وہ سائیکاٹرسٹ ہیں' یہ اسپتال بھی ان کی ملکیت ہے۔ کون ہے بھائی' وہ ایب نارمل۔'' ثمیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے متجسس تھا۔

''فرینڈ ہے میرا۔ تم یہاں کیا کرنے آئے تھے۔ کافی پیو ٹھنڈی ہورہی ہے۔''

''ہاؤس جاب ہے میرا' مختلف اسپتالوں میں ڈیوٹی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔'' وہ کپ اٹھا کر بولا۔

وہ کافی پی کر باہر آئے تھے۔ روحیل صاحب کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اسے یاد آیا۔ ثمیر نے کسی کو فون کیا تھا۔ جو وہ راستے اور یہاں کی باتوں کے دوران بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ وہ بھی بے اختیار ان کے سینے سے لپٹ گیا۔ اس کا انداز بالکل اس گمشدہ بچے جیسا تھا جو بہت صعوبتوں اور پریشانیوں کے دن دیکھنے کے بعد اچانک اپنوں سے آملا ہو۔

''مائی سن' مائی جگر' یار ایسے بھی کوئی اپنوں کی محبتوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔ ایسے غائب ہوئے کوئی نقش پا ہی چھوڑ کر نہ گئے۔'' وہ اس کی کشادہ پیشانی چومتے ہوئے سرشار لہجے میں بولے۔

''میں اپنے نقش قدم پر کسی کو بھی چلانا نہیں چاہتا۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

''ڈیڈی! گھر چلئے لوگ یہاں دلچسپی سے یہ ملن رت دیکھ رہے ہیں۔'' ثمیر اپنے موڈ میں آچکا تھا۔

''چلو بھئی۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے باہر کی سمت چل دیے۔

''ڈیڈی اب ان کا ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ اب یہ کہیں نہیں جائیں گے۔'' ثمیر ہنستے ہوئے بولا تو وہ بھی مسکرا دیے۔

باہر کار کے پاس کھڑے اسد صاحب کو دیکھ کر اُسامہ شدید حیرانی میں مبتلا ہوگیا تھا۔ وہ شخص جس کے پاس کبھی بیوی بیٹے کے ساتھ ڈنر اور لنچ کے لئے ٹائم نہ ہو۔ وہ یہاں ایک عام شاہراہ پر کار سے ٹیک لگائے فضول اپنا ٹائم ضائع کیوں کررہے تھے۔ یہ احساس' یہ یقین' اتنا پاورفل تھا کہ وہ ان کی تمام زیادتیاں' اشتعال انگیزیاں بھلا کر ان کے سینے سے لگ جانا چاہتا تھا مگر بچپن سے قائم ان کے اور اپنے درمیان دیوار تکلف اور اجتناب کی حائل ہوگئی تھی۔ وہ اپنی خواہش کو دباتا انکل کے بازو کے گھیرے میں ان تک پہنچ گیا۔

''السلام علیکم ڈیڈی۔'' ہمیشہ اس کی نگاہیں ان کے آگے نیچی اور لہجہ دھیما ہوجاتا تھا۔

''وعلیکم سلام۔'' ان کا بھی دل چاہ رہا تھا' اس کا مضبوط جسم اپنی آغوش میں لے کر اپنی ساری تشنگی مٹا ڈالیں۔ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کی روح تھی اس میں' ان کی جان تھا وہ۔ ایک ماہ اس کی جدائی ان کے حواس منتشر کرگئی تھی۔ گھر والوں سے چھپ کر کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تھا اسے۔ اپنے تمام بااعتماد واقف کاروں کو اس کی خاموش تلاش میں لگا دیا تھا مگر کوئی بھی اسے ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ مختلف واہموں و وسوسوں نے انہیں بے حال کردیا تھا مگر وہ اندر ہی اندر اس کی پریشانی سے قطرہ قطرہ پگھل رہے تھے۔ سارا بزنس منیجرز اور سیکریٹریز کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جو مسلسل بزنس ٹورز کی پرواز میں کسی پرندے کی طرح محو رہتے تھے۔ مکمل تیس دن نہ انہیں کاروبار کا نفع یاد رہا' نہ نقصان اب اسے سامنے کھڑے دیکھ کر ان کا دل مچل رہا تھا' اسے سینے سے لگانے کے لئے مگر اس وقت بھی ان کی اپنی قائم کی گئی حد اور فضول انا نے انہیں پتھر کا بنا دیا تھا۔ انہوں نے حسب عادت اسے سخت اور اکھڑ لہجے میں سلام کا جواب دیا تھا۔

''بھیا! آپ کی اس سردمہری و سخت مزاجی نے ہی تو آپ کو سب سے دور کردیا ہے۔ جانتا ہوں' اس کی جدائی میں آپ کا کیا حال ہے۔ کس طرح آپ بزنس اور اپنے معمولات سب بھلا کر گھر میں بیٹھے ہیں۔ بھیا آج کل کا وقت جو ہے' وہ کھل کر اقرار محبت اور اظہار خیال کا ہے۔ آپ کو دل میں چھپی اس کے لئے محبت اور چاہت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ چلئے سینے سے لگایئے اپنے بیٹے کو۔'' وہ اُسامہ کو اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ اُسامہ آگے بڑھ کر خود ہی ان کے سینے سے لگ گیا۔ ایک ماہ کی کوفت' جدائی' اذیت سب غروب ہوگئیں۔ وہ جوان تھا' صحت مند اور لمبے قد کا مالک تھا مگر ان کے سینے سے لگا کوئی معصوم بچہ ہی دکھائی دے رہا تھا۔

''آپ کی جدائی نے پہلی بار یہ احساس دلایا ہے۔ اولاد کی جدائی روح کی جدائی سے بھی زیادہ اذیت ناک ہے۔'' وہ اس کے ڈارک براؤن بال چومتے ہوئے بولے۔

''سوری ڈیڈی۔ میں بھی اس دن بہت گستاخی کرچکا ہوں۔'' وہ دھیمی آواز میں نادم کھڑا تھا۔

''مجھے فخر ہے میرا بیٹا بہت اعلیٰ ظرف ہے۔ گھر چلو۔ اماں جان' آپ کی مما' تائی' چچی وغیرہ بہت فکرمند اور پریشان ہیں۔'' اسد صاحب اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے نرم لہجے میں بولے۔

''ڈیڈی! آپ انکل کے ساتھ اماں کے ہاں چلے جائیں۔ میں ابھی ممی اور ارشد بھائی کو لے کر وہاں آرہا ہوں۔'' ثمیر اُسامہ سے ہاتھ ملاتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

''سب گھر والے اسے یوں گھیرے بیٹھے تھے' جیسے وہ صدیوں بعد گھر آیا ہو۔ اماں جان نے جس بے قراری اور رقت آمیزی سے اس کا استقبال کیا تھا' وہ پریشان ہوگیا تھا۔ کتنے منٹ اپنے بازوؤں کے حصار میں اسے لئے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔ اس نے آج پہلی مرتبہ انہیں بے دریغ آنسو بہاتے دیکھا تھا اور مشکل سے خود کو سنبھال پایا تھا۔ اماں جان جو ہمیشہ اٹل چٹان کی طرح رہا کرتی تھیں۔ سخت مزاج' اپنی بات منوانے والی' اپنی چلانے والی' کوئی ان کے آگے تڑپ تڑپ کر مرجائے کسی معاملے میں اگر وہ نہ کہہ دیں تو نہ ہاں میں بدلتی نہیں تھی اس طرح بہت بااصول اور آمرانہ مزاج اماں جان کو اس کی دربدری کے دکھ نے ریزہ ریزہ کردیا تھا۔ کوثر تائی نے یوں تڑپ کر اسے سینے سے لگایا تھا' جیسے انہوں نے ہی اسے جنم دیا ہو زینی اسے دیکھ کر اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ اسے یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ وہ اس کی سگی بہن ہے' کزن نہیں ریاض' فیاض اس قدر والہانہ انداز میں ملے کہ وہ خود ہی نادم ہوگیا۔ اتنے پرخلوص اور بے انتہا چاہنے والے لوگ اس کا نصیب تھے اور وہ وقتی جذباتیت اور بے وقوفی میں اپنے ساتھ انہیں بھی خوار کرتا رہا۔ اپنے گھر سے فرار' اپنے لوگوں سے فرار' اپنی ذات سے فرار' وہ فرار در فرار کی راہیں کیوں اپنا تا رہا' صرف ایک وجود کو بھلانے کی خاطر اور یہ کوئی دانش مندانہ اقدام نہ تھا۔ سائے تو اندھیرا پاتے ہی پھر تعاقب شروع کردیتے ہیں۔ ان سے بھاگنا' ان سے چھپنا' ان سے بچنا ناممکن ہے۔ ہم ان سے بچ کر جتنا تیز دوڑیں گے یہ اتنی ہی شدت سے ہمارا تعاقب کریں گے۔ ان سے بچنے کا واحد راستہ اجالا ہے۔ روشنی میں کالے سائے فوت

ہو جاتے ہیں۔

''آپ نے مجھے معاف کر دیا' اماں جان۔'' وہ سر ان کے شانے پر رکھتے ہوئے بولا۔

''بہت تڑپایا ہے' بہت رلایا ہے' بیٹا تمہاری جدائی نے' تمہارے بغیر میں ایسی ہوں' جیسے بے جان جسم' قبرستان میں محسوس کر رہی تھی میں خود کو۔ آئندہ کبھی ایسا خواب میں بھی مت کرنا۔'' وہ اس کو سینے سے لگاتے ہوئے بولیں۔ ان کے نورانی چہرے پر مسکراہٹ بھی تھی اور آنسو بھی بہہ رہے تھے جنہیں اُسامہ نے اپنی ہتھیلیوں سے صاف کیا۔

''اماں جان! اگر اُسامہ بھائی کی آنے والی بیگم نے انہیں بہکا کر آپ سے بدظن کر دیا تو آپ کیا کریں گی پھر۔'' فیاض نے مستقبل سے انہیں آگاہ کرنا مناسب سمجھا۔

''جو اماں جان کے خلاف ہو' اسے میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔'' اُسامہ نے کہا۔

''میری بہوئیں سب مثالی آئی ہیں۔ اس گھر کے لوگوں کے باہم ملاپ و اخلاق کو سب ہی رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں پھر میری نیک سعادت مند بہوؤں کی بہوئیں کیوں ایسی بدمزاج و بدتہذیب آنے لگیں۔ انسان جو بوتا ہے' آگے وہی کاٹتا ہے۔ دیکھنا انشا اللہ اسامہ کی بیوی تو سب سے زیادہ لاڈلی بہو ہوگی میری۔'' وہ پیار سے بولیں۔

''اماں! میں ممی سے مل آؤں' شاید اٹھ گئی ہوں۔'' اسے معلوم تھا' اب یہ موضوع چل نکلا ہے اور جب تک وہ یہاں سے جائے گا نہیں ختم نہ ہوگا۔

''ہاں جاؤ۔ بری حالت ہے اس کی۔ میں بھی عشا کی نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔''

''بیٹا! پہلے کھانا کھا لیتے۔ ہم کچھ دیر پہلے ہی فارغ ہوئے ہیں اگر آپ کی آمد کا پہلے معلوم ہو جاتا تو ساتھ ہی کھا لیتے۔'' کوثر اس سے مخاطب ہوئیں۔

''شکریہ تائی جان' کھانا آج میں نے ہوٹل میں کھا لیا تھا۔''

''اچھا' زینی بھائی کے لئے دودھ میں اوول ٹین ڈال کر لے آؤ۔'' وہ زینی سے مخاطب ہوئیں۔

''نہیں' صرف چائے۔'' وہ زینی سے بولا۔ وہ مسکراتے ہوئے اندر کچن کی جانب چلی گئی۔

''تم ماریہ بھابی کو لے آؤ نا' مہک کے بغیر گھر ویران رہتا ہے۔'' وہ ریاض سے مخاطب ہوا۔

''ان کو تو بہانہ چاہئے' دیکھئے گا۔ کل فرسٹ فلائٹ سے ہی ایبٹ آباد روانہ ہو جائیں گے۔'' فیاض' ریاض کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے شرارت سے بولا جو اسے مصنوعی غصے سے گھور رہا تھا۔

''شمیر کے بعد آپ بھی زبان والے ہو گئے۔'' اُسامہ اس کی کمر پر دھپ لگاتے ہوئے بولا۔

وہ چائے پی کر فوزیہ بیگم کے کمرے میں آ گیا۔ فانوس کی روشنی کمرے کے کولڈن خوبصورت فرنیچر کو اجاگر کر رہی تھی۔ کمرے میں ہیٹر کی گرمائی اور ایک جامد خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ دبے پاؤں ریڈ قالین پر چلتا ہوا ان کے بیڈ کے قریب آ کر رک گیا۔ ڈارک بلو پنک بلینکٹ میں محو خواب وہ اس کی ممی کی کوئی ہم شکل تھیں کیا۔ وہ یک ٹک انہیں دیکھے گیا۔ خوش گفتار' خوش لباس' خوش شکل و خوش اخلاق فوزیہ بیگم ایک جہاں میں عزیز تھیں۔ ان کی خوب سیرتی اور خوبصورتی کے اپنے پرائے سب ہی گن گاتے تھے۔ ان کا گلاب چہرہ اس وقت ایسا سفید ہو رہا تھا' جیسے جسم کا سارا خون نچڑ چکا ہو۔ بند پپوٹوں کے نیچے لائٹ براؤن سے دھبے نمایاں تھے۔ ہونٹ خشک ہو رہے تھے' جسم ایک دم لاغر کمزور ہو گیا تھا وہ ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔ اس کے اندر کی دنیا میں تلاطم برپا تھا۔ سامنے پڑی سلیپنگ پلس کے سہارے سوتی ہوئی عورت اس کی ماں ہونے کی سزا بھگت رہی تھی' ان کو اس حالت میں لانے والا وہ خود تھا۔ وہ جو سب کچھ بھلانے اسے بھلانے کی کوشش میں ہر رشتے ناطے سے غافل ہو گیا تھا۔ کتنی بڑی غلطی' کتنے بھیانک ظلم' کیسے دردناک عذابوں میں اپنے پیاروں کو گھسیٹ لایا تھا۔

''ممی...... ممی۔'' وہ ان کا ہاتھ آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولا۔ وہ سخت ٹینشن کا شکار ہو رہا تھا' میں بہت برا ہوں' بہت برا۔ کیا حالت بنالی ہے' آپ نے مجھ جیسے بے مروت انسان کی خاطر۔ مجھے معاف کر دیں ممی' مجھے معاف کر دیں۔'' وہ ان کا ہاتھ آنکھوں سے لگائے مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔ شاید اس کے لہجے کی بے چینی کا اثر تھا یا ان کی نیند مکمل ہو چکی تھی۔ انہوں نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔ خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھے گئیں۔

''ممی اٹھ گئیں آپ۔'' وہ جھک کر بولا۔

''یا اللہ! میں کوئی تو خواب نہیں دیکھ رہی۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا اُسامہ ہے۔ کیا سچ مچ۔''

''آپ خواب نہیں دیکھ رہیں۔ دیکھیے تو میں آ گیا۔ پھول سے خوشبو بھی کبھی جدا ہوئی ہے۔'' وہ انہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں سمیٹے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

''مجھے تو یقین نہیں آتا۔ میرے خوابوں میں' تصور میں آپ اس طرح آ گئے ہو۔ جب میں آپ کو چھوتی ہوں' غائب ہو جاتے ہو۔'' وہ ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھیں۔ اس کے چہرے' ہاتھوں بالوں پر ان کے ہاتھ مسلسل چل رہے تھے۔ وہ اسے چھو کر اس کی حقیقت کو پانا چاہ رہی تھیں اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ واقعی اُسامہ ہے۔ ان کا خیال یا خواب نہیں تو اس کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو دیں۔

''اُسامہ میری جان۔ اس طرح ماں کو چھوڑ کر جاتے ہیں۔ پورے تیس دن آنکھوں سے اوجھل رہے۔ ایک دن بھی خیال نہ آیا ماں کا حال پوچھتے کہ مر گئی یا زندہ ہے۔''

''ممی پلیز ایسے نہ کہیں۔'' ان کی بات کاٹ کر وہ بے قراری سے بولا۔

''یہ دن میں نے سولی پر لٹک کر گزارے ہیں۔ سوچو جس ماں نے بہت عرصے بعد' بہت ساری منتوں مرادوں سے ایک بیٹا پایا ہو' وہ اسے کتنا چاہتی ہوگی۔ کتنا پیار ہوگا اس کو۔ میں نے بہت دعاؤں اور ارمانوں سے پرورش کی ہے مگر آپ اس طرح سب چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے۔''

''ممی! آپ کی اور اس گھر کی عزت مجھے خود سے زیادہ پیاری ہے۔'' وہ ان کے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔

''مجھ سے وعدہ کرو۔ اب کبھی اس طرح نہیں جاؤ گے۔ ورنہ مر جاؤں گی میں۔'' وہ شدت سے اس کے سینے سے لپٹ کر پھر رونے لگیں۔ ''میں نے محسوس کیا تھا' کچھ عرصے سے آپ بہت پریشان اور الجھے ہوئے رہتے ہیں۔ ہم سب سے' گھر سے بھاگنے کی سوچتے ہیں۔ میں نے آپ سے پوچھا بھی مگر آپ بات بنا گئے۔ میرا دل کہہ رہا تھا' کوئی پریشانی' کوئی بات ہے ضرور۔''

''نہیں ممی' بھلا میں آپ کو چھوڑنے' اس گھر کو چھوڑنے کا سوچ سکتا ہوں۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ ممی کی سسکیاں اور اماں جان کے آنسو اسے اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کے اندر آتش فشاں پھٹ رہے تھے ہر شے کو جلاتا' ہر رکاوٹ کو خاک کرتا' شعلے برساتا لاوا اس کے اندر بہہ رہا تھا۔ صرف 'ایک' کی خاطر یہ سب ہوا تھا۔ 'لائبہ نور' میری ماں کی درد میں ڈوبی سسکیوں' میری دادی کی بہتی آنکھوں کے آنسوؤں کا حساب تمہیں دینا ہوگا۔ مجھے بے خودی' بے حسی کی مسند پر بٹھانے والی تمہاری ذات ہے۔ تم ان گزرے دنوں کے ایک ایک لمحے کا پورا پورا حساب دو گی۔'' اس کے اندر کا مرد زخمی اژدہے کی طرح پھنکار رہا تھا۔ بہت زہریلے بہت بھیانک اور خوفناک انداز میں۔

✦ ✦ ✦

ماما! دوا کھا کر سو چکی تھیں۔ ملازمین اپنے کام سے فارغ ہو کر کوارٹروں میں چلے گئے تھے۔ سخت سردی ہو رہی تھی۔ سمندر سے آتی برفانی ہوائیں جسم میں برف سی جما رہی تھیں لہروں کے ساحل سے ٹکرانے کی زوردار آوازیں سناٹے میں شور مچا دیتی تھیں۔ وہ تنہا بولائی بولائی سی پورے پورشن میں بے قرار روح کی مانند بھٹکتی پھر رہی تھی۔ ماما کی بیماری اور اپنی تنہائی کے احساس نے اسے بے کل اور افسردہ کر دیا تھا۔ امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد وہ جامعہ چھوڑ چکی تھی۔ اب اس کا ارادہ کمپیوٹرز کورسز کرنے کا تھا۔ بیکار ٹائم ضائع کرنا اسے پسند نہ تھا مگر ماما کی بگڑتی ہوئی طبیعت اسے بے سکون کر گئی تھی۔ اس نے ذہن سے کمپیوٹرز کورس کا خیال نکال دیا اور سب بھلا کر ان کی دیکھ بھال میں لگ گئی مگر وہ سنبھل کر ہی نہ دے رہی تھیں۔ علاج' دوا' پرہیز سب ہو رہا تھا مگر لگتا تھا' انہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا۔ دن بہ دن وہ کمزور ہوتی جا رہی تھیں اور لائبہ اپنے اوسان کھوتی جا رہی تھی۔ اس نے بچپن سے انہیں اپنے قریب پایا تھا۔ بے تحاشا محبت انہوں نے اس کی خالی جھولی میں ڈالی تھی۔ ماں باپ' بہن بھائی' سب رشتوں کا پیار انہوں نے اس کی زندگی میں تنہا بھر دیا تھا۔ وہ ان کی اتنی عادی ہو چکی تھی کہ ان کی جدائی اسے ایک دن کی بھی گوارا نہیں تھی۔ وہ اکثر انہیں سوتے ہوئے دیکھتی رہتی اور آنسو بلا ارادہ اس کی آنکھوں سے بہتے رہتے۔

ڈاکٹر عارف ہارٹ اسپیشلسٹ تھے اور ابھی کچھ دیر قبل ہی ان کا معائنہ کر کے گئے تھے۔ کچھ نئی میڈیسن کے ساتھ یہ بھی ہدایات تھیں کہ انہیں خوش رکھا جائے۔ کوئی بھی صدمہ' معمولی سی پریشانی بھی ان کے لئے بڑے نقصان کا باعث بن سکتی ہے اور یہ بات تو وہ ان کے بتائے بنا ہی ماما کی کمزور حالت دیکھ کر سمجھ گئی تھی مگر ان کے لئے خوشیاں کہاں سے لائی جائیں' کاش خوشیاں بازار میں فروخت ہو رہی ہوتیں تو وہ ہر قیمت پر ان کے لئے لے آتی۔ کچھ لوگ اتنے بلند بخت ہوتے ہیں کہ مسرتیں ان کے اردگرد باندیوں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہیں کہ اشارہ ملے اور قربان ہو جائیں۔ پریشانیاں ان کے در کو چھوئے بغیر ہی گزر جاتی ہیں۔ ہم جیسے لوگ اپنا خالی کشکول لئے منتظر ہی رہتے ہیں کہ شاید کوئی اللہ کے نام پر ایک آدھ بچی کھچی خوشی ہمیں بھیک میں دے دے مگر ہائے رے بدقسمتی' مسرتیں' وہ خوش رنگ تتلیاں ثابت ہوتی ہیں جو دور ہی دور سے اپنے رنگین' خوبصورت' دلکش رنگ دکھا کر اتنی بلندی پر اڑ جاتی ہیں کہ انہیں چھونے' پانے پکڑنے کی لگن میں بھاگتے ہوئے ہم منہ کے بل گر جاتے ہیں مگر وہ کبھی ہاتھ نہیں آتیں۔

''ماما! میں شاید آپ کو خوشیاں نہ دے سکوں کہ میرا اختیار ان پر نہیں ہے مگر میری دعائیں آپ کے لئے ہیں۔ میری زندگی بھی آپ کو لگ جائے۔'' وہ دوائیوں کے زیر اثر سوتی ہوئی ماما کی پیشانی چومتے ہوئے بڑبڑائی۔ دو موتی خاموشی سے نکل کر ان کے بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔ وہ ان کا کمبل درست کر کے کمرے میں لائٹ آف کرنے کے بعد نائٹ بلب آن کر کے آہستگی سے دروازہ بند کرتے ہوئے اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ سلیپر بیڈ کے نیچے کرتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کا دلکش چہرہ پریشانی اور فکر سے بجھا ہوا تھا۔ زندگی کیا ہے۔ یہ پہیلی' یہ سوال اس سے کبھی حل نہ ہو سکا تھا۔ دکھوں کا انبار' پریشانیوں کا ڈھیر' مسائل کی بھرمار نہ معلوم کن لوگوں کے لئے یہ بہاروں کا سندیسہ لانے والی خوشی پیامبر ہوگی' کسی کو یہاں اتنی راحتیں مل جاتی ہیں کہ وہ اسے ہی جنت سمجھنے لگتا ہے۔ یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہوتی ہے اور میرا وجود تو ہمیشہ ہی بدنصیبوں کی فہرست میں پہلے نمبر پر آتا ہے۔'' اس نے لیٹتے ہوئے کرب سے سوچا۔

وہ عشاء کی نماز کے بعد اپنے روزمرہ کے معمولات سے فراغت کے بعد سو جایا کرتی تھی مگر جب سے ماما کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تھی' اس کی نیند اڑ چکی تھی' بے چینی و اضطراب اسے ہر وقت بے کل رکھتا تھا۔ اس کی سوچوں' فکروں اور اندیشوں کے سارے راستے ماما پر ہی ختم ہوتے تھے۔ ان کی باغ و بہار طبیعت نے کبھی اسے اپنی حرماں نصیبی و تنہائی کا شدت سے احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ ان کی بیماری کی طوالت نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

''ٹوں ٹوں' کمرے کے سناٹے کو بیڈ سائیڈ پر رکھے موبائل فون کی بیل نے جھنجوڑا۔ اس نے کروٹ بدل کر موبائل اٹھا لیا۔

''ہیلو۔'' اس نے سیدھے لیٹتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ہاؤ آر یو۔'' دوسری طرف سے طنز بھری آواز آئی تھی۔ لائبہ کا دل جیسے ڈوبنے لگا۔ یہ آواز' یہ سرد طنزیہ لہجہ' اپنائیت کے لبادے میں انتقامی انداز' وہ ماما کی پریشانی میں سب بھول گئی تھی مگر وہ آسیب آج وارد ہو گیا تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''سوری رانگ نمبر۔'' اس نے تیزی سے فون آف کرنا چاہا۔

''نہ' نہ' نہ اگر فون بند ہوا تو میں بار بار رنگ کرتا رہوں گا' اس وقت تک جب تک تم میری بات نہیں سنو گی۔'' دوسری طرف سے وہ ہنستے ہوئے اس سے بھی تیز لہجے میں بولا۔

''مجھے بکواس سننے کی عادت نہیں ہے۔ نہ میں اجنبیوں کی بات سننا پسند کرتی ہوں۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

''اجنبی......!'' دوسری طرف سے طویل قہقہہ بلند ہوا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ ''اپنے دل میں جھانک کر دیکھو' آئینے میں اپنی آنکھیں دیکھو' یادداشت واپس لوٹ آئے گی' تمہاری ہر جگہ میری ہی خوبصورت تصویر نظر آئے گی تمہیں۔''

''آپ مینٹل اسپتال فون کیجئے' وہی آپ کے لئے بہترین جگہ ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔
''بشرطیکہ تم بھی ساتھ چلو' تمہارے ساتھ میں جہنم میں بھی جانے کو تیار ہوں۔'' بڑا پر اعتماد لہجہ تھا۔
''آپ کیا سمجھتے ہیں' اُسامہ ملک' میں آپ کی ان گھٹیا حرکت سے خوفزدہ ہو جاؤں گی۔''
''ہا' ہا' ہا' اپنی آنکھوں میں میرا عکس دیکھ کر یادداشت لوٹ آئی نا تمہاری۔''
''آپ سمجھتے ہیں' اس طرح خوفزدگی کا جال بچھا کر شکار کر لیں گے مجھے۔'' وہ طنز سے بولی۔
''نہیں' نہیں۔ میں ذرا تھوڑا اسا مذہبی' متقی' عبادت گزار خوفِ خدا میں مبتلا رہنے والا شکاری ہوں۔ اس لئے تمہیں 'نکاح' کے جال میں بے بس کر کے حلال طریقے سے شکار کروں گا۔'' دوسری طرف سے بڑا بے باک اور بے ساختہ مضبوط لہجے میں جواب ملا تھا۔
اس کے حیا سے ہاتھ پاؤں جھنجنا اٹھے تھے۔ چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا تھا۔ اسے اس سے اس قدر بے ہودہ گوئی کی توقع نہیں تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا۔ اسی وقت پتھر کی بن جائے۔
''ارے ابھی سے مسرور کن لمحات میں کھو گئیں۔'' بہت چبھتا ہوا لہجہ تھا۔
''آ.....آپ اس قدر گھٹیا اور گرے ہوئے انسان ہوں گے' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' اپنی شدید ہتک پر وہ بلبلا اٹھی تھی۔ گلوگیر آواز خود ہی مدھم ترین ہو گئی تھی۔
''کچھ لوگ اندھے' شوریدہ سر جذبات کی یورش کے بوجھ سے توازن قائم نہیں رکھ پاتے' گر جاتے ہیں اور مجھ جیسے بے داغ و مضبوط کردار انسان کو تم جیسی سر پھری' بددماغ' خود پسند و خود پرست' اپنے حسن کے زعم میں مغرور دوشیزائیں گرنے پر مجبور کر دیتی ہیں اور گرے ہوئے انسان کیا کچھ کر گزرتے ہیں' اس کا مظاہرہ و تجربہ تم بنفس نفیس کرو گی۔''
''کاش' میرا کوئی بھائی ہوتا۔ اس وقت مجھے شدت سے اس نعمت سے محرومی کا احساس ہوا ہے پھر دیکھتی تم کس طرح اس کے غیرت مند ہاتھوں سے اپنی گردن بچا پاتے۔ اس کے ریوالور سے نکلنے والی گولیاں تمہیں لمحے بھر میں واصل جہنم کر دیتیں۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔
''جن لڑکیوں کے بھائی نہیں ہوتے' وہ اپنا انتقام اپنے بیٹوں کے ذریعے لیتے ہیں۔ اپنی حسرت پوری کرنے کے لئے تمہیں بیٹوں کی ضرورت ہے اور ماں بننے سے پہلے تمہیں نکاح کے مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔ میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور انکار قطعی نہیں سنوں گا۔''
''شرم نہیں آتی آپ کو ایسی چیپ گفتگو کرتے ہوئے۔'' وحشتیں اس کی آواز میں محو رقص تھیں۔
''شرم۔ یہ تو تمہاری صنف کا وصف ہے۔ میرا ان سے کیا تعلق۔'' کھرا جواب حاضر تھا۔
''آپ جیسے اخلاق سے گرے ہوئے شخص سے ہر کمینگی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ میں دماغ ٹھکانے لگا دوں گی آپ کا اگر آپ نے دوبارہ مجھے رنگ کیا تو۔''
''اگر فون بند کیا تو میں خود پہنچ جاؤں گا۔'' دوسری طرف سے غرائی ہوئی آواز نے اسے لمحے بھر کو سہما دیا تھا۔
''آ.....آ.....آپ مجھے تنہا سمجھ رہے ہیں۔'' وہ فون منقطع کرتے کرتے رہ گئی۔
''سمجھ نہیں رہا۔ جانتا ہوں سب۔ تمہارے اردگرد کتنے ملازمین ہیں۔ تمہارے گھر کے گیٹ کتنے ہیں۔ تمام فون نمبرز جانتا ہوں۔ اس وقت تمہاری ماما اور تمہارے علاوہ کوئی گھر میں نہیں ہے۔ ساری صورت حال معلوم ہے مجھے! کہو تو اور بتاؤں۔'' تمسخرانہ ہنسی نے جیسے اس کے بدن میں مرچیں سی بھر دی تھیں (او طوبیٰ اس مخبری پر میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔)
''سنو لائبہ نور! اُسامہ ملک کم گو' مغرور' بے پروا اپنے حال میں مست رہنے والا بندہ تھا۔ ایک مہذب اور انسان دوست شخص کو تمہاری بے جا ناپسندیدگی اور نفرت نے وحشی اور انتہا پسند بنا دیا ہے۔ میں نے تم سے بہت خلوص سے محبت کی تھی۔ اپنی انا کو سرنگوں کر کے تمہاری طرف اپنائیت سے ہاتھ بڑھایا تھا لیکن تم نے کٹھور پن و سنگدلی سے میری محبت کو ٹھکرایا' میرے خلوص کا مذاق اڑایا۔ میں ہر بار اپنے ضمیر کو کچلتے ہوئے تمہاری طرف پیش قدمی کرتا رہا اور تم اپنے حسن کے غرور میں مگن تفاخر و تضحیک کے زینے چڑھتی چلی گئیں۔ تم نے بار بار میری انا' میرے نفس' میری مردانگی کو چیلنج کیا ہے۔ میری بے ریا محبت کا مذاق اڑایا ہے' تمہاری یہ بلا جواز نفرت میرے لئے چیلنج بن گئی ہے' میرے اندر کا خوددار اور جذباتی مرد بیدار ہو چکا ہے۔ تمہاری محبت کے چشموں سے سیراب میرا دل' زہریلے' بچھوؤں سے ایک خوفناک جنگل بن گیا ہے۔ کہاں تک بچو گی۔ کیسے بچا پاؤ گی خود کو۔ ایک پاگل جنونی نفرتوں کے صدموں سے چور خبط مخبوط الحواس شخص سے۔'' اس کا لفظ لفظ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔ 'میری بات مانو مجھ سے نکاح کر لو بدنامی کی موت مرنے سے بچ جاؤ گی۔''
''میں مر کر بھی آپ سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس کی چیخ آنسوؤں میں دب گئی تھی۔
''مردے سے انتقام لینا میرا ضمیر گوارا بھی نہیں کرے گا۔ میں تمہارے زندہ' جیتے جاگتے وجود سے اپنی ایک ایک توہین' اماں جان کے ایک ایک آنسو' ممی کے میری فکر میں گزرے دنوں کے اذیت بھرے ایک ایک لمحے' ایک ایک پل' ایک ایک دکھ کا حساب لوں گا۔ سمجھیں۔'' وہ بول رہا تھا' چیخ رہا تھا' دھمکیاں دے رہا تھا مگر وہ دھمکیاں محض دھمکیاں نہ تھیں۔ اس کا دہکتا ہوا لہجہ سچا اور مضبوط تھا۔ اسے لگ رہا تھا' وہ کسی بھی پل آموجود ہو گا۔ ملازمین اپنے کوارٹرز میں اندر سے دروازے بند کئے آرام کر رہے تھے۔ اس کا دماغ بری طرح چکرانے لگا۔ سخت سردی تھی گھر میں وہ دو خواتین بغیر کسی مرد کے تنہا تھیں۔ ماما دوائی کے زیر اثر بے خبر سو رہی تھیں۔ ایسے میں وہ آ گیا تو۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ سمندر سے آتی چنگھاڑتی لہروں کے شور میں اس کی چیخوں کی آواز دب جائے گی آگے بیکراں سمندر پیچھے اور دائیں بائیں میدان اور پہاڑی ویران علاقہ۔ وہ آ گیا تو کچھ نہ بچے گا۔ اس کے لئے میدان صاف اور راستہ سیدھا تھا' خوف اور دہشت سے اسے پورا کمرا گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ دوسرے لمحے وہ بے ہوش ہو کر گر گئی۔

✦ ✦ ✦

''ہیلو' ہیلو۔'' اُسامہ ریسیور کان سے لگائے بیڈ پر نیم دراز تھا۔ دوسری طرف لائن آن تھی مگر سننے والا شاید موجود نہیں تھا۔ اتنی بزدل و کم حوصلہ نکلیں لائبہ نور۔ پہلے راؤنڈ میں ہی ہوش کھو بیٹھیں۔ وہ موبائل بیڈ سائیڈ پر رکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

امتحاں آن پڑا ہے تو کوئی بات نہیں
ہم نے سو بار زمانے کے بھرم توڑے ہیں
ضرب محمود ابھی زندہ و پائندہ ہے
ہم نے بت خانہ دوراں کے صنم توڑے ہیں

''ہوں تو لائبہ نور' ایسا بھی وقت آنا تھا' میری محبت پر۔'' اس نے منہ سے ڈھیر سارا دھواں نکالتے ہوئے سوچا۔ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ تمہاری ظالم آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوب کر محبت کا امرت چکھا تھا۔ میں ان جذبوں پر یقین رکھنے والا بندہ نہ تھا۔ اپنی زندگی میں' میں نے بہت حسین ترین چہرے دیکھے ہیں۔ ملک ملک' قریہ قریہ گھوما ہوں امریکا' یورپ' فرانس' جاپان' ہانگ کانگ' پیرس' لندن' سنگاپور' نیویارک' بمبئی اور اپنے ملک کے بھی گوشے گوشے سے واقف ہوں۔ ہر جگہ' ہر خطے کا اپنا مخصوص حسن ہوتا ہے۔ جاذبیت و انفرادیت لئے۔ بے شمار ہاتھ میری طرف دوستی کے لئے بڑھے مگر میرے پتھر دل میں کسی چہرے کے لئے بھی معمولی سا نرم گوشہ پیدا نہ ہوا پھر نہ معلوم کب تم بہت خاموشی سے میرے دل کے چور دروازے سے داخل ہو گئیں اور مجھے خبر ہونے تک تم سب کچھ لوٹ چکی تھیں۔ میرے خواب بہت رنگین ہو گئے تھے اور تصورات بڑے دل کش۔ ایک عملی بندے کو تم نے آئیڈیلسٹ بنا دیا تھا۔'' اس نے دوسری سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنے الجھے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

ہر چیز کی بہتات میں نقصان بہت ہے
شدت سے کسی شخص کو چاہا نہ کریں گے

بظاہر بہت معصوم اور بے ضرر نظر آنے والی تمہاری شخصیت نے میرے خواب سیاہ کر دیئے' تمہاری زبان سے نکلے وہ لفظ کے تیز مجھے لہولہان کر گئے' تمہاری آنکھوں میں کتنی نفرت' حقارت' تذلیل تھی پھر بھی میں اسے تمہاری ادا سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا۔ تمہارے بار بار نفرت' شدید نفرت کے اظہار سے میرے اندر محبت کے پھولوں کے گرد نفرت اور انتقام کے کانٹے اگنے لگے۔

محبت ہو تو بے حد اور نفرت ہو تو بے پایاں
کوئی بھی کام کم کرنا مجھ کو تو بالکل نہیں آتا

''تمہاری یادوں' تمہاری پرچھائیوں و تصورات سے پیچھا چھڑانے کے لئے میں دین و دنیا بھلائے رستم زمان کی طرف بڑھ گیا۔ میں جو اعتدال پسند تھا۔ بہت غور' فکر کے بعد دانش مندانہ فیصلے کرنے والا۔ سب بھلا کر حد درجہ ناقابل قبول سیاسی سرگرمیوں میں ملوث رہنے لگا۔ اس وقت تم آسیب بن کر مجھ پر سوار تھیں اور تم سے پیچھا چھڑانے کے لئے میں گھر کو' گھر والوں کو' خود کو مکمل فراموش کر چکا تھا۔ رات رات بھر کاغذوں میں خود کو الجھائے تمہارے تصور سے پیچھا چھڑانے کی سعی میں غلطاں رہتا تھا۔
''بے شمار جلے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑوں سے ایش ٹرے بھر چکی تھی۔ کمرے میں ہر سو سگریٹ کا دھواں چکرا رہا تھا۔ وہ وائٹ نائٹ سوٹ میں ملبوس الجھے بال' سرخ آنکھیں' لیے بے چین و مضطرب ٹہل رہا تھا۔
''ان وحشتوں کے جنون میں مجھے گھر بدری کا تحفہ ملا۔ ساحرہ جیسی شیطان روح اگر مجھ پر قابو پا لیتی' تمہاری طرف سے ٹوٹا ہوا' چوٹ کھایا ہوا لڑکھڑاتا میرا وجود وقتی بہلاوے کے لئے ہوس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا یا جوش غیرت میں اس کا قتل کر دیتا تو دونوں صورتوں میں نقصان میرا ہی ہوتا۔ میری دادی' میری ممی صدمے سے شاید دنیا ہی چھوڑ دیتیں' میرے باپ' میرے چچا' میرے کزنز بدنامی و رسوائی کے مہیب گڑھوں میں گر جاتے اور تم اپنی جھوٹی انا' خود پسندی کے جھولے میں مست خوش و خرم رہتیں' اس نے شدت سے ہونٹوں میں دبا سگریٹ کچل ڈالا۔

مرے مزاج کا اس میں کوئی قصور نہیں
ترے سلوک نے لہجہ بدل دیا میرا

تمہاری بلاجواز نفرت میرے اندر کے انا پرست مرد کو بری طرح سے جھنجوڑ گئی ہے اور میں بہت چاہنے کے باوجود اپنے انتقامی جذبے کو ختم نہیں کر سکا ہوں۔ سنا ہے عورت کی نفرت۔ عورت کا انتقام دونوں ہی بری چیزیں ہیں مگر اب تم مرد کی نفرت اور مرد کا انتقام دیکھو گی۔ میں نے جتنی شدت سے تم سے محبت کی' اتنی ہی شدت سے تمہاری' تمہیں اوقات یاد دلا دوں گا۔ میں عام آدمی نہیں ہوں اس لئے میرے انتقام لینے کا انداز بھی سطحی نہ ہو گا۔ جو مرد عورت کی پامالی کو مردانگی گردانتے ہیں میں ایسے مردوں کو مرد ہی نہیں سمجھتا۔ میں تم سے اپنا آپ منواؤں گا۔ بتاؤں گا تمہیں کہ نفرت ہوتی کیا بلا ہے۔

✦ ✦ ✦

''گڈ مارننگ۔'' کنول ڈائننگ ٹیبل پر سجے ہوئے ناشتے کے لوازمات کی طرف دیکھتے ہوئے وہاں بیٹھے ممی پپا کے درمیان زبیر کو قدرے نظر انداز کر کے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
''یہ کون سا لٹھ مار انداز ہے' صبح بخیر کہنے کا۔'' مسز توفیق کو اس کا اکھڑا ہوا انداز بالکل نہ بھایا۔
''بیگم پہلے آپ لٹھ کے عملی معنی کنول کو سمجھا دیں۔'' مسٹر توفیق ڈش میں سے سالن نکالتے ہوئے مسکرائے۔
''آپ کو ضرورت نہیں ہے' صبح ہی صبح میرا موڈ خراب کرنے کی۔''

''ممی! مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' کنول ٹی پارٹ سے ٹی کوزی ہٹاتے ہوئے بولی۔

''چھٹی کر لو آج۔ رات کو تو زبیر آئے ہیں۔ کون کمپنی دے گا انہیں' وہ اسے گھور کر بولیں۔

''ممی! مجھے ڈیوٹی جوائن کئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے اور میں اتنے کم عرصے میں چھٹیاں کر کے اپنی ریپوٹیشن خراب نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی۔

''اسپتال میں اور بھی بہت ڈاکٹرز ہوتے ہیں۔'' انہوں نے زبیر کے خیال سے لہجے کو قابو کیا تھا۔

''لیکن ہر ڈاکٹر کی ذمے داری الگ ہوتی ہے۔ معمولی سی غفلت مریض کی موت کا سبب بھی بن جایا کرتی ہے۔ میں ایسا کوئی گناہ اپنے سر نہیں لینا چاہتی۔'' وہ کپ لبوں سے لگا کر بولی۔

''کوئی بات نہیں آنٹی۔ ڈیوٹی از ڈیوٹی۔'' زبیر جو خاموشی سے ناشتا کرنے میں مصروف تھا' مسز توفیق کی زبردستی اور کنول کی ہٹ دھرمی محسوس کر کے نارمل انداز میں بولا۔

''غیر مہذب ہو تمہاری ہائی ایجوکیشن بھی تمہیں مہذب نہ بنا سکی۔'' وہ سیب کاٹتے ہوئے آگ بگولہ تھیں۔

''سب میرز آپ نے اپنا لئے۔ بچی کے لئے بچا ہی کیا ہے۔''

''ممی پلیز! زبیر بھائی ہمارے مہمان ہیں۔ ان کے سامنے تو پلیز بھرم رکھ لیں۔ ضروری ہے کہ آپ کے اور پپا کے اختلافات سب محسوس کریں۔'' کنول یاسیت بھرے لہجے میں بولی۔

''میں گیسٹ نہیں ہوں۔ فیملی ممبر ہی ہوں' جب تک گھر میں ہوں۔ آپ شاید میرے یہاں آنے سے ڈسٹرب ہیں۔'' زبیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کھوجی لہجے میں بولا۔

''ہم مہمان نواز ہیں بیٹا۔ کس طرح آپ کی آمد سے پریشان ہو سکتے ہیں۔ یہ خیال آپ مت کیجئے گا۔' توفیق خوش دلی سے بولے۔ کنول نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ زبیر مزاج شناس تھا۔ وہ اس کا اکھڑا اکھڑا بے زار رویہ سمجھ گیا تھا مگر اس وقت توفیق صاحب نے اس کی پشت پناہی کی تھی۔

❖ ❖ ❖

نبیل دفتر سے آیا تو بیل بار بار پش کرنے کے باوجود دروازہ اندر سے عائشہ نے نہیں کھولا تو وہ پریشان ہو گیا۔ کوٹ کی اندرونی جیب سے ڈپلی کیٹ کی نکال کر لاک کھولتا ہوا دروازہ دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ پورا فلیٹ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے بریف کیس سائیڈ میں رکھا اور لائٹ آن کرتے ہوئے بیڈ روم میں داخل ہو گیا۔ وہاں کی لائٹ آن کرنے کے بعد سامنے بیڈ پر آڑے ترچھے انداز میں گری ہوئی عائشہ کو دیکھ کر اس کے حواس گم ہو گئے تھے۔ وہ بدحواس سا اس کی طرف بڑھا بڑی احتیاط سے اسے سیدھا کیا۔ اس کا کول چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ چہرے پر اب بھی شدید تکلیف کے آثار تھے۔

''عاشی...... عاشی۔'' س نے اس کے رخسار تھپ تھپاتے ہوئے پریشانی سے کئی آوازیں دے ڈالیں۔

''آں...... ہاں...... نہ...... نبیل۔'' ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں سے اس نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

''کیا ہوا۔ تکلیف زیادہ ہو رہی ہے۔'' وہ بے قرار سا اس پر جھکا ہوا پوچھ رہا تھا۔

''مجھے اسپتال لے چلیں۔'' وہ تکلیف کی شدت سے نڈھال ہو رہی تھی۔

''اچھا۔'' نبیل بری طرح گھبرا گیا تھا۔ عائشہ کی بگڑتی ہوئی حالت' درد کی شدت سے وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کی زندگی کا یہ اولین واقعہ تھا۔ وہ باپ بننے والا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ عائشہ کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ تین فلور اتر کر نیچے جاتی۔ اس کا اس تکلیف میں لفٹ روم تک جانا ہی محال تھا اور وہ اس حالت میں اسے اٹھا کر بھی نہیں لے جا سکتا تھا۔

''مائی گڈنیس۔ پہلے بتا تو دیا ہوتا تمہاری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔'' شدید پریشانی اور گھبراہٹ نے اسے جھنجلا دیا تھا۔ وہ پریشان سا ہاتھ ملتا ہوا عائشہ پر الٹ پڑا۔

''تکلیف تو مجھے کب سے ہے۔ میں نے سوچا آپ پریشان ہوں گے۔'' وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی۔

''اب تو میں بہت خوش ہو رہا ہوں نا۔'' وہ بہت ٹھنڈے اور نرم مزاج کا مالک تھا مگر اس اچانک پریشانی سے وہ چڑچڑا ہو رہا تھا' میری سمجھ میں نہیں آ رہا' یہ پریشانی کس طرح دور کروں۔

''مجھ سے شادی کر کے ملا کیا ہے آپ کو۔ پریشانیاں ہی پریشانیاں۔ اللہ کرے میں مر جاؤں۔ ڈلیوری کیس میں عورتیں مر بھی تو جاتی ہیں نا۔'' اس کی بہتی آنکھیں اس کے چہرے پر تھیں۔

''عاشی' اسٹوپڈ۔ ایسے وقت میں اچھی اچھی دعائیں مانگتے ہیں۔'' وہ اس کے اوپر جھکتے ہوئے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا تم میرے لئے کیا ہو۔ یہ وقت اظہار کا تو نہیں ہے مگر تمہیں کچھ ہوا تو زندہ میں بھی نہ رہ پاؤں گا۔'' وہ اس کی بھیگی آنکھوں کو چومتے ہوئے بولا۔

''جتنا وقت گزر رہا تھا۔ عائشہ کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ پڑوس سے بھی مدد نہیں لے سکتا تھا کیونکہ دونوں اطراف کے پڑوسی غیر ملکی تھے جو سال میں ایک ماہ ہی رہتے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کئے کہ اب عظمت بیگم سے کنٹیکٹ کئے بنا چارہ بھی نہیں تھا۔

''ہیلو۔'' اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں نمبر ملتے ہی پکارا۔

''یس اُسامہ اسپیکنگ۔'' دوسری طرف سے اُسامہ کی بھاری آواز سنائی دی۔ وہ جلدی میں وائٹ پیلس کے نمبر ڈائل کر گیا تھا۔

''سنو اُسامہ۔ اماں جان کہاں ہیں۔'' اس کی نگاہیں درد سے تڑپتی عائشہ کے اوپر تھیں۔

''خیریت تو ہے نا۔ بہت گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو۔'' اس کی فکرمندی سی آواز گونجی۔

''وہ...... وہ...... میں ماں بننے والا ہوں نا۔'' وہ حد درجہ گھبرایا ہوا تھا۔

''پھر تو گھبراہٹ تم پر سوٹ کرتی ہے۔'' اُسامہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''یہ...... یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ ہے نا۔ میں کیا کروں۔''

''میں ماں بننے والے تجربے سے کبھی خواب میں بھی نہیں گزرا۔ کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔''

''اُسامہ' میرے سامنے عائشہ درد سے تڑپ رہی ہے۔ میرے حواس کام نہیں کر رہے۔ میں کیا کروں' میں سخت پریشان ہوں۔''

''فوری طور پر کسی قریبی لیڈی ڈاکٹر سے رابطہ کرو۔ میں اماں جان کو مطلع کرتا ہوں۔'' اُسامہ کی سنجیدہ سی آواز ابھری۔

''اُسامہ میرے بھائی اماں کو میرے حق میں قائل کرنے کی مکمل کوشش کرنا۔ میں ہرگز نہیں چاہتا' اس فضا میں میرا بچہ دنیا میں آئے' میں نہیں چاہتا کہ وہ بھی عائشہ کی طرح رد کیا جائے۔''

''او کے۔ میری نیک دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' دوسری طرف سے رابطہ منقطع کیا جا چکا تھا۔

حواس گم ہو جائیں تو واقعی بندہ سامنے کی بات بھول جاتا ہے۔ اسے بھی یہ یاد نہیں رہا کہ قریبی میٹرنٹی ہوم سے کسی بھی اچھی ڈاکٹر سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ اس نے فوراً عائشہ کے میڈیکل کارڈ پر لکھا ہوا کا فون نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر نے ہی فون ریسیو کیا تھا۔ انہیں عائشہ کے متعلق مکمل بریف کر دیا تھا چنانچہ۔ انہوں نے فوری آنے کی ہامی بھر لی تھی۔

❖ ❖ ❖

''شمائلہ! میں جا رہا ہوں۔ امی سو رہی ہیں۔ انہیں تم بتا دینا۔'' انور جیکٹ پہنتے ہوئے شمائلہ سے مخاطب ہوا۔

''جی اچھا بھائی۔'' وہ سر پر دوپٹا جماتے ہوئے دروازہ بند کرنے آگے بڑھ گئی۔

''کیا کہہ گیا ہے انور۔'' خورشید اندر سے آتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئیں۔

''وہ کہہ رہے تھے' تم اٹھ جاؤ تو بتاؤں وہ کام پر چلے گئے ہیں۔'' تابندہ فریج سے آٹا نکالتے ہوئے بولی۔

''لوگوں کے کام سے واپس آنے کا وقت ہوتا ہے اور اس لڑکے کا کام پر جانے کا وقت۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کام کرتا ہے۔ ایسی کون سی غیر ملکی کمپنی ہے جو اسے اتنا ڈھیر سارا پیسہ دے رہی ہے جو یہ عالی شان گھر بھی اس نے خرید لیا۔'' خورشید بیگم قریب لگے بیسن میں منہ دھوتے ہوئے بولیں۔ وہ جب سے اس گھر میں آئی تھیں' اکثر یہی سوال ان کی زبان پر رہتا تھا۔

''عالی شان گھر۔ امی ابھی تم نے عالی شان گھر کہاں دیکھے ہیں۔'' اس کی نگاہوں میں وائٹ ماربل کا چاروں اطراف سے بڑے بڑے سر سبز لانز کے درمیان واقع وہ محل گھوم گیا۔ ہمارا یہ چار کمروں کا فلیٹ ان عالیشان محلوں کے آگے بدنما ذرہ ثابت ہوگا۔ بھائی محنت کر رہے ہیں۔'' شمائلہ نے سمجھانا چاہا۔

''اگر بندہ اپنے سے اوپر دیکھے گا تو کبھی اللہ کا شکر ادا کرنے والا نہیں بنے گا۔ دیکھنا ہمیشہ نیچے کی طرف چاہئے۔ ہمارے پاس اس کے کرم سے گھر ہے' ہر چیز ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو جھگیوں' جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ روٹی' کپڑے کی فکر میں رات' دن ڈولتے رہتے ہیں۔ ان سے تو بہت بہتر ہیں' نا ہم اپنی اوقات کبھی انسان کو نہیں بھولنی چاہئے۔ ہم بھی جھونپڑے سے اس محل میں آئے ہیں۔ دکھ میں سکھ میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے کہ اسے ایسے بندے پسند ہیں۔ دل بھر کر نوازتا ہے ایسے بندوں کو اللہ' جو اس کی رضا میں راضی رہتے ہیں۔''

''امی' میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ ہم تو اس حال میں بھی اللہ کا شکر کیا کرتے تھے' جب کپڑوں میں پیوند لگا کر پہنا کرتے تھے۔ کئی کئی وقت فاقوں سے پیٹ کا درد ناقابل برداشت ہو جایا کرتا تھا۔ رات دن محنت کر کے لوگوں کے کپڑے کاڑھا کرتے' سلائی کرتے' گلے بھرتے تھے۔ اب تو ہمارے دن اس اوپر والے نے پھیر دیے ہیں تو اب بھی شکر اسی کا ادا کرتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ بڑائی کا غرور میرے کسی بچے کے سر میں نہ سمائے۔''

''امی! آٹا فریج میں رکھے رکھے اکڑ گیا ہے۔ جب تک وہ نرم ہوگا' میں تب تک میڈیکل اسٹور سے ابا کے لئے کھانسی کا سیرپ لے آؤں۔ رات کو بھی بہت کھانسی آئی تھی ان کو۔''

''اکیلی جاؤ گی۔ تابش تو ٹیوشن گئی ہوئی ہے' میری ہمت نہیں ہے سیڑھیاں چڑھنے اترنے کی۔ سات بج رہے ہیں' اندھیرا پھیل گیا ہے ہر طرف۔'' وہ تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''امی! سردی کی شامیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اندھیرا جلدی پھیلنے لگتا ہے لیکن یہاں مرکری لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔ اندھیرا محسوس بھی نہیں ہوتا۔''

''مگر مجھے تمہارا یوں تنہا گھر سے نکلنا پسند نہیں ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولیں۔

''سب نکلتے ہیں گھر سے' جب کام ہوتا ہے تو۔ کیا مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ایسی بات نہیں ہے بیٹی۔ اولاد کا اعتبار تو ہوتا ہے مگر وقت کا نہیں ہوتا۔ اچھا جاؤ۔'' وہ پرسکون انداز میں بولیں۔

انہوں نے بچیوں کی تربیت بہت خوبصورتی اور اعتماد سے کی تھی اور نہیں چاہتی تھیں کہ اس بات سے شمائلہ احساس کمتری یا اپنی ذات پر اعتماد اور اعتبار کرنا چھوڑ دے۔ انہوں نے اسے اجازت دے کر اس کا اعتماد بحال کر دیا تھا۔ اجمل صاحب کو کھانسی بہت زیادہ ہو رہی تھی۔ ڈاکٹروں کے پاس جانا وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ سیرپ وغیرہ گھر میں پی لیا کرتے تھے۔ شمائلہ کی تجویز انہیں درست لگی۔ میڈیکل اسٹور گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ تین اسٹریٹ چھوڑ کر مین روڈ کراس کر کے دائیں جانب تھا۔ وہ شولڈر پرس لٹکائے' چادر اچھی طرح لپیٹے تیزی سے جا رہی تھی۔ رات بھی ان کی کھانسی کی وجہ سے سکون سے نیند نہیں آ سکی تھی۔ انہوں نے بچپن

سے باپ کی طرح محبت نہیں دی تھی مگر اب بہت حد تک بدل گئے تھے۔ بہت خیال رکھنے لگے تھے' بیوی' بچوں کا شمائلہ ان سے بے حد محبت کرتی تھی کہ وہ جیسے بھی تھے باپ تو تھے۔ اسے اس علاقے کی یہ بات بہت پسند آئی تھی کہ لوگ ایک دوسرے کی ٹوہ نہیں رکھتے تھے۔ لاتعلق' اپنے کام سے کام رکھنے والے لوگ تھے۔

اس وقت بھی آدمی' عورتیں' بچے سب گزر رہے تھے۔ مگر کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ وہ اپنی دھن میں مگن آگے بڑھتی جارہی تھی کہ اچانک تھرڈ اسٹریٹ سے وہائٹ کار تیزی سے نکلی۔ وہ راستے میں ہی تھی' کار اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔ کار کا اچانک بریک لگا تھا' زوردار آواز کے ساتھ پھر بھی کار رکتے رکتے بھی اس سے ٹکرا گئی تھی۔

''ارے چوٹ تو نہیں آئی بیٹا؟'' فرنٹ ڈور کھول کر ایک پر وقار سی خاتون بڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھ کر پریشان لہجے میں بولیں۔

''نہیں۔ ہاں۔ نہیں۔'' حادثہ اتنا تکلیف دہ نہیں ہوتا' جتنا حادثے کا خوف انسان کو مار ڈالتا ہے۔ اس کے چوٹ تو بالکل بھی نہیں آئی تھی مگر کار سے ٹکرانے کے خوف سے اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا' ہاتھ پاؤں کانپ اٹھے تھے۔

''گھبراؤ نہیں بیٹا۔ کچھ نہیں ہوا۔'' وہ بہت شیریں لہجے میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلیاں دے رہی تھی۔ لائٹ پنک ریشمی ساڑی پر گرم بلیک کڑھائی والی چادر اوڑھے وہ خاتون بہت پروقار تھیں۔ مستزاد اس پر اپنائیت وخلوص سے بات کرنے کا انداز شمائلہ کو بے حد پسند آیا۔

''میں کہہ رہی تھی آپ سے کار دیکھ کر چلاؤ۔'' ابھی چوٹ لگ جاتی تو مسئلہ بن جاتا۔''

''ممی آپ کو ہی جلدی تھی۔ بار بار کہہ رہی تھیں' جلدی چلاؤ' پھر تو یہ ہونا ہی تھا۔ ویسے ان کو شوق بھی بہت ہے کار سے ٹکرانے کا' سو آج انجانے میں ہی سہی پورا تو ہو گیا۔ کہیے مزا آیا ٹکرانے میں۔ ارمان پورا ہوا کہ نہیں۔'' وہ نوجوان جس کی طرف اس نے دیکھا نہیں تھا' جب شوخ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اسے پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ اس نے فوراً نگاہیں جھکالیں۔

''شمیر! ہر کسی سے مت فری ہوا کرو۔ کاروں سے بھی ٹکرانے کا شوق ہوتا ہے کسی کو۔ بیٹی' مائینڈ مت کرنا۔ یہ ہمارے فیملی جوکر ہیں۔ اس حادثے پر معاف کر دینا۔ دراصل ہم بہت جلدی میں ہیں کیونکہ ہماری بہو میٹرنٹی ہوم میں ہے۔ آؤ ہم تمہیں ڈراپ کر دیں گے۔'' وہ ازراہ اخلاق بولیں۔

''نہیں شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔ گھر میرا قریب ہی ہے۔''

''کتنا قریب ہے' ذرا بتائیے گا۔''

''شمیر! چلو ڈرائیونگ سیٹ پر۔'' وہ خاتون اس کا کان کھینچ کر بولیں۔ وہ ہنستا ہوا سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''اچھا بیٹی' اجازت دو۔'' وہ دھیرے سے اس کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کار میں بیٹھ گئیں اور ہاتھ ہلا کر دور تک بائے بائے کہا۔ شمائلہ میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ گئی۔

❖ ❖ ❖

''کس کا فون تھا بیٹا۔ اماں جان نماز سے فارغ ہوئیں تو اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اُسامہ سے مخاطب ہوئیں جو فون اسٹینڈ کے پاس سوچوں میں مستغرق تھا۔

''اماں جان! نبیل کا فون تھا۔ وہ...... وہ...... وہ۔'' ان سے وہ لاکھ فری سہی پھر بھی ڈیلیوری کی خبر دیتے وقت اس کی جھجک فطری تھی۔

''کیا ہوا نبیل کو۔ خیریت تو ہے نا بیٹا؟'' وہ دہل سی گئی تھیں۔

''اماں جان وہ......''

''کیا وہ' وہ پر سوئی اٹک گئی ہے خیریت تو ہے نا؟'' مارے پریشانی کے وہ کھڑی ہو گئیں۔

''آپ پردادی بننے والی ہیں۔'' بمشکل وہ جملہ پورا کر پایا۔

''اچھا' کہاں ہے اس کی بیوی۔'' بڑا اطمینان اور سکون ان کے لہجے میں در آیا تھا۔

''گھر پر ہی ہیں۔ نبیل بہت پریشان ہے' وہ بہت گھبرا رہا ہے۔''

''کیوں گھبرا رہا ہے۔ ہزاروں مرد روزانہ باپ بنتے ہیں۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔'' وہ اوپر پاؤں کر کے آرام سے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''اماں جان چلیں' میں آپ کو وہاں ڈراپ کرا آتا ہوں۔ آپ ہماری بزرگ ہیں اور ایسے موقعوں پر بزرگوں کی موجودگی باعث رحمت ومبارک ہوتی ہے۔''

''تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو' کیا کہہ رہے ہو مجھ سے۔ میں وہاں جاؤں یہ ممکن نہیں۔''

''اماں جان! جس طرح میں آپ کو عزیز ہوں' اسی طرح آپ کو سب بچوں کو عزیز رکھنا چاہئے۔ میں ہوں یا نبیل نام الگ الگ ہیں مگر خون ایک ہے' آپ سے رشتہ بھی ایک ہی ہے پھر کیوں آپ میری ایک ماہ کی جدائی برداشت نہ کر پائیں۔ اور نبیل ایک سال سے اس خاندان سے جدا ہو کر رہ رہا ہے۔ اس کی یاد آپ کو کبھی نہیں آتی۔ روحیل انکل اور چچی کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی۔ اس کا احساس آپ کو اب بھی نہیں ہوا۔ بہت عرصے بعد وہ ان کے روبرو آیا تھا۔'' لہجہ دھیما تھا مگر سرکشی وبغاوت میں اپنی بات منوالینے کا عزم موجود تھا

''اُسامہ! تمہیں کتنی بار کہا ہے مت ہمارے فیصلوں میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کیا کرو۔ اپنے فیصلوں کے بارے میں ہم ذرا بھی نکتہ چینی برداشت نہیں کرتے۔'' وہ بپھر کر بولیں۔

''اماں جان' غور سے سنیے۔ میں ناانصافی' سگے رشتوں کی پامالی قطعی برداشت نہیں کرتا۔ حق دار کو حق ضرور ملنا چاہئے۔ یہ میرا اصول ہے' آپ کو بھی نبیل کی بیوی کو قبول کرنا ہوگا۔''

''تم جانتے ہو' میں غیر خاندان کی گندگیاں اپنے خاندان میں نہیں شامل کر سکتی۔''

''یہ وہم ہے اماں جان آپ کا۔ اچھا اور برا انسان اپنے اخلاق وفعل سے بنتا ہے۔ خون کا گندگی وپاکیزگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ آپ ضد چھوڑ دیجئے' اماں جان پلیز۔''

''میں تمہیں پیار کرتی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں اُسامہ بیٹا کہ تم مجھے مجبور کر کے اپنی ہر جائز وناجائز ضدیں منواؤ۔ مجھے اپنے تمام پوتا پوتی سے شدید پیار ہے۔ تم سے زیادہ اس لئے ہے کہ تم بہت منتوں مرادوں کے بعد فوزیہ کی گود میں آئے تھے اور اسی دوران فوزیہ گردوں کی شدید تکلیف کی وجہ سے لمبے عرصے تک بیمار رہی تھیں۔ وہ عرصہ میں نے تمہیں اپنے سینے سے لگا کر رکھا تھا اور جب سے ہی میں تمہارے وجود کی اتنی عادی ہو گئی تھی کہ تمہیں زیادہ دیر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھی۔ اسد نے بہت کوشش کی' تمہیں انگلینڈ پڑھنے بھیجنے کی مگر میں راہ میں حائل ہو گئی۔ نہیں رہ سکتی تھی' میں تمہارے بغیر۔ اب تم جوان ہو گئے ہو تو میرے فیصلوں کو' خاندانی نسب وناموس کو تاراج کرنا چاہتے ہو۔'' غصے اور رعونت سے ان کی آواز بلند ہو گئی تھی' چہرہ انگارہ۔

''اماں جان' میں جانتا ہوں آپ کی محبت کو۔'' سمجھتا ہوں آپ کتنا چاہتی ہیں مجھے مگر یہ حسب ونسب کا احساس برتری' ذات برادری کے بلند ترین ہونے کا احساس یا پست ہونے کا خیال' یہ سب فرسودہ وجاہلانہ دور کی باتیں ہیں۔ انسان کسی بھی ذات' برادری یا خاندان سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ مسلمان ہے' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے تو یہ مضبوط رشتہ سارے ذات برادری کے رسم ورواج' تعلقات ومعاملات کا فرق مٹا کر سب کو ایک برادری بنا دیتا ہے۔ ایک رشتے' ایک نسب سے منسلک ہو جاتے ہیں سب۔ مسلم برادری' عالمگیر اخوت سے سرشار اور ایمان سے لبریز ہے۔ ہماری شناخت' ہماری پہچان صرف مسلمان ہونا ہے اماں جان۔ توڑ دیجئے اپنے اس حسب ونسب کے اعلیٰ برتری اور گھمنڈی بت کو۔''

''تم مجھ پر بت پرستی اور کفر کا الزام لگا رہے ہو۔'' وہ بری طرح آگ بگولہ ہو گئیں۔

''لاحول ولاقوۃ اماں جان۔ اللہ نہ کرے۔'' وہ ان کے نزدیک ہو کے گلے میں ان کے بانہیں ڈالتا ہوا پریشان لہجے میں بولا۔ ''آپ نے تو صراط مستقیم پر چلنے کا درس دیا ہے۔ آپ کی ہی ایمان افروز باتوں نے دین کی بنیاد سمجھنے اور عمل پیرا ہونے کی قوت بخشی ہے۔''

''لیکن میں اپنی آن نہیں توڑوں گی۔ فیصلہ ہے یہ میرا۔'' وہ سرد لہجے میں بولیں۔

''ٹھیک ہے اماں جان پھر میں یہ گھر چھوڑ کر جارہا ہوں۔ جہاں انسانی زندگی اور جذبات کی اہمیت کے آگے آن وآنا جیسے موذی احساسات کو فوقیت دی جائے' میں ایسے گھٹے ہوئے تنگ وتاریک ماحول میں نہیں رہ سکتا۔'' وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ چہرے پر اٹل سنجیدگی تھی۔

''جانتے ہو تم اچھی طرح' نبیل نے کس طرح شادی کی ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''معلوم ہے مجھے' اس نے اعلیٰ ظرفی وایثار پسندی کی بہترین مثال قائم کی ہے۔ ایک لڑکی کو غلیظ سوسائٹی سے بچا کر عزت کی زندگی اور اپنا نام دیا ہے۔ مجھے فخر ہے اس پر۔''

''عظمت کو فون کر دو۔ چلی جائیں گی وہ۔'' ان کا لہجہ سخت ہی تھا مگر وہ اُسامہ کے تیور بھی دیکھ رہی تھیں اور یہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ جو کہتا ہے کر گزرتا ہے۔

''کسی میں ہمت نہیں ہے آپ سے پہلے ایک قدم بھی آگے اٹھانے کی۔'' اس کا موڈ بدستور آف تھا۔

''میں بات کروں گی۔ فون ملا کر دو۔'' ان کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اُسامہ خاموشی سے آگے بڑھا اور روحیل صاحب کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''جو نبیل نے کہا ہے' وہ پہلے بتا دینا۔'' انہوں نے ہدایت دی۔

''یس' شمیر۔'' دوسری طرف سے شمیر نے فون ریسیو کیا تھا۔

''ہیلو شمیر میں اُسامہ بول رہا ہوں۔'' اس نے تمہید باندھی۔

''بولنا آگیا آپ کو۔ شکر ہے۔ اب ان لڑکیوں کی جان میں جان آئے گی جو آپ کی خاموشی کو گونگے پن سے تشبیہ دے کر خوفزدہ رہتی ہیں کہ کہیں......''

''اسٹاپ اٹ ایڈیٹ۔'' وہ جھنجلا گیا۔

''میں اسٹاپ ہو گیا آپ اپنی مدھد برساتی' شہد ٹپکاتی' کانوں میں رس گھولتی آواز میں بولتے رہئے۔'' شمیر کی شوخیاں ہمیشہ اس کے سامنے عروج پر پہنچ جایا کرتی تھیں۔

''تمہیں یہ اطلاع دینا تھی کہ تم چچا بننے والے ہو۔ چچی جان کو بلاؤ' اماں جان بات کریں گی۔''

''اوہ نو۔ یو آر سیریس۔'' دوسری طرف سے شمیر کی قدرے بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔

''میں سنجیدہ ہوں۔''

''تو اینجمنٹ' نو میرج' ڈائریکٹ آپ نے مجھے چچا بنا دیا۔''

''شٹ اپ شمیر' نبیل کی بات کر رہا ہوں میں۔ شمیر کی غلط فہمی نے اسے اور تپا کر رکھ دیا تھا۔'' لیجئے اماں جان' بات کیجئے۔'' اس نے موبائل اماں کو پکڑایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

❖ ❖ ❖

لونگ روم قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ روحیل صاحب کے چہرے پر بہت عرصے بعد آسودہ مسکراہٹ آئی تھی۔ ان کی پوری فیملی آج پہلی مرتبہ ان کے گھر میں موجود تھی۔ اپنے گھر میں' سامنے صوفے پر' نبیل اور اُسامہ کے درمیان بیٹھی کچھ کچھ خفا سی اماں جان کو دیکھ کر وہ بہت خوش تھے۔ نبیل کا بیٹا' ان کا پوتا بہت مبارک قدم ثابت ہوا تھا جس نے دنیا میں آتے ہی ان کی آپس کی رنجشیں وشکایتیں ختم کر دی تھیں۔ اماں جان کو یہاں لانے اور ان کا برین واش کرنے کا کریڈٹ اُسامہ کے ذمے تھا اور یہ

بات وہ بخوبی جانتے تھے کہ حق اور جائز بات منوانے کا ہنر اُسامہ خوب جانتا ہے۔ اس نے اماں جان کو قائل کر کے یہاں لا کر ہی چھوڑا تھا۔ انا پرست لوگ جب خول سے باہر آتے ہیں تو ان کی کیفیت وقتی طور پر جھلاہٹ اور غصے کی ہوتی ہے۔ یہی اماں جان کی بھی تھی۔ اپنے بے جا اصول فضول ہٹ دھرمی سے وہ ایک عرصے سے اپنی من مانی کرتی آئی تھیں۔ ان کے بے لچک اور سخت رویے کو سب ہی برداشت کرنے کے عادی تھے لیکن جب سے اُسامہ باشعور ہوا تھا' ان کے بہت سے غلط اور تکلیف دہ اصولوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ غلط کو غلط ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس اتنے مضبوط اور لاجواب دلائل ہوتے تھے کہ اماں جان کو خاموشی سے اس کی بات ماننی پڑتی تھی۔

اب بھی وہ ان کے گرد اپنے مضبوط بازو پھیلا کر بیٹھا ہوا تھا۔ نبیل بھی مسرور سا ان کے قریب تھا۔ عائشہ ایک دن اسپتال میں رہی تھی اور نبیل اماں کے حکم پر ہی اسے گھر لے آیا تھا۔ نازک سی عائشہ سب کو بہت پسند آئی تھی۔ گھر کی ساری خواتین اس سے بہت اشتیاق وخلوص سے ملی تھیں۔ اماں جان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تھی۔ اپنے ہاتھ کا ایک بھاری طلائی کنگن اتار کر اس کے ہاتھ میں پہنا دیا تھا۔ جس حال میں بھی اس کی شادی ہوئی' بہر حال گھر کی وہ بڑی بہو تھی۔ ماریہ کے بعد دوسرا نمبر تھا اس کا۔ بچے کے ہاتھ پر کئی نوٹ انہوں نے رکھے تھے۔ بچہ بے حد کمزور تھا اور اماں کی ہدایت پر اسے کمبل میں لپیٹ کر عائشہ کے پاس لٹا رکھا تھا۔ عائشہ کا بیڈ سائیڈ کی دیوار کے پاس تھا جس پر وہ سرخ کمبل اوڑھے لیٹی وہاں بیٹھے سسرالیوں کو دیکھ رہی تھی جن سے وہ پہلی بار متعارف ہوئی تھی۔

''عظمٰی! کیسا لگ رہا ہے دادی بن کر۔'' کوثر بیگم ان سے مسکراتے ہوئے مخاطب تھیں۔

''یقین نہیں آ رہا مجھے ابھی تک' بالکل اچانک دادی بنی ہوں۔ عین وقت پر اماں جان سے انہیں رابطہ کرنے کا خیال آیا پہلے ہی کر لیتے۔'' عظمت بیگم خوشی سے سرشار تھیں۔

''ممی! میں محسوس ہی نہ کر سکا کہ یہ سب اتنی جلدی ہو جائے گا۔'' نبیل شرماتا ہوا آہستہ سے بولا۔

''کوئی بات نہیں ممی۔ آپ اپنے سارے ارمان اگلے سال نکال لیجئے گا۔'' شمیر شرارت سے بولا تو اس کی بات سمجھ کر وہ سب ہی ہنس پڑے۔

''بھائی جان! اگلے سال ہمیں بھتیجی چاہئے۔'' لڑکوں سے تو ہمارا خاندان بھرا پڑا ہے۔'' پورے خاندان میں فقط زینی ہے یا ریاض بھائی کی مہک ہے۔ بہت قلت ہے' اس خاندان میں لڑکیوں کی۔''

''لڑکے! ڈاکٹر کیا بن رہا ہے' بے حیا ہو رہا ہے۔ ذرا شرم وحیا نہیں ہے۔'' اماں جان اسے گھور کر بولیں' جبکہ وہ سب مسکرا رہے تھے۔

''اماں جان! نبیل کے ولیمہ کی تیاری تو کرنی پڑے گی۔ خاندان میں عائشہ کو متعارف بھی تو کروانا ہے۔ کب کریں ولیمہ۔'' عظمت بیگم ان سے مخاطب ہوئیں۔

''دلہن جب چلہ نہائیں تو جب اہتمام کر لیں گے ولیمے کا۔'' اماں نے رائے دی۔

''کیسا منظر ہوگا۔ بھابی اور بھائی منے کو گود میں لے کر اپنے ولیمے کی مبارکباد وصول کر رہے ہوں گے۔'' شمیر ہنستے ہوئے بولا تو وہ سب ہنس دیے۔ اماں بھی مسکرا دیں۔

''اتنی جلدی بھی کس بات کی ہے۔ ننھے کی سالگرہ منائیں گے جبھی آپ اپنا ولیمہ بھی کر لیجئے گا۔'' شمیر کے برابر میں بیٹھا ہوا فیاض ہنستے ہوئے بولا تو شمیر نے سب سے بلند قہقہہ لگایا تھا۔

''میں بزرگوں کا لحاظ کر رہا ہوں تو تم لوگ پھیلتے ہی جا رہے ہو۔ ہو سکتا ہے تمہارا ولیمہ مجھ سے بھی زیادہ لیٹ ہو۔'' نبیل مصنوعی غصے سے بولا۔

''آپ کے ولیمے سے ہم نے سبق حاصل کر لیا ہے۔ سب سے پہلے ہم ولیمہ کریں گے' پھر منگنی' پھر شادی۔'' فیاض' شمیر کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے قہقہے لگاتے ہوئے بولا۔ تو ان کے ساتھ اندر داخل ہوتے روحیل صاحب بھی ہنس پڑے تھے۔

''یک نہ شد دو شد' تمہاری زبان بھی بڑی چلنے لگی ہے فیاض۔'' اماں مسکراتے ہوئے بولیں۔

''دیکھ لیجئے' یہ سب میری صحبت کا اعجاز ہے' بچے کو بولنا آ گیا ہے۔'' شمیر نے کالر درست کیا۔

''آپ بہت خاموش بیٹھے ہیں۔'' روحیل' اُسامہ کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے۔

''دراصل یہ ناراض ہیں۔ ان کی ناراضگی کی وجہ بھی بتا دیتا ہوں۔'' شمیر اس سے پہلے بول اٹھا۔

''کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اس کو دھوکے کی عادت پڑ گئی ہے۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا۔

''آپ نے بلا تمہید کی تھی' اُسامہ بھائی مجھے غلط فہمی کا شکار تو ہونا ہی تھا۔''

''کیا بات ہو گئی تھی ایسی۔'' اس کی پلاننگ کے مطابق سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''پرسوں انہوں نے فون کیا کہ تم چچا بننے والے ہو۔'' شمیر نے اُسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے مشکل سے مسکراہٹ روکی۔ 'میں حیران پریشان کہ جس شخص کا اٹھنا بیٹھنا بھی اصول کے مطابق ہو' اتنا اصول پسند بندہ بے اصولی کیسے کر سکتا ہے کہ نہ منگنی' نہ شادی' ڈائریکٹ انہوں نے مجھے چچا بنا ڈالا۔ یقین مانیے اماں جان' میں حقیقتاً بوکھلا گیا تھا۔ نبیل بھائی کی طرف تو گمان بھی نہ تھا کیونکہ ان سے رابطہ ہی نہ تھا۔'' شمیر کی وضاحت پر لونگ روم کے در و دیوار بے ساختہ قہقہوں سے گونج اٹھے تھے۔ اُسامہ شرمندہ سا گردن جھکا کر بیٹھ گیا کہ شمیر کا قیاس مبالغہ آرائی سے پاک تھا۔ اس نے بلا تمہید بات کی تھی۔

''میں ہوتا اگر تمہاری جگہ تو قطعی نہیں گھبراتا۔'' فیاض ہنستے ہوئے بولا۔ ''کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ ہمارے یہ کزن صاحب' بہت جدت پسند اور انقلابی طبیعت کے واقع ہوئے ہیں۔ میں اس کو بھی ان کی پرفیکٹ انقلابی جدت سمجھتا۔'' وہ ان دونوں کے نشانے پر تھا۔ کمرہ قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ اُسامہ کے غصے سے گھورنے پر دونوں ہی نگاہیں جھکا چکے تھے۔

جی فوزیہ بیگم محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ جھنپا جھنپا' وجیہہ چہرہ اور شاندار پرسنالٹی والا ان کا بیٹا سب میں نمایاں تھا۔ انہوں نے نگاہوں میں اس کی بلائیں لے لیں۔

''میرے خیال میں اُسامہ جی آپ بھی ہتھیار ڈال ہی دیں۔ نبیل ماشاءاللہ ایک بچے کے باپ بن گئے ہیں۔ ریاض بھی کچھ عرصے بعد دو بچوں کے باپ بن جائیں گے آپ نے اتنا عرصہ پڑھائی اور مختلف کمپیوٹر کورسز کرنے میں گزار دیا۔ اب تو شادی کی ہامی بھر لیں۔'' عظمت بہت پیار بھرے لہجے میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

''یہ کبھی ہامی نہیں بھریں گے۔ آنسہ کے دیور کی بیٹی کچھ عرصے بعد کراچی آ رہی ہے۔ اچھی لڑکی ہے۔ میں تو آنسہ سے بات کر چکی ہوں۔ لڑکی یہاں آ جائے تو دیکھ لینا تم سب بھی پھر میں خود کروں گی ان کی شادی۔ دیکھتی ہوں کب تک نہ نہ چلے گی۔'' اماں جان اُسامہ کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولیں جو دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

⁂

رات خاصی گزر چکی تھی۔ رستم زمان سارے دن الیکشن کی تیاریوں میں مصروف رہنے کے بعد رات گئے تک سوئے تھے۔ وہ بیڈ پر پرسکون نیند میں گم تھے۔ اس عمل سے بے خبر کہ ان کے پہلو کا بستر بے شکن تھا۔ ساحرہ پنک نیٹ کے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس لبوں سے جلتا ہوا سگریٹ دبائے کسی بے چین و بے قرار بھٹکی ہوئی روح کی طرح کمرے میں چکرائی پھر رہی تھی۔ اس کی سحر انگیز آنکھوں میں حزن وسوز تھا' خوبصورت چہرہ فیوز بلب کی طرح بے رونق اور بجھا بجھا سا تھا۔ سرخ ہونٹوں میں سلگتا ہوا سگریٹ۔ اس کے ارد گرد بے تحاشا دھواں تھا۔ سینٹر ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے راکھ اور کئی سگریٹوں کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ جب سے اس نے لائبہ کو اُسامہ کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا' اس کا سکون' چین' آرام سب مفقود ہو گیا تھا۔ وہ اکثر اس کے اور اپنے حسن کا موازنہ کرتی رہتی تھی اور ہر بار تشنگی و محرومی خود میں محسوس کرتی تھی۔

''تم میں اور مجھ میں یہی فرق ہے کہ تم سر بند کلی ہو۔ میں کھلتا ہوا مہکتا پھول ہوں' تمہارا حسن بے مثال ہے تو میرا حسن لاجواب ہے' تم شعلہ ہو تو میں دہکتا ہوا الاؤ ہوں' تم حسین ہو تو میں حسین ترین ہوں' میں کسی طرح تم سے کم تر نہیں ہوں پھر کیا وجہ ہے۔ میں ٹھکرائی گئی ہوں۔ تم چاہی گئی ہو ایک آئرن مین' اسٹون ہارٹ رکھنے والے شخص کو تم نے' تمہاری چاہت نے' پانی پانی کر دیا ہے۔ کتنی شدید محبت کرتا ہے' وہ تم سے کہ تمہاری پاکیزگی و معصومیت کے صدقے میں اس نے میری جان بخش دی۔ اس نے لمبا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرا۔ 'اُسامہ ملک جیسے غیر رومانٹک و غیر جذباتی شخص کو تمہاری خوبصورتی نے اٹریکٹ نہیں کیا ہوگا کیونکہ وہ حسن پرست یا نفس پرست نہیں ہے' اس کو پاگل تمہاری پروقار سنجیدگی اور چہرے پر پھیلی پاکیزہ سی معصومیت نے کیا ہوگا یا تمہاری گرین' سمندر جیسی آنکھوں کی گہرائیوں میں وہ ڈوب گیا ہوگا۔ تمہارے گلابی چہرے پر جگمگاتی ہوئی گرین آنکھوں کی کشش بڑی ساحرانہ اور جادو بھری ہے۔ میں خود ان کا شکار ہو گئی ہوں۔ میں تمہیں ایک بار کے بعد دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی مگر یہ تمہاری آنکھوں کی قاتلانہ کشش ہی تھی کہ میں حاسد ہونے کے باوجود بار بار تمہیں دیکھ رہی تھی۔ میں تو عورت ہوں اور میرے دل میں تمہارے لئے حسد و رقابت کا شدید جذبہ ہے' میں تمہارے حسن کی گرویدہ ہو گئی ہوں تو وہ تو مرد ہے بھرپور جوان' طاقتور وجود رکھنے والا وجیہہ ترین انسان۔ اس کے دل میں تمہارا وجود کیا حشر برپا کرتا ہوگا۔ تمہارا حسن تنہائیوں میں اس کی طلب نہ بنتا ہوگا۔ وہ شدت سے تمہارے قرب کا تمنائی نہ ہوگا' حسن' معصومیت' جوانی ہر مرد کی اولین چاہ ہوتی ہے اور تم اس مکمل مرد کی پہلی اور آخری چاہت ہو۔ تمہارا ملن دھرتی اور ساون جیسا ہوگا۔ تمہارا پیار' تمہاری چاہت اسے پھولوں کی طرح مہکا دے گی۔ ایک مکمل مرد کی رفاقت' بھرپور مرد کی چاہت اور شجاعت پر عورت اپنا آپ لٹا دیتی ہے' کتنی گڈ لک ہو تم لائبہ! کتنا بہترین' ایسا اعلیٰ ترین مرد تمہارا سرمایہ افتخار ہے۔ اس نے سسکتے ہوئے سوچا۔ اس رات اس غیرت مند و نیک سیرت اُسامہ نے میری اندر کی باحیا عورت کو زندہ کر دیا تھا۔ جو اپنی بے لگام نا آسودہ نفسانی خواہشات کے نیچے دب کر آخری سانسیں لے رہی تھی۔ یہ تو کتنی معیوب بات کہ سامنے بیڈ پر میرے شوہر' میرے جسم و جان کے مالک سو رہے ہیں اور میں بستر سے دور غیر مرد کی محبت میں اپنے مچلتے' تڑپتے دل کو سگریٹ کے دھوئیں میں بہلانے کی سعی کر رہی ہوں لیکن میں کیا کروں۔ بے بس ہوں۔ دل پر کب کسی کا اختیار رہا ہے۔ حیرت کی بات ہے نا۔ میں حاسد ہوں تم سے۔ شدید ترین نفرت کرتی ہوں میں تم سے' مگر باوجود خواہش کے میں تم کو شوٹ نہیں کر سکتی۔ یہاں بھی میں دل سے مجبور ہوں۔ اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے لیا۔ وہ جنونی انداز میں مسلسل ٹہلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''تم میرے محبوب کی محبوبہ ہو۔ زندگی ہو اس کی' جن سے سچا پیار کیا جاتا ہے' ان سے وابستہ رشتے خود بخود ہی عزیز اور پیارے ہو جاتے ہیں۔ تمہیں گولی لگے گی تو شاید روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ تمہاری مجنونانہ و بے پایاں محبت کا ادراک مجھے اس رات ہو گیا تھا سو میری یہ نسوانی کمزوری ہے کہ میں اپنے محبوب کو زندہ و تابندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ حقیقت میں نہ سہی خوابوں میں تو میرے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ساتھ ہوتا ہے۔ تصورات میں تو مجھے دیکھتا ہے' چھوتا ہے' پیار کرتا ہے۔ اس جانِ جاناں کا تصور و خیال ہی میری راتوں کا حسین سپنا ہے جس میں آنکھیں بند کئے ہی رہنا چاہتی ہوں۔

⁂

''تم خوش ہو اپنی لائف میں۔'' لائبہ پلیٹ میں لوازمات نکالتے ہوئے سامنے کرسی پر بیٹھی سومیہ سے بولی۔

''ہاں بہت خوش ہوں۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں تو میں بہت اپ سیٹ رہی تھی۔ صادق کی ایک ایک ادا' ایک ایک نقوش میں اُسامہ بھائی کا عکس ڈھونڈتی رہتی تھی پھر اپنی ناکامی پر کوفت و جھنجلاہٹ سوار ہو جاتی۔ میں اکثر کمرے میں تنہا بند رہا کرتی۔ صادق بہت کوشش کرتے' میں ان کے ساتھ پارٹیز' فنکشنز اٹینڈ کروں' لوگوں سے گھلوں ملوں مگر مجھ پر تو ناکام عشق کا بھوت ہر وقت ہی سوار رہتا تھا پھر میں نے آہستہ آہستہ خود کو سنبھالا۔ صادق کی والہانہ محبتوں نے مجھے نادم کر دیا۔ ان کی کھری اور بے لوث چاہتیں پا کر میرے تشنہ جذبے معتبر ہو گئے تھے۔ میں نے محسوس کیا۔ محبت کرنے سے بہتر' محبت کروانا ہے۔ شادی ہمیشہ اس مرد سے کرنی چاہئے جو ہمیں چاہتا ہو۔ ایسے شخص کے ساتھ زندگی بڑی گل و گلزار' جنت نظیر ہو جاتی ہے۔ بہت کم عرصے میں اُسامہ ملک کا عکس میرے آئینۂ دل سے غائب ہو چکا تھا۔ صادق کی محبت میری نس نس میں بس گئی۔ مجھے جب بھی اپنی جذباتیت یاد آتی ہے تو شرمندگی و پچھتاوے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ شادی سے پہلے محبت محض حماقت ہوتی ہے جس پر بعد میں پچھتانے اور شرمندہ ہونے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔'' سومیہ اس کے ہاتھ سے پلیٹ لیتے ہوئے بولی۔

''مجھے خوشی ہوئی ہے۔ تمہیں اس طرح مسرور و خود اعتماد دیکھ کر۔'' لائبہ سمیرا کو پلیٹ پکڑاتے ہوئے اپنی پلیٹ لے کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تمہارا فون خراب ہے کیا۔'' سمیرا شامی کباب کا پیس منہ میں رکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں تو۔'' وہ بے دھیانی میں بول اٹھی تھی۔

''سمیرا نے اور میں نے کئی بار تمہیں رنگ کیا ہے مگر ایسا محسوس ہوتا تھا' جیسے فون ڈیڈ ہے تمہارا۔''

''دراصل کچھ رانگ نمبرز نے اتنا ڈسٹرب کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے فون کے پلگز نکالنے پڑتے تھے۔'' وہ دانستہ اُسامہ کا نام پوشیدہ رکھتے ہوئے بولی۔ اس دن کی اُسامہ کی پرطیش اور اٹل گفتگو اسے بری طرح خوف زدہ کرگئی تھی۔ کئی دن تک وہ اس کی دھمکیوں کے زیر اثر بوکھلائی اور پریشان رہی تھی۔ اس کی نکاح کی خواہش کوئی جنونی چاہت یا شوریدہ جذبات کی خودسری نہ تھی۔ اس کے دہکتے لہجے میں شعلوں کی نہیں انتقام کی گرمی تھی اور انتقامی جذبات اس پر اس قدر حاوی ہوچکے تھے کہ وہ مہذب و پروقار وحیادار انسان اپنی شرافت بھول کر اس کے لئے بھیڑیے کا روپ دھار چکا تھا۔ وہ کبھی بھی اس کے نکاح کے جال میں شکار ہونے کو تیار نہیں تھی۔

''حنا کے ڈیڈی' ممی نے نادر کا پرپوزل قبول کرلیا ہے۔ یہ زبردست خبر تمہیں دینے کے لئے تمہیں فون کررہے تھے۔'' سمیرا ہنستے ہوئے اسے اطلاع دے رہی تھی۔

''رئیلی۔'' اس کی گرین آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔ چہرہ یکدم ہی فریش اور دلکش ہوگیا تھا۔ ''پہلے نادر کی بھابی و بھائی کو قائل کیا پھر حنا کے پیرنٹس کو بھی انہوں نے ٹریٹ کیا۔ حنا نے تو بہت دعائیں دی ہیں انہیں جو انہوں نے اس کی جان بمبئی کے بندر سے چھڑائی ہے۔ سمیرا بہت عقیدت و اپنائیت سے اس کا نام لے رہی تھی۔ اس کا نام سن کر ہاتھ میں پکڑا کپ لرز کر رہ گیا تھا۔ دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا' جسم جیسے واقعی کسی آسیب کی گرفت میں جکڑ گیا تھا۔ اس نے بمشکل اپنے دل کو سنبھالا تھا۔

''ان دنوں اُسامہ بھائی اتنے اسمارٹ و ہینڈسم ہورہے ہیں کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں انہیں ہماری نظر ہی نہ لگ جائے۔''

ہاں اذیت پسند لوگ' کسی کو خوف و دہشت کی سولی پر لٹکا کر ذلت و رسوائی' جگ ہنسائی اور تماش بینی کے خوف میں قید کر کے بہت پرسکون و مطمئن رہتے ہیں۔ یہ خود پرستی کی حد ہے۔

''پلیز سمیرا' کوئی اور بات کرونا۔'' سمیرا اس کی حالت سے بے خبر اُسامہ کی باتوں میں مگن تھی۔

''کیا ہوگیا لائبہ۔ یہ تمہارا رنگ کیوں زرد ہوگیا ہے۔ کوئی بات ہوئی ہے اُسامہ بھائی سے تمہاری۔'' وہ دونوں اس کا زرد وحشت زدہ سا چہرہ دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں۔

''مت نام لیا کرو اس شخص کا میرے سامنے۔ وہ آدمی نہیں ہے' کوئی بدروح ہے۔ بڑا کریہہ آسیب ہے۔ جس کے لمبے خوفناک دانت رگ رگ کو کچل ڈالتے ہیں' نس نس کو بھنبوڑ ڈالتے ہیں' پور پور چھلنی ہوجاتا ہے' زخم زخم روح ہوجاتی ہے مجھے نفرت ہے۔ اس شخص سے' شدید ترین نفرت۔'' اس نے ہذیانی انداز میں بولتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا ہوا چائے سے بھرا کپ سامنے رکھے ڈیزی و نسمین کے پودوں کی سمت اچھال دیا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر شدت سے رو پڑی۔ اس کے فون کے بعد تنہائیوں میں وہ اکثر روئی تھی اگرچہ ماما کی بیماری کے خیال سے خود کو سمیٹ لیتی تھی۔ اب دو پرخلوص دوستوں کے سامنے وہ اپنا غبار نہ روک سکی اور شدت سے رو دی۔

''لائبہ' کیا ہوا ہے۔ بتاؤ پلیز' تم اس قدر شدت سے رو رہی ہو۔ کوئی بات ہوئی ضرور ہے۔''

''تم شروع سے ایسی ہو' برداشت کرنے والی۔ اپنے دکھ درد کو اپنے تک محدود رکھنے والی مگر دوستوں سے دکھ درد تو شیئر کئے جاتے ہیں' دوستی کا مقصد تو یہی ہوتا ہے نا۔ دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے کام آنا۔ تم اتنے عرصے دوستی کا بھرم رکھتی رہی ہو پر کبھی اپنی ذاتیات میں تم نے ہمیں داخل ہونے یا جھانکنے کی اجازت نہیں دی ہے۔'' سومیہ شکایتی لہجے میں بولی۔

''میں اپنی ذات کے حصار میں خود ہی قید ہوں۔ مجھے اس حصار سے آزاد ہونے کی اجازت نہیں تو تم کس طرح میرے ذاتیات میں کوئی روزن پیدا کرسکتی ہو۔''

''پلیز اس طرح مت روؤ۔'' سمیرا' سومیہ کرسیاں چھوڑ کر اس کے پاؤں کے نزدیک بیٹھ گئی تھیں۔

''تم اتنی ڈرپوک اور بزدل ہوگئی ہو لائبہ۔ ایک اخلاق سے گرے ہوئے شخص سے خوفزدہ۔ ہمت' سنبھالو خود کو' اس کا ذکر ہرگز مت کرنا۔ اس کو معلوم ہوگیا تو اس شیر کی کھال میں چھپے ہوئے بھیڑیے کو زیادہ ڈھارس اور ہمت مل جائے گی۔'' اس نے خود کو سرزنش کی۔

''تم نیچے کیوں بیٹھ گئیں۔ کرسیوں پر بیٹھو۔'' وہ ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔ ''بہتے آنسوؤں کے دوران نرم مسکراہٹ نے اس کے چہرے کو ایسے ہی منور کردیا تھا جیسے برستی بارش کے دوران نرم چمکیلی دھوپ نکل آنے سے ماحول ایک دم شفاف ہوجاتا ہے۔''

''تم نے ابھی کہا تھا' اُسامہ بھائی سے تمہیں شدید نفرت ہے۔ اس نفرت کا کوئی نہ کوئی تو محرک ہوگا۔'' سمیرا اس کی بدلتی کیفیت پر ششدر تھی۔

''جس طرح محبت بے اختیاری جذبہ ہے۔ اسی طرح نفرت پر بھی اختیار نہیں ہوتا۔'' وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ ''اپنی بھونڈی دلیل کا اسے خود احساس تھا مگر وجہ بتانے سے وہ معذور تھی۔

''نہیں ڈیئر۔ تمہاری یہ دلیل قطعی ناقابل قبول ہے کیونکہ محبت تو بلا جواز کبھی نہیں ہوتی۔ اس میں بھی کبھی' خوبصورت چہرہ' کبھی دراز گیسو' کبھی جھیل کی طرح گہری آنکھیں یا سانچے میں ڈھلا چاندنی جیسا مخمور کردینے والا سراپا' من درپن میں آگ لگا کر محبت اجاگر کرجاتا ہے پھر نفرت کا جواز تو لازمی ہے۔ یہ بہت ناقابل برداشت اور تکلیف دہ جذبہ ہے۔'' سومیہ کی متجسس نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں جہاں کچھ ناگوار سے تاثرات تھے۔

''تمہارا ان کے ذکر پر ہڑک کر رونا کچھ تو معنی رکھتا ہے۔'' سمیرا اس کی خاموشی سے پریشان تھی۔

''دراصل ماما کی طرف سے آج کل اتنی پریشان ہوں کہ بات بے بات دل کرتا ہے خوب روؤں۔''

''واقعی انہیں دیکھ کر بہت دکھ ہوا ہے۔ بہت کمزور ہوگئی ہیں۔'' سومیہ چائے کا کپ تھامتے ہوئے بولی۔

''سنو لائبہ! میرے انکل ایکسپرٹ سائیکالوجسٹ ہیں۔ میرے ساتھ چل کر ایک دفعہ اپنا چیک اپ کروالو۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری اتنی بہترین دوست نفسیاتی مریضہ بن جائے۔'' سومیہ نے بہت ٹھہر ٹھہر کر کچھ احتیاط بھرے لہجے میں اپنا مدعا بیان کیا۔

''کیا مقصد۔'' وہ ہکا بکا تھی۔

''اس دن پارٹی میں تم اُسامہ بھائی کو دیکھتے ہی اٹھ گئیں اور ہم سے کچھ کہے بغیر وہاں سے چلی گئی تھیں۔ اس وقت تمہارا انداز بالکل بھی نارمل نہیں تھا۔''

''حنا نے تمہاری اس بے رخی کو بہت محسوس کیا تھا کہ تم نے ہمیں بالکل نظر انداز کردیا تھا۔'' سومیہ نے اس کے چہرے پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے کچھ توقف اختیار کیا۔ اُسامہ بھائی بولے ''حنا تم پریشان مت ہو۔ وہ اس وقت نارمل کنڈیشن میں نہیں ہے۔ کبھی کبھی انہیں سائیکلوجیکل اٹیکس ہوتے ہیں۔ اس حالت میں وہ کسی کو نہیں پہچانتیں' اگر اٹیک پاورفل ہو تو خود کو نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتیں۔ ہم میں سے کسی کو بھی یقین نہیں آرہا تھا۔'' سومیہ اس کے سپید پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے خاموش ہوگئی۔

''پھر۔'' اسے اپنی رگیں کھنچتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''پھر وہ بولے کہ جب تم ٹی پارٹی والے دن زہریلا پانی پی گئیں اور تمہیں اسپتال لے گئے تھے' وہاں ان کے سامنے تمہیں شدید اٹیک ہوا تھا اگر وہ تمہارے ہاتھ سے چاقو گرا نہ دیتے تو تم یقیناً خود کو نقصان پہنچالیتیں۔'' سمیرا بول رہی تھی۔ اس کا وجود دھماکوں کی زد میں تھا۔ اس کی سماعت میں اس کے لفظ گونج رہے تھے۔ ''تمہاری بے جا نفرت نے میری رگ رگ میں زہر بھر دیا ہے۔ اب تمہیں مجھ سے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے۔ لائبہ نور۔ مجھے نفسیاتی مریض یا ایب نارمل کہہ کر بدنام کرنے کی سازش کے پیچھے تمہاری کوئی گہری چال ہے۔ میں کیسے یقین دلاؤں سب کو۔ میں پاگل نہیں ہوں۔ میں ایب نارمل نہیں ہوں مگر اس شخص کا آسیب مجھے ضرور پاگل کردے گا۔ اس نے اندر کے شور سے گھبرا کر دونوں کان بند کرلیے۔ وہ دونوں اسے ترحم بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

✦ ✦ ✦

''آپ نے مجھے بلایا ہے ڈیڈی۔'' اُسامہ اسد صاحب کے بیڈروم میں آکر مؤدب لہجے میں بولا۔

''ہوں۔ بیٹھو۔'' انہوں نے ایک لمحہ فائل سے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ گردن جھکی ہوئی تھی اس کی۔

''میں نے آپ کو آپ کی من مانیاں کرنے کے لئے مکمل وقت اور سہولت دی۔ آپ نے اپنے پسندیدہ سبجیکٹس میں ایم اے' ڈبل ایم اے کیا خواہش کے مطابق کمپیوٹر کورسز کیے اور میری شدید ناپسندیدگی کے باوجود آپ نے سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ میں پھر بھی برداشت کرتا رہا کہ آپ خود تھک کر بیٹھ جائیں گے مگر بات میری توقع سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔ جیل' پولیس' جیسی ذلت میں برداشت نہیں کرسکتا ہوں۔ آپ ایک ماہ گھر سے باہر رہے۔ محسوس ہوگیا ہوگا آپ کو گھر اور پیار کرنے والوں کی اہمیت و افادیت کا راز منکشف ہوگیا ہوگا آپ پر۔'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا وہ بدستور رسمی انداز میں بیٹھا تھا۔

''آپ دونوں ہاتھوں سے پیسہ لٹانے کے عادی ہیں۔ شاہانہ' حاتمانہ انداز و اطوار آپ کے اندر بہ کثرت موجود ہیں مگر اس طرح بیٹھ کر لٹانے سے تو بڑے بڑے خزانے خالی ہوجاتے ہیں۔ یہ جائداد و پیسہ بے شک آپ کا ہے۔ رات دن اتنی محنت و مشقت میں آپ کے لئے ہی تو کررہا ہوں۔ مجھے آپ کے طرز عمل پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اعتماد ہے مجھے آپ پر' آپ بری صحبتوں میں پیسہ ضائع نہیں کررہے ہوں گے۔ آپ کو اب سیاسی میدان چھوڑ کر معاشی میدان میں عملی قدم اٹھانا ہے۔ ملک کو محض کھوکھلے نعروں' جھوٹی تقریروں اور ملک کی جڑیں کاٹنے والے غاصبانہ' منافقانہ' خود غرضانہ' ضمیر فروش سیاست دانوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ملک معاشی استحکام چاہتا ہے۔ معیشت کی گرتی ہوئی دیواریں' افراط زر روز افزوں' اقتصادیات کی درماندگی' بیروزگاری' مہنگائی یہ سارے عفریت' معاشی استحکام و استقلال کو انتشار میں مبتلا کردیتی ہے۔''

''جی ڈیڈی' سمجھتا ہوں میں مگر سیاست میں آپ ہمیشہ تاریک پہلو دیکھتے ہیں۔ میر جعفر جیسے وطن فروش' ایمان فروش' ضمیر فروش سانپ تو ہمیشہ ہی حکمرانوں کی آستینوں میں پلتے آئے ہیں مگر سب پر میر جعفر جیسا گمان رکھنا درست تو نہیں ہے۔'' وہ بہت تحمل آہستگی سے ان سے مخاطب ہوا۔

''بہرحال یہ باتیں سوچنے کی ذمے داری حکومت کی ہے کہ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے چاپلوس و مفاد پرست لوگوں کو پہچانے۔ آپ کو یہاں کا تمام بزنس سنبھالنا ہے۔ غیر ملکی کمپنیز اور فرمز میں سنبھالوں گا آپ کے ٹرینڈ ہونے تک۔ آپ تمام بزنس میٹ اپ سمجھئے پھر مکمل آپ کو ہی سنبھالنا ہے۔ میں ریسٹ کرنا چاہوں گا پھر آپ مختلف اوقات میں تقریباً پوری دنیا گھوم چکے ہیں۔ لوگوں کی پرکھ اور پہچان ہوچکی ہے آپ کو اور ایک بہترین بزنس مین کے لئے قیافہ شناسی و مزاج شناسی لازمی ہے۔ مجھے امید ہے آپ میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔'' اسد صاحب اس کے نزدیک آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولے۔

✦ ✦ ✦

''ممی ایک کپ چائے مل جائے گی۔'' ارشد تولیے سے بال رگڑتا ہوا کچن میں چلا آیا۔

''ممی تو نہیں ہیں یہاں۔ زینی ہے۔ اگر آپ کی شرط ممی کے ہی ہاتھوں سے چائے پینے کی ہے تو فکرمند نہ ہوں۔ یہ محترمہ بھی مستقبل میں آنے والے کسی کے چیاؤں بیاؤں کی ممی ہیں۔'' شمیر جو وہاں بیٹھا ناشتا کررہا تھا' اس کی زبان چل پڑی تھی۔

''سوچ سمجھ کر تو تم نے کبھی بولنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ جو منہ میں آتا ہے بکے چلے جاتے ہیں۔ میرے سامنے دماغ درست رکھا کرو اپنا۔ ورنہ دماغ ٹھکانے لگانا آتا ہے مجھے۔'' ارشد جو نبیل سے چھوٹا اور شمیر سے بڑا تھا' بہت زیادہ غصہ ور' سنجیدہ مزاج اور کم گو واقع ہوا تھا نہایت غصے سے بولا۔ ایک سال قبل اس نے تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی ذاتی کنسٹرکشن کمپنی کھولی تھی جو اس کی لیاقت و قابلیت' محنت کے باعث بہت کم عرصے میں اپنی مضبوط ساکھ قائم کرچکی تھی۔

''بھائی! میڈیکل کی رو سے خالی پیٹ غصہ صحت کے لئے مضر ہے۔ وہ شمیر ہی کیا جو کسی کے رعب میں آجائے۔'' ارشد کی گھورتی نگاہوں سے وہ گڑبڑا کر بولا۔

''تم کیا گونگی بہری بن کر کھڑی ہو۔ چائے دو فٹافٹ۔ اس کا رویہ سب سے یکساں رہتا تھا۔''

''مم ...... مم ...... میں دے رہی تھی۔'' نازک سی سادہ طبیعت زینی اس کے غصے سے اکثر خوف زدہ رہتی تھی۔

''تمہیں جن یا بھوت دکھائی دیتا ہوں میں جو خوف کے مارے زبان ہکلانے لگتی ہے تمہاری۔'' وہ اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔

''ہاں نہ ...... نہ ...... نہیں۔'' وہ بے ربط ہوگئی تھی۔ شمیر کا بے ساختہ قہقہہ کچن میں گونج اٹھا۔

''تمہیں تو بس ہنستے رہنا چاہئے' موقع ہو یا نہ ہو۔'' زینی اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ارشد مگ لے کر نکل گیا تھا۔

''تم اتنا خوفزدہ کیوں رہتی ہو بھائی سے۔''

''وہ بھائی نہیں بھاؤ لگتے ہیں مجھے۔'' زینی بے ساختگی سے بولی۔

''یہ چائے بنائی ہے تم نے......'' اسی پل ارشد اندر آ کر اس سے طنزیہ لہجے میں مخاطب ہوا۔

''جی۔'' زینی سٹپٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ایک گھونٹ پی کر دیکھو۔'' وہ کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''مگر یہ تو آپ کی جھوٹی ہے۔''

''تو کیا ہوا۔ میں کسی موذی مرض میں گرفتار ہوں جو تمہیں میری جھوٹی چائے پینے سے وہ مرض لگ جائے گا۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

زینی کی سٹی اس کی موجودگی میں ویسے ہی گم ہو جاتی تھی۔ مستزاد اس پر اس وقت اس کا موڈ بھی بگڑا ہوا تھا۔ وہ اس کے اعتراض کا معقول جواب دے بھی نہیں سکتی تھی۔ لاچار اس نے مگ اس سے لے کر منہ سے لگالیا۔ دوسرے لمحے گھونٹ لیتے ہی وہ منہ بناتے ہوئے سنک کی طرف بھاگی تھی۔ مگ میں وہ چینی کے بجائے فراخ دلی سے نمک ڈال چکی تھی جس سے چائے کا ذائقہ نا قابل برداشت حد تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''آنکھیں کمزور ہیں آپ کی۔ شوگر اور سالٹ میں آپ کو فرق محسوس نہیں ہوتا۔'' وہ سنک کے پاس کلیاں کرتی زینی سے استہزائیہ انداز میں مخاطب ہوا۔

''بھائی! زینی بے قصور ہے۔ دراصل آیوڈین سالٹ اور شوگر میں فرق زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔ میں بھی دو بار اس غلط فہمی کا شکار ہو چکا ہوں اور زینی بھی ضرور اسی غلط فہمی کا شکار ہوئی ہے۔ یہی بات ہے نا زینی۔'' ثمیر جو زینی کی حالت سے واقف تھا' اس کے نزدیک آ کر اس کی سائیڈ لیتے ہوئے بولا۔ زینی نے اسے نزدیک اور حمایتی پا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا ہوا ارشد' کیوں غصے ہو رہے ہو۔'' عظمت بیگم وہاں آ کر بولیں۔

''کچھ نہیں مما۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ سائٹ پر بھی جانا ہے' فٹافٹ ناشتا بنا دیں۔''

''میں بنا رہی تھی۔ زینی کو پسند نہ آیا' اپنی موجودگی میں میرا کام کرنا۔ اس لئے میں عائشہ کے پاس چلی گئی تھی۔ زینی نے تمام چیزیں تیار کر لی ہیں۔'' وہ ایک ایک شے کا جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔

''میں ان کے بریک فاسٹ پر بلیو نہیں کر سکتا۔'' کیونکہ بیڈٹی میں ٹریلر دیکھ چکا ہوں۔ آپ اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنائیں۔'' وہ قطعی لہجے میں کہتا وہاں سے باہر نکل گیا۔

''اس لڑکے کا تو دماغ ہی نہیں ملتا۔ زینی! آپ مائنڈ مت کرنا بیٹی۔ خانساماں کے ہاتھ کے کھانے وغیرہ تو ہرگز بھی اسے پسند نہیں تھے۔ اتنے ماہر کک ریجکٹ کر چکے ہیں۔ کچن کی تو معمولی سی معمولی ذمے داری میری جان پر ہے۔''

''جی ہاں آنٹی' اس معاملے میں ہمارے خاندان کے مردوں کی رائے اور پسند یکساں ہے کہ کھانا' ناشتا وغیرہ گھر کی خواتین کے ہاتھ کا ہی پکا ہوا ہو۔ گھر پر بھی ممی کے ساتھ میں' ماریہ بھابی' ہیلپ کرواتے ہیں۔ زینی مسکراتے ہوئے بولی۔ ثمیر وہاں سے جا چکا تھا۔

❖ ❖ ❖

کوشش کے باوجود بھی تو بھولتا نہیں
تیرے بغیر کیا کروں کچھ سوجھتا نہیں
ہوتی ہے صبح و شام مگر اس کے باوجود
ہے چاند تیری یاد کا جو ڈوبتا نہیں

''کنول۔'' وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو کوریڈور میں کھڑا زبیر اس کی طرف آواز دیتا ہوا آ گیا۔

''جی۔'' اس کا موڈ اس پر نظر پڑتے ہی آف ہو جاتا تھا۔

''آیئے۔ لان میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پیش کش کی۔

''اس موسم میں لان میں......''

''موسم انجوائمنٹ تو دل کی مسرتوں سے مربوط ہوتی ہے۔'' وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''میں جا رہی ہوں۔ میری نائٹ شفٹ میں ڈیوٹی آن ہے۔'' اس نے جان چھڑانی چاہی۔

''ہوں تو میں سول انجینئر مگر ڈاکٹرز کی کیا ڈیوٹیز ہوتی ہیں' ان سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ آپ کا رویہ بہت روڈ ہے۔ میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ آپ مجھ سے فرار کیوں چاہتی ہیں۔ مجھ میں آپ کو کس خطرناک مرض کے وائرس نظر آتے ہیں؟'' وہ جو ایک ہفتے سے اس کی احتیاط اور گریز دیکھ رہا تھا آج اسے گھیر چکا تھا۔

''آپ یہاں کس ارادے سے آئے ہیں؟'' کنول اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''کم از کم چوری یا ڈاکے کے ارادے سے تو بالکل بھی نہیں۔ نیک ارادے ہیں۔'' وہ اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر بولا۔ کاسنی گرم سوٹ پر وائٹ دوپٹے اور لائٹ میک اپ میں وہ کسی من چلے شاعر کی کوئی شوخ غزل محسوس ہو رہی تھی مگر چہرے کے تاثرات سنگین تھے۔

''زبیر صاحب! آپ جس سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں جس معاشرے سے آپ پلٹے ہیں وہاں یہ دستور نہیں ہے' گھما پھرا کر بات کرنے کا۔ آپ ان ڈائریکٹ نہیں ڈائریکٹ بات کریں۔''

''سیدھی بات یہ ہے کہ ممی نے مجھے یہاں لڑکی پسند کرنے بھیجا تھا۔ آئی تھنک لڑکی مجھے پسند بھی آ گئی ہے' مگر لگتا ہے آپ مجھے لائک نہیں کر رہی ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''زبیر صاحب۔ شادی محض رشتے داریاں استوار کرنے کا نام نہیں ہے۔ اس میں دو فریق کی ذہنی ہم آہنگی' جذباتی وابستگی اور دلی مسرتیں بھی بغیر کسی مشروط وجہ کے لازم ہیں۔ شادی کے بعد خوشگوار زندگی جبھی گزاری جاتی ہے جب دونوں فریقوں کے دل میں ایک دوسرے کے لئے احترام' خلوص و محبت ہو اور اپنے دل میں' میں آپ کے لئے کوئی ایسا جذبہ نہیں رکھتی۔''

''جی ہاں۔ یہ بات تو میں آپ کے گریز سے اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔'' زبیر سنجیدگی سے بولا۔

''پھر مجھے امید ہے آپ آئندہ میرا راستہ نہیں روکیں گے۔'' وہ بھی اسی لہجے میں بولی۔

''بہرحال میں ایک پریکٹیکل بندہ ہوں۔ میں تمہارے اس بے جواز انکار کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بناؤں گا۔ ہم بہت عرصے بعد ملے ہیں۔ اس عرصے میں تمہارے فرینڈ زیا کولیگز کسی سے بھی انڈر اسٹینڈنگ ہو سکتی ہے۔ مجھے تمہارا جواب پسند آیا۔ اب تم یہ تمام ٹینشنز برین واش کر دو اور یہ صاحب کا دم چھلا بھی ریٹائر کر دو۔ میں صرف اور صرف تمہارا ایک کزن ہوں۔ پردیسی ہوں مجھے اپنے شہر کی سیر کرا دو۔ اگلے ہفتے مجھے واپس جانا ہے۔'' زبیر نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ پہلی بار اس کی موجودگی میں طمانیت سے مسکرائی۔

❖ ❖ ❖

''آپ نے کیا سوچا۔ منے کا کیا نام رکھیں۔'' عظمت بیگم' نبیل کے بیٹے کو گود میں لئے روحیل صاحب سے مخاطب تھیں۔

''اس معاملے میں تو تجربہ نہیں ہے مجھے جو مناسب ہو رکھ دیں۔'' وہ بچے کے سرخ نرم گال چومنے کے لئے گھڑی بھر کو اس کی طرف جھکے تھے۔

''ہمارے تینوں بچوں کے نام اماں جان نے اپنی پسند کے رکھے تھے۔ اب ذہن کام نہیں کر رہا۔''

''اماں جان کا ڈکٹیٹرانہ مجھے پسند نہیں ہے۔ ان کی خود غرضانہ فطرت سے مجھے ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ بہتر یہ ہے نبیل اور عائشہ سے پوچھیے' بیٹے کا نام ان کی مرضی سے رکھا جانا چاہئے۔''

عظمت ان کی شکل دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ یہ بھی خوب انصاف تھا۔ خود دل کی بھڑاس نکال کیا کرتے تھے۔ بیٹے' بیوی ایک حرف غلط بھی ان کی اماں جان کے خلاف بولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

''مجھے حیرت ابھی تک دنگ کئے ہوئے ہے کہ اماں جان اپنے جاہ و جلال کو پس پشت ڈال کر کس طرح اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہوئیں۔ عائشہ کو انہوں نے قبول کر لیا۔ کو اس دن وہ اکھڑی اکھڑی ناراض سی رہی تھیں مگر یہ تبدیلی بہت حیران انگیز ہے۔''

''اماں جان' خود کو کتنا سخت بنالیں۔ پہاڑوں چٹانوں' جیسی ہٹیلی و پتھریلی ان کی ذات ہو جائے مگر کبھی کوئی ڈائنامیٹ ان پہاڑوں' چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر ہی دیتا ہے۔''

''عائشہ چلہ نہالیں تو دونوں کے ولیمے کی دعوت کر دیتے ہیں۔ آپ بتایئے' کتنے مہمان بلائے جائیں۔'' عظمت بیگم ان کے حد درجہ سنجیدہ موڈ سے نروس ہو گئی تھیں چنانچہ بات بدل کر بولیں۔

''یہ احمقانہ فعل ہے۔ شادی کو ایک سال ہو چکا ہے اس کی۔ بچے کو گود میں لے کر ولیمے کی مبارکبادیں قبول کرنا سوٹ کرے گا اسے۔ بڑے پیمانے پر دعوت کر دیں گے' سب لوگوں کو انوائیٹ کریں گے۔'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''لوگ کیا کہیں گے۔ فسانہ بنا ڈالیں گے' کس کس کو بتائیں گے۔ اس شادی کی وجہ۔''

''لوگ کیا کہیں گے۔ لوگ کیا سوچیں گے۔ لوگ کیا باتیں بنائیں گے۔ لوگ۔ اس لفظ کا ہوا کیوں ہمارے ذہنوں سے چمٹا رہتا ہے۔ ہماری ذاتیات میں یہ لوگ کہاں سے گھس آتے ہیں۔ اللہ کے خوف کی بجائے لوگوں کی آنکھوں' زبانوں اور انگلیوں کا خوف ہمہ وقت دامن گیر رہتا ہے۔ زندگی اجیرن کر رکھی ہے ان واہموں نے۔ دنیا کیا کہے گی۔ لوگ کیا باتیں بنائیں گے۔ زمانہ جینے نہیں دے گا۔ جب میں نے اپنے بیٹے کو اس کی بیوی اور بیٹے کو فراخ دلی اور فخر و اعزاز کے ساتھ اپنایا ہے تو لوگوں کا کیا حق بنتا ہے' ہمارے پرسنل افیئرز میں مداخلت کرنے کا۔'' روحیل صاحب پہلی بار شدید غصے میں بولے۔

''یہ دنیا ہے روحیل اور یہاں ہم لوگوں کے درمیان رہتے ہیں۔ لوگ جو دیکھتے ہیں' جو سوچتے ہیں اس کے برملا اظہار کا بھی حق رکھتے ہیں اور ہمیں نہ چاہنے کے باوجود مصلحتاً سب کچھ سننے اور برداشت کرنے کے علاوہ لوگوں کو مطمئن کرنا ہوتا ہے۔ معاشرے میں اپنی عزت و وقار شفاف رکھنے کی خاطر۔ یہ مصلحت اپنانی پڑتی ہے۔''

''مصلحت پردہ پوشی' جسم سے بوند بوند کھینچ لیتی ہیں' یہ مصلحتیں۔ انسان اپنے جسم کے ٹکڑے اپنے ہی ہاتھوں کاٹ کر پھینک دیتا ہے' دنیاداری کی خاطر۔ کیا ملتا ہے ان وقتی بہلاووں سے' وقتی خوش فہمیوں سے' لٹ جاتا ہے' انسان ان کے آگے اور ظاہر بھی نہیں کر سکتا۔ آگ لگا دوں گا' میں ان غیر انسانی دستوروں کو جو انسان سے اس کی ذاتیات تک چھین لیتے ہیں۔''

''خیریت ڈیڈی کیا ہوا؟'' ارشد جو ابھی آفس سے آ رہا تھا' ان کے چیخنے کی آواز سن کر حیرانی سے اندر سیٹنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ بچپن سے اب تک انہوں نے باپ کو بہت دھیمے لہجے میں بات کرتے دیکھا تھا۔

''ڈیڈی! آپ اپنے کمرے میں چلئے۔ آیئے میں چھوڑ کر آتا ہوں۔''

''تھینکس بیٹا۔ میں خود چلا جاؤں گا۔'' روحیل تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

''اوہو ممی' آپ نے تو بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا۔ کیا بات ہوئی تھی۔''

''پریشان تو وہ ایک مدت سے رہتے ہیں مگر آج کل تو زیادہ ہی نظر آتے ہیں۔ میں نے کتنی کوشش کی نہیں بتاتے کیا وجہ ہے۔ ابھی میں نے نبیل کے ولیمے کے بارے

میں پوچھ لیا۔ یہی پوچھنا غضب ہو گیا۔''

''ممی! یہاں آپ کا نہیں میرا قصور ہے میرا منحوس وجود ہر جگہ اپنی نحوست پھیلانے لگتا ہے۔ ابھی جو کچھ ہوا میری وجہ سے ہی ہوا۔ میں بہت منحوس ہوں، موت بھی تو نہیں آتی مجھے۔'' بلو گرم سوٹ میں ملبوس عائشہ اندر آتے ہوئے بھرائی آواز میں بولی۔ اس کمرے کی آواز لونگ روم تک با آسانی جا رہی تھی۔

''ایسے نہیں کہتے بیٹا۔ آپ تو بہت مبارک قدم ہیں۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ آپ کے ڈیڈی آج کل کسی ٹینشن کا شکار ہیں۔ وہ آپ کو تو بیٹی سے بڑھ کر چاہتے ہیں۔''

''بھابی جان! پلیز خاموش ہو جایئے' دیکھیے یہ آپ کے ولی عہد بھی آپ کا ساتھ دینے کی تیاری کر رہے ہیں۔'' ارشد مسکراتے ہوئے عائشہ کی سمت دیکھ کر بولا۔

❖ ❖ ❖

''ماما۔ ہم واپس امریکا چلتے ہیں۔'' لائبہ سیب کاٹ کر دیتے ہوئے بولی۔

''کیوں؟'' ان کے لہجے اور آنکھوں میں کچھ ایسی چوکنا اور استعجابی کیفیت ابھری تھی کہ وہ گڑبڑا اٹھی تھی۔

''میرا مطلب ہے ماما۔ وہاں آپ کو ٹریٹ منٹ اور کیئر پرفیکٹ ملے گی پھر وہاں پر ہم ہارٹ بائی پاس بھی کروالیں گے۔'' اس نے اپنے خوف کو ان پر ظاہر ہونے نہیں دیا کہ وہ کسی آسیب سے بھاگنا چاہ رہی ہے اور یہ اس کی شدید ترین کوشش بھی تھی کہ وہ امریکا بائی پاس کے لئے جائیں مگر یہ اس کی پہلی خواہش تھی جو انہوں نے رد کر دی تھی۔

''ایک لمبا عرصہ دیار غیر میں گزرا ہے۔ اپنا آخری وقت' اپنی آخری اقامت گاہ میں اسی وطن اور مٹی میں بنانا چاہوں گی۔'' وہ آنکھیں موندتے ہوئے دھیمے سے بولیں۔

''ماما! آپ ایسی باتیں کریں گی تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔ آپ کے بغیر تو میں زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ ان کے سینے پر سر رکھ کر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ آنسو تو ویسے بھی آج کل اس کے بلا ارادہ ہی رخساروں پر پھسل جاتے تھے۔

''حقیقت سے آنکھیں نہیں چراتے بیٹا۔ وقت سے پہلے موت کی خواہش بھی گناہ ہے۔ میں تو عمر گزار چکی آپ کی تو ابھی ابتدا ہے۔''

''یہ نہ بھولیں ماما۔ مایوسی بھی کفر ہے' آپ سو جائیں۔ میں ڈاکٹر وارثی سے آپ کی میڈیکل رپورٹس لے آؤں۔ کچھ نئی دوائیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے مجھے خود جانا پڑے گا۔ جعلی دوائیں بھی آج کل کچھ زر پرست اور مردہ ضمیر لوگوں کی وجہ سے عام ہو رہی ہیں' میں خود دیکھ کر لاؤں گی۔''

وہ ان پر کمبل ڈال کر ماتھا چومتے ہوئے وہاں سے اپنے بیڈ روم میں آ گئی تاکہ چادر اور پرس لے سکے۔ ٹرن ٹرن ٹرن۔ اس نے چادر اوڑھتے ہوئے کچھ خوفزدگی سے فون کی سمت دیکھا۔

''ہیلو۔ ہیلو کون ہے۔'' اس نے دوسری طرف خاموشی محسوس کر کے کہا۔ دل بری طرح دھڑکے جا رہا تھا۔

''جان آسیب۔ اس کی حسب توقع دوسری طرف وہی بھاری دلکش خون منجمد کر دینے والی سرد آواز تھی۔

''کیا فیصلہ کیا تم نے اس دن والے میرے مشورے کے بارے میں۔''

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ایک شخص اخلاقی طور پر اس قدر دیوالیہ بھی ہو سکتا ہے۔ میں تم سے شادی کرنا تو کجا بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔ تم ایک نمبر کے گھٹیا' ذلیل' کمینے آوارہ آدمی ہو۔ میں تم پر تھوکنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔ سمجھے۔'' اس نے ریسیور ٹیبل پر پھینک کر پلگ کھینچ لیا۔ شدید غصے کے مارے اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ چہرہ سرخ انگارہ بن گیا تھا۔ اسی وقت ملازمہ نے آ کر ڈرائیور کے کار نکالنے کی اطلاع دی۔ وہ بیگ اٹھاتے ہوئے ملازمہ کے ساتھ ڈرائیو وے کی طرف بڑھ گئی۔

''آپ کس جگہ جا رہی ہیں جی؟'' ملازمہ کے سوال پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا (یہ ملازمہ ایک ماہ قبل ہی رکھی گئی تھی)

''وہ جی آپ کو دیر ہو جائے تو فون کر کے آپ کے متعلق بڑی میڈم کو بتا دیں گے۔ وہ پریشان ہو جاتی ہیں۔'' ملازمہ نے اپنی صفائی پیش کی۔

بات معقول تھی۔ لائبہ نے اسپتال کا ایڈریس اور فون نمبر اسے دے دیا۔

''ایئرپورٹ کے قریب ہی ہے نا جی یہ۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کار میں بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر وارثی سے میڈیکل رپورٹس لے کر ان کی اسٹڈی کے بعد وہ بے اختیار رو پڑی تھی۔ میڈیکل رپورٹس کے مطابق وہ سفر کرنے کے قابل بھی نہ تھیں اگر یہاں بھی ان کے بائی پاس کے سیرز کا انتظام کیا جاتا تو خدشہ تھا کہ وہ سیرز کے دوران ہی سانسوں سے ناتا توڑ لیں۔ ویسے بھی ان کی زندگی اس پگھلتی ہوئی شمع کی مانند تھی جس کی ٹمٹماتی لو کو کسی بھی ہوا کے تیز جھونکے سے گل ہو جانے کا خطرہ ہو۔ ڈاکٹر وارثی نے اسے بہت تسلی اور دلاسے دیے اور ماما کو ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی تلقین کی۔ وہ آنکھیں صاف کرتی تمام رپورٹس بیگ میں رکھ کر اسپتال سے باہر آ گئی۔ ڈرائیور کار سمیت غائب تھا۔ وہ پریشان ہو کر رہ گئی۔ ڈرائیور بہت ذمے دار تھا۔ اس طرح بغیر بتائے اس کا جانا' بہت تعجب خیز اور الجھن کا سبب تھا۔ آس پاس بلند و بالا عمارتیں کھڑی تھیں اور دوپہر کا وقت ہونے کے باعث سب دکانیں وغیرہ بند تھیں۔ لمبی شفاف سڑکوں پر اکا دکا گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی فٹ پاتھ پر چل رہی تھی کہ سائڈ سے نکلتی ریڈ مرسڈیز بجلی کی تیزی سے اس کے پاس آ رکی تھی۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ سنبھلتی۔ اُسامہ فرنٹ ڈور کھول کر اس کی طرف بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کار میں بیٹھ کر تیزی سے کار آگے بڑھا گیا۔

اس کی آنکھوں میں بھی اک عمر کی وحشت ہو گی
کوئی اس سے بھی کسی موڑ پہ بچھڑا ہو گا
اس کے اندر بھی تو زندہ ہے خزاں کا موسم
اس کے لہجے میں بھی سناٹا بلا کا ہو گا

یہ سب اتنی سرعت و برق رفتاری سے ہوا کہ اسے سنبھلنے' بچنے یا چیخنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔ آناً فاناً اسے فرنٹ سیٹ پر پٹخنے کے انداز میں دھکیل دیا گیا تھا۔ وہ اس افتاد پر ہراساں تھی اور اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی تھی۔ سر پوری شدت سے ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا۔ دل و ذہن پہلے ہی ماما کی مایوس کن رپورٹ پڑھ کر دکھ و صدمے کی عمیق گہرائیوں میں جا ڈوبے تھے۔ مستزاد اُسامہ کا اس قدر جارحانہ انداز میں اسے اغوا کرنا۔ چند لمحے وہ جیسے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی۔ ذہن ماؤف ہو گیا اور ہر سو اندھیرا پھیلتا ہوا محسوس ہوا۔ کچھ منٹ بعد اس خود فراموشی کی کیفیت سے نکلی تو وہ پوائزن کی مسحور کن خوشبوؤں میں بھیگا رش ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ بلو شرٹ اور لائٹ بلو جینز میں ملبوس اس کے چہرے پر چٹانی سختی تھی اور ڈوبتے سورج کی لہو رنگ سرخی چھائی تھی۔ ڈارک سن گلاسز کے پیچھے آنکھوں کا تاثر پوشیدہ تھا۔ بلیک گھنی مونچھوں تلے گلابی ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ سفید مضبوط ہاتھوں میں اسٹیئرنگ اس طرح گھوم رہا تھا' جیسے کوئی بچہ لٹو گھماتا ہے۔ وہ مجسم آگ بنا ہوا تھا۔ اس کی نس نس سے شرارے نکل رہے تھے۔ ''کار روکیں' کار روکیں۔ میں شور مچا دوں گی' آپ مجھے اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔'' حواس بحال ہوتے ہی وہ اس کی طرف دیکھ کر اضطرابی انداز میں چیخی۔

''مچاؤ شور۔ شور مچا کر دیکھو بدنام کون ہوتا ہے۔ میں یا تم۔'' گویا وہ کسی انسان کی نہیں اژدہے کی پھنکار تھی۔ زہر اسے اپنے جسم میں سرایت کرتا محسوس ہوا۔

''کہاں لے جا رہے ہیں آپ مجھے؟'' اس کا مطمئن انداز اور سرد لہجہ اسے وسوسوں کے بے لگام گھوڑے پر بٹھائے سرپٹ دوڑانے لگا۔

دنیا دی اوس نکڑے جتھے
بندہ نہ بندے دی ذات ہووے

اس کے سنگلاخ چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ لمحے بھر کو روشن ہو کر معدوم ہو گئی۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں۔ میں اتنی آسانی سے آپ کی دسترس میں آ جاؤں گی۔'' اس نے اپنے اعصاب یکجا کرتے ہوئے کانپتے لہجے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''سوچنے' سمجھنے اور جاننے کی تمام صلاحیتیں مفقود ہوئے عرصہ ہو گیا۔ اب میں انجام سے بے فکر ڈائریکٹ ایکشن کا قائل ہو گیا ہوں۔''

''کار روکیں اُسامہ!'' وہ دروازہ کھولنے کی ناکام کوشش کے بعد اس سے مخاطب ہوئی۔ بے انتہا خوف و گھبراہٹ' اشتعال و اضمحلال اس کے سراپے اور اس کی آواز میں لرزاں تھے۔

''یہ کار اب کورٹ پارکنگ لاٹ میں ہی رکے گی۔'' اس کا لہجہ پراسرار طمانیت لئے ہوئے تھا۔

''کک..... کک..... کیا مطلب۔'' اس کی سماعتوں پر گویا ایٹم بم سے شدید دھماکہ ہوا تھا۔

''مطلب وہی ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔ اگر میرے منہ سے سننا چاہتی ہو تو سنو۔ روزانہ ہزاروں لوگ کورٹ میں اپنے مسائل و مقدمات نمٹانے جاتے ہیں مگر کچھ لوگ ہماری طرح بھی جاتے ہیں' کورٹ میرج کرنے۔ ہم کورٹ میرج کرنے جا رہے ہیں۔'' وہ اسی طرح اطمینان سے بولا۔

''نن..... نہ..... نہیں۔ یہ..... یہ کس طرح ممکن ہے۔'' اس پر وحشتیں مکمل طور سے طاری ہو گئیں تھیں۔

''شادی ناممکنات میں کب سے شامل ہونے لگی۔'' اس کا لہجہ استہزائیہ اور مضبوط تھا۔

''جو آپ سوچ رہے ہیں' وہ کبھی نہیں ہو گا۔ آپ سے شادی کرنے سے بہتر میں موت کو گلے لگانا پسند کروں گی۔ لے کر جائیں آپ مجھے کورٹ۔ ساری اصلیت بتا دوں گی آپ کی۔ قوم کی تقدیر سنوارنے والا' عوام کے دکھ اور مسائل حل کرنے والا لیڈر مسخ زدہ شخصیت کا مالک ہے۔''

''تم عورتوں کی نیچر ایک ہی ہوتی ہے۔'' وہ ہنسا۔ ''پہلے خود وار کر جاتی ہو۔ جب خود مدمقابل آتی ہو تو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے بلیک میلنگ شروع کر دیتی ہو مگر میں ان سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ میری زندگی' میری شخصیت' میرے کردار کا ہر پہلو آفتاب کی کرنوں کی طرح روشن اور چمکدار ہے۔ تم چاہے پریس کانفرنس کرو یا الیکٹرونکس میڈیا کے ذریعے میرے افعال کی تشہیر کرو۔ مجھے کوئی پروا' کوئی فکر' کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ وہ پہلے کی طرح سے شکست دیئے' اپنے غرور و انا کے شملے کو بلند رکھنے کی جستجو میں مستغرق تھا۔ اس نے ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالی تھی اور نہ ہی چہرے یا لہجے کے تاثرات میں کوئی معمولی سا تغیر آیا تھا۔ کار نہ معلوم کن راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ بہت خوبصورت' سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ صاف اور کشادہ سڑک کے دونوں اطراف اونچے اونچے درختوں کی بہتات تھی۔ کراچی میں کئی سال سے رہائش کے باوجود بہت سے ایسے علاقے اور ایسی جگہیں بھی تھیں جن کے محل وقوع اور نام سے وہ بالکل نابلد تھی اور یہ راستہ اور علاقہ بھی ان بے شناخت راستوں میں سے ایک تھا۔ برابر میں ڈرائیو کرتے شخص کا موڈ اور انداز بہت جارحانہ اور ناقابل شکست تھا۔ اس نے واچ دیکھی۔ آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ سورج سبک رفتاری سے اپنے مسکن کی جانب محو سفر تھا۔ رخصت ہوتی سردی کا خوشگوار دن تھا۔ خوب روشن اور سحر طراز۔ وہ لڑکی ضرور تھی مگر پہلے کی طرح کمزور و خوفزدہ رہنے والی نہیں تھی۔ ماما کی بیماری اور اپنی ذاتی تنہائی و بے بسی کے احساس نے اسے ایک عرصے تک معصوم اور خوفزدہ ہرنی والی کیفیت میں مبتلا رکھا تھا مگر گزرتے وقت اور کٹھن حالات نے اسے بہت بہادر اور حوصلہ مند بنا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کے رویے اور خطرناک ارادوں کے باوجود خوفزدہ نہ تھی بلکہ بہت جلد وہ خود کو سنبھال چکی تھی اور فیصلہ کر چکی تھی کہ مار دے گی یا مر جائے گی مگر اس درندے نما انسان کے عزائم کی تکمیل نہ ہونے دے گی۔ انسان جب تک کسی فیصلے یا انجام کا نہ سوچ لے' وہ کشمکش و پریشانی میں مبتلا رہتا ہے اور جب دماغ فیصلہ کی مہر دل پر لگا دے تو منتشر و بے اوسان اعصاب اعتدال پر آ کر پرسکون ہو جاتے ہیں۔ لائبہ بھی پرسکون ہو گئی تھی۔ ''میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بظاہر بہت نیک و پارسا شخص جس کی خوب سیرتی و غریب پروری کا ایک عالم دیوانہ ہے۔ جو خود کو بہت مہذب و با اخلاق پوز کرتا ہے جس کی نیک نامی' ہمت استقلال' شجاعت و شرافت کا دور دور شہرہ ہے۔ وہ آدمی انسان کہلانے کے لائق نہیں ہے۔ میں نے کبھی کسی معمولی سے جانور سے بھی اتنی کراہت و نفرت محسوس نہیں کی' جتنی اس وقت تم سے ہو رہی ہے مسٹر اُسامہ ملک' تمہارے اس چہرے پر چڑھے ماسک کو نوچ کر میں لوگوں کو تمہارا اصلی چہرہ دکھاؤں گی کہ تم کتنی دوغلی پالیسی اور عیاش کمینی ذہنیت کے مالک ہو۔ تم مجھے اغوا کر کے خود کو بہت بہادر اور زور آور سمجھ رہے ہو۔'' غصے و جنون میں وہ مسلسل بولتی چلی گئی۔

''عام طور پر ذہنی مریض اپنے ابنارمل ذہن سے جو دوسرے کے مطابق خاکہ بناتے ہیں پھر بہت ہٹ دھرمی سے وہ اس شخص کو اپنے بیمار حواس باختہ ذہن سے تیار شدہ خاکے کے پس منظر میں ہی دیکھتے ہیں۔ حقیقت کچھ بھی ہو مگر وہ اپنی رائے کے آگے کسی ذی ہوش اور سمجھ دار کی رائے تسلیم نہیں کرتے۔ میرے مطابق خاکہ بنانے میں تمہارا نہیں تمہارے بیمار ابنارمل ذہن کا قصور ہے۔ اس لئے میں تمہاری کوئی بات' کوئی گالی' کسی الزام پر مائنڈ نہیں کروں گا۔'' برف سے زیادہ ٹھنڈا پھوار سے زیادہ دھیما لہجہ تن بدن میں لائبہ کے جوالامکھی بھڑکا گیا تھا۔

''میں پاگل نہیں ہوں اور نہ ہی ابنارمل ہوں۔ تمہارا کوئی فراڈ ہے یہ۔''

''میں نے کب کہا' تم پاگل ہو۔ میں تو میڈیکل رپورٹ کے مطابق یہ بات کر رہا ہوں۔''

''مجھے تو پارٹی والے دن ہی محسوس ہو گیا تھا کہ تم کوئی جال تیار کر رہے ہو مگر مجھے اب یقین ہو گیا ہے لیکن میں تمہارا کوئی فراڈ کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔''

''چیخو مت۔ یہ رپورٹ پڑھو۔ تمہیں خود یقین آجائے گا۔'' وہ ڈیش بورڈ میں لگے فائل کور سے ایک وائٹ لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے نارمل لہجے میں بولا۔ کار کی رفتار قدرے دھیمی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے میڈیکل مہر والا وہائٹ لفافہ کھول کر دیکھا۔ اس پر واقعی اس کا نام تحریر تھا اور میڈیکل رپورٹ کے مطابق وہ خطرناک حد تک ذہنی امراض کا شکار تھی اور ان کے مطابق اس کا علاج شادی تھا تاکہ نئی زندگی کے ہنگاموں' ذمے داریوں اور چاہتوں کے خوشگوار احساسات اس کے تنہائی کے ہسٹیرک مرض کے لئے بہترین معاون ثابت ہو سکیں۔ وہ رفتہ رفتہ اس بیماری سے آزاد ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر اصغر کے دستخط بھی بطور اسپیشلسٹ سائکاٹرسٹ کے موجود تھے۔ اسے زمین و آسمان گردش کرتے ہوئے محسوس ہوئے تو اس دن جس پوشیدہ خطرے سے اس کی چھٹی حس شارپ ہوئی تھی تو وہ یہ تھا۔ اس نے بہت خوبصورتی اور ذہانت سے اس کے گرد ایسا جال بچھایا تھا کہ وہ نکلنا چاہتی بھی تو زیادہ دور بھاگ نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ رپورٹ میں جو کیفیات اس کی لکھی تھیں وہ سو فی صد درست تھیں۔ ان سے انکار و انحراف کی قطعی گنجائش نہیں تھی۔ وہ اکثر تنہائی و بے بسی کی کیفیت میں جب بھی مبتلا ہوتی' اس کی حالت ہسٹیرک اور جنونی ہو جایا کرتی تھی مگر یہ مکار و چالاک آدمی کس طرح آسانی اس کے بھید پا گیا تھا جو یہ جال تیار کر ڈالا۔

''جھوٹ ہے یہ سب' محض فراڈ اور سازش۔ میں تمہارے اور تمہارے اس خریدے ہوئے اسپیشلسٹ کے خلاف فراڈ اور بلیک میلنگ کا مقدمہ کروں گی۔'' وہ زخموں سے چور لہجے میں پھنکاری

''ڈاکٹر اصغر ملک معزز و باعزت ڈاکٹر ہیں' ان کی لیاقت و قابلیت کے اعتراف میں حکومت انہیں پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ سے نواز چکی ہے۔ ان کے خلاف تم کچھ بھی ثابت نہ کر پاؤ گی اور اگر اس جلیبم کی بنا پر تمہارا میڈیکل چیک اپ ہوا تو کون جھوٹا اور فراڈ ثابت ہو گا۔ تم ہی بتاؤ کیا تم پر سائیکولوجی کے اٹیکس نہیں ہوتے۔ افتخار انکل کی برتھ ڈے والے دن تم مجھے وہاں بیٹھے دیکھ کر ہسٹیریائی کیفت کا شکار ہوئی تھیں کہ نہیں۔ اس وقت تمہاری آنکھوں میں شعور کی چمک معدوم ہو گئی تھی۔ تمہارے انداز میں ہنڈریڈ فی صد خبط الحواسی و بیگانگی در آئی تھی۔ تم اس حد تک ہسٹیرک ہوئیں کہ وہاں بیٹھی اپنی فرینڈز اور ساتھیوں کا بھی احساس نہ رہا کہ وہ تمہارے اس رویے سے کیا نتیجہ اخذ کریں گی بلکہ سومیہ نے تمہارے اس اجنبی اور حواس باختہ رویوں کو بہت زیادہ محسوس کیا تھا۔ میں نے ہی اسے سمجھایا کہ تم سائیکولوجسٹ مریض ہو اور بھی......''

''پلیز خاموش رہیں۔'' اس کا غصے اور پریشانی سے برا حال تھا۔ ہاتھ میں پکڑا لفافہ اس نے پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا۔ ''یہ سب فراڈ ہے۔ نہ میں پاگل ہوں اور نہ ہی نفسیاتی مریضہ۔'' وہ لفافے کے ٹکڑے اس کے چہرے پر طیش کے عالم میں مارتے ہوئے بولی۔ اپنی دانست میں اس نے وہ ثبوت ہی مٹا ڈالا تھا۔

''تمہارے انتقام کا کیا ہو گا۔ وہ غیرت مند ہاتھ کہاں سے آئیں گے جو میری گردن دبا سکیں۔ جن کے ریوالور سے نکلی گولیاں مجھے جہنم واصل کر سکیں۔ سنا ہے عورت جب انتقام لینے پر آتی ہے تو کسی قربانی' کسی بندش کی پروا نہیں کرتی پھر تم کس سرکل میں قید ہو کر مجھ سے انتقام لو گی۔'' کار اوشین بیچ پر آ کر رک گئی۔ اس کی باتوں سے زیادہ بدحواس اسے وہ ویران علاقہ لگ رہا تھا۔ سامنے جھاگ اڑاتا سمندر کا نیلگوں پانی لمبی لمبی چھلانگیں مار رہا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا وہاں نہیں تھا۔ دو تین ہٹس بہت فاصلے سے بنے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان طویل و عریض لانز اور ٹینس کورٹ اور فٹ بال گراؤنڈ موجود تھے مگر اس وقت کہیں بھی زندگی کے آثار موجود نہ تھے' سوائے ان دونوں کے۔

''یہ.... یہ کہاں لے آئے مجھے؟''

''یہ ملک اسٹیٹ ہے۔ میرے گرینڈ فادر نے اسے بہت عرصہ قبل خریدا تھا۔ یہاں صرف ہماری حکومت چلتی ہے۔ فیملی ممبرز کو یہاں آنے کی اجازت ہے صرف۔'' اس نے فخریہ انداز میں بتایا۔

''مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں گھر جانا چاہتی ہوں۔'' ڈوبتے سورج کی زرد روشنی اور خاموش ماحول کی وحشت ناکی نے اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ تین گھنٹے سے زیادہ اسے گھر سے نکلے ہوئے ہو گئے تھے۔ ماما کا خیال اسے بدحواس کر گیا۔ وہ اس کی اتنی دیر کی غیر موجودگی پر کیا گمان کریں گی' جبکہ وہ ان کی وجہ سے گھر میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ اسپتال سے اس کی واپسی ایک گھنٹے میں ہو جاتی تھی۔ کبھی دیر ہو بھی جاتی تو ماما فون کر کے تسلی کر لیا کرتیں اور اب بھی انہوں نے فون کر کے یقیناً اس کے بارے میں معلوم کیا ہو گا اور جب انہیں وہاں سے جواب ملا ہو گا کہ وہ پندرہ منٹ بعد ہی واپس چلی گئی تھیں تو ان کا کیا حال ہو گا۔ اور ڈاکٹر نے انہیں فکر و پریشانی سے بچانے کی سختی سے تاکید کی ہے۔ اب اتنے گھنٹوں کی اس کی غیر حاضری ان پر کیا قیامت توڑ گئی ہو گی۔

◆ ◆ ◆

''انور کی آنکھ شدید درد کی وجہ سے کھلی تھی۔ اس نے کراہ کر آنکھیں بمشکل کھولیں اور اپنے سامنے کرسیوں پر تین سیاہ ملبوس نقاب پوشوں کو بیٹھا دیکھ کر وہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا مگر اس عمل میں درد اور تکلیف سے وہ لرز کر رہ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہاں وہ کیسے پہنچا۔ وہ گھر سے نکل کر مارکیٹ کی سائیڈ جا رہا تھا۔ اس کی اسکوٹر اچانک سامنے آ جانے والی پجارو سے ٹکرائی تھی۔ ٹکر زبردست تھی۔ وہ بے توازن ہو کر اسکوٹر سے نیچے گرا تھا اور دور تک لڑھکتا ہوا چلا گیا تھا۔ سر اور بائیں شانے میں شدید چوٹیں آئی تھیں پھر وہ زیادہ دیر اپنے حواس قائم نہ رکھ سکا۔ اب اس کی آنکھ درد کی شدید اذیت سے ہی کھلی تھی اور سامنے بیٹھے ان سیاہ پوشیوں کو دیکھ کر اسے خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔

''ہیلو! تو ہوش آ گیا تمہیں۔'' وہی بھاری و گونج دار آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور وہ چونک اٹھا۔ یہ لہجہ' یہ انداز' یہ آواز وہی تھی جو اسے تخریب کارانہ اقدام پر اکسایا کرتی تھی' احکامات اسی آواز کے ذریعے اس تک اور اس کے ساتھیوں تک پہنچتے تھے۔ آج وہ چہرہ چھپائے اس کے سامنے تھا۔ اسے معمولی سے چور سے بڑا دہشت گرد اور تخریب کار بنانے میں اس کا ہی ہاتھ تھا۔ اس نے اس کے تمام بڑے کاموں کے ریکارڈ جمع کر کے اسے ڈرا کر اس غلط اور پر فریب راہ پر ڈالا تھا کہ اس کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہ چھوڑا تھا۔ شدت سے اس کا دل چاہا اٹھ کر ابھی اس بے ضمیر و بدفطرت شخص کے ساتھ اس کے دونوں ساتھیوں کا بھی خاتمہ کر دے جنہوں نے نہ معلوم ملک کے اور کتنے اس جیسے بے روزگار مصائب زدہ نوجوانوں کو پیسے اور عیش و آرام کا جھانسا دے کر اپنے ہی ملک' اپنے ہی لوگوں کے خلاف کھڑا کر دیا تھا جو آنکھوں پر ضمیر پر اور جذبوں پر ان کی مکر و فریب اور دولت کی پٹی باندھے ملک کو نقصان پہنچا رہے تھے' اپنے ہی لوگوں کے گلے کاٹ رہے تھے' اپنی ہی نسل کو برباد کر رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خون جیسے دوڑنے لگا۔

''کہاں ہوش آیا ہے برادر! دیکھ نہیں رہے' اس کی آنکھوں میں بغاوت کی سرخی جمی ہوئی ہے۔ اس کے دیکھنے کا گستاخانہ انداز' اس کے چہرے پر چھائی نفرت و کرختگی ہمارے لئے ہے۔ ابھی اس کے حواس گم ہیں' آنکھوں پر وطن کی محبت کی عینک اچانک ہی لگ گئی ہے۔'' دوسرا نقاب پوش اسے اپنے ماسک کے سوراخوں سے گھورتا ہوا تلخ و استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''میں نے صرف آپ کی وجہ سے اس کی بائیک پر معمولی سی ضرب لگائی تھی۔ بگ برادر ورنہ دل تو چاہ رہا تھا۔ اس غدار باغی کے جسم کی ایک ایک ہڈی پہیوں کے نیچے کچل ڈالوں۔'' تیسرا نقاب پوش بھیڑیے کی طرح غرایا۔

''نو..... نو چائلڈز اتنی جلدی غصے میں نہیں آتے۔'' پہلا نقاب پوش ان دونوں کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم لہجے میں بولا' جب پیٹ روٹی سے خالی ہو' جسم پر پھٹے پرانے کپڑے ہوں' گھر میں سکون و آرام کے بجائے خاک دھول اڑتی ہو' پریشانیوں' مصائب اور فاقوں کی بھرمار ہو تو نوجوان کمزور بن جاتے ہیں' وطن کی محبت' اپنے لوگوں کی چاہت' اپنے جذبات و خواہشات سب بے معنی اور فضول لگتی ہے' بے روزگاری' مہنگائی کسی خوفناک اژدہے کی طرح نوجوانوں کے احساسات و جذبات کو نگل رہی ہے اور جب بہت ساری نا آسودگیاں و محرومیاں ان کو ملتی ہیں تو پھر ان لوگوں کو ہم پیارے لگتے ہیں۔ ہم جو انہیں روزگار دیتے ہیں' عیش و آرام اور بھرپور پیسہ دیتے ہیں۔ یہ اس وقت ملک کی محبت' ملک کی عظمت و سلامتی کو ٹھوکر لگا کر ہماری پناہ میں آ جاتے ہیں پھر جب ان کے فاقوں سے سوکھی ہڈیوں پر آسودگی و بے فکری کا گوشت چڑھنے لگتا ہے' جسم پر جدید سوٹ آنے لگتے ہیں' گھر میں اطمینان و سکون کا بسیرا ہو جاتا ہے تو ان لوگوں کو ملک کی محبت و فرائض ستانے لگتے ہیں پھر یہ ہم سے بغاوت کرتے ہیں۔ ہم سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جیسے انور اب ہمارے خلاف ہو گیا ہے۔'' وہ اپنی قہر بھری آنکھیں انور کے چہرے پر ڈالتے ہوئے بولا۔ جو سامنے چیئر پر رسیوں سے جکڑا بیٹھا تھا۔

''یہ ہمارا المیہ ہے۔'' مسٹر نقاب پوش کہ نوجوانوں کو ملک کا مستقبل اور بنیاد سمجھا جاتا ہے مگر افسوس کہ جو نوجوان ملک کا مستقبل کہلاتے ہیں ان کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا' جو حالات کی ستم ظریفیوں کے باعث تعلیم و تربیت حاصل نہیں کر پاتے' فکر معاش اور روزی کے چکر میں جہالت کے اندھیروں میں گم بری راہوں کو منتخب کر بیٹھتے ہیں اور مرتے دم تک ان جرائم اور برائیوں کی دلدل سے پیچھا چھڑا نہیں پاتے اور جو تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ ڈگریاں لئے ایک ایک در کھٹکھٹاتے ہیں مگر وہاں رشوت اور سفارشوں کے ناگ انہیں ڈسنے کو تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس طرح بوکھلائے ہوئے ٹھکرائے ہوئے نوجوان کٹی پتنگ کی طرح کچھ چالاک و مکار سیاستدانوں کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ جو چہروں پر منافقت کا نقاب چڑھائے اپنے ذاتی مفاد کے لئے ان کا استعمال کرتے ہیں اور جو بچتے ہیں' وہ تم جیسے دشمن ملک کے بھیجے ہوئے ایجنٹوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں مگر میں اب تمہاری گردنیں توڑ دوں گا۔ تم نے بہت تباہی مچائی ہے' بھائی بھائی کو آپس میں لڑوایا ہے۔ لسانی و فرقہ وارانہ فسادات تمہاری ہی چالوں سے پھیلے ہوئے ہیں۔'' انور اپنی تکلیف بھول کر رسیوں سے آزاد ہونے کی کوشش کرتا ہوا تیز لہجے میں بولا...... اس کی حالت زخمی شیر جیسی تھی مگر رسیاں اتنی مضبوطی سے باندھی گئی تھیں کہ وہ کسمسا کر رہ گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ تینوں قہقہے مار کر ہنسنے لگے۔

''دیکھا برادرز' میں نے اس لئے تمہیں منع کیا کہ انور کو جان سے نہیں مارنا۔ یہ بہادر انسان ہے۔ اپنی بے بسی کے عالم میں بھی یہ شیر کی طرح دہاڑ رہا ہے۔'' وہ ہنستا ہوا انور کے قریب آ گیا۔ ''انور تم بہادر اور جرات مند آدمی ہو اور ہم تم جیسے انسان کی بے حد قدر کرتے ہیں۔ میرے دل میں ابھی بھی تمہارے لئے بہت عزت اور پیار موجود ہے۔ تمہاری سابقہ ذمے داریاں اور شاندار کارناموں کی بنا پر میں تمہیں معاف کر رہا ہوں۔ یہ جو تمہارے ذہن میں بھس بھر گیا ہے بھول جاؤ۔ کچھ نہیں ملے گا تمہیں' حالات پہلے سے زیادہ خراب ہیں۔ اس ملک کی بدقسمتی یہ ہے کہ اسے کوئی بنانے اور سنوارنے والا حکمران نہیں ملا ہے۔ اگر کوئی مخلص و دیانتدار وطن پرست حکمران آتا بھی ہے تو طاغوتی طاقتیں فوراً ملک میں انتشار پھیلا دیتی ہیں اور اس حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے۔ فی الحال چھوڑو یہ سیکرٹ ٹاسک ہوتے ہیں۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہمارے لئے کام کرنا ہو گا۔ ورنہ سوچ لو' کل تم اپنے جرائم کے ٹھوس ثبوت کے ساتھ جیل میں بند ہو گے اور کوئی تمہاری ضمانت دینے والا بھی نہ ہو گا۔'' اس کی گونج دار آواز سخت تھی۔

''اور ہماری جڑیں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں۔ تم مار دیے جاؤ گے اور نیوز پیپر میں یہ خبر پرنٹ ہو گی کہ تم پولیس مقابلے کے دوران ہلاک ہوئے ہو۔'' دوسرا نقاب پوش بھی اس کے قریب چلا آیا۔ ''اور جو لوگ پولیس مقابلوں میں مرتے ہیں' ان کے فیملی ممبرز کی زندگی پولیس اور لوگ اجیرن کر دیتے ہیں۔ ذلتیں' رسوائیاں اور پریشانیاں ان کا مقدر بن جاتی ہیں اور تمہارے جو کارنامے شائع کئے جائیں گے تو سوچ لو۔ تمہارے مرنے کے بعد بھی تمہارے گھر والے سکون و چین سے نہ رہ سکیں گے۔ سوچ لو' سمجھ لو پھر فیصلہ کرو۔'' وہ تینوں اطمینان سے چلے گئے۔ انور نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ خود کو دلدل میں تیزی سے غرق ہوتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

◆ ◆ ◆

عظمت بیگم چائے میں چینی مکس کرتے ہوئے سرشار نگاہوں سے سامنے بیٹھے روحیل صاحب کو دیکھ رہی تھیں جو اپنے پوتے کو گود میں لئے بچوں کے انداز میں اس سے

باتیں کر رہے تھے۔ اس وقت ان کے چہرے پر ہمیشہ طاری رہنے والی قنوطیت و سنجیدگی غائب تھی۔ وہ بہت مطمئن و مسرور سے اپنے پوتے سے باتیں کرنے میں مگن تھے۔ ''واقعی بچوں سے گھر میں رونق اور زندگی کا احساس ہوتا ہے۔ لیجئے آپ چائے پئیں' اتنے میں اسے لے لیتی ہوں۔'' عظمت ان کی طرف چائے کا کپ بڑھاتے ہوئے بولیں اور ان کے کپ تھامنے پر منے کو ان کی گود سے لے کر اپنی گود میں لے لیا۔

''میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ آپ ارشد سے پہلے معلوم کر لیجئے کہ وہ کسی اور کو سلیکٹ تو نہیں کر چکے۔'' وہ کپ ہونٹوں سے لگا کر خوشگوار لہجے میں بولے۔

''کیا خیال آیا ہے۔'' عظمت بیگم اشتیاق سے بولیں۔

''زینب کو ہم بھائی جان سے ارشد کے لئے مانگ لیتے ہیں۔ ارشد بزنس میں اپنے قدم جما چکا ہے۔ اس کی پوزیشن اسٹرونگ ہو گئی ہے۔ اب وہ آرام سے شادی کی ذمے داریاں سنبھال سکتا ہے۔'' انہوں نے اپنے خیال کی وضاحت کی۔

''میں آج ہی بات کروں گی۔ ارشد آفس سے آجائے اگر وہ راضی ہو جاتا ہے تو پھر ہم اس کی انگیج منٹ کر دیں گے اگر نبیل کے ولیمے کا فنکشن بھی اسی میں شامل ہو جائے تو عجیب بھی نہیں لگے گا اور دو کام بھی نپٹ جائیں گے۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

''تمہیں زینی پسند ہے۔'' انہوں نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ان کی طرف بغور دیکھا۔ تیکھے نقوش اور چہرے کی جاذبیت اس عمر میں بھی ان کی بہت پرکشش تھی۔ وہ ان کی پہلی محبت تھیں۔ نوجوانی کی عمر میں دیکھے گئے خوش رنگ اور مہکتے خوابوں کی حسین تعبیر۔ جنہیں بہت شدتوں' ارمانوں سے اپنے دل میں بسایا تھا۔ انہوں نے بھی کبھی عمر کے کسی موڑ پر ان کے انتخاب کو شرمندہ یا نادم ہونے نہیں دیا تھا۔ ان کی وفاداری' سعادت مندی انہیں ان کا اسیر بنا گئی تھی۔ پہلو میں اذیت کے کئی تیر یکدم ہی پیوست ہو گئے۔

''آپ کی اور میری پسند اول روز سے ہی ایک رہی ہے اور آپ کے کسی فیصلے کے بارے میں اختلاف کرنے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' وہ ہاتھ پاؤں چلاتے منے کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔

''اگر زندگی میں کبھی اختلاف کا موقع آ بھی گیا تو پھر بھی نہیں کر پاؤ گی۔'' ان کی سوچتی ہوئی نگاہیں عظمت بیگم کے چہرے پر چسپاں تھیں۔

''ہماری زندگی تو گزر گئی روحیل۔ اب ہمارے بچوں کے مسرتوں' کامرانیوں کے دیکھنے کے دن ہیں۔ جو زندگی آپ کی رفاقت میں گزری' اس میں آپ کا موڈ اور طبیعت بدلنے کا شکوہ تو ضرور ہوا مگر اختلاف یا جھول کہیں محسوس نہیں ہوا تو اب اختلاف کیوں ہونے لگے۔'' وہ مطمئن انداز میں بولیں۔

❖ ❖ ❖

''پلیز مجھے گھر چھوڑ آئیں۔ میری ماما بہت پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' نہ چاہنے کے باوجود اس کا لہجہ التجا آمیز ہو گیا تھا۔

''ڈرائیور نے انہیں بتا دیا ہوگا تم حنا کے ساتھ گئی ہو شاپنگ کرنے کے لئے' رات تک گھر پہنچو گی۔'' وہ سیٹ سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔

''تو..... شوفر کو آپ نے بھیجا تھا' وہ بھی جھوٹ بول کر۔'' وہ حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہوں' جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے۔ فی الحال یہ بتاؤ' کورٹ جانے کا تو ٹائم مس ہو چکا ہے۔ میں یہیں مولوی کا انتظام کر لیتا ہوں۔'' وہ سن گلاسز آنکھوں سے اتارتے ہوئے اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر بولا۔

''آپ سمجھ رہے ہیں' مجھے یوں بے بس کر کے اپنی من مانی کر لیں گے تو یہ آپ کی بھول ہے۔''

''میں کوئی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ فی الوقت تو کین میری پاکٹ میں ہے اور جب تک میری مرضی نہیں ہوگی' میری دسترس سے نکل نہیں سکتی۔ ہاں اگر تم سچے انداز میں یہ بتا دو کہ مجھ سے نفرت کا ڈراما جو تم کر رہی ہو' وہ کس بنا پر ہے۔ اس نفرت کے پیچھے کون سی کہانی پوشیدہ ہے۔ تم سچ بتا دو۔ وعدہ ہے میرا پھر کبھی بھول کر بھی تمہاری پناہ میں نہیں آؤں گا۔ تمہارا یہ بلاجواز انداز نفرت بلکہ شدید ترین نفرت کا انداز مجھے بے سکون و حشی بنائے ہوئے ہے۔'' اس کے لہجے میں ذہنی کشمکش پنہاں تھی۔

''آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ میں نے کہہ دیا' میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ بس نہیں کرتی میں آپ کو پسند۔ سمجھے آپ۔'' اس کا انداز ہذیانی سا ہو گیا تھا۔

''سنو۔ تم میری پہلی محبت تھیں مگر اب ضد بن گئی ہو۔'' وہ یکدم ہی اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا سرد لہجے میں بولا۔

''ہاتھ ہٹائیں' کیا بیہودگی ہے۔''

''میرے چھونے سے ٹوٹ نہیں جاؤ گی۔ گھبراؤ نہیں۔ تم تو توڑ دینے والی چیز ہو۔ ریزہ ریزہ کر دینے والی ہو جانم۔ تمہیں پانے کی' تمہیں چاہنے کی بہت سزا بھگتی ہے میں نے' میری محبت وچاہت کو بہت سنگدلی اور حقارت سے ٹھکرایا ہے تم نے۔ بہت توہین کی ہے میرے جذبوں کی' میری چاہتوں اور ارمانوں کی۔'' اس کے ہاتھوں کی انگلیاں سلاخوں کی طرح اس کے شانوں میں پیوست ہوئی جا رہی تھیں۔ سرخ آنکھوں سے گویا لہو چھلکنے کو تیار تھا۔ اس سرد و سخت لہجے میں ایسی کوئی پراسرار خوفزدگی تھی کہ لائبہ اپنی اکڑ وغیرہ بھول کر ساکت سی ہو گئی تھی۔ ''میری دیوانگی کو بار بار چیلنج کیا ہے تم نے۔ میرے جسم و جاں کو شعلوں کی بھڑکتی آگ میں جلایا ہے۔ چاہوں تو تمہاری ہر زیادتی کا حساب ابھی بمع سود وصول کر سکتا ہوں مگر......'' اس نے گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

''میری نیچر مجھے اتنی پستی و غلاظت میں گرنے کی اجازت نہیں دیتی۔'' اس نے گہری نگاہ اسامہ پر ڈالی۔ وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں کا تصادم اسے پوری جان سے لرزا گیا۔ اس کی آنکھوں سے جھانکتے سرکش اور بے لگام جذبے اسے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر گئے۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ اٹھیں اور وہ بے اختیار دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''ارے ابھی سے رونے لگیں۔'' اس نے استہزائیہ قہقہہ لگایا۔ ''جان آسیب' ابھی تو کوئی مرحلہ بھی طے ہی نہیں ہوا پھر بلا وجہ آنسو۔'' وہ ایک ہاتھ سے اس کا جھکا چہرہ اوپر کرتا ہوا شوخ مزاجی سے بولا۔ اس کی بے باکی اسے بری طرح کھولا گئی۔ اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ دور کر دیا۔ ''ہاتھ نہیں لگائیں مجھے۔'' اس کے سخت لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔

''ابھی تو بیوی بنی بھی نہیں ہو اور بیویوں والے نخرے شروع بھی کر دیے۔''

''اگر آپ میں ذرا بھی حمیت کی رمق موجود ہے تو پلیز مجھے گھر چھوڑ آئیں۔ ورنہ میں سمجھوں گی......''

''درست کہتی تھی ساحرہ۔ دشمن اگر حسین ہو اور قریب بھی تو بندے کو محتاط و ہوشیار رہنا چاہئے۔ بہت ذہانت سے تم میری غیرت کو چیلنج کر چکی ہو اور میں تمہاری حسب توقع جوش غیرت میں تمہیں گھر چھوڑ بھی آؤں گا مگر ایک وعدہ تمہیں مجھ سے کرنا ہوگا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''کیسا وعدہ۔''

''میں جب تم سے ملاقات کرنا چاہوں گا تم کسی حیلے بہانے کے بجائے مجھ سے ملنے آؤ گی۔''

اس کی بات پر اس کے چہرے کا رنگ بحال ہو گیا۔ وہ تو جانے کیا سمجھ رہی تھی۔ اس وقت اسے اس کے جال سے نکلنا تھا۔ لائبہ نے سنجیدگی سے ہامی بھر لی۔

''او کے' اب ذرا ان تصویروں کی بیک پر اپنے سائن کر دو۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں سے تین تصویریں نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا اور تینوں اپنی مختلف اوقات کی کھینچی گئیں تصویریں دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرانی و خوف سے پھٹ سی گئیں۔

''یہ..... یہ..... یہ میری فوٹوز آپ کے پاس کیسے آئیں؟'' وہ شدید بوکھلاہٹ کا شکار تھی۔

''اس سوال کو چھوڑو' چھ بج رہے ہیں۔ سائن کرو ان کے پیچھے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''نہیں ہرگز نہیں۔ اس نے غصے میں تینوں فوٹوز پھاڑنے چاہے مگر اس نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میڈیکل رپورٹ کی طرح انہیں بھی پھاڑنا چاہتی ہو مگر جان لو اچھی طرح۔ وہ رپورٹ کی فوٹو کاپی تھی۔ اور اوریجنل رپورٹ میرے سیف میں موجود ہے اور ان تصاویر کے نگیٹو بھی موجود ہیں میرے پاس۔ یہ پھاڑو گی اور بنوا لوں گا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا' کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ کیا چاہتے ہیں آخر آپ۔'' وہ بری طرح اپ سیٹ ہو گئی تھی۔

''تم ہمیشہ میرے معاملے میں نفرت کے دریا میں غرق رہتی ہو۔ اس لئے کچھ نہیں سمجھ سکتیں۔ صرف فوٹو پر سائن کر دو اور اپنی جان چھڑوا لو۔ ورنہ بصورت دیگر میں ہٹ میں جا رہا ہوں اور میری واپسی پھر صبح سے قبل ممکن نہیں۔''

''میں سائن کر رہی ہوں مگر یاد رکھئے' آپ مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔'' وہ اس کے اٹل لہجے سے اس کی ہٹ دھرمی اور صداقت کا اندازہ لگا کر مجبوراً اس کے ہاتھ سے فوٹو لے کر پیچھے اپنے سائن کرتے ہوئے بولی۔

''تھینکس۔'' وہ اس کے ہاتھ سے سائن شدہ تصاویر لے کر گنگناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''محبت بہت واہیات شے ہے' انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔'' وہ تصویریں واپس پینٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ لائبہ مجبوراً یہ سب کرنے پر راضی ہو گئی تھی مگر اس کے اندر ایک حشر برپا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس شاطر شخص نے کسی بڑے مقصد کے لئے اس کی تصاویر پر اس کے سائن لئے ہیں اور اس کی یہ تصویریں جو غالباً انکل کی میرج برتھ ڈے والے دن کھینچی گئی تھیں اس نے کسی طرح معہ نگیٹو حاصل کر لیں۔ وہ کار اسٹارٹ کر چکا تھا جو ہواؤں کے دوش پر چل رہی تھی۔ وہ نگاہیں جھکائے اسی گتھی کو سلجھانے میں مصروف تھی لیکن کوشش کے باوجود کوئی سرا ہاتھ نہ آیا تھا۔ ''طوبیٰ سے کیوں اس قدر ناراض رہتی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی' میں دیوار بنا ہوں تم دونوں کی دوستی کے درمیان۔'' طوبیٰ کا نام سن کر ذہن و دماغ میں زبردست دھماکے ہوئے تھے تو گویا اس کی زندگی کو رسوائیوں کے خارزار میں دھکیلنے والی وہ دوست نما دشمن نکلی۔ اس نے بری طرح دانتوں سے ہونٹ کچل ڈالے۔

وہ کامرانی کے نشے میں اور بھی نہ جانے کیا کیا بولتا رہا تھا مگر اس کا اعتماد دم توڑ چکا تھا۔ اس کی دوستی' اس کی محبت خاک بن کر اڑ چکی تھی طوبیٰ اس کی بچپن کی دوست تھی' وہ اسے بہنوں کی طرح چاہتی تھی مگر اس نے یہ کیا کیا۔ کار اس کے جانے پہچانے راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ وہ کسی مجسمے کی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسامہ نے دو تین بار اس کی طرف دیکھا بھی مگر اس سے زیادہ وہ اپنی فطرت کے خلاف عمل نہیں کر سکتا تھا' سو خاموشی سے راستہ طے ہوتا گیا۔ اس نے لائبہ پیلس کے گیٹ کے آگے کار روکی تو لائبہ برق رفتاری سے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی اور بھاگتی ہوئی پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر گیٹ میں داخل ہو گئی۔ اُسامہ نے بھی پانچ منٹ بعد کار اسٹارٹ کی اور چلا گیا۔

''نوری' ماما کیا کر رہی ہیں۔'' وہ اندر قدم رکھتے ہی ملازمہ سے مخاطب ہوئی۔

''بیگم تو جب سے آپ گئی ہیں تب ایک دفعہ ہی اٹھی تھیں۔'' ڈرائیور نے انہیں کچھ بتایا تو وہ مطمئن ہو گئیں۔'' ''اب کچھ دیر قبل ڈنر کے بعد دوا کھا کر سو گئی ہیں۔'' ملازمہ سے مکمل تفصیل سننے کے باوجود وہ ایک نظر انہیں بیڈروم میں دیکھنے ضرور آئی وہ بیڈ پر سکون سے سو رہی تھیں۔ ان کے کمزور و زرد چہرے کو وہ کچھ لمحے یونہی نگاہیں جمائے دیکھتی رہی' دل میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ وہ تنہا تھی مصائب و آزمائش ہر سمت سے اسے گھیرے ہوئے تھے۔ آج دل میں نئے درد کا ادراک ہوا تھا۔ وہ دل کھول کر رونا چاہتی تھی۔ آنسوؤں کے سیلاب میں اپنا وجود ڈبو دینا چاہتی تھی۔

❖ ❖ ❖

''ارشد سائٹ سے تھکا ہوا لوٹا اور فریش ہونے کے لئے واش روم میں چلا گیا پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ گرے شلوار سوٹ میں ملبوس تاول سے بال خشک کرتا ہوا جب غسل خانے سے نکلا تو عظمت بیگم چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود تھیں۔

''خیریت ماما۔ آج آپ چائے تنہا لے کر آئیں اور گھر والے ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوں گے۔''

''آپ کے ڈیڈی ابھی دفتر سے لوٹے نہیں ہیں' نبیل عائشہ کو چیک اپ کے لئے اسپتال لے کر گئے ہیں اور ثمیر فیاض کے ساتھ پکنگ پر گئے ہوئے ہیں۔ گھر میں ہم دونوں ماں بیٹے ہیں صرف۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے لئے پلیٹ تیار کرتے ہوئے وضاحت کی۔

''ڈیڈی کا موڈ درست ہے آج کل؟'' وہ ان کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر ان کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''ہاں بظاہر تو ٹھیک ہی ہے مگر معلوم نہیں ہوتا' کب تنہائی و بیزاری کے اٹیک کا شکار ہو جائیں۔ فی الحال مجھے آپ سے ایک اہم بات کرنی ہے۔'' وہ اپنے لئے چائے

بتاتے ہوئے سنجیدگی سے بولیں۔

’’جی بولئے۔‘‘ ان کے غیر معمولی رویے سے وہ چونک کر بولا۔

’’نبیل نے جس انداز میں شادی کی اس سے آپ واقف ہیں حالانکہ یہ سب انہوں نے نیک نیتی سے کیا تھا۔ ہم نے کوئی احتجاج یا واویلا نہیں مچایا کہ اس کا یہ اقدام برحق تھا' اب ہم آپ کی شادی کرنے کا سوچ رہے ہیں اگر آپ کہیں انٹرسٹیڈ ہوں تو بتا دیں۔‘‘

’’اوہ ماما' میں تو ڈر ہی گیا تھا کہ نہ جانے کیا بات ہے۔‘‘ ان کی مکمل بات توجہ سے سن کر وہ طمانیت سے مسکرایا۔ ’’میں شادی ابھی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں' ابھی مجھے بزنس سیٹ کرنا ہے۔ کم ازکم دو سال تک میں ایسی کسی بھی ذمے داری کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن یہ وعدہ ہے میرا' شادی جب بھی کروں گا آپ کی پسند سے ہی کروں گا۔‘‘

’’اللہ عمر دراز کرے آپ کی۔‘‘ وہ مسرت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔ ’’یہ حق دے کر آپ نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ ایسی سعادت مند و فرمانبردار اولاد اللہ ہر والدین کو نصیب کرے۔ دراصل آپ کے لئے لڑکی تو آپ کے ڈیڈی نے پسند کر لی ہے مگر ان کا حکم تھا' پہلے آپ سے بات کر لی جائے تاکہ آپ کی مرضی سے پرپوزل دیا جائے۔‘‘

’’ڈیڈی نے لڑکی پسند کی ہے! کون ہے وہ؟‘‘ وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

’’زینب۔ بھائی صاحب کی بیٹی۔ واقف ہیں اس سے آپ۔‘‘ وہ دھیمے سے مسکرائیں۔

’’زینی وہ خوفزدہ رہنے والی اسٹوپڈ سی گرل۔‘‘ وہ حیرانی سے مسکرایا۔

’’اوں ہوں بہت اچھی اور معصوم سی لڑکی ہے وہ۔ آپ کا انداز ہی اس سے بات کرنے کا ایسا ہوتا ہے کہ وہ گھبراہٹ میں ٹھیک ٹھاک کام بھی غلط کر جاتی ہے اگر آپ کو اعتراض ہے تو بیٹا زبردستی نہیں ہے۔‘‘ وہ ارشد کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نارمل سے لہجے میں بولیں۔

’’نہیں ماما آپ کی خوشی میرے لئے عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

✦ ✦ ✦

جو لوگ پوچھتے ہیں سرخ کیوں ہوئیں آنکھیں
تو آنکھ مل کے یہ کہتا ہوں رات سو نہ سکا
ہزار چاہوں میں لیکن یہ نہ کہہ سکوں گا کبھی
کہ رات رونے کی خواہش تھی اور رو نہ سکا

’’یا اللہ کس عذاب میں گرفتار ہو گیا ہوں میں۔‘‘ اُسامہ ملک بیڈ سے اٹھتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں سر تھامتے ہوئے بڑبڑایا۔ وہ لائبہ کو چھوڑ کر سیدھا گھر چلا آیا تھا۔ ممی ڈیڈی کسی ڈنر میں گئے تھے۔ اس وقت وہ شدت سے تنہائی چاہ رہا تھا۔ منوں کے حساب سے بوجھ اس کے دل و دماغ پر گرا ہوا تھا۔ لائبہ کی طرف سے جب دل زیادتیوں اور نفرتوں کا شکار تھا تو دنیا ایک خشک و ویران بیابان بن گئی تھی۔ زیست سے ساری رنگینیاں اور شوخیاں مفقود ہو کر تاریکیوں میں گم ہو گئی تھیں۔ اب اچانک ہی اس کے اندر کا ضدی و خود سر اپنی منوانے والا اُسامہ زبردستی زور آوری پر اتر آیا تھا تو اس کی نرم و درگزر کر دینے والی طبیعت پر حد درجہ گراں گزر رہا تھا۔ پہلے اس پر زیادتی ہو رہی تھی تو وہ بے سکون تھا' اب وہ خود زیادتی پر اتر آیا تھا تو اسے خود اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی ذہنی استطاعت ہمیشہ ہی شفاف اور بلند ترین افق کی بلندیوں پر محو پرواز رہتی تھی۔ وہ اعلیٰ سوچ رکھنے والا مخلص و ہمدرد شخص تھا۔ انہی اعلیٰ ترین خوبیوں کے باعث وہ ہر دلعزیز تھا۔ مگر اس کی بے لوث و شفاف محبت کو اتنی حقارت و نفرت سے بلا جواز ٹھکرا دیا گیا اور اتنی بار ذلت و توہین کا احساس دلایا گیا کہ وہ مخلص ہمدرد اُسامہ ملک کسی کھلونے کی طرح ٹوٹ پھوٹ گیا۔ پھر اس کے اندر کا اُسامہ جاگ اٹھا۔ اس کی وحشت و گستاخانہ ضد و ہٹ دھرمی اسے خود بھی پسند نہ تھی مگر وہ اپنی ہر ممکن کوشش کے باوجود اس اسٹیج پر اپنے نفس سے نہیں جیت سکا۔ اسے احساس تھا' غصے کی آگ سے جلتا اس کا وجود لائبہ سے قابل اعتراض گفتگو کر جاتا ہے جو عام حالات میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے اوچھے جملے وہ اتنی سرعت سے بے جھجک بول جاتا ہے۔ وہ دوبارہ گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ ضمیر کے اندر عجیب افراتفری مچی تھی۔ بہت ہٹ دھرمی اور ضدی لائبہ کو جھکانے میں اس کا نفس بہت خوش اور مغرور ہو رہا تھا مگر ضمیر کے کسی کونے سے یہ صدا ابھر رہی تھی کہ وہ جو کر رہا ہے وہ اچھا نہیں ہے۔ وہ جس سے انتقام لینا چاہتا ہے' وہ کتنی ہی سنگدل' بد دماغ اور ظالم سہی پر ہے تو اس کی محبت ہی اور جن سے محبت کی جاتی ہے انہیں تکلیفوں اور دکھوں کی صلیب پر نہیں لٹکایا جاتا۔ انہیں زبان کے وار سے اور نگاہوں سے زخم نہیں لگایا جاتا۔ تم اس کی خوبصورتی پر نہیں مر مٹے تھے بلکہ تمہیں اس کی گرین آنکھوں کی گہرائیوں میں تیرتا ہوا نامعلوم دکھ تمہیں اس کا اسیر کر گیا تھا۔ اس نے یہ عہد کیا تھا کہ اس کی ویران و اداس آنکھوں میں اپنی بھرپور چاہتوں کے چراغ روشن کرے گا۔ سنجیدہ و معصوم چہرے پر اپنی بے لوث محبتوں کے رنگ بکھیر دے گا مگر سب کچھ شیخ چلی کے تصوراتی محل کی طرح ٹوٹ کر زمین بوس ہو گیا۔ اسے شدت سے سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی مگر اسے معلوم تھا' ممی پارٹی سے لوٹ کر حسب معمول اس کے روم میں شب بخیر کہنے ضرور آئیں گی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کی اس عادت سے واقف ہوں' سو ان کی خاطر مجبوراً اپنی مچلتی طبیعت اور ٹوٹتے اعصاب پر قابو پانے کے لئے اسے بالکل تنہا دو محاذ پر جنگ لڑنا پڑ رہی تھی۔ ضمیر و دل لائبہ کے حق میں تھے' جب کہ نفس و دماغ اس کے ہر اقدام کو سراہ رہے تھے' اسے سرکشی کرنے پر اکسا رہے تھے اور وہ کشمکش میں مبتلا دونوں میں سے کسی کے بھی حق میں یہ فیصلہ نہ کر پا رہا تھا کہ کون حق پر ہے۔ کافی دیر کی جدوجہد کے بعد بھی وہ جب ذہنی خلفشار پر قابو نہ پا سکا تو اس نے فضلو کو انٹرکام پر چائے لانے کی ہدایت کی اور شاور کے ذریعے خود کو پرسکون کرنے کے لئے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ شاور سے گرتے پانی نے اس کے بے سکون اعصاب کافی حد تک کنٹرول کر لئے تھے۔ وہ نہ معلوم کب تک پانی کی ٹھنڈی سکون بخش پھواروں میں ڈوبا رہتا کہ باہر فضلو کے باتھ ڈور بجانے پر باتھ گاؤن پہن کر ٹاول سے بال رگڑتا ہوا باہر آ گیا۔

’’خیریت ہے نا صاحب۔ میں تو سمجھ رہا تھا' ایک سال کا اکٹھا غسل آپ آج ہی کر رہے ہیں۔‘‘ عبدل کی استعجابی حالت پر وہ بے اختیار مسکرا اٹھا۔

’’اور مجھے محسوس ہی نہیں ہوا' ٹائم گزرنے کا۔‘‘ وہ تولیہ بیڈ پر پھینک کر اس کے ہاتھ سے کپ اور ساسر لے کر بولا۔ ’’تم بھی پی لونا۔‘‘ وہ عبدل سے مخاطب ہوا۔

’’میں تو ابھی کھانا کھاؤں گا پھر پیوں گا۔‘‘ عبدل تولیہ بیڈ سے اٹھا کر لے جاتے ہوئے بولا۔

’’بوا اور مریم گاؤں چلی گئیں؟‘‘

’’جی صاحب' بہت دعائیں دے کر گئی ہیں آپ کو۔‘‘ وہ جاتے ہوئے پلٹ کر بولا۔

’’مجھے ایک مشورہ لینا ہے عبدل تم سے' یہاں بیٹھو۔‘‘ وہ اپنے برابر میں اشارہ کر کے اس سے بولا۔

’’مجھ سے مشورہ۔ ایسی کیا بات ہو گئی صاحب' وہ اس کے انداز پر کافی متجسس و حیران تھا۔

’’کوئی سرکش و بد دماغ شے اگر بندے کو پسند آ جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ اسے زبردستی حاصل کرنا چاہئے یا اپنی شکست تسلیم کر کے میدان چھوڑ دینا چاہئے' جبکہ دل و دماغ پر وہ مکمل طور پر حاوی ہو مگر وہ اپنی ضد اور بد دماغی کی وجہ سے دوسرے کو گھاس نہ ڈالتی ہو۔‘‘

’’یہ تو کسوٹی جیسا سوال ہو گیا' اشاروں سے بھرپور آپ مذاق تو نہیں کر رہے صاحب؟‘‘

’’رات کے گیارہ بجے میں تم سے مذاق کروں گا۔‘‘ وہ اسے گھور کر بولا۔

’’اچھا میں سوچتا ہوں۔ سرکش و بد دماغ' میدان اور واضح اشارہ ہے گھاس نہیں ڈالتی۔ یعنی اس کا مطلب ہوا' آپ کا اشارہ کسی سرکش اور منہ زور گھوڑی کی طرف ہے۔‘‘ عبدل چٹکی بجا کر بولا اور اس کے قیاس پر اُسامہ جھنجلاہٹ کے باوجود بے اختیار قہقہہ لگا بیٹھا۔

’’آپ کی یہ ہنسی بتا رہی ہے' میں نے درست اندازہ لگایا ہے۔‘‘ وہ اس کے قہقہے سے مسرور ہو کر بولا۔

’’تمہاری نولج کے مطابق میں تو یہ صفات صرف گھوڑی میں ہی ہو سکتی ہیں۔‘‘ وہ دلکشی سے مسکرایا۔

’’ظاہر بات ہے صاحب آپ کی زندگی میں لڑکی تو آ نہیں سکتی۔‘‘ اس کی مسکراہٹ اسے حوصلہ دے گئی۔

’’اچھا ٹھیک ہے' مشورہ دو اس کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے یا اسے قابو کر لینا چاہئے۔‘‘

’’دل سے خیال اور نکال دیں' یہ تو ناممکن بات ہے صاحب' آپ نے تو بڑے بڑے باغی و سرکش گھوڑوں کا غرور توڑ کر لگام ڈالی ہے پھر یہ ایک گھوڑی کیا حیثیت رکھتی ہے' لگام ڈال کر چھوڑ دیجئے کچھ عرصے بعد خود ہی ساری سرکشی و بغاوت بھول کر ٹھیک ہو جائے گی۔ پھر دیکھئے گا کس طرح آپ کی ہو جائے گی وہ' بس شروع شروع میں نخرے دکھائے گی۔‘‘ عبدل اپنے تجربے کی بنا پر پرخلوص مشورے دے رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی' اس کا دل مچل کر اس کی بات پر لبیک کہہ رہا تھا۔ بے شک سرکشی و بد دماغی کے لئے لگام ضروری ہوتی ہے' چاہے لگام چمڑے کی ہو یا' نکاح کی......

✦ ✦ ✦

کنول' سسٹرز اور جونیئر ڈاکٹرز کے ہمراہ مین وارڈ کا راؤنڈ لے کر وارڈ سے باہر نکلی تو پرائیویٹ رومز کی سمت سے آتی بدحواس سی نرس کو دیکھ کر وہیں رک گئی۔

’’ڈاکٹر' وہ روم تھرٹین کا مریض بہت ضدی ہے' وہ ضد کر رہا ہے ابھی گھر جائے گا مگر اس کا زخم ابھی بالکل بھی نارمل نہیں ہے۔‘‘ نرس بات مکمل کرتے ہوئے اس تک پہنچ کر بولی کنول بھی تیزی سے اس کے ساتھ روم تھرٹین کی جانب بڑھ گئی اور اس کے پیچھے وہ تمام بھی روم تھرٹین میں پہنچ کر اسے اپنی بصارت پر دھوکہ ہوا۔ سامنے بیڈ پر بیٹھا' پٹیوں میں جکڑا شخص اسے لمحے بھر کو سکتے میں مبتلا کر گیا۔ انور جو غصے میں بیٹھا دروازے کی سمت ہی دیکھ رہا تھا' اچانک بھولی بسری کہانی کو دیکھ کر عجیب کیفیت میں گم ہو گیا تھا۔

’’ڈاکٹر کو بلا لائی ہوں آپ ان سے اجازت لے کر گھر چلے جائیں۔‘‘ نرس کی طنزیہ آواز دونوں کو حواسوں میں لائی تھی۔ کنول خفیف سی ہو کر آگے بڑھ گئی۔ اس نے بھی نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ ’’کیسے ہیں آپ؟‘‘ وہ اس کے قریب آ کر مسکرا کر بولی۔

’’میں گھر جانا چاہتا ہوں۔‘‘ اس کی آواز کا کمال تھا یا چہرے کا سحر کہ اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔

’’ابھی تو آپ گھر نہیں جا سکتے کیونکہ زخم آپ کے نارمل نہیں ہوئے ہیں پھر آپ رات ہی یہاں ایڈمٹ ہوئے ہیں۔‘‘ کنول نرس کے ہاتھ سے اس کی میڈیکل فائل اسٹڈی کرتے ہوئے بولی۔

’’رات کو ڈیوٹی پر کون سے ڈاکٹر تھے؟‘‘ وہ نرس سے مخاطب ہوئی۔

’’ڈاکٹر سرفراز میڈم۔ ایمرجنسی میں انہی کی ڈیوٹی ہے آج کل۔‘‘ نرس نے جواب دیا۔

’’انور صاحب' آپ کو کم ازکم ایک ہفتے یہاں رہنا ہے' آپ فون کے ذریعے اپنے گھر والوں کو مطلع کر سکتے ہیں۔‘‘ کنول فائل نرس کو دیتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

✦ ✦ ✦

’’بی بی صاحبہ طوبیٰ بی بی آپ سے ملنے آئیں ہیں۔‘‘ نوری دروازہ ناک کر کے اندر آ کر بولی۔

’’کیوں آئی ہے وہ۔‘‘ طوبیٰ کا نام گویا پیٹرول میں آگ کی طرح بھڑک کر اس کے وجود میں سرایت کر گیا۔ وہ ہاتھ میں پکڑا برش ہذیانی انداز میں قالین پر پھینک کر چیخی۔

’’مم...... مم...... مجھے معلوم نہیں جی۔ نوری قدرے سہم گئی تھی۔ ’’منع کر دوں جی کہ آپ ان سے نہیں ملیں گی۔‘‘

’’ارے کیوں بھئی' میں نے کیا جرم کر لیا ایسا۔‘‘ طوبیٰ جو اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی' مسکراتے ہوئے شرارتی لہجے میں بولی۔

نوری خاموشی سے کمرے سے چلی گئی۔

’’میں تمہاری ایک لمحے کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتی پلیز! آؤٹ مائی روم۔‘‘ طوبیٰ کی صورت پر نگاہ پڑتے ہی اسے ایک ہفتے قبل ہونے والا انکشاف' اُسامہ ملک کی

جرأت و بے باکیاں ازسرِنو یاد آنے لگیں۔ ایک ہفتے میں اس نے بڑی جدوجہد کے بعد ان ہر وقت چھائے رہنے والے اذیت ناک احساسات سے کسی حد تک چھٹکارا پایا تھا۔ اب طوبیٰ کو سامنے دیکھ کر سب کچھ تازہ ہو گیا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے لائبہ تم ٹھیک تو ہو۔'' وہ مسکراہٹ بھول کر بوکھلا کر بولی۔

''تماشا دیکھنے آئی ہو تم میرا۔ تم جیسی ضمیر فروش دوست پر میں لاکھ بار لعنت بھیجتی ہوں۔ نہیں ہے ضرورت مجھے تم جیسی خود غرض و مفاد پرست دوست کی۔'' وہ لائبہ نہیں کوئی آتش فشاں ہی کا روپ تھا۔ جلا دینے، برباد کر دینے اور بھسم کر دینے والا۔ اس کے انگ انگ سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ گھنے سلکی بلیک بال آدھے شانے پر آدھے کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔ حسین چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں ایسی وحشت ناکیاں اور بدگمانیاں ڈیرہ جمائے ہوئے تھیں کہ طوبیٰ کو وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس میں ذرا بھی محسوس نہیں ہوئی۔

''لائبہ میری جان، پلیز مجھے میرا قصور تو بتاؤ کیا کیا ہے میں نے۔ کیوں تم مجھ سے اس قدر......''

''مت لو اپنی زبان سے میرا نام۔ چلی جاؤ یہاں سے۔ ورنہ...... ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

''تم نے میرے اعتماد کا میرے اعتبار کا قتل کیا ہے۔ میں نے تمہیں بہن سمجھا تھا مگر تم نے...... تم نے سب کچھ ختم کر دیا۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

''مجھے بتاؤ تو سہی، کیا کیا ہے میں نے۔ پلیز لائبہ۔'' اس کا بکھرا ہوا حلیہ درد میں ڈوبا لہجہ بہتے ہوئے آنسو طوبیٰ کو پریشان کر گئے۔ بھرائے ہوئے لہجے میں وہ اس کی طرف بڑھی تھی مگر لائبہ اس کے ہاتھ جھٹک کر غصے میں باتھ روم میں لاک ہو گئی اور کافی انتظار کے بعد بھی وہ باہر نہیں آئی تو وہ شکستہ قدموں سے اس کے کمرے سے نکل آئی۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ اندر سے باہر پورچ تک کسی ملازم سے اس کا سامنا نہیں ہوا وہ شکر کرتی کار میں بیٹھ گئی کہ اپنے آنسو وہ کس طرح ان سے پوشیدہ رکھتی۔ گیٹ پر موجود چوکیدار نے اس کی کار کے لئے مین گیٹ کھول دیا اور وہ کار ہوا کی اسپیڈ پر دوڑاتی ہوئی گھر آ گئی۔ کار پورٹیکو میں کھڑی کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور بیڈ پر اوندھی لیٹ کر با آواز شدت سے رو دی۔ لائبہ کا انداز، لہجہ ناقابلِ برداشت و ناقابلِ یقین حد تک تکلیف دہ اور تضحیک آمیز تھا۔ وہ رو رہی تھی اور سوچ رہی تھی لائبہ کس غلط فہمی کا شکار ہوئی اور کب ہوئی۔ اس سے اس کی ملاقات ہوئے عرصہ ہو گیا تھا آج اس کا دل شدت سے اس سے ملنے کو چاہا تھا تو وہ چلی گئی تھی اس سے ملنے اور پھر جس انداز میں وہ اس سے ملی اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ لائبہ اس سے اس انداز میں بھی مل سکتی ہے۔ وہ خلوص و مروت کی مٹی سے بنی لڑکی جس نے کبھی اپنی اداس آنکھوں کا راز نہیں بتایا تھا، اپنی تنہا اپنی ذات اور چہرے پر سنجیدگی کی صورت میں چھائے دکھ بھی شیئر نہیں کئے تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے دکھ بھلائے دوسروں کی خوشی میں خوش ہونے والی لائبہ، سبک ندی کی طرح بہتا نرم و شیریں لہجہ آج الاؤ کی مانند دہک رہا تھا، ایسا کیوں ہوا تھا۔ یہ اذیت آمیز سوال اسے اور بے کل کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد خوب رو کر اس کے دل کا غبار نکل گیا تو وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گئی تاکہ خانساماں سے کہہ کر شام کی چائے اور لوازمات تیار کروا سکے۔ شاہ رخ کے آفس سے آنے کا ٹائم ہو رہا تھا۔ وہ خانساماں کو آرڈر دے کر باہر آئی تو شاہ رخ وقت سے کچھ پہلے ہی آ گیا تھا اور اس کے ساتھ اُسامہ ملک کو دیکھ کر وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئی۔

''لگتا ہے آج بادل خوب ٹوٹ کر برسا ہے، جبھی ہر طرف سیلاب آ گیا ہے۔ میں اور اُسامہ دونوں تیر کر گھر تک پہنچے ہیں۔ مگر مطلع ابھی تک ابر آلود ہے، بادل تیار کھڑے ہیں، کبھی بھی برس سکتے ہیں۔'' شاہ رخ اس کے شدتِ گریہ سے سرخ چہرے اور روئی روئی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنے اسٹائل میں بولا۔

''خبیث روح ہو تم ہر وقت تمہیں مذاق سوجھتا ہے، کبھی سنجیدہ بھی ہو جایا کرو۔ اُسامہ بھائی آپ کیسے راستہ بھول گئے یہاں کا......''

''پچھلے ہفتے تو آیا تھا، میں یہاں مگر تم آنٹی کے ساتھ کسی گیدرنگ میں گئی ہوئی تھیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''شاہ رخ نے نہیں بتایا تمہیں۔''

''تم ہم سے ملنے نہیں بلکہ تصویریں دیکھنے آئے تھے، ڈیڈی کی میرج برتھ ڈے کی۔''

''بکواس مت کرو تم نے خود ہی البم مجھے دیا تھا تاکہ تمہارے چائے بنانے تک میں بور نہ ہوں۔'' اُسامہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''آپ لونگ روم میں چلیں یہ تو ہے ہی چیٹر۔'' طوبیٰ نے اس کا ساتھ دیا۔

''تم چلو، میں ڈریس چینج کر کے آتا ہوں۔'' شاہ رخ اپنے روم کی طرف بڑھتے ہوئے اُسامہ سے مخاطب ہوا۔ طوبیٰ بھی خانساماں کو جلدی چائے لانے کا کہہ کر اُسامہ کے ساتھ لونگ روم میں آ گئی۔

''انکل آنٹی کب تک لوٹیں گے اسلام آباد سے؟'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''شاید ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ دراصل پاپا اب مستقل وہیں رہائش کا بندوبست کر رہے ہیں۔ ممی کو سانس کی شکایت اکثر رہنے لگی ہے اور وہاں کے پرفضا ماحول میں یہ تکلیف کچھ کم ہو جاتی ہے۔''

''ہاں، انکل کا فیصلہ درست ہے، اسلام آباد ذاتی طور پر مجھے بھی بہت زیادہ پسند ہے۔ سرسبز و شاداب فضا بہت صحت مند ہے۔ تم روئی ہو۔'' وہ اچانک ہی بولا۔ ''انکل آنٹی یاد آ رہے ہیں۔'' اس کے گداز و شفقت آمیز نرم لہجے کا اثر تھا کہ وہ جو شکستہ دل لئے زبردستی مسکرا رہی تھی، بے اختیار ٹلنے والے آنسو نہ روک سکی۔

''رو و نہیں، میرے ساتھ گھر چلو، ممی اور اماں جان کے پاس رہو گی تو تنہائی محسوس نہیں کرو گی اور گھر میں تائی اور ان کی مکمل فیملی ہے، تمہیں بور کوئی نہیں ہونے دے گا۔'' وہ اس کے جھکے ہوئے سر پر اپنے مخصوص پرشفقت و پرخلوص لہجے میں ہاتھ رکھ کر بالکل بچوں کے انداز میں بہلاتے ہوئے بولا۔ زینی کے بعد یہ دوسری لڑکی تھی جو اسے سگی بہنوں کی طرح پیاری و عزیز تھی۔

''یہ بات نہیں ہے اُسامہ بھائی۔'' وہ برستے آنسوؤں کے درمیان بولی۔

''پھر کیا بات ہے؟''

''وہ...... وہ لائبہ کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے، میں اس سے ملنے گئی تھی مگر اس نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا اور......'' پھر اس کے بے حد استفسار پر اس کے اور لائبہ کے درمیان ہونے والی گفتگو لفظ بہ لفظ دہرا دی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا، اسے اچانک کیا ہو گیا ہے۔''

''تم نے خواہ مخواہ اپنے اتنے قیمتی آنسو ضائع کئے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''میں نے آپ کو بتایا ہے اس لئے آپ کو میری حیرانی و تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ ریئلی اس وقت وہ بالکل جنونی ہو رہی تھی۔ بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اصل لائبہ ہے۔'' اسے مسکراتے دیکھ کر طوبیٰ اسے یقین دلانے والے لہجے میں بولی۔

''میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا، وہ نفسیاتی مریضہ ہے۔ جب وہ اٹیک کے زیر اثر ہوتی ہے تو کسی کو بھی نہیں بخشتی بلکہ اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرتی۔'' اُسامہ دلنشین لہجے میں بولا۔

''آپ کا مطلب ہے، وہ اس وقت اٹیک کے زیر اثر تھی۔ اوہ نو...... پھر تو مجھے اسے چھوڑ کر نہیں آنا چاہئے تھا۔ کہیں وہ خود کو نقصان نہ پہنچا لے۔'' طوبیٰ پریشانی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''اگر تم اب دوبارہ ان سے رابطہ کرو گی وہ پھر ہسٹیرک ہو جائیں گی۔'' اُسامہ اسے فون کی جانب بڑھتے دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

''پھر...... میں کیا کروں؟'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''اب ٹھیک ہو گئی ہوں گی اور دیکھ لینا، جلد ہی وہ تم سے اپنے رویے کی معافی مانگیں گی۔''

''لیکن آپ کو یہ سب کیسے معلوم؟'' طوبیٰ صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کی خود اعتمادی پر حیران تھی۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا نا پہلے کہ انہیں اسپتال میں میرے سامنے اٹیک ہوا تھا۔ ڈاکٹر اصغر سے اس کیس پر میری تفصیلی بات چیت بھی ہوئی تھی۔ ان کا کہنا یہی ہے کہ ایسے مریضوں کی حالت صرف اٹیک کے وقت ہی ایسی ہوتی ہے پھر وہ فوراً سنبھل بھی جاتے ہیں۔''

''میں تیار ہو کر آ گیا، چائے تیار ہو کے نہیں آئی ابھی تک۔'' شاہ رخ اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

''میں لاتی ہوں ابھی۔'' طوبیٰ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ اسے مطمئن دیکھ کر اُسامہ بھی مطمئن ہو گیا۔ ''تم الیکشن میں کسی حلقے سے کھڑے نہیں ہوئے۔ اس بات پر بڑا شور مچا ہے اخباروں میں۔ کیا، رستم زمان سے اختلاف ہو گیا ہے؟'' شاہ رخ صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

''اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں نظریات و خیالات بدل جائیں۔ رستم زمان گریٹ مین ہیں۔ کم از کم میرے نظریات اور ان کے تخیلات و احساسات کا دھارا ایک ہی سمت میں بہتا ہے۔ سیاست میں قدم میں نے بغیر لالچ و غرض کے رکھا ہے۔ صوبائی یا علاقائی کسی بھی نشست کی تمنا مجھے نہیں ہے۔ الیکشن میں میرے حصہ نہ لینے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں اپنے جذبے اور لگن سے دستبردار ہو گیا ہوں۔ الیکشن کے بعد میں اس لائن میں آؤں گا۔ صرف مجھے الیکشن ہو جانے کا انتظار ہے۔ اگلے ہفتے انشاء اللہ یہ انتظار بھی ختم ہو ہی جائے گا۔''

❖ ❖ ❖

''کس کا فون تھا شائلہ؟'' خورشید کمرے سے نکلتے ہوئے شائلہ سے مخاطب ہوئیں۔

''بھائی کا تھا، وہ کمپنی کی طرف سے اچانک مال لے کر پشاور جا رہے ہیں۔ ایک ہفتے بعد واپس آئیں گے۔ بہت جلدی میں تھے اس لئے کمپنی سے ہی روانہ ہو رہے ہیں۔''

''میری سمجھ میں اس لڑکے کا کام نہیں آتا۔ تم کچھ بھی کہو شائلہ مگر میں سچی بات بتا رہی ہوں۔ انور کے کام سے میں بالکل بھی مطمئن نہیں ہوں میرا دل کہتا ہے کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے۔'' وہ لاؤنج میں رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے فکرمند لہجے میں بولیں۔

''ہاں امی میں بھی اب تو یہی محسوس کرنے لگی ہوں۔ نہ معلوم بھائی کس کمپنی میں کس عہدے پر فائز ہیں، کچھ بتاتے ہی نہیں ہیں اور پھر یہ اچانک ہفتوں ہفتوں اس طرح غائب ہو جانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' شائلہ بھی نیچے بچھے کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے الجھے لہجے میں بولی۔

''کمپنی کا نام تو معلوم ہو گا تمہیں، مجھے بتاؤ میں معلوم کر کے آؤں۔'' اندر کمرے سے اجمل صاحب نکلتے ہوئے بولے۔ دروازہ کھلا ہونے کی وجہ سے وہ ان کی ساری گفتگو سن کر باہر آ کر بولے۔

''کمپنی کا نام بھی نہیں معلوم ہمیں ابو۔'' شائلہ انہیں اچانک باہر آتے دیکھ کر سر پر دوپٹہ ڈالتے ہوئے بولی۔ ''عجیب بات ہے، گھر والوں کو بھی لاعلم رکھا ہوا ہے اس نے۔'' ان کے لہجے میں تعجب بھی تھا اور دکھ بھی۔

''جب بھی پوچھنے کی کوشش کی ہے، وہ بتانے پر تیار ہی کب ہوتا ہے۔'' خورشید بولیں۔

''ابو آپ کے لئے کھانا لگا دوں؟'' شائلہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''ابھی میں تابش کو لینے اسکول جا رہا ہوں۔'' وہ گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

❖ ❖ ❖

کئی ماہ سے جاری الیکشن کا شور آج تھما تھا۔ ملکی سطح پر ہونے والے الیکشن آج صبح سات بجے شروع ہو کر شام سات بجے ختم ہوئے تھے اور بغیر کسی ناخوشگوار واقعے کے اختتام پذیر ہوئے تھے۔ اسد صاحب ملک سے باہر تھے۔ اُسامہ نے ان کی خواہش کے مطابق یہاں کا بزنس سنبھال لیا تھا۔ وہ محنتی بھی تھا اور ذہین بھی۔ اسے بزنس سنبھالنے میں زیادہ وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ایک ہفتے کی محنت اور کوششوں کے بعد وہ بیک وقت لیدر فیکٹریز اور کلاتھ ملز کا سیٹ اپ سمجھ چکا تھا۔ اسد صاحب اس

سے مطمئن ہو کر فارن برانچوں کی طرف فلائی کر گئے تھے اور وہ جو روحیل انکل کے سمجھانے پر کچھ عرصے کے لئے سیاست سے دور ہو گیا تھا' الیکشن کے دوران درپردہ دوبارہ شامل ہو گیا اور حسب معمول رستم زمان کے ہر طرح ساتھ تھا وہ۔

رستم زمان کی پارٹی نے بہترین ووٹ کے ذریعے صوبے میں کافی سیٹیں حاصل کی تھیں۔ اس خوشی میں ان کے مخصوص حلقوں میں جشن کامیابی جو اغاں کر کے منایا جا رہا تھا۔ لنگر تقسیم کئے جا رہے تھے۔ جھنڈوں' روشنیوں اور بینرز سے شہر جگمگا اٹھا تھا۔ رستم زمان کے آفس اور گھر میں مبارک باد دینے والوں کا ہجوم بکھرا ان تھا۔ ہر طرف پھولوں اور مٹھائیوں کے ڈبے نظر آ رہے تھے۔ رات کے تین بج رہے تھے' جب اُسامہ نے ان سے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔

''آج تو کہیں رک جاؤ ینگ مین۔ مرادوں والی رات ہے' آج تو نیند کس کو آنی ہے۔'' رستم زمان جن کا چہرہ جوش مسرت سے چمک رہا تھا وہ مسکرا کر اس سے مخاطب ہوئے۔

''سوری سر۔ مما میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ میں رک نہیں سکتا۔ ویسے آپ کو بہت بہت مبارک باد ہو سر۔ زبردست کامیابی ملی ہے آپ کو۔'' اُسامہ ان سے پرخلوص لہجے میں مخاطب ہوا۔

''یہ تو بہت معمولی کامیابی ہے مائی سن اگر آپ کھڑے ہو جاتے تو سمجھ لیجئے کہ پورے صوبے کی نشستیں ہماری پارٹی کے پاس ہوتیں۔'' وہ کچھ افسردہ لہجے میں بولے۔

''سر' میں خدمت کے لئے کرسی کو ضروری نہیں سمجھتا۔ ویسے بھی آج کل کے دور میں سیاست بدنام ہی ان کرسیوں کی وجہ سے ہو رہی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''بہت مہربانی ہے آپ کی جو آپ مصروفیات کے باوجود ہمیں اتنا ٹائم دیتے رہے۔''

''مہربانی کی بات نہیں ہے' یہ میری خواہش تھی۔'' وہ حد درجہ انکسار سے بولا۔

اور کچھ دیر بعد ان سے اجازت لے کر گھر سے نکلنے کی جلدی میں لابی میں اس سے مڈبھیڑ ہو ہی گئی جس سے نہ ملنے کی تگ و دو میں وہ پورا ہفتہ کوشاں رہا تھا مگر اس وقت وہاں نیم تاریکی تھی یا اس نے پہلے سے ہی اسے روکنے کا پلان ترتیب دیا تھا۔

''اب اتنی بھی بے رخی کس کام کی' آپ مجھے مبارکباد نہیں دیں گے۔ اتنی محنتوں کے بعد یہ کامیابی ملی ہے اور اتنی بیگانگی سے جا رہے ہیں۔'' آف وائٹ شلوار سوٹ دوپٹے میں ساحرہ کسی کونے سے برآمد ہوئی تھی۔ اس کے اس طرح اچانک سامنے آنے سے اسے بے اختیار رکنا پڑا۔

''جنہیں کامیابی کا کریڈٹ جاتا ہے انہیں دے چکا ہوں میں۔'' اس کا لہجہ خشک ہو گیا تھا اور اس نے اس کی جانب سے رخ پھیر لیا تھا۔

''اتنے کٹھور و سنگ دل نہ بنو اُسامہ ملک کیا میں اتنی بدنصیب ہوں مجھے دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ بھی باقی نہیں ہے حتیٰ کہ مبارک باد بھی۔'' وہ بھیگے لہجے میں کہتی ہوئی اس کے روبرو آ کر شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''میں نے آپ کو پہلے بھی سمجھایا تھا مجھ سے ایک حد میں رہ کر بات کیا کریں اور بات کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔'' وہ جھٹکے سے اس کا ہاتھ ہٹا کر زہرخند لہجے میں بولا۔ ''بہت کٹھور ہو اُسامہ تم بہت زیادہ' ایک ٹھکرایا انسان دوسرے ٹھکرائے ہوئے انسان کے احساسات و جذبات خوب اچھی طرح سمجھتا ہے پھر تم کیوں......''

''میرے پاس ٹائم نہیں ہے آپ کی لغو گو اس سننے کا۔'' وہ اسے راہ میں حائل دیکھ کر سرد لہجے میں بولا۔ ''کچھ حیا کیجئے اندر آپ کے رشتے دار اور دوسرے لوگ جمع ہیں' کیا سوچیں گے وہ آپ کو یہاں دیکھ کر' آپ کی اندر غیر موجودگی کو محسوس کر کے یہاں کوئی چلا آیا تو۔''

''تم اس سے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ تمہیں خوف تھا' اس وقت لوگوں کی باتوں کا' اسکینڈلز کا۔ اس کے قریب بیٹھ کر تم کیوں ہزاروں لوگوں کو فراموش کر بیٹھے تھے۔ تمہاری نگاہیں کیوں سب کو فراموش کئے اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ تمہیں اس وقت خوف نہیں تھا کہ تم اس سے محبت کرتے ہو اور بے پناہ شدید محبت کرتے ہو اور مجھے اس وقت کسی کا خوف نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور بہت شدید۔''

''شٹ اپ ساحرہ زمان۔ اپنی زبان پر اس کا نام مت لایا کرو ورنہ۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

''ورنہ جان سے مار دو گے مجھے ہے نا۔ مار دو۔ محبت کے ہاتھوں ملنے والی موت بھی خوش نصیبوں کو ملا کرتی ہے۔ میری بیقرار محبت کو کچھ تو ملے تمہاری طرف سے۔ چاہے وہ موت ہی کیوں نہ ہو۔ یقین مانو میری بیقراریوں کو قرار آ جائے گا۔ آگ میں جلتے میرے وجود کو ٹھنڈک مل جائے گی۔'' اس کے تڑپتے لہجے میں عجیب دیوانگی پنہاں تھی۔

''تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ تم عورت نہیں ہو' ایک بھٹکی ہوئی بہکی ہوئی شیطانی روح ہو جس نے اپنی ہوس کو محبت کا نام دے رکھا ہے۔ تم مجھے جھکانے میں ناکام رہی ہو اس لئے تمہاری غلیظ ہوس زدہ روح تمہیں بیقرار و بے چین کئے ہوئے ہے۔ جو عورت شوہر سے بیوفائی کرے' کسی غیر مرد سے کس طرح وفا کر سکتی ہے؟ تمہاری ناآسودہ خواہشات تمہیں میرے پیچھے دوڑا رہی ہیں مگر یقین کرو تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ میں بہت کھرا اور انصاف پسند بندہ ہوں' میں حق دار کو اس کا حق دینے کا قائل ہوں اور تم جیسی عورت پر تو میں نگاہ ڈالنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ میرے تمام حقوق اور جذبات صرف ایک فرد کے لئے محفوظ ہیں' اس کے علاوہ اس لیول پر کوئی میری لائف میں داخل نہیں ہو سکتی۔'' اس کا لہجہ اتنا کھرا' سچا اور مضبوط تھا کہ ساحرہ زمان کرب سے آنکھیں میچ کر رہ گئی اور وہ ہوا کے جھونکے کی طرح پورٹیکو کی طرف بڑھ گیا۔

✦ ✦ ✦

''لائبہ' تیار نہیں ہو رہی ہیں آپ۔'' ماما اسے اپنے قریب بیڈ پر تکیوں کے سہارے نیم دراز میگزین پڑھتے دیکھ کر بولیں۔

''ماما حنا کی مہندی اور مایوں کی فنکشنز اٹینڈ کر کے بہت تھک گئی ہوں' آج تو بارات ہے آپ دیکھئے گا بہت ٹائم ہو جائے گا۔ میں آپ کو اتنے گھنٹوں کے لئے تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔'' وہ میگزین چہرے سے ہٹا کر بولی۔

''یہ اچھی بات نہیں ہے بیٹا۔ حنا آپ کی بیسٹ فرینڈ ہے اور کتنے اصرار سے وہ خود اپنی ممی کے ساتھ انوائیٹ کرنے آئی تھی۔ میں تو نہیں جا سکتی مگر آپ کو تو خیال رکھنا چاہیے۔ اتنے خاص موقعوں پر دوستوں کی شمولیت دوستی کے رشتے کو مضبوط کر دیتی ہے۔ آپ کو آج کے دن ضرور جانا چاہیے' مایوں اور مہندی تو روایتی فنکشنز ہیں۔ سب سے زیادہ اہم تو آج کا یعنی بارات کا فنکشن ہے۔ آپ میری فکر مت کیا کریں۔ میں اب اللہ کے فضل سے ٹھیک ہوں اور جب سے نوری نے یہاں ملازمت کی ہے' خوب دل بہل جاتا ہے۔ بہت چٹکلے نما باتیں کرتی ہے وہ۔'' ماما مسکرا کر بولیں۔

''میں مطمئن نہیں ہوں ماما اس سے۔''

''کیوں؟'' وہ حیرانی سے کہہ اٹھیں۔

''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے' جیسے وہ میری نگرانی کرتی ہے۔ اس کی نگاہیں غیر محسوس انداز میں میرے اردگرد رہتی ہیں' گھر میں اور بھی تو ملازمائیں ہیں' کبھی محسوس ہی نہیں ہوتا ان کا وجود تو مگر نوری سے میں اکثر مشکوک ہو جاتی ہوں۔'' وہ الجھن آمیز لہجے میں اپنے شکوک ظاہر کر بیٹھی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ اسے ملازمت پر رکھنے سے پہلے افتخار صاحب سے میں نے رائے لی تھی کیونکہ وہ انہی کی سورس پر یہاں آئی ہے اور وہ مطمئن ہیں کہ نوری اچھی عورت ہے' پنجاب سے یہاں ملازمت کے سلسلے میں ہی آئی ہے۔ اس کی فیملی بہت غریب ہے اور پنجاب میں اس کی فیملی ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ماما۔ نہ معلوم مجھے کیوں اطمینان نہیں ہوتا۔''

''کون سا ڈریس پہنو گی آپ۔ میں نوری سے نکلوا دیتی ہوں۔'' وہ اس کے بال سنوارتے ہوئے بولیں۔

''ماما پلیز آج نہیں جا رہی' میرا بالکل موڈ نہیں ہے اور میری آج اتنی کمی محسوس بھی نہیں ہو گی۔ دوپہر سے تو حنا نے پارلر چلے جانا ہے' وہاں سے ڈائریکٹ تیار ہو کر میرج گارڈن چلی جائے گی اور جب تک بارات آ چکی ہو گی۔ اس کے بعد رسموں وغیرہ میں وہ میری کمی محسوس نہیں کر سکتی۔ او کے آپ اب آرام کریں۔'' وہ ان سے کہتے ہوئے بیڈ سے اتر گئی۔

ماما نے مزید کچھ نہ کہا کہ وہ سمجھ چکی تھیں' اس کا موڈ قطعی نہیں ہے' وہ کمرے میں جانے کے بجائے ٹیرس پر آ گئی۔ جاتی سردیوں آتی گرمیوں کا خوشگوار دن تھا۔ ریلنگ سے ٹیک لگا کر سامنے تاحد نگاہ سمندر کے نیلگوں پانی میں اٹھتی مچلتی لہروں کی چنچل شوخیاں دیکھنے لگی۔ سونا لٹاتی سنہری دھوپ کی کرنوں سے ریت کے ذرات ڈائمنڈ کی طرح چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ سبک رفتار سے چلتی نم ہوا نے اس کے بال بکھیر دیئے تھے۔ اس کا دل حسب معمول اداسیوں کے جنگل میں بھٹک رہا تھا۔ ڈیپ میرون شلوار سوٹ میں بکھرے بالوں اور اداس آنکھوں سمیت وہ کسی خوبصورت دلکش طلسماتی خواب کی طرح لگ رہی تھی۔ لہروں پر جمی اس کی گرین آنکھوں میں اضطراب تھا۔ اس نے ماما کو تو سمجھا دیا تھا مگر وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی غیر موجودگی کو حنا کے علاوہ اس کی ممی اور سومیہ ضرور محسوس کریں گی مگر وہ اپنے احساسات سے مجبور تھی۔

حنا کی مایوں میں اس نے شرکت بہت خوشی سے کی تھی اور مہندی والے دن بھی اس نے شرکت کی تھی یہ بات دوسری تھی کہ سومیہ' حنا اور اس کی ممی کے بے حد اصرار کے باوجود مہندی لے کر ان کے ساتھ نادر کے ہاں جانے پر راضی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بہت خوب صورتی سے حنا کے تنہا رہ جانے کا جواز پیش کر دیا تھا حالانکہ حنا نے بھی اسے جانے پر زور دیا تھا مگر وہ یہ کہہ کر خاموش بیٹھ گئی کہ وہ اسے تنہا چھوڑ کر نہیں جائے گی اور مہندی لے جانے والی لڑکیوں کو گانے بجانے میں ماہر ہونا چاہئے اس فن سے وہ قطعی نابلد ہے اور خالی خولی تالیاں پیٹنا اسے قطعی گوارا نہیں۔ اس کی دلیل مان لی گئی تھی اور سومیہ اس کے نہ جانے کے جرمانے کے طور پر اپنا بیٹا اسے پکڑا گئی تھی اور اس نے بخوشی اسے سنبھال لیا تھا۔ کسی کو معمولی سا شک بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ اس آسیب کی وجہ سے وہاں نہیں جا رہی ہے۔ اسے یقین تھا اُسامہ وہاں ضرور موجود ہو گا کیونکہ اس شادی کا سارا انتظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ حنا اور سومیہ نے اسے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ نادر کی بھابی اور بھائی کو اس رشتے پر راضی کرنے میں اسی کا ہاتھ ہے اور حنا کے والدین جو غیر برادری میں لڑکی دینے کو راضی نہ تھے' انہیں بھی اسی نے راضی کیا تھا۔ وہ پہلے تو نہیں مگر اب مکمل طور پر اس کی حد درجہ چالاک ذہنیت سے واقف ہو گئی تھی۔ وہ گھاگ اور شاطر قسم کا انسان تھا۔ پہلے وہ انسان کی غیر ارادی طور پر ہونے والی حرکات و سکنات سے اس کی نفسیات جان لیتا تھا اور جب اس کے مطابق اتنی ذہانت و چالاکی سے بات کرتا تھا کہ سامنے والا خواہ مخواہ ہی خود کو بے وقوف تصور کر کے اس کی ہاں میں ہاں ملاتا چلا جاتا تھا اور وہ بہت سہولت سے اپنی منشا کے مطابق فیصلے کروا لیا کرتا تھا اور یہاں بھی اس نے اسی لیول پر ایک ناممکن بات کو ممکن کر کے فیصلہ کروا دیا تھا اور حنا تو اس کی اتنی عقیدت مند ہو گئی تھی کہ اس کی زبان پر اس کے لئے دعائیں ہی رہتی تھیں۔ سو مہندی میں وہ اس کی وجہ سے نہیں گئی تھی کہ اس کا سامنا کرنے کی وہ ذرا بھی روادار نہ تھی اور آج تو اس کی آمد ضروری تھی۔ وہ نادر کا بہترین دوست تھا اور رشتہ کروانے کے بعد تو وہ حنا کی طرح نادر کے بھی حواسوں پر حکمرانی کرنے لگا ہو گا۔ بارات کے ساتھ اس کی آمد ناممکن نہ تھی۔ اس نے یہی فیصلہ کیا تھا' وہ شادی اور ولیمہ دونوں میں شرکت نہیں کرے گی' بعد میں حنا اسے جو کہے گی وہ سن لے گی۔ اس کی تمام گالیاں اور ناراضگیاں برداشت کر لے گی مگر اُسامہ کی بولتی نگاہیں اس سے برداشت نہ ہو سکیں گی۔ وہ انسان نہیں اس کے لئے کوئی آسیب بن گیا تھا۔ اس خبیث انسان کی وجہ سے میں پرخلوص دوست کی خوشی میں بھی شریک نہیں ہو سکتی۔ بہت منحوس انسان ہو تم اُسامہ ملک جہاں بھی تمہارے قدم پڑتے ہیں' وہاں مجھے چاہنے والے بھی مجھے فراموش کر کے تمہارے گن گانے لگتے ہیں۔ پہلے طوبیٰ کو تم نے مجھ سے چھینا' اب حنا اور سومی بھی تمہارے گن گاتے نہیں تھکتیں اور تمہاری وجہ سے میں سب کو چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی ہوں۔ اس نے ریلنگ سے ٹیک لگا کر کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے حقیقت میں دکھ ہو رہا تھا' حنا کی شادی میں شرکت نہ کرنے کا۔ حنا اس کی فطرت کو اچھی طرح سمجھتی تھی وہ فنکشنز وغیرہ اٹینڈ نہیں کرتی اس لئے وہ خود اسے پہلے سے دعوت دینے کے باوجود مایوں والے دن اپنی ممی کے ساتھ آ کر اسے لے کر گئی تھی اور ہر کام میں اسے بہنوں کی طرح آگے آگے رکھا تھا۔

''بی بی صاحب۔'' نوری کی پاٹ دار آواز پر اسے آنکھیں کھولنی پڑیں۔ ''آپ اپنی دوست کی شادی میں نہیں جائیں گی۔''

''کیوں تمہیں کیوں اتنی فکر ہے؟'' وہ نرمی سے بولی۔

''وہ بی بی صاحب' آپ کی دوست اتنی محبت سے آپ کو اس دن لینے آئی تھیں حالانکہ کوئی لڑکی اپنی مایوں والے دن گھر سے نہیں نکلتی۔ مگر جی آپ کی محبت میں وہ آپ کو لینے آئی تھیں۔''

''تمہیں میری اتنی فکر کیوں رہتی ہے۔ تمہارے انداز مجھے اتنے مشکوک سے کیوں لگتے ہیں۔''

''نوکر کا فرض ہوتا ہے جی کہ وہ اپنے مالکوں کا خیال رکھے' کوئی تکلیف کوئی پریشانی نہ ہونے دے۔ میری بھی یہی کوشش ہوتی ہے جی کہ آپ کی دیکھ بھال کروں مگر آپ غلط سمجھ رہی ہو جی' میں آپ کی جاسوسی تھوڑی کرتی ہوں۔'' وہ مسکین لہجے میں بولی۔

''سوری نوری۔ میرا مطلب تمہیں آزردہ کرنا نہیں تھا مگر نہ معلوم کیوں میری چھٹی حس کہتی ہے' کچھ گڑبڑ ہے۔'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہمدرد لہجے میں بولی۔

''کوئی بات نہیں بی بی صاحبہ اگر آپ میری موجودگی سے پریشان رہتی ہیں تو میں یہ نوکری چھوڑ دوں گی۔''

''ارے نہیں' نہیں۔ میں کسی سے اس کی روزی چھیننے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ بس میری یہ بری عادت ہے۔ جو بات میں سوچتی یا محسوس کرتی ہوں' اسے کہنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکتی۔ تمہیں ہرٹ کرنا تو کم از کم میرا مقصد نہیں تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''پھر آپ جائیں گی نا کپڑے پریس کردوں آپ کے۔'' وہ بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''نہیں آج موڈ نہیں ہو رہا بلکہ کل بھی نہیں جاؤں گی۔ اب تم ایک کپ چائے کا لے آؤ۔'' وہ بال سمیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی اور بیڈ پر بیٹھنے سے پہلے فون کا پلگ نکال دیا۔

''دوسرے دن وہ لنچ سے فارغ ہوئی تھی کہ سومیہ کسی خوفناک طوفان کی طرح چیختی' دھاڑتی اندر داخل ہوئی اور آنکھیں نکالے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے گلا دبانے کے انداز میں بڑھی۔ اس کا انداز اس قدر جارحانہ تھا کہ لائبہ بھاگ کر ہنستی ہوئی ڈائننگ روم کے ساتھ والے لونگ روم میں گھس کر دروازہ لاک کر کے کھڑی ہو گئی۔

''جلدی دروازہ کھولو جب تک میں تمہارا قتل نہیں کروں گی' سکون سے نہیں بیٹھوں گی۔'' وہ دروازہ پیٹتے ہوئے پرجوش لہجے میں بولی۔

'' کچھ تو صادق بھائی اور اپنے مولو کا خیال کرو۔ میرے قتل کے بعد تمہیں پھانسی ہو جائے گی۔ کیا ہو گا ان کا۔'' لائبہ کی مسکراتی ہوئی آواز آئی۔

''کیا ہو گا۔ صادق دوسری شادی کرلیں گے۔ مردوں کو تو ویسے بھی بہانہ چاہئے' دوسری بیوی لانے کا اور میرا بیٹا بھی سوتیلی ماں کے زیر سایہ پل ہی جائے گا مگر میں تمہیں آج نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ زوردار آواز میں دروازہ پیٹتے ہوئے چیخی۔

''میں خود ہی خود کو قتل کر لیتی ہوں۔'' لائبہ دروازہ کھولتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ ''میں نہیں چاہتی' میری وجہ سے تمہارا مولو سوتیلی ماں کے زیر سایہ جائے۔''

''تم بہت کمینی' بدتمیز' بے مروت اور بے وفا لڑکی ہو۔'' وہ پوری شدت سے اس سے لپٹتے ہوئے بولی۔ ''کل انتظار کرتے کرتے برا حال ہو گیا۔ حنا کس قدر روئی ہے تمہاری اس حرکت پر۔ پارلر سے کیا گیا میک اپ اس نے تمہیں خراب کرلیا تھا صرف تمہاری وجہ سے۔ تم اس قدر بے حس اور کٹھور ہو' اس کا اندازہ نہیں تھا ہمیں۔'' سومیہ اسے بدستور بازوؤں میں بھینچے فل اسپیڈ سے بولنے میں مصروف تھی۔

''یا وحشت۔'' وہ اس کے ہاتھوں سے آزاد ہونے کے بعد گہرا سانس لے کر بولی۔ ''آج کل تو دلہنوں کا واٹر پروف میک اپ ہو رہا ہے۔ اس کا میک اپ کیسے خراب ہو گیا۔''

''بکواس مت کرو۔ قسم سے حنا بہت روئی تھی اس بے رخی اور لاپروائی پر......''

''میں اس سے سوری کرلوں گی۔ تم غصہ تھوک دو چلو کھانا کھاؤ۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''میں کھانا کھا کر آئی ہوں۔ اسٹرونگ سی چائے پلواؤ فٹافٹ اور میرے ساتھ حنا کے ولیمے میں چلنے کی تیاری کرو اور سنو' کوئی بکواس کرنے کی ضرورت نہیں اگر تم نے کوئی بہانہ تراشا تو یقین رکھنا تم جیسی خبیث روح سے نمٹنا میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''چلو میں اسی لئے اپنے کپڑے' جیولری وغیرہ سب اپنے ساتھ لے آئی ہوں تاکہ تمہیں ساتھ لے کر جاؤں۔ کل اتنا فون کیا ہے مگر یہاں لائن ہی ڈیڈ ملی۔ چلو چلو' کوئی بہانہ مت سوچو۔ فٹافٹ میرے ساتھ چلنے کی تیاری کرو آٹھ بجے صادق ہمیں یہاں سے پک کرلیں گے۔'' وہ قطعی لہجے میں اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔

* * *

میرج گارڈن روشنیوں میں جگمگا رہا تھا' مکس گیدرنگ تھی' بہت رنگین مہکتا ہوا ماحول تھا۔

لائبہ' سومیہ کے ہمراہ کار سے نکلی تو نو بج رہے تھے۔ مہمانوں سے ہال بھرا پڑا تھا۔ گول میزوں کے گرد جھلملاتے ملبوسات' چمکتے چہروں سے ہر سو بہار ہی بہار چھائی ہوئی تھی۔ دھیمے لہجے' بلند قہقہے' وہاں گونج رہے تھے۔

پورٹیکو سے ہال کی طرف بڑھتے ہوئے لائبہ نے بہت نروس ہو کر سومیہ کا بازو کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح پکڑ لیا۔

''کیا مصیبت ہے یار یہ کیا بچے کی طرح ہاتھ پکڑ کر چل رہی ہو' جیسے تمہیں یہاں کوئی زدوکوب کرے گا۔ اعتماد پیدا کرو اپنے اندر۔'' سومیہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولی۔

''تم جو مجھے کارٹون بنا کر لائی ہو' اس وجہ سے میں اندر قدم رکھنے کی ہمت محسوس نہیں کر رہی۔''

''احمق ہو۔'' وہ غرائی۔

''اتنے حسین چہرے کو کارٹون کہہ رہی ہو۔ آج کل تو معمولی شکل وصورت والی لڑکیاں ہر وقت خود کو سنوارنے' نکھارنے کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتیں' ایک تم ہو جو اتنے حسین مکھڑے سے اس طرح غافل و بے پروا ہو کہ کوئی پرانے بوسیدہ سامان سے بھی اس طرح بے اعتنائی نہ برتتا ہو گا۔ چلو اندر دیکھنا لوگ کس طرح پذیرائی کریں گے تمہاری۔'' اس نے ٹھیک ٹھاک لیکچر دے دیا تھا۔

''مجھے نہیں اچھا لگتا' یہ سب بے ہودہ پن۔''

''شٹ اپ' یہ جملہ تمہارا میں آج کئی بار سن چکی ہوں۔'' سومیہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر بڑھ گئی۔

''السلام علیکم آپ کچھ لیٹ ہو گئیں۔'' سجے' سجائے سے ہال اندر آتے ہی جھلملاتی ساڑی میں ملبوس خوبصورت سی خاتون' سومیہ کی طرف آ کر ہاتھ ملاتے ہوئے بولیں۔

''خاتون ہونے کی حیثیت سے آپ ہمارے لیٹ ہونے کی وجہ بخوبی سمجھ گئی ہوں گی۔'' سومیہ شرارتی لہجے میں بولی۔

''ہاں' کیوں نہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے اس کے میک اپ سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر بولیں۔ ''آپ کی تعریف۔'' وہ اب لائبہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

''تعریف اس خدا کی جس نے انہیں بنایا۔'' راحت ان کے قریب آ کر شوخی سے بولا۔

''کیوں نہیں۔ ایسے تراشے ہوئے پیکر دیکھ کر ہی تو اس کی دید کا شوق فزوں تر ہوتا ہے کہ اتنے شاندار شاہکار تخلیق کرنے والا خود کتنا خوبصورت ہو گا۔'' ان کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

''یہ لائبہ نور ہیں' حنا کی یعنی ہم سب کی بیسٹ اینڈ سوئٹ فرینڈ۔ کل اس کے نہ آنے پر ہی حنا نے اپنا میک اپ خراب کیا تھا۔'' سومی اس کا مکمل تعارف کرواتے ہوئے بولی۔

''یقیناً کل ان کی کوئی مجبوری رہی ہو گی ورنہ انہیں دیکھ کر نہیں لگتا کہ یہ کسی کو دکھ دے سکتی ہیں۔ جائیے پہلے آپ حنا سے مل لیجئے۔'' وہ اسٹیج کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔

''نادر تو اپنی بھابی کے بہت خلاف بولتا تھا مگر یہ تو بہت سلجھے ہوئے مزاج کی مالک ہیں۔'' سومیہ ساتھ چلتے راحت سے مخاطب ہوئی۔

''ہمارا اور ان کا ساتھ تو کچھ گھنٹوں کا ہے' اتنی دیر میں انسان کی اصلیت ظاہر نہیں ہوتی۔ نادر اور ان کا ساتھ تو مستقل ہی ہے۔ وہی بہتر جان سکتا ہے ان کے بارے میں۔'' راحت سنجیدگی سے بولا۔

''تم کب دعوت کھلا رہے ہو اپنی شادی اور ولیمہ کی۔'' سومی اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔

''مجھ سے پہلے تو اُسامہ کا نمبر آتا ہے۔ پہلے اس سے فرمائش کرو۔'' وہ لائبہ کی طرف دیکھتے ہوئے گلا خوامخواہ کھنکار کر بولا۔

''کیوں ان سے پہلے تمہارا نمبر کیوں نہیں آ سکتا۔'' سومی پلٹ کر اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ لائبہ جو خود کو بہت ساری نگاہوں کی زد میں محسوس کر رہی تھی' تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ راحت کی شوخیوں سے واقف تھی۔ اس کی زبان سے کوئی بعید نہیں تھا کہ کیا کہہ دے۔ اور وہ اپنا حوالہ اُسامہ کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ سامنے خوبصورت اسٹیج پر حنا فیروزی بھاری بھرکم چمکتے دمکتے غرارہ سوٹ میں ڈائمنڈ اور گولڈ کی جیولری اور براؤن میک اپ میں کسی دوسری دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ اس کا چہرہ خواہشوں کے حصول کی فتح سے گل رنگ ہو رہا تھا۔ مسرتیں اور شادمانیاں اس کے انگ انگ سے عیاں تھیں۔ اس کے برابر میں بیٹھا نادر بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر دل کے جذبات سرخی بن کر چھائے ہوئے تھے' لبوں پر مسکراہٹ بہت آسودہ اور شوخ تھی۔ دونوں ساتھ بیٹھے ہوئے بہت شاندار لگ رہے تھے۔

''السلام علیکم۔'' لائبہ ان دونوں کے قریب پہنچ کر بولی۔

''وعلیکم السلام۔'' نادر اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ''آئیے بیٹھیے۔''

''نادر! اس سے کہو میرے قریب نہ بیٹھے۔'' دلہن بنی حنا اسے گھورتے ہوئے غصے سے بولی۔

''دیکھا' صرف ایک دن میں یہ حال ہے۔ یہ اپنے قریب نادر کے سوا کسی کو بٹھانا ہی پسند نہیں کر رہی تو آئندہ تو یہ ہمیں پہچاننے سے بھی انکار کر دے گی۔'' راحت قریب آتے ہوئے اس کا جملہ اچک کر بولا۔

''مائنڈ یور لینگویج راحت۔ یہ اب تمہاری بھابی جان ہیں۔'' ''اس لئے اب ادب سے حنا کو پکارا کرو۔'' نادر مصنوعی غصے سے بولا۔

''بھابی کا لفظ میں نے کسی اور کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ ہاں اگر تم مائنڈ نہ کرو تو 'جان' کہہ کر مخاطب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔'' راحت کی شرارت پر زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ جبکہ نادر نے ایک مکا اس کے رسید کیا تھا شانے پر۔

''چلو حنا معاف کردو۔ میں اپنے اور تمہارے حصے کی خوب گالیاں اسے گھر پر دے چکی ہوں۔'' اس کے برابر سے مہمان خواتین کے اٹھ جانے کے بعد صوفے پر بیٹھتے ہوئے سومیہ اسے بتاتے ہوئے بولی۔

''کونگریچولیشن ڈیئر۔'' لائبہ اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس کی طرف جھک کر بولی۔ اس کا لہجہ خود بخود ہی فریش ہو گیا تھا کیونکہ اس کی محتاط کھوجتی نگاہوں نے یہاں اُسامہ ملک کو نہیں پایا تھا۔ وہ خود کو بہت آزاد اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

''ریئلی مجھے کل بہت زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ میرا اچانک بحرین چلی گئی اور تم یہاں ہوتے ہوئے بھی نہیں آئیں۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے مہندی' چوڑیوں اور زیورات سے سجے ہاتھوں میں بھینچ کر محبت سے بولی۔

''سوری' ریئلی ویری سوری۔'' لائبہ اس کے محبت بھرے انداز سے پسیج کر بولی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔ تمہارے ہونٹوں پر لپ اسٹک اور جیولری یہ یقیناً سومیہ کے ہاتھوں کا کمال ہے۔'' حنا اسے دیکھتے ہوئے توصیفی لہجے میں کہنے لگی۔

''سومی تو بالکل بدل گئی ہے۔ یقین مانو چار بجے سے جو یہ ڈریسنگ روم میں گھسی ہے تو پونے نو پر فارغ ہوئی ہے۔ صادق بھائی کو بھی اس نے فون کر کے منع کر دیا کہ یہ تیار نہیں ہو سکی ہے چنانچہ ہمیں ابھی شوفر چھوڑ کر گیا ہے۔'' اس نے سومی کو گھور کر دیکھا۔

''گھورتی رہو مجھے کوئی پروا نہیں۔ اب بھی تو لگ رہی ہو نا کہ کسی تقریب میں آئی ہو۔ ورنہ سر جھاڑ منہ پھاڑ چل دیتی ہو ہر جگہ۔'' سومیہ اپنی ڈارک براؤن اینڈ گولڈن ساڑی کا پلو سنبھالتے ہوئے بے پروائی سے بولی۔ راحت اور نادر اسٹیج سے نیچے چلے گئے تھے۔ مووی اور کیمروں کی تیز روشنیوں سے لائبہ کو وحشت سی ہونے لگی۔

حنا کی سسرالی اور میکے کی خواتین مستقل اس کے پاس آ رہی تھیں۔ وہ اس وقت گرین لہنگے سوٹ میں میچنگ جیولری اور لائٹ میک اپ میں اتنی پرکشش اور سحر زدہ کر دینے والی روح لگ رہی تھی کہ لوگوں کی نگاہیں مقناطیسی انداز میں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ حسد' ستائش اور تعریف کے جذبے ساتھ کئی دلوں میں بیدار ہو گئے تھے۔ وہ لوگوں کی نگاہیں محسوس کر رہی تھی۔ اس لئے کچھ نروس ہو رہی تھی۔

''تمہارا موٹو کہاں ہے۔ صادق بھائی بھی نظر نہیں آ رہے۔'' وہ بے فکر سومی سے مخاطب ہوئی۔

''امی کے پاس چھوڑ کر آئی ہوں۔ تنگ کرتا یہاں۔ صادق مجھے بھی نظر نہیں آ رہے' آؤ ذرا دیکھیں۔ کہاں گم ہیں۔'' سومیہ ایک دم ہی اٹھی اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا اور حنا کو بتاتے ہوئے اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔

''کہاں چلیں؟'' نادر جو اسٹیج کی طرف جا رہا تھا' انہیں اترتا دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''صادق کو دیکھوں نا۔ بے فکری سے نہ جانے کس کے ساتھ ہیں کہ میری فکر ہی نہیں ہے۔'' سومیہ ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولی۔

''بہت عرصے بعد تو انہیں تم سے رہائی ملی ہے۔ رہنے دو آزاد۔'' نادر ہنسا۔

''اڑلو ہواؤں میں۔ کچھ عرصے بعد تم بھی یونہی آزادی ڈھونڈتے پھرنا۔'' سومیہ کے جواب پر وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ لائبہ بھی اس کے ساتھ چلتی ہوئی مسکرا دی۔

''جب من چاہا ساتھی مل جائے تو مسرت سے انسان پھول کی طرح کھل اٹھتا ہے۔ چاند کی طرح روشن نظر آنے لگتا ہے۔ ماشا اللہ دونوں کی دلی آرزو پوری ہوئی ہے۔ خدا انہیں ساری زندگی یونہی خوش و خرم رکھے۔''

''آمین۔'' لائبہ نے اس کے ساتھ صدق دل سے آمین کہا۔ سرخ قالین پر چلتے ہوئے وہ صادق کو ڈھونڈ رہی تھیں جو آخر کار فوارے کے قریب بچھی کرسیوں پر اپنے دوستوں کے ساتھ براجمان نظر آئے۔

''شکر ہے آپ کا نزول تو ہوا یہاں ورنہ میں سمجھ رہا تھا' فنکشن ختم ہونے کے بعد آپ قدم رنجہ فرمائیں گی۔'' صادق اٹھ کر ان کے قریب آتے ہوئے بولے۔

''آپ کو پروا کب ہے میری جو آپ کو معلوم ہو میں کب آئی ہوں۔'' سومیہ منہ پھلا کر بولی۔

''موڈ درست کروانا۔ سارا میک اپ خراب ہو رہا ہے۔ ٹھیک ہیں آپ۔'' صادق' لائبہ کے سلام کے جواب میں بولے۔

''جی! آپ کب آئے صادق بھائی۔ سومیہ پریشان ہو رہی تھی۔''

''کچھ دیر قبل ہی آیا ہوں۔ سومیہ پریشان ہونے والی نہیں' کر دینے والی شے ہیں۔'' صادق ہنستے ہوئے بولے۔ تو وہ سومی کی بگڑی ہوئی شکل دیکھ کر دھیرے سے ہنس پڑی۔

''یہاں کالج کے وقت کے کچھ دوست مل گئے ہیں۔ وہ تم سے ملنے کے خواہشمند ہیں' آؤ تمہیں ان سے ملواؤں۔'' وہ سومیہ سے مخاطب ہوئے۔ ''آپ بھی آئیں لائبہ۔'' وہ از راہ اخلاق اس سے بھی مخاطب ہوئے کہ وہ سومی کے ساتھ تھی۔ سومیہ نے بھی اصرار کیا مگر ان دونوں کے درمیان اپنی موجودگی اسے عجیب لگ رہی تھی اس لئے اس نے معذرت کر لی۔ ''تم جاؤ صادق بھائی کے ساتھ' میں حنا کے پاس جا رہی ہوں۔'' وہ وہاں سے ہٹ گئی اور اسٹیج کی طرف بڑھنے لگی۔ اس نے ریسٹ واچ میں ٹائم دیکھا۔ دس بج چکے تھے۔

چاندنی رات تھی۔ خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ وہاں خوبصورت شیپ اسٹائل میں لگے پودوں میں گلاب' موتیا اور دیگر پھولوں کی مہکار سے ماحول معطر تھا۔

وہ شرارہ سنبھالتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک ہی جانی پہچانی مہک اس کے اطراف پھیل گئی۔ اس کا دل بے اختیار زور سے دھڑکا اور پھر دھک' دھک' دھک دھڑکتا ہی گیا۔ جس کا خیال ہی اس کے لئے سوہان روح تھا' اس کا سامنا وہ کسی طور بھی کرنے کو تیار نہ تھی۔ اس نے بری طرح دھڑکتے دل کو قابو کرتے ہوئے اچٹتی سی چور نگاہ اپنے دائیں بائیں ڈالی مگر وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا۔ اس کے دل کو کچھ ڈھارس ملی۔ ایک مرتبہ پھر مہمانوں سے بھری کرسیوں اور ٹولیوں کی صورت میں کھڑے لڑکے لڑکیوں پر نگاہ ڈالی۔ وہ کہیں نہیں تھا۔ میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ ضروری تھوڑی ہے' یہ مہک اسی کی ہو۔ یہ پرفیوم کوئی اور بھی اسپرے کر کے آیا ہوگا۔ مطمئن انداز میں اس نے خود کو سرزنش کی۔ او تھینکس گاڈ! وہ آسمان کی طرف دیکھ کر بڑبڑائی اور رخ بدل کر آگے بڑھنے کی وجہ سے جس شخص سے ٹکرائی تو اس کی آنکھیں چند لمحے کو پتھرا کر رہ گئیں۔ پرفیوم کی مہک اس کے وجود میں سرایت کر گئی۔

''غالباً آپ میری یہاں غیر موجودگی پر خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔'' وہ بہت آہستگی سے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ لہرا کر دلنشین لہجے میں بولا۔

''جی ......'' شدید گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں زمین آسمان اسے گردش کرتے نظر آئے۔

''آپ خوفزدہ ہیں مجھ سے مگر آپ کا دعویٰ تھا' آپ میری وجہ سے خوفزدگی کے جال میں نہیں پھنسیں گی۔'' اس کی کشادہ ڈارک براؤن روشن آنکھیں بلا تکلف ہی اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ نہ معلوم کیسی تپش تھی لہجے میں۔ شفاف اور چمکدار آنکھوں میں جذبوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کی زور آور مشعلیں اسے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر گئیں۔

ملتے ہی نظر ہم سے چرا لیتے ہو آنکھیں
کیا خوب سمجھتے ہو نگاہوں کی زباں تم

اس کی شوخ سرگوشی لمحے بھر کو اسے اچانک ہی نروس کر گئی مگر اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔

''آپ حد درجہ خوش فہمی کا شکار ہیں۔'' وہ مضبوط لہجے میں خود اعتمادی سے بولی۔

''جب مقابل خوش قسمتی کھڑی ہو تو بندہ خوش فہمی کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔''

''آپ کے ذاتی جوہر تو اب کھل رہے ہیں۔'' وہ طنزیہ لہجے میں مسکرائی۔

''ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے' سوائے نفرتوں کے اظہار کے۔'' اس کا لہجہ زخمی سا تھا۔

''آپ کے توسط سے میں کچھ دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''آپ کی یہی ضد بھری باتیں اور خودسری اور آپ کا یہ بچکانہ رویہ مجھے عقل و شعور سے بیگانہ کرنے لگتا ہے۔ اس لئے پلیز' مجھے کسی ایسے راستے پر چلنے کے لئے ہرگز مجبور نہ کرو کہ بعد میں' میں تا حیات پچھتاووں اور ندامتوں کے سمندر میں غرق رہ کر گزاروں۔'' اس کا لہجہ خشک و سرد ہو گیا تھا۔

''آپ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ دنیا میں مجھ سے بہت زیادہ خوبصورت اور پرکشش لڑکیاں موجود ہیں اور یقیناً کوئی بھی آپ کو ریجیکٹ نہیں کرے گی۔'' اس نے تحمل سے اس سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''خوبصورت ......'' اُسامہ نے اس کے چہرے پر استہزائیہ نگاہ ڈالی جو مہارت و نفاست سے کئے گئے میک اپ اور جیولری کی چمک دمک سے نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ گرین لہنگے سوٹ میں اس کا سراپا گلاب کی مانند مہک رہا تھا۔

''تمہیں یہ خوش فہمی ہے کہ میں تمہاری خوبصورتی پر مرتا ہوں۔ یہ تمہاری خوش گمانی ہے حسن کی دولت سے اللہ تعالیٰ نے میری فیملی کو بڑی فیاضی سے نوازا ہے۔ میں نے بچپن سے آج تک اپنے اردگرد حسین ترین چہرے ہی دیکھے ہیں۔ اس لئے میری نظروں میں عام مردوں کی طرح حسن ہی عشق کی طلب نہیں ہے۔'' وہ بہت کاٹ دار انداز میں گویا اس کے حسن کی تضحیک کرتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے پر دل جلا دینے والی مسکراہٹ لائبہ نور کا چہرہ سرخ کر گئی تھی۔ اس کا تنفس غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں تیز ہو گیا۔

''اگر بدصورت دوشیزہ کو بھرپور چاہنے اور نثار ہو جانے والا شوہر مل جائے تو وہ عورت مرد کی چاہت پا کر پھولوں کی طرح حسین ہو جاتی ہے' ستاروں کی طرح دمکنے' چمکنے لگتی ہے۔ عورت کی خوبصورتی کا راز صرف اور صرف مرد کی چاہت اور الفت میں ہی پوشیدہ ہے۔ تم بھی اگر اپنی خوبصورتی کو مزید نکھارنا چاہتی ہو تو ......''

''شٹ اپ۔'' وہ بے اختیار اس کی طرف سے رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔'' بے پناہ غصہ اور حجاب ایک ساتھ ہی وارد ہوئے تھے۔ اس کی بے باک نگاہوں کی گرمی اسے تلملا دیا کرتی تھی۔

''تمہاری دنیا تو کہیں سمٹ گئی ہے مگر مائی ایلڈر برادر' میری آنکھوں سے دیکھو۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں اور تمہارے منتظر بھی ہیں۔'' راحت حسب عادت وہاں آ کر مسکرا کر ذومعنی لہجے میں بولا۔ اس کی شوخی بھری نگاہیں دلچسپی سے لائبہ کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں جس کے چہرے پر ناگواری اور جھنجلاہٹ میک اپ کے باوجود نمایاں تھی۔

''تم ہمیشہ غلط موقع پر انٹیک کرتے ہو۔'' اُسامہ ملک کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔

''سوری' میں چلا جاتا ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا' اسٹوری کلائمکس پر ہے۔'' راحت مسکراتے ہوئے واپس پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ لائبہ وہاں سے چلی گئی۔ اس کی جھنجلاہٹ اور غصہ اس کی چال سے عیاں تھا۔

''خبیث روح۔ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ روبرو بات ہونے لگی ہے اور ہم سے پردہ داری ہے۔ خوب حق دوستی نبھا رہے ہو۔'' لائبہ کے جاتے ہی راحت مصنوعی غصے سے اس کے شانے پر مکا مار کر بولا۔

''غلط فہمی ہے تمہاری' بات شروع ہی کب ہوئی ہے جو کہیں پہنچے۔'' اُسامہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''ابھی جو ان سے مخاطب تھے تو وہ میری نظروں کا دھوکہ تھا۔'' راحت گھور کر بولا۔

''میں ان سے معلوم کر رہا تھا کہ ان کو کیا یہاں بچوں کو ڈرانے کے لئے بلایا گیا ہے جو وہ اپنا مخصوص انداز چھوڑ کر میک اپ میں آئی ہیں۔'' اُسامہ ہنستے ہوئے کہتا ہوا اسٹیج کی طرف بڑھ گیا۔

''تم ان کی خوبصورتی سے جیلس ہو رہے ہو۔''

◆ ◆ ◆

''کیسے ہیں آپ مسٹر انور؟'' کنول بیڈ کے نزدیک رکھی چیئر پر بیٹھتے ہوئے انور سے مخاطب ہوئی۔

''ٹھیک ہوں' کب ڈسچارج ہو رہا ہوں۔'' وہ اپنی سوچوں سے نکل کر بولا۔

''ابھی آپ کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو آپ جانا چاہتے ہیں۔'' کنول کے چہرے پر شادابی و اطمینان تھا۔

''میں فوراً جانا چاہتا ہوں۔ میرے زخم اب تقریباً بھر چکے ہیں۔''

''آج کل آپ کیا کر رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے آپ نے اپنا بزنس تبدیل کیا؟'' کنول بولی کیونکہ وہ اس کے کاروبار سے واقف تھی اور موضوع بدلنا چاہتی تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے' مجھ جیسے لوگ اپنا بزنس تبدیل کر سکتے ہیں۔'' اس کا لہجہ نہ معلوم کس جذبے کے تحت غصیلا اور طنزیہ ہو گیا تھا۔

''یہ آپ کے ماحول اور احساس پر منحصر ہے اگر آپ کی سوچ روشن ہے تو ......''

''یہ سب فضول اور بے معنی باتیں بن جاتی ہیں ڈاکٹر صاحبہ۔'' وہ بیزاری سے اس کی بات قطع کر کے بولا۔

''ماحول اگر انسان کو بہترین مل جائے تو احساسات خود بخود اچھی سوچ میں بدل جاتے ہیں مگر کچھ بدنصیبوں کا احساس جب جاگتا ہے' جب وہ تاریک و پرخطر راستے پر چلتے ہوئے بہت آگے بڑھ جاتے ہیں' جہاں سے واپسی کا راستہ بند ہو جاتا ہے پھر وہ مجبوراً اور آگے بڑھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں پھر مردہ دلی اور لڑکھڑاتے قدموں سے اپنی موت کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔''

''آپ چھوڑ کیوں نہیں دیتے وہ سب کچھ جسے آپ پسند نہیں کرتے۔'' کنول اس کی طرف جھک کر بے قرار لہجے میں بولی۔

''کیوں آپ کو میری اتنی فکر کیوں ہے؟''

اس کا سوال بالکل غیر متوقع تھا۔ کنول لمحے بھر کو گھبرا سی گئی۔ اپنے خیالوں میں' اپنے خوابوں میں اس نے بارہا اظہار محبت کیا تھا۔ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ساتھ نبھانے کی قسمیں کھائی تھیں۔ ہمیشہ اس کے سنگ رہنے کے عہد کئے تھے۔ وہ خیال و خواب اس پر اتنے حاوی ہو گئے تھے کہ وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ وہ خواب

اور خیال ہے۔

''بولیے نا' میرے ساتھ تو اکثر ایسے حادثے ہوتے رہتے ہیں مگر آج تک کسی ڈاکٹر یا نرس نے اتنی اپنائیت و بے تابی سے میرا علاج نہیں کیا پھر آپ بھلا......''

''چھن...... چھن۔'' کنول کا دل چوڑیوں کی طرح ٹوٹ کر دور تک بکھر گیا۔ وہ دشمن جاں وقار جو برسوں پہلے اسے دیوانہ بنا گیا تھا' جس کی خاطر اس نے اپنی ہر خواہش اور ہر خوشی چھوڑ دی تھی' جس کی راتیں اس کے خوابوں سے رنگین ہو جاتی تھیں اور دن اس کے خیالوں میں گزرتے تھے' وہ پوچھ رہا تھا آپ کو میری اتنی فکر کیوں ہے۔'' وہ جو بہت خود اعتماد اور بولڈ لڑکی تھی۔ اس کے شگفتہ و شاداب چہرے پر یکدم ہی خزاں سی چھا گئی۔

''شا...... شاید آپ مجھے پہچانے نہیں ہیں۔'' وہ ایک نئی امید کے ساتھ گویا ہوئی۔

''دراصل ڈاکٹر صاحبہ' میری منکوحہ ہے گلاب' وہ اتنی حسین اور خوبصورت ہے کہ مجھے اس کے بعد کوئی بھاتا ہی نہیں۔ آپ سے ملاقات تو مجھے یاد ہے مگر آپ کا چہرہ ڈھنگ سے یاد نہیں ہے۔ گلاب کا چہرہ گھر سے باہر بھی میری نگاہوں میں تصویر کی طرح فٹ رہتا ہے۔'' انور بول رہا تھا۔ اس کے ہونٹ اپنی منکوحہ کے حسن کی قصیدہ گوئی میں مصروف تھے۔ اس کے سانولے پرکشش چہرے پر روشنی سی بکھری ہوئی تھی اور کنول کو محسوس ہو رہا تھا کہ برف کے طوفان میں وہ گم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اندر ہی اندر برف جیسے سرد احساس نے اس کے جسم کو اس قدر بے حس اور مفلوج کر دیا تھا کہ وہ بہت کچھ بولنا چاہ رہی تھی مگر زبان اکڑ گئی تھی۔ کچھ سوچنا چاہ رہی تھی مگر دماغ میں کچھ آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ یہ احساس اتنا شدید تھا کہ آنکھوں میں اچانک دل سے نکلنے والا لہو' سفید موتیوں کی طرح جم گیا تھا۔ جو نہ چھلک رہا تھا اور نہ ضبط ہو رہا تھا۔ وہ عجیب سکتے کی کیفیت میں بیٹھی تھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ! خیریت تو ہے نا۔ کیا ہو گیا آپ کو۔'' انور گھبرا کر بولا۔ اس کے لہجے کی بے چینی اور گھبراہٹ نے گویا اسے زندگی کی حرارت بخشی۔

''آ...... آ...... آپ نے پہلے مجھے بتایا ہی نہیں کہ آپ میرڈ ہیں۔'' وہ بمشکل بولی مگر چاہنے کے باوجود لہجہ شگفتہ نہ بنا سکی۔

''آپ سے دو تین ملاقاتیں ہوئی ہیں مگر بالکل اچانک اور بھاگ دوڑ میں۔ ایسے میں کس طرح میں آپ کو بتا سکتا تھا اور اگر کبھی موقع ملتا بھی تو بھی میں کیسے بتا سکتا تھا۔ خود ہی بتایئے ڈاکٹر صاحبہ' ایک ڈاکو اور ڈاکٹر کس طرح دوستی کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کا مقدس اور پاکیزہ پیشہ' جسے فرشتہ بھی کہا جاتا ہے اور ڈاکو۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں درد اور تکلیف کے کانٹے پوشیدہ تھے۔ انور کی طرف سے کبیدہ دل برداشتہ کنول لمحے بھر کو لہولہان ہو گئی۔

''ایک ناپسندیدہ ہستی' ماں باپ کے ماتھے کا داغ' معاشرے کا ناسور برائیوں اور گناہوں کی گٹھری' کہاں چلتی ہماری اور آپ کی دوستی۔'' وہ اسے جو کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا' وہ بہت پہلے اس بات کو سمجھ چکی تھی اور تہیہ کر چکی تھی کہ اسے اپنے پیار کی کشش میں جکڑ کر' ہر بری عادت چھڑوا کر اسے نیک انسان اور محب وطن شخص بنائے گی مگر اسے بہت دیر ہو گئی تھی۔ اس کے خوبصورت خوابوں کی صبح بہت تاریک تھی۔ خیالوں میں اس کے ساتھ رہنے والا انور درحقیقت کسی اور خوبرو گلاب کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اس کے نصیب میں اس گلاب کے ساتھ پیوستہ کانٹے ملے تھے۔

''مبارک ہو انور صاحب! مگر آپ میری کچھ باتیں یاد رکھیے۔ ہر انسان چاہے وہ مذکر ہو یا مونث' ماں کے پیٹ سے ڈاکو یا ڈاکٹر بن کر جنم نہیں لیتا۔ یہ احساسات' خیالات یا حالات ہوتے ہیں جو انسان کو ڈاکو' پولیس یا چور' فرشتہ یا شیطان بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ میں ڈاکٹر ہوں تو اس میں میرے حالات کا اتنا تعاون رہا کہ مجھے کوئی تکلیف پڑھائی کے دوران اٹھانی نہیں پڑی تو آپ یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ میں اپنے آسودہ حالات کی وجہ سے ڈاکٹر بنی ہوں۔ میں اگر غریب خاندان میں بھی پیدا ہوتی تو ضرور ڈاکٹر بنتی۔ بس فرق یہ ہوتا کہ مجھے زیادہ پریشانیوں اور مشکلوں کے بعد یہ سب حاصل ہوتا مگر ہوتا ضرور کیونکہ میری سوچ اچھی تھی۔ میں اپنے دل میں لوگوں کی خدمت اور ان کی تکلیفیں سمیٹ لینے کا جذبہ رکھتی تھی۔ میرے احساسات و خیالات نے مجھے ڈاکٹر بنایا ہے۔ آپ کے دل میں ایسے جذبات اور احساسات نہیں ہوں گے' جبھی آپ نے بہت غلط اور تاریک راہ اپنائی اگر آپ کے دل میں ڈاکٹر' انجینئر یا انسپکٹر بننے کی خواہش ہوتی تو آپ ایک دن کامیاب ضرور ہو جاتے۔ اس دوران آپ کو بہت سے مسئلے' مسائل سے گزرنا پڑتا مگر آپ اپنی سوچ کو روشن رکھتے تو آپ کو تابناک مستقبل منتظر ملتا۔''

''آپ اور بھی بہت کچھ کہہ سکتی ہیں کیونکہ آپ نے میرے حالات نہیں دیکھے۔ جن کی وجہ سے میں ہی نہیں' نہ معلوم کتنے لوگ ڈاکو' دہشت گرد اور نہ معلوم کیا کیا بن جاتے ہیں۔'' انور سامنے دیوار کو گھورتے ہوئے کہہ اٹھا۔

''آپ سمجھتے ہیں انور صاحب! ڈاکو اور برے لوگ صرف جھونپڑیوں میں ہی جنم لیتے ہیں اگر غریب ہی ڈاکو بنتے تو آج نہ امیر رہتا اور نہ کوئی محنت مزدوری کرنے والا۔ سب ختم ہو جاتے۔ جہاں غربت و افلاس کچھ لوگوں کو مجرم بنا ڈالتی ہے' وہاں دولت اور عیش و آرام کی فراوانی بہت سے لوگوں کو بھیانک جرائم میں ملوث کر دیتی ہے۔ آپ اس سوچ میں نہیں رہیے گا کہ آپ جو کر رہے ہیں' وہ آپ کا حق ہے۔ یہ صرف وقتی دھوکا ہے جسے آپ قید شیطانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ آپ پچھتانا چاہیں گے بھی تو آپ کو پچھتانے کے لیے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لوٹ آیئے' جن راہوں کے آپ مسافر بن گئے ہیں' توبہ کے دروازے ابھی بند نہیں ہوئے۔ اپنی شادی میں ضرور بلایئے گا۔ میری آپ سے درخواست ہے۔'' پھر وہ رکی نہیں آنکھوں سے چھلکتے پانی کو روکنا اس کے بس سے باہر ہو گیا تھا۔ انور نے سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے اوپن ڈور سے راہداری میں دور تک جاتے دیکھا اور اس کے اوجھل ہوتے ہی اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر تکیہ رکھ لیا۔

✦ ✦ ✦

ہال سے تقریباً آدھے سے زیادہ مہمان جا چکے تھے۔ اب وہاں صرف خاص خاص مہمان ہی موجود تھے۔ ڈنر کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا۔ نادر اور حنا ان کے ساتھ وہیں کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ چائے کے دوران باتوں کا ایک سلسلہ تھا جو ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ خصوصاً راحت اور اُسامہ کی زبان تو مسلسل چل رہی تھی۔ نادر کے بھائی بھابی وغیرہ دوسرے عزیزوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے اس لیے حنا بھی دلہن ہونے کے باوجود ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ جس پر سومیہ کو خاصا اعتراض تھا۔

''کچھ تو خیال کرو حنا۔ ایک دن ہوا ہے تمہاری شادی کو' کس طرح زبان چل رہی ہے تمہاری۔ دلہن باتیں کرتے ہوئے ذرا بھی اچھی نہیں لگتی۔'' سومیہ سے آخرکار برداشت نہیں ہوا۔

''دلہن کا مطلب ہے کہ انسان گونگا بن جائے۔'' حنا کھلکھلائی۔

''نہیں' دلہا کا مطلب ہوتا ہے گونگا بن جائے۔ دیکھو نادر تو ایسے خاموش بیٹھا ہے جیسے اپنے نام کے ساتھ زبان بھی تمہیں دے چکا ہو۔'' راحت نے نادر کی طرف اشارہ کیا اور وہاں موجود سب ہنس پڑے تھے۔ نادر مسکراتے ہوئے اسے گھور کر رہ گیا تھا۔

''آپ لوگ ہنی مون منانے کہاں جائیں گے؟'' صادق صاحب' نادر سے مخاطب ہوئے۔

''اُسامہ نے سوئٹزر لینڈ کے ٹکٹس گفٹ کیے ہیں۔ ایک ہفتے بعد روانہ ہوں گے۔'' نادر' اُسامہ کی سمت دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''اُسامہ صاحب کا انتخاب لاجواب ہے۔ سوئٹزر لینڈ تو پھولوں کا دیس ہے۔'' صادق صاحب اس کی طرف دیکھ کر خلوص سے بولے۔

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اُسامہ کا انتخاب تو لاجواب ہی ہوتا ہے۔'' راحت خوامخواہ ہی گلا کھنکارتے ہوئے گویا ہوا۔ اس کی نگاہ لائبہ پر غیر محسوس طریقے سے اٹھی تھی' سب اس کا اشارہ سمجھ کر مسکرا اٹھے تھے۔ صادق کو کہ اس کی ذومعنی بات سے لاعلم تھے مگر سب کو مسکراتے دیکھ کر وہ بھی مسکرا اٹھے تھے۔ لائبہ جو حنا اور سومیہ کے درمیان بیٹھی تھی' اس نے اس کی بات کو نظر انداز کرنا ہی بہتر جانا تھا۔

باتوں کے دوران بارہ بج گئے تھے اور میرج گارڈن کی ٹائمنگ بھی ختم ہونے والی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے اجازت لے کر اٹھ گئے تھے۔ سومیہ اور صادق، نادر کی بھابی اور بھائی سے اجازت لینے اور خدا حافظ کہنے چلے گئے تھے۔ حنا ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ وہ بھی خاموشی سے پورچ میں صادق کی کار کے پاس چلی آئی جہاں اب صرف اس کار کے علاوہ چار کاریں اور کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ یہاں آتے ہوئے جتنا گھبرا رہی تھی اور پریشان ہو رہی تھی' اب اس میں کمی آ گئی تھی۔ اُسامہ اسے صرف ایک بار ہی ٹکرایا تھا۔ اس کے بعد وہ پورے وقت ان کے درمیان رہا تھا مگر لائبہ کو اس نے نظر انداز کر رکھا تھا۔ راحت کی معنی خیز شوخیاں اسے ڈسٹرب کر جاتی تھیں مگر جس آسیب سے وہ ڈر رہی تھی' وہ دوبارہ اس سے مخاطب نہیں ہوا تھا اور وہ یہی چاہتی بھی تھی۔

اس نے ریسٹ واچ میں ٹائم دیکھا۔ بارہ بج کر پندرہ منٹ ہو رہے تھے۔ سومیہ اور صادق ابھی تک اندر سے نہیں آئے تھے۔ وہ انہیں بلانے کی غرض سے اندر بڑھی تو تیزی سے اس کی طرف آتے اُسامہ کو دیکھ کر بری طرح سٹپٹا گئی۔ وہ مارے گھبراہٹ کے فیصلہ ہی نہ کر سکی کہ اندر جائے یا واپس پارکنگ لاٹ میں چلی جائے اور وہ اس وقت تک اس کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

''اس طرح گھبرا کیوں رہی ہو' کیا میں تمہیں آدم خور نظر آ رہا ہوں۔'' وہ نزدیک آ کر بے تکلفی سے بولا۔ عرصہ ہوا' اس نے 'آپ' کا لفظ اس کے ساتھ لگانا چھوڑ دیا تھا۔

''آپ مجھ سے اس طرح بے تکلفی سے مخاطب نہ ہوا کریں۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''آپ غیروں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔''

''اگر آپ جیسے لوگ معذرت اور درگزر کے معنی سمجھ جائیں تو معاشرہ کافی سدھر جائے۔''

''تم خوامخواہ مجھ سے شدید متنفر ہو اور شاید رہو گی۔ اپنی فضول ضد اور اکڑ میں اپنے چاہنے والوں کو دشمن بنا رہی ہو۔ طوبیٰ سے جو تم نے برا سلوک کیا ہے' اس سے تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم ہوش و شعور گم کرتی جا رہی ہو۔ اپنی تصویریں میرے پاس دیکھ کر تم یہ سمجھ بیٹھی تھیں کہ طوبیٰ نے وہ تصویریں مجھے دی ہیں۔'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ طنزیہ دل جلانے والے لہجے میں گویا ہوا۔

''تت...... تت......'' وہ بوکھلا کر بے ربط لہجے میں بولی۔

''وہ تصویریں میں نے تنہائی میں دیکھی تھیں اور نگیٹو البم سے نکال لیے تھے۔ اس لیے تم بلاوجہ ہی طوبیٰ کو غلط سمجھ بیٹھی ہو اگر ایک سچی اور مخلص دوست کی محبت چاہتی ہو تو طوبیٰ سے اپنے رویے کی معافی مانگ لو۔ وہ اچھی لڑکی ہے' تمہیں معاف کر دے گی۔ کیونکہ میں اسے بتا چکا ہوں کہ تم نے نفسیاتی اٹیک کے دوران اس سے زیادتی کی ہے۔ اوکے بائے۔'' وہ گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتا اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

✦ ✦ ✦

''کتنے دن ہو گئے تابندہ کی کوئی خیر خبر ہی نہیں ہے۔ ذرا معلوم تو کرو۔'' خورشید فون کی طرف اشارہ کر کے شمائلہ سے مخاطب ہوئیں۔ جو لابی میں بیٹھی نوٹس بنانے میں مصروف تھی۔

''امی! آپ بھول رہی ہیں۔ پچھلے ہفتے ہی تو تابی نے فون کیا تھا کہ وہ ایک ہفتے بعد سوات' بحرین جائے گی فاران بھائی کے ساتھ۔ شاید آج کل روانہ ہونے والی ہو۔'' وہ پین کاپی پر رکھ کر ان سے مخاطب ہوئی۔

''مجھے تو صالحہ کے تیور اچھے نہیں لگتے۔ فون پر دو تین مرتبہ بات کرنا بھی چاہی تو انہوں نے سلام کے جواب کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں کی۔ نہ معلوم تابندہ کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہو گا۔ اس کی شادی کو چھ ماہ ہو گئے ہیں۔ ابھی تک وہ ایک بار بھی یہاں نہیں آئی۔'' وہ اس کے نزدیک ہی بیٹھ گئیں۔ ان کے چہرے پر اداسی و پریشانی پھیلی تھی۔

''کیا ملا ہے میری ماں کو اس زندگی میں۔ شوہر کی بے اعتنائی' بے پروائی' ایک مدت کی پریشانی اور رنج و غم' کبھی ان کے چہرے پر میں نے آسودہ مطمئن مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ اس کے باوجود کبھی میں نے انہیں اللہ سے شکوہ کرتے نہیں دیکھا۔ ہر وقت' ہر حال میں ان کے چہرے پر' ان کی زبان پر اللہ کا شکر ہی رہتا ہے۔ کتنی عظیم و صابر ماں ہے۔'' شمائلہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''انور بھی آج کل میں آنے والا ہے۔ تابش اسکول سے آ جائے تو اسے ساتھ لے کر رقیہ کو دیکھ آؤں۔ اب معلوم نہیں کیسی طبیعت ہے اس کی۔''

''حسنہ باجی نے بہت غلط حرکت کی ہے۔ رقیہ پھوپو تو اسی صدمے سے بیمار پڑ کر فالج کی مریضہ بن گئیں۔ کچھ بیٹیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ماؤں کو زندہ لاش بنا دیتی

ہیں۔ کتنا مان تھا پھوپو کو ان پر' کس قدر چاہتی تھیں انہیں مگر انہوں نے کیا صلہ دیا ہے انہیں۔ دنیا بھر کی بدنامی و جگ ہنسائی۔"

"اللہ سے ہر دم خیر کی دعا مانگتے ہیں شمو۔ اللہ سب کو نیک اور سیدھی راہ پر چلائے۔ مت کسی کی برائیاں یاد کیا کرو۔" وہ پاندان کھول کر پان پر کتھا لگاتے ہوئے بولیں۔

"آپ! تابندہ کی طرف سے پریشان مت ہوا کریں۔ فاران بھائی بہت خیال رکھتے ہیں اس کا۔"

"بیٹا سسرال میں صرف شوہر کی چاہت سے ہی گزارہ نہیں ہوتا۔ پہلے گھر والوں کے دل جیتنے پڑتے ہیں' بہت مشکل اور آزمائش سے گزر کر ان کے دلوں میں جگہ ملتی ہے۔"

"مگر آج کل ایسا نہیں ہے امی۔ اب دل جیتنے کے بجائے کاٹ دیا جاتا ہے۔"

"میرے سامنے ایسی باتیں مت کیا کرو۔ میں نے اپنی لڑکیوں کی پرورش اسی بنیاد پر کی ہے کہ وہ سب کی محبتیں پائیں گی۔ اب افشاں کو ہی دیکھ لو۔ ماشاء اللہ خوش و خرم ہے اپنے گھر میں۔ میاں بھی عزت کرتا ہے اور بچے تو اتنا چاہتے ہیں کہ لگتا ہی نہیں ہے وہ سوتیلے بچے ہیں۔" ان کے چہرے پر چمک سی آ گئی تھی افشاں کے ذکر پر۔

"ظاہری بات ہے امی۔ دلہا بھائی تو ان کی عزت کریں گے ہی کہ ان کے حکم پر انہوں نے اپنی کوکھ ہمیشہ کے لئے اجاڑ دی اور بچوں سے وہ خود بھی اس قدر پیار کرتی ہیں۔ اتنی دیکھ بھال تو شاید ان کی سگی ماں بھی نہ کرتی۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"تم ابھی بچی ہو' تمہیں ایسی کھلی باتیں ابھی زیب نہیں دیتیں۔ جو کنواری لڑکیاں اس انداز میں بے حیائی سے سوچتی اور گفتگو کرتی ہیں' ان کے چہرے سے معصومیت کا نور اڑ جاتا ہے۔ کنواری ہونے کے باوجود ایسی لڑکیاں کئی بچوں کی اماں لگتی ہیں۔"

انہیں شمائلہ کے منہ سے نکلا لفظ 'کوکھ' تپا گیا تھا اور وہ حسبِ عادت اسے لیکچر دینے لگی تھیں۔ شمائلہ نے شرمندہ ہو کر چہرہ جھکا لیا کہ وہ اس وقت بھول گئی تھی کہ وہ تابندہ سے نہیں امی سے مخاطب ہے جن کے نزدیک ایسی باتیں بے حیائی میں شمار ہوتی تھیں۔

❖ ❖ ❖

ہال روم میں سب جمع تھے۔ روحیل بھی اپنی پوری فیملی سمیت موجود تھے۔ اماں جان نے نبیل کی اور اس کی بیوی عائشہ کی دعوت کی تھی اور ساتھ ہی ان کے سب بیٹے اور پوتا پوتی جمع تھے۔ بڑی بیٹی نگہت بھی ایک روز پہلے اسلام آباد سے کراچی آئی تھیں اور ان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔

سب کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ کافی کا دور چل رہا تھا۔ اماں اپنا کافی کا مگ ملازمہ کو دینے کے بعد ان سے مخاطب ہوئیں تو ان کی پاٹ دار آواز کی وجہ سے سب خاموشی سے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"مجھے فخر ہے اپنی اولاد پر جن پر وقت کی نفسانفسی اور خود غرضیوں نے کوئی اثر نہیں ڈالا۔" وہ مخصوص انداز میں بولی تھیں۔ اندرونی مسرت سے ان کا سرخ و سپید چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ سفید براق کاٹن کے شلوار سوٹ میں ملبوس' کاٹن کے کڑھے ہوئے دوپٹے سے ان کے سر کے بال چھپے ہوئے تھے آدھی پیشانی تک دوپٹہ لپٹا ہوا تھا۔ ان کی بھوری آنکھیں خوشی سے روشن تھیں۔ ہاتھ میں سچے موتیوں کی تسبیح موجود تھی۔ ان کی عمر نوے کے قریب تھی مگر آواز میں وہی رعب و گرج تھی۔ جب بولتی تھیں تو مخاطب خاموش ہو جایا کرتا تھا۔ اب بھی لگ رہا تھا' وہاں بیٹھے اتنے نفوس جیسے مجسمے ہوں۔

"اللہ کا بہت بہت احسان ہے۔ شکر ہے' اس مالک القدوس کا کہ میرے خاندان میں محبت و احترام کی فضا قائم ہے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ کیونکہ جو پرخلوص و بامروت خون ہماری نسل میں برسوں سے موجود ہے' یہ اخلاق و مروت' رواداری و اپنائیت اسی کا تاثر ہے۔ ورنہ جو آج کل کے وقت میں ہو رہا ہے اس نفسانفسی سے ہم سب ہی واقف ہیں۔ روحیل نے زینب کو ارشد کے لئے مانگا ہے۔ تمہیں یا بہو کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" اماں جان لمبی تمہید کے بعد اصل موضوع بیان کر کے بڑے بیٹے اختر ملک اور بہو زینت ملک کی طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں بولیں۔

"آپ ہماری بزرگ ہیں اماں جان! ابا جان کے انتقال کے بعد ان کی محبت اور احترام بھی ہم نے آپ سے ہی منسوب کر دیا تھا۔ فیصلے گھریلو ہوں یا کاروباری' سب میں اماں جان ہم نے آپ کی رائے اور فیصلوں کو قبول کیا ہے اور بلاشبہ ہم کامیاب بھی رہے ہیں۔ ہمارے مستقبل کے فیصلے بھی آپ نے کئے تھے۔ اب ہمارے بچوں کے مستقبل کے فیصلے بھی آپ کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائیں' اس سے زیادہ خوش قسمتی بچوں کے لئے اور کیا ہو گی۔ روحیل کی خواہش آپ کا فیصلہ مجھے اور زینت کو دل و جان سے قبول ہے۔" اختر صاحب کی ملائم و شیریں آواز احتراماً آہستہ تھی۔ زینت بیگم کے چہرے پر بھی اقراریہ مسکراہٹ تھی۔

"مجھے اپنے بچوں کی سعادت مندی سے یہی امید تھی۔ سدا خوش رہو۔" مسرت و فخر و انبساط سے اماں جان کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔ مبارکباد کا شور ایک دم اٹھا تھا۔

"اماں جان! منگنی کی تقریب ہم کچھ دنوں بعد کریں گے۔ ابھی میں زینی کی انگلی میں انگوٹھی پہنا کر شگون پورا کرنا چاہتی ہوں۔ بھائی صاحب آپ کی اور بھابی کی کیا مرضی ہے۔" عظمت بیگم اماں کے بعد ان سے مسکرا کر مخاطب ہوئیں۔

"کیسی باتیں کرتی ہو عظمی۔ زینی اس رشتے سے پہلے بھی تمہاری ہی بیٹی تھی اور اب بھی ہے۔ تم شوق سے انگوٹھی پہنا دو۔" زینت ہنستے ہوئے بولیں۔

"انشاء اللہ ہمارے رشتے اور محبتیں اس نئے رشتے سے اور بھی زیادہ مضبوط اور پائیدار ہو جائیں گے۔" اختر صاحب روحیل کو گلے لگاتے ہوئے گویا ہوئے۔

"انشاء اللہ بھائی صاحب انشاء اللہ' زینی اس گھر میں اور اس گھر میں کوئی فرق محسوس نہ کرے گی۔" روحیل صاحب مسکراتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئے۔ سب کے چہرے سچی مسرتوں کے نور سے چمک رہے تھے۔

ملازم سے مٹھائی منگوائی گئی تھی۔ اماں کے کہنے پر عائشہ اور ماریہ زینی کو لینے اس کے کمرے میں گئی تھیں جو اپنے مستقبل کے فیصلے سے بے خبر اپنے کمرے میں تھی۔ ماریہ نے مسکراتے ہوئے اسے جب یہ نیوز سنائی تو وہ بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھتی رہ گئی۔

"کیا ہوا زینی؟" ماریہ اور عائشہ اس کا سپید پڑتا چہرہ دیکھ کر گھبرا گئیں۔ "بھائی' وہ تو بہت غصے والے ہیں۔" وہ ہکلا کر بولی۔

"بیوقوف۔" دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔ "ہم تو ڈر ہی گئے تھے۔ غصہ تو سب کو آتا ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی کو کم آتا ہے تو کسی کو زیادہ۔ ارشد بس ذرا غصے کا تیز ہے لیکن پرخلوص اور جاں نثار بھی بہت ہے۔" ماریہ نے اسے سمجھایا۔

"بہت ہینڈسم اور خوبصورت ہے میرا دیور۔ ایسے لڑکوں کے لئے تو لڑکیاں خواب دیکھتی ہیں۔ کل خود ہی ناز کرو گی اپنی قسمت پر' چلو وہاں سب انتظار کر رہے ہیں۔" عائشہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آئی تھی۔ زینی بھی دوپٹہ سر پر جمائے اس کے ہمراہ اس طرح آ رہی تھی' جیسے وہاں کا راستہ نہ جانتی ہو۔ وہ اپنی کیفیت پر خود حیران تھی۔ کچھ دیر قبل وہ سب کے درمیان ہنستی مسکراتی موجود تھی۔ کوئی جھجک وغیرہ نہ تھی۔ اب اس نئے رشتے نے احساسات اور دھڑکنیں ہی بدل ڈالی تھیں۔ نگاہیں اور گردن خود بخود ہی جھک گئی تھیں۔ اندر کی جانب بڑھتے قدم بہت وزنی محسوس ہو رہے تھے۔ اتنی شرم آ رہی تھی کہ وہ یونہی گردن اور نگاہیں جھکائے کمرے میں داخل ہوئی اور عائشہ نے اسے اماں اور عظمت کے برابر میں بٹھا دیا تو ریموٹ سے چلتے روبوٹ کی طرح وہاں بیٹھ گئی۔

"لیجئے اماں آپ پہنائیے۔" عظمت ڈائمنڈ کی خوبصورت نازک سی انگوٹھی جیولری بکس میں سے نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"یہ تو دھوکا ہے ممی۔ انگوٹھی ارشد بھائی پہنائیں گے۔" شمیر جو بہت دیر سے اپنی زبان پر پہرے بٹھائے بیٹھا تھا' اس وقت خاموش نہ رہ سکا۔

"کیوں۔ ارشد کیوں پہنائیں گے؟"

"ان کی منگنی ارشد بھائی سے ہو رہی ہے یا اماں جان سے؟" اس کے انداز پر بھرپور قہقہہ پڑا۔

"ہماری یہ پرانی روایات ہیں۔ لڑکی کو منگنی کی انگوٹھی بزرگ پہناتے ہیں۔"

"ممی' ہمارے خاندان میں بہت پرانی روایات ہیں۔ جواب بہت بوسیدہ ہو گئی ہیں اور بوسیدہ چیزیں تو کباڑیے بھی نہیں لیتے۔ پلیز تبدیلی لائیے نا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم جیسا غیر سنجیدہ اور شوخ مزاج لڑکا ڈاکٹر کس طرح بن گیا ہے۔ اس فیلڈ میں تو بہت سنجیدہ اور بردبار لوگ آتے ہیں۔" اماں جان مسکرا کر بولیں۔

"منگنی کے فوراً بعد آنکھیں ضرور چیک کروائیے گا۔" یہ نئے رشتے کا احترام تھا کہ زینی سے بہت بے تکلفی سے بات اور چھیڑ چھاڑ کرنے والا شمیر ادب سے مخاطب تھا۔

"کیوں؟" عظمت بیگم بے اختیار مخاطب ہوئیں۔

"پہلے یہ نمک اور چینی میں فرق محسوس نہیں کر سکتی تھیں اور اب جس طرح بھابی کے ساتھ یہ چہرہ جھکا کر آئی ہیں تو مجھے محسوس ہوتا ہے اب انہیں راستہ بھی صاف دکھائی نہیں دیتا۔" شمیر کے ساتھ سب کے ہنسنے پر زینی سمٹ کر رہ گئی۔

"اب تمہاری طرح بے حیا و بے ادب بن جائے زینی بھی۔" نگہت مسکرا کر بولیں۔

اس کی باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اماں جان نے زینی کی انگلی میں ارشد کے نام کی انگوٹھی پہنا دی اور کئی بڑے نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔ عظمت بیگم نے بھی کئی بڑے نوٹ اس کے ہاتھ پہ رکھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ سب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔

"انشاء اللہ فوزیہ تم دل چھوٹا مت کیا کرو۔ کب تک اسامہ اس طرح پیچھا چھڑائیں گے۔"

"اسامہ ہیں کہاں۔ نہ شام کو چائے پر تھے اور نہ ڈنر میں شریک ہوئے' اب تک ان کا پتا نہیں ہے۔" روحیل صاحب ان سے مخاطب ہوئے۔

"ان کی ہر کام میں انتہا پسندی عروج پر ہوتی ہے۔ پہلے بزنس میں بالکل انٹرسٹ نہیں تھا۔ اب یہ حال ہے کہ رات دن اسی میں مصروف ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کس مزاج کے ہیں۔ اسد ٹوکیو میں موجود ہیں تو اسامہ یہاں رہ کر بھی اتنے ہی دور لگتے ہیں۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پر ملاقات ہوتی ہے' یا رات ان کی واپسی پر۔"

"مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔" شمیر اچانک بولا۔

"آپ کو دال کیسے یاد آ گئی۔" فوزیہ بیگم مسکراتے ہوئے مخاطب ہوئیں۔

"انہوں نے خاموشی سے شادی تو نہیں کر لی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ ہر وقت کا مذاق اچھا نہیں ہوتا۔" نبیل سنجیدگی سے بولا۔

"ارشد ابھی تک نہیں آئے۔ ذرا فون تو کرو۔" عظمت بیگم رسٹ واچ دیکھتے ہوئے شمیر سے مخاطب ہوئیں۔ "اب تو ان کا پردہ ہو گیا' یہاں کیسے آئیں گے۔" شمیر، زینی کی طرف دیکھ کر شرارت سے بولا۔

"ایسی کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔ اس کا یہ گھر پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ کوئی پردہ وردہ نہیں ہے۔" اماں جان اٹھتے ہوئے بولیں۔

❖ ❖ ❖

"ماما! میں طوبیٰ کی طرف جا رہی ہوں' جلد آ جاؤں گی۔" لائبہ بیڈ پر آنکھیں بند کئے لیٹی ماما سے ان کی طرف جھک کر آہستگی سے مخاطب ہوئی۔

"اچھا جاؤ۔" ماما اپنی بوجھل آنکھیں کھول کر اس سے مخاطب ہوئیں۔

ان سے اجازت لے کر وہ کوریڈور سے گزر کر لان عبور کرنے کے بعد ڈرائیو وے پر آ گئی جہاں ڈرائیور کار لئے تیار کھڑا تھا۔ لائبہ کو آتے دیکھ کر اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ وہ دوپٹہ سنبھالتی اندر بیٹھ گئی۔ کار تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ وہ آنکھوں پر سن گلاسز لگائے باہر کے بھاگتے دوڑتے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت پریشان و نادم تھی اور ازحد پشیمان تھی۔ اس شیطان صفت شخص کی وجہ سے وہ اپنی بے انتہا پیاری اور عزیز دوست سے کس قدر بدگمان و کبیدہ ہو گئی تھی کہ اس سے تصدیق کئے بنا ہی کس قدر برا برتاؤ اس کے ساتھ کیا تھا۔ کیسے کیسے الفاظ اور جملے اس سے کہے تھے۔ اس نے کرب سے اپنے ہونٹ دانتوں سے کچلے لیکن وہ کتنی نائس اور گریٹ ہے کہ میری ہر زیادتی برداشت کر گئی۔ اس دن اس سے کہے گئے لفظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے اور وہ پچھتا رہی تھی۔ راستے میں اس نے طوبیٰ کے لئے گلاب و موتیا کے پھولوں کا بوکے لیا اور اس کے پسندیدہ آئسکریم سینڈوچز خریدے۔ کار طوبیٰ کے پورچ میں جیسے ہی رکی۔ وہ ڈرائیور سے پہلے دروازہ کھول کر اندر طوبیٰ کے کمرے کی

طرف آ گئی اور دروازہ ناک کئے بغیر ہی ہینڈل گھماتی اندر آ گئی۔ طوبیٰ جو باتھ روم سے نکل رہی تھی۔ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی لائبہ والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گئی۔

''پلیز طوبیٰ مجھے معاف کر دو۔ ریئلی میں بہت شرمندہ ہوں۔ اس دن نہ معلوم مجھے کیا ہو گیا تھا جو میں نے تم سے اتنا برا سلوک کیا۔ پلیز!'' وہ اس سے لپٹے ہوئے بھیگے لہجے میں بول رہی تھی۔ کل رات حنا کے ولیمے میں اُسامہ نے جب اصل بات اسے بتائی کہ ان فوٹو کے نیگیٹو اس نے خفیہ طور پر البم سے حاصل کیے تھے اور اسی طرح اس کی کاپی بنوا کر واپس البم میں رکھ دیے تھے تو اس شخص کی چالاکی و مکاری پر جو اس کا حال ہوا سو ہوا مگر وہ اپنے رویے پر بہت نادم ہو گئی تھی۔ رات اس نے مشکل سے گزاری تھی کہ وہاں سے واپسی میں ہی گھر پہنچتے ہوئے ایک بج گیا تھا۔ آج دوپہر کے کھانے کے بعد وہ تیار ہوئی تھی۔ بلا تحقیق و تصدیق اپنی ضد پر اس نے طوبیٰ کو کتنا بے عزت کر ڈالا تھا جس کا پچھتاوا اسے رات سے لہولہان کر رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں یار دوستی میں ایسی بات کبھی کبھی ہو بھی جاتی ہے۔'' طوبیٰ خوشدلی سے اس سے لپٹ گئی تھی۔ ایسی چھوٹی موٹی لڑائیاں تو دوستی کو مضبوط و پائیدار بناتی ہیں۔ وہ دانستہ یہ بات چھپا گئی کہ اُسامہ نے اس کی کیفیت بتانے کے علاوہ پیشن گوئی بھی کی تھی کہ جب بھی وہ جنونی دورے کے اثر سے نکلے گی فوراً اپنی غلطی پر نادم اس کے پاس چلی آئے گی۔ اس بات کو ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا اور وہ شرمندہ سی آن موجود ہوئی تھی۔ کتنی شدید محبت کرتے ہیں اُسامہ بھائی اس سے جو اس کی ہر کیفیت و عادت کا ادراک انہیں ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے چہرے کو تکتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''تم نے مجھے معاف کر دیا نا۔ اگر کوئی بات ہو تو ابھی کہہ دو۔''

''ارے نہیں بھئی۔ تم جیسی اچھی دوست سے کب تک ناراض رہا جا سکتا ہے۔''

''یو آر ویری گریٹ طوبیٰ۔'' وہ سرشاری سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مسکرا دی۔ (تمہیں کس طرح سمجھاؤں طوبیٰ کہ اس شخص کی شیطانی حرکتوں کے باعث میں تم سے کس قدر بدگمان ہو گئی تھی)

''بی بی جی! یہ آپ کار میں ہی بھول آئیں۔'' ڈرائیور آئسکریم پیک اور بوکے لئے دروازہ ناک کر کے اندر آ گیا۔

''تھینک یو۔'' لائبہ اس کے ہاتھ سے سامان لے کر بولی۔

''اب یہ میں ہرگز نہیں کہوں گی کہ اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔'' طوبیٰ اس کے ہاتھ سے بوکے اور آئسکریم لیتے ہوئے کھلکھلا کر بولی تو لائبہ بھی ہنس پڑی۔

''تم جاؤ میں لائبہ کو خود چھوڑنے آ جاؤں گی۔'' طوبیٰ ڈرائیور سے بولی۔

''میں جلدی جاؤں گی۔ ماما تنہا ہو جاتی ہیں میری غیر موجودگی میں۔'' ڈرائیور کے جانے کے بعد لائبہ طوبیٰ سے بولی۔

''چلی جانا۔ میں رات سے پہلے شاہ رخ کے ساتھ چھوڑ آؤں گی۔ رشوت کے طور پر میری پسندیدہ آئسکریم سینڈوچ بھی لائی ہو۔ ہوں بہت ہوشیار ہو گئی ہو۔'' طوبیٰ سینڈوچ اسے دینے کے بعد اپنا سینڈوچ کھاتے ہوئے اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔

''اب یہ تمہاری سوچ پر منحصر ہے کہ تم میرے خلوص کو رشوت کا نام دیتی ہو یا سفارش کا۔'' لائبہ اطمینان سے سینڈوچ کھاتے ہوئے بولی۔

''انکل! آنٹی ابھی نہیں آئے۔''

''کل آئیں گے صبح سات کی فلائٹ ہے۔ اب موسم چینج ہو رہا ہے تو ممی کی طبیعت بھی بہتر ہو گئی ہے اور ممی آج کل شاہ کے لئے لڑکیاں بھی تو تلاش کر رہی ہیں۔ اس گھر میں بہو کی کمی کا احساس ممی پپا دونوں کو شدت سے ہونے لگا ہے۔''

''شاہ ان کی پسند سے شادی کرے گا۔'' لائبہ حیرانی سے بول اٹھی۔

''شاہ کی خواہش تھی کہ اس کے لئے لڑکی ممی پپا پسند کریں۔ لڑکیوں سے اس کی فرینڈ شپ محض انجوائمنٹ تھی۔ شادی وہ کسی ان دیکھی لڑکی سے کرے گا۔''

''کتنی بیوقوف ہوتی ہیں لڑکیاں جو خود کو اتنا ارزاں اور بے وقعت کر لیتی ہیں کہ لڑکے ان کے ساتھ دل کھول کر وقت گزارتے ہیں اور جب شادی کا وقت آتا ہے تو وہ لڑکیاں محض کھوٹے سکے نظر آنے لگتی ہیں پھر ماں باپ کی پسند کی گئی لڑکیاں ہی قابل قبول ہوتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت بھی ہے اور المیہ بھی مگر کون اہمیت دیتا ہے ان باتوں کو۔'' لائبہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''شاید تم اُسامہ بھائی کو اسی خوف سے مسترد کر رہی ہو۔''

''تم اس شخص کو اچھی طرح نہیں جانتیں۔ تم نے صرف ان کی پرسنالٹی دیکھی ہے۔''

''تمہیں شدید غلط فہمی ہے لائبہ! اُسامہ بھائی بہت اچھے بہت مخلص و ہمدرد انسان ہیں۔'' طوبیٰ اس کا نارمل انداز دیکھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

''شاہ رخ بہت بہتر انسان ہے۔ اس کا موازنہ ہم ان سے نہیں کر سکتے۔'' وہ ٹشو پیپر سے منہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے نرمی سے بولی۔ ان کے درمیان جنگ کا آغاز بھی اُسامہ کی ذات بنی تھی اور اب وہ بہت سنبھل کر طوبیٰ کا ووٹ اس کی طرف سے ہٹا کر اپنی جانب کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے ناگواری کے باوجود بہت تحمل سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''لیکن ایک بات میں ایمان داری کی کہوں گی۔ شاہ رخ نے محض اپنی رنگین طبیعت کے باعث فرینڈ شپ کی اور جائز حدود میں کی مگر اُسامہ بھائی کو تو اس سے زیادہ رنگین و حسین ماحول ملا اور لڑکیاں خود انہیں سراہتی اور پسند کرتی ہیں اگر وہ نیگیٹو پرسنالٹی ہوتے تو آسانی سے راجہ اندر بنے اپنے اردگرد حسینوں کا دربار لگا سکتے تھے۔ ظاہری یا پوشیدہ طور پر کوئی کیا کہہ سکتا تھا انہیں۔ یہ ان کا مضبوط کردار اور روشن شخصیت ہی تو تھی کہ انہوں نے کسی نازک مقام پر بہکے بغیر اپنے کردار کو یونہی شفاف و چمکدار رہنے دیا۔''

''رہنے دو طوبیٰ! تم اس شخص کی فضول طرفداری کر رہی ہو۔ تم ان کے اصل روپ سے واقف نہیں ہو۔'' وہ دانت بھینچ کر بولی۔

''میرا مشورہ میری رائے غور سے سنو لائبہ۔ دیکھو جتنی عزیز تم مجھے ہو اتنے ہی وہ ہیں مگر اس وقت بات صرف تمہاری بہتری و بھلائی کے لئے کر رہی ہوں۔ جو تمہیں وقتی طور پر بری اور ناگوار تو گزرے گی مگر تم ٹھنڈے دل سے سوچو گی تو اس میں تمہاری ہی بھلائی ہو گی۔''

''میں سن رہی ہوں تم بولو۔'' لائبہ اسے بغور دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

''یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ ماما کو دو ہارٹ اٹیک ہو چکے ہیں اور تیسرا کبھی بھی ہو سکتا ہے۔ ان کی دن بدن گرتی ہوئی صحت کوئی حوصلہ افزا امید قائم کرنے بھی نہیں دیتی پھر خود سوچو تمہارا کیا بنے گا۔ زیادہ عرصہ تم کہیں بھی نہیں رہ سکتی ہو اور تمہارا ہمارے سوا ہے بھی کون۔ شاہ کا ارادہ شادی کے بعد امریکا سیٹل ہونے کا ہے۔ ممی پپا مستقل اسلام آباد منتقل ہونے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔ اسلام آباد تم رہ نہیں سکتیں' جبھی جلدی گھبرا کر بھاگ آئی تھیں پھر بتاؤ کیا ہو گا تمہارا۔''

''میں ہاسٹل میں رہنے لگوں گی۔'' لائبہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

''نہیں۔ یہ دھوکا ہے' خود فریبی ہے۔ تم ساری زندگی ہاسٹل میں نہیں گزار سکتیں۔''

''میں نے پورا بچپن ہاسٹل میں گزارا ہے۔ اب بھی گزار لوں گی۔''

''جب تمہیں ماما جیسی پر شفقت و پرخلوص تنہا بے غرض عورت مل گئی تھیں۔ جبکہ اس دور میں ایسے کردار صرف کہانیوں' ڈراموں میں نظر آتے ہیں۔ حقیقت میں سگے رشتے ناپائیدار و بے اعتماد ہو چکے ہیں۔ تمہیں صرف ایک مضبوط و پائیدار سہارے کی ضرورت ہے۔ جو شادی کے بعد تمہیں تحفظ بھی دے اور مستقبل بھی اور...... اور میرے خیال میں تمہارے لئے اُسامہ بھائی سے زیادہ مضبوط با اعتماد ساتھی کوئی اور نہیں مل سکتا۔ یقین مانو لائبہ وہ تمہارے لئے لاجواب شوہر ثابت ہوں گے۔ بے انتہا چاہنے والے' بے پناہ خیال رکھنے والے' ریئلی تمہارے ہر دکھ اور محرومیوں کا مداوا کر دیں گے۔'' طوبیٰ آہستہ آہستہ اپنے ہدف پر پہنچ چکی تھی۔ لائبہ کے چہرے کے رنگ تیزی سے بدلے تھے۔

''میں اس شخص سے شادی کروں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ تم میری فکر چھوڑ دو۔ شاہ آفس سے کب تک آتا ہے۔'' وہ موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ لائبہ کو قائل کرنا مشکل تھا۔

''ناپک چینج مت کرو لائبہ۔ حقیقت سے فرار دانائی نہیں ہے۔ عقل مندی و دانائی اسی میں ہے کہ بھٹکنے سے پہلے ہی انسان منزل کی راہ ازبر کر لے۔ وہ تم سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ تمہارے مزاج سے مکمل آشنائی اور قرابت پیدا ہو گئی ہے انہیں اگر واقعی محبت میں شدت ہو' خلوص میں کھوٹ نہ ہو تو انسان ایک دوسرے سے دور رہ کر بھی ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔''

''کیا ہم آہنگی دیکھ لی تم نے۔'' لائبہ کھسے اتار کر اس کے بیڈ پر نیم دراز ہو کر بولی۔

''پہلے بتاؤ' چائے کے ساتھ کیا کھاؤ گی تاکہ میں خانساماں کو آرڈر دے دوں۔''

''پکوڑے' سموسے' آلو چپس' املی کی چٹنی کے ساتھ اور کسی چیز کو موڈ نہیں ہے۔''

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

شاہ رخ دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے لائبہ کو دیکھتے ہوئے گنگنایا۔

''گھر کو نہیں جیب کو دیکھو اپنی اور تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے' خواتین کے کمرے میں ناک کیے بغیر نہیں آتے۔'' طوبیٰ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''خواتین کے کمرے کا ذکر کر رہی ہو نا تم' جب کہ یہاں خواد و ہیں پھر میں کیوں ناک کر کے آتا۔ وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے اس کے اور لائبہ کے درمیان زبردستی بیٹھتے ہوئے بولا۔'' لائبہ جو اسے دیکھ کر بیٹھ گئی تھی' بے ساختہ مسکرا اٹھی۔

''شاہ کے بچے! شرافت سے مجھے اور لائبہ کو شاپنگ کروا کر لے آؤ ورنہ ہم تمہاری شادی میں پھڈا ڈال دیں گے۔'' طوبیٰ اسے ڈراتے ہوئے بولی۔

''میرے بچوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ جو تم ہر وقت انہیں برا بھلا کہتی رہتی ہو۔''

''شاہ کے بچے تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ شاہ کے بچے تمہارا بیڑا غرق ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ آخر کیا بگاڑا ہے میرے بچوں نے تمہارا۔ جو تم ہاتھ دھو کر بلکہ نہا کر ان کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔ ابھی تو بے چارے دنیا میں آنے کی دعائیں ہی مانگ رہے ہیں۔ شاہ رخ لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ چلا چلا کر اس سے بول رہا تھا۔'' بہت عرصے بعد لائبہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اسے ہنستے دیکھ کر طوبیٰ بھی مجبوراً مسکرانے لگی۔

''میری شادی میں پھڈا ڈالنے کے لئے رکھے گا کون تمہیں یہاں۔ اپنی شادی سے پہلے میں تمہارا بندوبست کرواؤں گا۔ تم جیسی لڑاکا لڑکی ایک دن بھی میری بیوی کو سکون سے نہیں رہنے دے گی۔'' شاہ رخ نے کہتے ہی دروازے کی طرف دوڑ لگائی تھی اور طوبیٰ کا نشانہ ہمیشہ کی طرح خطا ہو گیا تھا۔

❖ ❖ ❖

''چنگ مین ابزنس کیسا چل رہا ہے۔'' رستم زمان بیڈ پر نیم دراز تھے۔ اُسامہ ان کے نزدیک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوپہر کو آفس میں اس کے سیکریٹری نے اطلاع دی تھی کہ رستم زمان کا شوفر میسج دے کر گیا ہے کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' وہ یاد فرما رہے ہیں۔ رستم زمان سے وہ حد درجہ عقیدت رکھتا تھا۔ ان کی پر شفقت و با اخلاق شخصیت اسے مقناطیس کی طرح کھینچ لے آتی۔

اب بھی لنچ کے بعد سارا کام منیجر کو سمجھانے کے بعد وہ یہاں چلا آیا تھا۔

''جی سر بہترین چل رہا ہے' آپ کی دعاؤں سے مگر سر! حالات ابھی ذرا بھی نہیں سنبھلے ہیں۔ جو حالات اور گھٹن زدہ ماحول پہلے تھا وہ بدستور اب بھی ہے۔ ہر حکومت برسر اقتدار آنے سے پہلے جو وعدے اور دعوے کرتی ہے وہ حکومت مل جانے کے بعد محض عوام کو دکھائے جانے والے حسین خواب ثابت ہوتے ہیں۔ عوام کے لئے کسی نہ کسی بہانے سے اشیائے خورونوش کے دام بڑھا دیے جاتے ہیں خزانے خالی ہونے کی خبریں ہر برسر اقتدار حکومت دیتی ہے۔ ایک دوسرے پر الزامات کے لامتناہی

سلسلے ہیں جو ختم ہونے میں نہیں آتے۔ حکومت ہٹاؤ' ملک بچاؤ تحریکیں چلتی رہتی ہیں۔ لوگوں میں اتنا نظم وضبط نہیں ہے کہ کم از کم کسی حکومت کو تو اپنی مدت پوری کرنے دیں تاکہ خود عوام بھی دیکھ لیں کہ ان کے ووٹ کا درست اور بہترین استعمال کون سی پارٹی کر رہی ہے یا کر سکتی ہے۔'' اُسامہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''بیٹا! ہمارے ملک میں وسائل کم اور مسائل زیادہ ہیں۔ آہستہ آہستہ ہی سب کچھ درست ہوگا۔ میرے جوڑوں میں بہت درد ہے۔ دراصل اتنے عرصے کی بھاگ دوڑ اب محسوس ہو رہی ہے۔ میں کچھ عرصے آرام کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ پارٹی کچھ عرصے آپ کی رہنمائی میں کام کرے۔'' وہ نرم لہجے میں اس سے درخواست کے انداز میں بولے۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ کی سیٹ میں نہیں سنبھال سکتا۔ آپ کے تجربے وقیادت کے آگے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔'' اُسامہ کا انداز کسی منکسر وعاجز مرید جیسا تھا۔

''آپ تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ آپ میں جتنے حب الوطنی کے جذبات ہیں اگر ہمارے ملک کے آدھے نوجوانوں کی دلی کیفیت ایسی ہو جائے تو کوئی شک نہیں کہ ہمارا ملک پانچ سال میں اتنی ترقی کر کے خوشحال ہو جائے گا' جتنا وہ گزشتہ پچاس سال میں بھی نہیں ہو پایا ہے۔ مجھے امید ہے' آپ مجھ سے زیادہ پارٹی کو مضبوط و ہر دلعزیز کر سکتے ہیں۔''

''اگر آپ کا حکم ہے تو سر میں دل وجان سے حاضر ہوں مگر اس شرط کے ساتھ کہ آپ جلد ہی بستر چھوڑ دیں گے۔''

''اوکے مائی سن۔'' وہ طمانیت سے مسکرائے۔

❖ ❖ ❖

''السلام علیکم بھابی' کیسی ہیں آپ۔'' ارشد اماں جان کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اندر سے آتی ماریہ کو دیکھ کر اخلاقاً رک گیا۔ بلیک پینٹ' اسکائی بلو شرٹ میں اس کی شخصیت جاذب نظر لگ رہی تھی۔ خوبرو چہرے پر سنجیدگی و مسکراہٹ پروقار لگ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں کیسے ہیں۔ اس دن بہت انتظار کروایا اور آئے بھی نہیں۔'' ماریہ چاہنے کے باوجود اس سے نئے رشتے سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر سکی۔

''اس دن نئے پراجیکٹ کے سلسلے میں ایک پارٹی سے میٹنگ میں بہت دیر ہو گئی تھی۔''

''اب کھانا کھا کر جایئے گا۔'' ماریہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''شکریہ بھابی' کھانا پھر کسی دن کھاؤں گا۔ ابھی تو میں صرف چائے پیوں گا اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو۔ مجھے آفس جانا ہے۔'' وہ معذرت کرتے ہوئے بولا

''زحمت کی کیا بات ہے۔ ابھی لاتی ہوں۔'' ماریہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ اس نے زینت بیگم کے کمرے سے آتی ہوئی زینی کی جھلک دیکھ لی تھی جو اسے دیکھ کر ستون کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ ستون پر سرخ چھوٹے پھولوں اور بڑے ہرے پتوں کی بیل لپٹی ہوئی تھی۔ شام کا وقت تھا' اسے اردگرد کوئی نظر نہیں آیا تو وہ مسکراتے ہوئے ستون کی طرف بڑھ گیا جہاں اس کا کاسنی دوپٹہ لہرا جاتا تھا۔ ویسے بھی اس کی اس حرکت نے اس کے دل میں عجیب کیف آور گدگدی پیدا کر دی تھی۔ وہ دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ جو جھک کر اس کی موجودگی یا غیر موجودگی کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی' اچانک اسے کسی جن کی طرح موجود دیکھ کر بری طرح گھبرا گئی۔

''آ...... آ...... آپ۔'' اس نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی' اس کی حالت دیکھ کر۔

''میں خود ہوں' کوئی بھوت نہیں جو تم یوں خوفزدہ ہو۔'' وہ لہجے کو کرخت بنا کر بولا۔ کاسنی، سندھی کڑھائی والے سوٹ میں اس کے حسن کی رعنائیاں عروج پر تھیں۔ سندر مکھڑے پر خوف وگھبراہٹ نے اتنا حسین رنگ بکھیر دیا تھا کہ وہ بے اختیار اسے دیکھے گیا۔

''بھابی کہہ رہی تھیں' بہت خوفزدہ ہو مجھ سے۔ کیوں بھلا میں ڈریکولا ہوں یا کوئی......''

''اب...... اب نہیں ڈروں گی۔'' اس نے خشک ہونٹوں کو بمشکل جنبش دے کر بھاگنا چاہا۔

''بہادری کا سرٹیفکیٹ کس نے دے دیا اب۔'' وہ بدستور جما کھڑا تھا۔

''پلیز۔ آپ جائیں' کوئی آ جائے گا۔'' وہ دل کی بات زبان پر لے آئی۔

''تو آ جائے۔ میں چوری کر رہا ہوں یا کوئی گناہ۔'' وہ اکڑ کر بولا۔ ''اپنی آنکھیں ضرور ٹیسٹ کرا لینا تاکہ شوگر اور سالٹ میں فرق محسوس کر سکو۔ میں غلطی صرف ایک بار معاف کرتا ہوں بار بار نہیں۔'' وہ بات مکمل کر کے اماں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ زینی نے سکون کی سانس لی۔

❖ ❖ ❖

فوزیہ بیگم شام کی چائے کے لئے لوازمات کچن میں تیار کر رہی تھیں۔ نگہت بیگم جو ایک ہفتہ قبل اسلام آباد سے آئی تھیں۔ بہت انتظار کے بعد آج اُسامہ کو گھیر کر بیٹھی تھیں۔

''تم اپنے مشن میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔ وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔

''کامیاب ہو چکا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''اس لڑکی نے اقرارِ محبت کر لیا دل سے یا جبراً کروا لیا ہے تم نے۔'' وہ تشویش سے بولیں۔

''پھوپو جان! میری چاہت ایسی کھیل بن گئی ہے میرے لئے جس میں' میں جیتا بھی اور ہارا بھی۔ اس کی بلاوجہ کی نفرت وتضحیک اور تذلیل نے وحشی وجنونی اُسامہ کا غصہ ابھارا ہے۔ کتنا اذیت ناک عمل ہوتا ہے اپنی اخلاقیات کے برخلاف عمل کرنا۔ آپ کا اُسامہ تو کب کا ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ اب صرف ایک ضدی اور سرکش انسان موجود ہے۔'' وہ ان کے آگے اپنے زخم کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

''میری جان! ایک لڑکی کے لئے تم جیسے مضبوط وتوانا شخص کا ٹوٹنا مناسب ہے۔''

''اوہ پھوپو' لڑکی نے نہیں۔ اس کی ضد اور نفرت نے مجھے بدل ڈالا ہے۔''

''میری بات مانو تو سائے کے پیچھے بھاگنا بے وقوفی اور وقت کا زیاں ہے۔ بھابی جان تمہارے لئے کتنی اچھی اچھی لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو پسند کر ڈالو۔ بھابی کی تنہائی اور اس گھر کی ویرانی سے مجھے بھی وحشت ہونے لگی ہے۔'' وہ اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے محبت سے بولیں۔

''بچپن سے آج تک جو میں نے چاہا وہ حاصل کیا اور یہ عادت اتنی پختہ ہو گئی ہے کہ میں جب تک کسی پسندیدہ چیز کو حاصل نہ کر لوں' بے چینی و بے قراری رہتی ہے۔ ویسے بھی وہ اب میری ضد بن گئی ہے۔ دوسری صورت میں تو شاید میں اس کے حصول سے دستبردار ہو جاتا مگر اب نہیں۔'' اس کے وجیہہ روشن چہرے پر ضد اور خودسری عزم بن کر چھا گئی تھی۔

''مجھے تمہاری بہت فکر رہتی ہے اُسامہ میری جان' مجھے لگ رہا ہے تم صرف ایک لڑکی کی خاطر۔'' نگہت اس کے دراز سراپا پر نظر ڈال کر رہ گئیں۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں پھوپی' بھتیجے میں۔'' ملازمہ کی ہمراہی میں فوزیہ بیگم ٹرالی سمیت داخل ہو کر مسکراتے ہوئے بولیں۔

''میں اسے احساس دلا رہی ہوں گھر کی تنہائی کا۔ نبیل ایک بیٹے کا باپ بن چکا ہے' ارشد منگنی شدہ ہو گیا ہے۔ ماشاء اللہ یہ ابھی کنوارے ہی گھوم رہے ہیں۔''

''ہم تو کوشش کر کے ہار مان کر بیٹھ گئے ہیں۔ تم ہی سمجھاؤ تو شاید انہیں سمجھ آ جائے۔'' فوزیہ بیگم ملازمہ کی لائی ہوئی ٹرالی اپنے قریب کرتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

''ممی! آپ اس قدر دلبرداشتہ نہ ہوا کریں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اکلوتی اولاد میں سب سے بڑی خرابی تو یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنا ہی کہا منواتی ہے۔ سوچ لینا اُسامہ میں اب جب تک تمہاری منگنی نہیں کر دیتی' یہاں سے جاؤں گی نہیں۔ چاہے وہاں میرے بہو بیٹے لڑ لڑ کر پورے محلے والوں کو تنگ کر دیں۔'' نگہت کی وارننگ پر وہ مسکرانے لگا جبکہ فوزیہ بیگم بے اختیار ہنس پڑیں۔

''ابھی تک ان دونوں کی لڑائیاں ختم نہیں ہوئیں۔'' وہ لوازمات کی پلیٹ انہیں پکڑاتے ہوئے بولیں۔

''نہیں' صبح لڑتے ہیں' شام کو دوستی ہو جاتی ہے۔''

''اماں جان کی کوئی ملنے والی آئی ہیں کسی گاؤں سے۔ میں چائے انہیں وہیں دے آتی ہوں۔'' فوزیہ بیگم مگوں میں چائے نکالتے ہوئے بولیں۔

''کوئی خاص جاننے والی ہوں گی۔ ورنہ اماں جان نے تو تقریباً لوگوں سے ملنا جلنا ترک ہی کر دیا ہے۔'' اُسامہ ان کے ہاتھ سے مگ لیتے ہوئے بولا۔

''پہلے کبھی نہیں دیکھا انہیں۔'' نگہت شانے اچکاتے ہوئے بولیں۔

اس وقت ملازمہ دروازہ ناک کر کے اندر آ گئی۔ ''چھوٹے سرکار آپ کو اماں جان یاد فرما رہی ہیں۔'' وہ کہہ کر چلی گئی۔

''اماں جان! اس وقت یاد۔'' اُسامہ مگ خالی کر کے ٹیبل پر سے اٹھ گیا۔ ملازمہ کا انداز کچھ سہما سہما تھا جو اس نے بغور نوٹ کیا تھا۔ اس کی چھٹی حس بیدار ہونے لگی۔

''اماں جان تو اپنے ملنے والوں کے سامنے کسی کی بھی موجودگی برداشت نہیں کرتیں پھر تمہیں کیوں بلایا ہے۔ ان کی عادت جانتے ہوئے انہیں سلام کرنے کے بعد میں یہاں آ گئی تھی۔'' نگہت بیگم کچھ حیرانی سے بولیں۔

''اماں جان کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔ ملوا رہی ہوں گی ان سے۔'' فوزیہ پیار بھری نگاہیں اس کی طرف ڈالتے ہوئے بولیں۔

''اوکے۔ میں جاتا ہوں۔'' اُسامہ چپل پہن کر کمرے سے نکل گیا۔

''آیئے۔'' اس کے سلام کے جواب میں اماں کی عجیب سی سرد اور طنزیہ آواز اسے پریشان کر گئی تھی۔

''وعلیکم السلام پتر۔ کیسے ہو۔'' بھاری بھرکم بڑی چادر میں لپٹے وجود نے جب اس کے قریب آ کر سر پر ہاتھ رکھا تو ان کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اُسامہ کو شاک لگا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔

''یہ منشی کی بیوی ہیں اور یہاں تم سے اور تمہاری بیوی سے ملنے آئی ہیں۔ جسے ساتھ لے کر تم بارش میں ایک رات ان کے گھر رکے تھے۔'' اماں جان نے ان کی وجہ سے اپنے چہرے کو اور لہجے کو کنٹرول میں رکھا تھا۔ وہ حسب ونسب اور خاندانی ناموس پر جان نچھاور کرنے والی عورت کس طرح ایک غیر عورت کے سامنے اپنے اندرونی معاملے ظاہر کر سکتی تھیں مگر ان کے چہرے اور آنکھوں کی سرخی ان کے اندر پھٹتے آتش فشاں کو ظاہر کر رہی تھی اور لفظ 'بیوی' نے وہاں موجود زینت بیگم اور اندر داخل ہوتی فوزیہ اور نگہت کو سکتے میں مبتلا کر دیا تھا اور اُسامہ کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ کبھی اس طرح کی صورت حال بھی پیش آ سکتی ہے۔ اس نے ان کے سامنے اپنا کردار ظاہر کرنے کے لئے اس رات جھوٹ بولا تھا جس پر لائبہ بہت خفا ہوئی تھی مگر اس نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ اسے صرف اپنے کردار کی فکر تھی۔

''بہت خوبصورت لڑکی تھی' ہری آنکھوں والی' بالکل گلاب کی پھول جیسی لڑکی تھی۔'' وہ بول رہی تھیں۔ کمرے میں موجود سب کی نگاہیں اُسامہ کے چہرے پر تھیں۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنے اعصاب بے جان ہوتے محسوس ہوئے۔

وہ ذہنی انتشار کے بدترین لمحے سے گزر رہا تھا۔ سوچیں مفلوج ہو گئی تھیں' دماغ شل۔ اس کے اندر زبردست آندھیاں چل رہی تھیں۔ ایک قیامت مچی ہوئی تھی۔ وہ جو خاندان بھر کا لاڈلا وپسندیدہ فرد تھا جس کی ذہانت ولیاقت' شجاعت وشرافت سے سب کے سر فخر سے بلند تھے۔ اس کی سنجیدگی' متانت پرخلوص شخصیت کے سب چھوٹے بڑے گرویدہ تھے۔

وہ با اخلاق وباکردار' بااصول وباضمیر تھا۔ اس کے خیالات ونظریات ضابطے وفیصلے اس قدر ٹھوس' شفاف اور پائیدار ہوتے کہ اماں جان جیسی مضبوط فیصلے کرنے والی ہستی خاموشی سے مان جایا کرتی تھیں کیونکہ اس کی شخصیت تھی ہی اتنی روشن اور مکمل مگر اس وقت جو اس کی ذات کا تاریک پہلو سامنے آیا تھا اس دبیز تاریکی نے ان سب کے حواس معطل کر دیئے تھے۔ وہ بے یقین وبے چین نگاہوں سے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ رہی تھیں جیسے وہ ابھی کہہ دے گا' آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ جھوٹ اور بکواس ہے' لغو الزام کی طرح۔ کسی ڈراؤنے خواب' کسی بدہیبت خیال کی طرح۔ سب کی منتظر نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔

''آپ تشریف رکھئے ناماں جی۔'' اس نے چہرے پر بشاشت اور اطمینان ظاہر کرتے ہوئے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اس کے سنجیدہ وجیہہ چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ خطرناک اور طاقتور طوفان پہلے سمندر کی کوکھ میں ہلچل مچاتے ہیں۔ سطح آب پر ان کی حشر سامانیاں بعد میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کے اندر بھی ایک طوفان موجزن تھا مگر چہرہ اس کا سطح آب کی طرح پرسکون تھا۔

''جیتے رہو بیٹا لمبی عمر پاؤ۔'' وہ اس کے سلام کے جواب میں سر پر اس کے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''گاؤں والے سب بہت یاد کرتے ہیں' تمہیں دعائیں دیتے ہیں۔ اخباروں میں سے فوٹو کاٹ کر اپنی بیٹھکوں اور ڈیروں پر لگا رکھتے ہیں۔ تمہاری اچھی باتیں اخباروں میں پڑھ کر ایک دوسرے کو سناتے ہیں۔'' اُسامہ نگاہیں جھکائے بیٹھا تھا۔ وہاں موجود خواتین کی خاموشی بظاہر ان دونوں کی گفتگو کے لئے تھی مگر آپس میں ان کی وابستگیاں' تعلق داریاں' ذہنی روابط اتنے مستحکم تھے کہ وہ آسانی اس وقت ان کی سوچوں اور خیالات واحساسات تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔

''آپ نے کھانا وغیرہ کھایا؟'' اس نے اپنے خیالات کو جھٹکا۔

''اللہ کا شکر ہے۔ ابھی چائے وغیرہ سے فارغ ہوئی ہوں' اب میں جاؤں گی۔ صبح یہاں آنکھیں ٹیسٹ کروانے آئی تھی تو مجھے خیال آ گیا۔ تم کارڈ دے کر آئے تھے۔ میں نے تمہارے چچا کو بتایا تو وہ پہلے ہی گاؤں میں اخبار میں تصویر دیکھ کر بتا چکے تھے کہ تم ان کے مالک کے بیٹے ہو چنانچہ وہ مجھے تم سے ملوانے لے آئے۔ سچ بیٹا' تمہارے اخلاق ومروت' غریب پروری نے تمہیں بھولنے نہیں دیا۔'' ان کے لہجے میں سچی مسرتیں پنہاں تھیں۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کچھ دن یہاں رک جائیں۔'' اف کبھی کبھی یہ اخلاقیات کہیں کا نہیں چھوڑتیں۔ وہ شعلوں میں گھر کر بھی مسکرانے پر مجبور تھا۔

''نہیں' میں جاؤں گی۔ میری بہو کے دوسرا بچہ ہوا ہے وہ چلے میں ہے۔ اپنی بیوی کو میرا پیار دینا۔ ساون تو اس کی ہری آنکھیں ابھی تک نہیں بھولی ہے۔'' وہ بر ابر بیٹھی اماں جان کی طرف دیکھ کر بولیں۔ اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود اس کے ماتھے سے پسینہ پھوٹ نکلا۔

''کیسی لگیں' آپ کو ہماری بہو اور ملاقات کب ہوئی تھی۔'' فوزیہ بیگم کے لہجے کی لرزش اس نے واضح محسوس کی تھی۔ بظاہر ان کا لہجہ نارمل لگ رہا تھا۔

آج سے دو سال پہلے کی بات ہے۔ چھاجوں چھاج مینہ برس رہا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ جب میرے ملازم نے بتایا کہ سڑک پر کار میں ایک جوڑا بہت پریشان بیٹھا ہے۔ کار خراب ہونے کے باعث میں نے سوچا اتنے خراب موسم میں یہ لوگ کہاں جائیں گے۔ تنہا مرد تو کہیں بھی رات گزار سکتا ہے مگر لڑکی کے لئے مسئلہ ہوگا۔ یہی سوچ کر میں نے اس رات انہیں گھر میں جگہ دی تھی۔ بلکہ اپنی بہو' بیٹے کا کمرا انہیں دے دیا تھا جو خالی تھا۔ پہلے تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ چھوٹی موٹی سی لڑکی ان کی بیوی ہے۔ بہت نازک سی وہ لڑکی کچھ خوفزدہ لگ رہی تھی۔ وہ اپنی دھن میں بولے جا رہی تھیں۔ اس رات کا' اس صبح کا سارا احوال سنا رہی تھیں۔ اُسامہ تو گویا انگاروں پر پاؤں رکھے ہوئے تھا۔ زندگی میں یہ مقام بھی کبھی آئے گا' اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

اس رات اس نے اپنی اور لائبہ کی پوزیشن صاف کرنے کے لئے پہلا جھوٹ بولا تھا۔ آج اسی جھوٹ کا بیج کانٹے دار درخت بن کر اس کی عزت وکردار کے لباس کو تار تار کرنے کے لئے راستے میں حائل ہو گیا تھا۔ جھوٹ۔ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے جو انسان کا اعتبار واعتماد قتل کر دیتا ہے۔ جھوٹ بولنے والا کبھی قابل بھروسا نہیں ہوتا۔ اس رات اس نے کسی برے عمل کے لئے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ نہ اس وقت اس کے دل میں لائبہ نور کے لئے چاہت کا جذبہ موجزن تھا۔ وہ صرف اپنے کردار کو بے داغ و شفاف رکھنا چاہتا تھا مگر اب وہ بیک وقت دو راستوں پر گامزن ہو گیا تھا اگر وہ اقرار کرتا ہے تو سب سے زیادہ مخالفت وجارحیت کا سامنا اسے اماں جان سے کرنا پڑے گا۔ جو کسی آتش فشاں پہاڑ کی مانند سکون سے بیٹھی تھیں مگر ان کا حد سے زیادہ سرخ چہرہ اور سوچ میں ڈوبی آنکھیں ان کے اندر پکتے لاوے کا پتا دے رہی تھیں۔ ان کے بعد فوزیہ بیگم ماں ہونے کے حوالے سے اس وقت حد درجہ اپ سیٹ نظر آ رہی تھیں۔ ان کے بعد دوسرے رشتوں کا نمبر آئے گا اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس کا کردار خراب ہوتا ہے۔ وہ یہ الزام کسی طور بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اسے عیاش وبدفطرت کہے اگر وہ اب درست صورت حال بتاتا بھی ہے تو ان حالات میں کون سچ مانے گا جبکہ وہ واضح کر چکی ہیں کہ برسات کی رات انہوں نے ان دونوں کو اپنے بہو' بیٹے کا کمرا بھی دیا تھا۔ وہ دونوں جس طرح کمرے میں رہے تھے' اس بات کو ان دونوں کے علاوہ صرف ان کا رب جانتا ہے کیونکہ وہ بھی شریف ومضبوط کردار کا مالک تھا تو لائبہ بھی باحیا اور باعصمت لڑکی تھی۔

''مگر...... اس مگر سے آگے اس کے دماغ میں صرف سائیں' سائیں ہوا کا شور تھا۔ اس کی ناؤ بھٹک کر بھنور میں پھنس گئی تھی۔ اسے ہر چیز گول گول گھومتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ تائی' پھوپو' ممی سب' ماں جی سے اس کی فرضی بیوی کے بارے میں مکمل معلومات اس خوبی سے حاصل کر رہی تھیں کہ وہ محسوس بھی نہ کر سکیں کہ یہاں اس کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس دوران وہ گونگا' بہرا بنا بلکہ اندھوں کی طرح نگاہیں جھکائے بیٹھے رہنے پر مجبور تھا۔

''بیٹا! اب میں چلوں گی۔'' انہیں تفصیل بتانے کے بعد وہ ملازم کے اشارے پر اٹھتے ہوئے بولیں۔

''دوبارہ آئیں تو کچھ دن رکیئے گا ضرور۔ حالات کچھ بھی ہوں' اخلاق تو انسان کو بلند ہی رکھنا چاہیے۔

''ضرور ضرور تم بھی بہو کو لے کر آنا۔ جب وہ میکے سے آ جائیں۔'' وہ سادہ مزاجی سے کہتی ہوئی سب سے مل کر کمرے سے چلی گئیں۔

پھوپو جان! حسبِ روایت انہیں گیٹ تک چھوڑنے گئیں' اماں جان نے تحفے اور سوغاتیں بھی ان کے ہمراہ کی تھیں۔

اب کمرے میں جامد سکوت طاری تھا۔ سب لوگ اس سے وضاحتیں سننے کے لئے بے چین و بے قرار تھے مگر اماں جان کے چہرے پر موجود تاثرات کسی کو بولنے کی اجازت نہ دے رہے تھے۔ فوزیہ بیگم کے آنسو خاموشی سے ان کے جھکے ہوئے چہرے پر بہتے ہوئے ساڑی کے پلو میں جذب ہو رہے تھے۔

''اماں! اماں جان' ایسا نہیں ہے' جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔'' اماں کی خاموشی ناقابلِ برداشت تھی۔

''کیا۔ کیا ایسا نہیں ہے۔'' انہوں نے اپنی آنکھیں اس کی طرف اٹھا کر دیکھا۔ ان کی بھیگی آنکھوں میں' اس کی محبت کی ٹوٹی ہوئی کرچیاں' اعتماد اور مان کا لہو دیکھ کر اس کے اندر تک درد کی تیز لہر دوڑ گئی تھی۔

''منشی کی بیوی غلط کہہ رہی تھی۔ تم نے ایک جوان لڑکی کے ساتھ بغیر کسی رشتے کے رات گزاری تھی۔''

''اماں جان پلیز!'' جسم کا سارا خون ایک دم ہی اس کے چہرے اور آنکھوں میں اتر آیا تھا۔ بہت احتیاط اور محتاط انداز میں زندگی گزارنے والے شخص پر بہت نازک وقت پڑا تھا۔ اماں جان نے غصے میں کچھ اس طرح کے لفظ استعمال کئے کہ اس نے' ان کی حالت سمجھنے کے باوجود غصے' جھنجلاہٹ اور ندامت کے مارے رگوں میں انگارے دوڑتے ہوئے محسوس کئے۔

''میری ممتا اور نرمی سے تم نے بہت غلط فائدہ اٹھایا ہے اُسامہ' بتاؤ تم نے کب شادی کی۔ اگر نہیں کی تو میری تربیت میں' تعلیم میں' کب اور کہاں ایسی کمی رہ گئی کہ تم اتنے گھٹیا اور گھناؤنے کھیل کھیلنے لگے۔''

''اماں' اماں' اماں جان فار گاڈ سیک۔ آپ کس انداز میں گفتگو کر رہی ہیں۔ کیا میں اتنا رذیل اور بے حمیت انسان ہوں۔''

''منشی کی بیوی سچ کہہ رہی تھی۔ اس کو تمہارے رویے نے بھی ثابت کیا۔ تم اسے پہچان گئے تھے۔ اب تمہارے انکار سے یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ تم نے منشی کی بیوی سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ تمہاری بیوی ہے کیونکہ اس طرح تم اسے اپنے پاس کمرے میں......''

''آپ کو..... آپ کو اپنی تربیت اور تعلیم پر ذرا اعتماد نہیں ہے اماں جان۔'' غصہ' بے بسی' پریشانی' الجھن سے اس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ اماں جان کا رویہ ایسا تھا' جیسے کسی مجرم کو پھانسی دینے والے سفاک و بے رحم جلاد کا ہوتا ہے۔ ہر جذبے واحساس سے عاری۔

''بیٹا بات کیا ہے آپ حقیقت بتائیں۔ آپ کا بچپن' لڑکپن اور جوانی سب ہمارے سامنے ہے۔ آپ بہت زیادہ سنجیدہ' کم گو اور تنہائی پسند کم عمری سے ہی رہے ہیں مگر یہ جو صورت حال پیش آئی ہے' اس نے ذہن الجھا کر رکھ دیا ہے۔ درست بات آپ کے بتانے سے ہی معلوم ہوگی۔ آپ کا کردار روشن وصاف تھا اور ہے مگر اس وقت جو داغ آپ کے کردار پر لگ رہے ہیں' وہ آپ کی تصدیق سے صاف ہوں گے۔'' کوثر بیگم اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولیں۔

''جی' تائی جان۔ میں...... نے...... نکاح...... کر رکھا ہے۔'' اس نے رک رک کر اپنے کردار پر لگنے والے غلاظت وبدنامی کے سیاہ داغ لگنے سے پہلے ہی صاف کر دیئے۔ اسے احساس تھا۔ وہاں بیٹھے لوگوں کے لئے اس کا اظہار کسی لرزہ خیز دھماکے سے کم نہیں ہوگا۔ وہ ایک لمحے بھی وہاں نہیں ٹھہرا تھا۔ کار کی چابی اس کی جیب میں تھی۔ وہ وہاں سے سیدھا پورچ میں آیا اور کار لے کر ہوا کی طرح گیٹ سے نکل گیا۔ اس کے اعصاب ٹوٹ پھوٹ گئے تھے' دماغ بھاری پتھر میں تبدیل ہو گیا تھا' ہاتھوں میں اسٹیئرنگ کھلونے کی مانند گھوم رہا تھا۔

❖ ❖ ❖

دھوپ لان میں پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ تابندہ نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے فاران کو الوداعی ہاتھ ہلایا تو وہ بھی ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھام کر مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہتا گیٹ سے باہر نکل گیا۔ کار نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد تابندہ نے اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹ کر جوڑا باندھا اور دوپٹہ لپیٹ کر اندر آ گئی۔ سامنے لان میں صوفے پر بیٹھی صالحہ بیگم کے ماتھے پر ناگواری کی شکنیں تھیں۔ وہ سخت نظروں سے اسے گھور رہی تھیں۔ تابندہ کا دل انجانے خوف سے سہم گیا۔ کچھ عرصے سے صالحہ کا سلوک اس کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا۔ وہ بے وجہ اکھڑی اکھڑی بے زار ناخوش سی دکھائی دیتی تھیں اور جب سے رقیہ پھوپو کی فالج کی خبر ملی تھی' جب سے تو ان کا پارہ بہت ہائی رہنے لگا تھا۔ بات بے بات وہ اس سے لڑنے کو تیار ہو جاتیں مگر وہ بہت صابر اور ٹھنڈے مزاج کی تھی۔ ان کی ہر بدسلوکی وبدتمیزی خندہ پیشانی سے برداشت کر رہی تھی۔ فاران نے اسے جتنی محبت واعتماد دیا تھا۔ اس کی ٹوٹی' الجھی شخصیت کو اپنے بے پناہ پیار اور چاہت سے سمیٹ لیا تھا۔ اس کی بے لوث اور سچی رفاقت نے اسے زندگی کے دلکش ودلنشین رنگوں سے متعارف کروایا تھا۔ اس کی بھرپور محبت نے اس کے حسن کی چاندنی کو چمکا دیا تھا۔ اس کے رخساروں پر اس کی محبت کی شفق پھوٹی رہتی تھی' اس کی آنکھوں میں اس کی محبت کے جگنو جگمگانے لگے تھے' اس کا سراپا پھولوں کی مانند مہکنے لگا تھا جو صالحہ جیسی معاندانہ وحاسدانہ طبیعت کی عورت کو ایک آنکھ نہ بھا رہا تھا۔ حالانکہ تابندہ نے ان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ سارے دن ملازمین کے باوجود وہ گھر بنانے سنوارنے میں لگی رہتی تھی۔ جس سے فاران کے والد تو بہت خوش تھے مگر وہ اچھے بھلے کام میں عیب نکالتی رہتیں۔ وہ فطرتاً احسان فراموش' خود پرست عورت تھیں۔

''میں کہتی ہوں' شادی کو سات آٹھ ماہ ہونے کو آئے' اب ختم کرو یہ چو چلے۔''

''کیا مطلب پھوپو۔ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی۔'' وہ حیرانی سے مدھم لہجے میں بولی۔

''غلطی تو ہم سے ہو گئی جو تم ماں بیٹی کے کرتوت نہ سمجھ سکے۔ ارے کیسی جادوگرنیاں ہیں ماں' بیٹی' کیسے جادو سے اس نیک اور شریف بچی کو غائب کروا کر اپنا الو سیدھا کروالیا۔''

''کیا کہہ رہی ہیں پھوپو جان آپ۔''

''وہی کہہ رہی ہوں جو تم سمجھ اور سن رہی ہو۔ پہلے میرے بیٹے پر ڈورے ڈال کر اسے دیوانہ بنایا مگر میں نے اس کی ایک نہ چلنے دی تو جادو کے زور سے اس بچی کو غائب کروا دیا تاکہ میدان صاف ہو جائے اور وہی ہوا۔''

''خدا کے لئے پھوپو جان' ایسی باتیں نہ کریں۔ حسنہ مجھے بہنوں کی طرح عزیز تھی۔ وہ کم عمر اور سادہ طبیعت لڑکی تھی۔'' صالحہ بیگم جیسی پکی عمر اور چالاک ومکار ذہنیت کی عورت نہیں۔ ان کے جھوٹے بے بنیاد الزامات پر وہ رو پڑی۔ اس کی احتجاج کرتی ہوئی دھیمی آواز ان کی بلند پاٹ دار آواز سے دب گئی۔

''میری معصوم بہن کو صدمے سے بیمار ڈلوا دیا' اب تو تمہارے کلیجوں میں ٹھنڈک پڑ گئی ہوگی۔ وہ فالج کی مریضہ ہو کر بستر سے لگ گئی۔ ہائے میری بہن کو صدموں نے کیسی موذی بیماری لگا دی۔ وہ دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔ تابندہ آگے بڑھ کر انہیں خاموش کرانے کی کوشش کرنے لگی تو انہوں نے نفرت سے اسے جھٹک دیا۔

''مجھے تو اب اپنی فکر ہونے لگی ہے۔ نہ معلوم میرا کیا حشر کرو گی۔''

''پھوپو! آپ مجھے امی کی طرح عزیز ہیں۔ میں آپ کی لمبی عمر اور تندرستی کے لئے دعا کرتی ہوں۔ اللہ نہ کرے جو آپ کو کچھ ہو آپ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔'' وہ قریب

بلبلاتے ہوئے آزردگی سے کہنے لگی۔

''ارے بس بس میرے سامنے زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فاران سے دور دور رہا کرو۔ دنیا میں روز لاکھوں کی شادیاں ہوتی ہیں مگر کوئی تمہاری طرح شرم و حیا گھول کر نہیں پی لیتا۔ میاں نے گھر میں قدم رکھا نہیں' یہ پہلے ہی ان کی بو پا کر بے قرار ہو جاتی ہیں۔''

''پھوپو جان! میں تو بہت دھیان رکھتی ہوں مگر آپ ان کی شوخ طبیعت کو جانتی ہیں نا۔''

''ظاہری بات ہے۔ میرا بیٹا ہے وہ تم سے زیادہ جانتی ہوں مگر تمہیں سمجھا رہی ہوں میں' اپنے آپ میں رہو' یہ ٹھاٹ باٹ' عیش و آرام دیکھ کر اپنا ماضی نہیں بھولو۔''

✦ ✦ ✦

''آج اتنی جلدی آ گئے آفس سے' طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' عائشہ منے کے کپڑے تبدیل کرتے ہوئے اندر داخل ہوتے ارشد سے بولی جو خلاف معمول جلد ہی آ گیا تھا۔

''آج سائٹ پر جانے کا موڈ نہیں بنا۔ کام بھی خاص نہ تھا۔ سوچا گھر ہی چلا جائے۔'' وہ منے کو جھک کر پیار کرنے لگا۔

''کس کے گھر چلا جائے؟'' قریبی صوفے پر نیم دراز شمیر رسالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہنے لگا۔

''اپنے گھر اور کس کے گھر پر۔'' ارشد اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''بھابی جان! بات پکی ہونے کے بعد ان پر خوب ٹوٹ کر روپ آ گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے' شادی کے بعد پھٹکار نہ برسنے لگے۔'' اپنی بات کے اختتام پر خود ہی زور سے ہنسنے لگا۔

''ہر وقت شرارت نہ کیا کرو۔'' عائشہ اسے سرزنش کرنے لگی۔

''جب بھی بولنا فضول ہی بولنا' تم سے تو عقلمندی کی باتوں کی توقع فضول ہے۔''

''ڈیڈی نے فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ عمرے سے واپسی پر آپ کا نکاح زینی سے کر رہے ہیں۔''

''بھابی! یہ منگنی کے بجائے نکاح کیوں۔'' وہ الجھے ہوئے لہجے میں دریافت کرنے لگا۔

''اگر آپ برا مان رہے ہیں تو نکاح کے ساتھ رخصتی بھی کروا لیں گے۔'' شمیر چہکا۔

''تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ سنجیدگی تمہیں چھو کر نہیں گزری ہے۔'' وہ غصے سے بولا۔

''چھوڑو ارشد۔ اس کا مزاج ہی کھلنڈرا ہے۔ دراصل اماں جان تو شادی کا ہی کہہ رہی تھیں۔ ممی نے کہا کہ تمہارا ابھی ارادہ دو سال تک شادی کرنے کا نہیں ہے۔ اماں نے کہا' ہمارے خاندان میں منگنیاں کسی کو بھی راس نہیں آتیں۔ بدشگونی ہوتی ہے۔ ابھی نکاح کر دیتے ہیں رخصتی جب تم کہو تب کر دیں گے۔'' عائشہ نے تفصیل بتائی۔

''اماں جان! سپر پاور دماغ کی مالک ہیں۔ انہیں معلوم ہے' منگنی تو مضبوط بندھن نہیں ہوتی۔ نکاح کروا کر مکمل جملہ حقوق بنام زینی محفوظ کر لئے جائیں۔'' شمیر ہنستے ہوئے بولا۔

''کب جا رہے ہیں ممی ڈیڈی عمرے پر۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔

''اف' یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے۔ بڑے بھائی صبح ناشتے پر تو آپ سے بات ہوئی تھی کہ رات کی فلائٹ سے جا رہے ہیں۔ پہلے ریاض اپنے فرینڈ سفیان بن طلحہ کے ہاں جائیں گے' وہاں سے عمرے کے لئے روانہ ہوں گے۔''

''بہت چکنی اور ڈھیٹ مٹی سے تمہیں بنایا گیا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''دیکھا' تعریف تو کی اسی بہانے۔ لائیں بھابی' اسے مجھے دیں۔'' وا کر کے وہ منے کو نکالتے ہوئے بولا۔

''نہیں' کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں اسے لینے کی۔ اپنی پرچھائیں سے بھی اسے بچا کر رکھو۔'' ارشد منے کو اس سے چھین کر اپنے کمرے میں لے گیا۔

✦ ✦ ✦

''کیا ہوا یار' طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ شاہ رخ' اسامہ کی طرف دیکھ کر بے ساختگی سے بولا۔

''ہوں۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔'' وہ کسی بے جان مجسمے کی طرح اس کے بیڈ پر ڈھیر ہوتے ہوئے بولا۔ شاہ رخ تشویش زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پانی کا گلاس دینے لگا' جسے اس نے تین سانسوں میں ختم کیا اور گلاس اسے دینے کے بعد آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ شدید ترین اعصابی دباؤ کے تحت اس کے دماغ کی رگیں کھنچ گئی تھیں' چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا تھا اور پسینے سے تر تھا۔ شاہ رخ آہستگی سے اس کے نزدیک بیٹھ کر ٹشو پیپر سے اس کا پسینہ صاف کرنے لگا پھر اس کا سر دبانے لگا۔

''رہنے دو۔ کیا کر رہے ہو۔'' اسامہ اس کا ہاتھ اپنی پیشانی سے ہٹاتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''کیا ہوا ہے۔ بہت زیادہ ڈپریسڈ لگ رہے ہو۔'' شاہ رخ فکر و پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

''حد سے زیادہ احتیاط' عقل سے زیادہ دانشمندی کچھ بیوقوفی اور پچھتاووں کو پیدا کر دیتی ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ میں نے اپنی خودداری اور عزت نفس' نام و کردار کو بے داغ اور شفاف رکھنے کی سعی میں' خود کو رنگین و بے باک ماحول سے بچایا' اور بار بار بچایا اور اسی جنون میں پہلی مرتبہ مجھ سے جلد بازی میں معمولی سی غلط بیانی ہوئی تھی اور اس نے میرے کردار کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہوتی اگر میں مصلحتاً ہوش کے بجائے جوش سے کام لیتا۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ چکا تھا' دونوں ہاتھوں سے سر تھامے۔

''میرے خیال میں پہلے اسٹرونگ چائے منگوا لیتا ہوں پھر باتیں ہوں گی۔''

''ہاں صرف چائے' کسی دوسری چیز کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔'' وہ لائیٹر سے سگریٹ سلگاتا ہوا گویا ہوا۔ شاہ رخ سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ چند منٹ بعد ہی اس کی واپسی ہو گئی۔

''ہاں اب بتاؤ پرابلم کیا ہے؟'' وہ اس کے قریب نیم دراز ہو کر کہنے لگا۔

''پہلے بتاؤ۔ میری پریشانی ختم کرنے میں میرا ساتھ دو گے۔'' اس کا لہجہ ٹھوس تھا۔

''میں دوستی میں دوست پر جان لٹانے کا قائل ہوں۔ وعدہ ہے میرا' تمہاری مسرتوں کے لئے میں جان بھی دے دوں گا۔'' وہ پرجوش پراعتماد لہجے میں سنجیدگی سے بولا۔

''مجھے یقین ہے' تمہارے جذبوں پر' اسی لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''پھر بتاؤ نا' کیوں دیر لگا رہے ہو۔ کیا سوچ رہے ہو۔''

''میں لائبہ نور سے فوری طور پر نکاح کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بے تحاشا دھواں منہ سے نکالتے ہوئے حیران و پریشان شاہ رخ کی جانب دیکھا۔

''یہ...... یہ۔ مذاق تو نہیں ہو سکتا۔ کیا تم سنجیدہ ہو۔'' شاہ رخ حیرانی کی کیفیت میں ہونقوں کی طرح آنکھیں اور منہ پھاڑے مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

''تمہیں کیا محسوس ہو رہا ہے؟'' اس کے سوالیہ لہجے میں جھلاہٹ کا عنصر غالب تھا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا یار۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے' جیسے اچانک کسی نابینا کو بصارت مل جائے اور وہ چاند پر پہلی نظر ڈالتے ہی مچل اٹھے کہ وہ اسے فوری طور پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مجھے تمہاری خواہش محسوس ایسی ہی ہو رہی ہے۔ ہر کام کا ایک طریقہ کار ہوتا ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے' تم جذباتی اور جلد باز تو کبھی نہیں رہے پھر یہ یکدم ہی لائبہ سے نکاح کا خیال کیسے آیا۔ وہ بھی فوری طور پر۔''

''وہ میری پہنچ سے اتنی دور نہیں ہے کہ تم اسے چاند سے ملا دو۔ ہاں اگر اس کے سراپا کو چاند کہہ رہے ہو تو یہ طے ہے کہ اس چاند کو میرے آنگن میں ہی روشن ہونا ہے۔''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے یار۔ میں جاننا چاہتا ہوں' آخر یہ معاملہ کس طرح ہینڈل کیا جائے' تمہیں اور لائبہ کو عرصے سے جانتا ہوں میں مگر میں نے ایسی کوئی بات نوٹ نہیں کی۔ کیا رات کو تمہیں کسی بزرگ نے خواب میں بشارت دی ہے کہ لائبہ نور سے فوری نکاح کر لو۔ کیا بزنس میں پروفٹ زیادہ مل جانے کے چانس ہیں۔'' وہ زچ ہو کر بولا۔

''وہ پہلے میری محبت ہے' پھر ضد اور اب عزت' انا' وقار اور میری ذاتی سرخروئی اور شفاف کردار کی علمبردار۔'' اسامہ اسے مکمل تفصیل بتاتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولا۔

''تم نے نیک نامی برقرار رکھنا چاہی تھی جواب دو سال بعد بدنامی بن کر تمہارے سامنے آئی۔ تمہارا جواز درست ہے کہ ہمارے معاشرے اور مذہب دونوں میں جوان لڑکے' لڑکی کا تنہائی میں ساتھ رہنا ناپسند کیا گیا ہے۔ تمہیں اور لائبہ کو اچھی طرح جاننے سمجھنے کی وجہ سے میں ایمان کی حد تک یقین رکھتا ہوں کہ تنہا کمرے میں رات گزارنے کے باوجود پاکیزہ و باکردار ہو مگر ہمارے معاشرے کی ذہنیت اور سوچیں بہت محدود ہو کر سمٹ گئی ہیں۔''

''اسٹاپ اٹ یار۔ میں تم سے یہاں اپنے کردار کے بارے میں رائے سننے نہیں آیا۔ مجھے صرف یہ بتاؤ' تم لائبہ کو راضی کر لو گے یا میں ہی کوئی چکر چلاؤں۔'' وہ نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر بولا۔ اسی لمحے ملازمہ دروازہ بجا کر چائے دے کر چلی گئی۔

''اگر وہ راضی نہیں ہے تو مشکل ہے۔ تم کسی اور لڑکی کو راضی کر لو۔'' وہ چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہنے لگا۔

''میری زندگی میں داخل ہونے والی وہ پہلی اور آخری لڑکی ہے اور ہر حال میں اسے ہی آنا ہے' چاہے مجھے جبراً ہی کچھ کرنا پڑے۔''

''تم تو ہیرو کے بجائے ولن کا رول ادا کرنے لگے۔'' شاہ رخ پہلی بار کھل کر مسکرایا۔

''تم مسکرا رہے ہو۔ یہاں میں آگ میں گھرا ہوا ہوں۔ تم مسرور ہو۔''

''تم عشق کی آگ میں جل رہے ہو۔ یہاں میں کم از کم تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔''

''مت دل جلاؤ یار' جانتے ہو گھر میں شدید تناؤ اور کشیدہ ماحول چھوڑ کر آیا ہوں' مما' تائی جان وغیرہ کو تو میں قائل کر لوں گا مگر میرا سب سے بڑا مسئلہ اماں جان کو منانا ہے اور یہ بات کس نوعیت کی ہے' یہ صرف میں جانتا ہوں۔ پوری فیملی میں تنہا ہوں میں اور بے خبری کی حد یہ ہے کہ جس بے وقوف لڑکی کی خاطر یہ سب ہو رہا ہے' وہ اتنی بے خبر اور گھمنڈی ہے۔ اپنی انا میں مقید پاگل لڑکی۔'' وہ شدید اضطراب میں ٹہلنے لگا تھا۔

''اگر وہ پاگل ہے تو کیوں قبول کرنے کو بے قرار ہو۔'' شاہ رخ قہقہہ لگا کر بولا۔

''اس کا دماغ درست کرنے کے لئے۔ خبیث انسان' میری پریشانی سمجھنے کے بجائے ہنس رہے ہو۔'' وہ شاہ رخ کے زوردار دھپ رسید کرتا ہوا پھنکارا۔

✦ ✦ ✦

''امی! شادی کے بعد سے ایک دفعہ بھی تابندہ گھر نہیں آئی۔ صرف ایک بار انور ملنے آیا ہے' بلوا لو نا اسے۔ اب تو بہت دل کر رہا ہے' اسے دیکھنے کو' سات آٹھ مہینے بہت ہوتے ہیں۔'' افشاں جو آج میکے آئی تھی' خورشید سے بولی۔

''ہاں کئی بار فون پر بات ہوئی ہے' اللہ کا شکر ہے' وہ خوش و خرم ہے۔ صالحہ سے میں نے کہا بھی اسے بھیجنے کو مگر وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں' فاران نہیں بھیجتے۔ جب بھی آئے گا تو اپنے ساتھ ہی لے آئے گا۔'' وہ پان لگاتے ہوئے بولیں۔

''ان کی موجودگی میں کسی اور کا حکم کیسے چلنے لگا۔ حیرت کی بات ہے۔ پھوپو اتنی سیدھی تو نہیں ہیں' ان کی مرضی کے بغیر گھر میں کوئی سامان ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔''

''اگر ایسا ہے تو کیا برا ہے۔ جب گھر میں ساس موجود ہے تو بیٹے کو کیا اختیار ہے کہ وہ بیوی کو اپنی مرضی سے کہیں آنے جانے کی اجازت دے۔ یہ تمام اختیارات گھر کے سربراہ کے پاس ہونے چاہئیں۔ مرد ایسے معاملوں میں بولتے اچھے نہیں لگتے یا ان کی نگاہوں میں ماں کا مقام اپنے آگے کم ہو جاتا ہے۔ یا وہ اپنی بیوی پر صرف اپنے حقوق کی بجا آوری ہی ضروری سمجھتے ہیں۔'' وہ پان چھالیہ منہ میں ڈالتے ہوئے رنجیدگی سے کہنے لگیں۔

''امی! ہر جگہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ بعض جگہ بہوئیں خود اس کو وہ مقام و حیثیت دینے کو تیار نہیں ہوتیں بلکہ سارا الزام شوہروں پر ڈال کر خود مظلوم بن جاتی ہیں۔ درحقیقت وہ

شوہر سے ہی تمام وابستگی نتھی رکھنا چاہتی ہیں ورنہ کوئی بیٹا ایسا نہیں ہوگا جو ماں کے آگے اپنی چلائے۔ یہ بھی کچھ چالاک بیویوں کے ہتھکنڈے ہوتے ہیں' شوہروں پر قابض رہنے کے۔ شوہر کی نظروں میں بھی سرخرو رہتی ہیں کہ ہماری مرضی چلتی ہے اور انہیں مظلومیت بھی ملتی ہے۔''

''ارے آپی! آج کیا ساس بہو کے مسئلے لے کر بیٹھ گئیں۔'' شاما کلہ ٹرے میں چائے کے کپ اور تلے ہوئے پاپڑ لے کر اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔

''تابندہ کا پوچھ رہی تھی' اس کے ذکر پر ذکر نکل گیا۔'' وہ پاپڑ اٹھاتے ہوئے بولی۔

''پھوپو کے تیور بدلے ہوئے لگ رہے ہیں مجھے' کچھ دنوں سے فون بھی نہیں آیا اس کا۔''

''پھوپو کی تو عادت ہے' کچھ دنوں بعد خود ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''آپی دلہا بھائی کے لئے شامی کباب اور بریانی پکا لیتی ہوں۔ شوق سے کھاتے ہیں۔''

''ہاں' مگر بریانی مصالحے والی نہ پکانا۔ سادی پکانا' بچے نہیں کھائیں گے مرچیں۔''

''ہاں شمو' پہلے بچوں کو نیچے باغ میں سے بلا کر چائے اور پاپڑ دے دو۔ انور کے کپڑے نکال کر استری کر دیے نا۔ وہ آنے ہی والا ہوگا۔''

❖ ❖ ❖

اس نے بوجھل دل سے اپنے پورشن میں قدم رکھا۔ ہمیشہ کی طرح خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔ یہ بات خلافِ معمول نہیں تھی۔ اسد صاحب اکثر غیر ملکی دوروں پر رہتے تھے۔ گھر میں ان دونوں ماں بیٹے کا وجود چلتے پھرتے مجسموں کی طرح رہتا تھا۔ اسے بولنے کی عادت بہت کم تھی۔ فوزیہ خود سے کہاں تک بول سکتی تھیں۔ کبھی ان کی طبیعت زیادہ گھبراتی تو وہ اماں جان کے پاس یا کوثر بیگم کے پورشن میں جا بیٹھتیں یا انہیں یہاں بلا لیتیں مگر یہ رونقیں وقتی ثابت ہوتیں۔ پرائے چراغ سے اپنے گھر کا اندھیرا دور نہیں ہوتا بلکہ تشنگی کچھ اور بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے وہ اُسامہ کی شادی کی خواہش ہر لمحہ کرنے لگی تھیں کہ بہو کے آنے کے بعد ان کے ہاں بھی رونقیں آ جائیں گی۔

ان خاموش و ویران لمحوں میں اس نے شدت سے اپنی ماں کی تنہائی' گھر کی ویرانی کو محسوس کیا۔ جب تک انسان خود ان تکلیف دہ عذابوں سے نہ گزرے تو دوسروں کے دکھ کو محسوس بھی نہیں کر سکتا۔ اسے اب ماں کی تنہائی محسوس ہوئی تو ان کی محبت و عظمت اور دل میں بڑھ گئی۔ وہ بے تابی سے ان کے کمرے کی طرف بڑھا اور ناک کر کے اندر آ گیا۔

''فینسی لائٹوں کی سنہری روشنی میں گرین شیڈ اور کلر میچنگ سے کمرے کی پرسکون فضا میں فوزیہ بیگم کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ اس کے اندر تک جیسے زخم ہی زخم پھیلتے چلے گئے۔

''ممی..... ممی۔'' وہ شکستہ لہجے میں پکارتا ہوا ان کی طرف بڑھا جو وارڈروب بند کر کے بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگی تھیں۔

''پلیز' اس طرح مت روئیں۔'' اس نے اپنے مضبوط ہاتھ ان کے شانوں پر رکھ کر التجائیہ لہجے میں کہا۔ ان کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں۔

''مجھے افسوس ہے اور بے حد شرمندگی بھی کہ میں نے آپ کی خوشیوں اور ارمانوں کا قتل کیا ہے مگر ممی' یقین مانیے یہ جو کچھ ہوا بالکل اچانک اور مجبوری میں ہوا۔ میں مجرم ہوں آپ کے اعتماد کا' آپ جو چاہیں مجھے سزا دے لیں مگر اس طرح پلیز روئیں نہیں۔'' وہ ان کے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ اس کے حساس لہجے میں کچھ ایسی بے بسی و افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ نرم دل پر خلوص وجود رکھنے والی فوزیہ بیگم گیلی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''ہر ماں کی طرح میرے دل میں بھی یہ ارمان وجذبہ شدت اختیار کرتا گیا کہ میں اپنے بیٹے کو سہرا باندھے دیکھوں' میرے گھر میں بہو چاند بن کر آئے اور میرا بے رونق و تاریک گھر اس کے وجود سے روشن ہو جائے۔ میرے ارمان' میرے خواب' میرے انتظار کا یہ صلہ ملا ہے مجھے مگر یہ سب کیسے ہو گیا اور کیوں ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یہ جھوٹ اور فریب ہے۔ میرا دل نہیں مانتا۔ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا۔ وہ گہری نظروں سے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔ منی کی بیوی کے انکشاف نے جو قیامت ان پر توڑی تھی۔ اس کی اذیت اور تکلیف کا احساس وہ ماں ہی کر سکتی ہے جو اٹھتے بیٹھتے بیٹے کے جوان ہوتے ہی اس کی شادی کے سپنے دیکھنے لگی ہو۔ جب اس کی خواہش کے پورے ہونے کا وقت نزدیک آ گیا ہو تو اسے یہ دلخراش اطلاع ملے تو اس پر کیا گزرتی ہے۔ یہ ہی ان کے ساتھ ہوا تھا۔

وہ غور سے اس کے سراپا' اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں مگر انہیں ایسی کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ اس کے شب و روز' تمام ایکٹویٹیز ان کے سامنے تھیں۔ کہیں بھی کوئی جھول موجود نہیں تھا' جبکہ اس نے خود کوثر سے اعتراف کیا تھا کہ وہ نکاح کر چکا ہے پھر شادی شدہ زندگی تو اس کی کسی ادا' کسی پہلو سے ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ ازدواجی زندگی کے نمایاں اثرات چہرے سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ غیر شادی شدہ زندگی' شادی شدہ زندگی سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ اس کا وجیہہ چہرہ' دلکش فولادی جسم' کہیں سے بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا اگر وہ خود اقرار نہ کرتا تو کوئی بھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتا تھا۔

''اُسامہ میری جان' میرے چاند بیٹے۔ کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے' مذاق کیا ہے آپ نے۔'' وہ اس کے ہاتھوں پر اپنے لب رکھ کر گلوگیر لہجے میں بولیں۔

ایک لمحے کو اس کا مضبوط دل تاریکی کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبا مگر دوسرے لمحے اس نے اپنی جذباتیت پر قابو پا لیا۔ سچائی بتاتے بتاتے اس نے اپنے لب سختی سے بھینچ لئے۔ وہ کس طرح اپنے کردار کو ان کی معتبر نگاہوں میں مشکوک کر سکتا تھا۔

''میں سچا تھا مما' آپ مجھے اماں جان سے زیادہ سمجھتی ہیں مگر مجھے احساس ہو رہا ہے۔ میں تنہا ہوں مجھے نہ آپ سمجھ سکی ہیں اور نہ اماں جان۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے' وہ بے حد مجبوری میں کیا۔ مما آپ مجھ پر بدکاری کا الزام برداشت کر سکتی ہیں۔ میں نے اپنی پپا کی اور اس خاندان کی عزت بچانے کے لئے مجبوراً نکاح کیا اگر آپ کہتی ہیں تو میں اسے چھوڑ دینے کو تیار ہوں مگر آپ کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا۔'' پریشان کرتی وضاحتوں نے حواس معطل کر دیے تھے۔ وہ بے بس و لاچار بنا اپنی ضمیر کی عدالت میں مجرم بنا کھڑا تھا۔ مستزاد یہ کہ اپنے کردار کے دفاع میں جھوٹ در جھوٹ بولنا پڑ رہا تھا۔ اس کی ذہنی و دماغی ٹینشن اپنے عروج پر تھی۔ اندر ایک حشر برپا تھا۔ مشکل اور مصائب نے ہر طرف سے اس پر یلغار کر دی تھی۔ وہ رشتے جو اس کی زندگی کا سہارا تھے۔ آج اس سے اس قدر بدظن تھے۔ اس کے منتشر و بدحواس جسم میں روح بے چینی سے فرار کے راستے تلاش کر رہی تھی۔

''کیا..... کیا نبیل کی طرح آپ کے ساتھ بھی کوئی مسئلہ ہو گیا تھا۔'' وہ چونکتے ہوئے اس کے چہرے پر نگاہیں ڈال کر بے تابی سے بولیں۔

''یہی سمجھ لیجئے۔ ورنہ آپ جانتی ہیں' میں کتنی صاف ستھری زندگی گزارتا آیا ہوں۔''

''پہلے بتا دیتے میری جان۔'' وہ مطمئن انداز میں اسے لپٹاتے ہوئے بولیں۔ ان کی آغوش میں اتنی ٹھنڈک' اتنا سکون تھا کہ وہ کچھ دیر کو سب کچھ فراموش کئے آنکھیں بند کر کے بیٹھا رہا۔

''اتنے عرصے تک تم نے یہ بات کیوں چھپائی۔ پہلے ہی بتا دیتے تو اتنا مسئلہ تو نہیں بنتا۔''

''ممی! اماں جان اور ڈیڈی کس طرح موم ہوں گے۔'' انہیں مطمئن دیکھ کر ان کی ممتا پر وہ قربان ہو گیا تھا۔ وہ اس کی ہر ادا' ہر غلطی و خودسری بہت خندہ پیشانی سے معاف کرتی آئی تھیں اور اب اس کا اتنا بڑا اقدام بھی انہوں نے رو دھو کر معاف کر دیا تھا۔ یہ ان کی سادہ طبیعت اور اس سے بے انتہا محبت کرنے کا بھرپور ثبوت تھا۔ وہ نادم ہو گیا تھا۔

''وہ لڑکی وہی ہے نا جو آپ کو اسپتال میں دیکھنے آئی تھی اور شاہ رخ کے ساتھ یہاں بھی ایک مرتبہ آئی تھی۔'' ان کے استفسار پر اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''بہت خوبصورت ہے نا وہ۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولیں۔ شاید لائبہ کا عکس دیکھنا چاہ رہی تھیں مگر وہ اس وقت قدرے سنبھل گیا تھا۔

''میری نظروں میں آپ سے زیادہ کوئی دوسرا چہرہ خوبصورت نہیں ہے۔''

''بنا رہے ہو مجھے شریر۔ یہ سچ ہے کہ جب میں نے پہلی مرتبہ اس لڑکی کو دیکھا تو میرے دل نے اسے بہت پسند کیا اور شدید آرزو ابھری کہ وہ میری بہو بننے کے لائق ہے۔ شاید وہی قبولیت دعا کی گھڑی تھی مگر یہ جو کچھ ہوا' اس طرح میں نے نہیں سوچا تھا۔ آپ نادانی میں انگاروں کی راہ گزر کے مسافر بن گئے ہیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کے ڈیڈی کا ردعمل کیا ہوگا' اس کے متعلق کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ شام کی فلائٹ سے آپ کی پھوپو چلی گئی ہیں اور اماں جان' روحیل اور عظمٰی کے ساتھ عمرے کے لیے رات کی فلائٹ سے روانہ ہو چکی ہیں۔ دل تو میرا بہو سے ابھی ملنے کو بیقرار ہو رہا ہے مگر مجبوری ہے۔ صبح کی فلائٹ سے مجھے آپ کے ڈیڈی کے پاس نیویارک روانہ ہونا ہے۔ صبح ان کی کال آئی تھی۔ وہاں سے واپسی پر دیکھتے ہیں کیا حالات ہوتے ہیں کیونکہ ابھی اماں جان نے بھی خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ جاتے وقت بھی کوئی بات وہ نہیں بولی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آتا اب حالات کیا رخ اختیار کریں گے۔

❖ ❖ ❖

رات کو سپنے تمہارے، دن کو یہ دنیا کے رنگ
فوقیت کیسے میں دے دوں دن کو اپنی رات پر
وہ جو تنہا کر گیا تو میں ہوں تنہا آج تک
انتہا میں نے بھی کردی اک ذرا سی بات پر

کمرا تاریک قبر بنا ہوا تھا۔ جامد خاموشی اور سناٹے میں اس کی سسکیاں گونج اٹھتیں تو ماحول اور زیادہ پر درد و سوگوار ہو جاتا۔ اس کی چاہتیں' جذبے' انتظار بہت بے دردی و سفاکی سے قتل کیے گئے تھے۔ وہ جسے اپنے من کا میت بنائے ایک عرصے سے جنونی انداز میں چاہتی چلی آ رہی تھی۔ اپنی ساری وفائیں' محبتیں' چاہتیں جس کے وجود سے منسوب کر چکی تھی۔ اس نے کتنی سنگدلی سے اپنی گلاب کے پیکر گلاب کی قصیدہ گوئی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے تھے۔ وہ خوابوں میں ڈوبی رہنے والی جذباتی خواب پرور لڑکی اپنی خیالی دنیا میں اس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اس کی چاہت کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے افق پر اڑنے لگی تھی مگر اس نے ایک ہی جھٹکے میں اپنی پیار کی سیڑھی اتنی سفاکی سے کھینچی کہ وہ چاہتوں کے افق پر چڑھی کسی مجروح تارے کی طرح ٹوٹ کر زمین پر بکھر گئی۔ اپنا ٹوٹا بکھرا زخمی وجود لئے وہ کئی دن سے اپنی یک طرفہ محبت کی موت کا سوگ منا رہی تھی۔

''وہ ایک عام سا شخص' عام ہی سوچوں اور خیالات کا مالک نکلا۔ وہ جو اپنی حیثیت اور تعلق بھلائے اسے اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی تھی۔ وہ کوئی کم سن یا ناسمجھ نہیں تھی۔ ایک مکمل ڈاکٹر اور بہترین ذہن رکھنے والی باشعور و سمجھدار لڑکی تھی اگر اس کی محبت' اس کی سوچوں پر اس طرح حاوی تھی۔ وہ کسی جاہل و ناسمجھ کی لڑکی کی طرح اٹھتے بیٹھتے اس کے سپنوں میں گم رہنے لگی۔ بہادر اور دلیر مرد ہر آئیڈیلسٹ لڑکی کا تصور ہوتا ہے۔ انور کی بہادری' دلیری اور غیرت مندی اسے اس رات ایسی بھا گئی کہ وہ اس کی ہوتی چلی گئی۔

مگر وہ اس کے تمام جذبوں سے بے خبر اپنی منکوحہ کے حسن اور محبت میں گرفتار تھا۔ کتنا اذیت ناک انکشاف تھا' کتنا تکلیف دہ کہ اس کی سانسیں بدن میں رک رک جاتی تھیں۔

کنول دروازہ کھلنے کے بعد مسز توفیق کی آواز کے ساتھ ہی کمرے کی تاریکی فانوس کی دودھیا روشنی میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے تیزی سے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر بازو رکھ دیے۔

''اوہ ڈارلنگ' یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی۔'' وہ ساڑی سنبھالتے ہوئے استعجابی انداز میں اس کی طرف بڑھیں۔ ''اوہ اتنا فلو ہو رہا ہے اور یہ آنکھیں کیوں اتنی سوجی ہوئی اور سرخ ہیں۔ کیا روتی رہی ہو۔ کیا ہوا ہے۔ وہ اضطراری حالت میں پے در پے سوالات کر گئیں۔ اس کی دگرگوں حالت' زرد چہرہ' سوجی ہوئی بھیگی آنکھیں ان کے تن من میں آگ بھر گئی۔ وہ تڑپ کر اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔ جو جل رہی تھی۔

''تین چار دن سے فلو ہو رہا ہے' میڈیسن لی تھی میں نے۔'' وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اس ہفتے میں بہت بزی رہی۔ دراصل معذور بچوں کی امداد کے لئے ہم ایک میوزیکل شو ارینج کر رہے ہیں۔ اس کے ٹکٹ فروخت کرنے میں بہت مشکلات

ہوئیں۔“ وہ پیار سے اس کے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے تفصیل بتانے لگیں۔ ان کی اپنائیت اور توجہ نے اس کی یاسیت اور دکھوں میں یک گونہ کمی کردی تھی ورنہ وہ ان کی ممتا سے بھی تشنہ ہی رہی تھی۔

✦ ✦ ✦

زندگی اس جلتے چراغ کی مانند ہے جسے ہوا میں رکھ دیا جائے اور ہوا کا کوئی سرکش جھونکا ہمیشہ کے لئے گل کردے۔ انسان کو نہ اپنی پیدائش پر اختیار ہے اور نہ موت پر۔ وہ کتنا بے اختیار و بے بس ہو جاتا ہے ان مراحل پر آ کر۔ میری زندگی تو چراغ کی ختم ہوتی لو کی طرح ہے جو کبھی بھی کسی لمحے کسی آن تاریک ہو جائے گی۔ لائبہ کا کیا ہوگا۔ میرے بعد کون ہوگا جو اسے سنبھال سکے گا۔ پھولوں کی طرح حساس کلیوں کی طرح معصوم چاند کی طرح تنہا میری جان کا کیا ہوگا۔ اس کی تنہائی و بے بسی کا خیال ہی تو مجھے مرنے نہیں دیتا۔ مرنے سے پہلے کچھ لوگوں کو اجل کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دینے لگتی ہے۔ یہ بات خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ وہ جانے والے ہیں۔ کوئی تدبیر کوئی تعویذ کوئی دعا، یا دوا سگے رشتے اور اہم تعلقات کوئی بھی پاؤں کی زنجیر نہ بن پائیں گے۔ میرے بعد کیا ہوگا۔

بدحواس و پریشان کردینے والی لامتناہی سوچیں آج پھر ماما کو جکڑے ہوئے تھیں۔ انہیں اپنی طبیعت رات سے پھر کچھ گڑبڑ لگ رہی تھی۔ ان کے اندر عجیب بے چینی و اضطراب پھیل رہا تھا۔ لائبہ کی زندگی اس کا مستقبل اس کی تنہائی انہیں کسی پل چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ ان کا خون نہیں تھی اس نے ان کی کوکھ سے جنم بھی نہیں لیا تھا پھر بھی بہت چھوٹی عمر میں وہ ان کی آغوش میں آ گئی تھی اور جب سے آج تک اس نے کبھی انہیں یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ اس کی ماں نہیں ہیں۔ وہ اپنے دل و جان ان پر چھڑکتی تھی۔ اتنی شدتوں سے انہیں چاہتی احترام کرتی کہ وہ اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہو ہو جاتیں۔ سگی اولاد سے زیادہ انہیں اس سے محبت و خلوص ملا تھا۔ ان کی ممتا سرخروئی و اطمینان پا گئی تھی۔

”ماما! ماما دیکھیے کون آیا ہے۔“ لائبہ کی مسکراتی آواز پر انہوں نے جلدی سے اپنے آنسو رومال میں جذب کئے اور چہرے پر سکون کے تاثرات پھیلائے پر تجسس نگاہوں سے لاؤنج کی طرف دیکھنے لگیں۔ دوسرے لمحے وہ مسکراتے ہوئے شاہ رخ کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

”السلام علیکم ماما جانی! طبیعت کیسی ہے آپ کی؟“ وہ اپنے انداز میں ان کے قریب بیٹھ کر بولا۔

”بہت بہتر ہوں۔ بہت عرصے بعد آئے آپ۔“ مضمحل چہرے پر مسکراہٹ چمکی۔

”اتنے عرصے بعد آیا ہوں جب بھی لائبہ کو کوئی احساس نہیں ہے۔ اس نے جھوٹے منہ ابھی تک چائے کو بھی نہیں پوچھا اگر جلدی جلدی آؤں گا تو شاید یہ مجھے گیٹ سے ہی بھگا دے گی۔“

”ارے ایسی بات نہیں ہے بھئی۔ لائبہ بہت مہمان نواز اور گھر آنے والوں کی عزت کرنے والی ہیں۔“

”چائے سے مہمان کی عزت کا کیا تعلق ہے۔“ لائبہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”بہت اہم ضرورت ہے یہ بھی آج کل کے وقتوں میں۔ چلو مجھے معلوم ہے تم نے ملازمہ کو چائے کے ساتھ تگڑے ناشتے کا بھی آرڈر دے دیا ہے۔ جب تک وہ تیار ہو تب تک کچھ ٹھنڈا ہی پی کر انتظار کے لمحے گزار لیتے ہیں۔ وہ اپنی طبیعت کے مطابق بے تکلفی سے بولا تو لائبہ کے ساتھ ماما بھی ہنس پڑیں۔ اسی دوران ملازمہ ٹرے میں لیمن اسکوائش ان دونوں کے لئے اور ایپل جوس ماما کے لئے لے آئی۔ لائبہ نے جوس ماما کو دینے کے بعد اسکوائش شاہ رخ کو دیا اور خود لیا۔

”خانساماں کو کہنا برگر اور کٹلس ذائقے دار ہونے چاہئیں شامی کباب کے ساتھ فنگر چپس اور آلو بخارے کی چٹنی ضرور ہو کیچپ بھی ضروری ہے۔“ ملازمہ سر ہلاتے ہوئے چلی گئی۔

”توبہ تم جیسے ندیدے کھاؤ پیر مہمان تو سال میں ایک بار ہی آئیں تو بہتر ہے۔“ لائبہ ہنستے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگانے لگی۔

”نہیں بیٹا۔ مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔“ وہ شاہ رخ کی دل آزاری کے خیال سے کہہ اٹھیں۔

”طوبیٰ کو بھی ساتھ لے آتے۔ انکل آنٹی واپس آ گئے۔“

”چھوٹے چچا کے بیٹے کی شادی کا اچانک ہی پروگرام بن گیا۔ دراصل دادی جان بہت بیمار ہیں۔ انہیں بہت شوق ہے اپنے پوتے کو دلہا بنے دیکھنے کا سو ان کی خواہش کے احترام میں ان کی جلد از جلد روانگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے شادی کی جا رہی ہے۔ طوبیٰ بھی پرسوں چلی گئی ہے۔“

”جلد از جلد روانگی۔ ابھی تم کہہ رہے ہو شدید بیمار ہیں کہاں جا رہی ہیں۔“

”اسٹوپڈ گرل۔ بھئی کبھی بھی اوپر سے ان کا ویزا اور ٹکٹ آ سکتا ہے۔ ملک عدم کی طرف انہیں روانہ ہو جانا ہے۔ اس نے اتنی بے ساختگی سے اوپر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ لائبہ بے اختیار ہنسی کو روکنے کے چکر میں اسکوائش کی دھانس لگا بیٹھی۔

”بہت بدتمیز ہو شاہ بڑوں کا تو احترام کرلیا کرو۔“ وہ ٹشو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

”انتخاب صاحب تو اکلوتے تھے اور ان کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔“ ماما شاہ رخ سے بولیں۔

”جی ہاں دراصل ڈیڈی کی چچی ہیں وہ۔“ شاہ رخ نے وضاحت کرتے ہوئے اسکوائش پیا۔

”مما! آپ کی ٹیبلیٹ کا ٹائم ہو چکا ہے۔ آپ بہت دیر سے یہاں بیٹھی ہیں۔ چلئے اپنے بیڈروم میں آرام کیجئے اب۔“ لائبہ ان کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

”آپ کو ہر دم میری فکر رہتی ہے۔ میں ٹیبلٹ خود کھا لوں گی۔ آپ شاہ رخ کو کمپنی دیں۔ میں جا رہی ہوں“۔ انہوں نے اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے دیکھ لئے تھے۔ ان کی حساسیت سے بھرپور ذہین آنکھیں اس کی تکلیف کو بھانپ گئی تھیں۔ وہ سراسیمہ سی کھڑی انہیں بغور دیکھ رہی تھی۔

”ماما کی بات درست ہے لائبہ مت پریشان ہوا کرو اتنا ماما آپ آرام کریں۔ آپ کی صحت کے لئے اتنی دیر بیٹھنا درست نہیں ہے۔“ وہ دونوں سے مخاطب تھا۔ ماما اپنے روم کی طرف چلی گئیں وہ شاہ رخ کے ساتھ ٹیرس پر آ گئی۔

تیز خوشگوار ہوا نے ان کا استقبال کیا۔ شام کا سہانا دلکش وقت تھا۔ نیچے سمندر میں لہروں کا کھیل جاری تھا۔ دھوپ کی سنہری کرنیں پانی پر جگمگا رہی تھیں۔ سورج اپنا راستہ طے کرتا اپنی منزل کے قریب پہنچ چکا تھا۔

”لائبہ! تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔“ فولڈنگ چیئر پر بیٹھا شاہ رخ بہت سنجیدگی سے بولا۔

”بھائی ہو تم میرے جس طرح طوبیٰ تمہیں چاہتی ہے ایسی ہی محبت میں تم سے کرتی ہوں۔“

”سچے دل سے کہہ رہی ہو نا۔ تم بھائی سمجھتی ہو۔ تو یہ بھی جانتی ہو کہ بھائی کبھی بھی اپنی بہن کا برا نہیں چاہتے۔ اپنی عزت غیرت زندگی سے زیادہ بہن عزیز ہوتی ہے۔“

”شاہ کیا ہو گیا ہے۔ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔“ حیرانی سے اس کی بری حالت تھی۔ شاہ رخ جیسا کھلنڈرا باتونی شرارتی غیر سنجیدہ انسان کا یہ بالکل نیا انوکھا روپ تھا۔ اس وقت آہستگی سے باتیں کرتا وہ بہت سنجیدہ بردبار ذمے دار لگ رہا تھا۔

”تم یہاں اطمینان سے بیٹھی ہو مگر تمہارے لئے رسوائی کا جال تیار ہو چکا ہے۔ ایک غیرت مند بھائی کی طرح اپنی بہن کی......“

”شاہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیسا جال۔“ لائبہ کسی انجانے خطرے سے زرد پڑ گئی تھی۔ ہاتھ پیروں میں کپکپاہٹ سی شروع ہوگئی۔

”تم ایک مرتبہ ڈیڈی کے ساتھ شکارپور گئی تھیں۔ وہاں واپسی میں ڈیڈی کے دوست نواز ملک سے مڈبھیڑ ہوگئی تھی یاد ہے نا تمہیں؟“ اس نے پریشان بیٹھی لائبہ پر ایک نگاہ ڈالی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”وہ تمہیں اور ڈیڈی کو اپنے ساتھ اپنے ڈیرے پر لے گئے تھے۔ ڈیڈی جانتے تھے وہ بری نیچر کے مالک ہیں۔ تمہارے خیال سے وہ وہاں رکنا پسند نہیں کر رہے تھے مگر انہوں نے زبردستی انہیں اپنی محبت و دوستی اور مروت میں رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔“

”اتنی لمبی تمہید کیوں باندھ رہے ہو۔“ اس کے حواس منتشر ہوئے جا رہے تھے۔ اس ناپسندیدہ ہوس زدہ شخص ملک نواز کی خباثت بھری نگاہوں کے علاوہ اور کچھ بھی اسے شدت سے یاد آنے لگا۔

”ڈیڈی اس فکر میں پریشان تھے کہ کسی طرح تمہیں وہاں رات رکنے نہ دیا جائے اور کسی نیکی کے صلے میں ان کی ملاقات پٹرول پمپ پر اچانک اُسامہ سے ہوگئی اور ڈیڈی جو اس کی بلند کرداری و اعلیٰ اخلاق سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے مختصراً تمام بات انہیں سمجھا کر درخواست کی کہ وہ کسی طرح بھی لائبہ یعنی تم کو ملک نواز کے ڈیرے سے لے جا کر گھر چھوڑ دیں۔ وہ راضی ہوگئے اور جب وہ کراچی سے میلوں دور تھے تو بارش شروع ہوگئی اور ساتھ ہی ٹائر بھی پنکچر ہو گئے تھے اور......“

”معلوم ہے مجھے تم کہنا کیا چاہ رہے ہو۔“ وہ بے چینی و اضطرابی انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ ندامت و حیا سے اس کا چہرہ تپ اٹھا۔ وہ اس پر بیتی ہوئی اسٹوری حرف حرف صحیح سنا رہا تھا۔ وہ آشنا اس راز سے کس طرح ہوا جس راز کو اس نے اپنے سینے میں ہی دفن کر دیا تھا۔ ماما کو بھی اس نے نہیں بتایا تھا پھر۔

”چائے یہاں لے آؤں بی بی جی۔ یا ڈائننگ ٹیبل پر۔“ ملازمہ اندر آ کر بولی۔

”یہیں لے آؤ۔ میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں۔ اس ہوا میں تو چائے پینے کا مزا ہے۔“ اس کے بولنے سے قبل ہی شاہ رخ بول اٹھا۔ ملازمہ گردن ہلاتی چلی گئی۔

”تمہیں یقیناً پریشانی و حیرانی ہو رہی ہے کہ یہ باتیں مجھے کیسے معلوم ہوئیں۔“ وہ اس کے نزدیک آ کر بولا۔ ”یہ اُسامہ نے مجھے بتائی ہیں۔ جن کے ہاں تم دونوں فرضی میاں بیوی بن کر ٹھہرے تھے وہ بڑی بی تم دونوں کی محبت میں اُسامہ کے گھر تم سے ملنے پہنچ گئیں۔“

”وہاٹ۔“ وہ حیرانی سے چیخ کر بولی۔ رنگ اس کا بالکل زرد ہو گیا۔

”ایزی ایزی ڈیئر۔“ وہ اس کے قریب بیٹھ کر نرم لہجے میں سر پر ہاتھ رکھ کر مخاطب ہوا۔ ”مجھے معلوم ہے میری بہن بہت اچھی نیک و معصوم ہے اُسامہ میرے بچپن کا دوست ہے۔ اس کے مزاج اخلاق عادات کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس نے وہاں جو رشتہ تم سے جوڑا تھا وہ ماحول اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر تھا۔ دراصل تعلیم سے محرومی اور جہالت کے اندھیروں نے ذہنوں سوچوں کو بہت پست اور محدود کر دیا ہے۔ وہاں نوجوان لڑکے لڑکی کا اس طرح بغیر کسی شرعی رشتے کے ساتھ گھومنا بہت معیوب و شرمناک سمجھا جاتا ہے۔ اور ممکن تھا کہ اُسامہ اگر سچ بتا دیتا تو کوئی بھی اس رات تمہیں وہاں پناہ نہ دیتا اور خوامخواہ بدنامی الگ ہوتی۔ اُسامہ نے تمہارے اور اپنے کردار کو شفاف و مضبوط رکھنے کی خاطر یہ جھوٹ بولا تھا مگر اس کا یہ جھوٹ اتنے عرصے بعد اس کے لئے رسوائی و پریشانی کا داغ بن گیا ہے۔ اس کے گھر کی تمام عورتوں کے سامنے ان محترم خاتون نے تمہارا ذکر کر ڈالا ہے۔ وہ سخت مشکل میں پھنس گیا ہے۔ نہ انکار کر سکتا ہے اور اقرار کرنے میں بھی اسے پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا ہے۔ تم اس کی دادی کے بارے میں نہیں جانتی ہو۔ وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرتی ہیں مگر اپنی خاندانی عزت پر انہیں غرور ہے۔ وہ کسی طور پر اپنے علاوہ کسی غیر خاندان کی لڑکیوں کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ نہیں رکھتیں۔ ان کے بے انتہا لاڈلے چہیتے فرمانبردار پوتے کے متعلق یہ خبر ملے گی تو خود سوچو ان کا ردعمل کیا ہوگا۔ اُسامہ کی مما بھی اسے بے حد چاہتی ہیں۔ ان پر کیا گزری ہوگی یہ سب کچھ سننے کے بعد۔“

”میں کیا کروں۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔ میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔“ وہ بری طرح رو دی۔

”رو نہیں پلیز۔ لائبہ اس کا سیدھا اور آسان حل یہی ہے کہ تم اُسامہ سے شادی کرلو۔“ اس نے سنجیدگی سے گویا اُسامہ کا بھیجا ہوا پیغام نشر کر دیا۔ وہ آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

”ایسی شکوہ کناں متنفر آنکھوں سے مجھے نہ دیکھو۔ یہ میری ہی نہیں اُسامہ کی بھی مرضی ہے۔“

”یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایک ناپسندیدہ شخص سے میں کبھی بھی ساری زندگی کا رشتہ قائم نہیں کر سکتی۔ میرا دامن پاک ہے میرے آنچل پر کسی گناہ کا رنگ نہیں ہے۔ میں کسی کی انا کی سرخروئی کی خاطر اپنی زندگی کا سودا نہیں کر سکتی۔ انہیں اپنی ذات کی کردار کی اتنی ہی فکر ہے تو کسی بھی لڑکی سے شادی کرلیں اور لے جائیں اپنے گھر والوں کے سامنے مگر میں ہرگز اس کھیل کے لئے تیار نہیں ہوں گی۔ اتنا گھمنڈی چرب زبان لفظوں پر حکمرانی کرنے والا شخص اپنے حق میں اپنے کردار میں اپنے اوصاف کی بلندی نہیں دکھا سکتا۔ اپنے بارے میں اتنی بے اعتمادی لاچاری افسوسناک ہے۔ لوگوں کے ذہن جگانے والا انہیں ان کے حقوق کی شناخت کروانے والا اپنی ذات کے

اظہار سے اتنا لاچار و بے بس ہے' حیرت ہے۔'' وہ غصے سے بولتی چلی گئی۔

''جذباتی مت ہو لائبہ۔ اُسامہ بہت اچھا بہترین انسان ہے۔ ایسے جیون ساتھی کی تو ہر لڑکی کو خواہش ہوتی ہے۔ وہ بہت پریشان اور ڈپریسڈ ہے۔ اس کی فیملی' اس کا بائیکاٹ کرچکی ہے۔ اسے اس وقت تنہا چھوڑنا بہتر نہ ہوگا۔ اس نے بچپن سے سب لوگوں کی بے حساب محبتیں' چاہتیں اور پیار سمیٹا ہے۔ اب ایک معمولی سی غلط فہمی پر سب لوگوں کا بیگانہ پن اور تکلیف دہ رویہ وہ کس طرح برداشت کرسکتا ہے۔ ایسے میں اسے.....''

''تم میرے بھائی بن کر آئے ہو یا اس کے وکیل۔ یہ ثابت ہوگیا آج' بہن بھائی کا رشتہ وہی پائیدار اور مضبوط ہوتا ہے جو سگے خون سے وجود میں آتا ہے اگر میں تمہاری سگی بہن ہوتی تو تم اس طرح اپنے دوست کی وکالت کرنے کے بجائے ایسی بات کہنے پر اس کا گلا دبا دیتے' مار ڈالتے اسے۔'' اپنی بے بسی و تنہائی پر اس کی آنکھیں دوبارہ برسنے کو تیار ہوگئیں۔

''اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی سسٹر۔ خدا گواہ ہے' تم مجھے اتنی ہی عزیز ہو جتنی طوبیٰ ہے۔ میں نے جو کچھ کیا' دوست کی وکالت کے لیے نہیں۔ بہن کی عزت کے لئے کیا اگر اُسامہ نے کوئی زیادتی کی ہے تو مجھے بلا جھجک بتاؤ۔ قسم ہے' مجھے تمہاری عصمت کی' تمہارا ہر بدلہ لینے کے لئے دوستی کبھی بھی حائل نہیں ہوگی۔'' اس نے سسکتی ہوئی لائبہ کو بازو کے گھیرے میں لے لیا تو وہ اس کے بازو سے لگ کر شدت سے رو دی۔

''میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔ یہ فیصلہ ہے میرا۔''

✦ ✦ ✦

تاحد نگاہ سبزے اور جنگلی خوش رنگ پھولوں کی بہتات تھی۔ پہاڑوں سے گرتے جھرنے وہاں کی خوبصورتی میں اضافہ کررہے تھے۔ تابندہ خواب ناک نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ سرخ سلک کے شلوار قمیص پر شیشوں کی بھرائی والی کوٹی اور دوپٹے میں اس کا وجود سبزے میں کھلے پھول کی طرح پرکشش اور دلکش لگ رہا تھا۔ فاران کی محبت سے لبریز گرم نگاہیں اس کے رخساروں کی سرخی میں اور اضافہ کررہی تھیں۔ گزرتا وقت اس کی محبتوں میں کمی کے بجائے بتدریج اضافہ کررہا تھا۔ وہ پروانے کی طرح اس پر فدا تھا۔ وہ اپنی قسمت پر کتنا رشک کرتی اتنا کم تھا۔

''ادھر دیکھیں نا' کتنا حسین منظر ہے۔ اس نے سرخ گھومتے پھولوں پر شوخ رنگوں کی تتلیوں کے غول کی طرف اشارہ کیا۔ جن کے دلکش پروں میں خوبصورت قوسِ قزح تھی۔

''تمہاری طرف دیکھنے سے فرصت ملے تو کہیں اور بھی دیکھیں جانِ من' یہ نگاہیں تو دیدارِ یار سے تھکتی ہی نہیں ہیں۔'' فاران اسے بازو کے گھیرے میں لے کر مدہوشی سے بولا۔

''توبہ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔'' اس کے چہرے اور لباس کا رنگ ایک ہوگیا۔

''یوں کھو گئے تیرے پیار میں ہم' اب ہوش میں آنا مشکل ہے۔ جب آنکھ ملانا مشکل تھا اب آنکھ چرانا مشکل ہے۔ یوں کھو گئے.....'' فاران اس کی طرف دیکھ کر گنگنانے لگا۔

''ایک تو آپ کو گانے بہت یاد رہتے ہیں۔'' وہ اس کے بازوؤں میں کسمسا کر رہ گئی۔

''اتنا رومانک موسم' دلکش وخوابناک ماحول۔ تمہارے چہرے پر مسرت کے بجائے سوچیں کیوں بکھر گئی ہیں۔'' وہ اس کے چہرے سے بال ہٹاتے ہوئے فکرمندی سے کہنے لگا۔

''پھوپو جان کا خیال آرہا ہے۔ کتنی خفا ہو رہی تھیں وہ ہمارے یہاں آنے پر۔ آپ بھی بحث کرتے ہیں ان سے اگر ان کی مرضی نہیں تھی' ابھی جھیجنے کی تو آپ رک جاتے۔''

''بور مت کرو یار۔ یہ موسم' یہ تنہائی صرف اپنی بات کرو۔ خوشبو جیسی' چاندنی کی طرح۔'' وہ گھاس پر نزدیک ہی لیٹ گیا۔ اس کے چہرے پر الجھن تھی۔

''جس سے پیار کیا جاتا ہے' اس سے وابستہ سب رشتے خود بخود ہی پیارے اور عزیز ہو جاتے ہیں اور وہ تو آپ کی ماں ہیں۔ بھلا ان کی دل آزاری وافسردگی میں کس طرح برداشت کرسکتی ہوں۔ آپ کچھ دن اور رک جاتے۔'' تابندہ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''وہ میری ماں ہیں۔ انہیں تم مجھ سے زیادہ نہیں جان سکتیں۔ وہ ماں ضرور ہیں مگر ان کے اندر بہت خود پسند ظالم روح ہے۔ وہ اپنی مرضی کے آگے کسی کو اہمیت نہیں دیتیں' انہیں لوگوں کو دکھ درد میں تڑپتے دیکھ کر ازحد مسرت ہوتی ہے۔ ان کی مرضی کے احترام میں' میں نے اتنے ماہ گزار دیے ہیں مگر ان کی مرضی نہیں بدلی۔''

''آپ سمجھیں تو سہی۔ عرفان بھائی کی جدائی نے انہیں چڑچڑا کردیا ہے اگر آپ بھی ان سے اس طرح رویہ اختیار کریں گے تو کیا سوچیں گی پھوپو جان' انہیں پیار و ہمدردی کی ضرورت ہے۔''

''عرفان بھائی ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے ملک بدر ہوئے ہیں۔ چلو ہوٹل چلتے ہیں' کالام کے لئے کل صبح روانہ ہوں گے۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''آپ..... آپ شاید ناراض ہوگئے مجھ سے۔'' وہ اس کی سنجیدگی محسوس کرکے آہستگی سے بولی۔

''تم سے بھلا ناراض ہو کے خود سے دشمنی کرنی ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر شوخی سے بولا۔

✦ ✦ ✦

آفس ٹیبل کے پیچھے اُسامہ چیئر پر بیٹھا فائلوں میں مستغرق تھا۔ اچانک انٹرکام کی بیل نے اس کی محویت توڑی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ اس کی بھاری سنجیدہ آواز گونجی۔

''یس..... بھیجئے انہیں اندر۔'' اس نے ریسیور رکھ کر بہت بے زاری بھی ہوئی نگاہیں دروازے پر مرکوز کردیں۔ اس کے چہرے پر ناگواری' آنکھوں میں ناپسندیدگی کا عکس واضح تھا۔

''ہیلو۔'' دروازہ کھلا۔ شاکنگ پنک ریشم ساڑی میں چمکتی دمکتی' مہکی لپکتی ساحرہ زمان ادائے دلبری سے اپنے باڈی گارڈ سمیت اندر داخل ہوئی۔ اسے مجبوراً اور اخلاقاً کھڑا ہونا پڑا۔

''خیریت کیسے آنا ہوا؟'' وہ گھبراہٹ میں پوچھ بیٹھا۔ وہ خود پر پڑنے والی ناگہانی آفت کے سبب رستم زمان سے کئے گئے وعدے کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی اسے ان کا خیال آگیا۔

''واہ وینڈرفل' آپ کا آفس ایسا ہے تو بیڈروم کیسا ہوگا۔ وہ میرا مطلب ہے گھر کیسا ہوگا۔'' اس کے تنے ہوئے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی وہ گھبرا کر جملہ بدل گئی۔ اس کی ستائشی وتوصیفی نگاہیں وہاں رکھے قیمتی فرنیچر' بیش قیمت فانوس' میچنگ پردوں اور تصاویر پر تھیں۔

''میں پوچھ رہا ہوں آپ کی یہاں تشریف آوری کا سبب۔'' وہ دانت بھینچ کر بولا۔

''ایسی بھی کیا بے مروتی و بیگانگی' بیٹھنے کو بھی نہ کہیں گے۔ میرا نہیں تو کم ازکم ان باڈی گارڈز کا ہی خیال کرلیجئے۔'' وہ قدرے جھک کر نزاکت سے بولی۔

''جی بیٹھیں۔'' اس کا انداز بدستور جبر کا تھا۔ ''آپ کب سے اتنی اہم ہوگئیں۔''

''ہا..... ہا..... ستم تو یہی ہے۔ آپ کو ابھی تک ہماری اہمیت کا اندازہ نہیں ہوا۔ اس نے بے باک قہقہہ لگایا۔

''آپ لوگ باہر جا کر بیٹھئے۔ یہ صاحب کم ازکم ہمارے لئے تو مرد نہیں ہیں۔'' وہ اپنے گارڈز سے مخاطب ہوئی تھی مگر آخری لفظ اس نے آہستگی سے صرف اُسامہ کو سنانے کے لئے کہے تھے۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔ آپ کی نگاہوں میں سستے اور گھٹیا جذبات رکھنے والے حرام خور مرد ہوتے ہیں۔'' وہ اپنی مردانگی پر اتنی گہری ضرب قطعی برداشت نہیں کرسکا۔

''آپ تو واقعی ناراض ہوگئے۔ میں نے تو جوک کیا تھا۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''میرا اور آپ کا مذاق کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' اس کا موڈ بری طرح بگڑ چکا تھا۔

''کیا آپ اپنے مہمانوں کو یونہی ٹرخا دیا کرتے ہیں۔ مہمان چاہے بن بلائے ہی کیوں نہ ہوں۔''

''فرمائیے' کیا پینا پسند فرمائیں گی آپ۔'' عزت نفس کی کتنی قلت ہے اس عورت میں۔

''اب تو عرصے سے زہر عشق پینے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اگر آپ زہر بھی پلائیں گے تو امرت لگے گا۔''

''مسز رستم زمان اخلاق سے گری ہوئی باتیں ایک اعلیٰ سوچ' مہذب ومعتبر ہستی کی وائف ہونے کے ناتے آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ آفٹر آل رستم زمان کو میں اپنے والد کی طرح عزت دیتا ہوں۔ اس رشتے کے حوالے سے آپ بھی بہت معتبر ومعزز ہیں میرے لئے۔'' وہ بگڑے تیور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے درشت لہجے میں بولا۔

''تمہاری موجودگی میں تو ہم ٹھنڈا ہی پینا پسند کریں گے۔'' وہ چہکنا گھڑا اٹھی۔

اس نے انٹرکام پر کولڈ ڈرنک لانے کا آرڈر دیا۔ ''اب بتایئے یہاں کیوں آئی ہیں۔''

''آپ نے صرف ایک کا کیوں آرڈر دیا۔ کیا ہمارا ساتھ اس حد تک ناگوار ہے۔'' وہ چیئر پر بہت ایزی انداز میں بیٹھی افسردگی سے پہلو بدل کر بولی۔

''پلیز مسز رستم' وقت میرا ہی نہیں آپ کا بھی قیمتی ہے۔'' وہ اپنی جھنجلاہٹ پر قابو نہ پاسکا۔

اسی لمحے سیکریٹری کولڈ ڈرنکس ملٹی ٹشو میں لپٹی اسے دے کر چلا گیا۔

''رستم صاحب کا درد ابھی ٹھیک نہیں ہوا ہے اور ان کی مخالف پارٹی نے کارکنوں میں پھوٹ ڈلوادی ہے۔ وہ الگ الگ پارٹیاں بنانے کا عزم کئے بیٹھے ہیں۔''

''کیا مطلب۔ ورکرز میں محاذ آرائی۔ اس سے تو پوری پارٹی کا پاور آؤٹ آف کنٹرول ہو جائے گا۔'' وہ بے حد الجھے ہوئے لہجے میں جیسے خود سے مخاطب ہوا۔ وہ کوک کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتی ہوئی بغور اس کے وجیہہ ودلکش چہرے کو گویا نگاہوں میں قید کررہی تھی۔ سرخ وسپید چہرے پر روشن ڈارک براؤن آنکھوں میں اسے ہمیشہ کی طرح خودسری وغرور کی چمک نظر آرہی تھی۔ سیاہ گھنی مونچھوں تلے سرخی مائل ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے انوکھی کشش لئے ہوئے تھے۔ اس کی پرسنالٹی ہی اتنی سحر انگیز ورزبردست تھی کہ صنف مخالف کو کسی مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ لیا کرتی تھی۔ مستزاد اس کا اکھڑ اسرد و لاپروا انداز بھی اس جیسی عورتوں کے لئے زبردست کشش ودلکشی لئے ہوتا تھا۔

''میں جلد ہی سر کے پاس آؤں گا۔ تب معلوم ہوگا اصل معاملہ۔'' اسی دم فون کی گھنٹی بجی' ''اوہ شاہ رخ۔'' دوسری طرف سے آواز آنے پر وہ بشاش لہجے میں بولا۔ ساحرہ نے اس کے درشت اور اکتائے ہوئے چہرے پر تیزی سے پھیلتے اشتیاق واضطراب کے سائے دیکھے۔

''کیسا رہا گیم۔ شکست ہوئی یا فتح۔'' وہ ساحرہ کی موجودگی کی وجہ سے ذومعنی لہجے میں بولا۔

''شکست۔'' دوسری طرف سے جواب سن کر لمحہ بھر میں اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آنکھیں غصے سے گلابی ہوگئی تھیں۔ ساحرہ بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں۔ مجھے یقین ہے' تم آخری ٹائم تک جیتنے کے لئے کوشش کرتے رہے ہوگے۔ نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کچھ نہیں ہوگا مجھے۔ گھر والوں کی طرف سے ابھی بے فکر ہوں۔ اماں جان' چچا کے ساتھ عمرے پر گئی ہیں۔ صبح کی فلائٹ سے ممی بھی نیویارک چلی گئی ہیں' تائی ہیں گھر میں۔ تم میری فکر مت کرو۔ یہ گیم مجھے ہی کھیلنا پڑے گا۔ اور جیتنا بھی' تم مت بدحواس ہو۔ زندگی بچانے کے لئے بعض موقعوں پر حرام بھی حلال قرار دے دیا گیا ہے۔ تم صرف انکل سے بات کرلو۔ باقی سارا درد سر میرا ہے۔ اوکے بائے۔'' اس نے ریسیور رکھ کر بے اختیار دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''خیریت تو ہے نا۔آپ بہت ڈسٹرب لگ رہے ہیں۔''اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''اوہ۔جی بالکل نہیں۔''اس کی آواز پر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ورنہ فون سن کر اس کے حواس ہی معطل ہو گئے تھے۔''سر کو سلام کہیے گا۔''وہ اٹھتے ہوئے بولا تو اسے بھی اٹھنا پڑا۔

''آپ جا رہے ہیں'لیکن ابھی تو آفس ٹائم ختم نہیں ہوا۔''وہ استعجابی لہجے میں بولی۔

''مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔''وہ فائلیں سیف میں لاک کرتے ہوئے گویا ہوا۔

✦ ✦ ✦

''کس کا فون تھا؟''لائبہ نوری کو فون سنتے دیکھ چکی تھی'قریب آ کر بولی۔

''وہ بی بی جی۔وہ رانگ نمبر تھا۔''وہ گڑبڑا کر بولی۔

''تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔تمہاری حرکتیں تو مجھے نہ معلوم کیوں مشکوک لگتی ہیں۔''

''ماما بیگم!کیا میری صورت چوروں جیسی ہے۔لائبہ بی بی جی اکثر مجھے مشکوک'مشکوک کہتی رہتی ہیں۔''وہ قریب بیٹھی سیب کھاتی ماما سے شکایتی لہجے میں کہنے لگی۔

''مشکوک کہا ہے میں نے'چور نہیں۔غلط مطلب مت نکالو میری بات کا۔''وہ چڑچڑے پن سے بولی۔

''کیا بات ہے بیٹا۔کل سے کچھ پریشان اور الجھی الجھی لگ رہی ہو۔''ماما اس کے چہرے پر نہ معلوم کیا کھوج رہی تھیں۔انہیں اپنی فکر تھی۔

''ہاں جی'کل شاہ رخ صاحب کے جانے کے بعد سے میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں بلکہ جب میں چائے لے کر گئی تو بی بی رو بھی رہی تھیں۔''نوری کی زبان فر فر چل رہی تھی۔

''چپ نہیں رہو گی تم۔بہت سر چڑھا لیا ہے ماما آپ نے اسے۔''وہ غصے سے چیخ کر بولی۔

''لائبہ'لائبہ بیٹا۔یہ انداز'یہ لہجہ آپ کا نہیں نہیں ضرور کوئی بات ہے۔''بیمار و لاغر سی ماما اس کی پریشانی کے خیال سے پوری طرح کانپ اٹھیں۔ان کی حالت لمحوں میں غیر ہو گئی۔

''ماما'ماما پلیز سنبھالیے خود کو'کچھ نہیں ہوا۔''وہ گھبرا کر ان کی کمر سہلانے لگی۔''تماشا کیا دیکھ رہی ہو۔جا کر پانی لے آؤ۔یاد رکھنا ماما کو کچھ ہو گیا تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''وہ بہتے آنسوؤں سے جنونی انداز میں کہنے لگی۔نوری خوف سے تھر تھر کانپتی ہوا کی طرح گلاس میں پانی لے آئی۔اس کی اس بلا سوچے سمجھے بولنے کی عادت نے اسے خوار کر رکھا تھا۔

''ماما'آپ شاہ رخ کی عادت جانتی ہیں نا۔اس نے مجھے اتنے لطیفے سنائے'اتنا ہنسایا کہ میری آنکھوں میں ہنسنے سے آنسو آ گئے تھے۔نوری غلط سمجھی تھی۔''وہ چہرے پر مسکراہٹ سجاتی انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگی جن کی طبیعت کچھ بہتر نظر آ رہی تھی۔

''معاف کر دیجیے جی مجھے۔میری بہت زیادہ بولنے کی عادت ہی مجھے رسوا کرواتی ہے۔''وہ گلوگیر لہجے میں ہاتھ جوڑ کر پہلے ماما پھر لائبہ سے بولی۔

''یہ عادت ختم کرواؤ'زیادہ بولنا ویسے بھی بے وقوفی کی علامت ہے۔''لائبہ نے کہا۔

''لائبہ بیٹا'یہ رات کو اپنے گاؤں ٹرین سے چلی جائے گی۔اس نے کوئی منت مانی ہو گی۔اب وہ پوری ہو گئی ہے۔''تو یہ مزار پر چادر چڑھانے جانا چاہ رہی ہے۔آپ ایسا کریں'اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔واپسی میں کچھ شاپنگ بھی کروا دیجیے گا۔''

''ماما'میں کبھی کسی مزار پر نہیں گئی اور عورتوں کو مزاروں پر جانا بھی نہیں چاہیے۔''

''بی بی جی!میں نے منت مانی تھی اگر منت کی نیت پوری نہ کی جائے تو بڑا نقصان ہوتا ہے۔''

''تم ڈرائیور کو ساتھ لے جاؤ۔''اس نے اس سے بحث کرنا فضول سمجھا۔

''ڈرائیور گاؤں گیا ہوا ہے۔بی بی جی بڑی دعائیں دوں گی جی آپ کو اور ماما بیگم کو۔خدا کے لئے مجھے مزار پر لے چلئے۔''وہ التجائیہ لہجے میں ہاتھ جوڑ کر بولی۔

''چلو ایک تو تم نے واسطہ خدا کا دیا ہے جس کی خوشنودی اور رضا کی خاطر میری جان بھی حاضر ہے اور ماما کے لئے مجھے دعاؤں کی شدید ضرورت ہے۔''وہ ماما کے ہاتھ کو بوسہ دے کر بولی۔

کچھ دیر بعد اس کی کار کلفٹن کی کشادہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔لائبہ کار ڈرائیو کر رہی تھی۔اس کے برابر میں بیٹھی نوری بہت شوق سے باہر گزرتے نظاروں کو دیکھ رہی تھی۔اس کی زبان خاموش تھی۔لائبہ نے اسے کبھی لفٹ نہیں دی تھی۔وہ اسے پہلے دن سے ہی پراسرار لگی تھی۔البتہ اس نے ماما کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔بہت چاہتی تھیں وہ اس کو۔

''بی بی جی!ذرا پیچھے کی سائیڈ سے گاڑی لے چلیں۔وہاں فلیٹ میں میری جاننے والی کام کرتی ہے اس کے پاس میرا سامان رکھا ہے۔''وہ اسے مزار کی سائیڈ کا رٹرن کرتے دیکھتے ہوئے ملتجی لہجے میں بولی تو اس نے کار فلیٹس کی جانب موڑ دی اور اس کے اشارے پر ایک لگژری پلازہ کے سامنے کار روک دی۔

''آیئے بی بی جی'آپ کو بھی ان سے ملواؤں گی۔''وہ اترنے سے پہلے بولی۔

''تم جاؤ'جلدی سے آؤ۔''وہ ارد گرد دیکھتے ہوئے بولی۔

''وہ بی بی جی!یہاں لفٹ کا نظام ہے۔میری سمجھ میں نہیں آتا۔اس وقت چوکیدار بھی نہیں ہے۔''

''چلو بابا!تم تو پوری جان کا جنجال بن گئی ہو۔''کل سے اس کا موڈ بہت خراب تھا۔

سیکنڈ فلور فلیٹ نمبر تھری پر وہ اس کے ساتھ کھڑی تھی۔پہلی بیل پر آٹومیٹک ڈور کھل گیا تھا۔وہ سرمئی بڑا دوپٹہ درست کرتی اس کے پیچھے اندر چلی آئی۔

''یہاں تو بہت خاموشی ہے۔ایسا لگتا ہے جیسے کوئی رہتا ہی نہیں ہے۔اس نے فل فرنیشڈ اے سی روم کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔کمرا خوش ذوقی و امارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔جہاں ڈیکوریٹڈ تمام اشیا امپورٹڈ تھیں۔

''کہاں ہیں تمہاری جاننے والی۔وہ پیچھے مڑ کر نوری سے مخاطب ہوئی تو چکرا کر رہ گئی۔نوری نہ معلوم کس لمحے کسی جن کی طرح غائب ہو چکی تھی۔

''نوری.....نوری......''وہ وحشت زدہ سی دروازے کی طرف بڑھی۔اسی دم درمیانی دروازہ کھول کر جو شخص اندر آیا'اسے دیکھ کر وہ سکتے کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی۔سرخ چہرہ'بکھرے بال'لہو رنگ آنکھیں'اُسامہ اسے اپنے حواسوں سے بیگانہ محسوس ہوا۔

اُسامہ نے کھٹاک سے اندرونی گیٹ لاک کر لیا۔

✦ ✦ ✦

''استاد'یہ نئے بندے بھیجے ہیں سرکار نے۔چلو اٹھو'سلام کرو استاد کو۔یہ سرکار کے بہت خاص آدمی ہیں۔انہیں خوش رکھو گے تو تم بھی خوش رہو گے۔''برکت انور کے بعد ان چار لڑکوں سے مخاطب ہوا۔اس کے لہجے میں خوشامد اور چاپلوسی تھی۔وہ چاروں کھڑے ہو گئے۔

''سلام استاد۔''کچھ سہمے'گھبرائے سے وہ نوعمر لڑکے انور کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے سلام کرنے لگے۔لائٹ گرین جینز'ملٹی کلر کی شرٹ میں اس کا ورزشی جسم نمایاں تھا۔

''چل اوئے خوشامدی ٹٹو'چائے بھیج جا کر۔زیادہ بک بک نہ کیا کر۔''اس کی غراہٹ پر برکت اپنا چشمہ درست کرتا کان دباتا ہوا چلا گیا۔

''اوئے'نئے تو نہیں ہو تم۔''وہ نئے بندوں کو اتنی جلدی رسی سے آزاد نہیں کرتا تھا'کیا کیا وارداتیں کی ہیں جو تمہیں اس طرح یہاں اتنی بڑی واردات کے لئے بھیجا ہے اور سنو میں جھوٹ بندے کی آنکھوں سے پہچان جاتا ہوں۔''برکت تو خوشامدوں اور مکھن بازیوں سے خود کو بہت عقل مند اور بہادر سمجھتا ہے۔وہ تمہارے جھوٹ کو سچ سمجھ چکا ہے مگر میں نہیں۔''انور ان چاروں کے چہرے بغور دیکھتا ہوا کرخت لہجے میں بولا۔

''استاد'میرا نام یاسر ہے۔اس سے پہلے میں نے اور اس نے کئی بم بلاسٹ کیے ہیں'مختلف علاقوں میں'جن سے بہت تباہی اور بڑے نقصانات ہوئے تھے اور کئی لوگوں کی جانیں بھی گئی تھیں۔اس کامیابی پر خوش ہو کر میرا عہدہ بڑا کر دیا ہے اور اسی لئے مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔''یاسر نے اپنے برابر میں بیٹھے لڑکے کی جانب اشارہ کر کے فخریہ لہجے میں بتایا۔

''اور استاد'میرا نام سعید ہے۔اور اس کا خوشنود'ہم دونوں بہت عرصے سے سرکار کے لئے کام کر رہے ہیں۔مختلف جماعتوں کے درمیان چلتی محاذ آرائیوں سے فائدہ اٹھا کر ہم نے بہت خاموشی اور پراسرار انداز میں ایک دوسرے کے بندے مارے ہیں۔شہر میں کبھی سکون و امن نہیں ہونے دیا۔ایک جماعت والے دوسرے پر الزام لگا کر اپنا انتقام لینے لگتے ہیں اور ہمارا پلان مکمل ہو جاتا ہے۔پارٹیاں ایک دوسرے کو الزامات دیتی رہتی ہیں۔ہمارے بندے دونوں طرف شامل ہوتے ہیں اور لوگوں میں اشتعال اور نفرت انگیز'تعصبانہ'فرقہ ورانہ باتیں پھیلاتے رہتے ہیں۔''

''اور بے قصور و معصوم لوگ'بلا سوچے سمجھے اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے اور آپس میں دست و گریباں ہو جاتے ہیں پھر بات بڑھتے بڑھتے آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔''

''لیجیے استاد'گرما گرم'کڑک دودھ پتی چائے حاضر ہے۔پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ڈالا استاد اس میں'اپنی آنکھوں کے سامنے بنوا کر لایا ہوں اور ساتھ تازی تازی پیسٹریاں بھی لے آیا ہوں۔''برکت کیتلی میں چائے'کپ اور دو پلیٹوں میں کیک پیسٹریاں لے کر آ گیا۔

''لو استاد۔''یاسر نے پھرتی سے کپ میں چائے بھر کر اس کی طرف بڑھائی'ساتھ میں پیسٹریوں کی پلیٹ بھی۔''

''تم لوگ بھی پی لو چائے اور پیسٹریاں بھی کھا لو۔''انور پیسٹری چائے میں ڈبو کر کھاتے ہوئے بولا۔

''پہلے آپ پی لو استاد۔بعد میں ہم بھی پی لیں گے۔''اکبر بولا۔

''تمہارے ساتھ پیٹ نہیں لگا ہوا کیا۔آئندہ میرے سامنے ایسی مسکے والی بات کی تو گردن توڑ ڈالوں گا۔میں صاف بات کرنے والے کو پسند کرتا ہوں۔یہ فضول کی جی حضوری مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔''انور اسے گھور کر غصے میں بولا تو وہ چاروں جلدی جلدی چائے سے پیسٹریاں کھانے لگے۔

برکت چائے دے کر واپس گیٹ پر چلا گیا تھا۔وہ پانچوں اس وقت ایک گودام کے تہہ خانے میں موجود تھے'جہاں ضروریات زندگی کی ہر چیز موجود تھی۔انور کے رویے اور چہرے کے تاثرات سے وہ چاروں کچھ خوفزدہ تھے اس لئے سانس بھی آہستہ آہستہ لے رہے تھے۔ایک تو اپنے انداز سے بہت اکھڑ اور غصہ ور لگ رہا تھا۔مستزاد برکت نے بھی بہت کچھ انہیں اس کے بارے میں سمجھا دیا تھا اور سرکار کی طرف سے بھی ان کو حکم ملا تھا'انور کی ہر بات فوری ماننے کا۔

''ابے اوئے'تیرے آگے پیچھے کوئی نہیں۔ماں باپ'بہن بھائی وغیرہ وغیرہ جو تو اس دھندے میں آیا ہے۔''انور چائے پیتے ہوئے یاسر سے مخاطب ہوا۔

''ابا کا تو میرے بہت عرصے پہلے انتقال ہو گیا تھا استاد!اماں بہت بیمار اور بڑھیا ہو گئی ہے۔گھر میں چار جوان بہنیں بیٹھی ہیں۔دو چھوٹے بھائی ہیں۔گھر میں بہت مشکلیں'پریشانیاں تھیں۔ماں اور بہنیں محنت مزدوری کرتیں۔اس کے باوجود گھر میں ایک وقت چولہا جلتا'وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے'اس پر پکنے والی روٹی ہم لوگوں کے لئے تھوڑی ہوتی'گھر کی غربت و بھوک سے تنگ آ کر میں نے بڑی مشکلوں کے بعد ایک فیکٹری میں نوکری ڈھونڈی۔ایک مہینہ وہاں مشکل سے گزرا۔جب تنخواہ ملنے کا وقت آیا تو وہاں کی یونین کے صدر اور فیکٹری کے مالک میں جھگڑا ہو گیا کسی بات پر۔سارے مزدوروں کو اس نے کام سے روک دیا۔کچھ عرصے تک ہڑتالوں کا سلسلہ چلتا رہا'فیکٹری کے مالک نے اس کے مطالبات نہیں مانے اور فیکٹری کو تالا لگا دیا۔مجھ جیسے کئی لوگ روزی و روزگار دونوں سے محروم ہو گئے۔اس کے بعد بھی بہت جگہ کوششیں کیں مگر حالات کے باعث فیکٹریاں کارخانے تالے بندی کا شکار ہو گئے تھے۔بستی کے زیادہ تر لوگ فیکٹریوں'کارخانوں میں ہی ملازم تھے۔جو ان کے بند ہو جانے کے باعث مسلسل مالی پریشانیوں اور فاقہ کشی کا شکار ہو کر اپنے والدین بیوی بچوں کو بھوک و افلاس میں مبتلا دیکھ کر اور بھی تڑپ رہے تھے مگر سوائے صبر کے کر ہی

کیا سکتے تھے۔ میرے گھر میں بھی دو دن سے کچھ نہیں پکا تھا۔ بوڑھی ماں اور دونوں چھوٹے بھائی بھوک سے بے ہوش ہو گئے اور جوان بہنیں نڈھال' اس وقت میرے اندر چور نے جنم لیا۔ میں نے پہلی چوری اپنی جھونپڑی کے سامنے بنے بنگلے میں سے ایک باورچی خانے سے کی اور قسمت سے کامیاب رہا۔ اس رات میرے گھر والے سکون کی نیند سوئے' جب مجھے معلوم ہوا جو چیز محنت اور تلاش سے نصیب نہیں ہوتی' وہ چوری سے مل جاتی ہے۔ پھر میرے لئے مشکلیں آسان ہوتی گئیں۔ نئی راہیں کھلتی گئیں۔ ایک بار میں کار چوری کرتے وقت پکڑا گیا اور تھانے سے میری ضمانت سرکار نے ہی کروائی۔ مجھے اپنی ضمانت کا سن کر بہت حیرت ہوئی۔ کون تھا مجھے اس قید سے رہائی دلانے والا۔ میرے اس پیشے سے تو گھر والے لاعلم تھے پھر بہت جلد سرکار کے ساتھیوں نے بتایا کہ وہ میرے سب کارناموں سے واقف ہیں اور سرکار کے پاس ان تمام وارداتوں کے ثبوت بھی ہیں پھر میں سرکار کے لئے کام کرنے لگا۔ شروع شروع میں میرے ضمیر نے' میرے دل نے مجھے بہت پریشان کیا۔ چھوٹی موٹی کاروں' اسکوٹروں کی چوریاں بے ضرر سی تھیں۔ انسانی جان لینا آسان کام نہیں تھا۔ اس دلیری و بے جگری کی ٹریننگ مجھے سرکار کے آدمیوں نے دی۔ اب میں نئے آنے والے لڑکوں کو ٹریننگ دیتا ہوں۔ انسانوں کا قتل مچھر مکھی سے بھی معمولی ہے اب میرے لئے۔ اب گھر میں بھی خوشحالی ہے۔ چاروں بہنوں کی اچھے گھرانوں میں شادیاں ہو گئی ہیں' دونوں چھوٹے بھائی اعلیٰ اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں' ماں بھی تندرست اور صحت مند ہو گئی ہے۔ وہ جھونپڑی چھوڑ کر میں نے اس علاقے کی سب سے مہنگی کوٹھی منہ مانگے دام پر خریدی ہے۔ سرکار پیسہ دل کھول کر دیتا ہے' پھر ہم کام بھی سر پر کفن باندھ کر کرتے ہیں۔ اگر کامیاب رہے تو زندہ آئیں گے' پکڑے گئے تو پولیس کو کچھ بتانے سے پہلے ہی اپنی جان دے دیں گے۔'' یاسر جوش و خروش سے اپنی اسٹوری سنا رہا تھا۔ انور نے دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں تو یاسر خاموش ہو گیا۔

✦ ✦ ✦

''آ...... آ...... آپ یہاں۔ وہ...... نو...... نوری۔'' لمحے بھر میں اس کے شکوک کو سچائی مل گئی۔ وہ اپنا چکراتا سر پکڑ کر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی۔ اگر اُسامہ تیزی سے آگے بڑھ کر اسے تھام نہ لیتا تو وہ زمین بوس ہو چکی ہوتی۔ اس نے اسے بازوؤں میں اٹھا کر قریبی صوفے پر لٹا دیا۔ اس کا چہرہ خطرناک حد تک زرد ہو گیا تھا اور ٹھنڈے کمرے کی ٹھنڈک کے باوجود پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ وہ مکمل بے ہوش تھی۔
وہ اپنا غصہ اپنا قہر بھول کر جلدی سے ریفریجریٹر سے ٹھنڈا پانی گلاس میں انڈیل کے لے آیا اور اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دینے لگا مگر وہ ایسے ہی مدہوش وہ بے خبر رہی تو وہ بچ مچ بوکھلا اٹھا۔ گلاس سینٹر ٹیبل پر رکھ کر وہ اس کے قریب دوزانو بیٹھ گیا اور جھک کر اس کے ہونٹوں اور ناک پر اپنے ہاتھ مضبوطی سے رکھ دیے۔ دو تین سیکنڈ بعد اس نے کچھ بے چین ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ اُسامہ نے شکر کا سانس لیتے ہوئے اپنے ہاتھ ہٹا لئے۔ وہ کچھ لمحے لاشعوری انداز میں اس کے چہرے کو دیکھتی رہی جو اس سے کچھ فاصلے پر تھا۔ شعور کے بیدار ہوتے ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھنے لگی۔
''لیٹی رہو۔ ابھی تمہاری طبیعت......'' وہ نرمی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر بولا تو وہ اس کے ہاتھ کو جھٹک کر تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بدحواسی و پریشانی اس کی متوحش آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔
''کیا ہے یہ سب۔ نوری دھوکے سے مجھے یہاں لے کر آئی' میں پہلے دن ہی اس سے کھٹک گئی تھی۔ ہر قدم پر وہ مجھے اپنی نگرانی کرتی محسوس ہوتی تھی اور یہاں آنے سے پہلے بھی میں نے اسے پراسرار انداز میں فون اٹینڈ کرتے دیکھا تھا مگر وہ ماما کی وجہ سے مجھے جھٹلا گئی تھی۔ کہاں چھپا دیا ہے اسے' بتائیں مجھے۔ جان سے مار دوں گی میں اسے۔ اس نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا ہے۔ ماما کو بے وقوف بنایا ہے۔'' اس کا انداز سو فی صد ہذیانی ہو گیا تھا۔
''ریلیکس نوری کا کردار صرف یہیں تک تھا۔ وہ اسٹیشن کے لئے روانہ ہو چکی ہے۔''
''کتنے گھٹیا انسان ہیں آپ' بہت کمینے اور گرے ہوئے' کیا حق پہنچتا ہے آپ کو اس طرح دوسروں کی عزت کا تماشا بنوانے کا۔ کیوں اتنا ڈبل گیم کھیل کر مجھے یہاں بلوایا ہے۔ کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں میرے۔ چاہتے کیا ہیں آخر آپ۔'' اپنی بے بسی پر شدت سے رو دی۔
''تم سے شادی کرنا۔'' وہ اسے گھور کر اطمینان سے بولا۔
''نہیں۔ کبھی نہیں' ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اپنی ناپسندیدہ چیزوں کو میں ایک گھنٹے بھی برداشت نہیں کر سکتی پھر آپ جیسے شخص کو میں ساری زندگی کیسے برداشت کر سکتی ہوں۔ وہ اس کے بگڑتے تیور سے قطعی مرعوب نہیں ہوئی۔'' پرس سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''تمہیں شاہ رخ نے ساری حقیقت سمجھا دی ہے پھر کیوں اتنا اکڑ رہی ہو۔'' وہ جھٹکے سے اسے صوفے پر گرا کر غرایا۔ ''تم سمجھتی ہو' تمہاری محبت میں' میں مجبور ہو کر تمہاری بدتمیزی اور دشنام طرازیاں برداشت کرلوں گا۔ یو فول' تم میری شرافت اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔ کیا عیب دیکھا ہے تم نے مجھ میں۔ کون سے جرائم میں ملوث ہوں۔ کون سی کمینگی و پستی دیکھ لی تم نے مجھ میں جو ہر موقعے پر تم میرے کردار اور میری قوتِ برداشت کی دھجیاں اڑاتی رہتی ہو۔ کب اخلاق سے گری ہوئی حرکتوں کا مرتکب ہوا ہوں۔ بولو' بولو جواب دو۔'' وہ جنونی انداز میں اسے دونوں ہاتھوں سے جھنجوڑ کر کہنے لگا۔ اس کا انداز وحشیانہ تھا۔
''تمہاری وجہ سے میں بہت خوار ہوا ہوں۔ تمہاری بے قدر محبت نے مجھے آج اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے' جہاں میرے لئے چاروں طرف کانٹوں بھرے راستے ہیں۔ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی مجرم قرار دیا گیا ہوں۔ میرا دل صاف ہے۔ مگر کردار پر ذلت اور اوباشی کے دھبے لگے ہیں۔ میرے سگے میرے پیارے' جو میری پچھ دنوں کی جدائی برداشت نہ کر سکتے تھے آج مجھے تنہا کر گئے ہیں۔ میں نے اپنی ذات' کردار اور انا کی اتنی حفاظت کی تھی کہ کوئی شیشوں کی بھی ایسی حفاظت نہ کرتا ہوگا مگر میری ذرا سی غفلت عاقبت نااندیشی نے مجھے رسوائیوں کے اندھیروں میں دھکیل دیا ہے۔ یہ سب جو بھی ہو رہا ہے' تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ اس وقت غصہ اور جنون کی آخری اسٹیج پر تھا۔ آنکھوں اور چہرے سے آگ برس رہی تھی۔
''ہوش میں رہیں۔ آپ جو بھگت رہے ہیں وہ آپ کا ہی کیا ہوا ہے۔ مجھے جھوٹے الزامات مت دیں۔ کیا سمجھتے ہیں آپ' اس طرح مجھے احمق بنا لیں گے۔'' وہ ذرا بھی خوفزدہ نہیں ہوئی۔
''تم احمق نہیں احمق ترین ہو۔ اپنی انا اور ضد میں اکڑی' بے وقوف لڑکی ہو......''
''آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا' اس طرح میری بے عزتی کرنے کا۔''
''یہاں میری جو بے عزتی ہو رہی ہے' اسے کون سہارا دے گا۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔
''یہ میرا دردِ سر نہیں ہے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر پرس لے کر کھڑی ہو گئی۔
''میں تمہارے سر کا درد نہ سہی مگر تم تو میرے دل کا درد ہو۔ میں تمہیں اپنے دل سے جدا نہیں کرنا چاہتا۔''
''مجھے گھر جانا ہے' دروازہ کھولیں۔'' لائبہ بہت جرأت و ہمت مجتمع کر کے اس کا مقابلہ کرتی آ رہی تھی۔ مگر اب اس کی آنکھوں اور چہرے پر چھائی سرخی سے اسے خوف آ رہا تھا۔
''میری پرابلم سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ذہنی و روحانی اذیتوں میں مبتلا ہوں۔ تین دن سے میں ان اذیتوں میں گرفتار ہوں۔ نہ مجھے نیند آتی ہے اور نہ بھوک پیاس لگتی ہے اگر تمہاری نظروں میں' میں مجرم ہوں سارا قصور میرا ہے تو اس جرم میں تم بھی میرے ساتھ برابر کی شریک ہو۔ تم کس طرح مطمئن و بے فکر ہو۔ تمہاری وجہ سے میں شعلوں میں گھرا ہوا ہوں۔'' وہ اس کے مقابل کھڑا اسے قائل کرنے کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا۔
''آپ کی تکالیف سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں نے آپ کی غلط بیانی پر اس وقت بھی مخالفت کی تھی پھر آپ کس طرح مجھے شریک کر سکتے ہیں۔'' لائٹ بلو جینز وائٹ لائننگ شرٹ میں اس کا دراز سراپا کسی چٹان کی طرح اس کے راستے میں ایستادہ تھا۔
''تم اس طرح شریک ہو کہ تمہاری وجہ سے ہی مجھے اس عذاب میں گرفتار ہونا پڑا ہے۔ نواز ملک نہ تمہیں دیکھ کر بھیڑیا بنتا اور نہ انکل افتخار کو ازحد پریشان و فکرمند ہونا پڑتا اور اگر اتفاقاً میں پیٹرول پمپ پر ان سے نہ ٹکرایا ہوتا تو کہاں ہوتیں آج تم۔ سوچو تمہیں جو اپنے حسن پر غرور ہے' اپنے سراپا پر ناز ہے۔ کچھ بھی نہیں ہوتا آج اور شاید تم بھی۔ تمہاری خاطر آج میں مصائب و تفکرات میں مبتلا' کردار کی جنگ لڑ رہا ہوں اور تم اتنی خودغرض و خودپسند ہو کہ کچھ محسوس ہی نہیں کر رہی ہو۔'' وہ غصے میں اپنی ہتھیلی پر مکا مار کر بولا۔ اضطراری انداز میں اس نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔
''یہ بات تو آپ نے ضرور سنی ہوگی مسٹر اُسامہ ملک! جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے' درحقیقت وہ خود ہی اس میں گرتا ہے۔ آپ نے مجھے رسوا و بدنام کرنے کی سازش کی تھی آج خود آپ اپنے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس گئے ہیں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں مسکرا کر بولی۔
افتخار انکل کی پارٹی والے دن کے اور فون پر بولے گئے اس کے تکلیف جملے اس کے ذہن میں گونجتے رہتے تھے اور ہر بار زخم لگا جاتے تھے۔ وہ بھلائے نہیں بھولتی تھی ان لفظوں کو۔
''تمہاری چاہ کے جذبوں پر میں نے ہزار بار خود کو ملامت کی ہے مگر اب معاملہ میرے اختیار سے باہر ہو چکا ہے۔ میں اپنے کردار' اپنی ذاتیات و اخلاقیات پر گندگی کی کوئی چھینٹ برداشت کرنے سے پہلے موت کو ترجیح دوں گا۔ اس معاملے میں بہت انتہاپسند و جذباتی ہوں میں۔ تم اپنی ذاتی انا و خودپسندی کے خول سے باہر نہیں نکلنا چاہتیں مگر میں اس طرح نظروں سے گر کر زندہ رہنا پسند نہیں کروں گا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا۔ اُس کی ساری ذمے داری تم پر ہوگی۔'' لہجہ اس کا انتہائی سرد اور تیور خطرناک حد تک بگڑ گئے تھے۔ اس نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر کارنر کی سیف دراز سے بھاری ریوالور نکال لیا۔ اس وقت وہ مکمل جنونی' حواس باختہ اور شعور سے بیگانہ ہو گیا تھا۔
''یہ...... یہ کیا کر رہے ہیں۔'' لائبہ بدحواسی سے بوکھلا کر اس کی سمت بڑھی۔ بیگ اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ پوری جان سے لرز گئی۔ اُسامہ نے ریوالور اپنی کنپٹی سے لگا لیا تھا۔ اس کے انداز میں سچائی و صداقت تھی۔ لہو رنگ آنکھوں اور سرخ چہرے پر جنون چھایا ہوا تھا۔ اسی پر دو زبردست دھماکے ہوئے' لائبہ نے اس کا بازو عین وقت پر کھینچ لیا تھا اور اچانک جھٹکے سے اُسامہ کا ہاتھ کنپٹی سے ہٹ کر ریوالور کا رخ فانوس کی جانب ہو گیا تھا۔ دو سرخ شعلے فانوس کو چکنا چور کر چکے تھے۔ کانچ کے ریزے تیزی سے گر کر قالین پر دور تک پھیل گئے۔
''چھوڑو مجھے' نہیں چاہیے مجھے تمہاری ہمدردی۔'' وہ ایک جھٹکے سے اس کے دونوں ہاتھوں سے اپنے بازو چھڑاتا ہوا غرایا مگر لائبہ کوندی کی طرح اس کے بازو سے چپک گئی تھی۔ اس کا تنفس بری طرح اپ سیٹ تھا۔ خوف اور پریشانی سے اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ مضبوط جسم' اعلیٰ ذہانت رکھنے والا بندہ' اس انتہاپسندی پر اتر آئے گا کہ خودکشی پر تیار ہو جائے گا۔ اس کے معاملے میں وہ لاکھ کٹھور' سنگدل' بے حس سہی مگر بحیثیت انسان کس طرح اسے موت کے اندھیروں میں گم ہوتے دیکھ سکتی تھی۔ وہ ایسی سفاک و قاتل ہرگز نہ تھی۔
''نہیں...... نہیں میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ بری طرح رو دی۔
''خوف ہو گا نا تمہیں کہ میرے مرنے کے بعد سارا الزام تم پر آئے گا۔'' وہ زہرخند لہجے میں بولا۔ ''جاؤ چلی جاؤ۔ میں تم پر کوئی الزام نہیں آنے دوں گا۔ چلی جاؤ' لعنت بھیجتا ہوں میں اپنی محبت پر' اپنے جذبات پر' اپنے دل پر جو تم جیسی بددماغ' خودپسند اور خودغرض لڑکی پر مرمٹا۔ وہ جھٹکے سے اس سے بازو چھڑا کر ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔
''میں آپ کو اس طرح چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔'' وہ روتے ہوئے کہنے لگی۔ اُسامہ کے ہاتھ میں ریوالور بدستور تھا' اس کے تیور بتا رہے تھے اس کے جانے کے بعد وہ فائر کر کے خود کو ختم کر لے گا۔
''جس طرح تم مجھے دیکھنا چاہتی ہو' کل اخباروں میں دیکھ لینا۔ فی الحال جاؤ یہاں سے۔ تمہارے یہ جھوٹے' فریبی' مکار آنسو میرے ارادے کو کمزور نہیں کر سکتے۔ تمہاری ان آنکھوں کی معصومیت اور افسردگی کے سبب میں بہک گیا تھا۔ اب میں کسی دھوکے میں نہیں آؤں گا۔ ویسے بھی یہ خوشی کے آنسو ہوں گے تمہارے لئے۔ اس سے زیادہ مسرت اور دلی آرزو پوری ہونے کا دن اور کوئی نہ ہوگا کہ آج تمہیں مجھ جیسے ناپسندیدہ آدمی سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا مل جائے گا۔'' اس کے طنزیہ دہکتے ہوئے

جملے اسے مزید بدحواس اور بوکھلاہٹ کا شکار کر رہے تھے۔

''خدا گواہ ہے' میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا۔ میں تو صرف آپ سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں۔'' وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی سسکیوں کے دوران بولی۔

''پیچھا ہی چھوڑ رہا ہوں' ہمیشہ کے لئے۔'' وہ دہاڑ کر بولا۔

''مگر اس طرح نہیں' یہ حرام موت ہے۔ اللہ کبھی پسند نہیں کرتا اسے۔''

''اور جس غلاظت کے چھینٹے میرے اور تمہارے کردار پر پڑے ہیں' وہ کیا ہیں۔ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ کتنا بڑا الزام ہے یہ۔ جس کی وجہ سے میں ذہنی طور پر اس حد تک دیوالیہ اور بے بس ہو گیا ہوں کہ موت کو اپنے ہاتھوں گلے لگانے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ تمہیں اگر میری باتوں پر ابھی بھی یقین نہیں ہے تو میں لاچار ہوں تمہیں سمجھانے سے۔'' وہ اپنی لہو رنگ آنکھیں اس کے زرد چہرے پر ڈالتے ہوئے بولا اور اس کا ہاتھ ایک مرتبہ پھر کنپٹی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ لائبہ ایک دم ہذیانی انداز میں بول اٹھی۔

''میں تیار ہوں۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ سسکتے ہوئے کہنے لگی۔

''ترس کھا رہی ہو میری زندگی پر یا احسان کر رہی ہو۔ وہ جھک کر اس کے نزدیک گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہوا استہزائیہ لہجے میں بولا مگر اس کی جانب سے نہ اقرار ہوا نہ انکار وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپائے روتی رہی۔

''اونہوں۔ اس طرح نہیں۔ میں اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز اس طرح روتے سسکتے ماحول میں نہیں کرنا چاہتا۔ پہلے مسکرا کر دل سے اقرار کرو کہ تمہیں میرا ساتھ ہنسی خوشی منظور ہے تاکہ ہماری زندگی پرسکون و پرمسرت گزرے۔ میں تم پر زبردستی یا جبر نہیں کرنا چاہتا۔ ورنہ ان سارے مسئلوں سے چھٹکارے کا حل ہے میرے پاس۔'' وہ ہاتھ میں پکڑے ریوالور کو گھماتا ہوا بولا۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔ صرف آپ کو حرام موت سے بچانے کے لئے ہامی بھر رہی ہوں اور اس سے زیادہ کی توقع مت رکھیئے گا مجھ سے۔'' وہ آنسوؤں کے درمیان چیخ کر بولی۔

''ہا...... ہا...... خیال۔ احساس' مروت' چلو کچھ تو تمہارے اندر میرے لئے بیدار ہوا۔ اس کے اقرار نے ایک دم ہی جیسے اس کے اندر زندگی کی رمق بیدار کر دی تھی۔'' وہ سیکنڈ بعد فریش اور نارمل ہو گیا تھا۔ اس کے لب مسکرانے لگے تھے۔ آنکھیں جگمگا اٹھی تھیں۔

''لاک کھولیں مجھے جانے دیں اب۔'' وہ دوپٹے سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی۔

''نہ معلوم کس نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں نرم گوشہ پیدا کیا ہے۔ گھر جا کر دوبارہ تمہارا فیصلہ تبدیل ہو گیا تو میں تو بے موت مارا جاؤں گا۔ اس لئے اب جب تک تم مس لائبہ نور سے مسز اُسامہ ملک نہیں بن جاتیں' گھر سے باہر نہیں جا سکتیں۔ اس کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا اور لائبہ کو اپنے بدن میں سنسناہٹ دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ مارے شرم و حیا کے گردن ہی نہ اٹھا پاتی مگر یہاں معاملہ دوسرا تھا۔ اس ظالم و بے رحم کے ریوالور اور خطرناک اٹل ارادے نے اسے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا تھا اور وہ بلا سوچے سمجھے خوف و گھبراہٹ میں ہاں بھی کر گئی تھی۔ اس کے وہم میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنی جلد بازی سے کام لے گا۔

✦ ✦ ✦

''خوبصورت دن کتنی جلدی گزر جاتے ہیں۔ خوشبو بھری ساعتیں' رنگین لمحات ایسے گزرتے ہیں' جیسے ہاتھوں کی بند مٹھی سے ریت کے ذرات' یہ پندرہ دن مجھے اپنی زندگی کا حاصل محسوس ہوئے ہیں۔ کتنے پیارے لمحے تھے' اپنی مرضی سے اٹھنا' جاگنا' سونا' کھانا' گھومنا' خواب لگیں گے یہ دن ہمیں گھر جا کر۔ فاران قریب بیٹھی تابندہ سے مخاطب تھا۔

''گھر پر بھی آپ اپنی مرضی سے سوتے' جاگتے' کھاتے اور گھومتے ہیں' کبھی کسی نے منع کیا ہے۔ تابندہ مسکرا کر بولی۔

''ممی کی ڈکٹیٹر شپ کے باوجود ایسا محسوس کرتی ہو' حیرت ہے؟'' وہ اس کے بال بکھیرتے ہوئے منہ بنا کر بولا۔

''نہ معلوم کیسے بیٹے ہیں آپ۔ اپنی ماں میں برائیاں نکالتے رہتے ہیں۔''

''کبھی کبھی بہت بور کرتی ہو۔ بات کہیں کی ہو اور تم کہاں لے جاتی ہو۔ تمہیں اچھی اچھی باتیں کرنی نہیں آتیں۔ یونہی دل جلانا آتا ہے۔'' وہ منہ بنا کر دور ہو کر لیٹ گیا۔

''توبہ ایک تو آپ روٹھتے بہت ہیں۔ مردوں کو زیب نہیں دیتا روٹھنا۔ یہ تو خالصتاً عورتوں کا شعبہ ہے۔'' وہ شوخی سے بولی تو فاران ناراضگی بھول کر اس کے چہرے پر پھیلے دلکش رنگوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا' تم دن بدن اتنی حسین کیوں ہوتی جا رہی ہو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے خود پر گرا کر مخمور لہجے میں بولا۔

''ٹکٹ لینے جانا ہے آپ کو صبح کی فلائٹ سے واپس چلنا ہے۔'' وہ بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں نے کہا تھا نا' تم کوئی اچھی بات کر ہی نہیں سکتیں۔ سارے موڈ کا ستیاناس کر دیا۔ تین چار دن کے بعد چلیں گے۔ بہت قیمتی ہیں' ہماری زندگی کی یہ انمول گھڑیاں۔''

''نہیں' پھوپو جان' انتظار کر رہی ہوں گی اور آپ کے بزنس کا بھی ہرج ہو رہا ہے۔'' اس کی نگاہوں میں صالحہ بیگم کا خونخوار رویہ گھوم گیا۔ اب وہ اس کا کتنے شاندار طریقے سے سواگت کریں گی' اس کا تصور ہی اسے ہولائے دے رہا تھا۔ فاران کے سامنے تو وہ پھر بھی کچھ لحاظ کر جاتی تھیں کہ وہ فوراً اس کی حمایت لینے لگتا تھا مگر اس کے پیچھے کون انہیں روکنے والا تھا۔ اب مزید یہاں کچھ دن رک کر وہ اپنی شامت کو آواز نہیں دے سکتی تھی۔

''ہوں' بزنس سے زیادہ مجھے ممی کی فکر ہے۔ ان پندرہ دنوں میں انہوں نے خوب جملے یاد کر لئے ہوں گے۔ استقبال کے لئے۔ جاتے ہی اٹھارہ توپوں کی سلامی ملے گی۔ اچھا میں جا رہا ہوں۔ مجھے شاید کچھ دیر ہو جائے۔ اگر تمہارا دل گھبرائے تو نیچے پارک میں چلی جانا۔ میں کاؤنٹر پر چائے کا آرڈر دے کر چلا جاتا ہوں۔ گھبرانا نہیں۔'' وہ برش سے بال بناتا بولا۔

''آپ مجھے کوئی بچہ ہی سمجھتے ہیں جو اتنی ہدایات اور دیکھ بھال و خیال رکھتے ہیں۔'' وہ مسکرائی۔

''تم ہمارا خیال رکھو نہ رکھو مگر ہمیں تو رکھنا پڑتا ہے' کیونکہ ہم آپ کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔'' اس نے شگفتہ مزاجی سے شکوہ کر ڈالا تھا' وہ ندامت سے نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔ اس کا گلہ درست تھا کہ وہ اکثر پھوپو جان کو خوش رکھنے کی کوشش میں اس سے غفلت برت جاتی تھی مگر وہ خندہ پیشانی سے درگزر کر جاتا تھا۔ پھوپو کو پھر بھی اس سے گلہ ہی رہتا تھا۔

وہ ریلنگ سے جھانک کر اسے دور تک جاتا دیکھتی رہی۔ اسلام آباد آئے انہیں آج تیسرا دن تھا۔ شمالی علاقہ جات وہ خوب گھوم کر آئے تھے۔ یہاں کا بھی چپہ چپہ فاران نے اسے دکھایا تھا۔ وہ ایک اعلیٰ معیار کے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ فارن کی کار نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو وہ اندر آ گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ دو نگاہیں بہت بے قراری و بے چینی سے اس کا جائزہ لے رہی ہیں۔ وہ کمرے میں آ کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ ابھی اسے لیٹے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ دوپٹہ درست کر کے اٹھ گئی اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ سمجھ رہی تھی۔ ویٹر چائے لے کر آیا ہو گا مگر دوسری طرف کھڑی لڑکی کو دیکھ کر اس کی حیرانی اور مسرت سے چیخ نکل گئی۔

''حسنہ تم......!''

''ہاں تابی!'' جواباً حسنہ بھی بے تابی سے اس سے لپٹ کر بے اختیار رو دی۔ کچھ دیر بعد آنسوؤں کی برسات تھمی تو تابندہ اسے ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر لے آئی۔

''یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی۔ تم ایسی تو نہیں تھیں۔'' تابندہ اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ پنک سوتی ساڑی جس کا باڈر بلیک تھا میں اس کا جسم ہڈیوں کا ڈھیر محسوس ہو رہا تھا۔ خوبصورت چہرے کی شادابی مرجھا چکی تھی۔ چہرہ بے رونق' ہونٹ خشک تھے' وہ پہچانی مشکل سے جا رہی تھی۔

''تم یہاں کب آئیں۔ مجھے کہاں دیکھا؟'' تابندہ خوشی اور دکھ کی متضاد کیفیت میں مبتلا' گلاس میں پانی بھر کر اسے دیتے ہوئے بولی۔

''میں ایک ہفتے سے آئی ہوں یہاں۔ میں نے صبح تمہیں اور فاران کو ڈائننگ ہال میں ناشتہ کرتے دیکھا تھا۔ اس وقت مجھے اپنی بصارت پر دھوکہ ہوا تھا۔ تم ناشتا کر کے شاید وزٹ پر نکل گئے تھے' جب سے اب تک میں نے بہت مشکل سے وقت کاٹا ہے۔ اب تمہیں فاران کو خدا حافظ کرتے وقت سامنے والے روم کی کھڑکی سے بغور تمہارا جائزہ لے رہی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا تم تابندہ ہی ہو تو میں فوراً ہی دروازے پر دستک دینے پہنچ گئی۔''

تابندہ انٹرکام پر ایک کپ چائے کا اور آرڈر دے چکی تھی جو ویٹر ابھی دے کر گیا تھا۔ ایک کپ اسے دینے کے بعد دوسرا کپ اس نے لے لیا۔ اس کی نگاہیں حسنہ کی طرف تھیں۔

''گھر میں سب کیسے ہیں؟ ممی' پپا' بھائی' بھابیاں' بچے۔ وہ گرم گرم چائے فافٹ پی کر اس کے قریب ہو کر بے تابی سے پوچھنے لگی۔ اس کی نادم نگاہوں میں جو رنگ تھے' تابندہ تڑپ اٹھی تھی۔ اس کرب و تکلیف کو محسوس کر کے' اپنے سے وابستہ رشتے سب فرضی رشتوں پر بھاری ہوتے ہیں۔ اپنوں کی تو مار میں بھی چاہت ہوتی ہے۔

''سب ٹھیک ہیں۔ تم سناؤ کیسی ہو۔'' تابندہ دانستہ اس سے سب کچھ چھپا گئی۔

''تم یہ نہیں پوچھو گی' اس رات میں گھر سے بھاگی کیوں تھی۔'' اس کی بھیگی پشیمان پشیمان آنکھوں سے بہتا دل کا خون' تابندہ سے چائے نہ پی گئی' اس نے کپ ایک گھونٹ بھر کر ایسے ہی رکھ دیا۔

''داستان بہت لمبی ہے مگر میں مختصر کر کے سناؤں گی' کیونکہ میں فاران کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔ تم دل میں کوئی غلط خیال مت لانا۔ وہ مجھے بھائی کی طرح ہی عزیز ہے۔''

''میں تنگ دل و تنگ نظر نہیں ہوں حسنہ' مجھے تمہاری کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''ہاں میں جانتی ہوں۔ تمہیں اللہ نے بہت اچھی مٹی سے بنایا ہے۔ اب غور سے سنو' اس رات جب میری مہندی تھی۔ سب باہر گانوں اور ڈانس میں مصروف تھے۔ میں جو موقع کی تلاش میں تھی' اسی وقت کھڑکی کے ذریعے منجھلی بھابی کے کمرے میں چلی گئی تھی۔''

''کیا! مگر بھابی نے تو ذکر نہیں کیا۔'' اس انکشاف پر وہ اچھل پڑی۔

''دراصل یہ چکر انہی کا چلایا ہوا تھا۔ عدنان سے میری پہلی ملاقات انہوں نے ہی کروائی تھی۔ عدنان جو اب میرے شوہر ہیں۔ وہ انہی کی دوست کے چھوٹے بھائی ہیں۔ بھابی نے اپنے میکے میں ہی ان سے میری ملاقات کروائی تھی۔ عدنان میں وہ ہر خوبی تھی جو ایک آئیڈیل مرد میں ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ میں بھی ان کی محبت میں گرفتار ہوتی چلی گئی اور آخرکار انہوں نے رشتہ بھیجا تو ممی' پپا مان نہیں رہے تھے پھر بھابی نے نہ معلوم بھائی کو کس طرح راضی کیا کہ وہ ممی' پپا پر دباؤ ڈالیں' یہ رشتہ طے کروانے کے لئے۔ پھر ممی' پپا شاہد بھائی کی وجہ سے مان گئے۔ بہت دھوم دھام سے ہماری منگنی ہوئی۔ گھر کا ماحول تمہیں معلوم ہے آزادانہ تھا' پھر ہماری ملاقاتوں کا ذریعہ بھابی ہی بنیں۔ اس کے بدلے ہم سے منہ مانگی فرمائشیں پوری کروایا کرتیں۔ کبھی مہنگی ترین ساڑیاں تو کبھی گولڈ کی چین' ہار' ٹاپس' چوڑیاں اور بھی نہ معلوم کیا کیا۔ عدنان کا اپنا بزنس تھا اور وہ مجھ سے ٹوٹ کر محبت بھی کرتا تھا۔ مجھ سے ملنے کی خاطر وہ بھابی کو ان کی خواہش سے بڑھ کر گفٹ دیتا تھا اور میں تو اس وقت انہیں اپنا سب سے زیادہ چاہنے والا خیر خواہ ہمدرد سمجھتی تھی۔ منگنی کروا کر اور ملاقاتوں کے مواقع دینے کے بعد تو میں ان کی بے دام غلام ہو گئی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے میرے ہونٹوں پر انہی کے گن رہتے' میں دوڑ دوڑ کر ان کی ہر بات مانتی' ہر کام کرتی۔ کتنی مرتبہ ان کے اکسانے پر میں نے ممی کے سیف سے انہیں ہزاروں کے نوٹ نکال کر دیے۔ ان کی سونے کی کئی چیزیں چوری کر کے دیں۔ اب سوچتی ہوں تو خود اپنی سوچ اور حرکتوں پر کڑھنے اور رونے کے سوا کیا کر سکتی ہوں۔ کتنی لالچی اور مکار ہیں وہ۔ بھائی کی پوری تنخواہ ہاتھ میں لینے کے بعد انہوں نے کتنا ہمیں لوٹا اور میرے ذریعے ممی کا سیف خالی کروایا اور اتنی صفائی سے سب کچھ کیا کہ ان پر آنچ تک نہیں آئی۔ میں تو ان دنوں عمر کے اس دور میں تھی' جب نصیحت و ہدایت کرنے والا زہر سے زیادہ کڑوا لگتا ہے۔ میں جذبات کے جوش میں ہوش کھو بیٹھی تھی۔ جوان کے دوغلے اور مکار چہرے کو پہچان نہ سکی۔ شادی کی تیاری پوری ہو چکی تھی۔ عدنان کے گھر والے بس تاریخ لینے آنے ہی والے تھے کہ اچانک ان کے کپڑوں کے گوداموں میں آگ لگ گئی اور بزنس ڈاؤن ہو گیا۔ انہوں نے کچھ دنوں کے لئے شادی کا ارادہ ملتوی کر دیا اور انہی دنوں صالحہ خالہ فاران کا پروپوزل لے کر آ گئیں۔ فاران تمہیں پسند کرتا تھا اور مجھ سے اس نے شادی کی ہاں نہیں کی تھی مگر خالہ نے بہت جتن اور بڑے دلاسوں کے بعد انہیں راضی کر لیا تھا۔ یہ سب گفتگو میں نے چھپ کر سنی تھی۔ ممی فوراً راضی ہو گئیں اور عدنان کے گھر والوں کو کہہ دیا اور منگنی توڑ دی۔ میں بہت روئی' بہت احتجاج کیا۔ مگر ممی جو مجھے پھولوں کی طرح رکھتی تھیں۔ اس وقت پتھر بن گئیں۔ میں نے تمہیں بار بار یہ تمام

باتیں بتانے کی کوشش کی مگر ممی سمجھ گئی تھیں۔ جب ہی وہ تمہیں میرے پاس تنہا نہیں چھوڑتی تھیں۔ ادھر عدنان کی بھی بہت بری حالت تھی' وہ مجھے فون پر روز بھابی کے کمرے میں وعدے قسمیں یاد دلایا کرتا تھا' میں تو ان دنوں ہوئی اس کے عشق میں اندھی رہی تھی۔ مستزاد اس آگ پر بھابی اور پیٹرول چھڑک کر بھڑکایا کرتی تھیں۔ انہوں نے ہی یہ منصوبہ بنایا تھا جس کی قیمت انہوں نے مجھ سے قیمتی ہیروں کا گلوبند سیٹ کی صورت میں لی جو ممی نے میرے لئے بطور خاص نیویارک سے منگوایا تھا۔ اس رات میں ان کے بیڈ کے نیچے چھپی رہی۔ دوسرے دن جب سب میری گمشدگی اور بارات کے ہنگاموں میں لگے ہوئے تھے۔ وہ بہانے سے مجھے کار کی ڈکی میں بند کر کے گھر سے نکال کر لے آئیں اور مجھے عدنان کے گھر پر ڈراپ کر کے چلی گئیں۔ عدنان اور میں اسی شام اسلام آباد آ گئے' کورٹ سے شادی ہم پہلے ہی کر چکے تھے۔ اس وقت تو عدنان کی محبت ہی میرے لئے سب کچھ تھی۔ ماں باپ کی پرورش و شفقتیں بھائیوں کی غیرت و محبتیں اپنے قدموں تلے روند کر آنے کا مجھے کوئی افسوس نہیں تھا۔ عدنان کا بزنس بھی ٹھیک ہو گیا تھا۔ شروع کے دن ایسے گزرے جیسے جنت میں پہنچ گئے ہوں۔ رنگ' پھول' خوشبوئیں' برسات' چاندنی' کہکشاں بن گئی تھی زندگی پھر جیسے حسین خواب دیکھتے دیکھتے آنکھیں بیدار ہو جاتی ہیں' جیسے کوئی نشہ آہستہ آہستہ اتر جاتا ہے' زندگی اپنے معمولات پر جلد ہی آ گئی۔ عدنان مجھے لے کر واپس کراچی چلے گئے۔ ان کی امی اور بہنوں نے خوب واویلا مچایا۔ مجھے ایسے ایسے القابات سے نوازا کہ میں آج تک نگاہیں ان کے سامنے نہیں اٹھا سکتی۔ عدنان نے کہا۔ ابھی یہ سب غصے میں ہیں' رفتہ رفتہ غصہ اترے گا تو خود ہی تمہیں قبول کر لیں گی اور میں نے بھی ان سے خاموشی سے سمجھوتا کر لیا۔ اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ بھی نہ تھا۔ یہاں آ کر مجھے میکے کی موجودگی و مضبوطی کا احساس ہوا۔ سسرال میں لڑکی کا بھرم میکے سے ہی بھاری ہوتا ہے اور میں نے تو خود ہی اپنی راہیں کھوٹی کی تھیں۔ دونوں بڑی جیٹھانیاں خوب زور و شور سے میکے جاتیں اور بڑھ چڑھ کر وہاں کی خوبیاں گنوائی جاتیں' خصوصاً میرے سامنے۔ ساس بھی خوب فخر سے بہوؤں کو سراہتیں اور ایسے میں میرے سینے پر اپنی بے وقوفی پر سانپ لوٹتے۔ ساس' نندوں کو میرے پاس نہیں بیٹھنے دیتیں کہ وہ بھی مجھ سے بے حیائی و بے راہ روی سیکھیں گی۔ خاندان کی کسی کنواری لڑکی کو مجھ سے ملنے کی اجازت نہیں۔ کسی تقریب میں وہ مجھے لے جانا پسند کرتیں کہ کیا کہہ کر تعارف کروائیں گی۔ اصل بات بتا کر اپنے اوپر تھوتھو نہیں کروائیں گی۔ عدنان کا رویہ بھی موسم کی طرح بدل گیا تھا۔ ان سے شکایت کرتی تو جواب ملتا' میرے گھر والوں کی سیوا کرو گی تو میوہ پاؤ گی۔ گونگی بنی ان کی خدمت کرتی رہو۔ کبھی نہ کبھی تو ان کے دل میں جگہ بنا لو گی۔

''تم نے ان کی خاطر سب کچھ چھوڑا اور وہی بدل گئے۔'' تابندہ دکھ اور تاسف سے کہہ اٹھی۔

''مرد کو جب تک عورت کا قرب نہیں ملتا' تب تک وہ اس کی جستجو میں دین و دنیا بھلائے دیوانہ ہو جاتا ہے۔ جو شے بہت مشکلات اور زور آوری سے ملتی ہے اس کی چاہ اور قدر ساری زندگی رہتی ہے۔ میں تو خود پکے پھل کی طرح اس کی جھولی میں جا گری تو اتنی ہی ارزاں و بے وقعت ہو گئی جب تک اس میں جذبات کی روانی رہی میں اس کی منظور نظر رہی۔ جب کچھ عرصے بعد جذبات کی روانی اعتدال پر آئی تو میں کھوٹا سکہ بن گئی۔ ہاں اگر وہ باعزت طریقے سے مجھے میرے باپ کے گھر سے رخصت کروا کر لے جاتا تو تاحیات میری عزت کرتا اور اس کے گھر میں بھی میں شریف و پاکباز کہلاتی۔ اب میں ہوں' آنسو ہیں اور پچھتاوے ہیں۔ درد و کرب کے نہ ختم ہونے والے سلسلے ہیں۔ کاش لڑکیاں اندھی محبت میں گم ہو کر میری طرح یوں ماں باپ' بہن بھائیوں کے چہروں پر بدنامی و رسوائی کی سیاہی مل کر گھر کی دہلیز نہ پھلانگیں۔ کچھ نہیں ملتا' سوائے پچھتاووں' رسوائیوں' پریشانیوں کے وہ جس محبوب کی خاطر اپنے سگوں کو دھوکہ دے کر ان کا اعتماد قتل کر کے آتی ہیں' وہ بھی بہت جلد آنکھیں پھیر لیتے ہیں' بدل جاتے ہیں انجانوں کی طرح۔ پچھلے مہینے میرے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوئی اور جانتی ہو' میری ساس نے اسے مجھ سے دور رکھا ہوا ہے۔ خود سنبھالتی ہیں اس کو۔ میں نے اس ظلم پر بہت شور مچایا مگر میری آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔ میری ساس کا کہنا ہے وہ مجھ جیسی بدچلن سے اسے دور رکھیں گی تاکہ اس پر میرا سایہ نہ پڑ سکے۔ میں نے عدنان سے رو رو کر منتیں کیں کہ ایک بار میری بچی کو میری گود میں لا دے مگر جانتی ہو اس نے کیا جواب دیا۔

اس نے کہا۔ ''امی کا فیصلہ درست ہے۔ میں نہیں چاہتا کل کو وہ بھی تمہارے نقش قدم پر چل کر میرے لئے ذلت و رسوائی کا کلنک چھوڑ جائے اور مجھے تم پر ویسے بھی اعتبار نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''کیوں اعتبار نہیں ہے۔ کیا میں تمہاری محبت میں سب رشتے ناتے توڑ کر نہیں آئی۔'' تو کہنے لگا۔ ''یہی تو تمہاری اصلیت ہے۔ جب تم اپنے ماں باپ' بھائی بہن کو چھوڑ کر میرے ساتھ آ سکتی ہو تو کل تمہیں مجھ سے اچھا چاہنے والا مل جائے گا تو مجھے بھی چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔ جو لڑکی ساری زندگی ماں باپ کی محبت و شفقت کو ٹھوکر مار سکتی ہے' وہ میری چند سالہ محبت کو کیا اہمیت دے گی۔''

''اس کے یہ الفاظ مجھے اسی وقت اندر سے ختم کر گئے تھے پھر میرے اندر کی تمام خواہشیں' آرزوئیں مر گئیں۔ میں نے اس شخص کی محبت کو زندگی کا حاصل سمجھا تھا مگر میں دھوپ میں چمکتے پیتل کو سونا سمجھ بیٹھی تھی پھر میں پتھر بنتی چلی گئی۔ اب مجھے غلطی سے بھی اپنی بیٹی کی یاد نہیں آتی۔ عدنان کی شکل سے نفرت ہو گئی ہے۔ اس نے مجھ سے معافیاں مانگیں کہ اس دن غصہ میں نہ جانے کیا کیا فضول بک گیا۔ مگر میں اسے کیا بتاتی' انسان کی حقیقت اور اس کی اصلیت تو غصے میں ہی سامنے آتی ہے۔ انسان غصے میں کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اس نے سچ بول دیا تھا۔ اب مجھے بیوقوف بنانے کے لئے کہتا ہے۔ وہ سب فضول بکواس تھی' مگر عورت محبت جب شدت سے کرتی ہے تو نفرت اس سے زیادہ شدت سے۔ مرد عورت کو پہلے بہلا بہکا کر اپنی راہ پر لگاتا ہے پھر بھٹکا کر چھوڑ دیتا ہے۔ منجھلی بھابی جیسی لالچی و بے ضمیر عورتیں بھی ایسے گیم میں اہم کام ادا کرتی ہیں۔'' ''کاش بھابی مجھے بھٹکنے سے بچا لیتیں۔ نہ ملاقاتیں کرواتیں نہ ملواتیں تو شاید اتنا کچھ نہ ہوتا۔ تم میری طرف سے ممی پپا سے معافی مانگ لینا۔ اگر انہوں نے مجھے معاف نہیں کیا تو دنیا میں تو میں تکلیفیں اٹھا رہی ہوں۔ مرنے کے بعد بھی عذابوں میں گرفتار رہوں گی۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں کا انجام شاید مجھ جیسا ہی ہوتا ہے۔''

''چپ ہو جاؤ۔'' تابندہ اسے گلے لگا کر اس کے دکھوں پر خود بھی رو دی۔

✦ ✦ ✦

''سالے' سب غریبوں کی اسٹوری ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ یہ غریبوں کے باپ اللہ اتنی جلدی کیوں مار دیتا ہے؟ غریبوں کی بہنیں اتنی جلدی جوان کیوں ہو جاتی ہیں؟ مائیں بوڑھی اور بیمار کیوں ہو جاتی ہیں؟ ساری مصیبتیں' پریشانیاں غریبوں کے پاس ہی کیوں آتی ہیں؟'' انور نے غصے سے چائے کے برتن اٹھا کر سامنے دیوار سے دے مارے۔ وہ چاروں سہم کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''استاد! اس میں عاصم کا کیا قصور۔ خود سوچ۔ ایسے کاموں میں کوئی ہنسی خوشی آ سکتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں' ہم کیا کر رہے ہیں مگر ہمیں یہ راستہ دکھانے والے کون ہیں۔ ڈاکو' مجرم اور دہشت گرد کس نے بنایا ہے۔ تم تو سب جانتے ہو استاد پھر کیوں غصہ کر کے اپنا دل جلاتے ہو۔'' سعید ہمت کر کے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سمجھانے لگا۔

''استاد! ہوشیار ہو جاؤ۔ مال پہنچ رہا ہے۔'' برکت تیزی سے اندر آ کر سرگوشیانہ انداز میں بولا تو وہ چاروں فوراً ہی اٹھ کر اپنے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپانے لگے اور اسلحہ لے کر باہر نکل گئے۔

انور نے گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ ابھی وصولی میں وقت تھا۔ وہ وہیں لیٹ گیا۔ اس کی طبیعت ہر شے سے اچاٹ ہو چکی تھی۔ کنول اس کے دل کے افق پر چمکنے والا پہلا ستارہ تھی جس کی محبت اس کے غیر احساس و پتھر دل نے شدت سے محسوس کی تھی مگر وہ کوئی نادان و کم عمر شخص نہیں تھا جو اپنا اور اس کا طبقاتی و معاشرتی فرق بھلا کے اسے حاصل کرنے کی سعی میں لگ جاتا۔ اس نے بہت کوشش کی اسے بھلا دینے کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ دل کی کشش کا ردعمل تھا کہ وہ کئی بار اس سے بلا ارادہ ٹکرایا بھی مگر اس کا سامنا نہیں کر سکا۔ اس کی موجودگی میں انکار کی طاقت سلب ہو جانے کا خوف تھا۔ مگر اس شام کنول کی آنکھوں میں واضح پسندیدگی' چہرے پر کھلتی اپنائیت اس کا بھید کھول گئی کہ وہ اس راہ کا اکیلا مسافر نہیں ہے بلکہ وہ بھی اس کے ساتھ قدم بہ قدم شریک ہے اور اس نے دل مضبوط کر کے اس داستان کا انجام سوچ لیا۔ وہ من گھڑت داستان جو کب

سے اس نے ذہن میں تیار کر لی تھی' خاصی اداکاری سے اسے سنا دی تھی۔

اس کے بعد اس کے چہرے کے تاثرات اس کے لئے ناقابل برداشت تھے مگر وہ اپنے دل کے برخلاف اپنی روح پر زخم لگاتا گیا اور اپنے تابوت میں آخری کیل اس نے خود ٹھونک دی۔ اس کی بھیگی آنکھوں کی بے یقینی اس کا جھوٹ ڈانواں ڈول کر چکی تھی۔ مگر وہ پتھر بنا رہا۔ دل سے نکلتی صدائیں اس نے ذرا بھی نہ سنیں۔ اپنی محبت کے کھلتے شگوفے اپنے ہاتھوں ہی مسل ڈالے مگر اس کی جڑ باقی رہی جسے نکال پھینکنے میں وہ ناکام رہا مگر کنول سے اس کی دلی وابستگیاں صرف دل میں ہی رہی تھیں۔ بظاہر وہ اس سے دامن چھڑا چکا تھا۔ اپنی محبت کو قتل کرنے کے بعد وہ اتنا سفاک' اتنا بے رحم ہو گیا کہ جن کاموں سے اندرونی طور پر چڑ ہوتی تھی۔ اب وہی دہشت گردی' ڈاکے' فائرنگ جیسے کاموں میں وہ اس قدر آگے بڑھ گیا کہ سرکار نے خوش ہو کر اسے اپنا نمبر 2 بنا لیا تھا۔ انور ہر غلط کام کر کے کنول کے کہے گئے جملوں کی نفی کرنا چاہتا تھا۔ شاید وہ اس طرح اس سے فرار چاہ رہا تھا۔

ایک دم ہی باہر دور سے فائرنگ کی تیز تیز آوازیں آنے لگیں وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا اور قریب رکھی اسٹین گن اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔ اس دم برکت بدحواس سا اندر آ گیا۔ ''استاد بھاگ چلو۔ عین وقت پر پولیس نے چھاپہ مار دیا ہے' اپنے سارے بندے مقابلہ کرتے ہوئے مار دیئے گئے ہیں۔ میں بہت مشکل سے بچتا بچاتا آیا ہوں۔ میری ران میں بھی گولی لگی ہے۔ جلدی نکلو۔ کہیں پولیس خون کے نشانات کے ذریعے یہاں تک نہ پہنچ جائے۔'' برکت تکلیف سے کراہتا ہوا بولا۔ اس کی دائیں ٹانگ سے بے تحاشہ خون بہہ رہا تھا۔ انور نے اسے کاندھے پر لادا اور خفیہ دروازے کی طرف تیزی سے بڑھ گیا

✦ ✦ ✦

''یہ کس طرح ممکن ہے اتنی جلدی؟ اور ماما کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ان کے لئے یہ سب ناقابل برداشت ہوگا۔ میں انہیں نہیں بتا سکتی۔ وہ اس قدر نحیف و کمزور ہیں کہ اچانک یہ سب برداشت نہ کر پائیں گی۔'' وہ حیرانی و پریشانی سے بولی۔

''انہیں بعد میں بتا دیں گے۔ جب وہ پوری طرح صحت یاب ہو جائیں گی۔''

''یہ امپاسبل ہے۔ میں ایسے نہیں کر سکتی۔'' وہ جھنجلا کر کہہ اٹھی۔

''دماغ درست نہیں ہے تمہارا۔ یہ کیا تم نے کبھی ہاں' کبھی ناں کا چکر چلایا ہوا ہے۔ تم صرف اپنی ماما کی وجہ سے اپ سیٹ ہو رہی ہو۔ میری بیک پر جو پوری فیملی ناراضگی میں مبتلا ہے تو میری ذہنی حالت کا تمہیں اب اچھی طرح اندازہ ہو رہا ہوگا۔ افتخار انکل سے میرے کہنے پر شاہ رخ اجازت لے چکا ہے۔ انہوں نے اجازت دے دی ہے اور وہ شام تک پہنچ جائیں گے۔ شاہ رخ بھی آنے والا ہے۔ اب میں تمہیں کوئی سوال کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ موڈ درست کر واپنا۔'' اس کے لہجے میں یک دم ہی سفاکی و سرد مہری آ گئی تھی۔ وہ قالین پر بیٹھی سسکتی رہی' جبکہ وہ کمرے سے چلا گیا۔

اسے یہ سب ایک بھیانک خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس کے جال میں اس انداز میں پھنسے گی۔ اس نے بڑی شاطرانہ چال چلی اور بات افتخار انکل تک پہنچ گئی۔ نہ معلوم وہ کیا سمجھے ہوں گے۔ انہیں نہ معلوم کس طرح یہ داستان سنائی گئی ہو گی۔ جبھی وہ بھی اس سے نکاح کرنے کی اجازت دے چکے تھے۔ اف کتنی ڈاؤن ویلیو ہو گئی ہے میری پرسنالٹی کی۔ اب اگر میں نکاح سے انکار بھی کروں گی تو انکل افتخار کے سامنے میرا کردار پست ہی رہے گا۔ میں نگاہ اٹھا کر باعزت اور باوقار انداز میں کبھی ویسے بھی ان کی جانب نہیں دیکھ سکتی۔ اسامہ ملک تم نے کسی نہ کسی طرح یہ بازی جیت تو لی ہے مگر مجھے کسی طرح بھی تم نہ جیت پاؤ گے۔ میرے نام کو شوق سے فخر مردانگی میں اپنے ساتھ لگا لو۔ مگر کبھی بھی میری پرچھائیں پر دسترس نہ پا سکو گے۔ میں صرف تمہیں اپنا نام دوں گی' دل نہیں۔'' اس نے بے دردی سے رخسار اپنی دونوں ہتھیلیوں سے رگڑ ڈالے جن پر آنسو بہہ رہے تھے۔

''دوسرے کمرے میں چلو۔ یہاں ملازمہ صفائی کرے گی۔'' وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ ''میں تم سے مخاطب ہوں' دیواروں سے نہیں۔'' وہ تھوڑا جھک کر شوخ لہجے میں کہنے لگا تو وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے اٹھ گئی۔

''کہاں ہے ملازمہ؟'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

''تمہاری مطلوبہ نہیں ہے۔'' وہ اس کے انداز پر بے اختیار ہنس پڑا۔ ''اب تک اس کی ٹرین کراچی سے نکل چکی ہوگی۔'' اس کا اشارہ نوری کی طرف تھا جسے وہ بخوبی سمجھ گیا تھا۔ وہ دانتوں سے ہونٹ زخمی کرتی اس کے پیچھے لابی عبور کر کے ایک پرشکوہ اور ڈیکوریٹڈ بیڈروم میں داخل ہوگئی۔ بلوچستانی فرنیچر' پردے' ایرانی خوبصورت قالین سے مزین پرفیومز سے مہکتا بہت خوبصورت کمرا تھا۔ اسامہ نے بھاری پردے سرکائے تو کھڑکیوں کے شیشوں سے نیلا جھاگ اڑاتا سمندر کا پانی صاف نظر آنے لگا۔ دوپہر ڈھلنے والی تھی۔

''ارے کھڑی ہو ابھی تک بیٹھو نا۔ کیا پیو گی' چائے' کافی' یا کولڈ ڈرنکس۔''

''زہر پلا دیں آپ مجھے۔'' اس کے اس اطمینان بھرے لہجے پر وہ جل کر خاک ہی تو ہوگئی۔

''سوچ لو۔ اگر جوان کنواری لڑکی مر جاتی ہے تو لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ رسوائیاں' بدنامیاں قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ اگر تمہیں یہ سب منظور ہے تو میں تمہاری یہ زہر پینے والی خواہش پوری کرنے پر تیار ہوں۔'' وہ حد درجہ خوش اور پرجوش تھا۔

لائبہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کے دل و دماغ میں عجیب سی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ وہ ہاں مجبوراً کر چکی تھی کہ اُسامہ کے جارحانہ اقدام اسے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر گئے تھے مگر وہ اس سے پہلے سے کہیں زیادہ متنفر و کبیدہ ہوگئی تھی اس حد تک کہ اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ رہی تھی۔ وہ ایسی چڑیا بن گئی تھی جس نے اپنے پر خود ہی کاٹ کر پھینک دیئے ہوں۔ وہ دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے شنیل کے بلو صوفے پر بیٹھ گئی۔ اُسامہ نے کوئی تیسری مرتبہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنائے تھے اور بے مقصد کئی چکر دروازے سے کھڑکی تک لگا ڈالے۔ بار بار بے خیالی میں اس کی انگلیاں اپنی گھنی کالی مونچھوں کو سنوارنے لگتیں۔ اس کے اٹھتے قدموں میں بے چینی و اضطراب پنہاں تھا۔ وہ جو کام کرنے جا رہا تھا' وہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔

ڈور بیل کی آواز نے کمرے کے سکوت کو جھنجوڑا تھا۔ جہاں وہ چونک کر باہر نکلا تھا' وہیں اس کا بھی دل نئے انداز میں دھڑکا تھا۔ کسی خیال کے تحت وہ ایسے کانپ اٹھی جیسے سخت سردی لگ رہی ہو۔ پسینہ اس کے چہرے اور ہتھیلیوں سے پھوٹ نکلا۔ دروازہ کھلا اور شاہ رخ کا چہرہ نظر آیا۔ اسے ایسے لگا' صدیوں بھٹکنے کے بعد کسی اپنے کا چہرہ نظر آیا ہو۔ وہ بے اختیار اٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔ آنسو تیزی اور روانی سے اس کا گریبان بھگونے لگے۔

''مجھے ازحد مسرت اور فخر ہے تم پر' تم نے جو فیصلہ کیا ہے' وہ دانش مندانہ اور قابل ستائش ہے۔ اُسامہ تمہارے لئے بہترین ساتھی ثابت ہوگا' ہر لحاظ سے۔'' شاہ رخ کا لہجہ بزرگانہ و انداز مشفقانہ تھا۔

''شاہ انکل کی نگاہوں میں میری پرسنالٹی آ کورڈ ہوگئی ہے۔ وہ سمجھتے ہوں گے' میں اتنی لوز کریکٹر ہوں' چیپ گرل ہوں۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی۔

''کیسی باتیں کرتی ہو۔ تم تو اتنی معصوم و پیاری ہو' ایسے تکلیف دہ خیالوں کو دل میں جگہ نہ دو۔ پاپا تمہارے فیصلے سے بہت خوش ہیں اور مطمئن ہوگئے ہیں۔ کبھی کبھی بہت چھوٹی غلطیاں انجانے میں سرزد ہو جاتی ہیں' جن کا خمیازہ کبھی بہت دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے مگر تم پر تو اللہ تعالیٰ نے بہت کرم و احسان کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے' تم ابھی اس رشتے کو دل سے قبول نہیں کرو گی مگر مائی ڈیئر سسٹر' تمہیں کچھ عرصے بعد خود احساس ہو جائے گا کہ تم نے کتنا بہترین اور سودمند فیصلہ کیا تھا۔'' وہ اسے تسلیاں دیتے ہوئے کہنے لگا۔

''ماما پریشان ہو جائیں گی۔ میری اتنی دیر غیر حاضری پر' پلیز مجھے گھر چھوڑ آؤ۔''

''میں ماما سے مل کر آ رہا ہوں۔ میں ان سے اجازت لے آیا ہوں کہ تم میرے ساتھ ہو اور میرے ساتھ میرے دوست کی شادی میں ساتھ ہی جا رہی ہو۔ رات کو دیر سے آؤ گی۔ نکاح خواں اور کچھ اہم لوگ آ چکے ہیں۔ کچھ لمحے بعد نکاح ہو جائے گا پھر اُسامہ تمہیں گھر چھوڑ دے گا۔''

شاہ رخ خلاف عادت بہت سنجیدہ و بردبار لگ رہا تھا۔ لائبہ نے گھٹنوں میں منہ چھپالیا۔ چند لمحوں بعد وہ ساعتیں بھی زندگی میں آ گئیں۔ جن کے متعلق اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔

چند گواہوں کی موجودگی میں وہ ہمیشہ کے لئے اس شخص سے ناتا جوڑ بیٹھی جو اس کے اعصاب پر کسی موذی بیماری کی طرح سوار رہتا تھا۔ نکاح نامے پر سائن کرنے کے لئے اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ اس کا مچلتا' روتا' فریاد کرتا دل شدت سے اس وقت یہاں سے بھاگ جانے کو چاہ رہا تھا۔ سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب جانے کو وہ بے قرار تھی۔

''بتائیں بیٹی! آپ کو اُسامہ ملک ولد اسد ملک کے ساتھ نکاح قبول ہے۔'' نکاح خواں کی نرم بارعب آواز تیسری مرتبہ ابھری۔

''نہیں نہیں' نہیں۔'' اس کے اندر انا زخمی انداز میں نوحہ کناں تھی۔ پورا بدن اس کا ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔ جھکے ہوئے سر سے چھوٹا سا گھونگھٹ سرمئی آنچل بن گیا تھا۔ آنسوؤں کی یلغار سے سارا دامن بھیگ گیا تھا۔ اسے اس انداز میں روتے دیکھ کر شاہ رخ کی آنکھوں میں بھی نمی تیر گئی تھی۔ اس وقت واحد وہی تھا جو اس کے ماں باپ' بہن بھائی کا رول ادا کر رہا تھا۔ مولوی صاحب نے ایک مرتبہ پھر وہی جملے دہرائے تو شاہ رخ نے آہستگی سے غیر محسوس انداز میں اس کی گردن جھکا کر ہاں کرادی تھی اور سائن بھی اس نے اسی انداز میں کروائے تھے۔ مولوی صاحب اور گواہ نکاح نامہ لے کر چلے گئے۔ وہ شاہ رخ کے سینے سے لگ کر شدت سے رو دی۔

اُسامہ نے دوسری سگریٹ سلگا کر متوحش نگاہوں سے بند دروازے کی جانب دیکھا۔ نکاح خواں اور گواہوں کو اندر گئے ہوئے پندرہ منٹ سے زائد ہو چکے تھے اور وہ ابھی تک لائبہ سے سائن کروا کر باہر نہیں آئے تھے۔ اس پر ایک ایک لمحہ صدی بن کر گزر رہا تھا۔ وہ اضطرار و انتشار کے صحراؤں میں سرگرداں تھا۔ جتنے لمحے گزر رہے تھے وہ مضطرب ہوتا جا رہا تھا اگر اس نے انکار کر دیا وہ راضی نہ ہوئی تو۔ اس نے گھبراہٹ لے کر دروازے کی سمت دیکھا جس کے پیچھے وہ موجود تھی۔ وہ اس کی ذہنی حالت سے بخوبی واقف تھا۔ نفرتوں سے بھی اس کی آشنائی تھی۔ وہ اسے حاصل کرنے کی ضد تو کر چکا تھا اگر مسئلہ یہ نہ اٹھتا تو پھر بھی کسی نہ کسی طرح اسے اپنے نام سے منسوب ضرور کرتا کہ وہ اس معاملے میں بڑا ہٹ دھرم اور ضد کا پکا تھا۔ جس کے لئے اس نے اس کی نفسیاتی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی تھی اور بہت حد تک کامیاب بھی رہا تھا مگر اچانک منشی کی بیوی نے آ کر اس کا پلان فیل کر دیا تھا اور وہ اسے پریشان کرنے کے بجائے خود ہی زبردست مصیبت و پریشانی میں گھر گیا تھا۔ اس کی آدھی پریشانی تو لائبہ سے نکاح کے بعد پوری ہو جاتی۔ اس کے بعد اسے ایک اور طوفان سے نپٹنا تھا مگر یہ لوگ ابھی تک اندر سے نکاح نامے پر سائن کروا کر آ کیوں نہیں رہے۔ اس نے لمبے لمبے کش لگا کر پانچ منٹ سے بھی قبل سگریٹ ختم کر دیا تھا۔

''یہ عالم انتظار کا دیکھا نہ جائے۔ بھائی کیوں مسلسل چکر لگا رہے ہو۔ پاؤں گھس جائیں گے۔ دروازے کو کیوں گھورے جا رہے ہو۔ دروازے سے پیچھے کا منظر تمہیں پھر بھی نظر نہیں آئے گا۔'' حیدر مسکراتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

''اتنا بے تاب و بے قرار دلہا کبھی پہلے نہ دیکھا نہ سنا ہم نے۔'' راحت کیوں خاموش رہتا۔

''بکواس مت کرو۔ میں پریشان ہوں۔ تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔'' وہ دونوں کو گھور کر بولا۔

''پریشان کیوں ہو۔ سائن کر دیں گی وہ۔ تھوڑی دیر تو ہوتی ہے' ایسے کاموں میں۔ لڑکیاں اتنی آسانی سے تو خود کو کسی کی تحویل میں نہیں دیتیں۔ رو دھو کر ہوتے ہیں یہ کام۔'' حیدر اس کے چہرے پر پریشانی و تردد کی پرچھائیں دیکھ کر سمجھاتے ہوئے بولا۔

اس نے فون کر کے ان دونوں کو بلا لیا تھا۔ یہاں آنے کے بعد اصل صورت حال سے انہیں روشناس کرواتے ہوئے مختصراً ساری بات ان دونوں کو بتا دی تھی۔ نکاح کے لئے اسے گواہوں کی ضرورت تھی جو بے حد رازداری اور وفاداری کے ساتھ اس کے اس راز کو راز ہی رکھیں۔ ایک وجہ اس کی گھر والوں کی طرف سے پردہ پوشی تھی اور دوسری وجہ وہ اپنے سیاسی کیریئر کو بھی بچانا چاہ رہا تھا۔ اگر پریس میں یہ خبر چلی جاتی تو اس کا سیاسی کیریئر تباہ ہو جاتا اور معاشی و گھریلو طور پر اس کا بائیکاٹ ہو جاتا جسے بچانے کے لئے اس نے یہ تمام تگ و دو کی تھی۔

راحت اور حیدر پہلے تو خوب اس سے ناراض ہوئے تھے پھر اس کی سوری پر تیار ہو گئے تھے۔ ان دونوں کے علاوہ دو پرانے شناسا جو قابل اعتبار اور بھروسے کے تھے وہ اس نکاح میں شامل تھے۔

''تم فون پر ہی بتا دیتے' ہم کوئی تحفہ وغیرہ لے آتے۔ اب خالی ہاتھ کیا بھابی کا چہرہ دیکھیں گے۔'' راحت بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''تمہیں چہرہ دکھا کون رہا ہے۔'' اسامہ رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا مقصد ہے۔ کیا ہم اپنی بھابی کا چہرہ نہیں دیکھیں گے۔'' حیدر بھی احتجاجی لہجے میں بولا۔

''فی الوقت وہ میرا چہرہ ہی برداشت کر لے تو بہت ہے۔'' نہ جانے وہ کس لہجے میں کہہ اٹھا۔

''نکاح پر تو تم یہ کولڈ ڈرنکس اور اسنیکس پر ٹرخا رہے ہو مگر ولیمے میں ایسا نہیں برداشت ہوگا' سمجھے۔'' قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا۔ دروازہ کھلا اور وہ باہر آ گئے۔ نکاح نامے پر لائبہ کے سائن دیکھ کر خوبصورت رنگوں کی بارش اس کے اندر ہونے لگی۔ جذبوں میں تلاطم کی لہروں نے یکدم ہی شوریدہ سری مچا ڈالی تھی۔ اس کی خودسر ضدی مردانہ انا کو زبردست تقویت ملی تھی۔ سرشاری و بے خودی کے درمیان اس نے بھی نکاح نامے پر سائن کر دیئے تھے۔ مبارکباد کا شور سا اٹھا۔ باری باری سب اس سے گلے مل رہے تھے۔ مبارکباد دے رہے تھے پھر کولڈ ڈرنکس و اسنیکس کا دور چلا۔ حیدر نے اس وقت میں میزبانی کے فرائض سنبھال لئے تھے۔

''اندر بھابی کو تو پہنچا دو یار۔'' حیدر کو ہمیشہ کی طرح اس کا خیال آیا تو وہ اُسامہ سے بولا۔

''ان کے سر میں درد ہو رہا ہے۔ وہ ہرگز نہیں لیں گی۔'' اُسامہ سے پہلے شاہ رخ بول اٹھا۔ تھوڑی دیر بعد سب چلے گئے' اب ڈرائنگ روم میں صرف اُسامہ اور شاہ رخ تھے۔ وہ بھی جانے کو تیار تھا۔

''تم تو کہہ رہے تھے' انکل آئیں گے۔'' وہ کوچ پر نیم دراز ہو کر اس سے مخاطب ہوا۔

''پاپا آتے۔ ان کی سیٹ بھی بک تھی مگر رات کے کسی پہر دادی جان کا انتقال ہوگیا ہے' اس وجہ سے انہیں پروگرام کینسل کرنا پڑا اور مجھے بھی تاکید کی کہ میں یہاں سے فارغ ہونے کے بعد جلدی وہاں پہنچ جاؤں تاکہ دادی کی تدفین میں شرکت کر سکوں۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''اوہ ویری سیڈ۔ میری طرف سے بھی انکل سے تعزیت کرنا۔'' وہ دعا پڑھنے کے بعد گویا ہوا۔

''ہاں ضرور میں نے لائبہ کو بھی بتا دیا ہے ورنہ وہ بضد تھی کہ میں اسے گھر چھوڑتا ہوا جاؤں مگر میری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے اور موقع ایسا ہے کہ میں رک بھی نہیں سکتا۔ میں نے سمجھا دیا ہے کہ تم اسے چھوڑ آؤ گے۔ دیکھو اُسامہ' وہ اس وقت بہت زیادہ ڈسٹرب ہے۔ اس کی اعصابی ٹوٹ پھوٹ' ذہنی کشمکش و دماغی الجھن کا تم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہو' میرے خیال میں اب اسے مزید کسی ٹینشن میں مت ڈالنا' میری بات سمجھ رہے ہو نا۔'' وہ نگاہیں چرا کر بولا۔

''رشتہ جوڑے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا اور تم ظالم سالے کا رول پلے کرنے لگے۔'' وہ مسکرایا۔

''سالا جو ٹھہرا۔'' دونوں کا بلند بانگ قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔ ''بہت غم زدہ ہو رہی تھی' وہ میں نے اسے ذہنی سکون کی گولی کھلا دی ہے تاکہ اسے فوری ذہنی سکون میسر آ جائے۔ ابھی وہ ٹیبلیٹ کے زیر اثر سو رہی ہے جب بیدار ہو جائے تو اسے گھر چھوڑ آنا۔ اسے اپنے گھر سے نکلے چار گھنٹے ہو چکے ہیں۔ ماما سے تمہاری خاطر میں جھوٹ بول آیا تھا مگر اب نو بجے تک اسے گھر پہنچ جانا چاہئے۔'' وہ قدرے سنجیدگی سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوکے۔'' اس نے رسٹ واچ دیکھی جس میں ساڑھے سات بج رہے تھے۔ شاہ رخ اس سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔ اُسامہ نے مین گیٹ بند کیا اور سگریٹ سلگا کر بالکونی میں کھڑا ہوگیا۔

سامنے لہروں کا کھیل جاری تھا۔ اچھلتی' کودتی مچلتی سرکش موجیں' اس کے اندر بھی جذبوں کی ایسی ہی سرکشی جاری تھی۔ وہ ایک فاتح تھا آج اس نے بہت مضبوط' ناقابل تسخیر قلعے کو فتح کر کے اس پر اپنے نام کا پرچم لہرایا تھا۔ اس کا رواں رواں فتح مندی اور جیت کی خوشی میں سرشار تھا۔ وہ مرد تھا۔ جوان ہمت اور چٹانی حوصلے والا۔ وہ یہ احساس جلد ہی فراموش کر چکا تھا کہ اس نے کس بے بسی میں یہ کھیل کھیلا ہے۔ اس کا مضبوط جسم اور جوان جذبے سب کچھ فراموش کئے شدت سے اس کے قرب کے تمنائی تھے وہ ان سے فرار حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ اس کے جذبوں سے بے خبر ٹیبلیٹ کی بخشی ہوئی مدہوشی میں گم تھی۔ اسامہ نے سگریٹ ختم کر کے نیچے پانی میں اچھال دیا۔ اندر دھیرے دھیرے اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس نے تمام جگہوں کی لائٹیں روشن کیں اور بیڈروم کی جانب چل پڑا۔ اسے لگ رہا تھا' جیسے کسی مقناطیسی کشش کے ذریعے اس کے قدم اس جانب بڑھ رہے ہوں۔ عجیب ہے یہ رشتہ بھی۔ ان دو گھنٹوں نے میرے احساسات' جذبات کو اس طرح بدل کر رکھ دیا ہے کہ مجھے خود یقین نہیں آ رہا کہ یہ میں ہوں۔ اتنا مضبوط اور غیر جذباتی انسان' اس قدر رومان پسند اور رومانٹک بھی ہو سکتا ہے۔

✦ ✦ ✦

''کنول! چلیں بیٹا آج آپ کو اور آپ کی مما کو چائنیز لیے چلتے ہیں۔'' توفیق بہت بشاش موڈ میں اندر داخل ہوئے تھے۔ پولیس یونیفارم میں ان کی شخصیت بھی بہت پروقار اور پررعب لگ رہی تھی۔ کنول نے بہت محبت سے باپ کے اس روپ کو نگاہوں میں جذب کیا۔

''خیریت! آج کیا ایسی بات ہوگئی جو حاتم طائی جیسی سخاوت دکھائی جا رہی ہے۔'' ڈریسنگ روم سے مسز توفیق وہاں آ کر استہزائیہ لہجے میں بولیں۔

''آج میں بہت خوش ہوں۔ آج ایک اٹیک کے دوران بہت زیادہ مقدار میں اسلحہ بارود پکڑا گیا ہے جو پکڑا نہیں جاتا تو یقیناً شہر میں دہشت گردی و تخریب کاری میں استعمال ہوتا۔ اس گینگ نے بہت تباہی مچائی تھی۔ ہر بار اتنی صفائی سے واردات کر کے نکل جاتے تھے کہ باوجود کوشش کے کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ آج پہلی کڑی کھلی ہے۔ انشاء اللہ اب باقی بھی کھل جائیں گی۔ بہرکیف یہ کیس میرے انڈر آ گیا ہے اور پہلا چھاپہ بہت کامیاب رہا ہے' اس خوشی میں ہم نے اپنی فیملی کو چائنیز کھلانے کا پلان بنایا ہے۔''

''آپ نے بھی کوئی کارنامہ انجام دیا۔ تھینکس گاڈ۔'' وہ اپنے بالوں سے رولرز نکالتی ہوئی مسکرائیں۔

''ہم تو کارنامے انجام دیتے ہی رہتے ہیں بیگم صاحبہ! بس ہمیں آپ کی طرح فضول پبلسٹی میگزین یا پاپولریشن پسند نہیں ہے۔'' وہ نہایت خوشگوار موڈ میں تھے۔ کنول ان کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

''کسی کی دعا سے آج کچھ اسلحہ کیا پکڑ لیا کہ کارنامے انجام دینے والے بن گئے۔ شہر کے حالات جو آئے دن بگڑتے جا رہے ہیں' وہ کس کی بے پروائی و غفلت ہے۔ ایک بار آپ کے ہاتھ یہ اسلحہ لگا ہے مگر سوچئے روز رات دن کس طرح اتنا اسلحہ بارود شہر میں جاتا ہوگا جس کی وجہ سے کراچی خود جلتا ہوا بارود کا ڈھیر بن چکا ہے۔'' مسز توفیق طنزیہ لہجے میں بولیں۔

''ڈیڈی! دیکھیے نا۔ ممی کتنے اچھے موڈ میں ہیں۔ کیوں فاؤل کرتے ہیں۔ ممی بھی کام کرتی ہیں۔ پچھلے ہفتے ہی تو ممی نے اسپیشل چائلڈ کے لیے ڈونیشن ایڈ کیے۔ ورائٹی پروگرامز کروائے جن کی تمام انکم اسپیشل بچوں کے فنڈز میں دے دی گئی۔'' کنول ممی کے بگڑتے ہوئے موڈ کو بحال رکھنے کے لیے ان کی سائیڈ لینے لگی۔

''او مائی ڈارلنگ۔ آج آپ کو بھی مجھ پر پیار آ ہی گیا۔'' مسز توفیق نے اسے فرطِ مسرت سے لپٹا لیا۔

✦ ✦ ✦

''ارے بھئی کہاں ہیں سب لوگ۔'' عائشہ اور شمیر کوریڈور عبور کر کے اندر آئے تو گھر کی خاموشی' تنہائی دیکھ کر شمیر نے کسی مست ملنگ کی طرح بلند آواز لگائی۔ جس کا اثر فوری ظاہر ہوا۔

''سب موجود ہیں آ جاؤ۔'' ماریہ مسکراتی آئی' ان کے پیچھے زینی بھی تھی۔

''بھابی! زینی کو فٹافٹ تیار کر دیں۔ ہم اسے اپنے ساتھ شاپنگ کروانے لے کر جائیں گے۔'' عائشہ ان دونوں سے رسمی انداز میں گلے ملنے کے بعد ماریہ سے مخاطب ہوئی۔

''ارشد بھائی کا آرڈر ہے کہ منگنی کا جوڑا' زینی کی پسند کا ہو۔'' شمیر چہک کر بولا۔

''شمیر! اتنا جھوٹ مت بولا کرو۔ وہ بھلا کہاں راضی ہو رہے تھے ساتھ آنے پر۔ بہت مشکل سے راضی ہوئے ہیں۔ دراصل یہ ممی کا آرڈر ہے۔ ان کے آنے سے پہلے منگنی کی تیاری مکمل کر لی جائے تاکہ وہاں سے آتے ہی یہ نیک فریضہ بھی انجام دے لیا جائے۔'' عائشہ وضاحت کرتے ہوئے بولیں۔ زینی کے چہرے پر حیا کے دلکش رنگ تھے۔

''السلام علیکم! تائی ماں! میں ابھی آپ کے پاس ہی آ رہی تھی۔'' عائشہ' کوثر بیگم کو دیکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ شمیر نے بھی اٹھ کر انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! بیٹھیں آپ لوگ۔'' وہ پرخلوص لہجے میں عائشہ کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''کیا ہوا ہے تائی۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟''

''نہیں' بس آج کل بلڈ پریشر ہائی رہنے لگا ہے۔''

''کیا سوچتی رہتی ہیں آپ؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر موضوع بدلنا چاہا۔

''تائی جان! ہم زینی کو اپنے ساتھ لے کر منگنی کی شاپنگ کروانا چاہتے ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔''

''ارے نہیں بھئی۔ یہ اور وہ گھر کوئی غیر تھوڑی ہے۔ جاؤ زینی تیار ہو جاؤ۔''

ملازم کولڈ ڈرنکس لے آیا تو ماریہ نے سب کو سرو کر دیں۔

''کیا بات ہے' گھر میں سب موجود ہیں پھر بھی ویرانی اور سناٹا کیوں چھایا ہوا ہے۔'' عاشی کوک کا سپ لے کر حیرانی سے بولی۔

''اماں جان! سے اس گھر کی رونق ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں گھر ایسے ہی بے رونق ہو جاتا ہے۔ پرسوں کی فلائٹ سے فوزیہ بھی اسد کے پاس چلی گئی ہیں۔ اختر صاحب اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ فیاض یونیورسٹی کی ٹیم لے کر فیصل آباد ون ڈے میچز کھیلنے گئے ہیں اور ریاض اپنے آفس گئے ہیں۔ اتنے لوگوں کی غیر موجودگی میں گھر کا تو یہ حال ہونا ہی ہے۔''

''اُسامہ بھائی کس وقت آتے ہیں؟'' شمیر' کوک کی خالی بوتل ٹیبل پر رکھ کر بولا۔

''اُسامہ بھائی تو صبح صرف ناشتے کی ٹیبل پر نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد رات کے کس ٹائم آتے ہیں' یہ معلوم نہیں ہوتا اور آج کل تو وہ بہت پریشان سے بھی ہیں۔''

''کیوں۔ ان جیسا بندہ پریشان ہے' حیرت انگیز بات ہے۔'' شمیر' ماریہ کی بات پر حیرانی سے بولا۔

''اُسامہ نے شادی کر رکھی ہے کسی لڑکی سے......''

''شا......شادی۔ اُ......سا......مہ بھائی نے۔'' شمیر اتنی تیزی سے صوفے پر اچھلا جیسے اس میں اسپرنگ اچانک نمودار ہو گئے ہیں۔ ''یہ......یہ......کس طرح ممکن ہے تائی جان۔ کس نے بتایا آپ کو۔ کسی نے مذاق کیا ہوگا۔''

''ہمیں بھی یقین نہیں آیا تھا۔ وہ منشی کی بیوی نہیں آتی تو ہم لاعلم ہی رہتے۔'' کوثر بیگم ساری بات تفصیل سے انہیں بتاتے ہوئے بولیں۔ ''آج نہیں تو کل تو ہمیں یہ خبر معلوم ہونی ہی تھی پھر ان پر الزام آتا کہ انہوں نے چھپایا حالانکہ رشتہ ایسا تھا کہ بات چھپ نہیں سکتی تھی۔ جس دن یہ بات ہوئی' اسی رات کو اماں' روحیل صاحب اور عظمت بیگم عمرے کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔''

''اماں جان کا انداز بالکل سرد و سپاٹ تھا۔ انہیں چپ لگ گئی تھی جس کی وجہ سے ان میں سے کسی کو بھی لب کھولنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ دوسری صبح فوزیہ بیگم روانہ ہو گئیں۔ یوں بات گھر کے اندر ہی رہی تھی۔ اُسامہ نے انہیں ابھی تک یہ موقع نہیں دیا کہ وہ اس سے تفصیل معلوم کرتیں۔

''مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ بھائی نے شادی کر رکھی ہے۔ جب ہی قطعیت سے انکار کرتے تھے' شادی کرنے سے لو بھلا بتاؤ حد ہو گئی ہمیں اپنے نکاح کے چھوارے تک نہیں کھلائے۔ منشی کی بیوی نے بتایا نہیں وہ لڑکی کیسی ہے۔ یقیناً کوئی اونچی چیز ہو گی۔ انہیں ایسی ویسی دوشیزہ تو زیر کرنے والی نہیں ہے۔'' شمیر کا جوش و خروش عروج پر تھا۔

''ہوں' کہہ رہی تھی' بہت حسین لڑکی ہے گلابی رنگت کی۔''

''اور گرین آنکھیں۔'' شمیر کے ذہن میں کوندا سا لپکا تھا۔ وہ ان کی بات قطع کر کے بولا۔

''تم اس قدر ایکسائٹڈ کیوں ہو رہے ہو۔ کیا جانتے ہو اس لڑکی کو؟'' ماریہ بولی۔

''ہاں' انہوں نے یہی بتایا تھا۔ گلابی رنگت ہے اور اس کی ہری آنکھیں ہیں۔''

''ہرے۔ مجھے پہلے ہی شک ہو گیا تھا کہ دال میں کچھ کچھ کالا ہے۔ وہ اب ظاہر ہو گیا۔ ریئلی تائی جان' بہت کیوٹ اینڈ سوئٹ لڑکی ہے وہ۔ ایک مرتبہ دیکھ لیں گی تو گرویدہ ہو جائیں گی ان کی۔'' شمیر از حد خوش تھا۔ اس کا انگ انگ مسرت سے لبریز ہو گیا تھا۔

''اماں جان کے سامنے اپنی خوشی کا اظہار مت کر دینا بیٹا۔ ابھی تو وہ خاموشی سے چلی گئی ہیں۔ آ کر نہ معلوم کیا واویلا کریں۔'' کوثر بیگم اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

✦ ✦ ✦

''ارے آپ نے مجھے وہاں کیوں نہیں بتایا کہ ہم کراچی جا رہے ہیں۔'' تابندہ جو جہاز میں سو گئی تھی' جب بیلٹس باندھنے کا اعلان کیا گیا تو فاران نے اسے نیند سے بیدار کر کے بیلٹ باندھنے کا کہا اور جب وہ اندر کی تمام کارروائیوں سے نپٹ کر باہر نکلے تو قائد اعظم ائرپورٹ پہچان کر وہ حیرت سے چیخ کر بولی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اپنے شہر پہنچ گئی ہے۔ بے انتہا خوشی سے اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''اگر میں تمہیں پہلے بتا دیتا تو تم یہ چند گھنٹوں کا سفر سو کر نہیں گھڑیاں گن گن کر گزارتیں اور سرپرائز کی تو بات ہی دوسری ہوتی ہے۔ کیسا لگا میرا سرپرائز؟'' وہ سوٹ کیس اٹھائے ٹیکسی اسٹینڈ کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

''ونڈرفل۔ مگر پھوپو جان۔'' ایک دم ہی اس کا چہرہ سپید پڑ گیا۔

''ارے بھئی۔ میری ماں انسان ہیں۔ کوئی ڈریکولا تو نہیں جو تم اس قدر خوفزدہ رہتی ہو ان سے۔ کچھ نہیں کہیں گی وہ۔ اپنے ذمے داری پر لایا ہوں تمہیں۔'' فاران ٹیکسی کی جانب بڑھتے ہوئے مطمئن لہجے میں بولا۔

✦ ✦ ✦

''اب کیا حکم ہے سرکار۔'' انور اس نقاب پوش سے مودبانہ لہجے میں مخاطب ہوا۔

''اس ایس پی سے بات کرو۔ اس کی منہ مانگی قیمت دے کر مال چھڑاؤ اس سے۔ اپنا کروڑوں کا مال ہے وہ۔ یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے۔ چیکنگ کروا رہا ہوں میں سب گروپس میں۔ مخبر کوئی بھی ہے' ہم میں سے ہی ہے۔ ایسے لوگوں کا میں وہ انجام کرتا ہوں کہ ان کی روحیں بھی صدیوں تک بلبلاتی پھرتی ہیں۔'' سرکار کا لہجہ سفاک و خونخوار تھا۔

''سرکار۔ اس ایس پی کو ایمانداری اور وطن پرستی کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ نہیں مانتا جی وہ' چار دفعہ کال کر چکا ہوں۔ چارہ بھی اس کی مرضی کا دینا چاہا تھا مگر وہ نہیں مانتا۔ الٹا دھمکیاں دے رہا ہے۔'' ایک کرخت چہرے والا وہاں آ کر اس سے مخاطب ہوا۔

''حکومت بدلنے سے ہمارے تعلقات بھی اوپر نیچے ہو جاتے ہیں۔ کوئی بات نہیں جو جھکتا نہیں ہے' وہ توڑ دیا جاتا ہے۔ جاؤ۔'' سرکار اسے جانے کا اشارہ کر کے بولا۔

''کیا سوچا ہے سرکار آپ نے؟ ایس پی گڑبڑ کرنے والا لگتا ہے۔ اس نے ہمارے سات بندے بھی مار دیے ہیں اور ہمارے پیچھے لگ گیا ہے۔'' انور اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''بندوں کی پروا مت کیا کرو۔ بندوں کی یہاں کمی نہیں ہے۔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔ مال کسی طرح سے نکالو وہاں سے ورنہ بڑا نقصان ہو جائے گا۔ اوپر بات ہوئی

ہے میری یہ ایس پی الٹے دماغ کا آدمی ہے۔ اس کی پوزیشن بھی ہارڈ ہے۔ زبردستی بات منوائی نہیں جاسکتی۔ اوپر سے جواب ملا ہے اگر ایس پی کی کرسی خالی کردی جائے تو اس کی جگہ اپنا آدمی بیٹھ جائے گا جس کی وردی سرکاری ہوگی مگر حکم اپنا ہوگا۔ میرے خیال میں یہ کام تم بہت آسانی وصفائی سے کرسکتے ہو۔

✦ ✦ ✦

وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ جہاں تاریکی نے اس کا استقبال کیا۔ اس نے دیوار پر لگے پردے کے پیچھے الیکٹرک بورڈ پر انداز سے بٹن دبادیا۔ دوسرے لمحے فانوسوں اور فینسی ٹیوب لائٹوں کی روشنیوں سے کمرا جگمگا اٹھا۔ کمرے کے وسط میں رکھے بیڈ پر وہ ملول رضائی میں سر سے پیر تک گویا پیک ہوکر کروٹ کے بل سو رہی تھی۔ اس کے اس حد درجہ محتاط انداز پر اس کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ چند لمحے بیڈ کے نزدیک کھڑا اسے گرم نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ وہ رعنائی ودلربائی کا حسین پیکر اس کی نگاہوں سے بےخبر سو رہی تھی۔ اس کے اندر ایک قیامت انگڑائی لے کر بیدار ہوگئی تھی۔ قبل اس کے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہوجاتا اس نے بےلگام وسرکش جذبوں کی لگامیں بڑی سرعت سے کھینچ لیں۔ اس کی خودداری، عزت نفس اور انا نے ان وقتی جذبوں کو کچل دیا تھا۔ اب وہ اس کی بیوی تھی۔ اس کی عزت، اس کی آن، کوئی شکار کیا ہوا ہرن نہیں تھی۔ وہ اسے اس کی رضا سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ وہاں سے ہٹ کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ وہ دانستہ اس کی طرف سے نگاہیں چرا رہا تھا۔ بےکلی وبےچینی نے اسے مضطرب کر رکھا تھا۔ وہ ریک سے ایک رسالہ نکال کر بیڈ کے سائیڈ پر لیٹ گیا۔ اس نے اپنی تمام سوچیں، سارے محسوسات اس بزنس والے رسالے پر مرکوز کردیے اور اس کی یہ کوشش قدرے کامیاب بھی رہی۔ اس کی ذہنی رو اعتدال پر آگئی۔

لائبہ نے نیند میں چہرے سے رضائی ہٹائی تو کمرے میں پھیلی روشنی کی چکاچوند نے اس کی آنکھوں پر تیز عکس ڈالا۔ اس نے لاشعوری انداز میں دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے کیونکہ جب وہ چکراتے سر کو لے کر یہاں دراز ہوئی تھی، تب تک کمرے میں معمولی سی تاریکی تھی۔ شاہ رخ نے اسے سکون کی گولی کھلادی تھی جسے کھا کر وہ لمحوں میں ماحول سے غافل ہوگئی تھی اور نہ معلوم کب تک رہی تھی۔ روشنیوں کے عکس سے ایک دم ہی اس کی حس بیدار ہوگئی اور اسے اپنے پر گزرنے والا سانحہ یاد آگیا تو اس نے متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور بیڈ پر اپنے سے تھوڑے فاصلے پر آرام سے لیٹے میگزین پڑھتے اُسامہ پر جیسے ہی اس کی نگاہ پڑی گویا اس کا دل ہی بند ہوگیا۔ وہ بجلی کی سرعت سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور دوپٹہ سنبھالتی ہوئی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں بےانتہا خوفزدگی تھی۔

''آپ..... آپ یہاں کیوں لیٹے۔'' سرمئی کاٹن کے خوبصورت سوٹ میں اس کا چہرہ معصومیت ودلکشی لئے ہوئے اس حد تک جاذب نظر لگ رہا تھا کہ وہ متزلزل ہونے لگا۔ بدحواسی میں اس نے دوپٹہ شانوں پر پھیلالیا۔ لمبے گھنے سلکی کولڈن براؤن بال اس کے اوپر پھیل گئے تھے۔ مستزاد اس کا خوفزدہ انداز۔

''آئی۔ ایم یور ہسبینڈ مائی سوئٹ ہارٹ۔'' اُسامہ نے قریب آکر اس کی کمر کے گرد اپنا مضبوط ہاتھ ڈال کر خود سے قریب کرتے ہوئے بےخود لہجے میں کہا۔

''چھو..... چھو..... چھوڑیں مجھے۔'' اس کی کمر کے گرد اس کے آہنی بازو کی گرفت تنگ ہوتی جارہی تھی، گرم مہکتی سانسیں اس کے متوحش چہرے پر تپش کی طرح لگ رہی تھیں۔ شرٹ کے اوپری بٹن کھلنے کی وجہ سے کچھ گریبان نظر آنے لگا تھا، پوائزن کی دلفریب مہک سے اسے اپنا سانس بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اُسامہ کا انداز اسے بوکھلائے دے رہا تھا۔

''تمہیں چھوڑنے کے لئے تو نہیں اپنایا ہے جانم!'' وہ اس کی آنکھوں میں وارفتگی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ٹوں ٹوں ٹوں۔'' قبل اس کے اس کی بےخودی کوئی گستاخی بنتی، بیڈ کے قریب اسٹینڈ پر رکھا فون اچانک جاگ اٹھا۔ فون کی تیز آواز اسے بھی حواسوں میں لے آئی۔ وہ اسے اپنی گرفت سے آزاد کرکے جھنجلاتا ہوا فون کی طرف بڑھا۔ ''ہیلو رانگ نمبر۔'' اس نے جھٹکے سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس اثناء میں لائبہ سنبھل چکی تھی۔ کاٹن کا بڑا دوپٹہ اس نے اپنے مخصوص انداز میں اس طرح اوڑھ لیا کہ سر کا ایک بال بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

''شاہ رخ نے کہا تھا آپ مجھے گھر ڈراپ کردیں گے۔ پلیز مجھے ڈراپ کرآئیں۔'' اس کی طرف سے رخ موڑ کر وہ اپنی اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں اور چہرے پر چھائی ناگواری چھپا کر بولی۔

''ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ چھوڑآؤں گا ابھی۔ تم اتنا نروس کیوں ہورہی ہو۔'' وہ اس کے قریب آکر بہت نرمی اور اپنائیت سے مخاطب ہوا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی تکبرانہ وفاتحانہ چمک تھی۔

''میں گھر جاؤں گی فوراً ماما انتظار کررہی ہوں گی۔'' اس کا رخ اور لہجہ نہیں بدلا تھا۔

''آج سے میں بھی تمہاری ذات کا حصہ بن گیا ہوں۔ میرا خیال نہیں ہے تمہیں۔ یہ تم مجھ سے چہرہ کیوں چھپارہی ہو۔'' وہ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف کرکے بولا۔

''ڈونٹ ٹچ می۔'' اس نے اس کے دونوں ہاتھ جھٹک دیے۔ بہت نفرت وحقارت تھی، اس کے انداز میں۔ ایک لمحے کو وہ گنگ سا اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ اس کی نگاہوں سے چھلکتی نفرت، چہرے پر پھیلی حقارت مستزاد اُس پر جس تحقیر وکراہیت سے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے، وہ لمحے بھر میں اپنی شگفتہ مزاجی مسرت وانبساط بھول گیا۔ اس کی مردانہ خودسری ہٹ دھرمی عود کر آئی تھی۔ محبت ومروت میں وہ بخوشی اپنی گردن بھی کٹوا سکتا تھا مگر اس طرح ذلت وناقدری توہین وحقارت اپنے جذبوں کی کس طرح برداشت کرسکتا تھا

''اب تمہارا یہ گریز بےمعنی ہے۔ کچھ گھنٹے قبل تم مجھے ایسے سارے اختیارات دے چکی ہو۔ اب تم پر میرا اتنا ہی حق ہے، جتنا کہ تمہاری ذات پر تمہارا آئی مین آئندہ تم کبھی اس انداز میں میرے جذبوں کی تحقیر مت کرنا۔ شادی ہوئی ہے ہماری، کوئی ڈرامہ نہیں۔''

''یہ شادی نہیں ہے۔ ایک ڈرامہ ہی تو ہے، ایک ڈھونگ، ایک فراڈ، اپنے کردار کو صاف رکھنے کی بےہودہ سازش، میں نے اس شادی کو دل سے قبول نہیں کیا اور نہ کبھی کروں گی۔ آپ نے ریوالور کے ذریعے مجھے بلیک میل کرکے زبردستی یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ ایسے رشتے دلی وابستگیوں، پاکیزہ جذبوں کے احترام میں استوار کئے جاتے ہیں۔ جس مکانات کی بنیاد ہی دھونس، دھاندلی اور دھوکے پر رکھی جائے گی، ایسے مکانات کبھی بھی پائیدار و دیرپا نہیں ہوتے۔ سرکش ہوا کا ایک ہی جھونکا کبھی بھی انہیں مسمار کرکے زمین بوس کردیتا ہے۔ ایسا ہی یہ رشتہ بھی ہے۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ کر بولی۔

''بہرکیف، جو ہوگا، بعد میں دیکھا جائے گا۔ ابھی تمہارے حواس ٹھکانے نہیں ہیں اس لئے تمہیں کچھ سمجھانا، وقت کا زیاں ہے۔ تمہارے حواس درست ہوجائیں گے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بحال ہوجائیں گی تو خود تمہیں محسوس ہوگا۔ شادی بہرحال شادی ہوتی ہے۔ اگر تم یہ سب ڈرامہ سمجھ رہی ہو تو تم نے سائن نکاح نامے پر مذاق میں کئے ہیں یا.....''

''میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔'' وہ بےبسی سے بولی۔ اس وقت وقتی خوفزدگی میں آکر اس نے جو فیصلہ کیا تھا۔ اس کی سنگینی اور اپنی بیوقوفی کا احساس اسے اب ہو رہا تھا۔ اگر وہ مر رہا تھا تو مرنے دیتی۔ اس نے محبت میں نہیں انتقاماً نکاح کیا تھا۔ بعد میں انکل اور شاہ رخ کو سب حقیقت بتا کر اپنی پوزیشن کلیئر کرسکتی تھی۔ اس کا صاف وشفاف ماضی ان کے سامنے تھا۔ وہ اس کی بےگناہی کا یقین کرلیتے۔ اف میں اس خبیث فطرت شخص کے بہکاوے میں آکر یہ کیا کر بیٹھی۔ پچھتاوے اسے کند چھری سے ذبح کررہے تھے۔

''اوکے۔ آل رائٹ۔ میں آج بہت خوش ہوں کہ آج بہت خوبصورت اہم، یادگار خوشیوں اور کامرانیوں کا دن ہے۔ میری خوشی کی انتہا اس بات سے بھی لگاسکتی ہو کہ میں تمام اختیارات رکھنے کے باوجود تمہیں جانے دے رہا ہوں۔ میری جان! شادی، شادی ہی ہوتی ہے چاہے کسی بھی انداز میں یا ماحول میں کی جائے۔ اس کے معنی، ملن کے ہی رہتے ہیں۔ تمہیں مجھ پر غصہ آنے کے بجائے میری قوتِ ارادی، قوتِ برداشت اور کشادہ دلی کا ازحد ممنون ہونا چاہئے کہ میں تمہیں خلاف دستور وروایت گھر چھوڑنے جارہا ہوں۔ ورنہ اصولاً تو تمہیں.....''

بےحد غصے اور ٹینشن کے باوجود لائبہ کے چہرے پر حیا کے دلکش رنگ پھیل گئے۔ اس نے سٹپٹا کر نگاہیں جھکالیں، ساتھ ہی چہرہ بھی دروازے کی طرف پھیرلیا۔ اُسامہ مسکراتا ہوا کپ بورڈ کی طرف بڑھ گیا۔ دراز سے اس نے کچھ نکالا اور اس کے مقابل آگیا۔ خوبصورت کیس میں سے اس نے گولڈ کا بھاری چین لاکٹ نکالا۔ جس میں اس کے نام کا پہلا حروف 'ل' ڈائمنڈ سے بنا جھلملا رہا تھا۔ اس کی دیدہ زیبی اور چمک آنکھوں میں کھب رہی تھی۔ اس نے دائیں ہاتھ میں لاکٹ لے کر اس کی سمت بڑھایا۔ وہ جو جزبز ہو رہی تھی، ایک دم ہی پیچھے کو ہٹی، اُسامہ نے ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

''یہ میں نے تمہارے لئے خاص طور پر بنوایا ہے۔ رونمائی ہے تمہاری یعنی منہ دکھائی۔ تمہارا منہ تو اس وقت دیکھنے کے قابل نہیں ہے۔ بہرحال مجبوری ہے۔ نصیب ہے اپنا اپنا۔ یہ لاکٹ تمہیں باور کراتا رہے گا کہ تم میری امانت ہو۔'' اس کے مضبوط وپرجوش لہجے میں اس کی امنگوں آرزوؤں اور چاہتوں کی پرزور مہک بسی تھی۔ لائبہ اس کی مضبوط گرفت اور پرجوش انداز پر کوئی مزاحمت نہ کرسکی۔ اس نے بڑے فاتحانہ انداز میں اس کی سفید شفاف گردن میں گویا اپنے پیار کی زنجیر پہنا کر عمرقید کرلیا تھا۔ اس کے تپتے ہوئے ہاتھ اس کی گردن سے مس ہوئے۔ وہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اُسامہ بھی اس بےاختیار فعل پر ششدر سا ہوگیا تھا۔ عجیب سی جھنجناہٹ اور احساسات اس کے اندر وارد ہوئے تھے۔ اس کی زندگی میں زیادہ واسطہ صنف مخالف سے ہی پڑا تھا۔ اس نے حسین چہروں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا تھا۔ وہ ان کی طرف دیکھنا بھی اپنی توہین سمجھتا تھا۔ اس کا یہ اجتناب وگریز صرف اسی نے توڑا تھا۔ جس کی چاہ، جسے پانے کی جستجو میں وہ خود کو بھلا بیٹھا تھا۔ اسے اس لمحے محسوس ہوا، وہ کوئی عام لڑکی نہیں بلکہ اپنے اندر اتنی جاذبیت وکشش رکھتی ہے کہ اس کا قرب بڑے سے بڑے زاہد ومتقی کا ایمان ڈگمگادے۔ اسے اپنے جذبوں پر حیرانی تھی۔ وہ جو بہت، خشک و سردمزاج، ضدی وخودسر، غیر جذباتی اور انا پرست شخص تھا۔ اس کی کچھ دیر کی قربت میں ایک بالکل عام انسان بن گیا تھا۔

اس نے سر جھٹک کر اپنی بدلتی کیفیت پر تیزی سے قابو پایا اور کارز سے کار کی چابی اٹھا کر اسے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لائبہ جو گومگو کی حالت میں کھڑی تھی۔ اسے سنجیدہ دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتی اس کے پیچھے چلتی ہوئی فلیٹ سے باہر آگئی۔ لفٹ روم سے نکلنے کے بعد اُسامہ گیراج سے اپنی کار نکال لایا تھا اور فرنٹ ڈور اس کے لئے کھول دیا تھا۔

''میری کار کہاں ہے؟'' وہ پلازہ کے رائٹ سائیڈ پر دیکھتے ہوئی بولی۔ جہاں وہ کار پارک کرکے گئی تھی مگر اب وہاں وہ نہیں تھی۔

''بیٹھ تو جاؤ کم ازکم، پھر انکوائری کرلینا۔'' اس کے لاتعلق وبےگانگی سے پر انداز نے اسے جھنجلادیا تھا۔ وہ شش وپنج میں مبتلا ہچکچاتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کرلیا۔

''شاہ رخ لے گیا تھا کار۔ اس نے ڈرائیور کے ہمراہ گھر بھیج دی ہوگی۔'' وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

کار تیزی سے سڑک پر رواں تھی۔ آٹھ بج چکے تھے۔ رات کا اندھیرا ہر سو پھیل چکا تھا۔ رنگ برنگی روشنیوں سے راستے میں پڑنے والی دکانیں، رہائشی عمارتیں جگمگا رہی تھیں۔ سڑکوں پر ٹریفک کا اژدہام تھا۔ وہ بےدلی سے باہر گزرتے مناظر دیکھ رہی تھی۔ اس کا ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ چند گھنٹے قبل جب وہ ان راستوں سے نوری کے ہمراہ گزری تھی تو لائبہ نور تھی اور اب واپسی پر ان راستوں سے گزرتے ہوئے وہ لائبہ، اُسامہ ملک بن چکی تھی۔ یہ وقت کی ستم ظریفی تھی یا تقدیر کی نامہربانی یا اس کے نصیب کا لکھا۔ بعض اوقات نصیب بھی کس طرح انسان کو گھیر کر ایسی چال چلتا ہے کہ انسان کی تمام تدبیریں اس کے خلاف ہوجاتی ہیں۔

''ڈنر کس ہوٹل میں کریں؟'' اُسامہ جو اس کی کیفیت نوٹ کر رہا تھا کچھ دیر بعد بولا۔

''مجھے آپ گھر چھوڑ دیں۔ مجھے اس وقت صرف ماما کی فکر ہے۔ وہ دل کی مریض ہیں۔ طبیعت ان کی ان دنوں بہت حساس ہو رہی ہے۔ میں نہیں چاہتی، میری گھر سے طویل غیرحاضری ان کے لئے کسی بھی تکلیف کا باعث بنے۔'' وہ بھیگے لہجے میں اتنی قطعیت سے بولی کہ اُسامہ چند لمحے اس کے چہرے کی جانب دیکھتا رہ گیا جو سرمئی آنچل میں تقریباً چھپا ہوا تھا پھر اس نے کوئی بات نہیں کی۔ رش ڈرائیونگ کرتا ہوا وہ اس کے بنگلے کے سامنے کھڑا تھا۔

''اگر تم نے لاکٹ اپنے گلے سے جدا کیا تو سوچ لینا، میں نکاح کے کاغذات لے کر آجاؤں گا پھر جو کچھ ہوگا، اس کی ذمے داری تم پر عائد ہوگی۔'' فرنٹ ڈور کھولنے سے پہلے لائبہ نے لاکٹ اتار کر اس کے حوالے کرنا چاہا تھا مگر وہ اس کا ارادہ بھانپ کر بولا تو اس کے گلے کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل

آئی۔

’’کیسی بیوی ہو تم۔ خدا حافظ تو کہہ دو۔‘‘ وہ مسکرا کر بولا۔

لائبہ نے اس کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ چوکیدار اسے دیکھ کر گیٹ کھول چکا تھا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہو گئی۔ اُسامہ نے چند لمحے بعد کار اسٹارٹ کر دی۔

❖ ❖ ❖

’’ارے کون ہے بھئی جو بیل پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا ہی بھول گیا ہے یا پہلی دفعہ بیل دیکھی ہے۔‘‘ مسلسل بجتی گھنٹی کی آواز پر شائلہ جھنجلا کر چیخی۔ وہ آٹا گوندھ رہی تھی اور مسلسل بیل نے اسے غصہ دلا دیا تھا۔ جو کوئی ہے بڑا بے صبرا ہے‘ معمولی سی بھی چند لمحے انتظار کی زحمت برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے آٹا رکھ کر بغیر ہاتھ دھوئے دروازے تک پہنچ گئی۔

’’کون پاگل ہے بھئی۔‘‘ وہ دروازہ کھولتے ہوئے غرائی اور دروازے پر کھڑے فاران اور تابندہ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں اور منہ حیرانی سے پھٹ گیا۔

’’یہ اتنا خوفناک چہرہ بنا کر کیوں ہمیں ڈرا رہی ہو۔ تابی تو رات کو خوف کے مارے سو بھی نہ سکے گی۔‘‘ فاران شوخی سے اس کی طرف دیکھتا ہوا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا تو وہ حواسوں میں آ گئی اور سلام کرتے ہوئے مسرت سے چیخ کر اس کے پیچھے آتی تابندہ سے لپٹ گئی۔ تابندہ کے انداز میں بھی بڑی گرمجوشی و محبت تھی۔ وہ بھی بے ساختگی سے اس سے لپٹی تھی۔ آنسو ہمدرد و باوفا دوست ہوتے ہیں جو خوشی میں بھی بن بلائے چلے آتے ہیں اور دکھ میں بھی پورا ساتھ نبھاتے ہیں۔ ملن کی اس خوبصورت گھڑی میں بھی ان کی آمد ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگی بے اختیار خوشی سے بے قابو ہو کر آہستہ آہستہ آنسو بہا رہی تھیں۔ فاران ان دونوں کی محبت اور دوستی سے واقف تھا۔ وہ بہنیں ہونے کے علاوہ ایک دوسرے کی بہترین دوست و رازداں بھی تھیں۔ ایک قلب دو جسم بن کر رہنے والی بہنوں کے درمیان پہلی مرتبہ جدائی آئی تھی۔ وہ بھی دس گیارہ ماہ کی طویل جدائی پھر بھرپور مسرت سے آنسو تو بہنے تھے۔

’’فار گاڈ سیک‘ تابی یاد کرو۔ یہ تمہاری رخصتی نہیں ہو رہی بلکہ تم اپنے میکے آئی ہو۔‘‘ فاران کچھ اس انداز میں بولا کہ وہ دونوں ہی ہنس پڑیں بھیگے چہروں سمیت۔

’’آپ اس طرح بغیر بتائے کیوں آ گئے۔ پہلے کال کر لیتے تو ہم ریسیو کرنے آ جاتے۔‘‘

’’سرپرائز مائی ڈیئر سسٹر‘ اچانک مل جانے والی خوشی بہت اسٹرونگ ہوتی ہے۔‘‘

’’یہ تو درست کہا آپ نے۔ آہ تابی میں تمہیں دیکھ کر بھول گئی کہ میرے ہاتھ آٹے میں خراب ہیں۔ تمہاری قمیص خراب ہو گئی ساری۔ تم میری قمیص پہن لو میں اسے دھو کر ڈال دیتی ہوں۔‘‘ ڈیپ پرپل کلر کی راوسلک کی قمیص پر آٹے کے سفید دھبے نمایاں تھے۔ سوٹ دیکھنے میں ہی بہت مہنگا لگ رہا تھا۔ شائلہ از حد شرمندہ تھی۔

’’کیسی غیروں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ لگ گئے تو لگنے دو۔ رات کو نائٹ سوٹ پہنوں گی تو خود ہی دھو کر ڈال دوں گی۔ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔‘‘ حساس و تیز نگاہ رکھنے والی تابندہ نے بہن کی آنکھوں میں شرمندگی اور کچھ لباس کی وجہ سے مرعوبیت دیکھی تو تڑپ سی گئی۔ ’’آئندہ ایسی باتیں مت کرنا‘ تمہاری محبت کے آگے تو دنیا کی مہنگی ترین اشیاء بھی بے قدر و قیمت ہیں۔‘‘ وہ اسے دوبارہ گلے لگا کر جذباتی لہجے میں کہنے لگی

’’اندر چلیں نا آئیں فاران بھائی۔‘‘ وہ واش بیسن میں جلدی جلدی ہاتھ دھو کر تولئے سے صاف کر کے تابی کا ہاتھ پکڑ کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

’’امی‘ ابو بھائی‘ تابش کہاں ہیں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔‘‘ تابندہ جو اندر داخل ہوتے ہی ان سب کی کمی اور غیر موجودگی محسوس کر رہی تھی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ جبکہ فاران اپنے ساتھ لایا ہوا سوٹ کیس اور بیگ دوسرے کمرے میں رکھنے گیا تھا۔

’’امی اور تابش افشاں آپی کے گئی ہوئی ہیں۔ ان کا چھوٹا بیٹا پانچویں کلاس میں فرسٹ پوزیشن لے کر آیا ہے تو وہ اس کے لئے مٹھائی اور تحفے لے کر گئی ہیں۔ ابو لاہور گئے ہیں۔ وہاں داتا صاحب کا عرس مبارک شروع ہونے والا ہے اور بھائی کی تو وہی روٹین ہے۔ ہفتوں گھر سے غائب رہنا ان کے اندرونی و بیرونی ٹورز ہی ختم نہیں ہوتے۔ خیر تم آرام سے بیٹھو۔ تم نے تو فون پر بتایا تھا سوات‘ مری وغیرہ جا رہی ہو پھر یہاں پر آنے کی ضد تم نے کی ہو گی۔‘‘ شائلہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔

’’پندرہ دن وہاں گزار کر آئے ہیں۔ یہاں تو فاران سرپرائزنگ گفٹ میں لے کر آئے ہیں۔ جہاز میں بیٹھنے سے پہلے یا اترنے سے قبل مجھے معلوم ہی نہ تھا۔‘‘ وہ سادگی سے بولی۔

’’تم اکیلی ہو گھر میں۔ سب لوگ کہاں ہیں۔‘‘ فاران اندر آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

اس نے تابندہ کو بتائی ہوئی تفصیل اسے بھی بتا دی۔

’’میں تھوڑی دیر ریسٹ کرنا چاہتا ہوں۔ کراچی کی فلائٹ کے ٹکٹ مشکل سے ملے تھے۔‘‘ وہ دونوں سے مخاطب ہوا۔ شائلہ نے اسے انور کے کمرے کا راستہ بتایا کیونکہ وہ کمرا سب کمروں سے الگ تھلگ تھا اور بہت خوبصورتی سے شائلہ نے خود اسے ڈیکوریٹ کیا تھا۔ ان دونوں کو کمرا بتا کر وہ کچن میں آ گئی۔ ان دونوں کی آمد سے وہ بے حد خوش بھی تھی مگر اب اس فکر میں اس کے ہاتھ بہک رہے تھے کہ ان کے لئے کیا بنائے جو جلدی بھی بن جائے اور بہترین بھی ہو۔ کم از کم چار پانچ اچھی اچھی ڈشیں تو ہوں۔ ایک تو وہ دونوں شادی کے بعد پہلی مرتبہ آئے تھے‘ وہ بھی اس وقت جب گھر میں کوئی بھی چیز تیار نہ تھی۔ انور ایک ہفتے کے لئے بیرونی ٹور پر صبح روانہ ہوا تھا۔ اجمل صاحب دوپہر کو اور تابش اور امی ان کے نکلتے ہی روانہ ہو گئی تھیں۔ ظاہر بات ہے رات کو افشاں کے شوہر انہیں بغیر کھانا کھائے آنے نہ دیتے۔ اس خیال سے اس نے تھوڑا آٹا گوندھ لیا تھا کہ پراٹھا پکا کر آملیٹ سے کھا لے گی۔ ویسے بھی انڈا پراٹھا اس کی پسندیدہ غذا تھی مگر اچانک جہاں ان دونوں کی آمد نے خوشیوں کی برسات کر دی تھی وہیں اب وہ اس پکانے کھانے کے اہم مسئلے میں بری طرح پریشان تھی اور شرمندہ بھی کہ وہ کیا سوچیں گے کہ کھانے کا وقت ہے اور کھانا ندارد۔ جلد بازی اور بوکھلاہٹ میں اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا پکائے۔

’’کیا ہو رہا ہے۔ یہ تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔‘‘ تابندہ مہکتے وجود کے ساتھ کچن میں آ کر بولی۔

’’میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا پکاؤں اور ٹائم اتنا ہے بھی نہیں کہ کوئی ڈھنگ کی ڈش ہی پک جائے۔‘‘ وہ ریفریجریٹر کا جائزہ لیتے ہوئے پریشانی سے بولی۔

’’ٹائم بہت ہے۔ بس تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ فاران ہمیں ڈنر ہوٹل میں کروائیں گے۔‘‘ وہ اسے ہٹا کر ریفریجریٹر کا دروازہ بند کر کے کہنے لگی۔

’’ارے نہیں‘ یہ تو بہت برا محسوس ہو گا بلکہ امی بھی غصے ہوں گی۔ تم آرام کرو۔ میں کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گی۔ جاؤ نا‘ تم یہاں کیوں چلی آئیں۔‘‘

’’شائلہ‘ میں اب رو دوں گی ہاں۔ تم مجھے اس طرح اہمیت دے رہی ہو جیسے میں کوئی غیر ہوں۔ بس فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ میں تیار ہو گئی ہوں۔‘‘ فاران اتنی دیر کچھ ریسٹ کر لیں گے۔ ہم امی کے آنے سے پہلے ہی آ جائیں گے۔ میرا دل چاہ رہا ہے‘ کسی طرح اڑ کر ان کے پاس پہنچ جاؤں۔ چلو جلدی کرو نا ورنہ فاران کا موڈ آف ہو گیا تو مسئلہ بن جائے گا۔ انہوں نے بہت خلوص سے تمہیں ساتھ چلنے کو کہا ہے۔ انہیں غصہ آ گیا تو بس۔‘‘

’’چلیں گے کس میں۔‘‘ شائلہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔

’’ارے بابا‘ یہاں کراچی میں کیا پرائیویٹ کاروں پر پابندی لگ گئی ہے۔ کسی بھی ٹیکسی کو ارینج کر لیں گے۔‘‘ شائلہ کی بات پر تابندہ شوخی سے کھلکھلا کر بولی تو شائلہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ کتنی خود اعتمادی اور بے فکری تھی اس کے لہجے میں۔ ان نو دس ماہ کے عرصے نے اس کی شخصیت ہی بدل دی تھی۔ جسم تھوڑا بھر گیا تھا۔ چہرے اور آنکھوں میں بہت آسودگی و طمانیت کے دلکش رنگوں نے اس کے وجود کو پر بہار کر دیا تھا۔ شائلہ نے گھبرا کر نگاہیں جھکا لیں کہ مبادا اس کی ہی نظر بہن کو لگ جائے۔

❖ ❖ ❖

زینی‘ عائشہ اور ثمیر کے بے حد اصرار کے بعد شاپنگ پر جانے کے لئے رضامند ہوئی تھی۔ جب سے اس کا ناتا ارشد کے ساتھ جڑا تھا فطری حیا کے مارے وہ کم ہی ان لوگوں سے مخاطب ہوتی تھی۔ یوں تو ان کی فیملی ملک کی نامور فیملیز میں شمار ہوتی تھی جہاں دولت کی فراوانی تھی۔ بے فکری اور آرام دہ لائف تھی۔ ہر خواہش فوراً ہی پوری کی جاتی تھی۔ وہ تو یوں بھی خاندان بھر کی اکلوتی و لاڈلی تھی۔ اس کے ناز نخرے سب اٹھایا کرتے تھے۔ اتنی عزت و چاہت نے عام لڑکیوں کی طرح اسے نہ تو خود سر و مغرور بنایا نہ گھر سے ملی محبت و آزادی نے اس کے قدم بہکائے تھے بلکہ سب کی محبتیں پا کر وہ مکمل ہو گئی تھی۔ ہنس مکھ‘ پرخلوص‘ سب کی فکر میں غلطاں ہر کسی کے کام آنے والی زینی گھر کے افراد کے علاوہ ملازمین کو بھی بے حد عزیز تھی۔ کوئی ذمے داری نہ ہونے کے باعث اس کی طبیعت میں خاصا لاابالی پن اور بچپنا تھا۔ اماں جان کی خصوصی تربیت سب بچوں کے لئے ہوتی تھی۔ جس میں دین کی تربیت بہت کڑی تھی۔ نماز‘ تلاوت‘ روزے کے عادی‘ گھر کی عورتوں کے علاوہ سب مرد بھی تھے۔ دوشیزگی کا افتخار‘ نسوانی‘ حیا و وقار‘ کردار کی پختگی‘ حیا و پاکیزگی ہی عورت کا اصل سرمایۂ حیات ہوتی ہیں۔ شرم و شیریں گفتاری عورت کا زیور ہیں۔ جو عورت اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہے۔ ہمیشہ محترم اور معتبر رہتی ہے۔ یہ اماں جان کی تربیت و نصیحتوں کا اثر تھا کہ وہ کوئی پابندی اور روک ٹوک نہ ہونے کے باوجود ارشد کے گھر والوں کا سامنا کرتے ہوئے شرمانے لگی تھی اور گھر تو جب سے ایک بار بھی نہیں گئی تھی۔ صرف ایک بار ہی ارشد سے اس کا سامنا ہوا تھا‘ جب بھی وہ اس سے ڈھنگ سے کوئی بات نہ کر سکی تھی۔ گھر میں سب کا مزاج بہت نرم تھا اور خصوصاً اس کے ساتھ تو بالکل بچوں جیسا رویہ ہوتا تھا۔ کیوں کہ وہ اپنے دونوں بھائیوں‘ ریاض و فیاض کے علاوہ چچا کے بیٹے اُسامہ اور روحیل کے بیٹوں نبیل‘ ارشد‘ ثمیر سے بھی چھوٹی تھی۔ فیاض اور ثمیر سے تو اس کا جھگڑا اکثر ہو جاتا تھا کہ وہ دونوں ہی چھیڑ ناپ تھے۔ ریاض و نبیل خوش گوار موڈ کے بندے تھے‘ اسامہ بھی جو بہت سنجیدہ و اکھڑ مزاج رکھتا تھا اس کے ساتھ بہت نرمی و محبت سے پیش آتا تھا۔ صرف ارشد ہی تھا جو اُسامہ جیسا ہی مزاج رکھتا تھا مگر اُسامہ کی طرح اس کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آتا تھا۔ ارشد کی بدمزاجی و سردمہری کی دو تین مرتبہ اتفاقاً شکار ہوئی اور اس نے مروت و لحاظ بالائے طاق رکھ کر حسب عادت خوب ڈانٹ پھٹکار سے نوازا تھا۔ جس سے وہ ذہنی طور پر مرعوب ہو گئی تھی۔ اس کی یہی کوشش ہوتی کہ ارشد کی موجودگی میں وہ وہاں کا رخ ہی نہ کرے اور جب شومئی قسمت وہ اس سے منسوب ہو گئی تو جہاں خوبصورت جذبوں نے جنم لیا تھا‘ وہیں ازلی خوف بھی اس کے دل سے نہ نکلا تھا۔ ارشد کا رویہ بھی ذرا تبدیل نہ ہوا تھا۔ وہ ویسا ہی تھا‘ اکھڑ بدمزاج اور سردمہر۔

اب وہ شاپنگ پر ان کے ساتھ آ تو گئی تھی مگر سب چیزیں عائشہ اور ثمیر کی پسند سے ہی لی گئی تھیں۔ ان کے بے حد اصرار کے باوجود اس نے اپنی پسند ظاہر نہیں کی تھی۔ اسے ڈھیروں شرم آ رہی تھی‘ مستزاد اس پر روانی سے تبصرہ کرتی ثمیر کی بے قابو زبان‘ سارے وقت ہی اسے ارشد کے حوالے سے چھیڑتی رہی اور وہ چاہنے کے باوجود اسے پہلے کی طرح جواب نہ دے سکی۔ عائشہ کی چوائس لاجواب تھی۔ اس کے خاموش رہنے کے باوجود اس نے تمام سوٹس‘ جیولری‘ کاسمیٹکس اور کھسے‘ شوز وغیرہ ایسے لئے تھے کہ اسے اپنی ہی چوائس لگی تھی۔ دل ہی دل میں وہ ان کے اعلیٰ ذوق کو سراہ چکی تھی۔

وہ شاپنگ سینٹر سے نکلے تو شام گہری ہو چکی تھی۔ لائٹیں روشن ہو گئی تھیں۔ ثمیر نے آئس کریم پارلر سے انہیں آئس کریم کھلائی پھر کار ڈرائیو کرنے لگا۔

’’مجھے پہلے گھر ڈراپ کر دو ثمیر۔‘‘ زینی کار گلبرگ کے راستوں پر گامزن دیکھ کر گھبرا کر بولی۔

’’اچھا۔ اپنے ان سے ملاقات نہیں کرو گی۔‘‘ وہ شرارت سے مسکرایا۔

’’بدتمیزی نہیں کرو ثمیر۔ مجھے گھر ڈراپ کر دو پلیز۔‘‘ وہ سرخ چہرے کے ساتھ ملتجی لہجے میں کہنے لگی۔

’’اب کھانے کے بعد جانا۔‘‘ عائشہ مسکرا کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

’’بھابی پلیز۔ آپ سمجھیں۔ میں...... میں۔‘‘ وہ بری طرح کنفیوز ہو گئی تھی۔

’’گھبراؤ نہیں‘ ارشد گھر پر نہیں ہیں۔ ثمیر کی عادت سے واقف ہو پھر بھی......‘‘

’’یہ بات نہیں ہے بھابی۔‘‘ وہ جھینپتے ہوئے بولی ورنہ اصل گریز اس کا یہی تھا۔

’’سب جانتا ہوں میں آپ کی ایکٹنگ‘ چپکے چپکے میرے بھائی کو دیوانہ بنا دیا اور اب......‘‘

’’ثمیر! کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔ ہر وقت جوک اچھا نہیں لگتا۔‘‘ عائشہ زینب کی طرف دیکھ کر بولیں۔

’’بھائی نے کہا نہیں تھا کہ اگر زینی سے نکاح نہ ہوا تو وہ زہر کھا کر خودکشی کر لیں گے۔‘‘ اپنی بات کے اختتام پر وہ خود ہی زور سے ہنسا تو عائشہ کی ہنسی میں زینی کی مسکراہٹ

بھی شامل تھی۔

مغرب کی اذان انہیں راستے میں ہو گئی تھی۔ سامان ملازماؤں سے لونگ روم میں رکھوا کر وہ دونوں نماز ادا کرنے لگیں' جبکہ ثمیر مسجد چلا گیا تھا۔ وہ نماز پڑھ کر اٹھیں تو خانساماں نے چائے اور شامی کباب تیار کر رکھے تھے۔ ثمیر مسجد سے آتے ہوئے بیکری سے خاصی چیزیں لے آیا تھا۔ جو عائشہ نے پلیٹ میں نکال لی تھیں۔ بیٹا اس کا سو رہا تھا۔ وہ خریدا ہوا سامان اب دوبارہ دیکھ رہی تھیں' زینی خاموش بیٹھی چائے پی رہی تھی۔

''تمہیں ساتھ شاپنگ سینٹر لے جانے کا فائدہ تو کچھ نہیں ہوا۔ کچھ بھی تو تم نے اپنی پسند سے نہیں لیا۔'' سب سامان پھیلائے بیٹھی چائے پینے کے ساتھ سامان کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد وہ زینی سے مخاطب ہوئی۔ ''آج کل کے دور میں کہاں ہے ایسا۔ لڑکیاں یونہی آزادی سے ہونے والے منگیتروں کے ساتھ شاپنگ کرتی ہیں۔ شرم و گھبراہٹ انہیں چھو کر نہیں گزرتی۔ اب ہمارے ساتھ تو ارشد بھی نہیں' جب بھی تم نے کچھ پسند نہیں کیا۔''

''بھابی' کیا آپ نے غلط کہا ہے۔ لڑکیاں ہونے والے منگیتروں کے ساتھ نہیں بلکہ بوائے فرینڈز کے ساتھ شاپنگ کرتی ہیں بلکہ کئی کو تو میں...... اوہ...... اوہ' میرا مطلب ہے کہ کتنی لڑکیوں کو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے شاپنگ کرتے ہوئے۔''

''مت بات بدلو چیٹر' صاف' صاف کہو کوئی کو تم شاپنگ کرواتے ہو۔'' زینی ہنستے ہوئے بولی۔

''ارشد بھائی! آیئے' آیئے' آخر آپ کو خوشبو پہنچ گئی۔'' ثمیر اچانک دروازے کی جانب دیکھ کر بولا۔ زینی جو اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی اس کے نام پر کچھ ایسے بوکھلائی کہ بے اختیار کھڑے ہونے پر ہاتھ سے ساسر گر کر قالین پر ٹوٹ کر بکھر گئی۔ اس کے گھبرائے گھبرائے چہرے پر ثمیر کی شوخ نگاہیں پڑیں اور وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر خوب ہنسنے لگا۔

''ثمیر! کبھی کبھی بہت اوور جوک کرتے ہو۔ زینی اب تو تمہیں اپنا رویہ چینج کر لینا چاہئے کب تک اپنا مذاق بنواتی رہو گی۔'' ثمیر نے اس سے مذاق کیا تھا' ورنہ ارشد نہیں آیا تھا۔ عائشہ نے ساسر کے ٹکڑے اٹھاتے ہوئے مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

''زینی ریئلی تم اسٹوپڈ ہی رہنا۔ بیوی شوہر سے خوفزدہ نہیں ہوتی۔ جتنا تم اپنے منگیتر سے خوفزدہ رہتی ہو۔ یعنی حد ہے یہ بھی......'' وہ قہقہوں کے دوران بولا۔

''ثمیر! نہ معلوم کس مٹی کے بنائے گئے ہو تم۔'' وہ خفیف سی ہو کر بیٹھ گئی۔

''بہت اعلیٰ و نایاب مٹی ہے میری۔ کسی کسی کو ملتی ہے۔'' وہ فخر سے اکڑا۔ ''یہ دوپٹہ تو ایک دفعہ اوڑھ کر دکھاؤ کیسی لگو گی۔'' ثمیر فیروزی کلر کا جھلملاتا دوپٹہ اس کے سر پر ڈالتے ہوئے اشتیاق سے بولا۔

''کیا کر رہے ہو ثمیر۔'' اس نے دوپٹہ سر سے اتارنے کی کوشش کی مگر ثمیر جیسے ڈھیٹ بندے کے آگے اس کی کہاں چل سکتی تھی۔ بھابی نے بھی اصرار کیا اور گولڈ کا گلوبند اس کے گلے میں پہنانے کے بعد اس کی نہ نہ کرنے کے باوجود آویزے اور ٹیکا اس کی پیشانی پر سجا کر اپنی منتخب کر کے لائی گئی چیزوں کی داد ثمیر سے مانگنے لگیں۔

''ماشاءاللہ اس سادگی میں ہی غضب ڈھا رہی ہو۔'' عائشہ اسے لپٹاتے ہوئے توصیفی لہجے میں بولی۔

''نکاح والے دن اگر ایسا غضب ڈھایا تو سوچ لینا......'' ثمیر کی بات ارشد کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ادھوری رہ گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے شرارتی نگاہوں سے زینی کو دیکھنے لگا۔

''آخر کار آپ کو خوشبو پہنچ ہی گئی۔ زینی بھائی کو ذرا اپنا چہرہ تو دکھاؤ۔''

''تم کیا سمجھتے ہو۔ میں ڈرتی ہوں ارشد سے' خوش فہمی ہے تمہاری۔'' زینی کی ارشد کی طرف پشت تھی۔ وہ اس کی آمد کو محسوس نہ کر سکی۔ وہ یہی سمجھی وہ مذاق کر رہا ہے۔ اس پر پریشر ڈالنے کے لئے بہادری سے لفظ جما جما کر بولی۔

''کس سے ادھار مانگ کر لائی ہیں آپ یہ بہادری۔'' ارشد کے سنجیدہ لہجے پر وہ اچھل سی گئی تھی۔ وہ دھڑکتے دل کو سنبھالے وہیں کھڑی ہو گئی۔ عائشہ کچن میں چلی گئی تھی۔

''جواب دیجئے نا۔ کیا پوچھ رہے ہیں بھائی۔'' وہ شرارت سے جھک کر بولا۔

''تم ایک گلاس پانی پلاؤ مجھے۔'' ارشد' ثمیر کو گھور کر بولا۔

''پانی لے کر کتنی دیر میں آؤں۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب۔ یہ چھوٹے موٹے کام بھی تم ٹائم ٹیبل کے مطابق کرنے لگے ہو۔''

''میں تو آپ کی بھلائی کی ہی بات کر رہا ہوں۔'' ارشد کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر سرعت سے وہاں سے نکل گیا۔ ارشد مسکراتا ہوا زینی کی جانب چلا آیا۔

ملٹی سوٹ پر فیروزی دمکتا ہوا دوپٹہ' پیشانی پر چمکتی بندیا' لائٹ ریڈ لپ اسٹک سے چمکتے خوبصورت ہونٹ' کانوں اور گلے میں دلکش جیولری' اس پر بوکھلایا ہوا دلربا سراپا' جھکی جھکی نگاہوں کی حیا' اس کے دل میں ایک نیا احساس جگا گئی۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے محض ممی' ڈیڈی کی رضا پر رضامندی دی تھی مگر اس وقت وہ اس کی اولین تمنا بن گئی۔ اس کے ایوان دل پر ہمیشہ کے لئے حکمران بن گئی۔

''میری بات کا جواب نہیں دیا تم نے۔'' وہ اس کے نزدیک آ کر سرگوشی میں بولا۔ ''اتنا کیوں ڈرتی ہو میں کیا اتنا خوفناک ہوں۔'' وہ مسکرا کر نرم لہجے میں بولا۔

وہ نگاہیں جھکائے ہوئے اسی طرح نروس کھڑی تھی۔ وہ کچھ دیر اسے دلچسپی سے دیکھتا رہا۔

''اچھی لگ رہی ہو۔ نظر اتار لینا۔'' اس کا بھاری لہجہ دھیما تھا۔

''بھائی' میں آ رہا ہوں پانی لے کر۔'' ثمیر کی مسکراتی ہوئی آواز باہر سے آئی۔ اس کی شرارت سمجھ کر وہ بے اختیار قہقہہ لگانے لگا۔ زینی نے مسکراتے ہوئے گردن جھکا دی۔

❖ ❖ ❖

دستک کی مدھم آواز پر بیڈ پر آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی ماما نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ سامنے ملازمہ رشیدہ کھڑی تھی۔

''آپ کے لئے ناشتہ لے آؤں؟'' انہیں متوجہ دیکھ کر وہ بولی۔

''لائبہ آج یہاں ناشتا کریں گی۔'' وہ نحیف آواز میں بولیں۔

''بی بی تو ابھی سو کر نہیں اٹھی ہیں۔ آپ ناشتا کر لیں۔ ان کا حکم ہے آپ کو ٹائم کے مطابق ناشتا' کھانا' دوا وغیرہ دینا چاہئے۔'' ملازمہ نے کہا۔

''ان کی موجودگی میں تنہا میں ناشتا ہرگز نہیں کر سکتی۔ نو بجنے والے ہیں۔ وہ اٹھ گئی ہوں گی۔ باتھ سے فارغ ہو کر آئیں گی۔ تم اتنے ٹیبل پر ناشتا لگاؤ۔'' ملازمہ کے جانے کے بعد وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ نہ جانے مستقل کھائی جانے والی دواؤں کا اثر تھا یا کمزوری تھی کہ وہ تسبیح پڑھتے پڑھتے پھر غنودگی کے زیر اثر آ گئیں اور نہ معلوم کس وقت تک یہ غنودگی رہتی کہ رشیدہ نے ایک مرتبہ پھر انہیں بیدار کیا۔ اب کے وہ کچھ پریشان سی تھی۔

''آپ ناشتا کر لیں ماما بیگم۔ بی بی بہت غصے ہوں گی مجھ پر۔''

''ارے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ کیا لائبہ اٹھی نہیں ابھی۔'' وہ حیرانی سے ٹائم دیکھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''نہیں جی' دو تین بار تو دروازہ بجا چکی ہوں' ناشتا بھی سارا ٹھنڈا ہو گیا ہے۔''

''کیا ہوا ہے آج؟'' وہ ساڑی سنبھالتے ہوئے تعجب خیز لہجے میں بولیں۔ ''رات کو کس وقت آئی تھیں لائبہ۔ مجھے تو دوا کھا کر اردگرد کا ہوش ہی نہیں رہتا۔'' وہ ملازمہ کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگیں۔

''نو بجے آئی تھیں۔ مجھ سے آپ کا پوچھا پھر کمرے میں چلی گئیں۔ صبح بیڈ ٹی لے کر آئی تو جب بھی دروازہ بند تھا۔ میں نے کئی بار کھٹکھٹایا مگر بی بی جی نے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔''

''بیڈ ٹی نہیں پی صبح کی نماز پڑھنے بھی نہیں اٹھیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے۔ فجر کی نماز اور تلاوت کے بعد وہ اشراق کی نماز پڑھ کر سوتی ہیں۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' انہوں نے گھبرا کر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا وہ لاک نہ تھا۔ فوراً ہی کھل گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی جسمین کی مہک نے ان کا خیر مقدم کیا۔ جسے لائبہ بہت فراخ دلی سے اپنے روم میں اسپرے کرتی تھی۔ ڈارک میرون سلک کے پردوں نے کمرے میں ابھی تک رات کا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ بیڈ لیمپ جل رہے تھے اور وہ بے ترتیب انداز میں بیڈ کے درمیان پڑی تھی۔ کمزور و لاغر ماما میں اس وقت شاید اس کی محبت کی طاقت آ گئی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں اور ساتھ ہی رشیدہ کو پردے کھڑکی سے ہٹا دینے کو کہا۔ اسے چھوتے ہی انہیں لگا' جیسے دہکتے انگاروں کو چھو بیٹھی ہوں۔ وہ تیز بخار میں جل رہی تھی۔ چہرہ اس کا بے انتہا سرخ ہو رہا تھا' پورا جسم آگ بنا ہوا تھا۔

''رشیدہ جلدی سے ٹھنڈا پانی اور کپڑا لے کر آؤ۔ بہت تیز بخار ہو رہا ہے لائبہ کو۔'' وہ کانپتے ہاتھوں سے اسے ٹھیک کرتے ہوئے بولیں۔ رشیدہ بھاگ کر اسٹیل کی ڈش میں برف کا پانی اور سوتی کپڑے کی پٹیاں لے آئی۔ ماما پٹیاں گیلی کر کے اس کی پیشانی پر رکھ رہی تھیں۔ رشیدہ بھی اس کے پیروں کے تلووں اور ہتھیلیوں پر پٹیاں رکھ رہی تھی۔

''رات کو بی بی ٹھیک تھیں صرف آواز کچھ بھاری لگ رہی تھی۔ میں کچن کی صفائی کر رہی تھی اس وقت میں چہرہ نہیں دیکھ پائی تھی۔''

''تمہیں صبح ہی بتانا چاہئے تھا جب تم نے آواز بھاری محسوس کی تھی۔''

''بی بی کولڈ ڈرنکس وغیرہ پی لیتی ہیں تو اکثر نزلہ ہو جاتا ہے۔ میں سمجھی ایسا ہی ہوا ہو گا۔''

''آدھے گھنٹے کی کوشش کے بعد بخار کی شدت میں کمی ہوئی تو چہرے کی سرخی بھی قدرے کم ہوئی۔

''لائبہ! لائبہ بیٹا۔'' ماما اس پر جھکی آہستگی سے اس کے رخسار تھپتھپا کر اسے پکارنے لگیں۔ ان کی کئی آوازوں کے بعد اس کے بے سدھ بدن میں ہلکی ہلکی جنبش ہونے لگی۔

''لائبہ! آنکھیں کھولو بیٹا!'' وہ بہت نرمی سے پکار رہی تھیں۔ رشیدہ بھی فکرمندی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ڈو...... نٹ...... ٹچ...... نو...... نو......'' وہ جیسے گہری نیند میں کسی بھیانک خواب میں بہک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ماما کے ہاتھ اپنے چہرے سے جھٹکے سے ہٹائے تھے ہذیانی انداز میں وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ ''یہ شادی نہیں ہے فراڈ ہے' فراڈ ہے۔'' وہ بری طرح تکیے پر سر پٹختے ہوئے زور زور سے بڑبڑانے لگی۔ اس کی یہ حرکات غیر شعوری و اضطرابی تھیں۔ ماما نے گھبرا کر ٹھنڈے پانی کے دو چھینٹے اس کے چہرے پر مارے' وہ ایک دم ہی خاموش ہو گئی۔ پانی کی ٹھنڈک اس کے شعور کو بیدار کر گئی۔ وہ چند لمحے ساکت لیٹی بے تاثر نگاہوں سے قریب بیٹھی ماما کو دیکھے گئی۔ ان کے پریشان اور گھبرائے ہوئے چہرے نے جیسے اس کے حواسوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''ماما! آپ یہاں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے حیرانی سے گویا ہوئی۔

''کل آپ! انوری کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھاک گئی تھیں۔ سہ پہر کو شاہ رخ آئے کہ وہ اپنے دوست کی شادی میں آپ کو لے جا رہے ہیں۔ نو بجے تک چھوڑ جائیں گے۔ میں نے انہیں اجازت دے دی تھی۔ میں عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئی تھی۔ مجھے معلوم ہی نہیں ہوا' آپ کب آئیں۔ اب رشیدہ کے بتانے پر مجھے فکر ہوئی کہ آپ کبھی اتنی دیر تک نہیں سوتی ہیں۔ یہاں آ کر دیکھا تو آپ بخار میں نیم بے ہوش تھیں۔ بخار ابھی بھی اتنا تیز ہو رہا ہے۔ کیا ہوا ہے' کیوں اتنا تیز بخار ہو رہا ہے۔ اور آنکھوں سے لگ رہا ہے' خوب روئیں ہیں آپ۔'' ماما کی نگاہیں اس کے چہرے کا ایکسرے مشین کی طرح جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر گریں آنکھوں میں پھیلی گہری سرخی از حد نمایاں ہو کر اس کے رونے کی چغلی کھا رہی تھی۔

''نہیں' ماما میں بھلا کیوں روؤں گی۔ شاہ رخ کے ساتھ آئسکریم کھائی' کوک وغیرہ پی تو اس سے بخار ہو گیا۔ اب میں ٹھیک ہوں۔'' وہ ان کی گود میں سر رکھ کر آنکھوں میں آئی نمی چھپانے لگی۔

آنکھ کھلتے ہی کتنا اذیت ناک کرب آمیز احساس جاگا تھا کہ وہ اب وہ نہیں رہی تھی جو کل صبح تھی۔ کتنی سہانی و سندر تھی کل کی صبح جو وہ ہر فکر و خیال سے بے فکر اٹھی تھی۔ آج کی صبح کتنی منحوس اور تکلیف دہ ہے۔ کل شام کا وہ حادثہ دوبارہ تازہ ہو گیا تھا۔ اس کا شدت سے دل مچل رہا تھا کہ ماما کو سب بتادے اپنے تکلیف دہ زخموں پر ان کی ممتا و محبت کا مرہم رکھ دے۔ اس عورت نے غیر ہو کر بھی سگوں سے زیادہ چاہا ہے۔ ماں سے زیادہ ممتا اور پیار نچھاور کیا ہے۔ قدم قدم پر جس کی ذات مشعلِ راہ ثابت ہوئی ہے۔ اتنی بڑی بات ان سے چھپانا' ان کی محبت' اعتماد اور ممتا کے قتل کے مترادف ہوگا۔ مگر ڈاکٹر نے انہیں پریشانیوں سے دور رکھنے کو کہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو' یہ خبر ان کی..... آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی۔

''ابھی آپ کچھ کہہ رہی تھیں کہ یہ شادی نہیں فراڈ ہے۔'' ماما کا لہجہ عام تھا مگر اسے لگا' جیسے وہ سب سمجھ گئی ہیں۔ اسے محسوس ہی نہیں ہوا تھا وہ لاشعوری طور پر کیا بک رہی تھی۔

''کچھ نہیں ماما۔ ایسے ہی نیند میں کچھ کہہ دیا ہوگا میں نے۔''

''مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے۔ زیادہ حرارت کے باعث ایسا ہو جاتا ہے۔ چلیں آپ منہ ہاتھ دھوئیں۔ میں پھر ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں تاکہ آپ کو دوا وغیرہ دے دیں مگر پہلے ناشتہ کریں گے۔'' ماما مطمئن انداز میں بیڈ سے اترتے ہوئے بولیں۔

''مائی گڈنیس' بارہ بج رہے ہیں دن کے۔ میں اتنی دیر سوئی اور آپ نے ناشتا بھی نہیں کیا۔'' وال کلاک پر نظر پڑی تو وہ تعجب سے بولی۔ ''رشیدہ میں نے تمہیں......''

''رشیدہ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے تو ناشتا لگا دیا تھا مگر میں آپ کے انتظار میں بیٹھی تھی آپ آجائیں پھر ناشتے کے بعد ڈاکٹر بھی آجائیں گے۔'' وہ کمرے سے چلی گئیں۔

ماما کے سامنے اس نے خود کو فریش ظاہر کیا تھا۔ جس سے واقعی وہ مطمئن ہو گئی تھیں۔ درحقیقت مارے درد کے پورا جسم اور سر پھٹا جا رہا تھا۔ رشیدہ اس کے کپڑے باتھ روم میں رکھ رہی تھی۔ وہ سر پکڑ کر نڈھال سی لیٹ گئی۔ اسی اثناء میں فون کی گھنٹی بج گئی۔ اس نے عجیب نظروں سے سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کو دیکھا۔ اس کی چھٹی حس بیدار ہونا شروع ہو گئی تھی۔ بیل مسلسل بج رہی تھی۔ رشیدہ کسی بھی لمحے باتھ روم سے برآمد ہونے والی تھی۔ اس نے کروٹ بدل کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو! اسے اپنی آواز اجنبی لگی۔

''ہیلو جان اُسامہ!'' دوسری طرف سے وہی فاتحانہ بھاری مسکراتی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

''بی بی! آپ کپڑے بدل لیں' میں اتنے بیڈ کور بدل دیتی ہوں۔'' رشیدہ باتھ روم سے نکل کر اس سے بولی۔ وہ دوپٹہ سنبھالتی بیڈ سے اٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں فون پر ہی تھیں۔ وہی ہوا جو وہ سمجھ رہی تھی۔ وہ ابھی باتھ روم کے دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ بیل دوبارہ بجنے لگی۔

''ہلو جی!'' اس کے فون تک پہنچنے سے قبل ہی رشیدہ ریسیور اٹھا کر بولی۔

''ہماری بیگم کو بلا دیجئے۔ لاؤڈ آن ہونے کی وجہ سے آواز صاف سنائی دی۔ اسے کمرا گردش کرتا محسوس ہوا۔

''دو مجھے۔'' اس نے رشیدہ سے ریسیور جھپٹا۔ ''جاؤ ناشتا لگاؤ جا کر۔ رانگ نمبر زیونہی آتے رہتے ہیں۔'' وہ رشیدہ کو مطمئن کرنے کی خاطر اس سے بولی۔ رشیدہ کے وہم و گمان میں بھی اصل معاملہ نہ تھا۔ رانگ نمبرز اکثر آتے رہتے تھے' جنہیں اکثر وہی اٹینڈ کرتی تھی' جن میں اکثر ایسی ہی فرمائشیں ہوتی تھیں۔ لائبہ کی کیفیت پر غور اس نے نہیں کیا۔ سر ہلاتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔ لائبہ نے تیزی سے دروازہ اندر سے لاک کیا پھر ریسیور اٹھا لیا۔

''چچ...... چچ اتنی احتیاط۔ ارے بابا تمہارے حقیقی شوہر کی کال ہے۔'' رشیدہ سے اس کی گفتگو اور دروازہ لاک کرنے کی آواز وہ ریسیور کے ذریعے غالباً سن چکا تھا۔

''مت دیا کریں یہ حوالہ' گالی کی طرح لگتا ہے مجھے۔'' اس نے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

''دماغ درست ہے تمہارا۔'' دوسری طرف سے دہاڑ کر کہا گیا۔ ساری شگفتگی اور رومانس غائب ہو گیا تھا۔

''اگر میرا دماغ درست ہوتا تو میں اتنی آسانی سے آپ کے جال میں نہیں پھنس سکتی تھی۔''

''ہوں۔ گویا تم ابھی تک بدگمان ہو۔ اور میں تمہیں اب گمان مہیا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ میں نے سوچا تھا' اس بندھن کے بعد تم میرے مسائل میں حصہ لو گی' میں جن مشکلات سے گزر رہا ہوں' انہیں اپنی صلاحیتوں سے ختم کرنے کی کوشش کرو گی مگر تم......''

''آپ! مجھے قصوروار نہیں کہہ سکتے جو کچھ ہوا اس میں صرف آپ کی مرضی شامل تھی۔ آپ نے اپنی ذات کا' اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے مگر میں کبھی بھی اس رشتے کو نہیں مانوں گی۔''

''بکواس مت کرو۔'' اس کی سخت غصے میں بھری آواز ابھری۔ ''حد میں رہو اپنی۔''

''آپ کے لئے حدود کا کوئی تعین' کوئی پابندی نہیں ہے۔'' وہ ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئی۔

''تم میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔''

''کیوں کال کی ہے۔ میں آپ کی آواز بھی نہیں سننا چاہتی اور نہ ہی اس بے ہودہ انداز میں کبھی اپنا مدعا بیان کیجئے گا۔'' حد درجہ ترش اور توہین آمیز لہجہ تھا لائبہ کا۔

''لہجہ درست کرو اپنا۔ تمہارے حواس ٹھکانے لگانے اور تمیز سکھانے میں مجھے زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔ مگر میں تمہیں موقع دے رہا ہوں' یہ سوچ کر کہ تم ایک جذباتی اور بے وقوف لڑکی ہو۔ ایسے لوگوں کو حقیقت قبول کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ اس لئے میں تمہیں وقت دے رہا ہوں۔''

''اونہہ! آپ مجھے کیا وقت دیں گے۔ اپنے لئے برا وقت آپ نے خود منتخب کر لیا ہے۔''

''فی الوقت میرے پاس فالتو ٹائم نہیں ہے اور تمہارے بھی ہوش و حواس گم ہیں۔ بعد میں کال کروں گا۔ او کے۔ اللہ حافظ۔'' اس کی سرد و برہم آواز کے ساتھ ہی زور سے ریسیور پٹخنے کی آواز آئی۔ لائبہ اس کی جھنجلاہٹ محسوس کر کے بھیگی آنکھوں سمیت مسکرا دی۔

❖ ❖ ❖

خوبصورت و حسین لان کے درمیان بنی سرخ بجری کی روش سے ہو کر ساحرہ کی بے قرار و بیتاب نگاہیں وہائٹ گیٹ پر بار بار پڑ رہی تھیں۔ ہر نگاہ شدتِ انبساط و عالمِ بے قراری سے لبریز اٹھتی تھی۔ اس کی آنکھیں جذبوں کی تپش سے سرخ ہو رہی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں اس ستمگر و بے مروت کے انتظار میں اتھل پتھل ہوئی جا رہی تھیں۔ اس کی خوشبو سانسوں میں مہک بن کر مہکنے لگی تھی۔ اس نے رستم زمان کی بیماری کے پیشِ نظر بہت احتیاط سے خود کو سنوارا تھا کہ انہیں شک بھی نہ ہو اور اس کی حسبِ خواہش وہ شگفتہ و فریش بھی نظر آئے۔ پرپل جارجٹ کی ساڑی بڑے اسٹائل سے اس نے زیب تن کر رکھی تھی۔ جس میں چھوٹے چھوٹے وہائٹ چمکتے نگینوں سے اس میں جان پڑ گئی تھی۔ سلور کلر ہاف آستین کا چھوٹا بلاؤز بڑے گلے کے ساتھ اس کے خوبصورت جسم پر غضب ڈھا رہا تھا۔ ڈائمنڈ کی نازک جیولری مہارت سے کئے گئے لائٹ میک اپ نے اس کے حسن کو وہ جلا بخشی تھی کہ جیسے کوئی پتھر تراش و خراش کے بعد ہیروں کی طرح نگاہ کو خیرہ کر دے۔

حسین کہلوانا ہر عورت چاہتی ہے۔ چاہے وہ خوبصورت ہو یا عام صورت۔ یہ جذبہ ہر جذبے سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ حسین ہونے کے باوجود حسین سے حسین تر نظر آنا چاہتی ہے۔ ساحرہ کا شمار بھی ان عورتوں میں ہوتا تھا جو ہوشربا حسن اور پرکشش سڈول جسم کی نایاب عورتیں ہوتی ہیں۔ اس کے حسن کو دل کھول کر سراہا بھی گیا اور قدر دان بھی ان گنت ملے۔ اس کے جنبشِ ابرو پر اعلیٰ سے اعلیٰ پرسنالٹی اور وقار رکھنے والا شخص لمحوں میں اپنا سب کچھ اس پر وار دیا کرتا تھا۔ وہ حسن کی ملکہ تھی' پھولوں کی شہزادی خوشبوئیں جس کے جسم سے جنم لیتی تھیں۔ اسے اپنے شعلہ حسن پر حد درجہ غرور تھا۔ وہ مردوں کو اپنے اشاروں پر نچایا کرتی تھی۔ اس کے لئے یہ مخلوق محض احمق و بیوقوف تھی جو اس کی ایک نگاہِ التفات کے لئے اپنا عہدہ' اپنی شان بھلا بیٹھتے۔

اُسامہ سے پہلی ملاقات کے بعد اسے معلوم ہوا کہ باوقار شائستہ و مہذب' بااخلاق و بلند کردار مرد بھی ہوتے ہیں۔ جن کی نگاہیں پاکیزگی و احترام سے جھکی رہتی ہیں' جو شرافت و شجاعت سے نفسانی خواہشات کو بلند ہمتی اور قوت ایمانی سے کچل کر مردانگی کا وقار و معیار بلند رکھتے ہیں۔ اتنے پختہ ایمان و اعلیٰ ظرف شخص نے اسے قطعی طور پر اپنی پرسنالٹی کا اسیر کر لیا تھا مگر خود اس کی پرچھائیں سے بھی گریزاں و بدظن تھا۔ اس کا گریز و اجتناب اس کے اندر بھڑکتی محبت کی چنگاری کو مزید ایندھن فراہم کر دیتا اور وہ پر کٹے پرندے کی طرح بے کل و مضطرب ہو جاتی اور جب سے اس کی نگاہوں نے اس کی دلچسپی و دیوانگی لائبہ کے لئے دیکھی تھی' تب سے ہی وہ انگاروں پر لوٹتا ہوا کو محسوس کرتی۔ اس کا کلیوں کی طرح پاکیزہ حسن' معصومیت اور پروقار سنجیدگی گویا اسے ذہنی خلفشار میں مبتلا کر گئی تھی۔ وہ شعوری و لاشعوری طور پر لائبہ سے موازنہ کرنے لگی تھی۔ اپنے حسن کو مزید نکھارنے' مزید جوان و خوبصورت نظر آنے کے لئے ملک و بیرون ملک کے ماہر بیوٹیشنز سے ہر ہفتے مختلف کورسز کر رہی تھی۔ اس کی روٹین ورک اب بیوٹی کیئر پر مبنی تھی۔ وہ اب پہلے سے زیادہ پرکشش و اسمارٹ لگنے بھی لگی تھی۔ اسے یہ جنون سوار ہو گیا تھا کہ وہ اپنے حسن کے آگے اُسامہ کو ضرور سرنگوں کرے گی۔ ایک بار تو ضرور اس سنگدل و غیر احساس و جذبات شخص کو اپنے حسن سے زیر کر کے اُس کا قرب حاصل کرے گی۔

اس نے جھلا کر کلائی پر بندھی رسٹ واچ دیکھی۔ اسے یہاں ٹہلتے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا اور اُسامہ کا ابھی تک پتا نہ تھا۔ رستم زمان نے کال کر کے اسے فوراً آنے کی تاکید کی تھی اور اس نے فوراً آنے کی ہامی بھی بھر لی تھی۔ کال اس کے سامنے ہی کی گئی تھی۔ اسے معلوم تھا' وہ بااصول و پنکچول شخص ہے۔ وعدے کے مطابق جلد ہی چل پڑے گا اس لئے وہ فوراً ہی تیار ہونے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور تیار ہونے میں صرف آدھا گھنٹہ صرف کیا تھا۔ رستم زمان صاحب نے عادتاً اس کی خوب تعریف کی اور وہ بھی بہانے سے لان میں آ گئی تاکہ بے فکری سے اس کا دیدار کرے۔ رستم زمان کے سامنے تو وہ بہت محتاط و باوفا بیوی بن جایا کرتی تھی۔

''بیگم صاحبہ! آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔'' ملازم نے مودب لہجے میں آ کر اطلاع دی۔

''ہوں۔ چلو۔'' وہ کچھ جھنجلائی سی بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے اندر سوالات کی بھرمار تھی۔ وہ کیوں نہیں آیا۔ وہ وقت اور وعدے کا پابند ہے۔ اس کی ہر ادا دل لوٹ لینے والی ہے' میں مر جاؤں گی اگر وہ مجھے نہ ملا تو۔ اس کے اندر اضطراب و بے چینی خون کے ساتھ دوڑنے لگی۔ وہ اضطرابی کیفیت میں اندر آ گئی۔ صوفے پر بیٹھے اُسامہ کو دیکھ کر اسے اپنی نگاہوں پر یقین نہ آیا۔ وہ بے اختیار اس کے وجیہہ روشن چہرے کو دیکھے گئی جو اسے اندر آتے دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو گیا تھا۔

''السلام علیکم میڈم۔'' اس کی سپاٹ و گمبھیر آواز نے اسے جھنجوڑا۔

''مہمان حاضر ہیں اور میزبان غائب۔ کہاں چلی گئی تھیں آپ۔ رستم زمان جو ریک سے کچھ فائلیں نکال رہے تھے۔ غالباً اُسامہ کے سلام کی آواز سن کر رخ بدل کر ساحرہ سے مخاطب ہوئے جو بمشکل خود کو سنبھال پائی تھی۔

''میں لان میں نئے پھولوں کے پودوں کا جائزہ لے رہی تھی۔'' وہ بہت دل آویز لہجے میں کہتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔ قریب ہی ٹرالی رکھی تھی جس میں چائے اور دیگر لوازمات سجے ہوئے تھے۔

''ارے بھئی آپ خود ہی ایک نایاب و نادر پھول ہیں جس سے ہمارا گلشن زیست مہکتا ہے۔ آپ کو بھلا کیا ضرورت پڑ گئی پھولوں کی نگہداشت کی۔ کیوں اُسامہ بیٹے! ہماری مسز کا حسن تو چاند کو شرماتا ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے ساحرہ کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے اُسامہ سے مخاطب ہوئے۔

''لائیے سر! یہ فائلز مجھے دیں تاکہ میں کچھ اسٹڈی کے بعد اندازہ لگا سکوں۔'' اس کا انداز و لہجہ ایسا تھا' جیسے اس نے ان کی باتیں سنی ہی نہ ہوں۔

''ہا...... ہا...... مائی سن! اتنی چھوٹی عمر میں اتنی بردباری و لاتعلقی اچھی نہیں ہوتی۔ ہر کام کا ایک اصول اور عمر کے لئے وقت ہوتا ہے۔ میری مانو تو شادی کر لو۔ یہی مناسب عمر ہے۔'' وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پرخلوص لہجے میں بولے۔

''دعا کیجئے سر! آپ کی یہ خواہش میں جلد از جلد پوری کر سکوں۔'' وہ چاہنے کے باوجود انہیں اپنے نکاح کے بارے میں انفارم نہ کر سکا۔ اس کے لہجے کا اطمینان و شوخی' چہرے پر پھیلا رنگ' آنکھوں سے نکلتی عجیب سی روشنی ساحرہ نے خصوصی طور پر نوٹ کی تھی۔ اس کا انداز کچھ اتنا بے ساختہ تھا کہ ساحرہ کا چہرہ لمحے بھر کو تاریک ہو گیا۔ درد کی ایک لہر اس کے اندر تک پھیل گئی۔

''اس کا مطلب ہے پتھر میں جونک لگ گئی ہے۔'' وہ پرمسرت لہجے میں بولے۔

''آپ بھی کس کی باتوں میں آ رہے ہیں۔'' اس نے گھبرا کر موضوع بدلا۔ اُسامہ کا انداز بظاہر عام سا تھا۔ رستم بھی اسے مذاق پر محمول سمجھے تھے مگر اس کے اندر جیسے افراتفری پھیل گئی تھی۔

''آپ کب آئے؟'' وہ بغور اُسامہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آپ یہاں سے لان میں گئی ہیں اور اُسامہ آئے ہیں۔'' اُسامہ سے قبل رستم صاحب بول اٹھے۔

''میں تو وہیں تھی میرا مطلب ہے لان میں' میں نے تو انہیں آتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

''میڈم! سائیڈ ڈور کھلا ہوا تھا اس لئے میں وہیں سے کار اندر لے آیا تھا۔'' اُسامہ کی نگاہیں ہاتھ میں پکڑی فائلز پر تھیں۔ اس نے بہت مودب لہجے میں اسے جواب دیا اور ساحرہ کا شدت سے دل چاہا کہ چوکیدار کو گولی مار دے۔ جس نے دوسرا گیٹ عین اسی لمحے کھول دیا تھا یا اس گیٹ کو نکال کر دیوار چنوا دے۔ کیسی حماقت تھی' وہ اس کا باہر انتظار کرتی رہی اور وہ دوسرے گیٹ سے اندر آ بھی گیا۔ جھنجلاہٹ اور غصے کے مارے اس کا برا حال تھا۔

''مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ خیریت تو ہے نا؟'' رستم زمان اس کے چہرے کو دیکھ کر بولے۔

''آپ کو یونہی وہم رہتا ہے' کیا ہوگا مجھے۔'' اس کے نرم لہجے میں ناگواری تھی۔

''چائے اور لیں۔ کب سے ملازم رکھ کر چلا گیا ہے اسی وجہ سے آپ کو بلوانا پڑا ہے۔''

''مجھے پہلے ہی بلوا لیا ہوتا آپ نے۔'' اس کے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی تھی۔

''ہم تو بلوا رہے تھے مگر اُسامہ بیٹے نے منع کر دیا کہ آپ شاید ریسٹ کر رہی ہوں۔''

''ارے آپ کو ہمارا خیال کب سے آنے لگا۔'' وہ خوشگوار انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''آپ کا خیال سر کے خیال سے مشروط ہے۔ سوان کی خاطر مجبوری ہے۔'' اس نے نرم لہجے میں صاف وضاحت کی تھی۔ درحقیقت وہ یہاں اس کی موجودگی چاہتا ہی نہ تھا۔

''ماشاء اللہ! بیٹا ہو تو آپ جیسا۔ باکمال ولاجواب۔'' وہ شفقت سے مسکرائے۔

''پلیز۔ میں صرف چائے لوں گا۔ آج لنچ دیر سے کیا ہے۔'' ساحرہ کو چیزیں پلیٹ میں ڈالتے دیکھ کر وہ قطعی لہجے میں بولا۔ اس کی قطعیت سے وہ دونوں ہی واقف تھے۔

''بہت تکلف کرتے ہیں آپ بیٹا۔ آپ کا انداز بھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ کہنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ چلئے آپ چائے پی رہے ہیں' یہی ہمارے لئے بڑی بات ہے۔''

''آپ شرمندہ کر رہے ہیں سر! پارٹی میں تصادم کا باعث وہ رقوم بنی ہیں جو کسی نہ کسی طرح جبراً لوگوں سے لی گئی ہیں۔ یہ گھٹیا طریقے کب سے ہماری پارٹی میں استعمال ہونے لگے۔ جہاں تک میرا خیال ہے' یہ گندگی پہلے تو نہیں تھی۔'' وہ ناگوار لہجے میں مخاطب ہوا۔

ساحرہ ان دونوں کو چائے دینے کے بعد ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئی جہاں ملازمہ نے کچھ مہمان آنے کی اطلاع دی تھی۔ ویسے بھی اس کا موڈ آف تھا۔ کہ اُسامہ نے ایک نظر اس پر نہیں ڈالی تھی۔

''یہ بات ٹاپ سیکرٹ ہے بیٹا۔ مگر آج کچھ پارٹی پر ایسا وقت پڑا ہے کہ میں اس سیکرٹ کو اوپن کر رہا ہوں۔ دراصل سیاست اب تجارت بن گئی ہے۔ جہاں وقت اور قانون بدلے ہیں' وہاں سیاست میں بھی بہت تبدیلی آئی ہے۔ مجھے بچپن سے ہی اس لائن کا ایسا وہم ہوا کہ اس فیلڈ میں' میں نے باپ دادا کی چھوڑی ہوئی کروڑوں کی دولت و جائداد اس شوق و جذبے پر قربان کر دی۔ عوام و ملک کی بہبود و بہتری کی خاطر میں نے دن رات ایک کر دیئے۔ کبھی اپنے لئے نہیں سوچا' میری سوچ صرف میرے ملک اور میرے ملک کے لوگوں کے لئے تھی۔ میں یہ بھول گیا کہ اس طرح بغیر اضافی آمدنی کے تو قارون کا خزانہ بھی خالی ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے مسائل حل کرنے کے سلسلے میں مجھے خود محنت مزدوری کا خیال نہ آیا اور اب ہوش آیا ہے تو عقل دنگ ہے۔ وفاداری و پاسداری عزت اور انا مدعا بیان کرنے نہیں دیتی۔'' ان کا لہجہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔ سر ندامت و شرم سے سینے سے جا لگا تھا۔

''جب تک آپ کا یہ بیٹا زندہ ہے سر! آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہونے دے گا۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ آپ نے مجھے غیر سمجھا۔ آپ کبھی بھی اس انداز میں آئندہ مت سوچئے گا۔'' وہ تڑپ سا گیا تھا۔ ان کی دگرگوں حالت کو وہ پل میں سمجھ گیا تھا۔

''آپ نے الیکشن کا تمام خرچہ اٹھا لیا۔ اب مزید بوجھ میں آپ پر ڈالوں میرا ضمیر یہ گوارا نہیں کرتا۔ بعض دفعہ یہ شہرت و نیک نامی بھی عاجز کر ڈالتی ہے۔ کتنے عرصے سے ساحرہ کا زیور اور یہ بنگلہ فروخت کرنے کی سوچ رہا ہوں مگر منہ سے بات نہیں نکلی کہ مخالف پارٹیوں کو دباؤ ڈالنے کا موقع مل جائے گا۔ میری برسوں کی سیاسی ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ بالکل خاموشی سے فروخت ہو جائے تو پیسہ......''

''سر! پلیز آپ میرے خلوص کو قتل کر رہے ہیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے' وہ سب آپ کا ہے۔ آپ کچھ بھی فروخت نہیں کریں گے۔ آپ پہلے ہی مجھ پر اعتماد کر لیتے تو شاید پارٹی میں ایسی پھوٹ ہوتی ہی نہیں۔ بہرحال میں کوشش کروں گا۔ یہ اختلافات ختم کروا کر پارٹی ایک کرنے کی اور یہ چیک بک آپ اپنے پاس ہی رکھیں۔ اب کچھ کہنے کی گنجائش بالکل بھی نہیں ہے۔''

اُسامہ بہت خلوص سے اپنی سائن شدہ چیک بک زبردستی ان کے سرہانے رکھے تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے عقیدت بھرے لہجے میں بولا۔

◆ ◆ ◆

''امی! بھائی کی شادی کے بارے میں بھی تو کچھ سوچیں۔ ماشاء اللہ اب تو بھائی نے خوب ترقی کر لی ہے۔ گھر بھی اچھا بنوا لیا ہے۔ ضروریات زندگی کی ہر وہ آسائش موجود ہے گھر میں جو آج کل اہم اور ضروری سمجھی جاتی ہے۔'' تابندہ بالوں میں برش کرتے ہوئے پر اشتیاق لہجے میں بولی۔ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی نوٹس بناتی شمائلہ بھی قلم روک کر ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

''انور گھر میں آئے تو اس کی مرضی بھی معلوم کروں۔ آج کل وقت ایسا آ گیا ہے کہ خود سے اتنا بڑا فیصلہ کرتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ بچوں کی مرضی اہم سمجھی جاتی ہے اب۔ ورنہ پہلے ہمارے وقتوں میں ایسی باتیں بہت معیوب اور بے حیائی سمجھی جاتی تھیں۔''

''میرے خیال میں بھائی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ ایسے ہیں ہی نہیں۔'' شمائلہ بولی۔

''نہیں شمو! امی کی بات درست ہے' پہلے بھائی کی مرضی معلوم کی جائے پھر کوئی قدم اس معاملے میں اٹھانا چاہئے۔'' تابندہ خورشید کی بات سے اتفاق کر کے بولی۔

''بھائی آ جائیں تو میں خود پوچھوں گی ان سے۔'' شمائلہ فائلز اور کتابیں وغیرہ سمیٹتے ہوئے مسکرا کر بولی اور اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''صالحہ کیسی چل رہی ہے' تمہارے ساتھ۔ مجھے اس دن فون پر اس کا لہجہ اکھڑا اکھڑا محسوس ہوا تھا۔'' وہ پان کھا کر پاندان دیوار کی سائیڈ کھسکاتے ہوئے اس سے آہستگی سے بولیں۔ ان کی ممتا بھری پر تجسس نگاہیں بیٹی کے چہرے پر جمی کچھ کھوجنے کی سعی کر رہی تھیں۔ وہ ماں تھیں' بیٹی کے خوبصورت و مطمئن شادمان چہرے پر کچھ بے قراری و اضطراب کا رنگ چھپا نہ رہ سکا تھا' ان کی جہاندیدہ نگاہوں سے۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں امی جان' پھوپو کا رویہ بہت اچھا ہے میرے ساتھ۔ بہت خیال رکھتی ہیں میرا۔ بالکل آپ کی طرح۔'' تابندہ جو ماں کے دکھوں سے واقف تھی۔ اس نے صالحہ کی بدمزاجی اور چڑچڑے پن' طنز و طعنوں اور برے سلوک کو ظاہر نہیں کیا۔ وہ فطرتاً صابر و حساس تھی۔ اس کی طبیعت نے اچھا محسوس نہیں کیا' انہیں سچ بتانا۔ وہ تو خاموشی و صبر سے حالات کے اچھے ہو جانے کا انتظار کر رہی تھی پھر کیوں ماں کو بھی وہ اپنے ساتھ سولی پر لٹکا لے۔ انہوں نے طویل عرصے کے بعد کچھ سکھ دیکھا تھا۔

''مجھے امید ہے' میری بیٹیاں کبھی میرا سر شرم اور ندامت سے اپنے سسرال میں نہیں جھکنے دیں گی۔ اچھے برے' مشکل و آسان دکھ سکھ کے دن تو بیٹا سب کی زندگی میں ہی آتے ہیں۔ یہ بھی اللہ پاک بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ اچھے اور نیک بندوں کا یہی کام ہے کہ وہ ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اس سے اچھی امید اور مغفرت مانگتے ہیں۔ دن کیسے بھی ہوں مسرت سے مسکراتے یا پریشانیوں سے نڈھال سب گزر جاتے ہیں۔ بس انسان کو ہر لمحے برداشت و صبر سے کام لینا چاہئے اور یہ سچ ہے کہ جیت اور سربلندی ہمیشہ ہی صبر و استقامت کو نصیب ہوتی ہے۔

◆ ◆ ◆

نیلگوں سمندر کی سرکش لہریں بہت جوش و ولولے سے باغیانہ انداز میں ساحل کی طرف بڑھتیں اور بھرپور زور سے بھورے اور سرمئی چٹانی پتھروں سے ٹکرا کر ہارے ہوئے شخص کی طرح آہستگی کے ساتھ واپس سمندر کی کوکھ میں لوٹ جاتیں پر دوبارہ نئے اور طاقتور جذبوں کے ساتھ بڑے زوردار انداز میں ساحل سے ٹکراتیں اور انجام وہی پہلے والا ہوتا۔ وہ موجوں اور ساحل کا یہ کھیل کب سے کھڑی ریلنگ سے چہرہ ٹکائے اپنی گرین اداس آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ لہروں کے عزم و حوصلے میں کوئی کمی نظر آئی تھی اور نہ ہی ساحل کی ہٹ دھرمی و بے حسی میں لچک پیدا ہوئی تھی۔ وہ اسی ثابت قدمی و ضدی پن سے لہروں کا جوش و خروش اور جذبے پل بھر میں روند کر انہیں سنگدلی سے واپس سمندر کی طرف دھکیل دیتا تھا۔

یہ سمندر اتنا ہٹ دھرم کیوں ہے۔ کیوں یہ لہروں کو آگے بڑھنے نہیں دیتا۔ شاید یہاں ہر طاقتور اپنے سے کمزور کو کمزور تر کرتا چلا جاتا ہے اور خود اپنی طاقت کے زعم میں خود کو بلند سے بلند تر کرتا چلا جاتا ہے۔ طاقت' گھمنڈ' ذات کے فخر میں انسان کیا سے کیا بن جاتا ہے۔ انسان ہونے کے باوجود دوسرے انسان اس کی نگاہوں میں' کوئی عزت و وقار کوئی اہمیت حاصل نہیں کر پاتے۔ وہ اپنے لئے تمام جائز و ناجائز فیصلے اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جو دوسروں کے حقوق غصب کرے' اپنی فضول ضدیں' بے جا اصول' ناجائز اختیارات کا استعمال اپنا حق سمجھ کر کرے میری نگاہوں میں وہ انسان مردار کھانے والے گدھ سے بھی زیادہ گھناؤنا اور قابل نفرت ہے۔

''اُسامہ ملک! تم نے جو اپنی ہٹ دھرمی سے اپنی ضد پوری کی ہے' تمہاری اس حرکت نے میرے دل میں' تمہارے لئے اتنی نفرت بھر دی ہے کہ اگر تمہیں اس کا اندازہ ہو جائے تو تم شرم سے مر جاؤ۔ کتنے گھٹیا اور کم ظرف ہو تم۔ تم نے میری نگرانی کے لئے نوری کی صورت میں اپنا جاسوس یہاں بھیجا ہوا تھا جو تمہیں میری لمحے لمحے کی رپورٹ دیتی تھی اور میں...... میں کتنی بیوقوف تھی جو اس کو مشکوک سمجھنے کے باوجود بیوقوف بنتی رہی۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے ہوا سے اڑتے ہوئے بال سمیٹتے ہوئے غصے سے سوچا۔ مجھے احساس نہیں تھا۔ میرے وہم و خیال میں بھی یہ نہیں تھا کہ تم اتنی گھٹیا حرکت کرو گے۔ تم وجیہہ چہرے' روشن شخصیت رکھنے والے شخص کا کردار کتنا تاریک و بدنما ہے۔ کاش ان لوگوں کو تمہاری اصلیت معلوم ہو جائے جو تمہیں عظیم لیڈر مانتے ہیں۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے میری زندگی تباہ کر دی' اس نے گلابی ہتھیلیوں سے اپنی نم آنکھیں رگڑ دیں۔

اس پر نکاح والا حادثہ گزرے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔ اس دوران اُسامہ نے صرف ایک بار فون کیا تھا مگر اس نے غصے میں ایسی کھری کھری باتیں سنائی تھیں کہ اس نے فون بند کر دیا تھا اور اس نے بھی دوبارہ رنگ نہیں کیا تھا لیکن لائبہ کے لاشعور میں ایک خوف' ایک الجھن' ایک وہم بیٹھ گیا تھا کہ وہ اسے چھوڑے گا نہیں۔ ابھی اس کی خاموشی و لاتعلقی کسی مصلحت کے تحت ہے مگر اس کا وہم کہتا تھا۔ جلد ہی وہ اپنی بیگانگی ختم کر کے اس پر دسترس پانے کی بھرپور کوشش کرے گا اور شاید حاصل کر بھی لے مگر اب اس نے تہیہ کر لیا تھا' وہ اس کے جذبوں کا تر نوالہ کبھی نہیں بنے گی۔ اس کی خواہشیں' تمنائیں اور آرزوئیں' بھسم کر ڈالے گی۔ یہ اس کا اپنے سے پکا عہد تھا۔ نکاح کر کے وہ فاتح بن کر اکڑ رہا تھا۔ اب اگلے مرحلے پر وہ اسے شکست سے دوچار کر دے گی۔ کیا سمجھتا ہے' وہ خود کو۔ بتاؤں گی اسے' لائبہ ہے کس بلا کا نام۔ اس نے نئے عزم سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ جب لہریں سرکشی اور بغاوت پر آ جائیں تو ساحل کی تمام ہٹ دھرمی اور ضد توڑ کر آگے بڑھ جاتی ہیں پھر تباہیاں اور بربادیاں ساحل کو سائل بنا دیا کرتی ہیں۔

◆ ◆ ◆

''ممی' ڈیڈی کے کیسز آج کل بہت پاور فل جا رہے ہیں۔ اس گینگ کے کافی ثبوت ڈیڈی کو مل گئے ہیں جن پر ڈیڈی تیزی سے کام کر رہے ہیں۔ اگر ایسے ہی کام ہوتا رہا

تو دیکھئے گا۔ ایک دن ڈیڈی اس گینگ کو ختم کر دیں گے۔'' کنول اخبار میں تصویریں اور خبریں پڑھتے ہوئے پرمسرت لہجے میں مسز توفیق سے بولی۔

''ہاں آج میٹنگ میں مسز رازی اور مسز شہباز بھی آپ کے ڈیڈی کے کارناموں کی تعریف کر رہی تھیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے چہرے سے میک اپ صاف کرنے کے بعد کولڈ کریم کا مساج کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

''دراصل ممی' کچھ بے ضمیر و شرپسند افسروں کی وجہ سے پولیس کا محکمہ بہت بدنام اور ناقابل بھروسا ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے اب ان کے لئے عزت واحترام اٹھ گیا ہے۔ لیکن دیکھئے گا' ڈیڈی جیسے فرض شناس' ایماندار اور محبِ وطن افسران لوگوں کا اعتماد بحال کریں گے۔''

''کنول ڈارلنگ! ہمارے معاشرے میں اب ایسے لوگوں کی تقریباً گنجائش نہیں ہے۔ اگر یہاں کوئی حقیقت بیان کرنا چاہتا ہے' سچ بولنا چاہتا ہے تو اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جاتا ہے' یا دوسری صورت میں انہیں گونگے بہرے بن کر زندگی گزارنی ہوتی ہے۔'' وہ ہینڈ لوشن کا مساج ہاتھ پر کرتے ہوئے بولیں۔

''یہ کس طرح ممکن ہے ممی۔ کیا ایمانداری اور نیکی کا وجود ختم ہو چکا ہے۔''

''یہی سمجھ لو۔ اگر ختم نہیں ہوا تو نیم مردہ تو ہو ہی گیا ہے۔''

''ایسا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے ممی۔ جس دن یہ اوصاف دنیا سے رخصت ہو گئے تو دنیا ہی ختم ہو جائے گی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ چند گندی مچھلیوں نے اپنا گند پھیلا دیا ہے۔ جس طرح سیاہ بادل کا آوارہ ٹکڑا چند لمحوں کے لئے چاند کو اپنی گرفت میں لے کر یہ سمجھتا ہے کہ وہ بھی اس کا حصہ بن کر تاریک ہو گیا ہے مگر جب چاند اسی طرح پرنور روشنی بکھیرتا اس کی آغوش سے نکلتا ہے تو سیاہ بادل شرمندہ ہو کر آگے بڑھ جاتا ہے کہ اس کی سیاہی و تاریکی اسے بہت زیادہ خوبصورت و معتبر کر گئی ہے۔ گناہ اور ثواب کے رنگ بھی ایسے ہی ہیں۔ چند لمحوں کے لئے اجالا تاریکی میں گم ہوتا ہے مگر پھر پہلے سے بھی زیادہ شدت سے جگمگا اٹھتا ہے۔'' کنول کا انداز کھویا کھویا تھا۔

''چاند' بادل' اجالا' خوب آپ نے خوامخواہ اپنا ٹیلنٹ ضائع کیا ہے' ڈاکٹر بن کر۔ اگر آپ شاعرہ بن جاتیں تو بہت بہتر نہ ہوتا۔'' وہ شوخی سے مخاطب ہوئیں۔

''جب سے کنول حد درجہ آزردہ و سنجیدہ رہنے لگی تھی۔ اس کا اترا چہرہ و ویران آنکھیں ذکر کوں کیفیت انہیں ڈسٹرب کر گئی تھی۔ انہوں نے بہت کوشش کی' اس سبب کو جاننے کی' اس کی کیفیت کا بیک گراؤنڈ سمجھنے کی مگر وہ ناکام ہی رہیں اور یہاں آ کر انہیں اندازہ ہوا کہ وہ بیٹی سے کتنی دور ہیں۔ ایک گھر میں' ایک چھت کے نیچے رہنے کے باوجود ان کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے۔ وہ پریشانی کے باوجود بیٹی کے ذہن تک اس کی پریشانی اور دکھوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتیں۔ یہ احساس' یہ تکلیف دہ حقیقت انہیں اپنا آپ بدلنے پر مجبور کر گئی تھی اور انہوں نے پہلی بار خود کو کنول کی خاطر بدلا تھا اب زیادہ تر وہ اسے وقت دیتی تھیں۔ پارٹیز جو بہت ضروری ہوتیں' وہی اٹینڈ کرتیں۔ ان کی اس محبت اور دیکھ بھال نے کنول کو بہت سہارا دیا تھا۔ وہ اپنا دکھ کافی حد تک بھول گئی تھی۔

کنول مسکراتے ہوئے کوئی جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ کال اسٹینڈ پر رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''ہیلو۔ جی میں مسز توفیق رفیق بول رہی ہوں۔'' ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹتی ہوئی مسز توفیق نے فون ریسیو کیا۔

''اوہ نو۔'' دوسری طرف سے نہ معلوم کیا کہا گیا تھا۔ ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کنول کو دیکھ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ممی؟'' کنول ان کی حالت دیکھ کر بدحواسی سے ان کے قریب جا کر ہذیانی انداز میں بولی۔

''توفیق کی کار میں بم بلاسٹ ہوا ہے۔ اسپتال سے فون تھا۔''

✦ ✦ ✦

''لائبہ! افتخار صاحب اور ان کی مسز اسلام آباد سے آ گئی ہیں۔ ان کی والدہ کی وفات پر تعزیت کر آئیں چل کر۔ افتخار صاحب کے بے حساب احسانات ہیں ہم دونوں پر' تمام کمزور اور ناسازگار موقعوں پر' ان کی پوری فیملی کی بھرپور بے غرض ہمدردی اور محبت ہمارے ساتھ ساتھ رہی ہے۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ایسے موقعے پر ان کے دکھ میں برابر کے شریک ہوں۔ میں تو اسلام آباد تعزیت کے لئے جانا چاہتی تھی مگر ڈاکٹر نے سفر کی اجازت ہی نہ دی اور آپ بھی میری وجہ سے نہ گئیں۔'' ماما اخبار پڑھتی لائبہ کے قریب آ کر مخاطب ہوئیں۔

''آپ چلی جائیں ماما' ڈرائیور جا کر چھوڑ آئے گا آپ کو۔'' لائبہ سنجیدگی سے بولی۔

''آپ بھی چلیں بیٹا۔ کیا سوچیں گے افتخار صاحب۔'' ان کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں' کیا سوچیں گے انکل۔'' وہ جیسے خود سے گویا ہوئی۔

''بہت چاہتے تھے وہ انہیں۔ ان پر تو ایک قیامت گزر گئی ہو گی۔''

''آپ کو میرے اوپر پڑنے والی قیامت کا علم نہیں ہے جو ان سے ہزار درجہ زیادہ ہے۔ کس طرح میں انکل سے بات کروں گی۔ کیسے میں ان کا سامنا کروں گی۔ اُسامہ ملک گھٹیا انسان' تو نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میرا کردار جو چاندنی کی طرح پرنور اور شبنم کی طرح پاکیزہ تھا۔ کیسی رسوائی و رسوائی کی غلاظت سے غلیظ بنا دیا۔ میں خود سے نگاہیں نہیں ملا سکتی۔ انکل سے کس طرح سامنا کر سکتی ہوں۔''

اذیت ناک سوچیں درد بن کر پورے وجود میں سرایت کر گئیں۔

''کیا سوچ رہی ہیں بیٹا' چلیں اٹھیں۔ بہت بری بات ہو گی اگر آپ نہیں جائیں گی تو۔ افتخار صاحب اسلام آباد سے بھی آپ کے متعلق فون کر کے معلوم کرتے تھے پھر اپنوں کے خلوص و محبت کا سچا احساس تو دکھ میں ہی ہوتا ہے۔ خوشیوں میں تو سب ہی شریک ہو جاتے ہیں جو ہمارے دکھوں میں بھی شریک ہوں وہی سچے اور بے لوث محبت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔'' ماما اپنے مدھم شیریں لہجے میں اسے سمجھا رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے وہاں جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ جو ماما اسے سمجھا رہی تھیں' اس کا احساس اسے خود بھی تھا۔

''وہ سوچوں میں الجھتی کاٹن کے فیروزی کرتے شلوار پر وہائٹ دوپٹہ اوڑھ کر ہینڈ بیگ لے کر باہر آ گئی۔ ماما کار میں بیٹھی اسی کی منتظر تھیں۔ شوفر نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا اور وہ سن گلاسز آنکھوں پر لگاتی ہوئی ماما کے قریب بیٹھ گئی۔ شوفر کار اسٹارٹ کر چکا تھا۔ اس نے آنکھیں موند کر سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا دی۔'' افتخار انکل کا سامنا کس طرح کروں گی۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

''کیا کہوں گی ان سے۔ کس طرح اپنی بے گناہی ثابت کروں گی۔''

سوالات بن بلائے مہمانوں کی طرح وارد ہو رہے تھے۔ یہ خیال تو اس کے ذہن سے نکل گیا تھا کہ وہ ان سے تعزیت کرنے جا رہی ہے۔ اس کی قسمت نے اُسے کچھ اس طرح گھائل کیا تھا کہ وہ شائستہ اطوار و پرخلوص بے غرض طبیعت رکھنے والی' خود غرض سی ہو گئی تھی۔

''لائبہ بیٹا۔ میری ٹیبلیٹس ختم ہو گئیں۔'' ماما سامنے نظر آتے میڈیکل اسٹور کی طرف دیکھ کر اس سے بولیں۔

''میں لے آتی ہوں ابھی۔'' کار رکوا کر وہ میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ گئی اور مطلوبہ ٹیبلٹس لے کر وہ گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ کسی نے مخاطب کیا۔ ''بھابی' السلام علیکم۔'' کوئی مسکراتے لہجے میں یقیناً اسی سے مخاطب ہوا تھا۔ ''میں آپ سے ہی مخاطب ہوں۔ اُسامہ کہاں ہے؟ آپ تنہا۔'' لائبہ نے گھور کر بھابی کہنے والے کی طرف ناگواری سے دیکھا اور زہرخند لہجے میں بولی۔

''جہنم میں۔''

''جی.....'' اس سے مخاطب ہونے والا حیدر اس کے سرد انداز پر بھونچکا رہ گیا۔

''جی..... اور خبردار جو آپ نے آئندہ مجھے کبھی اس گھٹیا نام سے پکارا۔'' وہ حیران و پریشان کھڑے حیدر کو نظر انداز کرتی ہینڈ بیگ سنبھالتی کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ اس وقت اُسامہ کے تصور نے ہی شعلے دہکا رکھے تھے۔ مستزاد اس پر حیدر کا' بھابی کہہ کر پکارنا اور اُسامہ کے متعلق استفسار نے شعلوں پر مزید پیٹرول چھڑک کر آگ بھڑکا دی تھی۔ وہ اس وقت ذہنی و دماغی طور پر اتنی اپ سیٹ اور دیوالیہ تھی کہ حیدر سے مخاطب ہوتے وقت تمام مروت و مصلحت پس پشت ڈال دی تھی اپنے اس رویے پر اسے افسوس بھی قطعی نہ تھا۔

✦ ✦ ✦

''کنول! آپ ڈاکٹر ہونے کے باوجود ایسا بچوں جیسا سلوک کر رہی ہیں۔ ہمت کیجئے اور اپنی ممی کو سنبھالئے' ایسا کیس فرسٹ ٹائم تو آپ کو نہیں ملا۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک کیسز آپ کامیابی سے ڈیل کر چکی ہیں۔'' سرجن عاطف مسلسل روتی ہوئی کنول سے مخاطب تھے۔

''ان کیسز میں میرا تعلق' میرا رشتہ مریضوں سے محض انسانیت اور مسیحائی کے اصول پر مبنی ہوتا ہے مگر اب جو کیس ہے اس سے میرا خونی' جذباتی اور زندگی کا رشتہ ہے' اس دنیا کا سب سے خوبصورت 'مضبوط' کائنات کی وسعت جیسا رشتہ ہے۔ میرا پورا وجود ان کی تکلیف اور اذیت محسوس کر رہا ہے۔ اس وقت میں صرف ایک بیٹی ہوں' ہزاروں وسوسے' اندیشے رکھنے والی ایک کمزور انسان۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔ ''میرے ڈیڈی میں میری جان ہے' ہر شے' ہر رشتے سے وہ مجھے زیادہ عزیز ہیں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی سر۔''

''میں آپ کی روحانی تکلیف سمجھ رہا ہوں ڈاکٹر کنول' مگر کیا آپ کو ایک ڈاکٹر ہونے کے ناتے اتنی کم ہمتی اور جذباتیت سوٹ کرتی ہے۔ خود دیکھئے' آپ کو اتنا بدحواس و پریشان دیکھ کر آپ کی مما کتنا ہرٹ ہو گئی تھیں کہ انہیں بے ہوش ہو جانے کے باعث فوری میڈیکل ٹریٹ منٹ دینا پڑا۔ اللہ کا شکر ہے' توفیق صاحب کی حالت اب پہلے سے کافی بہتر ہے اور کل انشاء اللہ I.C.U سے وارڈ میں شفٹ ہو جائیں گے۔ وہ معجزانہ طور پر بال بال بچ گئے ہیں۔ بے چارے ڈرائیور کی ڈیڈ باڈی بری طرح جھلس گئی تھی۔''

''سر! کیا ڈرائیور ہلاک ہو گیا ہے؟'' وہ ایک دم ہی تاسف سے پوچھنے لگی۔

''جی۔ وہ تو موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تھا۔''

اس کے دل پر ایک بوجھ اور بڑھ گیا۔ کیسا کہرام مچا ہوا ہو گا ڈرائیور کے گھر۔ کتنے ظالم' کتنے سفاک ہوتے ہیں' یہ لوگ۔ جو اس طرح بے گناہوں کی جان لینے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ بھی ایسے درندہ صفت انسان دشمن شیطانوں کی رسی اتنی دراز کر دیتا ہے۔ ایسے بے رحم لوگوں کے لئے کب یوم حساب آئے گا۔ کب تک بے قصور بچے یتیم ہوتے رہیں گے۔ کب تک سہاگنیں بیوائیں ہوتی رہیں گی۔ یہ دہشت و بربریت کا بازار کب بند ہو گا' ایسے لوگوں کی زندگیاں اتنی طویل کیوں ہوتی ہیں۔

✦ ✦ ✦

اماں جان' روحیل انکل' مسز روحیل عمرے کی ادائیگی کے بعد گھر آ چکے تھے۔ فوزیہ بیگم اور اسد صاحب بھی ان کی آمد کے دوسرے دن وطن پہنچ چکے تھے۔ رشتے داروں' عزیزوں اور محلے داروں کا آنا جانا مبارکباد دینے کے لئے لگا ہوا تھا۔ گلاب اور موتیا کے پھولوں کے ہاروں سے فضا معطر رہتی' مٹھائی کے ڈبوں کے انبار لگ گئے تھے جو اس خوشی کے موقع پر لوگ ان کے لئے لا رہے تھے' ساتھ ساتھ زینی اور ارشد کے نکاح کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو چکی تھیں۔ گویا رونقیں اور ہنگامے بارش کی طرح برس پڑے تھے۔ وائٹ پیلس میں مسرتوں اور شادمانیوں کے اس سنہرے وقت میں مست ہو کر وہ اُسامہ کی ذات سے ہونے والا حیرت انگیز انکشاف تقریباً فراموش کر بیٹھے تھے یا بھول جانے کی ایکٹنگ کر رہے تھے۔ سب گھر والوں کے ساتھ اُسامہ بھی انہیں ایئرپورٹ ریسیو کرنے گیا تھا۔ حسب معمول اماں سب کی طرح اس سے بھی ملیں' سینے سے لگایا' ماتھا چوما' شفقت بھرا ہاتھ سر پر پھیرا مگر وہ مضطرب ہو گیا۔ اماں کے سارے عملیات میں اُن کا مشینی انداز واضح تھا نہ اسے سینے سے لگاتے وقت ممتا کی تڑپتی گرمجوشی تھی جو اکثر ان کی واپسی پر اس کی جدائی میں ہوتی تھی نہ آنکھوں میں اس کے لئے محبتوں کی قندیلیں روشن تھیں اور نہ ہی ٹھنڈے ہاتھ میں چاہتوں کی نرمی و خلوص کا لمس موجود تھا۔ بہت اجنبی و بیگانہ نگاہیں تھیں جو صرف ایک لمحے کو اس کی سمت اٹھی تھیں پھر تو گویا راستے بھر اور گھر آ کر بھی وہ ان کی نگاہوں سے جیسے بالکل اوجھل تھا۔ انہوں نے غلطی سے بھی اس پر ایک نگاہ ڈالنا گوارا نہ کیا تھا۔ حالانکہ وہ ان کے نزدیک ہی رہا تھا۔ وہ ان سے کئی بار مخاطب ہوا بھی تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ ان کا یہ اجنبی انداز' سرد رویہ' بولتی خاموشی ان کی شدید ترین نفرت کا بھرپور اظہار تھا۔ ان کا یہ خطرناک اور اذیت ناک انداز اُسامہ کو سلگتے انگاروں کی

وادی میں ننگے پاؤں دوڑ رہا تھا۔ پیار سے زیادہ پیار دینے والی' جان سے زیادہ خیال رکھنے والی' زندگی سے زیادہ عزیز رکھنے والی اماں جان اس طرح اس سے نگاہ پھیرلیں گی' اتنی انجان و بیگانہ بن جائیں گی' ان کے اس ظالم رویے نے اس جیسے ہر سمت سے محبت وچاہت سمیٹنے والے شخص کو بہت بددل و بیزار کر دیا تھا۔ اس نے انہیں منانے کی' سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر انہوں نے ایک لفظ سننا گوارا نہ کیا۔ اس نے اپنے مخصوص بات منوانے والے انداز میں لاڈ سے ان کے کندھے پر سر رکھا کہ اس طرح وہ ہمیشہ پگھل کر اس کی ضد پوری کر دیا کرتی تھیں مگر انہوں نے فوراً لفظوں کی نیت باندھ لی اور اس کا یہ حربہ ناکام ہو گیا۔ اماں جان اتنی سنگدل' کٹھور' ظالم' انا پرست و خود پرست ہوں گی' اس کا اندازہ اسے اب ہوا تھا۔

جس شہر میں مغرور انائیں نہیں ہوتیں
اس شہر یں نفرت کی فضائیں نہیں ہوتیں
اس گھر میں تو آسیب بناتے ہیں نشیمن
جس گھر میں بزرگوں کی دعائیں نہیں ہوتیں

''آہ...... اماں جان آپ کی بیگانگی آپ کی خاموشی سے وجود میں واقع اذیت ناک آسیب اپنے نشیمن بنا چکے ہیں۔ میرے جسم کے ہر عضو میں ویرانیاں' اداسیاں اور وحشتیں برستی رہتی ہیں میری روح زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑاتی رہتی ہے۔ جان کنی کی کیفیت میں مبتلا ہو چکا ہوں میں۔'' اس نے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

''آپ کا روٹھنا' ناراض وخفا ہونا حق بجانب ہے اماں جان۔ میں جانتا ہوں آپ کی آرزوؤں' خواہشوں اور ارمانوں کی ایک بستی جو آپ کے دل میں میرے لئے آباد تھی' آپ کی خوبصورت تمنائیں مجھ سے وابستہ تھیں' آپ کے سنہرے خواب میری ذات سے منسوب تھے۔ میرے اقدام نے سب خاک کر دیئے' سب راکھ ہو گئے مگر میں کیا کرتا؟ اماں جان۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر اپنی شخصیت' اپنے کردار پر بے وفائی ورسوائی کی معمولی سی گرد بھی برداشت نہیں کر سکتا' میں نے اپنی زندگی کے اٹھائیس سال بہت محتاط وشفاف انداز میں گزارے ہیں۔'' وہ ختم ہوتی سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ صبح سے وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ناشتا بھی عبدل سے کہہ کر اپنے روم میں ہی منگوا لیا تھا۔ وہ سخت ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ اماں جان کی مسلسل خاموشی اور اس کی ذات سے نظر اندازی و بے پروائی اس کے لئے سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ اس پر مستزاد اسے اسد صاحب کی بھی فکر لگی ہوئی تھی کہ ان کا اس معاملے میں سلوک کیا ہوگا۔ ابھی تو وہ عزیز واقارب سے ملنے ملانے میں مصروف تھے۔ بزنس ڈیلنگ' پارٹیز اور دوستوں سے ملاقاتوں کی وجہ سے وہ ابھی گھر میں فرصت سے نہیں بیٹھ رہے تھے اور اسے محسوس ہو رہا تھا' وہ اس سارے قصے سے یکسر لاعلم ہیں ورنہ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر پہلے اس سے جواب طلبی کرتے۔ اسے ہر لحہ اس کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ وہ ضدی' ہٹ دھرم اپنی منوانے والا ضرور تھا۔ اماں کی بے جا محبت اور فوزیہ بیگم کے لاڈ اور ناجائز نرمی نے اسے نکاح جیسا فیصلہ کرنے کا حوصلہ دے دیا تھا۔

اب اسد صاحب کا سامنا کرنے میں اسے شرمندگی وجھجک ہو رہی تھی۔ اسد صاحب بہت سخت مزاج باپ تھے۔ جو سونے کا نوالہ کھلانے کے باوجود شیر کی نگاہ سے اولاد کو دیکھتے تھے۔ ان کی سخت مزاجی اور غصہ ور طبیعت کا اعجاز تھا جو وہ اکلوتی اولاد ہونے کے باوجود بے تکلف نہ تھا' ہمیشہ ایک حد ادب اور فاصلے سے رہتا تھا۔ اب بھی اسے پریشانی ان سے ہی محسوس ہوئی تھی یا اماں جان کے نئے انداز سے۔

باہر سے دروازہ ناک کیا گیا تو وہ اپنے منتشر ذہن اور بال ہاتھوں سے سنوارتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''لیس کم ان۔'' وہ دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔

''کیا ہو رہا ہے بیٹا۔ فوزیہ بیگم اندر آئیں اور مسکرا کر بولیں مگر ان کے چہرے کی متغیر رنگت اور وہ بے جان مسکراہٹ اُسے کسی خطرے کا احساس دلا گئی۔

''خیریت ممی۔ آپ کی مسکراہٹ' آپ کے احساسات کا ساتھ نہیں دے رہی۔'' وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''وہ...... آپ...... کے ڈیڈی آپ کو بلا رہے ہیں۔'' ان کے خشک لبوں سے سہمی ہوئی آواز نکلی تو لمحے بھر کو اُسامہ چکرا یا مگر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا تو گویا وہ وقت' وہ گھڑی' وہ لمحے آن پہنچے تھے جس کا شعوری ولاشعوری طور پر شدت سے منتظر تھا۔

''چلئے ممی۔'' وہ نرمی سے ان سے مخاطب ہوا۔

''آپ کو اندازہ ہے' آپ کے ڈیڈی آپ سے کیا بات کریں گے؟''

''جی ممی' یہ وقت تو آخر کار آنا ہی تھا۔''

''میں نے آپ کے ڈیڈی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اماں جان نے ابھی......''

''ممی' یہ چھپانے والی بات نہیں ہے' آپ پہلے بتا دیتیں۔'' ان کے بچوں جیسے خوفزدہ انداز پر اسے بے اختیار پیار آیا۔ کتنی معصوم وسادہ لوح تھیں وہ۔

''مجھ سے وعدہ کرو' آپ کے ڈیڈی کچھ بھی کہیں' آپ کو مگر آپ گھر نہیں چھوڑ کر جائیں گے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''ممی' میں نے جب گھر چھوڑا تھا' جب مجھے آپ کا تقدس ووقار اس گھر کے ساتھ ڈیڈی کے نام کے ساتھ برقرار رکھنا تھا' آپ کی عزت وتوقیر' احترام' عظمت کے آگے میرا گھر چھوڑنا کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا مگر اب آپ بے فکر رہیے یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے' اپنے اس اقدام وفیصلے کا علاج تو مجھے ہی کرنا ہے۔ آپ پریشان مت ہوں۔'' وہ ان کے شانے پر بازو رکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

''بیٹا! آپ نے خود کو کس پریشانی میں الجھا لیا ہے۔'' وہ اس کے بازو کے گھیرے میں چلتی ہوئی آبدیدہ لہجے میں بڑبڑائیں۔

جب سے اماں جان نے اُسامہ سے اجنبیت و بے پروائی برتنا شروع کی تھی' اس حد تک وہ اس سے بدگمان ونالاں تھیں کہ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کر رہی تھیں۔ ان کے اس شدید ردعمل نے اسے فطری طور پر فوزیہ بیگم کے بہت قریب کر دیا تھا۔ اب وہ پوری طرح ان کی نرم اور بے حد نفیس طبیعت سمجھ پایا تھا۔

اسد صاحب گرے کوٹ سوٹ میں ملبوس ہونٹوں میں جاپانا برانڈ کا سگار دبائے کسی زخمی شیر کی طرح اپنے روم میں ٹہل رہے تھے۔ ان کے پروقار چہرے پر غصے کی سرخی نمایاں تھی۔ آنکھیں اضطرابی انداز میں داخلی دروازے کی طرف بار بار اٹھ رہی تھیں۔

''السلام علیکم ڈیڈی۔'' داخلی گیٹ سے اُسامہ اندر آ کر ان سے مخاطب ہوا۔ وہ نارمل انداز میں اندر داخل ہوا تھا جبکہ اس کے ساتھ اندر داخل ہونے والی فوزیہ بیگم کا چہرہ بدحواس اور زرد ہو رہا تھا۔ انہوں نے سختی سے اُسامہ کا بازو پکڑا ہوا تھا۔ ان کے پسینے سے تر ہاتھ کی لرزش اُسامہ کے منتشر حواس اور زیادہ منتشر کر رہی تھی۔

''میں تم جیسی باغی' ضدی' خودسر اور خود پسند اولاد پر سلامتی بھیجنے کا روادار نہیں ہوں۔'' حسب توقع وہ بپھرے ہوئے بادلوں کی طرح برستے' گرجتے ہوئے گویا ہوئے۔

''مجھے افسوس ہے ڈیڈی' میں ہمیشہ ہی آپ کی دل آزاری اور تکلیف کا باعث بنتا ہوں۔ میں چاہتا نہیں ہوں ایسا کرنا مگر......''

''مگر۔ تمہاری اس اگر مگر نے ہی ہماری زندگیاں تباہ وبرباد کر کے رکھ دی ہیں۔ تم بچپن سے ہی ضدی' انتہا پسند اور شر پسند رہے ہو۔'' وہ اس کی بات قطع کر کے غصے سے بولے۔ ''میں نے کبھی بھی تم سے کسی اچھی اور عمدہ بات کی توقع رکھی ہی نہیں۔ نہ معلوم کون سی منحوس گھڑی تھی' جب تم نے میرے گلشن میں جنم لیا تھا۔ تم نے دیا ہی کیا ہے ہمیں بچپن سے۔ فکریں' پریشانیاں' رسوائی وبدنامیوں کے علاوہ اور اب اس ایک کارنامے کی کمی رہ گئی تھی سو وہ بھی انجام دے ہی دیا۔'' اسد صاحب بہترین مقرر کی طرح بولے جا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر غیظ وغضب کی بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔ شعلے برساتی نگاہیں ایسے اُسامہ کی طرف اٹھتیں جیسے کسی قصاب کی نگاہیں ذبح ہونے والے جانور کا جائزہ لے رہی ہوں۔

''پلیز اسد۔ کس طرح بات کر رہے ہیں آپ۔ جوان اولاد سے اس طرح بات کی جاتی ہے۔'' فوزیہ بیگم خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے دھیمی آواز میں بولیں۔

''تم خاموش رہو احمق عورت۔'' یہ ان کے غصے کی انتہا تھی جو تمام ایٹی کیٹس برطرف رکھ کر وہ ان سے مخاطب ہوئے تھے۔ مرد کسی بھی طبقے' کسی بھی معاشرے سے تعلق رکھتا' ہو اس میں موجود احساسِ برتری کی بدولت عورت کو اپنے سے کمتر وحقیر سمجھنا اس کی سرشت میں شامل ہے۔ مرد کی اسی فطرت نے اس وقت اسد صاحب کو ایک عام مرد بنا دیا تھا۔ فوزیہ جیسی مہربان' محبت کرنے والی' کم گو سادہ طبیعت' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پروقار عورت کو انہوں نے کسی جاہل گنوار عورت کی طرح بے عزت کر کے رکھ دیا تھا۔

''ڈیڈی پلیز۔'' اس کے جوان وجذباتی خون نے اپنے سامنے ماں کی بے عزتی برداشت نہیں کی۔ لمحے بھر کو اس کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو گیا تھا۔

''تمہاری اندھی محبت اور بے جا ڈھیل نے ہی یہ دن دکھایا ہے۔ دیدہ دلیری و بلند ہمتی دیکھئے اتنا عرصہ سب کو بیوقوف بنائے رکھا۔ شادی کرنا کوئی جرم نہیں ہوتا' مگر انہوں نے اس فریضے کو بھی کسی گناہ کی طرح چھپ کر انجام دیا اور مسلسل پردہ پوشی بھی جاری رکھی۔ نہ ہی کی واقف آتیں اور نہ ان کا بھید کھلتا۔ آخر ضرورت کیا تھی یوں اس طرح کرنے کی۔ کیا اس لڑکی کو اٹھا کر لائے تھے؟'' اسد صاحب غصے سے بے حال تھے۔ براہ راست وہ اُسامہ کے نزدیک آ کر اس سے مخاطب ہوئے۔

''ڈیڈی۔ آپ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں میری طرف سے۔ کیا آپ اپنے خون سے اتنی گراوٹ اور بزدلی کی توقع رکھتے ہیں۔'' اس کے شریانوں میں لاوا دوڑنے لگا تھا۔

''میں زبردستی اور جبر کا قائل نہیں ہوں نہ ہی میری ذہنیت محدود و پست ہے۔'' ان کی جہاندیدہ نگاہیں بہت باریک بینی سے اس کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ گرے شلوار سوٹ میں اس کا دراز سراپا شاندار لگ رہا تھا۔ کشادہ پیشانی عرق آلود تھی۔ وجیہہ چہرے پر ان کے لفظوں نے مشتعل سی سرخی بکھیر دی تھی۔ سیاہ گھنی مونچھوں تلے سرخی مائل ہونٹوں کو اس نے سختی سے بھینچ رکھا تھا اور آنکھیں حسب معمول ان کے سامنے جھکی ہوئی تھیں۔ بغور جائزہ لینے کے بعد انہیں اس میں کوئی ایسی نمایاں تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ کسی طرح بھی محسوس نہ ہو رہا تھا کہ وہ گزشتہ دو سال سے ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔ انہوں نے اس کا جائزہ لینے کے بعد اپنا رخ پھیر لیا تھا وہ اس کے بارے میں قیاس کرنے سے قاصر تھے۔

''توقعات تو نہ معلوم میں نے تمہاری پیدائش کے بعد سے کیا کیا باندھ لی تھیں۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ محض خوش رنگ خیال ہی ثابت ہوئیں۔'' وہ دھیمے رنجیدہ لہجے میں گویا خود سے مخاطب ہوئے۔ اُسامہ کا سر ندامت سے مزید جھک گیا تھا۔ اسد صاحب کا شکوہ درست تھا۔ وہ ان کی ضد تھا۔ دونوں باپ بیٹے نے متضاد طبیعت پائی تھی جو اس کے دلچسپ وپسندیدہ مشغلے تھے' وہ اسد صاحب کو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے جو وہ پسند کرتے تھے اُسامہ کو ان سے چڑ ہوتی تھی۔ یوں نہ چاہنے کے باوجود ذہنی طور پر وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے۔ مزاج وعادات دونوں کی ایک ہی تھیں۔

''کچھ تو خیال کیجئے اسد صاحب' صحت دیکھ رہے ہیں میرے بچے کی۔ ایک ماہ ہی میں کتنے کمزور ہو گئے ہیں' نہ معلوم کیسے باپ ہیں آپ جو اکلوتے بیٹے کی طرف سے ہمیشہ ہی بدگمانیوں اور اندیشوں میں گھرے رہتے ہیں۔ اب جو بھی کچھ ہوا' معاف کر دیں میرے بیٹے کو۔'' فوزیہ بیگم جو بہت دیر سے برداشت کر رہی تھیں ان کا غصہ بتدریج بڑھتے دیکھ کر اچانک کہتے ہوئے رونے لگیں۔

''ممی پلیز' اس طرح مت روئیں۔'' اُسامہ انہیں بازوؤں میں بھر کر نرم لہجے میں بولا۔ اس کے لہجے سے لگ رہا تھا' وہ انہیں روتے دیکھ کر تکلیف محسوس کر رہا ہے۔

''تکلیف ہو رہی ہے نا' تمہیں اپنی ماں کو اس طرح روتے دیکھ کر۔ تم سے زیادہ تکلیف مجھے اماں جان کو روتے دیکھ کر ہوئی تھی' اماں جان جیسی چٹان جیسے حوصلے اور ہمت رکھنے والی ماں کو میں نے ایک مرتبہ ابا کے انتقال پر یا اب تمہاری وجہ سے روتے دیکھا ہے اور انہیں روتے دیکھ کر میرا ارادہ تمہیں شوٹ کر دینے کا تھا اگر اماں مجھے اپنی قسم دے کر نہ مجبور کر دیتیں تو میں اپنے ہاتھوں تمہارا نافرمان اور باغی وجود مٹا چکا ہوتا۔ دعائیں دو اماں جان کے مبارک وجود کو جو تمہاری طرف سے اتنے صدمے برداشت کر کے بھی اس حد تک بدگمان نہ ہوئیں۔ فی الحال ابھی اس قصے کو دفن کرو' جب تک زینب اور ارشد کے نکاح کی تقریب ختم نہیں ہو جاتی کوئی اس کہانی کو نہ دہرائے۔ میں نہیں چاہتا گھر میں اتنے عرصے کے بعد خوشی ہو رہی ہے اور ایسے موقعے پر اپنی خود غرضی دکھا کر کام خراب کیا جائے۔ بعد کا جو فیصلہ اماں جان کریں گی' وہ تمہیں ماننا ہوگا۔ ورنہ انجام کی ذمے داری تم پر ہی ہوگی۔'' پھر وہ جج کی طرح فیصلہ سنا کر کمرے سے نکل گئے۔ اُسامہ کی پیشانی پر تردد کی لکیریں پھیل گئیں۔ فوزیہ بیگم ہلتے پردے کو دیکھتی رہ گئیں جہاں سے گزر کر اسد گئے تھے۔

❖ ❖ ❖

تابندہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ رقیہ پھوپو کے کمرے میں قدم رکھا تھا' جبکہ فاران کے چہرے پر خلاف معمول سنجیدگی و خاموشی تھی۔ ملازمہ ان کے کمرے تک رہنمائی کر کے جا چکی تھی۔ اندر پردہ ہٹا کر آنے کے بعد تابندہ کو شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ سامنے سنگل بیڈ پر پڑا وجود ہڈیوں کا ڈھیر محسوس ہو رہا تھا۔ ایک نظر میں تو وہ واقعی انہیں نہ پہچان پائی۔ رقیہ پھوپو صحت مند جسم کی مالک تھیں۔ ان کے سرخ چہرے پر ہمیشہ اپنی خوشحالی' آسودگی اور دولت کی چمک رہتی تھی۔ ان کی آنکھوں میں دولت و ثروت کا' غرور و تکبر کا رنگ چھایا رہتا تھا۔ اپنے سے کمتر لوگوں کی طرف وہ ایک نگاہ ڈالنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھیں اور آج وہی فخر و غرور سے تنی گردن دولت اور آسائشوں سے مغرور ان آنکھوں میں کتنی بے بسی' حسرتیں' دکھ اور تکلیف کا سمندر موج زن تھا۔ دھرتی کو اپنے پیروں تلے روند کر چلنے والا وجود ہڈیوں میں بدل کر سفید بستر پر بکھرا ہوا حسرت و یاس کی تصویر بنا ہوا تھا۔

''پھوپو! آپ اتنی کمزور ہو گئیں۔ اتنی کمزور کہ پہچان میں نہیں آ رہی ہیں۔'' تابندہ بے اختیار یا شاید خونی رشتے کے زیر اثر ان پر جھک کر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ اسے زبردست شاک لگا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں ان کی یہ حالت نہ تھی۔ رقیہ بیگم کی آنکھوں سے بھی آنسو تیزی سے بہہ کر تکیے میں جذب ہونے لگے۔ وہ فالج کے زبردست اٹیک کا شکار ہوئی تھیں۔ جس سے اُن کا دایاں حصہ تو مکمل ہی مفلوج ہو گیا تھا۔ بایاں ایک ہاتھ معمولی سا حرکت کرتا تھا اور ٹانگ بالکل بھی نہیں۔ بولنے سے وہ بالکل معذور تھیں' کیا حالت بنا ڈالی تھی کاتب تقدیر نے ان کی۔ سارا طنطنہ رعب و دبدبہ بے بسی لاچاری اور معذوری میں بدل گیا تھا۔ تابندہ سخت گھبرا گئی' خوفزدہ ہو گئی تھی وقت کے اس خاموش و سنگین انتقام پر۔ انہوں نے اسے بدنام و ذلیل کرنے میں کیا کچھ نہ کیا تھا۔ صالحہ کے ساتھ اس کی اور گھر والوں کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ جھوٹے من گھڑت فرضی الزامات لگا کر اس کی امی اور شائلہ وغیرہ کی زندگی تنگ و ترش کر دی تھی۔ ان کا پلان حسنہ کا فاران کے ساتھ رشتہ طے کرنا تھا۔ جب سے حسنہ کے منگیتر کا بزنس خسارے میں جانا شروع ہوا' انہوں نے یہی پلان ترتیب دے لیا تھا۔ آخر کار ان کی چالاکیاں بار آور ثابت ہوئیں' تابندہ کو خوب بدنام کرنے کے بعد صالحہ بیگم حسنہ کی جانب راغب ہو گئیں اور آخر کار وہ دن بھی آ گیا' جب وہ بارات لے کر لاہور سے کراچی آئیں اور پھر قدرت نے ان کی چالیں ان کے خلاف ہی چلنا شروع کر دیں۔ حسنہ کا مہندی کی رات گھر سے فرار ان سمیت پورے گھر کو رسوائی و انگشت نمائی کے ذلت آمیز اندھیرے میں بھٹکا گیا اور وہ شدید ترین اعصابی و ذہنی دباؤ کے باعث فالج کا نشانہ بن کر بستر نشین ہو گئیں۔ اس عرصے میں ان کا جسم تو نیم مردہ ہوا تھا مگر ضمیر کو زندگی مل گئی تھی۔ اب انہیں ایک ایک گناہ' ایک ایک زیادتی و سنگدلی شدت سے یاد آ رہی تھی جو دولت کے نشے میں وہ نہ معلوم کتنے لوگوں سے کرتی آ رہی تھیں۔ وہ پشیمان و شرمندہ تھیں اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہتی تھیں۔ اللہ جو انہیں عیش و راحت میں کبھی یاد نہ آیا کہ دن میں ایک وقت ہی اس کے آگے سربسجود ہو کر اس کی نعمتوں و رحمتوں کا شکر ادا کر دیں۔ اب مصیبت پڑتے ہی اللہ انہیں یاد آ گیا۔ یہ بندے کی فطرت ہے' پریشانی اور تکلیف میں وہ اپنے خالق کی طرف ہی رجوع کرتا ہے اور وہ غفور الرحیم اس کی ہر خطا' ہر خود غرضی ہر نافرمانی معاف کر کے اسے اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دے دیتا ہے۔ ان کی ویران آنکھیں اس سے التجا کر رہی تھیں۔ اپنی زیادتی کی معافی مانگ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں کچھ ایسا کرب' ایسی اذیت تھی کہ نرم دل تابندہ ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ رقیہ کے آنسو بھی تیزی سے تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ بڑی وقت سے اس کے سر پر رکھا' گویا اسے تسلی دی۔ فاران جو سلام کرنے کے بعد ان کے قریب بیٹھا ہوا تھا' اس نے تابندہ کو ان سے الگ کیا اور اپنے رومال سے رقیہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے تابندہ سے مخاطب ہوا۔

''تابی! خالہ جان کو حوصلہ دینے کے بجائے خود بھی حوصلہ کھو رہی ہو۔ خالہ جان انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' وہ ان کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تسلی دینے والے لہجے میں بولا۔ تابندہ نے دستی رومال سے چہرہ صاف کر لیا اور ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ فاران نے حسب عادت اپنی پرمزاح باتوں سے رقیہ کو بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لئے اپنا دکھ بھول گئی تھیں۔

آدھے گھنٹے بعد طارق بھائی کمرے میں داخل ہوئے اور بہت تپاک سے فاران سے گلے ملے۔ تابندہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے دعا دی۔

''کب آئے؟'' وہ نزدیک پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''آدھا گھنٹہ تو گزر گیا ہوگا۔'' وہ واچ دیکھتے ہوئے بولا۔

''اتنا وقت گزر گیا۔ عقیقہ نہیں آئیں۔'' وہ جز بز ہو کر کہنے لگے۔

''چھوٹی بھابی کو معلوم نہ ہوگا' ہمارے آنے کا۔''

انہوں نے ملازمہ کو انہیں بلانے کے لئے بھیج دیا۔''

''طارق بھائی! گھر میں خلاف معمول بہت خاموشی ہے۔ گھر میں اور کوئی نہیں ہے کیا؟''

''سب الگ الگ اپنی پسندیدہ جگہوں پر شفٹ ہو گئے ہیں۔ ممی ڈیڈی کے پاس' میں عقیقہ اور بچے ہیں بھیا اور بھابی جان وغیرہ آتے رہتے ہیں۔''

''السلام علیکم بھابی۔'' عقیقہ کمرے میں داخل ہوئیں تو فاران نے احتراماً کھڑے ہوتے ہوئے سلام کیا' جبکہ تابی ان کی طرف بڑھ گئی تھی' انہوں نے بہت گرم جوشی سے اسے گلے لگا ڈالا۔

''مہمان کب سے یہاں بیٹھے ہیں' آپ کو معلوم ہی نہیں ہے۔ ممی کی تندرستی کے ساتھ اس گھر سے اب مہمانوں کی خاطر مدارات کے دستور بھی رخصت ہو چکے ہیں۔'' طارق کے نرم لہجے میں تنبیہہ تھی۔

''کیسی غیروں جیسی باتیں کر رہے ہیں آپ طارق بھائی۔ ہم کوئی مہمان نہیں ہیں۔'' فاران نے کہا۔

''سوری۔ ملازمہ نے اطلاع تو دی تھی مگر میں گڈو کو سلا رہی تھی ابھی میں چائے وغیرہ کا انتظام کرتی ہوں۔'' ان کے نہ نہ کرنے کے باوجود وہ کمرے سے چلی گئیں۔ طارق اور فاران بزنس ٹاکس میں مصروف ہو گئے تھے۔ رقیہ پھوپو شاید دوائیوں کے زیر اثر سو گئی تھیں۔ تابندہ عقیقہ کی طرف آ گئی۔ کچن میں ملازمہ لوازمات کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ اس نے آ کر ان کے بیڈ روم کا دروازہ ناک کیا اور عقیقہ کی آواز سن کر اندر آ گئی۔

''میں تمہیں بلوانے ہی والی تھی۔ ممی دوائیوں کے زیر اثر زیادہ تر سوتی رہتی ہیں۔ دو بزنس مین کے درمیان تم حائل نہیں ہو سکتی تھیں اس لئے میں نے سوچا تمہیں یہیں بلوا لوں' اچھا ہوا تم خود آ گئیں۔'' وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے مسکرا کر بول رہی تھیں اور تابندہ بغور ان کا جائزہ لے رہی تھی۔ ریشمی ساڑی کا دیدہ زیب براؤن بارڈر تھا' کانوں میں گولڈ کے ساتھ ہیرے کے ٹاپس چمک رہے تھے۔ گلے میں بھی مختلف ڈیزائن کی لاکٹ چین تھیں۔ دونوں ہاتھ گولڈ کی چوڑیوں سے مزین اور انگلیوں میں بھی گولڈ کی دس انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔ وہ چمکتی دمکتی جیولری شاپ لگ رہی تھیں۔ ''اور سناؤ بھئی کیسی گزر رہی ہے' صالحہ آنٹی کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ؟'' وہ اس کے نزدیک ہی صوفے پر بیٹھ کر بڑی اپنائیت سے مخاطب ہوئیں۔

''بہت اچھا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ صالحہ کے متعلق تو وہ فاران کو بھی نہ بتاتی تھی۔

''ارے رہنے دو۔'' خلاف معمول جواب سن کر وہ منہ بنا کر بولیں۔ ''جانتی ہوں' اچھی طرح ان بہنوں کو کس طرح یہ بہوؤں کا خون چوستی ہیں۔ سب معلوم ہے' میری ساس کم ظالم ہیں۔ وہ تو مزاج میں ان سے بھی دس ہاتھ آگے ہیں۔'' ان کا انداز عام بہوؤں جیسا تھا۔

''آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں بھابی! پھوپو جان نے کبھی کسی بہو کو پریشان نہیں کیا بلکہ آپ کو تو حسنہ کی طرح ہی چاہا ہے۔ سب بہوؤں میں آپ کو انہوں نے زیادہ چاہت دی ہے۔''

''ہاں بھئی' گھٹنے پیٹ کی جانب ہی جھکتے ہیں۔ انہوں نے تو ہمیشہ ہی تمہاری برائیاں کی ہیں' حسنہ کی بھی خوب کہی تم نے۔ وہ بدذات تو ہمارے منہ ہی کالے کر کے چلی گئی۔''

''اسے گھر سے نکالنے میں کون ملوث تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی کی مدد کے بغیر تنہا مہندی کی رات گھر سے چلی جائے۔ یہ کام کسی گھر کے فرد کا ساتھ دینے سے ہی ممکن ہوا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ بھئی گھر میں کسی نے اسے فرار کروایا ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں بولیں۔

''جی ہاں۔ یہ بات میں کسی مفروضے سے نہیں کہہ رہی بلکہ اسلام آباد میں حسنہ نے ساری اسٹوری مجھے سنا دی ہے۔'' تابندہ ان کے بدلتے چہرے پر نگاہ جما کر بولی۔

''حسنہ تمہیں ملی۔ سچ بتاؤ۔'' وہ بری طرح بوکھلا اٹھی تھیں۔

''آپ اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ انسان اس دنیا میں موجود ہو تو کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی مل ہی جاتا ہے اور حسنہ تو اسی ملک میں موجود ہے۔ اس کا مل جانا کوئی معجزہ تو نہیں ہے۔''

''کیا بتایا ہے اس بدفطرت لڑکی نے۔'' وہ گیلی لکڑی کی طرح بری طرح سلگ اٹھی تھیں۔

''اس نے جو کچھ مجھے بتایا ہے' اس کے بعد مجھے بھابی جیسے رشتے پر اعتبار نہیں رہا ہے۔ ایک لڑکی جب دلہن بن کر کسی گھر میں آتی ہے تو اس کے کاندھوں پر بہت بڑی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ وہ صرف بیوی بن کر شوہر کے رشتے میں نہیں آتی بلکہ اس گھر سے وہاں کے افراد سے اس کا رشتہ اتنا ہی مضبوط و پرخلوص ہوتا ہے جتنا شوہر سے' اور ہمارے معاشرے میں تو شوہر سے زیادہ ساس سسر' نندوں دیوروں کی خدمت و خیال رکھنا پڑتا ہے۔ محبت و خلوص نچھاور کرنا ہوتا ہے۔ صبر و ضبط کے کڑے امتحانات سے گزر کر ان کے دلوں میں کوئی مقام پیدا کرنا پڑتا ہے مگر آپ کو کوئی روایتی سسرال نہ ملا۔ ساس نند سسر سب ہی بہت چاہنے اور خیال رکھنے والے ہیں۔ حسنہ اور پھوپو جان نے تو آپ کو وہ عزت و مقام دیا کہ کسی کسی خوش نصیب بہو کو سسرال میں یہ مقام ملتا ہے اور آپ نے جواب میں انہیں کیا دیا۔ ذلت و رسوائی' حسنہ کو ساری زندگی کے لیے ذلت کی زندگی اور گھر بدری' پھوپو جان کو ایسی معذوری جو انہیں نہ زندوں میں رکھے نہ مردوں میں۔ کیسا بھیانک اور گھناؤنا جواب دیا ہے آپ نے ان کی محبتوں کا۔'' حسنہ سے ملنے کے بعد جو آگ اس میں بھڑکی تھی' اسے اب راہ ملی تھی۔

''دیکھو لڑکی' میں بہت دیر سے تمہاری بک بک سن رہی ہوں' وہ بدچلن آوارہ یہاں سے دفع ہو گئی۔ اب جھوٹی کہانی سنا کر اس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے تاکہ میں خوفزدہ ہو جاؤں اور اس کے لئے اس گھر میں آنے کے راستے کھل جائیں۔ جائیداد میں سے حصہ مل جائے مگر ایسا کبھی نہیں ہوگا میں ایسی من گھڑت چالوں میں آنے والی نہیں ہوں۔ اس نے جو کچھ کیا' اس کی خود ذمے دار ہے۔ وہ تو مجھے چھوٹی بہن کی طرح عزیز تھی مگر وہ ہماری عزت اس طرح مٹی میں ملا کر گئی ہے کہ مجھے اس کے نام سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔

ان کا لہجہ پرسکون تھا۔ تابندہ حیران تھی' وہ یا تو بہت اچھی ایکٹر تھیں یا واقعی حسنہ نے جھوٹ بولا تھا۔

''دیکھو آئندہ آ کر تو ایسی لغو بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج تو میں برداشت کر گئی ہوں مگر آئندہ حسنہ کا نام سنتے ہی تمہیں دھکے دے کر اس گھر سے نکال دوں گی اور فاران کو تمہاری طرف سے ایسا بدظن کروں گی کہ وہ تمہاری شکل پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ ویسے بھی تمہیں میرا تو شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس بہانے تمہاری فاران سے شادی ہو گئی ورنہ کون امیر آدمی غریبوں کو قبول کرتا ہے۔ افشاں کی طرح تمہارا نصیب بھی کسی بڑی عمر کے آدمی سے پھوٹتا شکر کرو میرا......'' ان کا استہزائیہ لہجہ بہت توہین و تحقیر آمیز تھا اور شدتِ جوش و جذبات میں ان کی منہ سے سچی بات بھی نکل گئی تھی۔ تابندہ غصے میں کھڑی ہو گئی' اسی دم طارق اندر آ گئے اور ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ دونوں ہی دہل گئیں۔ ان کا چہرہ بتا رہا تھا' وہ سب سن چکے ہیں۔ وہ غصے سے عقیقہ کی طرف بڑھے۔

''ذلیل عورت' وہ سب تیری شرانگیزی تھی۔'' وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھے۔

''طارق بھائی' خدا کے لئے میری بات سنئے۔'' تابندہ تیزی سے ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئی۔

''بیٹھ جاؤ تابندہ۔ میں اس شیطان عورت کا گلا دبا دوں گا اس کی بہکائے میں آ کر حسنہ نے ہمارے ساتھ اپنی زندگی بھی تباہ کر لی' یہ معصوم بنی ہمارے ناموس کا ہمارے ساتھ مذاق اڑاتی رہی۔

''خدا کے لئے طارق بھائی' ہوش سے کام لیں۔ انہیں قتل کر کے جیل ہو جائے گی آپ کو کیا ہوگا' پھوپو جان کا اور بچوں کا۔ آپ اس گھر کو اور تماشا بنانا چاہتے ہیں لوگوں

کے لئے۔‘‘

’’تابندہ! تم قطعی نہیں جان سکتیں‘ میری بہن حسنہ کے جانے کے بعد کس جہنم کی آگ میں روح وجسم جلتے رہتے ہیں۔ اس کے جانے کے بعد زندگی کے معمولات میں کوئی کمی تو نہیں آئی مگر جسم ایسا ہی ہوگیا ہے‘ جیسے روح مردہ ہوگئی ہو۔ اس بے ضمیر ولالچی عورت نے آج تو بالکل ہی ختم کردیا ہے۔ میں اسے جان سے نہیں ماروں گا تو گھر میں بھی نہیں رکھوں گا۔ میں اسے طلاق......‘‘

’’نہیں‘ خدا کے لئے مجھ پر یہ ظلم نہیں کیجئے۔‘‘ عتیقہ جو اچانک طارق کو دیکھ کر اس خوف سے شاکڈ ہوگئی تھی کہ انہوں نے سب کچھ سن لیا ہے۔ طلاق کے نام پر ایک دم ہی تڑپ کر ان کے قدموں میں جھک کر رودی۔

’’نہیں‘ میں تم جیسی چالباز اور دغاباز عورت کو قطعی برداشت نہیں کروں گا۔‘‘ وہ ایک ٹھوکر مارتے ہوئے انہیں دور جھٹکتے ہوئے بولے۔

’’طارق بھائی! معاف کردیں بھابی کو‘ ان کا نہیں تو اپنی ان معصوم بیٹیوں کا خیال کیجئے‘ ان کا مستقبل تباہ ہوجائے گا۔ کوئی بھی انہیں قبول نہیں کرے گا۔ جب کسی کو ان کی ماما کی طلاق اور طلاق کی بنیاد معلوم ہوگی تو کوئی دیکھے گا بھی نہیں ان کی طرف۔‘‘ طارق کو اپنے فیصلے پر ڈٹے دیکھ کر تابندہ قریبی کاٹ میں سوتی ہوئی ان دو جڑواں بیٹیوں کی طرف اشارہ کرکے گلوگیر لہجے میں بولی۔ عتیقہ بھی مسلسل معافی وتلافی گریہ وزاری میں لگی ہوئی تھی۔

’’حسنہ اور ان بچیوں کے صدمے میں‘ میں اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہوگیا ہوں مگر مکار عورت‘ اب میرے دل میں تم وہ مقام کبھی حاصل نہیں کرسکتیں جو آج سے پہلے تھا۔ میں نے تمہیں کیا کچھ نہیں دیا۔ ہر خواہش فرمائش ہونٹوں سے نکلتے ہی پوری کی ہے۔ دنیا کا عیش وآرام اور جملہ آسائشات تمہارے قدموں میں ڈھیر کردیں اور تم کم ظرف ومردہ ضمیر عورت آستین کا سانپ ثابت ہوئیں۔ میری زبان تو اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے خیال سے خاموش ہوگئی ہے مگر تم سے میں ہر رشتہ ختم کرچکا ہوں۔ اپنی بیٹیوں کو بھی میں تمہارے سائے سے بچاؤں گا۔ چھوٹی نند بھی تو بیٹی ہوتی ہے‘ جب تم اس کے لئے گڑھا کھود سکتی ہو تو اپنی بیٹیوں کو بھی معاف نہیں کروگی۔ ہاسٹل میں ڈال دوں گا‘ میں اپنے بچوں کو اور حسنہ کو بھی لے کر آؤں گا اس گھر میں۔ ساری حسرتیں نکال دوں گا اس کے سسرال والوں کے دلوں کی۔ ایسا جہیز دوں گا کہ اس کے سسرال میں کسی نے دیکھا بھی نہ ہوگا۔ میری بہن نے جتنے عذاب گزارے ہیں سب بھول جائے گی۔‘‘ ان کا لہجہ پرعزم وپرجوش تھا۔ عتیقہ بیگم جیسی لالچی اور راہ سے بھٹکا دینے والی عورت اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی۔ طارق کی نگاہوں میں اس کے لئے نفرت ہی نفرت تھی۔

✦ ✦ ✦

طوبیٰ نے سخت فہمائشی نگاہوں سے لائبہ کی جانب دیکھا جو اس کے قریب بیڈ پر نیم دراز تھی۔ ’’اس طرح کیا گھور رہی ہو‘ میں نے جو کچھ کہا‘ وہ بالکل درست ہے۔‘‘

’’مجھے تو تمہارا دماغ ہی درست نہیں لگتا‘ کبھی شادی بھی فراڈ ہوتی ہے۔‘‘

’’سب کچھ سننے کے باوجود تمہیں یقین نہیں آرہا تو میں یہی سمجھوں گی تم ہمیشہ ہی اس شخص کی طرفدار رہی ہو‘ اب اس کے اتنے بڑے فراڈ اور خود غرضی کو تم نے کبھی غلط تسلیم کرنا ہی نہیں ہے تو تم جیسا اہم ووٹ کیسے کم ہوسکتا ہے۔ میں ہی تنہا رہ گئی ہوں۔‘‘

’’تم کیوں تنہا ہوگئیں بھئی‘ تمہیں تو اُسامہ بھائی کی صورت میں اتنا مضبوط اور جاندار سہارا ملا ہے۔ ڈیشنگ‘ چارمنگ‘ ہینڈسم واسمارٹ شخص کو پانے کے بعد تمہیں کسی دوسرے کی پروا بھی نہیں ہونی چاہئے۔ جلد ہی وہ اپنی فیملی کو بھی تمہارے حق میں ہموار کرلیں گے۔‘‘

’’مجھے ضرورت نہیں ہے‘ نہ اس فراڈیے شخص کی اور نہ ان سے متعلق کسی فرد کی۔ میں نے یہ سوچ کر تمہیں بتایا تھا کہ تم میری کچھ ہیلپ کروگی‘ کوئی رائے‘ مشورہ دوگی مگر......‘‘

’’اتنا غصہ مت کرو یار۔‘‘ اس نے غصے میں اٹھتی ہوئی لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بیڈ پر گرا دیا۔ ’’یہاں تو میں تمہاری ہم خیال ہوں کہ انہیں یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ ملازمہ کو جاسوسی کے لئے تمہارے پاس چھوڑتے۔ کسی بھی فرد کی پرائیویسی میں مداخلت یا نگرانی کا کسی کو بھی حق نہیں ہوتا۔‘‘ طوبیٰ کے لہجے میں سچائی وسنجیدگی تھی۔

’’وہ ملازمہ مجھے پہلے ہی دن سے عجیب لگی تھی اور ہر قدم پر وہ مجھے اپنی طرف متوجہ محسوس ہوتی حالانکہ میں نے کئی مرتبہ ڈانٹا بھی ماما سے بھی کہا مگر ماما کہتیں۔ محنتی اور وفادار ملازمہ ہے‘ تمہارے ساتھ سائے کی طرح اس لئے رہتی ہے کہ میں نے تاکید کر رکھی ہے‘ آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔‘‘

’’اب چھوڑو جو اسے کرنا تھا‘ وہ کرکے جاچکی۔ تم کیوں اپنا سوچ سوچ کر خون جلاتی ہو۔‘‘

’’تم نہیں سمجھ سکتیں میری اذیت جو انسان محض اپنے خلوص‘ نرم دلی‘ غریب پروری کے ہاتھوں دوسروں سے بیوقوف بنے‘ بھید کھلنے کے بعد وہ خود کو دنیا کا سب سے بڑا احمق تصور کرتا ہے۔‘‘

’’اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کھیل کھیلیں گے تو میں انہیں فوراً منع کردیتی۔ دراصل ایک دن ماما کا فون آیا کہ انہیں ایک ملازمہ کی ضرورت ہے جو تمہاری دیکھ بھال کرسکے کیونکہ بیماری کے باعث تم انہیں اپنا کام کرنے نہیں دیتی تھیں اور انہیں تمہاری بہت فکر تھی اور جس وقت فون آیا اُسامہ بھائی یہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہی پاپا سے کہا‘ وہ ایسی ملازمہ کا بندوبست کردیں گے جو نیک بھی ہو اور شریف بھی ہو‘ کوئی شکایت کا موقع نہیں دے گی۔ پاپا مطمئن ہوگئے کیونکہ وہ ان کی نیچر اچھی طرح جانتے تھے۔ اب ہمیں اندر کی بات تھوڑی معلوم تھی کہ ملازمہ کی صورت میں اپنی جاسوسہ بھیج رہے ہیں۔ انہوں نے منع بھی کردیا تھا کہ اس سلسلے میں ان کا نام قطعی نہیں آئے۔ پاپا نے وہ ملازمہ اپنے حوالے سے تمہاری طرف بھیج دی۔‘‘

’’دیکھا تم نے‘ کتنا فراڈیا‘ چالاک شخص ہے! وہ پھر بھی تم اس کی حمایت لوگی۔‘‘

’’آف کورس‘ انہوں نے جو بھی کیا‘ تمہاری محبت میں کیا۔‘‘ طوبیٰ ہنستے ہوئے بولی۔

’’اوہ نانسنس‘ مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔‘‘ لائبہ بری طرح جھنجلا گئی۔

’’تم میں ایک سمجھ کا ہی تو فقدان ہے ورنہ اتنا شاندار و مستقل مزاج ساتھی ہر لڑکی کا نصیب نہیں ہوتا تم حد درجہ ناسمجھ‘ ناشکری‘ ناقدری لڑکی ہو۔‘‘ طوبیٰ بھی ڈٹی ہوئی تھی۔

لائبہ نے جواب میں کچھ نہ کہا بس تیزی سے اس سے ہاتھ چھڑا کر غصے میں دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ طوبیٰ بھی تیزی سے اس کی طرف بڑھی‘ اسی اثنا میں افتخار صاحب دروازہ کھول کر اندر آگئے اور وہ دونوں ہی اپنی جگہ ٹھٹک گئیں۔ لائبہ نے سر پر دوپٹہ اوڑھتے ہوئے انہیں سلام کیا جس کا انہوں نے بڑی شفقت سے جواب دیا۔ قریب رکھے صوفے پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لائبہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

’’پاپا‘ میں جاؤں۔ طوبیٰ جو موقع کی نزاکت سمجھ رہی تھی۔ اجازت طلب لہجے میں بولی۔

’’جی اور خیال رکھئے گا‘ کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ خانساماں کے ساتھ مل کر لائبہ کی پسند کی ڈشیں تیار کروائیں آپ۔‘‘ وہ مسکراتے ہوئے طوبیٰ سے بولے وہ سر ہلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

’’کیسی ہیں بیٹا آپ۔ مجھے بہت فکر تھی آپ کی۔ اسلام آباد سے میں نے کئی بار آپ کو فون کئے مگر آپ سے کوئی بات ہی نہ ہوسکی۔ میں مجبوری کی بنا پر فوری آ ہی نہ سکا۔‘‘ ان کے دھیمے پرسکون لہجے میں بھرپور شفقت اور اپنائیت تھی۔ لائبہ سر جھکائے دانتوں سے ہونٹ کچل رہی تھی۔ آنسوؤں سے اس کی آنکھیں لبریز ہوگئی تھیں۔ حلق میں گویا نادیدہ گولے پھنس گئے تھے۔ ایک ماہ سے زائد عرصے سے ہونے والی اس کے اندر جنگ ان لمحوں شدت اختیار کرگئی تھی۔ عجیب دوراہے پر کھڑی تھی وہ۔ ان سے خود کو پوشیدہ رکھنا بھی چاہ رہی تھی اور ان سے سب کچھ کہہ دینے کی آرزومند بھی تھی۔

’’مجھے بہت مسرت ہوئی ہے لائبہ‘ اُسامہ نہایت بہترین اور دلیر انسان ہے۔ بہت پرخلوص وبے غرض انسان۔‘‘

’’انکل مجھے نفرت ہے اس نام سے ہی جو کچھ بھی ہوا‘ دھوکے اور فریب ہے۔ جس بات کو وجہ بنا کر یہ کھیل کھیلا گیا ہے‘ انکل ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ آپ تو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا میں ایسی چیپ حرکت کرسکتی ہوں۔‘‘ وہ ان کی بات قطع کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رودی۔

’’نہیں نہیں لائبہ‘ مجھے آپ پر مکمل اعتماد وفخر ہے بیٹا۔‘‘ وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

’’مجھے اتنا ذلیل وخوار کردیا ہے اس شخص نے کہ میں خود سے ہی نگاہ نہیں ملا پاتی۔ میں خود اپنی نظروں میں گر گئی ہوں۔ اسی احساس شرمندگی سے آپ کا کوئی فون اٹینڈ نہیں کیا اور اب بھی بہت مشکلوں سے آپ کے پاس آئی ہوں۔‘‘ وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

’’بہت غلط خیال کو آپ نے دل میں جگہ دے ڈالی ہے بیٹا۔ مجھے آپ پر ہی نہیں اُسامہ پر بھی مکمل اعتماد وبھروسا ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں اُسامہ کو آپ کے ساتھ کبھی نہیں بھیجتا۔ حالانکہ موسم میں دیکھ رہا تھا کہ ٹھیک نہیں ہے بادل برسنے کو تیار کھڑے تھے۔ شدید بارش کبھی بھی ہوسکتی تھی اور کچی پکی سڑک پر سفر کرنا ناممکن ہی تھا۔ میں سب محسوس کررہا تھا لیکن آپ کو اُسامہ کے ساتھ بھیج کر میں یوں مطمئن تھا کہ وہ ایک شریف اور باکردار نوجوان ہے‘ جبکہ اپنے دوست کی فطرت سے میں واقف تھا۔‘‘

’’میں اس رشتے کو قبول نہیں کرتی۔‘‘ وہ آنسو صاف کرکے اٹل لہجے میں بولی۔

’’لائبہ نکاح کا رشتہ کچا دھاگا یا کانچ ومٹی کا برتن نہیں ہوتا جو آسانی سے توڑا جائے۔ ابھی آپ جذبات میں فیصلہ کررہی ہیں‘ انجام سوچے بغیر‘ ابھی آپ کے پاس وقت ہے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجئے گا اور آج ایک اہم بات بتاؤں آپ کو میں۔‘‘ ان کے شفیق چہرے پر ایک پُرسکون تبسم ابھرا۔ ’’دراصل اُسامہ جو ہے......‘‘

’’پلیز انکل......‘‘ اس کے چہرے پر شدید تناؤ اور اضطراب تھا۔

’’اوہ اُسامہ کو ناپسند کرنے کی یہی وجہ تو نہیں مگر آپ نے کب محسوس کیا۔‘‘ وہ حیرانی سے بولے۔

’’بہت عرصہ پہلے جب ہم مری گئے تھے۔‘‘

’’کیا اُسامہ نے بھی کوئی رسپانس دیا ہے۔‘‘ وہ ہکابکا تھے۔

’’جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ بالکل بے خبر ولاتعلق ہیں اور میں یہی چاہتی ہوں۔‘‘

’’کیوں آخر۔ کیا مسرتوں پر آپ کا حق نہیں ہے۔‘‘

’’یہ تمام خوش فہمیاں میں عرصہ ہوا بھلا چکی ہوں‘ اب مجھے کچھ نہیں چاہئے۔‘‘

’’میں یہی مشورہ دوں گا بیٹا جلد بازی وجذباتیت سے کام بگڑ جاتے ہیں اور بگاڑ کے بعد صرف پچھتاوے رہ جاتے ہیں جو مزید کمزور اور دکھی کردیتے ہیں۔ آپ کے پاس ایک ماہ کا عرصہ ہے‘ خوب غور کرلیں پھر جو فیصلہ ہوگا آپ کا ہمیں منظور ہوگا۔

’’ایک ماہ بعد بھی میرا فیصلہ وہی ہوگا انکل جو آج ہے۔‘‘ وہ قطعی لہجے میں کہنے لگی۔

’’نو۔ نو مائی ڈاٹر‘ جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ اُسامہ سے میری بات ہوئی ہے۔ اس وقت وہ زبردست پریشر میں ہے۔ کچھ عرصے کے لئے آپ صبر کرلیں پھر بات کریں گے۔‘‘

✦ ✦ ✦

میرے نیہر سے آج مجھے آیا یہ پیلا جوڑا
یہ پیلا جوڑا یہ ہری ہری چوڑیاں
میرے نیہر سے آج مجھے آیا

پورا ہال روم بنی سنوری خوبصورت لڑکیوں کی سریلی آوازوں‘ ڈھول اور ڈفلیوں سے گونج رہا تھا۔ ابٹن اور تازہ گلابوں کی مسحور کن مہک سے معطر تھا۔ ہال روم کے سائیڈ میں آرائشی موتیوں کی لڑیوں سے پردہ بنا دیا گیا تھا جس کے درمیان تخت پر شنیل کی چادر بچھی تھی اور گاؤ تکیوں کے سہارے زینی سہیلیوں اور کزنز میں گھری بیٹھی تھی۔ نکاح کی تیاریاں ایک ہفتہ قبل ہی شروع ہوچکی تھیں۔ حسب دستور زینی کو بھی مایوں بٹھا کر پردے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ دور اور نزدیک کے تمام رشتے دار موجود تھے۔ گھر

میں شادی بیاہ کا مخصوص ہنگامہ اور افراتفری مچی ہوئی تھی۔ آج ابٹن کی باقاعدہ رسم کی گئی تھی۔ رسم سے فارغ ہونے کے بعد زینی غسل سے فارغ ہو کر پردے میں بیٹھ گئی تھی پیلے غرارے سوٹ میں اس کی کومل رنگت دمک رہی تھی اس کے چہرے پر نور پھیلا ہوا تھا۔

لڑکیاں جوش و خروش سے گانے گانے میں مصروف تھیں۔ ساتھ ہی ہنسی کی پھلجھڑیاں بھی وقفے وقفے سے چھوٹ رہی تھیں۔ قریب و دور کے رشتے دار جمع تھے بڑی چھوٹی دونوں پھوپیاں کل اسلام آباد سے اپنی فیملیز کے ساتھ آ چکی تھیں۔ چھوٹی پھوپو بہت عرصے بعد اپنے میکے آئی تھیں۔ بہت زیادہ خوش اور مسرور سی آف وائٹ نفیس بھرائی والی ساڑی میں پُروقار و خوبصورت سراپا میں مہمانوں سے علیک سلیک کرتی پھر رہی تھیں۔

ڈولی سجا کے رکھنا چہرہ چھپا کے رکھنا

''لڑکیو! کوئی سا گانا ڈھنگ سے گا لو سارے گانے ادھورے ہی آتے ہیں۔'' بڑی پھوپو نگہت لائٹ اسکائی منقش واک کی جھلملاتی ساڑی میں مسکراتے ہوئے وہاں آ کر بولیں۔

''آنٹی ہم نے پہلے سے پریکٹس نہیں کی اور وہ بک بھی نہیں مل رہی جس میں شادی پر گائے جانے والے گانے لکھے ہوئے تھے۔'' زینی کی دوست نے معصومانہ انداز میں وضاحت کی۔

''تالیاں بھی تو ایک اسٹائل میں نہیں بج رہی ہیں۔'' دوسری لڑکی نے ایک اور عذر پیش کیا۔

''تالیاں۔ میں تو گھبرا کر یہ دیکھنے آیا تھا کہ فضلو کی ٹنڈ پر زوردار اولے کہاں سے برس پڑے۔ فیاض جو ان کے پیچھے ہی اندر چلا آیا تھا' کچھ اس بیساختگی و معصومیت سے بولا کہ سب لڑکیوں کے ہنسنے کے ساتھ ہی نگہت پھوپو اور رانی پھوپو بھی مسکرا اٹھیں۔ فضلو جو حال ہی میں گنجا ہوا تھا اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''آپ کو ہماری تالیوں پر اعتراض ہے تو خود ہی بجایئے۔'' ایک لڑکی منہ پھلا کر بولی۔

''اگر آپ مائنڈ کر رہی ہیں تو میں یہاں بیٹھ کر آپ کو ڈائریکشن دے دیتا ہوں۔'' فیاض مسکراہٹ دبائے زینی کی دوست ارم کے نزدیک بیٹھتے ہوئے فراخدلی سے بولا

''فیاض! لڑکیوں میں بیٹھ رہے ہو' کچھ تو لحاظ کرو۔'' کوثر بیگم جو کسی کام سے اندر آئی تھیں فیاض کو دیکھ کر تنبیہی لہجے میں بولیں جبکہ لڑکیوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

''رہنے دیجئے بھابی جان۔ فیاض کوئی غیر تھوڑی ہے' بھائی ہے ان بچیوں کا۔'' نگہت شرارت آمیز لہجے میں ان سے مخاطب ہوئیں۔

''پھوپو جان! مجھے امید نہیں تھی کہ آپ کی سوچ ایسی ہوگی۔'' فیاض منہ بناتا ہوا اٹھ گیا اور لڑکیوں کے زبردست قہقہوں نے باہر کوریڈور تک اس کا پیچھا کیا۔

''بہت بچپنا ہے ابھی ان بچوں میں۔'' نگہت بیگم کوثر سے مخاطب تھیں۔

''ہاں۔ ڈنر کا انتظام باہر لان میں ٹیبلز لگوا کر کر دیا ہے' میرے خیال میں کچھ دیر بعد کھانا شروع کروا دیا جائے کیونکہ دور کے کچھ مہمان جانے پر اصرار کر رہے ہیں۔''

''جی ہاں۔ بھابی جان' یہاں سے فراغت کے بعد روحیل کی طرف بھی جانا ہے۔''

''زینی! آپ لیٹ جاؤ' تھک گئی ہو گی۔'' کوثر بیگم اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے حلاوت آمیز لہجے میں بولیں۔ جب سے انہوں نے اس کے نکاح کرنے کی ہامی بھری تھی' گویا اپنے دل کو خود ہی ذبح کر ڈالا تھا۔ اللہ اور بندے کے بعد جو مضبوط اور خوبصورت رشتہ ہے وہ ماں اور اولاد کا ہے۔ عورت جو اپنی کوکھ میں ایک زندگی کی پرورش اپنے خون سے کرتی ہے' ساری تکلیفیں صعوبتیں اور درد تنہا جھیلتی ہے ان ساری تکلیفوں ریاضتوں اذیتوں کا ثمر جب اولاد کی صورت میں ملتا ہے تو وہ اپنے نو ماہ کی ساری تکلیف و بے آرامی بھول کر اپنی جھولی میں آنے والے نومولود کو ہی اپنی زندگی کا حاصل سمجھ لیتی ہے۔ ماں کے قابل احترام منصب پر پہنچ کر وہ بہت معتبر و پُرنور ہو جاتی ہے۔ زینی سے انہیں اتنی محبت و انسیت تھی جتنی بیٹوں سے نہ تھی حالانکہ وہ بہت محبت و احترام کرنے والے تھے مگر بیٹی جیسی خدمت گزاری' چاہت دل جیت لینے والی خصوصیات لڑکوں میں نہیں ہوا کرتیں۔ انہیں معلوم تھا' ابھی صرف اس کا نکاح ہوا ہے رخصتی نہیں ہوئی مگر پھر بھی بیٹی کے پرائے ہو جانے کا دکھ اکثر ان کی آنکھوں سے بہنے لگتا تھا۔ زینی کی بھی حالت ان سے مختلف ہرگز نہ تھی۔

''بھابی جان! سمجھدار ہو کر آپ زینی کو بھی رُلا رہی ہیں۔ ابھی صرف نکاح ہی تو ہو رہا ہے' ویسے بھی زینی اپنے سگے چچا کی بہو بن کر جائے گی۔ عظمت اور روحیل کے مزاج تو آپ سمجھتی ہیں' کتنے چاہنے والے ہیں۔ وہ بڑے پیار اور خلوص سے رکھیں گے زینی کو۔'' زینی کو سینے سے لگا کر وہ بے اختیار اپنی محبت سے مجبور ہو کر رونے لگیں۔ نگہت رسان سے سمجھانے لگیں۔

''آنسوؤں پر کب کسی کا زور چلتا ہے نگہت۔ بہت دل کو ڈھارس دے رہی ہوں کہ رخصتی دو سال بعد ہوگی مگر نکاح کے تین بولوں کے بعد بیٹی پرائی ہو جاتی ہے۔''

''ارے یہ کیا بچوں جیسی حرکت ہے ممی اور زینی تم بھی ممی کا ساتھ دے رہی ہو۔'' بلو جارجٹ کے کڑھائی والے ڈھیلے سوٹ میں ماریہ اندر داخل ہو کر ان کے قریب آ کر اپنائیت سے بولیں۔ وہ پریگنیٹ تھیں۔ اسی وجہ سے ان کا سانس وہاں تک آنے میں منتشر ہو رہا تھا۔

''بہو میں نے کہا تھا' اپنے کمرے میں آرام کرو ایسی حالت میں احتیاط ہی بہتر ہے۔'' کوثر بیگم آنسو صاف کر کے ان سے شفقت سے مخاطب ہوئیں جو زینی کو سینے سے لگائے کھڑی تھیں۔

''یہ کس طرح ممکن ہے ممی' گھر میں مہمان ہیں ہزاروں۔ اس خاص تقریب کے کئی جھنجٹ ہیں' میں اچھی لگوں گی اپنی ذمے داریوں سے اس موقع پر بچتی ہوئی۔''

''اللہ تمہیں لمبی زندگی دے۔'' کوثر بہو کی فرماں برداری و محبت میں سرشار ہو کر بولیں۔

''ماشاء اللہ جیسی ہماری اماں کو بہوئیں فرماں بردار نیک سیرت ملی ہیں' ایسی ان کی بہوؤں کو بہوئیں بھی نیک سیرت و بلند اخلاق مل رہی ہیں آخر ایسی بات کیوں نہ ہو۔ جو آج ہم کریں گے' ویسا ہی کل اپنے آگے پائیں گے۔ ہمارے خاندان کی وابستگی و پائندگی اسی ایثار و محبت و احترام و مروت خلوص و چاہت کی وجہ سے ہے اور انشاء اللہ رہے گی۔'' نگہت بیگم اطمینان و فخر سے بولیں۔

ماریہ زینی کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ اسی وقت اس کی کلوز فرینڈز نے بھی اسے گھیر لیا۔ فیاض کی ہوٹنگ کے بعد لڑکیاں ڈھول اور دف چھوڑ کر بیٹھ گئی تھیں' اب وہاں ڈیک فل والیوم سے چل رہا تھا جس پر بھرپور جھنکار کا گیت بج رہا تھا۔ زینی کی دوست یاسمین جو ڈانس میں ماہر تھی' سب کے اصرار پر ڈانس کرنے کھڑی ہو گئی تھی۔

چھنگ باز بجنا سے' چھنگ باز بلما سے' آنکھوں آنکھوں میں الجھی ڈور

لگا پیچا تو مچ گیا شور' دل کیے بوکاٹا' کہ دل کیے بوکاٹا

چھنگ باز بجنا سے' یاسمین اپنی ترنگ میں خوب بجلی کی طرح تھرکتی ہوئی ڈانس کر رہی تھی۔ فاسٹ میوزک کے ساتھ تالیوں کی آوازوں سے در و دیوار گونج رہے تھے۔ سب ڈانس دیکھنے میں مگن تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ بند دروازے کی جھری سے چار آنکھیں شرارت سے اندر دیکھ رہی ہیں۔ گیت کے اختتام پر یاسمین مسکرا کر ان سے داد وصول کر رہی تھی۔

تالیوں کی گونج میں ایک دم ہی دھماکے سے دروازہ کھلا تھا۔ فیاض اور شمیر چیختے ہوئے اچانک کھل جانے والے دروازے سے اندر ایک دوسرے پر گرے۔

''اوہ' یہ دروازے سے جھانک رہے تھے۔'' یاسمین کے ساتھ اور بھی چیخ نما آوازیں بلند ہوئیں۔

''یقین کیجئے معزز خواتین' ہم جھانک نہیں رہے تھے بلکہ اندر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔'' فیاض اٹھتے ہوئے ڈھٹائی سے مسکرا کر بولا۔

''پہلے یہ بتائیں' لاک کس نے اچانک پریس کیا ہے۔'' شمیر مصنوعی غصے سے بولا۔

''اس طرح چھپ کر لڑکیوں کو دیکھنا غیر اخلاقی اور غیر مہذب حرکت ہے۔ اس لئے آپ دونوں پر جرمانہ لگایا جائے گا۔'' نائلہ اور صدف جو پڑوس میں رہتی تھیں اور دونوں سے اچھی طرح واقف بھی تھیں۔ ان دونوں کے قریب آ کر شرارتی انداز میں بولیں۔

''جرمانہ! کیسا جرمانہ خوامخواہ' میں تو اپنی بھابی کو دیکھنے آیا ہوں۔'' شمیر مسکراتا ہوا زینی کی طرف بڑھنے لگا۔ نائلہ کے اشارے پر سب لڑکیوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا اور ان کا مطالبہ تھا کہ جرمانے کے طور پر سب کو آئس کریم کھلائی جائے۔

''بھابی پلیز! جان چھڑائیں ان سے۔'' فیاض اور شمیر منت بھرے انداز میں ماریہ سے بولے۔

''سرحدی خلاف ورزی تم دونوں نے کی ہے لہٰذا خود ہی بھگتو۔'' وہ ہنس کر بولیں۔

''جب ہی کہتے ہیں برے وقت میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ میری جیب میں تو سوا پانچ روپے پڑے ہیں۔'' شمیر اپنی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے افسوس بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

''میری جیبیں تو ان سے بھی محروم ہیں۔'' فیاض نے اس سے زیادہ افسوس سے کہا

''بیوقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔ فٹافٹ پیسے نکالو' ہم خود کھا کر آ جائیں گے۔''

''جنہیں اللہ میاں نے بنایا ہو۔ انہیں بنانے کی ہماری کیا مجال۔'' شمیر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''ان کے اس جوک پر لڑکیاں بپھر کر ان دونوں کی طرف لپکی تھیں اور وہ دونوں بچاؤ بچاؤ کی آوازیں نکالتے ہوئے وہاں سے بھاگ لئے تھے۔ ان کے اس انداز پر نقرئی قہقہے ہال میں گونج اٹھے تھے' جبکہ زینی بھی دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

✦ ✦ ✦

آف وائٹ کاٹن پیپر کے کلف شدہ بے شکن سوٹ میں اس کا دراز سراپا بھرپور وجیہہ اور شاندار لگ رہا تھا۔ براؤن بالوں کا اسٹائلش انداز' چہرے پر مسلسل ٹینشن کے باوجود آنکھوں میں طمانیت و آسودگی کے رنگ چمکتے رہتے۔ جیت لینے' حاصل کر لینے اور اپنی منوا لینے کی مغرورانہ و فاتحانہ سرخوشی نے اس کے سراپا کو پہلے سے بھی زیادہ پُراعتماد اور کسی حد تک خودسر اور ہٹ دھرم بنا دیا تھا۔ وہ زبردستی دوسرے فریق کے نام کو اپنے ساتھ وابستہ کرنے کا گویا جرم کر بیٹھا تھا۔

اس مقام پر آ کر وہ اپنے وقار پرسٹیج کے لئے اتنا خودغرض و بے رحم ہو گیا تھا کہ لائبہ کے انکار کو اس نے کوئی اہمیت معمولی سی بھی وقعت نہ دی تھی۔ اثر و رسوخ کا حد درجہ گھمنڈ' دولت اور لامحدود وسائل نے اس کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہ کیا تھا' صرف چند اشخاص کے علاوہ سب کی نگاہوں سے اس کا یہ راز پوشیدہ تھا۔ پچھلے دو ماہ سے وہ اتنا مصروف بھی رہا تھا' بزنس ڈیلنگز میں اور رستم زمان کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں ان کی پارٹی میں جو مخالف پارٹی کی شیطانیت کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ بدنظمی اور دھڑے بازیاں ہو گئی تھیں' اس کی میٹنگز اور کوشش کے باعث ختم ہو گئی تھیں۔ رستم زمان اب سکون سے یہ سوچ رہے تھے کہ کیا فیصلہ کریں کیونکہ الیکشن میں ان کی پارٹی کو بہت زیادہ نشستیں ملی تھیں' اب وہ یہ سوچ رہے تھے کہ حکومت کے ساتھ مل کر بیٹھ جائیں یا حزب اختلاف کا ساتھ دیں یا آزاد امیدوار کی حیثیت سے اپنے پاؤں جمائے رکھیں۔ اُسامہ نے اس معاملے میں ان کے ساتھ شیئر نہیں کیا تھا کیونکہ وہ الیکشن میں کھڑا نہیں ہوا تھا۔ الیکشن سے قبل اور درمیان اس کی سرگرمیاں عروج پر رہی تھیں اور رستم زمان کی پوشیدہ زبوں حالی کے باعث اس نے خاموشی سے تمام خرچہ بھی اٹھایا تھا مگر سب اس نے صرف رستم زمان کی محبت میں کیا تھا۔ وہ ان سے حد درجہ محبت و عقیدت رکھتا تھا۔ اپنی اعلیٰ ظرفی و مخلصانہ خصلت کے باعث کبھی وہ اتنی بڑی رقم اور اپنی محنت کو زبان پر نہ لایا تھا۔ اور اسی احساس کے تحت کہ کہیں رستم زمان کے دل میں اس کے کسی مشورے سے یہ خیال اجاگر نہ ہو جائے کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے' اس وجہ سے وہ خاموشی سے اس اہم وقت پر ان کے درمیان سے ہٹ گیا۔

گھر میں سب کا رویہ بہتر ہی تھا' جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو یا خود اس حقیقت سے نگاہیں چرا رہے تھے اماں جان کے خاموش بیگانہ رویے نے اس کی جان عذاب میں کر دی تھی۔ اسے اب محسوس ہوا تھا کہ عزیز از جان ہستی کی خاموشی و سرد مہری کسی ہولناک عذاب سے کم نہیں۔

ایک ہفتے قبل افتخار صاحب کے آنے والے فون نے اسے اندرونی طور پر منتشر کر کے رکھ دیا تھا جس میں انہوں نے لائبہ سے ہونے والی گفتگو دہرائی تھی اور اسے یہ سمجھایا تھا کہ کسی طرح بھی لائبہ کی غلط فہمی یا ضد دور کی جائے' اس رشتے کے توڑنے کے حق میں وہ قطعی نہ تھے۔ ان کا اصرار یہی تھا کہ کسی بھی طرح لائبہ کو راضی کرو۔

اس نے لائبہ کو اس دوران چار مرتبہ کال بھی کیا مگر اس نے آواز سنتے ہی لائن آؤٹ کر دی۔ وہ جو خود کو کافی حد تک اس کے معاملے میں نرم کر چکا تھا' اسے نرمی اور خلوص سے سمجھانے کا تہیہ کر چکا تھا' اس کے اس بدتمیز و بدلحاظ بیگانہ رویے پر پھر اٹھا تھا۔

رستم زمان کے سلسلے میں اگر اس کو اتنی مصروفیات نہ ہوتیں تو وہ اس کا دماغ درست کر چکا ہوتا۔ اب گھر میں آج زینی کے مایوں کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے رشتے داروں اور مہمانوں سے گھر بھرا ہوا تھا۔

پورے وائٹ پیلس میں بہار کا سا سماں تھا۔ خوبصورت آرائشی روشنیوں سے چپہ چپہ پرنور ہو رہا تھا۔ مہمان خواتین کے تیز تیز بولنے ہنسنے کی آوازیں' بچوں کی شرارتیں' نوجوان لڑکیوں کی مسکراہٹیں' قہقہے' مذاق اور لطیفوں سے گھر میں کسی ملک گیر میلے کا سماں تھا۔ وہ جو ایسے شور ہنگاموں سے بھاگنے والا شخص تھا آفس سے آنے کے بعد کچھ ریسٹ کرنے کے بعد ابھی شام کی چائے وغیرہ سے فارغ ہوا تھا وہ اب جلد از جلد اس دشمن جان سے ملنے کا متمنی تھا جس نے اسے شدید ٹینشن میں مبتلا کر دیا تھا۔

ابھی نہ معلوم وہ کتنی دیر یونہی سوچوں کے بھنور میں ڈوبتا ابھرتا رہتا کہ باہر سے ناک کیے جانے والے دروازے کی آواز پر طویل سانس لیتا ہوا دروازے کا لاک کھول دیا۔ سامنے فوزیہ بیگم کھڑی تھیں۔

''آیئے امی۔'' وہ ایک طرف ہو کر ان سے مخاطب ہوا۔

''اتنا ٹائم ہو گیا بیٹا آپ کمرے سے باہر نہیں آئے ہال روم میں سب آپ کے منتظر ہیں۔''

''میرے منتظر! پر کیوں مما۔'' اس نے حیرانی سے کہا۔

''اماں جان صدقہ وغیرہ نکال رہی ہیں' اتنی بڑی خوشی ہے اور بہت عرصے بعد ایسا موقع آیا ہے۔ صدقے' خیرات وغیرہ ضرور نکالنے چاہئیں کہ انسان بلاؤں اور حادثات سے محفوظ رہتا ہے۔ چلیں' سب لوگ ہال روم میں جمع ہیں۔''

''لیکن ممی' یہ مایوں وغیرہ تو خالصتاً خواتین کی محفل ہوتی ہے' بھلا اس میں میرا کیا کام۔ اتنی خواتین کے درمیان جانا مجھے قطعی پسند نہیں ہے۔''

''سارے اپنے عزیز رشتے دار ہیں بیٹا۔ اپنوں سے جھجک کیسی۔ زینی کو آپ بہت عزیز رکھتے ہیں۔ کیا بھائی ہونے کی حیثیت سے اسے دعائیں نہ دیں گے۔''

''آیئے مما۔ یہ بات ہے تو چلیے۔'' وہ مسکراتا ہوا ان کے ساتھ کمرا لاک کر کے باہر آ گیا اور کمرے سے نکلتے ہی شور وغل کی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں تو ایک لمحے کو بے ساختہ اس نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس کا کمرا ساؤنڈ پروف تھا جس کی وجہ سے کمرے کے اندر کا ماحول بالکل پرسکون و بے آواز تھا۔

وائٹ پیلس کی وسیع اور عریض عمارت شاندار و شاہانہ طرز تعمیر کا نمونہ تھی۔ یہ چار وسیع و خوبصورت پورشنز پر مشتمل تھی۔ ہر پورشن کی سہولت مکمل تھی۔ تین پورشن تینوں بھائیوں کے لیے وقف تھے' جبکہ ایک پورشن گیسٹ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ بہت عرصے پہلے روحیل اماں جان سے کسی ذاتی اختلاف کے باعث وائٹ پیلس چھوڑ کر اپنے نئے بنگلے میں شفٹ ہو گئے تھے تو وہ پورشن بھی گیسٹ روم ہی میں شمار ہونے لگا تھا۔ چاروں پورشن اس خوبصورتی سے بنائے گئے تھے کہ وہ مکینوں کی مرضی سے الگ تھلگ بھی ہو سکتے تھے اور ایک بھی نظر آتے تھے۔ اس وقت بھی تمام پورشنز کے گیٹ اور راستے کھلے ہونے کی وجہ سے وہ ایک ہی پورشن لگ رہا تھا۔ اس لیے مہمان بھی ہر جگہ ہی بکھرے ہوئے تھے۔ فیاض جو میوزک کا دلدادہ تھا اس نے بڑے بڑے اسپیکر ہر طرف اتنی مہارت سے لگائے تھے کہ صرف آواز در و دیوار سے نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اسپیکر کہیں بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

مہمانوں کے درمیان سے نکلتا ہوا وہ ہال روم میں پہنچا تو زرق برق شوخ رنگوں کے لباسوں میں بنی سنوری لڑکیوں کو ہر طرف موجود پایا بے شمار نگاہوں کی پسندیدہ زد میں وہ آ گیا۔ مگر وہ اپنے مخصوص بے پروا کٹھور انداز میں مضبوط قدم اٹھاتا ہوا زینی کے تخت کے پاس پہنچ گیا جو بہت خوبصورت انداز میں سجائے گئے تخت پر لائٹ پنک پھولدار قالین تھا جس پر دائرے کی صورت میں پنک ریشمی شنیل کی دبیز چادر بچھی ہوئی تھی۔ اسی کے گاؤ تکیے اور کشنز رکھے تھے۔ زینی زرد غرارہ سوٹ اور گوٹہ لگے دوپٹے میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ گھر کی ساری خواتین وہاں موجود تھیں۔ ریاض' فیاض' ثمیر اور نبیل بھی ایک طرف بیٹھے تھے۔

سفید سادہ سوٹ میں ملبوس بڑا دوپٹہ نماز کے انداز میں لپیٹے اماں جان کچھ آیتیں پڑھ پڑھ کر زینی پر پھونک رہی تھیں۔ ملازمائیں چاندی کی منقش بڑی بڑی تھالیوں کو کروشیے کے بنے خوانوں سے ڈھکے کھڑی تھیں۔ اماں کی پرسوز ملائم تلاوت کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو بیساختہ ان کا چہرہ دیکھنے گیا' سرخ و سپید پرنور سفید دوپٹے کے ہالے میں چمکتا وہ مقدس چہرہ اتنا ظالم' سفاک اور بے رحم ہو سکتا ہے اسے معلوم نہ تھا۔ وہ اردگرد سے بے نیاز تلاوت میں مصروف تھیں اور اُسامہ انہیں دیکھنے میں۔ ان کا یہ روپ' فرشتوں جیسا معصوم و پاکیزہ انداز اپنے دل میں محفوظ کر رہا تھا۔ پچھلے دو ماہ سے وہ انہیں نظر بھر کر دیکھ ہی نہ پایا تھا کہ وہ موقع ہی نہ دیتی تھیں۔

''کیا بھابی کے پاس پہنچ گئے۔ ثمیر کی کھلکھلاتی سرگوشی پر وہ چونک اٹھا اور اردگرد نظر ڈال کر شرمندہ سا ہو گیا۔ اماں جان نہ معلوم کس لمحے تلاوت ختم کر چکی تھیں اور دعا کے بعد زینی کو ہدایت دے رہی تھیں کہ وہ ملازماؤں کے پاس موجود تھالیوں میں جن میں گیہوں' چاول' چینی' خشک میوہ وغیرہ تھا موجود سامان پر ہاتھ لگا دے تاکہ وہ غریبوں میں تقسیم کیا جائے' زینی ان کی ہدایت پر عمل کر رہی تھی۔

اماں جان کو اس کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا' جبھی انہوں نے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا تھا۔ ایک لمحے اس کا دل تھما تھا جس کی اذیت میں ثمیر کی سرگوشی بھی وہ سمجھ نہ پایا تھا۔ نبیل اور ریاض سے پہلے ہی ثمیر اور فیاض ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے درمیان چیئر پر بٹھا چکے تھے' اب گھر کی بڑی خواتین کی باری آ چکی تھی جو باری باری چمچ سے کیک کا ٹکڑا زینی کے منہ میں دیتیں اور روپے اس پر سے اتار کر پاس رکھی سینی میں رکھ دیتیں' ان کے ہٹنے کے بعد دوسری اور تیسری خواتین ایسے ہی کر رہی تھیں۔ ریاض کی مایوں میں ابٹن کھیلتے وقت کچھ اس طرح ابٹن کھیلا گیا تھا کہ کچھ خواتین کو ناگوار گزرا تھا۔ وہ اپنے قیمتی کپڑے اور میک اپ خراب ہو جانے کے باعث ناراض ہو کر محفل چھوڑ کر جا رہی تھیں۔ اماں جان نے موقع کی نزاکت کے باعث بچوں کی شرارت پر خود ان سے معافی مانگی تھی تو وہ ناراضگی ختم کرنے پر تیار ہوئی تھیں۔ اسی بدمزگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اماں جان نے خاموشی سے زینی کو مایوں بٹھا دیا تھا۔ سات سہاگنوں نے یہ رسم پوری کی تھی۔ باقی دستور اماں اب کر رہی تھیں۔

''بہت انتظار کے بعد ہاتھ لگے ہیں آپ' اتنی آسانی سے آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔''

''اتنا زبردست معرکہ سر کر لیا اور ہمیں چھوہاروں تک سے محروم رکھا۔'' فیاض بھی دبے لہجے میں بولا۔

''غضب خدا کا' ایک نہ دو ہفتے بلکہ پورے سال تک آپ ہم کو بیوقوف بناتے رہے۔''

''یہ کون سی خفیہ میٹنگ ہو رہی ہے۔ ہمیں بھی تو معلوم ہو۔'' ریاض جو ثمیر کے برابر میں بیٹھا تھا' ان دونوں کو اس کے کان میں کھسر پھسر کرتے اور اُسامہ کو زیرلب مسکراتے دیکھ کر پرتجسس لہجے میں ان کی طرف جھک کر پوچھنے لگا۔

''دراصل میں ان سے ان کی اسمارٹنس کے بارے میں پوچھ رہا تھا کیونکہ آپ شادی کے چار سال بعد ہی چار سو برس کے لگنے لگے ہیں اور یہ دو سال بعد بھی ایسا لگ رہا ہے جیسے بہت چارمنگ وڈشنگ پرسنالٹی بنا چکے ہیں۔ آپ کی طرح ضعیف نہ سہی مگر بوڑھا تو نظر آنا چاہیے تھا۔'' ثمیر نے خوبصورتی سے بات گھمائی اور ریاض نے زوردار دھپ اس کے جمائی۔

''مایوں کی رسم میں دلہا والوں کا کیا کام۔'' کسی خاتون نے ملکۂ اعتراض اٹھایا۔

''آپا چچی کے رشتے سے میں نے شرکت کی ہے' ساس تو بعد میں بنوں گی پہلے تو چچی ہوں۔'' ٹھنڈا مزاج اور پرخلوص طبیعت رکھنے والی عظمت بیگم زینی کو ان خاتون سے لپٹا کر بولیں۔

''چچی جان! ارشد بھائی کو بھی لے آتیں' وہ بھی پہلے کزن ہیں بعد میں بجن بنیں گے۔'' فیاض کے بیساختہ و برجستہ فقرے سے قہقہوں کی پھلجھڑیاں چھوٹ گئیں۔

''اُسامہ! آپ بھی آؤ نا بیٹا' بہن کو دعائیں نہیں دو گے۔ کوثر بیگم ریاض اور نبیل کے بعد اس سے مخاطب ہوئیں تو وہ مسکراتا ہوا زینی کی طرف بڑھ گیا۔ چمچی میں کیک بھر کر اس کے منہ میں ڈالا' جھک کر لمحے بھر کو اس کی پیشانی چوم کر جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی' زینی سے وار کر تھالی میں پھینک کر سیدھا ہال سے نکل گیا۔ اس کی مصروفیات کے باعث ثمیر اور فیاض سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا آج اسے معلوم تھا' وہ دونوں گوند کی طرح چپک جائیں گے اور الٹے سیدھے سوالات کر کے زچ کر ڈالیں گے جبکہ وہ فی الحال کسی بھی قسم کی بکواس سننے کے موڈ میں نہ تھا۔

افتخار انکل کے فون اور لائبہ کی لائن آف کرنے کی بدتمیزی اور ہٹ دھرمی نے اسے بری طرح سلگا دیا تھا۔ وہ فوری اس سے ملنا چاہتا تھا آج کا سارا دن آفس میں فارن کمپنیز سے ڈیلنگ میں گزرا اور اب گھر کے ہنگاموں میں نو بج رہے تھے۔ لائبہ سے ملاقات اس نے کل پر ملتوی کر دی تھی۔

* * *

لوگوں نے ہنر اپنا دکھایا بھی بہت ہے
جاجا کے اسے میں نے منایا بھی بہت ہے
سچ پوچھو تو پیارا بھی بہت لگتا ہے دل کو
وہ شخص کہ دل جس نے دکھایا بھی بہت ہے

اس نے کال بیل پش کی اور جب تک گیٹ کھلنے کی آواز اندر سے نہ آئی انگلی نہ ہٹائی۔

''کون ہے بھئی۔ آ...... آ...... آپ۔'' جھلائی ہوئی آواز اس کے چہرے پر نگاہیں پڑتے وہ ہی حیرانی و خوف میں مبتلا ہو گئی۔ گرین خوبصورت سوٹ میں اس کا چہرہ یک دم سفید ہو گیا۔

''میں الحمدللہ باحیات آپ کے سامنے حاضر ہوں' یہ میری روح نہیں ہے جو آپ اتنی خوف زدہ ہیں۔''

''مگر آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔'' وہ اسے مسلسل اندر بڑھتے دیکھ کر سراسیمگی سے بولی۔

''میں تم سے ملنے آیا ہوں اور کیوں سے کیا مطلب۔ شوہر ہو کر بیوی کے پاس آنے کے لیے کسی خصوصی ویزے کی ضرورت پڑتی ہے یا ملاقات کے لیے عدالت سے کوئی اجازت نامہ لینا پڑتا ہے۔'' وہ تلخ و تند لہجے میں بولتا ہوا لان میں پڑی کین کی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ اس کا انداز بہت پُراعتماد اور اٹل تھا۔

''جس رشتے کو میں تسلیم ہی نہیں کرتی' اسے آپ بار بار کیوں دہراتے ہیں۔''

''کوئی پرابلم نہیں' جب میرے کیوٹ سے بچوں کی ممی جان ہو گی تو پھر دل و جان سے اس رشتے کو قبول کرنے لگو گی۔'' اس کا بے باک لہجہ سرد تھا۔ لائبہ بالکل غیر متوقع اور بے باک انداز گفتگو سے یک دم بلش ہو کر رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

''آپ کی یہ لغو خواہشات میں کبھی پوری نہیں ہونے دوں گی۔ سمجھے آپ۔''

''خواہشات کا پورا کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ بندے تو صرف وسیلہ بنتے ہیں مائی ڈیئر۔'' اُسامہ کا لہجہ استہزائیہ طنزیہ تھا۔

''آپ اتنے گھٹیا' اتنے بیہودہ انسان ہوں گے' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''یہ الفاظ پہلے بھی کئی بار تم استعمال کر چکی ہو۔ نئے القابات کا اسٹاک ختم ہو گیا ہے۔''

''پلیز آپ چلے جائیں یہاں سے۔'' وہ غصے سے سرخ چہرہ لیے چیخی۔

''میں تم سے ملنے آیا ہوں اور ملے بغیر تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

''میں اب آپ کے کسی فریب میں نہیں آؤں گی۔ چلے جائیں آپ۔''

''تم میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔''

''جب میں آپ سے ملنا ہی نہیں چاہتی پھر۔'' وہ جھنجلائی۔

''میں تو تم سے ملنا چاہتا ہوں' یہی کافی ہے۔'' وہ درشت لہجے میں بولا۔

''آپ اب کوئی زیادتی نہیں کر سکتے مجھ پر۔'' وہ بھی بپھرے ہوئے لہجے میں کہنے لگی۔

''لہجہ دھیما کرو اپنا' تمہارے بزرگوں نے تمیز و آداب نہیں سکھائے کیا۔''

''اور آپ کے بزرگوں نے یہی تعلیم دی ہے آپ کو۔ اپنی بدمعاشی سے عزت دار لڑکی کو دھوکے کے ذریعے جبراً نکاح......''

''شٹ اپ لائبہ تم نے مجھے بدمعاش کہا' اتنے گھٹیا اتنے رکیک الفاظ۔'' وہ برق رفتاری سے اٹھ کر اس کے نزدیک پہنچ کر دہاڑا۔

''آپ کے لئے یہ لفظ بہت چھوٹا سا ہے' ایک آدمی اگر برا ہوتا ہے تو وہ سب کے لئے ہوتا ہے۔ سب اسے اس کی بری خصلت کی وجہ سے پہچانتے ہیں' اس کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ وہ آپ کی طرح شرافت کا جھوٹا لیبل اپنی ذات پر چسپاں کر کے اپنی ذات سے لوگوں کو دھوکا نہیں دیتا۔''

''کیا بدمعاشی دیکھ لی تم نے مجھ میں؟'' وہ اس کا بازو پکڑ کر آتشیں لہجے میں بولا۔

''یہ شرافت ہے آپ زبردستی میرے ساتھ زیادتی......''

''لائبہ۔'' وہ اپنے پاکیزہ جذبوں کی توہین برداشت نہ کر سکا اور اس کا ہاتھ پوری قوت سے گھوما۔ لائبہ بھرپور تھپڑ کھا کر دور گری۔

''آہ مر گیا صاحب۔'' عبدل کی تیز چیخ نما آواز پر اس نے بمشکل نیند سے بھری آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ ابھی لائبہ کے پاس تھا پھر کمرے میں بیڈ پر کیسے ہے جسم پر شب خوابی کا لباس بھی موجود تھا۔

''میں جھکا ہوا آپ کو اٹھا رہا تھا صاحب کہ آپ نے سوتے سوتے چیختے ہوئے مجھے تھپڑ دے مارا اور میں صوفے پر جا کر گرا' کیا آپ خواب میں کسی سے لڑ رہے تھے۔''

''میں خواب میں لڑ رہا تھا۔ اوہ مائی گاڈ۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور دھم سے تکیے پر گر گیا۔ سرخی مائل ہونٹوں پر گہرا تبسم اتر آیا تھا تو گویا اس سے ملنے کی بے قراری اتنی شدید تھی کہ رات بھی سکون سے نہ گزری۔ عالم خواب میں ہی اس کے در پر دستک دیئے پہنچ گیا۔ اس کٹھور اور سنگدل لڑکی کا رویہ اس حد تک دل میں جم گیا ہے کہ خواب میں بھی وہ جامن کی گٹھلی ہی بنی ملی۔ اوہ اُسامہ! اتنی ذلت اور ٹھکرائے جانے کے باوجود اپنے جذبہ محبت کی شدت' چاہت کے خزانے اس بے قدر لڑکی پر لٹانے کو بے قرار ہو۔ تف ہے تم پر۔

اس کے اندر زخمی انا تلملا اٹھی۔ نہیں اب ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اب وہ میری دسترس میں ہے' جو مجبوری کے باعث مجھ سے رشتہ جوڑ بیٹھی ہے اور جسے توڑنے کے لئے' جال میں پھنسے ہرن کی طرح بدحواس ہو کر بھرپور جدوجہد کر رہی ہے مگر اُسامہ کی گرفت اتنی ڈھیلی اور کمزور نہیں۔ جو شخص تقدیر سے زیادہ تدبیر کو مدنظر رکھتا ہے وہ کبھی بھی ناکام و نامراد نہیں ہوتا۔ جن پُرخلوص و محبت بھرے جذبات رکھنے والے اُسامہ ملک نے اس سے پہلے اس لڑکی کو حاصل کرنے کی کوشش کی' اس کی رضا اور خوشنودی سے اس معصوم و بے ضرر شخص کو اس لڑکی کی بے وجہ زہر آلود نفرت نے کب کا ختم کر دیا ہے۔ اب تو صرف اسے میری ضد' انا' مردانگی و خودسری نے جیتنا ہے۔ اب تک میں اس کے پیچھے پیچھے کاسۂ محبت لئے فقیر بنا پھرتا رہا تھا۔ اب باری اس کی ہے۔ اسے جھکنا ہی پڑے گا ضرور جھکنا پڑے گا۔

''صاحب! مولا قسم آپ نے میرے چودہ کے چودہ طبق روشن کر دیے ہیں۔ کیسی طاقت ہے ماشاء اللہ! اتنی طاقت تو کسی وقت میں مشہور باکسر محمد علی کلے میں بھی نہ ہوگی۔'' عبدل اس کے قریب آ کر مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا۔ اس کے دائیں جانب چہرے پر انگلیوں کے نشان واضح طور پر نمایاں تھے۔ تکلیف کی شدت کو دبا کر مسکرانے کی کوشش میں اس کا سانولا چہرہ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

''معاف کرنا یار! تمہیں تھپڑ ناحق پڑ گیا۔ دراصل تمہیں مجھے جھک کر اس وقت اٹھانا ہی نہیں چاہیے تھا۔'' اُسامہ اٹھتے ہوئے کچھ شوخ لہجے میں بولا۔

''کتنی آوازیں دی تھیں آپ کو۔ مگر آپ تو گیٹ کی آواز سے ہی اٹھ جاتے تھے۔ اب اتنے قریب سے آواز دیئے سے بھی نہ اٹھے تو میں جھک کر آپ کو اٹھانے ہی والا تھا کہ میرے جھکتے ہی آپ نے کروٹ بدل کر چیختے ہوئے تھپڑ دے مارا۔ میرے تو سان و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ تھپڑ کھانے کے بعد اچھل کر میں صوفے پر جا کر گرا تھا۔''

''میری طرف سے دو دن کی چھٹی' جاؤ عیش کرو۔'' اُسامہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے والٹ سے پانچ بڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''بہت بہت شکریہ صاحب! مگر پیسوں کی کیا ضرورت ہے۔ چھٹی ملنے پر عبدل کھل اٹھا تھا۔ پیسے لیتے ہوئے ازراہ اخلاق انکسار سے کہہ اٹھا۔

''بوا کے لئے اور چھوٹی کے لئے کچھ تحائف ضرور لے لینا۔ بوا کو میرا سلام کہنا اور چھوٹی کو پیار۔'' اُسامہ اس سے بیڈ ٹی لیتے ہوئے ہدایت دینے لگا۔

''جی صاحب ضرور میں دو دن بعد لوٹ آؤں گا جی۔'' عبدل مسکرایا۔

''تھپڑ سے جو تمہارے چہرے پر نشان آ گئے ہیں' اس وجہ سے بھیج رہا ہوں کہ تم مہمانوں کے درمیان ہتکی محسوس کرو گے۔'' اُسامہ خالی کپ سا سرا سے دیتے ہوئے کہنے لگا۔

✦ ✦ ✦

براؤن تھری پیس سوٹ میں ملبوس، چہرے پر سرخ نقاب سے باس کی سرخ آنکھیں جھانک رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں اشتعال' سرد مہری و بے رحمی جیسے ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ زخمی چیتے کی طرح اپنے مخصوص ہال میں خونخوار انداز میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی قہر آلود نگاہیں مین گیٹ پر جم گئی تھیں۔ جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور چار نوجوانوں کے ہمراہ انور اندر داخل ہوا اور پانچوں نے بہت مودبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔ انور باس کے اشارے پر اس کے قریب کھڑا ہو گیا' جبکہ وہ چاروں پشت پر ہاتھ باندھے' گردن جھکائے سہمے کھڑے تھے۔ خوف سے ان کے چہروں کا رنگ اڑ چکا تھا۔ جسموں میں کپکپاہٹ نمایاں تھی۔

''نمبر ٹو' کیا وجہ ہے کہ ہمارا ٹارگٹ ہمیشہ ہٹ نہیں ہو پاتا۔ ایک کے بعد دوسری اور تیسری ناکامی کے بعد مسلسل ہم شکست کھا رہے ہیں۔'' باس سرد لہجے میں انور سے مخاطب ہوا۔ اس کی تیز نگاہیں بہت باریک بینی سے انور کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''میری تو مکمل کوشش ہے' میری مکمل توجہ اسی پوائنٹ پر مرکوز رہی ہے کہ وہ ڈی ایس پی ہٹ ہو جائے' میرے انتظامات بھی مکمل ہوتے ہیں مگر باس سمجھ میں نہیں آتا' ہم میں سے کون غدار ہے' جو پہلے ہی اسے انفارم کر دیتا ہے اور وہ عین آخری لمحے بچ نکلتا ہے۔'' انور نے مودبانہ لہجے میں وضاحت کی۔

''باس' ہم چاروں بہت عرصہ پہلے سے آپ کی خدمت کرتے آ رہے ہیں اور کئی قابل ذکر کارنامے ہم نے آپ کی پارٹی کو مضبوط سے مضبوط کرنے کے لئے انجام دیئے ہیں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم آپ سے غداری کریں۔'' ان میں سے ایک انور کو گھورتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

''اس جھانسے میں مجھے پھنسانے کی کوشش مت کرنا نمبر سیون۔ غداری' دھوکا' فریب یہ سب کب کون کر جائے۔ بھروسا کسی کا نہیں ہوتا۔ آج کل سارے اعتبار و اعتماد صرف کاغذ کے رنگ برنگے نوٹوں پر قائم ہیں۔ اگر کوئی وفادار ہے تو صرف انہی کاغذ کے نوٹ ہیں۔ ان کی خاطر انسان اپنے مذہب' ملک اور اپنے لوگوں سے رشتہ توڑ لیتا ہے۔

''باس' ہم نے آپ کو حلف دے رکھا ہے کہ تنظیم کی خاطر جان دے دیں گے۔ ہم سب سے غداری کر سکتے ہیں باس مگر آپ سے نہیں۔'' دوسرا نوجوان جذباتی لہجے میں بولا۔

''گستاخی معاف باس' آپ کے اس شخص کو نمبر ٹو بنانے پر پہلے ہی مجھے اعتراض تھا اور اب بھی مجھے یقین ہے کہ یہ شخص ہماری جڑوں میں گھس کر ہمیں ڈبل کراس کر رہا ہے۔ ہمارے تمام منصوبے فیل ہو رہے ہیں۔ ہمارا مال پکڑا جا رہا ہے' ہمارے اڈوں پر پولیس کے قبضے ہو رہے ہیں۔ ہم اتنے عرصے سے کام کر رہے ہیں۔ کبھی کوئی ہماری گرد تک نہیں پا سکا تھا پھر یہ اچانک کچھ عرصے سے ایک دم ہی کایا پلٹ کیوں ہو گئی۔'' ان میں سے ایک کرخت چہرے والا درشت انداز میں باس سے مخاطب ہوا۔ اس کی کینہ توز نگاہیں انور کو نفرت سے گھور رہی تھیں۔

''باس! اگر نمبر تھری کو مجھ پر شک ہے تو میں ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ جس طریقے سے آپ کرنا چاہیں۔ اپنی تسلی و اطمینان کر لیجئے باس۔'' انور مطمئن انداز میں باس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر سچائی کا اطمینان و سکون تھا۔

''نمبر تھری۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں نے انور کو نمبر ٹو بنا کر غلط فیصلہ کیا ہے۔ میرے فیصلے کو چیلنج کر رہے ہو۔ تمہاری اتنی جرات۔'' باس ایک دم دہاڑا۔

''نہ...... نہ...... نہیں باس' سوری باس! میرا یہ مطلب نہیں تھا باس۔ معاف کر دیں باس۔ معاف کر دیں۔'' نمبر تھری کو جیسے ایک دم ہی موت کا بھیانک چہرہ نظر آ گیا۔ وہ بری طرح گڑگڑاتا ہوا باس کے قدموں میں گر گیا۔ ان تینوں کے چہرے بھی زرد ہو گئے تھے۔

''اٹھ جاؤ۔ بزدل تمہاری اس بزدلانہ گڑگڑاہٹ نے اور بھی واضح کر دیا ہے کہ میرا فیصلہ کتنا درست تھا۔ بہادر و دلیر انسان کبھی موت سے نہیں ڈرتا۔ اپنے موت کے پروانے پر تم نے خود اپنے دستخط کر دیے ہیں۔'' باس گرج دار آواز میں بولا۔ اسی لمحے دو دیو قامت آدمی کمرے میں آئے اور نمبر تھری کو بیدردی سے گھسیٹ کر کمرے سے لے گئے جو موت کے خوف سے پہلے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔

''ہمیں پہلے ہی احساس ہو گیا تھا کہ نمبر تھری' انور کو نمبر ٹو بنانے کے فیصلے سے خوش نہیں ہے۔ بہت عرصے سے ہمارے ساتھ کام کرنے کی بنا پر وہ خود کو اس عہدے کا اہل سمجھنے لگا تھا مگر بڑے عہدے اونچے منصب کے لئے طویل ہمراہی لازمی نہیں ہوتی بلکہ مختصر عرصے میں شاندار و جاندار کارنامے ہوتے ہیں۔ انور نے اپنی صلاحیتوں سے اپنی جواں مردی' ہمت اور بہادری' دلیری اور ذہانت سے یہ سیٹ حاصل کی ہے جو نمبر تھری برداشت نہیں کر پایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بغاوت غداری کی چمک ہم پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ مگر ہم نے اسے ڈھیل دے دی تھی۔ آج اس کا انجام ہو گیا ہے۔ امید ہے' اس کا انجام کسی اور کو آئندہ غداری پر نہ اکسائے گا۔'' باس اطمینان بھرے انداز میں بولا۔

✦ ✦ ✦

میرا بھائی بنا ہے دُلہا اور پھول کھلے ہیں دل کے
ارے میری بھی شادی ہو جائے دعا کرو سب مل کے

''میرا بھائی بنا ہے دُلہا......'' شمیر کی لہکتی چہکتی آواز پر ہال قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔

''تمہارے لئے دعا کا وقت نہیں آیا ابھی' لہٰذا صبر کر کے کھلے دل سے یہ خوشی مناؤ۔'' کسی نے بڑے خلوص سے اسے مشورہ دیا۔

''کیوں میرے لئے دعاؤں کا اسٹاک ختم ہو گیا ہے کیا۔'' شمیر گڑبڑا کر بولا۔ اس کی اس ایکٹنگ پر پھر قہقہے بکھرے۔

''تمہارے لئے ابھی اسٹاک رکھا ہی نہیں گیا ہے' تو ختم کیسے ہوگا۔''

''میرے ساتھ یہ سوتیلا پن کیوں۔ آخر کو مستقبل کا ڈاکٹر ہوں' پھوپو جان۔ چھوٹی پھوپو نزہت کی بات پر وہ بچوں کے سے انداز میں مچل کر بولا۔

''وہ اس لئے میری جان کہ آپ کی خواہشات و شوق بدلتے رہتے ہیں۔'' نبیل خلاف عادت بہت مسرور و خوش لگ رہا تھا۔ اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے شرارتی انداز میں بولا۔

بڑا کمرا جسے بہت خوبصورتی و نفاست سے فینسی لائٹس' ریشمی پردوں اور دیدہ زیب قالینوں اور دیگر ڈیکوریشنز پیسز سے بہت شاہانہ انداز میں سجایا گیا تھا مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ قریبی عزیز اور رشتے داروں کے علاوہ روحیل صاحب کے دوستوں کی فیملیز' بیرونی ممالک سے بھی آئی ہوئی تھیں۔ وائٹ پیلس سے بھی زینی اور ماریہ کے علاوہ سب لوگ آئے ہوئے تھے۔ آج ارشد کو زبردستی ابٹن لگایا گیا تھا۔ ارشد اس رسم کے لئے بالکل راضی نہ تھا۔ اس کی نظر میں یہ بالکل فرسودہ رسم تھی مگر اماں جان کا حکم تھا اور ان کے آگے کس کی چلتی تھی۔ مجبوراً وہ ایک دن کے لئے بڑے ششش و پنج کے بعد راضی ہوا تھا۔ سانس بند کر کے بمشکل اس نے سات سہاگنوں سے ابٹن لگوایا تھا پھر برق رفتاری سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جا کر باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ دوسری خواتین کو اس نے موقع ہی نہ دیا تھا۔

''میری بچپن کی خواہش تھی ڈاکٹر بننے کی تو بن گیا ہوں۔'' شمیر سادہ انداز میں بولا۔

''اس خواہش سے قبل آپ کی ایک خواہش اور تھی۔'' نبیل کا انداز بدستور شرارتی تھا۔

''مجھے تو یاد نہیں۔'' شمیر ڈھیروں پُرتجسس نگاہوں سے گھبرا اٹھا۔

''اب بتا بھی دو نبیل۔'' بڑی پھوپھو بھی ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''ڈیڈی اکثر ہم سب سے پوچھا کرتے تھے کہ بیٹا آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے۔ ہم یعنی ارشد اور میں اپنی خواہش بتا دیا کرتے کہ ارشد کو انجینئرنگ فیلڈ پسند تھی میرا بزنس جوائن کرنے کا ارادہ تھا اور جب ان صاحب کی باری آتی تو بہت سوچ بچار کے بعد بولے۔ ڈیڈی میں بڑا ہو کر ڈیڈی بنوں گا۔'' نبیل کچھ ایسی بیساختگی سے بولا کہ قہقہوں کی بوچھاڑ سی ہو گئی۔ شمیر جیسا بندہ ایک لمحے کو شرمندہ ہو گیا تھا۔

''اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک یہ خواہش پوری نہ کر سکے۔'' ایک مسکراتی آواز گونجی۔

''ایسی خواہشات پورا کرنا اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔ بندہ بشر تو صرف خواہش ہی کر سکتا ہے۔'' ایک لمحے کی نادم گرفت سے وہ فوراً ہی رہائی پا گیا تھا۔ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''یچ...... یچ ہماری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔'' فاسٹ گرین اسٹائلش سوٹ میں خوبصورت سی لڑکی ایک ادائے دلبرانہ سے اٹھلا کر بولی۔

''مجھے آپ کی ہمدردیوں کی نہیں آپ کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کا تعاون مل جائے تو......''

اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی وہ لڑکی جو روحیل صاحب کے دوست کی بیٹی تھی' ان سے تعلقات بھی بہت استوار تھے۔ وہ لڑکیوں کو اشارہ کرتی ہوئی شمیر کی طرف بڑھی جو مسکراتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ مسکراتا ہوا چھلانگیں مارتا وہاں سے بھاگ لیا۔

❖ ❖ ❖

''کیسی بیہودہ رسمیں تھیں۔'' ارشد باتھ گاؤن میں تولیے سے سر رگڑتا ہوا عائشہ سے مخاطب ہوا۔ جو اس کا سوٹ وارڈروب سے نکال رہی تھیں۔

''مرد بہت بدذوق ہوتے ہیں۔ ابٹن کی مہک تو مشرقی خوشبوؤں میں سب سے زیادہ پسند کی جاتی ہے۔'' عائشہ ہینگر ڈریسنگ روم کی طرف لے جاتے ہوئے ہنس کر بولی۔

''بہت مشکل سے میں نے سانس روک کر مسکراہٹ برداشت کی تھی۔ اگر ایسی رسمیں پسند کرنا خوش ذوقی میں شمار ہوتا ہے تو ہم مرد بدذوق ہی بھلے۔'' ناول چیئر پر ڈالنے کے بعد وہ برش سے بال سنوارتے ہوئے مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

''زینی بے چاری تو ایک ہفتے سے ان خوشبوؤں میں بسی ہوئی بیٹھی ہے۔ اس کی قوت برداشت کو تو پھر داد دینی چاہئے۔'' عائشہ اسے چھیڑتے ہوئے بولیں۔

''میرے خیال میں وہ بہت زیادہ خوش ذوق اور اس ابٹن کی شیدائی ہیں۔'' اس کے شگفتہ و برجستہ جملوں پر عائشہ کھلکھلا اٹھی تھی۔

''بھابی! میں کچھ دیر کے لئے یاور کی طرف جا رہا ہوں' ممی کو بتا دیجئے گا۔''

''ابٹن لگنے کے بعد بیرونی آمد و رفت پر پابندی لگ جاتی ہے۔ اس لئے آپ اب کل تک باہر نہیں جا سکتے' گھر میں ہی رہیں گے۔ یاور کو یہیں بلوا لیجئے۔''

''آپ مذاق کر رہی ہیں بھابی۔ وہ حیرانی سے بولا۔

''نہیں سچ کہہ رہی ہوں۔'' عائشہ سنجیدگی سے بولیں۔

''یہ کس طرح ممکن ہے۔ میں گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔''

''آپ کی طبیعت کو جانتے ہوئے ہی تو نکاح سے ایک دن پہلے آپ کو مایوں بٹھایا گیا ہے۔ آج کا سارا دن تو آپ نے باہر ہی گزارا ہے۔ اب صرف چند گھنٹے رات کے اور کل کا آدھا دن گھر میں گزارنا ہو گا۔ شام کو تو آپ دلہا بن کر چلے ہی جائیں گے۔'' عائشہ نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''مائی گڈنیس۔ ابٹن نہ ہوا گویا کرفیو ہو گیا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''ابھی تو دودھ جلیبی بھی کھانی ہے تمہیں۔'' عائشہ اس کی بیزار صورت دیکھ کر ہنس کر مخاطب ہوئی۔

❖ ❖ ❖

''ڈیڈی! ابھی آپ مزید ریسٹ کریں گے۔ آپ کی کنڈیشن اتنی اچھی نہیں ہوئی کہ آپ ڈیوٹی جوائن کرنے کو بیتاب ہوں۔'' کنول توفیق صاحب سے لجاجت سے مخاطب ہوئی۔

پندرہ دن اسپتال میں زیر علاج رہنے کے بعد وہ ایک ہفتہ قبل گھر شفٹ ہو گئے تھے۔ اس عرصے میں ان کے سینے اور مختلف جگہوں پر آئے زخم بھر چکے تھے۔ ابھی وہ کچھ کمزوری کا شکار تھے۔ مگر وہ مضبوط قوتِ ارادی والے فرض شناس پولیس افسر تھے۔ بائیس دن شدید تکلیف کے باعث انہوں نے بمشکل گزارے تھے۔ اب جبکہ وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو انہیں اپنا گھر فارغ بیٹھنا بالکل نہ بھا رہا تھا۔ اب بھی وہ ڈیوٹی پر جانے کو بے قرار تھے۔ کنول انہیں جانے نہیں دے رہی تھی۔

''بیٹا! ضرورت سے زیادہ آرام انسان کو کاہل و نکما بنا دیتا ہے۔ ہر عمل میں تو ازن و میانہ روی ضرور ہونی چاہئے۔ جتنی مجھے آرام کی ضرورت تھی میرے خیال میں تو میں اس سے زیادہ آرام کر چکا ہوں۔ اب میرا فرض مجھے پکار رہا ہے۔'' توفیق صاحب کنول کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے نرم لہجے میں سمجھانے لگے۔

''رہنے دیجئے۔ توفیق صاحب! آپ کے علاوہ بھی بے شمار لوگ کام کر رہے ہیں۔ اس محکمے میں ساری ذمے داری آپ کے کاندھوں پر نہیں ہے جو آپ اس قدر فکرمند ہیں۔'' مسز توفیق ملازمہ کے ہمراہ اندر داخل ہو کر ان سے مخاطب ہوئیں۔ ملازمہ ٹرالی ٹیبل کے قریب رکھ کر باہر جا چکی تھی۔ وہ ڈش سے چکن سوپ اور دلیہ پلیٹ میں نکالنے لگیں۔

''آج آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو کیوں زحمت دے ڈالی۔'' وہ دلیے اور سوپ کی طرف اشارہ کر کے شوخ لہجے میں بولے۔ کیونکہ مسز توفیق' کچن کے کام کو ہاتھ نہیں لگاتی تھیں۔

''ڈیڈی! ممی خود اپنے ہاتھ سے آپ کے لئے ڈشیں تیار کرتی ہیں۔ جب سے آپ ایکسیڈنٹ کا شکار ہوئے ہیں۔'' اسپتال بھی ممی خود ہی لے کر جاتی تھیں۔'' کنول نے مسرور سے انداز میں اطلاع دی۔

''واہ! پھر تو یہ حادثہ بہت مبارک ثابت ہوا ہے جو آپ کی ممی کی ہاتھوں کی ڈشیں کھانے کو مل رہی ہیں۔ ورنہ آپ کی ممی کے طعنے اور جھڑکیاں کھا کھا کر مسلسل بدہضمی رہنے لگی تھی۔'' وہ ہنستے ہوئے کہنے لگے۔

''ارے کیسی بدفال منہ سے نکالتے ہیں آپ' حادثے بھی کبھی مبارک ہوتے ہیں۔''

''ہمارے لئے تو مبارک ہی ثابت ہوا ہے۔'' دلیہ کھاتے ہوئے ان کا لہجہ بدستور شوخ تھا۔

''پہلے تو کچن میں نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ وہ تو آپ نے کھانوں میں نقص نکال نکال کر مجھے اتنا بددل کر دیا کہ مجھے باورچی رکھنا پڑا اور پھر سوشل لائف جوائن کرنے کے بعد تو گھر پر ہی اتنا رہنا نہیں ہوتا تھا۔'' مسز توفیق کا سارا تنتنا' اکڑ' بدمزاجی توفیق صاحب کو ملنے والی نئی زندگی کی مسرت نے ختم کر کے رکھ دی تھی۔ ان کے شدید ترین حادثے سے زخمی ہونے اور نازک حالت نے ان کی ترش روی' جھگڑالو طبیعت میں چھپی بے پایاں محبت اور شوہر پرستی کے انمول جذبوں کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔ چند دن کی ان کی بے ہوشی اور دوری نے انہیں احساس دلا دیا کہ وہ کس طرح ان کی سانس میں سمائے ہوئے ہیں۔ پھولوں میں خوشبو کی طرح۔ اس احساس کے ہوتے ہی وہ سرد مزاج تندخو' جھگڑالو اپنے آپ کو بہتر و اعلیٰ سمجھنے والی ایک عام سی گھریلو عورت بن کر رہ گئی تھیں۔ جس کی ساری خواہشیں' آرزوئیں' تمنائیں' شوہر' بچے' چادر اور چاردیواری تک محدود ہوتی ہیں۔ جس کی کائنات میں یہی سب ہوتا ہے۔

''کینیڈا سے بیٹے کی تین کالز آ چکی ہیں۔ وہ بہت فکرمند و پریشان ہیں آپ کی طرف سے۔ بہو کی ڈلیوری ڈیٹ نزدیک ہے اور وہ ٹریول کے قابل بھی نہیں ہیں۔ اس کنڈیشن میں وہ انہیں چھوڑ کر آ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس وجہ سے وہ بار بار فون کر کے آپ کے متعلق پوچھتے رہے۔ آپ کے ہوش میں آنے کے بعد میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ آپ خطرے سے باہر ہیں۔ وہ آپ کی آواز سننے کے لئے بہت بے چین ہیں۔ آپ کال کر لیجئے انہیں۔''

''آپ نے انہیں اطلاع دی ہی کیوں۔'' بیٹے کے ذکر پر ان کا چہرہ شفقت سے جگمگا اٹھا۔

''نیوز پیپرز کے ذریعے ہی انہیں معلوم ہوا تھا۔''

''ہاں' مجھے انفارمیشن کچھ لیٹ ملی تھی۔ اس اثناء میں ڈرائیور کار میں بیٹھ چکا تھا۔ بم بلاسٹ ہونے میں پانچ منٹ تھے۔ میں بھاگ کر ڈرائیور کو خطرے سے آگاہ کرنا ہی چاہ رہا تھا اور میرے بھاگتے بھاگتے بھی وقت ٹوٹی لڑی سے موتیوں کی طرح پھسلتا چلا گیا۔ میں بھاگتا ہوا چیخ کر ڈرائیور کو خبردار کر ہی رہا تھا کہ ایک زوردار دھماکے سے کار کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح فضا میں بکھر گئی۔ زوردار دھماکے کی خوفناک آواز سے مجھے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے اور ساتھ ہی ایسا لگا جیسے کھولتا ہوا لاوا میرے وجود پر آن گرا ہو۔ شدید تپش اور تکلیف کی شدت سے میرے ہوش و حواس ساتھ چھوڑ گئے۔ ڈرائیور کی ایسی اندوہناک ہلاکت مجھے اندر سے زخم زخم کر گئی ہے۔ ایسی خوفناک جان لیوا سازشوں کے پیچھے جس کسی بھی عناصر کا ہاتھ ہوتا ہے' وہ کسی بھی رحم و نرمی کے مستحق نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ نہ انسان کہلوانے کے لائق ہوتے ہیں' نہ کسی ہمدردی کے مستحق۔ ایسے سفاک' شیطان صفت' درندے نما انسانوں کی دنیا بھی خراب اور آخرت بھی خراب۔

❖ ❖ ❖

ابھی نہ پوچھو کہ منزل کہاں ہے
ابھی تو سفر کا ارادہ کیا ہے
نہ ہاروں گی میں حوصلہ زندگی بھر
کسی سے نہیں خود سے وعدہ کیا ہے

اس نے گہرا سانس لے کر کروٹ بدلی۔ شام کا سنہری روپ بکھر رہا تھا۔ افق کے اس پار ڈوبتے سورج کا منظر سامنے کھلے دریچے سے اس کے سامنے تھا۔ سمندر سے آنے والی ٹھنڈی فرحت بخش ہوا کے جھونکے کمرے کے ماحول کو خوشگوار کئے ہوئے تھے۔ لائٹ پنک جارجٹ کے سوٹ میں وہ بے ترتیب سی بیڈ کے درمیان پڑی تھی۔ براؤن کولڈن سلکی لمبے گھنے بال کسی لاوارث کی طرح الجھے ہوئے تکیئے اور اس کی پشت پر بکھرے تھے۔ خوبصورت گرین آنکھوں میں سوز و حزن' سرخی بن کے چھایا ہوا تھا۔ گلابی دلکش مکھڑے پر الجھن اور بے چینی جیسے ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک دم ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کبھی کبھی۔ یہ تنہائیاں' یہ اداسیاں' یہ ویرانیاں' مجھے کیوں بری طرح ڈسٹرب کرنے لگتی ہیں۔ کیوں کبھی کبھی دل الٹی چال چلنے لگتا ہے۔ میں جو بچپن سے ملنے والی محرومیوں' تنہائیوں اور انتظار کی عادی ہوں۔ یہ انتظار' یہ تنہائی' بچپن سے ہی میرے ساتھ پلی بڑھی ہیں' کبھی کیوں ان سے چڑ ہونے لگتی ہے۔ کیوں ان سے باغی ہونے کو دل چاہتا ہے۔ دل کرتا ہے ہر دکھ ہر فکر سے آزاد ہو کر اتنی ہلکی پھلکی ہو جاؤں کہ بادلوں کے سنگ سنگ قریہ قریہ' ملک ملک' جگہ جگہ گھوموں' بارش بن کر دھرتی کو سیراب کروں' شبنم بن کر کلیوں کا منہ دھلاؤں' تتلی بن کر چمن چمن پھولوں کا طواف کروں' کتنی سہانی دلکش و بے فکر زندگی ہو گی وہ مگر ایسا کس طرح ممکن ہے۔ خیالات و خوابوں کی دنیا بڑی رنگین اور دلکش ہوتی ہے۔ طلسم ہوشربا کی طرح' جہاں خود کو بہلانے کے لئے وقتی طور پر حقیقت سے فرار حاصل کر کے کچھ لمحے ہم اپنی مرضی و پسند کے گزار لیتے ہیں۔ آنکھ کھلنے کے بعد حقیقت آدم خور مگرمچھ کی طرح اپنا خوفناک منہ کھولے ہماری منتظر ہوتی ہے۔ جس سے فرار کسی طرح ممکن نہیں۔ میں جو بہت حقیقت پسند اور غیر جذباتی' آدم بیزار لڑکی ہوں' کبھی کبھی واقعی خوابوں کی خوش رنگ دنیا میں پہنچ جاتی ہوں۔ کتنی احمقانہ سوچیں ہو جاتی ہیں میری۔ اس نے سوچتے ہوئے خود کو سرزنش کی اور بال سمیٹ کر جوڑے کے انداز میں لپیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سائیڈ سے دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر ڈالا اور دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

گھر کے در و دیوار مکمل طور پر اپنی مخصوص خاموشی و اداسی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ گھر میں تھے ہی کتنے افراد' ایک ماما اور دوسری وہ خود' ملازمین کام سے فارغ ہو کر اپنے کوارٹرز میں چلے جاتے اور جو کام بھی کر رہے ہوتے تو اتنی خاموشی و آہستگی سے کہ معمولی سی بھی آواز نہیں ہوتی تھی۔ ماما کی بیماری کے پیش نظر اس نے یہ تمام آرزدے

رکھے تھے جن پر ملازم مکمل طور پر عمل کر رہے تھے۔ اس نے آہستہ سے ماما کے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ اے سی کی ٹھنڈک میں سامنے بیڈ پر ماما چادر اوڑھے بے خبر سو رہی تھیں۔ ان کے زرد لاغر چہرے پر اس نے چند لمحے نگاہیں جمائیں اور پھر آہستگی سے دروازہ بند کر کے لاؤنج کی طرف آ گئی۔ خوبصورت انداز میں ڈیکوریٹ کئے گئے لاؤنج میں بھی اسے وحشت ہونے لگی۔ وہ گھبرا کر وہاں سے کوریڈور عبور کر کے باہر لان میں آ گئی۔ خوشبوئیں بکھیرتے خوبصورت' خوشنما پھولوں سے ہرا بھرا لان جنت کا کوئی ٹکڑا لگ رہا تھا۔ لان کے وسط میں بنا ہوا وائٹ سنگِ مرمر کا جدید فوارہ دلکش انداز میں پانی اچھالتا آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ مالی پودوں' پتوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھا۔ لائبہ کو دیکھ کر اس نے فوراً سلام کیا۔ لائبہ سلام کا جواب دیتی لان کے بائیں جانب بڑھ گئی تاکہ مالی مکمل اعتماد سے اپنا کام کر سکے۔

لان کا یہ حصہ سمندر کی سائیڈ تھا۔ اندر کوٹھی کے مین گیٹ سے سڑھیاں شروع ہو کر نیچے ساحل کی ریت پر ختم ہوتی تھیں۔ لہریں صرف چار سیڑھیوں تک آتی تھیں۔ جس سے کوٹھی کو نقصان پہنچتا تھا۔ لائبہ اپنی منتشر سوچوں سے لڑتی ریت پر ننگے پاؤں چلنے لگی۔ سورج ڈوب چکا تھا۔ سرمئی اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ سمندر کی لہروں میں بھی تیزی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سب سے بے نیاز اپنی بے کلی و اضطرابی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ امید کی کوئی کرن آس کا روشن دیا' بشارتوں کی کوئی روشن مشعل راہ میں نہیں تھی۔ زندگی گزر گئی۔ خواہشوں و خوش فہمیوں کے جگنوؤں کو مٹھی میں بند کئے۔ خوش بختی کا کوئی ننھا سا ستارہ بھی تاریک راہ کو منور نہ کر سکا تھا۔

میرا وجود کسی بھٹکی ہوئی روح کی مانند بے قرار رہتا ہے۔ کسی ایسے پرندے کی مانند جس کے پر کاٹ کر انھیں نوچ کر ہواؤں میں چھوڑ دیا گیا ہو۔ مجروح پر' بے نور آنکھیں' کبھی وسعت کی پرواز کا ساتھ دے سکتی ہیں۔ قید سے رہائی پانے والا پنچھی صرف خیالوں میں ہی آزاد اور خوش ہو سکتا ہے۔

''بی بی جی! آپ کو ماما بیگم بلا رہی ہیں۔'' ملازمہ کی پاٹ دار آواز اسے سوچوں کے صحرا سے کھینچ لائی۔ سرمئی فضا میں شام اور رات گلے مل رہی تھیں۔ پیروں کو چھو کر جاتی لہروں کے پانی میں ٹھنڈک بڑھ گئی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کے ہمراہ اندر بڑھنے لگی۔ اندر اور لان میں لگی تمام لائٹیں روشن ہو گئی تھیں۔ اس نے نل سے پیر دھو کر تمام ریت ہٹائی' ناول سے پاؤں صاف کرنے کے بعد سلیپر پہن کر ماما کی طرف چلی آئی۔

''کیا بات ہے۔ آج طبیعت بہتر نہیں لگ رہی۔'' وہ اس کے مزاج کے تمام موسموں سے اچھی طرح آشنا تھیں۔ اس کے چہرے پر چھائی پژمردگی' آنکھوں کی بجھی ہوئی قندیلیں' سست روی سے اٹھتے قدم' اس کی اندرونی کیفیت سمجھنے میں انہیں کوئی تردد نہ ہوا۔

''نہ معلوم کیوں ماما' کبھی کبھی طبیعت پر چھایا جمود ٹوٹنے لگتا ہے۔ ناآسودہ خواہشیں اور تشنہ آرزوئیں یکدم ہی باغی ہو کر سرکشی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ میں کسی بے بس و بے جان پرندے کی طرح مجبوری کا شکار' سوائے ڈپریسڈ ہونے کے کیا کر سکتی ہوں۔ میں اتنی کمزور کیوں ہوں ماما۔ جو اپنی مرضی سے خوش بھی نہیں رہ سکتی۔'' وہ ماما کی آغوش میں چہرہ چھپا کر لیٹ گئی' اس کا لہجہ بکھرا بکھرا تھا۔

''آپ کیوں ڈپریسڈ کر دینے والے خیالوں کو دل میں جگہ دیتی ہیں آپ کی مسرتوں پر کوئی پہرہ نہیں ہے۔ آپ کے اوپر نچھاور ہونے کے لئے مسرتیں بے انتہا ہیں۔ آپ انہیں استعمال کرنا تو سیکھیں۔ آپ نے خود اپنے لئے دکھوں اور محرومیوں کے حصار قائم کر لئے ہیں۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی ملائم و شفیق لہجے میں سمجھانے لگیں۔

''نہیں ماما! کبھی کبھی آپ بہت ہرٹ کر دینے والی غیر منصفانہ گفتگو اختیار کر لیتی ہیں۔ سب جانتی ہیں آپ' کتنی پابندیاں ہیں مجھ پر۔ اپنی مرضی سے میں کسی سے مل نہیں سکتی' کسی سے دوستی نہیں کر سکتی۔ یونیورسٹی میں بھی حنا' سومیہ وغیرہ سے دوستی کے دوران کس قدر احتیاط کرنی پڑتی تھی مجھے۔ وہ میرے فیملی ممبرز' میرا فیملی بیک گراؤنڈ جاننے کے لئے اکثر بے چین رہتیں اور میں کسی نہ کسی بہانے سے بات بدل دیا کرتی تھی مگر میں اس لمحے اندر سے گھائل ہو جاتی' میری روح' میرا وقار' میرا مان' سب زخم زخم ہو جاتے۔'' وہ آج پھر عرصے بعد اپنے زخموں سے کھرنڈ اکھیڑ رہی تھی۔ رستے ہوئے زخموں کی ٹیسیں ماما بھی محسوس کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھ سے گرتا ایک ایک آنسو ان کے دل میں گھاؤ ڈال رہا تھا۔

''دنیا میں سب ہی کچھ تو نہیں ملتا ہے سب کو لائبہ' افتخار صاحب کی فیملی نے جو آپ کو محبت اور اپنائیت دی ہے' اس کے بعد تو کوئی تشنگی آپ میں رہنی نہیں چاہئے۔ افتخار صاحب' مسز افتخار جو اہمیت و چاہت آپ کو دیتے ہیں' وہ طوبیٰ اور شاہ رخ کو نہیں ملتی۔''

''یہی اہمیت مجھے غیریت کا احساس دلاتی ہے' ایسی چاہت مجھے کبھی کبھی ندامت و محرومی کے ساگر میں ڈبو دیتی ہے۔ ماں باپ ہمیشہ ہی بچوں کو پیار نہیں کرتے۔ کبھی غصہ' سرزنش اور کبھی نظر انداز بھی کر دیتے ہیں۔ ماں باپ کے یہ انداز بھی پیار کے ہوتے ہیں۔ اس طرح بچوں میں غلط و درست کی تمیز پیدا ہوتی ہے مگر یہ خصوصی اہمیت' مجھے اپنے ان سے الگ ہونے کا احساس دلاتی ہے اور میرا دل چاہتا ہے' کسی ان دیکھے دیس کی طرف روانہ ہو جاؤں۔''

''اللہ نہ کرے' کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ بیٹا۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ ایسی مایوسی کی باتیں انسان کو راہِ مستقیم سے بھٹکا دیتی ہیں۔ ہمیشہ حالات کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ حالات کچھ بھی ہوں' خیالات کو بلند رکھنا چاہئے۔ ہنستے مسکراتے زندہ دلی سے وش کرنا چاہئے۔ انسان کی ہمت و حوصلے کے آگے چٹانیں بھی ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ افتخار صاحب کی فیملی بھی تو ملک سے باہر ہے' اس لئے آپ تنہائی اور بوریت زیادہ محسوس کر رہی ہیں۔ آپ اپنی کسی فرینڈ کو کال کر کے بلوا لیں یا خود چلی جائیں۔ گھر کی تنہا فضا اور میری بیماری نے آپ کو بیزار کر دیا ہے۔ کچھ دیر گھر سے باہر جائیں گی تو ذہن پر سوار ڈپریشن ختم ہو جائے گا۔'' ماما نے ہمیشہ کی طرح اس کے لئے پریشانی محسوس کر کے مشورے دے ڈالے کہ کسی طرح اس کی طبیعت بہل جائے۔

''میں آپ سے بیزار کس طرح ہو سکتی ہوں ماما۔'' اس نے محبت سے ان کے گلے میں بازو ڈال دیے۔ ''کبھی کبھی موڈ ایک دم ہی آف ہو جاتا ہے' نہ معلوم کیوں۔ دوستوں سے تو رابطہ ٹوٹے عرصہ ہو گیا۔ اب تو سب ہی اجنبی لگتے ہیں۔''

''آپ پریشان مت ہوا کریں۔ آپ پریشان ہوتی ہیں تو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔ میں سب برداشت کر سکتی ہوں مگر آپ کی ذرا سی بھی تکلیف مجھے تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے۔'' ماما اس کے بال چومتے ہوئے آزردہ لہجے میں بولیں۔

✦ ✦ ✦

روشنیوں اور رنگوں کی دلکشی' بہار کے نشاط انگیز نظارے ہر سو بکھرے ہوئے تھے۔ زرق برق ملبوسات سے اٹھتی خوشبوئیں مدھم سرگوشیاں' فضا میں بکھرے قہقہے' کلیوں کی طرح چٹکتی مسکراہٹیں' ماحول کو پرنور و پربہار بنائے ہوئے تھیں۔ وائٹ سوٹ پر سرخ کوٹ اور ٹائی میں ملبوس بے شمار ویٹرز مہمانوں کی خاطر تواضع' کولڈ ڈرنکس و آئسکریم وغیرہ سے کر رہے تھے۔ شہر کا مہنگا ترین مصروف میرج ہال اس وقت بلا مبالغہ ہزاروں مہمانوں سے پُر تھا۔ جن میں زیادہ تعداد روحیل صاحب کے خاندانی رشتے داروں کی تھی اور خاصی تعداد میں مہمان دوسرے شہروں اور بیرونِ ملک سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ روحیل صاحب' بیگم عظمت کے ہمراہ مہمانوں سے مبارکبادیں وصول کر رہے تھے۔ کیونکہ کچھ دیر قبل ارشد اور زینی کا نکاح ہو چکا تھا۔ ارشد اسٹیج پر دوستوں اور کزنز میں گھرا ان سے مبارکبادیں وصول کر رہا تھا۔

''بہت بہت مبارک ہو بھابی جان اور بھائی صاحب آپ کو بھی۔'' روحیل صاحب کے دوست سوہنی بلڈرز کے ملک اکرام احسان اور ان کی مسز ان سے خوش دلی سے مخاطب ہوئیں۔

''آپ کو بھی مبارک ہو۔'' عظمت بیگم ان سے گلے لگتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولیں۔ لائٹ بلو جارجٹ کی دیدہ زیب بھرائی والی ساڑی میں وہ اپنی عمر سے کم لگ رہی تھیں۔ ڈائمنڈ کے خوبصورت سیٹ' نفاست سے کئے گئے پروقار لائٹ میک اپ میں' سچی مسرتوں سے ان کا وجود خوبصورت لگ رہا تھا۔ ہر ماں کی طرح ان کا بھی ارمان بیٹے کا سہرا دیکھنے کا مکمل ہو رہا تھا۔ بہو بھی من پسند ملی تھی۔ خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

''اینی پرابلم۔ تمہارے چہرے سے مسرت نہیں حسرت ہویدا ہے۔'' اکرم احسان کلوز فرینڈ ہونے کے ناتے سے ان سے فری تھے' اب بھی روحیل صاحب کی کچھ سنجیدہ سی شکل دیکھ کر فکرمند لہجے میں بولے۔ ان کی سنجیدگی میں رنجیدگی خاصی نمایاں تھی۔

''سمجھا کریں اکرم صاحب! بیٹے کو سہرا باندھے دیکھ کر اپنا سہرا یاد آ رہا ہوگا۔'' قریب آتے دوسرے دوست اسحاق احمد شوخی سے بولے تو ان کے ساتھ اکرم صاحب بھی قہقہے لگانے لگے۔ روحیل صاحب کے چہرے پر بھی مسکراہٹ چھا گئی تھی۔ عظمت بیگم سچ مچ کسی کنواری دلہن کی طرح شرما کر چہرہ جھکا گئی تھیں۔ خفت سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''بھابی کا شرمانا ابھی بھی غضب کا ہی ہے۔'' شوخ لہجے کے ساتھ مسکراہٹیں ابھریں۔

''آئیں بھابی! میں آپ کی سیٹ تک رہنمائی کروں۔'' عظمت بیگم ان کی فطرت سے واقف تھیں کہ وہ اب زچ کرنے پر اتر آئے ہیں سو ان سے پیچھا چھڑانے کا ایک ہی طریقہ تھا۔

''آف وائٹ زریں و ریشم سے تیار کردہ شیروانی سوٹ میں گولڈن کھسوں میں' سر پر مغلیہ طرز کا خوبصورت کلاہ پہنے ارشد کسی مغلیہ سلطنت کا فرماں رواں ہی لگ رہا تھا۔ ان کے سنجیدہ وجیہہ چہرے پر آسودہ اور دلکش مدھم مسکراہٹ تھی۔ سرخ و سپید چہرے پر ذہانت سے چمکتی آنکھوں میں سرور آمیز خمار کی سرخی چھائی ہوئی تھی۔ وہ بہت پروقار انداز میں سب دوستوں' کزنز سے گلے مل رہا تھا۔ سب اسے جوش و خروش سے مبارکباد دے رہے تھے۔ سب سے آخر میں اس کے گلے سے لگ کر مبارکباد دینے والا اُسامہ ملک تھا۔

''تم نے گویا ہمیں اس سعادت سے محروم رکھا مگر میں قرض رکھنے والا نہیں ہوں۔ پہلے اپنی مبارکباد وصول کرو۔'' ارشد شگفتہ مزاجی سے کہتا ہوا۔ دو مرتبہ اس سے گلے ملا۔ کچھ لمحے تو اُسامہ گڑبڑا کر رہ گیا۔ وہ دانستہ ان لوگوں سے بچتا رہا تھا مگر موقع ایسا تھا کہ سب جمع تھے اور بہت محتاط رہنے کے باوجود وہ پکڑ میں آ رہا تھا۔

''کیوں بھائی! آپ اُسامہ بھائی سے دو مرتبہ گلے کیوں ملے ہیں۔ یہ سالے ہیں آپ کے' آپ ان کے سالے نہیں ہیں کیونکہ زینی ان کی بہن ہوتی ہیں۔'' ثمیر ان کے قریب آ کر مسکرا کر بولا۔

''میرا خیال ہے' تم اسی وجہ سے ہم سے ملنے کی کوشش نہیں کر رہے تھے۔'' ارشد' ثمیر کو نظر انداز کر کے بولا۔

''یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ابھی ڈسکس کرنے کا نہیں ہے' بعد میں بات کروں گا۔'' اُسامہ مسکراتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

''دو سال میں وہ آپ کے لئے مسئلہ ہو گئیں۔ اور مجھے یقین ہے' اس عرصے میں اور بھی چھوٹے موٹے مسئلوں نے جنم لے لیا ہوگا۔ بائی دا وے نیم کیا ہیں ان کے۔ ارشد سے علیحدہ ہو کر اُسامہ صوفے کی طرف بڑھا تو ثمیر بھی حسبِ عادت اس کے ساتھ گوند کی طرح چپک گیا۔

''چھوٹے موٹے مسئلے۔ نیم۔'' وہ اپنے معاملے میں کچھ بن کر الجھن کا شکار شدت سے ہو جاتا تھا۔

''ارے بھائی! جیسے ہمارے ہاں اکثر ہوتے ہیں۔ گڈو' پنکی' پپو' چنو' گڑیا' رانی' بے بی وغیرہ وغیرہ۔'' ثمیر کی آنکھوں میں شرارت کی چمک جگمگا اٹھی تھی۔

''اوہ شٹ اپ' ایڈیٹ۔'' اس کی بات سمجھ کر اس کے وجیہہ چہرے پر خفت کے ساتھ بڑے دلکش رنگ پھیل گئے تھے۔ اسی لمحے ارشد اور اس کے دوست اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گئے۔

گولڈن ملٹی کلر شرارہ سوٹ میں براؤن میک اپ' گولڈ اور ڈائمنڈ کے زیورات میں اسٹیج پر خواتین و دوشیزاؤں میں گھری بیٹھی زینی پر زبردست روپ آیا تھا۔ اماں جان کئی صدقے اس کے اور ارشد کے اتروا چکی تھیں اور دعائیں ان پر پڑھ کر پھونک چکی تھیں تاکہ وہ نظر بد سے محفوظ رہیں۔ زینی پارلر سے تیار ہو کے آئی تو فیشن کے لحاظ سے اس کا معمولی سا گھونگھٹ نکلا ہوا تھا جبکہ چہرہ پوری طرح واضح تھا۔ زینی بھی جس میں اپ سیٹ لگ رہی تھی۔ یہ بچپن سے ان کی طرف سے دی گئی شرم و حیا کی تربیت کا اعزاز تھا۔ ماڈرن و اعلیٰ طبقے کی نمائندہ فرد ہونے کے باوجود فطری حیا سے دہری ہوئی جا رہی تھی۔ دوستوں' کزنز' بھابیوں کے شوخ جملوں اور چھیڑ چھاڑ کے باوجود اس کی گردن اور نگاہیں جھکی ہی رہی تھیں۔ اماں جان جو گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے کی عادی تھیں آج کے دن خاصی ایکٹو نظر آ رہی تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد جو انہوں نے اپنی مرضی سے سفید سوٹ مستقل استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور وہ مکمل سادگی اختیار کر چکی تھیں۔ تیس سال کے بعد آج وہ ہلکے آسمانی ریشمی شلوار سوٹ میں عام دنوں سے مختلف اور منفرد نظر آ رہی تھیں۔ ہاتھوں میں بھی انہوں نے سونے کے کنگن پہنے تھے۔ جو ان کے خاندانی تھے اور قیمتی جواہر سے چمک رہے تھے۔ دوپٹہ انہوں نے وائٹ ہی اوڑھا تھا اور اپنے مخصوص انداز میں اوڑھ رکھا تھا۔ ان کی جہاندیدہ نگاہیں باریک بینی سے سب کا جائزہ لے رہی تھیں۔ بہت با اخلاق اور خوشگوار

لہجے میں وہ مہمانوں کی خبرگیری کر رہی تھیں۔ دونوں بیٹیوں کے علاوہ عظمت بیگم اور کوثر آگا بے بگا بے ان سے مشورے لے کر ہی کام نپٹا رہی تھیں۔ وہ سرخ مخملی صوفے پر بڑی شان و وقار سے براجمان تھیں۔ ان کی خاص ملازمائیں ان کے اردگرد مستعد انداز میں موجود تھیں۔

''فوزیہ! دلہا کی سلامی کا انتظام کرو۔ بہت ٹائم ہو رہا ہے۔ رخصتی تو ہونی نہیں ہے جو اتنا ٹائم لگایا جائے۔'' ڈارک پرپل سلک کی ساڑی میں ملبوس لائٹ میچنگ میک اپ اور ڈائمنڈ جیولری میں وہ بہت نکھری نکھری جاذب نظر لگ رہی تھیں۔ اماں ہاتھ میں پکڑی تسبیح چوم کر ان سے مخاطب ہوئیں۔

''جی بہتر اماں جان! ایک بات کہوں اماں جان۔''

''ہاں کہو۔ میرے خیال میں میرا رویہ اپنی بہوؤں کے ساتھ کبھی بھی اتنا بے مروت و بے لچک نہیں رہا کہ مجھ سے بات کرنے سے قبل اجازت کی ضرورت پڑے۔'' آج وہ واقعی بے انتہا خوش تھیں جو مسکراتے ہوئے چاندنی جیسے نرم و ملائم لہجے میں بولیں۔ شفیق مسکراہٹ سے ان کا پرنور سا چہرہ فرشتوں کی طرح معصوم اور خوبصورت لگ رہا تھا۔

''آج بابا جان! کی وفات کے طویل عرصے بعد آپ نے کلرڈ سوٹ پہنا ہے۔ اس پر آپ وہ بلیک شال اوڑھ لیں' جس پر سچے موتیوں اور سونے کے تار کا کام بنا ہوا ہے۔ موقع کی مناسبت سے وہ شال آپ پر خوبصورت لگے گی اور ہمارا ارمان بھی پورا ہو جائے گا۔'' فوزیہ کے پرشوق لہجے میں محبت و اصرار تھا۔

''تمہارے بابا کے مرنے کے بعد کائنات میرے لئے ویران ہو گئی تھی۔ بننے' سنورنے' خوبصورت ملبوسات اور زیورات پہننے کا شوق ان کے ساتھ ہی سپرد خاک ہو گیا تھا۔ عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کی خوشیاں' تمنائیں اور آرزوئیں' فطری طور پر اپنے بچوں سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ زندگی صرف بچوں کے دم سے ہی قائم و دائم رہتی ہے۔ عورت ہونے کے ناتے میرے احساسات وجذبات بھی اپنے بچوں کے لئے مختص ہو گئے تھے۔ میری زندگی' میری خوشی' میری آرزوؤں کے تمام دیے میرے بچوں کی خوشیوں سے ہی روشن تھے اور اللہ کا بہت کرم و فضل میرے ساتھ رہا کہ میں نے سب کی مسرتیں دیکھیں۔ مگر جس کو میں نے اپنی کوکھ کی اولاد سے زیادہ چاہا جس سے جذباتی طور پر مجھے اتنی شدید محبت ہو گئی' جس کا ننھا خوبصورت جسم میری آغوش میں آیا تو نہ معلوم کیوں میرے اندر ممتا کے سوئے ہوئے خشک سوتے ایسے ابل پڑے جیسے صحرا میں اچانک چشمہ بہہ نکلے۔ بنجر زمین معجز اہری بھری ہو کر لہلہانے لگے۔ وہ مجھے اپنی سگی اولاد اور پوتوں پوتیوں سے زیادہ پیارا ہو گیا۔ ایک زیست جس ننھے پودے کو محبت و مشقت' حفاظت سے تناور پھلدار بنانے میں صرف کی' اس نے کیا صلہ دیا میری ممتا' چاہت و توقعات کا۔''

اماں جان کا یہ پہلا جذباتی موقع تھا کہ اُسامہ کے نکاح کا سن کر جو چپ ان پر طاری ہوئی تھی آج ان کے منہ سے کچھ اس کے متعلق نکلا تھا۔ اُسامہ کی طرف سے ٹوٹے دل' جلی ہوئی آرزوؤں کی راکھ اور خواہشوں کا دھواں پہلی مرتبہ آنسو بن کر ان کی آنکھوں سے نکلا اور ان کے چٹانی ضبط کے باوجود بہہ نکلا۔ فوزیہ بیگم تڑپ کر ان کے قریب ہو گئیں۔

''اماں جان پلیز! میں آپ کی کیفیت سمجھتی ہوں۔ آپ اس موقع پر کیا محسوس کر رہی ہیں۔ یہ بھی جان رہی ہوں جو خواہشات اور آرزوئیں آپ کی تھیں' وہی میری بھی تھیں۔ آپ کی طرح آج میرا بھی دل زخمی ہو رہا ہے کہ ہم اس طرح اپنے بیٹے کا سہرا نہ دیکھ سکے۔ خوشیاں نہ منا سکے مگر اماں جان' خدارا اُسامہ کو کوئی بددعا نہ دیجئے گا۔ اس نے جو کچھ کیا' وہ ہماری قسمت' مگر ہمیں اسے ہر حال میں خوش دیکھنا ہے۔'' فوزیہ بیگم گلوگیر لہجے میں ان سے التجائیہ انداز میں بولیں۔ مہمانوں اور ملازماؤں کی وجہ سے وہ دونوں بہت آہستگی سے باتیں کر رہی تھیں۔ دیکھنے والے یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ سر جوڑے کچھ ضروری مشورے کر رہی ہیں۔

''یہی تو مجبوری ہے ہماری کہ چاہنے کے باوجود زبان اس کی بدخواہی کے لئے نہیں کھلتی۔ ماں کا رشتہ بہت ظرف و صبر اور برداشت والا ہوتا ہے۔ چاہنے کے باوجود میری زبان نہ کھل سکی۔'' وہ دستی رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

''دونوں پھوپیوں' بھابی' ماں' دوستوں اور کزنز کے جھرمٹ میں ارشد سسرال والوں کو دستور کے مطابق سلام کرنے آیا تھا۔ خاندان کی بزرگ ہونے کی وجہ سے یہاں بھی اماں جان کو ہی سربراہ بنایا گیا تھا۔ خشک میوہ جات' مٹھائیوں اور موسمی پھلوں کے ٹوکروں کے علاوہ تمام بیش قیمت جوڑے اور جیولری سیٹس تھے سسرالی عزیزوں کے لئے جن میں ممانیاں' چچی' تائی' دادی' جٹھانی' ساس' سسر' دیور وغیرہ کے بھی سوٹ تھے' ساس کے لئے کندن کا سیٹ اور سونے کی چوڑیاں تھیں۔ ارشد کو اماں کے اشارے پر ریاض نے ڈائمنڈ کی انگوٹھی پہنائی اور قیمتی ہیرے جڑی رسٹ واچ کلائی پر باندھی۔ سب مسکراتے ہوئے اشتیاق بھرے انداز میں یہ رسم دیکھ رہے تھے۔ موویز کی تیز روشنیوں' فوٹو کیمروں کی لائٹوں نے ماحول کو جگمگا کر رکھ دیا تھا۔ اماں جان نے بے شمار دعاؤں سے نوازا۔ کوثر بیگم نے ماتھا چوم کر سلام کا جواب دیا اور سلامی میں نیو ماڈل مرسڈیز کار کی چابی اور پانچ لاکھ کا چیک دیا۔ ارشد جو خوددار اور غیور فطرت کا مالک تھا۔ اسے یہ سب بہت گراں بلکہ قدرے ناگوار گزر رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا' صرف سلام کرنے کی غرض سے اماں جان نے اسے وہاں بلایا ہے اگر ایسی رسم اسے معلوم ہوتی تو وہ پہلے ہی انکار کر دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا مسکراتا چہرہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ناگواری اور جھلاہٹ اس کے موڈ سے ظاہر تھی۔ بڑی پھوپو اور عائشہ بطور باڈی گارڈ اس کے ہمراہ دائیں بائیں موجود تھیں ورنہ راہ فرار اختیار کر لیتا۔

''دلہا' دلہن کب تک الگ الگ بیٹھیں گے۔ اب تو بھائی کو بھابی کے قریب بٹھا کر تھوڑی مووی بنوائیں گے۔ تصویریں لیں گے تاکہ خوبصورت آئیں۔'' شمیر جو بہت دیر سے یہ بات کہنا چاہ رہا تھا آخر کار زیادہ ضبط نہ کر سکا تو اماں جان سے بول اٹھا۔

''صرف نکاح ہوا ہے ابھی۔ کوئی رخصتی نہیں ہو رہی۔ نہ ساتھ مووی بنے گی اور نہ فوٹو کھنچیں گے۔'' اماں جان سخت لہجے میں حتمی انداز میں بولیں۔

''ہمیں ایسی بے حیائی گوارا نہیں ہے۔'' ان کے لہجے میں درشتگی تھی۔

''بے حیائی کی کیا بات ہے اماں جان۔ وقت بہت آگے جا چکا ہے۔ اب تو منگنی پر مووی بھی بنتی ہیں۔ فوٹوز بھی کھینچے جاتے ہیں۔ لڑکا لڑکی صرف منگنی کی انگوٹھی کے حوالے سے آزادانہ اور بے باکانہ انداز میں ملتے ہیں۔ اب ایسی باتیں معیوب و بے حیائی میں شمار نہیں کی جاتیں۔'' نگہت بیگم نے انہیں سمجھاتے ہوئے دلائل دیے۔

''ہم خاندانی لوگ ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ دستور اور نسب بدلنا کم ذات اور غیر خاندانی لوگوں کا ظرف ہوتا ہے۔ خاندانی آن بان والے غیرتمند لوگ کبھی اپنی ریت نہیں بدلتے۔'' خاندانی جاہ و جلال۔ شان و شوکت کے معاملے میں اماں جان کا وجود فخر و غرور سے تن گیا تھا۔

اس معاملے سے قطعی بے تعلق ارشد جو ٹوائلٹ سے آ رہا تھا' اس کی نگاہیں بے اختیار ہی اسٹیج پر کن فیوزسی بیٹھی زینی کے ہوشربا چہرے پر جو پڑیں تو گویا وہ پلٹنا ہی بھول گئیں۔ ہمیشہ بہت سادگی میں رہنے والی زینی پر کچھ ایسا قیامت خیز حسن چڑھا تھا کہ وہ جو خود کو چٹان سمجھتا تھا۔ پل بھر میں اس کے تباہ کن عروسی حسن سے ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اس کے اندر سے اسے فوری پالینے اور چھو لینے کی ایسی تڑپ اٹھی کہ وہ نہ نہ کرتا ہوا ابھی اچانک انوکھے فیصلے پر پہنچ گیا۔

مہمان خواتین میں سے کسی کا بچہ چیخ کر رویا تو وہ اپنی محویت پر چونک اٹھا۔ زینی پر سے نگاہ ہٹا کر اس نے خفت بھرے انداز میں اردگرد کا جائزہ لیا۔ اردگرد پیڑوں اور پھولوں کے باعث کوئی اسے چیک نہ کر سکا تھا۔ اس نے ایک گہری نظر سائیڈ میں بنے اسٹیج پر ڈالی۔ یہاں اس کی نگاہوں سے بے خبر زینی مہمانوں میں گھری بیٹھی تھی۔ وہ مطمئن سا اسٹیج کی طرف آ گیا۔

''میں تمہاری کوئی ہیلپ اس وقت نہیں کر سکتا۔ سوری یار۔'' اس کی بات سن کر اُسامہ نے چند لمحے غور سے اس کی جانب دیکھنے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں۔ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے' تم اماں جان کے بے حد قریب ہو اور تم نے اکثر ایسے موقعوں پر اماں جان کو اپنے دلائل سے قائل بھی کیا ہے۔'' ارشد کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''فی الحال میں اقتدار سے محروم ہوں یا یوں سمجھ لو کہ باغی ہوں۔''

''خاندان سے باہر شادی کرنے پر اماں جان ناراض ہیں۔''

''ناراضگی بہت چھوٹا اور معمولی سا لفظ ہے۔ وہ میری شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں ہیں۔''

''سوری یار لیکن مجھ سے اب خالی ہاتھ بھی نہیں جایا جائے گا۔'' ارشد کے لہجے میں کچھ ایسی بے قراری و بے ساختگی تھی کہ اُسامہ قہقہہ لگا بیٹھا تھا۔

''خدا کے لئے ایسے ظالم انداز نہ اپنایا کیجئے۔ صنف مخالف کو دیوانہ بنانے کے لئے۔ ارے کئی خواتین اور دوشیزائیں آپ کے قہقہے پر واری ہو کر گر پڑی ہیں۔'' شمیر سیڑھیاں پھلانگتا ان کے قریب پہنچ گیا۔

غور سے دیکھتے ہوئے۔ ''آج آپ بہت ڈیسنٹ و ہینڈسم لگ رہے ہیں۔ اس لئے ساری عنایتیں تمہارے لئے ہوں گی۔'' اُسامہ مسکراتا ہوا بولا۔ بلو تھری پیس سوٹ میں شمیر وجیہہ لگ رہا تھا۔

''آپ کی موجودگی میں' میری دال کہاں گل سکتی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ کتنی نگاہیں آپ کے اردگرد ہیں۔''

''اطلاع دے دو۔ ان کے جملہ حقوق محفوظ ہو چکے ہیں۔ اب یہ کسی کی امانت ہیں۔'' ارشد خلاف مزاج شوخی سے بولا تو تینوں ہی قہقہے لگانے لگے تھے۔

''ماشاء اللہ بہوئیں آپ کی دونوں ہی بہت خوبصورت ہیں مسز روحیل۔'' روحیل صاحب کے دوست کی بیگم عائشہ کو لپٹا کر پیار کرنے کے بعد مسکرا کر بولیں۔

''یہ آپ نے سرپرائز گفٹ دیا ہے۔'' دوسری خاتون بھی مسکراتی ہوئی گویا ہوئیں۔

''ارشد کی شادی کا سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ آپ کے خاندان میں ایسے فیصلے بہت بااصول طریقے سے کئے جاتے ہیں۔ کس طرح ممکن تھا کہ نبیل کی موجودگی میں چھوٹے کا رشتہ ہو جائے کیونکہ آپ کی ساس اس معاملے میں بہت ٹھوس خیالات رکھتی ہیں۔ اصل صورت حال تو یہاں آ کر معلوم ہوئی۔'' تیسری خاتون بھی شامل گفتگو ہوئیں۔

''اس وقت بات ہی کچھ ایسی ہوئی۔ عائشہ میری فرسٹ کزن کی بیٹی ہیں۔ میری کزن اور ان کے شوہر کا کچھ عرصے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ عائشہ اپنے بھائی کے ساتھ آئی تھیں۔ نصیب سمجھ لیں یا تقدیر کے فیصلے۔ ان کے بھائی کا بھی ٹریفک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔ اب میں کس طرح اکیلی جوان لڑکی کو دوسرے شہر میں تنہا چھوڑ سکتی تھی۔ ہم سب کے متفقہ فیصلے سے نبیل کی شادی ہم نے بہت سادگی سے کر دی کہ جوان بھائی کی موت کا صدمہ عائشہ کو ہوش و حواس سے بیگانہ کئے ہوئے تھا پھر ہمیں بھی افسوس تھا۔ اسی وجہ سے ہم عائشہ کو سادگی سے بیاہ کر گھر لے آئے۔ خیال تھا کچھ عرصے خوشیاں منائیں گے تو سب رشتے داروں کو تقریب میں بلا کر اعلان کر دیں گے۔ مگر عائشہ کے پریگننٹ ہونے کی وجہ سے پروگرام تبدیل کرنا پڑا۔ یا یوں سمجھئے کہ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے ان کی رونمائی بھی کروانا پسند فرمائی تھی۔ بہت عرصے سے تیار کردہ کہانی جس میں کچھ حقیقت تھی' کچھ غلط بیانی بھی تھی۔ اپنی اور عائشہ کی عزت کی مضبوطی کے لئے انہوں نے بنائی تھی۔ لوگوں کو سنا کر مطمئن کر رہی تھیں۔ انہیں مطمئن و خوش دیکھ کر لوگ بھی بڑے تپاک سے عائشہ سے مل رہے تھے۔ ڈارک گرین سلمٰی موتیوں اور دبکے کے کام سے بھرے لہنگا سوٹ میں فل میک اپ اور جیولری میں وہ دلہن بنی ہوئی تھی اور بہت حسین لگ رہی تھی۔ عظمت بیگم نے اس کو پارلر سے تیار کروایا تھا۔ منا باری باری سب کی گود میں منتقل ہو رہا تھا۔ سب کے چہروں پر مسرتیں رقصاں تھیں۔

براؤن تھری پیس سوٹ میں ملبوس روحیل صاحب کچھ الجھے الجھے ناراض سے نظر آ رہے تھے۔ ان کے اندر کسی سرد جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود سب لوگوں میں خود کو مکس نہ کر سکے تھے۔ شروع میں انہوں نے کچھ میزبانی و مہمانداری نبھائی مگر جلد ہی تقریباً ہال کی گہما گہمی' مہمانوں کے شور و غل سے عاجز آ کر لان میں رکھی ہوئی چیئر پر بیٹھ گئے تھے۔ کئی مرتبہ عظمت ان کو بلانے بھی آئیں مگر انہوں نے سختی سے کہہ دیا کہ وہ کچھ دیر تنہائی چاہتے ہیں۔ انہیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ عظمت بیگم جو ان کی اندرونی کیفیت سے بے خبر تھیں مگر مزاج سے آشنا تھیں' خاموشی سے ان کے پاس سے آ گئیں۔ ارشد کے مایوں والے دن یعنی کل ان کی اماں سے کسی بات پر تنہا کمرے میں کوئی خفیہ میٹنگ ہوئی تھی جس میں اماں اور روحیل کے علاوہ کوئی تیسرا شریک نہیں تھا۔ نہ معلوم کیا ان کے درمیان خفیہ مذاکرات ہوئے تھے کہ کل ہی سے ان کا موڈ سخت آف تھا۔ وہ اسی وقت سے اپنے کمرے میں بند ہو گئے تھے۔ کسی خوشی میں انہوں نے حصہ نہیں لیا تھا۔ اب بارات کے ٹائم بھی تینوں بیٹے بڑی خوشامدوں سے لائے تھے مگر ان کا بگڑا ہوا موڈ سب نے ہی نوٹ کیا تھا۔

''ممی بات سنئے گا۔'' عظمت بیگم جو مہمانوں کو رخصت کر رہی تھیں۔ عائشہ بے چین لہجے میں ان کے نزدیک آ کر بولی۔ اس کی آواز کی لرزش' چہرے کی بدحواسی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ جلدی سے انہیں خدا حافظ کہہ کر اس کے نزدیک چلی آئیں۔

’’کیا بات ہے؟‘‘ وہ تشویش زدہ لہجے میں بولیں۔

’’ارشد کہہ رہے ہیں دلہن کو رخصت کروا کے لے جائیں گے۔‘‘

’’کیا۔ پہلے تو اس نے منع کر دیا تھا۔‘‘ وہ بھی بدحواس ہو گئیں۔

’’جی مگر اب ان کی یہی ضد ہے۔‘‘

’’اماں جان! تو کبھی نہیں مانیں گی۔ یا اللہ کیا ہو گا اب۔‘‘ وہ پریشان پریشان سی عائشہ کے ساتھ وہاں چلی گئیں جہاں سب جمع تھے۔ مہمان اور رشتے دار تو تقریباً سب ہی رخصت ہو گئے تھے۔ اب صرف فیملی کے خاص لوگ موجود تھے۔

’’کسی طرح ممکن نہیں، شادی کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہوتی۔ بامقصد اور مکمل ذمے داری کا نام ہوتا ہے۔ بات صرف نکاح کی ہوئی تھی نکاح ہو گیا، رخصتی کچھ عرصے کے بعد ہو گی۔‘‘ اماں جان کی پُرجلال آواز گونج رہی تھی۔ ارشد ان کے نزدیک ہی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ باقی سب بھی ان کے نزدیک چیئر پر بیٹھے تھے۔ زینی کو ان کے حکم پر ماریہ اور نزہت ڈریسنگ روم میں لے گئی تھیں۔

’’میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے اماں جان، تقریب تو بھرپور شادی کی ہی ہوئی ہے اماں جان۔‘‘ نبیل آہستگی سے ان سے مخاطب ہوا۔

’’تو کیا ہوا، پہلے سمجھایا تھا مگر جب تو بات سر سے گزر گئی تھی۔ اب اس طرح اچانک بیٹی کو رخصت کر دینا بھی خاندانی عزت پر داغ لگانے کے مترادف ہے۔ لوگ کیا سوچیں گے، کیسی باتیں بنائیں گے کہ نہ معلوم لڑکی میں کیا عیب تھا جو یوں خاموشی سے رخصت بھی کر دیا۔ مجھے یہ بات پسند نہیں۔‘‘ وہ منہ بنا کر بولیں۔

’’اماں جان آپ فرماتی ہیں، بے جا نمود و نمائش، بے مقصد پیسے کا ضیاع اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے پھر آج جو فضول نمائشی رسموں پر پیسہ خرچ ہوا۔ ہزاروں مہمانوں کی شرکت، خاطر و مدارات پر جو اخراجات آئے ہیں، یہ سب بلامقصد ہی ہوا نا۔ ارشد کسی ایمرجنسی میں طویل عرصے کے لئے ملک سے باہر جاتا تو نکاح کی رسم دانش مندانہ فعل تھا مگر اب ایسا نہیں ہے۔ ارشد یہیں موجود ہے، برسرِ روزگار ہے، آسانی سے نئی زندگی کی ذمے داری اٹھا سکتا ہے۔ پھر کیوں آپ رخصتی کے خلاف ہیں۔ رخصتی کے بغیر اور بغیر کسی معقول جواز کے خوامخواہ نکاح مضحکہ خیز فعل ہے یا آپ کو لوگوں پر اپنی دولت و ثروت، خاندانی نمود و نمائش کا پریشر ڈالنا ہے۔‘‘

اُسامہ نے تہیہ کیا تھا کہ اس معاملے میں نہیں بولوں گا مگر وہ اُسامہ ملک ہی نہیں جو حق و سچ بات کے لئے سولی پر نہ چڑھ جائے۔ اماں کی ہٹ دھرمی اور ضد وہ جانتا تھا۔ اپنی طبیعت پر ابھی وہ جبر نہ کر پایا تو بے اختیار کھڑے ہو کر مضبوط لہجے میں بولا۔

اسد صاحب معاملہ بگڑتے دیکھ کر مدبرانہ لہجے میں بولے۔ ’’میرے خیال میں بھی اماں جان یہ کوئی رسوائی کی یا قابلِ گرفت بات نہیں ہے۔ ہمارا وقت تو گزر گیا۔ اب نئی نسل کا دور ہے۔ یہ نسل بہت باشعور و درست فیصلے کرنے والی ہے۔ یوں فضول وقت برباد کرنے سے بہتر ہے کہ زینت بیٹی کی رخصتی کر دیں جو کام کچھ عرصے بعد کرنا ہے وہ آج ہی سہی۔ وقت کا زیاں بھی نہ ہو گا۔ رشتوں میں بال پڑنے کے بجائے مضبوطی و اخلاص پیدا ہو گا۔‘‘

’’ہمارے لڑکوں کی عقلوں پر ضد، ہٹ دھرمی، خود پسندی، خود سری اور اپنی ہی منوانے کی چربی چڑھ گئی ہے۔ بہت باغی و بے مروت خود پسند نسل ہے آج کل کی۔ ہمیں پہلے ہی یقین تھا کہ ایسا ہو گا۔ جبھی ہم نے ہر رسم و ہر کام مکمل کیا تھا۔ جاؤ کوثر، بیٹی کی وداع کی تیاری کرو اور عظمت تم بہو لے جانے کی تیاری کرو۔‘‘

اماں کے پُرسکون لہجے نے ان سب کے ستے ہوئے چہرے کھلا دیے تھے۔ شمیر نے زوردار ہرّے کا نعرہ مارتے ہوئے ’’اماں جان زندہ باد، اماں جان زندہ باد‘‘ کے نعرے لگاتا ہوا بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا ساتھ دینے کے لئے اور بھی کئی منچلے آ گئے تھے۔

’’ممی! میں جا کر دلہن کے استقبال کی تیاریاں شروع کرتی ہوں۔‘‘ اچانک ہی فضا بدل گئی۔ مسکراتے کھلکھلاتے چہروں پر مسرت بھی تھی اور تجسس بھی۔

’’جی بیٹا نبیل اور دوسری خواتین کو میں آپ کے ساتھ بھیج دیتی ہوں۔‘‘ عظمت بیگم خوش بھی تھیں اور قدرے بوکھلاہٹ کا شکار بھی۔ عائشہ کو جلدی جلدی ضروری ہدایتیں دے رہی تھیں۔

✦ ✦ ✦

انور زمان بہنوں کے درمیان بیٹھا بہت مطمئن و خوش تھا۔ فاران اپنے دوست سے ملنے گلبرگ گیا ہوا تھا کیونکہ کل صبح کی فلائٹ سے وہ دونوں لاہور واپس جا رہے تھے۔ ان سے ملنے افشاں مع بچوں کے آئی ہوئی تھی اور اس کے شوہر کو رات کو آنا تھا۔ اس وقت وہ تینوں بہنیں انور کو گھیر کر بیٹھ گئیں۔ خورشید بھی ان کے نزدیک بیٹھی تھیں۔ تابش افشاں کے بچوں کے ساتھ نیچے لان میں کھیل رہی تھی۔ شمائلہ نے شربت کے گلاس لا کر ان کو دیے اور اپنا گلاس لے کر تابندہ اور افشاں کے درمیان گھس کر بیٹھ گئی۔

’’آپی اور تابندہ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی جان، اب اس گھر میں بھابی آ جانی چاہئے۔‘‘

’’بھیا آپ بات نالیں نہیں اگر آپ کی مرضی نہیں ہے تو بتا دیں ورنہ لڑکیوں کی کمی ہرگز نہیں ہے۔‘‘ تابندہ شربت کا سِپ لیتے بےقراری سے بولی۔

’’ضروری ہے شادی زندگی کے لئے۔‘‘ اس کی آنکھوں میں کنول کا چہرہ گھوم گیا۔

’’لو یہ کیا سوال ہوا، ضروری کیوں نہیں ہے۔ تم ہمارے اکلوتے بھائی ہو، اماں ابا کے اکلوتے فرزند ہو، خاندان کا نام و نسل اب تم سے ہی آگے بڑھے گا۔‘‘ افشاں حیرانی سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

’’ابھی تو مجھے بہت آگے جانا ہے۔ میرے خوابوں کی منزل دور ہے مجھ سے۔ پہلے شمائلہ کے لئے اچھے لوگ مل جائیں۔ مجھے شادی کے لئے ابھی کوئی جلدی نہیں ہے۔‘‘ انور سنجیدگی سے کہتا ہوا خالی گلاس رکھ کر وہاں سے چلا گیا۔

’’دیکھا، میں پہلے ہی کہتی تھی بھائی مجھے شادی کے لئے راضی لگتے ہی نہیں۔‘‘ شمائلہ بولی۔

’’نہ معلوم اس لڑکے کے دل میں کیا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا۔‘‘

’’بھائی بہت سمجھ دار ہیں، مت ہوا کریں پریشان۔‘‘ افشاں نے ماں کو تسلی دی۔

✦ ✦ ✦

’’یہ ادا یہ ناز یہ انداز آپ کا، دھیرے دھیرے پیار کا بہانہ بن گیا۔‘‘ شمیر زینی کو دیکھ کر شوخی سے گنگنانے لگا۔

’’کیوں تنگ کر رہے ہو بھابی کو اپنی۔‘‘ عظمت بیگم زینی کے قریب بیٹھ کر مسکراتے ہوئے شمیر سے مخاطب ہوئیں۔ زینی بھی اپنائیت سے ان کے بازو سے لگ گئی تھی۔

’’تنگ کہاں کر رہا ہوں بلکہ التجا کر رہا ہوں۔ ہنی مون پر جا رہی ہیں۔ پیرس جیسے باپردہ و مہذب شہر میں۔ میرے لئے دعا ضرور کیجئے گا کہ اللہ میرے بھی ہاتھ پیلے کر دے جلدی سے تاکہ میری بڑھتی ہوئی عمر کے خوف سے راتوں کو جاگنے والے والدین سکون کی نیند سوئیں۔‘‘ شمیر اپنے مخصوص انداز میں بولا تو ان دونوں کے ساتھ ساتھ اندر داخل ہوتی عائشہ بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

’’باپردہ اور مہذب، وہ بھی پیرس۔ لاحول ولا قوۃ۔‘‘ عائشہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔

’’ممی، ڈیڈی نہیں آئے ابھی تک۔‘‘ ارشد اندر داخل ہوتے ہوئے عظمت سے مخاطب ہوا۔

’’نہیں، آج کل لیٹ آ رہے ہیں۔‘‘ وہ ارشد کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں۔

’’چائے یہیں پیو گے یا کمرے میں بھجواؤں۔‘‘ عائشہ اٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

’’آپ آرام کیجئے بھابی، کچن اور دوسرے کاموں کی ذمے داری زینب کی ہے۔‘‘ ارشد مسکرا کر بولا۔

’’ابھی آٹھ دن تو ہوئے ہیں شادی کو، ابھی کوئی ذمے داری نہیں ہے زینب کی۔‘‘ عائشہ مسکرا کر بولیں۔

’’ہاں عائشہ بہو، ٹھیک کہہ رہی ہیں۔‘‘ عظمت بیگم نے بھی مسکرا کر تائید کی۔

’’دیکھ لیجئے بھابی جان، یہاں کس طرح آپ کو چاہا جا رہا ہے، اچانک رخصتی ہونے پر کس طرح رو رہی تھیں آپ کہ میں بوجھ ہوں جو اس طرح فوراً پھینک رہے ہیں مجھے۔ وہاں سے یہاں تک بے ہوشی میں پہنچی تھیں۔ آپ کی حالت دیکھ کر مجھے بھائی کا مستقبل خطرے میں لگ رہا تھا کہ کہیں خدانہ کرے آپ کو ہوش نہ آیا تو بھائی کی تو ساری زندگی جیل میں ہی گزرے گی اور الزام یہ لگتا کہ دولہا کے اچانک رخصتی کے اصرار سے دلہن خوشی سے بے ہوش اور یہ بے ہوشی اتنی طویل ہوئی کہ......‘‘ بھئی اب لوگوں کو یہ تھوڑی بتایا جاتا کہ بے ہوشی کی وجہ خوشی نہیں بلکہ گھبراہٹ اور خوف تھی۔‘‘ شمیر شرمندہ سی مسکراتی زینی کو چھیڑتے ہوئے بولا۔

’’اس وقت تو ہم سب ہی بوکھلا گئے تھے، ارشد کی اچانک ضد سے پھر زینب کا گھبرا کر بے ہوش ہونا کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔‘‘ عظمت ہنستے ہوئے بولیں۔

زینی سے جھکی پلکیں بارِ حیا سے اٹھائی نہ گئیں۔ اچانک رخصتی کا سن کر وہ بری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ بھابی اور ممی سے نہ معلوم روتے ہوئے کئی شکوے بھی کر ڈالے تھے اور جب رخصتی کے لئے شور بلند ہوا تو اماں جان کا ہاتھ سر پر محسوس کر کے وہ روتے ہوئے بے ہوش ہو گئی تھی اور جب رات کے پچھلے پہر ہوش آیا تو خود کو مہکتے ہوئے گلابوں کی لڑیوں کے درمیان لیٹا پایا اور قریب ارشد کو دیکھ کر اس کی بدمزاجی و سرد مہری کا خوف شدت سے غالب ہوا مگر ارشد جس خوبصورت نرم و محبت بھرے انداز میں اس کے ساتھ پیش آیا، ان کی شہد چھلکاتی باتیں، اپنائیت و مروت، شدتِ محبت کا جوش، اس کے ذہن میں لیے جلا دصفت ارشد کا سراپا محو کر چکا تھا جو اس کے پاس تھا۔ وہ ارشد بہت محبت کرنے والا، زیادہ چاہنے والا، خیال رکھنے والا شخص تھا۔ ولیمے کے بعد سے دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ابھی بھی بہت سی دعوتوں کو چھوڑ کر عظمت بیگم کے اصرار پر ارشد نے یورپ کے لئے ٹور پر جانے کی ہامی بھری تھی صرف پندرہ دن کے لئے۔ پندرہ دن بعد اسے بڑے رہائشی پراجیکٹ پر کام شروع کرنا تھا۔

’’اماں جان اور وہاں سب لوگوں سے مل آؤ، کل تو روانہ ہو جانا ہے، کل ایئرپورٹ بھی سب چلیں گے۔‘‘ عظمت بیگم اٹھتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئیں۔

✦ ✦ ✦

اگست کا مہینہ اپنے ساتھ رم جھم پھوار اور برسات لئے آتا ہے۔ جولائی کے آغاز سے ہی موسم بدلنا شروع ہو جاتا ہے۔ کبھی سخت گرمی پڑ جاتی ہے تو کبھی یکدم ٹپاٹپ بوندیں گر کر فضا میں اور زیادہ حبس و گرمی کر دیتی ہیں۔ جولائی کے آخر میں موسم اکثر ابر آلود رہتا ہے۔ مئی جون کی گرمی سے جھلسے ہوئے ذہنوں اور اجسام کے لئے یہ موسم حیات بخش و خوشگوار ہوتا ہے۔

اگست کی تین تاریخ تھی۔ رات سے آسمان پر چھایا ہوا ابر گہرا ہو کر ہر سو اندھیرا پھیلا چکا تھا اور آہستہ آہستہ پڑتی پھوار موٹی موٹی بوندوں میں بدل کر موسلا دھار بارش کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ ماما کو دوائیں کھلانے کے بعد لائبہ نے انہیں آرام سے لٹایا اور کمبل گردن تک ڈھک دیا۔ سامنے گلاس وال سے سرسبز و خوشنما لان کا دلکش منظر نگاہوں کو سکون بخش رہا تھا۔ لائبہ نے پردے کھینچ دیے۔ بارش میں نہاتے پھول اور پودے نکھر آئے تھے۔ نکھرے نکھرے سبز پیراہن جاذبِ نگاہ تھے۔ وہ بھی بے خیالی میں کھڑی کچھ دیر باہر دیکھتی رہی پھر آ کر ماما کے بیڈ کے نزدیک رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔

’’کچھ دیر آپ بھی آرام کر لیں۔ میری بیماری نے تو آپ کو پریشان کر دیا ہے۔‘‘ ماما نے کہا۔

’’ایسی بیگانوں جیسی باتیں نہیں کیا کریں ماما۔ آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، میری ساری پریشانی دور ہو جائے گی۔‘‘ وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر رنجیدگی سے بولی۔ ماما کے بولنے سے قبل ہی ملازمہ دروازہ ناک کر کے اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں وزیٹنگ کارڈ تھا جو اس نے آ کر لائبہ کو پکڑا دیا۔ کارڈ پر نگاہ پڑتے ہی لائبہ کا رنگ سفید ہو گیا۔ عجیب بے ساختگی اور گھبراہٹ سے کھڑی ہوئی تھی۔ اس طرح اس کے بوکھلا کر کھڑے ہونے سے کارنر پر رکھا کرسٹل کا گلدان گر کر ٹوٹ گیا۔

’’خیریت تو ہے نا۔ کس کا کارڈ ہے؟‘‘ ماما اس کی کیفیت دیکھ کر گھبرا کر بولیں۔

’’آپ گھبرائیں نہیں۔‘‘ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ ماما کو وہ معمولی سا بھی شاک نہیں دینا چاہتی تھی مگر خود پر بھی وہ فوری طور پر قابو نہ پا سکی تھی۔ اسے اُمید نہ تھی کہ وہ اتنی دیدہ دلیری و جرات مندی سے حقیقتاً یہاں پہنچ جائے گا۔ ’’کسی کا کارڈ نہیں ہے۔‘‘

’’مجھے دکھائیں کارڈ، آپ اس قدر خوف زدہ کیوں ہو گئی ہیں۔‘‘ ماما نیم دراز ہو گئیں۔

''نہ...... نہ...... نہیں...... میں...... میں خوف زدہ تو نہیں ہوں۔ دراصل ہم دونوں اس وقت گھر میں تنہا ہیں' موسم بھی خراب ہے' کسی مرد کی موجودگی ہماری تنہائی میں درست بھی رہے گی یا نہیں' میں یہ سوچ رہی ہوں۔ وزیٹنگ کارڈ اُسامہ ملک کا ہے۔ یہ افتخار انکل کے رشتے دار ہیں اور جامعہ میں' میں نے ان کے ساتھ یونین میں کام بھی کیا ہے۔ اب نہ معلوم کیا کام ہے جو یہ اس طرح آئے ہیں۔'' وہ جھوٹ بولنے میں ماہر نہ تھی مگر حالات کے پیش نظر اس نے لمحوں میں یہ جملے ادا کئے تھے تا کہ ماما مطمئن ہو جائیں۔

''اُسامہ ملک۔'' ماما نے پرسوچ انداز میں چند لمحے اپنے حافظے پر زور دیا۔'' ارے بھئی' بلائیں انہیں' افتخار صاحب بہت تعریف کرتے ہیں ان کی' شاہ رخ کی طرح ہیں وہ ہمارے لئے۔'' ماما ایک دم ہی ایکسائیٹڈ ہو گئیں۔ ملازمہ کو اسے اندر لانے کا حکم دیا۔

''ماما آپ آرام کریں' ٹیبلیٹ کھائی آپ نے۔ میں ان سے مل لوں گی۔'' لائبہ کی حالت اضطرابی تھی۔ اُس نے یہاں آنے کا انتہائی قدم کچھ سوچ کر ہی اُٹھایا ہوگا۔ کہیں ماما کے سامنے تمام حقیقت نہ بتا دے۔ ماما یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکتیں مگر میرا دل کہہ رہا ہے' وہ اچھے ارادے سے نہیں آیا۔ وہ کسی کی پروا کرنے والا شخص نہیں ہے۔ وہ ایسا ہی ہے خودسر' ہٹ دھرم' ضدی' عاقبت نا اندیش ہے' وہ سوچوں کی دلدل میں دھنسی جا رہی تھی۔

''بی بی جی' وہ صاحب کہہ رہے ہیں آپ باہر آ کر بات سن لیں۔ وہ اپنی کار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔'' ملازمہ الٹے قدموں اطلاع دینے آئی تھی۔ بے چین و بے پروا شخص۔ اس نے چور نظروں سے ماما کی جانب دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس کے اس حکم پر وہ دل و جان سے جل گئی تھی مگر ایک طرف اس کی بھی یہی خواہش تھی کہ وہ ماما کے سامنے نہ آئے کیونکہ اس سے کوئی بعید نہ تھا کہ کیا کہہ دے۔

''ماما' میں ابھی سن کر آتی ہوں' ہو سکتا ہے افتخار انکل کا کوئی پیغام لے کر آئے ہوں۔'' وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے تیزی سے ماما کا جواب سنے بغیر کمرے سے باہر آ گئی۔

ملازمہ نے بڑی سی رنگین چھتری تان رکھی تھی جس کی وجہ سے وہ دونوں پانی سے بھیگنے سے محفوظ تھیں۔ اندر بند کمروں میں شدید ترین گرج چمک کی آواز بہت مدھم محسوس ہو رہی تھی۔ لان عبور کر کے روش پر چلتے ہوئے اسے موسم کی خرابی کا احساس ہوا مگر اپنے اندر کی تنہائیوں سے کم ہی لگا' کیبن میں بیٹھے ہوئے چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی آٹو میٹک گیٹ کیبن سے ہی کھول دیا۔ دھواں دار بارش میں عین گیٹ کے سامنے ریڈ کار شان استغنا سے کھڑی تھی۔ چمک دار شیشے سے سرخ چمکتا ہوا ننھا سا شعلہ اس کے مضبوط ہاتھوں کی سفید انگلیوں میں نظر آ رہا تھا۔ اسے باہر آتے دیکھ کر فرنٹ ڈور کا شیشہ اس نے ڈاؤن کر دیا تھا اور دوسری جانب سے سگریٹ بھی باہر پانی میں اچھال دی تھی۔

''کیوں آپ آئے ہیں یہاں۔ آپ اتنے جرات مند ہوں گے' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' وہ ونڈو سے کچھ جھک کر زہر خند لہجے میں اس سے بولی۔ ملازمہ کی وجہ سے لہجہ بہت دھیما تھا۔

''السلام علیکم' جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو سب سے پہلے باہمی سلامتی کے تبادلے ہوتے ہیں' اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود تم ابھی تک میری جرات مندی و دلیری کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکی ہو۔ حیرت ہے۔ اسے تمہاری معصومیت کہوں یا بے وقوفی۔ اس کی مسکراہٹ میں طنز' تضحیک' اشتعال کیا کچھ نہ تھا۔ لائبہ لمحے بھر کو گڑبڑا کر رہ گئی۔

''اپنی اس باڈی گارڈ کو واپس اندر بھیجو' اپنے درمیان کسی تیسرے کا وجود میں قطعی برداشت نہیں کر سکتا۔'' اس کے تیور خطرناک اور لہجہ حد درجہ درشت تھا۔

''آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ میں تنہائی میں اس طرح کیسے بات کر سکتی ہوں۔ آپ کو جو کہنا ہے' آپ جلدی کہیں' ملازمہ ہرگز اندر نہیں جائے گی۔'' وہ بھی ضدی انداز میں بولی۔

''اچھا...... ہوں......'' اس نے طویل ہنکارا ابھرا۔'' میری پسلی اتنی ٹیڑھی نہیں ہے جو تم اتنی آسانی سے مجھ سے فرار حاصل کر لو۔ پچھلے تین ماہ سے تم نے جس ذہنی و دماغی خلفشار میں مجھے الجھا رکھا ہے' اس کا حساب لمحے لمحے کا لوں گا۔ تمہاری یہ باڈی گارڈ میری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی۔'' بلو جینز' بلو ریڈ لائننگ شرٹ میں اپنے وجیہہ سراپے سمیت وہ بڑے جارحانہ انداز میں کار سے نکلا تھا۔

''سکینہ تم اندر جاؤ' میں ابھی آ رہی ہوں۔'' اس کا گیٹ کھول کر باہر نکلنے کا جارحانہ انداز اور بگڑے تیور دیکھ کر اس نے فوراً ہی ملازمہ کو اندر جانے کا حکم دیا۔

''بہتر جی۔'' ملازمہ اس کے اشارے پر چھتری لے کر اندر چلی گئی اور وہ بارش سے بچنے کے لئے تیزی سے گیٹ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اُسامہ بھی ملازمہ کی واپسی پر اندر بیٹھ گیا۔

''میں نے کہا بھی تھا کہ میں آپ سے کوئی رابطہ نہیں رکھوں گی اور نہ ہی......''

اسٹاپ اٹ' تین ماہ کے عرصے میں تمہیں جو حماقتیں کرنی تھیں' وہ کر چکیں۔ میں تمہیں مزید کسی بیوقوفی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ فیصلہ ہے میرا۔'' اس کی بات کاٹ کر بالوں سے پانی جھاڑتا وہ خشک اور سرد لہجے میں بول اٹھا۔

''میں آپ کے کسی فیصلے کی پابند نہیں ہوں مسٹر۔'' وہ بھی تپے ہوئے لہجے میں کہنے لگی۔

''مسٹر نہیں ڈیئر' ہمارے معاشرے میں شوہر کو بہت عزت و پیار سے مخاطب کیا جاتا ہے۔''

''ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کی آمد نے انہیں تجسس میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کی بیماری کے پیش نظر معمولی سی گڑبڑ ان کی صحت کے لئے سخت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ مہربانی ہو گی آپ چلے جائیں۔ میں ان سے کوئی بھی بہانہ کر دوں گی۔'' وہ اس کی بات نظر انداز کر کے بے رخی سے بولی۔

بارش میں تیزی اور گرج چمک بڑھ چکی تھی۔ سامنے بہتے نیلگوں سمندر میں برستی بارش لہراتی بل کھاتی' اٹھلاتی شوخ لہروں کا شباب عروج پر تھا۔ وہ اس سے قدرے رخ موڑ کر بیٹھی ہوئی تھی اور دانستہ رکھائی برت رہی تھی۔

''تم نے میرے پر اطہر شیئر نہیں کئے۔ جواباً مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے مگر اپنی عادت سے بعض اوقات مجبور ہو جاتا ہوں۔ میں کٹھور اور سنگدل نہیں ہوں کہ تمہیں پریشان کر کے خوش ہوں۔''

''جب آپ مجھے پریشان کرنا نہیں چاہتے تو یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''افتخار انکل سے کیا بکواس کی ہے تم نے کہ میرے ساتھ کسی بھی صورت میں رہنا نہیں چاہتیں اور میری کالز کی رنگ سنتے ہی فون آف کر دیتی ہو' تمہاری ان حرکتوں کا کیا مقصد ہے۔''

''میرا کیا مقصد ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔'' لائبہ کا انداز گستاخانہ اور طیش دلانے والا تھا۔

''تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا میں کیونکہ تمہیں حاصل کرنے کے لئے اپنے پیاروں کے ارمانوں کا خون کیا ہے میں نے۔ ابھی تک روح پر آبلہ پائی کے زخم رس رہے ہیں' تم مجھے ایسی ہی عزیز ہو جیسے جسم کو روح' چاند کو چاندنی' سمندر کو لہریں' زندگی کو امنگ' تمہیں کھو کر مجھ میں باقی کیا رہے گا۔'' طرز گفتگو سو فیصد طنزیہ' روحانیت سے دور' سپاٹ و بے لچک تھا۔

''یہ وقت بتائے گا آپ کو کہ......''

''وقت کیوں۔ میں تمہیں ابھی بتا دیتا ہوں کہ میں جو کہتا ہوں وہی کرتا بھی ہوں۔ اس نے اچانک ہی لائبہ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ آئندہ ایسی بات خواب میں بھی مت سوچنا۔ مرنے کے بعد بھی میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔'' اس کی مہکتی سانسیں لائبہ کے زرد ہوتے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ لائبہ کا بازو ابھی بھی اس کے بازو کی مضبوط گرفت میں تھا۔ درمیانی فاصلہ بھی لمحوں میں سمٹ گیا تھا۔

''آپ طاقت کے گھمنڈ میں مجھے کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔'' وہ گلوگیر لہجے میں دوپٹہ درست کرتے ہوئے بولی۔ اُسامہ نے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔

''ہوں۔ حاصل تو میں تمہیں کر چکا ہوں۔'' اس نے ڈیش بورڈ پر رکھا سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا اور لائٹر کا شعلہ دکھا کر سگریٹ سلگا لی۔'' یہ الگ بات ہے کہ اس سے آگے کا سفر تم خود طے کر کے میرے نزدیک آؤ گی۔'' اس نے لمبا کش لے کر دھواں اس کے چہرے پر چھوڑ دیا۔

''یہ...... یہ الرجی ہے مجھے سگریٹ سے۔'' وہ کھانستے ہوئے ناگوار لہجے میں بولی۔

''بہت عرصہ میں تمہاری خواہشات کی تکمیل اپنا فرض سمجھ کر کرتا رہا ہوں مگر اب تمہیں میری پسند و ناپسند کو مدنظر رکھنا ہوگا۔'' وہ سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ لہجہ اس کا نرمی و مروت سے عاری تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہ یوں اطمینان و سکون سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ جیسے خوشگوار موسم میں اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہو۔ خطرناک موسم' برستی دھواں دھار بارش' گرجتے بادل جیسے اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

''آخر آپ کیوں آئے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں؟'' لائبہ ٹائم گزرنے کے احساس سے گھبرا کر بول اٹھی۔

''ملنے آیا ہوں تم سے' نکاح کے بعد پہلی ملاقات ہے یہ ہماری۔ میں پرسوں شام کی فلائٹ سے ہانگ کانگ جا رہا ہوں۔ سوچا' اطلاع دے کر جاؤں۔''

لائبہ کی مسلسل خاموشی سے اس کا لہجہ کچھ نرم ہو گیا تھا۔ آخری کش لے کر سگریٹ باہر اچھال کر وہ اس کی جانب دیکھنے لگا۔ کاسنی سادہ قمیص اور کاسنی و بلیک پرنٹڈ شلوار دوپٹے میں اس کا خوبصورت چہرہ' گلابی عارض پر جھکی خمدار لمبی سیاہ پلکیں ستواں ناک گلابی ہونٹ اس کا فتنہ انگیز ساحرانہ حسن لمحے بھر کو اسے ڈگمگانے لگے تھے مگر اس نے نفس کے سرکش گھوڑے کو اپنی مضبوط قوت برداشت سے لمحے میں زیر کر ڈالا۔

''جائیے آپ۔ میں آپ کے راستے کی دیوار کبھی نہیں بنوں گی۔'' وہ اس کی جذباتی ذہنی کشمکش سے بے خبر پرسکون لہجے میں بولی۔

''کچھ منگوانا ہے' کیا لاؤں تمہارے لئے۔'' بے اختیار ہی اس کے منہ سے یہ جملے ادا ہوئے تھے۔

''میرے لئے۔ کچھ نہیں۔'' ایک انجانے احساس سے لائبہ اس لمحے دوچار ہوئی تھی۔

''کاش تم کہتیں۔ تم جلد لوٹ کر آ جانا' میرا انتظار ہی ہو۔ مگر خواہشات و احساسات تو جذبوں سے جنم لیتے ہیں۔ مجھ سے دوری تمہارے لئے سکون کا باعث ہو گی' بلکہ تم سوچ رہی ہو گی کہ کاش میرا جہاز کریش ہو جائے یا وہاں میرا ایکسیڈنٹ ہو جائے اور تمہارا پیچھا......''

''اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔'' وہ اس کے سنجیدہ انداز پر بری طرح ہول گئی۔'' میں خود غرض و خود پسند نہیں ہوں کہ اپنی ذات کی آزادی کے لئے اس حد تک گر جاؤں۔'' وہ محبت و خلوص کی مٹی سے بنی اپنی طبیعت پر زیادہ جبر نہ کر سکی۔

''ریئلی۔ یقین نہیں آتا مجھے۔'' وہ دلکشی سے مسکرایا۔

''ماما پریشان ہو رہی ہوں گی۔ میں جا رہی ہوں۔'' وہ رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے ہوئے رسان سے بولی۔ وہ اس کا سامنا ماما سے نہیں کروانا چاہتی تھی۔ وہ اپنی پلاننگ میں کامیاب رہی تھی۔ دس منٹ گزر گئے تھے اسے کار میں بیٹھے ہوئے۔

''میں جو اتنے خطرناک موسم میں تمہاری خاطر آیا ہوں' میری پروا نہیں ہے تمہیں۔''

''میں نے آپ کو بلایا نہیں تھا۔'' وہ صاف گوئی سے کہنے لگی۔

''گویا یہ طے ہے لائبہ ملک کہ تم میرے ہر جذبے کی تذلیل کرو گی۔ میری درگزر اور پیش قدمی کے حوصلے پست کرو گی۔ کوئی بات نہیں تم اپنے ہر محاذ پر اُسامہ ملک کو بہادری سے ڈٹا ہوا پاؤ گی۔ یاد رکھنا' میں نے شکست کھانا کبھی نہیں سیکھا اور شکست خوردہ لوگوں کو میں کبھی معاف نہیں کرتا۔ آیا تو میں تمہارے پاس تمہاری ساری بدتمیزیوں کا حساب لینے تھا مگر شاید اندر کہیں ابھی تمہاری تھوڑی سی محبت باقی ہے جو مجھے روکے ہوئے ہے مگر اس کا اسٹاک بہت معمولی سا ہے جو کبھی بھی ختم ہو سکتا ہے' اس کے بعد میرے طرز گفتگو طرز عمل کی ساری ذمے داری تم ہی پر ہو گی۔ ویسے بھی ہانگ کانگ سے آنے کے بعد تم نے میرے پاس رہنا ہے۔ یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔'' اس کے لہجے میں سچائی و صداقت اٹل تھی۔ اس کے فیصلہ کن انداز میں مضبوط و سنجیدہ رویہ لائبہ اس کی دور ہوتی کار کو بے خیالی میں دیکھتی رہ گئی۔

* * *

تابندہ نے فاران کی ہمراہی میں بہت ڈرتے ڈرتے گھر میں قدم رکھا' صالحہ بیگم کی بیزار صورت مشتعل و تلخ مزاج' طعنے اور کوسنوں کا اسٹاک کافی بڑی مقدار میں اس کے لئے موجود ہوگا اور ان سے پوچھے بغیر ان کی اجازت کی پروانہ کرتے ہوئے بلکہ اپنی مرضی و من مانی کرکے فاران اسے لے کر کراچی روانہ ہوگیا تھا اور ایک ہفتہ گزار کر وہاں سے آیا تھا۔ اس کی من مانی' خودسری و بے خوفی نے انہیں کس قدر مشتعل کردیا ہوگا یہ بات سوچ کر تابندہ کا خون اندر ہی اندر خشک ہو رہا تھا مگر اب ان کا رویہ ان کا سلوک ان کی زیادتیاں کس قدر عروج پر پہنچی ہوئی ہوں گی' وہ روح کو زخمی کردینے والے زبانی ہتھیار سنبھالے بیٹھی ہوں گی۔

''کیا بات ہے۔ یہ چہرے پر خزاں کا موسم کیوں چھا گیا ہے۔'' فاران جو اس کی کیفیت بغور نوٹ کر رہا تھا' سوٹ کیس و بیگز ملازم کے حوالے کرنے کے بعد اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی اپنائیت سے بولا۔

''نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ آپ کو یونہی فکر رہتی ہے میری طرف سے۔''

''دکھو جو دل میں رہتے ہیں جانم وہ اپنے ہی وجود کا حصہ بن جاتے ہیں اور اپنے وجود میں ہونے والی حیرانی و پریشانی' مسرتوں اور دکھوں کے سب موسموں سے انسان آگاہ رہتا ہے پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے' تم جو اتنی خوفزدہ ہو پریشانی سے دوچار رہو اور میں یہ کیفیت محسوس کر ہی نہ سکوں۔ امپاسبل۔'' فاران کے چہرے پر سنجیدگی و خلوص رقم تھا۔

''کچھ نہیں بھئی۔ بس یونہی سب گھر والوں کو چھوڑ کر آئی ہوں' کچھ عرصے تو سب کی یاد یونہی بے کل رکھے گی۔'' اس نے اس کا ذہن موڑنے کے لئے وزنی دلیل دی تھی۔

''بات تو تمہاری درست ہے مگر میں تمہیں انفارم کردوں کہ تم ممی کی وجہ سے پریشان ہو۔''

''وہم ہے آپ کا' میں بھلا پھوپو سے کیوں خوفزدہ ہوں گی۔''

''شاباش اچھی اور نیک بہوئیں یونہی ساس کے دل جیتتی ہیں۔'' فاران ہنسا۔

''آپ تو یہیں لاؤنج میں ہی کھڑے ہوگئے' اندر چلیں پھوپو کے کمرے میں۔''

''ہاں چلو بھئی۔ امی حضور جاتے ہی بائیس توپوں کی سلامی دینے کے لئے تیار ہوں گی۔''

''ارے میرے بچے آگئے۔'' اندر سے صالحہ بیگم بڑی بے تابی سے نکل کر ان کی طرف بڑھیں۔ ابھی بخشو نے اطلاع دی کہ فاران اور بہو آگئے۔'' فاران سے ملنے کے بعد انہوں نے بڑی گرمجوشی سے گھبرائی ہوئی تابندہ کو سینے سے لگالیا۔

''امی' ہم آپ کے کمرے کی طرف ہی آرہے تھے۔'' فاران حیرانی سے ان کی جانب دیکھ کر بولا تھا جو بڑی محبت سے تابندہ کو سینے سے لگا رہی تھیں۔ ان کا انداز سو فیصد بامروت ریاکاری سے پاک تھا۔ تابندہ کے ساتھ ان کا رویہ اس کے سامنے بھی ہتک آمیز اور ناپسندیدہ ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ تابندہ کی تابعداری و خدمت گزاری اور ان کا ناقابلِ برداشت رویہ اسے فطری طور پر اماں سے بدظن کرچکے تھے مگر اس وقت ان کا شفقت آمیز محبت کی چاشنی چھلکاتا رویہ دونوں کے لئے باعثِ تحیر و ناقابلِ فہم تھا۔

''میں اپنے بچوں سے ملنے خود ہی آگئی۔ اکیلا گھر کیسے کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ تمہارے ڈیڈی کاروبار میں مصروف' میں بھلا کب تک رشتے داروں کو بلاتی اور جاتی پھر اپنا خون تو اپنا ہی ہوتا ہے گھر میں جو رونق اپنے بچوں سے ہوتی ہے' وہ بھلا دوستوں اور رشتے داروں سے کہاں ہوتی ہے اور تابندہ بیٹی نے میرے نخرے اٹھا اٹھا کر مجھے اتنا عادی بنا دیا ہے کہ یہ تو بات بات پر مجھے یاد آتی تھی۔ اب کہیں نہیں جانے دوں گی میں تمہیں بیٹی۔ کراچی بھابی سے ملانے کے لئے بھی اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ میرے دل کا سکون' میرے گھر کی رونق تم ہی ہو۔'' وہ تابندہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر شہد آگیں لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ تابندہ کسی مجسمے کی مانند بیٹھی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ حقیقت ہے۔ پھوپو جان کا یہ محبت آمیز لچکدار شیریں لہجہ ملائم و خوبصورت پُرشفقت انداز اس کے لئے ہے۔ اتنی مہربان' اتنی قدردان وہ اس کے لئے بھی ہوسکتی ہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو بہت خوبصورت اگر یہ خیال ہے تو بہت ناقابلِ یقین' اگر یہ خواب ہے تو بہت تکلیف دہ اور اذیت ناک۔

''امی خیریت تو رہی ہے نا' ہمارے جانے کے بعد خدانخواستہ آپ کے سر میں چوٹ وغیرہ تو نہیں لگ گئی جو آپ کی برین کنڈیشن میں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہو۔'' فاران صوفے پر بیٹھی صالحہ بیگم کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر شوخی سے بولا۔

''ارے چل' ماں سے بھی مذاق کرنے سے نہیں چوکتا' بے شرم کہیں کا۔ مجھے احساس ہوگیا ہے' میں نے تابندہ کے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں۔ میری عقل پر ہی پتھر پڑگئے تھے۔ مجھے معاف کردینا بیٹی۔ اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' وہ لجاجت بھرے لہجے میں تابندہ سے مخاطب ہوئیں جو ان کے برابر میں ہی گم صم بیٹھی تھی۔

''ایسے نہ کہیں پھوپو جان' میں نے آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانا۔ ابو کے حوالے سے آپ مجھے اتنی ہی عزیز ہیں' جتنے ابو مجھے عزیز ہیں۔ پھوپو اور ماں میں کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ آپ ہی مجھے معاف کردیں۔ نادانی میں مجھ سے ہی کوئی گستاخی سرزد ہوگئی ہو۔''

خوش رنگ جذبوں کی بارش میں اس کی تشنہ ذات یک دم ہی بھیگ اٹھی تھی۔ محبت کی خوشبوؤں سے اس کا انگ انگ مہک اٹھا تھا۔ اس کی خاموش ریاضتوں کو آج سراہا گیا تھا۔ صبر و برداشت کا ثمر آج اس کی جھولی میں گرچکا تھا۔ سچی خوشیاں' بے لوث چاہتیں' بے غرض شفقتیں آج اسے حصار میں لے چکی تھیں۔ ایک بہو جب ہی مکمل ہوتی ہے' جب اسے اس کی ذات کو کھلے دل سے تسلیم کرلیا جائے اور صالحہ بیگم نے اپنی محبتوں کے ہار اس کے گلے میں سچائی اور خلوص سے ڈال کر اسے مکمل کر ڈالا تھا۔ اسے اپنا وجود کہکشاں بن کر بادلوں کے سنگ سنگ اڑتا نظر آرہا تھا۔

* * *

خلافِ معمول آج اسد صاحب گھر میں موجود تھے۔ شب خوابی کے لباس میں ملبوس بہت ایزی ہوکر بیڈ پر دراز تھے۔ فوزیہ بیگم نے بال برش کرتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں نظر آتے ان کے عکس کو دو تین بار اس اضطراری انداز میں دیکھا' جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہوں مگر حسبِ عادت ان کے سامنے ہمیشہ کی طرح ان کی ساری خوداعتمادی ہوا ہوچکی تھی۔ سردمزاج کم گو اسد صاحب پورے دھیان سے ٹیلی ویژن پر آنے والے پروگرام ''بزنس ٹوڈے'' میں گم تھے۔ اسٹاک ایکسچینج اور مختلف کمپنیوں کے گرتے چڑھتے شیئرز پر ان کی نگاہ تھی۔ آدھے گھنٹے سے وہ خواہ مخواہ ہی ان سے بات کے لئے موزوں الفاظ ترتیب دینے میں بالوں میں برش کر رہی تھیں اور نگاہیں بھٹک بھٹک کر ان کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''آج ساری رات آپ گیسو سنوارنے میں ہی گزار دیں گی۔'' ریموٹ سے چینل چینج کرتے ہوئے اسد صاحب ان کی طرف دیکھ کر بولے۔

''نہیں' سنور گئے۔'' انہیں اپنی جانب متوجہ دیکھ کر وہ بیڈ پر ان کے نزدیک آکر بیٹھ گئیں۔

''کسی گہری سوچ میں گم ہیں۔ کیا بات ہے۔''

''اُسامہ کا کیا ہوگا۔ ارشد اور زینی کی شادی کو بھی ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ میرے بیٹے کی طرف سے آپ کی بے پروائی اور اماں جان کی خاموشی کا کیا ہوگا آخر۔ کتنی منتوں مرادوں سے وہ میری سونی گود میں آئے تھے۔''

''جب ہی اتنے نامراد ہیں وہ۔'' اسد صاحب کا لہجہ تپا ہوا تھا۔

''آپ یونہی ان سے بدظن اور نالاں رہیے گا۔ آپ نے کبھی انہیں پیار دیا ہی نہیں۔''

''آج کل کی اولاد کو ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار دینا ان سے دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔''

''غلط سوچ ہے آپ کی! بچے کو لاڈ پیار تو جہد و شفقت خوداعتمادی اور مضبوط بنادیتی ہے۔''

''جی ہاں' بجا ارشاد فرمایا آپ نے۔ آپ کے اور اماں جان اور خصوصاً روحیل کے پیار نے نواب صاحب کو کتنا پُراعتماد و مضبوط بنا دیا ہے کہ شادی جیسا قدم بھی وہ خود ہی اٹھا بیٹھے' گھر والوں سے رائے لینا تو درکنار اطلاع تک دینا گوارا نہ کیا۔'' وہ ٹی وی آف کرکے غصے سے انہیں دیکھ کر کہنے لگے۔

''نہ معلوم کیوں میرا دل نہیں مانتا۔ مجھے لگتا ہے' یہ سب جھوٹ ہے۔ میرے بیٹے کے شب و روز میری نگاہوں میں ہیں۔ سب روٹین نارمل ہے ان کی۔ کہیں کوئی معمولی سا بھی چینج نہیں ہے۔'' فوزیہ بیگم اضطرابی انداز میں ہونٹ دانتوں سے کچلتے ہوئے بولیں۔

''جب اس نالائق نے خود اعتراف کیا ہے پھر آپ کو کیوں یقین نہیں ہے۔''

''ایسا ہے جب بھی' اس مسئلے کا حل تو نکالئے' کب تک ہم خاموش رہ سکتے ہیں۔ اس گھر کی ویرانی اور اداسی کم از کم مجھ سے اب قطعی برداشت نہیں ہوتی۔''

''اس گھر کی ویرانی و اداسی تو مستقل ہی رہے گی۔ اس نافرمان کی پسند کو اماں جان کبھی قبول نہیں کریں گی اور اماں جان کے فیصلے سے انحراف میرے لئے ممکن نہیں ہے۔'' ان کے لہجے میں معمولی سی بھی لچک نہ تھی۔

''اتنے کٹھور اور سنگ دل باپ شاید ہی دنیا میں ہوتے ہوں۔ میرے بیٹے نے پسند سے شادی کی ہے' کوئی گناہ تو نہیں کیا۔ نہ معلوم جوان و بااختیار اولادیں کیسی کیسی گھناؤنی معیوب حرکتیں اور جرائم کرتی ہیں۔ ان کے جرائم پر باپ ایسے پردے ڈالتے ہیں کہ جھوٹ بھی سچ بنا ڈالتے ہیں اور آپ نے اس شرعی فعل کو ان کے لئے ناقابلِ معافی جرم بنا ڈالا ہے' نہ معلوم کیسے باپ ہیں اسد۔ جو جوان و اکلوتے بیٹے کی آپ کو ذرا بھی پروا اور اس سے ذرا محبت نہیں ہے' اب تو بزنس میں بھی وہ آپ کے ساتھ ہیں۔'' فوزیہ بیگم کے آنسو تو اتر سے بہہ رہے تھے۔ اُسامہ کے لئے ان کی خاموشی ٹوٹ جاتی تھی۔

''ہر احمق عورت کو جوان اولاد عزیز اور شوہر دشمن نظر آنے لگتے ہیں' بالکل تمہاری طرح۔'' وہ عام آدمی کی طرح عورت کے آنسوؤں سے پگھل نہیں جاتے تھے بلکہ فوزیہ بیگم کے بیٹے کی حمایت میں بہنے والے آنسو ان کی ہٹ دھرم طبیعت کو مضبوط کردیتے جس سے مزید چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے۔ ابھی بھی وہ سخت مشتعل ہوگئے۔

''تمہارے نزدیک میں اپنے بیٹے کا باپ نہیں' دشمن ہوں۔ جو باپ بیٹوں کے جرائم پر پردہ ڈالتے ہیں' وہ تمہارے نزدیک اولاد کے خیرخواہ اور محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا غصہ بتدریج بڑھ رہا تھا۔ سرخ و سپید چہرے پر مزید سرخیاں پھیل رہی تھیں۔

''نہیں میرا یہ مقصد تو نہیں تھا۔'' وہ قدرے بوکھلا کر بولیں۔

''اسے خودسر ضدی اور ہٹ دھرم بنانے میں تمہارا کردار زیادہ ہے۔ اس کی ہر غلط بات اور غلط روش کو تم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ اس کے لئے غلط ہے' بس جو اس نے کہہ دیا' وہ سچ اور درست مان لیا۔ کبھی غلط بات پر بازپرس نہیں کی۔ اس طرح بچوں کو ان کی مرضی پر نہیں چھوڑا جاتا پھر وقت پڑنے پر اسی طرح حسرتیں ملتی ہیں۔ آرزوؤں کے دیئے یونہی بجھائے جاتے ہیں۔ ارمانوں کے خون ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

''لیکن اس مسئلے کا کوئی حل تو ڈھونڈنا ہی ہوگا اسد۔'' وہ بھرائی آواز میں بولیں۔

''یہ تو مجھے امید ہے فوزیہ بیگم' تمہارا لاڈلا کسی اچھی جگہ نہیں ڈوبا ہے۔''

''نہیں۔ نہیں ایسی بات نہیں۔ وہ لڑکی بہت معصوم اور نیک ہے۔'' فوزیہ بیگم بے تابی سے بولیں۔

''ہوں۔ تو مل چکی ہو اس سے۔'' انہوں نے کڑے تیوروں سے انہیں گھورا۔

''نہیں۔ نہیں یہ ابھی کی بات نہیں' بہت عرصہ پہلے کی بات ہے۔ بس اتفاق سے ہی وہ ایک دن اُسامہ کے دوست کے ساتھ آئی تھی۔ اس کی کزن تھی شاید۔'' انہوں نے فوراً صفائی پیش کی۔

''تم پر اتنا اعتماد ہے مجھے کہ تم جھوٹ نہیں بولتیں مگر خود سوچو جو لوگ صرف لڑکے سے شادی پر تیار ہوجائیں جو اس کے ماں باپ اور دیگر بزرگ و رشتے داروں کی پروا نہ کریں' وہ کس طرح اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ ایسے لوگ لالچی ہوتے ہیں' انہیں اپنی عزت سے نہیں صرف پیسے سے پیار ہوتا ہے اور میں ایسی کسی بیچ خاندان کی لالچی و بے حیا لڑکی کو اپنی بہو تسلیم نہیں کروں گا۔''

''میرے بیٹے کی پسند اور معیار بچپن سے ہی اعلیٰ اور نایاب رہا ہے۔ وہ پستی میں گرنے والے نہیں ہیں۔'' وہ حسب عادت اس کی حمایت میں اٹل لہجے میں بولیں۔

''یہ وقت ہی بتائے گا۔ فی الحال تو ایک ہفتہ انہیں بزنس ٹور پر ہانگ کانگ میں گزار کر یہ محسوس ہوگا کہ گھر اور گھر والوں سے دور رہ کر پیسہ کمانا کتنا دشوار ہے۔ یہاں کے اپنے اکاؤنٹس تو وہ بہت فراخدلی سے شاہ خرچیوں میں خالی کر چکے ہیں۔''

✦ ✦ ✦

رستم زمان زور و شور سے مبارکبادیں وصول کر رہے تھے۔ نئی برسر اقتدار آنے والی حکومت کا ساتھ دینے پر بڑی غور و فکر کے بعد حکومت میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کے نمائندوں کو حکومت نے حسب وعدہ نشستیں دی تھیں۔ ایک مرتبہ پھر ان کے نام کا ڈنکا ملک بھر میں بج اٹھا تھا۔ مخالف پارٹیوں نے خوب خوب واویلا ان کے اس طرز عمل پر مچایا۔ ان کے خلاف بڑھ چڑھ کر بیانات دیئے گئے۔ اشتعال انگیز خطابات سے نوازا گیا۔ پارٹی ورکرز سے جھڑپیں بھی ہوئیں۔ کچھ کارکن ہلاک ہوئے' کچھ زخمی ہوئے اور کچھ مخالف پارٹیوں کی شر انگیزی کے سبب پھر کراپنی ایک پارٹی بنا بیٹھے۔ ایک مرتبہ پھر پارٹی بیرونی سازشوں کا شکار ہو کر ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی مگر رستم زمان نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ سیاسی میدان کے پرانے اور ماہر کھلاڑی تھے۔ اس کھیل میں کب کون سا داؤ پیچ استعمال ہوتا ہے' اس سے وہ بخوبی واقف تھے۔ حکومت میں اپنی شمولیت سے وہ ازحد مسرور تھے۔

''ایسے پر مسرت موقع پر اُسامہ ملک بھی ہمارے ساتھ ہوتے تو خوشی دوبالا ہو جاتی۔'' بیڈ روم میں آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ خوشگوار موڈ میں بولے۔

''ہم سے زیادہ آپ کے لئے ان کی ذات اہم ہے جو آپ ہماری موجودگی میں بھی مسرتوں سے بھرپور انجوائے نہ کر سکے۔'' ساحرہ ان کے نزدیک بیٹھتے ہوئے لاڈ بھرے انداز میں بولیں۔

''ڈارلنگ آپ کا عہدہ ہمارے دل میں سب سے منفرد و بلند ہے' آپ کی جگہ تو کوئی لے ہی نہیں سکتا۔ آپ کیوں اکثر ایسی باتیں کر جاتی ہیں۔'' وہ مسکرا کر سمجھانے لگے۔

''تنہائی میں ہم چاہتے ہیں آپ صرف ہماری باتیں کریں' ہمیں ہی سوچیں' ہمیں ہی دیکھیں مگر آپ کی آنکھوں' ذہن اور گفتگو پر ہمہ وقت کسی ورد کی طرح جاری رہتے ہیں اُسامہ ملک کے قصیدے۔ ریئلی آئی ایم ویری جیلسی فور اُسامہ ملک۔''

''ہا...... ہا...... بہت خوب مگر میں بتا دوں جو اُسامہ ملک سے جلتا ہے' میں ایسے لوگوں کو اپنا بدترین دشمن تصور کرتا ہوں۔ بی کوز اُسامہ ملک از مائی ہارٹ...... ائی آرم۔''

''اوہ...... وہ اتنے رفیق' میں اتنی رقیب۔'' ساحرہ مسکرا اٹھی۔

''ہاں۔ اُسامہ ملک کے معاملے میں آپ رقیب ہی ثابت ہوتی ہیں۔''

''کک...... کیا مطلب ہے آپ کا؟'' ساحرہ بری طرح بوکھلا کر وحشت زدہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی اس کے میک اپ سے چمکتے خوبصورت چہرے پر پسینہ پھوٹ نکلا۔

''سچ کہہ رہا ہوں میں۔ آپ ہمیشہ ہی ان سے بدظن و بیزار رہتی ہیں۔ ان کے جیسے پر خلوص' با لحاظ' با مروت اور اسٹرونگ کریکٹر نوجوان بہت کم ہوتے ہیں۔ میں یونہی ان کو پسند نہیں کرتا۔ اس دور کا پاورفل پرسنالٹی مائنڈ ڈ مین ہے وہ۔'' رستم زمان کے لہجے میں ان کی شفیق و سادہ شخصیت کی سحر انگیزی تھی۔

''تھینک گاڈ۔'' ساحرہ اس طرح بے دم انداز میں صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھی جیسے لمحے بھر میں میلوں کی مسافت طے کر بیٹھی ہو۔

''اس وقت آرام کیجئے۔ رات کو عشائیے میں گورنر ہاؤس چلنا ہے۔''

✦ ✦ ✦

''کیا پریشانی ہے ڈیڈی آپ کو۔ آپ کا تمام اعصابی نظام ڈسٹرب ہے' بلڈ پریشر ہائی لیول پر ہے اور یہ آپ کے لئے بالکل بھی درست نہیں ہے۔'' شمیر بہت سنجیدگی سے ان کا معائنہ کرنے کے بعد میڈیسن انہیں کھلا کر ان کے نزدیک بیٹھا بہت اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر پریشانی تھی۔

روحیل صاحب پچھلے ہفتے سے بیڈ ریسٹ پر تھے۔ ان کے مسلسل ذہنی ٹینشن نے انہیں ہائی بلڈ پریشر کا مریض بنا دیا تھا۔ فیملی ڈاکٹر سے ان کا علاج باقاعدگی سے ہو رہا تھا۔ شمیر بھی ان کی مکمل میڈیکل کیئر کر رہا تھا۔

''مجھے بھلا کیا پریشانی ہو سکتی ہے۔ بزنس میرا اوکے ہے۔ بچے میرے بڑے فرماں بردار ہیں' بیوی بھی بہت تابعدار ہے۔ دونوں بہوئیں بھی خدمت گزار اور باپ کی طرح عزت کرتی ہیں۔ مجھے بھلا کیا پریشانی ہو سکتی ہے۔'' روحیل صاحب مسکراتے ہوئے آہستگی سے بولے مگر ان کے لہجے کی بشاشت نگاہوں میں چھائی ویرانی کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

''کوئی تو ایسا سیکرٹ افیئر ہے ڈیڈی جو آپ کو بہت عرصے سے کسی آکٹوپس کی طرح جکڑے ہوئے ہے۔ کس سوچ' کس خیال' کس عذاب میں آپ گرفتار ہیں ڈیڈی۔ پلیز کوئی ایسی بات ہے تو ضرور بتایئے ڈیڈی۔ میرا وعدہ ہے' میں مکمل رازداری سے آپ سے تعاون کروں گا' آپ مجھے صرف اس وقت اپنا دوست سمجھیں جو بھی کچھ آپ سوچتے ہیں مجھے بتایئے' ہم مل کر کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالیں گے۔'' شمیر بہت عاجزی سے ان سے مخاطب تھا۔ اس کے انداز میں بے چینی و اضطراب تھا۔

''مائی سن! ڈاکٹر بن گئے ہو مگر عادتیں وہی بچپن والی ہیں۔'' روحیل صاحب بے اختیار ہنس دیئے۔

''کیوں پتھر سے سر پھوڑتے ہو بیٹا' آپ کے ڈیڈی ہمیں فکرمند و پریشان دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں ہے۔'' عظمت اسکوائش کا گلاس دونوں کو دینے کے بعد شمیر سے مخاطب ہوئیں' ان کا لہجہ ناراضگی لیے ہوئے اور افسردہ تھا۔

''ایسا نہیں ہے ممی۔ ڈیڈی تو مکمل آئیڈیل فادر ہیں' میں تو اپنے دوستوں میں بہت فخر سے ڈیڈی کا ذکر کرتا ہوں۔'' شمیر کا لہجہ ان کی محبت سے چور تھا۔

''ارشد کی شادی اور ولیمہ میں ان کے مس بی ہیویر نے مجھے کتنا شرمندہ کیا ہے بتا نہیں سکتی۔ کس کس طرح بہانوں سے لوگوں کے تعجب خیز استفسارات کے جواب دیئے ہیں۔ جس طرح انہیں مطمئن کر کے اپنی فیملی کو انگشت نمائی سے بچایا ہے' وہ میں ہی جانتی ہوں۔ ارشد کی شادی میں ہونے والی کوئی بھی تقریب انہوں نے سیلیبریٹ نہیں کی۔ کس کا دکھ کس کی فکر تھی انہیں جس کی وجہ سے انہیں اپنے سگے بیٹے کی اتنی بڑی خوشی خوش نہ کر سکی۔'' ایک ماہ کا غصہ اور ضبط کا پیمانہ عظمت کا اس وقت جواب دے گیا تھا۔ ارشد کی شادی کے دوران روحیل صاحب کا رویہ بہت خشک اور بیزار رہا تھا۔ بہت اُکھڑے اُکھڑے بے پروا اور ناراض رہے تھے اور ان کے اس موڈ کو سب نے محسوس کیا تھا۔ شریک حیات ہونے کی وجہ سے عظمت بیگم بہت سارے سوالوں کی زد میں آئی تھیں مگر انہوں نے بہت ہوشیاری و سمجھداری سے لوگوں کو مطمئن کر دیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار ان کے دل میں روحیل کی طرف سے گرہ سی پڑ گئی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے ممی آپ کو کیسی باتیں کر رہی ہیں۔'' شمیر نے پہلی بار ماں کو غصے میں دیکھا تھا۔

''سچی باتیں کر رہی ہوں میں۔ حد ہوتی ہے ایک برداشت کی بھی۔ گزشتہ بیس سال سے میں ان کی خاموشی و بے پروائی کی سزا بھگت رہی ہوں۔ یہاں موجود ہوتے ہوئے بھی یہاں موجود نہیں ہوتے۔ گھر میں کیا ہو رہا ہے! رشتے داروں کے جھنجٹ کیسے نپٹائے جاتے ہیں۔ خاندان کے بکھیڑے اور تقریبات کس طرح نمٹاتی ہوں انہیں میری کسی پریشانی کی پروا نہیں ہے۔ اپنا ہوتے ہوئے بھی تنہا کر دیا ہے انہوں نے مجھے۔ آخر مجھے معلوم بھی تو ہو کیا خطا ہو گئی مجھ سے۔'' عظمت بیگم شدت سے رو پڑیں۔

''ریلیکس ڈیڈی۔ شمیر ایک دم ہی ان کی بگڑتی حالت دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ فکر نہ کریں' ممی شاید کچھ ناراض ہیں آپ سے۔'' شمیر نے فوراً نیند اور سکون کا انجکشن انہیں لگا دیا۔

''عظمی۔ تم جو بھی شکایت کرو مجھ سے' وہ کم ہے۔ میں بہت برا آدمی ہوں۔'' روحیل صاحب خود پریشانی سے جھکی ہوئی عظمت سے گلوگیر لہجے میں بولے۔

''ایزی مما۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو' ڈیڈی کی کنڈیشن کا نہیں معلوم آپ کو۔'' شمیر روحیل صاحب کو انجکشن کے زیر اثر سونے کے بعد ان سے مخاطب ہوا جو ان کی ناساز حالت دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔

''ڈیڈی پر اعصابی دباؤ اس قدر زیادہ ہے کہ خدانخواستہ ہائی بی پی کے باعث کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ پلیز' زیادہ سے زیادہ انہیں پرسکون رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیسی سوچیں ہیں' کیا پریشانیاں ہیں۔ جس کی ہم سے پردہ داری ہے۔''

''ممی آپ خود پر دباؤ مت ڈالیں۔ آپ فریش رہیں گی تو ڈیڈی کی کیئر بھی کر سکیں گی اور ڈیڈی کو آپ غلط مت سمجھیں' وہ بہت اچھے اور بہت محبت کرنے والے ہیں ہم سب سے۔ ارشد بھائی کی شادی کے دنوں میں ڈیڈی کو بی پی کی شکایت بہت زیادہ رہی تھی' اس وجہ سے وہ الگ الگ اور گم صم رہے تھے۔ بھائی کے مشورے کے مطابق آپ کو ہم نے نہیں بتایا تھا کہ آپ پریشان ہو جائیں گی اور کام کوئی بھی وقت پر نہ ہو پائے گا۔'' شمیر نے پوری تفصیل انہیں بتا دی تاکہ جو بات غلط فہمی کے باعث بدگمان کر گئی ہے اس سے وہ نجات پا لیں۔

✦ ✦ ✦

''شمائلہ چڑیوں کی گنڈیوں میں باجرہ اور پانی یاد سے ڈال دیا ہے نا۔'' خورشید بی پاندان تخت کے نیچے سرکاتے ہوئے بالکونی کی جانب سے آتی شمائلہ سے پوچھنے لگیں۔

''ہاں امی۔ یہ کام تو میں پہلے ہی کر دیتی ہوں۔'' شمائلہ ریلنگ کے سائیڈ میں نائیلون کی ڈوری سے بندھی سرخ مٹی کی کنڈیوں کو دیکھتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

''اللہ کی مخلوق کا جتنا ہو سکے خیال رکھنا چاہئے۔ اللہ خوش ہوتا ہے اور یہ ننھے ننھے بے زبان پرندے بھی بہت ساری دعائیں دیتے ہیں اور دعائیں ہی انسان کو ناگہانی آفات سے بچاتی ہیں۔ کوئی حرج نہیں ہے اگر روزانہ ان کے لئے دس پندرہ روپے کا باجرہ ڈال دیا جائے کہ آخر روزانہ ڈھیروں پیسہ ہم خود پر بھی تو خرچ کرتے ہیں۔''

''امی تم نے پان کھانے کے لئے پاندان منگوایا تھا مگر کیوں رکھ دیا ایسے ہی۔''

''مجھے دھیان آ گیا کہ میں شکرانے کے نفل ہی پڑھ لوں۔ اس رب کا شکر تو ہم کبھی ادا کر ہی نہیں سکتے کہ بہت ادنیٰ سے بندے ہیں مگر حیثیت کے مطابق ضرور ادا کرنا چاہئے۔ جب سے تابندہ نے فون پر صالحہ کا بتایا ہے میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی حالانکہ تابندہ نے صالحہ کی تعریفیں ہی کی تھیں مگر ماں کی ممتا بھری نگاہوں سے بیٹی کی مسرت اور دکھ چھپے نہیں رہ سکتے' اس کے بغیر بتائے میں جان گئی تھی مگر انجان بن گئی کہ ایک مرتبہ بیٹی ماں کے گھر روٹھ کر بیٹھ جائے تو یہ سلسلہ بڑھتا ہی جاتا ہے اس سے پھر حالات سنورنے کے بجائے بگڑتے رہتے ہیں اور لڑکی نہ سسرال میں کوئی عزت پاتی ہے اور میکے میں بھی اپنا مقام کھو بیٹھتی ہے۔ صبر و استقامت حوصلے و برداشت سے یہ پل صراط طے کرنا پڑتا ہے۔ آج میری بیٹی کو اس کی جنت مل گئی تو میں فوراً اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہونا چاہتی ہوں۔'' وہ بہت خوش تھیں۔

''اب مغرب میں ٹائم ہی کتنا رہ گیا ہے۔ مغرب کی نماز کے ساتھ ہی شکرانے کے نفل ادا کر لینا بلکہ میں بھی پڑھوں گی۔ پھوپو جان کے موڈ بدلنے کا سارا کریڈٹ حسنہ باجی کو جاتا ہے' ان کے بھائی انہیں خود جا کر ساتھ گھر لے آئے اور سب نے اصل بات سن کر انہیں معاف بھی کر دیا اور لاکھوں کا جہیز انہیں ملا۔ سسرال والوں کو قیمتی سوٹوں کے علاوہ زیورات بھی ملے تو وہ لالچی لوگ پھولے نہ سمائے اور اپنے ناروا رویے کی معافی بھی مانگی۔ اب تو حسنہ باجی کے آگے پیچھے ان کی ساس' نندیں' دیورانی' جیٹھانی رہتی ہیں اور ان کے شوہر تو ہو گئے ہیں بے دام غلام ان کے۔''

''ارے تم تو ایسے بتا رہی ہو جیسے میں وہاں تھی ہی نہیں۔ سب دیکھا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے' مجھے تو یقین ہی نہیں آیا تھا' یہ دیکھ کر کہ ایسے لالچی' کم ظرف اور بے غیرت لوگ ہوں گے۔ ایک سال کے عرصے میں ہی کیا حشر کر ڈالا پھول سی حسنہ کا۔ پہلی نظر میں تو میں اسے پہچان ہی نہ پائی اور چھوٹی دلہن کس طرح شرمندہ منہ چھپائے چھپائے پھر رہی تھیں۔ مجھے تو بہت دکھ ہو رہا تھا۔ نہ لالچ کرتیں اور نہ یہ دن دیکھنا پڑتا۔ دو کوڑی کی بھی عزت نہیں رہی ان کی کسی کی نگاہ میں مگر تم کیا کہہ رہی ہو' حسنہ کی وجہ سے صالحہ کا مزاج بدلا ہے۔''

''تابی کی وجہ سے ہی حسنہ باجی اپنے میکے والوں سے ملی ہیں اور حسنہ باجی پھوپو کی عادت جانتی ہیں' انہوں نے ایک دن فون کر کے انہیں سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح تابی نے ان کے لئے راہیں صاف کی ہیں جو وہ اپنے لوگوں سے ملی ہیں۔ تابندہ اور فاران بھائی کے جانے سے ایک دن پہلے حسنہ نے پھوپو کو سب بتا دیا اور آج تابندہ نے فون کر کے ہمیں بتا دیا۔ سچ اس کا خوشی سے چہکتا لہجہ سن کر مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا' جیسے وہ ابھی وداع ہو کر سسرال پہنچی ہو۔'' شمائلہ بھی اس کی وجہ سے از حد خوش تھی۔

''ہاں بھئی۔ اللہ انہیں یونہی خوش رکھے ساری عمر۔ چلو اذان میں پانچ منٹ ہیں' اتنے وضو وغیرہ سے فارغ ہو لیں' تابش بھی ٹیوشن سے آتی ہوگی بس۔''

''ابو تو داتا دربار سے چمٹ ہی گئے ہیں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں گئے ہوئے' ابھی تک آنے کا خیال ہی نہیں ہے۔'' شمائلہ تخت سے اٹھتی ہوئی فکرمندی سے بولی۔

''تمہارے ابو بے فکرے اور سیلانی شروع سے ہی ہیں' خود کو ہمیشہ ہی آزاد اور تنہا سمجھا ہے۔ گھر سے باہر ہوں یا گھر میں کوئی ان کے لئے فرق نہیں۔ گھر میں ہوتے ہوئے بھی کون سا وہ گھر میں موجود لگتے ہیں۔'' وہ افسردگی سے بولیں۔

✦ ✦ ✦

''بی بی جی' بادل عجیب سے ہو رہے ہیں۔ لگتا ہے' کوئی بڑا طوفان آئے گا۔'' سکینہ چائے کا مگ اس کو دیتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''یہ بارشوں کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں ایسا ہی موسم رہتا ہے۔'' اس نے بھاپ اڑاتا کپ لبوں سے لگا لیا۔ سامنے بیڈ پر ماما بے سدھ پڑی تھیں۔ وہ بکھرے حلیے میں بیڈ کے قریب رکھی چیئر پر بیٹھی تھی۔

''آپ کو بے آرام ہوتے ہوئے پورے دو دن ہو گئے ہیں بی بی۔ آپ آرام کر لیں' میں ماما بیگم کے پاس بیٹھ جاؤں گی۔'' سکینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہمدردی سے بولی۔ پچھلے دو دن سے ماما کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اس کے اور ڈاکٹر کے اصرار کے باوجود وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہونے کو تیار نہیں ہوئیں تو ڈاکٹر انہیں میڈیسن گھر پر ہی لکھ کر دے گئے تھے۔ جن سے ان کی طبیعت قدرے بہتر ہوئی تھی مگر لائبہ کے اندر ایک الہامی درد انگیز کیفیت جاگ اٹھی تھی۔ ایک نہ سمجھ آنے والا اضطراب اس کے اندر بس گیا تھا۔ اس کا لاشعور پکار رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ کوئی انہونی۔ نہ سمجھ میں آنے والا اسرار اسے ادھ موا کر چکا تھا' دو دن سے وہ انہیں ایک لمحے کے لئے بھی تنہا نہیں چھوڑ رہی تھی۔ ماما کی آنکھوں کی ویرانی' لڑکھڑاتے لہجے کی اجنبیت' بڑھتی ہوئی غفلت اسے بری طرح بوکھلائے ہوئے تھی۔

''ماما ٹھیک ہو جائیں تو مجھے آرام مل جائے گا۔'' وہ خالی کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی اور اٹھ کر کچھ دیر ماما کی صورت دیکھتی رہی۔ آنسوؤں کی دھند میں وہ بیمار زرد چہرہ دھندلانے لگا تو جھک کر ان کی پیشانی پر اپنے ضبط سے کانپتے لب رکھ دیے۔

''ماما آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔ آپ کی خاموشی مجھے پاگل کئے ہوئے ہے۔''

''بی بی جی' افتخار صاحب کا فون آیا ہے۔'' سکینہ نے اندر آ کر آہستگی سے اطلاع دی۔

''اچھا تم یہاں بیٹھو' میں فون سن کر آتی ہوں۔'' افتخار انکل کا نام سن کر اسے ایسا لگا' جیسے میلے میں کھوئے ہوئے بچے کو اچانک ہی باپ نظر آ جائے۔ ماما کے کمرے سے لابی تک کا فاصلہ اس نے بھاگ کر طے کیا تھا۔ فون اسٹینڈ پر لٹکا ہوا ریسیور پھرتی سے اس نے اٹھا لیا۔

''ہیلو انکل' اسلام علیکم آپ تو ایسے گئے ہیں کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہے۔'' اس نے بمشکل اپنی بھرائی آواز پر قابو پایا تھا جو ان کی پرخلوص و شفقت آمیز آواز سن کر بھیگ گئی تھی۔

ایسا اکثر ہوتا ہے نا' جب ہم کسی دکھ اور اذیت کے صحرا میں تنہا بھٹک رہے ہوں تو کسی محبوب' پرخلوص محبت کرنے والے فرد واحد کی آواز صحرا میں نخلستان بن جاتی ہے اور بے چارگی و تنہائی اور بے بسی کے خوف سے اندر جمے آنسو کسی چشمے کی طرح پھوٹ نکلتے ہیں۔ دل کو سکون مل جاتا ہے۔ وحشتوں کو قرار آ جاتا ہے کہ ہم تنہا نہیں ہیں۔

''سوری بیٹا' دراصل آپ کی آنٹی باتھ روم میں سلپ ہو گئیں اور ٹانگ میں فریکچر ہو گیا' ان کے سلسلے میں خاصی پریشانی رہی' اس وجہ سے ٹائم نہیں ملا' اب کچھ بہتر ہیں آپ کی آنٹی۔''

''ویری سیڈ۔ یہاں بارشوں کا موسم ہے' اکثر گرج چمک کے ساتھ بارش ہوتی ہے اور اگر نہ بھی ہو تو مطلع ابر آلود رہتا ہے۔'' اس نے کوشش سے لہجے کو کافی نارمل کر لیا تھا۔

''ماما کیسی ہیں۔''

''ماما' ماما کا نہ پوچھیں انکل۔'' اتنی دیر کا ضبط کچے گھڑے کی طرح لمحے بھر میں ٹوٹ گیا۔ جھل جھل آنسو اس کے چہرے کو بھگو کر شانے پر پھیلے دوپٹے پر گرنے لگے۔ ''دو دن سے ماما کی حالت بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اسپتال میں ایڈمٹ نہیں ہوتیں' رات سے بہکی بہکی باتیں کرتی ہیں پھر بہت دیر تک ایسا لگتا ہے' جیسے سو رہی ہیں اور پریشان کن بات تو یہ ہے کہ مجھے نہیں پہچان رہیں۔'' اس کی سسکیاں جیسے دل چیر کر نکل رہی تھیں۔ انداز اتنا معصومانہ تھا' جیسے عمر بھر کی ریاضت کے بعد ماں نے بچے کو پہچاننے سے انکار کر دیا ہو۔ ''شوفر ایک ماہ سے چھٹی لے کر گاؤں گیا ہے' چوکیدار بھی تین دن سے نہیں آ رہا۔ گھر میں صرف میں اور سکینہ ہیں ماما کے پاس مگر ماما کو ہوش نہیں ہے۔''

''گھبرائیں نہیں بیٹا آپ' انشاءاللہ ٹھیک ہو جائیں گی ماما۔'' ریسیور سے ان کی آواز ابھری۔ بظاہر وہ اسے تسلی دے رہے تھے مگر ان کے بوکھلائے لہجے سے گھبراہٹ اور تشویش نمایاں تھی۔

''آپ کی اور آنٹی' شاہ رخ' اور طوبیٰ کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے ایسا محسوس ہو رہا ہے انکل' میرا کوئی بھی نہیں ہے۔ کوئی بھی نہیں۔ بالکل تنہا ہوں میں۔ ویرانوں میں بھٹکنے والی متوحش بھٹکتی روح کی طرح۔ ماما کی حالت مجھے مار ڈالے گی' مر جاؤں گی میں۔'' وہ ریسیور میں ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ آنسوؤں کی طغیانی کو راستہ مل گیا تھا۔

''رو نہیں بیٹا۔ میں بہت پریشان ہو رہا ہوں۔ کاش' آپ کی آنٹی اسپتال میں نہ ہوتیں۔ شاہ رخ بزنس کے سلسلے میں سڈنی میں ہے' طوبیٰ اپنی پھوپو کے ساتھ بنکاک میں ہے ورنہ میں اگلی فلائٹ سے فوراً آپ کے پاس آتا مگر آپ رو مت پلیز۔'' اس کی ہچکیاں انہیں کسی درد میں مبتلا کر رہی تھیں۔ ''آپ تو بہت بہادر ہیں بیٹا' آپ تنہا نہیں ہیں' میں ابھی کچھ دیر بعد دوبارہ رنگ کرتا ہوں۔ اب اپنے آنسو پونچھو' شاباش گھبرانا نہیں۔'' انہوں نے سمجھاتے ہوئے کافی عجلت میں لائن کاٹی تھی۔ اس کے تو جیسے ان کے محبت آمیز اور ہمدرد لہجے نے سارے برداشت و ہمت کے بند توڑ ڈالے تھے۔ وہ فون اسٹینڈ کے قریب بیٹھ کر گھٹنوں میں منہ چھپا کر شدت سے رو دی۔

''دکھوں میں تو اپنے ہی دلاسا دیتے ہیں۔ ہم سے محبت کرنے والے' ہمیں چاہنے والے لوگوں کی پہچان تو دکھوں میں ساتھ دینے سے ہوتی ہے۔ ہمارے سارے دکھ تمام تکلیفیں وہ اپنی محبتوں سے چن لیتے ہیں' ان کی بے لوث چاہتیں' بے غرض مروتیں ہمیں ہماری اہمیت کا احساس دلاتی ہیں۔ ہماری ذات کو معزز و معتبر بناتی ہیں مگر جو تنہا ہوں جنہیں تقدیر نے تنہائی بخش دی ہو' وہ آنسوؤں کی مہربانی کے باعث رو دھو کر اپنا دکھ ہلکا کر لیتے ہیں۔ وقت انہیں بھی تسلی دے دیتا ہے۔ صبر کسی قریبی عزیز کی طرح اپنی مشفق گرفت میں لے لیتا ہے۔ اس کے اندر کی بے بسی و گھٹن آنکھوں کے ساتھ باہر بہہ گئی تو وہ دوپٹے سے چہرہ رگڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھیں شدت گریہ سے متورم ہو گئی تھیں۔ ہچکیوں سے اس کا بدن لرز جاتا تھا۔

سکینہ اس کی ہدایت کے مطابق ماما کے پاس سے ذرا بھی نہیں ہٹی تھی۔ وہ انکل کے فون کے انتظار میں لابی کی دیوار سے لگی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ سکینہ نے سچ کہا تھا' باہر شدید طوفانی جھکڑ چل رہے تھے۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے مگر باہر لان میں آدھی رات کی خوفناک تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ بجلی قہر بھرے انداز میں چمک کر دل دھڑکا رہی تھی۔ تیز بارش عجیب خوفناک انداز میں برس رہی تھی۔

وہ دہل کر وہاں سے ہٹ گئی' موسموں سے ساری وابستگی دل کی جولانی اور دماغی سکون سے مشروط ہوتی ہے۔ وہ جو معمولی سی تیز بارش اور گرج چمک سے خوفزدہ ہو کر ماما کے پہلو سے چپکی رہتی تھی۔ آج اتنے خوفناک موسم سے وہ اتنی خوفزدہ نہ تھی۔ سہارے جب تک موجود ہوں' بندہ بزدل بنا رہتا ہے۔ آج وہ بہت بہادر ہو گئی تھی یا اس کے اندر باہر سے بھی زیادہ خوفناک طوفان تباہی مچا رہا تھا۔ ٹہلتے ہوئے اس کی نگاہیں کھڑکی کے باہر شیشے پر پناہ کی تلاش میں پریشان بھیگے ہوئے چڑیا کے بچے پر پڑیں جو بری طرح پھڑ پھڑاتا ہوا شیشے پر چونچیں مار رہا تھا۔ لمحے بھر میں اس کے اندر کی ہمدرد و نرم مزاج لائبہ جاگ اٹھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایلومینیم ڈور اوپن کر دیا۔ چڑیا کا بچہ اڑتا ہوا آ کر نرم مخملی صوفے پر بیٹھ گیا اور خوفزدہ آنکھوں سے کچھ فاصلے پر کھڑی لائبہ کو دیکھنے لگا۔ جیسے اسے اپنے اسیر ہو جانے کا خطرہ ہو۔ بھیگے پروں کے سبب وہ اڑنے سے قاصر تھا۔ لائبہ لابی سے نکل گئی اور پانچ منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی کانچ کی پیالی میں پانی اور مٹھی میں مسور کی دال تھی۔ اس نے ٹیبل سے کور ہٹا کر دال ٹیبل پر چھوٹے دائرے میں بکھیر دی اور قریب ہی پانی کی پیالی بھی رکھ دی۔ اسے دیکھتے ہی پہلا احساس اس کی بھوک کا جاگا تھا۔

ایسے موسم میں یہ بے زبان پرندہ کہاں پیٹ کی آگ بجھانے گیا ہوگا۔ آشیانے نہ معلوم کب سے بھوکا ہوگا۔ نہ معلوم کتنی بڑی تعداد میں اس ظالم طوفان نے توڑ ڈالے تھے۔ یہ بھی آشیانے سے اپنوں سے بچھڑ کر تنہا رہ گیا تھا۔ لائبہ کی سوچیں اس کے گرد گھومنے لگیں۔ دانہ پانی دیکھ کر وہ پھرتی سے صوفے سے ٹیبل پر کودا تھا اور بے تابی سے چونچیں مارنے لگا تھا مگر بہت محتاط و ہوشیار انداز میں۔ وہ لائبہ سے غافل ایک لحہ بھی نہیں ہوا تھا اور اس کے اس انداز پر لائبہ کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ گویا قدرت شروع سے ہی اس مخلوق کے دل میں شکاریوں سے ہوشیار رہنے کی حس ڈال دیتی ہے۔ ''ارے تم آرام سے اپنا لنچ کرو' میں تمہیں کیا کہوں گی۔ میں تو خود تمہاری طرح بے بس و تنہا ہوں مگر سنو میری ماما کے لئے دعا ضرور کرنا اللہ انہیں صحت دے۔ اللہ انہیں زندگی دے۔ ورنہ میرا کیا ہوگا۔ پرندے سے مخاطب اس کی آواز پھر بھیگنے لگی۔ ''لائبہ کیا تم واقعی تنہا ہو۔ کیا کوئی اور نہیں ہے تمہارا۔'' اس کے اندر سے سرگوشی ابھری وہ شخص جو تمہیں اپنی ملکیت تسلیم کرتا ہے۔ بہت دھونس سے اپنی برتری اور اپنا حق جتاتا ہے۔ جس کا سچا اور اٹل انداز جتا گیا ہے کہ وہ ہانگ کانگ سے واپسی پر تمہیں اپنے ساتھ رکھے گا اور اس کا اندازہ تمہیں بخوبی ہے کہ وہ جو کہتا ہے' وہی کرتا بھی ہے۔ ''نہیں میں اس فراڈیے کا ساتھ کبھی قبول نہیں کروں گی۔'' اس نے نفرت سے اندر کی سرگوشیوں کو جھٹکا۔

''چڑیا کا بچہ مطمئن ہو گیا تھا' خوب مگن انداز میں پر سوکھ جانے کے باعث وہاں اڑتا پھر رہا تھا۔ پندرہ منٹ گزر چکے تھے' ابھی تک انکل کا فون نہیں آیا تھا۔ اسے یقین تھا انکل کسی کے ذریعے بھی یہاں چوکیدار اور ملازم کا بندوبست کروا دیں گے۔ ان حالات میں اس گھر میں آدمی کی ضرورت بھی تھی۔ انکل نے یہی انتظام کرنے کے لئے دوبارہ فون کرنے کا کہا ہوگا۔

''ٹوں ٹوں۔'' اس نے فوراً ریسیور اٹھا لیا دوسری طرف افتخار انکل ہی تھے۔

''آج وقت ایسا آ گیا ہے بیٹا کہ سالوں پرانے کئے گئے عہد کو مجھے توڑنا پڑا ہے' لائبہ بیٹا سن رہی ہیں نا' آپ میری بات۔''

''جی انکل مگر میں سمجھی نہیں۔ کیسا عہد۔''

''بی بی جی وہ......وہ......وہ ماما بیگم......'' سکینہ بدحواسی سے وہاں تک بھاگی ہوئی آئی تھی۔ اس کی انگلی اسی جانب اٹھی ہوئی تھی۔ لائبہ کے آگے زمین و آسمان گھوم گئے۔ وہ جیسے ہوا میں اڑتی کمرے تک پہنچی۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر لٹک گیا تھا۔ افتخار صاحب کی ہیلو ہیلو کرتی آواز ریسیور میں گونج رہی تھی مگر لابی خالی تھی۔ چڑیا کا بچہ نئے آشیانے کی تلاش میں اڑ چکا تھا۔ باہر طوفان کی رفتار قدرے دھیمی ہو چکی تھی۔

''ماما......ماما آنکھیں کھولیں' میں آ گئی۔ آپ نے مجھے پکارا' میں آ گئی' بولیں نا ماما۔'' وہ دیوانہ وار بے جان پڑی ماما سے لپٹ کر انہیں بے تحاشا چوم رہی تھی' ماما کے زرد چہرے پر مدھم مسکان تھی۔ جیسے وہ ہر دکھ ہر فکر سے آزاد ہو چکی ہوں۔ ''سکینہ تم کہہ رہی تھیں' ماما نے مجھے پکارا ہے' اب بولتی کیوں نہیں ہیں۔ رات سے میں ان کے نزدیک بیٹھی تھی کہ ایسا نہ ہو ماما مجھے پکاریں اور میں نیند میں سن نہ سکوں' اس خیال سے میں بیٹھی بھی نہیں' اب مجھے پکار کر بولتی بھی نہیں ہیں۔'' وہ ان کے بے جان ہاتھ کو آنکھوں سے لگا کر رو رہی تھی۔

''بی بی جی......ایسا نہ کریں' ماما بیگم ہمارے درمیان نہیں ہیں اب۔'' سکینہ روتے ہوئے بولی۔

''کیا کہہ رہی ہو......دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا......ماما سو رہی ہیں۔ جھوٹ بول رہی ہو تم۔'' وہ ان کی سرد پڑتی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخی۔

''بی بی جی آپ تو سمجھ دار ہیں پڑھی لکھی ہیں' سب جانتی ہیں' سب کو ایک دن مرنا ہے آج ماما چلی گئیں' کل ہم بھی چلے جائیں گے۔'' سکینہ اس کی ہذیانی حالت سے گھبرا اٹھی۔

''آ ہ تو وہ منحوس لمحہ آن پہنچا جس کی آہٹیں میں سن رہی تھی۔ نہیں ماما مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔ میرے بغیر ان کا دل نہیں لگتا۔ میری فکر انہیں رات کو سونے نہیں دیتی۔'' وہ ان کے سینے پر سر رکھے بے قراری سے رو رہی تھی۔

''بی بی جی' ماما بیگم سے دور ہٹ جائیں' تکلیف ہو رہی ہو گی انہیں۔'' سکینہ روتے ہوئے اسے ان سے دور کرتے ہوئے بولی۔

''سکینہ' یہ کیا ہو گیا۔ کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے ماما مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔ وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتیں۔'' اس کا حسرت زدہ لہجہ' بے تابانہ متوحش انداز سکینہ کو بری طرح لرزا گیا۔ اسی دم کال بیل کی آواز گونجی تھی۔ سکینہ بہتے آنسوؤں کو سمیٹ کر گیٹ کھولنے چلی گئی اور واپسی میں تین دراز قامت' اسمارٹ وجیہہ نوجوان اس کے ہمراہ تھے۔ تینوں کے چہروں پر تحیر و اشتیاق جیسے ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔ ان کے انداز میں بہت بے تابی تھی۔ سکینہ کے ہمراہ وہ کمرے میں داخل ہوئے تو ماما سے لپٹ کر روتے ہوئے لائبہ کو دیکھ کر لمحے بھر کو رک گئے۔ ان میں سے دو کے چہرے پر بہت وقار و سنجیدگی تھی' جب کہ تیسرا جوان سے عمر میں کم لگ رہا تھا' سکتے کی کیفیت میں چند لمحے لائبہ کو دیکھتا رہا جب ان دونوں کی پیش قدمی کے باعث وہ بھی حواس میں آ کر ماما کی طرف بڑھا مگر اس کی نگاہیں اسی انداز میں لائبہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ لائبہ کو ارد گرد کا ہوش نہیں تھا۔ وہ کبھی بڑے پیار بھرے انداز میں ماما کو سو کر اٹھ جانے کا کہتی تو کبھی ان کی پیشانی اور ہاتھوں پر بوسے دیئے لگتی۔

''یہ مر چکی ہیں۔'' وہ کم عمر نوجوان ماما کے چہرے پر کمبل ڈالتا ہوا افسردہ لہجے میں ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

''اے کیا کر رہے ہو۔ ہٹو' ماما کا چہرہ مت ڈھانکو' ماما کہتی ہیں' ان کا دم گھٹتا ہے منہ پر کمبل ڈالنے سے۔'' لائبہ غصے سے اس نوجوان سے مخاطب ہوئی اور بڑھ کر ان کے چہرے سے کمبل ہٹا دیا۔

''میں پہلے انہیں سکون کا انجکشن لگا دیتا ہوں' شدید ذہنی صدمے نے ان کے دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔'' وہ نوجوان میڈیکل بکس سے انجکشن نکالتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔

''سکینہ چلو جاؤ' ماما کے لئے ناشتہ بناؤ' ماما اٹھنے والی ہیں۔'' لائبہ روتے ہوئے سکینہ سے بہت مطمئن انداز میں بولی۔

''میری بی بی تو پاگل ہیں صاحب لوگ' اب کیا ہو گا۔'' سکینہ نے روتے ہوئے دہائی دی۔

''کچھ نہیں' ٹھیک ہو جائیں گی۔'' نوجوان نے اطمینان سے انجکشن لائبہ کے بازو میں لگا دیا۔ لائبہ لمحوں میں مدہوش ہو کر اس کے بازوؤں میں گر گئی۔

✦ ✦ ✦

ڈوبتی ابھرتی ناؤ کی سی کیفیت اس کے ذہن کی تھی۔ کچھ بے چینی و اضطراب اس کے اندر اٹھتا مگر لمحے بھر کو جیسے کوئی غیر مرئی طاقت سب احساسات چھین کر اسی بے خبری و سکون کی وادی میں غوطہ زن کر دیتی۔ یہ کیفیت اس کی نہ معلوم کتنی دیر تک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلیں تو چند لمحے وہ کسی مجسمے کی طرح بے حس و حرکت پڑی رہی۔ ہواؤں کے ساتھ آتی لوبان اور اگربتی کی خوشبو نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ اس کے ذہن کو شدید جھٹکا لگا۔ دھیمی دھیمی قرآن پاک کی تلاوت کی آوازوں نے اسے حواس میں لوٹا دیا۔

''ماما۔'' اس کے لبوں سے درد میں ڈوبی سسکی ابھری۔ برق رفتاری سے وہ بیڈ سے اٹھ کر ماما کے کمرے میں آ گئی۔ ان کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ سب چیزیں اپنی جگہ پر موجود تھیں۔ صوفہ سیٹ، رائٹنگ ٹیبل اور چیئر' وارڈ روب' قالین' کارنر پر رکھے گلدان سب موجود تھے۔ اگر کوئی اپنے مکین سے خالی تھا تو وہ بیڈ تھا۔ اس پر بچھا پنک بیڈ کور بے شکن تھا۔ جیسے اس پر کبھی کسی کا وجود رہا ہی نہ ہو۔ وہ دروازے سے لگی ایک ٹک بیڈ کو گھور رہی تھی۔ کارنر پر رکھے اگردان میں جلتی اگربتیاں کمرے کی سوگواری و ویرانی میں اور زیادہ اداسی پھیلا رہی تھیں۔ اس کے پیچھے قدموں کی آہٹیں ابھر رہی تھیں مگر وہ بے حس بیڈ کور کو ہی گھورے جا رہی تھی۔

''لائبہ بیٹا۔'' مانوس' پرشفقت آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''لائبہ۔'' ان کا ہاتھ اس کے سر پر آ کر ٹھہر گیا۔ ''مجھ سے بات نہیں کرو گی۔ میں آ گیا ہوں۔''

''انکل۔'' وہ بلکتی ہوئی ان کے سینے سے لگ گئی۔ ''ماما کہاں ہیں۔ میں آپ کا فون سننے گئی تھی' ماما کہاں ہیں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' اس کا انداز' اس کا لہجہ' اس کی بکھری کیفیت' لمحے بھر کو افتخار صاحب کی آنکھیں بھی نم کر گئی۔

''بیٹا! آپ تو بہت بہادر اور حوصلہ مند ہیں' سنبھالیں خود کو۔'' وہ کسی معصوم سہمے خوف زدہ بچے کی طرح لائبہ کو سینے سے لگا کر قریبی صوفے پر بیٹھ گئے۔

''دیکھیں بیٹا' ماما نے کبھی آپ کو رونے نہیں دیا۔ اب آپ اس طرح روئیں گی تو ان کی روح کو کتنی تکلیف ہو گی۔''

''روح کو......'' وہ بری طرح سسک پڑی۔

''ہاں بیٹا! حقیقت کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے' ہر جاندار کو ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور بیٹا' ہم سب کو اس ذائقے کو چکھ کر ابدی نیند سو جانا ہے۔ قیامت تک کے لئے

''اوہ' یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ ماما مجھے چھوڑ گئی ہیں۔ میں یہ سب بھیانک خواب سمجھ رہی تھی۔ اب کیسے زندہ رہ پاؤں گی۔ ماما کہتی تھیں' وہ میری ایک پل کی جدائی برداشت نہیں کر سکتیں' اب مجھے اس طرح خاموشی سے جدا کر کے چلی گئیں۔'' اس کا لہجہ سوز اور درد میں ڈوبا ہوا تھا۔ زخمی دل کا لہو آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ اب اس نے حقیقت کو سمجھا تھا۔ انکل اسے دلاسے دے رہے تھے۔ اسے خاموش کرنا چاہ رہے تھے مگر وہ اس طرح بکھر کر رو رہی تھی جیسے خود کو آنسوؤں میں بہا دے گی۔

''بیٹا! اس طرح مت روؤ۔ آگے جانے والوں کے لئے سب سے بہترین تحفہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا' قرآن شریف کا پڑھ کر بخشنا' کلمہ اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر ثواب پہنچانا ہے۔ یہ آنسو تو ان کے لئے وہاں آزمائش بن جائیں گے' ان سے محبت کا بہترین اظہار اس طرح ادا کر سکتی ہو۔''

''مجھے یقین نہیں آ رہا انکل! میرے اندر یہ کیسی آگ لگی ہے' میں بالکل تنہا ہو گئی۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''آپ تنہا نہیں ہو گڑیا' ہم سب ہیں تمہارے ساتھ۔'' نامانوس گمبھیر آواز اس کے کانوں میں گونجی' مضبوط ہاتھ بڑی اپنائیت سے اس کے سر پر رکھا گیا تھا۔ اس نے چونک کر سرخ بھیگی ہوئی آنکھیں اٹھا کر اپنے قریب کھڑے لائٹ اسکائی کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس دراز' پروقار وجیہہ چہرے والے شخص کو دیکھا۔ اس کے برابر میں وائٹ شلوار سوٹ میں ملبوس دوسرا شخص کھڑا تھا۔ وہ بھی دراز قد اور کافی وجیہہ تھا۔ اس کے سنجیدہ چہرے پر شفیق سی نرمی تھی۔ دونوں کے سروں پر سفید کروشیے کی بنی جالیوں والی ٹوپی تھی۔

''انکل! یہ کون ہیں؟'' وہ آنسو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے تحیر سے بولی۔ اس کے اندر عجیب سی ہلچل مچ گئی تھی۔ یہ چہرے اجنبی تھے مگر ان سے پھوٹتی خوشبو اس کی روح میں بسی خوشبو تھی۔ جانی پہچانی برسوں سے ساتھ رہنے والی۔''

''یہ......'' انکل نے اضطرابی انداز میں ان دونوں کی طرف نگاہ ڈالی پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولے۔ ''یہ آپ کے بھائی ہیں۔ نبیل روحیل اور ارشد روحیل۔'' لمحوں میں برسوں کا فاصلہ طے ہوا تھا۔ اپنائیت' خلوص' کدورت' کبیدگی ایک ساتھ اس کے جذبوں میں ابھری تھی۔ انکل کے انکشاف نے اسے بالکل نئے احساسات و جذبات سے روشناس کرایا تھا۔ اس نے بے یقین نگاہوں سے ان دونوں کے پرشوق چہروں کی طرف دیکھا پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔ اس لمحے کی' اس وقت کی اس نے کتنی دعائیں مانگی تھیں۔ اپنی ادھوری ذات کی تکمیل کا' اپنوں سے ملن کی ان حیات بخش ساعتوں کا تو اسے بچپن سے انتظار رہا تھا۔ بیس سال کا ایک ایک لمحہ اس کے انتظار میں رہا تھا۔ جب وہ اپنوں سے مل کر اپنی ذات کو خود اعتمادی بخشتی' اب اپنے وجود کو حیات بخشنے والے ملے بھی تو کس موڑ پر' جب وہ اپنی زندگی کی سب سے قیمتی اور پیاری ہستی سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئی تھی اور ان سے بچھڑنے کے بعد تو اسے زندگی سے بالکل ہی لگاؤ نہ رہا تھا۔ ماما کی زندگی اس ملن پر بھاری تھی۔

''میں کسی سے بھی ملنا نہیں چاہتی انکل! کوئی نہیں ہے میرا' میرا تعلق تو بچپن سے ماما سے تھا اور آپ سے تھا۔ کسی سے بھی کوئی تعلق میں اب استوار نہیں کروں گی۔''

''بات تو سنو۔'' دونوں نے اسے روکنا چاہا مگر وہ بھاگتی ہوئی اندر کمرے میں آ گئی۔

''ابھی دکھوں کی اتھاہ گہرائی میں ڈوبی ہے' کچھ وقت لگے گا اسے سنبھالنے میں۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ دراصل وہ بچپن سے ہی اسی آپا کے ساتھ رہی ہیں اور اس عظیم عورت نے اتنا پیار و محبت لائبہ کو دیا ہے کہ آج کل کی سگی مائیں بھی اتنی بھرپور توجہ اور مکمل نگہداشت نہیں کر سکتیں۔ لائبہ نے کبھی انہیں ملازم سمجھا ہی نہیں۔ ماں کی طرح ہی چاہا ہے۔ ان کی جدائی ان کے لئے سانحہ عظیم ہے۔'' انکل انہیں پریشان دیکھ کر بولے۔

''یہ سب ڈیڈی کو پہلے بتا دینا چاہئے تھا۔ دوسری شادی کوئی گناہ نہیں ہوتی۔ ایک طویل عرصے سے خود بھی پریشان ہیں اور یہاں لائبہ کی زندگی بھی محرومیوں کا شکار رہی۔'' ارشد صوفے پر بیٹھتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

''پچھلے ہفتے وہ ذہنی ٹینشن کے شدید اثر میں رہے اور اسی دوران نیم بے ہوشی کی حالت میں ثمیر نے جو ان کے قریب رہا تھا' انہیں اکثر لائبہ کا نام لے کر پکارتے سنا اور کچھ باتیں بھی ان کے منہ سے نیم بے ہوشی کی حالت میں نکلیں کہ ثمیر کچھ کچھ ان کے مسلسل ٹینشن اور بیماری کے متعلق جان گیا تھا مگر ڈیڈی کے روبرو وہ ان سے گفتگو نہ کر سکا۔ باتوں باتوں میں اس نے انہیں یہ آفر کی کہ اسے دوست سمجھ کر وہ پریشانی کہہ دیں جس نے انہیں بیمار کر دیا ہے مگر ڈیڈی حد درجہ محتاط تھے۔ انہوں نے ہنس کر ٹال دیا۔ ثمیر نے پھر ہم دونوں سے ذکر کیا اور پہلی مرتبہ ہم بغیر اجازت ڈیڈی کے سیف سے وہ ڈائری نکال لائے۔ ہمارے خیال میں جس میں ان کی ماضی کی یادیں تحریر تھیں۔ مگر وہ ڈائری صرف بزنس پوائنٹس سے بھری تھی۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوا۔ ممی سے ہم نے اس لئے کچھ نہیں پوچھا کہ ممی تو اکثر ان کی آدم بیزاری اور بیماری سے فکر مند رہتی تھیں۔ وہ کس طرح اس واقعے سے آگاہ ہوتیں۔ ابھی ہم اسی الجھن میں تھے کہ ڈیڈی سے کس طرح معلوم کیا جائے تاکہ اپنا راز کہہ کر وہ برسوں کا ٹینشن اندر سے نکال پھینکیں۔ ہم نے ان کا ساتھ دینے کا مکمل فیصلہ کر لیا تھا کہ پرسوں آپ کے فون نے تمام بات کلیئر کر دی۔''

''ماما بیگم کو دو اٹیک تو ہارٹ کے پہلے ہی ہو گئے تھے اور عمر بھی ان کی کافی تھی۔ بڑھاپے پر بیماریوں کا حملہ ہوتا ہے۔ ہارٹ اٹیک نے انہیں بالکل ہی کمزور و لاغر کر دیا تھا۔ وہ بہت عرصے سے اس بات پر اصرار کر رہی تھیں کہ لائبہ کو اس کے اصل وارثوں کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہ اپنی بیماری سے مطمئن نہیں تھیں۔ میں تسلی دیتا رہا کہ انشاء اللہ وہ جلد صحت یاب ہو جائیں گی مگر موت کا ایک دن مقرر ہے بندے کا۔''

''ڈیڈی بھی ان دنوں شاید اسی وجہ سے اتنے بیمار اور گم صم رہے ہیں اور بہت ویک ہو گئے ہیں۔ اسی لئے آپ نے فون پر ڈیڈی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے آپ سے کہا کہ فون ڈیڈی ریسیو نہیں کر سکتے۔ آپ کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح بات بن گئی۔'' نبیل تفصیل بتاتے ہوئے بولا۔

''دراصل میں نے لائبہ کی خیریت معلوم کرنے کے لئے فون کیا تھا مگر یہاں ماما کی حالت خراب تھی اور لائبہ کا یاسیت بھرا' روتا لہجہ مجھے بے چین کر گیا۔ کیونکہ لائبہ جذباتی لڑکی نہیں ہے۔ بہت بردبار و حساس ہے۔ اس کی فون پر آتی آواز سے میں سمجھ گیا کہ گھر میں کوئی مرد یعنی چوکیدار اور ڈرائیور نہیں ہے اور موسم بھی خطرناک ہے۔ وہ تنہا ملازمہ کے سہارے کیا کر سکتی ہیں۔ اسی احساس سے میں اتنا بے چین اور مضطرب ہوا کہ میں نے برسوں کا عہد اس وقت توڑنے کا فیصلہ کر لیا اور روحیل کو حقیقت حال بتانے کے لئے کال کی کہ اب انتظار کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ بیس سال سے راز پر پڑا پردہ تار تار ہو گیا ہے۔ میں ملک سے باہر تھا ورنہ فون کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور شاید اللہ تعالیٰ کو بھی لائبہ کو اپنوں سے ملوانا مقصود تھا جو اس ٹوٹی زنجیر کی کڑیاں ملنی شروع ہو گئیں۔

''جی انکل جو ہوا جیسے ہوا' شاید اسی طرح ہونا تھا۔ اس لئے یہ اس طرح ہوا مگر اب ہمیں اس صورتحال سے نمٹنا ہے۔ یہاں تنہا ہم اپنی بہن کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور ڈیڈی کو ہم نے اس وجہ سے آگاہ کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ ٹینشن کے باعث ان کی طبیعت زیادہ بگڑ نہ جائے۔ فی الحال سب سے بڑا مسئلہ ہے ممی کو سمجھانے کا۔ اس کے بعد ڈیڈی کی کافی حد تک پریشانی ختم ہو جائے گی پھر شاید وہ یہ خول توڑ دیں۔'' ارشد اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا۔ اس کی فراخ پیشانی پر تردد و تذبذب کی لکیریں تھیں۔

''ہاں' بھائی جان کے لئے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ ہو گی اور یہی وجہ ہے کہ روحیل نے لائبہ کو اپنی شفقت و محبت سے دور رکھا اور خود بھی بیٹی کی جدائی و محبت میں تڑپتا

رہا۔صرف بھابی کی دل آزاری اور دکھ کے خیال سے۔ اللہ کا احسان ہے روحیل کو اللہ نے اولاد بہت نیک اور ہمدرد وسعادت مند دی ہے جو آپ لوگ باپ کی محبت کو سمجھتے ہوئے ان کا احساس کر کے بہت کشادہ دلی اور محبت سے آج یہاں بیٹھے ہیں۔''

''ڈیڈی کی فطری سادگی اور نفیس وپاکیزہ کیریکٹر سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ ہمیں مکمل یقین ہے' جو کچھ بھی ہوا کسی مجبوری کے تحت ہی ہوا ہوگا۔ ورنہ ڈیڈی کی محبت وشفقت میں ہم نے کوئی کمی یا تبدیلی محسوس نہیں کی ماسوائے بہت خاموش اور تنہائی پسند ہونے کے۔''

''بے شک بیٹا! سب نہایت مجبوری میں ہوا۔ مگر کس طرح ہوا' یہ اب روحیل ہی آپ لوگوں کو بتائیں گے۔ جہاں تک میرے ضمیر نے مجھے اختیار دیا' میں نے اپنا فرض نبھایا۔ اس سے زیادہ میں نہیں بتا سکتا۔ میری فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔ میں لائبہ سے مل لوں۔ وہ بچپن سے اپنوں سے دور رہی ہے۔ اس دوری اور اس شدید احساس محرومی نے اسے کچھ نفسیاتی مشکلوں میں مبتلا کر دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں کی بھرپور محبت اور توجہ بہت جلد انہیں پر اعتماد اور نارمل کر دے گی۔'' افتخار صاحب محبت بھرے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

''صاحب! مدرسے سے قرآن پڑھنے آنے والے بچوں کو میں نے کھانا کھلا دیا ہے اور شیرینی دے دی ہے وہ اب کس طرح جائیں گے۔'' سکینہ چائے کے کپ انہیں سرو کرتے ہوئے بولی۔

''چار بجے کا ٹائم دیا تھا' ہم نے معلم صاحب کو وہ انہیں خود گاڑی بھیج کر بلوالیں گے۔''

''سکینہ لائبہ کا ضروری سامان پیک کر دو۔ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ جائیں گی۔''

''اور صاحب جی' ہم کہاں جائیں۔ ہمارا کیا ہوگا۔ سکینہ کو جہاں لائبہ کے اپنوں کی مل جانے کی خوشی ہوئی تھی وہیں اپنی اور شوہر کی نوکری کی بھی فکر تھی۔

''تم لوگ' کہیں نہیں جاؤ گے' اس کوٹھی کی دیکھ بھال کرو گے۔ تمہاری نوکریاں ختم نہیں ہو رہی ہیں۔'' نبیل نے اسے تسلی دی تو وہ مطمئن سی باہر نکل گئی۔

✦ ✦ ✦

اس نے چہرہ گھٹنوں میں چھپایا ہوا تھا۔ ہچکیوں سے اس کا نازک جسم ہل ہل جاتا۔ افتخار صاحب اسے سمجھا رہے تھے۔ وقت کی نزاکت' بگڑے اور خراب ماحول کی اونچ نیچ وہ تنہا کس طرح خود اپنی حفاظت کر سکتی ہے۔ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ چلی جائے۔ وہ دونوں بھی انکل کو سمجھاتے دیکھ کر خاموش بیٹھے تھے۔

''وہ ایک وقت تھا انکل' جب میں اپنوں سے ملنے کے لئے تڑپتی تھی۔ میری خواہشیں اور آرزوئیں بچپن سے میرے ساتھ رہی ہیں مگر قوت برداشت سے زیادہ انتظار اشتعال اور نفرت بن جاتا ہے۔ مجھے اب کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بے فکر ہو کر چلے جائیں۔ میں تنہا تھی' تنہا ہوں اور تنہا آرام سے رہ سکتی ہوں۔'' وہ بھیگے چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے پرعزم لہجے میں بولی۔ ان دونوں کو اس نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

''آپ کی ناراضگی اور غصہ درست ہے لیکن گڑیا جو کچھ ہوا ہماری لاعلمی میں ہوا' اب ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ ہماری ایک پیاری سی بہن ہے' اس سے ہم کسی طرح بھی اب دست بردار نہیں ہوں گے اٹھ جاؤ اب انکل کو دیر ہو رہی ہے۔'' نبیل نرم پرشفقت لہجے میں لائبہ کے قریب بیٹھ کر بولا۔

''نہیں ہیں آپ میرے بھائی۔ کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے میرا۔ میرے سارے رشتے ماما سے وابستہ ہیں۔ میں نہیں مانتی ان رشتوں کو' عادی ہو گئی ہوں میں اپنی ذات کی۔'' وہ پھر اٹھی۔

''لائبہ بیٹا' حقیقت کو اس طرح.....''

''انکل پلیز آپ ان سے کہیں یہ چلے جائیں یہاں سے۔''

''حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو اتنی بڑی کوٹھی میں محض ملازموں کے ہمراہ کس طرح رہو گی۔ یہ علاقہ بھی سمندر کی وجہ سے رات کو بے رونق ہو جاتا ہے۔'' ارشد اس سے مخاطب ہوا۔

''میں ہمیشہ سے ملازموں کے ہمراہ ہی رہتی آئی ہوں' اب بھی رہ لوں گی۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''نہیں بیٹا' یہ آپ کی سوچ ہے اب ایسا قطعی ممکن نہیں ہے۔'' افتخار صاحب ٹائم دیکھتے ہوئے متفکر لہجے میں کہنے لگے۔

''آپ کی فلائٹ مس ہو جائے گی انکل' آپ جائیں۔'' ارشد وال کلاک کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ کی آنٹی کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں قطعی نہ جاتا مگر اس وقت مجبوری ہی کچھ ایسی ہے کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی جانے پر مجبور ہوں۔ آپ کا دکھ میں سمجھ رہا ہوں لائبہ مگر بیٹا محبتیں' چاہتیں' پرخلوص رفاقتیں جب بھی ہمارا در کھٹکھٹائیں ہمیں کشادہ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہنا چاہئے۔ خزاں کے بعد بہار آ کر خزاں کی تمام محرومیوں اور ناآسودگیوں کی تشنگی وتنگ دامنی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اپنوں سے شکووں' شکایتوں کا سلسلہ بھی اپنوں کی محبتوں اور اعتماد ختم کر دے گا۔'' افتخار صاحب آنسو بہاتی لائبہ کا سر تھپتھپا کر بہت ساری نصیحتیں کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔ وہ آنسو برساتی نگاہوں سے کھڑکی سے انکل کو دور ہوتے دیکھ رہی تھی۔ اس غم ناک ماحول میں اسے ان کی شدید ضرورت تھی جن کی پرخلوص وشفقت بھری ذات اپنی بے غرض محبت سے اس کے رستے زخموں پر اپنی شفقت وپیار کے پھاہے رکھتی۔ وہ اپنا المیہ ماما کی جدائی کا دکھ' کچھ تو فراموش کر پاتی مگر آنٹی کے اسپتال میں ایڈمٹ ہونے کے باعث وہ دو دن سے زیادہ نہ رک سکے تھے۔

ڈرائیور کار گیٹ سے نکال کر لے گیا اور وہ ٹوٹی دیوار کی طرح صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے اس وقت اپنی زندگی بے مقصد لگی۔

''بی بی جی! سامان پیک کروا کر میں نے کار میں رکھوا دیا ہے۔'' سکینہ وہاں آ کر بولی۔

''کون سا سامان؟'' اس نے اپنی بھرائی آواز پر بمشکل کنٹرول کیا۔

''تم سارے کمرے وغیرہ لاک کرو اور یہاں کی صفائی وغیرہ روز کیا کرنا۔'' ارشد کمرے میں آ کر ملازمہ سے مخاطب ہوا۔ ساتھ اس کے نبیل بھی تھا۔ وہ انکل کو گیٹ تک چھوڑنے گئے تھے۔

''میں نے کہا نا' میرا کوئی بھائی وائی نہیں ہے اور میں کسی کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ چلے جائیں آپ لوگ یہاں سے' کوئی تعلق نہیں ہے آپ کے ساتھ میرا۔''

''خون کے رشتے' روح کے تعلق' زبان سے کہے گئے جذباتی لفظوں سے نہیں ٹوٹتے سسٹر۔ تمہارا اور ہمارا تعلق بھی اتنا پائیدار اور مضبوط ترین ہے جتنی یہ کائنات ہے۔ ہم اپنی بہن کو اس ویرانے میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔'' نبیل نرمی سے بولا۔

''میں نے کہا نا' مجھے اب کسی بھی سہارے کی ضرورت نہیں ہے' کسی بھی رشتے کی۔ میں اس گھر کو نہیں چھوڑوں گی جہاں میری ماما کی خوشبوئیں بکھری ہوئی ہوں' ان کا چاندنی جیسا وجود مجھے ابھی بھی یہاں محسوس ہوتا ہے۔ یہاں ان کی یادیں ہیں' میں انہیں اپنے قریب محسوس کرتی ہوں' وہ میرے احساسات میں ایسے ہی موجود ہیں۔ آپ لوگ جائیں' خدا کے لئے جائیں۔''

''ہم آپ کو یہاں روز لے آیا کریں گے' جیسے آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔''

''نہیں' نہیں' میں نے کہا نا' میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی' نہیں جاؤں گی۔''

''بھائی آپ جا کر کار اسٹارٹ کریں' میں اسے لے کر آ رہا ہوں۔'' ارشد جو اپنی غصیلی اور اکھڑ طبیعت پر محض لائبہ کی خاطر برداشت کر رہا تھا' اسے اپنے ضدی فیصلے پر ڈٹے دیکھ کر سنجیدگی سے نبیل سے مخاطب ہوا۔

''غصے نہ ہونا ارشد' اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ جس محرومیوں اور تنہائیوں کا شکار رہی ہے' ایسے عظیم دکھ میں اس کے جذبات ایسے ہی ہونا چاہئیں۔'' نبیل ارشد کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''میں سمجھ رہا ہوں بھائی مگر اب یہ تنہا نہیں رہیں گی۔''

''جبھی تو میں پیار سے سمجھا رہا ہوں اور ابھی تو نہ معلوم کتنے نشیب وفراز ہم دیکھیں گے۔ ہمارے خاندان کا یہ پہلا عجیب واقعہ ہے نہ معلوم کیا کیا موضوع بنیں گے اور سب سے زیادہ ممی کو فیس کرنا ہے۔ وہ نہ معلوم کیا ری ایکشن لیں۔''

''ہاں ابھی ڈیڈی کو بھی یہ خبر کرنا ہے کہ ہم ان کے راز سے باخبر ہو گئے ہیں اور شاید لائبہ کو ہمارے ساتھ دیکھ کر وہ نارمل ہو جائیں۔ طبیعت تو ان کی اب قدرے بہتر ہو گئی ہے اور آپ ممی کی فکر نہ کریں' شمیر کو میں اسی لئے گھر چھوڑ کر آیا ہوں تاکہ وہ اس دوران ممی کو سمجھا کر نارمل کرے۔''

''او کے..... میں اتنے ملازمہ سے چابیاں وغیرہ لیتا ہوں' فالتو چابیاں اسے دے دوں گا اور دیکھو پلیز' اسے پیار سے سمجھا کر لے کر آنا۔'' نبیل کن انکھیوں سے صوفے پر انہیں نظر انداز کئے بیٹھی لائبہ کو دیکھ کر آہستگی سے بولا۔

''چلو لائبہ۔'' نبیل کے کمرے سے نکلنے کے بعد وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''میں نے کہا نا' میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ غصے میں کھڑی ہو گئی۔

''اور میں نے کہا نا' میں تمہیں لے کر جاؤں گا' تنہا نہیں چھوڑوں گا' میں تمہارا بھائی ہوں' چلو ضد ختم کرو۔'' اس نے انکار کرتی' روتی' مچلتی لائبہ کو گڑیا کی طرح گود میں اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

✦ ✦ ✦

''شمیر آج اسپتال نہیں گئے بیٹا۔ دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتے ہوئے عظمت بیگم خلاف معمول شمیر کو کچن میں داخل ہوتے دیکھ کر بولیں۔

''نہیں ممی آج موڈ نہیں بنا۔ آپ تنہا ہیں کچن میں' دونوں بھابیاں کہاں غائب ہیں۔''

''عائشہ کو کچھ شاپنگ کرنی تھی' میں نے زینی کو ساتھ بھیج دیا تاکہ اطمینان سے شاپنگ کر لیں۔ دونوں نے سالن کی ڈشیں صبح ناشتے کے بعد تیار کر دی تھیں۔ آٹا بھی گوندھا رکھا ہے۔ میں نے سوچا' تھکی ہوئی آئیں گی۔ میں خود ہی پھلکے ڈال لوں۔ ورنہ آنے کے بعد وہ مجھے کسی کام میں ہاتھ لگانے ہی نہیں دیں گی۔'' وہ پھلکوں کے لئے آٹے کے پیڑے بناتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

وہ ان کے چہرے پر پھیلے اطمینان ومسرت کے رنگ دیکھ کر تذبذب کا شکار ہو گیا۔ وہ جس راز سے انہیں آشنا کرنے جا رہا تھا' جو بات انہیں سنانا چاہ رہا تھا' اسے سن کر ان کے چہرے پر یہ آسودگی واطمینان کے رنگ ایسے ہی رہیں گے۔ کیا وہ یہ بات برداشت کر لیں گی' ان کے علاوہ بھی کوئی ہستی ان کے منصب پر فائز رہی ہے۔ ان کے عزیز از جان مجازی خدا کا نام کسی اور کے نام کے ساتھ بھی لگا رہا ہے۔

''شمیر کیا ہوا بیٹے۔ اتنے خاموش اور فکرمند کیوں ہو۔ کوئی پرابلم ہے۔'' وہ چولہے کی آنچ ہلکی کر کے کشمکش وپیچ میں گرفتار شمیر کی جانب دیکھ کر پریشانی سے بولیں۔

''نہیں..... ممی وہ..... آپ..... سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔'' اس سے لفظ ٹکڑوں میں ادا ہوئے۔

''ارے ایسی کون سی خاص باتیں ہیں جنہوں نے میرے اتنے بولڈ واسمارٹ بیٹے کو بھی بوکھلا کر رکھ دیا ہے' کسی لڑکی کی باتیں ہوں گی۔'' وہ شوخی سے مسکرائیں۔

''بات تو واقعی لڑکی کی ہے۔ مگر اس انداز میں نہیں' آپ پہلے میری بات سن لیں پھر پھلکے پکائیے گا۔'' شمیر نے آخر کار دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''ہاں' اب بتاؤ۔ کیا بات ہے' جس کی وجہ سے آپ اتنے فکرمند اور پریشان ہیں۔'' وہ کچن سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئیں اور صوفے پر بیٹھنے کے بعد سنجیدگی وتعجب سے کہنے لگیں۔

''وہ..... ممی..... دراصل آپ کو ایک بیٹی کی بہت خواہش ہے نا۔''

''یہ کیا بات ہوئی' ہاں بیٹی کی خواہش تھی کبھی مگر بہوؤں کی بے لوث محبت اور خدمت نے اس خواہش کو پورا کر دیا ہے۔ بہوئیں ہی میری بیٹیاں ہیں۔''

''میں مانتا ہوں آپ کی بات۔ مگر بیٹی جیسا تو کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔''

''یہ بات اپنی جگہ درست ہے مگر آپ کس لڑکی کی چاہت کی بات کر رہے ہیں۔''

''ممی اگر آپ کو ایک پیاری سی بیٹی مل جائے تو ......'' شمیر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کس طرح بات کرے۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو شمیر۔ بیٹی مل جائے۔ بیٹیاں کیا بازاروں میں ملتی ہیں۔ یا درختوں پر لٹکتی ہیں۔ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ صاف انداز میں بات کریں۔'' وہ الجھن میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

''صاف بات۔'' شمیر چند ساعت بے چین نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتا رہا اپنی پرشور بے ہنگم دھڑکنوں پر قابو پانے میں ناکام رہا۔ اضطرابی کیفیت میں ہونٹ دانتوں سے کچلے۔'' ممی آپ بہت بہادر اور کشادہ دل ہیں۔ ہم نے کبھی زندگی میں آپ کو غصے میں نہیں دیکھا۔ ہمیشہ نرم دلی' خوش مزاجی و اعلیٰ اخلاق برتتے دیکھا ہے۔ آپ ہماری آئیڈیل ماں ہیں۔ ہم بھائیوں کو یقین ہے آپ جیسی عظیم ماں اپنی وسعت قلبی و اعلیٰ اخلاق و مروت کے ممتا بھرے آنگن کی چھاؤں میں ہماری بہن کو جگہ دیں گی۔'' شمیر ان کے قریب ہو کر شانوں پر ہاتھ رکھ کر پرامید و پر اشتیاق لہجے میں گویا ہوا۔

''کیا۔ کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ کون سی بہن۔'' وہ بے اختیار کھڑی ہو گئیں۔

''ڈیڈی ...... نے ...... دوسری ...... شادی کی تھی۔'' اس نے بلا آخر دھماکا کر ہی دیا تھا۔

''کک ...... ک ...... کی ...... یا۔ ان کا وجود لمحے بھر میں گویا آسمان سے زمین پر گر کر چاروں طرف گویا ذروں کی طرح بکھر گیا تھا۔

''ریلیکس ممی۔ پلیز خود کو سنبھالیں۔'' شمیر گلوکوز ملا پانی کا گلاس ان کے لبوں سے لگا کر بولا۔

''یہ کیا مذاق ہے۔ ان کی کیفیت عجیب تھی۔ دل میں چھپے سالوں پرانے وہم کو آج زندگی مل گئی تھی مگر ان کے اندر کی عظمت آج بھی یونیورسٹی کی طالبہ کی طرح کھلنڈری تھی اور روحیل کے پیار میں ڈوبی عظمیٰ اس بات سے انکاری تھی۔ روحیل اس کا تھا' وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا تھا۔ کالج اور یونیورسٹی کے دور میں ان کی محبت کی دیوانگی نے انہیں لوگوں سے بہت سارے خطابات دلوائے تھے' ان کو دل و جان سے چاہنے والا روحیل کبھی بھی محبت' تقسیم نہیں کر سکتا۔ وہ اس کا ہے اور اس کا ہی رہے گا۔ یہ ایک محبوبہ کا مان اور یقین تھا جو آج بھی ان کے اندر بیٹھا تھا۔ مگر بیوی کے منصب پر بیٹھی عظمت بدلے ہوئے روحیل کے گریز و غیر جذباتی رویے کی بنا پر اس خیال کی تائید کر رہی تھیں۔

''کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں مما' جو جھوٹ دکھائی دیتی ہیں۔'' شمیر آہستگی سے کہہ اٹھا۔

''مگر وہ جھوٹ نہیں ہوتیں لیکن دل چاہتا ہے' وہ جھوٹ ہوں۔''

واہموں کی طرح' عظمت بیگم کی اندر کی وفا شعار و شوہر پرست بیوی کے لئے یہ دھچکا یہ صدمہ' یہ دھماکا ناقابل برداشت تھا' ان جیسی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی شوہر شادی کرے تو وہ بیوی کے لئے سزا بن جاتی ہے' جو نہ جینے دیتی ہے اور نہ مرنے' کہرام تو ان کے اندر بھی مچ گیا تھا مگر ان کے اندر کی عورت جو بیوی کے علاوہ ماں بھی تھی' وہ کس طرح اپنے بچوں کے آگے اپنی بے عزتی برداشت کر سکتی تھیں' دل کی دنیا میں لاکھ تلاطم اٹھیں' طوفان تباہی مچائیں مگر وہ اس وقت بیوی کے نہیں ماں کے منصب پر فائز تھیں' بہت باوقار و باعزت ان کی نرم خوئی اور خوش مزاجی کے بچے گرویدہ تھے۔ وہ کس طرح عام عورت کی طرح واویلا مچا کر خود کو بھی بچوں کی نگاہوں میں رسوا کر لیں اور باپ کو بھی ذلیل و خوار کر دیں۔ حالانکہ روحیل کی دوسری شادی اور لڑکی کا ذکر سن کر ان کے اندر عام عورت کی طرح ہی زبردست نفرت و اشتعال بھر اٹھا تھا' لمحے بھر میں اس دغاباز و فریبی شخص کا گریبان پکڑ کر اپنی خطاؤں کا حساب مانگنے کو دل چاہا تھا مگر ان کا اعلیٰ منصب' وقار' عزت و شرافت' فطرت پر بھاری ہو گئی۔ نفرت و اشتعال کا جذبہ' ممتا کے معراج و تقدس کے سامنے دب گیا۔ انہوں نے اپنے روتے سسکتے تڑپتے ماتم کرتے درماندہ آنسوؤں کو اندر ہی بہنے دیا۔

''ممی! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' ان کی طویل خاموشی سے گھبرا کر شمیر پوچھنے لگا۔

''ہاں۔ تم فکر مت کرو۔'' وہ خود کو اپنے لہجے کو نارمل کرنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔

''مجھے یقین تھا۔ ممی ہماری بہت عظیم اور سمجھ دار ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں گی۔''

''ہاں (مرد کسی بھی رشتے سے تعلق رکھتا ہو۔ ہمیشہ قربانی اور صبر عورت سے ہی مانگتا ہے) آپ کو اس حقیقت کا ادراک کب ہوا۔'' وہ صوفے پر بے جان انداز سے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''فی الحال ڈیڈی بھی اس بات سے واقف نہیں ہیں مگر ممی' ڈیڈی نے مجبوری میں ہی کیا ہو گا جو کچھ بھی کیا۔ اب ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے' اس نارمل انداز میں کرنا ہے کہ ڈیڈی بالکل بھی اس بات کا اثر نہ لیں اور لائبہ بھی ہمیں یا اس گھر کو اجنبی نہ سمجھے۔'' شمیر نے افتخار صاحب کے فون اور بے خیالی میں روحیل صاحب کے منہ سے نکلے لفظوں کو سنتے ہوئے ساری گفتگو دہرا دی۔

''آپ مجھے پرسوں ہی بتا دیتے تو میں خود جا کر اس بچی کو لے آتی۔ اس شدید دکھ کی گھڑی میں کچھ تو دکھ کم ہو جاتا اس بچی کا۔'' عظمت بیگم کو اپنی آواز اجنبی لگی اس وقت۔

''اوسوآف نائیس مما' آپ بہت گریٹ ہیں۔ آپ نے ہمارے سر فخر سے بلند کر دیئے ہیں آپ جیسی ایثار پسند اور بااخلاق ماں سے ہم یہی توقع رکھتے تھے۔'' شدت جذبات سے شمیر نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگائے۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر رہی تھی۔

''روحیل۔'' اسٹڈی باتھ کا پردہ سرکا اور پھر روحیل صاحب کا پژمردہ و اداس سراپا باتھ روم کا در بند کر کے باہر نکلا۔ اس وقت ان کے چہرے پر بہت سارے دکھوں کے رنگ تھے۔ شمیر گنگ رہ گیا۔ عظمت بیگم ایک نگاہ ان کے چہرے پر ڈال کر نگاہیں جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔

''ڈیڈی' آپ باتھ روم میں تھے۔'' شمیر نے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔ میرے بچے اتنے دانش مند اور میری پروا کرنے والے ہوں گے' مجھے امید نہ تھی۔'' وہ گردن جھکائے دونوں سے مخاطب تھے' آنکھیں نم ہو کر سرخ ہو رہی تھیں۔

''آپ کو مجھ پر اعتماد و اعتبار نہ تھا جو آپ اتنے عرصے تک خود بھی اذیت میں مبتلا رہے' مجھے بھی پریشانیوں کی سولی پر لٹکائے رکھا اور ادھر بچی کو بھی محرومیاں دیں۔'' عظمت بیگم ضبط کرنے کے باوجود آنسوؤں پر قابو نہ پا سکیں۔ دل کا غبار کسی ذریعے نکلنا تو تھا۔

''مجھے تو اپنی ذات سے زیادہ تم پر اعتماد و بھروسا تھا مگر شاید تقدیر کو نہیں تھا۔ تمہیں یاد ہو گا' واشنگٹن سے افتخار کی کال آئی تھی۔ اس نے وہاں کی ایک مشہور کنسٹرکشن کمپنی کے چیف منیجر سے ایک ایسی عمارت بنانے کا ٹھیکہ میرے لئے لیا تھا' اس عمارت کو وہاں کا لارڈ بالکل مغلیہ طرز تعمیر سے بنوانا چاہتا تھا جو جدید و قدیم دور کا خوبصورت نمونہ ہو۔ افتخار کا اس وقت بزنس وہیں سیٹ تھا اور لارڈ مائیکل رچرڈ سے اس کے تعلقات بھی بہت اچھے تھے' سو اس طرح افتخار کے وعدے کی لاج رکھنے کی خاطر مجھے دو ماہ کے لئے امریکہ جانا پڑا اور وہاں جاتے ہی میں نے زمین دیکھنے کے بعد کام شروع کر دیا۔ میری رہائش افتخار کی فیملی کے ساتھ ہی تھی۔ کام بہت تیزی سے ہو رہا تھا۔ پندرہ دن کے اندر خاصا کام ہو گیا تھا۔ میری کوشش یہی تھی' جلد از جلد کام ختم ہو اور گھر روانہ ہو جاؤں۔'' روحیل صاحب کی نگاہیں ماضی کے جھروکوں میں جھانک رہی تھیں جہاں بیتے دن زندہ و جاوداں تھے۔

✦ ✦ ✦

''خدا کی پناہ' ارے بھائی تم انسان ہو کہ جن۔ سارے دن وہاں مزدوروں کے ساتھ سر کھپاتے ہو اور رات کو یہ نقشے پھیلا کر بیٹھ جاتے ہو۔ روبوٹ تو نہیں ہو تم۔'' افتخار کاغذوں پر جھکے روحیل سے کاغذ چھینتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں بولا۔

''پلیز افتخار' یہ رول مجھے واپس دو۔ رات کو میں تیاری کر لیتا ہوں تو دن میں کام جلدی ہو جاتا ہے اور تم سچ پوچھو تو اگر مجھے کوئی ایسا علم آتا ہوتا تو جنوں سے راتوں رات ہی عمارت تعمیر کروا تا اور واپس بھاگ جاتا پاکستان۔''

''ہاں' ہاں صاف بولو۔ بھابی کی یاد یہاں بے چین کئے ہوئے ہے۔ حد ہوتی ہے یار۔ ایسی دیوانگی کی بھی۔ سنا تھا' محبوبہ جب بیوی بن جاتی ہے تو محبت کا جوش' عشق کا بھوت' سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتا ہے۔ مگر یہاں تو وہ بھوت اور زیادہ قابض ہو گیا ہے۔ تین بچوں کے باوجود تمہاری محبت تقسیم ہو کر مختصر نہیں ہوئی۔ وہ اٹھ کر رزدیک بیٹھ گیا۔

''ہر محبت کا انداز جدا ہوتا ہے' بچوں کی محبت کبھی بیوی پر اور بیوی کی محبت کبھی گھر والوں کی محبت پر حاوی نہیں ہوتی' سب کا وجود اسی طرح مکمل اور بھرپور ہے۔'' روحیل دیوار پر لگی مونا لیزا کی تصویر کو دیکھتے ہوئے کھوئے لہجے میں بولے

''بھابی! پاکستان سے کال تو نہیں آئی۔ وہ کام سے شام کو گھر آئے تو اپنی دھن میں سیدھے ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔ بھابی سے دھیمے لہجے میں بات کرتی وہ لڑکی بری طرح خوف زدہ ہو کر چونک گئی تھی۔ اپنے لمبے اسکارف کو اس نے فوراً ہی چہرے کے آگے کر لیا اور ہاتھ میں پکڑی کتاب سرعت سے اسکارف کے اندر روپوش ہو گئی تھی۔

''اوہ سوری' مجھے معلوم نہ تھا' یہاں آپ کے مہمان بیٹھے ہیں۔ روحیل خجالت آمیز لہجے میں بولے۔

''کوئی بات نہیں روحیل بھائی۔ آپ بیٹھیں۔'' مسز افتخار کھڑی ہو کر مسکراتے ہوئے بولیں' کیتھرین گھبراؤ نہیں۔ یہ مسلمان ہیں اور میرے بھائی ہیں۔'' وہ اس خوف زدہ لڑکی سے گویا ہوئیں۔

''اوکے بھابی۔ میں کمرے میں ہوں۔ کافی بھجوا دیجئے گا۔'' ان کے روکنے کے باوجود وہ کمرے میں آ گئے۔

''دو دن ہو گئے تھے۔ عظمت سے فون پر بات کئے اور ان کا دل اب یہاں بہل نہیں رہا تھا۔ یہ پہلی جدائی تھی جو شادی کے دس سال بعد ان کے درمیان آئی تھی۔ انہوں نے بہت ٹوٹ کر عظمت سے محبت کی تھی اور شادی کے بعد عظمت کی خوش مزاجی' تابعداری نے ان کی محبت کو اور مضبوط کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان کے بغیر کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے مگر اب مجبوری میں یہاں آنا پڑا تھا۔ پہلا معاملہ تو افتخار کی دوستی کا تھا اور دوم وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے' اس پراجیکٹ کی تکمیل ان کی شہرت و لیاقت میں چار چاند لگا دے گی۔ ابھی وہ اپنے ملک کے مشہور بلڈرز میں شمار ہوتے تھے۔ ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا' عمارت کا آدھا کام ہو چکا تھا اور آدھا کام تکمیل کے مراحل میں تھا۔

اس لڑکی کیتھرین سے دو تین مرتبہ سامنا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں معلوم ہوا' وہ یتیم لڑکی تھی۔ ڈیوڈ پلازا میں تنہا رہتی تھی جو قریب ہی واقع تھا۔ وہ عیسائی تھی۔ ایک مسلمان فیملی کے ساتھ تعلقات اور اپنی دوست مسلمان لڑکی کے ساتھ رہ کر اسے مذہب اسلام سے محبت و انسیت اور عقیدت ہو گئی تھی۔ اس نے چپکے چپکے اسلام سے متعلق بہت سارا لٹریچر پڑھا' سمجھا اور اس کے اندر ہدایت ایمان کی بجھی ہوئی شمع دھیمے دھیمے سلگنے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ اسلام کے پرنور' ایمان افروز' حیات بخش اجالوں کی طرف بڑھنے لگی۔ ایمان کا نور اس کے اندر پھیلنے لگا' عیسائیت کا شرک و کفر کا اندھیرا چھٹنے لگا۔ اس مہربان فیملی کی مدد سے بہت رازداری و خاموشی سے وہاں کی اسلامک اکیڈمی کے نگراں کی موجودگی میں مسجد کے امام سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی۔ اپنے حقیقی رب کے آگے سجدۂ شکر ادا کرتے وقت اس کا دامن آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ جس رب نے اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن کر کے اسے نافرمانی و کفر کے جہنم رسید اندھیروں سے نکالا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کیتھرین کا اسلامی نام فاطمہ رکھا گیا۔ اور ان کی پسند کا نام تھا یہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات طیبہ کا اس نے بغور مطالعہ کیا تھا اور ان پاک دامن و باحیا' باپردہ عورت کے پرنور و پاکیزہ کردار نے اسے اصل عورت کے کردار سے روشناس کروایا تھا۔ اسکرٹ و جینز پہننا اس نے عرصے سے چھوڑ رکھی تھیں اور اب تو وہ مکمل طور پر شلوار قمیص پر فل دوپٹہ اوڑھتی تھی' وہ فیملی جو افتخار کی سسرال تھی۔ وہ وہاں سے ڈنمارک شفٹ ہو گئی تھی اور فاطمہ مسز افتخار کے پاس قرآن کریم کا سبق لینے لگی اور وہ یہ کام بالکل تنہائی میں کرتی تھی۔ اس کے مسلمان ہونے کی خبر اس کے کسی رشتے دار یا پڑوسیوں کو نہیں ہوئی تھی۔ اسے معلوم تھا' اس کے ہم مذہب یہ بات کبھی برداشت نہیں کریں گے کیونکہ بہت سرعت سے یہاں کی کچھ مذہبی جنونی تنظیمیں اپنے پروپیگنڈے سے لوگوں کو دولت و آسائشوں کی چمک دکھا کر عیسائیت قبول کرنے پر راضی کرتی تھیں۔ یہودی و عیسائی کسی دوسرے مذہب کے اتنے دشمن نہیں ہیں جتنے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

افتخار صاحب اپنی مسز کے ساتھ پارٹی میں گئے ہوئے تھے۔

روحیل بہت مسرور و شگفتہ موڈ میں سوٹ کیس میں سامان اور گفٹس پیک کرنے میں مصروف تھے' ان کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ کل لارڈ رچرڈ نے عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں

پارٹی بھی دی تھی اور انہیں بھی خصوصی ایوارڈ سے نوازا تھا کہ عمارت بالکل ان کی مرضی اور پسند کے مطابق تعمیر ہوئی تھی۔ پارٹی سے واپسی پر انہوں نے پاکستان جانے والی فرسٹ فلائٹ کے ٹکٹ کے لئے کوشش کی' مگر بہت کوشش کے بعد ایک ہفتے کے بعد کا ٹکٹ ملا۔ کچھ دیر جھنجلانے کے بعد' دوبارہ سب کے لئے شاپنگ شروع کر دی اور کچھ نہ کچھ افتخار کی بیوی اور سات سالہ بیٹے شاہ رخ کے لئے بھی گفٹ خرید لیا۔ سامان پیک کرنے کے بعد انہوں نے سوٹ کیس سائیڈ میں رکھ دیا اور وال کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ بارش باہر زور و شور سے ہو رہی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ دسمبر کا لاسٹ ویک چل رہا تھا۔ سردی اپنے عروج پر تھی مگر گیس سینٹری ہاٹ ہیٹرز آن ہونے کے باعث گرم رہتا تھا گھر سے باہر نکلتے ہی باوجود گرم اونی کپڑوں کے دانت بجنے لگتے تھے۔ اس نے کافی بنانے کے ارادے سے کچن کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ ایک دم ہی کسی نے باہر زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ انہوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا' کال بیل کی موجودگی میں ایسی حرکت یہاں کے معاشرے میں غیر مہذب سمجھی جاتی تھی۔ دروازہ پھر پہلے سے بھی بہت زیادہ تیزی سے بجا' انہوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''پلیز' دروازہ لاک کر لیں۔'' بے ترتیب حلیے میں پریشان حال فاطمہ اندر آ کر اس سے خوفزدگی سے تیز لہجے میں بولی۔ وہ جو اس کی حالت سے ہی بوکھلاہٹ کا شکار تھے' اس کے خوف زدہ التجا آمیز لہجے سے ڈسٹرب ہو گئے اور دروازہ لاک کر دیا۔

''یہ آپ کے سر سے خون کیسے نکلا اور یہ نشانات کیسے ہیں۔'' براؤن ملٹی اسکارف اس کے چہرے کو چھپائے ہوئے تھا۔ ہاتھوں کی لرزش سے پیشانی کچھ عریاں ہو گئی' جس سے اس پر زخم سے خون بہتا نظر آ رہا تھا۔ تمام ہاتھوں پر نیل کے نشان تھے' کچھ زخموں پر خون نکل کر جم گیا تھا۔ اس کا لباس ملگجا اور شکن آلود تھا۔ روحیل نے پر تجسس نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

''وہ فارہہ آپی (مسز افتخار) کہاں ہیں؟'' اس نے جواب دینے کے بجائے کپکپاتے لبوں سے سوال کیا۔

''بھابی افتخار کے ساتھ پارٹی میں گئی ہیں آتے ہوں گے وہ لوگ۔ پہلے آپ زخم کی ڈریسنگ کیجئے' خون بہہ رہا ہے۔ آپ بھابی کے کمرے میں چلی جایئے۔'' وہ سمجھ گیا۔ وہ اسے کچھ بتانا نہیں چاہتی۔ اس لئے اس نے بھی اصرار نہیں کیا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے کی جانب چلی گئی۔ وہ اس کے پریشان حلیے سے خاصے ہراساں ہو گئے تھے۔ اس دو ماہ کے عرصے میں متعدد بار فاطمہ سے ان کا سامنا ہوا تھا۔ اول تو وہ خود ہی اردگرد سے بے خبر اپنے ہی خیالوں میں گم رہتے۔ کبھی اتفاقیہ ان کی نظر اس پر پڑ بھی جاتی تو وہ ہمیشہ ہی اسکارف میں چہرے کو چھپائے رکھتی۔ آج اس باپردہ و باحیا لڑکی کا خوف زدہ زخمی وجود انہیں اس کے متعلق سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔ ہاٹ کافی دو مگوں میں بھر کر وہ کمرے میں آ گئے۔ یہ کمرا سینٹر میں ہونے کی وجہ سے مستقل استعمال میں رہتا تھا۔ اس وجہ سے اس میں ٹی وی' وی سی آر وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں آئے تو وہ مسز افتخار کی گرم کشمیری گرین شال میں مکمل پیک ہو کر سامنے صوفے پر دونوں پاؤں بھی شال میں چھپائے بیٹھی تھی۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔

''کافی لیجئے۔'' روحیل نے مگ قریب رکھی ٹیبل پر رکھ دیا۔ فاطمہ کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اسی طرح وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپائے روتی رہی۔ روحیل نے چند ثانیے الجھن آمیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ رو رہی تھی' اسے ہمدردی اور دلاسے کی ضرورت تھی مگر اس کے لئے ایسا کرنا ناممکن تھا۔ وہ جوان و غیر محرم لڑکی جس سے نہ انسیت تھی اور نہ رشتہ داری بند گرم کمرے میں انہیں اس کی موجودگی میں گھبراہٹ ہونے لگی۔ تنہائی میں وہ عظمت کے علاوہ کسی دوسرے کا وجود دیکھنے کے قطعی عادی نہ تھے۔

''میں اپنے کمرے میں ہوں آپ ریسٹ کریں۔'' آخر انہیں یہی راہ فرار سوجھی۔ انہوں نے کمرے سے باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

''سنیئے۔'' اشکوں میں ڈوبی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

''جی۔'' ان کے قدم رک گئے مگر نگاہیں جھکی رہیں۔

''آپ کہیں بیٹھ جائیں' مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' لرزتے لہجے میں بڑا سہا ہوا معصومانہ اصرار تھا۔

''میں برابر ہی اپنے کمرے میں ہوں۔ آپ خوف زدہ نہ ہوں۔'' ان کا لہجہ بچے کو تسلی دینے والا تھا۔

''نہیں۔ نہیں' مجھے ڈر لگ رہا ہے' وہ مائیکل اور اس کا جنونی انتہا پسند گروپ یہاں بھی پہنچ جائے گا۔ وہ مار ڈالیں گے مجھے' شرمناک موت۔'' وہ ہذیانی انداز میں کھڑی ہو گئی۔

''یہاں کوئی نہیں آئے گا' آپ اطمینان رکھیں پلیز۔'' روحیل کپ ٹیبل پر رکھ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

''جب سے میں نے اپنے حقیقی رب کو پہچانا ہے' مجھے موت سے خوف نہیں آتا۔ میں نے ایک حدیث کی کتاب میں پڑھا تھا۔ موت مومن کے لئے راحت اور کافر کے لئے عذاب ہے۔ مگر جیسی موت مائیکل اور اس کے ساتھی دینا چاہتے ہیں' وہ مجھے قطعی منظور نہیں۔'' وہ سسکیوں کے دوران دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔

''پہلے تھوڑا پانی پیجئے۔'' روحیل نے شیشے کا پانی سے بھرا گلاس آگے بڑھایا۔ اس نے پانی پی کر گلاس سائیڈ میں رکھا اور کافی کا مگ اٹھا لیا۔

''مائیکل کون ہے۔ آپ اس سے اتنی خوف زدہ کیوں ہیں۔'' روحیل سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''میرے اپارٹمنٹ کے سیکنڈ فلور پر وہ رہتا ہے' اس کی کمپنی بہت خراب رہی ہے' تمام معیوب اور غیر اخلاقی حرکتیں اس میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ میرا ایم بی اے کا لاسٹ ایئر چل رہا تھا' جب اس سے اچانک میری مڈبھیڑ اپارٹمنٹ جانے کے لئے لفٹ میں ہوئی۔ اس نے جب سے مجھے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ میں اگر فارہہ آپی کی فیملی کے ساتھ اٹیچڈ نہ ہوتی تو شاید بہک جاتی یا اس کا پرپوزل قبول کر لیتی مگر اس وقت تک میری روح میں ایمان کی کرنیں پھوٹ نکلی تھیں' عظمت و شرافت کے معنی مجھ پر عیاں ہو چکے تھے۔ میں نے اس کا پرپوزل ری جیکٹ کر دیا تھا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے کہہ دیا تھا' وہ کوشش کبھی ترک نہیں کرے گا پھر اس نے مختلف طریقوں سے مجھے ہرٹ کرنا شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ مجھے اپنی ایجوکیشن بھی چھوڑنی پڑی اور میں اپنے اپارٹمنٹ تک ہی محدود ہو گئی۔ فارہہ آپی کی فیملی سے میں نے اس معاملے کا ذکر نہیں کیا کہ ان کے بڑے بھائی بہت جذباتی و غیرت مند ہیں۔ مجھے بہنوں کی طرح ہی سمجھتے ہیں۔ مائیکل کی تمام خباثتوں سے میں واقف تھی اور شاید انہیں معلوم ہو بھی جاتا اگر ان کی فیملی واشنگٹن شفٹ نہ ہو جاتی۔ گزشتہ ایک ماہ سے مائیکل یہاں موجود نہ تھا اور میرے اسلام قبول کرنے کی خبر نہ معلوم اسے کس طرح ہو گئی' جو وہ کل آتے ہی میرے فلیٹ میں نہ معلوم کس طرح لاک کھول کر گھس آیا اور میں اس وقت عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد جانماز تہہ کر کے رکھ رہی تھی۔ اس کی اس طرح بلا اجازت آمد اور غضب ناک دہاڑ نے میرے اوسان خطا کر دیئے۔ وہ جو میرے پاس تصدیق کے لئے آیا تھا' گویا مجھے اس نے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر جانماز تیزی سے کپ بورڈ میں رکھ دی۔''

''مجھے ڈیوڈ نے بتایا کہ کیتھرین اپنے مذہب سے باغی ہو کر بے دین ہو گئی ہے تو مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ ڈیوڈ کو تو میں نے بخشا نہیں ہے۔ میں یہ دیکھنے آیا تھا کہ ملنے والی انفارمیشن درست ہے یا غلط' کیونکہ مجھے آج ہی معلوم ہوا' کہ یہاں مسلم فیملی سے تمہارے تعلقات بہت زیادہ گہرے ہیں مگر ان کی قسمت اچھی تھی کہ پہلے ہی چلے گئے۔'' اس نے میرے بال اس بے رحمی سے ہاتھ سے جکڑے کہ سر سے دوپٹہ کھسک گیا۔

''میں بے دین ہرگز نہیں ہوئی' بلکہ اپنے معبود کو' اپنی روح کو' اپنے دین کو میں نے اب پہچانا ہے' اس سے قبل میں بے دین تھی' گمراہ تھی اور شرک کرنے والوں میں تھی۔''

''اپنے مذہب کے خلاف بولتی ہے۔'' مائیکل نے میرے بال زور سے کھینچے اور تھپڑ مارتا ہوا وحشیانہ انداز میں یہی جملے بولتا رہا۔

''ہاں میں بولوں گی۔ تم تو کیا مجھے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ ہاں' میں نے اسلام قبول کیا ہے' اور تمہارے سامنے بھی اقرار کرتی ہوں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا' حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ سمجھے! وہ معبود برحق یکتا ہے' تنہا ہے' نہ اس کی کوئی ماں ہے' نہ باپ' نہ بیٹی ہے نہ بیٹا' سمجھے تم۔ اس کے ساتھ صرف ایک رشتہ جوڑا ہوا ہے' وہ ہے صرف اس کے بندوں کا' خالق و مخلوق کا رشتہ' اس کے علاوہ جو رشتہ اس سے جوڑا جاتا ہے' وہ شرک کہلاتا ہے' اور اس سے بڑا گناہ اسلام میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔'' میرے اندر جیسے کوئی ایمان کامل بصیرت افروز روح اس وقت حلول کر گئی تھی یا راہ حق کو پا لینے کے سبب صادق دین کی طاقتور شعاعوں نے میرے لہجے' میرے انداز میں اس قدر بے خوفی اور ہمت مجتمع کر دی تھی کہ میں اس ظالم و جابر شخص کے ڈر اور خوف سے نکل آئی تھی۔ اور وہ جو میرے اس نڈر و دلیر روپ کو دیکھ کر سکتے کی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا' میرے خاموش ہوتے ہی لاتوں' مکوں' تھپڑوں کی جیسے اس نے بارش کر دی۔

''اوہ کیا اس ہنگامے کی آواز آس پاس نہیں پہنچی۔'' روحیل ہونٹ بھینچتا ہوا بولا۔

''یہ آزاد معاشرہ ہے' بے حسی و بے مروتی یہاں کے مزاج میں شامل ہے' یہاں لوگ کتوں بلیوں پر وقت' پیسہ اور خلوص نچھاور کر سکتے ہیں مگر انسانوں سے محبت و پیار یہاں کے رواجوں میں شامل نہیں۔ مائیکل جب مار پیٹ کر تھک گیا اور میں اپنے تمام جسم پر زخموں اور نیلوں کے باجود اپنے دین سے ہٹنے کو تیار نہ ہوئی تو وہ مجھے کرسی پر رسیوں سے باندھ کر چلا گیا اور وارننگ دے گیا کہ میں کل تک اپنے سابقہ دین پر آ جاؤں ورنہ۔'' چند لمحے وہ رک کر سانس درست کرنے لگی۔

''ساری رات آپ اسی طرح رسیوں سے بندھی بیٹھی رہیں۔'' روحیل کے لہجے میں حیرانی بھی تھی' افسوس و تکلیف آمیز انداز بھی کہ ایک معصوم سی نازک لڑکی دین کی خاطر تنہا کتنی صعوبتوں سے گزری۔ ان کے دل میں اس کے لئے ایک دم ہی ہمدردی و احترام امڈ پڑا۔

''کل رات کے علاوہ آج سارا دن بھی' میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح رسیاں کھل جائیں مگر میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی' اب گیارہ بجے وہ آیا۔ اس کے ہمراہ اس کے بدفطرت و گھٹیا مزاج دوست بھی تھے۔ اس نے آتے کے ساتھ ہی پوچھا کہ میں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا' ان سب کی نگاہوں سے جھانکتی شیطانیت نے میرے اندر نفرت کا لاوا کھول دیا تھا۔ اس کے بار بار پوچھنے پر بھی میں خاموش رہی تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے اپنے دوستوں کو کہا کہ وہ اندر جائیں۔ وہ مجھے لے کر اندر آ رہا ہے۔ اس کے دوست بے ہودگی سے ہنستے ہوئے اندر کمرے میں چلے گئے۔ مائیکل کچھ دور کھڑا کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اندر کمرے میں فاسٹ میوزک کی تیز آواز نکل کر پورے اپارٹمنٹ میں پھیل گئی ان کے ساتھ ان کی بری طرح ہاؤ ہو اور چیخوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔

''اب بھی اپنا فیصلہ بدل لے کیتھی' ورنہ سوچ لے' اتنے سارے وحشی لڑکوں میں' کیا بنے گا تیرا۔'' مائیکل قریب آ کر خطرناک لہجے میں بولا۔

''میرا نام فاطمہ ہے' مر گئی کیتھی۔''

''دیکھنا ابھی تم اپنا انجام' تمہارا وہ حشر کریں گے کہ تم موت مانگو گی' مگر موت بھی تمہارے قریب آنے سے ڈرے گی' زندگی بھی تمہیں پناہ نہ دے سکے گی۔'' مائیکل وحشیوں کی طرح جیکٹ سے چاقو نکال کر رسیاں کاٹ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سفاکی و درندگی کے رنگ تھے۔ اس بری طرح رسیوں پر چاقو چلانے سے کئی زخم میرے ہاتھوں پیروں اور جسم پر آئے تھے۔ جن سے خون رسنے لگا تھا مگر میں برداشت اور ضبط کا پہاڑ بنی اللہ سے اپنی عزت کی سلامتی اور یہاں سے عافیت کے ساتھ نکل بھاگنے کی دعا مانگ رہی تھی' رسیاں کٹنے کے بعد مائیکل نے مجھے گھسیٹ کر اندر لے جانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ نہ معلوم کیسے اس وقت میرے خوف سے کانپتے بدن میں ان دیکھی قوت پیدا ہو گئی۔ میں نے اچانک ہی رسی اٹھا کر مائیکل کے چہرے پر پوری طاقت سے ماری۔ مائیکل کے لئے یہ بات بالکل غیر متوقع تھی۔ وہ چیختا ہوا دور ہٹا' میں نے دوبارہ مارنے کے بعد تیسری مرتبہ ہاتھ گھمایا ہی تھا کہ اس نے غصے سے دہاڑتے ہوئے مجھے زوردار دھکا دیا اور میں توازن برقرار نہ رکھ سکی' گرتے ہوئے میرا سر ٹیبل کے کارنر سے ٹکرایا' ایک لمحے کو تو مجھے شدید تکلیف میں اندھیرا چھایا ہوا نظر آیا مگر میں فوراً ہی اٹھنا چاہ رہی تھی کہ مائیکل میرے نزدیک آ گیا' میں نے تیزی سے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی۔ وہ سر کے بل گرا اور کارنر پر رکھا پتھر کا لیمپ اس کے سر پر گرا' وہ فوری اٹھ نہ سکا تھا۔ اندر فاسٹ میوزک کے ساتھ ملی ہوئی ان وحشیوں کی آواز کی وجہ سے وہاں ہونے والی کارروائی کی آواز ان تک پہنچی نہیں تھی۔ اللہ کو میری مدد اسی طرح کرنی تھی۔ مائیکل کو گرتے دیکھ کر میں تیزی سے گیٹ کی طرف بھاگی' اور پھر میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ میں سیدھی یہاں چلی آئی کیونکہ مائیکل میرے اس ٹھکانے سے قطعی واقف نہیں ہے مگر میں جانتی ہوں' وہ بہت خبیث روح ہے' بہت اثر و رسوخ رکھتا ہے وہ۔ میں زیادہ دیر تک اس کی نگاہوں سے چھپ کر نہیں رہ سکتی' کیا ہو گا میرا۔'' وہ ایک مرتبہ پھر رونے لگی۔

''روئیں نہیں آپ' اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی اتنی مدد کی ہے تو انشا اللہ اور بھی کریں گے۔''

روحیل اسے تسلی دیتا رہا۔ اس کی جانب سے کچھ متفکر وہ بھی ہو گیا تھا اس کی جدوجہد اور عصمت کی حفاظت کی فکر' اسلام سے محبت اور مضبوط کردار نے اسے اس کے متعلق بہت کچھ سوچنے پر مائل کر دیا تھا۔ وہ نرم و ہمدرد مزاج رکھتا تھا' اعلیٰ و بہترین ماحول کا پروردہ تھا' جہاں دنیا کی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت پر مکمل توجہ دی گئی تھی'

عورت کے رشتے کا پروقار تقدس اور احترام اس کے دل میں تھا۔ اماں جان کی تربیت ان کے خون میں شامل ہو کر رگ رگ میں دوڑ رہی تھی۔ اس اثناء میں افتخار اور ان کی بیگم بھی آچکے تھے۔ صورت حال سے آگاہ ہونے کے بعد وہ دونوں بھی سخت متفکر و پریشان ہوگئے تھے۔ اس وقت تو رات بھی گہری ہوگئی تھی۔ بیگم افتخار نے ڈری سہمی فاطمہ کو اپنے بیڈ روم میں سلا لیا۔ افتخار صاحب شاہ رخ کے روم میں سوگئے تھے۔

''دوسرا دن بھی اسی پریشانی میں گزرا' فاطمہ کو چپ لگ گئی تھی۔ افتخار اور بیگم افتخار سوچ سوچ کر بھی اس کے لئے کوئی حل نہ نکال سکے' یہاں مسلم فیملیز کی تعداد بہت کم تھی' اور ان کی واقفیت تو سب سے تھی مگر اس نوعیت کی نہیں تھی کہ وہ کسی کو فاطمہ کا مسئلہ بتا کر اس کی شادی کر کے اسے تحفظ اور نئی زندگی دے دیں۔ اس کی تنہا اور لاوارث ذات کا واحد سہارا اور حل اب صرف شادی تھا۔ مگر کوئی انہیں اس قابل نہیں نظر آیا اور دوسرا مسئلہ جو اچانک ہی پیدا ہوا۔ وہ واشنگٹن سے آنے والی آج صبح کی کال تھی' بیگم افتخار کی والدہ کی حالت بہت نازک تھی' اور انہیں جلد از جلد وہاں پہنچنے کی تاکید کی گئی تھی۔ بیگم افتخار بری طرح پریشان تھیں' ماں کی حالت کے پیش نظر ان کی آنکھیں اکثر چھلک پڑتیں' فاطمہ بھی کافی عرصہ ان کی محبت کے زیر سایہ رہی تھی۔ وہ بھی دکھی اور نڈھال سی تھی۔ مائیکل کے خوف سے وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی اور مجبوری شاید یہ بھی تھی کہ وہ جاتی کہاں۔ بیگم افتخار کے اصرار کے باوجود وہ ان کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئی' کہ جانتی تھی' وہ ازراہ اخلاق اصرار کر رہی ہیں ورنہ ان کے لئے وہ مسئلہ ہی بنتی وہاں بھی' اور اس کے کہنے کے باوجود اسے وہ تنہا چھوڑ کر جانے پر آمادہ بھی نہ تھیں کہ وہ کتنا عرصہ اس طرح روپوش رہ کر گزار سکتی تھی۔

دو دن اسی الجھن میں گزر گئے۔ فاطمہ سخت نادم و پریشان تھی' وہ کسی ناپسندیدہ بوجھ کی طرح خود کو محسوس کر رہی تھی۔ بیگم اور افتخار صاحب اس کے لئے سخت پریشان تھے کو کہ اس کو دل شکنی کے باعث ظاہر نہیں کرتے تھے مگر وہ جو ان تین دنوں میں بہت حساس و زود رنج ہوگئی تھی' بھیگی آنکھوں' خاموش لبوں سے سب محسوس کر رہی تھی۔ روحیل خاموشی سے اپنی واپسی کی تیاریوں میں مگن تھے۔ افسوس انہیں بھی اس لڑکی پر تھا۔ شام پھر واشنگٹن سے کال آئی' بیگم افتخار کی والدہ جو کینسر کے آخری اسٹیج پر تھیں' کومے میں چلی گئی تھیں' ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ کال سن کر بیگم افتخار سارا دن کمرے میں بند ہو کر روتی رہیں' روحیل اور افتخار نے زبردستی انہیں اب سے کچھ دیر قبل کھانا کھلایا تھا۔ اب وہ نیند کی گولی کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ افتخار صاحب بھی لیٹ چکے تھے۔ روحیل بھی اپنے کمرے میں حسب معمول کھانے کے بعد جا چکا تھا اور وہ بے قرار روح کی مانند کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ وہ شاہ رخ کے کمرے میں سونے لگی تھی۔ اب بھی سامنے سنگل بیڈ پر سات سالہ گول مٹول سرخ و سپید معصوم چہرے والا شاہ رخ بے خبر میٹھی نیند سو رہا تھا۔ بے رحم' مکار' دھوکے باز دنیا کی شاطرانہ چالوں سے بے خبر۔ اس کے حسین ترین چہرے پر آنسو کسی جھرنے کی طرح بہہ رہے تھے' ماتھے پر بندھی ڈریسنگ ملگجی ہوگئی تھی۔ بادامی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں' مسلسل گریہ وزاری سے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں اپنے وجود کے ساتھ اوجھل ہو جائے۔ اس کی ذات اس کے محسنوں کے لئے بھی پریشانی کا باعث بن چکی تھی' یہ مہربان و وضع دار لوگ جو محسوس ہونے نہیں دے رہے ہیں۔ میں کس طرح انہیں اپنے بوجھ سے آزاد کروں۔ کاش کہ خودکشی حرام فعل نہ ہوتی تو میں کب کا اس آزاد دنیا سے پیچھا چھڑا لیتی۔ اس نے آنسوؤں کے بہتے دھاروں کو اسکارف سے صاف کرتے ہوئے کرب سے سوچا۔ زندگی اس کے لئے خوف بن گئی تھی۔ اپنے چاروں طرف اسے مائیکل کے گھناؤنے ارادے گردش کرتے نظر آئے۔ اسے جینے کی چاہ نہ رہی تھی' مگر جب تک سانس کی ڈور سلامت تھی' زندہ رہنے کے لئے ایک پائیدار و مضبوط سہارے کی ضرورت تھی اور ان حالات میں تو ضروری ہوگئی تھی' بیگم افتخار اس آزمائش کے وقت بھی اپنی ماں کی محبت کو نظر انداز کئے محض اس کی خاطر یہاں رہنے پر مجبور تھیں۔ افتخار بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ خاموش اور اپنی دنیا میں مگن رہنے والا شخص' جس کی شرافت و پاکیزگی کے بوجھ سے جھکی ہوئی نگاہیں کبھی اتفاقاً بھی اس کی جانب نہیں اٹھی تھیں۔ ان کے جانے میں بھی گنتی کے دن ہی باقی رہتے تھے۔ وہ بھی چلے جائیں گے۔ واشنگٹن سے کوئی بیڈ نیوز آ گئی تو انہیں بھی مجبوراً جانا پڑے گا۔ پھر کیا ہوگا۔ کیا مائیکل اور اس کے ساتھیوں کے ناپاک ارادے پورے ہو جائیں گے۔ نہیں وہ اپنی سوچ سے گھبرا گئی' مجھے ایک فیصلہ کرنا ہوگا' مضبوط فیصلہ۔

روحیل کچھ دیر میگزین کا مطالعہ کرنے کے بعد نائٹ بلب آن کر کے بیڈ پر لیٹنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ بہت آہستگی سے دروازہ ناک ہوا۔ انہوں نے حیرانی سے دروازے کی جانب دیکھا اور پھر وال کلاک کی جانب جہاں تھرکتی ہوئی سوئیاں رات کا ڈیڑھ بجا رہی تھیں۔ ایک لمحے کو ان کا دل ناخوشگوار انداز میں دھڑکا۔ وسوسے او روہم لمحے بھر کے لیے ان پر وارد ہوئے تھے' گھر میں آج کل فاطمہ اور واشنگٹن سے آنے والی کال کی وجہ سے جو ٹینشن و بوریت کی فضا قائم تھی' دونوں جانب سے ہی وہم ان کے دل میں در آئے تھے۔ انہوں نے نائٹ سوٹ پہننے کے بعد دروازہ کھول دیا اور حیران رہ گئے۔

''آپ!'' سامنے چادر میں لپٹی فاطمہ کو دیکھ کر وہ حقیقتاً پریشان ہوگئے۔

''جی' پلیز آہستہ بولیں۔'' وہ اندر آتی ہوئی بھاری آواز میں التجائیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''جی فرمایئے۔ کیا پریشانی ہے۔'' وہ سخت گومگو کی کیفیت میں تھے۔

''فارہہ آپی کی ممی میری وجہ سے کومے میں گئی ہیں۔'' آنسو اس کے پھر بے قراری سے مچلنے لگے۔

''آپ کی وجہ سے کیوں۔ ان کی بیماری ہی ایسی ہے۔ کوما ایسی بے ہوشی کو کہتے ہیں جس میں مریض کے ہوش میں آنے کی کوئی مدت متعین نہیں ہوتی' اس بے ہوشی یعنی 'کومے میں انسان مہینوں بھی رہتا ہے اور دنوں بھی' کوئی خوش نصیب ہی ہوش میں بھی آجاتا ہے ورنہ......''

''جبھی تو میں خود کو آپی کا مجرم محسوس کر رہی ہوں۔ اگر وہ پہلی کال پر چلی جاتیں تو شاید اپنی ممی سے ان کی زندگی میں ہی ملاقات کر لیتیں کیونکہ میں نے اکثر دیکھا ہے' کینسر کا مریض کومے کی حالت میں ہی جان دے دیتا ہے۔''

''اگر ایسا ہوا تو اللہ کا حکم ہوگا' آپ کا جرم اس میں کہاں ثابت ہوتا ہے۔''

''آپ نہیں سمجھتے۔ میری ذات' میرے دل' میری روح پر کتنا بوجھ ہے۔ میں کہاں جاؤں۔''

''فی الوقت تو آپ اپنے روم میں جایئے۔ رات کافی گہری ہوگئی ہے۔ بھابی اور افتخار میرے کریکٹر سے واقف ہیں اور آپ کے کریکٹر سے بھی واقف ہوں گے مگر میں نہیں چاہتا' آپ کو میرے روم میں دیکھ کر وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہوں۔ پلیز آپ مائنڈ مت کیجئے گا۔ پہاڑ سے گر کر بندہ اٹھ سکتا ہے۔ نگاہوں سے گر کر نہیں۔'' رات کی پرفسوں پھیلی خاموشی و تنہائی میں اس کا صاف' گمبھیر اور پراعتماد باوقار لہجہ' شجاعت و مردانگی' ٹھوس بلند کرداری کا پرچم بلند کئے کھڑے اس شخص کا بلند سراپا اس کو اور زیادہ بلند و مضبوط نظر آیا۔

''آپ اعلیٰ ظرف و بے حد نفیس انسان ہیں' ایسے انسان کہ جن پر کبھی فرشتہ ہونے کا گمان ہونے لگے۔ خدا کے لئے اپنے گلشن میں مجھ جیسی بے مصرف و لاوارث لڑکی کو تھوڑی سی جگہ دے دیجئے' ساری زندگی میں آپ کی اور آپ کے گھر والوں کی خدمت کروں گی۔ مجھے صرف اپنا نام دے دیں آپ۔'' وہ ایک دم سے اُن کے پیروں میں جھک کر روتی ہوئی گڑگڑانے لگی۔

''ارے..... ارے..... یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔'' وہ بری طرح سے بوکھلا اٹھے تھے۔

''مجھے یقین ہے آپ ہی جیسا غیرت مند و شریف انسان مجھے تحفظ دے سکتا ہے۔'' وہ بدستور ان کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ روحیل تو مارے حیرانی و پریشانی کے حواس کھونے لگے۔

''دیکھئے..... دیکھئے پلیز' آپ اس طرح مجھے گناہ گار نہ کیجئے۔ میں صرف ایک عام انسان ہوں۔ فرشتہ ہرگز نہیں۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ شاید خود بھی نہیں سمجھتی ہیں۔''

''میں خوب سمجھتی ہوں۔ بہت سوچ کر فیصلہ کیا ہے میں نے۔ آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ بہت بڑا.....''

''او' شٹ اپ' دماغ خراب ہوگیا ہے آپ کا۔'' وہ اس کی بات قطع کر کے غصے سے چیخے۔ ''جانتی ہیں آپ اچھی طرح میں شادی شدہ شخص ہوں اور تین بچوں کا باپ ہوں۔ اپنے بچوں کو میں بہت چاہتا ہوں اور بیوی سے بے وفائی یا اس کی رفاقت میں' میں کسی دوسری ہستی کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ سوری محترمہ' میری ساری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔'' نرم و بامروت لہجے میں بات کرنے والے روحیل کا لہجہ لمحے بھر میں کٹھور' اجنبی اور روکھا ہو گیا تھا۔

''سب جانتی ہوں میں اور معلوم ہے مجھے آپ اپنی وائف سے کتنی شدید محبت کرتے ہیں۔ فارہہ آپی بھی کئی قصے آپ کی دیوانگی کے سنا چکی ہیں' لیکن آپ یقین کریں' میں کبھی بھی آپ کی اور ان کی محبت کے درمیان نہیں آؤں گی۔ کبھی آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی۔

''میرے اندر آپ کے لئے بہت احترام و عزت ہے' بہت تعظیم کرتا ہوں میں آپ کی۔ اس سے قبل کہ میں آپ کے نومسلم ہونے کا لحاظ بھول کر کوئی بدتہذیبی کر جاؤں آپ خود تشریف لے جائیں۔''

''رب جو اپنے بڑے سے بڑے گناہ گار و خطا کار بندے کو معاف کر کے اپنے سایہ رحمت میں لے لیتا ہے۔ پھر بندہ ہی کیوں بندے کو پناہ نہیں دیتا۔ کیا نومسلم ہونا اتنا بڑا جرم ہے۔ سچے دین کو اپنانے کے بعد کیا نومسلموں پر زندگی اسی طرح تنگ کر دی جاتی ہے کہ نہ مر سکتے ہیں اور نہ جینے کی کوئی کرن نظر آتی ہے۔ آپ اس طرح استقبال کرتے ہیں نئے آنے والوں کا؟''

''مجھے اپنے دین سے بھی محبت ہے اور اپنے دیندار لوگوں سے بھی' بلکہ نومسلموں کا احترام ہمارے ہاں بہت زیادہ کیا جاتا ہے مگر آپ غلط مقصد لے رہی ہیں۔''

''نہیں۔ آپ سے زیادہ اپنے مذہب سے محبت و حفاظت کرنے والا وہ بدنام مائیکل ہے' جو ہر برا کام کرتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ ہفتوں وہ چرچ کی شکل تک نہیں دیکھتا مگر ایسے شخص کے دل میں بھی اپنے مذہب سے محبت موجود ہے' جو میرے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں حیوان بن گیا ہے اور آپ دین و آخرت کو بھلائے دنیا کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ کیسے مسلمان ہیں آپ۔ میری عصمت' میری زندگی بچانے کی خاطر آپ ذرا سی قربانی نہیں دے سکتے' جبکہ میرا کوئی مطالبہ بھی نہیں ہے۔'' وہ بولی تو بولتی ہی چلی گئی۔

''میں نے آپ کو ابھی بتایا تھا کہ میں بہت عام سا بندہ ہوں کوئی فرشتہ یا عالم نہیں۔''

''فاطمہ کی بات کوئی انہونی نہیں ہے اور نہ ہی ناممکن ہے روحیل۔'' افتخار جو کافی دیر سے باہر کھڑے دونوں کی گفتگو سن رہے تھے' اندر آکر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''کیا۔ یہ تم کہہ رہے ہو۔ جانتے ہو میں عظمت کو کتنا چاہتا ہوں۔ اس کی جگہ کوئی عورت لے ہی نہیں سکتی۔ ہرگز نہیں۔'' وہ غصے میں ان کی آمد پر بھی نہ چونکے تھے۔

''جانتا ہوں میں بھابی کی جگہ واقعی کوئی دوسری نہیں لے سکتی اور اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔''

''کیا مقصد ہے تمہارا۔ کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔'' وہ خراب موڈ سے بولے۔

''تم فاطمہ بہن سے محض مذہب سے محبت یا دین کی پاسداری کی خاطر شادی کر لو۔ یقین مانو' تم سرخرو ہو جاؤ گے۔ فاطمہ کی نگاہوں میں بھی اور آخرت میں بھی تمہیں اس کا اجر ملے گا۔''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے افتخار۔ شادی کوئی مذاق نہیں ہوتی۔''

''جو ٹینشن ہے گھر میں' اس سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ تم پاکستان چلے جاؤ گے' ہم واشنگٹن چلے جائیں گے' پھر فاطمہ کا کیا ہوگا۔ کیا تمہارا ضمیر' تمہارا ایمان' یہ گوارا کرے گا' فاطمہ محض مسلمان ہونے کی پاداش میں اس شیطان مائیکل اور اس کے چیلوں کے انتقام کا نشانہ بنے۔ کیا ایک مسلمان باحیا و باپردہ لڑکی کی عصمت تم یوں تار تار ہوتے طاغوتی قوتوں کے ہاتھوں دیکھ سکتے ہو۔ وہ بڑے جوش و جذبے میں بول رہے تھے۔

''تم خود ہی کیوں نہیں اس چادر کے محافظ بن جاتے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔

''خدا کی قسم' روحیل اگر فاطمہ کو دل سے میں بہن تسلیم نہیں کر لیتا تو تمہاری اتنی باتیں ہرگز نہیں سنتا۔'' وہ سر جھکائے کھڑی فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر دھیمے لہجے میں بولے۔ فاطمہ روتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ افتخار وہیں بیٹھ کر انہیں سمجھانے لگے کہ وہ یہ نیک کام کر ڈالیں' گھر جا کر موقع دیکھ کر ساری حقیقت اماں جان کو بتا دینا۔ اماں جان جو نماز روزے کی پابند دین سے بے پناہ محبت کرنے والی خاتون ہیں وہ خوشی سے اس کے اس فیصلے کو سراہیں گی۔''

''عظمت کیسے یہ شاک برداشت کرے گی' کیسی قیامت گزرے گی اس پر' نہیں میں اسے دکھ نہیں دے سکتا۔'' دونوں ہاتھوں میں سر تھامے ان کی حالت سخت اضطرابی تھی۔

''بھابی کو کچھ نہیں بتانا۔ ویسے بھی تم یہ کام نیکی کی خاطر کرو گے۔''

افتخار کے دلائل' گھر کی ٹینشن اور فاطمہ کی بے بسی ولاچاری سے بہتے آنسو' اس وقت اسے' اس کے ضمیر کو جھنجوڑ سے گئے تھے اور اس نے رضا مندی دے دی۔ دوسرے دن بہت سادگی وخاموشی سے فاطمہ' فاطمہ روحیل بن کر اس کے بیڈ روم میں موجود تھی۔ بیڈ روم بالکل سادہ تھا' صرف پھولوں کے دو ہار کی وہاں موجودگی اس بات کی گواہ تھی کہ دو شخص آج ایک بندھن میں بندھے ہیں۔ مسز افتخار نے زبردستی اپنا سلک کا پنک شلوار سوٹ اسے پہنایا تھا' جس کی شرٹ اور دوپٹے پر نازک سا فینسی کام کیا ہوا تھا۔ کانوں اور گلے میں کولڈ کا ہلکا سیٹ تھا۔ چہرہ اس کا بالکل سادہ تھا' صرف لبوں پر پنک لپ اسٹک بہار دے رہی تھی۔ وہ صوفے پر سر جھکائے بیٹھی' کبھی ہونٹ دانتوں سے کچلنے لگتی' کبھی انگلیاں ہاتھوں کی دیکھنے لگتی' وہ جو پہلے اجنبی تھا' تو اس کی جانب نگاہ بھی نہ اٹھتی تھی' آج وہ اس کا ہو گیا تو رشتہ لگتے ہی احساسات بھی بدلنے لگے' جن حالات کے تحت یہ رشتہ مجبوراً استوار کیا گیا تھا' خوبصورت جذبوں اور مہکتے احساسات کا تو وجود ہی نہ تھا مگر وہ لڑکی تھی' محبت وجذبات کی مٹی سے بنی ہر سانچے میں ڈھل جانے والی لڑکی' اس کے دل میں معمولی سی خوشگوار پھواری گرنے لگی تھی' حقیقتِ حال تلخ سہی مگر یہ احساس بہت جانفزا تھا کہ اسے باعزت وباوقار زندگی جینے کا سہارا مل گیا تھا۔ اسے دانستہ اگنور کئے روحیل کمرے میں بلا مقصد ہی سامان سوٹ کیسز میں ادھر ادھر کرتے رہے پھر کھڑکی کھول کر باہر اندھیرے میں کچھ نادیدہ چیز دیکھنے لگے۔ ان کا ذہن ریشم کے نازک دھاگے کی طرح الجھ گیا تھا۔ ان کے ذہن میں ایک ہی سوال تھا کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے' کیا وہ درست ہے۔ ایک زندگی ان سے وابستہ ہو چکی تھی' ایک حیات کو انہوں نے اپنا نام دیا تھا۔ مگر اپنے دل میں اسے جگہ نہ دے پائے تھے۔ مگر ایسا کب تک ممکن تھا۔

''سنئے۔'' لرزتی ہوئی کمزور آواز جو اس کے قریب ہی گونجی تھی' انہوں نے چونک کر اپنے قریب کھڑی فاطمہ کو دیکھا جو ان کی جانب سے رخ پھیرے کھڑی تھی' اس کا جسم آہستگی سے لرز رہا تھا۔ ''آپ پریشان مت ہوں۔ میں آپ سے کوئی فرمائش نہیں کروں گی' کوئی خواہش نہیں ہو گی میری۔ آپ میرے سب سے بڑے محسن ہیں' آپ نے مجھے اپنا نام دے کر بیوی کا اعلیٰ مقام دے کر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ میں مر بھی جاؤں تو آپ کے اس خلوص بھرے ایثار کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔''

''مجھے شرمندہ مت کریں فاطمہ' میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا' اس وقت میں ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوں۔ پلیز' آپ کسی غلط خیال کو دل میں جگہ نہ دیں۔'' وہ فاطمہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولے۔ وہ اب ان کی عزت اور ذمے داری بن گئی تھی' یہ احساس اچانک جاگا تھا۔

''میں جانتی ہوں' آپ عظمت سے بے انتہا پیار کرتے ہیں اور یقین جانئے' میں آپ دونوں کے درمیان کبھی بھی حائل نہیں ہوں گی۔'' وہ یکدم ہی رخ ان کی طرف کر کے شانے پر رکھا ان کا ہاتھ اپنے نازک خوبصورت ہاتھوں میں لے کر بھیگے لہجے میں گویا ہوئی۔ سرخ گلاب ایسے چہرے پر آنسو ایسے چمک رہے تھے' جیسے بارش میں گلاب پر پانی کے قطرے ہیروں کی مانند چمکتے ہیں' بھرے بھرے گلابی ہونٹوں کی دھیمی لرزش بڑی قاتل تھی' بھیگی بھیگی لمبی پلکیں' حسین بادامی آنکھوں کا فسوں بہت ساحرانہ تھا۔ انہوں نے بڑی سرعت سے نگاہیں چرائی تھیں۔ مگر حجاب بھی جب تک اجتناب بنتا ہے' جب تک اسے کوئی آنچل پوشیدہ رکھتا ہے مگر جہاں یہ حد ختم ہو جائے' رشتے کو اختیار کا حق مل جائے تو منہ زور جذبوں کو راہ مل جاتی ہے۔ عظمت کی رفاقت کو ترسے مرد نے آخر کار اس کے نام محفوظ کیئے گئے حقوق فاطمہ کی جھولی میں منتقل کر دیئے۔

چار دن فاطمہ کی سنگت میں تیزی سے گزر رہے تھے۔ ایر پورٹ پر افتخار کی فیملی کے ساتھ وہ بھی آئی تھی' اسے سی آف کرنے۔ پاکستان جانے کی مسرتیں' گھر والوں سے ملنے' بچوں اور عظمت کی دید کے خوش کن خیالات وتصورات سے روحیل کا وجیہہ چہرہ اور زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ فاطمہ حسرت بھری نگاہوں سے چپکے چپکے اس کا چمکتا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے اس سے بچھڑنے کی ذرا بھی پروا نہ تھی۔ چار دن کا تعلق عظمت کے برسوں کے بندھے تعلق کے آگے کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ جبھی اسے ذرا تی بھر بھی ملال نہ تھا۔

''روحیل بھائی' فاطمہ کو ہم واشنگٹن لے جائیں گے اپنے ساتھ۔'' مسز افتخار فاطمہ کے اداس چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ اس سے روحیل کی بالکل لاتعلقی او راجنبیت گراں گزر رہی تھی انہیں۔

''جی بھابی' جیسے فاطمہ چاہیں' مگر آپ سوچ لیجئے گا' کوئی پرابلم نہ بن جائے آپ کے لئے۔''

''نہیں' میری ایک دوست وہاں بچوں کے ہاسٹل کی نگراں ہے' میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔''

''او کے مرضی ہے تمہاری۔ سنو میں نے تمہارے اکاؤنٹ میں خطیر رقم جمع کروادی ہے۔ اور پاکستان سے بھی بھیجتا رہوں گا' فکر مت کرنا بالکل بھی' اب اجازت دو۔'' اناؤنسمنٹ کی آواز سن کر وہ لمحے بھر کو اس کی طرف آیا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی' اس نے مروتاً بھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اسے وہاں بلالے گا۔ یا کبھی ملنے آئے گا بھی یا نہیں۔ رشتہ کیسے بھی استوار ہوا۔ وہ ہے تو اس کی بیوی ہی۔

مسز ومسٹر افتخار سے مل کر وہ اس کی طرف الوداعی ہاتھ ہلاتا اندر چمکتی دمکتی روشنیوں میں گم ہوتا جا رہا تھا۔ فاطمہ ساکت برستی نگاہوں سے اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا۔ وہ اسے اب کے بعد کبھی نہ دیکھ سکے گی' یہ صدا اس کے اندر سے اٹھ رہی تھی۔

''روحیل! افتخار بھائی کی کال ہے' واشنگٹن سے۔'' عظمت فون لئے ان کی طرف چلی آئیں۔

''اچھا۔ تم ایک کپ کافی تو بنا کر لاؤ' نغاستک سی۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا اخبار ٹیبل پر رکھ کر کچھ بوکھلائے ہوئے انداز میں اس سے مخاطب ہوئے۔ عظمت اپنی دھن میں مگن ان کا یہ انداز نوٹ نہ کر سکیں اور وہاں سے چلی گئیں۔ انہوں نے پھرتی سے اندر سے دروازہ لاک کیا پھر فون ریسیو کیا۔ دوسری طرف افتخار نے جو نیوز سنائی' اسے سن کر تو انہیں چند لمحے سکتہ سا ہو گیا۔

''ہیلو' ہیلو کیا فوت تو نہیں ہو گئے خوشی سے۔ بہت ارمان تھا نا بیٹی کا' اللہ نے بہت خوبصورت اور چاند جیسی بیٹی دی ہے تمہیں۔ میں اسپتال کے قریب سے ہی فون کر رہا ہوں۔''

''فاطمہ کیسی ہے؟''

''کتنا اجنبی لگ رہا ہے تمہارے منہ سے یہ جملہ۔ یہاں سے جانے کے بعد تو تم نے پلٹ کر اس بچاری کا حال ہی نہیں معلوم کیا۔ پورے دس ماہ بعد آج پوچھ رہے ہو۔''

''میری مجبوری سمجھتے ہو۔ اماں جان سے اس موضوع پر بات کرنے کی ہمت اس عرصے میں بھی نہیں کر پایا ہوں اور عظمت سے تو ساری زندگی نہیں کر پاؤں گا۔''

''جس طرح بیوی کو محرومی وانتظار کی اذیت میں مبتلا کیا ہوا ہے' کیا یہ سزا بیٹی کو بھی دو گے۔''

''میں نے پہلے کہا تھا' میں اتنا بہادر وجرات مند نہیں ہوں افتخار۔''

''سنو' فاطمہ بہت کمزور ہو گئی ہے۔ کم از کم ایک بار آ کر اسے بیٹی کی مبارکباد تو دے جاؤ۔''

''پہلے میں اماں جان سے بات کروں گا پھر فاطمہ اور اپنی بیٹی کو یہیں لے آؤں گا۔ او کے خدا حافظ۔'' بیٹی کی حیات بخش خوشخبری نے ان کے اندر نئے جذبے اور ولولے پیدا کر دیئے تھے۔ وہ جو امریکہ سے آ کر فاطمہ کو کسی خواب کی طرح بھلا چکا تھا' آج اپنی بیٹی کی محبت میں پہلی بار اسے اس کے وجود کا احساس بھی جاگا تھا اور اپنے آپ پر شرمندگی بھی محسوس ہوئی تھی کہ اس نے کتنا گرا ہوا آدمی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ اگر افتخار کی فیملی اس کی کیئر نہ کرتی تو نہ معلوم اس کا کیا ہوتا۔ وہ اماں جان کے پاس چلا آیا۔ اتفاقاً اماں اکیلی تھیں' دونوں بڑے بھائیوں کی فیملیز گھر میں نہیں تھیں۔

حسب معمول اماں جان نے بہت گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ وہ بہنوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ بہن بھائیوں کے علاوہ وہ اماں جان کے تو بہت لاڈلے اور چہیتے بیٹے تھے۔ ان کے اشارے پر ملازمائیں باہر چلی گئیں تو انہوں نے مناسب الفاظ میں تمام باتیں اماں کے آگے دہرا دیں۔ ان کا خیال تھا' اماں اس کے اس فیصلے سے خوش ہوں گی' مگر اماں جان تو کسی آتش فشاں کی مانند پھٹ پڑی تھیں۔

''اماں جان' فاطمہ نے مذہب قبول کیا ہے۔ وہ بہت باحیا وباکردار لڑکی ہے۔''

''سب جانتی ہوں میں' ایسی چالتر باز لڑکیوں کی حیا اور کردار' تم نے اتنا بڑا اقدم اٹھایا کیسے۔ ہمارے خاندان کے نام کو ناپاک کرنے سے پہلے کچھ سوچ تو لیتے روحیل' فرنگن کے گندے بطن سے کبھی ہمارا خون جنم لے ہی نہیں سکتا' نہ معلوم کس کا گندہ خون ہے وہ لڑکی جسے تمہاری......''

''اماں جان' خدا کے لئے میں اپنے خون کی تذلیل قطعی برداشت نہیں کر سکتا' وہ صرف اور صرف میرا خون ہے۔ میری بیٹی ہے وہ' اس نے میرے خون سے جنم لیا ہے۔'' اتنے بڑے بہتان پر روحیل چیخ سے اٹھے تھے۔ فاطمہ کی پاک دامنی وپاکیزگی کی وہ قسم کھا سکتے تھے' اس کی زندگی میں داخل ہونے والے وہ پہلے مرد تھے۔ اماں کی بدگمانی نے ان کے پتنگے لگا دیئے تھے۔

''مجھے پٹی مت پڑھاؤ' یہ فرنگی عورتیں کسی ایک کی تو ہو کر رہ ہی نہیں سکتیں اور تم غیرت کے جوش میں کسی کے گندے خون کو اپنا نام دیئے چلے ہو۔'' وہ بری طرح گرج کر بولیں۔

''وہ میری بیٹی ہے' میرا خون ہے اماں جان۔ آپ کو یقین کیوں نہیں آتا۔''

''میں کبھی بھی اس کو اپنا خون تسلیم نہیں کر سکتی۔ سمجھے تم اور فوراً اس عورت کو طلاق بھیجو اور بھول جاؤ اس قصے کو' ہم صرف عظمت کی خاطر تمہاری اس غلطی کو معاف کر رہے ہیں۔''

''نہیں اماں جان' میں فاطمہ کو طلاق نہیں دوں گا اور نہ ہی اپنی بیٹی سے دستبردار ہوں گا۔''

''دو گندگیوں کی خاطر تم عظمت اور بچوں سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جاؤ گے سوچ لو۔''

''میں عظمت کو سب سچ سچ بتا دوں گا۔ وہ بہت عقل مند اور سلجھی طبیعت کی مالک ہے' کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔'' روحیل کا انداز مضطربانہ تھا۔

''بالکل احمق ہو گئے ہو۔ ایسا کبھی بھول کر بھی مت کرنا۔ عورت کتنی ہی اچھی اور ایثار پسند ہو مگر اپنے رشتے میں شراکت اور سوکن کا وجود کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتی' چھوڑ جائے گی وہ تمہیں اور بچے بھی تم سے دور ہو جائیں گے۔'' اماں جان کا لہجہ کھرا اور سچا تھا۔

''اماں جان' خدا کے لئے اتنی سنگدل نہ بنیئے۔ فاطمہ کے لئے نہ سہی میری بیٹی کے لئے تو اپنے دل میں جگہ نکال لیجئے۔ نبیل' ارشد' شمیر کی طرح وہ بھی میرا ہی خون ہے۔''

''ہرگز نہیں' جن بچوں نے میری بہوؤں سے جنم لیا ہے وہی میرے دل کے ٹکڑے ہیں۔ اس کے علاوہ باہر کا گندہ خون میرے خاندان کے پاکیزہ وشریف خون میں شامل ہو ہی نہیں سکتا۔ تم نے ہماری ہی نہیں' عظمت کی محبت اور اعتماد کو دھوکہ دیا ہے اگر اپنے گھر کی سلامتی اور خوشحالی چاہتے ہو تو خاموشی سے ان کانٹوں کو اپنے راستے سے ہٹا دو۔ ورنہ تمہارے ہاتھ میں کچھ بھی نہ رہے گا۔'' اماں جان' اٹل فیصلہ سنا کر وضو کرنے چلی گئیں اور وہ خاموشی سے گھر چلا آیا۔

''کیا پریشانی ہے روحیل' نہ آپ نے ڈنر کیا' نہ ہی اب دودھ پی رہے ہیں۔'' عظمت دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ان کے نزدیک بیٹھتی ہوئی ازحد پریشان لہجے میں پوچھنے لگیں۔

''کچھ نہیں پلیز' اس وقت مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو' سو جاؤ۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولے۔

''ایک ہفتہ اسی پریشانی میں گزر گیا۔ اماں جان کا فیصلہ پتھر پر لکھی تحریر سے زیادہ پتھریلا اور اٹل ثابت ہو رہا تھا۔ افتخار کی دو فون کالز وہاں سے آ چکی تھیں۔ فاطمہ کی طبیعت اچانک ہی بہت بگڑ گئی تھی اور اس کی شدید آرزو ان سے ملاقات کی تھی۔ ان کا دل بھی اپنی بیٹی کو دیکھنے اور پیار کرنے کو مچل رہا تھا۔ فاطمہ سے کی گئی زیادتیاں بھی اب محسوس ہونے لگی تھیں۔ انہوں نے بے قرار ہو کر واشنگٹن جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ انہیں حیرت تھی' خود پر' دس ماہ سے انہوں نے پلٹ کر فاطمہ کی خبر نہ لی تھی مگر بیٹی کی محبت میں اتنی طاقت اور کشش تھی کہ وہ عظمت اور بچوں کو بھلا کر اس کے پاس جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ بیٹی کی محبت پر وہ خود بھی حیران اور خوش تھے۔

انہیں دو روز بعد کا ٹکٹ ملا تھا۔ عظمت کو انہوں نے بزنس کا کہہ کر ٹال دیا تھا۔ روانہ ہونے سے ایک روز قبل ہی وہ منحوس خبر آ گئی۔ افتخار نے کال دی کہ فاطمہ ان کے انتظار میں دنیا ہی چھوڑ گئی۔ انہیں اپنے اندر برف جمتی ہوئی محسوس ہوئی' نگاہوں میں سرخ بھیگے گلاب جیسے دلکش ومعصوم چہرے کی اداسیاں ہمیشہ کے لئے جم کر رہ گئیں۔ فاطمہ ان کی مجبوری کی بیوی' جس کا ساتھ صرف چار دن اور چار راتیں رہا تھا۔ وہ صابر اور وعدے کی پابند خوددار لڑکی' جس نے پہلی رات اقرار کیا تھا۔ وہ کبھی بھی عظمت اور ان

کے درمیان حائل نہیں ہوگی‘ اس نے اپنا قول بہت سچائی سے نبھایا تھا۔ خاموشی سے ان کی امانت انہیں سونپ کر جس طرح اچانک ان کی زندگی میں داخل ہوئی تھی‘ اسی طرح تنہا خاموشی سے نکل بھی گئی تھی۔

فاطمہ کی لحد سے لپٹ کر اندر مچلتے ہوئے آنسو انہوں نے فراخ دلی سے بہا دیئے‘ اس صابر و باوفا لڑکی کی محبت انہیں اب اس کے بچھڑ جانے کے بعد محسوس ہو رہی تھی۔ فاطمہ کی بے قرار روح ان کا آنسوؤں کے درمیان کئے جانے والا سچا اقرار محبت سن کر مسرور ہوگئی ہوگی‘ اس کو قرار و سکون مل گیا ہوگا۔ ڈھیروں پھول اس کی قبر پر پھیلا کر افتخار کے ساتھ وہ ان کے گھر چلے آئے جہاں مسز افتخار ان کی بیٹی کو لئے موجود تھیں۔ ان کے ہمراہ وائٹ کاٹ کی طرف آئے۔ بلو کمبل میں وہ ننھی منی سی کائنات بے خبر سو رہی تھی‘ بے حد گلابی کول مٹول فرشتے جیسی معصوم‘ ماں کی موت‘ باپ کی آمد سے بے خبر میٹھی نیند میں گم اس کا وجود روحیل کو کہکشاں کی مانند لگا تھا۔ خون میں ایک دم ہی جوش اٹھا تھا اور انہوں نے جھک کر اس گلابی گلابی وجود کو ہاتھوں میں بہت حفاظت سے اٹھا لیا اور اس کے پھولے پھولے گالوں کو اور پیشانی کو چوم ڈالا۔ ان کے اندر جیسے سکون سا پھیلتا چلا گیا۔ اپنے لہو کی گرمی‘ اپنے وجود کی مہک انہیں اس ننھے وجود سے اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ انہیں خوش گوار سی حیرت جب ہوئی‘ جب ان کے اس بے تحاشا پیار کرنے سے وہ عام بچوں کی طرح روئی نہیں بلکہ اپنی روشن روشن سبز آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے قلقاریاں مارنے لگی۔

’’دیکھا بھائی آپ نے‘ آپ کی بیٹی کو بھی پیار کتنا پسند ہے‘ فاطمہ جس کے لئے انتظار کرتی ہوئی چلی گئی‘ اس کے احساس شاید اس ننھی گڑیا میں منتقل ہو گئے ہیں۔ جبھی یہ عام بچوں کی طرح رونے کے بجائے ہنس رہی ہے۔‘‘ بیگم افتخار افسردہ لہجے میں بولیں۔

’’فاطمہ کے ساتھ کی گئی نا انصافی کا احساس مجھے ساری زندگی رہے گا‘ میں اس کی قدر نہ کرسکا۔‘‘

’’اس کی وصیت ہے جو محرومیاں اور انتظار اسے ملا ہے‘ وہ اس کی بیٹی کو نہیں ملنا چاہئے۔‘‘

’’انشا اللہ بھابی‘ میں اپنی بیٹی کو فاطمہ جیسی محرومیاں نہیں دوں گا۔‘‘ وہ اس کی پیشانی چوم کر بولے۔

’’فاطمہ کی خواہش تھی۔ اپنی بیٹی کا نام آپ خود رکھیں‘ آپ خود ہی نام رکھئے۔‘‘

’’جب ثمیر کی پیدائش ہوئی تھی تو عظمت لڑکی کی بے حد خواہش رکھتی تھی۔ اس نے کہا تھا کاش اگر بیٹی ہوتی تو وہ اس کا نام لائبہ رکھتی‘ کیونکہ اس نام کی ایک حور جنت میں ہے‘ جو سب حوروں میں بہت خوبصورت اور منفرد ہے‘ اسے یہ نام بے حد پسند تھا۔ میں اپنی بیٹی کا نام لائبہ ہی رکھوں گا‘ لائبہ روحیل ملک‘ میری بیٹی بالکل حوروں جیسی ہے اور آنکھوں میں تو لگتا ہے‘ اس کے ہیرے لگے ہوئے ہیں۔‘‘ وہ اس کی جگمگاتی آنکھوں میں دیکھتے مسرور سے بولے۔

’’ہوں‘ واقعی‘ بہت خوبصورت ہے لائبہ ماشا اللہ۔‘‘ مسز افتخار مسکراتے ہوئے بولیں۔ اسی لمحے اندر کمرے سے چھوٹے بچے کی رونے کی آواز سن کر وہ معذرت کرتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

’’کوئی دوسرا چھوٹا بچہ بھی گھر میں ہے۔‘‘ روحیل افتخار کی طرف دیکھ کر استفہامیہ انداز میں گویا ہوئے۔

’’جی جناب‘ پچھلے ماہ ہی آپ کی بھتیجی دنیا میں تشریف لائی ہیں۔‘‘ وہ مسکرا کر شرارت سے بولے۔

’’مبارک ہو‘ تم نے مجھے خبر بھی نہیں دی۔‘‘ انہوں نے خفیف سی مسکراہٹ سے شکوہ کیا۔

وہ ایک ہفتہ وہاں رہے‘ صبح شام فاطمہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے باقاعدگی سے جاتے‘ لائبہ کو وہ زیادہ تر اپنے پاس ہی رکھتے تھے۔ مسز افتخار اپنی بیٹی طوبیٰ کے علاوہ وہ اس کی ذمے داری بھی بخوبی اٹھا رہی تھیں۔ طوبیٰ سے زیادہ وہ لائبہ کی کیئر کرتیں۔ روحیل اسے ساتھ پاکستان لے جانا چاہتے تھے۔ اس کے لئے ضروری کارروائیوں کو نپٹا رہے تھے۔ افتخار بھی پاکستان جا رہے تھے‘ کچھ خاندانی پرابلمز کی وجہ سے۔ بے بی کور میں پیکس کئے سیدھے اماں جان کے در پر جا پہنچے‘ سوئے اتفاق اس دن بھی اماں جان تنہا تھیں۔ گھر میں کوئی اور نہ تھا۔ وہ سلام کرتے ہوئے ان کے کمرے میں داخل ہوگئے۔

’’اماں جان! یہ بے ماں کی بچی ہے۔ اسے آپ کی ممتا بھری آغوش کی ضرورت ہے۔ اسے اپنی محبت کی چھاؤں میں جگہ دے دیں‘ آپ اسے اپنائیں گی تو سب محبت دیں گے۔‘‘ روحیل لائبہ کو ان کے قدموں میں لٹاتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولے۔

’’دور ہٹاؤ اسے۔‘‘ وہ اتنی تیزی سے اپنے پاؤں سمیٹ کر اس سے دور ہوئیں‘ جیسے ان کے قدموں میں معصوم وجود نہیں گویا کوئی نجاست و غلاظت کا ڈھیر ہو‘ تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس غلاظت کی پوٹ کو ہمارے گھر میں لانے کی۔ ان کی آنکھوں‘ چہرے‘ لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔

’’اماں جان! خدا کے لئے اتنی بے رحم و سنگدل نہ بنیئے‘ فاطمہ مرگئی ہے۔ اسے آپ کی ضرورت ہے۔‘‘

’’لے جاؤ اسے یہاں سے‘ میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ غیروں کی گندگیاں میں اپنے خاندان میں ہرگز برداشت نہیں کروں گی۔ میرا خون صرف میری خاندان کی بہوؤں سے جنم لے گا۔ اسے جہاں سے اٹھا کر لائے ہو وہیں پھینک دو اور یاد رکھو اگر اس گندگی کی خاطر تم عظمت اور بچوں کو چھوڑ سکتے ہو تو چھوڑ دو۔ تمہارا اس گھر سے‘ اس خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔‘‘ ان کا انداز اتنا سفاک اور اٹل تھا کہ روحیل لائبہ کو سینے سے لگائے گم صم سے ان کی طرف دیکھتے رہ گئے۔

’’میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اماں‘ پھر اتنی سخت سزا کیوں۔‘‘

’’ہماری سات نسلوں میں بھی کسی نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ بیوی اور بچوں کے ہوتے ہوئے بھی تم نے فضول بہانے سے شادی کرلی۔ خاندان کی عزت پر داغ لگا کر بھی پوچھ رہے ہو۔‘‘

’’اماں جان! خدا کے لئے‘ اس معصوم پر ایک نگاہ ڈال کر دیکھیں تو آپ کا خون خود پکار اٹھے گا۔‘‘ روحیل نے انہیں منانے کی آخری کوشش کی۔

’’میں خاندانی حسب و نسب‘ عزت و وقار پر جان دینے والی عورت ہوں۔ روحیل تم نے ابھی صرف میرا ماں کا روپ دیکھا ہے۔ مگر اس وقت ماں نہیں ایک عورت اپنے خاندان کے حسب نسب کا علم بلند کئے کھڑی ہے۔ میں اپنے باپ‘ دادا اور شوہر کے خاندان کے ناموس کو اس طرح داغدار نہیں ہونے دوں گی۔ آج تمہارے لئے دروازہ کھول کر باقی کے لئے بھی راہ ہموار کردوں۔ ہرگز نہیں اپنے خاندان کی آن بان کے لئے میں تمہیں قربان کرسکتی ہوں۔ اگر تمہیں بچے چاہئیں تو اس فتنے کو کاٹ کر پھینک دو اور بھول کر بھی کسی سے اپنی اس نادانی کا ذکر مت کرنا۔ اس کے باوجود بھی اگر تم اپنی ضد پر قائم ہو تو پھر سوچ لینا‘ تمہارے بابا کے بعد ماں بھی مرگئی ہے۔‘‘

’’اماں جان ایسے نہ کہیے۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔‘‘ ماں کے آخری جملے پر وہ تڑپ ہی گئے تھے۔

’’اگر تمہیں واقعی ہم سے محبت ہے‘ تم ہمیں زندہ رکھنا چاہتے ہو تو اسے کبھی بھی یہاں مت لانا۔‘‘

دوسرے دن افتخار بھی شام کو اسلام آباد سے آگئے‘ انہیں رات کی فلائٹ سے واپس واشنگٹن جانا تھا۔ روحیل نے اماں جان سے کی گئی ساری گفتگو دہرادی۔

’’اماں جان تو بالکل ہی الٹ ثابت ہوئی ہیں۔ سمجھا تھا‘ وہ اس کام سے خوش ہوں گی کیونکہ انہیں وعظ و تبلیغ کرتے دیکھا ہے اور نماز باقاعدگی سے پڑھنے کی عادت تو ان کی نصیحت آموز باتوں سے ہی مجھے پڑی ہے۔ اب جبکہ فاطمہ بھی نہیں ہے‘ تب بھی وہ لائبہ کو اپنانے پر راضی نہیں ہیں۔‘‘

’’تو یہ آگ تمہاری لگائی ہوئی ہے۔ تم آستین کے سانپ ہمارے ناموس کو اس طرح ڈسو گے‘ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔‘‘ اماں جان کو اچانک کمرے میں غضب ناک انداز میں داخل ہوتے دیکھ کر دونوں کھڑے ہو گئے تھے۔ افتخار نے احترام سے سلام کیا تھا۔

’’تمہاری دوستی پر تو ہمیں بہت مان اور بہت فخر تھا۔ اس لئے تم نے اسے وہاں بلوا لیا تھا۔‘‘

’’اماں جان! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جو بھی کچھ ہوا‘ بالکل اچانک ہوا تھا پھر فاطمہ بہت نیک بڑی باکردار اور شریف لڑکی تھی۔ اس کا مسلمان ہونا جرم بن گیا تھا۔ اسے تحفظ دینے کے لئے روحیل نے شادی کی تھی۔‘‘ افتخار بالکل مطمئن انداز میں سمجھانے لگے۔

’’تم نے یہ ثواب کیوں نہیں لے لیا۔ کیوں میرے بیٹے کے سر تھوپا۔‘‘

’’اماں جان! یہ کس لہجے میں آپ افتخار سے بات کر رہی ہیں۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔‘‘

’’سارا قصور اسی کا ہے‘ نہ معلوم کس نیچ لڑکی سے شادی کروادی اور وہ مرنے کے بعد اپنا گناہ ہمارے سر لگا گئی۔ تم چپ رہو۔‘‘ انہوں نے روحیل کو بولنے سے باز رکھا۔ ’’آج آخری بار تم اس گھر کی دہلیز پر چڑھے ہو‘ مگر آئندہ کبھی روحیل سے ملنے کی کوشش مت کرنا۔ ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے ہمیں جو ہماری بدنامی کا باعث بنیں۔ کل صبح عظمت بچوں کو لے کر آجائیں گی اور گھر کے باقی افراد بھی آجائیں گے۔ ان کے آنے سے پہلے اس بچی کا وجود گھر میں نہیں ہونا چاہئے اور نہ کبھی غلطی سے بھی اس کا نام زبان پر آئے۔‘‘ سنگدلی و سفاکی کی حدود پار کرتی وہ کسی ماں کا نہیں خاندانی جاہ و جلال‘ ثروت و عشرت کے غرور میں غرق کسی مغرور و جابر عورت کا ناقابل یقین روپ تھیں۔ وہ اپنا شاہی فرمان سنا کر جا چکی تھیں۔ افتخار نے بھی ایک اٹل فیصلہ کرلیا۔

’’سنو روحیل‘ میں نے اماں جان کی باتوں کا برا نہیں مانا۔ مگر میں لائبہ کو یہاں چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتا۔ میں اسے اپنے ساتھ واشنگٹن لے جا رہا ہوں۔‘‘ وہ سنجیدگی سے بولے۔

’’لیکن میں اسے خود سے کیسے جدا کروں گا۔ اور پھر وہاں اس کی کون کیئر کرے گا۔‘‘

’’میں اور فارہہ اسے اپنے بچوں سے بھی زیادہ پیار دیں گے‘ تم فکر مت کرو۔‘‘

’’مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ بیٹی میری اور تم پرورش کرو گے جبکہ تم پر اور بھابی پر دو بچوں کی ذمے داری اور بھی ہے۔ دو چھوٹی بچیوں کا سنبھالنا بہت مشکل ہے افتخار۔‘‘

’’جب دلوں میں محبت زندہ ہو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔ فاطمہ کو میں نے حقیقی بہن کی طرح سمجھا تھا اور آخری وقت میں نے اور فارہہ نے اسے زبان دی تھی کہ اس کی بیٹی کو ہم اس کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے اور تم دیکھنا‘ انشا اللہ شاہ رخ اور طوبیٰ سے زیادہ پیار ہم لائبہ کو دیں گے اور یہ تم پر کوئی احسان نہیں ہوگا۔‘‘ وہ نرمی سے بولے۔

’’مجھے تم پر اعتماد ہے افتخار۔ مگر میں اپنے دل کا کیا کروں۔‘‘

’’تمہارا جب دل چاہے‘ تم آکر اپنی بیٹی سے مل لینا۔ اس کی یہاں آمد پر پابندی ہے‘ تمہارے اس کے پاس آنے کی پابندی ہرگز نہیں ہوگی۔ اگر تم بیٹی کی خاطر سب کو چھوڑ بھی دو تو یہ بے وقوفی ہوگی۔ تنہا مرد کبھی بھی اتنی چھوٹی بچی کی پرورش نہیں کرسکتا۔‘‘

’’اوہ‘ میں کس امتحان میں گرفتار ہوگیا‘ بیٹی کو جدا کرتا ہوں تو لگتا ہے‘ روح جسم سے جدا ہو رہی ہے اور پاس رکھتا ہوں تو زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ میری بیٹی کیسی تقدیر لے کر پیدا ہوئی ہے۔ ماں جیسا انمول سہارا بھی چھن گیا‘ باپ زندہ ہوتے ہوئے بھی اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتا‘ کیسا عذاب ہے یہ میرے لئے۔‘‘ وہ لمبا چوڑا مرد اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ افتخار بھی ان کے دکھ پر اپنے آنسو ضبط نہ کرسکے۔ بہت دیر بعد وہ روحیل کو خاموش کروا سکے۔

افتخار کی فلائٹ کا ٹائم ہو رہا تھا۔ وہ سرخ آنکھوں سے روحیل کو دیکھ رہے تھے۔ جو لائبہ کو خوب بھینچ بھینچ کر پیار کر رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

’’افتخار‘ میں اپنی روح تمہارے حوالے کر رہا ہوں‘ پلیز اسے میری اور فاطمہ کی کمی محسوس نہ ہونے دینا۔ میں آؤں گا‘ آتا رہوں گا‘ اپنی زندگی سے ملنے کے لئے۔‘‘ وہ اس کے ننھے ننھے ہاتھوں کی بند مٹھیاں کھول کر پیار کرتے ہوئے بھرائے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

’’تم اپنا خیال رکھنا‘ اللہ حافظ۔‘‘ لاسٹ اناؤنسمنٹ پر افتخار لائبہ کو گود میں لے کر اندر کی طرف بڑھ گئے اور وہ بیتابی سے اس ننھے وجود کو اوجھل ہونے تک حسرت سے دیکھتے رہے۔

◆ ◆ ◆

’’آہ۔ اس وقت سے ہی میرے اندر خزاں کا موسم قبضہ جما کر بیٹھ گیا۔‘‘ روحیل صاحب ایک طویل آہ بھر کر ماضی کے دریچوں سے لوٹ آئے۔ سامنے بیٹھی عظمت بیگم کے چہرے پر آنسوؤں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ ثمیر رسٹ واچ میں ٹائم دیکھنے لگا۔

’’ممی آپ کو لائبہ کا استقبال بالکل سگی بیٹی کی طرح کرنا ہوگا۔‘‘

’’کاش روحیل‘ آپ مجھے پہلے ہی بتا دیتے یہ سب کچھ تو نہ آپ اتنے تکلیف میں رہتے اور نہ آپ کے ساتھ ہمیں پریشان ہونا پڑتا۔ اس بچی کو جو محرومیاں ملیں ان کا بھی کوئی حساب نہیں۔‘‘

''تمہاری تکلیف اور بچوں کی جدائی کے احساس نے میری زبان بند رکھی تھی ۔ بیٹی کے بعد تم سب کی جدائی میں کیسے برداشت کر سکتا تھا۔'' روحیل بکھرے لہجے میں بولے۔

''اماں جان سے جو آپ کی خاموش ملاقاتیں ہوئی تھیں' یہ تھی اس کی وجہ۔''

''ہاں عظمی تم سب سے مختلف بہانوں کے بعد میں واشنگٹن' لائبہ سے ہی ملنے جایا کرتا تھا۔ چھ ماہ کی عمر تک تو فاریہ بھابی نے اس کی مکمل نگہداشت کی مگر میری کوشش تھی لائبہ کے لئے کوئی اچھی مخلص سی آیا مل جائے تو میں لائبہ کو اس کے سپرد کر دوں' کیونکہ افتخار کے دونوں بچے ہی بہت شریر تھے۔ ان کی دیکھ بھال بھی ایک مسئلہ تھی اور بھابی زیادہ وقت لائبہ کو دیتی تھیں تاکہ اس میں کوئی احساس محرومی پیدا نہ ہو۔ اس طرح ان کے اپنے بچے احساس محرومی میں مبتلا ہو رہے تھے پھر ایک دوست کے توسط سے میڈم سکینہ کا پتا ملا' وہ بیوہ عورت تھیں اور تنہا تھیں' چائلڈ ہومز میں سروس کرتی تھیں اور رہائش بھی ان کی قریب نہیں تھی۔ میں نے ان کو لائبہ کے متعلق مکمل بریف کیا' اپنی مجبوریاں اور حالات بھی بتائے' وہ شریف و ہمدرد دل رکھنے والی مخلص طبیعت کی مالک تھیں۔ چھ ماہ کی لائبہ کی ذمے داری انہوں نے جو سنبھالی تو اب برسوں بعد ہی قضائے الٰہی کے سبب لائبہ سے دستبردار ہوئی تھیں۔ افتخار کی فیملی اور ماما نے لائبہ کو مکمل سہارا دیا۔''

''لائبہ یہاں شفٹ کب ہوئیں۔'' شمیر نے بمشکل ذہن میں ابھرنے والے بے شمار سوالوں میں سے ایک سوال کیا ورنہ دل تو بہت کچھ جاننے کو بے چین تھا۔

''ابتدائی تعلیم انہوں نے وہیں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے وہ ماما کے ساتھ ہاسٹل لائف گزار چکی ہیں پھر افتخار اپنی فیملی کو لے کر پاکستان آ گیا۔ آج سے کوئی چھ سال پہلے جب وہ آئے تو لائبہ اس کی آیا یعنی ماما کو بھی ساتھ لے آئے۔ افتخار کو تدریس کا بہت شوق تھا جو وہ کاروبار کی مصروفیت کے باعث پورا نہ کر سکا تھا۔ یہاں آنے کے کچھ عرصے بعد اس کے کسی عزیز کی پرسنل پرابلم کی وجہ سے کچھ عرصے کے لئے پروفیسر کی سیٹ مل گئی اور اس طرح وہ اپنا شوق بھی پورا کرنے لگا۔ لائبہ نے بی اے کے بعد اس کی رہنمائی کے باعث جامعہ میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ اسے سمندر جنون کی حد تک پسند ہے۔ اس کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے ہاکس بے کے پرسکون و کم آبادی والے علاقے میں اس کے لئے میں نے خوبصورت بنگلہ بنوا دیا تھا۔

''اماں جان سے آپ نے پھر ذکر کیا' میرا مطلب ہے لائبہ کو یہاں شفٹ کرنے کے لئے۔'' عظمت پر قیامت گزر رہی تھی' دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا' جسم کی ایک ایک رگ' ایک ایک حصے میں آگ کے شرارے دوڑ رہے تھے مگر وہ وضع داری و انا کی سربلندی کے لئے ضبط سے کام لے رہی تھیں۔ آج سے بیس سال قبل ان کے حق پر ڈاکا پڑ چکا تھا۔ ان کی رفاقتیں تقسیم ہو چکی تھیں۔ ان کا محبوب' ان کا شوہر ان کے علاوہ بھی دوسری عورت کے قریب رہ چکا تھا اور وہ نادان بے خبر و مطمئن رہیں۔ وہ ان سے پوشیدہ اپنی بیٹی سے ملتے رہے۔ اماں جان سے بیٹی کو منوانے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ وہ ان کے پیار میں ڈوبی یہ نہ جان سکیں کہ وہ کون سا راز ہے' ماں بیٹے کے درمیان چلنے والی کون سی سرد جنگ ہے۔ اپنوں کے ہاتھوں بے خبری میں لٹنا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔ ان کا نوحہ کناں وجود محسوس کر رہا تھا۔ اپنے نسوانی وقار کی سرخروئی کی خاطر فخر و اعتماد محبت کی تعفن زدہ لاش کندھوں پر اٹھائے وہ پرسکون' مطمئن پوز کر رہی تھیں۔

''اماں جان کی سرد مہری و خاندانی فخر و گھمنڈ نے بہت نقصان کیا ہے میرا' جب تک لائبہ نا سمجھ رہی' میں باقاعدگی سے اسے ملنے جاتا رہا مگر پھر رفتہ رفتہ وہ بچپنے کی حدود سے نکل کر شعور کی منزل میں قدم رکھنے لگی' وہ عام بچوں کی طرح بالکل بھی نہیں تھی' ضد اور بدتمیزی اس نے کبھی نہیں کی' پانچ سال کی عمر سے ہی بہت خاموش اور سنجیدہ تھی۔ بہت زیادہ ذہین اور حساس تھی۔ ہر کلاس میں اس نے فرسٹ پوزیشن لی تھی۔ سات سال کی عمر میں وہ بہت زیادہ ذہین و سمجھدار ہو گئی تھی' میں اس سے ملنے جاتا تو وہ کہتی' ڈیڈی میں آپ کے ساتھ جاؤں گی' جہاں آپ رہتے ہیں' میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں وقت گزرنے کے ساتھ اس کا یہ اصرار شدت پکڑنے لگا۔ میں مختلف بہانوں سے اسے بہلاتا رہا' اماں جان کو پھر دو تین مرتبہ منانے کی کوشش کی مگر اماں جان نے پھر نیا آرڈر دے دیا کہ میں اب اس سے ملنے نہیں جایا کروں کیونکہ وہ اب کافی سمجھدار ہو گئی تھی اور اماں جان کو خطرہ ہوا کہ خاندان کے کسی فرد نے اسے میرے ساتھ دیکھ لیا تو ان کی تو بدنامی ہو جائے گی۔ پھر وہ سر اٹھا کر خاندان میں نہیں چل سکیں گی۔ یہاں میں نے پہلی بار اماں جان سے اختلاف کیا کہ کچھ بھی ہو جائے' میں اپنی بیٹی سے ملنا نہیں چھوڑوں گا اور اماں کی خاندانی خودسری بپھر اٹھی۔ انہوں نے قسم کھائی کہ میں اگر اب اپنی بیٹی سے ملا تو ان کا مرا منہ دیکھوں گا اور یہاں بھی میں ماں کی محبت اور ان کے دودھ کے قرض کے آگے بیٹی کی محبت قربان کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اماں سے وعدہ کیا' کبھی اپنی بیٹی سے نہیں ملوں گا۔ افتخار سے ملنے پر بھی یہی پابندی لگی' میں ان کی ممتا کے آگے مجبور تھا۔ میں نے ان سے سمجھوتے تو کر لئے مگر اپنا فیصلہ بھی سنا دیا کہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا۔ انہوں نے مجھے میری اولاد سے جدا کیا تھا میں بھی انہیں اسی درد میں مبتلا کرنا چاہتا تھا کہ شاید میری دوری ان کے اندر کی ممتا کو جھنجوڑ دے مگر اماں جان تو برداشت اور ضد کی ایسی چٹان ثابت ہوئیں کہ ان میں معمولی سی دراڑ بھی نہ پڑ سکی۔ میں نے لائبہ سے ملنے جانا چھوڑ دیا مگر میری جو حالت تھی وہ بیان سے باہر تھی' افتخار سے بھی نہیں مل سکتا تھا کہ اماں کو عہد دیا تھا' ماما ہم لوگوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بن گئیں۔ ماما بتاتیں' لائبہ بہت یاد کرتی ہے وہ بہت کمزور اور بیمار رہنے لگی ہے۔ ہاسٹل کے وال گلاسز سے چہرہ ٹکائے سامنے سڑک پر آتی جاتی کاروں پر نگاہ جمائے میرا انتظار کرتی رہتی ہے اور پھر محرومیاں اور انتظار کا درد انگیز موسم اس کی ہیروں کی طرح چمکتی گرین آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے جم گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ میرے انتظار میں عمر کی کئی سیڑھیاں پھلانگتی چلی گئی' اس کی حساسیت' سنجیدگی اور خاموشی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ افتخار جیسا دوست تو صدیوں میں پیدا ہوتا ہے' اس نے واقعی ایک سچے دوست کی دوستی نبھا دی۔ میں نے اپنے سارے اختیارات اسے دے دیئے تھے' مجھے معلوم تھا کہ وہ لائبہ کا برا کبھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ تیرہ برس بعد افتخار نے پہلی مرتبہ کال کی تھی جو میں سن بھی نہ سکا۔ مجھے فخر ہے عظمت تم پر کہ تم نے بچوں کی تربیت اتنی اچھی طرح کی کہ آج مجھے کوئی ندامت نہیں ہے بلکہ فخر سے میرا سر بلند ہے۔'' روحیل صاحب تشکرانہ لہجے میں بولے۔

''اس میں کوئی شک نہیں ڈیڈی ہماری مما ایک مثالی اور اپنے نام کی طرح عظیم ماں ہیں۔ اتنی فراخ دل و نرم مزاج ماں خوش نصیبوں کو ملتی ہے۔'' شمیر نے ان کی گردن میں بازو ڈال کر کہا۔

''بہوئیں آ گئی ہیں' پہلے میں انہیں آرام سے سب کچھ سمجھا دوں۔'' باہر سے کار کا ہارن سن کر وہ بہت مطمئن و باوقار قدم اٹھاتی باہر چلی گئیں۔ روحیل صاحب جوان کے ہم مزاج اور مزاج شناس تھے۔ وہ ان کے اندر ٹوٹتی قیامت سے باخبر تھے۔ مگر انہیں اپنا جرم کہیں نظر نہیں آیا۔ اس وقت وہ خوشی و دکھ کے متضاد احساسات سے گزر رہے تھے۔ ایک طرف وہ اپنی روح' اپنے دل کے ٹکڑے سے ملنے والے تھے کہ جس کی جدائی اور قربت کی گھڑیاں انہوں نے گن گن کر گزاری تھیں اور آج وہ نور نظر' نوید حیات برسوں بعد ان سے ملنے والی تھی اور وہ عظمت پر گزرتے کرب سے بھی واقف تھے۔ مگر گمشدہ لمحوں کا پچھتاوا احمقانہ فعل اور اذیت پسندی ہے۔

''ڈیڈی آپ خود پر بوجھ مت ڈالیں' سب ٹھیک ہو جائے گا' ہماری بہن اب ہماری ذمے داری ہے۔'' شمیر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

✦ ✦ ✦

''ارشد! پلیز یار' اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا' تم آ کر کار ڈرائیو کرو' اپنی پیاری سی بہن کے پاس میں بیٹھوں گا۔'' نبیل بیک مرر میں دیکھتے ہوئے ارشد سے مخاطب ہوا جو لائبہ کو بائیں بازو کے گھیرے میں لے کر بیٹھا ہوا تھا اور اسے ڈانٹ رہا تھا۔ لائبہ کی وہی ضد تھی کہ وہ ان کے ساتھ نہیں جائے گی' یہیں تنہا رہے گی' دونوں نے اسے پیار سے بہت سمجھایا مگر اس وقت لائبہ ہٹ دھرم اور ضدی بنی ہوئی تھی' وہ مان کر نہیں دے رہی تھی۔ ارشد اسے اٹھا کر کار میں بٹھا چکا تھا۔ وہ صرف اسے کنٹرول کرنا چاہ رہا تھا کہ راستے میں کوئی گڑبڑ نہ ہو اور وہ کامیاب بھی رہا تھا۔ لائبہ نے پہلے اس کے بازو کے گھیرے سے نکلنے کی بھرپور کوشش کی مگر ناکام ہونے کے بعد خاموشی سے آنسو بہانا شروع کر دیے۔ نبیل کو یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''یہ سمجھتی ہے' ہم دشمن ہیں اس کے' ہم بہن کی محبت میں پاگل ہو رہے ہیں۔ میں جتنی محبت کرتا ہوں پھر دماغ بھی ایسے ہی درست کر دیتا ہوں۔''

''اوکے...... اوکے...... ابھی تو پلیز' اپنا موڈ درست کرو' ہماری بہن ساتھ رہے گی تو ہمارے مزاج کو بھی سمجھ جائے گی۔'' نبیل نے غصے سے چہرہ ان دونوں کی طرف کیا تھا۔

''جو حکم بگ برادر' میرا اسٹائل ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ میری محبت بھی لوگوں کو خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔'' ارشد کے بے چارگی بھرے لہجے پر نبیل بے ساختہ ہنس پڑا۔

''لوگوں سے مراد شاید تمہاری زینی ہے۔''

''اس وقت تو فی الحال میری بہن ہے صرف۔'' وہ خاموشی سے آنسو بہاتی لائبہ کے بالوں کو چوم کر بولا۔

باتوں کے دوران راستہ طے ہوا تھا۔ کار وائٹ گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ سرسبز و وسیع لان کے وسط میں وہ خوبصورت محل نما بنگلہ بڑی شان و طمطراق سے کھڑا تھا۔ پورٹیکو میں تین کاریں پہلے سے موجود تھیں۔ نبیل نے کار روکتے ہوئے ہارن بجا دیا تھا۔ ارشد اس کا ہاتھ پکڑ کر کار سے باہر نکل آیا۔ نبیل بھی اس کے ہمراہ پورٹیکو عبور کر کے سنگ مرمر سے بنی روش پر چلنے لگا۔ ہارن سن کر اندر سے کئی چہرے برآمد ہوئے تھے۔ پُرتجسس و اشتیاق آمیز۔

اس کے احساسات جیسے منجمد ہو گئے تھے۔ اسے نہ اپنوں سے ملنے کا اشتیاق تھا اور نہ مسرت' سب محسوسات پر جیسے برف جم گئی تھی۔ دل و دماغ میں صرف ماما کی ابدی جدائی کا دکھ لاوا بن کر دہک رہا تھا' دل کا درد آنسوؤں کی صورت میں رواں تھا۔ اس کے دائیں طرف نبیل تھا جس نے اس کا ہاتھ بڑی محبت اور نرمی سے تھام رکھا تھا' بائیں طرف ارشد تھا جس کے غصے اور ہٹ دھرمی کے باعث وہ یہاں آنے پر مجبور ہوئی تھی۔ وہ عجیب شخص تھا جس کی محبت میں بھی غصہ اور سختی شامل تھی اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔

''ویلکم سسٹر۔'' ایک دراز قد وجیہہ نوجوان ایک ہی جست میں تین سیڑھیاں پھلانگ کر اس کے روبرو پہنچا تھا اور بہت اپنائیت سے اسے گلے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

''یہ شمیر ہیں' آپ کے تھرڈ نمبر بھائی' یعنی ہم دونوں سے چھوٹا ہے یہ۔''

''تم سے تو پھر بھی بڑا ہوں۔'' وہ جھک کر اس سے شوخی سے بولا۔ کھلنڈرا انداز' شوخ و شنگ مسکراتا لہجہ' اس نے بے اختیار اس کی طرف نگاہیں اٹھائی تھیں۔ وہ اسی طرح مسکراتا ہوا اسے اپنائیت سے تھامے روش سے ملحق تین سیڑھیاں عبور کر کے ان تین خواتین کی طرف لے آیا۔

''کیسی ہو بیٹی۔'' عظمت بیگم جو دونوں بہوؤں عائشہ اور زینب کے ہمراہ کھڑی تھیں۔ ان کی بیتاب نگاہیں معمولی سا حسد لئے اس کے حسین چہرے اور دلربا و دلکش سراپے کا بہت باریک بینی سے جائزہ لے رہی تھیں۔ براؤن کاٹن کے شکن آلود لباس میں' بکھرے بالوں' متورم آنکھوں اور ویران چہرے کے باوجود اس کا نوخیز سوگوار حسن نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ مشرق و مغرب کے سنگم کا بہترین شاہکار تھی۔ جب بیٹی اتنی خوبصورت ہے تو کیا ماں کم حسین ہو گی۔ مرد تو حسن و شباب کا دیوانہ ازل سے ہے۔ کیا روحیل نے فاطمہ کو محض مجبوری کے تحت اپنایا تھا۔ ایسے ہوش ربا قیامت خیز حسن کے طلسم میں جبھی میرا وجود گم کر بیٹھے' عورتوں والا خصوصی حاسدانہ اور کینہ پرور بغض ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا۔ اس وقت لائبہ کا وجود ان کی ازدواجی زندگی کے پرسکون و پرکیف سالوں پر بدنما داغ بن کر لگا تھا۔ اس کا وجود اس بات کی مضبوط دلیل تھا کہ روحیل کسی اور کا بھی رہا تھا۔ انہوں نے بہت شدت سے اپنے اندر کی عورت کے نفرت بھرے جذبات کو مارنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بپھری ہوئی اپنے حقوق کی تقسیم' اپنے پیار کے بٹنے پر ماتم کناں عورت کو نہیں بہلا پائی تھیں' مگر اس وقت ان کے خلوص اور ظرف و برداشت کا امتحان تھا۔ تینوں بیٹوں اور بہوؤں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھی تھیں۔ انہوں نے بہت ضبط سے اپنے جذبات چھپا کر اس کو آگے بڑھ کر سینے سے لگایا تھا اور اس کے بخار کی شدت سے گرم ہوتے وجود کو اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے وقت انہیں وہی مہک محسوس ہوئی جو نبیل' ارشد اور شمیر کے وجود سے محسوس ہوتی تھی مگر اس وقت وہ ان کی برداشت سے باہر تھی۔ انہیں لائبہ کو پیار سے سینے سے لگاتے دیکھ کر ان سب کی پرتجسس آنکھوں اور چہروں پر سکون و اطمینان چھا گیا تھا' جبکہ لائبہ نے ایک گہری نگاہ ان کے چہرے پر ڈالی تھی۔

''یہ ممی ہیں ہماری اور تمہاری' یہ ماما سے زیادہ پیار دیں گی تمہیں۔'' ارشد مسکراتے ہوئے بولا پھر شمیر نے دونوں چھوٹی بڑی بھابیوں سے اس کا تعارف کروایا۔ وہ دونوں بھی بڑی محبت اور گرم جوشی سے ملیں۔ ان سب کے ہمراہ وہ اندر بڑھ گئی۔ اس کی متلاشی نگاہیں کسی اور کو بے اختیار ادھر ادھر ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ وجود اب بھی منظر سے غائب تھا۔

✦ ✦ ✦

''حالات دیکھ رہی ہیں آپ بیٹا' پھر بھی آپ شہر سے باہر جانے کا سوچ رہی ہیں۔'' مسز توفیق کنول سے مخاطب ہوئیں جو ملتان جانے کی اجازت مانگ رہی تھی۔

''حالات کی وجہ سے ہی تو میں یہاں سے جانا چاہ رہی ہوں۔'' وہ مسکرائی۔

''کچھ دن انتظار کرو حالات بدل جائیں تو پھر چلی جانا۔''

''ممی! حالات بدلنے کی کوشش کی جائے گی جبھی تو بدلیں گے' یہاں تو حالات بگاڑنے کی سازشیں کامیاب ہو رہی ہیں۔ سب کے دعوے اور عزم محض بیانات اور تقریروں کی حد تک رہتے ہیں۔ عملی قدم کوئی نہیں اٹھاتا۔ فائرنگ' ہنگاموں اور بم بلاسٹنگ میں ہلاک و زخمی ہونے والوں کے زخم اور تکلیف آپ دیکھیں گی تو نفرت ہو جائے گی آپ کو ایسے دعوے اور وعدے کرنے والے لوگوں سے۔ بے گناہ سفاکی سے قتل کیے جانے والے افراد کے لواحقین کی دردناک آہیں اور آہ وزاریاں آپ کی راتوں کی نیندیں اڑا دیں گی۔ پچھلے دنوں جو فائرنگ سے ایک عورت ہلاک ہوئی تھی' اس کا شوہر اس کی موت کے صدمے سے دماغی توازن کھو بیٹھا ہے' اور اس کے دو بچے جو ایک اور دو سال کی عمر کے ہیں' وہ بے سہارا ہو گئے۔ وہ نوجوان جو اپنی ایک ہفتے کی بیاہتا بیوی کے لئے گجرے خریدنے گھر سے نکلا تھا' گھر واپسی اس کی لاش کی صورت میں ہوئی اور ایک شخص جو سڑک سے گزرتے ہوئے اچانک ہونے والی فائرنگ کا شکار ہوا' جانتی ہیں اس کے کندھوں پر کتنی ذمے داریاں تھیں۔ اس کے خود کے سات چھوٹے بچے ہیں۔ بیوہ بہن اور اس کے چار بچے' دو جوان بہنوں اور بوڑھے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا اور پورے کنبے کا واحد کفیل تھا وہ۔ ایک زندگی سے کتنی زندگیاں' کتنی امیدیں' کتنی آرزوئیں وابستہ ہوتی ہیں' ایک زندگی کی موت میں کئی زندگیوں کی موت ہوتی ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے ممی' ہمارے معاشرے میں جہاں ایک کمانے والا اور پورا کنبہ کھانے والا ہوتا ہے اور شیطان صفت بے رحم لوگوں کی شر انگیزیوں کے باعث یہ زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ خود سوچیے پھر ایسے خاندانوں پر کیا گزرتی ہو گی۔ انسانی زندگیاں اتنی ارزاں اور بے وقعت ہو گئی ہیں کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔''

''آپ کی بات درست ہے بیٹا' دل روتا ہے ایسے واقعات سن کر۔ آپ کے پپا تو رات دن اسی کوشش میں سرگرم عمل ہیں کہ ہر طرف امن و سکون قائم ہو جائے۔''

''نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ کالی بھیڑیں جو ہر محکمے میں بڑی تعداد میں موجود ہیں' پہلے ان کے غدار وجود کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ جب حالات بھی کچھ بدلیں گے اور لوگوں کی زندگیاں بھی محفوظ ہو جائیں گی۔ ڈیڈی جیسے فرض شناس و محب وطن افسر ہر جگہ موجود ہیں مگر کیا کر سکتے ہیں کتنی مشکلوں اور محنت کے بعد ڈیڈی نے اس گینگ کا کلیو حاصل کیا تھا مگر حکام اعلیٰ نے آگے کارروائی کرنے سے صرف اس لئے منع کر دیا کہ وہ جو اس گینگ کا سربراہ ہے' وہ بہت معتبر ہستی ہے اور کوئی گواہ موجود نہیں ہے' اسی طرح ہر بڑے مجرم کو ملک دشمن عناصر کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اپنے بینک لاکرز بھر لئے جاتے ہیں۔'' کنول جو کئی ہفتوں سے ایمرجنسی وارڈ میں ڈیوٹی دے رہی تھی' سب کچھ دیکھ کر اس کا حساس دل بری طرح ہرٹ ہوا تھا اور وہ کچھ دنوں کے لئے اپنی کولیگ ڈاکٹر شہناز کے ساتھ کراچی سے باہر ملتان جانے کا سوچ رہی تھی۔

''آپ کے ڈیڈی تو اسی کوشش میں ہیں کہ کوئی گواہ مل جائے' اگر ایسا ہو گیا تو پھر کوئی بھی اسے نہ بچا پائے گا۔ چلی جایئے آپ' آپ کے دماغ سے بوجھ اتر جائے گا۔''

✦ ✦ ✦

''ماما! کیا انسان کا انسان سے رشتہ صرف سانسوں کی زندگی سے منسلک رہتا ہے۔ محبت' وفا چاہتوں کی شدتیں سانسوں کی چلتی رفتار تک ہی قائم رہتی ہیں۔ آپ کی یاد زندہ ہے' مگر محسوس ہونے والی ممتا کی گرمی' جان سے زیادہ چاہنے والی محبتوں کا گداز محسوس نہیں ہوتا۔ میں آپ کو اپنے ساتھ چلتا پھرتا محسوس کرتی ہوں مگر جب آپ کو تھامنے کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہوں تو ہاتھ خالی واپس لوٹ آتا ہے۔ آپ خیال کیوں بن گئی ہیں ماما۔'' وہ بے اختیار گھٹنوں میں منہ چھپا کر رو دی۔ ماما کی یاد کسی گہرے زخم کی طرح اس کے دل میں جگہ بنا چکی تھی۔ ہر لمحہ وہ انہیں اپنے اردگرد محسوس کرتی تھی۔ ماما سے بچھڑے آج ساتواں دن تھا اور اس گھر میں آئے ہوئے چوتھا دن تھا۔ جب سے وہ آئی تھی' بخار سے بے سدھ تھی۔ شمیر پابندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دوائیاں اور چیک اپ بھی پابندی سے کر رہا تھا۔ ماما کی جدائی کے صدمے سے اس کی حالت بہت خراب تھی' نقاہت و کمزوری حد درجہ تھی' یہاں سب لوگوں کی مکمل دیکھ بھال اور بھرپور محبت اور توجہ بھی اسے ماما کی یاد سے غافل نہ کر سکی تھی۔

تین دن تو وہ بے سدھ رہی تھی۔ آج شام سے اس کا بخار اترا تھا۔ عائشہ اسے بہت اصرار سے سوپ اور دلیہ کھلا کر گئی تھی۔ نبیل' ارشد' زینی اور عظمت بیگم سب ہی اس کی طبیعت پوچھ کر اور ہلکی پھلکی باتیں کر کے گئے تھے۔ وہ سب اس کی دل جوئی میں مصروف تھے مگر وہ مجسمے کی مانند بے حس ہو گئی تھی۔ ان کی باتوں کا وہ کوئی جواب ہی نہ دیتی اور آنکھیں بند کر کے لیٹ جاتی۔ وہ سب اسے سکون اور اطمینان سے سونے کی خاطر خاموشی سے کمرے سے نکل جاتے۔

ابھی بھی یہی ہوا تھا۔ وہ سب اس کے آرام کی خاطر کمرے سے چلے گئے تھے اور ان کے جاتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی ماما کی یادیں خوشبو کی طرح ہر سو پھیل گئی تھیں' دل ان کی یاد سے زیادہ مضطرب ہوا تو وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر رو دی اور نہ معلوم کب تک وہ اپنا دکھ آنسوؤں میں بہاتی کہ سر پر کسی کے بھاری لرزتے ہوئے ہاتھ کے لمس سے سر اٹھانے پر مجبور ہو گئی اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اسے ایسا لگا' جیسے وقت کی رفتار تھم سی گئی ہو' بچپن کے دریچوں سے ایک مہربان شفیق بے انتہا محبت کرتا چہرہ جھانکنے لگا۔ وہ خوشبوئیں بکھیرتا سراپا' وہ مانوس چہرہ' جس کے انتظار میں زندگی ہی انتظار بن کر رہ گئی تھی۔ آج برسوں بعد اس کے سامنے تھا۔ پہلے سے زیادہ مہربان' شفیق اور محبت کرنے والا وہ بے اختیار خواب کی سی کیفیت میں کھڑی ہو گئی تھی۔

''لائبہ! میری بیٹی' میری جان' میں ہوں تمہارا ڈیڈی۔'' ان کی آواز شفقت و جذبات سے لرز رہی تھی۔ سرخ آنکھوں میں گزرے سالوں کی تلخیاں نمی بن کر تیر رہی تھیں۔

''ختم ہو گیا آپ کا پردہ۔'' وہ بیڈ سے اتر کر ان سے کافی فاصلے پر کھڑی ہو کر طنز سے بولی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹا آپ۔ باپ بھی کوئی بھلا بیٹی سے پردہ کرتا ہے۔''

''جی ہاں آپ نے تو کم از کم مجھ سے پردہ ہی کیا ہے' آپ جب بھی ماما سے ملنے یا کسی کام کے سلسلے میں آئے' میری غیر موجودگی میں آئے یا اس وقت جب میں سو رہی ہوتی تھی' میری لاکھ خواہش و کوشش کے باوجود آپ میرے سامنے نہیں آئے' یہ پردہ ہی تو تھا۔''

''میری مجبوریاں تھیں بیٹا' سب سے زیادہ میں اپنی محبت سے مجبور تھا' مجھے معلوم تھا کہ میں اگر تم سے مل لیا تو میری قسم' میرا عہد' سب کچھ محبت میں ڈوب جائے گا پھر میں تم سے قطعی دور نہیں رہ سکتا تھا۔ بہت عذاب سہے ہیں میں نے' میری بیٹی! میں جانتا ہوں' مجھے معلوم ہے سب کہ میری بیٹی مجھ سے کتنی بدگمان اور ناراض ہے' مجھے معاف کر دو بیٹا میں......''

''پلیز آپ مجھے شرمندہ مت کریں' میرا بچپن' میری زندگی کا سب سے زیادہ نازک اور اہم دور بہت سی محرومیوں اور ناآسودگی میں گزرا ہے۔ آپ کی معافی' آپ کی محبت میری زندگی کے وہ پل آسودہ اور خوشگوار نہیں کر سکتی' میرا حسرت بھرا مایوسیوں سے پُر بچپن کبھی میری زندگی سے خارج نہیں ہو سکتا۔ میں نے ایک پورا دور جو تنہائیوں اور اپنوں کی یاد میں روتے سسکتے گزارا ہے' وہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ میرے شعور میں آج بھی وہ تصور پوری طرح روشن ہے جہاں ہاسٹل کی یخ بستہ گلاس وال سے چپکی ہوئی دو نگاہیں بڑی امید اور آس سے سڑک کو تکتی ہیں کہ اس کے ڈیڈی اس سے ملنے کار میں آتے ہوں گے۔ ہر آنے والی کار ان منتظر آنکھوں میں امیدوں کے رنگ بھر دیتی۔ مگر کار سے کسی دوسرے شخص کو برآمد ہوتے دیکھ کر جو اس کے شیشہ دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں اس درد کو میں ابھی تک اسی طرح محسوس کرتی ہوں۔ وہ انتظار اتنا طویل ترین ہوا کہ راہ تکتی ہوئی نگاہیں پتھرا گئیں۔ ساری امیدیں' خواب و خوشیاں مر گئیں۔ اب مجھے کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔'' آنسو موتیوں کی طرح اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ آواز اس کی بھاری ہو گئی تھی۔ ارشد جو روحیل کے ساتھ آیا تھا' خاموشی سے وہاں کھڑا بے تحاشہ روتی' شکوے کرتی لائبہ کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے احساس ہے بیٹا' آپ محرومیوں کا شکار رہی ہیں تو میں بھی حسرتوں کے حصار میں قید رہا ہوں۔ ہم دونوں کا درد مشترک ہے میری بیٹی۔'' وہ آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دھیمے پرسوز لہجے میں بولے۔

''نہیں آپ کا اور میرا درد مشترک نہیں ہے' میں تنہا عذاب میں مبتلا رہی ہوں۔ آپ کے پاس تو سب موجود تھے' جبھی آپ کو میری ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوئی اور اب میں آپ کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔'' وہ کٹھور لہجے میں سنگدلی سے کہنے لگی۔

''ڈیڈی! لائبہ کا شکوہ درست ہے۔ اس کا دکھ' اس کی محرومیاں اور کرب وہی سمجھ سکتا ہے جو ایسے حالات سے گزرا ہو' اس کی روح میں پڑے زخم جو سالوں پرانے ہیں اتنی جلدی نہیں بھر سکتے' آہستہ آہستہ ہی ہماری محبتوں اور جذبوں کی سچائی اپنا آپ منوائے گی۔ آپ اپنے کمرے میں آرام کریں۔ میں ہوں لائبہ کے پاس۔'' ارشد سنجیدگی سے کہتا ہوا روحیل صاحب کو اشارے سے بولا کہ وہ چلے جائیں' وہ ابھی جذباتی ہو رہی ہے' وہ خود سمجھائے گا اسے اور ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ روحیل صاحب سرد آہ بھر کر لائبہ کو دیکھتے ہوئے کمرے سے چلے گئے۔ لائبہ اسی انداز میں کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔

''میری عقل حیران ہے کہ تمہارے پاس آنسوؤں کا اسٹاک اتنی وافر مقدار میں کیسے موجود ہے۔'' وہ اس کے قریب آ کر بشاش لہجے میں ہاتھ سے اس کا جھکا چہرہ اوپر کرتے ہوئے بولا۔ ''دیکھو لائبہ' مجھے فخر ہے میری بہن ایسے حالات سے گزرنے کے باوجود بہت اچھی اور معصوم ہے۔ ڈیڈی بہت سوفٹ اور ڈیسنٹ مین ہیں' تم نے بہت خراب امیج ان کا اپنی نگاہوں میں یا دل میں بنا لیا ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نرم لہجے میں سمجھانے لگا۔

''میرا قصور نہیں ہے۔ میرے ساتھ جو سلوک کیا گیا' اسی کا ردعمل ہے یہ سب۔''

''اوکے' میں مانتا ہوں اور تمہارے درد کو محسوس کر رہا ہوں' مگر گڑیا' یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ برے دنوں کی تکلیف دہ یادوں کے پیچھے اچھے آنے والے دنوں کو خوش آمدید نہ کہا جائے۔ رات کے بعد صبح ضرور ہوتی ہے۔ تاریکی کے بعد اجالا بھی لازمی ہے' ماضی خوشگوار ہو یا حسرت زدہ اسے بھلانا آسان نہیں ہوتا۔ تم آہستہ آہستہ ان احساسات سے باہر نکلو جو تکلیف اور اذیت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ تمہارا حال روشن اور مستقبل ان شاء اللہ تابناک ہو گا۔ ڈیڈی بھی تمہارے بغیر اتنے ہی بے چین و پریشان رہے ہیں' گھر کی کوئی خوشی انہوں نے خوشی سے نہیں منائی' ان پر ہر وقت ایک بیزاری و تنہائی کی کیفیت طاری رہتی تھی' ان تین چار دنوں میں وہ جتنے پُرسکون اور مطمئن نظر آئے ہیں' ہم لوگوں نے انہیں اتنا پُرسکون کبھی نہ دیکھا تھا۔

''آپ بیٹھ جائیں نا۔'' اس کا دھیما محبت و شفقت بھرا انداز اسے اپنی بداخلاقی کا احساس دلانے لگا۔ بدلتے حالات نے اس کا لہجہ اور انداز بدل دیئے تھے مگر اب خود ہی اسے ان لوگوں کی سچی' بے ریا محبت اور اعلیٰ ظرفی پر رشک آنے لگا تھا کہ اس کی اس قدر بیگانگی' ہٹ دھرمی اور بدتمیزی کے باوجود وہ لوگ مخلص و ہمدرد اور پیار سے لبریز تھے۔

''تم بھی بیٹھو' اپنے دل سے بدگمانیوں اور ناراضگی کا زہر نکال دو' بہت خواہش تھی کہ ہماری بھی کوئی بہن ہو جس کے خوبصورت وجود سے گھر میں بہار آ جائے اور یہ خواہش اس طرح پوری کی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ واقعی ایک پری جیسی پیاری سی بہن دے دی' ہماری خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے اور تم ہو کہ ہم سے بات کرنے پر رضامند نہیں۔ سچ بتاؤ' کیا ہم بہت برے ہیں۔''

''نہیں نہیں آپ لوگ تو بہت اچھے ہیں۔''

''تو پھر بھائی کہو' یہ اجنبیت کیوں۔ کیا بھائی کا ارمان نہیں تھا تمہیں؟''

''او بھائی۔'' وہ بے اختیار اس کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی۔ اسے بھائی کے وجود کا احساس بڑی شدت سے ایک سرپھرے شخص نے کبھی بڑی ہٹ دھرمی سے دلوایا تھا۔ آج وہ معتبر ہو گئی تھی۔ اس کی عزت کے محافظ' غیرت مند اور توانا بھائی موجود تھے۔ اب وہ اپنا انتقام لے سکتی تھی۔ وہ اس کی ساری زیادتیوں کا انتقام لے گی۔ اس نے بپھرے انداز میں سوچا' ارشد نے بڑے دلار سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''واہ بھئی واہ...... شکر ہے' رب کا جو تمہاری یادداشت لوٹ آئی' کم از کم تم نے ہمیں بھائی تو مانا۔'' شمیر مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا اور اس کے ساتھ نبیل' عائشہ' زینب بھی مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ مسرتوں سے ان کے چہرے چمک رہے تھے۔

✦ ✦ ✦

''کینٹ اسٹیشن پر اس وقت زبردست گہما گہمی پائی جاتی تھی۔ آگے جاتے لوگوں کا ہجوم' سامان اٹھائے' بھاگتے دوڑتے قلی' کولڈ ڈرنکس' چائے اور دوسری کھانے پینے کی

اشیاء فروخت کرتے لوگوں کی بھاگ دوڑ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ شمائلہ، تابش کا ہاتھ پکڑے بہت شوق و حیرانی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ انور فرسٹ کلاس ڈبے میں ان کا سامان سیٹ کروا رہا تھا اور وہ جس کی زندگی کا پہلا اور انوکھا سفر تھا' یہ سب کچھ بڑی خوشی اور حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ تابش کی کیفیت بھی اس سے مختلف ہرگز نہ تھی۔

''اے شمائلہ' سب سامان رکھ لیا تھا نا یاد سے۔ لو بھلا دیکھو بالکل ہی خوشی سے باؤلی ہوئی جا رہی ہے۔ ادھر آ کر بھائی کے ساتھ سامان لگوا لو کچھ رہ نہ گیا ہو۔''

''خوشی کی تو بات ہے نا امی' سچ مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ ہم ریل کا سفر کریں گے۔''

''ہاں باجی' مجھے بھی یہ سب خواب جیسا لگ رہا ہے۔'' تابش گردن ہلا کر بولی۔

''اس خواب کی تعبیر تو جب معلوم ہوگی جب تم دو دن کا سفر کر کے لاہور پہنچو گی۔ بیٹھے بیٹھے کمر اور ٹانگیں درد کرنے لگیں گی' رات بھر بھی سکون کی نیند نہیں آئے گی۔''

''بھائی آپ ابھی سے ڈرا رہے ہیں۔'' شمائلہ کے انداز پر وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

''خیال رکھنا بیٹا اپنا (اجمل صاحب جو ایک ہفتہ قبل ہی لوٹے تھے) خاموشی سے کھڑے تھے۔ بہت دیر بعد اس سے مخاطب ہوئے ان کے لہجے میں شفقت و محبت تھی۔

''جی ابو آپ بھی اپنا خیال رکھئے گا۔'' باپ پہلی بار اتنی اپنائیت و خلوص سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ جو بچپن سے اپنی محرومیوں اور غربت کے باعث اپنے باپ کو خوب سمجھتا تھا جس کی لاتعلقی و بے حسی نے اسے غلط راستے پر چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ نفرت' وہ ناراضگی ان کی آج کی اس اپنائیت نے توڑ دی تھی' دل کے کسی تشنہ گوشے میں آسودگی چھانے لگی مگر لہجے کی اجنبیت لفظوں میں پنہاں تھی۔

''ہاں بیٹا' خیال رکھنا اپنا' افشاں کے پاس بھی کبھی کبھی چکر لگاتے رہنا' تنہائی کا احساس بھی نہیں ہوگا' ہم بہت جلد آ جائیں گے۔'' خورشید اس کے قریب آ کر اپنائیت سے بولیں۔

''اسلام علیکم۔'' انور جو ماں اور بہنوں سے باتوں میں مصروف تھا' خلاف توقع کنول کو سامنے دیکھ کر گڑبڑا گیا۔ وہ لائٹ یلو کڑھائی والے فراک سوٹ میں خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کی اشتیاق آمیز متلاشی نگاہیں ان کے چہروں سے ہو کر شمائلہ کے چہرے پر رک سی گئی تھیں۔

''وعلیکم السلام ڈاکٹر صاحبہ آپ یہاں کیسے۔'' انور نے اپنے کن فیوز لہجے پر بمشکل قابو پایا تھا۔

''میں ملتان جا رہی ہوں' میری دوست تو آگے نکل گئی ہے' میں آپ کو دیکھ کر رک گئی کہ آپ کی مسز سے اسی بہانے ملاقات ہو جائے گی۔'' اس کے چہرے پر عجیب سا رنگ تھا۔ بشاش لہجے کی اداسی صرف انور ہی محسوس کر سکا تھا۔

''اماں' یہ ڈاکٹر صاحبہ ہیں' انہوں نے ایک دفعہ میری جان بچائی تھی۔ بری طرح زخمی ہوا تھا میں اس حادثے میں۔ یہ میری والدہ ہیں اور یہ بہنیں ہیں۔ شمائلہ اور تابش۔'' اس نے عجلت بھرے انداز میں تعارف کروایا تھا۔

''آپ کی مسز ساتھ نہیں ہیں کیا؟'' شمائلہ کی طرف سے وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ ان سے ملنے کے بعد وہ انور سے دوبارہ مخاطب ہوئی۔ اجمل صاحب اندر سیٹ پر بیٹھ چکے تھے۔

''بھائی کی مسز ہوں گی تو ساتھ ہوں گی' بھائی کی تو ابھی منگنی بھی نہیں ہوئی ہے' ہم لڑکی تلاش کر رہے ہیں۔ مگر آپ سے کس نے جھوٹ بول دیا کہ بھائی شادی شدہ ہیں۔''

''سوری' میں ہی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی۔'' انور کو نگاہیں چراتے دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے بولی' اس کے چہرے پر اطمینان کے رنگ چھا گئے تھے۔

''میں نے آپ سے اس 'جذبے' کو کچلنے کے لئے جھوٹ بولا تھا' جو آپ کی آنکھوں کے علاوہ میرے اندر بھی ہلچل مچانے لگا تھا۔'' خورشید' شمائلہ وغیرہ کے سیٹوں پر پہنچنے کے بعد وہ کنول کے ہمراہ چلتا ہوا سنجیدگی سے کہہ اٹھا۔ اس کا لہجہ پر اعتماد تھا۔ اس کی کم گوئی' بے اعتمادی و احساس کمتری وقت کے ساتھ ساتھ رخصت ہو گئی تھی۔

''جو جذبے دل کی زمین سے جنم لیتے ہیں' ان کی جڑیں روح کی گہرائیوں میں دفن ہوتی ہیں۔ ہم انہیں جتنا بھی چاہیں کاٹ دیں یا کچل دیں' ان کی جڑیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔''

''ڈاکو اور ڈاکٹر کبھی ایک صف میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔''

''پیدا تو سب ہی معصوم ہوتے ہیں۔ یہ حالات اور خیالات انسان کو ڈاکو یا ڈاکٹر بناتے ہیں' آپ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں' اپنی گمراہیوں کا کفارہ ادا کر دیں پھر آپ بھی اچھے لوگوں میں شمار ہوں گے۔ سب قبول کریں گے آپ کو۔'' کنول آج کوئی بات دل میں رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک عرصے بعد اس کا ساتھ نصیب ہوا تھا' پھر وہ موقع کیوں گنواتی۔

''اچھائی کو برائی میں تبدیل ہوتے دیر نہیں لگتی۔ مگر برائی اتنی جلدی کبھی اپنے آپ کو نہیں مارتی' اچھا جی خدا حافظ۔'' وہ اسے اس کے ڈبے تک چھوڑ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ریل نے وسل دے دی تھی' وہ ان لوگوں کو خدا حافظ کہتا ہوا نیچے اتر گیا۔ ریل نے دھیرے دھیرے چلنا شروع کر دیا تھا۔ شمائلہ' تابش اور اجمل صاحب کھڑکی سے ہاتھ نکالے اسے خدا حافظ کہہ رہے تھے جواباً وہ بھی ہاتھ ہلانے لگا۔

✦ ✦ ✦

عبدل بہت مسرور انداز میں گنگناتے ہوئے اُسامہ کا سامان وارڈ روب میں سیٹ کر رہا تھا۔ شام کی فلائٹ سے اُسامہ ہانگ کانگ سے واپس آ گیا تھا۔ گھر میں آنے کے بعد حسب عادت اماں جان کی طرف گیا مگر ان کا کمرا اندر سے لاک تھا۔ وہ سمجھ گیا' اماں آرام کر رہی ہیں کوثر بیگم۔ کی طرف بھی کوئی نہیں تھا۔ ملازمین سے معلوم ہوا سب روحیل صاحب کی طرف گئے ہیں اور فوزیہ بیگم بھی وہیں گئی تھیں۔ وہ عبدل کو چائے کا کہہ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ لینے کے بعد تاول سے بال خشک کرتا باہر نکلا تو عبدل اس کا سامان وارڈ روب میں سیٹ کر کے چائے بنا رہا تھا۔ اس کے سانولے چہرے پر ایسی ہی مسرتیں اور اطمینان تھا جیسے کسی بیوی کا شوہر عرصہ بعد گھر لوٹے تو اس کے دل کی کلیاں کھل جاتی ہیں۔ یہی حال عبدل کا اسے دیکھ کر ہوا تھا۔

''خیریت تو ہے نا' سب لوگ کیوں روحیل چچا کے ہاں گئے ہیں۔'' وہ اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتا ہوا سرسری لہجے میں پوچھنے لگا۔

''آپ کے جانے کے بعد یہاں بہت بڑا انکشاف ہوا ہے۔'' عبدل اس کے نزدیک کھسک کر رازدرانہ لہجے میں بولا۔

''کیسا انکشاف؟'' وہ چائے کا سپ لیتا ہوا بولا۔

''وہ روحیل صاحب ہیں نا جی' ان کی بیٹی کی وجہ سے بہت گڑبڑ ہو رہی ہے۔''

''پہلے پہل تو جی' کسی کو بھی یقین نہیں آیا تھا مگر صاحب' یہ سچ ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کیا کہہ رہے ہو تم۔ روحیل انکل کی بیٹی کہاں سے آ گئی؟''

''چھوٹے صاحب نے کسی انگریز عورت سے شادی کی تھی۔ اس انگریز عورت سے ان کی بیٹی ہے' یہ راز بہت عرصے سے چھپا ہوا تھا۔ اب ظاہر ہوا ہے' وہ اس وجہ سے کہ وہ لڑکی جس ملازمہ کے پاس رہتی تھی' اس کا انتقال ہو گیا اور اس طرح وہ اب ان کے گھر میں ہیں۔ اماں جان اس راز سے واقف تھیں' انہوں نے بہت ہنگامہ مچایا ہے اس لڑکی کے وہاں آنے پر۔''

''یقین نہیں آتا' انکل جیسے نرم مزاج اور سادہ لوح شخص بھی دوسری شادی کر سکتے ہیں۔''

''یہ ساری باتیں میرے سامنے ہی ہوئی ہیں' آپ کو تو معلوم ہے' میں کوئی بات کسی کے آگے نہیں دہراتا۔ اس لئے سب مجھ پر اعتماد کرتے ہیں' آپ کے علاوہ میں کسی دوسرے سے کوئی بات نہیں کرتا ہوں۔'' عبدل چائے لے کر برتن ٹرالی میں رکھتا ہوا سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''اوکے۔ میں بھی جا رہا ہوں انکل کی طرف۔ تمہارے گفٹ مما کے کنفس میں رکھے ہیں' آ کر دوں گا۔'' انکل کی دوسری شادی اور ایک عدد بیٹی کے وجود کی خبر اس کے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ حقیقت ہے۔ وہ کار کی چابی اٹھا کر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

✦ ✦ ✦

سٹنگ روم میں سب جمع تھے۔ نبیل اور ارشد کے درمیان بیٹھی لائبہ گاہے بگاہے ان سب کی نگاہوں کی زد میں تھی۔ تعارف اس کا ان سب سے ہو گیا تھا۔ وہ سب خلوص و اپنائیت سے ملے تھے مگر اس کی حساس طبیعت نے ان کی حیرانی و تجسس کو شدت سے محسوس کیا تھا۔ سب سے زیادہ پریشان اسے فوزیہ بیگم کی نگاہوں نے کیا تھا۔ رسمی انداز میں انہوں نے بھی اسے کوثر بیگم اور ماریہ کی طرح سینے سے لگا کر پیشانی چومی تھی مگر صوفے پر بیٹھنے کے بعد باتوں کے دوران ان کی بے چین نگاہیں اس کی طرف اٹھتی رہیں۔ ان کے انداز میں اضطراب تھا۔ باقی سب بھی نگاہیں بچا کر اسے دیکھ رہے تھے' جیسے کوئی حیران کن عجوبہ نظر آ جائے' ان کی نگاہوں میں شوق بھی تھا اور پسندیدگی بھی' خلوص بھی تھا اور اپنائیت و مروت کے رنگ بھی۔ مگر فوزیہ بیگم کے انداز میں محبت بھی تھی گھبراہٹ بھی' الفت بھی۔ بڑی عجیب نافہم اور الجھا ہوا انداز تھا ان کا۔

وہاں اس وقت کافی اور ڈرائی فروٹ کا دور چل رہا تھا۔ زینی اور عائشہ نے ملازمہ کی مدد سے سب کو کافی سرو کر دی تھی۔ ڈرائی فروٹ کی ٹرے بھی سب کے قریب موجود تھی۔ وہ بھی اپنے اپنے مگ لے کر ان کے قریب صوفے پر بیٹھ گئیں۔ روحیل صاحب کچھ دیر قبل ان کے درمیان سے اٹھ کر گئے تھے۔ عظمت بیگم جو کوثر اور فوزیہ بیگم کے درمیان بیٹھی تھیں' چہرے پر اطمینان و بے فکری کے رنگ پھیلائے' انہیں وہ واقعات سنا رہی تھیں جس کے سبب روحیل صاحب نے دوسری شادی کی اور لائبہ کن مصلحتوں کے تحت ان سے دور رہی۔ ان کے لہجے میں لائبہ کے لئے محبت تھی۔ روحیل کے لئے ہمدردی کا جذبہ تھا۔ انہوں نے معمولی سا بھی یہ محسوس ہونے نہیں دیا کہ روحیل کے تقسیم ہونے کی خبر مستزاد اس پر اس کی ہم منصب کی کوکھ سے جنم لینے والی زندہ حسین حقیقت نے انہیں اندر سے زخمی کر دیا ہے۔ وہ اپنی محبت' اعتماد' مان اور غرور کی لاش خود اٹھائے ہوئے مسکرانے پر مجبور ہیں۔

''بہت عظیم ہیں آنٹی آپ' آپ نے جتنی فراخ دلی سے سب کچھ تسلیم کیا ہے' آج کل اتنی سادہ' صابر اور کشادہ دل کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔'' ماریہ کا دھیما لہجہ عقیدت سے چور تھا۔ اس نے عظمت کا ہاتھ اٹھا کر اپنے لبوں سے لگا لیا تھا۔

''بہو درست کہہ رہی ہیں عظمت' واقعی تم نے جس سمجھ داری و بردباری سے سب برداشت کیا ہے' وہ قابل ستائش ہے اور روحیل نے یہ نکاح مجبوری میں ہی کیا ہے اور یہ حق بھی ہے۔ اس نے مذہب کی خاطر یہ قدم اٹھایا ہے' اس کا صلہ تو اللہ دے گا مگر اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی بچی نے غیروں میں پرورش پائی' یہ بچی کے لئے محرومی و ٹھکرائے جانے کا افسوس ناک مقام ہے مگر اماں جان۔'' انہوں نے آہ بھری۔ ''جو بہتر سمجھتی ہیں وہی کرتی بھی ہیں۔''

''آپ کو خواہش بھی بہت تھی نا بیٹی کی۔ دیکھئے اللہ نے کیسے گھر بیٹھے بیٹی دے دی۔'' فوزیہ بیگم نے بھی لائبہ کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر ان کی باتوں میں حصہ لیا۔ چہرے پر اطمینان کے رنگ بکھرے ہوں تو جسم کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ اور تکلیف سے کوئی واقف نہیں ہو سکتا مگر درد چھپا کر مسکرانے کا فن بھی کسی کسی کو ہی آتا ہے اور عظمت بیگم اس امتحان سے بھی بخوبی گزر گئی تھیں۔ انہیں نارمل دیکھ کر سب نے ہی اس کڑوی حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔

''بھیا! میں اپنے کمرے میں جاؤں۔ اس نے بچپن سے خود کو تنہائی و سکوت میں گم پایا تھا۔ ہاسٹل کی روٹین معمول کے مطابق رہی تھی۔ وقت پر اٹھنا' وقت پر کھانا' وقت پر سونا' وقت پر پڑھنا' وقت پر کھیلنا پھر پاکستان آ کر بھی یہی معمول رہا۔ بلکہ یہاں تنہائیاں اور بڑھ گئی تھیں۔ جامعہ سے واپسی کے بعد گھر میں اس کا اور ماما کا وجود ہوتا' کم گو مطالعے کی شوقین ماما' جو بہت آہستگی سے بات کرنے اور چلنے پھرنے کی عادی تھیں۔ ان کے وجود سے کبھی آہٹ بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ بھی ان کے ہی انداز سیکھ گئی تھی۔ دونوں کی موجودگی کے باوجود بھی گھر کی خاموشی میں ارتعاش پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ سناٹے' خاموشیاں' سکوت اس کی عادت بن گیا تھا۔ اسے یہاں آئے ایک ہفتہ ہونے والا تھا۔ مگر اسے یہاں کچھ گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ نبیل کے بیٹے کا ہنسنا' رونا' کھلکھلانا' نبیل اور ارشد کے آفس جاتے وقت اور آتے وقت کی ہر بونگ' عائشہ زینب سارے دن شاپنگ اور کھانے پکانے کے مسئلوں پر بلند آواز میں مشورے کرتیں' کبھی کسی رشتے دار یا محلے دار کی ذات پر تبصروں کے ساتھ قہقہے لگاتیں۔ عظمت جو اکثر ان کا ساتھ دیتی تھیں اور دونوں نائم ملازماؤں سے صفائی کرواتے ہوئے ان کی ہدایتیں پورے گھر میں گونجتی ہیں۔ عظمت بیگم خود اپنی نگرانی میں صفائی کروانے کی عادی تھیں اور اس گھر کا سب سے بڑا ہنگامہ ثمیر تھا۔ اس کی شوخیاں اور شرارتیں' بھابیوں سے چھیڑ چھاڑ' ممّے سے مستیاں اور عظمت سے لاڈ پیار۔ اس کی دھماکہ خیز ذات

پورے گھر کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیا کرتی تھی۔ بہت پر رونق ہنگامہ خیز زندگی تھی اس گھر میں۔ لائبہ بری طرح بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ بیماری کے باعث ابھی تک اپنے کمرے میں مقید رہی تھی۔ سب سے زیادہ ثمیر نے اس سے فری ہونے کی کوشش کی تھی مگر اس کی بیگانگی و سرد مہری کو اس کی بیماری اور دکھ پر محمول کر کے برا نہیں مانا تھا۔ ارشد اور نبیل سے وہ بہت مانوس ہو گئی تھی اور اپنے ماضی کا ایک ایک دکھ محرومیوں اور انتظار کا کرب انہیں سنا چکی تھی۔

اور کل رات کو آنے والی افتخار صاحب کی کال نے یہ دھما کا خیز خبر دے دی تھی کہ وہ اُسامہ کی منکوحہ ہے۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے گھر میں پھیلی تھی۔ سوائے ثمیر کے سب ہی از حد حیران و پریشان تھے۔ اسے خود اس بات پر شدید حیرانی تھی کہ اس اہم ترین معاملے کی خبر اس کے سگے باپ تک کو نہیں تھی اور یہی بات گھر میں سب نے جب روحیل صاحب سے دریافت کی تو انہوں نے جواز پیش کیا کہ جن دنوں نکاح ہوا وہ عمرے کی ادائیگی کے لئے گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر بھی انہیں خبر یوں نہیں ہوئی کہ ماما سے صرف ان کی ملاقات تھی۔ اماں جان کی قسم کی وجہ سے افتخار صاحب سے ان کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ کوئی اہم بات اگر ہوتی تو دونوں کے پیغامات کا ذریعہ ماما ہی بنتی تھیں اور ماما بھی اس بات سے بے خبر رہی تھیں۔ انہیں اس خبر کا ملال نہیں ہوا کہ ان کی بیٹی کا نکاح ان کی غیر موجودگی میں ہوا بلکہ وہ بالکل لاعلم رہے تھے۔ اس کے علاوہ گھر کے ہر فرد نے انہیں اس خبر سے بے حد خوش اور مطمئن دیکھا تھا۔ جیسے ان کی بھی منشا یہی رہی ہو۔ سب کی حیرانی و پریشانی انہوں نے یہ کہہ کر ختم کر دی تھی کہ انہیں افتخار پر مکمل اعتماد ہے۔ افتخار کو سب اختیارات انہوں نے سونپ دیے تھے۔ ان کا یہ فیصلہ درست اور دانشمندانہ ہے اور دوسری اطمینان کی وجہ یہ تھی کہ وہ اُسامہ کی ہٹ دھرمی، ضد اور اپنی منوانے کی عادت سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کی بیٹی کی قدر اور اہمیت اب مستحکم ہو گئی تھی۔ گھر والوں کو بھی انہوں نے سختی سے تاکید کر دی تھی کہ جب تک اُسامہ ہانگ کانگ سے آنے کے بعد حقیقتِ حال سے باخبر نہ ہو جائے، کوئی فرد اس قصے کو نہ چھیڑے۔ زینی اور عائشہ نے اس موضوع پر اس سے بات کرنا بھی چاہی تھی مگر اس کی خاموشی و لاتعلقی دیکھ کر خاموش ہو گئی تھیں۔

''کیوں اپنے کمرے میں جاؤ گی۔ کیا اپنی ساس سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔'' ثمیر جو اس کے صوفے کے پیچھے کھڑا تھا، مسکرا کر سرگوشی میں شرارت سے لائبہ سے بولا۔

''تم چپ کرو۔ ہر وقت اپنی ٹیں ٹیں جاری نہ رکھا کرو۔'' ارشد نے غصے میں اسے ڈانٹا۔

''غلط تو نہیں کہا میں نے فوزیہ چچی اس کی ساس ہیں۔''

''کیا غلط ہے اور کیا درست، اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔'' ارشد جو لائبہ کے آنسوؤں کے درمیان ساری کہانی سن چکا تھا کہ کس طرح پہلے اس نے لائبہ کو ٹیز کیا۔ نفسیاتی کیس تک بنوا کر مشہور کر ڈالا اور آخر میں جبراً اپنی ذات کی نیک نامی اور انا کی سرخروئی کی خاطر اسے پستول دکھا کر نکاح کرنے پر مجبور کیا۔ سب سن کر اس کی برادرانہ محبت اور مردانگی جاگ اٹھی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا جب تک اُسامہ اسے باعزت و باوقار طریقے سے اپنا نہیں لے گا، وہ تب تک کوئی مروت و دوستی درمیان میں آنے نہیں دے گا۔ وہ صرف اور صرف بہن کی حمایت و طرفداری کرے گا۔ اماں جان کی ضد سے وہ واقف تھا، ان دونوں کے درمیان اب تیسری جنگ اس کی بھی شامل ہو چکی تھی۔ حقوق کی پاسداری، چاہتوں اور خلوص کی بقا کی جنگ۔

لائبہ نے ایک نظر اس کے دہکتے چہرے پر ڈالی۔ میرے بھائی، غیرت مند بہادر، کسی کی ہوس و چالبازی کا جال زیادہ دیر اب میرے گرد نہ رہے گا۔ اس کے اندر ٹھنڈی ٹھنڈی پھواریں پڑنے لگی۔

''ابھی صرف دس ہی تو بجے ہیں۔ اتنی جلدی نیند کہاں آئے گی۔'' نبیل اس سے بولا۔

''اسلام علیکم۔'' بلو جینز وائٹ شرٹ میں اس کا اونچا مضبوط سراپا نمایاں و خوبصورت تھا۔ وہ داخلی دروازے سے پردہ کھسکا کر اندر داخل ہوا تھا۔ اس کی بالکل اچانک اور غیر متوقع آمد نے جہاں سب کو خوشی بھری حیرانی میں مبتلا کر دیا تھا وہیں لائبہ جو خود کو اس صورت حال کے لئے ایک عرصے سے تیار کر رہی تھی، اب ارشد اور نبیل کا مضبوط سہارا پا کر وہ خود کو بہت پُر اعتماد مضبوط محسوس کر کے ہر طرح کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو تیار کر چکی تھی۔ ایک دم ہی اس کی فطری بے اعتمادی و بزدلی عود کر آئی۔ اس سمے وہ یہ بھول گئی کہ وہ اب تنہا نہیں، ماں باپ کی بیٹی اور جان سے زیادہ چاہنے والے بھائیوں کی بہن ہے۔ لمحے بھر میں سب اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ فوزیہ بیگم کے علاوہ دونوں خواتین بھی اس سے بہت اپنائیت سے ملی تھیں۔ ماریہ، عائشہ، زینی بھی اس کے قریب کھڑی حال احوال دریافت کر رہی تھیں۔ ثمیر اور نبیل بھی باری باری اس سے گلے مل کر اس کے ٹور کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ وہ سب کے ساتھ بہت خوش اور مکمل لگ رہا تھا، وہ تھا ہی ایسا۔ جہاں جاتا، وہاں چھا جاتا۔ نہ معلوم اس کی ذات میں ایسا کون سا طلسم تھا کہ لوگ اس کی طرف مقناطیسی کشش بن کر کھنچے چلے جاتے تھے۔ یہاں تو چند نفوس پر ہی محفل محیط تھی۔ وہ ہزاروں کے مجمعے میں بھی منفرد اور نمایاں نظر آتا تھا۔ اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس 'انتہا پسند' کی طرف ڈالی۔ اس ٹور کے مختصر عرصے میں وہ ایک حد تک اسمارٹ ہو گیا تھا جو کمزوری کی مد میں شمار ہوتی تھی۔ البتہ چہرے کی وجاہت و شادابی میں مزید سرخیوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ براؤن روشن ذہانت سے دمکتی آنکھوں میں گویا مزید روشنیوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اپنوں کے درمیان ہنستا مسکراتا، بے فکر اور ہر دکھ سے آزاد بہت پرکشش اور چارمنگ لگ رہا تھا۔

لائبہ نے گردن جھکا لی تھی۔ کتنا خوش نصیب شخص تھا وہ جسے اپنوں کی بھرپور رفاقتیں اور محبتیں پوری شدتوں سے میسر تھیں۔ میں بھی تو اپنوں میں آ گئی ہوں اب پھر مجھ میں اتنی سرخوشی و اطمینان کیوں نہیں ہے۔ کیوں میں خود کو ان لوگوں میں، اس گھر، اس ماحول میں ان فٹ محسوس کرتی ہوں۔ وہ شخص جو ساری عمر مجھ سے پردے میں رہا، جس نے ہر آسائش اور راحت دے کر یہ سمجھا کہ باپ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ آج میرے سامنے اپنے مسائل لے کر اپنی مجبوریوں اور زنجیروں کی داستان سنا کر بھی میرے دل میں وہ محبت، وہ لگاؤ پیدا نہ کر سکے جو کبھی مجھے ان کے انتظار میں محسوس ہوتا تھا۔ میرا ان سے مخاطب ہونے کو دل ہی نہیں چاہتا اور وہ عورت جو بظاہر بہت محبت و اپنائیت سے میری ماں کا رول پلے کر رہی ہیں اور واقعی سگی ماں کی طرح مجھ سے پیش آتی ہیں مگر میں اپنی انتہا درجے کو پہنچی ہوئی حساسیت و نگاہ شناسی اور محسوسات کی آگہی کا کیا کروں جو ان مہربان آنکھوں سے جھلکتی سرد مہری و ناپسندیدگی اول روز سے ہی محسوس کر چکی ہیں۔ اس محبت بھرے انداز میں چھپا سرد روکھا نفرت بھرا اظہار اس کی نازک حساسیت سے کس طرح چھپ سکتا تھا۔ وہ ایک نگاہ میں ہی سمجھ گئی تھی کہ عظمت بیگم نے اسے دل سے قبول نہیں کیا ہے۔ وہ کسی مصلحت یا اپنی عزت و وقار کی سربلندی کے لئے مجبوراً سے برداشت کر رہی ہیں۔ یہ اذیت بھرا احساس اسے وحشتوں کے ویرانوں میں بھٹکائے گیا تھا۔ تینوں بھائیوں کی بھرپور محبت نے اسے کچھ ڈھارس دی تھی اور اس کے سب سے زیادہ قریب ارشد ہی تھا۔ وہ جتنا غصے کا خراب تھا، اتنا ہی خیال رکھنے والا اور محبت کرنے والا تھا۔

''پریشان ہو رہی ہو۔ اچھا اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔'' ارشد اسے گم صم بیٹھا دیکھ کر نرمی سے بولا۔

''میں جاؤں۔ مگر بھائی مہمان اعتراض تو نہیں کریں گے۔'' وہ خشک لبوں سے بمشکل کہہ سکی۔

''نہیں۔ ان سب لوگوں نے تم سے رسمی ملاقات کی ہے۔ یہ سب اماں جان کے خوف کے باعث ہے ورنہ تم ان لوگوں کی موجودگی میں ان سے دور ہمارے درمیان نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔

''ہیلو، کیا صوفے پر کونڈ لگا کر بیٹھے ہو۔'' ان دونوں کے درمیان گفتگو جاری ہی تھی کہ اُسامہ وہاں آ کر ارشد سے مخاطب ہوا۔ لائبہ نے گھبرا کر رخ پھیر لیا تھا۔ دل کی دھک دھک تیز ہو گئی تھی۔

''ایئر پورٹ سے سیدھے آ رہے ہو۔'' ارشد نے کھڑے ہو کر سنجیدگی سے بے تاثر انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے استفسار کیا۔ لائبہ رخ پھیرے کھڑی تھی باقی لوگ کمرے سے چلے گئے تھے۔

''نہیں پہلے گھر گیا تھا۔ وہاں سے چائے پینے کے بعد عبدل سے معلوم ہوا کہ سب لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں تو یہاں چلا آیا کہ سب سے ملاقات ہو جائے گی۔ اماں جان کمرہ لاک کئے آرام کر رہی تھیں۔'' ارشد کے انداز میں گرمجوشی اور اپنائیت مفقود تھی۔ عجیب سرد اور بیگانگی بھرا مصافحہ تھا۔ وہ الجھن کا شکار ہو گیا، یہ سوچ کر ارشد کو ہوا کیا ہے۔

'''اماں جان، تمہیں اپنے پیار کی سیٹ سے خارج کر چکی ہیں پھر بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔''

''اماں جان میری روح ہیں۔ ان کا پیچھا چھوڑنا تو زندگی کا پیچھا چھوڑنا ہے۔''

''مجھے احساس ہے، تمہیں یقیناً عبدل نے نئی صورت حال کا بتا دیا ہوگا۔ میں جانتا ہوں، اس کی عادت وہ تم سے کوئی بات نہیں چھپا سکتا، ساری دنیا سے چھپا سکتا ہے۔ ہمارے گھر میں ہونے والے پر رونق اضافے سے ملو۔ یہ ہے میری پیاری بہن۔'' اس نے بازو کے گھیرے میں لے کر لائبہ کا رخ اپنی طرف کیا۔

''لائبہ روحیل ملک، اس بات کا مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اللہ جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔'' اس نے حسب عادت اچٹتی سی نگاہ ڈالی تھی مگر دوسرے لمحے وہ بے یقینی اور حیرتوں کی زد میں گنگ سا رہ گیا۔ اسے اپنی سماعت و بصارت پر دھوکا ہوا۔ یہ وہی دشمن جاں تھی۔ جارجٹ کے بلیک سوٹ میں اس کے حسن کی تابانیاں عروج پر تھیں۔ سیاہ دوپٹے کے ہالے میں گلابی چہرہ کسی اندھیری رات میں چمکنے والے پورے چاند کی طرح روشنی بکھیر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ چہرے پر کوئی تاثر، کوئی جذبہ نہ تھا۔ اُسامہ ابھی تک مبہوت تھا۔

''بھائی! میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' اُسامہ کی خاموشی اور ایک ٹک گھورنے سے گھبرا کر وہ ارشد سے اجازت لے کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ اس کے منظر سے آؤٹ ہوتے ہی جیسے اُسامہ کا سکتہ ٹوٹ گیا۔ لائبہ، روحیل انکل کی بیٹی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے۔ وہ جیسے خود سے مخاطب تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن و بے یقینی ابھی تک موجود تھی۔''

''ممکن ہے، مائی ڈیئر کزن۔ آج کل کے سائنس کے دور میں جہاں چاند، سورج تسخیر کئے جاتے ہیں، نئے جہانوں کی تلاش میں سیارے متحرک ہیں، دنیا کے ناقابل تسخیر پہاڑوں اور چٹانوں کو سر کر لینے کے بعد سمندروں کی اتھاہ گہرائیوں میں انسان غوطہ زن ہو چکا ہے۔ 'ناممکن' رہا کہاں ہے اب اس دور میں۔ اور تم تو خود بھی بہت زیادہ سپر مائینڈڈ ہو۔ جس طرح تم اپنے سامنے ہر ناممکن کو 'ممکن' بنا سکتے ہو۔ پھر تمہاری حیرانی پر مبنی وارد لائبہ تشی از ریئل ڈاٹر آف مائی فادر۔''

''کچھ سرپرائز' ایسے ہوتے ہیں جو بڑے بڑے باشعور و بااعتماد لوگوں کو کم اور کم عقل بنا دیتے ہیں۔ انکل کے ساتھ میری ذہنی و جذباتی وابستگی ایسی رہی ہے کہ میں بھی بدحواس ہو گیا تھا۔'' ارشد کا سرد انداز، تیکھا طرز گفتگو، لائبہ کی ذات کا یہ زبردست انکشاف کہ وہ روحیل کی بیٹی یعنی اس کی کزن، اس کے اندر جھکڑ چل رہے تھے، وہ اس کی منکوحہ تھی اور وہ اس بات سے قطعی انجان و لاعلم بلکہ بے پروا رہا تھا کہ لائبہ کس کی بیٹی ہے، کس خاندان کے نسب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس نے بلاشبہ کبھی ان باتوں پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ حد تو اس کی خود فراموشی کی یہ تھی کہ 'نکاح' کے وقت بھی اس نے صرف 'قبول ہے' کے خوش گمان و مدہوش کن الفاظ کہنے کے بعد نہ پہلے کسی لفظ پر توجہ دی، اس وقت تو اس کی دلی تمنا، آرزوئے ایمان صرف یہی خواہش تھی کہ لائبہ اس کی ہو جائے اور بس اور اس سمے، اس ساعت وہ خود کو دنیا کا احمق ترین انسان سمجھ رہا تھا۔ جسے آج سے پہلے اپنے 'سسر' کا نام تک معلوم نہ تھا۔

''کیا بات ہے، کچھ پریشان لگ رہے ہو۔'' ارشد بغور اس کے اضطراب کا جائزہ لے رہا تھا۔

''نہیں۔ پریشانی کس بات کی۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا مگر انداز ہنوز الجھا ہوا تھا۔

''اوہ ہیلو مائی سن، کب آئے بزنس ٹور سے۔'' روحیل صاحب کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بہت گرمجوش انداز میں اُسامہ کی طرف بڑھے تھے اُسامہ کو وہ بچپن سے ہی بہت چاہتے تھے۔ بھائیوں بہنوں کے بچوں کو سب ہی کو پیار کرتے تھے مگر اُسامہ انہیں سب سے زیادہ ذہین، حساس اور منفرد لگتا تھا۔ اس کا درویشانہ طرز زندگی، جذبہ غریب پروری، ہمدرد و گداز طبیعت انہیں اس کا گرویدہ کر گئی تھی اور جب سے افتخار نے فون پر یہ نیا 'انکشاف' کیا تھا تب سے تو وہ انہیں اور زیادہ عزیز اور پیارا ہو گیا تھا۔ اپنی بیٹی کی طرف سے جو انہیں فکر و اندیشے لاحق تھے کہ اماں جان اسے اب بھی قبول کرنے کو تیار نہ تھیں۔ اب ان کی ضد ٹوٹتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اُسامہ کے سنگ جڑ کر اس کا مستقبل تابناک و مضبوط ہو گیا تھا۔ انہیں مکمل امید تھی کہ اُسامہ جیسا انصاف پسند، بہادر، ضدی، اپنی منوانے والا اور ہٹ دھرم شخص ان کی بیٹی کو اس کا حق دلوا دے گا۔ اس کے علاوہ بھی وہ ان تمام خوبیوں کا مالک تھا جو ایک آئیڈیل 'داماد' میں ہونی چاہئیں۔ اکلوتا، خوبرو ہینڈسم، اسمارٹ، ایجوکیٹڈ اور ہائی سوشل بیک گراؤنڈ رکھنے والا۔ دولتمند وسیع ترین بزنس کا مالک، نیک و شریف کردار تھا جس کا۔ افتخار کے اس حد درجہ دانشمندانہ و بے مثال فیصلے نے انہیں ہمیشہ کے لئے ان کا احسان مند کر دیا تھا۔

''شام کو ہی واپس لوٹا ہوں۔'' عجیب ہوتے ہیں' نئے رشتوں کے احساسات بھی' کل وہ انجان تھا تو بہت بے تکلفی سے ان سے ملتا تھا۔ آج باخبر ہوا تو خود بخود ہی کچھ گھبراہٹ اور تکلف انداز میں آ گیا تھا' جبکہ وہ اس سے بہت ہی والہانہ انداز میں گلے ملے تھے۔

''اور سنائیں' کیسا محسوس کیا آپ نے پاکستان کے اور وہاں کے بزنس سیٹ اپ کو۔'' روحیل اسے اپنے قریب ہی صوفے پر لے کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کا ایک ہاتھ ابھی تک بڑے دوستانہ انداز میں اس کے شانوں پر تھا اور لہجے میں گویا شہد کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔

''یہاں کی بنی ہوئی اشیاء وہاں بہت پسند کی جاتی ہیں۔ خاص طور پر چمڑے کی بنی ہوئی مصنوعات کی بہت مانگ ہے' اور بہت تیزی سے یہ صنعت فروغ بھی پا رہی ہے۔ وہاں میں نے 'بزنس ناکس' پر دو تین میٹنگز اٹینڈ کی ہیں' مجھے معلوم ہوا بہت سی غیر ملکی کمپنیاں اور بزنس پارٹیز ایسی ہیں جو ہمارے ملک میں بزنس کرنا چاہتی ہیں مگر ان کے خوف کا باعث ہے یہاں کی دہشت گردی' ہنگامے' فسادات' اس ملک میں بسنے والے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کو جانی و مالی تحفظ حاصل نہیں ہے تو وہ اپنے تحفظ کا ذمہ کس سے لیں۔ ملک کو ضرورت ہے ملکی استحکام اور معیشت کو مضبوط کرنے کے لئے زرمبادلہ کی۔ غیر ملکی کرنسی کے آگے جب ملکی کرنسی کا ذکر ہوتا ہے تو ندامت کے مارے نگاہیں نہیں اٹھتیں۔ روز بروز گرتی کرنسی، معاشی بدحالی' اندرونی خلفشار اور فسادات نے پاکستان کو بہت لاغر و تنہا کر دیا ہے۔ کسی کو ملک کی فکر نہیں ہے جو بھی اس کی باگ دوڑ سنبھال کر بیٹھتا ہے' ہر بہانے وہ سیاسی الٹ پھیر سے اپنی جیبیں بھرتا ہے۔ سب بے عمل و بے فیض دعوے ہوتے ہیں۔

''پاکستان کی بنیادوں میں لاکھوں جوانوں' بوڑھوں' عورتوں بچوں کا خون شامل ہے' ہمارے ملک کی بنیاد ان شہیدوں کے لہو سے گلرنگ و مضبوط ہے۔ دشمن کتنی بھی تدبیریں کر لیں' یہ انشاء اللہ قائم و دائم رہے گا اور سب کی دعا ہے اللہ ایک دن اس ملک کو بھی ایسا باضمیر و باایمان سرپرست دے گا جو پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلام کا قلعہ بنا کر پورے جہاں میں منور و تاباں کر دے گا۔ اس کی خوشحالی دور نہیں ہے۔''

''انشاء اللہ انکل' یہ خواب تو دیکھنے والی کتنی ہی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں۔''

''شاہ رخ تم سے بات کرنا چاہتا ہے' اس نے کال کیا تھا کہ تم سے اس کا کنٹیکٹ نہیں ہو رہا' جب بھی تم سے رابطہ ہو اس کا پیغام دے دوں۔'' ارشد نے گفتگو کا رخ موڑ دیا تھا۔ شاید وہ جلد از جلد اصل صورتِ حال معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔ شاہ رخ کے نام پر اُسامہ تھوڑا سا جز بز ہو گیا تھا۔ وہاں ایک دم ہی خاموشی چھا گئی۔ اُسامہ رشتے کی نزاکت کے باعث خاموش بیٹھ گیا۔

''کب سے جانتے ہیں آپ شاہ رخ کو اور اس کی فیملی کو۔'' روحیل صاحب نے بالآخر خاموشی توڑی۔

''جامعہ میں میری افتخار انکل سے ملاقات ہوئی تھی پھر ملاقات کا سلسلہ پھیل کر دوستی میں بدل گیا تھا۔ انہوں نے ہی شاہ رخ سے مجھے متعارف کروایا تھا اور شاہ رخ کچھ میرا ہم مزاج' دوست نواز ٹائپ بندہ تھا۔ اس طرح میری اور اس کی دوستی مضبوط ہوتی چلی گئی۔'' اس نے بہت سنبھل کر جواب دیا۔

''دیکھو بیٹا' میں صاف گو اور کھرا انسان ہوں۔ ہمیشہ میں نے سچ اور صاف گوئی کو نصب العین بنایا مگر ایک اہم پوائنٹ پر میں' ماں' جیسے مقدس و باعزت رشتے کے آگے مجبوراً یہ شعار' یہ اصول توڑ بیٹھا اور آج تک اپنی نگاہوں میں پست ہوں۔ کوئی راہ نجات' کوئی راہ فرار' کوئی راہ مستقیم دکھائی نہیں دیتی اور جو حقیقت اب عیاں ہوئی ہے' اس سے آپ بھی حقیقتاً روشناس ہو چکے ہوں گے۔'' انہوں نے سنجیدگی سے اس سے سوال کیا۔

''جی انکل۔'' اس کا انداز ایسا ہی تھا' جیسے کسی جرم کا اقرار کر رہا ہو۔

''یہ وہ قفل تھا جو اکثر میرے لبوں پر پڑا رہتا تھا۔ میری بیٹی کی تنہائی' اس کا حال' اس کا مستقبل' مجھے اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔ اماں جان نے اسے جبھی اپنانے سے انکار کر دیا تھا' جب وہ چند دن کی بے ماں کی بچی ان کی دہلیز پر آئی تھی۔ انہوں نے اس سے بڑا ظلم اس کے ساتھ یہ کیا کہ اسے اپنا خون' اپنے وجود کا حصہ ماننے سے ہی انکار کر دیا اور آج تک اس پر اٹل ہیں۔ ان کی بات کے احترام میں میں نے اس حقیقت کو عظمت اور سب لوگوں سے چھپایا کہ اماں جان کی منشا بھی تھی۔ میں ان کی خاطر اپنے اصول توڑ کر بے حس بنا اپنی ہی اولاد کے لئے اجنبی ہو گیا۔ وہ اپنوں کے لئے تڑپتی رہی اور میں یہاں زخم زخم ہوتا رہا۔ اماں جان نے عہد ایسا لیا کہ میں زبان کھول ہی نہ پایا اور نہ معلوم یہ سلسلہ کب تک چلتا کہ اس کی آپا کا انتقال ہو گیا اور پھر اس طرح میری بیٹی اپنوں میں آئی مگر اماں جان اسے ابھی بھی اپنانے سے گریزاں ہیں۔ ان کی وہی ضد ہے کہ وہ اسے اپنا خون نہیں مانتیں۔ فاطمہ تو میری لاتعلقی و بے پروائی کے جواب میں ایک بیٹی کا تحفہ دے کر چلی گئی۔ سوچتا ہوں' کیا وہی زیادتیاں بیٹی کو بھی دوں۔ وہ مجھ سے ابھی بھی کبیدہ و متنفر ہے۔''

''افتخار انکل سے بات ہوئی ہے آپ کی تو آپ کو انہوں نے یہ بھی بتایا ہو گا کہ......'' اس نے چند لمحے توقف کیا۔ ''لائبہ سے میں نکاح کر چکا ہوں۔'' اس نے بھی دوٹوک بات کرنے کی ٹھان لی۔ یہ بات پوشیدہ رکھنا احمقانہ فعل تھا۔ اس نے کلیئر بات کہہ دی۔

''ہاں اور اسی 'نکاح' کی پاداش میں اماں جان نے تم سے بات چیت بند کر رکھی ہے اور ان کا مطالبہ 'طلاق' ہے۔'' ارشد زہر خند لہجے میں بولا۔

''کک...... کیا...... کیا مطلب اماں جان کو کیسے خبر کہ لائبہ میری بیٹی ہے۔'' روحیل بری طرح بوکھلا گئے۔

''اماں جان کو یہ معلوم نہیں ہے ڈیڈی کہ لائبہ سے اس نے نکاح کر رکھا ہے اور انہیں جب یہ حقیقت معلوم ہو گی' جب نہ معلوم وہ کیا کریں گی۔'' ارشد کا لہجہ ہنوز ترش تھا۔

''اُسامہ بیٹے! یہ جو نیا رشتہ تم نے افتخار کی موجودگی میں جوڑا ہے' مجھے مسرت ہوئی سن کر مگر یہ رشتہ حقیقت جب ہی بنے گا' جب لوگ مع اماں جان کے میری بیٹی کو دل و جان سے بیٹی تسلیم کریں گے' تم مجھے عزیز آج بھی ہو اور کل بھی رہو گے' ہمیشہ رہو گے۔''

ارشد کا سرد مصافحہ' ناگوار انداز اب اس کی سمجھ میں آیا۔ ''تو اب نئے امتحان کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اُسامہ اسد ملک صاحب۔'' اس نے خود سے کہا۔ اندر تک اس کے بے چینی و اضطراب پھیلتا چلا گیا۔ ارشد کے تیور اسے سخت ناگوار گزر رہے تھے۔

''ارشد! تمہاری کال آئی ہے۔'' ملازمہ کے ہمراہ عائشہ ٹرالی پر کافی کے علاوہ دوسرے لوازمات رکھ کر اندر داخل ہوتے ہوئے ارشد سے بولی جبکہ اُسامہ اس کے احترام میں کھڑا ہو گیا تھا۔

✦ ✦ ✦

انور اسٹیشن سے ریل روانہ ہونے کے بعد کئی لمحے بے اختیار نگاہوں سے ریل کی پٹریوں کو گھورتا رہا۔ اس کے احساسات ناقابلِ فہم تھے۔ ڈاکٹر کنول سے ملنے کی خوشی اور حالِ دل کہہ دینے سے اطمینان و سرور سا مل گیا تھا مگر اتنے حیران کن معرکے کے باوجود وہ اپنے اندر عجیب طرح کی بے چینی و گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔ گھر والوں سے وہ پہلی مرتبہ جدا نہیں ہوا تھا بلکہ اکثر و بیشتر وہ تو 'سرکار' کے احکامات کی تعمیل میں کئے گئے کارناموں کے باعث انڈر گراؤنڈ رہتا تھا اور گھر والوں سے پرانا بہانہ بنا دیتا کہ شہر سے باہر جا رہا ہے اور حالات معمول پر آنے کے بعد پھر وہ گھر لوٹ آتا۔ اس کی جرائم پیشہ زندگی میں ماں بہنوں اور باپ کی کوئی اہمیت ایک مدت تک نہیں رہی تھی مگر پھر جس طرح آسودگی و خوشحالی 'سرکار' کی عنایتوں کی وجہ سے گھر میں آنے لگی۔ پیٹ کو عمدہ غذا' تن کو بہترین کپڑا اور خوبصورت و آرام دہ رہائش کے ساتھ آسائش بھی میسر آئی تو وہ ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ بہنوں کی محبتیں' ماں کی نرم و شیریں ٹھنڈی چھاؤں جیسی ممتا نے اس کے اندر کے نئے شخص کو ابھارا' اپنے گھر کی راحت ماں بہنوں کی محبت سے وہ اکھڑ بدمزاج و خودغرض انور ایک دم ہی بدل گیا۔ اس نے کبھی گھر اور گھر والوں کو در خور اعتنا نہیں جانا تھا۔ اب پہلے کی طرح گھر سے دور رہنے کی نہیں اسے گھر جانے کی لگن تھی جہاں ماں اور بہنیں اس کا سارا کام کئے اس کی منتظر رہتی تھیں۔ وہ ان کی محبتوں اور ان کی نگاہوں میں اپنے لئے اتنی اہمیت و پیار دیکھ کر اپنے پچھلے ناروا رویوں پر نادم و شرمسار ہو جاتا اور اپنی بے انتہا دیکھ بھال اور اچھے برتاؤ سے ان کے ساتھ روا رہنے والے اپنے رویے کی تلافی کرنے لگا تھا۔ زندگی بہت پرسکون اور خوشحال تھی' یہ الگ بات تھی کہ کنول کی محبت کا کنول اس کے دل میں کانٹا بن کر ہر دم چبھتا رہتا تھا اور آج تو یہ کانٹا بھی گلاب بن گیا تھا۔ کنول کا واضح اقرارِ محبت اس کے دل کی کلی کھلا گیا تھا مگر یہ وقتی مسرت تھی۔ اپنے اور اس کے درمیان حائل معاشرتی و طبقاتی خلیج وہ کبھی نہیں پاٹ سکتا تھا۔ وہ آکاش پر جگمگانے والا روشن ستارہ تھی اور وہ خود زمین پر گرا بے وقعت پتھر جسے ٹھوکروں نے جرائم اور گناہوں کے اندھیرے کنویں میں پھینک دیا تھا۔

سوچیں متواتر اس کے اندر غول در غول امڈتی آ رہی تھیں۔ خاصا وقت کلفٹن کے ساحل پر بلامقصد گیلی ریت پر چہل قدمی کرنے کے باوجود دل پر چھائی مردنی اور احساسات پر چھائی کہر اور گہری ہوتی چلی گئی تو وہ بائیک اسٹارٹ کر کے 'سرکار' کی جانب روانہ ہو گیا۔ شام کا سرمئی اجالا ہر سو پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ سرمئی اجالا سیاہ اندھیرے میں بدل گیا تھا۔ جب وہ اپنے مخصوص ٹھکانے پر پہنچا تو مسلح چوکیداروں نے اسے دیکھتے ہی نہایت احترام سے گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ گیٹ سے کچھ ہی آگے بڑھا تو دو خونخوار کتے برق رفتاری سے اس کی طرف بڑھے' اور اپنے مخصوص تربیت یافتہ انداز میں اس کے جوتے سونگھنے کے بعد اسی برق رفتاری سے پھولوں کی گھنی باڑ کے پیچھے چلے گئے۔ انہیں یہاں آنے جانے والے مخصوص لوگوں کی بو کی شناخت تھی۔ ورنہ اجنبی کو تو وہ لمحوں میں اپنے نکیلے دانتوں اور پنجوں سے ادھیڑ کر رکھ دیں۔ انور کی بو پہچان کر وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلے گئے تھے۔ 'سرکار' کے مخصوص اڈوں پر ہر قسم کا جدید ترین نگرانی کا آٹومیٹک سامان موجود تھا جو کسی بھی اجنبی یا غیر متعلق فرد کو اندر داخل ہونے نہیں دیتا تھا۔ انور آگے بڑھ گیا۔

''خیریت تو ہے استاد۔ آج بہت اُداس اور ڈھیلے ڈھالے لگ رہے ہو۔'' اندر کا گیٹ کھول کر پرویز باہر نکلا تھا۔ انور کو سامنے دیکھ کر خوشی سے اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

''تمہاری کہاں کی تیاری ہے۔ آج بڑے لش پش ہو۔'' انور اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''اوہ استاد' تم سے کیا چھپانا۔'' اس نے خجالت سے بال کھجائے۔ ''تمہیں تو معلوم ہے پیسہ ہاتھ میں آ جائے تو مجھے بدہضمی ہونے لگتی ہے' اپنے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے' چھڑے چھانٹ ہیں' سرکار جب جیبیں بھر دیتا ہے تو پھر 'ہیرا بائی' ہی یاد آتی ہے اور آج کل تو سنا ہے' بڑے بڑے چمکتے دمکتے ہیرے آئے ہوئے ہیں وہاں۔ چلتے ہو' وہاں تو دن نکلا ہوا ہو گا۔''

''مجھے ایسے ہیروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ' سرکار نے تمہاری جیبیں کس خوشی میں بھر دیں۔'' اس کی کھوجتی نگاہیں پرویز کے سانولے چہرے پر جم سی گئی تھیں۔ جب سے سرکار کا اعتماد پا کر وہ نمبر ٹو بنا تھا' تب ہی سے کوئی فیصلہ' کوئی مشن اس کے بغیر یا اس کی غیر موجودگی میں نہیں ہوتا تھا۔ اس کے سامنے ہر بات فائنل ہوتی تھی پھر آج کس طرح اس کی لاعلمی میں۔

''دراصل سرکار کو بڑی دیر میں انفارمیشن ملی تھی کہ حکومت کے عہدے پر فائز ایک اعلیٰ افسر اچانک ہی ٹرین کے ذریعے کسی نجی دورے پر اپنے آبائی گاؤں جا رہے ہیں' یہ وہی افسر ہے جس نے سرکار کے خلاف بہت سارے ثبوت جمع کر لئے ہیں۔''

''سیدھی بات کر۔ کیا کیا ہے تو نے ٹرین میں۔'' انور نے کسی وحشی چیتے کی طرح ایک دم اس کی گردن دبوچ لی تھی۔ اپنی سمجھ میں نہ آنے والی بیقراری و بے چینی اور اداسی کے اسرار اس پر منکشف ہونے لگے تھے۔ 'انہونی' ہونے کا ادراک پل پل اس میں سرایت کر کے اسے متوحش و بدحواس کر رہا تھا۔

''صم...... صم...... میرا گلا تو چھوڑ دو' دم گھٹ رہا ہے۔''

''جلدی بک ورنہ تیرا دم ابھی نکال دوں گا۔'' انور نے اسے ایک زوردار جھٹکا دیا۔

''وہ انفارمیشن غلط تھی۔ مگر جب تک مجھے معلوم ہوا' میں ڈبے میں بم فٹ کر کے آ چکا تھا۔ مگر تم اس طرح......''

''کس وقت۔ کس گاڑی میں۔''

''وہ...... وہ...... جناب ایکسپریس فرسٹ کلاس کوپے میں بم......''

انور کی نگاہوں میں زمین و آسمان گردش کرنے لگے۔ اپنی سماعتوں میں اس نے زبردست دھماکے سنے۔ امی' ابا' شمائلہ اور تابش کا معصوم چہرہ اس کی نگاہوں میں گھومنے لگا۔ اسے ایسا لگا' جیسے اس کا دماغی توازن الٹ گیا ہو۔ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفلوج ہو چکی تھیں۔

✦ ✦ ✦

''کل شام سے اس کا دل و دماغ الجھنوں میں گرفتار تھا۔ جب سے روحیل انکل کے ہاں سے لوٹا تھا' نئے اضطراب میں خود کو پایا تھا۔ اسے حیرانی کے ساتھ مسرت بھی یہ سن کر ہوئی تھی کہ لائبہ اس کے سگے چچا کی بیٹی ہے مگر اس کے اُسی بیگانگی و سرد مہر رویے نے اسے خوش گمانی سے نکال پھینکا تھا بلکہ اس کے لئے شگون تیار ہو چکا تھا۔ اماں

جان ارشد اور لائبہ اور وہ خود تنہا ان کے واروں سے نبرد آزما تھا۔ ارشد کے تیور اسے سب سے زیادہ جارحانہ لگے تھے۔

''کہیں جارہے ہیں صاحب آپ۔'' عبدل اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ دیتا ہوا پوچھنے لگا۔

''ہاں ممی پارٹی سے آئیں تو بتا دینا۔ میں دیر سے گھر آؤں گا۔''

''رستم صاحب کے سیکریٹری کا فون کئی بار آچکا ہے۔ رستم صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''ہاں جاؤں گا ان کے پاس بھی پہلے ایک مسئلے سے نمٹ لوں۔'' وہ جیسے خود سے بولا۔

اس کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر لائبہ جو عصر کی نماز پڑھ کر لان میں ہی تسبیح پڑھنے بیٹھ گئی تھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ کل اس نے اسے بری طرح نظر انداز کر دیا تھا اور جب تک وہ کمرے سے چلا نہیں گیا وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ وہ اس کے مزاج کو پہچانتی تھی۔ وہ اس وقت کس موڈ میں یہاں آیا ہو گا۔ اس کا اندازہ بھی اسے ہو گیا تھا۔ وائٹ کاٹن کے شلوار سوٹ میں اس کے وجیہہ چہرے پر غصے کی سرخی اس نے دور سے محسوس کر لی تھی۔ روحیل اور عظمت پارٹی میں گئے تھے۔ نبیل اور عائشہ بھی گھر میں نہیں تھے۔ ثمیر ابھی کچھ لمحے پہلے اسپتال جانے کے لئے نکلا تھا۔ اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی۔ ارشد بھی کچھ لمحے قبل آفس سے آکر اپنے کمرے میں گیا تھا۔ زینی بھی کمرے میں ہی تھی۔ اب نہ معلوم کیا ہو۔ اس کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ اتنی جلدی یہاں آنے کا مقصد جذبہ خیر سگالی نہیں ہو سکتا۔ وہ سوچتی ہوئی تیزی سے لان عبور کرتی ہوئی گیٹ کھول کر کوریڈور میں ہی پہنچی تھی لیکن وہ جو اسے فرار ہوتے دیکھ چکا تھا برق رفتاری سے اس کے پیچھے پہنچا تھا اور کوریڈور میں اسے گھیر لیا تھا۔

''تم نے مجھے اندھیرے میں رکھا۔ یہ جواز تھا تمہارا مجھ سے نفرت بلکہ بے انتہا نفرت کرنے کا۔ اماں جان اور دوسرے لوگوں کی سزا تم مجھے دیتی آئی ہو اور اب کہاں فرار حاصل کر رہی ہو۔'' اس نے خشونت بھرے انداز میں آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''شٹ اپ اب کوئی بکواس نہیں سنوں گا تمہاری۔'' وہ شعلوں کی طرح دھکا۔

''کیسا شور ہے یہ۔ او وہ تم۔'' ارشد گیلری سے اس طرف آکر اُسامہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاتھ چھوڑو۔ یہ کیا لفنگوں جیسی حرکت ہے۔ شریفوں کا شیوہ نہیں ہوتا یہ۔''

''شٹ یور ماؤتھ۔ یہ میری بیوی ہے۔ کسی راہ چلتی لڑکی کا ہاتھ نہیں پکڑا ہے میں نے۔''

''جب اپنے ساتھ اپنے بزرگوں کو لے کر آؤ گے جب یہ دھونس دکھانا' اس گھر کی چھت کے نیچے صرف اور صرف یہ ہماری بہن اور ممی ڈیڈی کی بیٹی ہے اور کسی کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔''

''میں تمہارا لحاظ صرف کچھ رشتوں کے احترام میں کر رہا ہوں ارشد ورنہ......''

''اور میں کسی لحاظ و مروت کو حائل نہیں کروں گا۔ مجھے اپنی بہن سے عزیز کوئی دوسرا رشتہ نہیں ہے۔ لائبہ پر حق جبھی جتانا' جب اماں جان کو لے کر آنا اسے بیوی بنا کر لے جانے کے لئے۔'' اس نے آگے بڑھ کر جھٹکے سے لائبہ کا ہاتھ کھینچ لیا۔

دونوں کی نگاہوں میں اترتا خون دیکھ کر لائبہ نے موسم سرما کی اُداس شاموں کے وحشت ناک سناٹے اپنے اندر بہت گہرائی تک اترتے ہوئے محسوس کئے۔

''تم میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو ارشد' بہتر یہی ہو گا کہ تم میرے اور لائبہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔'' ارشد کا جھٹکے سے لائبہ کا بازو اس کی گرفت سے آزاد کروانے پر اُسامہ کی مردانہ انا اور قوت برداشت پر بھرپور ضرب لگی تھی۔ وہ غصے سے بپھر اٹھا تھا۔

''درمیان۔ محترم اُسامہ ملک صاحب' یہ درمیان اب اس وقت تک تمہارے درمیان نہیں آئے گا' جب تک تم میری بہن کو باعزت طریقے سے اپنے بزرگوں کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں نہیں لے جاؤ گے۔ اس وقت تک میری بہن کا نام تمہارے لبوں کو چھوا تو......''

''چیلنج کر رہے ہو مجھے۔'' اس کے لہجے میں بلا کی ضد اور اکھڑ پن تھا۔

''تم جو سمجھنا چاہو۔'' ارشد بھی اسی انداز میں بولا۔

''اوکے۔ اسے میں ابھی تمہارے سامنے ہی لے کر جاؤں گا۔'' وہ بڑے جارحانہ انداز میں لائبہ کی طرف بڑھا تھا۔ اس کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ اعصاب چٹان کی مانند تنے ہوئے تھے۔

''ا......سا......مہ بھائی خدا کے لئے۔'' زینی جو ارشد کے پیچھے کھڑی صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی' قبل اس کے کہ وہ دونوں باہم دست و گریباں ہوتے۔ بوکھلا کر ان دونوں کے درمیان آ گئی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔ ارشد آپ آرام سے بیٹھ کر بات کریں۔'' وہ حواس باختہ اُسامہ کے بعد ارشد سے مخاطب ہوئی۔ لائبہ خاموشی سے ارشد کے بازو سے لپٹی کھڑی تھی۔ سراسیمہ و گم صم۔

''بیٹھ کر بات کروں۔ ارے لاتوں کے بھوت کبھی باتوں سے بھی مانتے ہیں۔''

''مجھے اپنی طرح بدلحاظ و بدزبان بننے پر مجبور مت کرو۔'' وہ طیش سے دہاڑا۔

''پلیز ارشد۔ یہ کس طرح بات کر رہے ہیں آپ اُسامہ بھائی سے۔'' زینی اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''شٹ اپ' یہ میری بہن کا معاملہ ہے۔ یہاں تم نے کسی کی حمایت لینے کی کوشش کی تو زندہ زمین میں دفن کر دوں گا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' ارشد نے جان بوجھ کر اسے بے عزت کیا تھا۔ وہ جانتا تھا' اُسامہ زینی کو سگی بہن کی طرح چاہتا ہے۔

''بھائی' بھابی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ انہیں کچھ نہ کہیں۔'' لائبہ سے زینی کی تذلیل و تحقیر برداشت نہ ہوئی تو اس نے پہلی بار زبان کھولی۔

''کاش' زینی کے رشتے کی زنجیر میرا راستہ نہ روکے ہوئے ہوتی تو میں تم جیسے بزدل کو ایسا سبق سکھاتا کہ آئندہ ساری زندگی تم کبھی خواب میں بھی اس توہین آمیز جاہلانہ انداز میں اسے نہیں پکار سکتے تھے۔'' اس کی حسب خواہش اُسامہ اس کی تذلیل برداشت نہیں کر سکا۔

''آپ اندر چل کر بیٹھیں اُسامہ بھائی۔ چچی اور چچا جان آتے ہی ہوں گے۔'' زینی نے موقعے کے لحاظ سے خود پر کنٹرول کر لیا تھا ورنہ ارشد کے رویے پر اسے خوف کے ساتھ ساتھ رونا بھی آ رہا تھا۔

''نہیں اب تو میں چلوں گا مگر جلد ہی اس رشتے سے اس گھر میں داخل ہوں گا جس کی خواہش' سالے صاحب کر رہے ہیں' مگر یاد رکھنا تنہا آؤں گا۔'' اس کے تمسخرانہ لہجے میں خود سری و ضد کی سرد آنچ تھی۔ اس کی برہم شعلے اگلتی آنکھیں چند لمحے لائبہ کے سفید پڑتے چہرے پر رکیں پھر وہ واپسی کے لئے مڑ گیا۔ زینی کے بہت روکنے کے باوجود وہ پلٹا نہیں تھا۔

''میری بھی بات کان کھول کر سن لو۔ اس گھر کا گیٹ تم صرف 'کزن' کی حیثیت سے عبور کر کے اندر دہلیز پار کر سکتے ہو ورنہ......''

اُسامہ نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت اطمینان سے بے خوف انداز میں وہاں سے گزر کر پورچ تک پہنچا تھا۔ کار اسٹارٹ کرتے وقت اس کی نگاہیں لائبہ کی فکرمند ہوتی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں۔ اس سرد موسم میں بھی اس کے اندر سخت تپش کا احساس جاگا تھا۔ عجیب سلگتی ہوئی بولتی نگاہیں تھیں۔ لائبہ ان سے چھلکتی بے رحمی و سفاکی سے لمحے بھر کو سہم کر رہ گئی۔ اس خود سر اور ہٹ دھرم شخص سے کچھ بعید نہ تھا۔

✦ ✦ ✦

سردی عروج پر تھی۔ کائنات کا ایک خطہ محو استراحت تھا۔ کوٹھی بھی نیم تاریک نائٹ بلب کی پرسکون روشنی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایسے پرسکون و تاریک سکوت میں وہ اپنے کمرے میں بے قرار روح کی مانند مضطرب اور پریشان چکرا رہی تھی۔ بلو نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی کمرے کے پرسکون ماحول کو خوابناک و طلسم زدہ بنا رہی تھی۔ پنک نیٹ کی نائٹی میں وہ پشت پر بال بکھرائے حسین چہرے پر سارے عالم کی پریشانی اور اندیشے سمیٹے کسی اور دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ گرین سحر انگیز آنکھیں متورم و سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرے کی گلابیوں میں خوف و اضطراب کی سپیدی بھی شامل ہو چکی تھی۔ شام کو جو کچھ بھی ہوا اس وقت تو اس کے ضدی اور بکھرے ہوئے جذبات کی خواہش کے عین مطابق ہوا۔ یہ اس کی خواہش تھی کہ اس کی خاطر اس کے بھائی اُسامہ سے اس کا بدلہ لیں۔ اس نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا' اسے معلوم تو ہو کہ وہ تنہا نہیں ہے اور ارشد نے اس کے اس خواب کو حقیقت کا رنگ دے بھی دیا۔ اس کی انا سرخرو و معتبر ہو گئی تھی مگر انتقامی جذبات میں وہ یہ بھول گئی تھی کہ جس سے اس نے ٹکر لی ہے' وہ کتنا بے جگر' بے خوف اور گھمنڈی آدمی ہے۔ اس نے شاید شکست ماننا یا پیچھے ہٹنا سیکھا ہی نہ تھا اور وہ جس تیور میں یہاں سے گیا تھا۔ اس وقت سے ہی اسے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے کھانا بھی سب کے اصرار کے باوجود برائے نام ہی کھایا تھا۔ کھانے کے بعد زینی نے سب کو یہ واقعہ بتا دیا تھا۔ وہ اس وقت اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ارشد کے رویے یا اُسامہ کی دھمکی کے بارے میں ان کی کیا رائے تھی یا کیا تبصرے ہوئے۔ لیکن اس نے دیکھا کہ خلاف معمول پھر کھانے کے بعد حسب معمول چائے یا کافی کی محفل نہیں جمی۔ سب اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ ملازمین نے دس بجے ہی مرکزی لائٹیں بند کر کے نائٹ بلب آن کر دیے تھے۔ ورنہ رات ایک ڈیڑھ تو معمول تھا' روز محفل ختم ہونے کا۔ پندرہ یوم کا مختصر سا عرصہ اسے اس گھر میں آئے گزرا تھا۔ یہاں کے در و دیوار سے ابھی مانوس بھی نہ ہوئی تھی۔ گھر والوں کے مزاج و عادات سے بھی ابھی ناآشنائی و بے خبری تھی۔ اس نے عظمت بیگم کی آنکھوں میں جو ناگواری و بے زاری کی پرچھائیاں دیکھیں تو وہ خود ہی سنبھل گئی۔ وہ خود آدم بے زار' کم گو فطرت کی مالک تھی۔ عظمت بیگم کے خاموش سرد طرز عمل نے اسے اور زیادہ حساس اور اپنی ذات میں محدود کر دیا۔ وہ تینوں بھائیوں کے علاوہ گھر کے دوسرے کسی فرد سے فری نہ ہو سکی تھی اور آج کے ہونے والے ناخوشگوار واقعے نے اسے پریشان و مضطرب کر ڈالا تھا۔ کبھی دل کہتا' ارشد نے جو اُسامہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا وہ اسی کے لائق تھا پھر اندر سے صدا نکلتی وہ 'شخص' کوئی عام آدمی یا جذباتی نوجوان نہیں ہے۔ ہٹ دھرمی' خود سری' خود پسندی اور خودداری اس کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ وہ اپنی منوانے والا شخص ہے۔ اس سے کوئی بعید نہیں کہ کیا کر گزرے۔ وہ انتہا پسند اور وحشی' طاقت و مردانگی کے زعم میں مغرور شخص۔ اس سے ہر انہونی کی توقع ہے۔

''یا اللہ، میں کہاں جاؤں۔ کیا کروں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے' اب نہ معلوم کیا ہو گا۔'' وہ ڈھیلے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی اور بھیگا ہوا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

''ماما......آپ مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔ ایک حصہ زندگی کا میں نے اس حسرت و آرزو میں دعائیں مانگتے گزارا کہ مجھے میرے اپنے سگے جو میری ذات کو معتبر کرنے والے ہیں جن کے جسم کا حصہ ہوں میں۔ میرے خون سے جن کے رشتوں کی مہک آتی ہے' اس مہک کو' اس رشتے کو اس گم ہوئی شناخت کو پانے کے لئے عمر کے اٹھارہ' انیس سال کرب و انتظار کے صحرا میں بھٹکتے گزار دیئے۔ اب آپ کو کھونے کے بعد یہ سب رشتے' چاہتیں ملی بھی ہیں تو تشنہ و پُرفریب سی۔ دور تھی تو ملنے کی تڑپ بے کل کئے رکھتی۔ فاصلے ختم ہو گئے تو دل چاہتا ہے' سب سے دور چلی جاؤں۔ اسی سنہرے خوشبوؤں سے مہکتے' رنگوں سے چمکتے آپ کی پرخلوص و بے ریا محبتوں سے جگمگاتے اس جنت نظیر دیس میں جہاں ہم دونوں ہوں اور تیسرا کوئی بھی نہ ہو۔ ماما' ماما' آئی مس یو' آئی مس یو۔'' وہ پوری شدتوں سے رو دی۔ ماما کی یادوں کی مہک اور جدائیوں کے درد انگیز لمحوں میں وہ نہ معلوم کب تک آنکھوں سے موتی لٹاتی رہتی کہ فون کی ٹون......ٹون نے اسے خبردار کر دیا۔ اس کے اندر جیسے چھٹی حس شارپ ہونے لگی۔ وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے یوں خوفزدہ سی فون کو دیکھنے لگی جیسے وہ فون نہ ہو' روح قبض کرنے والا فرشتہ ہو۔ بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ مگر اس کی ہمت نہیں تھی فون ریسیو کرنے کی۔ دوسری طرف جو بھی تھا بہت متحمل و مستقل مزاج بندہ تھا۔ جو ہمت ہارنے کو تیار نہ تھا۔ دو قسم کے لوگوں کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ ایک وہ جو پھولوں کی طرح ہماری سانسوں میں مہکتے ہوں اور ایک وہ جو کانٹوں کی طرح ہمیشہ جسم و روح کو درد و اذیت میں مبتلا کئے رکھتے ہوں۔ دوستوں سے زیادہ دشمنوں کی شناخت میں دیر نہیں لگتی۔

''ہے......لو......کوشش کے باوجود وہ اپنی لرزتی کانپتی آواز پر قابو نہ پا سکی۔

''زہے نصیب! مجھے اُمید تھی لیٹ کال اٹینڈ کرنے کی وجہ تمہارا یہ مسرت سے کانپتا لرزتا لہجہ بتا رہا ہے' تم 'خادم' کو پہچان گئی ہو گی کہ رات کے پچھلے پہر میرے علاوہ کون جرأت کر سکتا ہے فون کرنے کی۔'' فون بیل بجتے ہی جس شخص کا نام اس کی سماعتوں میں گونجنے لگا تھا' یہ وہی آسیب تھا۔ تمسخرانہ انداز' سرد اور چبھتا ہوا لہجہ۔

''مارے خوشی کے سکتہ تو نہیں ہو گیا۔'' اس کی خاموشی پر گہری چوٹ کی گئی۔

''کیوں کال کی ہے۔'' اس کے گلابی لبوں میں جنبش ہوئی۔

''ہوں' سوال تو بہت عام سا ہے مگر جواب اس کا بہت رومانٹک ہے۔ جب سے یہ موسم سرما آیا ہے' یقین مانو جانم' مجھے بیڈ روم میں بہت تنہائی اور......''

''پلیز۔'' اس کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا' ''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔''

''اپنے دل کی باتیں کر رہا ہوں۔ اپنے محسوسات بتا رہا ہوں۔ ایسی باتیں آدمی اپنی بیوی سے ہی کر سکتا ہے۔'' جلتا ہوا لہجہ رومانس اور جذبات سے یکسر سپاٹ تھا جیسے اسے چڑا رہا ہو۔

''آپ نے شام سے کیا بیوی بیوی کی رٹ لگائی ہوئی ہے۔''

''پھر کون ہو تم میری۔ جھوٹی رٹ لگائی ہوئی ہے۔'' ایک دم ہی جیسے انگارے چٹخنے لگے۔

''ہاں آپ نے محض اپنی ذاتی سرخروئی و کردار کے وقار کے لئے اپنی طاقت کے گھمنڈ اور اثر و رسوخ کے ناجائز استعمال سے میرا کردار' میرا وقار' میری نسوانیت اور میری پاکیزگی کو داغدار کر دیا ہے۔''

''دماغ درست ہے تمہارا۔ کیا بکواس کر رہی ہو۔ میں نے تمہیں انگلی تک نہیں لگائی۔''

''لوگ یقین کریں گے اس بات کا' آپ نے اپنے بچاؤ کے لئے مجھے کانٹوں پر پھینک دیا ہے۔''

''کتنے لوگوں کے ہجوم میں گھری رہتی ہیں۔ کتنی تعداد ہوتی ہے لوگوں کی۔'' لہجہ ہنوز طنزیہ و سرد تھا۔

''جو عزت دار اور غیرت مند ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ہزاروں لاکھوں لوگوں کی تعداد ہونا لازمی نہیں۔ مجھ جیسے لوگوں کو اپنی طرف اٹھنے والی کھوجتی شرمسار کر دینے والی تین چار نگاہیں ہی کافی ہوتی ہیں۔ جب سے یہ 'بات' اوپن ہوئی ہے' ممی' بڑی اور چھوٹی بھابی کی جائزے لیتی کھوجتی نگاہیں مجھے اپنے وجود کا پوسٹ مارٹم کرتی نظر آتی ہیں۔'' وہ غصے سے کہہ گئی۔

''واہ عزت دار اور غیرت مند۔ میری بے غیرتی و بے عزتی کے تو جیسے گلی گلی ڈنکے پٹ رہے ہیں۔ پاکستان کے تمام چھوٹے بڑے تھانوں میں 'بلیک لسٹ' پر میرا نام ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم آپ کو جو بھی بات کرنی ہے ارشد بھائی سے......''

''آں...... آں...... اس وقت تمہارے اور میرے درمیان کسی تیسرے فرد کا تذکرہ نہیں ہو گا۔''

''کیوں ڈر گئے نا۔'' لائبہ کے طنزیہ لہجے میں بڑا فخر بڑا افتخار جھلک رہا تھا۔

''ہا...... ہا......'' دوسری طرف سے بڑا جاندار و بے ساختہ قہقہہ ابھرا تھا۔ لائبہ سلگ کر رہ گئی۔ ''احمق خاتون میری شام کی خاموش واپسی کو آپ میری بزدلی اور اپنے برادر کی جرأت و بہادری سے تشبیہہ دے رہی ہیں۔ یہ آپ کی محض خوش فہمی و خوش گمانی ہے۔ اس وقت زینی کے خیال اور چچا چچی کی غیر موجودگی کی وجہ سے میں برداشت کر کے آ گیا تھا اور چچا جان مجھ سے آنے کے بعد رابطہ کر کے ارشد صاحب کے حسن سلوک کی معذرت نہ کرتے تو اس وقت تم یہاں میرے قریب ہوتیں صرف اور صرف چچا جان کی محبت و شفقت نے میرا ارادہ بدلا ہے۔''

''اس خوش گمانی میں نہ رہئے گا۔ ان سے میرا تعلق صرف اتنا ہے کہ میرے برتھ سرٹیفکیٹ میں باپ کے خانے میں ان کا نام لکھا ہوا ہے۔ بس اس سے زیادہ ان کا کوئی استحقاق و اختیار میری ذات پر نہیں ہے۔ میرا استحقاق میری بہتری' میرے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اور صرف میرے بھائیوں کو ہے۔ ان کا جو فیصلہ ہو گا وہی میرا بھی۔'' مضبوط لہجے میں کہہ کر اس نے ریسیور رکھ کر فون کنکشن آؤٹ کر دیا۔

✦ ✦ ✦

''ہیلو ممی' میں کنول بول رہی ہوں۔'' مسز توفیق نے ریسیور سے آتی کنول کی سنجیدہ آواز سنی تو ان کے مرجھائے چہرے پر ایک دم بہار آ گئی۔

''شکر ہے خدایا تیرا۔ کنول میری جان' آپ بخیریت تو ہیں نا۔ کل دوپہر کو حادثے کا نیوز پیپر میں پڑھ کر تو میں ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ آپ کے ڈیڈی بھی مسلسل آپ کی تلاش میں ہیں۔ آپ کہاں سے بول رہی ہیں۔ بالکل خیریت سے تو ہیں نا۔''

''جی ممی مجھے تو خراش تک نہیں آئی ہے مگر ٹرین کے چار کیبن بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ ہلاک و زخمی ہونے والوں کی صورتیں توبہ اللہ ممی! قابل شناخت نہ رہی تھیں۔ ڈاکٹر ہونے کے باوجود میں نے کبھی ایسے انسانی اجسام کے اعضا و زخم نہ دیکھے تھے۔''

''معصوم و بے قصور لوگوں کا کیا قصور ہوتا ہے۔ حالات کی مصیبتوں میں گرفتار لوگ ہی ایسے بے رحم و قاتل درندوں دہشت گردوں کے ظلم کا شکار ہوتے ہیں۔''

''میں جن حالات سے وقتی فرار حاصل کرنا چاہتی تھی' وہ صورت حال بڑی سفاکی سے میرے روبرو آئی ہے۔ میں واپس آ رہی ہوں ممی۔ میرا دل یہاں بالکل نہیں لگ رہا۔ میں نے موت کو اتنے قریب سے دیکھا ہے کہ زندگی کا مفہوم سمجھ میں آ گیا ہے۔''

''میرا بھی مشورہ یہی ہے کنول بیٹے آپ آ جاؤ۔''

✦ ✦ ✦

ارشد ٹیبل پر رکھے لیمپس روشن کئے فائل پر جھکا لکھنے کے ساتھ ساتھ کچھ گرافس بنانے میں مصروف تھا۔ یہ اس کی عادت تھی' وہ اپنا کام ہمیشہ اس قدر منہمک ہو کر کرتا کہ اردگرد کا ہوش اسے نہ رہتا تھا۔ ابھی وہ ہمیشہ کی طرح بے خبر فائل میں گم تھا۔ فیروزی کاٹن کے خوبصورت نائٹ ڈریس میں ریڈ چمک دار لپ اسٹک سے ہونٹوں کو جاذب نظر بنائے کتنی دیر سے خواہ مخواہ ہی زینی اپنے سیاہ دراز بالوں میں برش چلا رہی تھی۔ اس کی نگاہیں ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں نظر آتے ارشد کے عکس پر تھیں مگر وہ اس سے بیگانہ تھا۔ کئی لمحات خاموشی سے گزر گئے تھے۔ برش چلاتے ہوئے اس کے ہاتھ دکھ گئے تو وہ اکتا کر اٹھ گئی' کمرہ گرین نائٹ بلب کی روشنی میں سکوت پذیر و پرسکون تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ کہیں کوئی بے ترتیبی نہ تھی ہر شے اپنے مقام پر ترتیب سے موجود تھی۔ وہ بیڈ روم پر طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی اور ترتیب سے رکھے ہوئے کپڑے دوبارہ سیٹ کرنے لگی۔ ایک حصے میں اس کے روزمرہ کے استعمال کے کپڑے ترتیب سے رکھے تھے۔ دوسرے میں پارٹیز وغیرہ میں پہن کر جانے والے اس کے اور ارشد کے سوٹس پریس شدہ ہینگر میں لٹک رہے تھے۔ تیسرے حصے میں ارشد کے کوٹ سوٹس جینز اور شرٹس ہینگرز میں لٹکی ہوئی تھیں۔ درمیانی خانے میں ارشد کے سوکس' دوسرے حصے میں ٹائیاں اور بنیان رکھی تھیں۔ سب سے آخری خانے میں ٹاولز اور ارشد کے دستی رومال رکھے تھے۔ بہت نفاست و سلیقے سے صبح آفس جانے کے لئے ارشد کا سامان وہ سیٹ کر کے باتھ روم میں رکھ چکی تھی۔ عموماً وہ ارشد کے ہوم ورک کرنے کے دوران سو جایا کرتی تھی مگر آج اس نے اس سے کچھ بات کرنے کا تہیہ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ ابھی تک جاگ رہی تھی اور انتظار کر رہی تھی کہ وہ جلد فارغ ہو جائے۔ وہ اس کی پسند تھی بہت محبت کرتا تھا وہ اس سے مگر وہ محبت میں بھی ایک حد' ایک فاصلہ رکھنے کا عادی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی عزیز ترین ہستی ہونے کے باوجود اتنی ہمت و حوصلہ خود میں نہیں محسوس کرتی تھی کہ پہلے اس سے اپنی بات کہہ دے۔

''اینی پرابلم ڈیئر نائم۔'' غالباً اسے اس کی کلائیوں میں بجتی کھنکناتی سونے کی چوڑیوں نے متوجہ کیا تھا۔ جو اس کے کام کرنے کے دوران تواتر سے بج رہی تھیں۔

''وہ...... وہ......'' وہ بوکھلا سی گئی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ شادی کے اتنے ماہ گزر جانے کے باوجود وہ عام بیویوں کی طرح اس سے بے تکلف نہ ہو سکی تھی' نہ ہی اس میں اعتماد آیا تھا۔ اس کی وجہ ارشد کا رویہ تھا۔ اس کے پیار کے انداز میں بھی سرد مہری و تندی ہوتی تھی۔

''میں اس زبان سے قطعی نا آشنا ہوں۔ صاف بات کرو۔'' خلاف معمول اس کا انداز شگفتہ تھا۔

''آپ آپ پہلے اپنا آفس ورک مکمل کر لیں پھر بات کروں گی۔''

''ارے صاحب آپ پر تو ایسے ہزاروں آفس ورک قربان کئے جا سکتے ہیں۔ آپ بولئے' میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' اس کا انداز سو فیصد فدویانہ تھا۔ جیسے اس کا کام ہی اس کی ہر بات اور ہر خواہش کی تعمیل کرنا ہو۔ وہ حاکم ہو اور وہ محکوم۔ بہت چالاک ہوتا ہے مرد۔

''ہاں بولو ایسی کیا خاص بات ہے جس کی وجہ سے آج آپ بہت فارم میں نظر آ رہی ہیں۔'' وہ اس کے میک اپ سے چمکتے چہرے' لوان پیرس کی ہوشربا خوشبوؤں میں بسے اس کے خوبصورت وجود کو اپنے بازوؤں کے مضبوط حصار میں لیتا ہوا سرشار بے خودی سے بولا۔

''آپ جانتے ہیں ہماری فیملی میں آج کل کتنی بے چینی و پریشانی پھیلی ہوئی ہے۔''

''نہیں! کیسی بے چینی و پریشانی۔'' اس کی مہکتی زلفوں سے کھیلتے ہوئے وہ بوجھل آواز میں بولا۔

''اماں جان' لائبہ کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں' جب سے نکاح کی خبر فیملی میں پھیلی ہے' عجیب سی چہ میگوئیاں پھیل گئی ہیں۔ اماں اور زیادہ لائبہ سے متنفر و بدگمان ہو گئی ہیں۔ پہلے جب اماں جان نے اُسامہ بھائی کے نکاح کا سنا تھا تو انہوں نے ان سے بات چیت ختم کر دی تھی بلکہ ان کی طرف دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اب جب سے انہیں یہ خبر ملی ہے کہ اُسامہ بھائی کی منکوحہ کوئی غیر لڑکی نہیں لائبہ ہے تو اس دن سے انہوں نے اپنے رویے میں کافی لچک و نرمی پیدا کر لی ہے۔ اُسامہ بھائی سے ان کی ناراضگی اب چلے گی نہیں زیادہ عرصے۔'' وہ اس کے سینے میں چہرہ چھپائے ایک ایک حروف اس طرح بول رہی تھی کہ اسے غصہ نہیں آئے ورنہ......''

''میری سمجھ میں نہیں آئی تمہاری گفتگو کیا کہنا چاہ رہی ہو۔''

''دراصل ہماری' میرا مطلب ہے کہ اُسامہ بھائی اور روحیل چچا کی بھی یہی مرضی ہے کہ......'' اس نے ایک لمحے کو خاموش ہو کر ارشد کے موڈ کا جائزہ لیا۔ وہ جو بات کہنے جا رہی ہے' مبادا اس کا موڈ اور بگاڑ دے۔

''او کم آن یار آج کس انداز میں پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔''

''آپ کیوں لائبہ اور اُسامہ بھائی کو ملنے نہیں دے رہے۔ اُسامہ بھائی کی بھی یہی خواہش ہے کہ وہ لائبہ کو الگ گھر میں رکھیں گے۔ اماں جان کی ناراضگی کب تک قائم رہ سکتی ہے۔ نبیل بھائی اور بھابی کو منے کی پیدائش کے بعد اماں جان نے قبول کر لیا ہے اسی طرح......''

''شٹ اپ۔'' وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں جذبات کے ساگر کو پھلانگ گیا۔ ''میں نے تمہیں اس دن بھی خبردار کیا تھا کہ لائبہ کے معاملے میں ایک لفظ نہیں بولنا۔'' وہ کتنی سرعت سے روپ بدل گیا تھا۔ لمحے بھر قبل نثار و فدا ہونے والے شخص کا یہ روپ بہت سرد و اجنبی اور جذبات سے عاری تھا۔

''وہ دو سال سے ان کی بیوی ہے۔ پھر اب اسے یہاں روکنا یا اُسامہ بھائی سے ملنے نہ دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔'' وہ بیٹھتے ہوئے ہمت کر کے بولی مگر خوف اس کے چہرے سے ہویدا تھا۔

''بکواس ہے دو سال...... اونہہ۔'' اس نے بیڈ سائیڈ سے جگ اٹھا کر ٹھنڈا پانی گلاس میں بھر کر لمحے بھر میں خالی کر کے وہیں پٹخ دیا۔ اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔

''آئندہ تمہیں اس ٹاپک پر بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انڈر اسٹینڈ! اسے جو اپنی من مانی کرنی تھی' وہ کر چکا کیونکہ اس وقت وہ تنہا اور بے سہارا لڑکی تھی مگر اب اسے لائبہ کا نام لینے کی جرأت کرنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچنا پڑے گا۔ میری بہن کا بچپن محرومیوں اور حسرتوں میں گزرا مگر میں اب کوئی حسرت' کوئی پریشانی اس کی طرف بڑھنے نہیں دوں گا' چاہے مجھے رشتوں کی دیواریں توڑنی پڑیں یا اپنی روح کو ہی جسم سے علیحدہ کیوں نہ کرنا پڑے۔ میں لائبہ کے لئے ہر آگ میں کودنے کے لئے تیار ہوں۔''

✦ ✦ ✦

''آہ......'' درد کی تیز لہر انور کے جسم میں اٹھی تھی۔ اس قدر شدید درد تھا کہ وہ جو خود کو فولاد میں ڈھلا محسوس کرتا تھا' لمحے بھر کو اسے اپنا وجود مجسم درد محسوس ہوا۔ آنکھیں کھولتے ہی بے اختیار آہ اس کے ہونٹوں سے خارج ہوئی تھی۔

''او تجھے ہوش آ گیا انور۔ او شکر ہے' اس مولا کریم کا جو ہم جیسے بندوں کی بھی سنتا ہے۔'' اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر درمیانی عمر کا سانولے چہرے و صحت مند جسم کا مالک وہ شخص تیزی سے چارپائی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے فکر مند چہرے پر انور کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر مسرت و اطمینان چھا گیا تھا۔ اس نے اوپر کی طرف ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

''پپ......پا......نی۔'' انور کے سوکھے پپڑی زدہ ہونٹوں سے بمشکل آواز نکلی۔

''زیادہ تکلیف تو محسوس نہیں ہو رہی یار۔'' وہ چمچے کی مدد سے اسے پانی پلا کر پوچھنے لگا۔ انور کا پورا بدن سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ پورے جسم میں صرف چہرہ ہی زخموں اور پٹی سے محفوظ تھا۔ جو حد درجہ زرد ہو رہا تھا جیسے خون کا ایک قطرہ جسم میں موجود نہ ہو

''فف.... فضل۔'' کمزوری اور دواؤں کے زیر اثر اس کا ذہن ابھی بھی کھویا کھویا تھا زبان بے ربط ہو رہی تھی اور وہ بمشکل آنکھیں کھول کر اپنے اوپر جھکے آدمی کو پہچان رہا تھا

''ہاں.... ہاں فضل کی جان' میں ہی ہوں تیرا یار فضل۔'' وہ جیسے جوش مسرت سے جھوم اٹھا۔

''میں کہاں ہوں۔ اور تم میرے پاس کیسے۔'' آہستگی سے قوت مدافعت اس کی بڑھ رہی تھی۔ اب وہ پوری طرح آنکھیں کھول کر بغور فضل کو دیکھنے کے بعد کمرے کی چھت کا جائزہ لیٹے لیٹے ہی آنکھیں گھما کر لے رہا تھا۔

''تو اپنے یار کے پاس ہے۔ ہر خطرے سے محفوظ۔ پہلے یہ بتا تو سرکار کے کارندوں سے کیوں الجھا تھا۔ تیری تو سیٹ بہت اونچی ہو گئی تھی تو سرکار کا نمبر ٹو تھا تو پھر کیا ہوا۔ ایسی کیا گڑبڑ ہو گئی کہ سرکار کے آدمیوں نے تجھے مار مار کر مردہ سمجھنے کے بعد کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ مجھے تو بس تم اتفاقاً ہی اس وقت نظر آ گئے جب وہ تمہیں کار سے نکال کر کوڑے پر پھینک رہے تھے۔ میں وہاں سے کچھ فاصلے پر سوزوکی کا ٹائر بدل رہا تھا جو پنکچر ہو گیا تھا کیونکہ مجھے سبزی منڈی سے سبزیاں خریدنے کے لئے اسی راستے سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ راستہ ہے تو ایسا ہی جو بہتے گندے نالے اور کوڑے و گندگی کی وجہ سے ویران و سنسان رہتا ہے۔ بدبو اور گندگی کی وجہ سے وہاں سے کوئی گزرنا پسند نہیں کرتا مگر میں روز وہیں سے رات کو سبزی منڈی جاتا ہوں اور واپسی بھی اسی راستے سے ہوتی ہے کیونکہ وہاں سے راستہ سیدھا اور چھوٹا پڑتا ہے۔ کل رات بھی دو بجے میں گھر سے نکلا تھا اور راستے میں یہ واقعہ ہو گیا۔ تاریکی اور درختوں کے جھنڈ کی وجہ سے وہ لوگ مجھے اور سوزوکی کو دیکھ نہ سکے' وہ تمہیں وہاں پھینک کر چلے گئے۔ ٹائر تو میں بدل چکا تھا۔ میں نے فوراً ہی وہاں سے بھاگنے کی سوچی۔ مجھے ڈر تھا وہ لوگ کہیں واپس نہ آ جائیں اگر میں ان کی نظروں میں آ گیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے سوزوکی کا گیٹ کھولا ہی تھا کہ ایک دم مجھے تمہارے کراہنے کی آواز آئی اور ساتھ تین چار کتوں کو تمہاری طرف تیزی سے بڑھتے دیکھا تو پہلے تو مجھے یقین نہیں آیا کہ وہاں لاش نہیں زندہ ہے کوئی مگر پھر بھی میری ہمت نہ ہوئی کہ میں تم تک پہنچ جاؤں مگر میرے قدم اندر سوزوکی میں بھی نہ بڑھ رہے تھے۔ میں الجھن میں پھنس گیا تھا کہ تمہارے پاس جاؤں یا واپس سوزوکی میں بھاگ جاؤں۔ نفس اور ضمیر میں ابھی یہ جنگ جاری ہی تھی کہ کتے ایک دم ہی خوفناک انداز میں بھونکتے ہوئے تم پر جھپٹے تھے اور اسی وقت میرا ضمیر جاگ گیا۔ میں گناہوں کو چھوڑ چکا تھا۔ برائیوں سے نجات حاصل کر لی تھی۔ میرے اندر جیسے اللہ کی ذات کا نور بھر گیا۔ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف کیا' وہ انسان وہ آدم زاد غلاظت کے ڈھیر پر پڑا آوارہ کتوں کی خوراک بننے والا تھا۔ بس اس وقت میرے دل سے تمام اندیشے و خوف نکل گئے۔ میں نے وہاں پڑی لکڑی کی مدد سے ان کتوں کو مار بھگایا اور تمہیں لے کر سیدھا ڈاکٹر کے پاس چلا گیا اور ڈاکٹر کس طرح تمہاری پٹی وغیرہ کرنے پر راضی ہوا' یہ الگ کہانی ہے۔ خیر ڈاکٹر کی جیب بھر بھرا کر جب روشنی میں تمہارا چہرہ دیکھا تو یقین مانو مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے اپنے خفیہ کلینک میں تمہاری پٹی کی' گلوکوز وغیرہ لگایا آج صبح ہی تمہیں بے ہوشی کی حالت میں' میں گھر لے آیا کیونکہ مجھے ڈر تھا' کہیں سرکار کو کوئی مخبری نہ کر دے' اب تم بتاؤ آخر ہوا کیا تھا۔'' فضل نے جو ٹماٹر' ہری مرچیں' اروی اور دوسری سبزیاں پانی سے دھو کر پلاسٹک کے چھنے میں رکھنے کے ساتھ ساتھ انور کو تفصیل بھی بتا رہا تھا' اس کی طرف رخ پھیر کر اپنا سوال دہرایا تو دیکھا' انور نہ معلوم کب دوبارہ دوائیوں کے زیر اثر سو چکا تھا۔ فضل نے پرخلوص ہمدردنگاہوں سے انور کی طرف دیکھا اور پھر بہت احتیاط سے اپنا کام کرنے لگا کہ مبادا شور سے انور کی نیند ہی خراب ہو جائے۔

✦ ✦ ✦

''کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔'' اُسامہ اپنے بال برش کرنے کے بعد پرفیوم اپنے لباس پر اسپرے کر رہا تھا۔ دروازہ ناک کرنے کے بعد فوزیہ بیگم مسکراتے ہوئے اندر آ کر بولیں۔

''آئیں' رستم زمان صاحب سے ملنے جا رہا ہوں۔ دو ہفتے گزر چکے ہیں۔ ان کی فون کالز تقریباً روز آ رہی ہیں۔ مصروفیات کے باعث جانا نہیں ہو رہا۔'' وہ پرفیوم' ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر انہیں جواب دیتا ہوا بولا۔

''پھر تو آپ سے رات کو ہی بات ہو گی۔ آپ جایئے۔

''کیا بات ہے ممی۔ آپ کہیے میرا ابھی جانا اتنا ضروری نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''میں منتظر تھی کہ آپ خود ہی اس مسئلے پر مجھ سے ڈسکس کریں گے۔''

''کس مسئلے پر ممی۔'' وہ ان کی منشا سمجھنے کے باوجود انجان بن کر گویا ہوا۔

''حقیقت سے بے رخی دانشمندی نہیں ہے اُسامہ' ان دنوں جو خاندان بھر میں بات اچھالی جا رہی ہے' اس سے آپ یقیناً بے خبر نہیں ہوں گے۔ لوگوں کے ہاتھ اچھا مشغلہ آ گیا ہے' پہلے اتنا بڑا ناقابل یقین انکشاف یہ کہ روحیل کی دوسری خفیہ شادی اس پر بیٹی کا موجود ہونا اور تیسرا جو انکشاف ہے' وہ تمہاری اور لائبہ کی میرج کا ہے۔''

''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔ میرا مقصد ہے آپ کیا چاہتی ہیں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''میری تو یہی تمنا ہے کہ میرے گھر میں بھی رنگ و نور کی بارش ہو' میرے سونے ویران آنگن میں ننھے منے معصوم پھولوں کے قہقہے گونجیں' رنگین چوڑیاں کھنکیں' خوبصورت رنگ برنگے آنچل لہرائیں' اس گھر میں بھی بہاریں آئیں' مسرتیں اتریں' خوشیاں جگمگائیں' بیٹی کی خواہش دل میں ہمیشہ سے ہے' بہو کے روپ ہی میں بیٹی پالوں گی۔ لائبہ کو میں نے جب روحیل کے ہاں دیکھا تو اس کا چہرہ مجھے کچھ کچھ مانوس سا لگا اور پھر منشی کی بیوی کی بات مجھے یاد آ گئی کہ ہری آنکھیں گلابی چہرہ پھر مجھے یاد آ گیا کہ وہ ایک مرتبہ آپ کو جب آپ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئے تھے تو اسپتال میں دیکھنے آئی تھی اور دوسری مرتبہ آپ کے دوست یعنی افتخار بھائی کے بیٹے شاہ رخ کے ساتھ گھر پر آئی تھی مگر وہ بہت خاموش اور گھبرائی گھبرائی سی اس وقت بیٹھی تھی اور اس وقت کوئی گھر کا فرد اس رشتے کی نوعیت سے واقف بھی نہ تھا۔ اس لئے میں صبر کر کے آ گئی مگر دوسرے دن یہ بات اس طرح تیزی سے پھیلی کہ میں حیران رہ گئی۔ آپ کے ڈیڈی ہانگ کانگ اس رات روانہ ہو گئے تھے۔ ان سے بھی میں تین دفعہ فون پر بات کر کے مشورہ لے چکی ہوں کہ ان حالات میں کیا کیا جائے۔ اماں جان لائبہ کو اپنا خون ماننے پر رضامند نہیں ہیں۔ ان کی ضد ہے کہ لائبہ یہاں قدم رکھے گی تو وہ یہ گھر چھوڑ جائیں گی۔ روحیل اور نبیل وارشد کی اماں جان سے اس معاملے پر کافی بات چیت ہوئی ہے اور تینوں نے بہت کوشش کی کہ اماں جان اپنی ضد چھوڑ دیں اور لائبہ کو پوتی تسلیم کر لیں مگر اماں جان کی ضد کبھی ٹوٹی ہے بلکہ انہوں نے یہ الزام تک لگا دیا کہ جس طرح ماں نے روحیل کو گمراہ کیا تھا' اسی کے نقش قدم پر چل کر بیٹی (لائبہ) نے میرے بیٹے اُسامہ کو گمراہ کیا اور افتخار بھائی اور ان کی فیملی کو بہت برا بھلا کہا۔ انہوں نے کہا کہ ان کی سازش کی وجہ سے تم نے لائبہ سے میرج کی اور انہی کی وجہ سے روحیل نے عیسائی لڑکی سے میرج کی تھی۔ ارشد غصے میں چلا گیا تھا۔ میں نے آپ کے ڈیڈی کو تمام صورت حال بتائی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں جو اماں جان کا فیصلہ ہے' وہی ان کا بھی ہے۔ وہ اولاد کی خاطر ماں کو رنجیدہ یا پریشان نہیں کر سکتے۔'' فوزیہ نے تفصیل سے مکمل بات کی۔

''ڈیڈی نے قابل فخر بیٹا ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ بہت عظیم ہیں ڈیڈی! مگر اماں جان کے الزامات اب بہتان تراشیوں کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔ افتخار انکل بہت اچھے انسان ہیں۔ یہ محض اماں جان کی ذہنی پراگندگی یا اختراع ہے ورنہ افتخار انکل نے جس خوبی اور دوستی کی خاطر لائبہ کی حفاظت کی اور اتنی رازداری و مشقت سے اس حقیقت کو پردے میں رکھا' ایسا کسی خودغرض و مطلب پرست یا حاسد شخص کے ظرف کی بات نہیں تھی۔ ایسے صادق و پرخلوص کسی کسی خوش نصیب کو ملا کرتے ہیں' اب معلوم ہوا ہے کہ اماں جان افتخار انکل کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ مگر ممی یہ سب اچھا نہیں ہو رہا اماں جان کی مرضی ہے' وہ اسے اپنا خون تسلیم کریں یا نہ کریں' مگر میری زوجیت کے خانے میں اسی کا نام رہے گا۔ اس سے دستبردار میں کبھی نہیں ہوں گا۔''

''میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ جب میں نے لائبہ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا' تب ہی وہ مجھے بے حد پسند آئی تھی مگر اس وقت میں یہ سوچ کر خاموش ہو گئی تھی کہ وہ غیر خاندان کی لڑکی ہے اور اماں جان غیر خاندان کی لڑکی کو بہو بنانا کبھی بھی پسند نہیں کریں گی اور خصوصاً آپ کے لئے کہ آپ سے وہ بے انتہا محبت کرتی ہیں' سب بچوں سے زیادہ چاہتی ہیں آپ کو اور جب کہ وہ خواہش اللہ نے بن مانگی دعا کی طرح پوری کر دی ہے تو یہ ایسی دولت بن گئی ہے جس کے چھن جانے' کھو جانے کا خوف ہر وقت ذہن پر سوار رہتا ہے۔''

''اوہ ممی' آپ ایسا سوچتی ہیں تو پھر فکر مت کیجئے' اسے کوئی نہیں چھین سکتا نہ وہ کھو سکتی ہے۔ وہ آپ کے پاس آئے گی ان شاء اللہ بہت جلد۔''

''نہیں بیٹا۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے' جتنا آپ نے سمجھ لیا ہے' اماں جان کی طبیعت اور ہٹ دھرمی کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اپنی انا کی سرخروئی کے لئے وہ حد سے تجاوز کر سکتی ہیں۔''

''روحیل چچا کے کیا تاثرات ہیں۔ آپ سے بات کی ہو گی انہوں نے۔''

''ہاں یہاں سے جانے کے بعد میں ڈاکٹر کے بہانے ان کے پاس گئی تھی کہ کسی طرح سے معاملہ سلجھایا جائے نبیل' ارشد' روحیل' عظمت سب سے بات ہوئی اس نازک موضوع پر مگر......''

''مگر۔ مگر کیا مطلب ممی۔'' انہیں خاموش دیکھ کر وہ چونک کر بولا تھا۔

''ان سب کا رویہ تو نارمل تھا مگر ارشد نے کہہ دیا ہے کہ جب تک آپ اماں جان اور اسد صاحب کو راضی نہیں کرو گے' لائبہ کا نام بھی آپ کی زبان پر آنا نہیں چاہیے۔''

''ارشد' وہ میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ میں صرف چچا جان کی وجہ سے اس کا لحاظ کر رہا ہوں۔'' ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ مضطرابی انداز میں دانت بھینچ کر بولا۔

''غصہ مت کریں بیٹا آپ۔ روحیل اور نبیل نے اسے سمجھایا تھا عظمت نے بھی ڈانٹا تھا دراصل غصہ ور اور گرم مزاج تو وہ بچپن سے ہی ہے' جذباتی بہت زیادہ ہے۔ بات کی گہرائی محسوس نہیں کرتا' فوراً جوش میں آ جاتا ہے۔ ایسے لوگ برے نہیں ہوتے بیٹا۔ اس جذباتی فطرت کے لوگ جتنی جلدی روٹھتے ہیں' اس سے بھی جلدی اپنی غلطی مان کر دل صاف کر کے ملتے ہیں۔ ابھی وہ جذباتی ہو رہے ہیں بہن کی محبت میں جوشیلے اور حساس ہیں۔ ایسے میں انہیں چھیڑنا لوگوں کے لیے اپنا تماشا بنوانے کے مترادف ہے۔'' اُسامہ کا غصے سے بگڑتا چہرہ تنے ہوئے اعصاب دیکھ کر وہ بوکھلا گئیں۔ وہ اپنے بیٹے کی ضدی و خودسر فطرت سے بخوبی واقف تھیں۔ وہ نہ کسی کو ناجائز تنگ کرتا تھا اور نہ کسی کی دھمکیوں سے مرعوب ہونے والا بندہ تھا۔ ادھر کل وہ ارشد کے بھی جارحانہ تیور دیکھ آئی تھیں۔ ان دونوں کا مزاج بہت حد تک ایک ہی تھا۔ بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی پڑ جائے تو وہ بجھ جایا کرتی ہے مگر بھڑکتے ہوئے شعلوں پر مزید پیٹرول چھڑک دیا جائے تو وہ آگ اپنے ساتھ آس پاس کے گھروں کو بھی جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ انہیں بھی ان دو بھڑکتے ہوئے شعلوں کی تباہ کاریوں سے اس خاندان کی یگانگت و خلوص مروت و اخلاق اور رواداری' بے غرض محبتوں کا وجود' خاندان کا ناموس و وقار راکھ ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

◆◆◆

''ارے بھئی اگر ڈاکٹرز کے بھی دل اتنے کمزور ہو گئے تو مریضوں کا کیا ہوگا۔ ایسے حادثات تو ڈاکٹرز کے لئے روز ہی منتظر ہوتے ہیں اگر اس طرح آپ محسوس کریں گی تو کبھی بھی قابل ڈاکٹر نہیں بن سکتیں۔ شعبہ حادثات میں ایکسیڈنٹ کیسز ایسے ہی آتے ہیں۔''

کنول آج صبح کراچی واپس آچکی تھی۔ تیز بخار اور ذہنی ٹینشن نے اس کی حالت دگرگوں کر دی تھی۔ مسٹر اور مسز توفیق اسے اسٹیشن سے سیدھے اسپتال لے گئے تھے۔ اس کی ڈیوٹی اسی اسپتال میں ہوتی تھی' اسے وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ سرجن آفتاب صاحب نے خود اس کی ٹریٹمنٹ کی تھی۔ وہ توفیق صاحب کے دوست بھی تھے اور کنول کے سینئر بھی۔ کنول نے حادثے کا اثر بہت زیادہ لیا تھا۔ جس سے اس کا ذہنی میٹ اپ بری طرح متاثر ہوا تھا۔ ڈاکٹر آفتاب نے اسے ذہنی سکون کا انجکشن لگا دیا تھا۔ پورے ایک روز وہ ان ٹیکوں کے زیر اثر رہی تھی۔ دوسرے دن سو کر اٹھی تو پہلے سے بہت بہتر چاق و چوبند تھی۔ مسٹر و مسز توفیق اسے نارمل حالت میں دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے اور اس کے قریب بیٹھے تھے۔ اس کے ساتھی ڈاکٹرز مع اسٹاف اس کی عیادت کر کے جا چکے تھے۔ سرجن آفتاب وارڈز میں راؤنڈ لگانے کے بعد اس کے روم میں آکر اسے سمجھا رہے تھے۔ کنول تکیوں کے سہارے بیٹھی ان کی باتیں بہ غور سن رہی تھی۔

''ڈاکٹر کنول! باہمت بنئے۔ انسان جب ڈاکٹر بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بعد بہت ساری زندگیوں کی تندرستی و بقا کی ذمے داری اس پر آجاتی ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں سر اس بات کو مگر جو قیامت خیز مناظر میں نے دیکھے ہیں' انہیں دیکھ کر میری روح کانپ اٹھی ہے۔ آگ اور خون کا دریا بہہ رہا تھا سر وہاں۔ انسانی اعضاء ٹوٹے پھوٹے کٹے جلے اس طرح وہاں دور دور تک بکھرے ہوئے تھے جیسے زمین پر کوڑا بکھرا ہو۔ درد سے چلاتے' زخموں سے گھائل' موت سے ہم آغوش ہوتے لوگوں کی آہیں' سسکیاں' چیخیں ابھی بھی میرے کانوں میں اسی طرح گونجتی رہتی ہیں۔''

''یہ بھی ہماری قوم کا المیہ ہے۔ ظالم کو اس کے ہر ظلم کی ایجاد کی چھٹی ملی ہوئی ہے' مجھے امید ہے یہ خونی حادثہ آپ کو انسانیت کی خدمت و محبت کے جذبے کو اور قوی کرے گا۔ ظلم کرنا مشکل عمل نہیں ہے ڈاکٹر کنول بہترین اور کٹھن عمل ہے انسانیت کی خدمت۔ انسانیت کی عزت و محبت' انسانیت جو آج کل کے انسانوں میں ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے وقت میں اس کی افزائش' فلاح و بہبود ایک قابل فخر جہاد اور مقدس فریضہ ہے۔''

''جی سر۔ میں بھی آپ کے ساتھ اس جہاد میں شریک ہوں آج سے۔''

◆◆◆

''ہیلو سسٹر' کیا ہو رہا ہے؟'' لائبہ قالین پر بیٹھی اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ شمیر اندر آکر اس کے نزدیک بیٹھتا ہوا بے فکری سے بولا۔ وہ کھلنڈرا اور بے پروا بندہ تھا۔ اکثر یونہی دروازہ بغیر ناک کئے کمرے میں آجایا کرتا تھا۔

''بالوں میں برش کر رہی تھی۔'' اس نے سرعت سے قریب رکھا سرمئی پرنٹڈ دوپٹہ اٹھا کر اوڑھ لیا۔ بال جو دائیں بائیں حصوں میں سلجھانے کی غرض سے پھیلے ہوئے تھے اس نے پشت پر کر دیے۔

''یہ کیا تم بڑی بوڑھیوں کی طرح دوپٹے میں پیک رہتی ہو' دل نہیں گھبراتا تمہارا۔''

''پردہ صرف بزرگوں پر ہی فرض نہیں ہے۔ اس کا اطلاق ہر عورت کے لئے ہے۔''

''لیکن ہر عمل کے لئے ایک عمر ایک وقت ہوتا ہے۔ ایسا تھوڑی ہوتا ہے کہ اسّی سالہ بڑھے یا بڑھیا کی طرح زندگی گزارنا شروع کر دو۔''

''بھئی اسّی سال کی عمر میں بھی تو ایسے ہیک کاموں سے گزرنا پڑے گا' جب آنکھوں سے کم نظر آئے گا' کمر جھک جائے گی' دانت ٹوٹ جائیں گے' تو ابھی سے عادت ڈال لینا عقل مندی ہے۔''

''توبہ شمیر' تم بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔'' وہ بے ساختہ مسکرا اٹھی۔

''ارے مجھے یقین نہیں آرہا کہ تمہیں مسکرانا بھی آتا ہے۔ ویری اسٹیرنج۔''

''میرے خیال میں رونا اور ہنسنا سب کو آتا ہے۔'' اس کی بے ساختہ مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

''لیکن میں تو سمجھتا تھا' تمہیں صرف آنسو بہانے کے علاوہ بسورنا آتا ہے۔''

''یہ تو تقدیر کی تحریر ہوتی ہے شمیر۔ جو جس کے نصیب میں لکھا ہوتا ہے وہی اسے مل جاتا ہے۔ وہ چاہے آنسوؤں کی برساتیں ہوں یا خوشیوں کی مسکراہٹوں کی سوغاتیں۔''

''میں نے تمہارے مسکرانے کی تعریف کی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ دوبارہ بسورتا ہوا چہرہ بنا لو' اسٹوپڈ سسٹر' پرخلوص مسکراہٹ بھی صدقہ ہے۔'' وہ صوفے پر سے کشن اٹھا کر اس کے نزدیک ہی نیم دراز ہو گیا۔

لائبہ غیر ارادی طور پر دور کھسک گئی تھی۔ حیات کا طویل عرصہ اس نے صرف اور صرف ماما کے ہمراہ گزارا تھا جہاں ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے فرد کا وجود نہیں تھا۔ اب وہ اپنے اصل کی طرف پلٹی تو یہاں مکمل خاندان موجود تھا مگر وہ ایک ماہ گزر جانے کے باوجود خود کو سب کے ساتھ مکس اپ نہ کر سکی تھی۔ جھجک اور کچھ کچھ اجنبیت اس میں ابھی تک موجود تھی۔ اسے اپنے خول سے باہر نکلنے میں خاصا عرصہ درکار تھا۔

''ارے کیا مجھے ٹی بی کی بیماری ہے جو تم اتنی دور ہو کر بیٹھی ہو۔''

''اللہ نہ کرے۔ بس وہ......'' اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''چینج کرو یار' خود کو سگے رشتوں میں فاصلے خصوصاً بہن بھائی کے رشتے میں فاصلے محبتوں کی بنیادوں کو دیمک کی طرح کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ محبت و اپنائیت' خلوص و احترام کے جذبے باہم دلوں کو تسخیر کر کے رشتوں کی جڑوں کو مضبوط و پائیدار کرتے ہیں۔''

''تم نے مائینڈ کیا۔ سوری آئی ایم رئیلی سوری شمیر' تم جو کہہ رہے ہو وہ درست ہے۔ میں تمہیں یا کسی کو بھی ہرٹ کرنا نہیں چاہتی۔ حد درجہ محتاط روی میری سرشت میں شامل ہو چکی ہے۔ یقین مانو رشتوں میں پہلا احساس اٹوٹ بندھن' بے ریا و بے غرض محبت' مضبوط اعتماد اور معتبر کر دینے والے مان کا ہوتا ہے۔ اپنی سابقہ زندگی کا پرچار کرنا مجھے پسند نہیں ہے مگر ماضی تو انسان کے جسم کا ایک اہم حصہ بن جاتا ہے۔ سائے کی طرح وجود سے وابستہ رہتا ہے۔ میں اور ماما تنہا رہتے تھے۔ دو عورتیں کسی بھی معاشرے میں مرد کے بغیر زندگی گزارتی ہیں تو انہیں بہت محتاط روی و شائستگی سے رہنا پڑتا ہے۔ ایک مدت کی پڑی ہوئی عادتیں اب آہستہ آہستہ ہی ختم ہوں گی نا۔''

''اوکے۔ اچھا اب یہ بتاؤ' تمہارے یہ بال اصلی ہیں۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گولڈن براؤن بال کھینچ لئے۔ ''ہا...... ہا...... یقین آگیا اصلی ہیں۔'' لائبہ کے چیخنے پر وہ شرارت سے ہنستا ہوا بولا۔ ''اچھا یہ بتاؤ تم مجھے پہچان گئی تھیں۔''

''کیا مطلب۔'' لائبہ بالوں میں بینڈ ڈالتے ہوئے حیرانی سے بولی۔

''میں جب نبیل بھائی اور ارشد بھائی کے ساتھ افتخار انکل کی کال آنے کے بعد تمہیں لینے گئے تھے تو ہم تینوں کے چہروں اور دلوں میں مسرت کے ساتھ ساتھ تجسس و اشتیاق بھی تھا کہ نہ معلوم ہماری بہن کیسی ہوگی' اس کا کیا رویہ ہوگا وغیرہ۔ وہاں پہنچ کر میری نظر جب تمہارے چہرے پر پڑی تو مجھے خوشگوار اور بے یقین سی حیرت ہوئی کیونکہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا تم ہماری بہن ہو سکتی ہو۔'' لائبہ استفہامیہ انداز میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ ''مجھے اس لئے حیرت ہوئی تھی کہ میں تمہیں پہلے دیکھ چکا تھا۔''

''دیکھ چکے تھے مگر کہاں۔'' اس کی سبز آنکھوں میں حیرانی ہیرے بن کر جگمگانے لگی۔

''تمہیں سچ مچ یاد نہیں۔ حیرت ہے مگر میں جس چہرے کو ایک بار دیکھ لوں قطعی نہیں بھولتا۔''

''مگر تم نے مجھے کہاں دیکھ لیا۔ میں تو کالج اور یونیورسٹی میں بھی بہت ریزرو رہتی تھی۔ فرینڈ شپ بھی میری بہت محدود تھی' لوگوں سے تعلق داریوں میں بالکل صفر۔''

''یاد کرو تم ایک مرتبہ اُسامہ بھائی کو دیکھنے ان کے پاس اسپتال آئی تھیں۔ جب ان کے بقول اسکوٹر ایکسیڈنٹ میں وہ شدید زخمی ہوئے تھے مگر میرا خیال تھا' ان کے زخم تیز دھار چاقوؤں کے ہیں مگر وہ اس کی نفی کرتے رہے تھے۔ تم جب وہاں آئی تھیں تب میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ اس سے قبل میں تم سے فون پر بات بھی کر چکا تھا۔ جب تم نے اُسامہ بھائی کو فون کیا تھا۔'' شمیر نے تفصیل بتادی۔

''مجھے یاد نہیں ہے۔'' اُسامہ کے ذکر پر اس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔

''چلو باہر چائے پر سب انتظار کر رہے ہوں گے۔ عاشی بھابی گرم گرم سموسے اتار رہی تھیں۔ زینی بھابی اوون میں سے چکن پیس نکالنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ میں تمہیں بلانے آیا تھا۔'' شمیر تیزی سے کھڑا ہوا اور لائبہ کا بھی ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ اس کے چہرے پر خجالت کے تاثرات تھے گھر میں آج کل جو خاموش جنگ چھڑی ہوئی تھی' اس کا مین کردار اُسامہ ملک ہی تھا۔ جب کہ اماں جان کا کردار کچھ ولن ٹائپ کا ہو گیا تھا' جو ہیروئن کو ملنے نہ دے رہی تھیں۔ ارشد غیرت مند' بہن پر جان نچھاور کرنے والے بھائی کا بھرپور کردار تھا۔ ایسے میں اسے اُسامہ کا ذکر چھیڑ کر خود شرمندگی ہوئی تھی مگر وہ بہت دنوں سے اس تگ و دو میں تھا کہ اس سے معلوم کرے' وہ بھی اسے پہچانی یا نہیں' جب کہ وہ اسے ایک نگاہ میں ہی پہچان گیا تھا۔

◆◆◆

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے

''بہت خوب بیگم صاحبہ' شاعری کا مطالعہ ہو رہا ہے۔'' رستم زمان کی ہشاش بشاش آواز سن کر ساحرہ جو اُسامہ ملک کے اخبارات و رسائل میں چھپے فوٹو گراف اپنے سامنے پھیلائے بیٹھی انہیں بہت محبت و چاہت سے دیکھتی ہوئی شعر گنگنا رہی تھی' ایک دم ہی سٹپٹا کر اپنے اردگرد پھیلے ہوئے اخبارات و رسائل سمیٹنے لگی۔

ملازم اس پرانی ردی کو ضائع کر رہے تھے۔ میں نے کہا' آپ کی تصاویر ان میں سے کاٹ کر علیحدہ کر لوں تاکہ البم میں لگا سکوں۔'' وہ گھاگ و شاطر عورت تھی۔ رستم زمان اس کی محبت میں بصارت کھو چکے ہیں۔ اس سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ بہت خوبصورتی سے وہ بڑے لگاوٹ بھرے انداز میں ناز سے بولی کہ رستم زمان سچے و سادہ طبیعت مسرت سے جھوم اٹھے۔

''آپ کی یہی ادائیں یہی چاہت اور وفائیں ہمیں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔''

''اوں ہوں سر۔'' اُسامہ ملک جو ان کے پیچھے کھڑا ان کے اندر بڑھنے کا انتظار کر رہا تھا' دونوں میاں بیوی کو کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''اوہ آپ بھی تشریف رکھتے ہیں۔'' ساحرہ جیسے کسی مقناطیسی کشش کے زیر اثر برق رفتاری مگر محتاط انداز میں ان کی طرف بڑھی تھی' اس کی بے تاب مسرتوں سے چمکتی ہوئی نگاہیں بہت بے قراری و بے اختیاری سے اس کے وجود کا طواف کر رہی تھیں۔

''السلام علیکم۔'' ہمیشہ کی طرح اس کا سرد اور سپاٹ لہجہ گونجا۔

''آپ بیٹھیں بیٹا ہم ابھی کپڑے چینج کر کے آتے ہیں۔ ساحرہ آپ کو اتنے کمپنی دیں گی۔'' وہ اسے کہہ کر مسکراتے ہوئے اندر اپنے بیڈروم کی جانب بڑھ گئے۔

''بہت عرصے بعد آئے آپ۔ کیا آپ کو احساس نہیں کوئی شدت سے آپ کا انتظار کر رہا ہوگا' راہوں میں بچھائے ہونٹوں پر ہجر کے گیت سجائے آنکھوں میں انتظار کی شمعیں روشن کئے۔'' وہ اس کے قریب آکر پرسوز سرگوشی میں بولی۔

''کیوں کانٹوں میں گھسیٹ رہی ہیں خود کو۔'' اس کے لہجے کی تڑپ' سوز اور درد نے اُسامہ کو سخت جملے کہنے سے روک دیا تھا۔ وہ ایک بے ارادہ نگاہ اس پر ڈال کر بولا۔

''پھول حاصل کرنے کے لئے پہلے کانٹوں سے لہولہان ہونا پڑتا ہے۔''

''کچھ کانٹے ایسے بھی ہوتے ہیں مسز زمان جو ڈائریکٹ شہ رگ میں پیوست ہو جاتے ہیں۔''

''عشق لاحاصل کی موت تو عاشق کو امر بنا دیتی ہے۔ جو رشتے محبت کی زرخیز زمین سے جنم لیتے ہیں' وہ کبھی مرا نہیں کرتے۔ جسم مٹی کی آغوش میں چلے جاتے ہیں' روحیں آزاد ہو جاتی ہیں مگر محبتیں زندہ رہتی ہیں۔ اس دنیا میں ہر دور اور ہر وقت میں۔''

''آپ کی رائے کیا ہے' محبت کے بارے میں' کیا مفہوم ہوتے ہیں اس کے۔'' وہ پہلی مرتبہ اس سے بہت تحمل' سنجیدگی سے گویا ہوا تھا مگر نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

''شاید میری دعائیں قبولیت کے دائرے میں داخل ہو گئی ہیں۔'' اس نے بہت میٹھی نگاہوں سے اُسامہ کی طرف دیکھا مگر وہ دانستہ نگاہیں چرا گیا۔ نیٹ کی گرین شرٹ سے اس کے سڈول بازو ایسے چمک رہے تھے' جیسے چاندنی رات میں چمیلی کے پھول چہرے پر میڈ میک اپ نے پہلے سے زیادہ دلکشی و تازگی پیدا کر دی تھی۔ ریڈ براؤن ڈائی کئے گئے بالوں کے باب کٹ اسٹائل نے اس کی عمر کے کئی سال گھٹا دیئے تھے۔ گلے میں ڈائمنڈ نیکلس' کانوں میں ڈائمنڈ کے آویزے براؤن لپ اسٹک سے مہارت سے رنگے ہوئے ہونٹوں کی دل آویزی ساحرانہ کشش رکھتی تھی۔ وہ حسین ترین بلا تھی۔ جس کے حسن کے سحر سے نکل آنا چٹانی حوصلے رکھنے والے مردوں کے بھی بس کی بات نہ تھی۔ وہ اپنے ہوشربا حسن سے واقف تھی۔ البیلی والہڑ اداؤں کے ہتھیار بھی استعمال کرنا بروقت جانتی تھی' انگلیوں کی جنبش پر وہ اعلیٰ طبقوں کے افسران اعلیٰ اور شہر کے امرا کو نچا کر رکھ دیا کرتی تھی۔ ہزاروں ایسے مردوں کی برادری میں اسے پہلا ایسا مرد ملا تھا جس پر نہ اس کے حسن کا جادو چلا' نہ کوئی اداؤں کا تیر اسے گھائل کر سکا۔ اس کی مغرور نگاہوں میں اس کے لئے کوئی جذبہ نہیں تھا۔ وہ منہ پھٹ' اکھڑ' سرد مزاج' جس کی بھرپور وجیہہ شخصیت میں لگتا تھا' بہت سی بوریوں کا کلف لگا ہوا ہے ساحرہ کے ہوس زدہ دل میں شدت سے اس مغرور کلف زدہ شخص کی محبت جاگی تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا' وہ ایک مرتبہ اسے حاصل ضرور کرے گی۔

''محبت کے بارے میں سب کا فلسفہ الگ ہوتا ہے۔ میرے نزدیک محبت کا چشمہ دل کے نہاں خانوں سے پھوٹ نکلتا ہے جس کی ٹھنڈک سے جسم و جاں سیراب ہوتے ہیں۔ محبت کا چاند جب من کے آکاش پر جلوہ افروز ہوتا ہے تو محبوب کا عکس ہر شے میں نظر آنے لگتا ہے۔ وقت کی ساعتیں' بدن میں رواں رہنے والی سانسیں' دل کی ہر دھڑکن اسی کا ورد کرتی ہے' آنکھوں میں اس کے انتظار کے دیپ جلنے لگتے ہیں۔ لبوں پر اس کے دیدار اور ملن کی دعائیں جاری رہتی ہیں۔ محبت مٹی کو بھی سونا بنا دیتی ہے اور اس کا مفہوم تو چاہنا اور چاہے جانا ہے۔ یہ چاہت جو دو قالب کو ایک قلب کر دیتی ہے۔ کوئی ظالم سماج' کوئی رسم و رواج دو جسموں کو ملنے سے......''

''آپ سلپ ہو رہی ہیں۔'' اسے پٹری سے اترتے دیکھ کر وہ اس کی بات قطع کر کے بولا۔

''نہیں! آپ نے پوچھا تھا' میں اپنی رائے دے رہی ہوں۔'' وہ جو اس کی قربت کے نشے میں مدہوش ہو گئی تھی' اسے آج حالِ دل سنانے کا موقع ملا تھا' اس کی قطع کلامی پر وہ چونکی تھی۔

''محبت دو جسموں کا نہیں روحوں کا ملاپ ہوتی ہے۔ محبت انسان کو پاکیزگی و احترام کے رشتے سے روشناس کراتی ہے۔ آپ کا فلسفہ بہت گھٹیا ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔ نادانستگی میں کوئی بات نکل گئی ہو تو سوری۔ دراصل آپ کو دیکھ کر میرا لہجہ' میری آنکھیں' میرے جذبات بے قابو ہو جاتے ہیں۔''

''پلیز' پلیز مسز زمان' میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ عورت بہت مقدس و احترام کا روپ ہے۔ زمین پر اللہ کا اتارا ہوا خوبصورت انعام ہے۔ وہ جب تک مقدس و باحیا رشتوں کے پردوں میں ملفوف رہتی ہے' قابلِ عزت و احترام رہتی ہے۔ مگر جہاں یہ بے حیائی کے لبادے میں ملبوس ہو کر نفس کی غلط راہوں پر چل نکلتی ہے' وہاں ہر عزت و احترام کا رشتہ اس کے لئے مسترد کر دیا جاتا ہے۔''

''تم سے محبت کرنا اتنا بڑا جرم ٹھہرا میرا۔'' وہ آزردگی سے بھیگی آنکھوں سے بولی۔

''غور کیجئے آپ اپنے لفظوں پر! اپنے منصب پر! ایک بیوی کو زیب دیتا ہے کہ وہ شوہر کی موجودگی میں اس کی چھت کی چھاؤں تلے کسی غیر مرد سے اظہارِ محبت کرے۔ کیا آپ کو معلوم ہے جو عورت شوہر کی موجودگی میں غیر مرد سے دوستی بڑھاتی ہے' وہ عورت نہیں رہتی بلکہ ایک گالی بن جاتی ہے۔ میں ایسی عورتوں کی طرف دیکھنا بھی اپنی نگاہوں کی توہین سمجھتا ہوں۔ دیٹس آل۔'' وہ سرد اور دو ٹوک لہجے میں بولا۔

''اتنے سنگدل اور کٹھور لگتے تو نہیں۔'' وہ جیسے چکنا گھڑا تھی۔

''کیا ٹاپک زیرِ بحث ہے؟'' رستم زمان گرم سوٹ میں اندر داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر بولے۔

''بہت دیر لگا دی سر آپ نے۔'' وہ اپنے چہرے پر موجود بے زاری کو چھپا کر ان سے مخاطب ہوا۔

''بیٹھیں برخوردار۔ شاور لینے میں ٹائم لگ گیا۔ ویسے ہمیں امید ہے ساحرہ نے آپ کو بور ہونے نہیں دیا ہوگا۔'' وہ احتراماً کھڑے اُسامہ سے شگفتہ لہجے میں پوچھنے لگے۔

اسی لمحے ملازم چائے اور دیگر لوازمات سے بھری ٹرالی لے کر اندر آ گیا۔ ساحرہ نے ٹرالی اپنے آگے رکھوانے کے بعد ملازم کو جانے کا اشارہ کیا اور خود پلیٹ میں لوازمات نکالنے لگی۔ اس کے حسین چہرے پر دل سوزی مسکراہٹ تھی۔ اُسامہ رستم زمان کے ساتھ محوِ گفتگو ہو چکا تھا۔ اسے پارٹی کے بکھرنے پر بہت تشویش تھی۔ رستم زمان کا حکومتی پارٹی سے کمٹ منٹ بھی ہرگز نہ بھایا تھا جس کا اظہار اس نے صاف کر دیا تھا۔ گو کہ رستم زمان نے دلائل سے اسے قائل کرنا چاہا تھا اور وہ خاموش بھی ہو گیا تھا مگر ساحرہ اس کے چہرے سے اندازہ لگا چکی تھی کہ وہ ان سے دلی طور پر کبیدہ ہو گیا ہے۔ یہ پہلی گرہ تھی جو ان کے تعلقات میں لگی تھی مگر بظاہر کوئی چپقلش دونوں کے درمیان نظر نہیں آتی تھی۔

✦ ✦ ✦

''لائبہ اٹھ گئیں سو کر؟'' عائشہ دروازہ کھول کر اس کے روم میں آتے ہوئے بولی۔

''جی بھابی۔'' لائبہ جو ابھی باتھ روم سے شاور لے کر نکلی تھی' ہیئر ڈرائیر سے بال ڈرائی کرتے ہوئے بولی۔ جامنی اور سیاہ خوبصورت سوٹ میں اس کا دلکش سراپا بہت نمایاں تھا۔

''کوثر تائی اور ریاض بھائی آئے تھے' انوی ٹیشن کارڈ دینے' کل ان کی بیٹی کی برتھ ڈے ہے۔ سب کو چلنا ہے۔ وہ تمہیں بھی پوچھ رہی تھیں۔ زینی تمہیں بلانے آئی تھی مگر تم سو رہی تھیں۔''

''اٹھا لیتیں بھابی مجھے۔'' اس نے ڈرائیر کا بٹن آف کرتے ہوئے کہا۔

''ان دنوں تم بہت زیادہ مضمحل رہی ہو' تمہاری پرسکون نیند خراب کرنا اچھا نہیں لگا۔ چلو شاباش اب جلدی سے باہر چل کر چائے پی لو پھر ارشد شاپنگ کروانے لے کر جائیں گے۔'' وہ خود ہی آگے بڑھ کر اس کے بالوں میں کلپ لگانے لگیں۔

''لیکن میں...... میں وہاں کیسے......''

''ریاض بھائی یہ پارٹی ہوٹل میں دے رہے ہیں' گھر میں نہیں۔'' وہ اس کے چہرے پر پھیلے اضطراب کو بھانپ کر اس کا جملہ مکمل کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''میں نہیں جاؤں گی۔'' اس کی نگاہوں میں اُسامہ اور ارشد کے چہرے گھوم گئے۔

''کیوں تم کیوں نہیں جاؤ گی؟''

یہی بات اس نے جب چائے پینے کے دوران ارشد کے سامنے دہرائی تو وہ چونک کر ہاتھ میں پکڑی چپس اور برگر کی پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر کہنے لگا۔

''کیوں! تم کیوں نہیں جاؤ گی؟ نہ جانے کی وجہ!''

''کوئی وجہ نہیں ہے بھائی۔'' وہ نگاہیں جھکا کے چائے ٹی پاٹ سے کپ میں انڈیلنے لگی۔

''خوفزدہ ہو کسی سے۔'' بہت گہرا لہجہ تھا اس کا۔

''نہ...... نہیں بھائی۔'' وہ کسی سے کا مفہوم اچھی طرح جانتی تھی۔

''چلی چلو لائبہ۔ ممی اور بھائی بہت اصرار سے دعوت دے کر گئے ہیں۔'' زینی نے اصرار کیا۔

''ماما کے چالیسویں کے بعد سے تم بہت خاموش اور گم صم رہنے لگی ہو' ہلکی پھلکی پارٹیز اٹینڈ کرو گی تو یہ جمود ٹوٹے گا ورنہ پھر بیمار پڑ جاؤ گی۔'' عائشہ نے بھی خلوص سے مشورہ دیا۔

''آل رائٹ اگر لائبہ نہیں جائے گی تو پھر کوئی بھی یہاں سے نہیں جائے گا۔'' ارشد فیصلہ کن لہجے میں بولا اور ارشد کے قطعی انداز پر زینی کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔

''یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی بھائی آپ سب جایئے گا۔''

''بی بی جی فون ہے آپ کا۔'' اسی لمحے ملازم کارڈلیس فون لے کر آ گیا۔

''ہیلو۔'' سرد موسم ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔

''اُسامہ ملک اسپیکنگ۔'' اس کے کانپتے دل کا خدشہ درست نکلا۔ دوسری طرف سے وہی گمبھیر و دلکش بھاری آواز گونجی۔ ان تینوں کی نگاہیں اس کے سپید پڑتے چہرے پر تھیں۔

''ہیلو کیا قوتِ گویائی سے ایک دم ہی محروم ہو گئی ہو۔'' ریسیور سے بھرپور طنزیہ آواز گونجی۔ برابر کی چیئر پر بیٹھے ارشد تک یہ آواز بخوبی پہنچی۔ اس نے فوراً لائبہ کے ہاتھ سے فون لیا اس کے تیور جارحانہ تھے۔ لائبہ کے کپکپاتے ہاتھ سے کپ گھاس پر گر گیا۔

''قوتِ گویائی کے علاوہ قوتِ شناخت سے میں تمہیں محروم کروں گا۔'' ارشد سرد لہجے میں بولا۔

''مجھے محسوس ہو رہا ہے۔ تم نے اپنی کیئس اور میرز کرائے پر دے دیئے ہیں۔ تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہے میاں بیوی کے درمیان مداخلت غیر مہذبانہ فعل ہے۔''

''کس کی بیوی۔ کس کا میاں۔ جس طرح تم نے فراڈ سے رشتہ جوڑا ہے اگر عدالت میں تمہیں گھسیٹ لیا تو فراڈ کے کیس میں ساری عمر چکی پیسو گے جیل میں۔ وہاں تمہاری کوئی لیاقت' حاضر دماغی اور لیڈری کام نہیں آئے گی۔'' ارشد کا غصیلا لہجہ بتدریج بلند ہو رہا تھا۔

''اگر تمہیں اس کا ارمان ہے تو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔ فی الوقت لائبہ کو ریسیور دو۔''

''شٹ اپ میں نے کہا تھا تم سے میری بہن کا نام تمہاری زبان پر اس وقت تک نہیں آنا چاہئے' جب تک......''

''وہ وقت آ کر بھی گزر چکا ہے۔ نکاح نامے پر تمہاری بہن کے سائن موجود ہیں۔ اس نے بہ قائمی ہوش و حواس مجھے قبول کیا ہے۔ اب شاید وہ اپنے ہوش و حواس گم کر بیٹھی ہے۔''

''اماں جان کو لے کر آ جاؤ تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا' ورنہ دوسری صورت میں مجھے کوئی سنگین قدم اٹھانا پڑے گا اور آئندہ خواب میں بھی میری بہن کے بارے میں مت سوچنا۔'' اس نے کھٹاک سے فون آف کر دیا۔ اس کا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا۔ کچھ دیر قبل کی خوشگوار فضا یکدم ہی سنگین اندیشوں اور فکرات سے بوجھل ہو گئی تھی۔

''ارشد جذبات سے ہٹ کر سوچیں۔ آپ کو اُسامہ سے اس لہجے میں بات نہیں کرنی چاہئے۔ صورتِ حال کچھ بھی سہی' بہرحال وہ ہمارا داماد ہے۔ رشتوں میں ٹوٹ پھوٹ' انتشار' بے ضابطگی ہمیشہ نہیں رہتی۔ ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے کہ انسان اپنے سابقہ رویوں پر شرمندہ نظر آتا ہے۔'' عائشہ نے نرمی و بردباری سے اسے سمجھایا۔

''مجھے احساس ہے اور یہ رشتوں کی حساسیت ہی ہے جو وہ زندہ نظر آ رہا ہے۔''

''اوہ...... آپ اتنے ظالم ہیں۔'' زینی کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔

''جو ہاتھ ہماری عزت و شرافت کو داغدار کرنے کے لئے بڑھیں گے' ان کے لئے بہت ظالم ہوں۔ اس شخص کی وجہ سے نہیں جانا چاہ رہی تھیں نا تم۔ دیکھتا ہوں کیا کرے گا۔''

''اوہ مائی گاڈ میں بھی ماما کے ساتھ ہی کیوں نہ مرگئی۔میری وجہ سے سب......''

''رونہیں۔تمہارے ایک ایک آنسو کا حساب اس کے خون کے ایک ایک قطرے سے لوں گا۔تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے لئے آنسو بہانے کی۔اب تو میں تمہیں زبردستی لے کر جاؤں گا برتھ ڈے میں۔'' ارشد اس کے آنسو صاف کرتا ہوا زہر خند لہجے میں بولا۔

❖ ❖ ❖

آواری کے پارٹی ہال میں قدم رکھتے ہوئے اس کے قدم خوف و گھبراہٹ سے لڑکھڑا رہے تھے۔جدید طرز پر تعمیر کیا گیا ہال بے شمار مرکری لائیٹوں اور فانوسوں کی روشنیوں میں دن کی طرح جگمگا رہا تھا۔سرد موسم کے باعث لان کے بجائے ہال کا انتخاب کیا گیا تھا۔جو ہاٹ ہیٹرز کی وجہ سے نیم گرم ہو رہا تھا۔جگمگاتے' جھلملاتے خوشبوؤں سے مہکتے ملبوسات کی گویا بہار آئی تھی۔برتھ ڈے پارٹی میں بھی لوگوں کی تعداد دیکھ کر شادی کی تقریب کا گمان ہو رہا تھا۔سرخ دبیز کارپیٹ پر چیئرز ٹیبل دائروں کی صورت میں رکھے تھے۔دھیمی دھیمی آرکسٹرا میوزک کی آواز ماحول کو رومانٹک بنا رہی تھی۔پھولوں کے پودوں سے اٹھتی مسحور کن خوشبوئیں فضا میں عجیب سا مدہوش کن نشہ آور سماں پیدا کر رہی تھیں۔سب سے آگے رکھے بڑے سارے ٹیبل پر درمیان میں خوبصورت کیک رکھا ہوا تھا اور اردگرد تحفوں کے انبار لگے تھے۔

''بھابی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' لائبہ نے ہزار دفعہ کا دہرایا ہوا فقرہ دہرایا۔

''کچھ نہیں ہوگا لائبہ۔اتنے سارے لوگوں میں دونوں کو اپنا اور اپنے خاندان کے ناموس کا وقار رکھنا پڑے گا پھر میں نے صبح فون کر کے فوزیہ تائی کو بھی سمجھا دیا تھا' وہ سنبھال لیں گی اُسامہ کو۔تم اتنی خوفزدہ مت ہو۔'' عائشہ نے اسے تسلی دی۔

''کیا ہوا لائبہ رک کیوں گئیں۔'' پیچھے آتے ارشد نے ایک طائرانہ نگاہ سب طرف ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''اتنا بھاری لباس پہننے کے بعد تو اسی طرح رک رک کر چلنا ہوگا۔اس کے وزن سے چار گنا زیادہ وزن تو اس کے لباس کا ہے۔'' شمیر نے مسکراتے ہوئے اس کے اٹھارہ کلی کے کرتے چوڑی دار پاجامے پر ریمارکس دیئے۔

''اتنا لیٹ آئے ہیں آپ لوگ' تمام مہمان آچکے ہیں۔'' کوثر بیگم اور ماریہ ان سے رسمی طور پر ملنے کے بعد شکایت آمیز لہجے میں بولیں۔

''لیٹ آنے کی وجہ ہمارے ساتھ ہیں۔پہلے دو تھیں اب ماشاءاللہ تین ہوئیں ہیں' حالانکہ لائبہ نے صرف لپ اسٹک لگائی ہے مگر اس کے لئے بھی ایک گھنٹہ تو لگتا ہی ہے۔''

''تمہارا ہی سنگھار مکمل نہیں ہو رہا تھا' ہم پر کیوں الزام لگاتے ہو۔'' شمیر کی بات پر وہ سب مسکرا اٹھے تو زینی اسے ہلکے سے مکا مار کر بولی۔

''دراصل مجھے دیر ہوگئی تھی بھابی آفس سے آنے میں۔'' ارشد نے معذرتی لہجے میں کہا۔

''روحیل' عظمت' نبیل کہاں ہیں۔'' کوثر بیگم نے استفسار کیا۔

''نبیل بزنس کے سلسلے میں آج صبح شکاگو روانہ ہوگئے ہیں پندرہ دن کے ٹور پر۔ڈیڈی ممی' ڈیڈی کے کسی عزیز دوست کے بیٹے کی شادی میں گئے ہیں۔'' عائشہ نے تفصیل بتائی۔وہ شناسا دوستوں رشتے داروں سے ہیلو ہائے کرتی آگے بڑھ رہی تھیں۔لائبہ کے ہونٹ مضبوطی سے بھینچے ہوئے تھے۔وہ دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی۔وہ ارشد کی وجہ سے آتو گئی تھی مگر کل سے اب تک وہ بے چین و بے سکون رہی تھی۔ایک جذباتی جوشیلا اور غصہ ور تھا۔دوسرا ضدی' ہٹ دھرم' سرکش اور اپنی منوانے والا تھا۔آگ سے آگ مل جائے تو تباہیاں عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔اسے یقین تھا وہ ہار ماننے والا نہیں' سانس کی آخری امید تک شکست تسلیم نہیں کرے گا اور ارشد بھی اسی مٹی سے بنا تھا۔زندگی بھر وہ اپنی بات سے پھرنے والا نہیں ہے۔

''اتنی دیر کردی آپ لوگوں نے۔'' نہ معلوم کس رُخ سے وہ جن کی طرح اچانک حاضر ہوا تھا۔اس کا مسکراتا ہوا لہجہ' بے پروا انداز اور روشن براؤن آنکھوں کی جگمگاہٹ ارشد پر مرکوز تھیں۔

لائبہ نے قریب کھڑے شمیر کا بازو یکدم مضبوطی سے پکڑلیا۔اس کے ہاتھوں کی لرزش شمیر نے واضح طور پر محسوس کی۔

''ٹیک ایزی ڈیئر۔'' اس نے محبت سے اس کے شانوں پر بازو رکھ دیا۔

''میں فارن پارٹی سے ڈیلنگ کی وجہ سے آفس سے لیٹ ہوگیا تھا۔'' بادل ناخواستہ ارشد کو اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھانا پڑا مگر لہجہ اس کا سپاٹ تھا۔لائبہ نے بغور ان کے مصافحہ کرتے ہاتھوں کو دیکھا۔جہاں انداز سو فیصد با مروت یا دوستانہ ہرگز نہ تھا۔دونوں کی آنکھوں سے نکلتی دشمنی کی شعاعیں اسے اندر ہی اندر دہلا گئی تھیں۔

''ماشاءاللہ لگتا ہے' آکاش سے پریاں اتر آئی ہوں۔کافی لیٹ ہوگئے آپ لوگ۔'' فوزیہ بلو سلکی ساڑی پر کشمیری پنک شال درست کرتے ہوئے ان کے نزدیک چلی آئیں اور انہیں نزدیک آتے دیکھ کر زینی اور عائشہ کے پھیکے پڑتے چہرے با رونق ہونے لگے کیونکہ وہ دونوں مقابل تھے۔

''تائی جان! یہ پریاں ہیں نا۔ظاہر ہے آکاش سے اُتر کر آنے میں دیر تو لگتی ہے۔'' شمیر جملے کسنے سے باز آنے والا شخص نہیں تھا۔وہ مسکراتے ہوئے عائشہ اور زینی سے رسمی طور پر گلے ملیں۔شمیر کے قریب نگاہیں جھکائے کھڑی لائبہ کی طرف بڑھتے ہوئے قدم اماں جان کے خوف نے روک دیئے' وہ ٹھٹک کر کھڑی ہوگئیں۔دل کی شدید آرزو تھی' اس چاند چہرہ والی کو بڑھ کر گلے لگالیں۔وہ جوان کی بہو تھی' ان کے لاڈلے اکلوتے بیٹے کی پسند تھی مگر جیسے اماں جان کی نادیدہ نگاہیں انہیں ہر سو اپنا جائزہ لیتی نظر آرہی تھیں۔حالانکہ اماں جان نے انہیں یہاں تقریب کرنے کی اجازت تو دے دی تھی مگر وہ خود نہیں آئی تھیں۔وہ کبھی بھی ایسی تقریبات اٹینڈ نہیں کرتی تھیں۔

''لائبہ کی طرف بڑھنے کے لئے اتنی سوچ بچار کیوں تائی جان۔'' ارشد بغور انہیں دیکھ رہا تھا۔

''یہ بھی مجھے زینی اور عائشہ کی طرح عزیز ہیں۔'' اسی لمحے انہوں نے تمام مصلحتیں اور اندیشے پس پشت ڈال دیئے اور آگے بڑھ کر لائبہ کے وجود کو پھولوں کی طرح سمیٹ کے سینے سے لگالیا۔ان کے انداز میں بڑی گرمجوشی اور اپنائیت تھی۔تصنع و بناوٹ سے پاک' غیر ارادی طور پر وہ کچھ لمحے اسے سینے سے لگا کر کھڑی رہیں۔

''ماشاءاللہ۔'' وہ اسے علیحدہ کرتے ہوئے اس کے بالوں پر بوسہ دے کر ستائشی لہجے میں گویا ہوئیں۔اُسامہ کی نگاہیں بہت دلچسپی سے اس کے پریشان چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

بے شمار تالیوں کی گونج میں تین سالہ مہک نے موم بتی بجھا کر کیک کاٹا تھا۔لائبہ کو یہ دیکھ کر ازحد حیرانی ہوئی تھی کہ مہک نے ریاض یا ماریہ کے بجائے اُسامہ کی گود میں چڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر ہی کیک کاٹا تھا اور کیک پیس اس کے منہ میں دے کر باقی اپنے منہ میں رکھ لیا تھا۔دائیں بائیں اس کے ماریہ اور ریاض کھڑے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مہک' گانے میں مصروف تھے مگر اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔اُسامہ کی گود میں چڑھی وہ بہت مگن اور خوش تھی۔کیک کاٹنے کے بعد سب اپنی نشستوں کی طرف بڑھ گئے تھے۔ویٹرز تیزی سے سب کو ہاٹ کافی اور دیگر اسنیکس سرو کرنے لگے۔ان کی ٹیبل پر ان کے علاوہ فیاض اور ماریہ بیٹھی تھیں۔لائبہ' ارشد اور زینی کے درمیان والی کرسی پر بیٹھی تھی وہ اس بات سے مطمئن ہوگئی تھی کہ ارشد اور اُسامہ کے درمیان کوئی بدمزگی نہیں ہوئی تھی۔وجہ اس کی فوزیہ بیگم کی حکمت عملی تھی۔وہ اُسامہ کے ساتھ سائے کی طرح لگی ہوئی تھیں۔اب بھی وہ کوثر بیگم کے ساتھ مہمانوں سے علیک سلیک کر رہی تھیں کیونکہ ماریہ پریگنینٹ ہونے کے باعث اپنے بھاری بھرکم وجود کو بلو بنارسی ساڑی میں سمیٹے بیٹھی ہوئی تھیں۔اُسامہ اور ریاض بھی ویٹرز کو آرڈرز دے رہے تھے کہ وہ ہر ٹیبل پر لوازمات رکھیں وہ جب سے آئی تھی وہاں موجود لوگوں کی نگاہوں کی زد میں رہی تھی۔کئی افراد تو اسے ملے بھی اور بہت سے لوگوں نے صرف استفسار کیا کہ یہی روحیل کی سیکنڈ وائف کی بیٹی ہے۔ان کے لہجے' ان کی تضحیک آمیز نگاہیں اسے اپنے وجود کے آر پار محسوس ہو رہی تھیں۔ڈیڈی اور ممی کے نہ آنے کی وجہ اسے اب محسوس ہوئی۔وہ بھی شاید لوگوں کی باتوں کی وجہ سے ہی نہ آئے ہوں گے لیکن لوگ تو ایسی باتیں کبھی نہیں بھولتے۔اس نے آزردگی سے سوچا۔

''لائبہ کچھ تو لونا۔تم ایسے بیٹھی ہو' جیسے مراقبے میں ہو۔'' زینی نے اس کی پلیٹ میں برگر' چکن پیٹس وغیرہ ڈالتے ہوئے کہا اور اسی لمحے ریاض' اُسامہ' فوزیہ بیگم اور کوثر بھی وہیں آگئیں۔

کھانے پینے کے دوران خوشگوار باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔جس میں فیاض اور شمیر کی باتوں پر قہقہے بھی گونج اٹھتے تھے۔ریڈ میکسی پر گولڈن جگمگاتا تاج پہنے مہک چھوٹی سی پری لگ رہی تھی اور اپنے پسندیدہ کھلونے ہاتھوں میں لئے ادھر ادھر گھومتی کھلکھلاتی پھر رہی تھی۔

خاطر تواضع کے بعد میوزیکل پروگرام تھا۔جس میں ملک کے مشہور سنگرز حصہ لے رہے تھے۔پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ہال کی تیز لائٹیں اب آف ہو چکی تھیں۔دھیمی دھیمی خواب آور لائٹ میں اسٹیج پر گلوکار غزل سرا تھا۔اس کی گمبھیر پرسوز آواز کے سحر میں جیسے سب سحر زدہ سے بیٹھے تھے۔

ارشد دوست کی طرف بڑھ گیا تھا۔زینی اور عائشہ رشتے دار خواتین کے ساتھ آگے ٹیبلز کی جانب بڑھ گئیں۔ایک ایک کر کے سب ہی چلے گئے' دوستوں اور رشتے داروں میں۔شمیر اس کے ساتھ تھا' کسی دوست کے بلانے پر وہ ابھی آیا کہہ کر چلا گیا۔وہ تنہا بیٹھی رہ گئی۔

ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے۔گلوکار بہت ڈوب کر گا رہا تھا۔وہ خاموشی سے دل و دماغ میں تانے بانے بنتی سوچوں کے بھنور میں پھنس کر ماحول سے غافل ہوگئی۔

''آنی......آنی۔......میری ڈول۔'' اس نے چہکتی کھلکھلاتی آواز پر چونک کر دیکھا۔مہک اس کا فراک کھینچتی ہوئی اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔وہ حیرت زدہ تھی۔

''کہاں ہے آپ کی ڈول۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اسے گود میں اٹھالیا۔

''آنی چلیں نا' میری ڈول۔'' حیرت انگیز طور پر اس کا لہجہ عام بچوں سے بہت صاف تھا۔لائبہ اسے گود میں لئے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی جہاں وہ اشارہ کر رہی تھی۔

''یہاں کہاں ہے آپ کی ڈول۔'' لائبہ ڈریسنگ روم میں داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔

''یہ رہی۔'' پردہ کھسکا کر پرپل کوٹ سوٹ میں اپنی تمام وجاہت اور دلکشی سمیت وہ اندر داخل ہوا تھا اور ساتھ ہی دروازے کا لاک لگا دیا تھا' اس کے ہاتھ میں خوبصورت جاپانی گڑیا تھی۔

''آ......آپ۔'' زمین و آسمان کی گردش میں وہ آگئی تھی۔خوف و پریشانی سے وہ چکرا کر رہ گئی۔

''جی جناب آپ کا خادم۔'' وہ بہت نزدیک آکر اس کے قریب کھڑا ہوگیا تھا۔اس کے لباس سے نکلتی مدہوش کن مہک اس کے اردگرد چھانے لگی۔وہ بہت گہری نگاہوں سے اس کے سراپا اور چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔وہ جو ہمیشہ سادگی میں ملبوس رہتی تھی۔اس وقت براؤن و فونک کلر کے دبکے اور نگوں سے بھرے اٹھارہ کلی کے کرتے اور چوڑی دار پاجامے سوٹ میں بڑا سا دوپٹہ اپنے اسٹائل میں اوڑھے وہ اتنی حسین و دلکش لگ رہی تھی۔سادہ فریش گلابی چہرے پر ڈارک براؤن لپ اسٹک سحر طراز حسن لئے تھی۔اس کا یہ سندر روپ اسے اپسراؤں جیسا حسن بخشے ہوئے تھا۔بے شمار نگاہوں کی زد میں اس کا یہ حسن ہی تھا وہ تو پھر اُسامہ کی چاہت تھی' پسند تھی' اس کی خواہشوں و آرزوؤں کا پہلا اور آخری مرکز۔اس کے دل کے گلشن میں کھلنے والا پہلا گلاب' اس کی نگاہوں کے زاویے کیوں نہ بہکتے' جبکہ وہ اس کے حقوق اپنی ملکیت بنا چکا تھا۔اپنے نام محفوظ کر چکا تھا۔

''آپ نے دھوکے سے بلوایا ہے مجھے یا شاید میں ہی اس قدر بے وقوف ہوں کہ یہ سمجھ ہی نہ سکی کہ یہ آپ کی چال ہو سکتی ہے۔'' اسے اپنی طرف مسلسل متوجہ دیکھ کر وہ غصے سے بولی۔

''تم بے وقوف نہیں بلکہ اُن کی سربراہ ہو۔جبھی اپنے اسٹوپڈ بھائی کو سپرمین سمجھ رہی ہو۔''

''اس وقت میں بحث نہیں کرنا چاہتی' لاک کھولیں۔'' وہ سخت متوحش تھی۔

''ابھی نہیں' میں تم سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں۔سب پریشان ہو رہے ہوں گے اور ارشد بھائی سمجھ جائیں گے۔''

''مائی فٹ' سمجھتا ہے تو سمجھ جائے' میں ایسے پتھر کے شیر سے نہیں ڈرتا۔''

’’چاچو میری ڈول تو دیں۔‘‘ مہک جو لائبہ کی گود میں تھی اور ان دونوں کی تکرار سے خاموش ہوگئی تھی۔ٹیبل پر گڑیا اُسامہ کو چھینتے دیکھ کر تیزی سے بولی۔

’’چاچو کی جان تم نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ گڑیا کے علاوہ تمہیں آئس کریم اور ٹافیاں بھی لا کر دوں گا۔ پہلے ایک میٹھا پیار دو۔‘‘ مہک سے بات کرتے وقت اس کا لہجہ شیریں ہوگیا تھا اور اس نے جھک کر مہک کا رخسار چومنا چاہا۔ اسی لمحے مہک نے شرارتی انداز میں اپنا چہرہ پیچھے کرلیا اور اس کی یہ حرکت بالکل غیر یقینی و اچانک تھی۔دونوں کے لئے‘ بے ساختہ اُسامہ کے لب لائبہ کے گلابی رخسار سے مس ہوئے تھے۔عجیب سی سنسناہٹ اس کی رگ رگ میں دوڑ گئی تھی۔جسم کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا۔اُسامہ بھی خفیف سا ہوگیا تھا‘ اس کے چہرے پر خجالت تھی۔لمحے کے ہزارویں حصے میں یہ سب ہوا تھا۔

’’آ ہا ہا چاچو نے آنی کی ......‘‘ ایک دم ہی ڈرائی خاموشی میں مہک کی ہنسنے اور تالی بجانے کے ساتھ بولنے کی تیز آواز گونجی اور اُسامہ نے تیزی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر باقی جملے ضبط کرلئے۔اسی لمحے دروازہ تیزی سے باہر سے بجایا گیا۔

اس کے بے ہنگم اور منتشر ہوتے حواس اور زیادہ منتشر ہوگئے۔اس نے نہ چاہنے کے باوجود گھبرائی ہوئی استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر تردد کی پرچھائیں تھی۔دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

’’کہہ دو ڈریس درست کررہی ہوں۔‘‘ اس نے پرسکون لہجے میں اس کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔مہک کے منہ پر اس کا ہاتھ اب بھی رکھا ہوا تھا۔

’’کون ہے؟‘‘ اس نے دروازے کے قریب جا کر کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

’’لائبہ! تم یہاں ہو۔میں عائشہ ہوں۔‘‘ اس کی پریشان کن آواز باہر سے ابھری۔

’’جی بھابی‘ ابھی گیٹ کھولتی ہوں۔‘‘ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔رسوائی کا خوف اُسامہ کی بند کمرے میں اس کے ساتھ موجودگی۔وہ کیا جواز پیش کرسکتی تھی۔ارشد تو نہ معلوم کیا کرگزرے۔شاید......شاید وہ اُسامہ کو......اف ......‘‘ اس نے خوف سے جھرجھری لی۔

’’آپ ......آپ جائیں نا۔‘‘ وہ رو دینے والے لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

’’جاتا تو نہیں میں مگر مہک نے کام خراب کروادیا ہے۔مجبوری ہے مگر یاد رکھنا‘ کوئی کچھ بھی کرے تم میری دسترس سے کبھی نہیں نکل سکتیں۔تم صرف اور صرف اُسامہ ملک کے لئے اتاری گئی ہو۔یہ بات کبھی نہیں بھولنا۔‘‘ وہ اٹل لہجے میں کہتا ہوا بیرونی گیٹ سے باہر نکل گیا۔اس نے چند سیکنڈ بعد دروازہ کھول دیا

’’میں تو گھبرا ہی گئی تھی‘ تمہاری ہال میں غیر موجودگی سے۔یہ تمہارا چہرہ کیوں اتنا زرد ہورہا ہے۔کیا ہوا۔‘‘ عائشہ نے اس کی طرف نگاہیں کیں تو چونک کر بولیں۔

’’کچھ نہیں......بس اچانک ہی میرے سر میں درد ہونے لگا تھا اور چکر آرہے تھے‘ اس لئے میں وہاں سے اٹھ کر یہاں آگئی تھی۔‘‘ اس نے معقول جواز تراشا۔

’’ماشاءاللہ لگ بھی تو بہت پیاری رہی ہو نظر لگ گئی ہوگی۔گھر چل کر کالے دانے سے نظر اتاروں گی۔‘‘ وہ ان کے ساتھ واپس اپنی سیٹ پر آگئی اور یہ دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا کہ کافی فاصلے پر ارشد اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا اسٹیج پر کامیڈین کے پرمزاح لطیفوں پر مسکرا رہا تھا۔کامیڈین کے بے ساختہ جملوں پر محفل زعفران زار بنی تھی۔پورے ہال میں دبی دبی ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

’’معزز خواتین و حضرات! ملاحظہ فرمایئے۔‘‘ کامیڈین کی آواز ابھری۔

’’ایک محلے میں جاپانی کھلونوں کی نئی دکان کھلی‘ ایک باپ اپنے بیٹے کو کھلونے دلانے گیا تو بیٹا ضد کرنے لگا‘ میں وہی گڈا لوں گا جو کونے میں رکھا ہے۔باپ نے سیلز مین سے کہا۔’’بھائی! وہ جاپانی گڈا کتنے کا ہے۔‘‘ سیلز مین نے گھبرا کر کہا۔

’’آپ گڈے سے خود پوچھ لیں‘ وہی دکان کا مالک ہے۔‘‘ بھرپور قہقہوں کی بارش ہال میں برس پڑی تھی۔اس کے برابر بیٹھی عائشہ اور شمیر خوب ہنس رہے تھے۔وہ ذہنی طور پر منظر سے آؤٹ تھی۔وہ جانتی تھی‘ جو کچھ ہوا‘ انادانی میں ہوا۔وہ ضدی و خود پسند تھا مگر از حد شائستگی و وقار تھا اس میں۔’نکاح‘ کے باوجود اس نے اخلاق کی حدود کراس نہیں کی تھیں۔بہت مہذب‘ پروقار‘ اپنے جذبات پر مکمل کنٹرول رکھنے والا باہمت‘ باکردار شخص۔اس کی اس ’خوبی‘ کی وہ معترف تھی دل میں مگر مہک ناسمجھ معصوم بچی تھی۔وہ اسی وقت تالیاں بجا کر ہنستی ہوئی اس کی نادانستہ حرکت پر شور کررہی تھی۔اُسامہ نے گو کہ اس کے جملے مکمل ہونے نہیں دیئے تھے مگر اس کے باقی ماندہ جملوں کے مفہوم بہت آسان تھے۔مہک اپنی معصومیت کے باعث نہ معلوم کس کس کو بتائے۔بچے تو ویسے بھی ایسی باتوں کا پرچار کرتے ہیں۔وہ اپنی کم فہمی کے باعث اصل حقائق کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتے پھر ہونٹوں نکلی بات کوٹھوں چڑھتی ہے اور بات بھی ایسی۔لوگوں کو رنگین داستانیں ہمیشہ سے ہی مرغوب رہی ہیں۔پھر کیا ہوگا۔

’’’تم کہاں گم ہو۔‘‘ ہنستے ہوئے شمیر نے اس کی طرف دیکھ کر حیرانی سے کہا۔

’’نہیں......وہ......مہک......‘‘ اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹا تو وہ گڑبڑا گئی۔

’’مہک۔وہ اُسامہ بھائی کی گود میں ہے۔میں نے ابھی انہیں گیٹ سے اسے باہر لے جاتے دیکھا ہے۔تم کیوں مہک کو پوچھ رہی ہو۔‘‘

’’وہ بالکل پری لگ رہی ہے۔میں اس کے متعلق سوچ رہی تھی۔‘‘

’’مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔‘‘ شمیر اس کا چہرہ دیکھ کر فکرمندی سے بولا۔

’’ہاں‘ لائبہ کے سر میں درد ہورہا ہے۔‘‘ عائشہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

’’ٹھیک ہوجائے گا ابھی۔‘‘ اس نے نگاہیں جھکا کر کہا۔بایاں رخسار جیسے ابھی تک سلگ رہا تھا۔پرفیوم کی مہک اسے اپنے وجود سے اٹھتی محسوس ہورہی تھی۔اب یہ اس کا دردِ سر تھا کہ وہ مہک کی زبان کس طرح بند کرتا ہے‘ مہک کے ذہن سے اس واقعے کو محو کرنے کی کیا تدبیر کرتا ہے اور شاید ترکیب نکال ہی لے گا۔وہ سپر مائنڈ تھا۔ہر مسئلے کا حل جلد نکال لیا کرتا تھا۔اس کے اتھل پتھل ہوتے دل کو معمولی سی ڈھارس ملی۔

’’چلو لائبہ‘ میں تائی کوثر سے اجازت لیتی ہوں۔تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور سیف (نبیل کا بیٹا) بھی آپا کو تنگ کررہا ہوگا۔‘‘ عائشہ اس کی مسلسل گم صم حالت کو دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولیں۔اس کے روکنے کے باوجود وہ نہیں رکیں۔اسے اب شرمندگی ہورہی تھی۔اس کی وجہ سے انہیں اتنی پررونق محفل چھوڑنی پڑ رہی تھی۔

❖ ❖ ❖

بیج نفرتوں کے بو رہے ہیں
جذبے محبتوں کے سو رہے ہیں
برباد ہوگئے نگر کے نگر
ضمیر انساں سو رہے ہیں
دیکھ کر اس قدر مہیب تعبیریں
میرے سارے سپنے رو رہے ہیں
قربتیں روح کو نگل گئی ہیں
سوفاصلوں میں خود کو سمو رہے ہیں
مرہم کی جگہ بانٹتے ہیں زخم
انسان ہیں کہ نشتر چبھو رہے ہیں

’’میرا گھر برباد ہوگیا۔میری بہنیں‘ ماں‘ باپ سب مجھ سے چھن گئے فضل۔اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔مرجانا چاہتا ہوں۔‘‘ انور بچوں کی طرح رو رہا تھا۔آج وہ مکمل طور پر ہوش میں آیا تھا۔شعور بیدار ہوا۔دماغ نے کام کرنا شروع کیا تو ذہن کی وادی میں طوفان کی طرح آنے والا پہلا دردناک احساس یہی تھا کہ وہ کتنی عظیم نعمتوں سے محروم ہوچکا ہے۔ممتا لٹانے والی ماں‘ بے انتہا محبت کرنے والی پیاری بہن شمائلہ‘ فرمائشیں کرنے والی تابش کا معصوم چہرہ اس کے دل میں چھید کے ڈال رہا تھا۔زندگی میں پہلی بار ساری عمر بے چین و بے پروا رہنے والے اس کے باپ نے ’بیٹا‘ کہہ کر بڑی شفقت و گرم جوشی سے سینے سے لگایا تھا۔چار ناگہانی اموات کی دلدوز حقیقت سے وہ نگاہیں نہیں چرا سکتا تھا۔پچھتاووں اور جدائی کی آگ میں وہ دھڑا دھڑ جلتا ہوا بے اختیار آنسو بہا رہا تھا۔

’’صبر کر یار! صبر کر‘ غم تو تجھے اتنا بڑا ملا ہے کہ ساری حیاتی تیری جان کو لگا رہے گا۔بندے کے پاس اختیار ہی کیا ہے‘ سوائے آنسو بہا کے صبر کرنے کے۔‘‘

’’میرا خاندان طبعی موت مرا ہوتا تو میں رو دھو کر صبر کرلیتا مگر ان کو مارا گیا ہے۔وہ خوشی سے مسکاتے چہرے‘ وہ ہشاش بشاش وجود‘ ماں کو بھی میں نے پہلی بار سکون سے مسکراتے دیکھا تھا۔شمائلہ‘ تابش تو خوشی سے دیوانی ہورہی تھیں۔‘‘ انور نے سسکیاں بھریں۔کتنی محبت سے انہوں نے تابندہ اور اس کے آنے والے ننھے مہمان کے لئے کپڑے‘ کھلونے اور دیگر سامان خریدا تھا۔راتوں کو جاگ کر پیکنگ کی تھی۔سفر کی کتنی خوشی تھی انہیں مگر معلوم نہ تھا کہ وہ ان کا پہلا اور آخری سفر ہوگا۔ریل میں نہیں وہ موت کی گاڑی میں بیٹھی تھیں‘ جس کی منزل قبر کی سرد و تاریک آغوش تھی۔میں ان ظالم و سفاک لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا جو ہنستی مسکراتی‘ امنگوں‘ آرزوؤں سے مہکتی زندگیوں کو موت کی نیند سلا دیتے ہیں۔خاندان بکھر جاتے ہیں‘ زندگیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کے پیچھے رہ جانے والے لوگ تاحیات ان کی جدائی کے زخم کو سینے سے لگائے نہ زندہ میں رہتے ہیں نہ مردہ میں۔چن چن کر ماروں گا‘ میں ایسے سفاک شیطان فطرت لوگوں کو۔‘‘

’’آج تمہارا گھر اجڑا ہے‘ تمہارے اپنے اس ظلم کا شکار ہوکر ابدی نیند جا سوئے ہیں‘ تمہارے جسم پر زخم پڑے تو تمہاری روح بلبلا اٹھی۔صاف گوئی میری تجھے بری تو لگے گی انور لیکن میں اپنی اس عادت سے مجبور ہوں۔آج تجھے احساس ہوا ہے‘ جب اپنے‘ اس طرح ’مارے‘ جاتے ہیں۔گھر تباہ ہوجاتے ہیں تو کس طرح دل کا لہو آنکھوں سے بہنے لگتا ہے۔جسم و روح میں اترتی ہوئی انیاں تجھے اب محسوس ہوئیں نا۔رونما ہونے والا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے میرے یار۔روزانہ ایسے ہی بے گناہ‘ بے قصور اور معصوم لوگوں کے خون بہائے جاتے ہیں۔ہنستے مسکراتے‘ زندگی کی امنگوں سے روشن چہرے ایسے ہی ناگہانی موت کا شکار بنا دیے جاتے ہیں۔صبح زندہ گھر سے نکلتے وجود شام کو مردہ حالت میں چار کاندھوں پر داخل ہوتے ہیں۔کچھ دہشت گردی میں زندگی گنوا بیٹھتے ہیں۔کچھ فائرنگ میں دم توڑ دیتے ہیں اور کچھ بم کے دھماکوں میں ختم ہوجاتے ہیں اور یہ سب کس طرح ہوتا ہے۔کون سے ہاتھ اس کے پیچھے ہوتے ہیں۔کس کے حکم پر ایسی ظالمانہ کارروائیاں کی جاتی ہیں۔اس سب سے تو اچھی طرح واقف ہے۔بہت سارے لوگ اس بم دھماکے میں ہلاک ہوئے ہیں‘ کئی گھروں میں صفِ ماتم بچھی ہوگی‘ کئی گھروں کے چراغ مٹی میں مل گئے ہوں گے‘ کئی چولہے سرد پڑ گئے ہوں گے‘ کئی کنستر آٹے سے محروم ہوگئے ہوں گے۔میرا ابا کہتا تھا‘ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے‘ کدو کی بیل میں بینگن نہیں اُگا کرتے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب کا ایک دن مقرر ہے‘ اس سے پہلے وہ ظالم کی رسی بڑی فراخدلی سے ڈھیلی رکھتا ہے‘ بندے کو خوب من مانیاں کرنے کا موقع دیتا ہے۔مگر جب مدت ختم ہوجاتی ہے تو بندہ بلندی سے نیچے اس طرح گرتا ہے کہ کچھ باقی نہیں رہتا‘ ابھی بھی توبہ کے دروازے بند نہیں ہوئے انور توبہ کرلے‘ معافی مانگ اپنے رب سے! وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔معاف کردیتا ہے بندوں کو۔‘‘ فضل نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

❖ ❖ ❖

پچھلے ہفتے وہ بہت مصروف رہا تھا۔ہانگ کانگ کی ایک بڑی کمپنی کی طرف سے لیدر کی مصنوعات کا آرڈر آگیا تھا۔آرڈر آنے سے ایک دن پہلے ہی تمام کارخانوں سے نئے مال کی ڈلیوری مختلف شہروں اور دور ممالک میں کی گئی تھی۔جس کی وجہ سے لیدر مصنوعات کا اسٹاک بالکل نہ تھا۔آرڈر جلدی اور فوری بھیجنا تھا‘ سوائے دن رات کام کروانا پڑا تھا۔ورکرز‘ کلرک‘ سپروائزر سب کی محنت سے مقررہ وقت پر آرڈر کا مال تیار ہوچکا تھا اور آج وہ اپنی نگرانی میں کنٹینرز شپ پر منیجر کے ہمراہ لوڈ کروا آیا تھا۔بزنس میٹ اپ میں آکر بھی اس کا رویہ وہی تھا۔ہمدرد‘ نرم خو سب کے کام آنے والا۔سب کو اپنا سمجھنے والا۔اس کے انداز میں ذرا بھی رعونت‘ نخوت اور اپنی حیثیت کا تکبر نہیں آیا تھا۔لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ کئی ہفتوں کا کام ایک ہفتے میں مکمل ہوگیا تھا‘ بغیر کسی دقت و دشواری کے۔ورکرز کو معلوم تھا‘ ان کا مالک انہیں ڈبل بونس دے گا۔اس کے سرخ و سپید وجیہہ چہرے پر تھکاوٹ اور بے آرامی صاف ظاہر ہورہی تھی۔

وہ عقبی گیٹ سے کار اندر لایا تھا۔گراس کٹر سے گھاس ہموار کرتے مالی نے اسے سلام کیا تھا۔جس کا جواب دیتا اس کی اور اس کے اہلِ خانہ کی خیریت دریافت کرتا وہ اندر

آیا تھا۔ حسبِ معمول گھر میں خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ دو ملازمائیں تندہی سے صفائی ستھرائی میں لگی ہوئی تھیں۔

''سلام چھوٹے صاحب!'' اسے اندر آتے دیکھ کر انہوں نے جھٹ سلام جھاڑا۔

''وعلیکم السلام! اب تو تمہیں یہ مشینی جھاڑو استعمال کرنی آ گئی نا۔'' وہ مسکرایا۔

''جی صاحب۔ شروع شروع میں بہت تنگ کیا تھا اس نے۔'' ملازمہ ہاتھ میں پکڑے ویکیوم کلینرز کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ وہ نئی ملازمہ تھی' پرانی والی گاؤں چلی گئی تھی۔

''صاحب جی۔ میں نے سمجھایا ہے اسے۔ دراصل یہ کوٹھ سے آئی ہے نا۔'' دوسری ملازمہ نے مسکراتے ہوئے اپنی کارکردگی جتائی۔ وہ بھرپور انداز میں مسکرا دیا۔

''ممی کہاں ہیں۔'' اس کی واپسی پر وہ کہیں کوریڈور میں انتظار کرتی ہوئی ملتی تھیں۔

''وہ جی۔ بڑی بیگم صاحبہ (کوثر بیگم) اور ماریہ بی بی کے ساتھ اسپتال گئی ہیں۔''

''او کے۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا ہوا بریف کیس لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''لیجئے صاحب' گرما گرم چائے۔'' نیم گرم پانی سے شاور لینے سے اس کی تھکن آدھی اتر گئی تھی۔ لائٹ بلو شلوار سوٹ میں وہ بہت چارمنگ اور اسمارٹ لگ رہا تھا۔ بالوں میں اسپرے کرنے کے بعد اس نے خود پر 'بلیک ڈائمنڈ' اسپرے کیا۔ بھینی بھینی مہک کمرے کی فضا میں پھیل گئی۔

''کبھی کبھی تو مجھے شدید حیرت ہوتی ہے' جب تم عین میری خواہش کے مطابق بغیر فرمائش کے ایسی چیزیں لے آتے ہو۔'' اُسامہ نے اس کے ہاتھ سے مگ لیتے ہوئے تعجب خیزی سے کہا۔

''جو ملازم اپنے مالک کے مزاج اور طبیعت سے واقف نہیں ہوتا تو سمجھیں اس کی وفاداری میں خلوص نہیں ہوتا۔'' عبدل ڈریسنگ ٹیبل پر اس کا پھیلایا ہوا سامان ترتیب سے رکھتے ہوئے بولا۔

''میں نے تمہیں کتنی مرتبہ کہا ہے' اپنے آپ کو ملازم مت سمجھا کرو۔''

''جی صاحب! ریاض صاحب' فیاض اور شمیر صاحب مجھے آپ کی فرسٹ وائف بھی تو کہتے ہیں' شاید اسی لئے میرے اندر تابعداری وخدمت گزاری کے جراثیم زیادہ پیدا ہو گئے ہیں۔''

''گڈ۔ اچھا پوائنٹ ہے یہ بھی۔'' اُسامہ بے اختیار قہقہہ لگا بیٹھا۔

''صاحب۔ اب آپ بھی بیگم صاحب لے ہی آیئے۔''

''تم موجود تو ہو۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''آپ بھی مذاق کرنے لگے ان لوگوں کی طرح' خیر آپ یوں سمجھئے کہ میں بانجھ بیوی ہوں آپ کی۔''

''لاحول ولاقوۃ تم تو سنجیدہ ہو گئے یار۔'' اس بار وہ جھینپ گیا۔

''کچھ دنوں سے میں بیگم صاحبہ کو بہت پریشان اور فکرمند دیکھ رہا ہوں۔ وہ آپ کے سامنے یا دوسروں کے سامنے ظاہر نہیں کرتیں۔ مگر آپ کی غیر موجودگی میں وہ بعض اوقات تو کھانا بھی نہیں کھاتیں۔ جب سے میں گاؤں سے آیا ہوں' انہیں دیکھ کر خود پریشان ہو گیا ہوں۔''

''اچھا! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' ماں کے متعلق سن کر وہ جیسے تڑپ گیا تھا۔

''ایک ہفتے سے آفس سے ہی اتنے لیٹ آ رہے ہیں۔''

''ہوں! میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں۔ ممی آئیں تو مجھے اٹھا دینا۔ خود معلوم کروں گا۔'' وہ بیڈ پر دراز ہو گیا تھا۔ ممی کی فکرمندی وپریشانی کی وجوہات سے وہ اچھی طرح باخبر تھا۔ اس کے اور ارشد کے درمیان چلتی ہوئی سرد جنگ سب کے لئے ہی پریشان کن تھی' ارشد اپنے اصول پر ڈٹا ہوا تھا۔ وہ بھی کسی طور لائبہ کے حصول سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ اماں جان کی بے حسی اور ہٹ دھرمی چٹان کی طرح قائم تھی۔ نہ معلوم وہ کون سی تدبیر ہو گی جو یہ گرہیں کھلیں گی۔ عبدل بھاری پردے ڈال کر جا چکا تھا۔ کمرے میں نیم تاریکی چھا گئی تھی۔ انہی سوچوں میں الجھا وہ نیند کی سرسبز وشاداب وادی میں گم ہو گیا۔

❖ ❖ ❖

''خیریت تو ہے۔ آج بہت پریشان اور الجھے ہوئے لگ رہے ہیں۔'' مسز توفیق' مسٹر توفیق کی جانب دیکھ کر استفہامیہ لہجے میں بولیں۔

''ہوں! آئی جی صاحب نے اچانک میٹنگ کال کر لی تھی' جواب طلبی کے لئے۔ شہر میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی کی کارروائیاں' چوری' ڈکیتی' اغواء برائے تاوان کی وارداتیں کیوں بڑھ گئی ہیں۔ انتظامیہ کی موجودگی میں چور' ڈاکو' دہشت گرد کیوں بے خوفی سے من مانیاں کرتے پھر رہے ہیں۔ انہوں نے چوبیس گھنٹے کا نوٹس دیا ہے۔ اگر اس مدت میں تمام ایسے لوگ اریسٹ نہیں ہوئے تو تمام افسران کو نوکریوں سے فارغ کر دیا جائے گا بلکہ نااہلی اور غفلت کی سزا بھی ملے گی۔'' مسٹر توفیق بیڈ پر بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے بولے۔

''چوبیس گھنٹے۔ مگر ایسے کس طرح ہو گا۔ ایسے خطرناک وشاطر مجرموں کو پکڑنا کوئی ہنسی مذاق تھوڑی ہے۔'' وہ ان سے زیادہ پریشان ہو گئی تھیں۔

''مگران کے لئے تو ہے۔ پہلے یہ لوگ ہر طرف سے آنکھیں بند کئے اپنے مشغلوں میں مگن رہتے ہیں' جب کبھی 'اوپر' سے دباؤ پڑتا ہے تو ہم جیسوں کو الہ دین کا جن سمجھ بیٹھتے ہیں۔''

''پریشان مت ہوں۔ پریشانی تو مسائل کو اور زیادہ الجھا دیتی ہے۔ میں آپ کے لئے ہاٹ کافی لے کر آتی ہوں تاکہ آپ کے دماغ کو کچھ سکون ملے۔''

''رہنے دیں۔ کسی چیز کی خواہش نہیں ہے ابھی۔'' وہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے بولے۔

''چند ہفتے قبل آپ نے بہت بہترین کارنامے انجام دیے تھے۔ کافی بڑے اور منظم گروہ کا سراغ لگایا تھا۔ کافی مجرم بھی اس گینگ کے پکڑے گئے تھے' پھر آپ پر وہ قاتلانہ حملہ ہوا تھا جس میں آپ کو بے شمار چوٹیں آئی تھیں اور ڈرائیور ہلاک ہو گیا تھا۔''

''وہ حملہ مجھے راستے سے ہٹانے کے لئے کیا گیا تھا۔ مگر بروقت ایک 'انفارمر' کی کال کے باعث میں بچ گیا مگر اس انفارمر سے میری بات کافی عرصے سے نہیں ہو رہی۔ وہ شاید ایسے موقع پر میری رہنمائی کرتا۔ اس کی انفارمیشن کی وجہ سے ہی میں نے ان مجرموں کو پکڑا تھا اور ان کا لاکھوں کا مال ضبط کیا تھا۔''

''پھر آپ اسی انفارمر سے بات کیوں نہیں کرتے۔''

''میں اس سے واقف نہیں ہوں' صرف اس سے رابطہ فون پر ہوتا ہے۔ وہ بھی کال ہمیشہ خود کرتا ہے۔ میری تمام محنت اور جدوجہد پر پانی پھیر دیا گیا۔ میں اسپتال میں تھا' اس موقع سے فائدہ اٹھا کر گرفتار ہونے والے تمام مجرموں کو 'اوپر' سے آئے آرڈر کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا اور تمام اہم ریکارڈ اور ثبوت بھی غائب کر دیے گئے جس کے ذریعے اس گینگ پر ہاتھ ڈالا جاتا اور وہ تمام مجرم بھی یا تو ملک سے فرار ہو چکے ہیں یا انڈر گراؤنڈ ہو گئے ہیں۔ خصوصی تحقیقات کے باوجود کوئی سراغ نہیں ملا۔'' وہ ازحد متفکر وپریشان تھے۔

''ہمارے ملک کا نظام دن بدن کٹھ پتلی بنتا جا رہا ہے۔ شطرنج کی بساط پر بچھائے گئے مہروں کی طرح۔

''میں اسٹڈی روم کی طرف جا رہا ہوں۔ کوئی ڈسٹرب نہ کرے مجھے۔ وہاں میری پرسنل فائلز اور ڈائری ہے۔ اس میں میں نے عادت کے مطابق کچھ نہ کچھ اشارات محفوظ کر لئے ہیں۔'' مسز توفیق اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔ ان کے چہرے سے فکرمندی ابھی تک مترشح تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جو انہوں نے توفیق صاحب کو ازحد پریشان وفکرمند دیکھا تھا۔ خوش مزاج اور پرمزاح طبیعت کے مالک تھے وہ جو بڑی سے بڑی بات کو ہنسی میں اڑا دیا کرتے تھے۔

اسٹڈی روم انیکسی سے ملحق تھا' جو لان کے عقبی حصے کی طرف بنائی گئی تھی۔ یہ حصہ پرسکون اور بیرونی ہنگاموں سے بے نیاز تھا۔ جامن امرود اور دوسرے گھنے درختوں کی بہتات نے اس حصے کو نیم تاریکی وخنکی میں چھپایا ہوا تھا۔ مسٹر توفیق نے انہی خصوصیات کی بنا پر یہاں اپنا اسٹڈی روم اور لائبریری بنائی تھی۔ فرصت کے لمحات وہ یہیں گزارتے تھے۔ وہ ذہنی تھکن اور پریشانی میں الجھے ہوئے بھاری بھاری تیز قدموں سے اس طرف بڑھ رہے تھے۔ سبز گھاس بری طرح ان کے قدموں تلے کچلی جا رہی تھی۔ چار قدموں کے بعد برآمدہ عبور کر کے وہ راہداری سے گزر کر اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئے' ابھی وہ شیلف کی طرف بڑھے ہی تھے کہ انہیں ایسا محسوس ہوا' جیسے کوئی ان کے پیچھے اندر داخل ہوا ہو۔ انہوں نے فوراً رخ بدل کر حیرت سے اپنے سامنے کھڑے اس نقاب پوش کو دیکھا جس نے اندر داخل ہونے کے بعد تیزی سے دروازہ لاک کر دیا۔

''اے کون ہو تم۔ اور یہ دروازہ کیوں لاک کیا ہے۔'' ان کے لہجے میں تحکم تھا۔

''میں جانتا ہوں جناب۔ آپ کو یہ سب پسند نہیں آیا ہو گا۔ میں معافی چاہتا ہوں مگر مجھے یہ سب اس لئے کرنا پڑا کہ چوکیدار مجھے اندر آنے نہیں دے رہا تھا۔''

''مگر تم ہو کون۔ اور یہاں تک کیسے پہنچے۔'' وہ نقاب پوش کی بات قطع کر کے بولے۔

''پریشان مت ہوں۔ میں دوست ہوں دشمن نہیں۔ چوکیدار نے اطلاع دی تھی کہ صاحب انیکسی میں ہیں اور وہاں وہ کسی سے بھی نہیں ملتے پھر مجبوراً مجھے نقاب کا سہارا لے کر چھپ کر یہاں آنا پڑا۔ اس وقت میں درختوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا' جب آپ ادھر سے گزر کر اندر آئے تھے۔''

''کیا چاہتے ہو۔ مقصد کیا ہے اس طرح آنے کا۔''

''آپ بیٹھ کر تسلی سے بات کر لیں تو زیادہ بہتر ہے۔ میرا خیال ہے' ابھی آپ کی یادداشت میں میری 'آواز' محفوظ ہو گی۔'' نرم لہجے میں بات کرتے ہوئے اس نے نقاب چہرے سے ہٹا کر ایک لمحے کو اپنی آواز بدلی تھی جس کا ردعمل شدید ہوا۔ توفیق صاحب شدید حیرت سے اچھل پڑے۔

''تم ......تم ہو وہ انفارمر۔'' وہ برق رفتاری سے اس کے قریب آئے۔

''جی جناب' میں ہی ہوں جو آپ کو فون کے ذریعے انفارمیشن دیا کرتا تھا۔''

❖ ❖ ❖

''ہمارے وقت میں تو بچہ پیدائش کے تین دن بعد آنکھیں کھولتا تھا۔ اب جیسے جیسے وقت اور حالات بدل رہے ہیں' اسی توازن سے ہر شے میں تبدیلی آ رہی ہے۔ نومولودوں پر بھی اس کا اثر پڑ رہا ہے۔ دیکھو ماشاء اللہ' کیسے ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے سب کی طرف۔'' اماں جان ریاض کے بیٹے کو گود میں لیتے ہوئے شفقت سے گویا تھیں۔ مسرت واطمینان ان کے چہرے سے عیاں تھا۔

''اماں جان! آج تو یہ ماشاء اللہ پورے ایک یوم کے ہو گئے ہیں۔ کل شام کو جب لیبر روم سے نرس نے لا کر میری گود میں دیا تھا تو جبھی یہ صاحب آنکھیں کھولے مزے سے دیکھ رہے تھے۔'' ان کے برابر میں بیٹھی فوزیہ جھک کر بچے کا رخسار چومتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئیں۔

''یہ بھی اللہ کی شان ہے۔ بڑی بہو' صدقے خیرات وغیرہ تو کر دی نا۔''

''جی اماں۔ بہو کو اسپتال لے جانے سے پہلے کالے بکرے صدقے کے لئے بھیج دیے تھے۔ بہو کے فارغ ہونے کے بعد بھی بچے اور بہو کا صدقہ وخیرات نکال دی تھی اور آج گھر آنے کے بعد بھی میں نے ریاض سے کہہ دیا تھا۔ وہ بازار سے کھانے کی دیگیں لے کر مستحقین میں بانٹ دے۔'' کوثر بیگم نے مکمل تفصیل بتا دی۔ اماں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

''بہو کے میکے میں خبر کر دی۔'' وہ بیڈ پر سرخ کمبل اوڑھے لیٹی ماریہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''جی اماں' وہاں رات کو فون کر دیا تھا۔ بہو کی ماں آئیں گی اسی ہفتے میں۔''

''عظمت نہیں آئی اور نہ ہی عائشہ اور زینی کو بھیجا آج دوسرا دن ہو گیا ہے' تم نے اطلاع نہیں بھیجی وہاں۔'' ان کا موڈ تلخ ہونا شروع ہو گیا۔

''وہاں میں نے اسپتال جانے سے پہلے بھی اطلاع دی تھی اور ننھے کی پیدائش کے بعد بھی۔ عظمت نے کہا تھا' وہ سب آرہے ہیں اور زینی کو کچھ دنوں کے لئے یہاں چھوڑ بھی جائیں گی۔

''پھر کیوں نہیں آئیں۔ کل شام کے بعد رات بھی گزر گئی اور آج کا سارا دن بھی۔''

''رات کو ارشد کا فون آیا تھا۔ اس نے مبارکباد دینے کے بعد کہا تھا کہ ان کے ساتھ لائبہ بھی آئے گی۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ اماں جان پسند نہیں کریں گی۔ اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہاں سے پھر کوئی آیا بھی نہیں۔'' کوثر بیگم آہستگی سے بولیں۔

''میں نماز پڑھ لوں عصر کی پھر فون کروں گی۔ میرے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کا حکم نہیں چل سکتا۔''

❖ ❖ ❖

''چائے پئیں گے آپ؟'' ارشد نے زینی کی آواز پر نیوز پیپر سے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

''آج چائے پلا پلا کر کس بات کا انتقام لے رہی ہو۔'' اس کی شوخی میں بھی سرد مہری پنہاں تھی۔

''انتقام۔ نہیں تو چچا جان کے لئے چائے بنائی تھی' سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں۔''

''نو تھینک۔'' بڑی بے نیازی سے جواب دے کر وہ نیوز پیپر پر جھک گیا۔

''سنیئے! کچھ اور لاؤں۔ کولڈ ڈرنکس یا آئسکریم۔'' کافی ٹائم گزرنے کے باوجود ارشد کی بے نیازی اسی طرح قائم رہی تو وہ اس کے قریب آ کر مخاطب ہوئی۔

''ہوں۔ پہلے بتاؤ۔ اصل بات کیا ہے۔'' وہ کھڑے ہو کر ایک بازو کے دائرے میں اسے سمیٹ کر دریافت کرنے لگا۔

بات...... کچھ بھی نہیں۔'' وہ اس کی محبت تھی۔ بہت خوشی و رضا سے اسے رخصت کروا کر لایا تھا۔ وہ جو اس سے پہلے خوفزدہ رہتی تھی۔ شادی کے بعد اس کے مزاج کو اس نے ٹھنڈے میٹھے چشمے کی طرح پایا تھا۔ وہ عام آدمی کی طرح نہیں تھا۔ جو اپنی محبت کو پا لیتے ہیں تو دین و دنیا بھلائے اس کی پرستش میں لگے رہتے ہیں گو کہ اس کی محبتوں کی تمام تر شدتوں کی وہ مالک تھی۔ اس کی چاہتوں کی واحد امین مگر وہ ہٹ دھرمی اور ریز رو طبیعت کا مالک تھا۔ اتنی شدتوں سے اسے چاہنے' اپنانے کے باوجود اس کا رویہ ایسا تھا کہ وہ ایک لمٹ سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ مکمل اختیار و استحقاق ملنے کے باوجود ارشد سے کوئی بات اپنی منوانے کی ہمت اس میں نہ تھی۔

''کوئی تو بات ہے۔'' وہ اسے اسی انداز میں لئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''وہ...... ریاض بھائی کے ہاں بیٹا ہوا ہے نا۔ آپ کو تو معلوم ہے۔'' اس نے لڑکھڑاتی زبان پر بمشکل قابو پاتے ہوئے ایک نظر جھجکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔ اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

''ارشد! اماں جان کی کال ہے۔ لونگ روم میں آ جاؤ۔'' انٹر کام پر نبیل کی آواز ابھری تو وہ باہر نکل گیا۔ دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو ادھوری رہ گئی تھی' زینی بھی لونگ روم میں آ گئی۔ جہاں لائبہ' روحیل صاحب کے علاوہ سب موجود تھے۔ اماں سے نبیل فون پر بات کر رہے تھے۔ زینی عظمت کے قریب صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ارشد فون کی طرف بڑھ گیا۔

''جی اماں جان۔ آج صبح کی فلائٹ سے ہی واپس آیا ہوں۔ نہیں یہ کس طرح ممکن ہے۔ جاتے وقت بھی آپ سے اجازت لے کر گیا تھا اور گھر آتے ہی پہلے آپ کو اپنی واپسی کی اطلاع دینی چاہی تھی مگر آپ کا شاید فون ڈیڈ تھا۔ میں اب آپ کی طرف آنے کی تیاری کر رہا تھا۔ بہت بہت مبارک ہو' آپ کو پوتے کی۔'' نبیل آہستگی و احترام سے ان سے مخاطب تھا۔

''تمہیں بھی مبارک ہو۔ ذرا اپنی ماں کو فون دو۔'' اماں کا تحکمانہ لہجہ ریسیور میں گونجا۔

''السلام علیکم اماں جان۔'' عظمت بیگم نے دھڑکتے دل سے ریسیور پکڑ کر کہا۔

''تمہارے خاندان میں بچوں کی بہتات ہے۔ صبح شام بہوئیں بچوں کو جنم دے رہی ہیں اور بچوں کو تم سنبھال سنبھال کر تھک چکی ہو۔ اب تمہیں گھبرا کر گھر بیٹھنا ہی تھا۔''

''ایسی بات نہیں ہے اماں جان۔'' ان کا طنزیہ لہجہ انہیں بوکھلا گیا۔

''پھر کیا بات ہے۔ بچہ پورے ایک دن کا ہو چکا' نہ تم آئیں اور نہ بہوؤں کو بھیجا۔ کوثر کے پوتے میں اور تمہارے پوتے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جب تمہیں کوثر نے فون کیا تمہیں تب ہی آنا چاہئے تھا۔ بیوی ریاض کی ہو یا نبیل کی رشتہ ایک ہی ہے۔ میں نے اپنے بچوں کو کبھی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی اولاد اور بھائی کی اولاد میں رتی بھر بھی فرق محسوس کریں اور ہوا بھی ایسا ہی ہے۔ باہر والے کبھی یہ محسوس کر ہی نہیں سکتے کہ نبیل اسد کا بیٹا ہے یا روحیل کا۔ زینی کوثر کی بیٹی ہے یا عظمت کی۔ سب کی اولادوں کے ساتھ بھائیوں بہنوں کا رویہ سگی اولاد جیسا ہی رہا ہے۔ لوگ مثالیں دیتے ہیں ہمارے خاندان کی یگانگت و اخلاص کی۔ اس بے مروت اور نفسا نفسی کے دور میں بھی ہمارے ہاں محبت و رواداری اور بے غرض مروت پائندہ ہے۔ مگر تمہاری اس بے پروائی و بے مرتی نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وقت کا خود غرض و نفس پرست چلن ہمارے ہاں بھی شروع ہو چکا ہے مگر یاد رکھنا' جب تک میں زندہ ہوں' اپنے خاندان پر انگلی اٹھنے نہیں دوں گی۔''

''یہ بات نہیں ہے اماں جان۔ میری دعا ہے' اللہ ہمارے خاندان کی مثالی محبت و اتحاد اور یگانگت کو پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کرے۔ آپ خوش نصیب ہیں اماں جان جو آپ کو اولاد بہت تابعدار و سعادت مند ملی ہے۔ اس معاملے میں میرے ساتھ کچھ زیادتی ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں اچھے اعمال کا' کچھ اجر بندوں کو دنیا میں نیک اور سعادت مند اولاد کی صورت میں مل جاتا ہے مگر یہاں شاید میرے کچھ بد اعمال کے باعث ایک بیٹے کے مزاج میں خودسری' ضد اور جذباتیت بھر دی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے میں مجبور ہو گئی ہوں۔'' فون سیٹ میں موجود لاؤڈ آن ہونے کے باعث دونوں کی گفتگو بآسانی وہاں موجود سب لوگ سن رہے تھے۔ بلاشبہ عظمت بیگم کے ناراض لہجے کا اشارہ ارشد کی طرف تھا۔ زینی نے ترچھی نگاہوں سے اس کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ سے اس کے چہرے پر شرمندگی یا خجالت کے کوئی تاثرات نہ تھے بلکہ وہ ہونٹ بھینچے سپاٹ چہرہ لئے فون اسٹینڈ کے قریب کھڑا تھا۔

''تم اس خاندان کے بزرگ کب سے بن گئے۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی' گھر والوں پر پابندی لگانے کی۔'' اماں جان کے کہنے پر عظمت نے ارشد کو فون دیا تو اماں جان کی غصیلی آواز ریسیور سے ابھری۔

''خاندان کی بزرگ آپ ہیں اور آپ ہی رہیں گی اماں۔ میں نے کسی پر پابندی نہیں لگائی۔ صرف اتنی گزارش کی ہے کہ اگر گھر کے سب فرد خوشی میں شریک ہونے جائیں گے تو لائبہ بھی ساتھ جائے گی کیونکہ وہ بھی اس گھر کی فرد ہے۔ بہن ہے میری۔'' وہ تحمل سے بولا۔

''نام مت لو ہمارے سامنے اس غلاظت کے وجود کا۔ وہ کبھی بھی ہمارے گھر کی دہلیز پار نہیں کر سکتی۔ وہ ناپاک قدم اگر ادھر کی طرف بڑھے بھی تو ہمیشہ کے لئے توڑ دیئے جائیں گے۔''

''اماں جان خدا کے لئے۔ اپنے لفظوں کو واپس لیجئے۔ میری بہن شبنم کی طرح پاک اور مقدس ہے۔'' غلاظت اور ناپاک یہ لفظ اس کی غصے بھری جھنجلاہٹ سے کنپٹی سلگا گئے۔

''میں اس معاملے میں بات کرنا ہی نہیں چاہتی۔ تم نے اب کسی کو روکا تو اچھا نہ ہوگا۔''

''مائی فٹ' اگر بزرگ ایسے ہوتے ہیں۔ سنگدل و بے حس' خود پسند اور اپنی انا کی فتح مندی کے لئے سگے خون کو غلاظت و ناپاکی کا نام دینے والے تو میں کبھی بزرگ بننا پسند نہیں کروں گا۔'' انہوں نے اپنا حکم دہرا کر فون بند کر دیا تو ارشد غصے سے تلملا گیا تھا۔

''بیٹا' اتنی جذباتیت ٹھیک نہیں ہوتی۔ محبت کا جذبہ رشتوں اور خلوص کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہے۔ محبت نہ چھین کر حاصل کی جا سکتی ہے اور نہ اسے چوری کیا جا سکتا ہے۔ یہ دھونس اور دھاندلی سے بھی حاصل نہیں کی جا سکتی پھر آپ کیوں چاہتے ہیں' اماں جان کے صحرائے دل میں لائبہ کے لئے چشمے پھوٹ نکلیں۔ گلشن مہک جائے۔'' روحیل صاحب جو فون پر گفتگو کے دوران وہاں آ کر بیٹھ گئے تھے' ارشد سے مخاطب ہوئے۔

''یہ اچھا لگے گا ڈیڈی۔ سب گھر سے جائیں اور وہ قیدیوں کی طرح گھر میں قید رہے۔''

''کوئی حرج نہیں ہے۔ تم اسے کہیں آؤٹنگ پر لے جانا۔''

''لیکن یہی طرز عمل ڈیڈی ہم کب تک اپنائیں گے۔ خاندان میں اکثر ہی کوئی نہ کوئی پارٹی ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح کب تک ہم اسے ہرٹ کرتے رہیں گے۔ سوری ڈیڈی آپ کی سوچ' آپ کے جواز شروع سے ہی ایسے ہوں گے جبھی لائبہ کی حق تلفیاں جاری رہیں' وہ اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی غیروں میں رہی اور اب بھی۔''

''تم ہر بات خود سوچ لیتے ہو اور اسی پر ڈٹ جاتے ہو۔ ڈیڈی کا کہنا ٹھیک ہے۔ محبتیں زبردستی یا احتجاج کر کے نہیں مانگی جاتیں۔ اگر اس گھر میں ہماری بہن کے لئے جگہ نہیں ہے تو نہ سہی۔ ہماری بہن بھی عزت نفس اور وقار رکھتی ہے۔ وہ نہیں جائے گی۔ انہیں بھی احساس ہوگا کہ جس کے لئے ان کے ہاں گنجائش نہیں تو وہ بھی پروا نہیں کرتی۔ تم اس طرح سب کو وہاں نہ جانے کا پابند کر کے زبردستی اس کے لئے گنجائش نکال رہے ہو۔ یہ کسی طرح بھی لائبہ کے حق میں بہتر نہ ہوگا بلکہ اس کی عزت و وقار کو مجروح کرنے کے مترادف ہوگا۔'' غصے سے تلملاتے ارشد سے نبیل اپنے نرم و صلح جو لہجے میں سمجھاتے ہوئے بولا۔

''نبیل کی باتیں درست ہیں بیٹا۔ میں یہی چاہتا ہوں' میری بیٹی جب اس گھر میں قدم رکھے تو سب کی پسندیدہ و قابل محبت و احترام ہستی بن کر بصورت دیگر اسے میں ابھی لے جاؤں تو کیا ہوگا۔ اماں جان صرف غصے ہوں گی۔''

''آپ کچھ بھی کہیں ڈیڈی۔ یہ میرا عہد ہے خود سے جب میری بہن اس گھر میں قدم رکھے گی تب ہی میں بھی جاؤں گا اور میں نے کسی کو پابند نہیں کیا۔ جو جانا چاہئے جائے مگر مجھ سے توقع نہ رکھے۔'' وہ تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔

''جایئے آپ لوگ جانے کی تیاری کیجئے۔'' روحیل صاحب کی نرم آواز نے کمرے میں چھائے سکوت کو توڑا۔ وہ ایک ایک کر کے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

زینی کمرے میں آئی تو ارشد باتھ روم میں تھا۔ وہ خاموشی سے وارڈ روب سے اپنے سوٹس اور دوسری اشیاء نکالنے لگی۔ اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار تھے' اندر کہیں نافہم جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ دل کہہ رہا تھا' وہ پنکھ لگا کر اڑ جائے' میکے کی یاد دل و دماغ پر حاوی تھی مگر کوئی نادیدہ سرگوشی ذہن میں یہ بھی پکار رہی تھی کہ ابھی نہ جا' کچھ دن رک جا' ارشد کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے' اس کا موڈ درست ہو جائے تو چلی جانا' کیوں اپنے لئے عذاب خرید رہی ہے۔

''سمجھوتے صرف عورت ہی کیوں کرے۔ عورت مرد سے برتر نہیں ہے تو کم تر بھی نہیں ہے پھر کیوں مرد دوسرے کی زیادتیوں اور حماقتوں کا انتقام اس عورت سے لیتا ہے جو اس کی بیوی ہوتی ہے۔ وہ بے رخی' سنگ دلی نفرت کی چھری سے جب جی چاہے زخم لگا دیتا ہے۔ میں اپنوں سے زیادہ دن دور نہیں رہ سکتی۔ بس میں جاؤں گی' چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' وہ سوٹ کیس میں سامان ترتیب سے رکھتے ہوئے بڑبڑائی۔ اس میں بغاوت کی پہلی لہر اٹھی تھی۔

''جو لے جانا چاہو' لے جاؤ یہاں سے۔'' باتھ روم سے تولئے سے بال رگڑتا ہوا ارشد برآمد ہوا اور اس سے سرد لہجے میں کہتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا مطلب۔'' اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں معنی و مطلب بتانے پر مامور نہیں ہوں' میں جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کرو۔'' وہ غرایا۔

''مم...... مگر میں کیوں لے کر جاؤں۔'' اس کی ایک ہی غراہٹ میں اس کی بغاوت ہوا ہو گئی تھی۔

''تمہیں بہت شوق ہے نا' میکے جانے کا۔ وہیں بھیج رہا ہوں۔ ذرا تسلی سے رہ کر آنا۔''

''چچ...... چچا...... چچا جان کے کہنے پر جا رہی ہوں۔'' کتنا اجنبی و بیگانگی بھرا لہجہ تھا۔ وہ روہانسی ہو گئی۔ اس کے انداز پر سوٹ کیس میں حرکت کرتے ہاتھ فوراً ہی رک گئے تھے۔ کسی بڑے نقصان کا اندیشہ اس کے اندر آہستگی سے بیدار ہونے لگا تھا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر آنسو پھسلنے لگے۔ وہ اس سے ایسے لاتعلق و بے نیاز تھا' جیسے کمرے میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی وجود ہی نہ ہو۔

''آپ نہیں چاہتے تو میں نہیں جاتی۔'' وہ اس کے قریب آ کر گلوگیر لہجے میں کہنے لگی۔

’’میں اپنی بات دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔ رات کو جب میں گھر میں آؤں تو تمہارا وجود یہاں موجود نہیں ہونا چاہئے۔ یہ میرا حکم ہے۔‘‘ وہ اطمینان سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

◆ ◆ ◆

تجھ کو سوچوں تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوشبو سے رنگ ملتے ہیں
جیسے صحرا میں آگ جلتی ہے
جیسے بارش میں پھول کھلتے ہیں

’’بیگم صاحبہ! اُسامہ صاحب آئے ہیں۔‘‘ ساحرہ بیڈ پر لیٹی البم دیکھ رہی تھی۔ جس میں اُسامہ کی تصاویر اخبارات و رسالوں سے کاٹ کر چپکائی گئی تھیں۔ یہ کام اس نے بہت رازداری سے کیا تھا۔ تنہائی میں وہ اس البم کو سیف سے نکال کر تصویروں سے باتیں کیا کرتی تھی۔ جو باتیں وہ اپنے محبوب سے روبرو نہیں کیا کرتی تھی‘ وہ سب ان تصویروں سے کہہ دیا کرتی تھی۔ انٹرکام پر ملازم کی آواز سن کر وہ پھرتی سے اٹھی۔ البم چوم کر سیف میں رکھی۔ اُسامہ کی آمد کی خبر اس کے لئے ایسی تھی‘ جیسے مردہ تن میں نئی جوان روح پھونک دی گئی ہو۔ اس نے قدِ آدم آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ ریڈ ساڑی کے بلیک بارڈر سے میچنگ کرتی جیولری‘ پاؤں میں میچنگ سینڈل‘ چہرے پر تازہ میک اپ کی شگفتگی بہار دے رہی تھی۔ اس نے ہر زاویے سے اپنا جائزہ لیا۔ وہ اس کے سامنے اپنے حسن کے سحر کے جال پھیلانا چاہتی تھی تاکہ ایک بار وہ اس کے قابو میں آجائے۔ ہونٹوں کے خوبصورت ابھار کو اس نے ریڈ لپ اسٹک کا ایک اور کوٹ دیا۔ ریڈ ڈائی کئے گئے بالوں میں برش پھیر کر تیز خوشبو اسپرے کر کے بڑی نزاکت سے وہ میٹنگ روم کی طرف آئی تھی۔ فل فرنشڈ میٹنگ روم میں براؤن شنیل کے صوفے پر وہ بلیک جینز پر زرد شرٹ میں ملبوس بڑے وقار سے براجمان تھا۔ ساحرہ کو اندر آتے دیکھ کر وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔

’’میڈم آپ۔ سر کہاں ہیں۔‘‘ وہ سلام کرنے کے بعد جز بز انداز میں گویا ہوا۔

’’کچھ دیر قبل پرائم منسٹر کے پی اے کی کال آئی تھی۔ انہیں فوری طور پر پرائم منسٹر ہاؤس جانا پڑا ہے۔ آپ اطمینان سے بیٹھیں۔‘‘ وہ دوسرے صوفے پر اس کے مقابل بیٹھتی ہوئی بولی۔

’’نہیں پھر تو میں چلوں گا۔ میں نے پہلے کال کر کے معلوم کیا تھا تو سر نے کہا کہ وہ گھر پر میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اب نہ معلوم وہاں کتنا ٹائم لگتا ہے۔ اس لئے میں چلتا ہوں۔‘‘

’’ہم اتنے بھی برے نہیں ہیں صاحب‘ جتنا آپ ہم سے دور بھاگتے ہیں۔ ایسی بھی بے رخی کس کام کی۔‘‘ اس کی خمار آلود آنکھوں میں بے باک چمک لہرائی۔

’’آپ مجھے اپنے حواسوں میں موجود محسوس نہیں ہو رہی ہیں۔ اوکے اللہ حافظ۔‘‘ قبل اس کے کہ ساحرہ اس کا ارادہ بھانپتی وہ برق رفتاری سے اٹھ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس نے غصے سے اپنے ہونٹ کچل ڈالے۔

◆ ◆ ◆

’’میرا نام انور اجمل ہے جناب۔ مجھے جرم کے راستے پر چلانے والے وہ حالات ہیں جو ہمارے ملک کے غریب و مفلس لوگوں کو ورثے میں ملتے ہیں۔ نسل در نسل منتقل ہوتی غربت‘ جہالت بھوک اور افلاس کی زندگی ہم جیسے لوگوں کو جرم و گناہ کی تاریکی میں بھٹکا دیتی ہے کہ ہم جیسے لوگ ہر طرف سے آنکھیں بند کئے اپنے ملک کے خلاف ہی کام کرتے ہیں۔‘‘

’’تم اس گینگ کے خاص رکن ہو مگر مجھے تمہارے چہرے پر مجرموں جیسی پھٹکار نظر نہیں آ رہی۔‘‘ توفیق صاحب انور کی پوری کہانی سننے کے بعد اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

’’میں سمجھ نہیں سکا جناب۔ آپ طنز کر رہے ہیں یا۔ خیر...... میں نے آپ کو اپنی زندگی کی محرومیوں‘ مایوسیوں اور غربت و نامساعد حالات کی کہانی کا ایک ایک لفظ سنا دیا ہے۔ جن بے رحم اور ظالم حالات کے زیرِ اثر میں برائی و جرم کی دنیا میں بھٹک گیا پھر نہ معلوم کس طرح ’سرکار‘ کو میرے بارے میں اطلاع مل گئی اور اس نے مجھے ایک دن اپنے آدمیوں سے اٹھوا لیا۔ وہاں اس سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پہلے کافی عرصے مجھے اپنے ساتھیوں کی نگرانی میں قید رکھا اور اس وقت میرا ضمیر میرا دل پژمردہ ہو گیا تھا۔ بدتر حالات نے میری سوچوں کو باغی تو کر دیا تھا مگر میرے اندر کہیں کوئی نیکی کی شمع جل رہی تھی‘ اسی خیال کے تحت میں دانستہ طور پر سرکار کے بہت قریب رہنے لگا۔ اس کے ہر حکم کی فوری تعمیل کرنے لگا۔ جس کے بے شمار مظاہروں کے بعد سرکار مجھ سے خوش رہنے لگا۔ حالانکہ میں نے اس کی نافرمانی کے باعث بہت مرتبہ سزائیں و تکالیف اٹھائی ہیں بعد میں مجھے خیال آیا تو میں نے بھی اس کی چال چلنا شروع کر دی۔ بظاہر تو میں اس کا بہت وفادار جاں نثار بندہ بن گیا۔ میں نے آپ کی فرض شناسی‘ ایمانداری کے بارے میں بہت تذکرے سن رکھے تھے پھر بہت سوچ سمجھ کر میں نے آپ کو کال کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر جب بھی سرکار کی طرف سے کوئی آرڈر ملتا‘ میں بھی بہت احتیاط اور خاموشی سے آپ کو رنگ کر دیتا۔‘‘

’’اسے شک نہیں ہوا۔ اتنے طاقتور‘ منظم باوسائل گینگ کو آپریٹ کرنے والا شخص بے وقوف یا بے خبر رہنے والا شخص نہیں ہو گا۔ اس کا کروڑوں کا نقصان ہوا تھا۔ اس کے خاص بندے بھی پکڑے گئے تھے جو اس کا راز فاش کر دیتے۔‘‘ اس کی باتیں توجہ و غور سے سننے کے دوران انہوں نے پہلی بار سوالات کئے۔

’’یقیناً‘ ایسا ہی ہوا‘ میری انفارمیشن پر آپ ٹائم کے مطابق ’ریڈ‘ کرتے اور کامیاب ہو جاتے۔ پہلی بار تو سرکار کو یقین ہی نہیں آیا کہ پولیس اس پر ہاتھ ڈال سکتی ہے۔ پھر متعدد وارداتوں کے بعد وہ ہوشیار ہو گیا۔ اسے یقین تھا مخبری کوئی اندر ہی کا آدمی کر رہا ہے۔ اس نے میرے ذریعے ان لڑکوں کی نگرانی شروع کروائی۔ جو تھے تو اس کے غلام مگر ذہنی طور پر باغی ہو چکے تھے۔ میں بھول گیا تھا کہ میں جس کے مقابل آیا تھا۔ وہ عمر اور تجربے میں مجھ سے دوگنا تھا۔ بہت ظالم و باخبر شیطان ہے وہ آپ کے محکمے کی کالی بھیڑوں نے نہ معلوم کس طرح وہ فون کال ٹریپ کر کے سرکار تک پہنچا دیں جو اس دن بم بلاسٹ ہونے سے قبل میں نے آپ کو کی تھیں۔ اس کے پاس سائنسی آلات ہیں جن کے ذریعے اس نے میری آواز پہچان لی۔ مجھ سے پھر وہ خاص باتیں چھپانے لگا۔ میں سمجھا آج کل وہ کام نہیں کروانا چاہ رہا اور یہ میری بے وقوفی تھی۔ کام مسلسل ہو رہے تھے۔ وہ صرف مجھ سے پوشیدہ تھے پھر پچھلے ہفتے لاہور جانے والی ٹرین میں‘ میں اپنی فیملی کو بٹھا کر آیا۔‘‘ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد انور دوبارہ گویا ہوا۔ اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ چہرہ ضبط سے سرخ ہو چلا تھا۔

’’شام کو مجھے یہ منحوس خبر ملی کہ اس ریل میں بم بلاسٹ ہوا ہے اور بہت زیادہ جانی نقصان ہوا ہے۔ اس خبر سے مجھے اپنے اندر حشر اٹھتا محسوس ہوا۔ جس مردود نے سرکار کے کہنے پر بم ریل میں رکھا تھا‘ اس نے ہی مجھے اطلاع دی۔ اسے معلوم نہ تھا‘ میری فیملی اسی ریل میں سوار ہے۔ اس کے منہ سے قیامت خیز انکشاف سن کر میں ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ میں غصے و رنج میں اس کی طرف بڑھا اور پھر مجھے نہیں معلوم میں کس طرح سرکار تک پہنچا یا گیا۔ شدید درد و تکلیف کے احساس سے میری آنکھیں کھلی تھیں تو میں نے سرکار کو سامنے پایا۔ نقاب سے جھانکتی اس کی درندوں جیسی آنکھوں میں سفاکی اور درندگی کی سرخی تھی۔ اس نے کہا۔ وہ ہزار آنکھیں اور کان رکھتا ہے۔ وہ اگر ذرا بھی غافل و بے خبر رہتا تو کب کا مر چکا ہوتا۔ مجھ پر اسے شک بہت جلد ہو گیا تھا مگر وہ عدم ثبوت کی وجہ سے برداشت کر رہا تھا۔ پھر جلد ہی اسے ثبوت بھی مل گیا۔ اس نے وہ ٹیپ مجھے سنوائے جن میں میں نے آپ کو اطلاعات دی تھیں۔ اس نے کہا۔ وہ وفاداروں کو جتنی فراخدلی سے نوازتا ہے غداروں کو اتنی ہی دریا دلی سے سسکا سسکا کر مارتا ہے۔ میں نے اسے بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اس لئے میرے لئے آسان موت ہرگز نہیں تھی۔ میں گھر والوں کی ناگہانی اموات کی آگ میں بری طرح جل رہا تھا۔ انتقام کے جذبے نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔ موت تو ویسے بھی میری تمنا بن گئی تھی۔ میں نے زخموں کی پروا کئے بغیر اس پر چھلانگ لگا دی مگر وہ میری توقع سے زیادہ پھرتیلا و شاطر تھا۔ وہ دور ہٹ گیا تھا اور میں دیوار سے ٹکرا کر گر گیا۔ اس لمحے اس کے محافظ مجھ پر جھپٹے تھے اور مجھے بہت اذیت ناک تکلیفوں سے دوچار کیا تھا۔ موت کی آہٹیں میں نے سنی تھیں۔ مگر شاید اللہ کو یہ کام مجھ سے لینا تھا‘ جبھی اس نے میری بند ہوتی سانسیں بحال کر دیں۔ سرکار کے آدمی مجھے مردہ سمجھ کر کوڑے کے ڈھیر پر ڈال کر چلے گئے تھے۔ وہاں اس وقت اتفاق سے میرا ایک دوست اس راستے سے گزر رہا تھا یا شاید اللہ تعالیٰ نے اسے میری زندگی بچانے کا سبب بنا دیا۔ وہ مجھے وہاں سے اٹھا کر کلینک لے گیا۔ علاج معالجے اور اس کی بھرپور تیمارداری سے میں جلد صحت مند ہو گیا ہوں۔ اب میری زندگی کا مقصد ہی سرکار کو بے نقاب کرنا ہے تاکہ شہر میں امن قائم ہو اور باقی زندگیاں محفوظ ہو جائیں۔‘‘

’’ویری سیڈ۔ افسوس ہوا‘ جوان تمہاری فیملی کی ہلاکت کا سن کر مگر تم جائے حادثہ پر تحقیقات تو کرتے۔ شاید کوئی فیملی ممبر......‘‘ توفیق صاحب افسردگی سے بولے۔

’’کل گیا تھا جی وہاں پر معلوم ہوا کچھ لاشیں ہی قابلِ شناخت تھیں۔ باقی تو اس بری طرح مسخ ہوئی تھیں کہ پہچانی نہ جا سکی تھیں اور انہیں فوری دفنا دیا گیا تھا۔ جو لاشیں قابلِ شناخت تھیں‘ ان کے فوٹوز بھی میں نے دیکھے ہیں مگر ان میں میرے گھر کا کوئی فرد نہ تھا۔ شاید وہ ناقابلِ شناخت لوگوں میں شامل ہوں گے کیونکہ بم اسی ڈبے میں بلاسٹ ہوا تھا۔‘‘ انور کے وجود میں جیسے طغیانی بڑھنے لگی۔

’’اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور تمہیں بھی صبرِ جمیل عطا فرمائے (آمین) نادانستہ یا مجبوراً اس کے جرائم میں تم بھی شریک رہے ہو۔ قانون معاف تمہیں بھی نہیں کرے گا لیکن میں کوشش کروں گا‘ سلطانی گواہ کی حیثیت سے تمہیں سزا کم سے کم ملے۔‘‘

’’میں ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں جناب۔ ضمیر کی سزا سے بڑی سزا کوئی عدالت نہیں دے سکتی۔ میں آپ کے ساتھ مکمل تعاون کے لئے تیار ہوں۔‘‘ انور کا لہجہ پرعزم تھا۔

◆ ◆ ◆

وہ ساحرہ کے ہاں سے اٹھ کر کار تیزی سے لے کر وہاں سے نکلا تھا۔ ساحرہ بد روح کی طرح اسے محسوس ہوتی تھی جو ہر وقت اپنے حسن اور اداؤں کی سحر انگیزیوں میں اسے جکڑنے کو بے تاب نظر آتی تھی۔ اس کی سرد مہری اور ہتک آمیز رویہ بھی اس بے حس عورت کو بدظن نہ کر سکے تھے۔ عزتِ نفس کی بے انتہا قلت کا شکار تھی وہ اور اسے ایسی عورتوں سے ہمیشہ اُسے چڑ رہی تھی۔

اس کا آئیڈیل باحیا‘ پاکیزہ اور خوب سیرت لڑکی تھی جو اسے کسی خوب صورت تعبیر کی طرح مل گئی تھی۔ اگرچہ اسے پانے کے بعد اس کے حصول کے لئے کٹھن امتحان سے وہ گزر رہا تھا مگر اسے یقین واثق تھا کہ وہ اسے اپنی دسترس سے باہر ہونے نہیں دے گا۔ وہ پرعزم و باہمت تھا‘ اس وقت وہ تنہا اپنے محاذ پر ڈٹا جنگ لڑ رہا تھا‘ لائبہ کے حصول کی جنگ۔ اسے معلوم تھا‘ اماں جان ہی اس کے راستے کی چٹان تھیں‘ دوسری چٹان ارشد کا وجود تھا۔ تیسری طرف فوزیہ کے علاوہ وہ سب اس بات کے حامی تھے کہ وہی ہونا چاہئے جو اماں جان کا فیصلہ ہو اور چوتھی اور آخری چٹان جو اس کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی‘ وہ تھی اس کٹھور و سنگدل لڑکی کی لاتعلقی و بے نیازی۔ وہ بے حس نہیں تھی مگر اس کے معاملے میں بن گئی تھی۔ وہ جانتی تھی‘ وہ اسے دل و جان سے زیادہ چاہتا ہے۔ ہزار مخالفتوں اور پریشانیوں کے باوجود اسے حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کی یہی عاقبت نااندیشی و بے نیازی اسے کوئی سنگین قدم اٹھانے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ اس کی بیوی ہے۔ اس کی عزت‘ اس کا وقار ہے مگر وہ ہر سوچ و جذبے کو جیسے گنوا بیٹھی تھی۔

مگر ایسا کب تک ہو گا جانِ اُسامہ۔ جو شخص تمہیں نکاح کی زنجیر میں جکڑ سکتا ہے‘ وہ چاہے تو بہت آسانی سے اپنا حق بھی وصول کر سکتا ہے۔ تمہارا یہ طنطنہ‘ غرور و خودسری ہوا ہو جائے گی پھر تم خود میری پناہ میں رہنا پسند کرو گی۔ شریف و باکردار عورت‘ شوہر بار بار تبدیل نہیں کرتی اور یہ احساس میرے لئے قابلِ فخر ہے۔ تم ضدی اور خودسر سہی مگر باکردار‘ باحیا اور معصوم ہو۔ تمہاری یہی صفات مجھے کسی انتہائی اقدام سے روکتی ہیں یا پھر میری مردانگی و انا ہی مر جاتی ہے۔ میں نے تہیہ کیا تھا۔ نکاح میری مجبوری اور خواہش تھی۔ سو اللہ نے سبیل پیدا کر دی تھی مگر اس سے آگے کا راستہ تمہیں عبور کر کے میرے قریب آنا ہو گا۔ یہاں میں بہت خود پسند واقع ہوا ہوں۔ جذبوں کا وجود اس وقت تک مستحکم نہیں ہوتا‘ جب تک اس میں دو طرفہ محبتوں کی گرمی و سرشاری موجود نہ ہو۔ یہ میرا عہد ہے‘ ایک دن میں تم سے خود کو منوا کر رہوں گا۔

ساحرہ سے ہٹ کر اس کی سوچیں سرعت سے لائبہ کے گرد بھٹکنے لگی تھیں۔ رستم زمان کی کال پر وہ آفس سے سیدھا اٹھ کر وہاں چلا گیا تھا۔ رستم زمان کا لہجہ اسے پریشان و

بے چین لگا تھا۔ حالانکہ ان کے خلاف اس کے دل میں کبیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ جس پارٹی کے وہ خلاف تھے' اس پارٹی کے برسر اقتدار آتے ہی وہ تمام رنجشیں و ناراضگیاں فراموش کر کے پارٹی سے مل بیٹھے تھے۔ یہی فعل اس کی عدل پسندی کو ان سے متنفر کر گیا تھا جس کا برملا اظہار اس نے دوٹوک انداز میں ان کے روبرو کیا تو انہوں نے ہمیشہ کی طرح دلیلیں اور جواز پیش کیے جو اسے پہلی مرتبہ بھونڈے اور بے وزن لگے۔ اس نے ان سے ملنا ہی برائے نام کر دیا مگر رستم زمان جیسے اس کی جدائی یا ناراضگی برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے اس سے کہا اگر وہ پسند نہیں کرتا تو وہ حکومت سے اپنی پارٹی علیحدہ کر لیتے ہیں۔ اس نے انکار کر دیا تھا مگر جب دل میں ہی بال آ جائے تو کہاں جاتا ہے۔

سوچوں کے درمیان کافی کی شدت سے طلب جاگی تھی۔ اس نے کارنر شیرٹن' کی طرف موڑ دی۔ ہال معزز لوگوں سے پر تھا۔ بے شمار لوگ ہونے کے باوجود ماحول بہت پرسکون تھا۔ ویٹر نے اس کی رہنمائی ٹیبل چیئر تک کی اور اس سے کافی اور پزا کے آرڈر لے کر چلا گیا۔ اس نے آرام سے بیٹھنے کے بعد ماحول کا جائزہ لیا۔ وہاں موجود زیادہ تر لوگ غیرملکی تھے۔ سامنے بنے خوبصورت اسٹیج پر چینی طائفہ کا ایک گروپ زوروشور سے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے میں مصروف تھا۔ وہاں بیٹھے لوگ خوردونوش سے شغل کرنے کے ساتھ ان کے فن سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ویٹر نے کافی کے برتن اور پزا اس کے سامنے مودبانہ انداز میں چن دیا۔ کافی پینے کے دوران اس کی غیرارادی نگاہ ہال کے کارنر سائیڈ پر بنے بڑے سارے ایکوریم کے پاس رکھی ٹیبل کے گرد بیٹھی اس ہستی پر پڑی تو وہ بے اختیار چونک اٹھا۔ سارے راستے بے اختیاری انداز میں وہ اسی کو سوچتا آیا تھا۔ کہیں میری نگاہوں کا وہم نہ ہو مگر وہ جیسے مقناطیسی کشش کے زیراثر اس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ جلدی سے شرٹ کی جیب سے والٹ برآمد کر کے ایک بڑا نوٹ ایش ٹرے کے نیچے دبا کر کافی کا بھرا کپ یونہی چھوڑ کر اس طرف بڑھ گیا۔

لائبہ نے دلچسپی سے ایکوریم میں تیرتی رنگین مچھلیوں کو دیکھا۔ اورنج' بلیک' وائٹ، بلو، ریڈ مچھلیاں شفاف چمکدار پانی میں بہت دلکش لگ رہی تھیں۔ آئسکریم فالودے کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ جسے وہ دھیرے دھیرے سپ کر رہی تھی۔ ارشد اسے اپنے ساتھ ہوٹل لے آیا تھا۔ پچھلے ہفتے چین سے فنکاروں کا طائفہ یہاں آیا ہوا تھا۔ اور روز یہاں وہ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اخبارات ڈیلی ایڈیشن میں اس کی پبلسٹی کر رہے تھے۔ ایک ہفتے تو بے پناہ رش رہا تھا۔ شو کے ٹکٹ بلیک میں بھی نہیں مل رہے تھے پھر آہستہ آہستہ رش کم ہوتا گیا۔ آج بھی پبلک زیادہ تھی مگر بے انتہا رش نہ تھا۔ بلکہ کچھ ٹیبل خالی پڑی تھیں۔ اسے ان کے کرتب نہ سمجھ آنے والے گیتوں سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ ارشد کے سامنے اس نے اپنی بے زاری ظاہر نہیں کی تھی (وہ بہت محبت سے اسے یہ شو دکھانے لایا تھا۔ اسے اسی ہوٹل میں اپنی بزنس میٹنگ بھی اٹینڈ کرنی تھی) وہ کافی پینے کے بعد اسے یہاں آدھے گھنٹے ویٹ کرنے کا کہہ کر چلا گیا تھا اور اس نے بھی ایسے پوز کیا' جیسے وہ چینی فنکاروں کے فن سے بھرپور لطف اندوز ہو رہی ہو۔ وہ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر چلا گیا اور اس نے وقت گزاری کے لئے رنگین مچھلیوں پر توجہ مرکوز کر دی۔

بلاشبہ وہ وہی' جانِ آرزو' اور' تمنائے دل' تھی۔ اس کے دل کے آکاش پر چمکنے والا پہلا ستارہ۔ اس کے دل میں دھڑکنے والی پہلی خوشگوار دھڑکن۔ جس نے پہلی بار اسے' محبت' اور' محبوب' کے جانفزا حیات بخش جذبے سے روشناس کروایا تھا۔ وہ ہر طرح اسے پہچان سکتا تھا۔ اس کے جذبے کی مہک اسے لائبہ تک کھینچ کر لے گئی تھی۔ ڈارک گرین قمیص دوپٹے وائٹ شلوار سوٹ میں وہ بہارِ گل میں کھلنے والی نوخیز و شگفتہ کلی کی طرح معصوم و دلکش لگ رہی تھی۔ دھلا دھلا شاداب گلابی چہرہ میک اپ کے بغیر بھی سب میں نمایاں و منفرد تھا۔ بالوں میں گرین بڑا سا اسکارف بندھا ہوا تھا جس نے اس کی شخصیت کو سحر طراز بنا دیا تھا۔ لباس پر شیشوں کی دیدہ زیب کڑھائی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا گہری نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔ وہ اردگرد سے بے خبر مچھلیوں میں گم تھی۔

''ہیلو سویٹ ہارٹ۔'' اس کی سماعتوں میں جیسے زبردست بھونچال آ گیا۔ فالودہ چھلک کر ٹیبل پر گر گیا۔ اس نے متوحش نگاہوں سے سامنے دیکھا۔ وہ بہت اطمینان سے اس کے مقابل بیٹھ رہا تھا' جیسے اس کے بلاوے پر یہاں آیا ہو۔''

''آپ ...... یہاں۔'' اس نے متوحش نگاہوں سے داخلی دروازے کی طرف دیکھا پھر اس کی طرف۔

''کیوں' میں یہاں نہیں آ سکتا۔ اور تم مجھے دیکھ کر ٹکڑوں میں لفظوں کو کیوں بانٹتی ہو۔''

''مگر وہ ارشد بھائی ہوٹل ......''

''تمہارے بھائی کا خریدا ہوا نہیں ہے یہ ہوٹل۔'' اس کا شگفتہ موڈ بگڑنے لگا۔

''ارشد بھائی ہوٹل میں موجود ہیں۔ وہ آ جائیں گے ابھی آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟''

''اپنے بھائی کا خوف مت دلایا کرو۔ میں نہیں ڈرتا اس' سالے' سے ......''

''یہ کیسی لینگویج استعمال کر رہے ہیں آپ۔''

''تم نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ ملک سے باہر گزارا ہے۔ اس لئے شاید یہاں کی عام زبان سے واقف نہیں ہو۔ خیر' میں تمہاری نالج میں اضافہ کرتا ہوں۔ ہمارے ہاں بیوی کے بھائی کو سالا کہا جاتا ہے۔ میں نے ارشد کو جائز رشتے سے پکارا ہے۔ تم خفا مت ہو۔ اسے میں نے گالی نہیں دی۔ تمہارے رشتے سے وہ میرا' سالا' ہی تو ہے۔''

''اوہ ......'' اس کے گلابی چہرے پر بے اختیاری طور پر دھنک رنگ بکھر گئے۔ دراز گھنی خمدار پلکیں جھک گئیں۔

''تم تنہا آئی ہو۔ اور سب لوگ کہاں ہیں۔'' ویٹر کو کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا۔

''ڈیڈی گھر میں ہیں' شمیر اسپتال میں' نبیل بھائی' بڑی بھابی' زینی بھابی اور ممی وائٹ پیلس گئی ہیں۔'' نہ معلوم کس جذبے کے تحت اس کی آواز لرز رہی تھی اور آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے

''ہوں تم نہیں گئیں۔'' وہ لمحے بھر میں بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اس کے چہرے سے عیاں ہوتے درد کی تڑپ اس نے اپنے اندر محسوس کی۔ اس کی آنکھوں میں مچلتے ستارے' اس کے دلکش ہونٹوں کا اضطراب' مسلسل ٹھکرائے جانے' راندۂ درگاہ کیے جانے والے وجود کو نہ تسلیم کیے جانے کا دکھ' اس کے وجود کی تذلیل و اہانت کا کرب اسے لمحے بھر میں اپنا دل چیرتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی اذیت جیسے اس کی رگ و پے میں دوڑتی چلی گئی۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں تم کیوں نہیں گئیں۔'' وہ جیسے اسے کریدتا ہوا بولا۔ دل کا غبار اگر دماغ پر چڑھ جائے تو دماغ کی رگیں پھٹ جاتی ہیں۔ وہ سمجھ رہا تھا' بظاہر پرسکون اور بے پروا نظر آنے والی لائبہ کے اندر لاوا پک رہا ہے۔ اس کے اندر جنگ جاری ہے۔ اس کے اندر کے لاوے کو راستہ نہ ملا تو کوئی ناقابلِ برداشت' سانحہ' ہو جائے گا۔

''جو بادل گرجتے ہیں' وہ برستے نہیں۔ اپنے خون پر بد اعتمادی و بے اعتباری ایک دن ختم ہو جاتی ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ اماں جان ساری ناراضگی اور سنگدلی بھول جائیں گی۔''

''آہ ......'' جیسے بند کے شیشے ایک دم ہی ٹوٹ گئے ہوں۔ وہ بالکل بے اختیار انداز میں دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔

''ارے ...... ارے۔'' وہ یہی چاہتا تھا۔ وہ اپنے دل کا غبار نکال دے مگر اس کے شدید گریہ کے انداز پر وہ بوکھلا اٹھا۔ سامنے اسٹیج پر چینی گروپ چینی زبان میں کوئی گیت گانے میں مصروف تھا۔ تیز میوزک میں لائبہ کی آواز دب گئی تھی۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر لائبہ کی طرف بڑھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ ٹیبل کارنر پر ہونے کی وجہ سے الگ تھلگ تھا۔ اسٹیج پر تیز روشنیوں کی باعث ہال میں زیرو پاور کی لائٹیں آن تھیں جس سے ماحول میں نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جو ماحول کو پرسکون و پرکیف بنائے ہوئے تھی اور لوگوں کی نگاہیں اردگرد سے بالکل بے تعلق و بے نیاز اسٹیج پر محوِ رقص رقاصاؤں پر جمی ہوئی تھیں جو کلاسیکل ڈانس بہت خوبصورتی اور مہارت سے کر رہی تھیں۔

''پلیز' ڈونٹ ویپ مائی لائف۔'' وہ والہانہ انداز میں اس پر جھکا تھا۔

''اس طرح ہمت ہار دینے سے مسئلے بڑھتے ہیں' حل نہیں ہوتے۔'' اس نے بمشکل اس کے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔ چہرے پر رم جھم ابھی اسی شدت سے جاری تھی۔

''پہلے زخم لگاتے ہیں پھر مرہم۔ چلے جائیں یہاں سے آپ۔''

''میرا مقصد تمہاری دل شکنی ہرگز نہیں تھا۔ تم نے غلط مطلب لیا ہے۔'' اس کا گلابی ملائم ہاتھ وہ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر تاسف زدہ انداز میں جھک کر کہنے لگا۔

''کیا ہوا لائبہ۔'' ارشد کے لہجے میں اژدھوں جیسی پھنکار تھی اور اف تو وہی ہوا جس سے وہ خوفزدہ تھی۔ ایسے لمحات سے تو وہ خوفزدہ تھی۔ وہ نہ معلوم کس لمحے وہاں آیا تھا۔ لائبہ کا ہاتھ اُسامہ کے ہاتھ میں تھا جسے وہ روتے ہوئے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی مزاحمت ارشد کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ اس کی آمد پر بھی اُسامہ نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

''تمہیں جرأت کیسے ہوئی۔ یہاں آنے کی اور میری بہن کا ہاتھ پکڑنے کی۔''

''تمہارے اس بچکانہ سوال کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں۔ تم خاموشی سے یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اسے اپنے گھر یعنی وائٹ پیلس لے جا رہا ہوں۔'' اس کا سرد لہجہ' تیکھے انداز' بے خوف اور نڈر رویہ بہت عرصے بعد وہ یونیورسٹی والی جون میں نظر آیا تھا۔

''یہ انسان ہے' کوئی اشارے سے چلنے والی گڑیا نہیں۔ یہ وائٹ پیلس اسی صورت میں جائے گی' جسے میں تمہیں پہلے باور کروا چکا ہوں۔ خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔''

''میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا مجھے چیلنج ہرگز نہیں کیا کرو چلو۔'' اُسامہ کے لہجے میں کسی خونخوار بھیڑیے جیسی غراہٹ تھی۔ لائبہ کو یا سکتے کی حالت میں زرد پڑتی جا رہی تھی۔

''چھوڑ دو اسے۔ ورنہ میں کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔''

''اُسامہ لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا ہال کے بیرونی دروازے سے باہر لے آیا۔ یہاں کوئی موجود نہ تھا۔ اوپر کمروں کی طرف جانے والا پورشن خالی پڑا تھا۔ ارشد تیزی سے چلتا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا۔ لائبہ سکتے کی کیفیت میں تھی۔

''لحاظ تم کیا کرو گے۔ لحاظ و مروت اب میرے درمیان نہیں آئے گی۔ زینی اور چچا جان کی محبتیں میری راہ میں حائل رہتی تھیں مگر یہاں میں اس سے آزاد ہوں۔''

''لحاظ و مروت' شجاعت و شرافت کے مفہوم سے بھی تم واقف نہیں ہو۔'' ارشد اس کے روبرو آ گیا تھا۔ دونوں خونخوار نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ لائبہ کی جیسے قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ارشد کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا بازو اُسامہ کی گرفت میں تھا۔ اس میں مزاحمت کرنے کی قوت یکدم ہی مفقود ہو گئی تھی۔

''تم ان چیزوں پر اپنی اجارہ داری قائم رکھو۔ میں ان جذبوں سے ناواقف ہی سہی۔''

''مکار لوگوں کی خاص صفت ہے یہ کہ وہ اپنے فائدے میں ہر بات گوارا کر لیتے ہیں۔''

''مجھ سے فضول مکالمے بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش مت کرنا۔''

''میں نے تم سے کہا ہے نا' یہ میری بہن ہے۔ احساسات و جذبات رکھنے والی۔ تم اسے اب اپنی مرضی پر نہیں چلا سکتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے تم میں مردانگی کی کمی ہے اگر مرد ہوتے تو مردوں کی طرح میری بہن کو لوگوں کی موجودگی میں اپناتے اور ......'' اس کا باقی ماندہ جملہ ادھورا ہی رہ گیا تھا۔ اُسامہ کا ہاتھ بھرپور انداز میں اس کے دائیں رخسار پر اپنی انگلیوں کے سرخ نشان چھوڑ گیا۔

''تم میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ میں تمہاری بدتمیزیاں بہت فراخدلی سے درگزر کرتا آ رہا ہوں تو تم سمجھتے ہو مجھ میں ......'' اس نے ہونٹ بھینچ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کا چہرہ غصے میں تانبے کی طرح سرخ ہو گیا تھا آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''اگر تم نے آئندہ مجھ سے ایسی بات کی تو شوٹ کر دوں گا۔''

''تم ......تم مجھے شوٹ کرو گے۔ مکار دھو کے باز آدمی۔ اپنی طاقت اور اثر ورسوخ کے گھمنڈ میں معصوم لڑکی کی زندگی تباہ کرنے والے جلاد۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔'' ارشد کی حالت زخمی چیتے جیسی تھی۔ وہ اس کی طرف خطرناک تیور سے بڑھا۔ قبل اس کے کہ طاقت وخودسری کے دو پہاڑ آپس میں ٹکراتے۔ لائبہ کی دلدوز چیخ ابھری وہ جو منجمد اعصاب کے ساتھ ان دونوں کو تیز تیز بولتے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کے غصے سے بپھرے چہرے شعلے اگلتی آنکھیں وہ سب دیکھ رہی تھی مگر ان کی باتیں سمجھ نہیں آرہی تھیں۔ ذہن کی سلیٹ بالکل صاف ہوگئی تھی۔ زبان حرکت کرنا بھول گئی تھی۔ جسم بھاری پتھر کی طرح بے حس اور ٹھوس بن گیا۔ اچانک ہی اُسامہ کے تھپڑ کی گونجدار آواز نے اس کی وجود کی بے حسی زائل کر دی۔ وہ جیسے ہوش کی دنیا میں آ گئی۔ ارشد اسی لمحے خونخوار انداز میں اُسامہ کی طرف بڑھا تھا۔ انداز اُسامہ کے بھی یہی تھے کہ آج کچھ انہونی ہوگی۔ دونوں میں سے ایک ضرور ختم ہو جائے گا۔ یہ اذیت ناک احساس وجود کو کاٹتا ہوا روح کی گہرائی میں پیوست ہو گیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھائے تھے۔ اسے محسوس ہوا' جیسے بصارت گم ہوتی جا رہی ہو۔ دماغ کی رگیں دھاگے کی مانند کھنچتی ہوئی تن گئیں ہوں۔ وجود میں سناٹے تیزی سے اترتے جا رہے تھے۔ اس کی اچانک چیخ نکلی تھی اور وہ بے جان انداز میں فرش پر گرتی چلی گئی تھی۔

❖ ❖ ❖

ڈنر کے بعد ان لوگوں کی واپسی ہوئی تھی۔ زینی کو انہوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ وہ اپنا سامان لے کر چلے کیونکہ خوشی کے موقع پر انہیں اس کا واپس ساتھ لانا اچھا محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ اماں جان سے کہہ آئی تھیں کہ مارہ چھٹی نہالیں گی تو وہ زینی کو لے جائیں گی۔ نبیل اور عائشہ سیف کو لے کر اپنے بیڈروم میں چلے گئے۔ وہ ملازمہ سے ارشد اور لائبہ کا ابھی تک گھر نہ آنے کا پوچھ کر پریشان ہوگئی تھیں۔ گھبرا کر روحیل صاحب کے کمرے میں آ کر دریافت کرنے لگیں۔

''پریشان مت ہوں آپ۔ ارشد کو میٹنگ بھی اٹینڈ کرنی ہے اور وہ میوزیکل شو بھی دیکھیں گے اور ڈنر وغیرہ میں ٹائم بھی لگے گا۔'' وہ انہیں ملائم انداز میں تسلی دینے لگے۔

''حیرت ہے' ایسی ایکٹیویٹیز کے لئے اس کے پاس بیوی کو دینے کے لئے وقت نہیں ہوتا۔'' ان کا لہجہ طنزیہ اور ناگواری کے جذبات سے پر تھا۔ روحیل نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ جب سے انہیں فاطمہ کے متعلق معلوم ہوا تھا۔ وہ بہت کھنچی کھنچی بیزار و بیگانگی لاتعلقی کے انداز میں رہنے لگی تھیں۔ ان کی اجنبیت و سرد مزاجی کو وہ سمجھ رہے تھے سوائے ملول ہونے کے انہیں اختیار ہی کیا تھا۔ وہ خود کو بغیر کسی جرم کے مجرم سمجھنے لگے تھے۔ وہ حساس طبیعت کے مالک' عظمت کے اس رویے کو حق بجانب سمجھتے تھے۔ ان کی سیکنڈ میرج مجبوری تھی مگر حق پڑ ا کہ تو عظمت کے پڑا تھا۔ محبت ان کی تقسیم ہوئی تھی۔ اعتماد وافتخار ان کا مجروح کیا گیا تھا۔ وہ ان کے دکھ کو سمجھتے تھے جبھی ان کی کج ادائیاں برداشت کر رہے تھے مگر اس وقت لائبہ کے لئے جو ان کے لہجے میں حقارت و ناپسندیدگی تھی' وہ انہیں چونکا گئی۔

''گھر میں کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ موقع کے لحاظ سے ارشد زینی کو ایسی ایکٹیویٹیز مہیا کرتے رہے ہیں۔ جس وجہ سے وہ لائبہ کو لے کر گئے ہیں' اس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ ویسے بھی وہ ان کی بہن ہے۔ ان کا حق ہے اس پر اور وہ اپنے فرض کو نبھانا اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''ہاں یہ تو میں بھی مانتی ہوں۔ مرد ایسے حق نبھانا خوب جانتے ہیں۔ چاہے یہ حق سوتیلی بہن کا ہو یا سیکنڈ وائف کا۔ پرانے رشتوں کے آگے۔ نئے رشتے عزیز از جان ہو جاتے ہیں۔''

''تف ہے عورت کی پسند اور خود غرض ذہنیت پر۔ جب یہ قربانی دیئے اور احسان کرنے پر آتی ہے تو پہاڑ اس کے حوصلوں و جذبوں کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ اس کی ہمدردی و وسعت قلبی کے سامنے سمندروں کی کشادگی و گہرائی بھی چھوٹی نظر آنے لگتی ہیں مگر جب یہ عورت تنگ دلی' خود غرضی' کمینگی و انا پرستی کا لبادہ پہن لیتی ہے تو خاک کے کمتر و حقیر ذرے سے بھی زیادہ ارزاں و بے وقعت ہو جاتی ہے۔ وہ عورت نہیں ڈائن کہلاتی ہے۔

''نادان عورت' عیاش مرد کبھی بھی مقدس بندھن نہیں باندھتا۔ فاطمہ سے کی گئی میرج کو میں نے صرف تمہارے ہرٹ ہونے کی وجہ سے چھپایا' تمہاری محبت' اعتماد و فخر کا احساس تھا مجھے۔ اپنی بیٹی کو کیوں اپنے وجود سے' اپنی محبت و شفقت سے دور رکھا۔ صرف اور صرف تمہاری دل آزاری کے خیال سے ورنہ جس طرح وہ اب رہ رہی ہے' پہلے بھی رہ سکتی تھی۔''

''آپ اب بھی کہیں گے کہ فاطمہ سے آپ نے اُسے محض مذہبی تحفظ دینے کی خاطر شادی کی تھی۔'' عظمت کے بھیگے لہجے میں درد کی کرچیاں تھیں۔

''یہ میرا اور میرے اللہ کا معاملہ ہے۔ اس معاملے میں کسی کے آگے جواب دہ نہیں ہوں اور سنو تمہاری خاطر' تمہاری محبت کی جنوں خیزی کے باعث میں نے فاطمہ کو بہت دکھ دیے ہیں۔ اپنی بیٹی کو بھی محض تمہاری خاطر اپنے آپ سے دور کیا ہے مگر اب وقت گزر چکا ہے۔ میرا اعتماد' میرا افتخار تم نے سب خاک آلود کر دیا ہے۔ تم اتنی پست ذہنیت اور کینہ پرور ہوگی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لائبہ میری بیٹی ہے' میری روح ہے' تمہاری کوکھ سے جنم لینے والے تینوں بیٹوں سے زیادہ عزیز اور بہت پیاری۔ اس کی ذات کا استحصال میں قطعی برداشت نہیں کروں گا۔ حیرت ہے عورت اپنی کوکھ سے جنم لینے والے بے شمار بچوں کو دل و جان سے چاہے گی' سب کو مساوی پیار و محبت دے گی۔ سب کی اہمیت اس کی نگاہوں میں یکساں ہوتی ہے مگر اس کی جھولی میں دوسری عورت کا بچہ آ جائے تو اس عورت کی ایک نگاہ التفات نہیں ہوتی اس بدنصیب بچے کے لئے۔ وہ بچہ اس کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ تیر کی طرح دل میں پیوست رہتا ہے۔ جس سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ ہمہ وقت تیار رہتی ہے مگر میری بیٹی کے ساتھ تم سوتیلی ماں والا رویہ نہیں اپنا سکتیں۔'' دھیمے اور نرم لہجے میں بات کرنے والے شوہر کا یہ مزاج' یہ انداز ناقابل یقین تھا۔

''میری بیٹی مجھ سے بدظن ہے۔ یہ دکھ میری روح کو گھائل کئے ہوئے ہے۔ تمہارے چہرے کا اصل روپ تمہارے بیٹوں نے دیکھ لیا تو اس عمر میں ان کی بدظنی و بے رخی برداشت نہیں کر پاؤ گی۔'' اتنے سالوں کے تیر انہوں نے لمحوں میں برسا دیے تھے۔ عظمت بھربھری دیوار کی طرح بیڈ پر ڈھے گئیں۔ اسی دم دروازہ باہر سے ناک ہوا تھا۔ اس کی اجازت پا کر اندر داخل ہونے والا نبیل تھا۔ پریشان اور گھبرایا ہوا۔

''ڈیڈی اسپتال سے کال آئی ہے۔ لائبہ کی حالت بہت سیریس ہے۔''

''کیا ہوا میری بچی کو۔ کیا ہوا۔'' وہ بدحواسی سے چیخے۔

❖ ❖ ❖

اسپتال کے طویل کوریڈور میں صوفوں پر براجمان پانچ وجود کے باوجود وہاں گہری و جامد پراسرار خاموشی میں وال کلاک کی 'ٹک ٹک' کی آواز کے علاوہ دوسری آواز نہ تھی۔ ان سانس لیتے مجسموں میں کوئی جنبش' کوئی حرکت نہ تھی لیکن آنکھوں میں اضطراب و تفکرات کی بے چینی تھی' مگر جسم ساکن تھے۔ بظاہر خاموش اور مضطرب وہ دل ہی دل میں اپنے رب حقیقی کے آگے سجدہ ریز تھے۔ ان کی دعاؤں کا مرکز ایک تھا۔ ان کے احساسات کے رابطے ایک ذات کے لئے تھے۔ جو طویل بے ہوشی کے زیر اثر موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ چوبیس گھنٹوں سے زائد وقت گزر چکا تھا۔ موت کے مہیب سائے تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ زندگی کی ڈھیلی پڑتی ڈور پوری قوت سے اپنی بقا کی خاطر سرگرم عمل تھی۔ خطرہ اس کے لئے بڑھتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے آئندہ گزرنے والے چند گھنٹے میں اس کی بے ہوشی ٹوٹ جانے کی بنا پر اس کی زندگی کی ضمانت دی تھی ورنہ...... چار گھنٹوں کی مدت میں سے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ I.C.U۔ روم میں مشینوں میں جکڑا اس کا وجود اسی طرح بے حس و حرکت تھا۔ آنکھیں اس سختی سے بند تھیں کہ لگتا تھا' اب کبھی نہ کھلنے کی قسم کھا کر بند ہوئی ہوں۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ روحیل صاحب کی حالت بے قابو ہوتی جا رہی تھی۔ وحشت و اضطراب کی دلدل میں وہ دھنستے جا رہے تھے۔ ابھی تو وہ اس کی بدگمانیاں دور بھی نہ کر پائے تھے۔ ابھی وہ ان سے ناراض و خفا تھی' ابھی اسے اعتبار حاصل کرنا تھا۔ باپ کی محبت و شفقت کی مسرتیں دیکھنی تھیں۔ زندگی کو اس نے ابھی اچھی طرح برتا کہاں تھا کہ موت کی آغوش میں جانے کو تیار ہوگئی۔ میری بیٹی ابھی تمہیں گلشن زندگی کے پھولوں سے خوشیاں اور مسکراہٹیں' قہقہے کشید کرنی ہیں مگر تم...... ہمت نہ ہارنا میری جان' ہمت نہ ہارنا۔ یا اللہ' میری بچی کو زندگی دے دے۔ اے معبود برحق تو تو بندوں کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔ بہتر و بدتر تیرے حکم سے ہوتا ہے۔ زندگی اور موت دینے پر تو ہی قادر ہے۔ اگر میری بچی کی تقدیر میں تو نے 'یہی' کچھ لکھ دیا ہے تو رب کریم اس کے بدلے مجھے موت دے دے' مجھے موت دے دے۔'' ان کا رواں رواں پکار رہا تھا۔ ایک ایک سانس فریاد کر رہی تھی۔ ساکن وجود کے اندر قیامت برپا تھی' حشر رونما تھا۔

ارشد کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ کسی بہت قیمتی عزیز از جان شے چھن جانے کے خوف سے سفید پڑتا جا رہا تھا مگر وہ سختی سے ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا۔ نبیل کے چہرے پر دکھ اور فکرمندی کی گمبھیر خاموشی چھائی تھی۔ اس کی نگاہیں بے اختیار بار بار وال کلاک کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ عظمت بیگم وقفے وقفے سے روحیل صاحب کی طرف اضطراری انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ عائشہ کے چہرے پر دکھ کی سرخی تھی۔ وہ بھیگی آنکھیں بند کئے زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔

جاں گسل و صبر آزما لمحات سے پر ایک گھنٹہ اور مکمل ہوا۔ ان کے دلوں کی دھڑکنیں مزید دہشت زدہ ہو گئیں۔ ساکت و صامت اجسام میں بے چینی' بے قراری اضطرار و انتشار پیدا ہو گیا۔ ارشد اٹھ کر ادھر ادھر چکر کاٹنے لگا' جیسے اپنی بدحواسیوں کو کنٹرول کر رہا ہو۔ نبیل کی نگاہیں وال کلاک پر جم گئی تھیں۔ عائشہ کے ہونٹ اور تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ روحیل صاحب کا چہرہ تاریک پڑتا جا رہا تھا آنکھوں میں شام غریباں کا منظر اتر آیا تھا۔

''روحیل' پلیز ٹیک اٹ ایزی۔ سنبھالو خود کو' کچھ نہیں ہو گا اسے۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔ وہ قادر مطلق تنکے میں بھی جان ڈالنے والا ہے۔ امید کے چراغ مت بجھاؤ۔'' وہ ان کے قریب جھک کر بہت اپنائیت سے بولیں۔ ان کی طرف سے بدگمانیاں ڈھل چکی تھیں۔

''تم تو گھی کے چراغ جلاؤ۔ مٹھائیاں بانٹو' فاطمہ کے بعد اس کی بیٹی سے بھی تمہیں اتنی جلدی چھٹکارا مل رہا ہے۔ جس طرح ماں خاموشی سے چلی گئی' اسی طرح بیٹی بھی...... اس کا صبر' اس کی قناعت' اس کے عہد کی پاسداری مجھے دیمک کی طرح چمٹ گئی ہے۔ مگر دیکھنا' بیٹی کے ساتھ ہی میں بھی چلا جاؤں گا۔ مجھ میں اب حوصلہ نہیں رہا۔'' وہ ان کے ہاتھ جھٹک کر کہنے لگے۔

''اللہ نہ کرے۔ وہ آپ کی ہی نہیں میری بیٹی بھی ہے۔'' وہ بری طرح گھائل ہوئیں۔

''مت کرو میرے سامنے یہ اداکاری' تم عام جاہل حاسد گنوار فطرت رکھنے والی سوتیلی ماں ثابت ہوئیں۔ سوتیلے پن کے کلف میں اکڑی۔ ظالم' خودترسی کا شکار پست و محدود ذہنیت عورت۔''

''اتنے بدگمان و بداعتماد نہ ہوں روحیل' میں ماں ہوں۔ صرف ماں۔''

''مت چھیڑو مجھے' میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔ راکھ ہو جاؤ گی جل کر۔'' وہ گویا انگارے چبا رہے تھے' عظمت بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ صوفے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر رکھے ہوئے تھے۔ بچوں کی موجودگی کی وجہ سے یہ تلخ باتیں سرگوشیوں سے آگے نہ بڑھی تھیں۔

''سمجھاؤ' اپنی ماں کو بدشگونی نہ پھیلائے۔'' ان تینوں کو قریب آتے دیکھ کر وہ ترش روئی سے بولے۔

''ممی مت روئیں۔ ہماری لائبہ کو کچھ نہیں ہو گا۔'' عائشہ انہیں تسلی دینا چاہ رہی تھی۔ خود بھی آنسو ضبط نہ کر سکی۔ اسی اثناء میں شمیر اندر داخل ہوا تھا۔ گہری پینٹ بلیک شرٹ پر وائٹ اوورآل پہنے۔

''لائبہ کو ہوش آ گیا؟'' وہ سب بے چین ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے بلند و بے تاب آواز روحیل صاحب کی ابھری تھی۔

وہ خاموش تھا۔

کسی ہارے ہوئے لٹے پٹے جواری کی طرح دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا جواب دو شمیر' لائبہ کو ہوش آ گیا؟'' ارشد نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

''ہمیشہ ہنستا مسکراتا' کھلنڈرا اور شوخ مزاج شمیر اس وقت جیسے بولنا ہی بھول گیا تھا۔ ارشد کے جھنجوڑنے پر اس نے نفی میں گردن ہلائی اور آنکھوں پر بازو رکھ کر رونے لگا۔

''تم ڈاکٹر ہو کر رو رہے ہو۔ حوصلہ پکڑو۔ دعا مانگو۔ تم ڈاکٹر ہو۔'' اس کے پیچھے آتے ہوئے سینئر ڈاکٹر زاس سے نرمی سے مخاطب ہوئے۔

''میں ڈاکٹر کے علاوہ بھائی بھی ہوں۔ کیسے حوصلہ پکڑوں۔ کیا ڈاکٹر احساسات و جذبات سے عاری ہوتے ہیں۔ میری بہن زندگی کی آخری سانسیں لے رہی ہے۔ کہاں سے حوصلہ لاؤں۔ بھائیوں کے دلوں میں بہنوں کی شادی کر کے رخصت کرنے کا ارمان ہوتا ہے' معصوم و کنواری بہنوں کے جنازوں کو کاندھا دینے کی

خواہش کبھی جنم نہیں لیتی۔ کیا دعا مانگوں۔ کیسے دعا مانگوں۔ اس وقت تو ساری دعائیں اسے بددعائیں بن کر لگ رہی ہیں۔

''اچھی امیدوں کی آس تو آخری سانس تک سلامت رہتی ہے یار۔ دل سے نکلی دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ اللہ تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔'' ارشد اسے سینے سے لگاتے ہوئے بولا۔ ثمیر کے آنسو اس کے گریبان میں جذب ہونے لگے۔

''ڈاکٹر صاحب! کیا کنڈیشن ہے لائبہ کی۔'' نبیل نے ان کے قریب آ کر استفسار کیا۔

''ان کی کنڈیشن بدستور وہی ہے۔ ہم انہیں بچانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ سے امید ہمیشہ اچھی رکھنی چاہئے۔ یہ آخری گھنٹہ ان کی زندگی کے لئے بہت نازک ہے۔ بہرحال دواؤں سے زیادہ دعائیں طاقت اور اثر رکھتی ہیں۔ حوصلہ رکھیں آپ لوگ۔ چلیں ثمیر۔'' ان کے بعد وہ ان سب سے مخاطب ہوئے۔

''میری ایک درخواست ہے مسٹر وقار۔'' روحیل صاحب سینئر سرجن وقار رضا سے مخاطب ہوئے۔

''جی کہیے۔'' وہ لوگ ان سے مخاطب ہوئے۔

''میں ایک نظر اپنی بچی کو دیکھنا چاہتا ہوں صرف ایک نظر......''

''میں آپ کے جذبات و احساسات کو سمجھ رہا ہوں روحیل صاحب۔ آئی ایم سوسوری کہ یہ میری مجبوری ہے۔ میں فی الحال آپ کو آئی سی یو روم میں نہیں لے جا سکتا' مائنڈ مت کیجئے گا۔ کچھ وقت گزر جانے دیں پھر کوئی پابندی نہ ہوگی۔'' وہ ان کی دگرگوں' رقت انگیز کیفیت سمجھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے' وہ وہاں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکیں گے۔ ان کی ایسی کسی جذباتیت سے مریض کو نقصان پہنچنے کا سخت احتمال تھا۔

ڈاکٹرز اور نرسیں اس کے بیڈ کو گھیرے ٹریٹ منٹ دینے میں مصروف تھے۔ ثمیر اور سرجن وقار کو دیکھ کر ایک نرس نے مستعدی سے بیڈ کے پاس جگہ بنائی۔ سرجن وقار چند لمحے کے لئے ٹریٹ منٹ چارٹس اسٹڈی کرنے لگے۔ ثمیر کی کھوئی کھوئی نگاہیں بیڈ پر بے سدھ پڑی لائبہ کے زرد چہرے پر تھیں۔ دونوں بازوؤں میں ڈرپس کی سوئیاں گھسی ہوئی تھیں۔ آکسیجن ماسک کے ذریعے سانس لیتا ہوا یہ وجود۔ اتنا عزیز' اس قدر پیارا ہو جائے گا' یہ تو کبھی سوچا نہ تھا۔ تمہیں ہماری زندگی میں آئے ہوئے بہت کم عرصہ ہوا ہے سسٹر لیکن تمہارے وجود کے ایسے عادی ہو گئے ہیں جیسے تم کبھی ہمارے درمیان سے غائب رہی ہی نہ ہو۔ ہاں شاید' اسی محبت اور لگاؤ کو رشتوں کی کشش' خون کی تاثیر کہتے ہیں۔ تم ہماری محبتوں پر اعتبار نہیں کرتی تھیں اور ہماری چاہتوں کا امتحان لینے کا بہت خطرناک پلان ترتیب دیا ہے تم نے۔''

''ڈاکٹر! فون کال ہے آپ کی۔'' اس کی سوچوں کے تسلسل میں نرس کی دھیمی آواز نے ارتعاش پیدا کیا۔ اس نے گہری نگاہ لائبہ کے چہرے پر ڈالی۔ اور وہاں سے ڈاکٹرز روم کی طرف بڑھ گیا۔

''ہیلو۔'' اس نے ٹیبل پر رکھا ہوا ریسیور اٹھا کر کہا۔

''ہوش آیا اسے۔'' دوسری طرف سے بھاری اور سنجیدہ آواز ابھری۔

''نہیں۔''

''میں آ رہا ہوں۔''

''اُسامہ بھائی پلیز۔ محبتوں کو اتنی آزمائش میں نہ ڈالئے کہ پھر کچھ باقی نہ بچے۔''

''میں پروا نہیں کرتا محبتوں کی۔ اوں ہُنہ! یرغمال بنا لیا ہے محبتوں کو تم لوگوں نے۔'' اس کا لہجہ زہرخند تھا۔

''تاوان تو ہم سب کو ہی ادا کرنا پڑ رہا ہے۔'' ثمیر کی آواز دکھوں میں ڈوبی تھی۔

''ابھی تو میں برداشت کر رہا ہوں۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو......''

''وہ ہماری بہن ہے۔ سارے حق آپ ہی محفوظ نہیں رکھتے۔''

''ارشد کی زبان بول رہے ہو۔''

''نہیں' بہن کی محبت کی زبان۔ ارشد بھائی ہوں یا آپ میرے لئے دونوں رشتے یکساں معتبر و محترم ہیں۔

''مجھے لفظوں سے شکار کرنے کی کوشش مت کرو ثمیر۔ میں اسے ایک نگاہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''پلیز بھائی پلیز۔ ہم اس وقت بہت کڑے امتحان سے گزر رہے ہیں۔ برائے مہربانی آپ اس وقت ادھر مت آیئے گا۔ اب مزید کسی امتحان سے گزرنے کی استطاعت نہیں ہے ہم میں۔''

''ڈاکٹر صاحب' ڈاکٹر صاحب' مبارک ہو۔ آپ کی سسٹر کو ہوش آ گیا ہے۔'' وہ ریسیور پکڑے اُسامہ کو التجائیہ لہجے میں سمجھا رہا تھا کہ اسی لمحے میل نرس خوشی سے مسکراتا دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''اوہ تھینکس گاڈ۔ تھینکس۔ سن لیا آپ نے لائبہ کو ہوش آ گیا ہے۔ اللہ نے نئی زندگی دی ہے میری بہن کو۔ ثمیر کے مرجھائے چہرے پر ایک دم ہی مسرتوں کے گلاب کھل اٹھے تھے۔ ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ وہیں سجدے میں اپنے رب کے حضور گر گیا۔

❖ ❖ ❖

انور کے بیانات اور مہیا کئے گئے ثبوت کی بنا پر توفیق درانی صاحب اپنی ٹیم کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے تھے۔ انور نے جو ریکارڈ فائلز اور دوسری ایسی اہم دستاویزات فراہم کی تھیں' ان کے مطابق ہونے والی دہشت گردی اور تخریب کاری کا بروقت پتا نہ چلتا تو ناقابل تلافی نقصان ہوتا۔ مجرمان کی لسٹ میں بہت سے ایسے نام بھی تھے جو بظاہر ملک کی فلاح و بہبود' اس کی ترقی و خوشحالی کے لئے بہت بڑے دعوے کرتے تھے۔ ملک سنوارنے' ملک کی تقدیر بدل دینے کے عزم کا پرچار کرتے تھے۔ جن کی وطن دوستی و جذبۂ وطن پرستی پر انہیں بے شمار قومی اعزاز سے نوازا گیا تھا۔ درحقیقت ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والے ملک کو کمزوری و تباہی کی جانب لے جانے والے یہی مسالک زدہ لوگ تھے۔ جن کے اجلے چہروں کے پیچھے گھناؤنا اور کریہہ روپ چھپا ہوا تھا۔ جیسے کو ہی اپنا خدا' اپنا مذہب' اپنی زندگی ماننے والے یہ لوگ کسی بھی ملک کے وفادار نہیں ہوتے۔ غداری و زر پرستی ان کی سرشت میں شامل ہوتی ہے۔ توفیق درانی کو اپنی بصارتوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے بہت رازداری سے ساری انفارمیشنز' اوپر پہنچائیں۔ سینٹرل انٹیلی جنس بیورو کے سیکرٹ ہال میں ہنگامی میٹنگ کال کی گئی۔ جس میں چاروں ضلعی کمشنرز اور پولیس کے خاص اہم عہدیداروں نے شرکت کی۔ چیف آف انٹیلی جنس نے صدارت کی۔ اس میٹنگ کو اس قدر خفیہ رکھا گیا تھا کہ وہاں موجود چند افراد کے علاوہ پولیس کے شعبے سے تعلق رکھنے والے افسران بھی لاعلم تھے۔ خصوصاً پریس سے اس میٹنگ کو مکمل مخفی رکھا گیا تھا۔

انور کی جانب سے دیے گئے تمام ثبوت و بیانات کی وہاں اعلیٰ پیمانے پر جانچ پڑتال کی گئی۔ بہت اہم اور فوری کارروائیوں کے آرڈرز دیئے گئے۔ بہت سی خاص تجاویز کے بعد میٹنگ اختتام کو پہنچی۔ پھر انور کو لایا گیا۔ جسے میٹنگ کے دوران دوسرے کمرے میں بٹھایا گیا تھا۔ رضاکارانہ طور پر اس نے اپنی گرفتاری پہلے ہی پیش کر دی تھی۔ وہ توفیق صاحب کی کسٹڈی میں تھا۔ آج گواہ کی حیثیت سے وہ یہاں لایا گیا تھا۔ دو افسران کی معیت میں وہ ہال میں داخل ہوا تھا۔ اس نے اپنی خوشی سے گرفتاری دی تھی اس لئے اس کے ساتھ بطور رعایت ہتھکڑی استعمال نہ کی گئی تھی۔ وہ پُراعتماد چال چلتا ہوا سینٹر میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اس مقدس کتاب پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھاؤ۔ جو کچھ بھی کہو گے' سچ کہو گے کسی کے خوف یا دباؤ میں آ کر یا کسی مجبوری کی بنا پر جھوٹ نہیں کہو گے۔'' چیف آف انٹیلی جنس کی تحکمانہ بھاری اور بارعب آواز گرجدار بادل کی طرح گونجی تھی۔

''میں حلف اٹھاتا ہوں جناب' جو کچھ بھی مجھ سے پوچھا جائے گا۔ وہ پوری سچائی سے بیان کروں گا جو میرے علم میں ہے' جس کا میں چشم دید گواہ ہوں۔ خوف دباؤ کسی بھی فرد کے ذاتی یا اجتماعی مفاد سے بالاتر ہو کر اپنے ملک اور اپنے ضمیر کی پابندی کے لئے میں آپ لوگوں کے درمیان موجود ہوں۔'' اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''تمہارے جذبے قابل ستائش ہیں نوجوان کہ تم نے برائیوں کے اندھیرے میں بھٹک کر بھی ضمیر کی روشنی پا لی لیکن اس بات سے قطع نظر پولیس کی مدد کرنے کے ساتھ ساتھ تم نے مجرموں کا بھی ساتھ دیا ہے۔ چاہے مجبوری کی بنا ہی سہی اور جرم کی سزا لازمی ہے۔ بہرحال کوشش کی جائے گی' تمہیں کم سے کم سزا دی جائے اور تم معاشرے میں اچھے فرد کی طرح زندگی بسر کر سکو۔''

❖ ❖ ❖

گہرے پانیوں کے تاریک غاروں میں وہ سیپ کی مانند ڈوبتی جا رہی تھی۔ نیچے ہی نیچے' گھاٹیاں تھیں کہ ختم ہی نہ ہو رہی تھیں۔ شدید ٹھنڈ کا احساس اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ سمندر کی گہرائی ناقابل پیمائش تھی۔ کوئی احساس جاگزیں نہ تھا' ماسوائے اس احساس کے کہ اس کا جسم بے جان ہے' سانس رکتی جا رہی ہے سر بھاری پتھر میں تبدیل ہو کر بے انتہا درد کی آماج گاہ بن گیا ہے۔ ہر طرف گہرے سمندر کی تاریکی تھی' پانی کی لہروں میں ڈوبتا۔ اس کا تنہا وجود تھا آس پاس کچھ بھی نہ تھا جو اس کے ڈوبتے وجود کو سہارا دیتا۔ اس کے گرتے وجود میں تیزی آ گئی' تاریکی مزید گہری ہونے لگی۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ سانس صرف سینے کے اندر چکرا رہا تھا۔ گہرے پانی کا جامد سکوت اس کی روح میں پھیلتا جا رہا تھا۔ سانسیں سینے میں الجھنے لگی تھیں۔

''لائبہ' مس لائبہ' جامد سکوت اور تاریک سناٹوں میں ارتعاش پیدا کرتی ہلچل مچاتی آواز اسے لگا' کوئی بہت دور سے پکار رہا ہو۔ ''لائبہ لائبہ......'' گہرے تاریک پانیوں میں سفر کرتا اس کا وجود یکلخت رک گیا۔ کوئی بہت بلندی سے اسے پکار رہا تھا۔ ''لائبہ۔'' مانوس سی آواز اس کے سرد پڑتے احساسات کو زندہ کر گئی۔ کوئی اسے ہی پکار رہا تھا۔ اس کا وجود اندھیرے سے نکل کر روشنیوں میں آ گیا مگر سانس...... ''لائبہ آنکھیں کھولو۔ لائبہ...... ہا...... ں...... آ...... ں۔'' سینے میں اٹکتا سانس ناک کی طرف بڑھتے ہوئے جیسے سوراخ زدہ پائپ سے گزر رہا ہو۔ جیسے ان سوراخوں سے سانس اوپر جانے کے بجائے نیچے آ رہی ہو۔ جان توڑ جدوجہد کے بعد اس کا سانس ہموار ہوا۔

''ہاں۔'' اس کے منہ سے درد میں ڈوبی آواز ابھری۔ لمحے بھر کو اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کے چاروں طرف سفید سفید ملبوس بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں دوبارہ بند ہو گئیں پھر اسے ہوش آیا تو وہ خطرے سے باہر تھی اور پرائیویٹ روم میں منتقل ہو گئی تھی۔

''دماغ ابھی بھی تاریک شوریدہ لہروں کی زد میں جیسے ہچکولے کھا رہا تھا۔ ڈوبتا اُبھرتا دائیں بائیں گھومتا۔ اس بار تاریکی اور گمبھیر سناٹوں میں واضح کمی تھی۔ سانس ہموار تھی' جسم میں بھی کچھ زندگی کی گرمائی محسوس ہوتی حرارت تھی۔ جسم و روح کو برف بنائے دینے والی سرد کیفیت معمولی تھی۔ سر میں وہ درد اور تکلیف کے دھماکے قدرے کمزور پڑ چکے تھے۔ پتھر جیسی بے حسی بھی رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی۔ چہرے پر پڑتی پھوار سے اس کا خوابیدہ ذہن دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگا۔ مضبوطی سے بند پلکیں دھیرے دھیرے کھلنے لگیں۔ پھوار کی نمی ابھی بھی چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آنکھیں آہستگی سے کھولیں۔ سوئی سوئی بے تاثر آنکھیں۔

''لائبہ...... میری بچی' میری روح۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو تمہارا باپ زندہ ہی قبر میں لیٹ جاتا۔'' درد و کرب میں ڈوبا لہجہ' چہرے پر بہتے آنسو' جو اس کے چہرے پر گر رہے تھے۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ ''لائبہ...... بولیں بیٹا' بات کریں۔'' وہ اس کی پیشانی چوم کر بھرائے ہوئے لہجے میں بولے۔ اس کی بے تاثر آنکھوں میں شعور کی چمک پیدا ہو گئی۔ منتشر ذہن کی کرچیاں سمٹ گئیں۔ اس نے حیرت سے اپنے اوپر جھکے چہرے کو دیکھا۔ باوقار و شفیق نرم مسکراہٹ والا چہرہ جو عمر کے اس حصے میں بھی روشن و تاباں رہتا تھا۔ اس وقت یہ چہرہ' کس قدر پریشان' فکروں اور اندیشوں میں گھرا اپنی ساری شگفتگی و روشنی جیسے کھو بیٹھا تھا۔ یک لخت ایسا ستم ٹوٹا تھا کہ وہ تھکے تھکے نڈھال اپنی عمر سے زیادہ دکھائی دے رہے تھے۔

''لائبہ بولو بیٹا' میری جان ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔'' انہوں نے اس کے شفقت سے بال سنوارے۔

''میں مر کیوں نہیں جاتی۔ اللہ آپ کو میری عمر بھی لگا دے۔''

''ایسی باتیں نہیں کرو' تین راتیں' دو دن گویا پل صراط پر لٹکے رہے ہیں ہم۔ ہماری محبتوں کا امتحان اس طرح مت لو بیٹا۔'' اس کے منہ سے نکلنے والے جملے روحیل صاحب کو تڑپا گئے۔ وہ اس کے بالوں کو چومتے ہوئے کچھ اس بے قراری و رنجیدگی سے بولے کہ اس کے دل و دماغ پر پڑا بدگمانی و خفگی کا پردہ ہٹتا چلا گیا' اس کا انتظار ختم

ہو گیا آنکھوں میں چراغ جل اٹھے۔

''ڈ...... ڈیڈی...... میں اتنی بدنصیب کیوں ہوں۔ میرا نصیب آنسوؤں سے کیوں لکھا ہوا ہے۔'' وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر شدت سے رو دی۔ پرسکون حیات بخش مہک اس کی رگ رگ میں اتر گئی۔ اس مہک کے لئے' اس شفقت بھری آغوش کے لئے اس نے خار دار صحرا کو تنہا عبور کیا تھا

''نہیں میری بیٹی تم جیسے خوش نصیب تو بہت کم ہوتے ہیں۔ آنسوؤں کے بعد مسرتیں بھی آپ کو ملیں گی۔

''ڈیڈی! ہمارا بھی کچھ خیال کیجئے' ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں۔'' شمیر ان سب کے ہمراہ اندر آتے ہوئے تیزی سے اس کے نزدیک آ گیا۔ روحیل صاحب نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور سائیڈ پر رکھے کوچ کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے چہرے پر برسوں بعد پرسکون واطمینان بخش مسکراہٹ آئی تھی۔ ان کا انگ انگ مسرت وکامرانی سے جھوم رہا تھا آخر آج وہ مبارک لمحہ آ ہی گیا تھا جب ان کی بیٹی نے انہیں ڈیڈی کہہ کر مخاطب کیا۔ کتنا میٹھا وسکون بخش ہے یہ لفظ 'ڈیڈی' انہیں آج صحیح معنوں میں اس لذت کا احساس ہوا۔ سالوں سے ان کے تینوں بیٹے انہیں ڈیڈی کہتے تھے مگر آج نئے احساس سے وہ نہال ہو گئے تھے۔

''اے لڑکی اگر آرام کرنے کو اتنی ہی بے چین تھیں تو پہلے کہہ دیا ہوتا۔ میں تمہیں کاغان' کالام' سوات وغیرہ لے جاتا۔ یہ اسپتال وزٹ بھی کوئی وزٹ ہوتا ہے۔'' شمیر اس کے بال بکھیرتے ہوئے شوخی سے بولا۔ اس کے چہرے پر اس وقت مخصوص شوخ وکھلنڈرا رنگ تھا۔ جیسے وہ کچھ گھنٹے قبل بچوں کی طرح رویا ہی نہ ہو۔

''اڑتالیس گھنٹے پچاس منٹ تم نے ہم سب کو پریشانیوں' فکروں اندیشوں کی سولی پر چڑھائے رکھا ہے۔ تمہاری بے انتہا محبتوں کے جال میں جکڑے ہم لمحے لمحے کی اذیت میں گرفتار رہے ہیں۔ بس اب تیار رہنا۔ میں تو گن گن کر بدلے لوں گا' کوئی بدلہ لے نہ لے سمجھیں۔''

''تمہارے کپڑے میلے ہو رہے ہیں۔'' وہ طمانیت وآسودگی سے مسکرائی۔

''کپڑے اس کے ہی نہیں ہم سب کے میلے ہو رہے ہیں گڑیا۔ کیونکہ تین دن سے ہم سب یہیں ہیں۔ تم بتاؤ...... طبیعت کیسی ہے۔'' ''سر میں تکلیف تو نہیں ہے نا۔'' نبیل اس پر جھکا پوچھ رہا تھا۔

''نہیں بھائی! سب کے چہرے ایسے ہو رہے ہیں اداس اداس پریشان پریشان۔ آپ لوگ اب آرام کریں۔'' بدگمانی وقنوطیت کی گرد ذہن سے جھڑتی جا رہی تھی۔ یہ مہربان وپریشان چہرے جن کے بکھرے بال میلے لباس' خراب حلیے' بے تحاشا محبتوں وچاہتوں' اپنائیتوں کے پرخلوص مظہر' منافقت سے پاک گلاب جو اپنے لئے اس نے ان کی آنکھوں میں دیکھے تھے۔ اسے پہلی بار لگا وہ تنہا نہیں ہے۔ اس کے اپنے ہیں' چاہنے والے ہیں' بے لوث وبے غرض محبت کرنے والے ہیں۔ وہ ہی بے حسی وخودترسی کا شکار ہو گئی تھی جو ان پُرخلوص وبے ریا محبتوں سے جگمگاتے وجودوں کو پہچان نہ پائی تھی مگر آج وہ مکمل ہو گئی تھی' اپنوں کی ہمراہی میں۔

عائشہ اس سے ملتے وقت بے اختیار رو دی۔ عظمت نے دعائیں دیتے ہوئے اسے پیار کیا۔ وہ خود کو ملامت کر رہی تھی کہ کیوں اتنی انجان رہی۔ کیوں بے خبر رہی' اپنی ذات میں مقید' اپنے ماضی میں پناہ گزیں۔ باہر اس کے لئے پیار کے چشمے ابل رہے تھے۔ اور وہ پیاسی صحراؤں کی خاک چھانتی رہی۔ آج اس کی روح سیراب ہو گئی تھی۔ بنجر دل کی زمین پر سبزہ لہلہانے لگا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' سب سے آخر میں ارشد اس کے پاس آیا تھا۔ ارشد کی طرف اس نے چونک کر دیکھا۔ معاً اس کے سر میں دھماکے ہونے لگے۔ وہ بھیانک روح فرسا منظر اس کی نگاہوں میں گھومنے لگا۔ اُسامہ کی تھپڑ کی گونج دار آواز ابھری اور پھر دونوں جنگلی بھینسوں کی طرح بھرپور انداز میں ایک دوسرے کی طرف بڑھے تو دونوں کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا اور انداز سے لگتا تھا' دونوں میں سے ایک ضرور ختم ہو جائے گا۔

''بھائی۔'' اس کی دہشت زدہ آواز نکلی۔ رنگ تیزی سے زرد پڑنے لگا۔ آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔

''میں ہوں لائبہ' کچھ نہیں ہوا۔ دیکھو میری طرف۔'' ارشد اسی اندیشے کے تحت اس کے سامنے نہیں آنا چاہ رہا تھا مگر دل نہیں مانا تو وہ بے اختیار ہو گیا تھا۔ وہ نرم لہجے میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شمیر اس کے قریب کھڑا تھا۔ باقی لوگ کوچ پر بیٹھے تھے۔ استفہامیہ نگاہوں سے دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''بھائی...... بھائی میں بہت بری ہوں' میری وجہ سے آپ کو......''

''میری بہن بہت سویٹ ہے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔'' ارشد نے اس کی بات جلدی سے قطع کی مبادا اُسے پھر کچھ نہ ہو جائے۔''

''روؤ نہیں پلیز' پھر طبیعت بگڑ جائے گی۔'' ارشد نے رومال سے اس کے آنسو صاف کیے۔

''امی اب کھانے کا بندوبست کریں۔ قسم سے میرے پیٹ میں چوہے بھوک کے مارے دوڑتے دوڑتے نیم بے ہوش ہو گئے ہیں۔ اگر انہیں فوری خوراک نہ ملی تو فوت ہو جائیں گے اور ان کے قتل کی ایف آئی آر آپ کے خلاف کاٹی جائے گی۔'' شمیر اپنے مخصوص انداز میں بولا تو سب کے ساتھ لائبہ بھی روتے چہرے سے دھیرے سے ہنس پڑی۔

''ممی' میں کپڑے چینج کر کے آ جاؤں گی' رات کو لائبہ کے پاس رک جاؤں گی۔'' عائشہ اٹھتے ہوئے عظمت سے مخاطب ہوئی۔

''آپ کو سیف کی وجہ سے پریشانی ہو گی۔ میں رک جاؤں گی یہاں۔''

''عائشہ رک جائیں گی تو آپ پریشان ہوں گی۔ سیف کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ آپ سے بہت مانوس ہے۔ رات کو بے فکری سے آپ کے پاس سو جائے گا۔'' روحیل بہت ملائمت اور سادگی سے گویا ہوئے تھے مگر ان کی نرمی میں جو تپش وگریز تھا' وہ سمجھ گئی تھیں۔

''یہاں نہ ممی رکیں گی اور نہ بھابی جان۔ یہاں صرف میں رکوں گا۔ میری اس پورے ہفتے کی نائٹ ڈیوٹیز ہیں۔ ویسے بھی اس کی تیمارداری میں خود بھی اچھی طرح کرنا چاہتا ہوں۔'' شمیر مسکراتے ہوئے اسے گھور کر بولا اور عظمت بیگم جو روحیل صاحب کے رویے سے شاکی ہو کر بولنے ہی والی تھیں' خاموش ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ سب چلے گئے۔ لائبہ دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی۔

رات کا نہ معلوم کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی۔ بائیں طرف بیڈ کے قریب اسٹینڈ پر گلوکوز کی بوتل بھری ہوئی لٹک رہی تھی جیسے ابھی لگائی گئی ہو۔ بائیں بازو میں اس کی نیڈل گھسی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں گرتے قطروں پر جم گئیں۔ ایک ایک قطرہ گر رہا تھا اور سوئی کے ذریعے اس کے جسم میں داخل ہوتا جا رہا تھا۔ کتنی سخت جان ہوں میں' موت تیزی سے قریب آتی ہے مگر نہ معلوم کیوں چھوئے بغیر گزر جاتی ہے۔ اس نے یاسیت سے سوچا' دائیں طرف گردن گھما کر دیکھا تو دو نرسیں چیئرز پر بیٹھی بے خبر سو رہی تھیں۔ کھڑکیوں پر رشمیں سرخ وکریم پرنٹڈ بھاری پردے پڑے ہوئے تھے جن پر اسپتال کا مونوگرام چسپاں تھا۔ کمرے کی دیواریں آف وائٹ تھیں' سائڈ پر اٹیچڈ باتھ کا براؤن دروازہ نظر آ رہا تھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اے سی کی ٹھنڈک سکون بخش تھی۔ کمرے کا جائزہ لینے کے بعد اس کی نگاہیں دوبارہ نرسوں پر جم گئیں۔ سر سے پیر تک وائٹ لباس میں ملبوس بے خبری کے عالم میں سوتی ہوئی نرسوں پر اسے ترس آیا۔ انسانی خدمت کے جذبے سے سرشار ایسے لوگ کتنے معتبر وعظیم ہوتے ہیں۔ نیند جو انسانی زندگی کی سب سے اہم اور بڑی ضرورت ہے' جسے یہ لوگ مریضوں کی خاطر اکثر قربان کرتے رہتے ہیں۔

''ہیلو' نیند بھر گئی۔'' شمیر دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ اس کی آواز سن کر وہ دونوں ہڑبڑا کر اٹھی تھیں' جبکہ لائبہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

''یہاں سونا بن رہا ہے۔'' وہ دونوں نرسوں سے دیدے گھما کر مخاطب ہوا۔

''وہ' سر ایسے ہی بس۔'' وہ دونوں بوکھلا گئی تھیں۔

''سونا تم عورتوں کو بہت پسند ہے۔ سسٹرز روم میں بھی سب اسی کام میں مشغول ہیں۔ روم نمبر تھری میں مریض کا ایک ایک گھنٹے بعد بی پی چیک کریں اور چارٹ کے مطابق میڈیسن دیں اور پلیز' دو کپ چائے بنا کر دے جائیں۔'' او کے' وہ دلکشی سے مسکرایا۔

''جی سر۔'' دونوں نرسیں بھی مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔

''ہوں۔ کیا ہو رہا ہے۔'' وہ اس کے قریب آ کر شرارت سے اپنی پیشانی اس کی پیشانی سے دھیرے سے ٹکرا کر بولا۔ بلو جینز بلو اینڈ وائٹ لائننگ شرٹ میں کافی فریش و اسمارٹ لگ رہا تھا۔'' ٹائم کیا ہو رہا ہے؟''

''ڈیڑھ بجا ہے۔'' وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا بولا۔

''اوہ۔ اور تم اتنے فریش اور خوشگوار موڈ میں لگ رہے ہو جیسے صبح سویرے واک کر کے آ رہے ہو۔''

''اگر تمہارے جیسا چہرہ لے کر وارڈ میں جاؤں گا تو مریض ڈاکٹروں کو بھی اپنی طرح دیکھ کر فوت نہ ہو جائیں گے۔'' وہ مسکرا کر بولا' مریضوں کی آدھی بیماری ڈاکٹرز کی پرخلوص دیکھ بھال اور توجہ سے دور ہوتی ہے تو مکمل بیماری ڈاکٹرز کی شگفتگی وخوش مزاجی سے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پلیز مجھے بیٹھنے میں مدد دو۔ میری کمر تختہ بن گئی ہے' لیٹے لیٹے اور اس سے کب جان چھوٹے گی۔'' شمیر نے بازوؤں کے سہارے سے اسے اٹھا کر تکیوں کے سہارے نیم دراز کر دیا۔

''یہ ڈرپ تو تمہیں ابھی مستقل لگتی رہیں گی۔ اتنے شدید دماغی بحران سے گزری ہو۔''

''لیجیے سر۔'' نرس ٹرے میں دو کپ چائے رکھ کر لے آئی تھی۔

''تھینک یو سسٹر۔'' اس نے ایک کپ خود لیا اور دوسرا لائبہ کی طرف بڑھایا۔ نرس جا چکی تھی۔

''لائبہ......'' اس کی گہری وخلاف معمول سنجیدہ آواز وانداز پر اس نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

''اُسامہ بھائی کی بے شمار کالز آ چکی ہیں۔ وہ بات کرنا چاہتے ہیں تم سے۔ بات کرو گی؟''

اس کے اندر جیسے تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے' انتشار وبے ترتیبی پھر دماغ میں ہونے لگی۔

''وہ بہت پریشان ہیں۔ از حد فکرمند ہیں تمہاری طرف سے۔'' شمیر نے بغور اس کی سمت دیکھا۔

جو پریشانیوں کا سوداگر ہو وہ خود کیسے پریشان ہو سکتا ہے۔ وہ 'دلوں' میں تخریب کاری کرنا جانتے ہیں۔ لوگوں کو الجھنوں وفکروں میں ڈالنا جن کا محبوب مشغلہ ہو' وہ بھلا کسی کے لئے کیوں کر فکرمند ہوں گے۔ ابھی ان کی کوئی حسرت باقی ہو گی کوئی خواہشِ شر انہیں بے کل کر رہی ہو گی۔ جبھی وہ بے قرار ہیں۔ وہ بری طرح برافروختہ تھی اس کی طرف سے۔

''میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے ان حالات کے پیچھے ارشد بھائی کے علاوہ ان کا بھی کوئی کردار ضرور ہے' کیونکہ جب بھائی تمہیں یہاں لائے تو بہت پریشان تھے۔ تم اس وقت نروس بریک ڈاؤن کے اٹیک کے زیر اثر بے ہوش تھیں۔ بہت زیادہ سیریس کنڈیشن تھی اگر بھائی بروقت نہ لے آتے تو شاید۔ خیر...... تمہاری حالت کے پیش نظر تمہیں فوری طور پر انتہائی نگہداشت میں رکھا گیا اور کچھ دیر بعد اُسامہ بھائی کا فون آ گیا میرے نام۔ انہوں نے تمہارے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا' ارشد لائبہ کو یہیں لا سکتا تھا۔ تمہاری خطرناک کنڈیشن میں نے بتا دی۔ اس وقت تمہارے لئے میڈیسن لے کر ارشد بھائی آ گئے۔ انہوں نے ان کی آواز سن لی تھی۔ میں تو حالات سے لاعلم تھا۔ انہوں نے کہا۔'' اگر وہ اپنی زندگی چاہتا ہے تو اس سے کہہ دو یہاں نہ آئے۔ ورنہ وہ دیکھتے ہی انہیں شوٹ کر دیں گے۔ اور نہ ہی فون کال کرے۔'' ارشد بھائی کا لہجہ آنکھوں میں جما خون کوئی بعید نہ تھا۔ وہ جو کہہ رہے ہیں وہی کر بھی گزریں گے۔ ان کا انداز ہی اتنا خونخوار تھا۔ میرا ذہن الجھنے لگا تھا کہ کوئی بات ہے ضرور۔ تمہاری سیریس کنڈیشن' اُسامہ بھائی کی پریشانی وبے چینی سے تمہارے متعلق پوچھنا' ارشد بھائی کی آنکھوں میں خون اُترنا' ان کا نام سن کر...... میں نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ یہاں نہ آئیں۔ فون کے ذریعے تمہارے متعلق پوچھتے رہیں اور ساتھی کولیگ کو میں نے سمجھا دیا کہ اگر میری غیر موجودگی میں فون آئے تو خاموشی سے مجھے بلوائیں۔ نہ چاہنے کے باوجود انہوں نے میرے وعدے کی لاج رکھی ہے۔ میں نے بھی ان سے وعدہ کیا تھا کہ جب تمہیں ہوش آئے گا تو تمہاری بات ان سے کرواؤں گا۔ پلیز اب میرے وعدے کی لاج رکھ لو۔ پلیز وہ ایسے شخص نہیں ہیں۔ انہیں اچھی طرح جانتا ہوں میں۔ بہت سنجیدہ وباوقار' حساس وپرخلوص ہیں وہ۔ میرا آئیڈیل ہے ان کی مضبوط وباکردار شخصیت۔''

''نہیں شمیر۔ میں ارشد بھائی کے مان کو نہیں توڑ سکتی۔''

''بھائی کو معلوم نہیں ہوگا۔ ابھی پندرہ منٹ قبل ان کی کال آئی تھی۔ انہوں نے کہا ہے اگر اب بھی تم سے بات نہ کروائی گئی تو وہ ہر مصلحت ہر عہد کو نظر انداز کر کے اسپتال آ جائیں گے اور اس بات سے تو تم بھی واقف ہو گی وہ جو کہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ حد درجہ بے خوف و نڈر ہیں۔''

''سر کال ہے آپ کی۔'' نرس شمیر کا موبائل فون ہاتھ میں لئے اندر آ کر بولی۔ لائبہ اور شمیر نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ''ہیلو'' اس نے سنجیدگی سے موبائل ہاتھ میں پکڑا۔ ''نہیں ابھی جاگی ہے' میں کال کرنے والا تھا کہ آپ کی کال آ گئی۔ لائبہ سے بات کیجئے۔'' اس نے التجائیہ نگاہیں اس کے چہرے پر ڈالیں' جیسے منت کر رہا ہو کہ پلیز بات کر لو۔ لائبہ کو بے دلی سے موبائل پکڑنا پڑا۔ شمیر مریض کو دیکھنے کے بہانے سے نرس کے ساتھ باہر نکل گیا تا کہ وہ اطمینان سے بات کرے بلا جھجک۔

''ہیلو۔'' آواز اس کی سپاٹ اور بیگانگی سے پر تھی۔

''ہیلو...... کیسی ہو۔'' دوسری طرف سے گمبھیر و دلکش پر اشتیاق لہجے میں پوچھا گیا۔

''زندہ ہوں۔ اس کی رگ رگ میں جیسے زہر دوڑنے لگا۔

''ہوں۔ تمہیں زندہ رہنا ہی پڑے گا۔ میرے لئے' میری خاطر۔'' محبت بھرے لہجے میں ہٹ دھرمی عود کر آئی۔

''آپ نے مجھے زندہ رہنے کے احساس سے متوحش کر دیا ہے۔ میری زندگی کے ساتھ میرے اپنوں کے دکھ دوسروں سے مشروط ہو چکے ہیں۔ میں انہیں ان احساسات کے عذاب میں مبتلا نہیں کروں گی۔ خودکشی کر لوں گی میں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ تمہارے بعد میرے لئے زندگی کا تصور بے رنگ و بے معنی ہو جائے گا۔ تم خودکشی کر لینا مگر یاد رکھنا پھر میں بھی تم سے وابستہ لوگوں کو لمحے لمحے کی اذیت ناک موت ماروں گا۔ زندگی جہنم بنا دوں گا۔ تمہاری موت کا انتقام اتنا بھیانک لوں گا کہ تمہارے اپنوں کی روحیں صدیوں تک بلبلاتی پھریں گی۔''

''اف۔'' اس کا لہجہ جیسے ہزاروں اژدہے زہریلی شعلے اگلتی پھنکاریں مار رہے ہوں۔ اس کے بہتے آنسو ساکت ہو گئے دل کی دھک دھک میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

''آپ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''میں بزدل نہیں ہوں نہ کسی کے رعب میں آتا ہوں۔ ایک زمانے سے ٹکرا کر تمہیں اپنایا ہوا ہے۔ تم میرے احساسات کیوں نہیں سمجھتیں۔'' لہجہ نرم مگر سرد مہر تھا۔

''مجھے نہیں پتا کیا ہوگا۔ میری زندگی الجھن در الجھن کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ معلوم گردش وقت کا وہ کون سا منحوس لمحہ تھا جس منحوس لمحے میرا وجود اس دنیا میں آیا اور ان نحوست بھری ساعتوں کے سارے اثرات میرے وجود سے سانس بن کر چمٹ گئے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔ موبائل سے اُسامہ کی ہیلو ہیلو کی آواز متواتر آ رہی تھی۔ جواب میں صرف اس کی سسکیوں کی آوازیں تھیں۔ روتے روتے جھلا کر اس نے موبائل آف کر دیا۔

✦ ✦ ✦

''سوچ لیں' اماں جان۔ وہاں اب صرف دیور دیورانی کا رشتہ ہی نہیں ہے بلکہ اب وہ بہت نازک و حساس رشتے میں بندھ چکے ہیں۔ سمدھیانے کے رشتے میں ہم ان کی بچی کی عیادت کو نہ جائیں' یہی بات کہیں تعلقات اور محبتوں میں فاصلے نہ پیدا کر دے۔'' کوثر بیگم اماں جان کے قریب بیٹھی آہستہ روی سے کہہ رہی تھیں۔ زینی ان کے ساتھ بیٹھی تھی' اس کے چہرے پر پریشانی و تفکرات کے گہرے اثرات تھے۔

''ابھی ہم بیٹھے ہیں' سوچنے سمجھنے والے۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے سمدھیانے کی فکر کرنے کی۔ جب ہمارا اس 'لڑکی' سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو کیوں ہم جائیں۔ ہماری بلا سے وہ مرے یا جئے۔ ہمارا خون نہیں ہے وہ۔'' اماں جان کا لہجہ ہمیشہ کی طرح سرد' بے مہر اور قطعی تھا۔

''اماں جان! ارشد بہت زیادہ چاہتا ہے لائبہ کو وہ بہت محسوس کرے گا اور اس کا مزاج گھر والوں سے بہت مختلف ہے۔ زینی کی ازدواجی زندگی پر بہت اثر پڑے گا۔''

''وہ کتنا ہی خودسر گستاخ کیوں نہ ہو جائے مگر ہماری حدود سے باہر نہیں نکل سکتا۔''

''اماں جان' مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔ میرا جانا ضروری ہے۔ ورنہ ارشد......''

''جب ہم ایک بار فیصلہ کر لیں تو تکرار نہ کیا کرو۔ ارشد ہم سے بڑا نہیں ہے جو تم خوفزدہ ہو۔'' وہ زینی سے مخاطب تھیں۔ عصر کی اذان ہو گئی تھی۔ وہ وضو کرنے باتھ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ دونوں ان کے کمرے سے نکل کر اپنے پورشن میں آ گئیں۔

''ممی...... ممی' اب کیا ہوگا۔ ارشد تو کبھی بھی معاف نہیں کریں گے کہ میں ان کی بہن کی عیادت کو نہیں گئی۔ اماں جان سوچ بھی نہیں سکتیں' وہ کتنے بدل گئے ہیں' وہ لائبہ کے معاملے میں کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔'' اپنے کمرے میں آ کر وہ ماں کے سینے سے لگ کر رو پڑی۔

''فون کب آیا تھا؟'' کوثر بیگم خود صورتحال سے بدحواس تھیں۔

''کل آیا تھا ملازمہ نے کیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی' لائبہ بی بی کو نہ معلوم کیا ہو گیا ہے۔ تین دن سے اسپتال میں بے ہوش ہیں۔ سب گھر والے اسپتال میں ہیں اور گھر پر قرآن خوانی وغیرہ ہو رہی ہے۔ اس نے مجھے بتانے کے لئے فون کیا تھا پھر شام کو اس نے فون کیا کہ لائبہ کو ہوش آ گیا ہے۔

''کیا کروں بیٹا۔ اماں جان سے بغاوت کرنے کی جرات کبھی مجھ میں نہیں ہو سکتی۔ اماں جان کے فیصلے اور مزاج سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ کس کی چل سکتی ہے ان کے آگے۔ تم روؤ نہیں' میں خود ارشد کو سمجھا دوں گی۔'' وہ اپنے دوپٹے سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے محبت سے سمجھانے لگیں۔

''وہ سمجھنے سمجھانے کی حدود سے باہر نکل چکے ہیں ممی۔ میں آ رہی تھی تو انہوں نے کہا تھا جو سامان لے جانا چاہو لے جاؤ۔ آہ ممی۔ آہ...... آہ۔'' درد کی تیز لہر اس کے پہلو میں اچانک اٹھی اور وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگی۔ کوثر بدحواس سی ہو کر ماریہ کو پکارنے لگیں۔

✦ ✦ ✦

''خیریت تو ہے ڈیڈی۔ بہت اپ سیٹ نظر آ رہے ہیں۔'' کنول جو شام کی چائے کے لئے مما کے بلانے پر باہر آئی تھی' لان میں کرسی پر از حد متفکر و پریشان بیٹھے توفیق درانی سے مخاطب ہوئی۔ مسز توفیق ان کے برابر میں بیٹھی نمکو پلیٹ میں نکال رہی تھیں۔

''خیریت ہی ہے بیٹا۔ آپ سنائیں' اسپتال میں کام کیسا ہو رہا ہے۔ آپ کی مما بتا رہی تھیں' تین دن بعد آپ گھر آئی ہیں۔ کوئی سیریس کیس آ گیا تھا۔'' کنول کے چہرے پر اپنے لئے پریشانی و تردد دیکھ کر وہ زبردستی موڈ خوشگوار کر کے گویا ہوئے۔

''جی ڈیڈی...... ڈاکٹر شمیر ہے' ہمارے اسٹاف میں بہت شوخ مزاج روتے کو ہنسا دینے والی طبیعت ہے اس کی۔ جونیئر ہے مجھ سے کافی' ہاؤس جاب مکمل ہونے والا ہے اس کا۔ اس کی سسٹر ایڈمٹ ہے اسپتال میں۔ اس کی وجہ سے تین دن رکنا پڑا تھا۔ نروس بریک ڈاؤن کا کیس تھا انتہائی سیریس' اب آپ بتائیں' کیوں اس قدر نروس لگ رہے ہیں۔'' بیٹی تھی' کس طرح بھلا باپ کی پژمردگی و رنجیدگی چھپ سکتی تھی۔

''ایک ماہ سے ایک خاص کیس پر کام کر رہے تھے توفیق آپ کو تو معلوم ہی ہے جب کسی کیس پر کام کرتے ہیں تو چین و آرام سب خود پر حرام کر لیتے ہیں۔ اس بار تو کیس بھی ایسے ملک دشمن ایجنٹ کا تھا کہ جس کی خاطر دن رات ایک کر دیے تھے۔ مگر ساری محنت غارت گئی۔'' مسز توفیق پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے تاسف بھرے لہجے میں بولیں۔

''دراصل انفارمر نے اطلاع دی تھی۔ تخریب کاریوں' ہنگاموں اور دہشت گردیوں میں ایک گروہ ملوث ہے اور اسے ایک آدمی ہینڈل کر رہا ہے جو خود کو 'سرکار' کہلواتا ہے اور خود کو ہمیشہ نقاب میں چھپائے رکھتا تھا۔ وہ کسی دشمن کا ایجنٹ تھا۔ جس کا کام ملک میں بدامنی و انتشار پھیلانا تھا جس میں وہ بہت کامیاب ہوا۔ اس کا طریقہ اتنا شاطرانہ تھا کہ اس کے شیطانی کارناموں کو مواقع ملے۔ اس کے ساتھیوں میں ایک نوجوان جو اپنے حالات کے ہاتھوں برائی پر مجبور ہو گیا تھا لیکن اندر سے برا نہ تھا' اس ایجنٹ کے ساتھ کام کرتے وقت اس کا جذبۂ حب الوطنی جاگ اٹھا اور وہ بہت خاموشی سے مجھے نام بتائے بغیر ہونے والی وارداتوں کے متعلق انفارمیشن فون کالز کے ذریعے پہنچانے لگا اور میرا کام آسان ہو گیا' پھر اچانک اس کی طرف سے انفارمیشن آنی بند ہو گئیں۔ میں انتظار کر کے خاموش بیٹھ گیا۔ ایک ماہ قبل وہ بذات خود ملا۔ اپنا تعارف کرایا اور خود اپنی گرفتاری دے دی۔ ساری حقیقت بتانے کے بعد اس نے تمام ثبوت دیے تھے۔ اس سلسلے میں کافی بھاگ دوڑ ہوئی' خفیہ میٹنگز ہوئیں اس منظم و خطرناک گروہ کو پکڑنے کے لئے لائحہ عمل مرتب کئے گئے' مشورے و تجاویز پاس ہوئیں' پچھلے ہفتے اس کے ہیڈ کوارٹر پر چھاپہ مارا۔ انور کی نشاندہی پر اس کے اور بھی بہت سے اڈوں پر چھاپے مارے گئے مگر خالی تھے۔ وہ راتوں رات ملک سے فرار ہو گیا اور اس کے ساتھ بھی جو باعزت افراد ملے ہوئے تھے' وہ بھی ملک چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لے چکے ہیں۔ وہ چھوٹے مہرے ہی گرفتار ہوئے ہیں جو ان کے اشارے پر کام کرتے تھے۔ انور پر مقدمہ چل رہا ہے۔ چند سال کی سزا اسے ضرور ہو گی۔''

''یہ کیسی بے انصافی ہے۔ اس نے خود گرفتاری دے دی' قانون کی مدد کی' اس ملک دشمن کا انکشاف کیا۔ جو بڑی مچھلیاں تھیں وہ پھسل کر جال توڑ کر نکل گئیں۔ اس کو سزا کیوں ملے۔''

''بیگم...... گناہ دانستہ کیا جائے یا غیر دانستہ گناہ ہی ہوتا ہے۔ جرم چھوٹا ہو یا بڑا' سزا تو بہرحال ضرور ملتی ہے۔ اس کی کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت چھوٹی سزا ملے گی اسے۔''

''میری یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ڈیڈی' جب یہ ساری کارروائیاں بہت خفیہ اور خاموش انداز میں کی گئی تھیں تو مجرموں تک خبر کیسے پہنچی۔ جو وہ ملک چھوڑ کر فرار بھی ہو گئے۔'' کنول تعجب سے بولی۔

''ہمارے معاشرے میں بے ضمیری اور اللہ سے بے خوفی اب اس قدر بڑھ گئی ہے کہ لوگ موت کو بھول گئے ہیں' جو اللہ سے محبت کرنا چھوڑ دیں گے' وہ اخوت' بھائی چارے و ایمان کو کہاں اپنائیں گے' ایسے سانپ تو آستینوں میں حکومتیں ہمیشہ سے ہی پالتی آئی ہیں جو انہیں ہی ڈستے رہتے ہیں۔ یہاں جنگل کا قانون نافذ ہے۔ لٹیروں' غاصبوں' ایمان بیچنے والوں کی اندھی حکومت ہے۔ کون پوچھ سکتا ہے' ان آقاؤں سے جو چند اعلیٰ عہدے داروں کو خفیہ میٹنگز میں بلاتے ہیں اور ہدایت کرتے ہیں جو یہاں سنا گیا ہے باہر ہرگز نہیں جائے گا۔ حلف اٹھائے جاتے ہیں پھر یہ بات یہ راز ان مجرموں تک کس طرح پہنچا۔ غداری و وطن دشمنی کی بدترین مثال ہے۔ محافظ ہی اگر لٹیرے بن جائیں' مالی اپنے ہاتھوں چمن کو برباد کر دے تو باہر والوں کو کون روک سکتا ہے۔ بدعنوانی و بے ضابطگی' بے حسی و سنگدلی کینسر بن کر ہمارے معاشرے میں پھیل رہی ہے۔''

''آپ اتنے بددل نہ ہوں ڈیڈی۔ احتساب کرنے والا اوپر بیٹھا ہے۔''

''میں اس جاب سے بہت ہرٹ ہوا ہوں اور میں نے ریزائن دے دیا ہے۔ اب میں اور آپ کی مما ایک ایسا فلاحی ادارہ کھولیں گے جہاں واقعی لوگوں کی مدد کسی دکھاوے' شہرت یا کسی خودغرضی سے پاک صرف اور صرف انسانی فلاح و بہبود کے جذبے سے کی جائے گی......''

''ہاں انشاء اللہ میں پہلے تو گھٹیا ذہنیت رکھنے والی پست حوصلہ بیگمات کے ساتھ رہ کے خودغرض اور نمائشی بن گئی تھی مگر اب ہمارا ادارہ مثالی ہوگا۔'' بیگم توفیق پرجوش لہجے میں بولیں۔

✦ ✦ ✦

بلو' وائٹ پرنٹڈ ریشمی گاؤن میں ملبوس وہ سگریٹ کے دھوئیں میں گم اضطراب و بے چینی میں مبتلا تھا۔ بیڈ کے کارنر ٹیبل پر رکھی کرسٹل ایش ٹرے سگرٹ کے ٹکڑوں سے بھر چکی تھی۔ کئی پیکٹ ٹرپل فائیو کے خالی ہو کر کمرے میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی حالت بھی ان جلے ہوئے سگریٹوں کے ٹکڑوں کی طرح تھی جن سے ایش ٹرے پر تھی۔ بڑھی ہوئی شیو' مسلسل بیداری سے سرخ آنکھیں' منتشر بال اور چہرے پر پریشانیوں اور وسوسوں نے وحشتیں سی پھیلا دی تھیں۔ اسے خود پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت وہ غصے میں یہ بھول گیا تھا کہ اس کے پاس جو انسانی وجود موجود ہے' وہ اندر سے بہت نازک اور نفیس شیشے کا بنا ہوا ہے۔ اتنا نازک کہ نگاہوں کی تپش ہی اسے چکنا چور کرنے کے لئے کافی ہے۔ میں کیوں اس وقت اتنا جذباتی ہو گیا تھا۔ اس نے منہ سے دھواں نکالتے وقت خود کو سرزنش کی۔ میں نے اس سے دل کی

گہرائیوں سے محبت کی ہے اور جن سے محبت کی جاتی ہے' ان کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی۔ اس کی آنکھوں کی اداسی' چہرے کا حزن میں کیسے دیکھ سکتا تھا۔ مگر وہ پتھر احساس لڑکی شاید مجھے کبھی سمجھ ہی نہ پائے گی۔ آنسوؤں میں غوطہ زن رہنا اس کی عادت ثانیہ بن چکی ہے۔ ارشد کو میرے مقابل لاکر سمجھتی ہے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اونہہ۔ لحاظ و مروت مجھے ہر بار روک دیتا ہے۔ ورنہ اس جذباتی اور بے وقوف شخص کی جذباتیت ہوا کرنے میں لمحہ لگے۔ اس کی سوچ کے زاویے متضاد سمت گھومے۔ کچھ دیر قبل کیئے گئے فون پر لائبہ کی سنائی دینے والی سسکیاں اسے کمرے کی ایک ایک شے سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ جس سے وہ بہت ہی متوحش و بے قرار تھا۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ اس وقت اسپتال جانا اسے معیوب لگا تھا ورنہ وہ پہنچ جاتا۔

✦ ✦ ✦

''کسے رِنگ کر رہی ہیں؟'' روحیل صاحب کمرے میں داخل ہوتے ہوئے عظمت سے مخاطب ہوئے۔ جو فون کے نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔ پیچھے ان کے ارشد بھی اندر آیا تھا۔

نبیل صوفے پر بیٹھا شام کے اخبار دیکھ رہا تھا۔ قالین پر عائشہ سیف کے کپڑے بدل رہی تھیں۔ ملازمہ ٹرالی سے چائے اور دیگر لوازمات پلیٹ میں نکال رہی تھی۔ کافی پرسکون و خوشگوار ماحول تھا۔ وہ تینوں ایک گھنٹہ قبل اسپتال سے آئے تھے' لائبہ کی طبیعت اب قدرے بہتر تھی۔ اسی ہفتے میں وہ وہاں سے فارغ ہو جائے گی۔ سینئر ڈاکٹر و سرجن وقار نے کنفرم کر دیا تھا۔ روحیل صاحب اور ارشد لائبہ کے پاس ہی رہے تھے' جبکہ نبیل کو کار ڈرائیو کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ آنا پڑا تھا کہ گھر بالکل ہی ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔

''میں نے سوچا' وہائٹ چیلس خبر کر دوں۔ وہاں کسی کو معلوم نہ ہوگا' لائبہ کے بارے میں۔''

ارشد نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ وا کئے تھے مگر پھر کچھ خیال کر کے واپس بھینچ لئے۔ اس کے مقابل بیٹھے نبیل نے اس کی یہ بے اختیاری حرکت نوٹ کی تھی۔

''بیگم صاحب! میں نے دلہن بی بی (زینی) کو فون کر کے چھوٹی بی بی کی طبیعت کے بارے میں بتا دیا تھا جی' بے ہوش ہونے کا بھی اور ہوش میں آنے کا بھی۔'' چائے اور دیگر لوازمات سرو کرتی ملازمہ نے عظمت بیگم کو اطلاع فراہم کی۔

''کس نے بات کی تھی؟'' ارشد سب سے پہلے بول اٹھا۔

''اٹھایا تو فون نہ معلوم کس نے تھا۔ پر میرے کہنے پر دلہن بی بی نے بات کی فون پر۔''

''اچھا تم جا کر فریج سے چکن نکال کر پانی میں رکھو اور مٹر چھیلو' میں آ رہی ہوں۔'' عائشہ نے ملازمہ کو وہاں سے دور بھیجا۔ کمرے کی فضا ایک دم ہی کشیدہ سی ہو گئی تھی' ملازمہ گردن ہلاتی چلی گئی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے میری بچی کی بیماری کی وہاں اطلاع دینے کی۔ وہاں بیٹھا کون ہے اس کا جو اس کی محبت میں تڑپتا خبر گیری کو آئے گا۔'' انہوں نے عظمت کے ہاتھ سے ریسیور لے کر جھٹکے سے کریڈل پر پٹخا۔ ملازمہ کے فون کرنے کے باوجود وہاں سے کوئی نہیں آیا' یہ بات لمحے بھر میں ان کا دل اپنوں سے بدگمان کر گئی تھی۔

''آپ بھی کہاں ملازمہ کی باتوں میں آ رہے ہیں۔ نہ معلوم اس نے کس انداز میں وہاں اطلاع دی ہو۔''

''کسی انداز میں بھی دی ہو۔ اگر آنے پر پابندی تھی میری بچی کے پاس تو فون پر معلوم کر سکتی تھیں۔ اگر ایسی حالت کسی غیر' اجنبی یا لاتعلق لوگ جن سے نہ کوئی رشتے داری ہوتی ہے اور نہ وابستگی مگر ایسی حالت میں یہ سن کر دل تڑپ اٹھتا ہے۔ انسانی ہمدردی کے تحت اس کی عیادت کی جاتی ہے' کیا میری بچی اس قدر ارزاں اور ناقابل قبول ہے۔ جو میری بچی کے لئے اپنے دل میں ہمدردی نہیں رکھتے' وہ میرے دل میں' میری نظر میں کوئی وقعت' کوئی تعلق نہیں رکھتے۔''

وہ سب سر جھکائے بیٹھے تھے۔ روحیل صاحب کو کبھی کبھی غصہ آتا تھا مگر بہت شدید آتا تھا۔

''آپ کی بات درست ہے۔ دوسرے لوگوں سے سروکار نہ سہی۔ زینی تو اس گھر کی عزت ہے' بہو ہے' اسے تو کم از کم نند کی خبر گیری کرنی چاہیے تھی۔'' عظمت بیگم نے ان کی تائید کی۔

''تنہا زینی کیا کر سکتی ہے' اماں جان کی ڈکٹیٹر شپ کے مقابلے میں۔ اس سے بدظن ہونا درست نہیں ہے ممی۔'' نبیل نے صداقت سے زینی کی سائیڈ لی۔

''نہیں بھائی' تنہا شخص اگر سچ اور حقیقی اصولوں پر ڈٹ جائے تو کبھی شکست نہیں کھاتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ پہلے سے ہی اپنے آپ کو شکست خوردہ تسلیم کر لے تو سچ بھی نہیں بول سکتا۔ اسے اپنے گھر کی پروا ہوتی تو یہاں کے حالات سے قطعی بے پروائی نہ برتتی۔ ویسے بھی وہ سسرال سے زیادہ میکہ آباد رکھنے والوں میں سے ہے۔'' ارشد کا لہجہ سرد اور غصیلا تھا۔

''کمرے میں خلاف معمول سنجیدگی پھیل گئی۔ چائے وغیرہ یونہی ٹیبل پر رکھی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے نگاہیں چرائے سوچوں میں گم تھے۔ نبیل کے سات سالہ بیٹے کی شرارتیں لمحے بھر کو سکوت میں ارتعاش کرتیں پھر وہی گمبھیر فضا قائم ہو جاتی۔ روحیل صاحب کے چہرے پر کبیدگی اور رنج کے تاثرات کچھ اتنے شدید تھے کہ ان میں سے کسی کو کچھ بولنے کی یا وہاں سے اٹھنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ معاً بوجھل خاموشی میں فون کی تیز بیل کی آواز گونج اٹھی۔ عظمت بیگم جو فون اسٹینڈ کے قریب ہی بیٹھی تھیں' انہوں نے ریسیور اٹھا لیا' ہیلو' السلام علیکم اماں جان۔'' دوسری طرف سے اماں جان کی آواز سن کر انہوں نے آہستگی سے سلام کیا۔ روحیل صاحب کے علاوہ تینوں کی نگاہیں فون پر اٹھی تھیں۔

''کل دعوت ہے سب کی۔''

''مگر کس سلسلے میں۔'' عظمت کی آواز تعجب خیز تھی۔

''کیا ہوا ہے عظمت' یادداشت کہیں گروی رکھوا بیٹھی ہو۔ تعجب ہے' کل ماریہ چھٹی نہا رہی ہے۔ کیا اس دن دعوت نہیں ہوتی سب کی۔'' ان کی بارعب آواز میں حیرانی و غصہ شامل تھا۔

''واقعی اماں' میرے ذہن سے نکل گئی یہ بات۔'' وہ ازحد پشیمان ہوئیں۔

''ذہن کو قابو میں رکھا کرو۔ ابھی عمر ہی کیا ہے تمہاری۔ اچھا لو بھئی' ذرا ایک خوشخبری سنو۔ خیر سے دادی بننے والی ہو۔ مبارک ہو۔'' اماں کی مسرت سے چھلکتی آواز ابھری۔

''اچھا...... کیا...... زینی۔'' مسرت کے بے پایاں احساس سے ان سے جملہ مکمل نہیں ہوا۔

''ہاں' ہاں بہو۔ کل طبیعت خراب ہو گئی تھی اس کی۔ لیڈی ڈاکٹر نے گھر پر چیک اپ کیا تو اس نے خوش خبری سنائی۔''

''مبارک ہو اماں جان آپ کو بھی۔ اب کیسی ہے زینی۔ طبیعت اب تو ٹھیک ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے۔ طبیعت ٹھیک ہے' اب سو رہی ہے۔ ورنہ بات کرتی۔ روحیل ہے گھر میں۔''

''آداب اماں جان۔'' عظمت بیگم نے ان کی طرف ریسیور بڑھایا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''جیتے رہو...... بہت بہت مبارک ہو دادا بننے والے ہو۔'' خوشی سے نہال' سرشاری سے کھلکھلاتی آواز۔ انہیں لگا' وہ ان کے دکھ کا مذاق اڑا رہی ہوں۔

''آپ کو بھی مبارک ہو اماں جان۔'' مسرت سے بے نیاز سپاٹ لہجہ تھا ان کا۔

''خوشی نہیں ہوئی اتنی بڑی خوشخبری سن کر۔ لہجہ کیسا ہو رہا ہے تمہارا۔''

''میں جن دکھوں سے گزر رہا ہوں' ان کے آگے ابھی کسی خوشی کی گنجائش نہیں ہے۔''

''ا...... اچھا...... بھئی' یہ تمہارے دل کی بات ہے۔ خیر یہ بتاؤ کل آ رہے ہو نا۔ اب خوشیاں بار بار تو ملتی نہیں۔ آج کل کے وقت میں ننھی سی خوشی بھی بھاگ کر تھام لینی چاہیے۔ ماریہ کی چھٹی کا تو بہانہ ہے' درحقیقت ہم خوشی منانا چاہتے ہیں' کل آ جانا۔''

''میں معافی چاہتا ہوں' اماں جان۔ جب کوئی میرے دکھ میں شریک نہیں ہے تو میں اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوں کہ کسی کی خوشیوں میں شریک ہو سکوں۔ اپنوں اور بیگانوں کی شناخت دکھوں کے کٹھن لمحات میں ہوتی ہے۔ خوشیوں میں تو سب ہی شریک ہو جاتے ہیں۔ میری بچی کو نئی زندگی ملی ہے۔ موت بہت قریب سے گزری ہے اس کے' آپ کو قسم ہے اماں جان' اس کی جو آپ کو خود سے زیادہ عزیز ہے' بتائیں کیا آپ کو معلوم نہیں تھا۔ میری بچی پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ زیست و موت کی کشمکش میں کس طرح مبتلا رہی ہے۔ ایسے موقعوں پر تو پتھر بھی موم بن کر پگھل جاتے ہیں۔ ساری رنجشیں' ناراضگیاں' نفرتیں اور عداوتیں اپنے آپ ختم ہو جاتی ہیں۔ آپ اپنی انا و ضد نہ تو دیکھیں۔''

''زندہ ہے وہ' اگر مر جاتی تو تعزیت کے لئے آ جاتے۔'' بے رحمی و سنگدلی کی انتہا تھی۔

ا...... اماں جان...... خدا کے لئے' اسے دعائیں نہیں دے سکتیں تو بددعا تو نہ دیں۔''

''ایسے بے غیرت لوگوں کو بددعا بھی دعا بن کر لگتی ہے۔ آوارہ ماں کی بدچلن بیٹی۔ ماں نے میرے بیٹے کو پھانسا تھا اور بیٹی نے میرے پوتے کو۔''

''اماں جان۔'' پہلی بار وہ ماں سے اتنے بلند لہجے میں مخاطب ہوئے تھے کہ وہ چاروں بے اختیار بوکھلا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ روحیل صاحب کا چہرہ غصے و رنج کی وجہ سے قندھاری انار کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔

''اتنا اپنے منصب کو پست نہ کریں کہ آپ کو ماں کہتے ہوئے ندامت محسوس ہو۔''

''سچ ایسے ہی کڑوا لگتا ہے' تم اونچا بول کر میری آواز نہیں دبا سکتے روحیل۔''

''میں اپنی بچی کے متعلق کچھ سننا نہیں چاہتا۔''

''اونہہ آج ماں کا بھی ادب و احترام تمہارے دل سے نکلوا دیا اس سبز قدم لڑکی نے۔ ماں کے سامنے جس کی نگاہیں اٹھ نہیں سکتی تھیں' آج وہ ماں سے اونچا بولنے میں فخر محسوس کر رہا ہے۔''

''میں مجبور ہوں اماں جان' ظلم جب حد سے بڑھ جائیں تو بغاوت جنم لیتی ہے اور جب بغاوت جنم لیتی ہے تو پھر آگ اور خون کے دریا بہنے لگتے ہیں۔ میں فراموش کر چکا ہوں' اپنے تمام رشتے' سارے تعلقات' اب جو میری بچی کو عزت و پیار دے گا' وہ میرا دوست ہے اور جو میری بچی کا دشمن ہے' آج سے وہ میرا دشمن ہے۔'' انہوں نے کھٹاک سے فون بند کر دیا اور کمرے سے تیزی سے باہر نکل گئے۔

✦ ✦ ✦

اپنی باغ و بہار طبیعت' شوخ و شنگ مزاج کی بدولت وہ اسپتال میں ہر دلعزیز تھا۔ سینئر ڈاکٹرز' ساتھی ڈاکٹرز' سسٹرز اور مریضوں تک میں اس کی شخصیت کو پسند کیا جاتا تھا۔ وہ جتنا شوخ مزاج تھا' اتنا ہی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبوں سے بھی مالا مال تھا۔ مسلسل کام کرنے کے باوجود اس کے چہرے پر کبھی ناگواری یا غصے کی شکن بیدار نہ ہوتی تھی اور اس کی انہی بے مثال خوبیوں نے اسے سب کا پسندیدہ و عزیز بنا دیا تھا۔ اسپتال میں جب سے لائبہ ایڈمٹ ہوئی تھی' سارے اسپتال میں یہ شہرت پھیل گئی تھی کہ ڈاکٹر شمیر کی بہن ایڈمٹ ہے اور سینئر و جونیئر ڈاکٹرز' نرسیں' انچارج حتیٰ کہ وہاں کام کرنے والی آیائیں بھی شمیر کے حوالے سے اس سے ملنے آئی تھیں۔ سب کو حیرت ہوتی تھی کہ اتنے نٹ کھٹ اور شریر بھائی کی بہن اتنی سنجیدہ و خاموش رہنے والی لڑکی ہے۔ البتہ اس کا بے تحاشہ حسن انہیں متاثر کرتا تھا۔

گھر سے سب اس سے مل کر گئے تھے' بلکہ روحیل اور ارشد تو بہت دیر بعد گئے تھے۔ دونوں اس سے باتیں کرتے رہے تھے۔ جو سراسر اس کی دلجوئی کے لئے تھیں۔ ان کے جانے کے بعد شمیر سرجن وقار کے ساتھ وارڈ کے راؤنڈ کے لئے چلا گیا تھا اور اس کے اسٹاف کی ڈاکٹرز اور نرسیں اس کے پاس آ کر مزاج پرسی کرتی رہیں۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد شمیر اندر آیا تو اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی وائٹ اوور آل میں اس کے ساتھ تھی۔

''یہ ہے میری سسٹر لائبہ روحیل۔ اور لائبہ' یہ ڈاکٹر کنول ہیں۔ سینئر ہیں مجھ سے لیکن اتنی سینئر بھی نہیں' جتنی یہ میری بزرگ بننے کی کوشش کرتی ہیں۔'' شمیر دونوں کا تعارف

کراتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ لائبہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا میگزین ٹیبل پر رکھا اور کنول سے مصافحہ کیا۔

''آپ کے متعلق جو سنا تھا' اس سے بڑھ کر پایا آپ کو۔ اسپتال میں بہت چرچے ہیں آپ کے حسن کے۔'' کنول اس کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد بولی۔ اس کے لہجے میں سادگی و ستائش تھی۔

''آپ نے آئینے میں اپنا عکس نہیں دیکھا شاید۔'' لائبہ مسکرا کر گویا ہوئی۔

''مدت ہوئی آئینہ دیکھنا ہی چھوڑ دیا ہم نے تو۔'' دکھ کی ایک تحریر اس کے چہرے پر ابھرتی لائبہ نے صاف نوٹ کی۔

''آپ کس پر چلے گئے شمیر۔ اپنی خوبصورت فیملی میں میرے خیال میں سب سے بدصورت ہیں آپ۔'' کنول نے فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے شمیر کے سرخ و سپید وجاہت سے چمکتے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے چھیڑا۔

''شکر ہے' اللہ تعالیٰ نے بدصورتی بھی مجھے لاثانی دی ہے۔ لیڈیز مریض اس بدصورتی کے باوجود مجھ سے ہی علاج کروانا پسند کرتی ہیں۔ اگر خوبصورت ہوتا تو آپ خود سوچئے کیا ہوتا۔''

''زیادہ نہیں صرف یہی ہوتا' ابھی لڑکیاں تندرست ہو کے نکل تو جاتی ہیں' جب تم پر مرمر کر نکلتیں۔'' کنول کی بے ساختگی پر شمیر کے ساتھ لائبہ بھی بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

''یہ تو ایک جوک تھا۔ درحقیقت ڈاکٹر شمیر بہت ہونہار اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں ہر دم کوشاں و مستعد رہتے ہیں۔ جتنے شوخ و شریر ہیں' اتنے ہی ہمدرد و مخلص بھی۔''

''پلیز' پلیز ڈاکٹر صاحبہ' اتنی تعریفیں' میں کمزور دل بندہ ہوں پلیز رحم کیجئے۔''

''کر دیا' کیا یاد کرو گے۔ آپ سنائیں کیسی طبیعت ہے۔'' وہ چیئر لائبہ کے بیڈ کے قریب کر کے بولی۔

''بہتر ہے' میرا دل گھبرا گیا ہے یہاں! نہ معلوم کب چھٹی ملے گی۔''

''ابھی کہاں ڈسچارج ہو رہی ہو۔ ڈاکٹر وقار سے میں نے کہہ دیا ہے ایک ماہ بعد چھٹی دیں۔ بہت تنگ کیا ہے تم نے ہمیں۔ پورے تین دن خوار کیا ہے' تمہاری بے ہوشی نے ہمیں۔''

''میں نے خود سے تو کچھ بھی نہیں کیا بس۔'' لائبہ سنجیدگی سے بولی۔

''میں تو مذاق کر رہا تھا یار' پرسوں تک چھٹی مل جائے گی تمہیں۔'' شمیر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بہت محبت کرتے ہو آپ اپنی بہن سے۔ نرس عالیہ بتا رہی تھی' آپ کی بے ہوشی کے دوران ڈاکٹر شمیر بہت روئے تھے۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا مگر اس ہفتے میں نے جس طرح آپ کی دیکھ بھال کرتے دیکھا ہے' مجھے یقین کرنا پڑا' جو شخص روتے ہوئے کو ہنسا دے' وہ خود روتا ہوا کیسا لگتا ہوگا۔''

''اگر آپ کی خواہش ہے تو ابھی آپ کو رو کر دکھا سکتا ہوں مگر اس کے لئے آپ کو مجھے چائنیز میں ڈنر کروانا ہوگا۔'' شمیر مسکراتا ہوا گویا ہوا۔

''اللہ نہ کرے۔ جو آپ روئیں۔'' کنول پرخلوص لہجے میں جلدی سے بولی۔

''دیکھا' کتنی خوبصورتی سے اپنا ڈنر بچا گئیں۔'' شمیر کے قہقہے میں ان دونوں کی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

✦ ✦ ✦

''گھر میں اتنی بڑی تقریب تھی مگر چچا جان کے گھر سے کسی نے بھی شرکت نہیں کی۔ ایسا بھی ممکن نہیں ہے کہ انہیں انوائٹ نہ کیا گیا ہو۔'' ناشتے کی ٹیبل پر اُسامہ فوزیہ بیگم سے پرتجسس لہجے میں مخاطب ہوا۔

''روحیل نے انکار کر دیا تھا آنے سے۔ اس لئے کوئی بھی وہاں سے نہیں آیا۔'' وہ سلائس پر جیم لگا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

''مگر کیوں۔ ایسا تو کبھی پہلے ہوا ہی نہیں۔ گھر کی تقریب میں گھر والے ہی شریک نہ ہوں۔''

''ابھی تو اور نہ معلوم ہمارے خاندان میں کیا کیا انہونیاں ہوں گی۔ ہمارا خاندان جو لوگوں کے لئے محبت و اخوت کی شاندار مثال تھا۔ کل رات ہماری محبتوں کو نظر لگ ہی گئی نا۔'' اماں جان کو اچانک وہاں آتے دیکھ کر دونوں ماں بیٹے فوراً کھڑے ہو گئے تھے۔

''بیٹھو۔ ناشتا کرو تم لوگ۔'' وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ ''کل خوشی میں سب عزیز اور رشتے دار موجود تھے۔ اور کتنی معنی خیز نگاہوں کا ہم نے مقابلہ کیا ہے۔ عزیز و اقارب سب ہی اشاروں' اور دبی زبانوں میں روحیل اور اس کی فیملی کی غیر موجودگی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ موقع دے دیا روحیل اور عظمت نے لوگوں کو اس خاندان پر بھی باتیں بنانے کا۔''

''لیکن اماں جان' ایسا کیوں ہوا۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے' ایک دوسرے کے بغیر ہمارے ہاں تو خوشیاں منانے کا نہ کوئی تصور ہے اور نہ رواج۔'' وہ ازحد حیرانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ حیرانی و پریشانی کی کیفیت ایسی تھی کہ وہ اماں جان کی اپنے پاس آمد پر بھی نہ چونکا تھا جنہوں نے پچھلے سات ماہ سے اس کے نکاح کی خبر سننے کے بعد خاموشی اختیار کر لی تھی۔

''اماں جان! بات کیا ہوئی تھی۔ مجھے تو پرسوں اسلام آباد سے واپسی پر بڑی بھابی نے بتایا تھا کہ آپ کی اور روحیل کی فون پر کافی تلخ کلامی ہوئی ہے۔'' فوزیہ بیگم چائے بناتے ہوئے بولیں۔

''اس کا کہنا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کی بیٹی کی عیادت کو اسپتال نہیں گیا' ہم اس کے دکھ میں شریک نہیں ہوئے تو وہ ہماری خوشیوں میں کس طرح شریک ہو سکتا ہے۔ بیٹی کی محبت ماں' بھائی' بھاوج' بھتیجے' بھتیجی سے زیادہ ہو گئی ہے۔ دیکھ لو جو اس نے کہا کر دکھایا یہ وقت بھی میری زندگی میں آنا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے ہی میرا خاندان ٹکڑے ہو رہا ہے' میرے جگر کے گوشے میری زندگی میں ہی مجھے مردہ سمجھنے لگے۔''

''ایسے مت بولیں اماں جان۔ یہ سب غلط فہمیاں ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہمارے خاندان کا استحکام و اعتماد کبھی کمزور نہیں پڑ سکتا آپ فکر نہ کریں۔'' اُسامہ ان کے نزدیک آ کر بہت مضبوط لہجے میں بولا۔ فوزیہ بھی ان کے قریب آ گئی تھیں۔ بظاہر ان کا چہرہ بارعب و پرسکون تھا مگر ان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ ان کے زخمی دل اور گھائل جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔

''اس لڑکی نے بہت نقصان کیا ہے میرا۔ پہلے میرے بیٹے کو چھینا۔ وہ اتنا بدظن اور باغی ہو گیا کہ اس کی خاطر یہ گھر چھوڑ کر ماں کی نگاہوں سے دور گھر بسا لیا پھر اس سے بھی بڑا نقصان یہ کیا کہ جسے میں نے اپنی اولاد سے زیادہ چاہا' جسے دیکھ دیکھ کر میں جیتی ہوں' اسے مجھ سے چھین لیا۔ رشتوں میں گرہیں ڈلوا دیں۔ کہاں جاؤں میں آخر اپنا وجود لے کر۔''

''کہیں نہیں جائیں گی آپ۔ سب سے آپ کا رشتہ ایسے ہی مضبوط ہے جیسے روح کا جسم سے۔'' اُسامہ انہیں اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر بے چین لہجے میں گویا ہوا۔ اختلافات اپنی جگہ' مگر یہ بھی حقیقت تھی وہ اماں جان کے چہرے پر معمولی سی بھی رنجیدگی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

✦ ✦ ✦

لائبہ اسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آ چکی تھی۔ طبیعت تو اس کی بالکل سیٹ ہو گئی تھی۔ صرف نقاہت باقی تھی۔ فی الحال گھر والوں کی خصوصی نگہداشت کے باعث بیڈ ریسٹ کر رہی تھی۔ ابھی بھی عائشہ اس کے لئے چکن سوپ اور دلیہ لے کر آئی تھیں اور زبردستی اپنے ہاتھوں سے چمچ بھر بھر کر اس کے منہ میں دے رہی تھیں۔ لائبہ جیسے ہی بس کہنے کے لئے منہ کھولتی' وہ چکن و دلیہ فوراً اس کے منہ میں ڈال دیتیں۔

''بھابی پلیز۔ میرا پیٹ بھر گیا ہے۔ اب بالکل بھی گنجائش نہیں ہے۔'' وہ ہاتھ منہ پر رکھ کر التجائیہ انداز میں بولی۔

''یہ چڑیا جیسا پیٹ ہے تمہارا۔ اس سے زیادہ تو سیف کھا لیتا ہے۔''

''آپ سیف کی خوراک کو تو نظر نہ لگائیں ماشاء اللہ۔ منہ کے خراب ذائقے کی وجہ سے مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔''

''ابھی چند دن اور پرہیزی غذا کھانا پڑے گی تمہیں پھر تو چٹ پٹے کھانوں سے تمہارے منہ کا ذائقہ ٹھیک کر دوں گی۔'' عائشہ پانی کا گلاس اسے پکڑا کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

''بھابی! گھر کی فضا میں اتنی پراسراریت کیوں رچی ہوئی ہے۔ میں محسوس کر رہی ہوں' سب لوگ جیسے نظر آتے ہیں اتنے مطمئن اور خوش و خرم نہیں ہیں۔ یہ سب میری وجہ سے ہے' مجھے دکھانے کے لئے ایسا کرتے ہیں آپ لوگ۔ ورنہ آپ کی آنکھوں میں تو میں الجھنیں پریشانیاں تیرتی ہوئی دیکھتی ہوں۔ بتائیں نا' کیا بات ہے۔ چھوٹی بھابی بھی ابھی تک واپس نہیں آئی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے سخت تاکید کی ہے تمہیں ذہن پر کوئی سوچ کا بوجھ نہیں ڈالنا ہے۔ بے فکر رہو۔ کوئی بات نہیں ہے۔'' انہوں نے نگاہیں چرائیں۔

''نہیں بھابی۔ آپ دانستہ پہلو بچا رہی ہیں' کوئی بات ہے ضرور۔ پلیز مجھ سے کچھ نہ چھپائیں ورنہ میں سمجھوں گی' آپ مجھے اس گھر کا فرد نہیں سمجھتی ہیں' کیونکہ گھر کے حالات غیروں سے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں اپنوں سے نہیں۔'' لائبہ کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''تم نے بات ہی ایسی کی ہے کہ مجھے مجبوراً بتانا پڑے گا مگر وعدہ کرو' سوچو گی نہیں۔''

عائشہ نے ساری باتیں اسے بتا دیں جو اس کی غیر موجودگی میں گھر میں ہوئی تھیں۔ اماں جان اور روحیل صاحب کے درمیان تلخ کلامی' ماریہ کی چھٹی والے دن دعوت میں نہ جانا۔ اور سب کے اصرار کے باوجود ارشد کا زینی کو گھر نہ بلانا۔ جس سے گھر کی فضا مکدر ہو کر رہ گئی تھی۔

''سارے معاملے میں بھابی زینی کا کیا قصور۔ انہیں بھائی خواہ مخواہ گھسیٹ رہے ہیں۔''

''ہاں۔ مگر اس وقت صورتحال ایسی ہے کہ نہ ارشد کو سمجھایا جا سکتا ہے اور نہ زینی کو اماں کی مرضی کے بغیر لایا جا سکتا ہے۔ ممی بھی ڈیڈی کے غصے کی وجہ سے خاموش ہیں۔ اور ڈیڈی بالکل غیر جانبداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ دو دفعہ سرسری انداز میں ارشد کو سمجھایا ہے۔ اس لئے ارشد زیادہ ہٹ دھرمی دکھا رہے ہیں۔ ورنہ ڈیڈی کا کہا نہ ماننے کی گستاخی وہ نہیں کر سکتے' ادھر زینی کا برا حال ہے۔ وہ یہاں آنا چاہتی ہے' ارشد سے اس نے بات کرنا چاہی تھی مگر اس نے بات کئے بغیر فون آف کر دیا۔ اس نے مجھے فون کیا۔ فکر و پریشانی سے اس کا بی پی ہائی رہنے لگا ہے اور یہ اس کی حالت کے پیش نظر بہت خطرناک بات ہے وہ پریگنینٹ ہے اس لئے۔''

''اچھا...... بھائی کو انہیں آنے کی اجازت دے دینی چاہئے۔ بہت زیادتی ہے ان کے ساتھ تو یہ۔''

''اس کا کہنا ہے' جب اس گھر میں اس کی بہن کے لئے جگہ نہیں ہے تو اس گھر کی بیٹی کے لئے بھی اس گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ رکھیں اپنی بیٹی کو سینے سے لگا کر۔ ارشد کو ہم سب اتنا سمجھا چکے ہیں مگر وہ نہیں مانتے' زینی نے مجھے کئی بار کال کی ہے کہ تم سے اس کی بات کروا دوں۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔ میں اس لئے خاموش تھی کہ تم نہ معلوم بات ......''

''مجھے نمبر ملا کر دیجئے' میں بات کروں گی۔ میری وجہ سے کوئی تکلیف اٹھائے' مجھے گوارا نہیں۔'' ارشد کی محبت و عظمت کی وہ قائل ہو گئی تھی۔ کتنا کھرا شخص تھا بہن کی خاطر کسی کی بھی پروا نہیں کرنے والا۔ اپنا گھر' اپنی بیوی اور اپنے ہونے والے بچے کی بھی پروا نہیں تھی اسے اس سے عقیدت ہو چلی تھی۔ ایسے جانثار بھائی کا گھر وہ کس طرح برباد ہوتے دیکھ سکتی تھی۔

عائشہ نے نمبر ملا دیئے تھے۔ شاید نمبر زینی کے روم کا ہی تھا۔ فون اسی نے ریسیو کیا تھا۔ عائشہ نے بتایا کہ لائبہ بات کرے گی۔ ریسیور لائبہ نے تھام لیا۔ عائشہ احتیاط سے اندر سے کمرا لاک کر چکی تھیں۔

''لائبہ کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' زینی کے لہجے میں ازحد مسرت تھی۔

''ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں کیسی ہیں۔ بھابی نے بتایا تھا' آپ مجھ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔''

''ہاں ...... لائبہ ...... وہ ...... ارشد مجھ سے بات نہیں کر رہے۔ تم سمجھاؤ انہیں' تمہاری بات وہ نہیں ٹال سکتے۔ سب سے زیادہ وہ تم سے محبت کرتے ہیں وہ۔ اماں جان کی اور

ان کی جنگ میں وہ مجھے کیوں استعمال کر رہے ہیں۔'' زینی کی آواز میں آنسوؤں کی نمی شامل ہو چکی تھی۔

''آپ روئیں نہیں بھابی۔ طبیعت پہلے ہی آپ کی ٹھیک نہیں ہے۔'' لائبہ نے ہمدردی سے کہا۔

''کیسے نہیں روؤں۔ مجھے کانٹوں پر پھینک دیا ہے تمہارے بھائی نے۔ بیٹی خوشی کتنا عرصہ بھی میکے میں رہ جائے۔ کسی کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ اگر میری طرح رہے تو بوجھ بن جاتی ہے۔ ممی نے' ریاض بھائی' بھابی سب نے ہی ارشد سے بات کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ کسی کی آواز سننے تک کے روادار نہیں ہیں۔ ممی تو ازحد فکرمند ہیں' گھر کی فضا ہی ٹینشن سے بھری ہوئی ہے۔''

''آپ نہ روئیں' میں بھائی کو سمجھاؤں گی۔'' زینی کی سسکیاں اسے مجرم بنا رہی تھیں۔

''عورت کے پاس اختیار ہی کیا ہوتا ہے' سوائے آنسو بہانے کے۔ کتنی بے وقوف واحمق ہوتی ہیں ہم لڑکیاں بھی۔ شوہر کی وقتی محبت کے پیچھے اپنے آپ کو وار ازاں کر دیتی ہیں۔ شادی سے پہلے جان سے پیارے لگنے والے ماں باپ بہن بھائی' شادی کے بعد دوسرے درجے پر فائز ہو جاتے ہیں۔ محبتوں' چاہتوں اپنائیت کا واحد مرکز شوہر کی ذات بن جاتی ہے۔ عورت کی ساری خوشیاں' ساری بہاریں اسی کی ذات سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ ہماری شادی کو سات ماہ کا عرصہ ہوا ہے مگر میں ان کے وجود کی اس قدر عادی ہو گئی ہوں کہ......'' اس کی تیز تیز ہچکیاں ریسیور پر گونجیں۔ لائبہ نے دانتوں سے اپنے ہونٹ زخمی کر لئے۔

''میرے اپنوں میں میرا دل نہیں لگ رہا۔ میں نہیں رہ سکتی ارشد کے بغیر' نہیں رہ سکتی۔'' وہاں سے فون آف کیا جا چکا تھا۔ لائبہ کے چہرے کا رنگ متغیر تھا' اس نے بے جان انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

''مزے کی بات بتاؤں تمہیں۔ شادی سے پہلے زینی' ارشد سے اس قدر خوفزدہ رہتی تھی کہ جہاں اس کی موجودگی کے امکان پائے جاتے تھے' وہاں سے گزرتے ہوئے بھی ڈرتی تھی۔ اب دیکھو' اس کے بغیر رہ نہیں سکتی۔ جبھی کہتے ہیں' عورت کی ذات موم کی طرح نرم و لچکدار ہوتی ہے۔ جس سانچے میں ڈھالو ڈھل جاتی ہے۔'' عائشہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھتے ہوئے اس کا ذہن بانٹنے کے لئے شگفتگی سے بولی۔

''بھابی...... بھائی اور ڈیڈی نے میرے متعلق کیا فیصلہ کیا۔ میرا مطلب ہے' نکاح' کے متعلق۔''

عائشہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی تھی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا اور آنکھیں اس نے بند کر رکھی تھیں۔

''ارشد نے تمہارے نروس بریک ڈاؤن ہونے کی اصل وجہ بتا دی ہے۔ اُسامہ تمہیں زبردستی وہائٹ پیلس لے کر جا رہے تھے۔ ڈیڈی کو اس بات پر شدید غصہ ہے اور جو تھوڑی بہت گنجائش تھی' وہ کل اماں جان کی کال نے پوری کر دی۔ انہوں نے کہا اگر وہ اپنی بیٹی کو اس گھر میں بسانے کے عوض زینی کو بلوائیں گے کیونکہ اس سے خاندان میں کافی بدنامی ہو رہی ہے تو اُسامہ تنہا جا کر تمہاری بیٹی کو لے آئے گا۔ ان کا یا ان کی کسی فیملی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ زینی کے صدقے میں انہوں نے یہ بات رعایت دی ہے۔ ڈیڈی سخت اشتعال میں ہیں۔ انہوں نے کہہ دیا ہے' وہ اب کسی بھی صورت میں تمہیں وہاں نہیں بھیجیں گے' اس کے لئے وہ 'خلع' کی کوشش کر رہے ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ اُسامہ کی خاموشی نے پیدا کیا ہے۔''

وہ سناٹوں کی زد میں آ گئی۔ عائشہ جا چکی تھی اور وہ سوچوں کے گرداب میں چکرانے لگی۔ ان کی جنوں خیزیوں کا انجام 'خلع' پر ہونا تھا۔ اگر ایسا ہو گیا تو کیا بھائی زینی کو قبول کر لیں گے۔ ''میں ارشد کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' زینی کی سسکیاں در و دیوار سے گونجنے لگیں۔ کیا ان کی آنے والی اولاد دنیا میں آنے سے پہلے ہی دو حصوں میں بٹ جائے گی۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی بچہ محبتوں سے محروم و تشنہ رہے گا۔ باپ کے پاس ہوگا تو ماں کی ممتا کو یاد کرے گا۔ ماں کے قریب ہوگا تو باپ کی شفقت و مروت کو پانے کے لئے روئے گا۔ نہیں' نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ جو محرومیوں اور حسرت بھری زندگی میں نے گزاری ہے۔ ایسی بے رنگ اور خزاں آلود زندگی میں اس آنے والی روح کو نہیں گزارنے دوں گی۔ محبتیں قربانیاں مانگتی ہیں۔

* * *

''یس کم آن۔'' دروازے پر دستک کی آواز سن کر ارشد نے ٹیبل پر بکھرے سمپل رول پر اسکیچز بناتے مارکر کو روک کے دستک دینے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔

''ارے تم سوئیں نہیں ابھی تک۔'' اندر داخل ہونے والی لائبہ کو دیکھ کر اس کے سنجیدہ چہرے پر شفقت بھری مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ''نیند نہیں آ رہی کیا۔'' وہ اس کی طرف بڑھا۔

''نہیں۔'' وہ جبراً مسکراتی ہوئی ڈارک بلو صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس کی نگاہیں کمرے کا جائزہ بڑی گہرائی سے لے رہی تھیں۔ وہاں کی ایک ایک چیز سے زینی کی مہک آ رہی تھی۔ کمرے کی سیٹنگ اس نے اپنی پسند سے کی تھی۔ یہاں رکھی ہر چیز سے اس کے سلیقے و نفاست پسندی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ وارڈ روب اس کے کپڑوں سے مہک رہا تھا۔ شوز اسٹینڈ میں اس کے کھسے' سینڈل' کورٹ شوز و چپل ترتیب سے رکھیں تھیں۔ ڈریسنگ ٹیبل پر اس کا میک اپ کا سامان یونہی رکھا ہوا تھا۔ بیڈ ٹیبل پر رکھی اس کی اور ارشد کی ولیمہ والے دن کی فوٹو گراف فریم میں رکھی تھی۔ اس کی نگاہیں اس تصویر پر جم سی گئیں۔ لائٹ گرین راجستھانی سوٹ میں وہ دلہن بنی ارشد کے پہلو میں بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ دونوں کے چہروں پر سچی مسرتوں کے رنگ جگمگا رہے تھے۔ کسی بات پر ارشد بڑی محبت بھری وارفتہ نگاہوں سے اس کی طرف جھک کر سرگوشی کر رہا تھا اور یہ پوز شمیر نے کیمرے میں محفوظ کر لیا تھا۔ جسے بعد میں فوٹو فریم کروا کر دونوں کو گفٹ کیا تھا اور وہ محبت و بے خودی کی یادگار مثال اس کے بیڈ روم کی بیڈ ٹیبل پر ابھی بھی یادوں کو تازہ کئے ہوئے تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ کیا بھابی کی ہر شے سے چھوٹتی مہک بھائی فراموش کر سکتے ہیں۔ کمرے میں رکھا ان کا سامان' ان کی غیر موجودگی' کا احساس نہ دلاتا ہوگا۔ اور یہ انمول محبت کی یادگار فوٹو فریم ان کی یاد بھائی کے دل سے محو کر سکتا ہے' نہیں جبھی تو یہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ ان کی کوئی چیز اپنے ٹھکانے سے بے دخل نہیں ہوئی۔ جیسے اپنے مالک کی آمد کی منتظر ہو۔

''کیا سوچ رہی ہو لائبہ۔ کیا بات ہے؟'' وہ اس کے اندرونی احساسات سے بے خبر پریشانی سے بولا۔

''بھائی......'' اس نے ایک نظر اپنے فخر اور مان کو بلند کرنے والے بھائی کو دیکھا۔ اس کی جنگ لڑنے میں وہ خود کو تباہ کر بیٹھا تھا۔ بظاہر فریش اور بے فکر نظر آنے والا کمرے کی تنہائی میں کتنا نڈھال اور بکھرا بکھرا تھا۔

''میں...... میں...... اُسامہ کے ساتھ...... رہنا چاہتی ہوں۔''

''وہاٹ...... تم...... تم اس کے ساتھ رہو گی۔'' ازحد حیرانی سے وہ بوکھلا اٹھا تھا۔

''جی...... میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔'' وہ نگاہیں جھکا کر بولی۔

''نو...... نو...... نو امپاسبل۔ میں مان ہی نہیں سکتا' یہ تمہارا فیصلہ ہے۔ بتاؤ کس کی خاطر یہ سب کرنے پر تیار ہوئی ہو۔ کس کے خوف نے تمہیں مجبور کیا ہے۔'' ارشد اس کے قریب بیٹھ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ بے اعتباری اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

''ایسے فیصلے کسی کی خاطر یا کسی کے خوف سے نہیں کئے جاتے۔'' اس نے نمی کو پلکوں کی اوٹ میں روکا۔

''لیکن تم کر رہی ہو۔ یہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں مگر تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔''

''پلیز بھائی مان جایئے۔ اس کشمکش میں اور بھی زندگیاں تلخ ہو رہی ہیں۔ آپ نے خود کو کبھی آئینے میں دیکھا ہے۔ پہچانے نہیں جاتے آپ۔ پریشانی' ڈپریشن' بے سکونی نے آپ کے چہرے کی تازگی چھین لی ہے آپ پُرسکون نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں مگر میری نگاہوں سے آپ کی کیفیت چھپی ہوئی نہیں ہے' میری وجہ سے آپ نے خود پر خوشیاں حرام کر لیں۔''

''اوہ...... تو یہ بات ہے۔ تم اپنے بھائی کی خوشیوں کی خاطر قربانی دے رہی ہو لیکن لائبہ' بھائی اتنے خود غرض و مفاد پرست نہیں ہوتے کہ اپنی ذاتی مسرتوں کی خاطر بہن کی زندگی میں انگارے بچھا دیں۔ جانتے بوجھتے اسے کانٹوں پر دھکیل دیں۔ یہ تم نے کس طرح سوچ لیا کہ میں اتنا بے حس و بے مروت ہو جاؤں گا کہ اپنی گلوخلاصی کے لئے تمہیں اس جہنم میں جانے دوں گا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اس نے اس کا سر محبت سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ ''ماضی میں جو محرومیاں تمہارا مقدر بنیں' وہ میری لاعلمی تھی مگر حال اور مستقبل میں ان کا وجود نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ۔''

''مجھے فخر ہے بھائی' آپ پر' سب کی محبتوں پر مگر یہ بھی حقیقت ہے۔ میں اُسامہ کے......''

''پلیز' لائبہ نام مت لو میرے سامنے اس خبیث روح کا۔ اماں جان تم پر نئے نئے بہتان تراش رہی ہیں اور وہ خاموش بنا تماشا دیکھ رہا ہے۔ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے جو تم سوچ رہی ہو' ویسا اب کبھی نہیں ہو سکتا۔'' اس کا لہجہ ٹھوس و بے لچک تھا۔

''بھائی! آپ میری ایک بات مانیں گے' مانیں گے نا۔'' حالات اس کی سوچ سے بھی زیادہ خراب ہو گئے تھے۔ اس نے فیصلہ کیا تھا' وہ اپنے احساسات کی قربانی دے کر بھائی کی خوشیوں کے لئے اُسامہ کا ساتھ قبول کرے گی۔ ایسے بھائی کے لئے جان بھی دی جا سکتی تھی۔ وہ تو جیسے اس کی سوچیں پڑھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ اس کی قربانی قبول کرنے کو ذرا بھی تیار نہ ہوا تھا جو قربانی دینا جانتے ہوں' انہیں لینے کی عادت نہیں ہوتی۔

''ہاں بولو۔ مگر دھیان رکھنا' میری گنجائش سے زیادہ نہ ہو' یہ میری مجبوری ہے۔ میں تمہاری بات رد کرنے کی ہمت نہیں رکھتا جو جائز حدود میں ہو۔''

''آپ زینی بھابی کو گھر لے آئیں۔''

''ہوں۔ تو یہ وجہ تھی جو تمہیں اُسامہ کا ساتھ لینے پر مجبور کر گئی تھی۔'' وہ لمحے میں بات کی گہرائی تک پہنچا تھا۔ اس کے چہرے پر سرخیاں جمع ہونے لگیں' فراخ پیشانی پر جال بنتا گیا۔

''نہیں...... نہیں بھائی۔ ایسی کوئی بات نہیں' گھر میں ان کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔''

''جیسے کچھ لوگ تیرنا نہیں جانتے اور سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ ایسے ہی کچھ لوگ جھوٹ بولنا نہیں جانتے اور پکڑے جاتے ہیں۔ جھوٹ بولنا بھی ایک قدیمی آرٹ ہے جس میں کوئی کوئی ہی مہارت حاصل کرتا ہے اور ایسے اناڑی لوگوں کو میں فوراً ہی پہچان لیا کرتا ہوں' زینی نے بات کی ہے تم سے۔'' وہ خطرناک حد تک ضدی اور حساس شخص تھا۔ لائبہ کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ اسے تو جھوٹ بولنے کا بھی سلیقہ نہ آتا تھا اور اگر سچ بتاتی ہے تو بھائی نہ معلوم کیا کر گزریں۔ یہ کیا ہو گیا۔ میں تو نیک نیتی سے سب کرنا چاہتی تھی مگر یہ نیکی تو میرے گلے میں ہی اٹک گئی۔

''مجھے یقین ہے' اس نے ہی کال کے ذریعے تمہیں مجبور کیا ہوگا۔''

''نہیں بھائی' آپ اتنی بدگمانی و تنگ نظری کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہیں بھابی کے ساتھ۔''

''یہ دستور ہے' گیہوں کے ساتھ گھن ضرور پستے ہیں۔''

''یہ زیادتی ہے بھابی کے ساتھ' انصاف کا یہ تقاضا نہیں ہے۔ قصور کسی کا ہے اور سزا بے قصور کو ملے۔''

''سوری بہنا' میں نے کہا تھا نا میری گنجائش سے زیادہ طلب نہ کرنا' یہ بہت زیادہ ہے۔''

''اچھا! اگر مجھ سے محبت کرتے ہیں تو پلیز...... بھابی کو صبح ہی فون تو کیجئے گا۔''

''او کے' تمہاری محبت کا صدقہ اتار دیں گے۔ او کے اب خوش۔'' اس نے اس کے رخسار تھپتھپائے۔

''شکریہ بھائی۔'' ممنونیت کے احساس سے اس کی آنکھیں جل تھل ہو گئی تھیں۔

* * *

''ڈارلنگ' کیا بات ہے۔ بہت چپ چپ ہیں۔'' ساحرہ گرین وال ٹو وال کارپٹ پر شاکنگ پنک آرگنزا کے اسٹائلش سوٹ میں ملبوس شولڈر کٹ بالوں کی خوبصورت پونی بنائے بیٹھی ہوئی میچنگ نیل پالش ہاتھوں کے بعد پاؤں کے ناخنوں پر کوٹ کر رہی تھی۔

''اُسامہ ملک تو سیاست سے ایسا تائب ہوا ہے کہ پلٹ کر دیکھنے کا روادار نہیں ہے۔'' وہ ایزی چیئر پر دراز سگار کا دھواں ہونٹوں سے خارج کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

''ہا...... ہا...... جیسے محبوبہ کا خیال محبوب کے تصور سے آباد رہتا ہے۔ ایسے ہی آپ کی سوچوں پر ہمارے بجائے وہ 'اسٹوپڈ بوائے' قابض رہتا ہے۔'' وہ مترنم انداز میں کھلکھلائی۔

''وہ اسٹوپڈ نہیں 'انٹیلی جنٹ بوائے ہے' ہم اس کے وجود کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ اس کے بغیر ہم خود کو معذور سمجھتے ہیں یعنی ہماری بیساکھی ہے وہ شخص۔ کبھی آپ دونوں میں سے ایک کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو ہم اُسامہ کو چوز کریں گے آپ کے مقابلے میں۔''

''ظاہری بات ہے رستم ڈیئر...... جس کی فیاضانہ و حاتمانہ طبیعت کے باعث آپ اپنے بینک لاکرز بھر رہے ہوں جو آپ کو سونے کے نوالے کھلا کر جتاتا تک نہ ہو تو آپ اس کے مقابلے میں مجھے چوز کر کے ملنے والی مفت دولت سے دست بردار ہو کر بے وقوفی تھوڑی کریں گے۔''

''ساحرہ اگر ہم تمہیں بے انتہا چاہتے ہیں تو اس کا یہ مقصد نہیں کہ......''

''آپ کی اصلیت ہی ظاہر کرنے لگی ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔ رستم زمان شدید غصے سے تلملا گئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اپنی لاڈلی چہیتی بیوی سے غصے میں مخاطب ہوئے تھے۔

''میری اُسامہ سے محبت و خلوص کو غلط رنگ دینے کی کوشش نہ کرو۔''

''رنگ تو آپ نے اس پر اپنی دوغلی شخصیت کا ایسا پکا چڑھایا ہے کہ اب اس بے چارے پر مزید کسی دوسرے رنگ کے چڑھنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔'' وہ بے خوف انداز میں بول رہی تھی

''بہت طرف داری کر رہی ہو آج اس کی...... دل بھر گیا کیا مجھ سے۔'' ان کا لہجہ سرد تھا۔

''ہا...... ہا...... مرد کتنا ہی معزز بن جائے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ڈگریوں کے ڈھیر لگا دے۔ اونچے سے اونچے منصب پر چڑھ بیٹھے' اندر سے وہی رہتا ہے پست و بیمار ذہنیت' تنگ نظری و وہمی و مشکوک فطرت عورت کے معاملے میں وہی عام جاہلوں اور اجڈ مردوں جیسی رہتی ہے۔ عورت کسی مرد کی معمولی سی خیر خواہ بن جائے تو وہ ساری اپنی عزت و وقار کو بھلا کا چھچھورپن اور گھٹیا طعنہ زنی پر اتر آتا ہے۔ جیسے آپ۔''

''سوری' آئی ایم ریئلی سوری ڈیئر' میں واقعی زیادتی کر گیا ہوں۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اُسامہ ملک بہت پاور فل اسٹرونگ کریکٹر مین ہے۔ وہ تو کبھی آپ کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ دراصل آپ کو معلوم ہے' پارٹی کے کتنے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ ہر ورکر اپنی پارٹی الگ بنائے بیٹھا ہے۔ بھتہ خوری' جبری چندے اور لوٹ کھسوٹ کا بازار ان لوگوں نے گرم کر رکھا ہے۔ کوئی کمپنی' کوئی مل' کوئی فیکٹری ان کو بھتہ دیے بغیر نہیں چل سکتی۔ دہشت ان لوگوں نے اس قدر پھیلا رکھی ہے کہ لوگ پولیس میں رپورٹ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے' مجھ پر بھی دو بار قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے۔ بس قسمت تھی جو بچ گیا۔''

''اوہ آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں۔'' وہ نیل پالش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے چونک کر بے قراری سے بولی۔

''میں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا آپ کو ویسے بھی پالیٹکس لائف میں بنیادی اصول بن چکے ہیں' ایسی حرکتیں حریف پارٹیاں کتنا بھی دعویٰ کریں' دوستی و محبت کا مگر ہوتا صرف دعویٰ ہی ہے۔''

''جبھی آپ کو وہ سپر مین یاد آ رہا ہے۔'' وہ ان کے نزدیک بیٹھتی استہزائیہ لہجے میں بولی۔

''ہاں آپ اسے سپر مین' ٹارزن یا نیکی کا فرشتہ جو چاہیں کہہ لیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ ہم آپ پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور اپنے آپ سے زیادہ ہمیں اُسامہ پر اعتماد ہے' کیونکہ وہ شفاف و مضبوط کردار کا حامل نوجوان ہے۔''

✦ ✦ ✦

فوزیہ بیگم کوریڈور سے گزریں تو ان کی نگاہ زینی کی طرف اٹھی۔ جو پیازی کلر سوٹ میں ملبوس صوفے پر بیٹھی گم صم حالت میں سامنے دیوار پر لگی سینری۔ کو دیکھ رہی تھی۔ جس میں سفید پانی کی شفاف سطح پر ڈھیروں گلابی اور نیلے کنول کے پھولوں کے دلکش منظر کی فوٹو گرافی بہت خوبصورتی و مہارت سے کی گئی تھی۔ جن پر حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ وہ ساڑی کا پلو درست کرتے ہوئے اس کے قریب چلی آئیں۔ وہ ہنوز ان سے بے خبر گلابی نیلے کنول کو گھور رہی تھی۔

''زینی' منع کیا ہے نا ڈاکٹر نے مت اتنا سوچا کرو۔ حالت جانتی ہو نا اپنی' اب تم تنہا نہیں ہو جو بے پروائی برتو خود سے' ایک اور زندگی تمہارے اندر وجود پا رہی ہے' اپنے سے زیادہ تمہیں اس کا خیال رکھنا پڑے گا۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ کر اپنائیت سے سمجھانے لگیں۔

''معلوم نہیں' وہ وجود دنیا میں آئے گا بھی یا آنے سے پہلے ہی......''

''بری بات زینی' ایسے نہیں سوچتے۔'' انہوں نے تیزی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر جملہ مکمل نہ کرنے دیا۔

''میں کیسے نہ سوچوں یہ سب۔ حالات میرے سامنے ہیں۔'' وہ بھرے بادلوں کی طرح موقع ملتے ہی چھم چھم برسنے لگی۔ میکے آئے اسے ایک ماہ ہو چکا تھا اور کسی نے پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ عائشہ کو وہ فون کر کے دو تین دفعہ حالات معلوم کر چکی تھی اور جو کچھ عائشہ نے بتایا اسے سن کر اس کا دل بیٹھنے لگا تھا۔ ارشد کے انکار کی وجہ سے کوئی اسے لینے نہیں آ رہا تھا اور وہ خود اتنا کٹھور بنا ہوا تھا کہ اتنی بڑی خوشخبری سن کر بھی معمولی سا نرم نہ ہوا تھا۔ اس نے سرے سے اس بات کو اگنور کر دیا تھا۔ اس نے اپنی انا و خودداری کی پروا کیے بغیر خود اسے بار بار رنگ کیا۔ مگر وہ اس کی آواز تک سننے کا روادار نہ تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ لائبہ کو سمجھائے' وہ اپنے بھائی کو سمجھائے گی تو وہ اس کی بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ آخر کار کل عائشہ نے موقع دیکھ کر لائبہ سے اس کی بات کروا دی اور اس نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اب وہ منتظر تھی ارشد کے فون کی' اس کا دل کہہ رہا تھا اس کا فون ضرور آئے گا۔ وہ صبح سے فون کے پاس جم کر بیٹھ گئی تھی۔

''تمہیں کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس ریسٹ کرو تم۔ میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کے لئے کچن میں جا رہی ہوں۔ ملازمہ کے ہاتھ دودھ میں برف ڈال کر بھیج رہی ہوں' اسے ضرور پی لینا۔ اب لیٹ جاؤ۔ زیادہ بیٹھا مت کرو۔'' وہ ہدایت دیتی ہوئی کچن کی جانب مڑ گئیں۔ پانچ منٹ بعد فون کی بیل بجی تھی۔ اس کا دل بھی بے اختیار دھڑکا تھا۔ اس نے لپک کر اس طرح ریسیور اٹھایا جیسے فاقہ زدہ شخص کو اچانک مرغ مسلم کھانے کے لئے پیش کر دیا گیا ہو۔

''ہیلو...... ہیلو۔'' اس کے لہجے میں مسرت و اشتیاق تھا مگر دوسری طرف سانسوں کی مدھم آوازوں کے سوا گمبھیر خاموشی تھی۔ جیسے کوئی بولنا نہیں چاہ رہا ہو۔

''ہیلو' ہیلو' ارشد۔'' اس کے دل سے صدا گونجی اور لبوں سے آزاد ہو گئی۔

''ہوں تو میرا شک درست نکلا۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ کال میں نے کی ہے۔ اور کیا تمہیں میری کال کا انتظار تھا جو تم نے پہلی بیل پر ریسیور اٹھایا ہے اور اتنے اعتماد سے میرا نام لیا ہے۔'' وہ سخت مزاج اور وہمی پولیس افسر کی طرح درشت لہجے میں سوال در سوال کر رہا تھا۔

''نہیں۔ مجھے...... کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔ بس میرے دل نے گواہی دی کہ آپ کا فون ہے۔''

''تم مجھے احمق نہیں بنا سکتی ہو سمجھیں۔ لائبہ کو کیا کہا تھا تم نے جو وہ وہ کرنے پر تیار ہے جو وہ چاہتی نہیں ہے۔ کیا کہا تھا تم نے اس سے۔'' اس کا انداز بیگانوں جیسا تھا۔

''میں نے اس سے کہا تھا۔ وہ آپ سے صرف میری بات کروا دے اور تو کچھ نہیں کہا تھا۔''

''کتنی خود غرض و مطلب پرست ہو تم۔ اس کی طبیعت معلوم کرنے کے لئے ایک کال کی تمہیں فرصت نہیں ملی تھی۔ اپنی غرض کے لئے اس کا ہی وجود تمہیں نظر آیا۔''

''اماں جان کی وجہ سے جب کال نہیں کی تھی۔'' اس کی آواز بھیگنے لگی۔ اس ظالم و سنگدل شخص کی آواز سننے کے لئے بے چین اور بے قرار تھی جس پر میری جدائی کا رتی بھر بھی اثر نہیں ہے۔

''بہانے مت بناؤ۔ اب اماں جان کا خوف نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں معمولی سی بھی نرمی نہیں تھی۔

''ارشد فار گاڈ سیک' کچھ میری حالت کا خیال کیجئے آپ اتنے سنگدل تو نہ تھے۔''

''ہوں' کیا ہوا تمہاری حالت کو۔''

''اتنے انجان نہ بنئے۔ آپ کو نہیں معلوم میں ماں بننے والی ہوں اور اس کا احساس کئے بغیر آپ صرف اور صرف اپنی بہن کا خیال رکھے ہوئے ہیں' اس کے لئے پھول اور میرے لئے انگارے خرید رہے ہیں۔ میرا کیا قصور ہے' اس قصے میں مجھے کیوں سزا ملے۔'' وہ غصے میں بالکل بپھر گئی تھی۔

''اسٹاپ اٹ۔'' اس کی غصے سے چیختی آواز ابھری۔ ''تم ماں بننے والی ہو تو میرے اوپر احسان نہیں کر رہی ہو۔ روزانہ لاکھوں عورتیں مائیں بنتی ہیں' تم کوئی انوکھا کارنامہ انجام نہیں دو گی۔''

''ان لاکھوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی میری طرح بدنصیب نہیں ہو گی۔ لائبہ کو تو میں نے بہن سمجھ کر اپنا دکھ بتایا تھا مگر مجھے معلوم نہ تھا' وہ الٹا آپ کو میرے خلاف ورغلا دے گی۔''

''میری بہن تمہاری طرح عام مٹی کی نہیں بنی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بہت نایاب و حساس مٹی سے بنایا ہے' اس لئے وہ تمہاری طرح کم ظرف و خود غرض نہیں ہے۔ مجھ سے بات کرتے وقت اپنی دانست میں اس نے کچھ ظاہر ہونے نہیں دیا تھا مگر میں تو تمہاری خصلت پہچانتا ہوں۔''

''سچ کہتی ہیں اماں جان' وہ لڑکی نہیں جادوگرنی ہے۔ پہلے اُسامہ بھائی پر جادو چلایا پھر آپ پر اور روحیل بچا جان......'' دوسری طرف سے ریسیور پٹخنے کی آواز سنائی دی۔ اس کی بات ادھوری رہ گئی' وہ اپنی بے بسی پر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر رو دی۔

✦ ✦ ✦

''ممی! کیسا چل رہا ہے آپ کا 'سویٹ ہوم'۔'' کنول تیار ہوتے ہوئے مسز توفیق سے بولی۔

''ایک ماہ کے قلیل عرصے میں ہی بہت زیادہ شہرت حاصل کر لی ہے ہمارے ادارے نے۔ دراصل اس میں آپ کے ڈیڈی کی محنت کا دخل بہت زیادہ ہے۔ ان کا مشن ہے جو بچے پیدائشی طور پر گونگے بہرے ہوتے ہیں اور جو پیدائشی ابنارمل ہوتے ہیں' ایسے بچوں کی بہترین فلاح و بہبود تعلیم و تربیت اس خطوط پر کی جائے کہ وہ بھی آگے چل کر معاشرے پر بوجھ بننے کے بجائے عام نارمل لوگوں کی طرح زندگی بسر کریں اور معزز شہری سمجھے جائیں۔

''ویری نائس' مگر ممی کسی اور پر ابھر کی طرف بھی تو جہ دیتیں نا آپ' کام تو یہ بھی نیکی کا ہے مگر ہمارے یہاں 'اسپیشل چائلڈز ہوم' بڑی تعداد میں کھلے ہوئے ہیں۔''

''لیکن یہ کسی نیکی یا خوف خدا کے لئے نہیں کھولے گئے بلکہ دولت کمانے کے جذبے کے تحت کھولے گئے ہیں۔ لمبی لمبی فیسوں اور بہانوں سے اتنے چارجز بچوں کے ایڈمشن کے لئے مانگے جاتے ہیں کہ کوئی غریب یا متوسط گھرانے کے لوگ یہ اخراجات افورڈ نہیں کر سکتے اور پھر ان کے بچے گھر اور معاشرے پر بوجھ بن کر رہ جاتے ہیں۔ ہم نے ایسے بچوں کے لئے بہت معمولی اخراجات رکھے ہیں جنہیں عام محنت کش آرام سے ادا کر سکتا ہے اور ایسے لوگ جو یہ معمولی سی فیس بھی بحالت مجبوری ادا نہیں کر سکتے' ایسے بچوں کی فیس معاف ہے' ان کے اخراجات فنڈز میں سے پورے کئے جائیں گے۔''

''گڈ آئیڈیا ہے ممی لیکن آپ نے مجھے کیوں بلوایا ہے؟''

''دراصل ایک ہفتے پہلے ایک نوجوان لڑکی ہمارے ادارے میں بھیجی گئی ہے۔ اس کی حالت ایسی ہے جیسے وہ سکتے کی کیفیت میں ہو۔ اس کی نگاہیں خلاؤں میں گم رہتی ہیں۔ نہ بولتی ہے نہ سنتی ہے' اگر بٹھا دو تو بیٹھی رہے گی' لٹا دو لیٹی رہے گی' کھانا کھلا دو تو کھا لے گی۔ اس میں بے حسی و پتھریلی کیفیت کچھ ایسی ہے کہ اظہار و انکار سے بالکل عاری ہو چکی ہے۔ بہت پیاری بچی ہے' دل دکھتا ہے اسے دیکھ کر' میں نے سوچا' آپ سے مشورہ لوں۔ آپ ایک دفعہ اُسے دیکھ لیں پھر اسپتال میں ایڈمٹ کروا دیں گے۔'' انہوں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے مشورہ لیا۔

''کب آئی ہے آپ کے پاس وہ لڑکی۔ کون لے کر آیا تھا۔''

''مسز خرم حق ہیں' تم جانتی ہو نا خرم حق جیولرز کو' بہت بڑے جیولرز میں شمار ہوتا ہے اُن کا۔ دوست ہیں آپ کے ڈیڈی کے۔'' وہ جیسے اسے یاد دلانے پر کمربستہ ہو گئیں۔

''ممی! آپ نے تو فیصلہ کیا تھا اب آپ کسی کی دولت اور اسٹیٹس سے مرعوب نہیں ہوں گی۔'' وہ مسکرائی۔

''ہاں تو میں قائم ہوں ابھی بھی' مگر حوالے دینے میں مرعوبیت کہاں سے آ گئی۔ اچھا جانے دو مسز خرم اپنی ملازمہ کے ہمراہ اس لڑکی کو لائی تھیں منڈے کو۔ اس لڑکی کو اس ملازمہ کی بہن گاؤں سے اس کے پاس چھوڑ کر گئی تھی۔ ملازمہ کو نہیں معلوم کہ وہ پیدائشی طور پر ایسی ہے یا کسی صدمے سے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ مسز خرم اسی لئے اسے ایب نارمل شعبے میں داخل کروا کر چلی گئی ہیں اور مجھے اس لڑکی سے بہت ہمدردی ہے۔

''میں کل وقت نکال کر اسے دیکھنے جاؤں گی' چیک اپ کے بعد معلوم ہوگا' اسے بیماری کیا ہے۔ یا وہ پیدائشی ایب نارمل ہے۔'' کنول کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

* * *

ویرانی اور سناٹے کسی آسیب کی مانند گھر کے در و بام سے چمٹ کر رہ گئے تھے۔ اداسیاں اور خاموشی بن بلائے مہمان کی طرح گھر میں دھرنے دیے موجود تھیں۔ بظاہر روز مرہ کے معمولات اپنے روٹین کے ساتھ جاری تھے۔ وہ دھک دھک کرتے گوشت کے ٹکڑے میں بہت ساری آہٹیں سن رہی تھی' جن کا مفہوم بہت واضح تھا۔ نبیل نے روحیل صاحب کو خلع کے لئے مقدمہ دائر کرنے سے روک دیا تھا۔ اس کا مقصد تھا اُسامہ سے پہلے بات کی جائے' وہ کیا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس نے بالکل خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ اماں جان کی اشتعال انگیز کالز اکثر آتی رہتی تھیں۔ روحیل صاحب کے ایڈووکیٹ ناصر حسین کا بھی یہی مشورہ تھا کہ پہلے اُسامہ سے بات کر لی جائے۔ انہوں نے نبیل کے ذریعے اُسامہ کو کال کروائی کہ وہ اس سے ملنا چاہتے ہیں اور اس نے دو تین دن بعد آنے کے بارے میں کہا تھا۔ دو دن نبیل کو کال کئے گزر چکے تھے مگر وہ آیا نہیں تھا۔

عائشہ اور عظمت محلے میں رہنے والے بریگیڈیئر آفتاب احمد کے ہاں تعزیت کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ آفتاب احمد کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی کوٹھی سے تیسری کوٹھی ان کی تھی۔ سیف کو اس نے روک لیا تھا۔ کافی دیر اس کے پاس کھیلنے کے بعد وہ فیڈر پی کر سو گیا تھا۔ دونوں ملازمائیں صفائی کر رہی تھیں۔ نبیل اور ارشد اپنے اپنے آفس جا چکے تھے۔ ثمیر کی اسپتال میں ڈے ڈیوٹی تھی' وہ بھی صبح ہی چلا گیا تھا۔ گھر میں وہ اور روحیل صاحب تھے۔ وہ اکثر اپنے اسٹڈی روم میں وقت گزارتے تھے کم کو وہ پہلے ہی تھے مگر اب تو انہیں چپ سی لگ گئی تھی۔ لائبہ اور سیف ایسے وجود تھے جن کو دیکھ کر وہ آسودگی و سکون سے مسکراتے تھے' ورنہ ان پر جمود طاری رہتا۔ اس نے جھک کر سوئے ہوئے سیف کے پھولے پھولے گال چوم لئے' محبت کی مٹھاس اس کے اندر تک اترتی چلی گئی۔ سگا خون سگا رشتہ' سچی خوشی' کس طرح جذبوں میں مٹھاس بھر دیتی ہے' دو ماہ تک وہ اس کے وجود سے بھی نا آشنا تھی۔ کتنی جلدی گزر جاتا ہے وقت کچھ لیتا ہوا' کچھ دیتا ہوا' کل تک وہ اپنوں کے چہروں سے بھی ناشناسا تھی اور آج سب سے زیادہ جو اسے عزیز تھا' وہ سیف الملک تھا جس کی معصوم شرارتوں اور ننھے ننھے قہقہوں میں گم ہو کے وہ خود کو فراموش کر دیتی تھی۔ اس نے اسے اپنے بیڈ پر ہی لیٹا رہنے دیا اور اس پر رضائی ڈال دی۔ ملازمہ صفائی کرنے کمرے میں آئی تو وہ باہر نکل آئی۔ عائشہ اور عظمت کی غیر موجودگی میں گھر اور زیادہ خاموش اور ویران لگ رہا تھا ایسے ہیبت ناک سناٹے تھے کہ وہ وحشت زدہ ہو گئی۔ جیون تو اس کا بھی خاموشیوں اور تنہائیوں میں گزرا تھا مگر ان خاموشیوں اور تنہائیوں میں وسوسوں کے ناگ نہیں ڈستے رہتے تھے' اندیشوں کے آسیب شہ رگ کو زخمی نہیں کرتے تھے۔ وہاں بڑا سکون' بہت اطمینان تھا۔ ماما کی محبت کسی نورانی بادل کی طرح ہر وقت اُسے اپنی ٹھنڈی سکون بخش چھاؤں میں رکھتی تھی۔ ماما...... آہ! ان کی یاد کے زخم پر لگے ٹانکے جیسے ٹوٹنے لگے۔ اس کا دل شدت سے ان کی یاد میں مضطرب ہونے لگا۔ ان کے جانے کے بعد وہ ایسے حالات سے گزری تھی کہ ڈھنگ سے ان کا سوگ بھی نہ منا سکی تھی۔ ان کی یا ذان کا چہرہ اس کے تصور میں آ کر اسے بے چین کر گیا۔ وہ سوچتی ہوئی اسٹڈی روم کی طرف آ گئی۔

''ڈیڈی میں آ جاؤں۔'' اس نے گیٹ عبور کرنے کے بعد پردے کے پیچھے سے پوچھا۔

''یس...... آؤ...... آؤ آپ نہیں گئیں' اپنی ممی اور بھابی کے ساتھ۔'' اس کو دیکھ کر تو وہ جیسے جی اٹھتے تھے۔ محبت کے بے پایاں احساس سے ان کا چہرہ جگمگا اٹھتا تھا۔ اس وقت بھی وہ لائبہ کو اپنے سامنے دیکھ کر مسرت سے کھل اٹھے تھے۔

''نہیں ڈیڈی۔'' وہ مختصر جواب دیتی ہوئی ان کے قریب بیٹھ گئی۔ انہوں نے اس کے گرد بازو کر دیا تھا۔ اس نے ان کے شانے سے چہرہ ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ نہایت طمانیت و سکون اس کی رگوں میں اترنے لگا۔ اس شانے پر سر رکھ کر سونے کے لئے' اس پرخلوص پرشفقت لمس کو پانے کے لئے اس نے عمر کا ایک حصہ دعاؤں خواہشوں اور انتظار میں گزارا تھا۔ ایک عمر کی تپسیا کے بعد یہ خواب حقیقت بنا ہے۔ تشنگیوں کو قرار ملا ہے تو اس کے اندر جیسے کوئی الہامی قوت بیدار ہو گئی ہے جو ہر لمحے یہ احساس دلاتی ہے یہ ساتھ' یہ ملاپ' یہ قربتوں کا بندھن بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ ان کے درمیان پھر دوریوں کا موسم شروع ہو جائے گا جو شاید زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو' اس مختصر سی محبت کو وہ سمیٹ لینا چاہتی تھی۔

''ڈیڈی میں ہاکس بے ہاؤس جانا چاہتی ہوں۔ جب سے یہاں آئی ہوں' ایک دفعہ بھی نہیں گئی۔ ایک ہفتے بعد واپس آ جاؤں گی۔'' اس کا انداز ہنوز وہی تھا۔

''السلام علیکم چچا جان۔'' دستک کے ساتھ ہی وہ اندر داخل ہوا تھا۔

لائبہ ہڑبڑا کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ اس کی بے اختیار نظر اُسامہ پر پڑی تھی مگر اس نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈال کر بڑی سرعت سے اگنور کر دیا تھا۔ برہمی و لاتعلقی تھی' ان شفاف و چمکدار آنکھوں میں۔ لائبہ کا دل کسی احساس سے دھڑکا تھا۔

''وعلیکم السلام آؤ بیٹھو۔'' وہ ٹیبل پر سے گلاز اٹھا کر آنکھوں پر لگانے کے بعد اس سے مصافحہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے مخاطب ہوئے۔

اُسامہ براؤن صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں در آئی تھیں۔ روحیل صاحب اس کے چچا کم دوست زیادہ تھے۔ بے انتہا محبت و اہمیت دیتے تھے اسے' وہ بھی ان پر جان چھڑکتا تھا' ہر بات' ہر مسئلہ ان سے ڈسکس کرتا تھا۔ باپ کے اور اس کے درمیان تو بچپن سے ہی تکلف کی دیوار حائل تھی۔ وہ اولاد سے فاصلہ رکھ کر محبت کرنے کے قائل تھے اور ان کے اس رویے نے اسے شفیق و نرم مزاج چچا سے بچپن سے ہی قریب کر دیا تھا مگر آج اسے محسوس ہوا تھا' ان کے انداز میں وہ فطری گرم جوشی و محبت مفقود تھی جو اسے دیکھ کر ان کے لہجے اور چہرے سے کرنوں کی طرح پھوٹ نکلتی تھی۔ عام رسمی جذبات سے پُر انداز تھا۔

''کیسی مصروفیات رہیں۔ دو دن سے آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔''

''نبیل کی کال میں نے ائرپورٹ پر ریسیو کی تھی۔ سلک ملز کی مشینری کے کچھ اسپیئر پارٹس خراب ہو گئے تھے' ان کی جھنجھٹ میں فیصل آباد گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر دو تین کام اور ایکسٹرا نکل آئے' اس لئے میں لیٹ ہو گیا۔ ایئرپورٹ سے سیدھا یہیں آ رہا ہوں۔''

''ڈیڈی میں سیف کو دیکھوں جا کر' وہ اٹھ نہ گیا ہو۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ ان دونوں کی موجودگی میں خود کو وہ ان فٹ محسوس کر رہی تھی۔

''اچھا۔ بیٹا' ذرا بوا کو چائے وغیرہ کا کہہ دینا۔'' وہ جیسے اس کے جانے کے منتظر بیٹھے تھے۔ وہ دوپٹا سنبھالتی تیزی سے روم سے نکل گئی۔

کمرے میں تناؤ اور خاموشی تھی۔ اُسامہ نگاہیں جھکائے بیٹھا ان کے بولنے کا منتظر تھا اور وہ سامنے ریک میں رکھی قطار در قطار گرین و براؤن، ریڈ جلد والی بے شمار کتابوں پر نگاہ جمائے ذہن میں تانے بانے بننے میں مصروف تھے۔ اُسامہ کا لمبا چوڑا وجود جیسے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہو۔ ان کے پروقار چہرے پر عجیب رنگ ابھر رہے تھے۔

''چچا جان آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا؟'' خاموشی طویل ہو گئی تو اسے پہل کرنی پڑی۔

''میرے خیال میں آپ اتنے ذہین ہیں کہ سمجھ سکتے ہیں۔'' وہ ذو معنی لہجے میں بولے۔

''بعض معاملات میں ذہانت زیرو ہو کر رہ جاتی ہے آدمی کوڑھ مغز ہو جاتا ہے۔'' وہ عام سادہ مزاج نوجوان نہ تھا۔ وہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے دانا و بینا شخص تھا۔ پوری دنیا جو گھوم چکا تھا۔ لوگوں کی نفسیات سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ ان کی بات سمجھ کر بھی وہ انجان بن کر بولا۔

''لائبہ کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے آپ نے؟'' وہ بلاتمہید کے کھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

''میرے تمام فیصلے کرنے کے اختیارات اماں جان کے پاس ہیں۔ ان کا جو فیصلہ ہوگا' وہی میرا بھی ہوگا اور وہ آپ کو اپنا فیصلہ سنا چکی ہیں۔'' وہ بھی ان کے انداز میں بولا۔

''یعنی اپنی اکلوتی بیٹی کو میں فالتو اور بے کار سامان کی طرح گھر سے پھینک دوں۔''

''یہ ضد ہے اماں جان کی اور میں ان کی بات سے انحراف کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔''

بوا کو وہ چائے اور دیگر لوازمات تیار کرنے کا کہہ آئی تھی۔ سیف ابھی تک بے خبر سو رہا تھا۔ وہ اسٹڈی روم سے ملحق لابی میں آ گئی۔ کھڑکیوں سے اندر کی آواز صاف آ رہی تھی۔ وہ وہاں رکھی چیئر کی طرف بڑھ گئی پھر کسی خیال کے تحت المونیم ڈور آہستگی سے کھسکا کر اندر جھری سے جھانکا۔ وہ سامنے صوفے پر براجمان تھا۔ براؤن پینٹ کوٹ پر براؤن آف وائٹ کٹس والی ٹائی باندھے وہ ہمیشہ سے زیادہ سوبر اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔ وجیہہ چہرے کی سرخیوں میں مزید سرخیاں چمکنے لگی تھیں۔ گلابی ہونٹوں کے اوپر لائٹ براؤن مونچھوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا جو اس کی شخصیت کو بہت ہینڈسم و چارمنگ بنا رہی تھیں۔ بالوں کا اسٹائل آج بھی ویسا ہی دلکش و اسمارٹ تھا۔

''خدا کی قسم میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ جامعہ کی آدھی لڑکیوں کے دل اُسامہ کی مونچھوں پر فدا ہیں تو آدھی ہیئر اسٹائل پر۔ اس ظالم کو احساس ہے' اس بات کا جبھی کسی لڑکی کو خاطر میں نہیں لاتا مگر لڑکیوں کو اس کی یہ ادا بھی دیوانہ بنا دیتی ہے۔

''بس تو یونہی اس پر لٹو ہوتی رہو وہ تمہیں نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا' کلف شدہ شخص۔''

''لائبہ ڈیئر۔ اس سنگدل کی ایسی ادائیں ہی تو ہم جیسوں کو کہیں کا نہیں چھوڑتی ہیں۔''

''اللہ کرے' اس کے ایسے بال اتریں کہ ساری زندگی وہ گنجا رہے' اور اس کی مونچھوں پر فالج گر جائے تاکہ تم جیسی حسن پرست لڑکیوں کی عقل کچھ کام کرنے لگے۔'' اس نے جلے بھنے انداز میں دعا مانگی تھی۔ سوئی' حنا' سمیرا کے قہقہے اس کے ذہن میں اسی طرح گونج رہے تھے۔ اس کی نگاہوں کی چوری شاید وہ پکڑ چکا تھا۔ اس کی بھرپور نگاہ کھڑکی کی طرف اٹھی تھی اور وہ پکڑے جانے کے خوف سے بے اختیار پیچھے ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے کان اندر سے آنے والی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ معاملات کی اصل نوعیت سے وہ بھی واقف تھی۔

''ابا جان کہا کرتے تھے۔ بیٹی کا وجود اللہ کی رحمت کا پرتو ہوتا ہے۔ جس گھر میں بیٹی ہوتی ہے' وہاں اللہ کا سلام آتا ہے اور قابل ستائش اور قابل رشک ہوتے ہیں ایسے والدین جن کے ہاں بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بیٹیوں کی پیدائش کی جب بھی دعا مانگو تو ساتھ ہی ان کے اچھے نصیبوں اور خوش بختیوں کی دعا بھی شدت سے مانگو' بیٹی کی پیدائش سے کوئی خوف زدہ نہیں ہوتا۔ خوف تو صرف اس کے نصیب سے لگتا ہے کیونکہ بیٹیاں پرائی امانت ہوتی ہیں' انہیں پرائے گھر بسنا ہوتا ہے اور وہیں سے ان کے بخت کا کھیل شروع ہو جاتا ہے۔'' روحیل صاحب کچھ دیر جیسے اپنے جذبات پر قابو پانے کے لئے رکے۔

''چچا جان' اماں جان کو آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ وہ ماں ہیں آپ کی۔''

''یہی تو میری بے بسی ہے کہ وہ میری ماں ہیں۔ کیسی ماں ہیں وہ' جنہیں اپنے بیٹے کے جذبات و احساسات کا خیال تک نہیں ہے۔ ماں تو اپنے بچوں کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں دینے سے گریز نہیں کرتیں اور اماں جان صرف اپنی کھوکھلی انا اور فضول ضد کی وجہ سے اپنے خون کو اپنا ماننے سے انکاری ہیں۔ مرد کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو' وہ یہ کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ اس کی شناخت کو بے شناخت قرار دیا جائے اور اماں جان مسلسل میرے خون کو گالی دینے پر کمربستہ ہیں۔ وہ یہ مانتی ہی نہیں ہیں کہ وہ میری بیٹی ہے۔''

اُسامہ خاموش بیٹھا رہا' گردن جھکا کر۔ بات تھی کچھ اتنے حساس ٹاپک پر کہ اس نے کچھ نہ کہنا ہی بہتر جانا۔ روحیل صاحب تسلسل سے بولنے کے عادی نہ تھے۔ بار بار خاموش ہو جاتے تھے پھر کچھ دیر خلاؤں میں گھورنے کے بعد گویا ہوتے۔ اُسامہ ان کی اس عادت سے واقف تھا۔

''فاطمہ میری زندگی میں آنے والی دوسری عورت تھی۔ حالانکہ اس سے میرا جذباتی یا فطری لگاؤ نہ تھا۔ بس بن مانگی دعا کی طرح وہ میرا نصیب بن گئی تھی۔ حالانکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کا مذہب عیسائیت تھا۔ وہ بچپن سے جوانی تک آزاد اور بے باک معاشرے میں رہی تھی مگر وہ بہت مضبوط کردار اور پاکباز لڑکی تھی۔ ایک

عورت کتنی پاکباز اور باعصمت ہوتی ہے' اس بات کو اس عورت کے شوہر کے علاوہ دوسرا نہیں جان سکتا۔ میں گواہ ہوں کہ فاطمہ باعصمت تھی اور اس کے وجود سے جنم لینے والی میری بیٹی صرف اور صرف میری ہے۔ اس کی رگوں میں میرا خون دوڑتا ہے' اس کی سانسوں میں میری روح کی مہک بسی ہوئی ہے۔ میں کس طرح یہ گالی برداشت کروں۔''

روحیل صاحب خاموش ہوگئے۔ کمرے میں بے معنی سا سناٹا چھا گیا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ باہر بیٹھی لائبہ احساسِ ذلت سے سن ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی ذات کی نفی کا یہ ایک ایسا گھٹیا پہلو تھا کہ وہ چاہتی تھی' کم از کم اس اکڑے ہوئے شخص کے سامنے نہ آئے مگر......

ملازمہ چائے اور دیگر لوازمات اندر سرو کر آئی تھی۔ اس نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا ذہن اندر ہونے والی گفتگو میں الجھا ہوا تھا کہ کیا فیصلہ ہوگا۔ کبھی اس کی خواہش تھی' اس شخص سے تعلق توڑنے کی اور شدید خواہش تھی۔ وہ ہینڈسم اور اسمارٹ تھا' اس کی پرسنالٹی دبنگ تھی اور سب سے بڑی خوبی اس کی یہ تھی کہ وہ اسٹرونگ کریکٹر وائز تھا۔ ورنہ جہاں مرد کو اپنی بھرپور وجاہت کا احساس ہوتا ہے اور دولت کی طاقت پاس ہوتی ہے' شہرت کا نشہ ہوتا ہے' اور بہکنے کے لئے حسین سے حسین تر لڑکیاں تیار ہوتی ہیں تو مرد خود کو راجہ اندر ہی سمجھنے لگتا ہے پھر مہکتی زلفوں' شوخ مسکراہٹوں' بے باک اداؤں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے' اس حقیقت کی وہ خود گواہ تھی۔ جامعہ اور جامعہ سے باہر لڑکیاں اُسامہ کو دل کے نہاں خانوں میں بٹھا کر پرستش کیا کرتی تھیں اور وہ ان کے وجود سے اس قدر ہی الرجک تھا اور پھر یکایک اس کی کایا پلٹی اور وہ جنسِ مخالف سے خار کھانے والا انہیں بلکہ حقیر و کمتر سمجھنے والا اُسامہ ملک اس کی محبت میں ایسے گرفتار ہوا کہ ساری خودداری' اکڑ اور برتر ہونے کا عزم بھاپ بن کر اڑ گیا۔ اس نے سچائی سے بارہا اسے اپنے سچے اور کھرے جذبوں کا یقین دلانا چاہا تھا مگر ایک تو وہ پہلے ہی اپنے باپ کی طرف سے بدگمان تھی' دوسرے جامعہ میں اُسامہ نے اس کی بے تحاشہ بے عزتی کی تھی جسے نہ بھولی تھی۔ لائبہ کے دل میں اس کے لئے محبت کا پھول کھلا ہی نہیں اور آج تک دل کی زمین پہلے کی طرح بنجر تھی۔ اُسامہ کی کوئی بھی ادا اسے اس کا گرویدہ نہ کر سکی تھی مگر اب جو ہو رہا تھا' اس سے وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس دن کے بعد سے اس کی ہمت نہ پڑی کہ ارشد سے زینی کی کوئی بات کرے کیونکہ وہ زینی کا نام سننے کو ہی تیار نہ تھا اور وہ اکثر سوچتی رہتی۔ بھائی کو کیا ہوا ہے' جب کہا تھا صبح بات کریں گے' اس دن سے ہی وہ زیادہ زینی کے خلاف ہو گئے تھے۔

''اُسامہ' کوئی باپ اپنی بیٹی کو خوشی سے طلاق نہیں دلواتا اور میری بیٹی کنواری ہے' یہ فیصلہ میں نے کس حوصلے سے کیا ہے' یہ میں جانتا ہوں یا میرا اللہ۔'' اندر سے آتی روحیل صاحب کی تیز آواز ابھری تھی۔ ''میری بیٹی کو تم نے صرف اپنے کیریئر ڈیفنس کے لئے یوز کیا ہے۔''

''آپ کی سوچ درست نہیں ہے چچا جان' پہلے جو کچھ ہوا وہ سب کچھ اسی کی عزت و احترام کی خاطر ہوا تھا اور نکاح بھی اسی خیال کے تحت کیا تھا۔ اس فیصلے میں ہم دونوں کا مفاد پوشیدہ تھا کیونکہ منشی کی واقف لائبہ کی آنکھوں کے کلر کی واضح شناخت بتا گئی تھیں۔ میں نے اپنے ساتھ اس کا بھی کیریئر ڈیفنس کیا ہے۔'' اس کا لہجہ مودبانہ ہی تھا۔

''دنیا میں صرف میری بیٹی کی آنکھیں گرین ہیں۔ خیر اس لاحاصل بحث کو ختم کرو۔ اگر آپ کو لائبہ سے میرج برقرار رکھنی ہے تو اپنے بزرگوں کو ساتھ لے کر آؤ اور اسے باعزت طریقے سے لے جاؤ۔ کوئی راہ نہیں روکے گا آپ کی۔ اگر اماں جان کے حکم پر اپنوں کے بجائے غیروں کو لے کر آؤ گے میری بیٹی کا ہاتھ مانگنے تو یہ کبھی بھی ممکن نہیں ہو سکے گا۔ پھر اس کا آسان اور موثر حل یہی ہے کہ خاموشی سے ڈائیورس پیپرز پر دستخط کر دیں۔''

''ناممکن' چچا جان' یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔'' وہ اضطرابی انداز میں کھڑا ہو گیا۔

''مگر جو آپ اماں جان کے حکم پر کرنا چاہتے ہیں' وہ بھی ممکن نہیں ہے۔''

''بچپن اور بڑھاپا ایک ہی مزاج کی دو عمریں ہیں۔ یہ بھی تو سوچئے آپ۔''

''بچپن ناتجربے کاری' معاملہ فہمی' سمجھداری اور حیاتی نشیب و فراز سے ناواقفیت کی عمر ہوتی ہے اور بڑھاپے کی حدود میں رہنے والے لوگ بچپن میں انگاروں کو چھونے والے ناسمجھ فرشتہ صفت نہیں ہوتے ہیں۔ اس عمر کی ضدیں اور خواہشیں بے ضرر ہوتی ہیں۔ اماں جان کی اس عمر کی ضدوں کو ہم بچپنے کی ضدوں پر محمول نہیں کر سکتے۔ یہ گھر برباد کر دینے والی' دلوں کا خون کر دینے والی سفاک اور بے رحم ضدیں ہیں۔''

''بہر کیف میرے لئے یہ قطعی ناممکن ہے لائبہ کو ڈائیورس دینا۔ پلیز چچا جان' میری اس گستاخی کو معاف کر دیجئے گا۔ اس کے لئے میں کبھی بھی تیار نہیں ہو سکتا۔''

''یہ آخری فیصلہ ہے آپ کا......'' وہ سنجیدگی سے مضبوط لہجے میں بولا۔

''او کے' ہماری خواہش تھی کہ یہ معاملہ عدالت میں نہ جائے' اس میں آپ کے پولیٹیکل کیریئر کا دفاع تھا اور ہمارے ریلیشنز' ایئرز بھی اخبارات کی زینت بننے سے بچ جاتے اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کورٹ میں آپ سے سائن کروائے جائیں تو میں مجبور ہوں' اپنی بیٹی کے مستقبل کے لئے میں سپریم کورٹ تک بھی جاؤں گا۔ آپ کو ایک ہفتے کا ٹائم دے رہا ہوں' سوچ سمجھ کر پیپرز سائن کر دیجئے' ورنہ پھر ہماری آئندہ ملاقات عدالت میں ہی ہوگی۔'' روحیل صاحب اس وقت صرف اور صرف لائبہ کے باپ تھے۔

''یو ڈونٹ مائنڈ چچا جان۔ میں سائن نہیں کروں گا۔ چاہے مجھے پھانسی ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ابھی ایسا کوئی قلم بنا ہی نہیں جس سے میں اپنی زندگی پر موت کے سائن کروں۔''

پردہ کھسکانے کی آواز آئی تھی' وہ چلا گیا تھا اور گم صم لائبہ کے لئے سوچوں کا نیا عذاب چھوڑ گیا تھا۔

✦ ✦ ✦

کنول اسپتال سے نائٹ ڈیوٹی کر کے گھر آ گئی تھی۔ گھر میں ملازماؤں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ مسٹر و مسز توفیق اپنے چائلڈ ہوم روانہ ہو چکے تھے۔ وہ ناشتا کر کے سونے کے لئے اپنے روم میں چلی گئی تھی۔ شام کو اٹھ کر نہا کر اس نے جارجٹ کی خوبصورت ایپلک ورک کی ساڑی باندھی' بالوں کا سادہ سا جوڑا بنا کر ٹی روز اسپرے کرنے کے بعد وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ جہاں حسبِ معمول ممی ڈیڈی اس کا چائے پر انتظار کر رہے تھے۔ وہ سلام کر کے ان کے نزدیک ہی چیئر پر بیٹھ گئی۔ چائے کے دوران مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ چائے کے بعد مسز توفیق اٹھ گئیں۔

''کہیں آؤٹ ڈور پروگرام کا ارادہ ہے ممی۔'' کنول نے اٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

''ارے نہیں بیٹا۔ میں نے پرسوں آپ سے اس لڑکی کا ذکر کیا تھا۔ اسے میں گھر ہی میں لے آئی ہوں۔''

''اچھا چلئے۔ کہاں ہے وہ۔'' وہ اشتیاق بھرے انداز میں ان کے ساتھ چلنے لگی۔

''بیگم صاحبہ! یہ لڑکی ہے یا مجسمہ' جب سے آپ اسے یہاں بٹھا کر گئی ہیں' یہ ایسے ہی بیٹھی ہوئی ہے۔ میں بولتی ہوں تو جواب ہی نہیں دیتی۔'' ان دونوں کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ملازمہ حیران و پریشان لہجے میں گویا ہوئی۔

''تم نے اسے کچھ کھانے کے لئے دیا یا نہیں؟'' مسز توفیق اس ساکت بیٹھی لڑکی کے قریب بیٹھتی ہوئی بولیں۔

''ہاں جی کھانا کھلا دیا ہے میں نے لیکن میری سمجھ میں اس کی کیفیت نہیں آ رہی۔'' ملازمہ از حد حیرانی کے زیرِ اثر تھی۔

''تمہاری سمجھ میں آئے گی بھی نہیں۔ جاؤ جا کر صاحب کو شام کے نیوز پیپرز دو' وہ لان میں انتظار کر رہے ہیں۔'' مسز توفیق اسے ہدایت دیتی ہوئی بولیں۔

کنول بھی اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ اس کی نگاہیں اس گم صم بیٹھی لڑکی کے چہرے پر جم سی گئی تھیں۔ اسے وہ چہرہ کچھ مانوس سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ذہن پر زور ڈالنے لگی کہ شاید یاد آ جائے' اسے کہاں دیکھا ہے۔

''جب سے یہ میرے پاس آئی ہے' یہی کنڈیشن ہے۔'' مسز توفیق اس سے مخاطب ہوئیں۔

''اس کی کنڈیشن شاکڈ ہے ممی۔ جب تک کیس ہسٹری معلوم نہیں ہوتی' ہم صحیح طور پر علاج نہیں کر سکتے۔ مسز خرم کی ملازمہ سے کہیں' وہ اپنی بہن سے معلومات حاصل کرے پھر میں اطمینان سے کام کروں گی۔ بظاہر اس کی فیلنگز بالکل نارمل ہیں۔ میموری ڈسٹربنس کا شکار ہے۔'' کنول کو کوشش کے باوجود یاد نہیں آیا کہ اس نے اس لڑکی کو کہاں دیکھا ہے۔

''او کے...... میں بات کروں گی۔ مسز خرم سے۔'' مسز توفیق کھڑے ہوتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''اسے آپ تنہا مت چھوڑیں۔ ایسے مشاغل میں اس کا ذہن بزی رکھیں جن سے اس کی سوچنے سمجھنے کے خلیے جمود سے باہر نکلنے کی کوشش کریں۔''

✦ ✦ ✦

رستم زمان کے فل فرنشڈ سیٹنگ روم میں بے حد قیمتی امپورٹڈ صوفے پر وہ خاموش بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں پکڑے گولڈن کانچ کے مگ میں بھاپ اڑاتی کافی پر اس کی نگاہیں پرسوچ انداز میں جمی ہوئی تھیں۔ سامنے صوفے پر رستم زمان کریم کرتے شلوار میں بہت پریشان بیٹھے ہوئے اس سے گفتگو میں مصروف تھے۔ فان کلر کے تنگ پاجامے اور انڈین فراک سوٹ میں وہ میچنگ جیولری اور میک اپ میں بالوں کا خوبصورت جوڑا بنائے سینٹر میں رکھے صوفے پر بیٹھی تھی۔ چھت کے وسط سے لٹکتے جھومر کی جگمگاتی روشنیوں میں اس کا دلکش سراپا ہیرے کی مانند جگ مگ کر رہا تھا۔ وہ بہت نزاکت سے کافی پینے میں مصروف تھی۔

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اُسامہ بیٹا' میں حکومت سے علیحدگی اختیار کر رہا ہوں۔ ہماری پارٹی کا اتحاد اور سالمیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ ورکرز بھی بددل اور ہٹ دھرم ہو گئے ہیں۔ جذبہ' لگن اور جوش ختم ہو گیا ہے۔ مخالف پارٹیز ورکرز کو ورغلا رہی ہیں آپس میں ہی ایک دوسرے کو لڑوا کر اپنا راستہ صاف کر رہی ہیں عوام پر بھی غلط تاثر پڑ رہا ہے آئندہ ہونے والے الیکشن میں ہماری پارٹی کا بائیکاٹ ہو جائے گا۔ مختلف جماعتیں ابھی اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب نہیں ہوئی ہیں اور حکومت میں ہم جن وعدوں کی بنا پر شامل ہوئے تھے' ان میں سے ایک بھی پورا نہیں کیا گیا ہے۔ جب بھی احتجاج کیا جاتا ہے تسلی اور دلاسوں کی تھپکی دے دی جاتی ہے' حکومت جانتی ہے ہماری جماعت بہترین سیاسی جماعت ہے۔''

''قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں سر۔ لارڈ ہیلی فیکس کا کہنا ہے' بہترین سیاسی جماعت بھی قوم کی سالمیت کے خلاف سازش ہے۔ کیونکہ جماعتیں اپنے مفاد کے لئے عوام کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیتی ہیں۔ اس سے لوگوں میں دشمنی اور فرقہ بندی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ذاتیات تک کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ بلاوجہ لوگوں کو غیر اہم مسائل میں الجھا دیا جاتا ہے جس سے لوگوں کی صلاحیتیں غلط رخ اختیار کر لیتی ہیں۔ خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور قومی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور آج کل سیاسی بساط پر یہ کھیل وسیع پیمانے پر کھیلا جا رہا ہے۔ آپ متفق ہیں لارڈ ہیلی فیکس کے خیالات سے؟'' اُسامہ نے مگ ٹیبل پر رکھ کر گمبھیر لہجے میں کہا۔

''ہوں' گو کہ سیاست ریاست کی اہم بنیاد ہے اور یہ ہر دور حکومت میں اپنے وجود کے ذریعے بہت فیصلے کرواتی رہی ہے' مثبت بھی اور منفی بھی۔ اگر بہترین سیاسی جماعت مخلص و ملک سنوارنے اس کی بقا و خوشحالی کے جذبے و عزم سے لبریز ہو تو وہ بے مثال ہے اور ہماری پارٹی کو عزت و شہرت ہی ملک سے محبت اور عوام کی خدمت کی بدولت ملی ہے کہ حکومت یا مخالف جماعت کی طرف سے جو تجویز پیش ہو بلا سوچے سمجھے اس کی مخالفت کر کے اسے ناکام بنایا جائے تاکہ خود حکومت پر قبضہ کیا جا سکے۔ گویا جماعتی مفاد پر ملکی مفاد قربان کر دیا جاتا ہے جس سے ملک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے کیونکہ جماعتی نظام کی بدولت حکومت کمزور ہوتی ہے۔'' رستم زمان نے سنجیدگی سے بات مکمل کی۔

''رستم ڈیئر۔ آپ بھی ہر وقت کیوں پولیٹکس ورلڈ میں گم رہتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے آپ کو یہی فکر سوار رہتی ہے۔ کم آن' کوئی اچھی سی بات کریں چھوڑیں اس ڈرائی ٹاپک کو۔'' ساحرہ ٹشو پیپر سے لپ اسٹک درست کرتے ہوئے اپنے مخصوص لاڈ بھرے انداز میں چہکی۔

''سوری ڈیئر' ہمیں خیال ہی نہ رہا کہ آپ بھی یہاں موجود ہیں۔ دراصل مخالف پارٹیوں کا ہمارے خلاف اتحاد اور پارٹی کی ٹوٹتی ہوئی سالمیت نے ہمیں اس قدر پریشان کر دیا ہے کہ ہم راتوں کو سکون سے سو بھی نہیں سکتے۔ اُسامہ بیٹے کو بلانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان سے کوئی مشورہ لیا جائے۔''

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں جناب' آپ جیسی عظیم ہستی کے سامنے میرا مشورہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔''

''ایسے نہ کہیں بیٹا جان۔ آپ جیسے شیر دل' چٹانی حوصلے والے' بے خوف طبیعت نوجوان بیٹے کی مجھے برسوں سے خواہش تھی۔ آپ کو دیکھ کر مجھے احساس نہیں ہوتا کہ میں

بے اولاد ہوں۔" رقت سے ان کی آواز بھرا گئی۔

"میں نے بھی کبھی آپ کو غیر نہیں سمجھا۔ بہت عزت واحترام ہے میرے دل میں آپ کے لئے۔" وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا تھا۔ سنجیدہ، بردبار، کم گو، حساس، مشفق وخوش اخلاق رستم زمان سے وہ اختلافات کے باوجود تعلق ختم نہ کرسکا تھا۔ ان کی شخصیت کی یہی خوبیاں اسے یہاں نہ چاہنے کے باوجود کھینچ لاتی تھیں۔

"ہمارے درمیان نادیدہ دیوار آ گئی بیٹے! مجھے اپنی غلطی کا احساس اب ہوا ہے کہ آپ کی ناراضگی بجا تھی۔ حکومت سے علیحدہ رہ کر ہی ہم عوام کی بہتر خدمت کرسکتے ہیں اور خدا گواہ ہے میں کسی لالچ میں نہیں پڑا تھا۔ میرا مقصد عوام کی فلاح وبہبود ہی تھا۔ کم وسائل میں کم مسائل حل ہوتے ہیں اور زیادہ وسائل اور اختیارات میں ہم بہتر سے بہترین کام کرسکتے ہیں صرف یہی جذبہ تھا میرا۔"

"نیک جذبے کبھی رائیگاں نہیں جاتے سر! آپ پریشان نہ ہوں۔ پارٹی کو منظم ومضبوط کرنے کی کوشش پھر کریں گے ہم اور پارٹی کو مضبوط اور پہلے سے بھی زیادہ فعال بنانے کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی' آپ بے فکر رہیں۔" وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پرعزم لہجے میں بولا۔

"اب میں مطمئن ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے آپ جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔" ان کے چہرے پر بہت آسودہ و پرسکون مسکان در آئی تھی' جیسے اندھیرے میں بھٹکنے والے کو روشنی دکھائی دے جائے۔

"ابھی ہم ڈریس چینج کر کے آتے ہیں' آپ ہمیں دفتر ڈراپ کر دیجئے گا۔" اس نے جانے کی اجازت چاہی تو وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم کی جانب چلے گئے۔ وہاں اب صرف وہ دونوں تھے۔

ساحرہ نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ بلو جینز و وائٹ شرٹ میں وہ بہت کمزور لگ رہا تھا۔ چہرے پر موجود رہنے والی تازگی و چمک غائب تھی۔ آنکھیں کچھ سرخ سرخ تھیں جیسے بے خوابی کا شکار ہوں' تھکن چہرے سے ہویدا تھی۔ اضطراب وانتشار اور ایک خاص قسم کی ناسمجھ آنے والی بے چین کیفیت اس کے انداز سے عیاں تھی۔ ساحرہ کی نگاہیں لمحے بھر میں اس کی کیفیت بھانپ گئی تھیں۔ وہ بے قراری ہو کر اس کی جانب بڑھ گئی۔ جو حسب معمول اسے اگنور کئے بیٹھا تھا۔

"کیا پرابلم ہیں آپ کو۔ اتنے ویک ہو رہے ہیں آپ' چہرے پر اتنی تھکن ہے' جیسے صدیوں کی مسافتیں طے کی ہوں آپ نے۔ آنکھوں کی بے خوابی' اضطراب' ذات کا انتشار آپ بہت زیادہ ٹینس لگ رہے ہیں۔ کیا ہوا ہے۔" اس کے بناوٹ سے پاک دردبھرے لہجے اور تڑپ میں کچھ ایسی سچائی و بے ساختگی تھی کہ پہلی بار اُسامہ نے بے اختیار بے جھجک نظر اس پر ڈالی تھی۔

"آپ حیران ہو رہے ہیں کہ میں یہ سب کچھ کیسے جان گئی۔ حالانکہ رستم نے آپ سے کافی ٹائم ڈسکس کی ہے مگر وہ معمولی سا بھی آپ کو چیک نہ کرسکے۔ محسوسات کے سارے رابطے دل کی وابستگیوں سے ہوتے ہیں۔ محبوب کا چہرہ اس کے احساسات کا عکس ہوتا ہے۔ پھر میری نگاہوں سے کس طرح آپ کے چہرے پر نظر آنے والی پریشانیوں اور تفکرات کے رنگ چھپ سکتے ہیں۔" اس کی پیاسی نگاہیں اُسامہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

"کاش! آپ کے تمام محسوسات اور دلی وابستگیاں رستم صاحب کے لئے ہوتیں تو آپ ایک آئیڈیل وائف ہوتیں اور رستم صاحب ایک قابل فخر ورشک شوہر' بہرحال میری پرخلوص دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ آپ کو حیا کے زیور اور نسوانیت کے وقار سے نوازے۔" وہ سردمہری سے کہہ کر باہر نکل گیا۔

✦ ✦ ✦

سمندر کے نیلگوں پانی کی روانی ہمیشہ کی طرح تھی' لہروں کی چنچل شوخیاں رواں تھیں' سرخ ریت پر بجری کے پیلے پیلے ذرات سورج کی شعاعوں سے سونے کی مانند دمک رہے تھے' لہروں کا پانی جب آہستگی سے سورج سے دمکتی ریت سے گزرتا تو شعاعوں سے جھلملاتا وہ منظر نگاہوں کو خیرہ کر دیتا تھا۔ وہ ریلنگ سے جھکی ان مناظر کو دیکھ رہی تھی۔ صبح نبیل اسے یہاں چھوڑ گیا تھا۔ عائشہ اور عظمت بیگم سیف کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں آسکی تھیں۔ روحیل صاحب آج کل اپنے وکیل کے ساتھ بہت مصروف رہتے تھے۔ ارشد دو روز کے لئے رات ہی پشاور روانہ ہوا تھا' کسی دوست کی شادی اٹینڈ کرنے کے لئے اور وہ اس کے جانے کے بعد آئی تھی۔ ورنہ وہ تنہا اسے آنے نہیں دیتا۔ گھر کی ٹینشن سے گھبرا کر وہ یہاں آئی تھی۔ یہاں آ کر ماما کی یادیں اسے ہر سو بکھری ہوئی ملیں۔ وجود کی وحشتوں میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ان کے کمرے میں بیٹھی وہ کتنی دیر تک ان کی خوشبو ان کے لمس کو محسوس کرتی رہی۔ جو لوگ دل میں بستے ہیں انہیں آسانی سے بھلایا جاتا بھی نہیں ہے۔ وہ کمرے میں رکھی ان کی چیزوں کو اٹھا اٹھا کر چومتی رہی آنکھوں سے لگاتی رہی آنسو بہاتی رہی آنسو' پریشانیاں' اندیشے اور بے سکونی اسے ماں کی کوکھ سے ہی وراثت میں ملی تھی۔ جب وہ ماں کی کوکھ میں تھی' تب اس کی ماں کو بھی ایسے ہی حالات اور آنسوؤں سے نبرد آزمائی کرنی پڑی تھی' جس کے اثرات اس پر بھی واضح طور پر پڑے تھے۔ کل وہ تنہا تھی' جب بھی ناآسودگی' بے سکونی' یاسیت اور آنسو اس کا مقدر تھے۔ آج وہ اپنوں کے درمیان تھی' محبتوں چاہتوں کے درمیان تھی' جب بھی اس کا حاصل وہی آنسو اور بے سکونی تھی۔ زندگی کیا ہے۔ اور وہ کیوں پیدا کی گئی ہے۔ اس کی سمجھ سے باہر تھا قیاس کرنا۔

"بی بی جی! فون کال ہے۔ آپ نیچے آ رہی ہیں یا فون یہیں لے آؤں۔" ملازمہ کی آواز پر اس نے ریلنگ پر جھکا سر اٹھایا اور کوئی جواب دینے کے بجائے نیچے لانگ روم میں آ کر کارنر پر رکھا ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو......" اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"ہیلو لائبہ! میں زینی بول رہی ہوں۔"

"کیسی ہیں بھابی آپ۔ میں کب سے آپ کی کال کا انتظار کر رہی تھی۔" اسے ازحد مسرت ہوئی تھی' اس کی آواز سن کر۔

"ہاں ہاں تم انتظار نہیں کرو گی تو کون کرے گا۔ آگ لگا کر تماشا دیکھنے والے تم جیسے لوگ ہی تو ہوتے ہیں۔" دوسری طرف سے زینی کی آواز میں نفرت ہی نفرت تھی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ کیسی آگ۔ کیسا تماشا۔" وہ ایک دم چکرا گئی اس کے لہجے سے۔

"وہی آگ جو اپنے بھائی کو بھڑکا کر تم نے لگائی ہے۔" اس کا لہجہ ہنوز زہر آلود تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا' آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔ کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے آپ کو۔"

"غلط فہمی سے تو میں اب نکلی ہوں۔ شکل سے تم جتنی معصوم نظر آتی ہو' درحقیقت اس قدر ہی چالاک اور مکار ہو تم۔ میں نے بہن سمجھ کر تم پر بھروسا کیا اور تم نے ارشد کو بھر دیا میرے خلاف۔ انہوں نے فون پر کتنی میری بے عزتی کی' اپنی آنے والی اولاد تک کی خوشی نہیں ہے انہیں اور یہ سب تمہارے منحوس وجود کی وجہ سے ہوا ہے' تم لڑکی نہیں ہو حسین ناگن ہو' ڈائن ہو تم جو میری خوشیوں کو میری تمناؤں کو کھا گئی ہو' آئی ہیٹ یو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بھابی۔ بھائی نے آپ کو کال کی' مجھے نہیں معلوم۔ میں نے تو آپ کا حوالہ ہی نہیں دیا تھا' ان سے بات کرتے وقت کہ آپ مجھے کال کر چکی ہیں۔" زینی کے زہریلے لفظ اور کاٹ دار لہجہ اسے زخم زخم کر گیا تھا۔ اذیت کی دلدل میں وہ دھنستی جا رہی تھی۔

"خبردار جو تم نے اپنی ناپاک زبان سے مجھے بھابی کہا۔ تم تو طلاق لینے پر تیار بیٹھی ہو۔ دو سال اُسامہ بھائی کے ساتھ گزار کر بھی تمہیں ان سے محبت نہیں ہوئی۔ تم میں وفا اور محبت ہو تب محسوس کرو نا' شریف وباکردار عورت ایک بار جس مرد کو اپنا مجازی خدا بنا کر اپنا تن من اس پر نچھاور کر دیتی ہے' وہ کبھی بھی اس کی جدائی برداشت نہیں کرسکتی' اس کی زندگی میں آنے والا وہ پہلا اور آخری مرد ہوتا ہے۔ اس کی ہنسی خوشی' ہنسنا رونا' جینا مرنا صرف اور صرف اپنے شوہر کے لئے ہوتا ہے۔ تم لڑکی نہیں ہو۔ پھول پھول منڈلانے والی وہ خوش رنگ تتلی ہو جس نے ایک پھول پر قناعت کرنا سیکھا ہی نہیں۔ ایک سے دل بھر گیا تو دوسرے پر' تیسرے سے بور ہوئے تو چوتھے۔"

کبیدگی اور نفرت اتنی شدید تھی کہ وہ لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے ہی کے روادار نہ رہے تھے۔

"بھابی پلیز' پلیز ایسے مت بولئے کہ اپنی نگاہوں سے گر کر کبھی اٹھ نہ سکوں۔"

"ارے ان آنسوؤں سے اپنے بھائی کو الو بنانا۔ چچا جان کا وکیل آج بھی آیا تھا' اُسامہ بھائی کے پاس طلاق نامے پر سائن کروانے مگر اُسامہ بھائی کی ضد اور ہٹ دھرم طبیعت سے واقف ہو گی تم' آخر دو سال کا ساتھ رہا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں' سائن کبھی نہیں کریں گے' کتنے کمزور ہو گئے ہیں وہ تباہ کر لیا ہے انہوں نے تمہاری خاطر خود کو مگر تمہیں کیا' تم کسی اور کے ساتھ عیش کرنے کا سوچ رہی ہو گی۔" زینی کا لہجہ سخت توہین آمیز تھا۔ لائبہ نے دانتوں سے اپنے ہونٹ زخمی کر ڈالے۔

"اگر ایسا ہو بھی گیا تو بہت ساری زندگیاں داؤ پر لگیں گی اور سب کا خون تمہارے کھاتے میں پڑے گا۔ سمجھیں' میں خودکشی کر لوں گی' میرا اور میرے بچے کا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔ تم کبھی بھی خوش نہیں رہ سکو گی۔ سکون کو ترسو گی تم' تم ماں جیسے مقدس وشیریں جذبے سے محروم ہو' تم میری حالت نہیں سمجھ سکتیں۔ دو سال ازدواجی زندگی گزارنے کے باوجود تم ماں نہیں بن سکیں' اس سے زیادہ تمہاری بدقسمتی اور کیا ہو گی۔"

"بھا...... بی...... ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" شرمندگی وحیا سے اس کا جسم سن ہو کر رہ گیا۔ دل میں شدت سے خواہش ابھری' کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"اگر اتنی باحیا اور باکردار ہو تو بچا لو اپنے بھائی کا گھر' ساتھ قبول کر لو اُسامہ بھائی کا۔ بہنیں تو بھائیوں کی خوشیوں پر اپنی خوشیاں' اپنے ارمان قربان کرتی آئی ہیں۔ مگر تم یہ سب کیوں کرنے لگیں۔ سوتیلی بہن جو ٹھہریں تباہ کر کے چھوڑو گی انہیں۔"

اس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ لفظ 'سوتیلی' اس کے دل میں خنجر بن کر اترا تھا۔ اس نے کبھی یہ لفظ سوچا ہی نہ تھا۔ اس کے وہ سب اپنے تھے' صرف اپنے' سوتیلے سگے سے بالاتر۔ اس نے اپنے سائیں سائیں کرتے وجود کو بمشکل گھسیٹ کر صوفے پر ڈالا تھا۔ آنسو آنکھوں میں منجمد ہو گئے تھے۔ اندر ایسے الاؤ بھڑک اٹھے تھے جن میں اس کی روح تک جھلس گئی تھی' مگر جان پھر بھی نہیں نکل رہی تھی۔ "آپ نے مجھے کتنا غلط سمجھا۔ بھابی! آپ کے نازیبا الفاظ نے آج مجھے میری ہی نگاہوں میں بے عزت کر دیا ہے۔ آپ کہہ رہی ہیں میں تتلی ہوں' پھول پھول منڈلانے والی' آپ کہہ رہی ہیں' میں اب کسی دوسرے مرد کے ساتھ عیش کرنے کے سپنے دیکھ رہی ہوں۔ آپ کو کیا معلوم۔ میں تو اس پہلے مرد کو سپنے میں بھی نہ دیکھ سکی جو جبراً ہی سہی مگر میری زندگی میں داخل ہونے والا پہلا مرد ہے۔ جس نے اپنی خودسری سے اپنا نام اور اپنے حقوق کی مہر میرے نصیب پر لگا دی۔ میں اسے آج تک نہ سوچ سکی پھر کسی اور کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میری ذات کی تذلیل آج اس انداز میں ہوئی ہے کہ اگر میں ارشد بھائی کے مزاج سے واقف نہ ہوتی تو خودکشی کر لیتی اور اس ظالم شخص کی دھمکی ابھی بھی میرے حافظے میں محفوظ ہے اور وہ خود ہٹ دھرمی اور ضد میں ارشد سے بھی چار گنا زیادہ ہے مگر مجھے ایک فیصلہ کرنا ہے اٹل اور مضبوط فیصلہ جس پر عمل ہر حال میں مجھے کروانا ہے۔" وہ ایک نئے عزم اور ولولے سے اٹھی اور اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گئی۔

✦ ✦ ✦

ہمیشہ کی طرح اسد صاحب کل شام اچانک ہی تین ماہ بعد بزنس ٹور سے واپس آ گئے تھے۔ گھر میں پھیلی خاموشی اور سکوت سے انہیں صحیح معنوں میں حالات کی سنگینی کا ادراک ہوا۔ فوزیہ بیگم حالات سے باخبر کرتی رہتی تھیں ان کی واپسی کے مطالبے کے باعث وہ اپنا چھ ماہ کا ٹور ملتوی کر کے آئے تو انہیں حالات دیکھ کر سمجھ میں نہیں آیا کہ ان کی فیملی میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

"ڈھائی ماہ سے زینب یہاں رہ رہی ہے اور کوئی اسے لینے نہیں آیا۔" انہوں نے بہت حیرت آمیز لہجے میں سامنے آرام سے گاؤ تکیوں کے سہارے نیم دراز اماں سے سوال کر ڈالا۔

"وہ یہاں کیوں آنے لگے۔ کون رہتا ہے ان کا یہاں۔ روحیل نے سب سے تعلق ختم کر لیا' اس غیر لڑکی کے لئے۔ ارشد زینی کو رکھنے کے لئے تیار نہیں ہے' سب کو اس گندے خون کی بہت فکر ہے' اس کی وجہ سے ہم سب سے رشتہ توڑ لیا گیا ہے۔" اماں جان کے لہجے میں جلال تھا۔

"روحیل نے اُسامہ پر بے انتہا زور ڈالا ہے' اپنی بیٹی کو طلاق دلانے کے لئے مگر اُسامہ نہیں مان رہے۔ انہوں نے وارننگ دی ہے اگر اس ہفتے کے آخر تک اُسامہ نے طلاق نامے پر سائن نہیں کئے تو وہ ان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیں گے۔" فوزیہ بیگم کا چہرہ دھستا ہوا تھا۔

"اگر ایسا ہو گیا تو خاندانی عزت و وقار کا جنازہ نکل جائے گا اور ساتھ ہی زینی بھی اجڑ جائے گی' ارشد کے تیور ٹھیک نہیں ہیں۔" کوثر بیگم کی بھیگی ہوئی آواز ابھری۔

اپنی بچی کی خاطر ہم نے روحیل کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ طلاق نہ لے' اپنی اس فسادی کی جڑ کو ہمارے بیٹے کے ساتھ رخصت کردے اپنی بچی کے سر کے صدقے اس کی خوشیوں کی خاطر ہم اپنے سینے پر برداشت اور حوصلے کی سل رکھ لیں گے۔ مگر وہ تو ہم سے مکمل باغی ہو گئے ہیں۔''

''آپ کے اس فیصلے کو بھی روحیل نے رد کر دیا۔ ماں کا ادب واحترام' عزت ووقار سب فراموش کر چکے ہیں کیا وہ۔'' شدید غصے سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ انہیں اماں جان کی فراخدلی اور اپنی انا اور ضد کو توڑنے والی ادا بہت پسند آئی تھی۔ ساتھ ہی روحیل کی بدتمیزی و گستاخی پر غصہ اس بات پر انہیں شدید غصہ بھی آیا کہ ڈھائی ماہ سے زینی یہاں رہ رہی تھی۔ دونوں گھروں کی آمدورفت ہی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس حد تک کبیدگی ونفرت کہ وہ لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہ رہے تھے۔

''ارے نہ پوچھو بیٹا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا جو اس کی بیٹی کو عزت دے گا' جو اسے عزیز رکھے گا' اسے وہ عزیز رکھیں گے۔ اس کے علاوہ کسی اور سے کوئی تعلق نہیں ہے ان کا۔ اس غیر خون نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا نا۔ ماں کو بیٹے سے' بیوی کو شوہر سے' سب کو آپس میں ایک دوسرے سے چھڑا دیا۔ میرے جیتے جی میرا خاندان بکھر گیا۔ میرے بیٹے ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ میری بچی میری زینی کا گھر خطرے میں پڑ گیا۔ یہ سب دیکھنے کے لئے میں زندہ بچی ہوں۔'' ان کے منہ سے ایک ایک لفظ آہ بن کر نکل رہا تھا مگر چہرے پر پھیلی چٹانی سختی ویسے ہی موجود تھی۔ آنکھیں کسی خشک تالاب کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

''میں زندہ ہوں اماں جان ابھی۔ اپنے خاندان پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔''

❖ ❖ ❖

''آج لگ رہی ہو میرے جیسے ہینڈسم اور وجیہہ لڑکے کی بہن ہو۔ معمولی سا ڈیمپر کر لیا کرو۔ تھوڑی بہت خوبصورت لگنے لگتی ہو۔'' کار ڈرائیو کرتے ثمیر کی زبان رواں تھی۔ وہ ڈے ڈیوٹی سے فارغ ہو کر لائبہ کے پاس آ گیا تھا۔ لائبہ جب تک اپنی ظاہری حالت پر بہت حد تک کنٹرول کر چکی تھی مگر آگ اس میں اسی طرح الاؤ دہکا رہی تھی۔ زینی کی سنگ باری نے اسے انتہا پسند بنا دیا تھا۔ انجام سے بے پروا ہو کر اس نے اُسامہ کو آفس فون کر ڈالا تھا کہ وہ اس سے فوری ملنا چاہتی ہے۔ اس نے فلاوران ہوٹل کا ایڈریس دیا کہ وہ آفس سے فارغ ہو کر وہاں پہنچ رہا ہے۔ وہ بھی ثمیر کے آنے کے بعد تیار ہو کر اس کے ساتھ آؤٹنگ کا بہانہ کر کے آ گئی تھی۔ میرون اینڈ بلیک جارجٹ کے ریشم کی کڑھائی والے ڈبل شرٹ سوٹ میں خوبصورت لگ رہی تھی۔ خلاف معمول اس نے میرون لپ اسٹک ہونٹوں پر لگائی تھی۔ کانوں میں بلیک ڈائمنڈ کے تھری ٹاپس تھے (یہ سیٹ اور سوٹ نبیل اس کے لئے لایا تھا) گلے میں وہ ڈائمنڈ لاکٹ تھا جو اُسامہ نے اسے نکاح والے دن پہنایا تھا اور اس نے اتار کر سیف میں رکھ دیا تھا مگر آج پہن لیا تھا۔

''کبھی کبھی مسکرایا کرو۔ فیس ویلیو بڑھتی ہے یار۔'' اتنی چھیڑ چھاڑ کے جواب میں لائبہ کو گم صم بیٹھا دیکھ کر اس نے اس کے سر سے ڈوپٹہ بگاڑا۔

''تم دوپٹہ نہ کھینچا کرو سر سے۔ مجھے چڑ ہے' اس بات سے۔'' لائبہ نے دوبارہ دوپٹہ درست کیا۔

''تم اماں جان کی طرح دوپٹہ اوڑھتی ہو بالکل۔ مجھے نہیں اچھی لگتی اتنی سی عمر میں اتنی بزرگی۔''

''ہوٹل فلاوران کی طرف کار ٹرن کرو۔'' وہ رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولی۔

''اوہ' اتنا مہنگا ہوٹل۔ تم یہاں مجھے ڈنر کرواؤ گی۔ واہ جواب نہیں تمہارا۔ بہن ہو تو ایسی ہو۔ تمہیں اس ہوٹل کا کیسے خیال آ گیا۔ یہ جگہ تو ملک کے بڑے اور نامور لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔''

''کیوں ہماری انٹری منع ہے اس ہوٹل میں کیا؟''

''نو سسٹر۔.... پیسہ اتنا پاورفل انٹری ہے کہ ہر جگہ اس کی بدولت انٹری مل جاتی ہے۔'' وہ اس عظیم الشان امریکن طرز تعمیر عمارت کا گیٹ کراس کر کے اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔ سامنے پارکنگ لاٹ میں کار لاک کرتے ہوئے گرے کاٹن کے کلف زدہ سوٹ میں ملبوس اُسامہ کو دیکھ کر اس نے بے اختیار کار سائڈ میں روک دی تھی۔ پھر اس نے بوکھلا کر لائبہ کی طرف دیکھا تھا۔ مگر اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ اس نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ کار لاک کر کے ان کی طرف ہی چلا آیا۔

''ہیلو ثمیر...... اس قدر حیرانی سے کیوں دیکھ رہے ہو۔'' وہ اس کی طرف جھک کر مخاطب ہوا۔

''اوہ..... آپ یہاں۔ اچانک......'' اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا' اب کیا ہو گا۔

''باہر تو نکلو۔ اندر چائے کے دوران باتیں کریں گے۔''

''نہیں چائے وغیرہ سے ہم فارغ ہو چکے ہیں۔ ہمیں گھر جلدی جانا ہے پھر کبھی سہی۔''

''آپ کیا کہتی ہیں' یہ ڈاکٹر ہیں' ان کے پاس واقعی وقت کی قلت رہتی ہے۔ آپ کو تو کوئی جلدی نہیں ہو گی۔'' وہ براہ راست لائبہ سے مخاطب ہوا تھا۔ لائبہ خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔

''تم جاؤ ثمیر میں آ جاؤں گی۔'' وہ جھک کر ثمیر سے بولی۔

''لائبہ! یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اس کی شوخی ہوا ہو چکی تھی۔ عجیب ہونق لگ رہا تھا' وہ اس وقت۔

''تمہیں مجھ پر اعتماد ہے نا' میں آ کر تمہیں سب کچھ بتا دوں گی' مجھے امید ہے تم گھر کسی سے ابھی جا کر کچھ بتاؤ گے نہیں۔ او کے اللہ حافظ۔''

''تم مجھے ایب نارمل لگ رہی ہو لائبہ۔'' ثمیر کے لہجے میں تشویش تھی۔

''تم فکر مت کرو۔ میں ٹھیک ہوں۔ جاؤ۔'' اس دوران اُسامہ دونوں سے لاتعلق کھڑا رہا۔ ثمیر چلا گیا تو وہ اس کے ہمراہ اندر چلی آئی' ہال کی زیبائش وتزئین دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بہت پرسکون اور خاموش ماحول تھا۔ بہت دھیمے سروں میں میوزک بج رہا تھا۔ ویٹر کی رہنمائی میں وہ روم تک پہنچ گئے۔ (جو اُسامہ نے یہاں آنے سے پہلے ہی بک کروا لیا تھا) روم کے سینٹر میں بنی گلاس وال سے باہر بنی مصنوعی آبشار اور جھیل کا دلکش منظر اور ہرے بھرے پودوں' درختوں کا گارڈن بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ گداز صوفے پر بیٹھ گئی تھی' جبکہ اُسامہ سگریٹ سلگائے آبشار سے گرتے پانی کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے پہلے بولنے کے منتظر تھے۔ لائبہ لفظوں کو ترتیب دے رہی تھی مگر ہر بار ترتیب بگڑ جاتی تھی۔ کافی وقت دونوں کی خاموشی کی نذر ہو گیا تھا۔

''غالباً تم مجھے کوئی انفارمیشن دینا چاہتی ہو یا ڈائیوارس پیپرز پر سائن لینا چاہتی ہو مجھ سے۔'' اس خاموشی کو اس کی گمبھیر اور سرد آواز نے توڑا۔ وہ اس کے مقابل صوفے پر بیٹھتا ہوا ترش روی سے بولا۔ اس کی نگاہیں اس کے دلکش چہرے کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں۔ مکمل استحقاق کے ساتھ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ اس کی نگاہوں کی تپش اور لباس سے پھوٹتی ''پوائزن'' کی ہوشربا مہک سے چکرا کر رہ گئی۔

''یہ لولپ اسٹک صاف کرو۔'' اس نے اپنا معطر وہائٹ رومال اس کی طرف بڑھایا۔ 'تمہارے سنگھار کو جب تک میں مکمل انداز میں نہیں دیکھ لیتا' اس سے قبل میں اجازت نہیں دے سکتا کہ تم میری امانت میں خیانت کرو۔ تمہارے حسن کو میں نے ابھی نظر بھر کے نہیں دیکھا تو کسی اور کو کیسے دیکھتا برداشت کر سکتا ہوں۔ بہت سیلفش ہوں میں' اس معاملے میں۔''

لائبہ کی انا چمکی مگر اس نے خاموشی سے رومال سے ہونٹ رگڑ ڈالے۔ وہائٹ رومال پر میرون رنگ جگہ جگہ نمایاں ہو گیا۔ اس نے رومال خاموشی سے درمیانی ٹیبل پر رکھ دیا۔

''سبحان اللہ! اس قدر تابعداری ایک نفرت زدہ شخص کی۔ مجھے کسی خطرے کی بو آ رہی ہے۔'' وہ رومال فولڈ کر کے جیب میں رکھتا ہوا حیرانی سے بولا۔

''میں شرمندہ ہوں' اپنے رویے پر۔ مجھے ایسا ہی ہوا آپ کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پلیز' مجھے معاف کر دیں۔'' وہ سر جھکائے بول رہی تھی۔ بے تاثر اور جذبات سے عاری لہجے میں۔

''ا..... چھا' تمہارے اس جذبے کا کیا ہو گا' مجھ سے انتقام لینے کا جذبہ۔ اب تو تمہیں غیرت مند بھائی بھی مل چکے ہیں۔ جان لٹانے والے ڈیڈی بھی' پھر اب معافی کس بات کی۔ ارشد کو تو تم میدان میں لا ہی چکی ہو۔ وہ تمہارے بہادر' جانباز غیرت مند بھائی کے دعووں کا کیا ہو گا۔ میرا گوشت وہ چیل کوؤں کو کھلانا چاہتا ہے' تا کہ اس کی بہن کے ساتھ کی گئی زیادتیوں اور جبراً نکاح کرنے کا ازالہ ہو سکے۔ پھر تم کیوں......''

''یہ سب میری بے وقوفی سے ہوا' میرے انتقامی جذبے نے سارا کام خراب کیا ہے۔ میں جبھی آپ سے معذرت کر رہی ہوں۔ آپ یقین کریں' میں جھوٹ نہیں بول رہی۔''

''چچا جان کا وکیل آج بھی میرے پاس آیا تھا سائن کروانے۔ چاہ کیا رہی ہو تم......''

''آپ..... آپ کے ساتھ رہنا۔'' اسے اپنی آواز خود اس وقت اجنبی لگی۔

''یہ کوئی نیا جوک ہے یا اس کے پیچھے کوئی گہری چال ہے۔'' وہ طنز سے بولا۔

''یہ میرا فیصلہ ہے۔ نہ جوک ہے اور نہ چال۔'' اس کی نگاہیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ دوپٹے نے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ آواز میں لرزش ہنوز برقرار تھی۔ اسی لمحے ویٹر ٹرالی گھسیٹ لایا تھا۔ کافی اور دیگر لوازمات ٹیبل پر رکھنے کے بعد وہ واپس چلا گیا۔ وہ گردن جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنا بڑا فیصلہ اس نے کر لیا تھا مگر تمام امنگوں و مسرتوں کا احساس محو ہو گیا تھا۔ اب اسے زندگی نہیں' بلکہ زندگی کو اسے گزارنا تھا۔ یہ احساس صرف اس میں زندہ تھا۔ اس کی عزت نفس اور خلوص کو زینی نے مار ڈالا تھا۔ اپنی خودداری اور انا کو وہ قتل کر کے اُسامہ کی طرف بڑھی تھی۔

''میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تم۔ یعنی مسز اُسامہ ملک بن کر۔ خوش آمدید' ہا..... ہاہا......'' اس کا بلند قہقہہ روم میں گونج اٹھا تھا نہ معلوم مسرت کا تھا یا استہزائیہ۔

لائبہ گردن جھکائے بیٹھی رہی۔ اپنی شہ رگ پر کند چھری اس نے خود پھیری تھی۔

''تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو مگر کیوں۔ نفرت زدہ ناپسندیدہ شخص کا ساتھ کس طرح برداشت کرو گی۔'' اس بے مہر کے لہجے اور آنکھوں میں بے یقینی اور تمسخرانہ چمک تھی۔

وہ سچ کس طرح بول سکتی تھی۔ اپنی کشتیاں آپ جلا دینے پر اسے مجبور کر دیا گیا تھا۔

''نفرت کے اظہار کے لئے تمہاری زبان سے شعلے نکلتے تھے' محبت کے اظہار کے لئے بھی کوئی پھول برسا دو۔ یقین دلا دو' میری بے یقینی و بے اعتمادی کو۔''

''مجھے نہیں معلوم آپ کو کس طرح یقین آئے گا۔'' لائبہ کی دھیمی پست آواز ابھری۔

''ایک دفعہ میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو' مجھے یقین آ جائے گا۔'' وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور جھک کر بڑے اسٹائل سے بولا۔

وہ قریب آ کر اس کے بیٹھ گیا تھا' اس کی قربت کا احساس لباس سے پھوٹتی خوشبوئیں' درمیانی فاصلہ بہت معمولی رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے سے نکلتی گرم سانسوں کی مہکاروں سے اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے مشکل سے خود پر قابو پایا۔ جسم ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔

''کہو نا صرف ایک بار میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔'' وہ بدستور جھکا ہوا تھا۔ لائبہ کا جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔

''میں نے کہا تھا' آگ کا راستہ عبور کر کے تم میری طرف آؤ گی۔ مگر اس انداز میں نہیں' یاد ہو گا تمہیں تم نے ایک دفعہ کہا تھا جھکی نگاہوں کا اظہار ناپسندیدگی ہوتا ہے اگر اب بھی تم نے میری طرف نہیں دیکھا تو میں یہی سمجھوں گا۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ ''میں تمہیں اس طرح اپنی زندگی میں داخل نہیں کر سکتا۔ صرف ایک بار میری طرف دیکھو' دیکھو نا۔'' اس کا سرگوشیانہ لہجہ' نگاہوں کی تپش وہ بائیں ہاتھ سے مضبوطی سے اس کا چہرہ اونچا کئے ہوئے تھا۔ وہ پوری جان سے لرز کر رہ گئی اور اپنے ہاتھ سے اس کا ہاتھ چہرے سے ہٹا دیا مگر اس پر بھی جیسے جذبات کی حکمرانی تھی۔ یا وہ اسے زچ کر کے اتنے عرصے سے اس کی بے رخی و بے اعتنائی کا حساب چکانا چاہ رہا تھا۔ فوراً ہی اس نے اس کا وہ ہاتھ دائیں ہاتھ کی مضبوط گرفت میں لے لیا۔ اس کی یہ بے ساختگی وجذباتیت اسے اس سے ملنے کا فیصلہ درست نہ لگا۔ فل اے سی روم میں بھی وہ لمحے بھر میں پسینے میں نہا گئی۔ آج اس کا انداز کافی غیر مہذبانہ تھا۔

''کتنی خواہش ہے' تمہارے یہ خوبصورت ہاتھ میرے نام کی حنا سے مہکیں۔ ان پر میری محبتوں کا رنگ چڑھے' یہ صرف میری ملکیت میری دسترس میں رہیں۔'' اس نے

اس کی گلابی ہتھیلی پر اپنے دہکتے ہونٹ رکھ دیے۔ اس کے جسم میں گویا ہزاروں وولٹیج کرنٹ یک لخت دوڑ اٹھا۔ عجیب بے بسی و بے عزتی کے احساس سے وہ لرز اٹھی۔ ایک جھٹکے سے اس نے ہاتھ چھڑانا چاہا مگر وہ پہلے ہی اس کی اس حرکت کی توقع رکھتا تھا۔ اس نے ہاتھ چھوڑنے کے بجائے ایک جھٹکے سے اسے اپنے قریب کر لیا۔

''ساری زندگی ساتھ رہنا چاہتی ہو مگر دو لمحے ہاتھ پکڑ لینا بھی گوارا نہیں۔'' وہ پھنکارا۔

''چھوڑیں مجھے' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ آپ اتنی چیپ حرکت کریں گے۔'' اس کے اچانک جھٹکے سے وہ توازن برقرار نہ رکھ پائی تھی اور اس کی آغوش میں گری تھی اور سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے بازو کا دائرہ تنگ کر دیا تھا۔

''بہت تمہارے ناز و انداز برداشت کیے ہیں میں نے' میری محبت میری انا میری چاہت کی دل بھر کر تذلیل کی ہے تم نے۔ میری سچی اور پاک بے غرض محبت کو رسوا کیا ہے تم نے۔ تم کیا سمجھتی ہو! تمہاری محبت میں تمہاری کال پر میں دوڑا چلا آیا ہوں۔ تم نے مجھے اپنے اشارے پر ناچنے والا کاٹھ کا الو سمجھ رکھا ہے۔'' وہ ایک دم ہی بپھر اٹھا تھا اور لائبہ کو سامنے صوفے پر پھینکا تھا۔ وہ ربڑ کی گڑیا کی طرح صوفے پر جا گری تھی۔

''تم سے محبت میں نے کی' یہ میری خطا تھی۔ بے اختیاری جذبے کے آگے میں بے بس ہو گیا تھا۔ تم مجھ سے نفرت شدید ترین نفرت کا اظہار کرتی رہیں مگر میری محبت میں کوئی کھوٹ نہ آئی۔ تم ارشد کو میرے مقابلے پر لائیں' میں زینی کی خاطر اس کی بدتمیزیاں برداشت کرتا رہا۔ تم نے نبیل اور ثمیر اور میرے ہمدرد اور دوست نما چچا جان کو مجھ سے بدظن کر دیا۔ میں تمہاری محبت میں یہ چوٹ بھی سہہ گیا۔ اماں جان اور پوری فیملی کی مخالفت میں نے تنہا برداشت کی صرف تمہارے حصول' تمہاری محبت اور تمہیں پانے کی خاطر کانٹوں پر برہنہ پا چلا ہوں۔ آگ کے دریا عبور کیے ہیں میں نے۔ صرف تمہاری محبت کی خاطر' جس کا صلہ تم نے کیا دیا۔ طلاق۔'' اس کا چہرہ سرخ تھا' آگ کی مانند آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ لائبہ ساکت بیٹھی تھی کمرا ساؤنڈ پروف تھا۔

''میں نے تمہاری چاہ کی خاطر اپنا وقار' اپنی عزت' اپنی خودداری سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ اماں جان نے کہا۔ اگر تم اس لڑکی کو چاہتے ہو اور ہماری محبت بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تو اپنا معاملہ ہم پر چھوڑ دو۔ ہمارا وعدہ ہے' وہ لڑکی تمہارے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ ہم جو کہیں' وہی تمہیں کرنا ہے اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے ان کے فیصلے پر سر خم کر دیا۔ مجھے راہیں سنوارنی تھیں اور تم بگاڑتی چلی گئیں۔ میری محبت میرا مان' میرا اعتماد جب ٹوٹ کر بکھرا' جب چچا جان نے بتایا کہ تم طلاق لینے پر رضامند ہو۔ اس وقت شدت سے میرا دل پوری دنیا کو آگ لگانے کو چاہا تھا۔ میں سمجھتا تھا' تم مجھ سے محبت کرتی ہو' مگر اقرار نہیں کرنا چاہتیں۔ کیونکہ محبت کا ایک انداز ایسا بھی ہوتا ہے مگر نہیں۔ میں ہی احمق بنا' خود کو تباہ کرتا رہا' بہت احمق جذبہ ہے یہ محبت بھی۔ بڑے بڑے باحوصلہ بہادر انسانوں کو بے وقوف بنا دیتا ہے۔ کل تک تم مجھ سے طلاق لینے کے لیے بے قرار تھیں' آج ساتھ رہنے کے لیے بے تاب ہو' کل مجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے بے چین ہو گی کتنے روپ ہیں تمہارے۔ گھائل تو تم نے مجھے پہلے ہی کر دیا ہے' اب دنیا سے رخصت کروانا چاہتی ہو۔ اُونہہ۔ محبت' الفت' چاہت' مروت سب فضول اور لاحاصل جذبے ہیں۔ صنف نازک کے پاس جنس مخالف کو بے وقوف و احمق بنانے کے لاجواب ہتھیار۔'' اس کا لہجہ زہر خند تھا۔ قہر آلود نگاہیں ساکت بیٹھی لائبہ پر وقفے وقفے سے اٹھ رہی تھیں۔

لائبہ کے اندر بند دروازے آہستہ آہستہ کھلنے لگے۔ دل کے ایوانوں میں آہستگی سے ہلچل مچنے لگی۔ اس کا دھواں دھواں چہرہ' درد و اذیت میں ڈوبے لفظ آنکھوں میں ڈوبتا پُرسوز حزن اس کے دل کی بنجر زمین پر ہریالی سی پھوٹنے لگی۔ وہ اپنے اندر کی کیفیت کو کوئی نام نہ دے پائی۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے' دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے' چاند زمین پر اتر آئے یا آسمان و زمین ایک ہو جائیں میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ میری محبت سے دستبردار تم ہو چکی ہو پھر بھی میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔'' وہ اضطرابی انداز میں اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

''میں نے جو کچھ کیا' وہ بالکل غیر ارادی و لاشعوری کیفیات تھیں جن کا احساس و ادراک مجھے خود نہ تھا۔'' اس نے خشک ہونٹوں کو بہ مشکل جنبش دی۔

''جو تم ابھی کہہ رہی ہو' اس میں بھی تمہارا ارادہ و شعور پختہ نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ دھیما مگر چہرے اور آواز میں کٹھورپن اور درشتی تھی۔ وہ مگ میں کافی بنانے لگا۔

''اتنے سفاک و سنگ دل نہ بنئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''تم نے مجھے کبھی درخورِ اعتنا نہ جانا' کبھی میری پر خلوص شیئر نہیں کیں' کبھی میرے جذبوں کی پذیرائی نہ کی اور میں مشقِ ستم بنا تمہارا دفاع کرتا رہا مگر تمہارے ایک فیصلے نے میرے تمام مہکتے جذبوں' چاہتوں کے تمام خوش رنگ پھولوں کو مرجھا دیا ہے۔ میرے گلشن محبت کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ اب میرے اندر صرف جلے ہوئے جذبوں' مرے ہوئے ارمانوں کی نعشیں ہیں' جلی ہوئی محبت کا دھواں ہے' تم نے مجھے توڑ دیا ہے لائبہ' اس بری طرح بکھرا ہوں میں کہ کوئی سمیٹنا بھی چاہے تو نہ سمیٹ پائے۔ پہلے تم میری محبت تھیں' میری عزت میرا فخر تھیں' اب صرف میری ضد میری انا میرا چیلنج ہو۔ چچا جان دنیا کی کسی بھی عدالت میں چلے جائیں' میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ یہ میرا عہد ہے خود سے' تم میرے ساتھ رہو یا دور' کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب میرے دل میں تمہاری محبت زندہ نہیں ہو سکتی۔ کبھی میں نے تمہیں اپنی ہستی مٹا کر چاہا تھا۔ تمہاری ذات اب میرے لیے اتنی ہی تکلیف کا باعث ہے۔ آئندہ میرے سامنے مت آنا۔'' اس کے لہجے میں اتنا درد و کرب اور مایوسی تھی جیسے اپنے تابوت میں خود آخری کیل ٹھونک رہا ہو۔

''خدا کے لیے ایسے نہ کہیں۔ میں کہاں جاؤں گی۔ کیا کروں گی۔'' وہ بری طرح رو پڑی۔

''یہ آنسو' یہ آہیں' بے کار ہیں لائبہ' توبہ کے دروازے ایک مدت تک کھلے رہتے ہیں' ڈوبنے والے کی آخری آس و امید ختم ہونے کے بعد کی توبہ قبول نہیں ہوا کرتی۔ تم لاوارث نہیں ہو۔ تمہارے پیچھے جانثار' بہادر غیرت مند بھائی موجود ہیں۔ تمہاری خاطر ہر رشتے' ہر تعلق کو ختم کر کے صرف تمہیں چاہنے والے والدین موجود ہیں۔ پوری فیملی موجود ہے تمہاری۔ تمہیں فکر کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔ پھر میرا نام بھی تو ہے تمہارے ساتھ۔

کس موڑ پر زندگی آ گئی تھی۔ کل تک جس شخص کی پرچھائیں سے وہ متنفر و بدگمان تھی آج وہ سایہ اس پر ایک نگاہِ التفات ڈالنے پر بھی تیار نہ تھا۔ وہ جب بھی اس سے ملا جارحانہ انداز و تیور کے ساتھ ملا مگر اس پر نگاہ پڑتے ہی وہ جھاگ کی طرح بیٹھ جایا کرتا تھا مگر آج تو وہ اپنی محبت اور چاہت جیسے دفنا کر آیا تھا۔ اس کی کوئی التجا' کوئی آنسو معافی اور تلافی کوئی بھی ادا اس پتھر میں دراڑ نہ ڈال سکی تھی۔ اس کا لہجہ' اس کا انداز قطعی تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر معمولی سی بھی نرمی نہ تھی۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے شاید پہلے سے ہی بے چین تھا جبھی اس کی کال پر دوڑا چلا آیا تھا۔

''بائی دا وے' تم احسان کس پر کر رہی ہو' میرا ساتھ قبول کر کے۔'' اس کا لہجہ نارمل ہو چکا تھا۔ بہت مطمئن اور پُرسکون انداز میں بیٹھا وہ کافی پی رہا تھا۔ اسے اپنے جذبات' اپنے احساسات پر مکمل اختیار حاصل تھا۔ لمحے بھر میں اس نے اپنی بپھری اور سلگتی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔

''اپنی زندگی سنوارنے کا فیصلہ کسی پر احسان کس طرح ہوا۔'' اس نے ابھی بھی بات سنبھالنا چاہی۔

''ہا...... ہا...... کاش' تم یہ جملے پہلے بول لیتیں تو میں خوشی سے مر جاتا مگر اب مجھے شگوفے لگ رہے ہیں۔''

وہ دانتوں سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ اتنی تذلیل' اتنی توہین' اتنی خواری' اسے ہر سو اندھیرے پھیلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ کوئی راہِ نجات نہ تھی' کوئی روشنی کا استعارہ نہ تھا۔ وہ کہاں جائے۔

''چلو تمہیں گھر ڈراپ کر دوں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ دو بڑے نوٹ ایش ٹرے کے نیچے دبا کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ اس کی سماعت سے بہت باریک سی 'کلک' کی آواز ٹکرائی۔ اس نے بے ساختگی و تعجب سے درمیان میں لگے فانوس کی سمت دیکھا اور اس کی نگاہیں حیرانی و بے یقینی سے پھیل سی گئی تھیں' کم آن' اس کی سراسیمگی کی کیفیت سے بے خبر لائبہ اپنا چہرہ رومال سے صاف کر رہی تھی کہ اس نے جھپٹ کر لائبہ کا ہاتھ پکڑا اور برق رفتاری سے دروازے کی سمت دوڑ پڑا۔

اس افتاد سے وہ بری طرح گر بڑا گئی تھی۔ اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا اور لائبہ کو پیچھے چھوڑ کر برابر والے روم کے دروازے پر زوردار لات ماری تھی مگر وہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ متواتر جنونی انداز میں دروازے پر لاتیں مار رہا تھا۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔ فینسی لائٹ کی روشنی میں فرش پر سرخ کارپٹ اور کمروں کے باہر سنہرے گلدانوں میں سبز پودے لہلہا رہے تھے۔ وہ الجھی ہوئی خوفزدہ نگاہوں سے اس کا جنونی اور بپھرا ہوا روپ دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' وہ کیوں بدحواس انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکلا تھا اور اب کیوں دروازے پر لاتیں برسا رہا تھا۔ وہ دھک' دھک کرتے دل کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ کچھ پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ یہ پورشن ساؤنڈ پروف تھا۔ اتنے شور کے باوجود کوئی کمروں سے باہر نہیں آیا تھا اور نہ ہی ویٹرز وغیرہ نے آ کر صورت حال چیک کی تھی۔

اس کی تیسری 'کک' پر دروازے کا لاک ٹوٹ گیا تھا۔ وہ اچھل کر اندر آ گیا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا' البتہ ایسی نشانیاں موجود تھیں جیسے یہاں کوئی موجود رہا ہو۔ چائے کے برتن ٹیبل پر موجود تھے جو استعمال شدہ تھے۔ ایش ٹرے میں سگریٹ کے ٹکڑے موجود تھے۔ اُسامہ نے بہت باریک بینی سے کمرے کا جائزہ لیا۔ اس کی نگاہ منسلک باتھ روم پر پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھا' وہ دروازہ دوسرے کمرے میں کھلتا تھا اور اس کمرے کا مین دروازہ عقبی جانب کھلتا تھا۔ جہاں جھیل اور پارک تھا۔

اُسامہ میں گویا برق دوڑ رہی تھی۔ وہ ایک جست میں گرل تک پہنچا تھا۔ سامنے جھیل کے اس پار پارکنگ لاٹ میں بلیک پینٹ شرٹ میں ملبوس شولڈر بیگ کاندھے پر لٹکائے کوئی شخص پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا۔'' درمیانی فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ وہ کوشش کے باوجود اس کی شکل دیکھ نہ سکا۔ وہ بھاگتے ہوئے پارکنگ لاٹ میں پہنچا ہی تھا کہ ایک ریڈ کلر کار اس کی سمت بڑھی اور وہ شخص تیزی سے کار میں سوار ہو گیا اور کار ہوا کی طرح گیٹ عبور کر گئی۔ یہ سب کچھ لمحے بھر میں ہوا تھا۔ درمیان میں اگر وسیع جھیل اور پارک نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی اپنے شکار کو بھاگنے نہ دیتا مگر یہ اس کی خوش قسمتی تھی یا وہ شاید اس کی فطرت سے واقف تھا۔ اسی لیے اس نے اپنا کام مکمل کرتے ہی ایک لمحے کی بھی دیر نہ لگائی تھی اور نکل بھاگا تھا۔ اس نے غصے سے اپنی ہتھیلی پر مکا مارا تھا۔

''کیا ہوا۔'' لائبہ سے زیادہ دیر یہ ایکشن سے بھرپور تحیر برداشت نہ ہو سکا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے درشت لہجے میں جواب دیا اور اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

''انصار علی آفندی کو بلاؤ۔'' اس نے منیجر کے آفس میں داخل ہوتے ہوئے ہوٹل کے مالک کا نام لیتے ہوئے سخت بارعب لہجے میں منیجر سے کہا۔

''اوہ' سر آپ اور یہاں۔ یہ...... یہ میری خوش بختی ہے کہ آپ یہاں آئے۔ آپ جیسے......'' ادھیڑ عمر منیجر اُسامہ کو اندر آتے دیکھ کر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر بیک وقت بے پناہ مسرت و حیرانی کے تاثرات تھے' لہجہ سخت خوشامدانہ تھا۔

''شٹ اپ' جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' وہ منیجر کی بات قطع کر کے دہاڑا۔ اس کے چہرے پر اس وقت اس قدر خشونت اور رعب و دبدبہ تھا کہ ساتھ کھڑی لائبہ کانپ کر رہ گئی تھی۔

''سر' وہ باس تو ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔'' منیجر مودبانہ لہجے میں بولا۔

''ان کی غیر موجودگی میں سیکنڈ چیف کون ہوتا ہے۔''

''میں...... میں خود ڈیل کرتا ہوں جی' میرے بھی ففٹی پرسینٹ شیئرز ہیں ہوٹل میں۔''

''اچھا۔ میرے روم کے برابر والا روم کس نے بک کروایا تھا۔''

''سوری جناب' بزنس سیکرٹ ہے۔ اور ہم......''

''بزنس سیکرٹ' اونہہ شرافت سے بتاؤ' کس نے ریزرو کروایا تھا وہ روم۔'' اس نے منیجر کے گریبان کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ وہ اس وقت اشتعال انگیز اور خونخوار موڈ میں تھا۔ لائبہ دیوار سے لگ کر کھڑی تھی۔

''کیا بات ہو گئی جناب۔ اگر آپ کو کوئی شکایت ہے تو بتائیں۔'' منیجر بوکھلا کر بولا۔

''فالتو ٹائم نہیں ہے میرے پاس تمہاری بکواس سننے کا' تم مجھے سختی کرنے پر مجبور نہ کرو۔ ورنہ میں تم جیسے آدمی سے لمحے بھر میں ہر بات اگلوانا جانتا ہوں۔'' اس کے دوسرے جھٹکے سے منیجر کی شرٹ اور کوٹ کے بٹن ٹوٹ کر نیچے قالین پر بکھر گئے۔

''آپ زیادتی کر رہے ہیں سر' یہ میں اخبار میں دوں گا' آپ کی اس زیادتی اور تشدد......''

''شوق سے دینا بلکہ میں ابھی یہیں پریس کانفرنس بلواتا ہوں' جس میں ملکی و غیر ملکی پریس کے نمائندوں کے علاوہ اعلیٰ افسران بھی ہوں گے پھر بتاؤں گا کہ تم کس طرح

رومز میں ٹیلی ویڈیو کیمرے نصب کر کے یہاں آنے والے لوگوں کی سیکرٹ وڈیوز بنواتے ہو تاکہ بعد میں اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے ایسی وڈیوز سے بلیک میل کر سکو۔ سیل کرادوں گا تمہارا ہوٹل۔ تمہاری آنے والی نسلیں قیامت تک اس سیل کو اوپن نہیں کرواسکتیں۔'' وہ جارحانہ انداز میں ٹیلی فون کی طرف بڑھا تھا۔ اس کا انداز اس کا لہجہ اس کے تیور ایسے تھے کہ کوئی اسے اس وقت دیکھ کر شناخت نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہی نرم خو خوش مزاج مسکراتا ہوا اُسامہ ملک ہے۔

''خدا کے لئے سر! ایسا نہ کیجئے۔ پلیز سر۔'' منیجر فون پر ہاتھ رکھ کر گڑگڑاتا ہوا بولا۔

''مجھے اپنی عزت ہر شے پر مقدم ہے۔ میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر اپنے کریکٹر پر اپنی ذات پر میل کا معمولی سا دھبا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آج میرا اعتماد بری طرح مجروح ہوا ہے۔ میں یہی سمجھتا رہا کہ اس ہوٹل میں دوسرے ہوٹلوں کی طرح ایسی غلاظتیں نہیں ہوں گی مگر......''

''اگر ہوٹل کو کچھ ہو گیا تو جناب میرے شیئرز ڈوب جائیں گے۔ میں تباہ ہو جاؤں گا۔ آپ وعدہ کریں کہ اگر میں آپ کو سب کچھ درست بتا دوں تو آپ میرا نام نہیں آنے دیں گے۔'' منیجر ملتجی لہجے میں بولا۔

''ہاں...... بولو......'' اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔ چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''شام کو آپ کا فون آیا تھا کہ ایک روم ریزرو کر دیا جائے۔ ہم نے فوراً ہی روم پر ریزرو کی سلیٹ لگا دی۔ اس کے بعد ایک صاحب آئے۔ انہوں نے آپ کے برابر والا روم مانگا جو پہلے ہی بک تھا۔ میں نے منع کر دیا۔ مگر ان صاحب نے ایک کارڈ میرے سامنے رکھ دیا کہ ’ان‘ کے حکم پر کمرہ چاہئے اور جناب! مجھے مجبوراً وہ روم دینا پڑا اور اس پورشن کے تمام رومز کی ریزرویشن ان کے حکم پر ختم کرنا پڑی۔ وہاں سے حکم ملا کہ جب تک آرڈر نہ ملے کسی کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی یہ باتیں لیک آؤٹ ہوں ورنہ ہوٹل تباہ کر دیا جائے گا۔ میں سخت مجبور کر دیا گیا تھا۔ وہ بہت خطرناک اور اثرورسوخ والی شخصیت ہے جناب! اس لئے مجھے خاموش ہونا پڑا۔''

''کارڈ دکھاؤ گے کون سی شخصیت ہے۔'' وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

''کارڈ تو انہوں نے اسی وقت واپس لے لیا تھا مگر میں آپ کو نام بتا دیتا ہوں۔''

''ہیلو مائی سن۔'' اسی دم دروازہ کھلا اور مسکراتے ہوئے رستم زمان اندر داخل ہوئے تھے۔

''السلام علیکم سر! آپ یہاں۔'' اس نے منیجر پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''ہوم سیکریٹری صاحب سے میٹنگ تھی آج یہاں۔ میٹنگ سے فارغ ہوئے تو کار میں بیٹھتے ہوئے آپ کی کار پر نظر پڑی تو ہم نے سوچا آپ یہاں موجود ہیں۔ کیوں نا آپ سے ملاقات کی جائے۔ ہیڈ ویٹر سے معلوم ہوا آپ منیجر روم میں ہیں۔'' وہ دھیمے اور شفیق لہجے میں مخاطب ہوئے۔ ''بہت ڈسٹرب لگ رہے ہیں، خیریت تو ہے نا۔'' منیجر آفس میں اس کی موجودگی وہ سمجھ نہ پائے تھے۔

''سر! میں روم میں تھا۔ اچانک میری سماعت سے ناشناسا سی آواز ٹکرائی، میں نے چونک کر فانوس کی سمت دیکھا تو بلب کے درمیان میں نے ٹیلی ویڈیو کیمرے کی جھلک دیکھ لی جس کے کیبل کی رینج برابر والے روم سے منسلک تھی۔ میں اسی وقت اس کمرے کی طرف بھاگا مگر جو کوئی بھی یہ وڈیو بنا رہا تھا، بہت چالاک اور مکار شخص تھا۔ اس نے شاید خطرہ بھانپ لیا تھا۔ لمحے بھر میں وہ چھلاوے کی مانند میرے پہنچنے سے قبل ہی کار میں فرار ہو گیا۔''

''یہاں، اس ہوٹل میں اتنی معیوب و غیر ذمے دارانہ اور غیر شریفانہ حرکت۔ مجھے یقین نہیں آتا۔''

''اگر کسی دوسرے کی زبانی سنتا تو میں بھی یقین نہ کرتا مگر یہاں میرے ساتھ ایسا ہوا ہے۔''

''پھر تو جھوٹ بات نہیں ہو سکتی، منیجر سے معلوم کرو۔ یہ سب اسی کی ملی بھگت سے ہوا ہے۔''

''جی ہاں۔ اس نے اعتراف کر لیا ہے اور جس کے دباؤ پر یہ کام ہوا ہے اس کا نام یہ بتانا چاہتا ہے۔ بولو منیجر۔'' وہ دونوں ہی اس کی طرف پوری طرح سے متوجہ ہو گئے تھے۔

''اوہو...... ہو...... سمجھ گیا۔ یہ گھٹیا حرکت احسان فاروقی کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ کیوں منیجر صاحب! یہی نام ہے جو آپ بتانا چاہ رہے تھے۔'' رستم زمان کو جیسے الہام ہوا تھا۔ وہ بڑے پرجوش انداز میں منیجر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بے تابی سے بولے۔

''جی...... جی ہاں...... سر جی ہاں۔ درست نام بتایا ہے آپ نے۔'' منیجر زور زور سے گردن ہلانے لگا۔

''احسان فاروقی تو بہت معتبر سیاستدان ہیں سر۔ میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی کبھی پھر کس طرح وہ ایسی گھٹیا حرکت کریں گے۔ میرا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔'' اُسامہ الجھے انداز میں بولا۔

''مائی سن۔ سیاست میں ایسی بے گانہ چالیں بھی چلی جاتی ہیں۔ آپ کا تعلق ہم سے ہے۔ ہماری پارٹی سے ہے۔ آپ کا یہ تعلق ہمارے سب حریفوں سے تعلقات پیدا کر دیتا ہے اور...... اور آپ تو ہماری جان ہیں۔ آپ کی حیثیت سے کون واقف نہیں ہے جو ہمارے دل میں ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ اپنی جان پر کھیل کر ہم وہ وڈیو لائیں گے۔ اس نے یہ گھٹیا حرکت کر کے ہماری غیرت کو للکارا ہے۔'' رستم زمان اس کی پشت تھپکتے ہوئے پرعزم لہجے میں بولے۔ ان کے چہرے پر بھی غصے کی سرخیاں تھیں۔

''یہ جنگ میری ہے اور مجھے ہی لڑنے دیجئے۔'' اس کا موڈ ذرا چینج نہ ہوا تھا۔ منیجر نے بہت خوشامد کی کہ وہ اسے میزبانی کا موقع دیں مگر اس نے سختی سے رد کر دیا۔ اس کا غصہ کسی طرح کم نہ ہو رہا تھا۔ اس عرصے میں پہلی بار وہ لائبہ کی طرف متوجہ ہوا تھا جو گونگی بہری بنی وہاں کھڑی تھی۔ رستم زمان سے اس نے اس کا تعارف کزن کہہ کر کروایا تھا جو بہت سرسری سا تھا، جیسے وہ ایسا چاہ نہ رہا ہو۔ لائبہ نے انہیں سلام کیا تو جواب میں انہوں نے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔

''احسان فاروقی ہمارے دشمنوں میں پہلے نمبر پر رہا ہے اور آج اس نے ثابت کر دیا کہ وہ دشمنی میں کمینگی اور خباثت کی حد تک جا سکتا ہے۔ اس سے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ آپ تنہا نہیں بلکہ گارڈز کی موجودگی میں باہر نکلا کریں۔ ہمیں راتوں کو نیند بھی نہ آئے گی اب۔''

''زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے سر۔ ایسے لوگوں سے میں خوفزدہ ہرگز نہیں ہوں۔ غصہ اس بات کا ہے مجھے کہ انہیں اتنی جرأت کیسے ہوئی۔''

لائبہ کار میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ دونوں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ رستم زمان کے تین گارڈ جدید اسلحہ لئے ان کی نگرانی کر رہے تھے۔

''آپ کزن کو گھر ڈراپ کر کے آ جائیں۔ ہم مل کر فیصلہ کریں گے۔ وڈیو کہیں نہیں جائے گی۔''

''جس نے بھی وڈیو بنائی ہے، وہ اس سے کیا حاصل کر سکتا ہے۔'' رستم زمان سے رخصت ہونے کے بعد وہ کار میں بیٹھا تو کافی راستہ طے ہو جانے کے بعد لائبہ نے اپنے اندر مچلتے سوال کو زبان دی۔

''بہت فائدے حاصل کر سکتا ہے۔ میرا پولیٹیکل کیریئر تو بلیک ہو ہی جائے گا جو میرے لئے ایک عظیم سانحہ ہو گا یا فرض کرو وہ وڈیو ارشد کو مل جاتی ہے تو پھر کیا ہو گا۔'' لمحے بھر کو اس کی آنکھوں میں شرارت چمک کر منہدم ہو گئی تھی اور لائبہ خوف سے زرد پڑ گئی۔

''خوفزدہ نہ ہو وہ ارشد تک ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا، یہ سب کیا ہوا ہے۔ اور کیا ہو گا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''فی الحال جو کچھ بھی ہوا اور جو کچھ ہو گا وہ میرا دردِ سر ہے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سخت بے گانگی اور اکتاہٹ بھرا لہجہ تھا۔'' وہ ہونٹ بھینچ کر خاموش ہو گئی۔

''بابوا۔ بابو! اللہ جوڑی سلامت رکھے، یہ گھر لو صاب، بیگم صاحبہ پر خوب سجیں گے۔ سگنل پر کار رکی تو ایک عورت ہاتھ میں موتیا و گلاب کے کنگن اور گجرے لے کر کھڑکی پر جھکی بڑے عاجزانہ لہجے میں اُسامہ سے بولی۔ اس نے والٹ سے بڑا نوٹ نکال کر گجرے والی عورت کی طرف بڑھایا اور کنگن اور گجروں کا لفافہ دیکھے بغیر لائبہ کی گود میں اچھال دیا پھر راستے بھر وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور اسے گیٹ پر اتار کر کار بھگا لے گیا۔

⁂

''خیریت تو ہے کنول جی۔ آج آپ کی نائٹ ڈیوٹی ہے اور آپ دن میں نظر آ رہی ہیں۔'' شمیر ڈاکٹرز روم میں داخل ہوا تو سامنے کرسی پر بیٹھی کنول کو دیکھ کر تعجب سے بولا۔

''ممی کے اسپیشل چائلڈ روم میں ایک نوجوان لڑکی کو ایڈمیٹ کیا گیا تھا۔ ممی اسے گھر لے آئیں، ان کے اصرار پر میں نے چیک اپ کیا تو وہ لڑکی شاکڈ کی حالت میں تھی، کسی حادثے نے اس کی برین کنڈیشن کو شاکڈ کر دیا ہے، ایک ماہ سے وہ گھر میں تھی۔ خاموش، گم صم، خلاؤں میں گھورتی رہتی تھی۔ آج ملازمہ جو فلمیں دیکھنے کی بہت شوقین ہے، اسے لے کر فلم دیکھنے بیٹھ گئی۔ فلم میں کسی حادثے کے سین پر اس کی عجیب حالت ہو گئی۔ ملازمہ خوفزدہ سی بھاگتی ہوئی میرے پاس آئی تو میں اس کے ساتھ والے کمرے میں گئی۔ وہ بری طرح رو رہی تھی اور دیوار میں سر مار رہی تھی۔ میں نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی تو وہ بیہوش ہو کر گر گئی اور میں اسے لے کر اسپتال آ گئی۔ اب وہ دواؤں کے زیر اثر گہری نیند سو رہی ہے۔ میں نے اسے ایڈمٹ کروا دیا ہے۔ ہو سکتا ہے، جب وہ سو کر اٹھے تو شاک کیفیت سے باہر آ چکی ہو۔'' کنول نے دھیرے دھیرے مکمل تفصیل بتا دی۔

''واہ، کہانی اچھی ہے، فلم سپرہٹ ہو گی، اگر آپ نے اس لڑکی کے ساتھ ہیرو مجھے لے لیا تو......''

''کبھی سیریس بھی ہو جایا کرو۔'' ''یہ حقیقت ہے، کوئی فلم نہیں، چلو میں آپ کو دکھاؤں اس لڑکی کو۔'' کنول مسکراتے ہوئے بولی۔

''اطلاع کے لئے عرض ہے، فلم کی کہانی بھی حقیقت سے ہی کشید کی جاتی ہے، ویسے لڑکی کیسی ہے۔''

''بہت بدصورت ہے، بٹن جیسی آنکھیں، پکوڑے جیسی ناک، لمبے لمبے دانت، جامن جیسے ہونٹ۔''

''اوہ۔ ہو بہو آپ پر گئی ہے۔ کہیں آپ کی وہ گمشدہ جڑواں بہن تو نہیں ہے۔'' شمیر ہنسا۔

⁂

''بی بی جی! بڑے صاحب کے مہمان آئے ہیں، میں نے انہیں بٹھا دیا ہے۔''

''اچھا...... تم چائے وغیرہ تیار کر کے لاؤ۔ میں آخری دو رکعتیں پڑھ کر جا رہی ہوں۔'' لائبہ نے جو مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی، سلام پھیرنے کے بعد ملازمہ کو ہدایات دیں پھر نیت باندھ لی۔

''السلام علیکم۔ لائبہ نے اندر قدم رکھتے ہوئے آہستگی سے سلام کیا۔ سامنے صوفے پر وہ بڑے طمطراق سے براجمان تھے۔ گہرے سوٹ میں ان کی پرسنالٹی خاصی پروقار و متاثر کن تھی۔ سرخی مائل چہرے پر کچھ اس طرح کا رعب و دبدبہ تھا کہ مقابل خود بخود ہی مؤدب بن جائے۔

''وعلیکم السلام، دس منٹ سے میں یہاں تنہا ویٹ کر رہا ہوں، کہاں ہیں سب لوگ؟''

''میں نماز پڑھ رہی تھی، اس لئے آپ کو انتظار کرنا پڑا، جس کے لئے میں شرمندہ ہوں۔ ڈیڈی، ممی اور بھابی نبیل بھائی کے ساتھ گئے ہیں پارٹی میں۔'' وہ سامنے رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''آپ نہیں گئیں۔'' وہ بہت باریک بینی سے اس کا جائزہ لے رہے تھے، جیسے کچھ کھوجنا چاہ رہے ہوں۔

''جی نہیں۔ دراصل میں پارٹیز وغیرہ اٹینڈ کرنے کی عادی نہیں ہوں۔'' ملازمہ ٹرالی لے آئی تھی۔ وہ پلیٹ میں لوازمات نکالتے ہوئے خلاف عادت بہت تفصیلی جواب دے رہی تھی۔ وہ فرائض میزبانی کے طور پر ایسا کر رہی تھی یا ان کی شخصیت کی انفرادیت سے مرعوب ہو گئی تھی۔ اس کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اس نے ٹشو پیپر پر رکھ کر پلیٹ ان کی طرف بڑھائی جو انہوں نے شکریہ کہہ کر تھام لی۔ ان کے انداز میں مہمانوں جیسا تکلف اور اجنبیت نہیں تھی۔ لائبہ ان کی جانچتی، پرکھتی، ازحد گہرائی سے جائزہ لیتی، ان کی تیز نگاہیں مسلسل اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ ان کی سنجیدگی و سحرانگیز پرسنالٹی، لہجے کی گمبھیرتا اور مزاج کی قطعیت سے

اس کے اندر ایک عکس ابھرا تھا مگر اس نے اس خیال کو فوری جھٹک دیا تھا' تاہم ان کی نگاہوں نے اسے کن فیوز کر دیا تھا۔

''پڑھتی ہیں آپ؟'' انہوں نے اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیتے ہوئے سوال کیا۔

''اسٹڈی سے میں فارغ ہو چکی ہوں۔ حال ہی میں ایم اے کیا ہے میں نے۔''

''گڈ۔ لگتا تو نہیں۔ چہرے سے آپ کالج گرل لگ رہی ہیں۔'' اس کے گھبرائے گھبرائے پریشان کن چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے وہ توصیفی لہجے میں بولے۔ لائبہ خاموشی سے نگاہیں جھکائے چائے پیتی رہی۔

''کب تک آ جائیں گے یہ لوگ؟'' انہوں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ آپ ڈیڈی کے فرینڈ ہیں۔ نام بتا دیں آپ' انہیں آپ کا پیغام دے دوں گی کہ آپ ان سے ملنے آئے تھے۔''

''یہ آپ سے کس نے کہا کہ میں روحیل سے ملنے آیا ہوں؟''

''جی۔ ملازمہ نے یہی بتایا تھا پھر آپ کس سے ملنے آئے ہیں؟''

''آپ سے۔'' ان کی سوبر سی مسکراہٹ اسے پراسرار و معنی خیز لگی۔

''جی! لیکن...... میں...... میں تو آپ کو نہیں جانتی کون ہیں آپ؟'' وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''میں...... اُسامہ کا ڈیڈی ہوں۔'' بظاہر وہ پرسکون اور دھیمے لہجے میں بولے تھے' مگر اسے لگا تھا' قریب ہی بم بلاسٹ ہوا ہو جیسے' چائے کا مگ ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر گرا تھا۔ وہ سراسیمگی کے انداز میں دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ناقابل بیان تھے۔

''گھبراؤ نہیں' یہاں بیٹھو آؤ...... شاباش۔'' وہ اپنے نزدیک اس کے لئے جگہ بناتے ہوئے نرمی سے گویا ہوئے تھے۔ لائبہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کی پیشانی عرق آلود تھی۔ جسم جیسے بے جان سا ہو رہا تھا۔ ان کے طرز گفتگو پر سنائی باوقار چہرے کی شباہت میں جو عکس نظر آیا تھا' وہ حقیقت تھا۔

''حیرت ہے! دو ڈھائی سال آپ کو اُسامہ کی شریک حیات ہوئے گزر گئے' ابھی تک آپ اس کے باپ سے واقف نہیں ہیں۔ اس نے کیا نکاح سے قبل خود کو یتیم ظاہر کیا تھا۔''

''وہ جی...... ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔'' اس کی لمبی پلکیں گلابی عارضوں پر مزید جھک گئیں۔

اسد صاحب اس کے جھکے سر کو دیکھتے رہ گئے۔ وہ آئے تو کسی اچھے ارادے سے نہیں تھے۔ جب سے انہوں نے اُسامہ کے نکاح کا سنا تھا' وہ اس کی منکوحہ کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے خیال میں وہ آج کل کے دور کی ماڈرن اور تیز طرار لڑکی تھی جس نے ان کے وجیہہ بیٹے کو اپنی مکاری کے جال میں پھانس کر شادی کر لی تھی۔ پھر کچھ عرصہ پہلے گھر میں اٹھنے والے طوفان نے انہیں مزید اس لڑکی سے بدظن کر دیا تھا جس کی وجہ سے خاندان ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ پہلے اس لڑکی سے ملیں پھر اس کی فطرت کو مدنظر رکھ کر کوئی فیصلہ کریں۔ شومئی قسمت کہ جب وہ آئے تو ملازمہ سے معلوم ہوا' گھر میں چھوٹی بی بی کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے براہ راست اس سے بات کرنے کی ٹھانی اور اس کا انتظار کرنے لگے' کیونکہ انہیں یقین تھا' وہ انہیں نہیں پہچانتی ہو گی۔ بزنس کے سلسلے میں وہ زیادہ تر ملک سے باہر رہتے تھے اور جب گھر میں ہوتے بھی تو کم گو اور تنہائی پسند ہونے کے باعث گھر سے شاذونادر ہی نکلا کرتے تھے' یہی وجہ تھی کہ یہاں کے ملازم بھی انہیں کوئی مہمان ہی سمجھے تھے اور لائبہ بھی ان کے تعارف کرانے پر ہچکچائی تھی۔

خوش مزاج' خوش گفتار اور باحیا۔ دھیمے لہجے میں بات کرنے والی یہ لڑکی جس کی سیاہ دراز پلکیں بار حیا سے بوجھل تھیں' جس کا چہرہ چاند کی طرح روشن اور شبنم کی طرح پاکیزہ تھا' جس نے چادر نما دوپٹہ اس انداز میں اوڑھا تھا کہ سر کا ایک بال نظر نہ آ رہا تھا۔ انہیں اپنے خیالات اور سوچوں کے برعکس لگی۔ اس کے گلابی چہرے پر اس قدر معصومیت و پاکیزگی تھی کہ انہیں اس کے خلاف اپنے سابقہ خیالات پر پشیمانی ہونے لگی۔ حسن' معصومیت اور پاکیزگی انہوں نے پہلی بار مجسم دیکھی تھی۔

''اوکے' میں جلد دوبارہ آؤں گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولے اور اس پر ایک نگاہ ڈال کر چلے گئے۔

✦ ✦ ✦

شمیر ڈاکٹر کنول کے ساتھ ڈاکٹرز روم سے ملحقہ پرائیویٹ روم میں داخل ہوا تھا۔ کمرے کے وسط میں رکھے بیڈ پر سفید بستر پر وہ لڑکی دنیا کے جھمیلوں سے بے خبر دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھی۔ اسٹینڈ پر گلوکوز کی بوتل لٹکی ہوئی تھی۔ جس کی سوئی اس کے بائیں بازو میں پیوست تھی۔'' قطرہ قطرہ توانائی اس کے اندر سرایت کر رہی تھی۔ کھڑکیوں پر پردے پڑے تھے' جس کی وجہ سے ماحول نیم تاریک و پرسکون تھا' فل اسپیڈ سے چلتے پنکھے نے فرحت بخش ٹھنڈک وہاں پھیلا رکھی تھی۔ وہاں کی خاموشی و تنہائی تھکے ہوئے اعصاب اور بوجھل و تفکرات میں مقید اذہان کے لئے حیات بخش تھی۔ شمیر نے اس راحت بخش ماحول کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

''ہوں...... تو یہ ہے' آپ کی مریضہ۔'' اس نے اس لڑکی کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ جس کا چہرہ زرد و بیمار تھا' آنکھیں کبھی حسین رہی ہوں گی مگر اس وقت مضبوطی سے بند تھیں جن کے گرد گہرے سیاہ دھبے دائرے کی صورت میں نمایاں تھے۔ زرد رخسار پچکے ہوئے تھے۔ ہونٹ خشک تھے' کبھی یہ چہرہ پر بہار گلستان رہا ہو گا۔ اس وقت اجڑا ہوا ویران چمن بنا ہوا تھا۔

''اس چہرے سے کچھ دریافت ہونے کی امید ہے۔'' اسے بغور اس کو دیکھتے پا کر کنول شوخی سے بولی۔ وہ شمیر کے برابر کھڑی اس کی حرکات و سکنات نوٹ کر رہی تھی۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے کنول جی' میں نے یہ چہرہ کہیں دیکھا ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

''جی ہاں' آپ کے تقریباً سارے چہرے ہی دیکھے ہوئے ہوتے ہیں۔'' کنول بے اختیار ہنس پڑی۔

قبل اس کے کہ شمیر کوئی جوابی حملہ کرتا' بیڈ پر پڑے اس بے سدھ وجود میں آہستگی سے حرکت پیدا ہوئی۔ وہ دونوں چونک کر اس کے نزدیک آ گئے۔ اسی لمحے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وحشت' خوف' پریشانی اور دکھوں کا ٹھاٹیں مارتا سمندر اس کی براؤن سرخی مائل آنکھوں میں موجزن تھا۔ وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ اس کی حالت ابھی حواسوں سے باہر تھی۔

''آگ...... آگ...... خون...... بچاؤ......'' ایک دم ہی وہ لڑکی ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ ہاتھ اور پاؤں اس طرح سے مار رہی تھی' جیسے وہ آگ کے شعلوں سے بچنا چاہ رہی ہو۔ اس افتاد سے اس کے بازو سے سوئی بھی نکل گئی تھی۔ گلوکوز کے قطرے فرش پر گرنے لگے تو دونوں نے اسے قابو کرنے کی کوشش کی۔ اسی دم دو نرسیں بھی بھاگی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ اس کی خوفزدہ آواز کمرے سے باہر تک گونج رہی تھی۔ وہ چیخنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں سے بازو چھڑانے کی بھرپور مزاحمت کر رہی تھی۔ اس کا انداز یہاں سے بھاگ نکلنے کا تھا۔ کنول نے نرس سے انجکشن لے کر بمشکل اس کے مزاحمت کرتے چیختے چلاتے وجود کو سنبھالا اور انجکشن اس کے بازو میں لگا دیا۔ پانچ منٹ بعد وہ دوبارہ نیم بیہوش ہو کر دراز ہو چکی تھی۔ شمیر ابھی بھی اسے الجھی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ اسے شناسا سا لگ رہا تھا مگر کوشش کے باوجود یاد نہیں پڑتا تھا کہ کہاں دیکھا تھا اسے۔ اسی ادھیڑ بن میں وہ روم سے نکل آیا۔

✦ ✦ ✦

''ٹیک اٹ ایزی مائی سن۔ آپ اس قدر کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔'' رستم زمان نے اُسامہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنے مخصوص شفیق و نرم لہجے میں کہا۔

''سر آپ میرے احساسات نہیں سمجھ سکتے۔ میں پچھلی دو راتوں سے سویا نہیں ہوں۔''

''آپ کی ول پاور تو حد درجہ ہارڈ ہے' اس غیر اہم واقعے کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔''

''یہ غیر اہم واقعہ نہیں ہے سر' قوتِ برداشت بھی ایک حد تک مصروف عمل رہتی ہے اور جب انسان کو بلاوجہ ایسے بلائنڈ کراسس سے گزرنا پڑتا ہے تو پھر برداشت و ضبط کی ساری حدیں کراس ہو جاتی ہیں۔ میں نے سیاسی دنیا میں بہت مخالفتوں اور تنقیدوں کو نظر انداز کر کے قدم رکھا تھا۔ سر میرے دل میں کرسی کی خواہش یا حکمرانی کا شوق نہیں ہے' اور نہ ہی شہرت و اعزاز کی تمنا رہی ہے۔ میں نے صرف اور صرف لوگوں کی بے لوث خدمت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اس خارزار میں قدم رکھا تھا مگر یہاں آ کر محسوس ہوا' سیاست نے بھی پچاس سالوں میں اپنا روپ بدل لیا ہے۔''

''آج تو بہت زیادہ سنجیدہ ہیں آپ۔ ورنہ جذباتی تو آپ کبھی بھی نہیں رہے ہیں۔''

''جذبات بھی احساسات سے ہی جنم لیتے ہیں سر۔ میری ذہنی کنڈیشن اس قدر مشتعل ہو رہی ہے کہ ہر طرف آگ لگانے کو دل مچل رہا ہے۔ میرا اعتماد ٹوٹا ہے' میرا فخر' میرا امان خاک آلود ہو گیا ہے' جب اعتماد ٹوٹتا ہے تو انسان خود بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ فخر و افتخار جب منافقت کی چادر میں ملفوف ہو کر آپ کے سامنے آتے ہیں تو آپ کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا۔ بلیک پینٹ اور اسکائی بلو شرٹ میں وہ کافی مشتعل اور غصے میں تھا۔ سرخ سرخ آنکھوں میں جیسے الاؤ دہک رہے تھے۔ اضطراب و انتشار اس کے چہرے سے مترشح تھا۔

''ہم کوشش کر رہے ہیں کہ وہ منیجر کہیں سے دستیاب ہو جائے۔ ہم نے پرسوں ہی اپنے آدمی اسے بلوانے کے لئے بھیج دیئے تھے مگر وہ ایسا غائب ہوا ہے کہ گویا زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔''

''سر۔ وہ غائب ہوا ہے یا غائب کر دیا گیا ہے۔'' اس نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ اسی لمحے دروازہ کھول کر ساحرہ خوشبوئیں اڑاتی وہاں آئی۔

''کیا مقصد ہم سمجھے نہیں۔'' وہ چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

''ارے چھوڑیے صاحب' یہ سمجھنے اور سمجھانے والی فضول باتیں' آج موسم بہت سہانا ہے' کہیں لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔ سرخ و سیاہ پرنٹ کی خوبصورت جارجٹ کی ساڑی میں لائٹ میک اپ' نفیس جیولری اور باب کٹ ہیئر اسٹائل میں وہ موسم بہار میں کھلنے والا پہلا گلاب محسوس ہو رہی تھی۔ اپنی شوخ اور چنچل فطرت کے باعث اس نے اندر کی ٹینشن محسوس کئے بغیر انہیں کولڈ ڈرنکس سرو کرتے ہوئے فرمائش کی۔

''ہمیں افسوس ہے ڈیئر۔ آج ہم آپ کی فرمائش پوری نہیں کر سکتے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا' اُسامہ بیٹے کے ساتھ کچھ پرابلمز کری ایٹ ہوئی ہیں' جب تک وہ ڈیو نہیں مل جاتی' اُسامہ کے ساتھ ہم بھی پریشان اور الجھن کا شکار رہیں گے۔'' وہ ملامت سے ساحرہ سے مخاطب ہوئے تھے۔

''آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟'' ساحرہ اس کی جانب دیکھ کر کٹیلے لہجے میں بولی جو حسبِ معمول اس کی آمد پر احتراماً کھڑا ہونے کے بعد سلام کر کے لاتعلق سا بیٹھ گیا تھا۔

''کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہئے؟'' اس نے بغیر اس کی طرف دیکھے سرد لہجے میں الٹا سوال کیا۔

''پریشان تو وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اپنی' سیکریٹس موویز یا سیکریٹس شیم فل ورک اوپن ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو۔ آپ تو اس ٹائپ کے بندے نہیں ہیں پھر کیوں گھبرا رہے ہیں۔'' ساحرہ کے لہجے میں محسوس کی جانے والی چنگاریاں تھیں' جیسے اس کے اندر آگ جل رہی ہو۔

''اُسامہ بیٹے! آپ ساحرہ کی باتوں کو مائنڈ نہ کرنا' یہ ان کا مزاج ہے' سوچے سمجھے بغیر بات کرنا۔ مجھے پورا اعتماد و یقین ہے' آپ پر کہ آپ کے افیئرز اس نوعیت کے نہیں ہو سکتے۔''

''پھر آپ جیسے متقی' پرہیزگار' احساس و جذبات سے لاتعلق بندے کا کیا جواز ہے' کسی نوجوان لڑکی سے تنہا کمرے میں ملاقات کرنے کا کہ لوگ موقع سے فائدہ اٹھا گئے۔'' اس کے لہجے میں عجیب کاٹ تھی۔

''آپ میرے بارے میں سوچ سوچ کر اپنا بلڈ پریشر ہائی نہ کیا کیجئے۔ آپ کے لئے ایک 'گڈ نیوز' ہے کہ وہ نوجوان لڑکی 'نامحرم' نہیں ہے بلکہ میری وائف ہے۔ لائبہ...... لائبہ اُسامہ ملک۔'' اس نے بہت ٹھہر ٹھہر کر دلکش لہجے میں انکشاف کیا۔ اس کے چہرے پر دلکش رنگ تھا۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جیسے یکدم ہی کوئی مہربان ابر باراں کے چھینٹے ماحول کو پرکیف ٹھنڈک بخش دیتے ہیں' اسی طرح لائبہ کے نام نے اس کے متوحش اعصاب اور متفکر چہرے پر سکون و اطمینان جاگزیں کر دیا

تھا۔

''نہ...... نہیں۔ آپ مذاق کر رہے ہیں۔'' ساحرہ کی دنیا میں جیسے ایک دم ہی بھونچال آ یا تھا۔

''میں ایسے گھٹیا مذاق کرنے کا عادی نہیں ہوں جس میں کسی کی ذات الزام کی طرح پیش ہو۔''

''ویری امیزنگ' آپ نے تو ہمیں بحر حیرت میں غرق کر دیا ہے' بہت خوب۔ بہر کیف یہ ہم جانتے ہیں کہ آپ نے کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لیا' ہماری طرف سے اس حیرت انگیز انکشاف بلکہ پر مسرت خبر پر مبارک باد قبول کیجئے' اس شکوے کے ساتھ کہ آپ نے ہمیں اس بھرپور خوشی کے لازوال موقع پر نا قابل اعتنا جانا۔ ہم بھی آپ کا سہرا دیکھ کر خوش ہو جاتے۔ ان کے لہجے میں مسرت بھی تھی اور دکھ بھی۔

ساحرہ کو اپنے اردگرد دھواں ہی دھواں نظر آ رہا تھا' جس میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

❖ ❖ ❖

دھوپ ڈھل چکی تھی۔ دھیمی دھیمی چلتی ہوا راحت بخش تھی' بلو کاٹن کے شلوار سوٹ میں ملبوس وہ دوپٹہ اوڑھے لان میں بچھی کین کی کرسی پر بیٹھی سوچوں میں غرق تھی۔ ہوٹل میں جو واقعہ پیش آیا تھا' اس میں ذہن الجھا ہوا تھا۔ مستزاد کل اچانک اسد صاحب کا اس سے بطور خاص ملاقات کرنا پریشان کر گیا تھا۔ ان کی بارعب اور پروقار پرسنالٹی سے وہ مرعوب ہو گئی تھی۔ گھر کے کسی فرد کو اس نے نہیں بتایا تھا اسد صاحب کی آمد کا۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کس انداز میں' کیا کہہ کر ان کے بارے میں بتائے۔ رشتے دو تھے ان سے' مگر دونوں ہی مضبوط بھی کمزور بھی۔

''کیا سوچ رہی ہو بیٹی؟'' عظمت کی شیریں نرم آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی' اس نے چونک کر دیکھا' آف وائٹ ساڑی جس کا باڈر خوبصورت کاسنی تھا' میں ملبوس' چہرے پر ممتا کے گداز رنگ لئے وہ اس کے نزدیک کھڑی محبت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

''آپ...... وہ...... کچھ نہیں۔'' ان کے اپنائیت بھرے انداز نے اسے بے اوسان کر دیا تھا۔

''اتنا بوکھلا کیوں رہی ہو۔ ماں ہوں میں آپ کی' بیٹیاں ماؤں سے بہت بے تکلف ہوتی ہیں پھر آپ مجھ سے دور کیوں رہتی ہیں۔ شاید مجھ سے کوئی زیادتی ہو گئی ہے یا میں اس رشتے کو فوراً قبول نہ کر سکی' مجھے معاف کر دینا لائبہ۔ کچھ وقت کے لئے مجھ پر خود غرضی و بے حسی کی کیفیت چھا گئی تھی۔ روایتی منافقت پسند' سوتیلا پن مجھ پر حاوی ہو گیا تھا جس پر میں از خود اپنی نظروں میں پست ہو گئی ہوں۔''

''پلیز آپ اس طرح نہ کہیں۔ میں آپ کو ممی کہتی ہی نہیں سمجھتی بھی ہوں۔ سگا اور سوتیلا پن کیا ہوتا ہے' یہ میں نہیں جانتی' ماں صرف ماں ہوتی ہے' اس پر مجھے یقین ہے۔''

''شکریہ میری جان شکریہ آج میرا ضمیر مطمئن ہو گیا ہے۔ ایک بوجھ ذہن سے ہٹ گیا ہے۔'' عظمت لائبہ کو سینے سے لگاتے ہوئے تشکرانہ لہجے میں گویا ہوئیں۔ ان کے سینے سے لگی' لائبہ پر جیسے نور کی رم جھم ہونے لگی۔ سکون اس کے اندر تک اترتا چلا گیا۔ ان کی پشت پر اوپر دریچے پر پڑے پردے کی اوٹ سے دیکھتے روحیل صاحب کے چہرے پر بہت عرصے بعد آسودہ مسکراہٹ آئی تھی' دلوں کی تمام کثافتیں دھل کر بہہ گئی تھیں' اب ہر جگہ روشنی ہی روشنی تھی۔

❖ ❖ ❖

''آپ کے لاڈلے صاحب زادے کن چکروں میں ہیں آج کل ذرا معلوم کریں۔'' اسد صاحب چائے بناتی ہوئی فوزیہ بیگم سے مخاطب ہوئے۔

''آپ بھی کبھی یہ بھی سوچ لیا کریں کہ آپ اس کے باپ ہیں' تنقیدی پہلو کبھی اصلاح کن نہیں بنتے۔''

''آپ کی مورل سپورٹ ہماری کمی پوری کر دیتی ہے۔'' انہوں نے ان کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''غلط سوچ ہے آپ کی۔ باپ کی توجہ اور محبت اولاد کو کبھی بے لگام ہونے نہیں دیتی۔ ماں کتنی بھی مورل سپورٹ دے' کتنی امپورٹینس دے مگر باپ جیسا رعب و دبدبہ پیدا نہیں کر سکتی۔'' فوزیہ بیگم دوسرے صوفے پر ان کے مقابل بیٹھتے ہوئے خفگی بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

''حیرت ہے آج آپ بھی اپنے لاڈلے کے خلاف بول رہی ہیں۔'' چائے پیتے ہوئے ان کے لہجے میں خوشگوار طنز تھا۔

''میں انسان ہونے کے علاوہ ماں بھی ہوں اسد صاحب۔ میرے دل میں بھی ماؤں والے ارمان ہیں جو آپ باپ بیٹے کو نظر نہیں آتے۔ میں کب تک اپنی خواہشوں سے لڑتی رہوں۔''

''جب تک آپ میں برداشت ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اٹھ گئے۔

فوزیہ نے بدگمان نگاہ ان پر ڈالی' پھر کچھ کہے بغیر چائے پینے لگیں' وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔

''تیار ہو گئیں زینی بیٹا۔'' انہوں نے بڑے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سامنے بیٹھی زینی سے کہا جو بڑی ساری چادر میں خود کو لپیٹے بیٹھی تھی۔ افسردگی' نقاہت' ذہنی پراگندگی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

''جی چچا جان' مگر ہم جا کہاں رہے ہیں؟'' ممی نے پوچھنے کے باوجود نہیں بتایا۔

''آپ کو آپ کے گھر چھوڑنے جا رہا ہوں۔'' وہ مطمئن انداز میں گویا ہوئے۔ زینی نے حیرت سے قریب بیٹھی ممی اور اماں جان کے چہرے دیکھے' ممی کا چہرہ جھکا ہوا تھا' اماں جان حسب معمول چٹان بنی ہوئی تھیں۔ چہرے پر سختی و درشتی چھائی ہوئی تھی۔

''ایک مرتبہ اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو اسد' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعتماد و افتخار کو وہ لڑکا چکنا چور کر دے۔ غیر خون کی خاطر وہ بہت بے لگام ہو گیا ہے۔'' اماں درشت لہجے میں بولیں۔

''ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ ٹوٹی ہوئی لگا میں کس طرح قابو کی جاتی ہیں' میں بخوبی جانتا ہوں' بے فکر رہئے آپ۔ بھابی بیگم آپ کو کوئی اعتراض ہو تو ابھی کہہ دیجئے۔'' وہ گم صم کوثر بیگم سے مخاطب ہوئے۔

''نہیں نہیں' مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ شادی کے بعد بیٹیاں سسرال میں ہی بھلی لگتی ہیں۔''

''اوکے پھر اجازت دیجئے۔ وہ زینی کو لے کر آگے بڑھے۔ کوثر بیگم اور اماں جان نے اسے لپٹا کر پیشانی چوم کر رخصت کیا کو کہ وہ اسد صاحب کے دلائل سن کر اسے ان کے ساتھ بھیجنے پر رضامند ہو گئی تھیں مگر ان کا کہنا یہی تھا' اگر وہاں ذرا بھی زینی کے ساتھ زیادتی ہوئی تو وہ میدان میں اتر آئیں گی۔

وہ تو جیسے کسی معمول کی طرح ان کے ساتھ چلی آئی تھی' ذہن کی سلیٹ اس وقت بالکل سادہ تھی۔ وہاں کسی خیال' خواب' خواہش' کسی کا گزر نہ تھا' کار وہ خود ڈرائیو کر رہے تھے' کسی مصلحت کے تحت وہ ڈرائیور کو نہیں لائے تھے۔ راستہ سہولت سے طے ہوا تھا۔ کار بلیک گیٹ کے اندر داخل ہوئی تو یکدم ہی اس کی بے حسی ختم ہوئی تھی۔ اس نے کار پورٹیکو میں روکتے ہوئے اسد صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''چچا جان مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کس سے ڈر لگ رہا ہے۔ کچھ نہیں ہو گا۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دھیمے لہجے میں تسلی دی۔

وہ زینی کو کار میں بیٹھے رہنے کی تلقین کر کے اندر کی جانب بڑھ گئے۔ برآمدہ عبور کرنے کے بعد گیلری سے گزر کر وہ بڑے کمرے میں پہنچ گئے جہاں اس وقت نبیل اور شمیر کے علاوہ سب موجود تھے۔ روحیل اور عظمت صوفوں پر براجمان چائے پیتے ہوئے باتوں میں مصروف تھے' جبکہ عائشہ' لائبہ اور ارشد نیچے کارپٹ پر بیٹھے پھیلے ہوئے اس سامان کو دیکھ رہی تھیں جو ارشد رات پشاور سے واپسی پر ان کے لئے لایا تھا۔ اسد صاحب کی آمد ان کے لئے حیران کن تھی۔

''السلام علیکم بھائی جان۔'' روحیل صاحب ان کی طرف بڑھتے ہوئے عام لہجے میں بولے تو ارشد بھی اٹھ کر ان کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عظمت بیگم اور عائشہ نے بھی سلام کیا' جبکہ لائبہ کن فیوز ہو کر عائشہ کے پیچھے تقریباً پوشیدہ ہو گئی تھی۔ کسی گڑبڑ کے احساس سے اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

''کب آئے پشاور سے؟ میں نے آفس فون کیا تھا آپ کے دفتر سے معلوم ہوا آپ پشاور گئے ہوئے ہیں اور واپسی کل تک متوقع ہے۔'' ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

''جی کل رات کو واپس آیا ہوں۔'' ارشد نے صوفے کی جانب بڑھتے ہوئے جواب دیا

''بیٹھو نہیں' پہلے زینی کو اندر لے کر آؤ' وہ باہر کار میں بیٹھی ہے۔ جب جنگ لڑتے ہیں تو اپنے قوت بازو پر بھروسا کرتے ہیں' عورت کو درمیان میں گھسیٹ کر فاتح بننے والے کبھی فتح یاب نہیں ہوتے۔ آپ زینی کو ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں اپنا بنا کر لائے تھے' پھر اس طرح اسے تنہا چھوڑ دینا بزدلانہ اقدام ہے۔'' وہ بہت باوقار لہجے میں ارشد سے مخاطب تھے۔ باقی سب خاموش تھے۔

''وہ یہاں سے اپنی مرضی سے گئی تھی۔'' ارشد کے دھیمے لہجے میں محسوس کی جانے والی تپش تھی۔

''اوکے' پھر آج اپنی مرضی سے آ بھی گئی ہے' جا کر اندر لے کر آؤ اسے۔''

''لیکن میں کیوں لے کر آؤں۔ جب وہ یہاں تک آ گئی ہے تو اندر......''

''وہ آپ کے نکاح میں ہے' آپ کی ذمے داری ہے وہ' گھر کے افراد کا رشتہ آپ کے بعد آتا ہے۔''

''اونہہ نکاح' بہتر ہوتا اس کے حقوق آپ اپنے صاحب زادے کو بھی سمجھا دیتے۔''

''فی الحال تو آپ سمجھ جائیں تو بہتر ہے' آپ اس سے چھ ماہ بڑے ہیں۔ اس حساب سے بڑے صاحب زادے تو ہمارے آپ ہیں۔ کیونکہ ہمارے خاندان میں بھائیوں کی اولاد اور اپنی اولاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اب کوئی سوال مت کرنا' پہلے زینی کو لے آؤ۔'' وہ کچھ سختی سے بولے۔

وہ ضدی اور ہٹ دھرم تھا' مگر نگاہوں سے احترام و توقیر کے جذبے فنا نہیں ہوئے تھے۔ اسد صاحب کی باتوں نے اسے اندر ہی اندر مشتعل بہت کیا مگر وہ حد ادب پار نہ کر سکا۔

وہ ہونٹ کاٹتا ہوا سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے گیا تھا۔

زینی نے چادر کا گھونگھٹ سا آگے نکال لیا تھا۔ چوکیدار گیٹ کے پاس اسٹول پر بیٹھا ریڈیو سن رہا تھا۔ سامنے لان میں مالی اور اس کی بیوی پودوں میں پانی دے رہے تھے اور ان کی استجابیہ نگاہیں گاہے بگاہے اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ چادر کی وجہ سے وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ پا رہے تھے۔ وہ خود از حد کوفت محسوس کر رہی تھی۔ کچھ ماہ قبل وہ مکمل مالکانہ حقوق کے ساتھ ان ملازموں پر حکم چلایا کرتی تھی اور اب اس طرح کسی ایک کا سامنا کرنے کی ہمت بھی اس میں نہ تھی' چچا جان نہ معلوم کیوں اسے یہاں بٹھا کر اندر چلے گئے تھے اور اس کی نگاہیں بے اختیار اضطرابی انداز میں شیشے کے دروازے پر پڑے گرین پردے سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایک دم ہی دروازہ کھلا تھا' کاٹن کے کڑے کلف شدہ سوٹ میں سرخ چہرہ لئے ارشد کو باہر آتے دیکھ کر اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اسد صاحب اسے اس لئے یہاں بٹھا کر جا رہے ہیں' خوف' گھبراہٹ' پشیمانی سے اس کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے۔

''جب وہاں سے یہاں تک آ گئی ہو تو اندر تک آنے میں تمہاری شان میں کیا فرق پڑتا۔'' وہ آتے ہی بارود کی طرح پھٹا تھا اور اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے۔

''چلو اترو بھی اب......'' اسے اسی طرح اندر براجمان دیکھ کر وہ آہستگی سے دہاڑا۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور چادر سمیٹتی ہوئی باہر نکل آئی۔ وہ پہلے ہی دھپ دھپ کرتا واپس اندر بڑھ گیا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی۔ گیلری میں ہی عظمت کے ساتھ عائشہ اور لائبہ کھڑی ہوئی مل گئی تھیں۔ عظمت نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ عائشہ بھی گلے ملی' لائبہ اس کی جانب گلے ملنے کے لئے بڑھی تھی کہ ایک دم ہی نفرت اور غصے کی لہر نے زینی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ اس لمحے اس کے چہرے پر اتنی نفرت اور تحقیر تھی کہ لائبہ ندامت سے کھڑی رہ گئی۔ عظمت آگے چلنے کی وجہ سے اس کی یہ حرکت نوٹ نہ کر سکیں۔

✦ ✦ ✦

''ممی چل رہی ہیں اسپتال۔ کال آئی ہے ڈاکٹر کی' آپ کے ہوم چائلڈ میں آنے والی اس لڑکی کی حالت اب بہتر ہے' وہ شاکڈ سے نکل آئی ہے۔'' کنول نے تیار ہوتے ہوئے بیگم توفیق سے کہا۔

''گڈ' اچھی خبر ہے' چلیں آپ تو تیار ہیں۔'' وہ بالوں میں کلپ لگاتے ہوئے مسرت سے بولیں۔

''یہ کس کے ڈاکومنٹس ہیں ممی۔'' کنول جو آگے بڑھی تھی' تپائی پر رکھی فائل اس کے دوپٹے سے الجھ کر قالین پر گر پڑی تھی۔ وہ جھک کر کاغذات اٹھاتے ہوئے بولی۔ فائل میں پن اپ کرتے ہوئے جو کاغذ اس کے ہاتھ میں آیا' اس پر لگی تصویر کو وہ ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔

''آپ کے پپا اسی بندے کے کیس کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ یہ وہی انفارمر ہے' جس کی انفارمیشنز سے' تمہارے پپا کو بہت کامیابیاں ملیں اور ایک مرتبہ جو بم بلاسٹ سے آپ کے پپا بچے تھے' وہ بھی اسی کی وجہ سے بچے تھے۔ تمہارے پپا بتا رہے تھے' غربت اور بری صحبت کی وجہ سے یہ غلط کاموں میں پڑ گیا تھا مگر ضمیر زندہ تھا' اس لئے برائی کی دلدل میں پھنس کر بھی بچ گیا اور مجرموں کے خلاف پولیس کی مدد کرنے لگا پھر کافی عرصے بعد سرغنہ کو اس پر شک ہو گیا۔ اس نے اسے اپنے آدمیوں کے ذریعے ختم کروا کر باہر پھینک دیا تھا مگر اس کی زندگی باقی تھی' جو لوگ مار کر کوڑے پر پھینک کر گئے تھے' انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔ اس کے دوست نے اس کا علاج کروایا۔ اس میں جینے کی امنگ پیدا کی اور اس نے آپ کے پپا کو ایک دن آ کر ساری حقیقت بتا دی اور اس سرغنہ کے خلاف سارے ثبوت لا کر دیئے۔ مگر وہ سرغنہ پہلے ہی فرار ہو گیا تھا جو غیر ملکی ایجنٹ تھا۔ اس نے اپنی گرفتاری پہلے ہی دے دی تھی۔ سلطانی گواہ کی حیثیت سے' اب یہ جیل میں ہے آپ کے پپا یہی چاہ رہے ہیں' اس کے کیس کا فیصلہ جلد ہو' اور سزا کم سے کم ملے۔ دو ماہ قبل جو ٹرین کا حادثہ ہوا تھا' اس میں اس کی فیملی بھی ہلاک ہو گئی تھی۔ بہت دکھی نوجوان ہے بے چارہ۔''

''اوہ تو میرا خدشہ درست نکلا انور' تمہاری فیملی واقعی ہلاک ہو گئی۔'' اس نے تصویر دوبارہ فائل میں لگاتے ہوئے سوچا۔ جس شخص کے لئے وہ پریشان تھی' وہ سلاخوں کے پیچھے تھا۔

بڑی بے دلی سے وہ اسپتال کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ مجبوری تھی کہ وہ ممی سے اس لڑکی کا ذکر کر چکی تھی۔ ان کے پاس اب جانا بھی لازمی تھا۔ ورنہ دل تو کر رہا تھا' پنکھ لگا کر اس کے پاس پہنچ جائے جو اپنوں کی ناگہانی موت کا غم سینے سے لگائے جیل کے ویرانوں میں مقید تھا۔ جسے اپنوں کے سہاروں اور دلاسوں کی ضرورت تھی' اپنائیت و خلوص کے کچھ سچے لفظ اس کے دل پر پڑے زخموں پر مرہم کا کام کریں گے۔ تنہائی میں تو اس کے زخموں سے لہو رستا ہو گا۔

''کس دھیان میں ہو کنول۔ اسپتال آ چکا ہے۔'' مسز توفیق اسے گم صم بیٹھا دیکھ کر بولیں۔

''اوہ' سوری ممی۔'' وہ خجل سی ہو کر کار سے باہر نکلی۔ ڈرائیور کو کچھ دیر انتظار کا کہہ کر وہ اندر بڑھ گئیں۔

''ڈاکٹر صاحب' صبح سے ہوش میں آنے کے بعد یہ پیشنٹ روئے جا رہی ہے۔'' نرس نے اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر سلام کرنے کے بعد کہا۔ وہ دونوں اس کی طرف بڑھ گئیں۔

''آپ اس طرح روئے جائیں گی تو مسئلہ حل تو نہ ہو گا بیٹا۔ خاموش ہو جائیں۔ باتیں کریں تاکہ اعصاب بھی پرسکون ہوں۔ اپنے دکھ بتانے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ راحت ملتی ہے دل و دماغ کو۔ ہم آپ کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہیں' کون ہیں آپ۔ کہاں سے آئی ہیں۔ کیا گزری ہے آپ پر۔'' مسز توفیق بمشکل اس لڑکی کو خاموش کروانے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ کنول اسے خاموشی سے بیٹھے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسے اس لڑکی کا چہرہ پہلی نظر میں ہی شناسا لگا تھا مگر شناخت ابھی تک نہ ہوئی تھی۔ مسز توفیق اسے اپنے ہاتھ سے پانی پلا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ سمجھا بھی رہی تھیں۔

''میں کہاں ہوں۔ آپ لوگ کون ہیں۔'' اس لڑکی نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی آنکھوں میں شعور کی چمک تھی' ان دونوں کو وہ بیگانگی بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''آپ ہمیں اپنا ہی سمجھو۔'' مسز توفیق نے اسے بتایا کہ وہ کس طرح' کس حالت میں ان تک پہنچی تھی۔

''کاش..... اس دن میں بھی گھر والوں کے ساتھ ہی جل جاتی۔ ہم لاہور جا رہے تھے۔ ریل کا میرا پہلا سفر تھا۔ میں اور میری چھوٹی بہن تابش بہت خوش تھے۔ امی ابو دوسری سیٹ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ باہر بھاگتے دوڑتے ہرے بھرے مناظر بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ ابو نے کہا وہ چائے پئیں گے۔ میں نے باسکٹ سے چائے کا تھرماس نکالا تو وہ پھسل کر میرے ہاتھ سے گر گیا اور ریل کے جھٹکوں کی وجہ سے دروازے کی طرف لڑھکنے لگا۔ میں اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھی تو اچانک باتھ روم میں اتنا شدید دھماکا ہوا کہ میں کسی گیند کی طرح اچھل کر دروازے سے باہر جا گری۔ جہاں میں گری تھی' وہ کوئی اونچی جگہ تھی' جہاں سوکھی گھاس پڑی تھی۔ میں سنبھلنے کی کوشش میں نیچے گرتی چلی جا رہی تھی۔ ریل میں لگی ہوئی آگ مجھے نظر آ رہی تھی جو اتنی شدید تھی کہ کسی کا بچ نکلنا ناممکن تھا۔ اس کے بعد نا معلوم کیا ہوا۔ میں کہاں گری تھی' مجھے کس نے اٹھایا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔'' آنسوؤں کے دوران اس نے آپ بیتی سنائی۔

''سنو' تمہارا نام کیا ہے؟'' کنول کے ذہن میں روشنی کا جھماکا ہوا تھا۔

''شا..... ئلہ.....'' اس نے ہچکیوں کے دوران بتایا۔

''شائلہ۔ تمہارے بھائی کا نام انور ہے نا۔'' کنول دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ کر اپنائیت سے بولی۔

''آپ جانتی ہیں بیٹا انہیں۔'' اس کے اثبات میں جواب دینے پر مسز توفیق حیرانی سے بولیں۔

''جی ممی۔ شائلہ' تم نے پہچانا نہیں مجھے۔ میری تم سے اسٹیشن پر ملاقات کروائی تھی نا انور نے۔''

''مجھے یاد نہیں' میں بھائی سے ملنا چاہتی ہوں' میرا بھائی۔''

''او کے' لے چلیں گے آپ کو۔ پہلے آپ وعدہ کریں' اس طرح روئیں گی نہیں۔''

✦ ✦ ✦

''ایک ہفتے سے زیادہ ٹائم گزر چکا ہے ڈیڈی۔ پھر کیا سوچا ہے آپ نے۔'' ارشد نے لائبریری روم میں آ کر روحیل صاحب سے استفسار کیا جو وہاں کسی کتاب کے مطالعے میں گم تھے۔

''ہوں۔ اُسامہ کو میں نے ایک ہفتے کا وقت دیا تھا' مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا ہے۔''

''وہ ساری زندگی جواب نہیں دے گا ڈیڈی۔ میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

''ارشد بیٹا! میں خود نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کی شفاف پیشانی پر طلاق جیسا کریہہ داغ لگ جائے۔ میں کسی مفاہمت کی راہ کی تلاش میں ہوں۔'' وہ متفکرانہ لہجے میں گویا ہوئے۔

''مفاہمت کی یا شکست کی۔ ڈیڈی ہتھیار ڈال دینے کا مہذب نام مفاہمت ہے۔''

''آپ اپنی بہن کی روشن پیشانی پر داغ لگا دیکھنا پسند کریں گے۔''

''میری بہن ناگوار و ناقابل قبول بوجھ کی طرح کسی پر مسلط کی جائے' میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔''

''اماں جان کے رویے میں لچک آ چکی ہے' جس کی واضح شناخت زینب کی یہاں موجودگی ہے۔''

''تایا جان' لے کر آئے ہیں اسے' اماں جان کا رویہ اس میں کہاں سے آ گیا۔''

''میں مانتا ہوں' اسد بھائی کے سنجیدہ و بردبار مزاج کے باعث اماں ان کی بات اکثر و بیشتر مانتی آئی ہیں' کئی فیصلے وہ اپنی مرضی کے کرواتے رہے ہیں مگر یہ فیصلہ ایسا نہیں تھا جو اماں جان مان جاتیں۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ لائبہ کے لئے ان کے دل میں ضرور نرم گوشہ پیدا ہوا ہے۔'' ان کے لہجے میں کچھ اس طرح کی خوش گمانی اور خوش یقینی تھی کہ ارشد لمبا سانس لے کر رہ گیا۔

''بہرکیف ابھی ہم خاموشی اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ وکیل صاحب بھی اپنے نجی معاملات کی وجہ سے دو ہفتے کے لئے اپنے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ وہ آ جائیں تو پھر دیکھیں گے۔''

''جی بہتر' جیسا آپ کا حکم ہو۔'' وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''میں اللہ کا بہت شکر گزار ہوں' جس نے آپ جیسی سعادت مند اور نیک اولاد دی ہے۔''

''یہ سب آپ کی محبت ہے ڈیڈی۔ او کے آپ اسٹڈی کریں۔ شب بخیر۔'' وہ پردہ برابر کرتا ہوا باہر دالان میں بچھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ رات کے بارہ بجے کا عمل تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اس کا دل کمرے میں جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ زینی کمرے میں موجود تھی۔ اسد صاحب' خود اسے لے آئے تھے اور جاتے وقت جتا گئے تھے کہ وہ زینی کو اس کے (ارشد کے) تایا کی حیثیت سے گھر لے کر آئے تھے لیکن اگر اس کے ساتھ زیادتی ہوئی تو پھر وہ زینی کے چچا کی حیثیت سے باز پرس کریں گے مگر اس کا دل ابھی بھی بدگمانی کے ساگر میں غرق تھا۔ وہ اس کے وہ لفظ فراموش نہ کر سکا تھا جو اس نے نہایت نفرت آمیز لہجے میں لائبہ کے خلاف استعمال کئے تھے۔

''آہا..... نوشے میاں یہاں بیٹھے ہیں۔ آیئے' میں آپ کو آپ کے بیڈ روم کے دروازے تک چھوڑ کر آ جاؤں۔'' نبیل جو اس طرف آیا تھا' اسے وہاں تنہا بیٹھے دیکھ کر شرارت سے مسکرا کر بولا۔

''آپ بھی بے موقع مذاق کرتے ہیں۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے' میری شادی کو سات ماہ ہو چکے ہیں۔ ویسے آپ اس وقت یہاں کیوں آئے ہیں۔ کیا سیف کی نے پی چینج کی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''فکر نہ کرو' چند ماہ بعد تمہیں بھی یہ سعادت نصیب ہونے والی ہے۔'' نبیل برجستگی سے بولا تو اس کی خفیف سی مسکراہٹ میں نبیل کا بلند قہقہہ بھی شامل تھا۔

✦ ✦ ✦

کنول شائلہ کو گھر لے آئی تھی۔ مسز توفیق کو بھی ساری حقیقت معلوم ہو ہی گئی تھی۔ انہوں نے بہت خلوص کے ساتھ اسے گلے لگایا تھا توفیق صاحب کو بھی اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ جنہیں یہ سب سن کر حیرانی ہوئی کہ اتفاق ایسا بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے بہت اپنائیت سے اسے کنول کے بعد دوسری بیٹی مان لیا تھا۔ اور اسے یہاں اپنا گھر سمجھ کر رہنے کی تلقین کی تھی۔ ان کی اجازت لے کر کنول شائلہ کو انور سے ملوانے جیل لے آئی تھی (اسے انور کے متعلق وہ پہلے ہی بتا چکی تھی) وہاں توفیق صاحب کے تعلقات نے راہ ہموار کی۔ انور کی ملاقات ان دونوں سے علیحدہ روم میں کروائی گئی تھی۔ کنول پر نظر پڑتے ہی اسے حیرانی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ کھڑی شائلہ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئی تھیں۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ شائلہ بھی اس کے سینے سے لگ کر شدتوں سے رو دی تھی۔ وہ بھی اپنے آنسو اندر ہی اندر گرا رہا تھا۔ کنول نے کچھ دیر بعد اسے خاموش کروایا تھا۔ شائلہ نے ہچکیوں کے دوران پوری تفصیل بتا دی تھی' جہاں ماں باپ' بہن بھائی کی اندوہناک موت پر وہ خون کے آنسو رو رہا تھا' وہیں وہ اس کے سلامت بچ جانے اور اچھے اور نیک لوگوں میں پہنچ جانے پر تہہ دل سے اللہ کا شکر گزار تھا۔

''بڑی مہربانی ہے ڈاکٹر صاحب آپ کی جو آپ نے میری بہن کا اتنا خیال رکھا ورنہ آج کل کے وقت میں ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں۔'' وہ آہستگی سے کنول سے مخاطب ہوا۔

''شکریے کی کوئی بات نہیں۔ یہ دنیا ہے یہاں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ یہ شائلہ کی خوش قسمتی ہے جو ممی کی دوست کے گھر کام کرنے والی ملازمہ کی بہن کو یہ کھیتوں میں بے ہوش پڑی مل گئی تھی اور جب انہیں ہوش آیا تو یہ صدمے سے شاکڈ ہو گئیں۔ کچھ عرصے اس دیہاتی عورت نے اسے اپنے پاس رکھا' جب اس کی بہن اس سے ملنے گاؤں گئی تو وہ اسے ساتھ لے آئی اور اس طرح اس ملازمہ کی مالکن یعنی ممی کی دوست نے اسپیشل چائلڈ ہوم میں شائلہ کو ایڈمٹ کروا دیا۔ اس سے آگے تو ہم

آپ کو بتا ہی چکے ہیں۔'' کنول نے اس کے بجھے بجھے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

''بہت ظلم ہوا ہے بھائی' ہمارے ساتھ۔ تابندہ اور افشاں آپی کو تو خبر بھی نہ ہوگی کہ ہم کس طرح برباد ہو گئے ہیں۔ کتنی پریشان ہو رہی ہوں گی وہ دونوں۔''

''یہ بس میرے گناہوں کی نحوست ہے شمو۔ ظالم تو میں بن گیا تھا۔ راتوں رات امیر بننے کے خبط نے سب کچھ چھین کر تہی دامن کر دیا مجھ کو۔''

''آپ نے جو کچھ کیا' اس کی سزا بھی تو پا رہے ہیں۔ اب سب کچھ بھول جایئے اور اللہ سے سچے دل سے توبہ کر کے معافی مانگ لیجئے۔ وہ دلوں کا حال جاننے والا ہے' ضرور توبہ قبول کرے گا۔''

''اس قید تنہائی میں اللہ ہی سے مخاطب رہتا ہوں' اس سے تعلق گہرا ہو گیا ہے۔''

''میں کس کے پاس رہوں۔ افشاں آپی کے یا تابندہ کے پاس؟''

''ڈیڈی نے کہا ہے نا' تم اب ہمارے ساتھ رہو گی۔ اگر تم اپنی بہنوں سے ملنا چاہو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا انہیں۔'' کنول اسے دیکھتے ہوئے اپنائیت سے کہنے لگی۔

''یہ کس طرح ممکن ہے۔ بہنوں کے گھر پر رہنا بھی اچھا نہیں ہے۔ نہ معلوم مجھے کتنے سال کی سزا ملے اور یہ نہ معلوم عرصہ شائلہ کہاں گزار سکتی ہے۔'' وہ پریشانی و فکرمندی سے بولا۔

''ممی ڈیڈی کو آج کل اپنے چائلڈ ہوم کے لئے ٹیچر کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اور شائلہ پسند کریں تو یہ وقت گزاری کے لئے وہاں کام کر سکتی ہیں۔ رہائش وغیرہ سب ہمارے ساتھ ہی ہوگی۔''

''آپ لوگوں کے پہلے ہی احسان کم ہیں جو......''

''پلیز انور صاحب۔ احسان کا لفظ استعمال کر کے احساسات کی تذلیل نہ کیجئے۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسی آپ کی اور شائلہ کی مرضی۔'' ملاقات کا وقت ختم ہو گیا تھا' شائلہ اس سے مل کر باہر نکل گئی تھی' کنول اس کے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی۔

''ڈیڈی نے آپ کے مقدمے کے لئے شہر کے بہترین لائر کا انتخاب کیا ہے۔ ان کا خیال ہے' آپ کو وہ کم سے کم سزا دلوائیں گے۔''

''جب میں سزا کے بعد باہر آؤں گا تو جو آج ہوں' اس سے بالکل مختلف ہوں گا۔ محب وطن' جانثار' ملک کی خاطر جان لٹانے والا انور۔'' اس نے نئے عزم و ولولے سے کہا۔

''میں آپ کی منتظر رہوں گی۔'' برسوں کا سوچا جملہ اس نے نگاہیں جھکا کر ادا کر دیا۔

''کب تک؟'' اس کے لہجے میں زندگی در آئی تھی۔

''ساری زندگی۔ وہ شرماتی ہوئی باہر نکل گئی۔ انور کو محسوس ہوا' تنہائیاں گنگنانے لگی ہیں۔ اس کی تنہائی کے اندھیروں میں وہ اپنی لازوال محبت کے چراغ جلا گئی تھی۔

✦ ✦ ✦

زینی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی عائشہ سے باتیں کر رہی تھی۔ لائبہ کو وہاں آتے دیکھ کر وہ فوراً ہی اٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر نفرت و نخوت چھا گئی تھی۔

''کیا ہوا۔ تم بات تو مکمل کرو' کیوں اٹھ گئیں۔'' عائشہ بے خبری میں حیرانی سے بولی۔

''نہیں' بس جا رہی ہوں میں۔'' اس نے قہر آلود نگاہ لائبہ پر ڈال کر کہا۔

''بیٹھ جائیں بھابی آپ۔ میں چلی جاتی ہوں۔'' لائبہ کو اس کی نفرت کا احساس پوری طرح تھا۔

''کیا مقصد۔ یہ کیا کہہ رہی ہو تم لائبہ۔'' عائشہ کو صورت حال سنگین لگی۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

''مجھ سے پوچھیں آپ بھابی۔ کس طرح اس معصوم صورت والی نے میری زندگی میں آگ لگا رکھی ہے۔ اپنا تو گھر اجاڑنے کے درپے ہے' مجھے بھی آباد نہیں رہنے دے گی یہ۔'' زینی رونے لگی۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے زینی۔ لائبہ تو تم سے بہت محبت کرتی ہے۔''

''اونہہ۔ جانتی ہوں' اس کی اصلیت' بی جمالو ہے پوری۔ ارشد کو میرے خلاف کر دیا ہے اس نے' کان بھر کر ان کے۔ مجھے یہاں آئے پندرہ دن ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ بھی مجھ سے بات نہیں کی۔ رات کو بھی دوسرے کمرے میں سوتے ہیں۔ یہ سب اس کی وجہ سے ہو رہا ہے۔''

''بہت زیادتی کر رہی ہو زینی تم۔ لائبہ ایسی نہیں ہے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔''

''اماں جان ٹھیک کہتی ہیں۔ یہ لڑکی نہیں فساد کی جڑ ہے' جہاں اس کے منحوس قدم پڑتے ہیں' وہاں سگے رشتے جدا ہو جاتے ہیں۔ بھائی سے بھائی چھوٹ جاتا ہے' ماں اور بیٹے میں جدائی کی فصیل آ جاتی ہے۔ میاں بیوی کے درمیان فاصلے آ جاتے ہیں۔ خاندان ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں اور اس نے اس گھر میں قدم رکھتے ہی اپنی نحوست پھیلا دی۔ میری خواہش ہے اس کا چہرہ' یہ حسین چہرہ جس کا اسے بہت زعم ہے' اس بری طرح جھلس جائے کہ......''

''زینی۔ زبان کو لگام دو اپنی' ہوش کھو بیٹھی ہو تم۔ جو منہ میں آ رہا ہے' بکے جا رہی ہو۔ کیا بگاڑا ہے اس نے تمہارا۔'' عظمت جو وہاں سے گزر رہی تھیں' زینی کی غصے سے چیختی ہوئی آواز سن کر اندر آ گئی تھیں۔ لائبہ سر جھکائے گم صم کھڑی تھی۔ زینی کی باتیں انہیں طیش دلا گئی تھیں۔

''چچی جان' میں سچ کہہ رہی ہوں' یہ میرا گھر اجاڑ دے گی۔'' وہ دوبارہ رونے لگی۔

''بد فالیں منہ سے مت نکالو۔ جتنا تمہیں یہاں لانے کے لئے یہ بے قرار اور بے چین رہی ہے' اس محبت کا یہ صلہ دیا ہے تم نے۔ اچھے اور برے کی تمیز سیکھو پہلے۔ چلو بیٹا۔'' وہ لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے گئیں۔ عائشہ بھی ان کے پیچھے لاؤنج سے چلی گئی۔

✦ ✦ ✦

''بابا! رستم صاحب آ گئے۔'' اسامہ نے آف وائٹ شیراڈ کے ڈرائیونگ ڈور سے سر نکال کر باہر بیٹھے چوکیدار سے معلوم کیا۔

''نہیں صاحب' مالک تو ابھی تک نہیں آئے۔'' چوکیدار نے مستعدی سے کھڑے ہو کر جواب دیا۔

''بتا کر نہیں گئے تھے' کہاں جا رہے ہیں' کب تک آئیں گے۔'' اس کی کھوجتی نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔

''نہیں صاحب' لیکن بہت پریشان اور غصے میں نکلے تھے وہ۔ آپ تو صاحب کے خاص بندے ہیں' اس لئے آپ کو بتا رہا ہوں۔ میری بیوی اندر کام کرتی ہے۔ بیگم صاحب کی خاص ملازمہ ہے' وہ اس پر بڑا اعتماد کرتی ہیں۔'' چوکیدار اس کے نزدیک آ کر آہستگی سے رازدرانہ انداز میں گویا تھا۔

''بات مختصر کریں۔'' کسی انجانے خطرے کی گھنٹیاں اسے سنائی دینے لگی تھیں۔

''جس دن آپ آئے تھے' آپ کے آنے سے دو دن پہلے بیگم صاحبہ اور صاحب میں بہت جھگڑا ہوا تھا' صاحب بڑے غصے میں تھے' بیگم صاحبہ بھی غصے میں خوب چیخ چلا رہی تھیں۔ میری بیوی اس وقت برابر والے کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ وہ دونوں انگلش میں بول رہے تھے اس لئے وہ سمجھ نہیں پائی' بات کیا ہوئی تھی پھر بھی جس دن آپ آئے' اسی رات کو بیگم صاحبہ رات کے وقت کہیں چلی گئیں۔ صاحب کو دوسری صبح معلوم ہوا' تمام ملازمین سے پوچھ گچھ ہوئی۔ مگر کسی نے بھی انہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ کوئی کیا بتاتا۔ صاحب نے ہم سب سے کہہ دیا تھا کہ یہ بات کسی سے بھی کہی تو زندہ دفن کر دیں گے۔'' ہم بھلا کس سے کہتے۔ آپ پر اعتماد ہے' اس لئے آپ کو بتایا کہ آپ کسی سے نہیں کہیں گے' اور شاید بیگم صاحبہ کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلا کر کار اسٹارٹ کر دی۔ اس کے ذہن میں الجھن بڑھ گئی تھی۔ ساحرہ کے عشوے' بے باکیاں' نگاہوں کی بے حجابیاں' اسے اول روز سے ہی بدظنی و محتاط روی پر مجبور کر گئی تھیں۔ وہ سمجھ گیا تھا' وہ باوفا مخلص بیوی نہیں ہے۔ جو عورت شوہر کی موجودگی میں غیر مرد کی الفت کا دم بھرے' جس کی آنکھوں' ہونٹوں' زبان پر غیر مرد کا ورد ہو وہ کبھی بھی قابل بھروسہ' قابل احترام نہیں ہوتی۔ وہ پاکیزگی و عصمت کا مظہر نہیں ہو سکتی' وہ ہونٹ بھینچے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ فراخ پیشانی پر شکنیں تھیں۔ آنکھوں پر سن گلاسز نے چہرے کی وجاہت میں دگنا اضافہ کر دیا تھا۔ مسٹرڈ جینز' بلیک و ہائٹ ٹی شرٹ میں اس کی پرسنالٹی ڈیسنٹ تھی۔ ہوٹل والے واقعے کے بعد سے اس کا سکون درہم برہم ہو چکا تھا۔ گھر میں بھی اس کو تو جو دلچسپی نہ رہی تھی۔ بزنس بھی اس کا متاثر ہو رہا تھا۔ اس واقعے کو پندرہ روز سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ ابھی تک اس وڈیو اور وڈیو میکر کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ ہوٹل کا منیجر اس دن سے بدستور لاپتہ تھا۔ وہ ذہنی و دماغی کشمکش میں مبتلا تھا۔'' اور رستم زمان بھی اس ملاقات کے بعد سے ایسے غائب ہوئے تھے کہ وہ ان کے ہر ممکن ٹھکانے پر تلاش کر چکا تھا مگر وہ کہیں سے بھی دستیاب نہیں ہو پائے تھے۔ چوکیدار کی نئی اطلاع نے اسے مزید الجھا دیا تھا۔ اس کی اولین کوشش اس وڈیو کی دستیابی تھی جو اسے شاید بلیک میل کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ وہ جانتا تھا' قابل مذمت' قابل ملامت' قابل اعتراض' اخلاق باختہ ایسا کوئی تعلق اس کے اور لائبہ کے درمیان نہیں تھا مگر آج کل کے سائنسی دور میں جہاں انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اذہان مصروف عمل ہیں' وہیں شرپسند شیطان صفت لوگ انسانیت کے اخلاقی قدروں کے اور تہذیب و عفت کے قتل عام میں سرگرم عمل ہیں۔ بقا کے بجائے فنا کی طرف' گمراہی و پستی کی جانب دنیا تیزی سے گامزن ہے۔ خیر کے مقابل شر ہمیشہ جلد پھیل جاتا ہے۔

اس سوچ نے اسے متوحش و بے سکون کر دیا تھا کہ سازش کے تحت اس وڈیو کو قابل اعتراض شارٹس میں بھی کنورٹ کیا جا سکتا تھا۔ یہ بے حرمتی و ذلالت وہ مر کر بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اس بے مہر وقت میں خود غرضی و خود پرستی اپنی مثال آپ بن چکی ہے۔ اپنے ذرا سے فائدے کے لئے دوسرے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دینا' لالچی انسان کی اولین ترجیح ہے۔

وہ سوچوں میں گم تھا' سگنل پر کار رکی ہوئی تھی۔ معاً کار کا فرنٹ ڈور کھول کر سیاہ برقعے میں ملبوس نقاب کوئی اجنبی خاتون بڑے عجلت بھرے انداز میں سیٹ پر بیٹھی تھی۔ ساتھ ہی دروازہ بند کیا تھا۔

''کون ہیں آپ؟'' وہ اس اچانک افتاد و بے تکلفی سے خاصا حیران ہوا تھا۔

''گرین لائٹ آن ہو چکی ہے' کار اسٹارٹ کریں۔'' خاصا بکھرا بکھرا ٹوٹا ہوا لہجہ تھا۔

''اوکے۔'' اس نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈال کر کار اسٹارٹ کی کیونکہ پیچھے سے ہارن سنائی دے رہے تھے۔

''کسی ایسی جگہ کار لے چلو جہاں تنہائی اور سکون ہو۔ مجھے آپ سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔''

''آپ ہیں کون۔ پہلے اپنا تعارف تو کروائیں۔ دو مہذب افراد جب ملتے ہیں تو پہلے تعارف ہوتا ہے۔''

''لیکن پہلے یقین کر لیں' سیکنڈ پرسن مہذب ہے بھی یا نہیں۔'' خاصا کاٹ دار طنزیہ جواب آیا تھا۔

''ظاہر تو آپ کا قابل احترام اور مہذب ہے' مگر آپ کی انٹری کافی غیر مہذب و مشکوک بنا رہی ہے آپ کو۔''

''ظاہر پر مت جایا کریں مسٹر' ظاہر محض ظاہری پن ہوتا ہے' دکھاوا' فریب' چالبازی کا دوسرا روپ۔''

''آپ کا مطالبہ' تنہائی۔ ہی کیوں ہے۔ آپ بات تو ابھی بھی کر سکتی ہیں۔''

''حیرت ہے آپ اس طرح کہہ رہے ہیں' جیسے کوئی معصوم و کمزور لڑکی کسی مرد سے تنہائی میں ملنے سے خوفزدہ ہو۔ جیسے اسے اپنی عصمت کے لٹ جانے کا خطرہ ہو۔''

''فی الحال میں معصوم' کمزور لڑکی' ان تینوں صفات سے مخالف جنس ہوں۔'' آپ کی نالج کے لئے بتا دوں۔'' وقار' غیرت' شجاعت' غرور' بے حسی' سنگدلی مرد کے لئے وہی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

''وقار' غیرت' شجاعت' غرور' بے حسی' سنگدلی آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے' یہ ہم سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ آپ کے بارے میں۔'' وہ جیسے آہستگی سے خود

سے مخاطب تھی۔

''میں معذرت خواہ ہوں' آپ کی خواہش پوری کرنے سے قاصر ہوں۔ آپ کو جو بات کرنی ہے' ابھی کہہ دیجئے۔'' اس نے ترچھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جو کوئی بھی تھی' بہت ہوشیار تھی۔ ہاتھوں میں کاٹن کے دستانے' پاؤں بلیک شوز میں مقید تھے' جسم پر افغانی بیگ برقع تھا' پورا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا' آنکھوں پر بھی بلیک گاگلز استعمال کی گئی تھی۔ وہ پورے اہتمام کے ساتھ پوشیدہ تھی یا باپردہ۔

''زخم تازے ہیں ابھی اس لئے شاید مجھے تنہائی میں لے جاتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔ یا یہ' حق صرف ایک ذات کے لئے محفوظ کردیا ہے۔'' آواز سے عیاں تشنگی و بے ساختگی نے اسے چونکا دیا تھا۔

''اوہ..... تو آپ ہیں یہ مسز رستم زمان۔'' اس نے سلگتی ہوئی گہری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے کار کی اسپیڈ آہستہ کی۔ پچھلے دس منٹ سے کار وہ اس کی وجہ سے سڑک کی سیدھ میں چلا رہا تھا۔

''تو پہچان گئے آپ۔ کاش! اس حوالے کے بجائے کسی دوسرے نام سے پکارتے تو بے قرار پژمردہ ساعتوں کو کچھ تو قرار آجاتا۔ مگر ہر حسین خواب کو تعبیر بہار گل نہیں ملا کرتی۔'' اس نے ایک آہ کے ساتھ سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا۔ ''آپ گھر سے آرہے ہیں' یقیناً آپ کو میرے فرار ہونے کی اطلاع مل چکی ہوگی اور آپ سوچ بھی نہیں سکتے' آپ کی خاطر ہی میں نے یہ سب کیا ہے۔''

''شٹ یور ماؤتھ مسز رستم۔ اپنے اس گھٹیا اور شرمناک فعل کو مجھ سے منسوب کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔'' وہ شدت سے بپھر اٹھا تھا۔

''شرمناک۔ گھٹیا۔ آپ کے سامنے ایسی ایسی حقیقتیں بے نقاب کروں گی کہ یہ لفظ تو ان کے آگے اپنی حیثیت کھو بیٹھیں گے۔'' جواب میں وہ بھی ترش و تلخ انداز میں بولی۔

''آپ معموں میں بات کررہی ہیں۔ اور مجھے ہمیشہ ایسے سسپنس پیدا کرنے والی باتوں سے چڑ رہی ہے۔ مستزاد آپ کی موجودگی مجھے ازحد کوفت میں مبتلا کررہی ہے۔ پلیز' آپ فوراً میری کار سے اتر جائیں۔ ورنہ میں آپ کو شوٹ کردوں گا' میرا ذہنی توازن ویسے ہی غیر متوازن ہے۔'' وہ کار کو بریک لگاتا ہوا پھنکارا تھا۔

''جذبات ہمیشہ مسئلوں کا موجب بنتے ہیں' شعور و فہم تک ان کی رسائی ناممکن ہے اُسامہ ملک۔ مجھے احساس ہے' مکمل ادراک رکھتی ہوں' اس بات کا کہ میری ذات کبھی بھی آپ کے لئے باعث تقویت نہیں رہی ہے' آپ تو ازراہ مہربانی بھی چند سکے اپنی نوازش و مروت کے میرے خالی کشکول میں ڈالنے پر رضا مند نہیں۔ شاید محبت کا بحر بیکراں جب ایک نام پر بہنا شروع کردیتا ہے تو کسی کو ڈوبنے کے لئے چلو بھر پانی بھی وہاں سے نہیں مل سکتا۔'' شکستگی اس کے ہر لفظ سے عیاں تھی۔

اُسامہ ملک نے خطرناک تیوروں سے اس کی جانب دیکھا تھا' لمحے بھر کو وہ دہل اٹھی تھی۔

''فار گاڈ سیک' مجھے سمجھنے کی کوشش کرو جنوں خیز محبت اور لاحاصل عشق کی آخری منزل یہ دیوانگی ہی تو ہے۔ پہلے یہ کیسٹ سنو' میری باتوں پر آپ یقین نہیں کریں گے۔ اس نے ہینڈ بیگ سے آڈیو کیسٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ اس کے تیوروں سے لگ رہا تھا۔ وہ برداشت و ضبط کی حد سے گزر چکا ہے۔

''نہیں سننا مجھے کچھ بھی۔ آپ اپنا ناقابل برداشت وجود لے کر یہاں سے اوجھل ہوجائیں۔''

''پلیز اُسامہ ملک' اس قدر انتہا پسند مت ہو' بعض اوقات انسان محض بدگمانیوں میں اپنا نقصان کر بیٹھتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے' جو ہمیں نظر آتا ہے' وہ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ کیسٹ سننے کے بعد آپ میری بات سمجھ پائیں گے۔ چلئے جگہ میں آپ کو بتاتی ہوں۔ وہاں آپ اطمینان سے سن سکیں گے۔ پلیز' میرا اعتبار کریں۔ میرا مقصد صرف اور صرف آپ کی مدد کرنا ہے۔'' اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر وہ التجا آمیز لہجے میں بولی۔ اس کی پرسوز کھری آواز میں کچھ ایسا سحر ضرور تھا کہ وہ بنا کچھ کہے اس کے بتائے ہوئے راستے پر کار دوڑانے لگا۔ ذہن میں گتھیاں مزید الجھ گئی تھیں۔

❖ ❖ ❖

''ارشد! کہاں جانے کی تیاری ہے؟'' عائشہ اسے نک سک سے تیار بہ عجلت بال بناتے دیکھ کر بولی۔

''دوست کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔ آپ کو کوئی کام ہے۔'' وہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہاں آج زینی کی چیک اپ کی ڈیٹ ہے۔ آپ اسے کلینک لے جائیں۔'' اس نے مدعا بیان کیا۔

''سوری بھابی۔ یہ ڈیوٹی میں سرانجام دینے سے قاصر ہوں۔ آپ چلی جائیں۔''

''آپ کو تو معلوم ہی ہے' سیف کے چکن پاکس نکل رہے ہیں۔ بہت تنگ کررہا ہے وہ۔ ورنہ میں ہی لے کر جاتی زینی کو۔ ممی بھی کسی عزیز کے ہاں گئی ہوئی ہیں' ڈیڈی کے ساتھ۔''

''تو کل لے جایئے گا۔ ایک دن کے آگے پیچھے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''رہنے دیجئے بھابی' جب احساسات مردہ ہوجائیں تو ہر دلیل و عذر اپنی اہمیت کھو بیٹھتا ہے' زندہ ہوں میں' بغیر چیک اپ کے بھی زندہ رہوں گی۔'' زینی جو باتھ روم میں منہ دھوتے ہوئے ادھ کھلے دروازے سے سب سن رہی تھی' باہر آکر سنجیدگی سے بولی۔

''کیا مقصد تم دونوں میں ابھی تک فاصلے ہیں۔'' عائشہ جو کل شام زینی کے منہ سے سن چکی تھی کہ ارشد نے ابھی تک اپنا سرد رویہ قائم کر رکھا ہے' دونوں میں صلح کروانے کے لئے وہ بہانے سے وہاں آئی تھیں۔

''فاصلے۔ دیکھ لیجئے۔ ماشاء اللہ تین ماہ کے قلیل عرصے میں ان کی زبان کو کس قدر وسعت ملی ہے' پھر فاصلے تو آنے ہی تھے۔'' وہ ناگواری سے زینی کی سمت دیکھتا ہوا سرد مہری سے بولا۔

''یہ سب آپ کا رویہ ہے' ارشد صاحب' شکر ہے' میرے منہ میں زبان ہے' ورنہ آپ کے مزاج کے آگے تو گونگے بھی احتجاج کرنا شروع کردیں۔'' جفائیں حد سے تجاوز کرجائیں تو اشتعال انگیزیوں کو جنم دیتی ہیں۔ وہ جو آج کل جس حالت میں تھی' اس میں بہت زیادہ پرسکون' مطمئن اور خوش باش رہنے کی ضرورت ہوتی ہے' تخلیق کے مراحل ویسے بھی عورت کو بہت نڈھال و کمزور کردیتے ہیں۔ ایک طرح کے چڑچڑے پن اور اعصابی کمزوری کا شکار ہوجاتی ہے۔ بہت خوش حال و پرسکون ماحول کے باوجود لیکن زینی کا تو مسئلہ ہی متضاد تھا۔ مالی اعتبار سے بھی وہ خوش حال و قابل رشک زندگی گزار رہی تھی مگر ذہنی و قلبی بے سکونی اور اضطراب اسے ارشد کے بیگانہ و لاتعلق رویے نے سونپا تھا۔ جواب اس کی برداشت سے باہر تھا۔

''میں تمہاری یہ زبان کاٹ کر بھی پھینک دوں گا۔ مجھے مردوں کی اس قسم سے نہ سمجھو جو بیوی کے پیچھے کتوں کی طرح دم ہلاتے پھرتے ہیں۔'' دماغ درست کردوں گا۔'' زینی کی زبان درازی نے اسے مشتعل کردیا تھا۔ اگر عائشہ درمیان میں نہ آجاتی تو اس کا زوردار تھپڑ زینی کے چہرے پر پڑ چکا ہوتا۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے ارشد آپ کا۔ حد ہوتی ہے زیادتی کی بھی۔ کیا قصور ہوا ہے زینی سے۔ کیوں کسی کے جرم کی سزا بے قصور کو دے رہے ہیں۔ یہ انصاف نہیں ہے ارشد اور نہ دانشمندی۔''

''سمجھا دیجئے اسے اچھی طرح سے اگر اس گھر میں رہنا ہے تو زبان سنبھال کر رکھے اپنی۔'' وہ دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند کرتا باہر نکل گیا تھا۔ عائشہ آنسو ضبط کرتی زینی کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج میں لے آئی جہاں لائبہ نیچے بلو کارپٹ پر کشنز پر نیم دراز کوئی میگزین پڑھ رہی تھی۔

''لائبہ' ایک گلاس پانی تو لے کر آنا چندا۔'' وہ زینی کو صوفے پر بٹھا کر اس سے بولی۔

''لیجئے بھابی۔'' وہ جھٹ پٹ پانی کا گلاس لے کر آئی تھی۔

''اس کے ہاتھ سے لایا ہوا پانی پیوں گی میں۔ ہرگز نہیں۔'' زینی نے ہذیانی انداز میں پانی کا گلاس لے کر سامنے دیوار پر مارا تھا جو عائشہ نے لائبہ سے لے کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا۔ کیوں اتنی نفرت کرتی ہیں مجھ سے۔'' لائبہ جو کل شام بھی اس کی زیادتی تحمل سے برداشت کر گئی تھی۔ اب اس کی مزید زیادتی برداشت نہ کرسکی۔

''تم میرے مقابل اٹھ رہی ہو' مجھ سے چھین رہی ہو ارشد کو' بلکہ چھین لیا ہے۔''

''بھابی! اپنے حواس کو قابو میں رکھیں' میں آپ کے مقابل کیوں آؤں گی۔ بیوی اور بہن کے حقوق مساوی نہیں ہوتے۔ آپ اپنے حقوق کا میرے حقوق سے موازنہ نہ کریں پلیز' بہن اور بھائی کی محبتوں میں پاکیزگی' احترام اور پرتقدس محبت کے جذبات شامل ہوتے ہیں۔''

''کیوں۔ بیوی کے حقوق صرف نفسانی خواہشات اور نفس پرستی کی تسکین کے باعث ہوتے ہیں۔''

''سوری' ان حقوق سے میں یکسر بے بہرہ ہوں' اس لئے آپ کو تسلی بخش جواب نہیں دے سکتی۔''

''ا...... چھا...... ایک مرد کے ساتھ دو سال گزار کر بھی اتنی معصوم ہو۔''

''زینی پلیز' مت اس انداز میں گفتگو کرو۔ لائبہ چلو اپنے کمرے میں جاؤ۔'' لائبہ کا انداز بہت سادہ اور مصالحت آمیز تھا' جبکہ زینی کے منہ سے شعلے نکل رہے تھے۔ عائشہ پریشان تھی۔

''پہلے تو آپ یہ انکشاف سن لیجئے کہ میں نے اس مرد کے ساتھ دو سال تو کیا دو دن بھی نہیں گزارے ہیں۔ اس نے مختصراً ساری بات ان کو بتادی جو نکاح کی وجوہات بنی تھیں۔

''اوہ۔ تم سنجیدہ ہو لائبہ لیکن اس سے پہلے کبھی تم نے نہیں بتایا بلکہ ممی ڈیڈی کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔'' عائشہ حیرت سے اچھل پڑی تھی۔ زینی بھی بے یقین نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''اپنی عزت کو اپنے ہاتھوں سے اچھالنا کون پسند کرتا ہے۔ میں اسی لئے خاموش تھی مگر بھابی صاحبہ کی غلط فہمیاں بڑھ چکی ہیں۔ جن کا تدارک بھی لازمی ہے۔'' وہ ازحد سنجیدہ تھی۔

''تو مت چھوڑو اُسامہ بھائی کا ساتھ' سوتیلی بہن بن کر نہیں تو سگی بہن بن کر بھائی کا گھر بچالو۔''

''حیرت ہے' آپ تو بچپن سے بہت خالص سچی محبتوں، چاہتوں' الفتوں کے درمیان رہی ہیں' سب سے آپ کو یکساں اور بغیر کسی تفریق کے محبت ملی ہے' پھر آپ کے ذہن میں یہ سوتیلے پن کی زہریلی تکرار کیوں رہتی ہے۔ محبت تو آکاش پر چمکتے اس چاند کی طرح ہے جو اپنی چاندنی' ہر ذرے' ہر گوشے' ہر شے پر یکساں نچھاور کرتا ہے۔ صحرا و سمندر' چنان' زمین' شجر و ثمر سب اس کی نگاہوں میں ایک ہوتے ہیں۔ مجھ سے جو محبت کرتے ہیں' وہ میرے اپنے ہیں' سگے سوتیلے' اپنے پرائے کی تفریق کے بغیر۔ میں نے ایک غیر مشرقی عورت کی کوکھ سے جنم ضرور لیا ہے لیکن میرے اندر کی عورت مشرقی' باوفا' باکردار' شریف اور محبت کرنے والی عورت ہے۔ میری خوشی' ہنسنا رونا' جینا مرنا' صرف اور صرف اپنے شوہر کے لئے ہوگا۔ اپنا من اس مجازی خدا پر نچھاور کردیا ہے۔ وہ میری زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری مرد ہے۔ میں پھول پھول منڈلانے والی ہرجائی صفت تتلی نہیں ہوں۔ پروانے کی طرح قربان ہوجانے کا وصف اور حوصلہ ہے مجھ میں۔'' ان دونوں کو ششدر چھوڑ کر وہ جاچکی تھی۔ اپنی تیزی میں وہ پردے کی اوٹ میں کھڑے روحیل صاحب اور بیگم عظمت کو نہ دیکھ سکی جن کے چہروں پر تردد کی لکیریں نمودار ہوچکی تھیں۔

❖ ❖ ❖

''یہاں بیٹھ جاؤ آرام سے۔'' ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ ملیر سوسائٹی کے آگے قدرے ویران علاقے میں بنے ریسٹ ہاؤس میں پہنچے تھے۔ ریسٹ ہاؤس بہت

قدیمی تھا۔ باہر سے اس کا نقشہ بگڑ چکا تھا۔ کسی بیوہ کی طرح بے رونق اور اجڑا ہوا خستہ حالی کی طرف مائل بہ رفتار تھا۔ ساحرہ اسے اندر ایک کمرے میں لے آئی تھی۔ کمرے کی دیواریں رنگ و روغن سے عاری تھیں۔ فرش جگہ جگہ سے ٹوٹ چکا تھا۔ وہاں چار کرسیاں اور ایک چھوٹی میز تھی' سامنے ہی سنگل بیڈ پڑا تھا۔ جس پر موجود صاف ستھرا بستر اس بات کی علامت تھا کہ یہ کمرہ کسی کے زیرِ استعمال تھا۔ ساحرہ کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولی اور ساتھ ہی دروازے سے نکل گئی۔ پانچ منٹ بعد اندر آئی تو برقع اتار چکی تھی۔ چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر اس نے لا کر درمیان میں رکھی میز پر رکھ دیا تھا۔

''میں نے اس میں سیل ڈال دیے ہیں۔ دراصل یہاں کی بجلی منقطع ہو چکی ہے۔'' وہ کیسٹ پلیئر میں کیسٹ ایڈجسٹ کرتی ہوئی آہستگی سے بولی۔ اس کے ہاتھوں اور زبان کی لرزش بڑھتی جا رہی تھی۔

''آپ ڈرگز۔ استعمال کرتی ہیں۔'' اس کے جسم کی لرزش اور کھنچاؤ اسے مشکوک کر گیا تھا' ویسے بھی وہ ساحرہ کو دیکھ کر از حد حیرانی میں مبتلا تھا۔ ہر وقت خوشبوؤں میں بسی مہکی چہکی نازو ادا دکھاتی قیمتی اسٹائلش ملبوس اور امپورٹڈ میک اپ اور جیولری سے چمکتی بھڑکتی ساحرہ جس کے حسن سے نگاہ چرانا مضبوط سے مضبوط آدمی کے لئے بھی ممکن نہ ہوتا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے کھڑی یہ ساحرہ اس ویران کھنڈر بوسیدہ عمارت کا ایک ایسا شکستہ حصہ لگ رہی تھی جو عنقریب زمین بوس ہونے والا ہو۔ چہرے کی شادابی زردی میں ڈھل گئی تھی' آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے جن میں بے رونق آنکھیں مقید تھیں' ہونٹ پپڑی زدہ تھے۔ ڈائی سے محروم بال کسی حد تک سفید تھے' وہ جو نوخیز اور ہوشربا حسن کی مالک تھی۔ اس وقت اس کے سامنے بغیر پینٹ کے سو سالہ مقبرے کی طرح تھی۔

''ہاں۔ میرا نشہ ٹوٹ رہا ہے' مجھے فوراً دوز لینی پڑے گی ورنہ......'' وہ کچھ لڑکھڑاتی ہوئی بیڈ کی طرف بڑھی۔ اس وقت اس کے لہجے میں کچھ ایسی بے بسی اور وحشت تھی کہ وہ باوجود بولنے کی خواہش کے خاموش ہو گیا۔ اس نے ایک بیگ سے سرنج نکالی جس کی نیڈل پر کیپ چڑھا ہوا تھا۔ کیپ ہٹا کر اس نے وہ سرنج نہایت مہارت سے اپنے بازو میں لگا دی۔ اس لمحے اس کے ہونٹوں سے ذرا سی سسکاری نکلی تھی۔

پانچ منٹ بعد اس کی طبیعت تیزی سے بحال ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جب اس نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آن کیا تو پوری طرح سنبھل چکی تھی۔ جسم میں توانائی آ گئی تھی۔ چہرے پر بھی کچھ رونق بحال ہو گئی تھی۔

''ساحرہ! منصور ویڈیو کیسٹ دے کر گیا ہے۔'' رستم زمان کی آواز کمرے میں گونجی جو ٹیپ سے نکل رہی تھی۔

''جی مگر کس کی ہے یہ۔'' ساحرہ کا استفہامیہ لہجہ تھا۔ اُسامہ ملک جو پورے انہماک سے آواز سن رہا تھا۔ اس کی سماعتوں میں جیسے دھماکے ہوئے تھے۔ اس نے بے اختیارانہ انداز میں ساحرہ کی جانب دیکھا جس نے اشارے سے بتایا کہ وہ پہلے تحمل سے کیسٹ پر توجہ دے۔

''ہا...... ہاہا...... یار...... اسی کی ہے جس کو گھیرنے میں تم کبھی ازحد کوشش کے باوجود کامیاب نہیں ہوئیں۔'' رستم کا قہقہہ بڑا بلند اور انتہائی مکروہ لگا تھا۔ اس کے چہرے پر سرخی بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔

''اُسامہ ملک۔ مگر آپ اسے گھیرنے میں کہاں کامیاب ہو گئے؟''

''تمہاری پے در پے ناکامیوں کے بعد میں نے اپنے خفیہ ذرائع سے تمام ہوٹل' ریسٹورنٹ اور خفیہ مقامات پر اپنے بندے الرٹ کر دیئے تھے کہ جب بھی اُسامہ ملک کسی غیر معمولی سرگرمی میں ملوث پایا جائے' اس کی تمام حرکات کو راپ کر لی جائیں۔ ایک مدت بعد مجھے اطلاع ملی کہ فلاں ولا میں اس نے ایک کمرہ ریزروڈ کروایا ہے۔ یہ اطلاع ایک ویٹر نے دی۔ جو ہمارا ہی بندہ ہے۔ بس یہ سمجھو شکار ایک مدت انتظار کے بعد جال میں پھنسنے آ رہا تھا۔ میں نے پہلے ہی خفیہ کیمرے کا انتظام کر لیا تھا جو اس کمرے میں لگے فانوس میں فٹ کر دیا گیا تھا تاکہ اس کی کارکردگی چیک نہ کی جا سکے' منصور ایسے کاموں میں ماہر ہے۔ وہ برابر کے کمرے میں لیزر ریسیو کر رہا تھا۔ ہم نے پہلے ہی اسے خبردار کر دیا تھا کہ اُسامہ عام لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ بہت ذہین اور حاضر دماغ ہے۔ ہماری پلاننگ کے مطابق جیسے ہی کیمرے نے او کے کا سگنل دیا' منصور برق رفتاری سے اپنا کام سمیٹ کر رفو چکر ہو گیا اور آخر میں وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ اُسامہ نے شاید کیمرے کا سن لیا تھا۔ اس نے منصور کو پکڑنے کی کوشش کی مگر منصور اس کی پہنچ سے بہت دور جا چکا تھا۔ اتنا دور کہ وہ اسے شناخت بھی نہ کر سکا تھا۔ وہ سیدھا منیجر کے پاس گیا۔ ہمیں اطلاع مل گئی تھی اور ہمیں ڈر تھا کہ منیجر سیدھا سادا آدمی ہے' کہیں ہمارا نام ہی نہ بتا دے۔ بہرحال اتنا تو ہم جانتے ہیں' اُسامہ ملک غصے میں آ جائے تو عفریت بن جاتا ہے۔ وہی ہوا۔'' منیجر گھبرا کر ہمارا نام لینے ہی والا تھا کہ ہم نے ذہانت سے کام لے کر اپنے دشمن کا نام لے دیا۔ منیجر بھی ہماری آنکھوں کا اشارہ سمجھ چکا تھا۔ اس نے بھی تائید کر دی مگر مجھے یقین ہے' اُسامہ مطمئن نہیں ہوا ہے۔ وہ منیجر سے پھر پڑتال کرے گا۔''

''لیکن اُسامہ نے ایسا کیوں کیا۔ کیا اس کے ساتھ کوئی لڑکی تھی؟'' ساحرہ کی آواز گونجی۔

''ہاں' بہت حسین' دلربا' ہوشربا' رعنائی سے بھرپور لڑکی تھی۔ جسے دیکھ کر چاندنی رات میں دمکنے والی گلاب کی معطر اور ادھ کھلی کلی کا ماورائی تصور ابھرنے لگے۔ اس نے کہا تھا' وہ اس کی کزن ہے' مگر اس کی آنکھیں کوئی اور ہی رشتہ بیان کر رہی تھیں۔''

''لڑکی کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو مگر اُسامہ ملک اخلاقی حدود سے گرنے والا شخص نہیں ہے۔ آپ کی ویڈیو آپ کے کام کی نہ ہوگی۔ میں اُسامہ ملک کو خوب جانتی ہوں۔''

''جانتا ہوں میں مگر شیطان بہت ترقی کر چکا ہے' ایسے کاموں میں۔ اسے بلیک میل کر کے میں دولت کماؤں گا اور سیاست کی بساط پر وہ میرا مہرہ ہوگا۔ منظر پر وہ ہوگا مگر حکم میرا چلے گا۔ میں دولت بھی کماؤں گا اور شہرت بھی۔ اسی طریقے سے میں آج تک سب کرتا آیا ہوں۔ بہت خوش ہوں آج میں' بہت خوش۔'' مسرت و کامرانی ان کے لہجے سے عیاں تھی پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی اور اس کے ساتھ ہی کیسٹ بھی خاموش ہو گئی تھی۔

اس کے اعتماد کا شاہین پرواز کی بلندیوں پر محوِ پرواز تھا۔ یقین خلوص کی معراج کو چھو رہا تھا اور یہ ایک کام ایسا ہوا تھا کہ شاہین کے پر یکلخت ٹوٹ کر گر پڑے تھے۔ اپنے پروں نے ہی اسے دھوکا دیا تھا اور وہ جسے بلندیوں کو چھو لینے میں ایک مدت لگی تھی' وہ اب لمحوں میں ٹوٹ پھوٹ کر زمین کی پستیوں میں جا گرا تھا۔ وہ ایک طوفان بن کر اٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیوانگی بھری وحشت تھی۔ چہرے پر جنون خیزی و اشتعال انگیزی نے خطرناک آگ سی دہکا دی تھی۔ اس نے اٹھ کر کیسٹ نکال کر زمین پر دے ماری تھی۔ ایک ایک پرزہ اس کا بکھر گیا تھا۔

''تم دونوں مجھے احمق بناتے رہے۔ میرے خلوص و محبت کا یہ صلہ دیا۔ میرا اعتماد' میرا یقین' میرا اعتبار سب کو زندہ درگور کر دیا۔ میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' بہت عبرت ناک موت ماروں گا۔ ایسی موت کہ لوگ آئندہ اپنی نسلوں میں بھی یہ کہانی دہرائیں گے۔'' اُسامہ پر وحشتیں سوار تھیں۔ ساحرہ کا چہرہ خوف سے سفید پڑتا جا رہا تھا۔

''اس قدر رذیل اور اتنا کریہہ چہرہ ہے رستم زمان کا۔ میں نے انہیں منیجر کو اشارہ کرتے دیکھ لیا تھا۔ مگر مجھے اپنی بصارت پر دھوکے کا گمان ہوا تھا پھر منیجر کی پراسرار گمشدگی نے میرے شک کو تقویت دی تھی مگر میں اپنے محسوسات کی نفی کرتا رہا تھا۔ پروقار' مہذب' بااخلاق' ہمدرد و پرخلوص وہ میرے آئیڈیل تھے۔ مجھے کیا معلوم تھا' نورانی چہرہ' فرشتہ وجود رکھنے والے اس شخص کا ماسک زدہ روپ ہے' وہ شیطان ہے' فرشتہ نہیں ہے' تم بتاؤ' وہ ویڈیو کہاں ہے۔'' اس کی انگلیاں آہنی شکنجے کی طرح اس کے گلے کے گرد تنگ ہونے لگیں۔ اس وقت وہ ساری مروت و اخلاق بھول گیا تھا۔ اتنا شدید ترین انکشاف ہوا تھا کہ اگر آسمان بھی اس کے سر پر ٹوٹ پڑتا تو اسے تکلیف نہ ہوتی۔ ایک مدت سے وہ جس انسان کی دل و جان سے عزت و تکریم کرتا آ رہا تھا' اس خودغرض و بے حس لالچی دنیا میں وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں' خوشیاں اور راحتیں لوگوں کو بانٹنے والے' انسانیت کے منصب پر سب سے بلند و ارفع محسوس ہوتے تھے۔ اس کی آنکھوں پر باندھی گئی غفلت و مدہوشی کی پٹی تو اب کھلی تھی۔ منافقت و مکاری سے لپا ہوا چہرہ اسے اب نظر آیا تھا۔

''دیکھو اُسامہ مجھے غلط مت سمجھو۔ اگر مجھے رستم کا ساتھ دینا ہوتا تو میں کیوں تمہیں یہ سب بتاتی۔ کیوں اس سے چھپ کر اس ویران اور اجاڑ جگہ کو اپنا مسکن بناتی۔ جو کبھی ہماری رہائش تھی۔''

''میرا اعتماد ٹوٹ چکا ہے۔ اعتبار کھو گیا ہے میرا' میں تم پر یقین نہیں کر سکتا۔''

''میرا گلا چھوڑو میں...... بتاتی...... ہوں۔'' اس کا دم جیسے گھٹنے لگا تھا۔

''بتاؤ۔ فوراً بتاؤ۔'' اس کی غراہٹ سے در و دیوار لرز اٹھے تھے۔

''جذبات سے باہر نکلو اُسامہ۔ اگر میں مر گئی تو تم کبھی بھی اسے حاصل نہ کر سکو گے۔'' اُسامہ نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تھا مگر اس کے خطرناک تاثرات ہنوز قائم تھے۔

''پلیز' مجھے اپنا سانس درست کرنے دو۔'' وہ نڈھال سی اپنا گلا سہلاتی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ہلو مائی سن۔'' اسی دم دروازہ کھلا تھا اور مسکراتے ہوئے رستم زمان کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

''تم...... آپ...... تم...... یہاں۔'' ساحرہ گھبرا کر بوکھلا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''گھبراؤ نہیں' جس طرح تم نے چوکیدار کی بیوی کو اپنا جاسوس بنا رکھا تھا' اسی طرح خانساماں کی بیوی میری مخبر ہے۔ میں تو تمہیں ڈھونڈ کر تھک گیا تھا آج جب چوکیدار کی بیوی نے تمہیں اطلاع دی کہ اُسامہ ملک آ کر گیا ہے۔ اتفاق سے خانساماں کی بیوی نے وہ کال سن لی اور اس طرح مجھے چوکیدار کی بیوی سے تمہارا موجودہ ٹھکانہ اگلوانے میں دیر نہ لگی۔''

''آپ نے کون سا گیم کھیلا ہے میرے ساتھ۔'' وہ ان کی طرف دیکھتا ہوا زہرخند لہجے میں بولا۔

''سیاسی' چلو پولیٹکس گیم کہہ لیتے ہیں۔ یہاں چت اور پٹ دونوں اسی کی ہوتی ہیں جس کے ہاتھ میں سکہ ہوتا ہے۔ اب تم سے کوئی پردہ نہیں ہوگا' یقیناً ساحرہ ڈارلنگ تمہیں ہر حقیقت حال سے آشنا کر چکی ہوگی۔ ہم نے تو پہلے ہی تمہیں کئی بار قابو کرنا چاہا مگر تم تو پتھر ثابت ہوئے تھے۔ ساحرہ جو بڑے بڑے طرم خانوں کو اپنے حسن کا اسیر بنا چکی تھی' یہاں خود ہی مات کھا گئی۔ یعنی صیاد خود ہی اپنے جال میں پھنس گیا تھا اور یہیں مجھ سے بھول ہو گئی۔ اس دن کیسٹ لے کر یہ فرار ہو گئی تو تمہاری محبت کا یقین مجھ کو آیا کہ کس قدر ڈوب چکی ہے تمہارے عشق میں یہ۔ اب تو کھیل ہی ختم سمجھو' تم دونوں کو ختم کر دوں گا میں کیونکہ یہ باغی ہو گئی ہے اور تم پر میرا راز آشکار ہو گیا ہے۔ ورنہ میری پلاننگ یہ تھی کہ اس موی کے ذریعے تمہیں ساری زندگی بلیک میل کرتا۔ تمہارے بزنس میں پارٹنر بن بیٹھتا اور سیاست میں بھی تم صرف وہی کرتے جو میں چاہتا مگر اب مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہ اتنے اطمینان سے گفتگو کر رہے تھے' جیسے کوئی نیک آدمی اپنی کارگزاری سناتا ہو۔ انہوں نے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکال لیا تھا جس کا رخ پہلے اُسامہ کی طرف کیا تھا۔ دھیمی آواز کے ساتھ ایک شعلہ اُسامہ کی طرف بڑھا تھا۔ وہ جو ہونٹ بھینچے اس کی بکواس سن رہا تھا' فائر ہوتے ہی اس نے تیزی سے قریب پڑی میز بھرپور طاقت سے اس کی سمت اچھالی تھی جو برق رفتاری سے ان کی طرف بڑھی' سیکنڈ بھر میں یہ کارروائی ہوئی تھی۔ رستم زمان سنبھل نہ پائے تھے گولی سامنے دیوار میں پیوست ہو گئی تھی اور میز ہاتھ سے ٹکرانے سے ریوالور بھی ہاتھ سے گر گیا تھا۔ ساحرہ نے جھپٹ کر وہ ریوالور اٹھا لیا اور قبل اس کے کہ رستم زمان سنبھلتے یا اُسامہ جو ان کی طرف بڑھ رہا تھا' اس کا مقصد جان پاتا' ٹھک ٹھک ٹھک کی آواز کے ساتھ ہی کئی شعلے رستم زمان کی طرف بڑھے اور دوسرے ہی لمحے وہ بہتے خون کے ساتھ فرش پر تڑپ رہے تھے۔ ساحرہ مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اطمینان و مسرت تھی' جیسے برسوں سے مچلتے ارمان یکلخت پورے ہو گئے ہوں' رستم زمان کی کراہوں سے کمرہ گونج رہا تھا۔

''یہ کیا' کیا آپ نے۔'' وہ ساحرہ کی طرف بڑھا تھا۔

''تم بھی یہی کرتے۔ تمہاری اس خواہش نے ابھی جنم لیا تھا لیکن میں برسوں سے اس آرزو کی پرورش کر رہی تھی۔ مجھے اپنے حسن پر ناز تھا اور یہی احساس مجھے پستی کی جانب لے گیا۔''

میں نے متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جہاں ڈھیروں بہن بھائیوں کی ریل پیل تھی۔ ابا کی فروٹ کی دکان تھی' پیٹ بھر کر روٹی ملتی تھی۔'' تن ڈھانپنے کو کپڑا ملتا تھا' مگر مجھے شاہانہ زندگی کی خواہش تھی' قیمتی ملبوسات' ڈائمنڈز' جیولریز' عیش و آرام' شاندار رہائش' خدمتیں کرتے ملازموں کی فوج جو اس گھر میں مجھے خواب میں بھی میسر نہیں تھا۔ جب خواب پورے نہ ہوں تو مجھ جیسے لوگ باغی ہو جاتے ہیں۔ ہر رشتے' ہر تعلق کے آگے ہم جیسوں کو اپنے خواب مقدم ہوتے ہیں اور میں ان دنوں عمر کے جس جذباتی دور سے گزر رہی تھی' وہ دور تو ان دیکھے طلسماتی جزیروں کو دریافت کر لینے کی لگن کا ہوتا ہے۔ رستم زمان سے میری ملاقات اتفاقاً ایک پارٹی میں ہوئی تھی۔ جب یہ سیاست میں اتنے ابھرے نہ تھے' ملاقات کے دوران انہوں نے میری آنکھوں میں ان حسرتوں اور آرزوؤں کے چراغ جلتے ہوئے دیکھ لئے تھے پھر دو تین ملاقاتوں میں جیسے میں رستم کی اسیر ہوتی چلی گئی ماں باپ میرے غریب تھے مگر غیرت مند تھے۔ انہوں نے میرا رشتہ انہیں دینے سے انکار کر دیا اور میں ایک رات سب چھوڑ کر اس شخص کے ساتھ آ گئی اور اس کی زندگی میں آنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ دور سے چمکنے والا تو نز دیک سے پتھر ہے۔ اس کے دل میں دولت و ثروت کی محبت تھی اور پھر میرے ذریعے وہ بہت خاموشی سے شہرت کے زینے چڑھتا چلا گیا۔ تمام اچھے ڈیسنٹ عہدے داروں کی وہ خفیہ موویز تیار کروا لیتا تھا اور یہی اس کی حکمرانی کا باعث بنتی تھیں۔ بلیک میلنگ کے ذریعے ہمیشہ یہ اپنا کام کروایا کرتا تھا اور تمہارے ساتھ میں نے جب بھی فری ہونے کی کوشش کی اسی گھٹیا شخص کے ایما پر......''

''پلیز خاموش ہو جائیں۔'' وہ ٹینشن اور اعصابی کشمکش کی آخری اسٹیج پر تھا۔ رستم زمان کا وجود ساکت ہو چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چکراتا سر پکڑ لیا تھا۔

''یہ سٹی بینک میں میرے لاکرز کی چابی ہے۔ وہاں میں نے وہ وڈیو محفوظ کر دی تھی۔ تم وہاں سے وہ لے لو۔'' اس نے اپنے بیگ سے چابی نکال کر اس کی سمت بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس کے انداز سے قطعی ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ اس نے ایک انسان کو قتل کر دیا ہے جس کی لاش سامنے ہی پڑی تھی۔

''اب تم جاؤ اور پہلی فرصت میں یہ کام کرو' میں نے فرضی نام وہاں درج کروا رکھا ہے۔''

''لیکن اس طرح پہلے مجھے......''

''نہیں پہلے وڈیو لے کر آ جاؤ' ہو سکتا ہے کچھ گڑبڑ ہو جائے۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی۔

اس مقام پر آ کر اس کا ذہن بھی مفلوج ہو گیا تھا۔ اس نے بھی یہی فیصلہ کیا۔ پہلے وڈیو حاصل کرے پھر ڈپٹی کمشنر سے حقیقت بیان کر کے کسی نہ کسی طرح لاش ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرے کیونکہ اس سے اس کے بہترین تعلقات تھے' اس طرح سے وہ کمشنر کو بھی اعتماد میں لے سکتے تھے۔

''سنو! تم نے مجھے معاف کر دیا۔ میں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے۔'' ساحرہ کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ اس نے قدم بڑھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی بے رونق آنکھوں میں نمی تھی۔

''میں آج تک آپ سے ایسا کوئی تعلق پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوں جہاں معافی و تلافی کی گنجائش بچتی ہو' اس بات کا مجھے افسوس ہے' آپ کو اپنے خوابوں کی قیمت بہت مہنگی دینی پڑی۔ فی الحال آپ گھبرایئے گا نہیں' میں واپس آ رہا ہوں۔'' وہ لاش کی طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔ ساحرہ اس کے پیچھے آئی تھی اور جب تک اس کی کار نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی' ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ کار اوجھل ہوتے ہی ریلنگ سے لپٹ کر بری طرح رو دی۔

اس کا ذہن منتشر تھا۔ آنکھوں کے آگے وہ مناظر گھوم رہے تھے جو اس نے رستم زمان کی سنگت میں بتائے تھے۔ اس جیسے زیرک' ذی شعور' ذی فہم شخص کے لئے یہ حقیقت بڑی اذیت ناک تھی۔ کار اس سے قابو کرنی دشوار ہو رہی تھی۔ سرخ آندھی ہر سمت چلتی ہوئی اسے محسوس ہو رہی تھی اور اسی کیفیت میں اسے بائیں طرف سے اچانک نمودار ہونے والا ٹرک بھی نظر نہ آ سکا اور فل اسپیڈ پر دوڑتی ہوئی کار زوردار دھماکے سے ٹرک سے جا ٹکرائی تھی۔

◆ ◆ ◆

اسپتال کے دالانوں میں مخصوص سناٹا و خاموشی طاری تھی۔ آئی سی یو روم میں وہ دو دن سے بے خبر مشینوں کے سہارے زندگی و موت کے درمیان پینڈولیم کی طرح جھول رہا تھا۔ حادثہ خطرناک ہوا تھا۔ خون زیادہ بہہ گیا تھا' جب اسے اسپتال لایا گیا ماتمی فضا ہر سو چھائی تھی۔ فوزیہ بیگم صدمے سے نڈھال بار بار بے ہوش ہو رہی تھیں۔ اماں جان سکتے کی سی کیفیت میں مبتلا خاموش بیٹھی تھیں۔ صرف تسبیح کے دانوں کے گرنے کی جنبش کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وقت بہت نازک دور میں محوِ سفر تھا۔ ایک دھڑکا' ایک خدشہ تھا' ایک انہونی جیسے ہوا چاہتی تھی۔ ایسے موقع پر ساری رنجشیں' ساری ناراضگیاں' سارے شکوے بھلائے روحیل اپنی فیملی سمیت وہاں موجود تھے۔ سب کے چہروں پر اضطراب اور لبوں پر دعائیں موجزن تھیں۔

لائبہ کو روحیل صاحب مصلحتاً ساتھ نہیں لائے تھے ان کے چہرے پر ملال در ملال کی کیفیت طاری تھی۔

سکوت میں قدموں کی آوازوں نے ہلچل مچائی تھی' سب کی نظریں داخلی دروازے کی سمت اٹھ گئیں۔

اسد صاحب جس وجود کو ساتھ لئے اندر داخل ہوئے تھے' اسے دیکھ کر جیسے ان کے سانس اوپر کے اوپر نیچے کے نیچے رہ گئے تھے۔ وہ اسے لے کر سیدھے اماں جان کی طرف بڑھے تھے۔

''کون ہے یہ؟'' اماں جان کے ہاتھوں کی جنبش رک گئی تھی۔ وہ چونک کر آنے والی کے گلابی چہرے کو دیکھ رہی تھیں جس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان تھے۔

''آپ کے اُسامہ ملک کی بیوی۔'' اسد صاحب کی سنجیدہ آواز گونجی۔

اماں جان کا ردعمل خاطر خواہ ہوا تھا۔ غیر ارادی طور پر وہ اس کے جھکی آنکھوں والے چہرے کو چند لمحے بغور دیکھتی رہیں۔ ان کا انداز بے اختیاری تھا' لہو میں جیسے کوئی اضطراب گردش کرنے لگا تھا۔ عجیب بے چینی و بے قراری تھی۔'' بے نام سی ہلچل اور اس کے وجود سے اٹھتی خوشگوار سی مہک۔ ان کے اندر کوئی احساس جگانے لگی۔ جذبات میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ وہ اپنی کیفیت پر گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''اماں جان! اس کٹھن گھڑی میں آپ اپنی بہو کے سر پر ہاتھ رکھ کر تحفظ کا احساس نہیں دیں گی۔''

''اسد اس وقت ہم انگاروں پر برہنہ پا چل رہے ہیں' ہمیں مزید شعلوں میں مت گھسیٹو۔''

''وہ آپ کا بیٹا ہے' اس کا بھی تو سہاگ ہے کیا شعلے اس کی قسمت کی طرف نہیں بڑھ رہے؟''

''ہمیں اس وقت دعائیں چاہئیں' ہم کسی کی آہ لینا نہیں چاہتے' بھلے اس کا وجود ناجائز ہی کیوں نہ ہو۔ زندگی میں پہلی بار ہماری روایات و اطوار نے شکست کھائی ہے لڑکی تم نے ہمارا بہت نقصان کیا ہے مگر اس وقت جس جان کنی کے عذاب میں ہم مبتلا ہیں' اپنے شیر دل بیٹے کی خاطر تمہیں معاف کرتے ہیں۔ اپنی انا' اپنی آن' اپنا عہد سب ہم نے اپنے لختِ جگر پر وار دیا' قربان کر دیا' جاؤ اللہ تمہارا سہاگ سلامت رکھے۔ لمبی حیات پائے وہ ایمان کے ساتھ۔'' گھٹنے ہمیشہ پیٹ کی سمت جھکتے ہیں' دعا میں بھی وہ اپنا دفاع کر گئی تھیں۔ اس سے منسوب تو ایک دعا بھی نہ تھی لمحے بھر کو ان کا کانپتا ہوا ہاتھ اس کے کاسنی دوپٹے سے ڈھکے سر پر ٹھہرا تھا۔ محبت و خلوص کی گرمی' شفقت و اپنائیت کے احساس کی ملائمت سے محروم ہاتھ کی تلخی اس کے اندر تک اتر گئی۔ پھر وہ وہاں رکی نہیں تھیں۔ برآمدے کی ایک سمت میں جانماز بچھا کر نماز میں مشغول ہو گئی تھیں۔ ماحول پر آسیبی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صوفوں پر بیٹھے لوگوں کے دلوں کی دھڑکنیں' سب کی سب ایک ہی نام پر دھڑک رہی تھیں۔ لب خاموش تھے' مگر محشر مچا تھا' دعاؤں کی گونج اندر پھیلی ہوئی تھی۔ فوزیہ بیگم کی حالت نہایت خستہ و مخدوش تھی۔ نرم دل' نرم مزاج' خوش اخلاق و سادہ طبیعت کی مالک فوزیہ بیگم بیٹے کی ڈوبتی سانس کی تاب نہ لا سکیں' وقفے وقفے سے بے ہوش ہو رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے انہیں ذہنی سکون فراہم کرنے کی غرض سے نیند کا انجکشن لگا دیا تھا جس کے زیر اثر وہ غافل تھیں۔

اُسامہ کو انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں ایڈمٹ ہوئے آج تیسرا دن تھا' وہ ابھی خطرے میں تھا۔ ڈاکٹرز متواتر اسے ٹریٹ کر رہے تھے۔ حادثہ بہت خوفناک تھا' کار بالکل تباہ ہو گئی تھی۔ اسٹیئرنگ ٹوٹ کر سر میں لگا تھا' یہی چوٹ سب سے زیادہ خطرناک تھی' گہرا زخم تھا جس کا اثر دماغ تک تھا۔ سینے پر بھی کافی گہرے زخم تھے' باقی جسم پر خراشیں تھیں' وہ معجزاتی طور پر بچا تھا جس خوفناک انداز میں کار ٹرک سے ٹکرائی تھی' اس میں زندہ بچ نکلنا ایک معجزہ ہی تھا۔ ٹرک ڈرائیور ٹرک سمیت فرار ہو گیا تھا' تنہائی سے فائدہ اٹھا کر۔ اُسامہ کو وہاں سے گزرنے والے غیر ملکیوں نے اسپتال پہنچایا تھا۔ جہاں اسے شناخت کرنے کے بعد گھر مطلع کیا گیا تھا۔ وہ جب سے مسلسل بے ہوش تھا۔ ڈاکٹرز اس کے سر میں آنے والے خطرناک زخم کی وجہ سے فکرمند تھے۔

''بچی! آرام سے بیٹھو' تھک جاؤ گی اس طرح۔ کوثر بیگم کی دھیمی آواز نے سکوت میں مدھم سا ارتعاش پیدا کیا تھا۔ وہ لائبہ سے مخاطب ہوئی تھیں جو صوفے پر بے جان سے انداز میں بیٹھی تھی۔ اس نے ایک نگاہ ان کے مشفق چہرے پر ڈالی پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے قریب بیٹھی عظمت بیگم نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس نے اپنی جلتی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی ذات سناٹوں میں سرگرداں تھی۔ اپنے اندر چھائے سکوت اور ویرانی کو وہ کوئی نام نہ دے پائی۔ وہ شخص جو اس کے لئے ناقابلِ قبول تھا۔ جس کی محبتوں' چاہتوں' شدتوں کا جواب اس کے پاس نفرت' اور سوائے نفرت کے کچھ نہ تھا جس کو اس نے کبھی درخورِ اعتنا نہ جانا تھا۔ اب کیوں اس کی جدائی کے خیال سے سناٹوں کی زد میں آ کر جسم و جاں مقید ہو گئے تھے۔ حیات کے رنگ پھیکے اور بے کشش ہو گئے تھے۔ اس کے اندر ایک آہ گونجنے لگی تھی۔

''لائبہ...... لائبہ...... بیٹا کہاں گم ہو۔ اللہ کا شکر ہے اُسامہ کی زندگی کی نوید مل گئی ہے۔ وہ منحوس خطرہ ٹل گیا' وہ جسم و روح کو گھائل کرنے والے لمحے گزر گئے' وہ خطرے سے باہر ہے اب۔'' عظمت بیگم کی مسرت سے لبریز آواز اسے سوچوں سے کھینچ لائی۔ وہ اسے سلیقے سے بتا رہی تھیں۔ کچھ لمحے قبل جو کوریڈور وحشتوں کے بھنور میں تھا' اب وہاں مسرتوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ روحیل صاحب اختر صاحب کے ساتھ اُسامہ کے پاس چلے گئے تھے' اسد صاحب مسجد کی طرف گئے تھے۔

''عظمت! اسے دیکھو' سکتہ تو نہیں ہو گیا۔ بالکل ساکت ہے۔ کوثر بیگم اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔ ان کے لہجے میں اتنی اپنائیت' اتنا پیار تھا' لگتا نہ تھا وہ پہلی مرتبہ اس سے مل رہی ہوں۔

''لائبہ بچی! اُسامہ کو ہوش آ گیا ہے۔ زندگی مل گئی ہے اسے دوبارہ۔'' عظمت اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے اس طرح دلاسے دے رہی تھیں' جیسے وہ اُسامہ کے ساتھ ہی زندگی گزارتی آئی ہو۔ یکلخت ہی اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ اس کے احساسات عجیب تھے جو وہ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

''غم ہو یا خوشی انسان کا رونے پر ہی بس چلتا ہے۔ اچھا ہے' دل کا غبار بھی آنسوؤں کے ذریعے ہی نکل جائے گا۔ برسوں سے گم صم ہو۔'' عظمت بیگم قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''مبارک ہو اماں جان' اُسامہ بھائی خطرے سے باہر آ گئے ہیں۔ شمیر جو ڈاکٹرز کے ساتھ مصروف تھا' اندر آ کر اماں کی طرف بڑھا جو کوثر بیگم کو حسبِ روایت صدقات و خیرات نکلوانے کی ہدایات دے رہی تھیں۔

''تمہیں بھی مبارک ہو میرے بچے۔ انہوں نے فرطِ مسرت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''آپ کتنی لازوال محبت اُسامہ بھائی سے کرتی ہیں یہ تو آپ کی اسپتال میں موجودگی نے ثابت کر دیا ورنہ آپ بڑی سے بڑی تکلیف میں بھی اسپتال آنا پسند نہیں کرتیں اور اب تین دن سے آپ یہاں موجود ہیں۔'' شمیر ان کے قریب بیٹھتا ہوا بہت متاثر کن انداز میں گویا تھا۔

''محبت مجھے تم سے بھی ہے' میرے گلشن کے پھول تم سب ہی تو ہو۔'' اُسامہ کی زندگی کی نوید نے انہیں خاصا خوش اخلاق بنا دیا تھا۔

''جی اور ان پھولوں میں جو نمایاں اہمیت اور محبت گلاب کو ملتی ہے' وہ اُسامہ بھائی کے حصے میں آئی ہے۔ ہم تو بس وہ بغیر خوشبو کے پھول ہیں جن کے ہونے نہ ہونے سے گلشن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' شمیر مصنوعی اداسی سے بولا۔

''ہم کس سے کتنی محبت کرتے ہیں' یہ وقت آنے پر معلوم ہوتا ہے۔ میں ایک نظر اُسامہ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے لے چلو اس کے پاس۔'' ان کے لہجے میں ایک بے تابی تھی۔

''کچھ دیر بعد انہیں روم میں شفٹ کر دیا جائے گا پھر آپ انہیں دیکھتی رہیے گا۔''

کچھ دیر بعد اُسامہ کو روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا' وہ ہوش میں ابھی بھی نہ تھا' ماتھے پر پٹی بندھی تھی' زرد چہرے پر خراشیں پڑی تھیں' بند آنکھیں اردگرد سے بیگانہ تھیں۔ دائیں بازو میں سوئی کے ذریعے قطرہ قطرہ گلوکوز رگوں میں اتر رہا تھا۔

اماں جان نے سب کو گھر بھیج دیا تھا۔ سب اسے دیکھ کر جا چکے تھے۔ اماں جان نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ فوزیہ بیگم کی بھی طبیعت ابھی سنبھلی نہیں تھی نیم بے ہوشی کی حالت میں ہی انہیں گھر پہنچایا گیا تھا۔ اسد صاحب نے لائبہ کو یہیں روک لیا تھا حالانکہ اس طرزِ عمل پر اماں جان نے ناگواری کا اظہار کیا تھا مگر نہ معلوم وہ کیا چاہتے تھے۔ انہوں نے روحیل سے کہہ کر اسے روک لیا تھا۔ وہ ہاں یا نہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا' جب سے وہ لوگ ڈاکٹرز سے ملاقات کر کے آئے تھے' کچھ متفکر و پریشان تھے۔ کوئی خاص بات تھی جو اس کی حساس طبیعت نے محسوس کی تھی۔ بظاہر تو سب ٹھیک تھا مگر...... وہ خود کو مطمئن و بے فکر ظاہر کر رہے تھے۔ مگر اس کی حساسیت کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔ سرمئی شام کا آنچل ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ طویل و عریض لانز میں لگے درختوں اور پودوں سے سرسراتی ہوا نے دن کی تمازت کو کم کر دیا تھا۔ اندر کمرے میں ایئر کنڈیشنر سے ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔ اسد صاحب باہر گئے ہوئے تھے۔ ثمیر کپڑے وغیرہ بدلنے گھر گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں اسے واپس آنا تھا۔

اسپتال میں مخصوص ویرانی اور سناٹے چھائے ہوئے تھے۔ کمرے میں بھی ویسا ہی سکوت قیام پذیر تھا۔ اس نے آہستگی سے نگاہیں اماں جان کے بیڈ کی طرف کیں' وہ اس کی طرف پشت کئے لیٹی تھیں۔ نہ معلوم سو رہی تھیں یا اسے نظر انداز کرنے کا انداز تھا۔ نمکین پانی پھر اس کی آنکھوں میں مچلنے لگا۔ کتنی سنگدل' بے حس اور کٹھور تھیں وہ۔ بزرگی کے عہدے پر پہنچنے کے باوجود قلب میں نرمی نہ آئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا لڑکی تم نے ہمارا بہت نقصان کیا ہے۔ یہ بھی آپ کے آمرانہ ذہن کی اختراع ہے' درحقیقت آپ کی تعصب پسندی و اقربا پروری کے بے جا اصولوں نے میری زندگی میں نقصانات کئے ہیں۔ میرا بچپن محرومیوں میں گزرا' اپنوں کے ہوتے ہوئے میں نے تنہائیوں کے عذاب سہے ہیں۔ ماں مرگئی تھی مگر باپ کی شفقت سے محرومی بھی ایک عرصہ میری زندگی پر محیط رہی۔ میری افسردہ زیست کا ایک ایک پل یاسیت و تکالیف کی آبلہ پائی کا شکار رہے۔ کتنے جاں گسل متوحش اور زندگی کی حرارت سے محروم ہوتے ہیں' وہ لمحات جن میں ہم اپنی گمشدہ شناخت کی سربریدہ لاش کے سر کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔ جسم میں سب سے افضل اور نمایاں ترین شناخت سر ہوتا ہے با عزت' مہذب و باوقار لوگوں کی ذات کی شناخت بھی سر کی حیثیت رکھتی ہے۔ میرے باپ نے مجھے نام تو دیا تھا مگر اسے ظاہر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ میں اعلیٰ و معزز خاندان رکھتی تھی مگر لبوں پر قفل ڈال دیئے گئے تھے کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ ایک غیر خون اس میں شامل ہو گیا ہے۔ میں اپنی جائز پیدائش' جائز وجود رکھنے کے باوجود خود کو ناجائز وجود کی طرح پوشیدہ رکھنے پر مجبور کر دی گئی' کس کی وجہ سے صرف آپ کی وجہ سے۔ آپ کی وجہ سے میں نے بچپن سے جوانی تک اتنے آنسو بہائے ہیں کہ گزشتہ زندگی پر نگاہ ڈالتی ہوں تو آنسوؤں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ اتنے آنسو زندگی میں شاید ہی کسی بدنصیب نے بہائے ہوں۔ اس کی بھیگی آنکھیں ان کی پشت پر تھیں۔ معاً باہر سے قدموں کی آوازیں ابھری تھیں' اس نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کر لیں۔ ایک ڈاکٹر دو نرسوں اور اسسٹنٹ کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی ڈریسنگ وغیرہ چیک کی' نرس نے مستعدی سے بلڈ پریشر چیک کیا' دوسری نرس مریض کی فائل انہیں دکھانے لگی۔

''میرے بچے کو ہوش کیوں نہیں آیا ابھی تک۔ ایک گھنٹہ گزر چکا ہے' یہاں آئے ہوئے۔'' اماں جان جو ان کی آمد پر اٹھ گئیں تھیں' ان کے قریب آ کر ڈاکٹر سے مخاطب ہوئیں۔

''اُسامہ صاحب نیند کے انجکشن کے زیرِ اثر ہیں۔ دراصل حادثے سے پہلے ہی وہ بہت ڈسٹربنس کا شکار تھے۔ جو شاید وجہ حادثہ بھی بنی ہے اور حادثے کے بعد تو پریشانی اور بڑھ گئی ہے کیونکہ چوٹ بہت گہری ہے اور...... اینی وے جب یہ ہوش میں آئیں گے تو بالکل ٹھیک ہوں گے۔'' ڈاکٹر نے جیسے اپنے باقی ماندہ الفاظ خود ضبط کئے' بے دھیانی میں جیسے کچھ بولنے والے تھے۔ اسسٹنٹ نے انہیں کچھ اشارہ کیا تھا۔ جس سے وہ فوراً ہی سنبھل گئے تھے۔ اماں اُسامہ کی طرف ہونے کی وجہ سے دیکھ نہ سکی تھیں مگر وہ جو کھڑکی کی سمت کھڑی تھی' اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا تھا۔ یکبارگی اس کا دل اندیشوں سے دھڑکا تھا کسی گڑبڑ کا ادراک بے معنی نہ تھا۔ ڈاکٹر دوسری دوا کی سلپ دے گئے تھے۔ جو اندر آتے اسد صاحب نے لے لی تھی اور وارڈ بوائے سے منگوالی تھی۔ اماں جان کچھ دعائیں پڑھ پڑھ کر اُسامہ پر پھونک رہی تھیں۔ اسے بے حس و حرکت پڑے دیکھ کر جیسے ان کا دل چھلنی ہو رہا تھا۔ وہ جو کبھی ٹک کر بیٹھنا نہیں جانتا تھا' صبح سے لے کر رات تک وہ متحرک رہتا تھا' اب کیسا نڈھال وٹوٹا بکھرا لیٹا تھا۔ اس سے چھ ماہ سے قطع کلامی تھی ان کی۔ ایک ضد تھی' وہ اس لڑکی کو طلاق دے دے۔ ان کا یہ حکم اس نے درگزر کر دیا تھا اور یہیں سے اسامہ کے اور ان کے درمیان نا اتفاقی کی دیوار آ گئی تھی۔ انہوں نے اس سے بات کرنا بند کر دیا تھا۔ اس کی طرف سے بالکل اجنبیت و بیگانگی اختیار کر لی تھی۔ مگر اس کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اسی طرح صبح شام ان کے پاس آتا تھا' ان کی سرد مہری و بے رخی کے باوجود کچھ دیر بیٹھ کر چلا جاتا تھا۔ ایک ایک منظر ان کی نگاہوں میں کسی فلم کے سین کی طرح گردش کر رہا تھا اور وہ اپنے کٹھور پن پر آنسو بہا رہی تھیں۔

''اماں جان' پلیز مت روئیں۔ اسد صاحب جو بیٹے کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اس کے جسم پر' چہرے پر خراشیں' زخم انہیں اپنے دل پر لگے محسوس ہو رہے تھے۔ عام باپ کی طرح انہوں نے کبھی اسے اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے حد درجہ لاڈ پیار و اعتماد نہیں دیا تھا۔ وہ محبت اس سے بے انتہا کرتے تھے مگر اظہار کرنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ بہت سنجیدہ' کم گو بہت رکھ رکھاؤ کے مالک تھے۔ اولاد سے حد درجہ فری ہونے کے ہرگز قائل نہ تھے۔ اپنے بزنس سے محبت انہیں کچھ زیادہ تھی اور اب بزنس پر بیٹے کی محبت غالب آ چکی تھی۔ وہ سیکریٹریز اور منیجرز پر سب کچھ چھوڑ کر اس کے پاس موجود تھے۔ حالانکہ یہاں رکنے کا ارادہ دونوں بھائیوں اور بچوں نے کیا تھا مگر انہوں نے منع کر دیا تھا۔ صرف لائبہ کو انہوں نے خود روکا تھا' اماں کو لے کر وہ وہاں سے ہٹ گئے تھے۔

''میرا بچہ کیسا مجبور و لاچار پڑا ہے' پٹیوں میں جکڑا ہوا' میں کس طرح دیکھوں اسے۔'' اماں جان جو کبھی آنسو بہانے کی قائل نہ تھیں۔ اب بے اختیار ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جھر جھر بہہ رہے تھے۔

وہ عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پرائیویٹ رومز سے کچھ فاصلے پر بنے صحن میں چلی گئی تھی جو صاف ستھرا روشن اور ہوادار تھا۔ نماز میں اس نے نہ معلوم کیا مانگا تھا' اسے دھیان نہ تھا۔ اس معبودِ برحق کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلاتے ہی اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔ دل کی صدا سے وہ مولا بھی بے خبر نہ تھا۔ ثمیر آ چکا تھا' چائے اور دوسرے کھانے کے لوازمات بھی اس کے ساتھ تھے۔ اسد صاحب کے کہنے پر اس نے لوازمات پلیٹ میں نکال کر اس کی طرف بڑھائے چنانچہ وہ ان کے اصرار پر برائے نام چاول پر قیمہ اور سلاد ڈال کر کھانے لگی۔ بھوک تو پریشانی و تفکر میں کسی کو بھی نہ لگ رہی تھی مگر بہرحال زندہ رہنے کے لئے غذا ضروری ہوتی ہے۔ ثمیر گھر سے کھانا کھا کر آیا تھا۔ اس نے صرف چائے پی تھی۔ اسد صاحب کے بعد اس نے اماں جان کی طرف چائے کا کپ بڑھایا۔ وہ کچھ دیر تو گردن جھکائے بیٹھی رہیں پھر خاموشی سے کپ ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اسے شدید حیرت ہوئی تھی۔ ثمیر اور اسد صاحب کی نگاہیں بھی اسی طرف تھیں۔ انہیں کپ لیتے دیکھ کر ان کے چہروں پر اطمینان چھا گیا تھا۔

رات جیسے ٹھہر گئی تھی۔ وقت کچھوے کی چال چلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ باہر لانز سے آتی جھینگروں اور مینڈکوں کی نحوست پھیلاتی آوازیں ماحول کو پراسرار و پرہیبت ناک بنا رہی تھیں۔ رات کے دو بجے کا عمل تھا۔ اُسامہ کو کچھ لمحے پہلے نرس نئی ڈرپ لگا کر گئی تھی۔ اماں جان دوسرے بیڈ پر دراز تھیں۔ اسد صاحب آدھا گھنٹہ قبل اندر کمرے میں جا کر لیٹے تھے۔ ثمیر اماں جان کے قریب ہی نیم دراز آنکھیں بند کئے لیٹا تھا' وہ جلے پاؤں کی بلی کی طرح پورے کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی۔ بے نام سے اضطراب و بے چینی نے اسے بے قرار کر رکھا تھا۔ صبح سے اب تک وہ ذرا دیر کو نہ لیٹی تھی جبکہ اسد صاحب بھی اسے لیٹنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔ ثمیر نے بار بار کہا تھا مگر اس نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا کہ وہ خود لیٹ جائے گی۔ سامنے کاؤچ خالی پڑا تھا مگر اس پر تو بے قراریوں کا موسم سوار تھا۔ سامنے لیٹے بے سدھ اُسامہ پر بھی کبھی وہ جھجکتی ہوئی نگاہ ڈال لیتی تھی۔ اس کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ اسے یاد آ رہا تھا۔ اور وہ ندامتوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی جا رہی تھی۔

''ثمیر۔ اسے کہو لیٹ جائے' صبح سے ایک لمحے کے لئے بھی اس نے آرام نہیں کیا ہے۔ اماں جان چہرے پر دوپٹا ڈالے مندی مندی نگاہوں سے اسے چکراتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ نہ معلوم کون سا جذبہ ان کے اندر جاگا تھا کہ وہ بڑبڑا میں لیٹے ثمیر سے مخاطب ہوئیں سرگوشی میں۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ ثمیر جو تین دن کا تھکا ہوا تھا سو چکا تھا۔ اماں جان نے اسے نگاہ بھر کر دیکھا۔ کاسنی شلوار دوپٹا بلیک شرٹ میں اس کے تھکن زدہ چہرے کی گلابیوں میں بہت معصومیت اور وقار تھا۔ انہوں نے سارے دن سے اب تک ایک بات اس میں جو خصوصی نوٹ کی تھی' وہ یہ تھی کہ وہ ایک بار بھی بے تکلفی یا بے حجابی سے اُسامہ کی طرف نہیں بڑھی تھی۔ اس کی مسلسل بے ہوشی سے کبھی متوحش ہو کر اس پر نگاہ ڈال لیتی تھی' اس نگاہ میں حجاب' فکرمندی اور جھجک پنہاں ہوتی تھی جیسے لاتعلق انسان پر نگاہ پڑتی ہے۔ ان میں تکلف' حجاب اور جھجک کا رشتہ نکاح کے باوجود برقرار تھا۔ ان کے اندر جیسے کسی بدگمانی کو راہ فرار مل گئی تھی۔ ان کے اندر اطمینان و سکون اور مسرت کو تقویت ملی تھی۔ اسد اسے یہاں روکنے پر مصر تھے اور وہ نہیں چاہتی تھیں' وہ یہاں رکے کہ شاید وہ اس کا وجود برداشت نہ کر سکیں گی مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہوا جا رہا تھا۔ ان کے جذبوں نے اور حساسات نے بغاوت کر دی تھی' نہ چاہنے کے باوجود وہ اپنے چہرے پر دوپٹا رکھے خفیہ طریقے سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں اس کو تک رہی تھیں۔ ان کی سوچوں پر وہ قابض ہو چکی تھی۔ ان کے دل اور جذبات کی دنیا میں زبردست طغیانی پھیلی تھی۔

وال کلاک نے تیسرے پہر کی منزل عبور کی تھی' جب اُسامہ کے بے سدھ جسم میں کچھ ہلچل محسوس ہوئی تھی۔ ثمیر اس کے قریب ہی کرسی ڈالے بیٹھا تھا اسد صاحب بھی شاید سو نہ سکے تھے' وہ بھی کاؤچ پر بیٹھے تھے۔ ان کی بے خواب نگاہیں بیڈ پر ہی تھیں۔ ثمیر چونک کر کھڑا ہوا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر سرعت سے قریب آ گئے تھے۔ اماں جان ابھی تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر اس پر دم کر کے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ لائبہ بھی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی تھی۔ کمرے کے دوسرے رخ پر جانماز بچھا رکھی تھی۔

''اُسامہ بیٹے! کیسی طبیعت ہے۔'' اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر وہ بے قراری سے اس پر جھکے تھے۔ اماں جان بھی تسبیح ہاتھ میں لئے اس کی طرف بڑھی تھیں' لائبہ کے جا نماز تہہ کرتے ہوئے ہاتھ تھم گئے تھے۔

''میں...... کہاں ہوں ڈیڈی؟'' اس کی آواز میں نقاہت اور بے چینی تھی۔

''آپ اسپتال میں ہیں اُسامہ بھائی۔ کیسا فیل کر رہے ہیں۔'' ثمیر اس کے چہرے پر جھکا تھا۔

''ثمیر یار لائٹ تو جلاؤ' گھپ اندھیرا پھیلا ہوا ہے' ایسا فیل ہو رہا ہے' جیسے قبر میں ہوں۔''

انہیں ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ جیسے کمرے کی چھت پورے وزن سمیت ان کے سروں پر آ کر گر پڑی ہو۔ اماں جان پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسامہ کی کھلی ہوئی آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں کمرہ دو ٹیوب لائٹ کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ کیا وہ۔ پھر وہ کس گھپ اندھیرے کی بات کر رہا تھا۔ ان کے حواسوں پر کوئی برا خیال پوری شدت سے برق کی طرح کوندا تھا۔ وہ بدحواسی سے لڑکھڑا کر گر جاتیں اگر ثمیر فوراً ہی سہارا نہ دے دیتا۔ اسد صاحب کا ہاتھ اس کے سر پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ ان کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔ ثمیر کے اعصاب ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے کنٹرول میں تھے۔

لائبہ اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی تھی۔ اس کی چھٹی حس جس گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی' وہ ظاہر ہو چکی تھی۔

''کیا ہوا ثمیر جواب نہیں دیا تم نے۔ ڈیڈی کیا لائٹ نہیں ہے؟'' عجیب وحشت اور بے قراری اس کے لہجے سے ہویدا تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

''ڈرپ لگی ہوئی ہے آپ کے بازو میں' آپ اٹھیں نہیں۔ ثمیر نے ہاتھ اٹھا کر اسے بیٹھنے سے روکا۔

''حیرت ہے' اتنا اندھیرا کبھی زندگی میں نہیں دیکھا۔ ڈیڈی موم بتی بھی کیا یہاں دستیاب نہیں ہے؟ جنریٹر کی سہولت تو اسپتال میں ازحد ضروری ہے۔'' وہ سخت بے چین و مضطرب تھا۔

اسد صاحب اس کی کھلی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے جن میں اندھیروں نے یکلخت ہی ڈیرے جما لیے تھے۔ وہ اسے کیا جواب دیتے۔ اتنا حوصلہ کہاں سے لاتے اسے بتانے کے لئے کہ وہ اپنی بصارت کھو چکا ہے۔ ثمیر ڈاکٹرز کو بلا لایا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر انجکشن کے زیرِ اثر سو رہا تھا۔

''اس کے رگ وپے میں نادیدہ سی آگ جل اٹھی تھی آنکھیں وہ کھو بیٹھا تھا۔حواس اس کے گم ہو گئے تھے۔شدید ترین نفرت' شدید تر الفت میں کب بدلی۔محسوس ہی نہ ہوا۔اس کا دکھ اس کا کرب بن گیا تھا۔شدید ترین نفرتیں بھی شدید تر محبت کا موجب بن جایا کرتی ہیں کبھی کبھی۔اسے یقین نہ آ رہا تھا۔وہ ذہانت سے چمکتی ہوئی زندگی سے بھرپور آنکھیں' جو مقابل کو اپنی طرف دیکھنے کی تاب نہ بخشتیں' وہ مسکراتی روشن روشن آنکھیں اندھیروں میں ڈوب چکی تھیں۔وہ روشنیوں اور رنگوں کے ذوق کو پسند کرنے والا شخص اندھیروں میں کس طرح رہ سکے گا؟ آنسو رخساروں سے بہہ کر گریبان میں جذب ہو رہے تھے۔وہ کمرے سے باہر گیلری میں بنچ پر بیٹھی خاموشی سے رو رہی تھی۔رات کا آخری پہر تھا اور جیسے منجمد ہو گیا تھا۔وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔یکدم ہی کسی کا نرم ہاتھ اس کے شانے پر آ کر ٹھہرا تھا۔اس نے چونک کر سر اٹھایا اور حیرانی سے کھڑی ہو گئی۔ا......ما......ں......آ......پ۔''

''ہاں ہم! یہ ہمارے ہی گناہوں کا عذاب ہے جو ہمارا بچہ اس وقت بھگت رہا ہے۔ہم سب کچھ جانتے سمجھتے ہوئے بھی انا کے قیدی بن بیٹھے تھے۔غرور جیسی شرمناک لعنت میں ہوش کھو بیٹھے تھے۔ہمیں معاف کر دینا۔بچی' ہم تمہارے مجرم ہیں۔تمہارے باپ کے مجرم ہیں' بہت گناہ گار ہیں ہم۔'' سالوں کے فاصلے لمحوں میں سمٹ گئے تھے۔انہوں نے انا' خود پسندی' خود پرستی کے بت کو اپنے ہاتھوں چکنا چور کر دیا تھا۔اور آگے بڑھ کر اس کے روتے سسکتے وجود کو اپنی آغوش میں بھر لیا تھا۔وہ ان کی آغوش میں اتنی شدت سے سمائی تھی جیسے تپتی ریت پر پہلی بارش کی بوندیں ضم ہو جاتی ہیں۔

ناراضگی وناپسندیدگی کا وجود اس وقت تک برقرار رہتا ہے' جب تک ان کے درمیان جدائی کی دیوار رہتی ہے۔جب یہ دیوار گرتی ہے تو خود بخود ہی گلے شکوے ختم ہو جاتے ہیں۔جیسے کبھی ان کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ان کے آنسوؤں میں دل کی کثافتیں اور ناراضگیاں ڈھل گئی تھیں۔

''اماں جان' کیا میں آپ کا خون نہیں ہوں۔کیا آپ کو مجھ سے ایسی مہک نہیں آ رہی جیسی مجھے آپ کے وجود سے اپنائیت وخلوص کی آ رہی ہے۔'' اس نے ان کے سینے سے سر اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''میرے دل پر خاندان کی محبت چھائی ہوئی تھی' پتھر بن گئی تھی میں۔تم میرا خون ہو' میرے دل کا ٹکڑا ہو' جبھی تو تمہیں دیکھ کر میں بے چین ہو گئی تھی۔'' میرا دل تڑپنے لگا تھا۔وہ اسے سینے سے لگائے آنسوؤں پر قابو نہ پا رہی تھیں۔دونوں کا دکھ ایک تھا جس نے دونوں کو قریب کر دیا تھا۔رشتے جدا تھے' احساسات بھی الگ تھے۔وہ دہرے عذاب میں مبتلا ہو گئی تھیں۔اُسامہ کے ساتھ کی گئی زیادتیاں ہی کیا کم تھیں کہ لائبہ کی محبت نے اس کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا احتساب شروع کر ڈالا تھا۔اپنی فرعونیت خود انہیں خون کے آنسو رلانے لگی تھی۔

✦ ✦ ✦

آنے والا وقت ہمارے لئے اپنے دامن میں خوشیوں کی سوغاتیں لا رہا ہے یا مصائب وتکالیف کے انبار' انسان اپنے کل سے ہمیشہ ہی لاعلم رہتا ہے۔کیسے کیسے بھیانک اور ناقابل یقین حادثے اس کی ذات پر گزر گئے تھے۔رستم زمان جیسے مخلص' ہمدرد و مشفق وجود کا منافقت بھرا چہرہ جب پردے سے باہر نکلا تو اتنا مکروہ' کریہہ اور تعفن زدہ تھا کہ وہ اپنا یقین' اعتماد و اعتبار ہی کھو بیٹھا تھا۔وہ مہذب باوقار اور باعزت نظر آنے والا کس قدر بے حمیت' کمینگی اور بدفطرت کا حامل شخص تھا۔جو گھناؤنی اور اخلاق باختہ سرگرمیوں میں ملوث تھا۔جس کا کام اپنی بیوی کے ذریعے بڑے بڑے آفیسرز' حکومت کے اعلیٰ ترین اور معزز طبقوں کے افراد کی' قابل اعتراض تصویروں اور فلموں کے ذریعے اپنی حکومت چلاتا تھا۔اسے یاد تھا' کئی مرتبہ ان کے رنگ کرنے پر وہ وہاں جاتا تھا مگر وہاں جا کر معلوم ہوتا' وہ کسی کام سے فوراً کہیں چلے گئے ہیں اور تنہائی سے فائدہ اٹھا کر ساحرہ کتنے اداؤں کے تیر اس پر چلاتی تھی۔اس کے حسن کی بجلیاں بڑی بے باکی سے چمکتی تھیں۔اس کے انداز میں مکمل خود سپردگی ہوتی تھی۔وہ سمجھتا تھا وہ اپنے شوہر سے بے وفائی وبددیانتی کی مرتکب ہو رہی ہے مگر......اب معلوم ہوا کہ بڑی پلاننگ سے اس کے لئے جال بچھایا جاتا تھا جس کا ساحرہ نے خود راز کھول دیا تھا۔

صاحب آپ اندھیرے میں بیٹھے ہیں۔لائٹ نہیں جلائی کتنا......'' یکدم ہی اندر داخل ہونیوالے عبدل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے دانتوں تلے زبان دبالی۔

''معاف کر دیں صاحب' میں بھول گیا تھا۔'' وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''کوئی بات نہیں عبدل' ابھی نیا نیا اندھا ہوا ہوں نا۔عادت پڑ جائے گی تمہیں بھی۔''

''ایسے نہ بولیں صاحب' ایسے نہ بولیں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

''پندرہ دن میں اس کے زخم مندمل ہو گئے تھے۔اسے اسپتال سے گھر آئے آج تیسرا دن تھا۔اپنی بصارت کی گمشدگی سے وہ اسپتال میں دوسرے دن ہی واقف ہو گیا تھا اور اس اندوہناک انکشاف نے اسے گم صم کر دیا تھا۔سب لوگ اس کی دل جوئی میں لگے رہتے تھے۔مگر اس کے لب مسکراہٹ سے جیسے ناآشنا تھے' بڑے سے بڑے سوال کا جواب اس کے پاس صرف ہوں ہاں میں ہوتا تھا۔زندگی سے بھرپور روشن اور ذہین آنکھوں کی تابانیوں سے محسوس نہ ہوتا تھا کہ وہ آنکھیں روشنی سے محروم ہو گئی ہیں۔اسد صاحب نے اسے ڈارک گلاسز لا دیئے تھے جنہیں وہ ہر وقت استعمال کرتا تھا۔

''یہ کیا بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا تم نے۔اٹھو میرے لئے ایک کپ چائے لے کر آؤ۔''

''ابھی لاتا ہوں صاحب۔'' وہ آنکھیں پونچھتا کمرے سے نکل گیا۔وہ ازحد غمزدہ تھا' اس کے حال پر' وہ بیڈ پر نیم دراز تھا' آنکھوں پر ڈارک گلاسز تھے ذہن سوچوں کے بھنور میں محو گردش تھا۔

آپ دشمنوں کے ہاتھوں بے خبری میں گھائل ہو جائیں تو ملال ایک مدت بعد ختم ہو جاتا ہے۔وہ شخص جسے آپ ایمان کی حد تک چاہتے ہوں اور وہی آپ کو کند چھری سے اذیت ناک موت مارے تو صدیوں تک روح حیرانی وبے یقینی کے صحرا میں محو یاس بنی بھٹکتی رہتی ہے۔

اسپتال میں نبیل نے اسے وہ خبر سنائی تھی (یہ حادثہ اس کے جسم و روح کو گھائل کر گیا تھا) رستم زمان اور ان کی بیوی کو کسی ویران کھنڈر نما گھر میں نامعلوم افراد نے قتل کر دیا تھا۔رستم زمان کو گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا جب کہ ان کی بیوی کی موت اونچائی سے گرنے کے باعث ہوئی تھی۔پولیس نے نامعلوم افراد کے خلاف رپورٹ درج کر کے مجرموں کی تلاش شروع کر دی تھی۔جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے' کافی تعداد میں مشتبہ لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا۔اس پراسرار وبہیمانہ قتل کی واردات نے تہلکہ مچا ڈالا تھا۔اخبارات ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر خبریں لگا رہے تھے اور قاتلوں کی گرفتاری کا فوری مطالبہ کر رہے تھے۔

کئی معروف اخبار نویس اس کے پاس بھی آئے تھے مگر اس کی حالت کے پیش نظر خاموشی سے چلے گئے تھے۔اس نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ اس کی کوئی خبر اخبار میں نہ لگے اور ایسا ہی ہوا تھا۔اس کے دل میں اتنی کبیدگی ونفرت بھر چکی تھی کہ اسے ساحرہ کی موت پر بھی قطعی افسوس نہیں ہوا تھا۔وہ سمجھ گیا تھا ساحرہ نے خود ہی چھت سے کود کر خودکشی کی ہے۔برائی کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔

''کیا سوچ رہے ہو میرے بچے۔'' اماں جان کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔اس کی طرف بڑھتی ہوئی بڑی دل گرفتی سے گویا ہوئیں۔ان کی ساری اکڑ' طنطنہ' غصہ' سرد مزاجی غائب ہو چکی تھی۔

''کچھ نہیں اماں جان' سوچتے وہ ہیں جو کچھ کر سکتے ہیں میں تو......'' اس کی یاسیت میں ڈوبی آواز ابھری۔

''ایسے نہیں کہتے میرے بچے' میرے لعل' تم سب کچھ کر سکتے ہو' سب کچھ۔'' فرط جذبات سے انہوں نے اس کی پیشانی چومی اس کی آنکھوں کے گھور اندھیرے ان کی رگ رگ کو زخمی کر رہے تھے۔

اسی دم فوزیہ بیگم اندر داخل ہوئی تھیں خاموش' گم صم سوگوار واداس وجود لئے۔

''بہو' سنبھالو خود کو' اس طرح ہمت وحوصلہ نہیں ہارتے' اللہ کی ذات سے مایوسی تو گناہ ہے۔ڈاکٹرز لوگ پر امید ہیں کہ آپریشن کے بعد انشا اللہ اُسامہ دیکھنے لگے گا۔''

''میں ہر وقت یہی دعا کرتی رہتی ہوں' اللہ وہ دن جلد از جلد لائے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

''ممی آپ کھڑی کیوں ہیں۔بیٹھیں نا میرے پاس۔'' اُسامہ نے ان کی طرف چہرہ کیا۔

''کیا۔آپ کو معلوم ہے' میں کھڑی ہوں۔'' وہ ازحد حیرانی سے اس کے سیاہ چشمے کو دیکھنے لگیں۔

''جی ممی' جب ظاہری آنکھیں بند ہو جاتی ہیں تو' باطنی آنکھیں کھل جاتی ہیں پھر محسوسات ہی بصارت کا کام دیتے ہیں۔آپ کا لمس مجھ سے دور ہے مگر آپ کی آواز کی خوشبو مجھے بتا رہی ہے آپ مجھ سے کتنے فاصلے پر کھڑی ہیں۔'' اس کے لبوں پر مجروح مسکراہٹ تھی۔

''اس انداز میں بات نہ کیا کریں' ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔فوزیہ بیگم اس سے لپٹ کر رو پڑی تھیں۔اماں جان نے بھی خامشی سے بہہ جانے والے آنسوؤں کو صاف کیا۔

''کیا ہو گیا ہے یار۔جسے دیکھو اُداس اداس بیٹھا ہوا ہے۔ایسا لگتا ہے' جیسے ہنسنا مسکرانا سب فروخت کر چکے ہوں۔'' شمیر اندر کمرے سے نکلا تو انہیں خاموش بیٹھا دیکھ کر گویا ہوا۔

''آپ خاندان پر گزرنے والی قیامت سے بے خبر تو نہیں ہیں' پھر بھی ایسا کہہ رہے ہیں۔''

''اب افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے۔پہلے گریز بعد میں افسوس کرنا ہماری روایات میں شامل ہو گیا ہے' پہلے خاندان والوں نے ان پر اس قدر بریڈن ڈال دیا' اتنا پریشرائز کر دیا انہیں کہ وہ ڈسٹرب ہو گئے اور جب دل ودماغ بے سکون ہوں' الجھن کا شکار ہوں تو اسی طرح قیامتیں گزرتی ہیں۔''

''شمیر! تم ڈاکٹر ہو اور ڈاکٹر کا کام زخموں پر مرہم لگانا ہوتا ہے۔نشتر چلانا نہیں۔''

''میں نشتر نہیں چلا رہا بھابی' برحق بات کہہ رہا ہوں۔وہ ازحد سنجیدہ تھا' خلاف معمول۔'' بہرکیف جو ہو گیا سو گیا' گزرا وقت پلٹتا نہیں۔دانشمندی یہ نہیں کہ ہم کل کے پچھتاوؤں میں اپنے آج کو بھی گنوا دیں۔عقلمندی یہی ہے کہ پہلی ٹھوکر پر ہی سنبھل کر منہ کے بل گرنے سے بچ جائیں۔جس طرح کانٹوں میں گلاب چھپے ہوتے ہیں۔بالکل اسی طرح کچھ دکھوں میں بھی مسرتیں پنہاں ہوتی ہیں۔اُسامہ بھائی کی آنکھوں کی قربانی نے لائبہ کو مسرت بخشی ہے۔'' میرا مقصد ہے' اماں جان نے اسے اپنا خون تو مان لیا' وہ بھی پوری سچائی اور محبت کے ساتھ۔ان کی بند آنکھوں نے اماں کی محبت بھری آنکھیں کھول دیں۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انہوں نے بہت نیکی کا کام کیا ہے نا بینا ہو کر۔'' بلو کارپٹ پر لائبہ شاکنگ پنک لان کے کرتے شلوار میں ملبوس خاموش بیٹھی تھی' وہ اس کے قریب گھس کر بیٹھ گیا۔

''آپ کو مذاق کرنے سے پہلے کچھ تو سوچنا چاہئے اور لائبہ کی محبت اماں کے دل میں کب تک نہیں جاگتی۔اپنا لہو تو خود پکار اٹھتا ہے' انگلی سے ناخن کبھی جدا نہیں رہ سکتے۔'' عظمت بیگم نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے ناصحانہ لہجے میں کہا۔

''تم کیسا فیل کر رہی ہو' اماں جان کو پا کر۔'' وہ لائبہ کے شانے پر ٹھوڑی ٹکا کر بولا۔

''بہت اچھا۔'' اس نے تشنہ لہجے میں جواب دیا۔اس کی گرین آنکھوں میں اداسیاں محو رقص تھیں۔

ایک ماہ ہو گیا تھا' اسے اندھیروں کا باسی بنے ہوئے۔کل روحیل صاحب اسے گھر لے آئے تھے کہ وہ ایک ماہ سے اپنے کمرے میں مقید ہو گیا تھا۔کسی کے اصرار پر بھی کمرے سے باہر نہیں نکلتا تھا۔اس طرح اس کی صحت گرنے کا خطرہ تھا۔روحیل صاحب اس کے پاس اکثر آتے رہتے تھے۔وہ نادم تھے' اپنے اس رویے پر جو لائبہ کے سلسلے میں انہیں اس سے اپنانا پڑا تھا۔انہیں خود حیرت تھی' اپنے رویے پر وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔وہ بھتیجا جو انہیں اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز و پیارا تھا' بیٹی کی خاطر وہی دشمن نظر آنے لگے گا تھا۔وہ اس سے اجنبیت اور بیگانگی اختیار کریں گے۔اور ایسا ہوا تھا۔بیٹی کی محبت اس قدر زور آور تھی کہ اسامہ کی حیثیت کچھ بھی نہ بچی تھی۔

''اپنی اس سے محبت کو مستحکم کرنے کے لئے' اپنے رویے کی بدسلوکی کا اثر زائل کرنے کے لئے وہ بے قرار تھے۔کل سے وہ ان کے پاس تھا۔لائبہ کے علاوہ وہ بھی اس

کے پاس رہتے تھے۔ممی کے اصرار پر لائبہ دو دفعہ اس کے کمرے میں گئی تھی مگر اندر قدم رکھتے ہی اس پر خفت سوار ہو جاتی تھی اور وہ کچھ دیر بعد ہی وہاں سے پلٹ آتی تھی۔شاید وہ اس کا محروم چہرہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔اسپتال میں بھی وہ اس کی بے ہوشی کے دوران میں گھر چلی آئی تھی۔عظمت بیگم وہاں رک گئی تھیں۔کئی بار اس نے چاہا' کال کے ذریعے اس کا احوال معلوم کرے مگر فون کے نزدیک پہنچتے ہی ارادہ بدل جاتا۔

''کیا ہو رہا ہے یار۔'' ارشد اچھے موڈ میں کمرے میں داخل ہوا تھا اور پرانے انداز میں اس کے قریب جڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

''تم آج بھی آفس نہیں گئے؟'' اُسامہ اپنا گلا درست کرتا ہوا مخاطب ہوا۔

''نبیل بھائی اور شمیر کو تو تم نے بھیج ہی دیا ہے' میں نہیں گیا۔اب تمہیں تنہا چھوڑ کر چلا جاتا۔''

''اس طرح ہوتا رہا تو میں ایزی فیل نہیں کر سکتا' میری خاطر بزنس بیک ڈاؤن کر رہے ہو۔''

''تمہاری سوچ غلط ہے' یہ خود غرضی ہے کہ تمہیں اس طرح چھوڑ کر اپنی دنیا میں مگن ہو جائیں۔''

''نہیں یہ خود غرضی نہیں' دستور دنیا ہے۔تم کب تک میری خاطر اپنا وقت' اپنا بزنس خراب کرتے رہو گے۔''

''تم غیروں جیسی باتیں کیوں کر رہے ہو۔شاید تم مجھ سے ابھی تک ناراض ہو۔میں نے تم پر زیادتیاں بھی تو بہت کی ہیں' پلیز اُسامہ مجھے معاف کر دینا میں......''

''مجھے شرمندہ مت کرو یار' زیادتیاں تم نے کیں' ادھار میں نے بھی نہیں رکھا۔یہ تمہارا ظرف ہے کہ میری زیادتیاں بھلا کر معافی مانگ رہے ہو بلکہ معافی تو......''

''چھوڑو یار' جو یادیں تکلیف میں مبتلا کریں' انہیں بھلا دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ہم سمجھیں گے' ہمارے درمیان آج سے پہلے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔'' ارشد اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مضبوط لہجے میں بولا۔

''بی بی جی! صاحب کو چائے دے آئیں آپ' دلہن بی بی نے کہا ہے' وہ سیف کو سلا رہی ہیں۔چھوٹی دلہن بی بی اپنے کمرے میں ہیں۔بیگم صاحبہ مارکیٹ گئی ہوئی ہیں۔'' بوا ہاتھ میں ٹرے لئے اس کے پاس چلی آئی۔چائے کے لوازمات سے ٹرے بھری ہوئی تھی۔

''میں!'' وہ ہاتھ میں پکڑا میگزین تکیے پر رکھ کر استعجابیہ انداز میں بولی۔

''جی بی بی جی' آپ ہی کو بولا ہے۔'' ادھیڑ عمر بوا نے پوری بتیسی کی نمائش کی۔

''اچھا آپ یہاں رکھ دیں۔'' بوا برتن سینٹر ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی۔

''اس نے دھڑکتے دل سے دروازے پر دستک کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا مگر دروازہ تھوڑا کھلا تھا' وہ بغیر دستک دیئے پردہ ہٹا کر اندر چلی آئی۔بھاری پردوں نے اندر اندھیرا پھیلا رکھا تھا۔اے سی کی ٹھنڈک سے ماحول خوشگوار تھا' روشن ایڈ مائیر نے فضا کو معطر و پرسکون کر رکھا تھا۔وہ بیڈ پر نیم دراز امجد اسلام امجد کی 'چشم تماشا' ہاتھوں میں پکڑے بہت انہماک سے اس پر جھکا تھا۔لائبہ سراسیمہ ہو گئی۔

''کون ہے۔'' اس نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے دیوار کی سمت دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔چائے کے برتن کی آواز پر وہ متوجہ ہو گیا تھا۔اس کا انداز دیکھ کر وہ اپنی غلط فہمی پر شرمندہ ہو گئی۔

''میں...... میں چائے لائی ہوں آپ کے لئے۔'' صوفے کے قریب رکھی میز پر وہ چائے کے لوازمات رکھتی ہوئی بولی۔

''تمہیں یہ نہیں معلوم کسی کے روم میں داخل ہونے سے قبل اجازت لی جاتی ہے۔'' بیگانگی بھرا درشت لہجہ تھا۔

''دروازہ کھلا ہوا تھا اس لئے۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''خوش فہمی ہے تمہاری' دروازہ کبھی کھلا ہوا تھا مگر اب بند ہو چکا ہے۔'' وہ ذومعنی لہجے میں بولا۔

''چائے لے لیں۔اس نے مگ اس کی جانب بڑھایا' اسے محسوس ہو رہا تھا' ڈارک گلاسز کے پیچھے سے اس کی قہر آلود نگاہیں جیسے ابھی بھی اسے گھور رہی ہوں جن کی تپش سے وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔وہ چاہنے کے باوجود اس کی طرف نگاہ نہ کر پا رہی تھی۔

''تھینکس۔'' اس نے مگ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو مگ کے بجائے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ایک عجیب سی سنسنی اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی تھی' جب کہ اس نے اطمینان سے اس کے مرمریں نازک سے گلابی ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر رکھی تھی۔

''مم...... مم...... یہ میرا ہاتھ ہے۔'' گھبراہٹ اور پریشانی سے وہ متوحش تھی۔

''اوہ سوری' میں اندھا ہوں کم از کم آپ تو آنکھوں والے کام کیجئے۔'' اس نے کلائی چھوڑ کر سنجیدہ لہجے میں اسے ہی مورد الزام ٹھہرایا اور قدرے سنبھل کر مگ پکڑا تھا۔وہ حیران رہ گئی تھی۔آنکھوں کے ساتھ ساتھ کیا محسوسات بھی وہ کھو بیٹھا تھا جو اس کے ہاتھ اور چائے کے مگ میں فرق محسوس نہ کر سکا۔اس کے اندر کھٹک تھی' ہمت کر کے اس نے مشتبہ نگاہوں سے اس کے ڈارک گلاسز کو دیکھا۔

''ایسے کیا گھور گھور کر دیکھ رہی ہو۔جاؤ اب۔'' وہ چائے پیتے ہوئے غرایا۔

''کک...... کیا آ...... آپ......'' حیرانی در حیرانی سے وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''چڑ ہے مجھے تمہارے اس طرز گفتگو سے خوامخواہ لفظوں کو چکنا چور کر دیتی ہو۔''

''آپ کو نظر آ رہا ہے؟'' وہ اس کی طرف سے مشکوک ہو گئی تھی۔

''کیا مطلب۔یہ کیسا سوال ہے۔'' اس کا انداز تمسخرانہ تھا۔

''میں...... مجھے لگ رہا ہے آپ دیکھ سکتے ہیں۔'' وہ الجھن زدہ لہجے میں قریب رکھی کتاب دیکھ کر بولی۔

اس نے ہمارے زخم کا کچھ یوں کیا علاج
مرہم بھی گر لگایا تو کانٹوں کی نوک سے

اس نے بڑے پرسوز انداز میں شعر پڑھا۔

''میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔نہ معلوم مجھے کیوں ایسا محسوس ہو رہا ہے۔''

''پہلے تمہاری چاہ نے اندھا کیا' پھر عقل کا اندھا بنا' پھر عشق میں اندھا ہوا اور اب تو سچ مچ کا اندھا ہو گیا ہوں۔تم ابھی بھی بے یقینی میں مبتلا ہو۔حیرت ہے' میری ظاہری آنکھیں بند ہوئی ہیں تو باطنی آنکھیں کھل گئی ہیں۔سب مجھے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے' اب سمجھیں۔''

''باطنی آنکھیں۔'' لائبہ سوچتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

✦ ✦ ✦

''ایسی قیامت اس گھر پر گزر گئی اور ہمیں علم ہی نہیں۔اماں ہم اس گھر سے ہی رخصت ہوئے ہیں کوئی دنیا سے نہیں جو آپ نے فون کرنے کی زحمت تک گوارا نہ کی۔'' چھوٹی بڑی پھوپو دونوں صبح کی فلائٹ سے یہاں پہنچی تھیں۔انہیں کسی عزیز کے توسط سے اُسامہ کے حادثے کی خبر پہنچی تھی۔

''اماں جان کا قصور نہیں ہے پھوپو جان' میں نے ہی منع کیا تھا کہ آپ پریشان ہوں گی۔'' اُسامہ جو دونوں پھوپیوں کے درمیان بیٹھا تھا آہستگی سے ان سے مخاطب ہوا۔

''پریشانی کی بھی خوب کہی تم نے' ہم کوئی غیر ہیں' سگے ہیں تمہارے۔ہماری تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی۔'' بڑی پھوپو کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔بار بار وہ اسے سینے سے لگا رہی تھیں' یہی حال چھوٹی پھوپو کا تھا۔

''تم نے خود کو تنہائی کا بھی تو عادی بنا لیا ہے۔ہر وقت کمرے میں گھسے بیٹھے رہتے ہو۔باہر نکلا کرو' لان میں بیٹھ جایا کرو' کچھ تو طبیعت بھی ہلکی ہو' ذہن بھی تازہ دم ہو۔روحیل کے گھر سے بھی تین دن میں آ گئے۔'' اماں جان اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''کیا اندر' کیا باہر' میرے لئے سب ایک جیسا ہوتا ہے اماں جان۔'' وہ آزردگی سے بولا۔

''ایسے مت سوچا کرو' مایوسی کفر ہے' اللہ پر یقین کرو' مشکل وقت میں وہی کام آنے والا ہے۔وہی تو سیاہ رات کی تاریکی میں سورج کو چمکا کر دن کی روشنیاں پھیلا دیتا ہے۔آپ کے اندھیرے بھی وہ دور کرے گا اور ضرور کرے گا۔میری ممتا کی تڑپ جھوٹی نہیں ہو گی۔'' فوزیہ اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

''آپ چل رہی ہیں اماں جان' روحیل کی طرف۔'' بڑی پھوپو نزہت اندر داخل ہو کر ان سے مخاطب ہوئیں جو وہاں براجمان نزہت بیگم اور فوزیہ بیگم سے محو گفتگو تھیں۔

''ہاں ہاں' جانا تو مجھے بھی ہے' اپنی بھتیجی سے ملنے کو دل بری طرح بے چین ہے۔باقی بھائی بھابی اور بچوں سے ملے ہوئے بھی کافی عرصہ ہو گیا ہے۔'' چھوٹی نگہت بھی بے قرار انداز میں گویا ہوئیں۔

''فوزیہ تم بھی چلو۔'' اماں جان نرم لہجے میں ان سے مخاطب ہوئیں جو ان کے قریب ہی بیٹھی تھیں۔

''میں اُسامہ کو چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔تنہائی و خاموشی کو انہوں نے اپنا مسکن بنا لیا ہے۔میرا بیٹا اندھیروں میں گم ہے اور میں روشنیوں میں رہوں' میرا دل نہیں مانتا۔''

''بلا شبہ تمہارا دکھ ایسا نہیں ہے جو محسوس نہ کیا جائے۔تم اس کی ماں ہو تو ہم بھی اس کی دادی ہیں۔تم نے اسے جنم دیا ہے تو ہم نے اسے پروان چڑھایا ہے۔اس کی دیکھ بھال' اس کے ناز نخرے اتنے اٹھائے ہیں کہ ہماری کوکھ سے جنم لینے والی پانچ اولادوں کی پرورش اس کے آگے بے قیمت ہے۔سب سے زیادہ چاہا ہے ہم نے اسے پھر ہم کس طرح بھلا اسے یوں اندھیروں میں تنہا بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیں گے۔اس کی بصارت پر چھائے اندھیرے تو ہماری زیست پر محیط ہو گئے ہیں۔''

''اماں جان! میرا یہ مقصد نہیں تھا۔'' فوزیہ بیگم گڑبڑا کر گویا ہوئیں۔''بے شک اماں جان آپ نے اپنے تمام جذبے' محبتیں' شفقتیں' ممتا اُسامہ کے لئے وقف کر دی ہیں مگر اس جذبے سے بھی کوئی انحراف نہیں کر سکتا کہ ماں پھر ماں ہوتی ہے۔''

''ہم نے کبھی اسے ماں کے احترام' رتبے اور محبت سے نابلد بھی نہیں رکھا۔بہرکیف ہم یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے' اس کی تنہائی کو ختم کرنے کا۔بیوی سے بہتر اور قابل اعتماد ساتھی کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔بڑی بہو کو بھی بلاؤ' ہم رخصتی کی تاریخ لینے چل رہے ہیں۔''

✦ ✦ ✦

روحیل صاحب کے ہاں ہال روم میں سب موجود تھے۔اسد صاحب اور اماں جان ایک صوفے پر براجمان تھے۔ان کے مقابل روحیل صاحب' نبیل اور ارشد بیٹھے تھے۔سائیڈ کے صوفوں پر نزہت' نگہت' فوزیہ' عظمت اور کوثر بیگم بیٹھی تھیں' جب کہ ماریہ' زینی اور عائشہ دائیں طرف بیٹھی تھیں' اختر صاحب اور ریاض کاروبار کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے اس لئے غیر موجود تھے۔اماں جان نے اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔جس کے بعد وہاں ایک غیر معمولی خاموشی چھا گئی تھی۔

''اس قدر گمبھیر سوچ' جب موزوں ہوتی روحیل' جب ہم یہاں رشتہ مانگنے آتے۔اب تو ہم اپنی امانت' اپنی عزت' اپنی بہو کو لینے آئے ہیں۔سوچ بچار کا وقت گزر چکا ہے۔تم ہمیں تاریخ بتا دو کہ کس دن ہم اپنی بہو کو اپنے گھر لے جانے کے لئے آئیں۔'' ان کو خاموش و افکار میں مستغرق دیکھ کر آخر کار اماں جان کو لب کشائی کرنی پڑی' ان کی باوقار بلند آواز وہاں گونج اٹھی۔

''اماں جان...... اتنی جلدی کس طرح ممکن ہے۔'' روحیل آہستگی سے گویا ہوئے۔

''شریعت کا یہی حکم ہے' جب بیٹیاں بالغ ہو جائیں تو انہیں رخصت کرنے یعنی ان کی شادی بیاہ میں جلدی کرنی چاہئے۔جلد از جلد اچھا' نیک بر مل جانے پر لڑکی کو رخصت کرنے کا حکم ہے اور تمہیں کسی رشتے کا انتظار کرنے کی زحمت نہیں ہے کیونکہ تمہاری بیٹی منکوحہ ہے۔''

''ارشد! تمہیں اب تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا۔ ہم باعزت طریقے سے تمہاری بہن کو لے جانے کی خاطر آئے ہیں۔'' اماں جان اس کی جانب دیکھتے ہوئے ملائمت سے کہنے لگیں۔

''ہر بھائی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بہن باعزت طریقے سے بیاہی جائے۔ اعلیٰ نسب اور باعزت لوگوں کے اصول یہی ہوتے ہیں۔ مجھے آپ سے اب کوئی گلہ نہیں ہے۔'' ارشد سنجیدگی سے بولا۔

''روحیل! تمہاری یہ ہچکچاہٹ کہیں اُسامہ کی گمشدہ بصارت کی وجہ سے تو نہیں ہے۔''

''میں کم ظرف اور بے ضمیر نہیں ہوں اماں جان' وہ مجھے پہلے سے زیادہ عزیز ہوگیا ہے۔ اب اس کے زخم میرے دل پر محسوس ہوتے ہیں۔ یہ کیسے سوچ لیا آپ نے۔'' وہ تڑپ اٹھے تھے۔

''میں تمہاری اُلجھن سمجھ رہا ہوں روحیل۔'' اسد صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب بیٹھ گئے۔

''جی بھائی صاحب' میری بیٹی ایک مدت بعد مجھ سے ملی ہے اور اتنی جلدی میں اسے خود سے جدا بھی کردوں۔ ابھی تو میرے اندر کی تشنگی اور محرومیاں بھی نہیں مٹی ہیں۔ ابھی تو میں اپنے اس خوف پر بھی قابو نہیں پاسکا ہوں کہ وہ حقیقت میں میرے پاس ہے خواب میں نہیں اور......'' ان کی آواز پر آنسوؤں نے غلبہ پالیا تھا۔ اسد صاحب نے بہت محبت سے انہیں گلے سے لگالیا۔

''روحیل! وہ میری بہو نہیں' بیٹی بن کر جائے گی۔ اُسامہ سے زیادہ عزیز ہوگئی ہے وہ مجھے۔ تم کسی خیال کو دل میں جگہ نہ دو' وہ تم سے جدا نہ ہوگی۔ جب دل چاہے تم اسے بلوالینا' اسے دیکھنے' اس سے ملنے آجایا کرنا' ہمارے درمیان رشتہ اور زیادہ مضبوط ہوگیا ہے۔''

''یہ گھر اور وہ گھر کوئی دو تھوڑی ہیں' ہم ماں بیٹے کے درمیان جو دیوار ہماری انا نے کھڑی کردی تھی' وہ گرچکی ہے۔ چلو عظمت تم بیٹی کی ماں ہو' جلدی سے سب کا منہ میٹھا کرواؤ۔ چلو نبیل کلینڈر لے کر آؤ' ہم اس میں سے دیکھیں کون سی تاریخ اور دن برآمد ہوتا ہے۔ اماں جان نے آگے بڑھ کر روحیل صاحب کو سینے سے لگالیا تھا جن کی آنکھیں بیٹی کی جدائی کے خیال سے نم تھیں۔ ان کی کیفیت نے سب کی ہی آنکھیں پرنم کردی تھیں۔ اماں جان کی مسرور و شاداں مسکراہٹ نے محفل میں رنگ پھیلا دیئے تھے۔ نبیل دیوار سے کلینڈر اتار لائے تھے۔ اماں جان کے ساتھ مل کر وہ چاروں کلینڈر پر جھک گئے تھے۔ عظمت بیگم' بہوؤں کے ساتھ مل کر چائے کے علاوہ دیگر لوازمات کا انتظام کرنے لگیں۔ وہ چاروں لائبہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

لائبہ شمیر کے ساتھ اس کے دوست کے ہاں پارٹی میں گئی تھی جو سن کے انہیں افسوس ہوا کہ وہ بطور خاص اس سے ملنے اسے دیکھنے کا اشتیاق لے کر آئی تھیں۔

✦ ✦ ✦

''کس خوشی میں آپ مجھے مٹھائی کھلا رہی ہیں پھوپو جان' معلوم تو ہو۔'' اُسامہ منہ میں بھری گلاب جامن کھاتا ہوا مسکرا کر بولا۔ نزہت قریب ہی بیٹھی اس کے منہ میں گلاب جامن ڈال رہی تھیں۔ فوزیہ بیگم اور اماں جان بھی اس کے نزدیک آبیٹھی تھیں۔ اماں جان کے چہرے پر آسودگی تھی' جبکہ فوزیہ بیگم کا چہرہ مسرت سے جگمگا رہا تھا۔ ان کی دیرینہ آرزو پوری ہونے والی تھی۔ بہو کی صورت میں ان کے آنگن میں چاند اترنے والا تھا۔ ان کے اجڑے گلستان میں بھی بہار کی آمد آمد تھی' ان کا انگ انگ مسرور و شاداں تھا۔

''ہم تاریخ لے آئے تمہاری' اگلے جمعے کو وداع اور اتوار کو ولیمہ کریں گے۔'' اماں جان بولیں۔

''جی......'' اُسامہ کا منہ کھل گیا تھا۔ چہرے پر ایک دم ناگواریت چھا گئی تھی۔ ''اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے کم از کم مجھ سے معلوم تو کرلیتیں آپ اماں جان۔'' اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

''آپ نے اتنے بڑے بڑے فیصلے کیے' آپ نے کسی سے معلوم کیا تھا۔'' اسد صاحب جو خوشگوار موڈ میں اندر داخل ہوئے تھے' اس کی بات سن کر سخت لہجے میں بازپرس کی۔

''ڈیڈی! یہ میری زندگی کا معاملہ ہے اور میں نہیں چاہتا کہ......''

''تم بھی ہماری زندگی ہو اور تمہارا معاملہ ہم سے جدا نہیں ہوسکتا۔'' وہ بات قطع کرکے بولے۔

''لیکن میں اپنی زندگی میں کسی دوسرے کی شراکت قطعی برداشت نہیں کرسکتا۔''

''یہ آپ کو اس وقت سوچنا چاہئے تھا' جب آپ نکاح نامے پر سائن کررہے تھے۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا آپ کے نام کے ساتھ دوسرا نام جڑ چکا ہے۔ جو آپ کی ذات پر مکمل استحقاق رکھتی ہے۔''

''یہ گریز۔ یہ اجتناب۔ یہ فرار کی راہیں کیوں اپنا رہے ہو بیٹا۔ لائبہ تمہاری پسند ہے' تم نے اس سے اپنی خواہش پر نکاح کیا ہے اور اب جب وہ تمہاری زندگی میں......''

''ہوجاتے ہیں بعض فیصلے احمقانہ' جن پر انسان ساری زندگی پچھتاتا رہتا ہے۔''

''نہیں مائی سن' زندگی میں آپ نے یہ پہلا پاورفل فیصلہ کیا ہے جو حقیقتاً مجھے بے حد پسند آیا ورنہ آپ کی چوائس سے مجھے ہمیشہ ہی اختلاف رہا ہے مگر بہو کے معاملے میں میرے تمام ووٹ آپ کی طرف ہیں۔ وہ لڑکی واقعی ہماری بہو بننے کے قابل ہے۔ اس کی کم سنی میں اس قدر متانت' بردباری' سنجیدگی اور پروقار شخصیت نے مجھے گرویدہ بنالیا ہے۔ ایسے دور میں ایسی لڑکی نایاب ہے' بس اب آپ یہ گیم بھی ختم کیجئے جو ہم نے جس مقصد کے لئے کھیلا تھا' وہ پورا ہوگیا۔'' اسد صاحب نے آگے بڑھ کر بہت ڈرامائی انداز میں اس کی آنکھوں سے گاگلز اتارے تھے۔

''کیا...... کیا......'' فوزیہ اور نزہت مارے بوکھلاہٹ کے کھڑی ہوگئی تھیں۔ اُسامہ ندامت سے مسکراتے ہوئے ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی ہیروں کی طرح جگمگاتی آنکھوں میں زندگی سے بھرپور چمک تھی۔

''سوری اماں جان۔'' وہ ایک جذب کے عالم میں ان کی جانب بڑھا تھا۔ جو متحیر سی اسے دیکھ رہی تھیں۔ مسرت' حیرانی اور استعجاب ان کے چہرے پر فروزاں تھا۔

''یہ سب کیا ہے۔ ہماری محبتوں اور ممتا کو آزمانے کا کون سا ڈھونگ تھا یہ۔''

''یہ سب میرے کہنے پر ہوا۔ اماں جان' آپ کی ناراضگی و خفگی بجا ہے مگر آپ کے دل میں لائبہ کی محبت بیدار کرنے کے لئے میں نے ہی یہ تجویز سوچی تھی حالانکہ اُسامہ راضی نہیں تھے یہ گیم کھیلنے کے لئے' مگر میرے حکم پر مجبور ہوگئے تھے۔'' اسد صاحب سنجیدگی سے بولے۔

''اپنا خون تو خود بول اٹھتا ہے' وہ کب تک مجھ سے دور رہ سکتی تھی۔ خون کی کشش اسے کبھی نہ کبھی مجھ تک لے ہی آتی مگر تم نے یہ تماشا کرکے ہماری محبت اور جذبوں کی توہین کی ہے۔''

''آپ کو رنج ہوا' اس پر میں ازحد شرمندہ ہوں اور معافی کا خواستگار بھی مگر اماں جان سوچیں' کیا حالات تھے' ہمارا خاندان ٹکڑے ہورہا تھا۔ بھائی سے بھائی چھوٹ رہا تھا اور اگر خدانخواستہ طلاق تک نوبت پہنچ جاتی تو آپ سمجھ سکتی ہیں کچھ بھی باقی نہ بچتا۔ میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا۔'' اسد صاحب ان کے تنے ہوئے ناراض چہرے کو دیکھ کر صفائی پیش کرنے لگے۔

''اسد درست کہہ رہے ہیں اماں' آپ کو اور دوسروں کو تکلیف تو ہوئی جو یقیناً اس خوشی سے زائل ہوجائے گی مگر وہ صورت حال پیش آجاتی تو آپ سمجھیں' واقعی عظیم سانحہ رونما ہوجاتا جس کا تدارک قطعی ناممکن تھا۔ ہمیشہ کے لئے ہمارا خاندان دو حصوں میں بٹ جاتا۔'' نزہت بیگم نے فراخ دلی سے بھائی کی حمایت لی۔ اماں کے چہرے پر آہستگی سے نرم مسکراہٹ بکھرنے لگی۔

''اور تمہیں کیا سزا دوں۔ اپنے باپ کی اس سازش سے مجھے چپکے سے آگاہ نہیں کرسکتے تھے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اُسامہ کا کان پکڑا۔

''سازش ہی آپ کے خلاف تھی تو آپ کو آگاہ کس طرح کرسکتے تھے۔'' اسد صاحب مسکراتے ہوئے بولے تو نزہت و فوزیہ بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔ اماں نے محبت سے اُسامہ کو گلے لگالیا۔

✦ ✦ ✦

نبیل نے گم صم بیٹھی لائبہ کو بغور دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسوؤں کی نمی اسے تڑپا گئی۔ اس نے اسے سینے سے لگالیا اور وہ جو ضبط کے مراحل سے گزر رہی تھی' اس کی مشفق و محبت بھری آغوش میں پگھل گئی۔ ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے تھے آنسو ٹوٹے ہوئے ہار کے موتیوں کی طرح گرنے لگے۔ شمیر کے دوست کے ہاں پارٹی میں بہت دیر ہوگئی تھی۔ بارہ بجے کے بعد وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے تھے۔ شمیر اسی وقت اسپتال روانہ ہوگیا تھا کیونکہ کسی ایمرجنسی کے باعث اسے وہاں سے کال کیا گیا تھا اور وہ اسے گیٹ کے اندر چھوڑ کر جاچکا تھا۔ گھر میں اس نے معمول سے زیادہ چہل پہل اور رونق دیکھی تھی۔ عائشہ بھابی کچن میں ڈنر سیٹ ریک میں لگا رہی تھیں جو ملازمہ دھو کر گئی تھی۔ زینی بھی ان کی مدد کررہی تھی۔

''آگئیں۔ کیسی رہی پارٹی۔'' عائشہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

''بہت اچھی مگر یہ ڈھیروں کراکری کیوں استعمال ہوئی ہے۔'' وہ شدید حیران تھی۔

''مہمان آئے تھے' تمہیں لے جانے کے لئے دن مقرر کرنے۔'' عائشہ مسکرا کر شرارت سے گویا تھی۔

''میں...... سمجھی نہیں بھابی کون مہمان۔'' اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا تھا۔

''تمہارے سسرال والے۔'' زینی نے ہنستے ہوئے کہا (زینی کا رویہ اس کے ساتھ نارمل ہوگیا تھا' جب سے اسے حقیقت کا ادراک ہوا تھا۔ وہ خود ہی شرمندہ و خجل ہوگئی تھی' اپنی غلط فہمی پر) اس نے چند لمحے عائشہ کی جانب دیکھا اور پھر خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی۔ پاؤں سے میرون کولڈن تلے ورک کے کھسے اتار کر ریک پر رکھے اور آکر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دل و دماغ عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئے تھے۔ یک بیک سناٹے اور شور اس کے وجود میں اترنے لگے تھے۔ کچھ دیر بعد نبیل دروازہ ناک کرکے اندر داخل ہوا تھا اور وہ اس کے سینے سے لگی آنسو بہا رہی تھی۔

''دیکھو بیٹا' ایک دن ایسا ہر لڑکی کی زندگی میں آتا ہے' جب اسے ماں' باپ' بہنوں بھائیوں اور اپنے گھر کو چھوڑ کر جانا ہوتا ہے اور ایسی لڑکیاں خوش بخت کہلاتی ہیں۔'' نبیل اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔ اسی اثنا میں ارشد بھی وہاں آگیا تھا اور اس کے نزدیک بیٹھ گیا تھا۔

''اور ہماری بہن جیسی لڑکی جس گھر میں جاتی ہے' وہ گھر جگمگا اٹھتا ہے۔ خوش نصیب ہیں فوزیہ چچی جنہیں تمہارے جیسی بہو مل رہی ہے۔'' ارشد نے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا۔ ''اسپتال سے جب اُسامہ کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع آئی تھی' اس وقت میں نے تمہارے چہرے کی پریشانی اور آنسو بہاتی آنکھوں میں وہ سب کچھ پڑھ لیا تھا جس کا اظہار تم شاید تاحیات نہ کرپاتیں اور اسی لمحے میرے دل سے اُسامہ کے خلاف تمام شکوے شکایات' غلط فہمی و نفرت ہوا ہوگئی تھی۔ ہم سب کی خواہش یہی ہے چندا کہ تمہیں ڈھیروں مسرتیں ملیں' اتنی چاہتیں' اتنی محبتیں کہ ان کے لئے تمہارا دامن کم پڑنے لگے اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ ڈاکٹرز بہت پرامید ہیں جلد ہی اس کا آپریشن ہوجائے گا اور بصارت اسے مل جائے گی۔ ارشد نے پانی پلاتے ہوئے اسے سمجھایا۔

✦ ✦ ✦

وہائٹ پیلس کا گوشہ گوشہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ خوبصورت روشنیوں سے در و دیوار کے علاوہ طویل و عریض لانز میں لگے درختوں اور پودوں کی شاخوں پتوں پر بھی قمقمے جگمگا اٹھے۔ مہمانوں کی آمد و رفت شروع ہوچکی تھی۔ اندر ڈھولک' ڈفلی اور تالیوں کی گونج میں گانے اور قہقہے بکھرے ہوئے تھے۔ وہ کار پارکنگ لاٹ میں کھڑی کرکے اپنے اس خفیہ راستے سے کمرے میں گیا تھا جو صرف وہی استعمال کرتا تھا۔ کمرے میں آکر اس نے کار کی چابی سائیڈ ٹیبل پر پھینکی' بلکی پشاوری چپل اتار کر قالین پر چلتا ہوا

صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر تفکرات چسپاں تھے۔ ساحرہ کی دی ہوئی ہدایت پر وہ آج بلکہ ایک گھنٹہ قبل بینک گیا تھا اور وہاں لاکر سے اسے ویڈیو کے بجائے وہائٹ سادہ لفافہ ملا تھا۔ وہ لفافہ دیکھ کر ذہنی طور پر الجھ گیا تھا۔ واپسی اس کی تیز رفتاری سے ہوئی تھی۔ وہ جلد از جلد اس لفافے میں موجود تحریر کو پڑھ لینا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے وہ راستہ اختیار کیا تھا۔ واسکٹ کی جیب سے اس نے لفافہ نکال کر چاک کیا اور اندر سے گلابی کاغذ پھسل کر اس کے ہاتھوں میں آ گیا۔ وہ انہماک سے اس تحریر کو پڑھنے لگا' اس کے چہرے پر تجسس اور اشتیاق تھا۔

''میرے جذبوں کو پاکیزگی' نگاہوں کو حیا کا پیام دینے والے میرے محسن، تسلیمات۔

''مجھے یقین ہے' جب آپ کو یہ لیٹر ملے گا میں اپنے ناپاک وجود سمیت یہ دنیا چھوڑ چکی ہوں گی۔ مجھ جیسی زر پرست' عیش و آرام کی شیدائی' اپنے حسن پر نازاں عورت کا انجام یہی ہوتا ہے۔ دولت کی ہوس نے مجھے گھر والوں سے بدظن کر کے میری آنکھوں پر طمع کی پٹی باندھ دی تھی۔ رستم کو میں روشن مینار سمجھ کر اس کی طرف بڑھی تھی۔ دولت' شہرت' ثروت کی میں تمنائی تھی۔ خواہشوں کی یلغار نے مجھے رستم کی بڑی عمر کا بھی خیال نہ ہونے دیا تھا۔ رستم کو پا کر مجھے یوں لگا جیسے میں خوابوں کی دنیا میں آ گئی ہوں۔ اچھا کھانا' بہترین محل نما گھر' ملازموں کی فوج جن پر تنہا حکمرانی کرتی تھی۔ گولڈ اور ڈائمنڈز کی جیولری امپورٹیڈ ٹیس سوٹس گھومنے پھرنے کے لئے نیو ماڈلز کاریں اور ساتھ ہی رستم کی بے انتہا محبتیں' چاہتیں اور نوازشوں کی بارش میں' میں پور پور ڈوبی رہتی۔ عورت جو اپنے حسن کی تعریف و توصیف سننا چاہتی ہے۔ میرا تو من پسند مشغلہ ہی یہی تھا اور رستم نے جیسے میرے جنم جنم کی پیاس بجھا دی تھی۔ وہ اس انداز میں میرے حسن، دلربائی کا شکار ہوا۔ رستم کا اصل چہرہ بہت بھیانک اور غلیظ تھا۔ میرے ذریعے اس کی شہرت بڑھنے لگی' دولت میں اضافہ ہوتا گیا۔ شروع شروع میں' میں نے احتجاج بھی کیا تو رستم نے غیر محسوس طریقے سے مجھے نشے کا عادی بنا دیا اور رفتہ رفتہ میں اس کے رنگ میں رنگتی گئی۔ گناہ بڑھ جائیں تو ضمیر سو جاتے ہیں اور ضمیر سو جائے تو نیکی اور بدی کی شناخت بھی گم ہو جاتی ہے۔ میں ہر بری لت کی شکار ہو چکی تھی اور نشہ اس حد تک بڑھا تھا کہ مجھے اب انجکشن بھی لینے پڑتے تھے ورنہ میرا جسم بے قابو ہونے لگتا تھا۔''

اُسامہ نے سگریٹ سلگایا' دو تین کش لگانے کے بعد پھر دوبارہ کاغذ پر نگاہیں جما دیں۔ ''آپ بور ہو رہے ہوں گے کہ میں کیا اپنی کہانی لکھنے بیٹھ گئی۔ تیس سال بعد میں اپنے کسی رفیق کو اپنے دل کا حال سنا رہی ہوں تاکہ مرنے کے بعد میری روح تشنہ و بے قرار نہ رہے۔ آپ کو رستم شکار بنا کر ہی گھر لائے تھے' مگر آپ ہر بار چکنی مچھلی کی طرح ہاتھوں سے نکل جاتے تھے۔ آپ کی شرافت ایمان کی پختگی بلند کرداری نگاہوں نے مجھے بتایا کہ اصل مرد کی شناخت اس کی حمیت و مضبوط مردانگی ہوتی ہے۔ کاش آپ بہت پہلے ہی سامنے آ جاتے تو ساحرہ بہت پاکباز' باحرمت' باحیا و باکردار ہوتی کاش......

''آپ میری گناہ آلود اندھیری زندگی میں نور و ایمان کی کرن بن کر داخل ہوئے اور محبت کے سورج نے میرے ضمیر کو روشن کر دیا۔ میں اپنے گناہوں کا کفارہ تو ادا نہیں کر سکتی مگر پھر بھی کوشش کی ہے' رستم زمان کے شیطانی کرتوتوں کا وہ تمام اسٹاک میں نے جلا دیا ہے' وہ سارے لوگ جو اپنی خواہشات کی غلامی کا خمیازہ بھگت رہے تھے' آج پرسکون ہو جائیں گے۔ آپ کی جو ویڈیو تھی' وہ میں نے اسی وقت جلا کر راکھ کر دی تھی۔ میں اتنی فراخ دل نہیں ہوں کہ آپ کو کسی کے ساتھ دیکھوں۔ میں نے آپ کی پرستش کی ہے' چاہا ہے' خلوص سے۔ میں اپنے محبوب کو کسی دوسری لڑکی کے ساتھ کس طرح برداشت کر سکتی تھی سو مطمئن ہو جایئے' وہ سب جل کر راکھ ہو گیا۔ میں نے آپ کو بے سکون و بے چین کر دیا تھا' رستم ہر طرف سے مایوس ہو کر یہ راز حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا جو آخرکار اس کی موت کا پروانہ ثابت ہوا' وہ نتیجہ کو بھی ختم کروا چکا ہے کیونکہ وہ اس حقیقت سے واقف تھا اور دل تو چاہ رہا ہے کہ لکھتی جاؤں ہاتھ نہ روکوں مگر میرے پاس ٹائم بہت کم ہے' موت مجھ سے زیادہ دور نہیں۔ رستم اور اس کے خاص بندے مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اور میرے دل میں صرف ایک مرتبہ تم سے ملنے' تمہیں دیکھنے کی چاہ ہے اور تمہیں دیکھے بغیر میری روح جسم سے نکلے گی بھی نہیں۔ سچے دل کی طلب کبھی رائیگاں نہیں جاتی سو دل کو قرار ہے۔ تمہیں آخری بار دیکھوں گی ضرور۔ اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھنا۔'' نیچے اس کے سائن تھے۔ اس نے طویل سانس لے کر خط ہاتھ میں پکڑے لائٹر کے شعلے کی نذر کر دیا اور راکھ باتھ روم میں بیسن کا نل کھول کر بہا دی۔

بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس کا ذہن اس احساس سے مطمئن تھا کہ وہ ویڈیو جل چکی ہے۔ بلاشبہ کوئی قابل اعتراض یا قابل گرفت بات اس میں نہ تھی مگر اس کی پرائیویسی میں مداخلت تو ہوئی تھی نا جو اسے کسی طور گوارا نہ تھی۔ ساحرہ سے اسے ہمدردی ہوئی تھی۔ مرنے سے پہلے وہ کچھ اچھے کام کر گئی تھی مگر رستم زمان کی جو اپنی منافقت بھری دوغلی شخصیت کا راز اس کے سامنے آشکارا کیا تھا۔ اس نے اسے بری طرح توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا تھا اور اس نے بہت بددل ہو کر کبیدگی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ ملک کو ترقی و کامرانی کی شاہراہ پر گامزن رکھنے کے لئے سیاست ہی واحد ذریعہ نہیں ہے' ہم اچھے اور نیک کام کر کے، صنعتیں لگا کر' کارخانے' ملز اور دوسرے معاشی استحکام کو فروغ دے کر بھی ملک کی خدمت کر سکتے ہیں۔ ملک سے بے روزگاری و غربت ختم ہو گی' جرائم و فسادات بھی ختم ہو جائیں گے۔ اس نے سوچ لیا تھا' اب بالکل سنجیدگی سے بزنس پر توجہ دے گا اور اپنے ہی ملک میں تمام فیکٹریز اور ملز لگوائے گا تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ روزگار ملے اور پاکستان خوشحال سے خوشحال تر ہوتا چلا جائے۔ دیے سے دیا جلتا چلا جائے۔

گھر میں آج سے اس کی شادی کے ہنگامے شروع ہو چکے تھے مگر اس کے اندر جیسے ہر جذبہ' ولولہ' امنگ و ارمان سرد ہو گئے تھے۔ یکے بعد دیگرے حادثات نے اس کی شگفتہ مزاجی گم کر دی تھی۔ لائبہ کی طرف سے دل میں اب بھی یہ کسک موجود تھی کہ وہ اس سے طلاق لینے پر رضامند تھی۔

انٹرکام پر اس نے عبدل کو چائے لانے کا کہہ کر ریسیور رکھا ہی تھا کہ دروازہ باہر سے بجایا گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے یلو گرین خوبصورت ساڑی میں ملبوس نزہت کھڑی تھیں۔

''آیئے پھوپو جان۔'' اس نے ان کے لائٹ میک اپ سے چمکتے باوقار چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''کہاں غائب تھے۔ گھر میں شادی کا ہنگامہ مچا ہوا ہے اور تم ایسے بیگانہ و لاتعلق بنے ہوئے ہو' جیسے تمہارے پڑوس میں شادی ہو رہی ہو۔'' وہ اپنی فطرتاً بے تکلفی سے مخاطب ہوئیں۔

''آپ کا خیال ہے' میں سر پر ڈھول رکھ کر ناچوں شادی کی خوشی میں۔'' مبہم سی مسکراہٹ نے ہونٹوں کو چھوا۔

''اگر ایسا کر بھی گزرو گے تو کوئی تعجب خیز بات نہ ہو گی۔ جس طرح ذہنی و جسمانی تکالیف سہنے کے بعد تمہیں یہ دن دیکھنے کو مل رہا ہے' یہ ایک معجزہ ہی تو ہے۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

''یہ دن دیکھنے کی خواہش نہیں رہی ہے اب اس دل میں۔'' وہ ان کے نزدیک بیٹھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب' یہ کیا بات ہوئی۔ جس لڑکی کو پانے کے لئے تم چٹانوں سے ٹکرا گئے تھے' اب وہ تمہاری پناہ میں آ رہی ہے تو اتنے پژمردہ' بے زار اور اکھڑے اکھڑے کیوں ہو۔''

''سب وقت وقت کی بات ہوتی ہے پھوپو جان۔ اس نے میری محبت کو نہیں سمجھا' بہت آسانی سے مجھ سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہو گئی۔ اگر وہ میرے معاملے میں فیئر ہوتی تو مر کر بھی ایسا نہ چاہتی' یہ میری ثابت قدمی تھی جو وہ آج میرے نام سے منسلک ہو کر میرے گھر میں آ رہی ہے۔''

''پھر یہ سب کیا ہے۔ کس کو دھوکا دے رہے ہو۔ منع کر دو' کیوں زندگی برباد کرتے ہو اپنی اور اس کی۔''

''ہار جانا' پیچھے ہٹ جانا' میری فطرت نہیں ہے۔ میری ملکیت ہمیشہ میری رہتی ہے۔''

''لیکن اس طرح بدگمان دل کے ساتھ کیا دو گے تم اسے۔'' وہ از حد برافروختہ تھیں۔

''محبت کے علاوہ وہ سب کچھ جو دستور دنیا ہے۔'' وہ جاندار مسکراہٹ سے بولا۔

''بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے بالکل بھی۔ وہ لڑکی بہت معصوم ہے' بہت کیوٹ' بہت سادہ طبیعت کی۔ کل میں اور نگہت گئے تھے اس سے ملنے۔ دیوانے ہو گئے ہیں اس کے ہم۔''

''اس معصوم کا کام یہی ہے۔ دیوانہ بنا کر چھوڑ دینا۔'' اس کے لہجے میں طنز کی تپش تھی۔

''وہ اس قدر بیوٹی فل ہے کہ تمہارے سامنے آئے گی تو سب ناراضگی بھول جاؤ گے۔'' وہ شرارت سے مسکرائیں۔

''اتنی آسانی سے مات کھانے والے نہیں ہیں ہم۔'' وہ گردن اکڑا کر مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔

❖ ❖ ❖

متھے دے چمکن وال میرے بنڑے دے
متھے دے چمکن وال میرے بنڑے دے
لاؤنی لاؤ اینوں شگناں دی مہندی
مہندی کرے ہتھ لال میرے بنڑے دے
متھے دے چمکن وال

ہال روم میں کارپٹ پر گویا آکاش سے پریاں اتر آئی تھیں۔ چمکتی' دمکتی رنگ و بو میں لپٹی لہک چہک گاتی ہوئی لڑکیوں اور خواتین کی آواز ڈھولک اور ڈفلی و تالیوں سے گونج رہی تھی۔ گانے کے درمیان چھیڑ چھاڑ میں نقرئی قہقہے بھی گونج اٹھتے تھے۔ نزہت بیگم کی بہو رخسانہ درمیان میں بیٹھی ڈھولک بجا رہی تھیں۔ سب سے بلند آواز انہی کی تھی۔ وہ بہت بڑھ چڑھ کر اُسامہ کی شادی میں حصہ لے رہی تھیں۔

''رخسانہ ناچنا آتا ہے یا صرف گانے ہی سناؤ گی۔'' فوزیہ بیگم بولیں۔

''ممانی ناچنا تو مجھے ایسا آتا ہے کہ آپ واہ واہ کر اٹھیں گی۔'' وہ پرجوش انداز میں بولی۔

''جی ہاں' امراؤ جان ادا انہی کی شاگردی تو رہی تھی۔'' اندر آتا ہوا ولید مسکراتے ہوئے بولا۔

''سوچ سمجھ کر بولا کرو ولید۔ ہماری بہو معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔'' اماں جان اسے سرزنش کرتی ہوئی بولیں۔ وہ صوفے پر براجمان تھیں۔

''میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جو عورت ناچنا جانتی ہے' وہ بآسانی شوہر کو بھی اپنے اشاروں پر نچاتی ہے۔'' ولید مسمسی صورت بنا کر بولا تو وہاں بے اختیار قہقہہ پڑا تھا۔ رخسانہ اسے بری طرح گھور کر رہ گئی۔

دیباں ندا راجہ میرے بابل دا پیارا
امڑی دے دل دا سہارا دے
ویر میرا گھوڑی چڑھیا
گھوڑی چڑھے آنی ویر میرا گھوڑی چڑھا

دیباں ندا راجہ

''پلیز' پلیز لیڈیز خاموش پلیز' پہلے ہمیں ویرے یعنی اُسامہ بھائی سے معلوم تو کر لینے دو کہ وہ گھوڑی چڑھنا پسند بھی کریں گے کہ نہیں۔'' فیاض کی ایکٹنگ زدہ مداخلت پر محفل زعفران زار ہو گئی۔

ہاتھ میں زرد رومال بنی کا بنڑا
ابٹن بھجورے ہریالے بنے ابٹن بھجورے

ابٹن کی خوشبو سنبھال بنی کا بنڈرا
ہاتھ میں زرد رومال

''بھابی! آپ کس دور کی بات کر رہی ہیں؟ ہریالے بنے اب کہاں دستیاب ہوسکتے ہیں جن سے ابٹن بھیجنے کی فرمائش کر رہی ہیں۔'' ولید سے چھوٹے شہزاد نے درمیان سے اس کا جملہ پکڑ لیا تھا۔ ریاض اور ولید کے ساتھ لڑکیوں کی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔ رخسانہ ڈھولک چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں' بطور احتجاج۔

''کیا ہوا بہو کیوں ڈھول چھوڑ دیا۔'' نزہت جو اندر داخل ہو رہی تھیں' انہیں دیکھ کر بولیں۔

''یہ لوگ کوئی بھی گیت گانے نہیں دے رہے' سب ادھورے چھوڑنے پڑ رہے ہیں۔''

''یوں کہیں نا آپ کو پورے آتے ہی کب ہیں۔'' فیاض بھلا چوکنے والا تھا۔

''بہت وقت ہو رہا ہے' پہلے رسم کر لی جائے پھر ادھم مچاتی رہنا تم لوگ۔'' اماں جان نے وقت دیکھتے ہوئے رسم کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ پھر سب کو ہی وقت گزرنے کا احساس ہونے لگا۔

لائبہ کو چھ روز قبل مایوں بٹھا دیا گیا تھا۔ اماں جان کی خواہش اُسامہ کو بھی پہلے مایوں بٹھانے کی تھی مگر وہ مان نہیں رہا تھا اور انہوں نے بھی یہ سوچ کر زور نہیں دیا کہ لڑکے بھلا لڑکیوں کی طرح گھر میں تو گھس کر نہیں بیٹھ سکتے اور وہ تو ویسے بھی بے چین روح تھا۔ آج بھی مشکلوں سے راضی ہوا تھا۔ انہوں نے یہی غنیمت جانا تھا۔ روحیل صاحب کے ہاں سے عائشہ اور عظمت رسم میں آئی تھیں جب کہ زینی لائبہ کے پاس رک گئی تھی۔

سرخ جھلملاتے دوپٹے تلے جس کے چاروں کونے دونوں پھوپوؤں اور رخسانہ' ماریہ نے پکڑ رکھے تھے۔ وہائٹ کاٹن کی شلوار میرون کرتے اور ہاف کوٹ میں ملبوس اُسامہ فوزیہ بیگم اور کوثر بیگم کے ہمراہ چلا آ رہا تھا۔ پیروں میں زری کے کام کے کھسے تھے۔ اس کے سرخ و سپید چہرے پر وجاہت و تازگی تھی۔ مووی کیمروں کی روشنیوں سے دن کا سماں لگ رہا تھا۔ وہ درمیان میں رکھے سجے سجائے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز میں بہت سنجیدگی و خاموشی تھی۔ اماں جان نے حسب دستور صدقے و خیرات کی اشیاء اور روپے اس پر سے وار کر غریبوں میں تقسیم کروائے تھے پھر بسم اللہ پڑھ کر رسم ادا کرنے کا اشارہ کیا تھا۔

تمام رشتے کی بہنوں' بھاوجوں' چچی' تائی' ممانیوں نے اسے مٹھائی کھلائی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد جا کر رسم اختتام پذیر ہوئی تھی اور وہ ان سے جان چھڑا کر کمرے میں آ کر باتھ روم میں بند ہو گیا تھا۔

✦ ✦ ✦

پیلے غرارہ سوٹ پر پیلے بڑے سارے کرن لگے دوپٹے میں اس کا شاداب و کومل چہرہ سوگوار حسن کی تابانیوں سے فسوں خیز تھا۔ بڑے کمرے کے ایک کونے میں قالین پر وہ فوم کی گدیوں اور تکیوں کے سہارے لیٹی ہوئی تھی۔ بہت خوبصورتی سے اس حصے کو سجایا گیا تھا۔ عارضی طور پر سرخ پردہ بھی پڑا ہوا تھا۔ آج چھٹا دن تھا' اسے پیلے جوڑے میں ملبوس اس کونے میں مقید ہوئے۔ اماں جان دو دن تک اس کے پاس رہی تھیں' بہت محبت و خلوص کے ساتھ۔ دونوں پھوپیوں سے بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی' وہ اس قدر خلوص و اپنائیت سے ملی تھیں کہ محسوس ہی نہیں ہوا' پہلی مرتبہ مل رہی ہیں۔ ان کے حسن اخلاق کی وہ گرویدہ ہو گئی تھی اور فوزیہ بیگم کا تو بس نہ چل رہا تھا کہ ابھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہ بار بار اسے گلے لگا کر چومتی تھیں۔ مسرت اور پسندیدگی کا بے پایاں اظہار ان کے ممتا بھرے لمس سے ہوتا تھا۔ ان کی محبت کا احساس اسے یہ ادراک دے گیا تھا کہ آئندہ وقت میں وہ ممتا بھری بے لوث و بے غرض آغوش میں رہے گی۔ ان کے وجود سے ماں کی مہک آتی تھی۔

''لائبہ کیا سوچ رہی ہو۔ چائے لو۔'' زینی نے چائے کا مگ اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

''آپ نے کیوں بھابی زحمت کی۔'' اس نے مگ لیتے ہوئے سادہ لہجے میں کہا۔

''غیروں جیسی باتیں مت کرو ڈیئر۔'' زینی خوش دلی سے اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

''کتنا سناٹا محسوس ہو رہا ہے گھر میں' شور و غل کتنی جلدی جگہ بنا لیتے ہیں' دراصل ایک ہی خاندان کے دو گھرانوں میں آپس میں شادیاں ہوں تو مہمان بٹ جاتے ہیں۔ اتوار سے یہاں مایوں کا ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ آج اُسامہ بھائی کی شامت ہے۔'' زینی ہنستے ہوئے محو گفتگو تھی' جبکہ اُسامہ کے نام پر اس کا دل نئے انداز میں دھڑکا تھا۔ دھڑکن البیلی تھی' نئے جذبوں' نئے احساسات' نئے محسوسات سے روشناس کرواتی ہوئی وہ اس دھڑکن کو کوئی نام نہ دے سکی۔

''لائبہ خاموش کیوں ہو۔ کیا مجھ سے ناراض ہو۔ میں نے زیادتیاں بھی تو بہت کی ہیں' تمہارے ساتھ مگر ان دنوں مجھ پر عجیب سی کیفیت سوار تھی میں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں بھابی جو کچھ ہوا' نادانی میں ہوا' آپ مجھے شرمندہ نہ کریں' میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔'' وہ نرمی سے بولی تو زینی نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''بھابی! میں ڈیڈی سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اس نے آس بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ اپنی روایت ہے' مایوں والے دن سے لڑکی رخصتی والے دن تک تمام مردوں سے پردہ کرتی ہے جن میں باپ اور بھائی بھی شامل ہوتے ہیں۔'' اس نے رسانیت سے سمجھایا۔

''یہ فرسودہ روایات نہیں کہ باپ بھائی سے پردہ' پلیز اس وقت گھر میں کوئی نہیں ہے۔''

''اچھا چلو جلدی آنا' چچی اور بھابی کے ساتھ مہمان واپس آ جائیں گے۔'' وہ غرارہ بمشکل سنبھالتی اس کے ساتھ کمرے سے نکلی تھی۔ دالان' لاؤنج کمروں میں مہمانوں کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ شادی کے گھروں میں افراتفری ملازماؤں کی بڑی تعداد کے باوجود پھیلی ہوئی تھی۔

وہ دونوں ہاتھوں سے غرارہ سنبھالتی ہوئی ان کے کمرے تک آئی تھی دروازہ بند نہ تھا' پردہ بھی کھسکا ہوا تھا۔ سامنے بیڈ پر وہ نیم دراز تھے۔ سوچوں میں گم' اردگرد سے بے نیاز' بہت دل گرفتہ ملول' از حد اداسی کی کیفیت ان پر طاری تھی۔ لائبہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ جدائی کے احساس سے پارہ پارہ ہوتے دل کی سسکیاں اس کی زبان تک بڑھنے لگیں۔ آہٹ اور حنا کی خوشبو ہوا کے جھونکے کے ساتھ ان کی طرف بڑھی تو انہوں نے بے اختیار چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ سامنے خاموشی سے آنسو بہاتی لائبہ کو دیکھ کر وہ حیرانی سے کھڑے ہو گئے تھے۔

''ڈیڈی۔'' وہ بھاگتی ہوئی ان کی طرف بڑھی۔ آنسوؤں سے اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

''لائبہ کیا ہوا میری بیٹی؟'' اس کے روتے سسکتے وجود کو سینے سے لگاتے ہوئے وہ بولے۔

''ڈیڈی...... ہمارے درمیان...... فاصلے صرف اتنی مختصر مدت کے لئے ختم ہوئے تھے۔''

''ہمارے درمیان فاصلے کبھی نہیں رہے تھے میری جان' آپ ہمیشہ میرے دل میں رہیں جو دل میں رہتے ہیں' وہ آنکھوں سے بھی اوجھل ہو کے دل سے اوجھل نہیں ہوتے۔ آپ مجھ سے دور نہیں جا رہی ہیں۔ میں سرخرو ہو گیا ہوں' ایک بوجھ سے آزاد ہو گیا ہوں' آپ کی جھولی میں خوشیاں بھر کر۔ فاطمہ کی روح بھی بیٹی کو خوش دیکھ کر پرسکون ہو گئی ہو گی۔ اس کی آخری خواہش یہی تھی کہ اس کے جیسی محرومیاں اس کی بیٹی کو نہ ملیں۔ آپ خوش ہو نا بیٹی؟'' انہوں نے اس کے آنسو صاف کئے۔

''یہ خوش کیوں نہ ہوں گی۔ بہت ساری خصوصیات کے علاوہ بہت زبردست ایکٹر بھی ہیں' ان کے شوہر نامدار' انہوں نے سب لوگوں کو کس قدر بے وقوف بنایا ہوا ہے۔'' شمیر اندر آتے ہوئے شوخی سے کہہ اٹھا۔

''ان کے ساتھ آپ بھی شریک تھے۔ کبھی بتایا بھی نہیں کہ وہ اندھے پن کی ایکٹنگ کر رہے ہیں۔'' زینی اندر آتے ہوئے مسکرا کر شمیر کو چھیڑنے لگی۔

✦ ✦ ✦

زرق برق کپڑوں میں ملبوس لڑکیاں مہندی کا سامان پھیلائے سجانے میں لگی ہوئی تھیں۔ ڈیک فل آواز میں شور پھیلا رہا تھا۔ ساتھ ہی مہمانوں کی باتوں کی آوازیں' قہقہے ملازموں کی چکر پھیریاں گھر گویا شور اور ہنگاموں میں گم ہو کر رہ گیا تھا۔ رہی سہی کسر میوزک پر ڈانڈیوں کی پریکٹس کرتی لڑکیوں نے پوری کر دی تھی جو کام سے زیادہ قہقہے لگا رہی تھیں۔

''عبدل! تمہارے صاحب کی تو شادی ہو رہی ہے' ان کے وہ کام تو اب ان کی بیگم کیا کریں گی جو تمہاری ذمے داری تھے' تم اب عیش کرنا۔'' نزہت عبدل سے مخاطب ہوئیں۔

''مجھے تو بہت خوشی ہے صاحب کی شادی کی۔ بہت ارمان تھا' صاحب کو دولہا بنے دیکھنے کا۔ سلونے سلونے عبدل کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔ جب سے اس نے شادی کا سنا تھا' بہت مسرور تھا۔

''عبدل میری زندگی کا لازمی جزو ہو گیا ہے پھوپو جان' میں نے اسے فرم میں ملازمت دے دی ہے۔ اب یہ گھر میں نہیں فرم میں کام کرے گا۔'' اُسامہ چائے پیتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''دیکھا' کتنی ہوشیاری سے تمہیں انہوں نے اپنے اور بیگم کے درمیان سے نکالا ہے۔'' فیاض مسکراتے ہوئے عبدل سے بولا تو وہ بھی مسکراتا ہوا چلا گیا۔

''وقت دیکھو' کیسے تیزی سے بھاگ رہا ہے' جیسے اس کی بریکیں فیل ہو گئی ہوں۔'' نزہت ہاتھوں میں مہندی لگاتے ہوئے بولیں۔

''اُسامہ سے پوچھیں' مجھ سے کہہ رہا تھا' وقت کو نہ معلوم کیا ہو گیا ہے آگے بڑھ ہی نہیں رہا' ایسا لگ رہا ہے جیسے جمعہ صدیوں بعد آئے گا۔'' ریاض شرارت سے اُسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو وہ سب ہنس پڑے۔ اُسامہ بھی اسے گھورتے ہوئے دھیرے سے مسکرا یا تھا۔

''بس بس رہنے دو' آپ کی طرح بے صبر اور جلد باز نہیں ہے اُسامہ۔ اپنی بتاؤ نا' شادی والے دن کیسے تمام گھڑیوں کا ٹائم آگے بڑھا دیا تھا۔ وہ تو تمہارے پھوپا نے کسی طرح اپنی رسٹ واچ سنبھال لی تھی۔ ان کے ٹائم بتانے پر معلوم ہوا کہ بارات لے جانے میں ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔ یہ بھید تو فیاض نے بعد میں کھولا کہ ٹائم تم نے آگے بڑھا دیا تھا۔'' نزہت بیگم کے اس انکشاف پر بھرپور قہقہے پڑے تھے۔ ریاض شرمندہ سا مسکرا دیا تھا۔

''اُسامہ کی دانشمندی کو داد دینی پڑے گی' اتنا ہوشیار انسان ہے خاندان کے سب سے لاجواب پیس کو خاندان میں آنے سے پہلے ہی منتخب کر کے اپنے نام کی مہر لگا دی۔'' ولید کی مصنوعی آہ قہقہے بکھیر گئی۔ اُسامہ کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''شرم کریں کچھ' لائبہ آپ کی بھابی اور اُسامہ بھائی کی بیوی ہے۔'' رخسانہ بھڑک کر بولیں۔

''کیا کریں فطرت سے مجبور ہیں ہم مرد' ہمیں بچے اپنے اور بیویاں دوسروں کی اچھی لگتی ہیں۔'' ولید کی بے چارگی پر بھرپور قہقہہ لگا تھا۔ رخسانہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔

''ولید زیادہ مت پھیلو' بھائی تمہیں واپس گھر بھی جانا ہے۔'' ریاض ہنستے ہوئے بولا۔

✦ ✦ ✦

''ماشاء اللہ بری اتنی شاندار ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں۔ لگتا ہے فوزیہ نے بازار کے بازار خالی کر ڈالے ہیں۔'' ایک مہمان خاتون بری دیکھ کر آئی تھیں اور جب سے ان کے لبوں پر یہی قصیدے جاری تھے۔ دوسری خواتین بھی تائید کر رہی تھیں۔

''ہیروں میں تول دیا ہے بہو کو۔ اسد میاں بہت خوش ہیں اکلوتے بیٹے کی شادی پر۔''

''بہو بھی تو چودھویں کا چاند ہے اور پھر بیٹے کی پسند بھی۔'' دوسری خاتون نے باتوں میں حصہ لیا۔ عظمت بیگم ان کے درمیان آ کر بیٹھیں تو موضوع بدل دیا تھا' ان خواتین نے۔

زینی کچن میں آ کر شام کی چائے کے لئے بوا کو ہدایت دینے لگی' اسی دم ارشد کچن میں چلا آیا۔

''ایک کپ گرم چائے مل سکتی ہے۔'' اس کی مسکراتی نگاہیں زینی کے چہرے پر تھیں جس نے اسے اندر آتے دیکھ کر رخ بدل لیا تھا اور ایک عرصے بعد اسے اس کی یہ

ناراض ادا بہت بھائی تھی۔

''ہاں چھوٹے صاحب' ابھی سب کے لئے بنا رہی ہوں' آپ کو بھی ضرور دوں گی۔'' بوا نے کہا۔

''ہمیں تو اسپیشل چائے چاہئے' چاہ کے ساتھ۔'' اس نے معنی خیزی سے فیروزی خوبصورت کڑھائی والے ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں ملبوس کندن کی طرح دمکتے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ماں بننے کی چھب اس کے بھرے بھرے سراپے سے عیاں تھی۔ ممتا کے چھلکتے رنگوں نے اس کی شخصیت کو بہت حسین و پاکیزہ روپ دیا تھا۔

''چائے یہاں مالکوں سے ملازمین تک کے لئے اسپیشل بنتی ہے۔'' زینی نے رخ موڑے موڑے جواب دیا۔

''بوا آپ ممی کی بات سن کر آئیں' وہ بلا رہی تھیں آپ کو۔'' بوا فوراً وہاں سے چلی گئی تھیں۔

''گھریلو چاہ کی بات نہیں کر رہا میں' اسپیشل چاہ کی بات کر رہا ہوں' جو ایک بیوی اپنے شوہر کو دیتی ہے۔'' بوا کے جانے کے بعد وہ شانوں سے پکڑ کر اسے اپنی طرف کرتے ہوئے بولا۔

''آپ کو بیوی والی چاہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' وہ پھولے منہ کے ساتھ بولی۔

''چھوڑو یار' ناراضگی جو ہوا' بھول جاؤ' آئی ایم سوری۔'' وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔

''سوری! یہ ایک چھوٹا سا لفظ بول کر لوگ سمجھتے ہیں' بڑے بڑے دکھوں' گہرے گہرے زخموں اور بڑی بڑی زیادتیوں کی تلافی ہو جاتی ہے۔'' وہ بے آواز رو پڑی۔

''پلیز' پلیز' روئیں نہیں۔ یہ چھوٹا سا لفظ دل کی گہرائیوں سے بولا جاتا ہے' اس لئے اس کی کوئی پیمائش کوئی پیمانہ نہیں ہوتا اور پھر پشیمان آدمی کو مزید خوار کرنا ناراضگی میں شمار نہیں ہوتا۔''

''بہت ستایا ہے ارشد آپ نے مجھے۔'' وہ عورت تھی' جلد زیادتیاں بھلانے لگی۔

''اب چاہوں گا بھی بہت زیادہ۔'' اسے قریب کرتے ہوئے وہ خمار آلود لہجے میں بولا۔

''واہ واہ کیا پوز ہے۔'' اسی لمحے اندر آتے شمیر نے کیمرے کا بٹن آن کر دیا تھا۔ کھٹاک سے روشنی کا جھماکا ہوا تھا۔ زینی بوکھلا کر اس سے دور ہٹی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' ارشد مسکراہٹ ہونٹوں تلے دباتا ہوا اس سے مصنوعی غصے سے مخاطب ہوا۔

''آئی ڈونٹ نو' میں تو یہاں چائے کی تلاش میں آیا تھا مگر یہاں تو چاہت بن رہی تھی۔''

''شرافت سے کیمرا مجھے دو۔'' ارشد اس کی جانب بڑھا۔

''نہیں' یہ تصویر تو اب سب لوگوں کو دکھائی جائے گی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو' دو روٹھے ہوئے کس طرح ملتے ہیں۔'' شمیر کہتا ہوا باہر بھاگا اور ارشد اسے پکڑنے کے لئے' زینی کے گلرنگ چہرے پر اطمینان کی پرچھائیاں تھیں۔

◆ ◆ ◆

شیرٹن کا خوبصورت وسیع و عریض ہال روشنیوں' رنگوں اور خوشبوؤں سے مہک اٹھا تھا۔ لوگوں کا سمندر وہاں گویا موجزن تھا۔ ملک کے معزز طبقوں سے تعلق رکھنے والے چہروں کے علاوہ دوسرے شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے بہت سارے لوگ بھی وہاں کولڈ ڈرنکس کے علاوہ دیگر لوازمات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ براؤن تھری پیس سوٹ میں ملبوس اسد صاحب بہت مسرور سے مہمانوں سے علیک سلیک کر رہے تھے۔ گولڈن سلک کی جھلملاتی ساڑی میں ملبوس ڈائمنڈ کے نیکلس سیٹ پہنے نفاست سے کئے گئے میک اپ میں فوزیہ بیگم ہاتھ میں پرس تھامے بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں۔ چہرے پر مسرتوں سے لبریز مسکراہٹ تھی۔ وہ آج اپنی بہو کو لے جانے آئی تھیں' برسوں کی خواہش پوری ہو رہی تھی' خوشی سے ان کو نہال تو ہونا ہی تھا۔ آج ملک فیملی کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی اور فاخرانہ ملبوس' حسن و رنگ کی فضا ہر سو چھائی ہوئی تھی۔ آج چہیتے پوتے کی شادی پر اماں جان نے اپنے مخصوص وہائٹ لباس کے بجائے لائٹ آسمانی سلک کا کرتا شلوار پہنا تھا۔ جس کے دوپٹے اور کرتے پر شیشوں کی دیدہ زیب اور ہلکی کڑھائی تھی' دونوں ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں تھیں۔ کانوں میں کندن کے چھوٹے بندے اور گلے میں چمپا کلی پہن رکھی تھی' وہ سب سے منفرد اور باوقار لگ رہی تھیں۔ سب نے ہی انہیں بہت سراہا تھا۔ اُسامہ تو دل سے ان کی محبت کا قائل ہو گیا تھا۔

''روحیل' عظمت بیٹا اب رخصتی کی تیاری کرو' نکاح کا مسئلہ تو تھا ہی نہیں' جو اتنا وقت لگتا۔ بارہ بج رہے ہیں' دور سے آنے والے مہمانوں کو جانے میں پریشانی ہو گی۔'' اماں جان ان کے قریب آ کر بولیں۔ روحیل صاحب بہت افسردہ تھے۔ ان دنوں انہیں فاطمہ کی یاد شدت سے جکڑے ہوئے تھی۔

''جی بہتر اماں جان۔'' عظمت بیگم اندر کی جانب بڑھ گئیں تاکہ سلامی کی رسم کے بعد رخصتی کریں۔

اسٹیج پر وہائٹ شلوار پر راؤ سلک کے کولڈن کرتے پر گولڈن کڑھائی والی واسکٹ میں ملبوس گلے میں ڈھیروں گلاب و موتیا کے ہار ڈالے حیدر اور نادر کے درمیان وہ بہت شاہانہ انداز میں بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر خوبصورت رنگ بکھرے ہوئے تھے' براؤن گھنی مونچھوں تلے اس کے سرخی مائل لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ جیت کا نشہ خود کو منوانے کا اعزاز ذات میں ایک تفاخر پیدا کر دیتا ہے۔

''دل تو کر رہا ہے' کاش یونیورسٹی کے ان لمحوں کی فلم بنائی جاتی جو تم دونوں ایک دوسرے پر اپنا اپنا رعب جمانے کے لئے صرف کیا کرتے تھے۔'' حیدر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں تو پہلے ہی کہتا تھا' یہ دونوں جتنی شدت سے ایک دوسرے کے خلاف رہتے ہیں' اتنی ہی شدت سے ایک بھی ہو جائیں گے' دیکھ لو آج میری بات پوری ہوئی نا۔'' نادر نے فخریہ کہا۔

''ایک ہو جانے والی بات ٹھیک ہے مگر یار دو سے تین اور تین سے چار ہونے والی بات ذرا ہٹ ہو تو اچھی ہے۔'' ریاض نے کچھ اس بے ساختگی سے کہا کہ وہ بے اختیار قہقہے لگا بیٹھے تھے۔

سرخ شرارہ سوٹ پر کورے اور جھلملاتے نگوں کی بھرائی کا کام لشکارے مار رہا تھا' بھاری زیورات میک اپ میں اس پر نگاہ ٹھہر ٹھہر جا رہی تھی۔ وہ ہمیشہ سادہ رہتی تھی' آج زندگی میں پہلی بار اس قدر سجائی سنواری گئی تھی کہ ہر نگاہ مبہوت ہو کر رہ جاتی تھی۔ اس پر غضب کا روپ چڑھا تھا۔ اماں جان کے حکم پر اس کے زرتار دوپٹے کا لمبا گھونگٹ نکالا گیا تھا۔ رشتے دار خواتین اور لڑکیوں نے اسٹیج کو گھیر رکھا تھا۔ ماریہ اور زینی صوفے پر اس کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ مووی کیمروں کی روشنیاں وہاں پھیلی ہوئی تھیں۔ شمیر' فیاض' شہزاد کیمروں سے فوٹو بھی لے رہے تھے۔ بھاری بھرکم زیورات' سوٹ اور لمبا گھونگٹ' مستزاد اس پر کیمروں کی فلش لائٹس' اس کی طبیعت بری طرح گھبرانے لگی۔ بخار اسے اچانک رات سے ہو گیا تھا' گھر والوں سے بچھڑ جانے کا دکھ مستزاد اس پر اس کٹھور اور ہٹ دھرم انسان کا خوف متوحش کر رہا تھا کہ وہ کیا سلوک کرے گا۔ اب تو وہ مکمل طور پر اس کی دسترس میں ہو گی۔ گھر پر چند روز گزار کر وہ گیا تھا اور اسے مکمل طور پر اگنور کر کے۔ بے انتہا محبت کا اظہار کرنے والا جس کی نگاہوں میں اس کا عکس لہراتا تھا' اب تو صرف وہاں غصے کے شعلے دہکتے دکھائی دیتے تھے۔ اسے یقین تھا' وہ اسے خوش آمدید ہرگز نہیں کہے گا۔

اسی دم شمیر کی آواز آئی تھی نزدیک سے اس نے بمشکل خود کو سنبھالا حواس تو پہلے ہی گم ہو رہے تھے۔ ''ماشاء اللہ بہت کیوٹ لگ رہی ہیں۔'' گھونگٹ اٹھا کر چہرہ دیکھنے والی یہ ڈاکٹر کنول تھی اور ساتھ اس کے شائلہ تھی' اسے بھی لائبہ بے حد پسند آئی تھی۔ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر وہ اٹھ گئی تھیں۔

''چاند سورج کی جوڑی لگ رہی ہے۔ بہت ہینڈسم اور اسمارٹ ہیں آپ کے دلہا بھائی بھی۔''

''آپ کو کیسی لگی ہماری بہن؟'' شمیر شوخ لہجے میں شائلہ سے مخاطب ہوا۔

''اتنے حسین دلہا دلہن میں نے پہلی مرتبہ دیکھے ہیں۔'' شائلہ سادگی سے گویا ہوئی۔

''شمیر' مجھے شائلہ نے بتایا تھا' بہت ڈرامائی انداز میں آپ دونوں کی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔'' کنول معنی خیز لہجے میں دونوں کی طرف دیکھ کر بولی۔ اسی دم فیاض بھی ان کے قریب چلا آیا تھا۔

''جی ہاں۔'' ''اسپتال میں' میں نے انہیں دیکھا تھا تو مجھے محسوس ہوا تھا کہ کہیں دیکھا ہے پھر بعد میں یاد آیا' پہلی مرتبہ انہوں نے میری کار کے نیچے آ کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی پھر اس کے بعد بھی اتفاق ایسے ہی ہوئے تھے۔ جب مجھے یاد آیا تو آپ نے بتایا' یہ ٹھیک ہو گئی ہیں اور اپنی بہن سے ملنے لاہور گئی ہوئی ہیں۔ جلد واپس آ جائیں گی۔'' شمیر کی نگاہیں دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''ممی کے ساتھ انہوں نے چائلڈ ہوم جوائن کر لیا ہے۔ ان کے بھائی ایک سال بعد رہا ہو جائیں گے۔ جب تک یہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گی۔'' بلیک سوٹ میں دلکش لگتی شائلہ کو دیکھتے ہوئے وہ بولی۔

''آپ کو خودکشی کرنے کا شوق اب بھی ہے۔'' فیاض بہت سنجیدگی سے شائلہ سے بولا۔

''جی اب۔ اب تو نہیں ہے۔'' وہ کافی نروس ہو رہی تھی۔

''جس شخص نے آپ کو پسند کیا ہے نا' اس کے ساتھ زندگی گزارنا خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔'' فیاض شمیر کی طرف اشارہ کر کے بولا تو کنول کے ساتھ شمیر بھی ہنس پڑا تھا۔

رخصتی سے قبل سرخ لشکارے مارتے شرارہ سوٹ میں ملبوس مہکتے وجود کے برابر میں اُسامہ کو بٹھایا گیا تو کئی فلش لائٹیں ایک ساتھ چمک اٹھی تھیں اور ساتھ ہی شوخ فقرے بھی اچھالے گئے تھے۔ وہ نارمل انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ تمام بزرگ قریب موجود تھے' وہ کافی با ادب اور محتاط انداز میں بیٹھا تھا۔ اماں جان نے کچھ رسمیں کرنی تھیں' وہ ان میں مصروف ہو گئیں۔ ملازمین بڑے بڑے تھال اٹھائے نزدیک آ گئے تھے' جو خوبصورت خوان پوشوں سے ڈھکے ہوئے تھے' ان میں اناج' سکے اور دوسری اشیاء تھیں جو اماں ان دونوں پر سے اتار رہی تھیں۔ ان دونوں کے اردگرد ملازمین اور اماں جان تھیں۔ اس نے ترچھی نگاہ اس کے گھونگٹ پر ڈالی' اس کی منتشر سی سانسیں وہ بآسانی سے سن رہا تھا۔ وہ اس کے برابر میں اس روپ میں تھی جس روپ میں اس نے اسے دیکھنے کی تمنا بارہا کی تھی۔ وہ اس انداز میں بیٹھی تھی' اس کا دل ایک لمحے کو مسرت و شادمانی سے دھڑکا تھا۔ دل میں شدت سے خواہش جاگی کہ ابھی اسی لمحے ایک جھلک اس دلربا کی دیکھ لے جس کا پور پور آج اس کے لئے سجایا گیا ہے۔ اس کی فرمائش پر ہی عروسی جوڑے کا رنگ سرخ لیا گیا تھا اور اس کے کہنے پر اسے پارلر کے بجائے گھر پر ہی تیار کیا گیا تھا۔ لمحے بھر میں لڈتے جذبات سے مغلوب ہوا تو غیر محسوس طریقے سے اس کا بازو بڑی سرعت سے اس کے گرد حائل ہوا تھا۔ انداز ایسا تھا' جیسے وہ ہاتھ پھیلا کر ایزی طریقے سے بیٹھا ہو مگر ینگ جنریشن نے معنی خیز سیٹیاں تیزی سے بجانی شروع کر دیں۔ وہ اس کی حرکت دیکھ چکے تھے۔ وہ بھی ڈھیٹ بنا بیٹھا رہا۔ اس کا مضبوط بازو اس کی پشت سے مس ہو رہا تھا اور اسے اپنی دھڑکنوں پر قابو پانا محال تھا۔ اس کی قربت اور ملبوس سے اٹھتی گلاب و موتیا کی مہک کے ساتھ مکس اپ ہوتی پوائزن مہک اس کی سانسوں کو الجھانے لگی۔ عجیب سے احساس اس پر حاوی ہونے لگے تھے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اماں جان اور اسد صاحب نے رخصتی کی اجازت مانگی تھی۔

روحیل صاحب نے سینے سے لگا کر اسے دعائیں دی تھیں' وہ ازحد مغموم و رنجیدہ تھے۔ وہ بھی ان کے سینے سے لگی' سسکیاں بھر رہی تھی۔ بہت تھوڑے عرصے میں اس نے بہت ساری محبتیں سمیٹی تھیں' عمر کے ایک تشنہ دور کی تشنگی مٹ گئی تھی۔ نبیل نے بہت محبت سے لپٹا کر اسے دعائیں دی تھیں' عظمت بیگم اسے سینے سے لگاتی ہوئی روایتی ماں کی طرح رو پڑی تھیں۔ انہیں اس لمحے اس کے ساتھ کی گئی وہ خاموش زیادتیاں یاد آنے لگیں جو نفس کی خودسری کے باعث ان سے شروع میں سرزد ہوئی تھیں مگر اس نے صبر و برداشت کا مظاہرہ کر کے ان کا دل صاف کر دیا تھا اور اتنی جلدی وہ بابل کا گھر چھوڑ کر پیا دیس جا رہی تھی کہ ان کا دل کٹ رہا تھا۔

''لائبہ کسی غیر کے ہاں نہیں جا رہی ہے عظمت' دیکھنا' بیٹی سے زیادہ محبت دوں گی۔'' فوزیہ بیگم جو خود بھی آبدیدہ ہو گئی تھیں' انہیں تسلی دیتے ہوئے بولیں۔ زینی اور عائشہ

بھی بھیگی آنکھوں سے اس سے گلے ملی تھیں۔ پھوپیوں' چچی' تائی' تایا وغیرہ نے بھی رسم کے مطابق اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دی تھیں۔ ثمیر جو شوخ و شریر تھا لائبہ کو چھیڑنا اور تنگ کرنا اس کا مشغلہ تھا' دل وجان سے وہ اسے عزیز تھی۔ اس وقت اسے سینے سے لگاتے ہوئے باوجود ضبط کے اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔ لائبہ کی سسکیاں اسے بے اختیار کر گئی تھیں۔

سب سے آخر میں ارشد آیا تھا۔ اس کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے بڑی اپنائیت سے اسے لپٹایا تھا۔ ''لائبہ میری دعا ہے' تم ہمیشہ ہنستی مسکراتی مسرتیں سمیٹتی رہو دکھ تمہارے قریب سے بھی نہ گزریں۔'' اس نے بھیگے لہجے میں دعائیں دیں۔

وہائٹ پیلس میں دلہن کا سواگت پھول پتیاں نچھاور کر کے کیا گیا تھا۔ گیٹ میں دلہن کو داخل ہونے دینے سے پہلے نزہت' نگہت ان کے شوہروں اور ماریہ ریاض رخسانہ وغیرہ نے بھاری نیگ لئے تھے جو تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کے بعد اسد صاحب نے بڑے نوٹوں کی دو گڈیاں ان کی طرف بڑھا دی تھیں۔ جس کے بعد دلہا دلہن کو اندر آنے دیا گیا تھا۔

''بھائی جان' بہت خوش ہیں' بھولا کے۔ منہ دکھائی میں کیا دیں گے آپ۔'' نزہت اسد صاحب سے بولیں۔

''اب تو جو کچھ بھی ہے سب ہماری بیٹی کا ہے۔'' ان کے لہجے میں اپنائیت ہی اپنائیت تھی۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں اسد مگر پھر بھی رسم دنیا بھی تو کچھ ہوتی ہے۔'' نزہت مسکرا کر کہنے لگیں۔

اسد صاحب نے مسکراتے ہوئے کوٹ کی جیب سے جیولری کیس نکالا اور اس میں سے زرقون جڑے جھلمل کرتے کنگن نزہت کی طرف بڑھائے کہ وہ لائبہ کے ہاتھوں میں پہنا دے پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر وہ چلے گئے تھے۔

اُسامہ دوستوں میں الجھا ہوا تھا جو اسے تنگ کرنے کا پکا پروگرام بنائے ہوئے تھے۔ اماں جان روحیل کی کیفیت سمجھ رہی تھیں' ان کی دلجوئی کے خیال سے وہ آج وہیں رک گئیں کیونکہ ولیمہ پرسوں یعنی اتوار کی رات کو رکھا گیا تھا۔ اس لئے اطمینان سے وہ رک گئی تھیں کہ کل واپس آ جائیں گی۔

نہ معلوم کون کون سی رسموں کے بعد اسے اوپر سجے سجائے کمرے میں لایا گیا تھا۔ نیچے سرخ کارپٹ پر سیڑھیوں اور راہداری سے لے کر اندر کمرے کے وسط میں رکھے جہازی سائز بیڈ تک پھولوں کی حسین روش بنائی گئی تھی جس پر ماریہ اور رخسانہ کے سہارے چلتی ہوئی وہ بیڈ تک آئی تھی۔ کمرا گلاب کے پھولوں کی متاثر کن مہکار سے گلاب بنا ہوا تھا۔ بیڈ پر سرخ بیڈ شیٹ تھی اس پر بھی پھول بکھرے ہوئے تھے اور بیڈ کے چاروں اطراف بھی گلاب کے پھولوں کی لڑیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ ماریہ نے اس کے پاؤں سے سینڈل اتارے تھے۔ پھر دونوں نے مل کر اسے بیٹھنے میں مدد دی تھی۔ سوٹ بہت بھاری تھا۔ مستزاد اس پر زیورات کا بوجھ اس سے جنبش کرنا خود سے بھاری تھا۔

''ماشا اللہ بے شمار گلابوں کے درمیان بیٹھی سب سے حسین گلاب لگ رہی ہو۔'' ماریہ نے اس کے چہرے سے گھونگھٹ سرکا دیا تھا۔ وہ گردن جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ وہ دونوں اس کا میک اپ درست کرنے لگیں' ساتھ ساتھ اس سے چھیڑ چھاڑ بھی کر رہی تھیں مگر وہ وسوسوں میں گھری ہوئی تھی۔ ان کی معنی خیز باتوں کا نوٹس بھی نہ لے سکی تھی۔ اس کے اندر خوف کے سائے بڑھتے جا رہے تھے۔ آج وہ اس شخص کے بیڈروم میں موجود تھی جس کو اس نے ہمیشہ مایوس کیا تھا۔ اس کی محبت' اس کی چاہت' اس کی الفت سے لبریز نگاہوں کو بڑی بے دردی سے اگنور کرتی آئی تھی' آخر وہ گیم بری طرح ہاری تھی' وہ اب فاتح تھا'' اس کی حالت مفتوح قلعے جیسی تھی۔ اب نہ معلوم وہ اس پر اپنی فتح کا علم لہرائے گا یا اسے نفرت سے مسمار کر دے گا یا فراخدلی سے اسے اپنی سلطنت بنائے گا۔

''اتنی مشکل سے اُسامہ کو ریاض اور ولید کے چنگل سے چھڑا کر لائی ہوں' ورنہ وہ تو ساری رات بیت بازی کا پروگرام بنائے ہوئے تھے۔ آپ لوگ بھی کمرا خالی کریں اب۔'' نزہت پھوپو ہنستے ہوئے اندر داخل ہو کر ان دونوں سے مخاطب ہوئیں جو انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''اُسامہ بھائی کو تنگ کرنے کے لئے کہہ رہے ہوں گے۔'' ماریہ کھلکھلائی۔

''ہاں جانتی ہوں۔ سب اسے تنگ کرنے کے بہانے تھے۔ ادھر فیاض اور شہزاد کیمرے لئے مووی بنانے کو بے چین پھر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے ڈانٹ کر سمجھایا ہے کہ دلہن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' کل بنا لینا ابھی تو ولیمہ بھی باقی ہے۔ بڑی مشکلوں سے جا کر سمجھ میں آئی ہے۔'' ان دونوں کو جانے کا اشارہ کرتی ہوئی وہ لائبہ کے قریب بیٹھ گئیں۔

''پھوپو جان' مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اس نے کانپتے لہجے میں پہلی بار لب کشائی کی۔

''ہش' گھبراتے نہیں' شوہر ہے وہ تمہارا' مجھے معلوم ہے کہ وہ تم سے سخت ناراض و کبیدہ ہے' مرد جب ضد پر اتر آئے تو عورت یعنی بیوی کو اپنی انا کی قربانی دینی پڑتی ہے' جھکنا پڑتا ہے' میاں بیوی کے درمیان انا اور خودداری کی فصیل حائل ہو جائے تو پھر تا حیات فاصلے نہیں مٹتے' دوریاں مقدر بن کر روح کا آزار بن جاتی ہیں' وہ خود سر ہے' ضدی اور ہٹ دھرم ہے مگر پھر بھی مرد ہے اور عورت تو ایسا بارود ہے جو مضبوط چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے پھر تم جیسی حسین وطرحدار بیوی کے سامنے وہ کب تک چٹان بنا رہے گا۔ تم ہی پہل کر لینا' عزتِ نفس کو بھول جانا' آج کی تمہاری یہ اعلیٰ ظرفی ہمیشہ کے لئے اُسامہ کو تمہارا گرویدہ بنا دے گی۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات۔'' اسے ساکت و صامت سر جھکائے بیٹھا دیکھ کر انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔'' اس نے اثبات میں دھیرے سے گردن ہلا کے کہا۔

پھوپو جان جا چکی تھیں' اس کی ناہموار سوچوں کی راہ ہموار ہو چکی تھی۔ اس نے ذرا آرام سے قریب رکھے گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائی' گردن جھکائے جھکائے گردن کے علاوہ کمر بھی درد سے اکڑ گئی تھی۔ اس نے ذرا سا گھونگھٹ ہٹا کر کمرے کا جائزہ لیا جو بہت خوبصورت انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ قالین' پردوں' فرنیچرز' تصاویر حتیٰ کہ ڈیکور پیڈ پیسز بھی بلو کلرز میں ماورائی خواب ناک سکون آمیز رنگ و روشنی بکھیر رہے تھے۔ پھولوں سے کمرا گلشن لگ رہا تھا' چھت سے جھومر لٹک رہے تھے جن کی دودھیا جھملاہٹوں میں کمرا جگمگا رہا تھا۔ بہت معطر و سکوت بخش ماحول تھا۔ یکدم ہی دروازہ کھلا تھا۔ وہ بوکھلا کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ لمبا گھونگھٹ خود بخود ہی چہرے پر گر گیا تھا۔

مخصوص قدموں کی دھمک ابھری تھی پھر بہت آہستگی سے دروازہ بند کر کے لاک لگایا تھا۔ وہ پھولوں کی روش کو بری طرح کریم کلر ڈھسوں تلے کچلتا ہوا بیڈ سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گیا تھا۔ اس کی سلگتی نگاہیں بیڈ کے وسط میں مہکتی لڑیوں کے درمیان موجود سرخ شعلے پر مرکوز تھیں۔ سرخ سرخ تازہ مہکتے گلابوں کے درمیان وہ بھڑکتا شعلہ ہی تو تھی جس نے اس کے دل کو مدتوں قبل بھسم کر ڈالا تھا اور وہ تنہا ہی جھلستا رہا تھا آتش عشق میں۔ جس کی محبت اس کی نس نس میں خون بن کر دوڑ رہی تھی' آج وہ کٹھور سنگدل بے احساس خوبصورت دشمن اس کے روم میں اس کے بیڈ پر اس کے لئے روایتی انداز میں پلکیں گرائے سر جھکائے محو انتظار تھی۔ اس کے یہ سعادت مند انداز لمحے بھر کو اس کے سرکش وضدی جذبوں کو شکست دینے لگے تھے مگر پھر اسی دم اس کی کج ادائیوں اور بے وفائیوں کا خیال ایک تلخ سا احساس دلا گیا تھا۔ وہ فوراً سنبھل گیا تھا۔ جذبات واحساسات کی سطح سمندر میں جو تلاطم یکدم ہی برپا ہوا تھا' اس سے فرار پا لینا اتنا آسان نہ تھا وہ بھی ایسی رومان پرور کیف آور خواہشات جگاتی معطر معطر فضا میں اس نے اپنی نگاہوں کے زاویے سرخ شعلے سے ہٹا کر خود پر مرکوز کر دیئے۔ پہلے گلے میں پڑے پھولوں اور نوٹوں کے ہار اتار کر سامنے صوفوں کے درمیان رکھی شیشے کی ٹیبل پر پھینکے پھر کھسوں سے پیروں کو آزاد کیا اور واسکٹ اتار کر چیئر پر ڈالی۔ وہ اعصابی وجذباتی کشمکش میں مبتلا تھا۔ جس کو پانے کے لئے اس نے تن تنہا مشقت کی تھی وہ اب اس کی مکمل دسترس میں تھی' اس کے جسم و جان کا مالک تھا' مکمل اختیار مل گیا تھا' اسے اب پھر دل کیوں متضاد چالیں چل رہا تھا۔ اس کی چاہ' اس کے قرب کا آرزومند' اسے چھونے کو بے قرار بھی' اسے نظر انداز کرنے' بیگانگی و بے رخی کی کون سی ادا تھی۔ ادھر ادھر بے مقصد ہی کئی چکر یونہی لگا ڈالے تھے۔'' سہانے لمحے خاموشی سے گزر رہے تھے اس نے وال کلاک دیکھا پھر جیسے مجبوراً بیڈ کی طرف بڑھا تھا اور اس کے نزدیک بیٹھ گیا تھا۔

''عورتیں بہت ڈرامے باز ہوتی ہیں' ان کی زندگی کا مشن ہی مردوں کو احمق بنانا ہوتا ہے۔ صد افسوس' مجھ پر اب تمہاری کوئی تابعداری و وفاداری کی ایکٹنگ اثر انداز نہیں ہو سکتی' تم کتنی زبردست ایکٹر ہو' یہ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔'' وہ بہت آرام سے سرہانے سے تکیہ اٹھا کر اس کے قریب ہی نیم دراز ہو گیا تھا۔ اس کی گمبھیر کاٹ دار آواز کمرے میں اچانک گونج اٹھی تھی' وہی ہوا تھا جس کا اسے اندیشہ تھا۔ وہ ضد و ہٹ دھرمی سے الٹی چال چلنے سے بھی دریغ نہ کرنے والا شخص تھا۔ اس کی دھڑکنیں منتشر تھیں' حنا آلود ہتھیلیوں میں پسینہ قطرہ قطرہ جمع ہونے لگا تھا۔ حلق میں گویا کانٹے اگ آئے تھے۔ ہاتھ پاؤں کی جیسے توانائی زائل ہوئی جا رہی تھی۔

وہ چند لمحے وزدیدہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا رہا تھا' اس کے گہرے سہمے سانسوں کی آوازیں اسے سنائی دے رہی تھیں۔ وہ خوفزدہ تھی' سہمی ہوئی بالکل اس کے نزدیک رونمائی کی منتظر معاً دل اسی سمت مچلا تھا۔ اس کے مضبوط ہاتھ آگے بڑھے اور بہت سرعت سے زرتار گھونگھٹ الٹ دیا گیا۔ پھر گویا چاند اپنی حشر سامانیوں کے سحر انگیز اجالے لئے اس کے روبرو جلوہ نما تھا۔ فراخ پیشانی پر جگمگاتی بندیا' ستواں ناک میں دمکتی نتھ' چمکتا جھومر' کانوں میں جھولتے ڈائمنڈ کے آویزے' میک اپ کی تابانیوں سے دو آتشہ چہرے پر نگاہیں ساکت ہو کر رہ گئی تھیں۔ سرخ عارضوں پر جھکی لرزتی ریشمی سیاہ پلکیں' سرخ ہونٹوں پر ایک قیامت رقصاں تھی۔ وہ اس قدر حسین تھی' وہ اس کے حسن سے بے پرواہی رہا تھا مگر اس وقت جیسے ساری ناراضگی' ساری رنجیدگی اس کے حسن کے شعلوں میں بھسم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ حسن کے حصول کی خاطر کیسے تخت و تاج تاراج کئے جاتے ہیں' اسے اب سمجھ آئی تھی۔ حسن ایک شعلہ ہے' حسن ایک منتر ہے۔ حسن ایسا جادو ہے جو مرد کے حواسوں پر اور سر چڑھ کر بولتا ہے اور اسے پتھر کا بت بنا دیتا ہے۔ حسین عورت ایک امتحان ہوتی ہے اور وہ اس امتحان سے وقار کے ساتھ سرخروئی چاہتا تھا۔

اس نے جذبات کی سرکشی سے بے قابو ہوتے دل کو سنبھالا اور برق رفتاری سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی ضد' انا' خودسری عود کر آئی تھی۔ ایک عرصہ وہ اس کے پیچھے خوار رہا تھا۔ اس کی سرد مہری' کٹھور پن' بے حسی نے اسے یہ احساس بخشا تھا کہ اب پیش قدمی لائبہ کی جانب سے ہو گی' اس کی طرف بڑھنے کا راستہ اسے عبور کرنا ہے۔ یہاں وہ پہل نہیں کرے گا۔ محبتوں کی بارش محو انتظار تھی' اس کے دل کی پھلواری خشک سالی کا شکار تھی۔ چاہتوں کا ابر باراں اس نے برسانا تھا۔ وہ اس دم انا پرست بن گیا تھا۔ انا کی جنگ میں احساسات وجذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ خود کو منوانے کی دھن میں بندہ اپنے بڑے سے بڑے نقصان کی بھی پروا نہیں کرتا سو اس وقت وہ بے حسی' ضد' اکھڑ مزاجی کی پرانی ڈگر پر چل پڑا تھا۔ لائبہ نے بوجھل لرزتی پلکیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بالوں میں برش کر رہا تھا' بالوں سے فارغ ہو کر میرج اس نے بہت فراخدلی سے خود پر اسپرے کی اور دریچے سے بھاری ریشمی پردہ ہٹا کر کھڑا ہو گیا اور ساتھ ہی لائٹر سے سگریٹ سلگانے لگا۔

اس کی بدگمانی وضدی فطرت سے وہ بخوبی آگاہ تھی۔ یہ احساسات بھی دل میں شدت سے جاگزیں تھے کہ اس نے اسے پانے کے لئے خود کو بھلا ڈالا تھا۔ بڑوں کے فیصلے کے آگے چٹان بن گیا تھا۔ یہ سب اس سے محبت بلکہ شدید ترین محبت کا ہی تو ردعمل تھا۔ وہ اسے چاہتا تھا' بے لوث محبت کرتا تھا اور اسے پانے کی ہی تو جستجو تھی وہ۔ اور اب اسے پا کر' اپنا کر' خفگی وناراضگی کا اظہار اسے برا نہیں لگا۔

''میں...... میں...... بہت...... شرمندہ ہوں......'' وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے قریب آ کر گویا ہوئی۔

''کیوں۔'' اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں استفسار کیا' بیگانگی واجنبیت بھرپور تھی۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ میں اپنے پچھلے رویے کی معافی چاہتی ہوں۔'' اس نے بے ترتیب سانسوں کے درمیان کہا۔

''ہا...... ہا...... بہت جلد خیال آ گیا۔ لمحے لمحے کی اذیت ناک موت مارا ہے مجھے تم نے۔ میری محبتوں میری چاہتوں کی شدتوں کا تمہارے پاس ایک ہی جواب ہوتا تھا' نفرت فقط نفرت اونہہ۔ میری دسترس میں ہو تو معافی مانگ رہی ہو۔ مجھ سے' اب محبت کی امید ہرگز نہ رکھنا۔'' وہ درشتگی سے بولا تھا۔ رخ ابھی بھی اس کا دوسری طرف تھا۔ اوپر نیلگوں آکاش پرستاروں کے جھرمٹ میں چاند پوری آب وتاب سے جگمگاہٹیں پھیلا رہا تھا' چاندنی میں نہائی ہر شے طلسماتی وخواب آور لگ رہی تھی۔ نیچے لان میں لائٹس آف تھیں صرف رنگین قمقمے جگمگا رہے تھے دھیمی دھیمی چلتی ہوئی ہوا پر اسرار سرگوشیاں کر رہی تھی۔ اس وقت وہ اس بچے کی مانند لگ رہا تھا جو بہت رو دھو کر ضدیں کر کے اپنا من پسند کھلونا حاصل کرتا ہے اور جب وہ کھلونا اسے حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اسے پانے کی مسرت کے بجائے اسے حاصل کرنے کے دوران کی تکلیفیں اور مشقتیں یاد کر کے تمام مسرت اور ولولے فراموش کر بیٹھتا ہے۔

''وہ میری ناسمجھی تھی' میں تو اتنی احمق ہوں کہ خود اپنے دل کی دھڑکنوں میں گونجنے والے نام کو نہ سن سکی' بے خبری اور خود سے لاتعلقی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے مگر میں ساری حد ہی کراس کر گئی تھی۔''

''مت ڈائیلاگ مارو یار جو تمہارے دل میں میرے لئے جذبات ہیں' ان سے میں بخوبی واقف ہوں۔''

''نہیں' آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ یہ درست ہے' پہلے میں نے اماں جان کی وجہ سے آپ سے بیگانگی برتی' جان بوجھ کر آپ کو ٹھکرایا۔ نفرت کا اظہار کیا مگر خدا گواہ ہے' جب سے آپ نے نکاح کے بندھن میں باندھا تھا' تب سے ہی میرے اندر تبدیلی آنا شروع ہو گئی تھی۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس بدگمان کی پشت پر اپنا چہرہ ٹکاتے ہوئے چوڑیوں بھرا انگوٹھیوں سے دمکتا حنا آلود ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے ہوئے نم لہجے میں کہا۔ طویل عرصے لاحاصل خواہشات کی تکمیل کے حصول کے لئے اس شخص کو اس نے مشق ستم بنایا تھا۔ اب ان لمحات میں وہ اس کی بدگمانی ختم کر کے اپنی پشیمانی دور کرنا چاہتی تھی جس کے لئے اس نے فراخدلی سے اپنی انا اور اپنی خودداری کو قتل کر ڈالا تھا۔

''جبھی تم' طلاق لینے پر رضامند تھیں۔'' اس نے طیش میں آ کر اسے خود سے دور کیا تھا۔ شانے سے ہاتھ اس طرح جھٹکا تھا کہ چھن چھن کئی سرخ چوڑیاں دیوار سے ہاتھ لگنے کی وجہ سے ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں۔

''میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔'' اس کی آواز بھیگنے لگی' اس پر کچھ اثر نہ ہو رہا تھا۔ اس کی جرات مندی پسندیدگی و محبت کا اظہار' خوبصورت والہراؤں جیسا حسن کمرے کی رومان پرور فضا جیسے ہر جذبے و احساس کا عادی ہو گیا تھا۔ کھڑکی سے ہٹ کر پردہ درست کرتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ کر دوسرا سگریٹ سلگانے لگا پھر گہرے گہرے دو تین کش لے کر سرخ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''بہت گہرے زخم دیئے ہیں تم نے مجھے' جو ابھی تک مندمل نہیں ہو سکے ہیں۔ خود سوچو اگر میں ان پیپرز پر سائن کر دیتا تو...... آج...... آج صرف پچھتاوے ہوتے اور تم جب بھی یہی کہتیں' میں نے ایسا تو نہیں چاہا تھا پھر کیا رزلٹ نکلتا' تمہارے اس طرح چاہنے نہ چاہنے سے' بولو۔''

''میں مر جاتی۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو جھر جھر بہنے لگے کہ ضبط و حوصلہ ختم ہو چکا تھا۔

''شٹ اپ۔ میری نئی زندگی کی آج پہلی شب ہے اور میں نہیں چاہتا' اس کی ابتدا آنسوؤں سے ہو۔ فوراً آنسو صاف کر لو۔'' وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتا ہوا غصے سے بولا۔

''ڈریس چینج کر کے آؤ۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہارا یہ روپ نگاہوں میں بسانے کا۔ وہ گن گن کر تمام بدلے لے رہا تھا۔ لائبہ اس کا رویہ دیکھ کر اندر ہی اندر ڈھے جا رہی تھی۔

وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا تو وہ بمشکل لہنگا و دوپٹہ سنبھالتے ہوئے باتھ روم میں آئی تھی۔ خوبصورت چمکدار باتھ روم چم چم کر رہا تھا۔ اس نے دوپٹا اتار کر ایک طرف رکھا (سر جیسے وزنی پہاڑ سے آزاد ہوا تھا) آدھے گھنٹے بعد وہ باتھ روم سے باہر آئی۔ پنک جارجٹ کی دیدہ زیب میکسی میں ملبوس تھی۔ جس کی ہاف آستینوں اور گلے پر ریشم کی کڑھائی تھی اور نگینے جڑے تھے۔ زیور اس نے تمام اتار دیا تھا' ماسوائے ہاتھ میں پڑی ڈھیروں چوڑیوں کے' جو باوجود کوشش کے نہیں اتری تھیں۔ گلے میں اس نے اسکارف ڈال لیا تھا۔ چہرے پر میک اپ کی سحر انگیزی تھی۔ کمر سے نیچے جاتے گولڈن براؤن گھنے ریشمی بالوں میں وہ اپسرا لگ رہی تھی۔ حسین' دلربا' شوخ' بہار میں کھلنے والی کسی کلی کی طرح۔ کمرے کے بلو نائٹ بلب کی روشنی میں اس کا وجیہہ چہرہ' شاندار سراپا نمایاں تھا۔ وہ مکمل مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ اتنا خوبرو' اتنا پرکشش کہ ہزاروں دلوں میں دھڑکن بن کر دھڑکتا تو تعجب خیز بات نہ تھی' باحمیت' باوقار' باکردار وہ تھا ہی چاہے جانے کے قابل اس کے دل نے پہلی بار سچائی سے اعتراف کیا۔ وہ چند لمحے اس کی خود سے لاتعلقی و بیگانگی دیکھتی رہی پھر یکلخت ہی اعتماد بھری' استحقاق سے بھرپور مسکراہٹ اس کے سحر طراز ہونٹوں پر چمکنے لگی' اس نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس کے ہونٹوں میں دبا سگریٹ نکال کر قریب رکھی ایش ٹرے میں مسل دیا۔ اس نے قدرے پھرتی سے یہ سب کیا تھا۔

''یہ...... یہ...... یہ کیا حرکت ہے؟'' اسے لائبہ سے اس قدر بولڈنیس مظاہرے کی قطعی توقع نہ تھی۔

''میرا بھی آپ سے یہی سوال ہے۔'' وہ اپنی گرین آنکھیں اس کے چہرے پر ڈال کر مسکرا کر بولی۔

''شٹ اپ' مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش مت کرنا۔'' وہ اس سے نگاہیں قطعی نہ ملا رہا تھا۔

''آپ نے ہی تو کہا تھا' آگ کا راستہ عبور کر کے میں آپ کی طرف بڑھوں گی۔ اب میں وہ راستہ عبور کر کے آ گئی ہوں تو آپ اب بھی ناراض ہیں۔ میں اپنی خودداری' انا اور حیا پس پشت ڈال کر آپ کی طرف بڑھی ہوں' پھر بھی آپ میری نادانیوں اور بے وقوفیوں کو معاف نہیں کر رہے۔ میں نے تو سنا تھا محبت انسان کو بہت اعلیٰ ظرف و بلند حوصلہ بنا دیتی ہے۔ یہ کیسی خودغرض و خودپرست محبت ہے آپ کی کہ میں اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہی ہوں اور آپ سنگدل بنے ہوئے ہیں۔ کیا نئی نویلی دلہن یہ سب کچھ کرتے ہوئے اچھی لگے گی۔''

''ابھی سے ہمت ہار بیٹھیں۔ تمہیں پانے کی جتنی اذیتیں میں نے اٹھائی تھیں' اس کا تو یہ پاسنگ بھی نہیں ہے' سویٹ ہارٹ۔ ابھی تو عشق کے امتحان اور بھی باقی ہیں۔ ابھی تو ابتداء ہے مائی لائف' آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا۔'' اس کے شانوں پر دونوں بازو رکھ کر استہزائیہ انداز میں سرگوشیانہ لہجے میں بولا تھا' نگاہوں کے زاویے تیزی سے بدلے تھے۔

''یہ...... یہ وہ محبت نہیں ہے جس کا دعویٰ آپ کرتے رہے ہیں۔'' اس کی گرمجوشی' قربت' سرخ نگاہوں کی بے باک تپش' آف وہائٹ کرتے شلوار سے اٹھتی مدہوش کن مہک' مضبوط بازوؤں کی گرفت اتنی سخت تھی کہ وہ مزاحمت کرنے کی ہمت خود میں نہ پا رہی تھی۔

''محبت یہ وہ نہیں ہوتی محبت صرف محبت ہوتی ہے۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''چھوڑیں مجھے۔'' اس کی سمٹتی ہوئی گرفت سے وہ متوحش ہو گئی۔

''یہ کام مجھے کرنا ہوتا تو بہت پہلے کر چکا ہوتا۔'' اس کے انداز میں ذرا تبدیلی نہ آئی۔

''یہ زیادتی ہے' میں معافی مانگ رہی ہوں' پھر بھی آپ۔'' ٹپ ٹپ کئی آنسو پھسل پڑے۔

''مائی گاڈ' شاہ رخ ٹھیک کہتا تھا' تم مٹی کے بجائے آنسوؤں کی بنی ہو۔'' اس کے بہتے آنسو' سحر طرازیاں' معصومیت و سادگی سے بھرپور عشوے و غمزے زیادہ دیر اسے پتھر نہ بنا سکے۔ اس کے اندر کی خفگی وہ بے ثباتی اس کے خوبصورت اقرار وفا کی تپش سے برف کی طرح پگھلنے لگی۔ آنکھوں کی بیگانگی و بے رخی خود بخود شوق سے جگمگانے لگیں۔ جذبات و احساسات نے سرعت سے پٹڑی بدلی تھی۔ اسے پانے کے ولولہ انگیز حیات بخش خیال نے بدگمانی زائل کر دی تھی۔

''افتخار انکل' آنٹی' طوبیٰ' شاہ رخ کل شام کی فلائٹ سے یہاں پہنچیں گے نا۔'' اس کے بدلتے انداز پر وہ بوکھلائی۔

''اس وقت صرف میری اور اپنی بات کرو جانم۔'' اس نے مدہوش سے انداز میں اس کے بال بکھیرے۔

''کک...... کون سی...... بات۔'' اس کی ساری خوداعتمادی ہوا ہونے لگی تھی۔

''اظہار محبت' اظہار چاہت اور وفا کی باتیں تاکہ میں بھی مطمئن ہو جاؤں' یہ سوچ کر کہ تمہارے پیچھے میں تنہا ہی خوار نہیں ہوا بلکہ تمہاری محبت کی کشش بھی شامل تھی۔'' وہ اسے بازوؤں میں لئے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس کی بھاری آواز مزید بھاری ہو گئی تھی۔

''میرے خیال میں محبت اظہار کی محتاج نہیں ہوتی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہوتی ہے' کم از کم میں تو جب تک تمہارے منہ سے سن نہ لوں' قطعی اعتبار نہیں کر سکتا کیونکہ خاصا بے اعتبار سا بندہ ہوں۔'' اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ شوخ لہجے میں گویا تھا۔

''پلیز میرا اعتبار کریں۔'' اس کی مخمور نگاہوں اور مہکتی قربت نے اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

''اچھا ایک دفعہ میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو تم بھی یہی چاہتی تھیں۔'' اسے اس کا یہ شرمایا' گھبرایا' بوکھلایا حسین چہرہ شوخیوں پر اکسا رہا تھا۔ ''دیکھونا' میری طرف...... ایک نظر پلیز۔'' اس کی مونچھوں تلے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ تھی۔

''آپ نے مجھے پریشان کیا تو میں ابھی چچا جان سے کہہ دوں گی۔'' اس نے بیڈ کے سائیڈ پر رکھے انٹرکام کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سخت نروس ہو رہی تھی۔

''اوکے' بولو ڈیڈی کو۔'' اس نے انٹرکام اس کی طرف کھسکایا۔ لائبہ نے بے چارگی سے گردن جھکا دی۔

''اب بھی تو کوئی ڈائیلاگ بولو۔ میں خاموش تھا تو بہت چہک رہی تھیں۔ اب میدان چھوڑ کر بھاگ رہی ہو مگر میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔'' اس نے کھڑے ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے چیلنج کیا۔

''ایکٹنگ تو آپ بھی زبردست کرتے ہیں' کتنا عرصہ بے وقوف بنایا سب کو اندھے پن کا ڈراما کر کے۔ میری باتیں آپ کو ڈائیلاگ لگ رہی ہیں۔ اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔'' وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''نیک خیال ہے اور اطلاعاً عرض ہے' دوسروں کو بے وقوف بنانے والے خود بڑے احمق ہوتے ہیں۔ مجھے دیکھ لو' ساری زندگی اس اندھے پن کی سزا کے طور پر تمہیں بھگتتا رہوں گا کہ اماں جان نے میری اندھی تنہائی کے خیال سے ہی اتنی جلد شادی کا پلان بنایا تھا۔'' وہ جیسے آزردگی سے مخاطب تھا۔

''میں...... سزا ہوں۔'' وہ جھٹکے سے اٹھی تھی۔

''ہاں' اتنی حسین' دلربا اور دلکش سزا جسے بھگتنے کے لئے مجھے زندگی بار بار بھی ملے تو کم ہے مائی لو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کے کومل وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں سمیٹ لیا۔

اس نے پرسکون ہو کے اس کے کشادہ سینے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں کہ اس کی زندگی اب بہاروں کے سنگ سنگ شاداب و نوبہار ہو چلی تھی۔